شرح
موطا امام محمد
تصنیف
حضرت امام محمد بن حسن شیبانی
شارح
محقق اسلام مولانا محمد علی
ناشر
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸- اردو بازار لاہور

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (القرآن)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو

فقہ حنفی کے عظیم ماخذ اور حدیث شریف کے اہم ذخیرے کی شرح

شرح

مؤطا امام محمد

الجزء الثالث

تصنیف

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ

شرح

محقق اسلام مولانا علامہ محمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فہرس

شرح موطا امام محمد (جلد سوئم)

۱۲- کِتَابُ الْاَیْمَانِ وَالنُّذُوْرِ

قسم اٹھانے اور نذر ماننے کا بیان

۳۲۵- بَابُ الْاَیْمَانِ وَالنُّذُوْرِ وَاَدْنٰی مَا یُجْزِئُ فِیْ کَفَّارَةِ الْیَمِیْنِ

قسم اٹھانے اور نذر ماننے کا بیان اور یہ کہ کم از کم کس چیز سے کفارۂ قسم ادا ہو سکتا ہے؟

۷۲۳- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یُکَفِّرُ عَنْ یَمِیْنِهٖ بِاِطْعَامِ عَشَرَةِ مَسَاکِیْنَ لِکُلِّ اِنْسَانٍ مُدٌّ مِّنْ حِنْطَةٍ وَکَانَ یَعْتِقُ الْجَوَارِ اِذَا وَکَّدَ فِی الْیَمِیْنِ.

ہمیں امام مالک نے بتایا' وہ کہتے ہیں: ہمیں حضرت نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی قسم کا کفارہ دس مساکین کو کھانا کھلانے کی صورت میں دیتے تھے۔ ہر آدمی کو ایک مُد گندم دیتے اور جب آپ قسم اٹھانے میں بار بار تاکید کر لیتے تو باندیاں آزاد کرتے۔

۷۲۴- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ سُلَیْمٰنَ بْنِ یَسَارٍ قَالَ اَدْرَکْتُ النَّاسَ وَهُمْ اِذَا اَعْطَوا الْمَسَاکِیْنَ فِیْ کَفَّارَةِ الْیَمِیْنِ اَعْطَوْا مُدًّا مِّنْ حِنْطَةٍ بِالْمُدِّ الْاَصْغَرِ وَرَاَوْا اَنَّ ذٰلِکَ یُجْزِئُ عَنْهُمْ.

ہمیں امام مالک نے بتایا وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سعید نے سلیمان بن یسار سے روایت بتائی۔ سلیمان کہتے تھے میں نے صحابہ کا زمانہ پایا ہے وہ جب کفارۂ قسم میں مساکین کو کھانا دیتے تو چھوٹے مد میں گندم دیتے اور ان کے خیال میں یہ کافی تھا۔

۷۲۵- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ مَنْ حَلَفَ بِیَمِیْنٍ فَوَکَّدَهَا ثُمَّ حَنَثَ فَعَلَیْهِ عِتْقُ رَقَبَةٍ اَوْ کِسْوَةُ عَشَرَةِ مَسَاکِیْنَ وَمَنْ حَلَفَ بِیَمِیْنٍ وَلَمْ یُوَکِّدْهَا فَحَنَثَ فَعَلَیْهِ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاکِیْنَ لِکُلِّ مِسْکِیْنٍ مُدٌّ مِّنْ حِنْطَةٍ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ.

ہمیں امام مالک نے بتایا' وہ کہتے ہیں: ہمیں نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: جس نے قسم اٹھائی پھر اسے مؤکد کیا (بار بار دہرایا) اور بعد میں قسم توڑ دی تو اس پر غلام آزاد کرنا یا دس مساکین کو کپڑے دینا لازم ہے اور جس نے قسم بار بار نہ دہرائی اس پر دس مساکین کو کھانا کھلانا لازم ہے' ہر مسکین کو ایک مد گندم ملے گی اور جسے یہ طاقت نہ ہو (کہ غلام آزاد کرے یا دس مساکین کو کپڑے یا کھانا دے) وہ تین روزے رکھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاکِیْنَ غَدَاءً وَعِشَاءً اَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ حِنْطَةٍ اَوْ صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِیْرٍ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دس مساکین کو صبح اور شام کا کھانا کھلایا جائے یا گندم کا آدھا اور کھجور یا جَو کا پورا صاع (ہر مسکین) کو دیا جائے۔

قارئین کرام! انسان کبھی قسم اٹھا لیتا ہے کہ میں یہ کام ضرور کروں گا پھر وہ نہیں کر سکتا یا کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! میں فلاں کام ہرگز نہیں کروں گا' پھر وہ کام اس سے ہو جاتا ہے تو اسے قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا جو اللہ نے قرآن میں یوں بیان فرمایا ہے:

فَکَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ذٰلِکَ کَفَّارَةُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ. (المائدہ:۸۹)

اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مساکین کو کھانا کھلایا جائے' وہ درمیانہ سا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو' یا دس مساکین کو کپڑے پہنائے جائیں' یا غلام آزاد کیا جائے اور جو یہ طاقت نہ رکھے وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم اٹھا لو (اور توڑ دو)۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قسم کے تین کفارے بتائے ہیں غلام آزاد کرنا' دس مساکین کو کپڑے پہنانا یا انہیں کھانا کھلانا۔ ان میں سے کسی ایک کی ادائیگی سے کفارۂ قسم ادا ہو جاتا ہے اور اگر یہ تینوں کسی غریب شخص کی طاقت میں نہ ہوں تو وہ تین روزے رکھ لے۔ اب مذکورہ تین کفارات کے بارے میں صحابہ کرام کے کچھ معمولات اور ارشادات ہیں چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ نے امام مالک سے مذکورہ روایات نقل کی ہیں۔ ان مذکورہ بالا روایات میں چند امور قابلِ غور ہیں۔

اول: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ معمول اور ارشاد تھا کہ اگر بار بار قسم اٹھا کر اسے مؤکد کر لیا جائے تو غلام آزاد کرنا یا دس مساکین کو کپڑے پہنانے چاہیے کیونکہ یہ زیادہ قیمتی مال ہے۔ اور اگر ایک ہی بار قسم اٹھائی اور دہرایا نہیں تو دس مساکین کو کھانا دے دینا کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ گندم کا ایک مد (جو آدھا صاع کے قریب ہے) ہر مسکین کو دیا جائے۔ کیونکہ یہ غلام آزاد کرنے یا دس مساکین کو کپڑے پہنانے میں کم ہے۔ خلاصہ یہ کہ قسم کو مؤکد کرنے کی صورت میں بھاری کفارہ ہونا چاہیے اور مؤکد نہ کرنے کی صورت میں ہلکا۔

سلیمان بن یسار تابعی رضی اللہ عنہ نے بھی کفارۂ قسم میں کھانا کھلانے کی صورت میں صحابہ کا یہی معمول بتایا کہ وہ چھوٹا مد گندم دس مساکین میں سے ہر ایک کو دے دیتے تھے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کھانا کھلانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں اگر دس مساکین کو گھر میں بٹھا کر پکا کھانا کھلایا ہو تو دو وقت صبح اور شام کھلانا چاہیے اور اگر غلہ دے کر رخصت کرنا ہو تو گندم کا آدھا صاع اور کھجور یا جَو کا پورا صاع دینا چاہیے۔ اور ایک مُد آدھا صاع کے برابر ہی ہوتا ہے (یاد رہے آدھا صاع میں قریباً سوا دو سیر گندم آتی ہے)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ الْحَنَفِيُّ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ السَّبِيْعِيِّ عَنْ يَرْفَاءَ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا يَرْفَاءُ اِنِّيْ اَنْزَلْتُ مَالَ اللّٰهِ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ مَالِ الْيَتِيْمِ اِنِ احْتَجْتُ اَخَذْتُ مِنْهُ فَاِذَا اَيْسَرْتُ رَدَدْتُهٗ وَاِنِ اسْتَغْنَيْتُ اسْتَعْفَفْتُ وَاِنِّيْ قَدْ وَلِيْتُ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ اَمْرًا عَظِيْمًا فَاِذَا اَنْتَ سَمِعْتَنِيْ اَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَلَمْ اُمْضِهَا فَاَطْعِمْ عَنِّيْ عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ خَمْسَةَ اَصْوُعٍ بُرٍّ بَيْنَ كُلِّ مِسْكِيْنَيْنِ صَاعٌ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں سلام بن سلیم حنفی نے بتایا' اس نے ابو اسحاق سبیعی سے روایت کیا' آگے اس نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام یرفاء سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے یرفاء! میں نے مالِ خدا (بیت المال) کو اپنے لیے مالِ یتیم کی طرح سمجھ رکھا ہے۔ اگر مجھے کچھ حاجت ہو تو اس میں سے لے لیتا ہوں' پھر خوشحال ہونے پر اسے واپس لوٹا دیتا ہوں اور اگر حاجت نہ ہو تو اس مال سے دور ہی رہتا ہوں' مجھے مسلمانوں کی حکومت دے کر بڑے سخت امتحان میں ڈال دیا گیا ہے۔ اگر تم دیکھو کہ میں نے کوئی قسم اٹھائی ہے اور پھر اسے پورا نہیں کر سکا تو میری طرف سے دس مساکین کو پانچ صاع گندم تقسیم کر دو' ہر دو مسکینوں پر ایک صاع بانٹ دو۔

۷۲۶- اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ بْنُ اَبِيْ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحٰقَ عَنْ يَسَارِ بْنِ نُمَيْرٍ عَنْ يَرْفَاءَ غُلَامِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ عُمَرَ قَالَ لَهٗ اَنَّ عَلَيَّ اَمْرًا مِّنْ اَمْرِ النَّاسِ جَسِيْمًا فَاِذَا رَاَيْتَنِيْ قَدْ حَلَفْتُ وَعَلَيَّ شَيْءٌ فَاَطْعِمْ عَنِّيْ عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ.

ہمیں یونس بن ابی اسحاق نے بتایا' اس نے کہا ہمیں ابو اسحاق نے یسار بن نمیر کے واسطہ سے یرفاء غلام عمر بن خطاب سے روایت کر کے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرما رکھا تھا کہ مجھ پر مسلمانوں کی خلافت کا عظیم بوجھ ہے (اور میں اپنے کئی ذاتی کام بھول جاتا ہوں) لہٰذا اگر تم دیکھو کہ میں نے کوئی قسم اٹھا کر اس کی خلاف ورزی کی ہے اور مجھ پر اس کا کفارہ آتا ہے تو میری

طرف سے دس مساکین کو کھانا دے دیا کرو اس طرح کہ ہر مسکین کو گندم کا آدھا صاع مل جائے۔

۷۲۷- اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ عَنْ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ يَسَارِ بْنِ نُمَيْرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْ يَمِيْنِهِ بِنِصْفِ صَاعٍ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ.

ہمیں سفیان بن عیینہ نے بتایا' اسے منصور بن معتمر نے بتایا' اسے شقیق بن سلمہ نے بتایا' اسے یسار بن نمیر نے بتایا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حکم فرما رکھا تھا کہ ان کی طرف سے کفارۂ قسم میں ہر مسکین کو آدھا صاع دیا جائے۔

۸۲۸- اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ مِّنَ الْكَفَّارَاتِ فِيْهِ اِطْعَامُ الْمَسَاكِيْنِ نِصْفُ صَاعٍ لِكُلِّ مِّسْكِيْنٍ.

ہمیں سفیان بن عیینہ نے بتایا کہ عبد الکریم نے مجاہد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ تمام کفارات میں مساکین کو کھلانے سے مراد ہر مسکین کو آدھا صاع گندم دے دینا ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ روایات میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بار بار دہرایا گیا ہے کہ کفارۂ قسم میں دس مساکین کو یوں کھانا دیا جائے کہ ہر مسکین کو آدھا صاع گندم مل جائے۔ اس سے امام محمد رحمہ اللہ کے اس فتویٰ کی تائید مل گئی کہ کفارۂ قسم میں کھانا دینے کی صورت میں دس مساکین میں سے ہر ایک کو نصف صاع (سوا دو سیر گندم یا اس کی قیمت) دینا لازم ہے۔ اور حضرت مجاہد تابعی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

۳۲۶- بَابُ الرَّجُلِ يَحْلِفُ بِالْمَشْيِ اِلَى بَيْتِ اللّٰهِ

اس کا بیان کہ ایک آدمی بیت اللہ کو پیدل جانے کی قسم اٹھائے

۷۲۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ عَنْ عَمَّتِهٖ اَنَّهَا حَدَّثَتْهُ عَنْ جَدَّتِهٖ اَنَّهَا كَانَتْ جَعَلَتْ عَلَيْهَا مَشْيًا اِلَى مَسْجِدِ قُبَاءَ فَمَاتَتْ وَلَمْ تَقْضِهٖ فَاَفْتَى ابْنُ عَبَّاسٍ ابْنَتَهَا اَنْ تَمْشِيَ عَنْهَا.

ہمیں امام مالک نے بتایا' انہوں نے کہا: مجھے عبد اللہ بن ابی بکر نے اپنی پھوپھی کے ذریعے بتایا کہ ان کی دادی نے مسجد قباء پیدل چل کر جانے کی نذر مان رکھی تھی' وہ فوت ہوگئیں اور نذر پوری نہ کر سکیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی بیٹی کو فتویٰ دیا کہ وہ ان کی طرف سے قباء چل کر جائے۔

۷۳۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ حَبِيْبَةَ قَالَ قُلْتُ لِرَجُلٍ وَّاَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ لَيْسَ عَلَى الرَّجُلِ يَقُوْلُ عَلَيَّ الْمَشْيُ اِلَى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَا يُسَمِّيْ نَذْرًا شَيْءٌ فَقَالَ الرَّجُلُ هَلْ لَكَ اِلَى اَنْ اُعْطِيَكَ هٰذَا الْجَرْوَ لِجَرْوٍ قِثَّاءٍ فِيْ يَدِهٖ وَتَقُوْلُ عَلَيَّ مَشْيٌ اِلَى بَيْتِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقُلْتُ نَعَمْ فَقُلْتُهٗ فَمَكَثْتُ حِيْنًا حَتّٰى عَقَلْتُ فَقِيْلَ لِيْ اِنَّ عَلَيْكَ مَشْيًا فَجِئْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ عَلَيْكَ مَشْيٌ فَمَشَيْتُ.

ہمیں امام مالک نے بتایا' وہ کہتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابی حبیبہ نے بتایا کہ میں نے ایک شخص سے کہا جب کہ میں چھوٹی عمر کا تھا کہ جو شخص یہ کہے: مجھ پر بیت اللہ کو جانا لازم ہے اور نذر کا نام نہ لے (یہ نہ کہے کہ میں اللہ کے لیے نذر مانتا ہوں) اس پر کچھ لازم نہیں۔ اس نے کہا وہ تو ہلاک ہو گیا پھر وہ مجھ سے کہنے لگا اگر تم کہو کہ مجھ پر بیت اللہ کو جانا لازم ہے تو میں تمہیں یہ چھوٹی سی ککڑی دوں گا میں نے کہہ دیا کہ ہاں مجھ پر بیت اللہ کو جانا لازم ہے' میں نے کہہ دیا' مگر میں اس کام سے رکا رہا تا آنکہ مجھ میں سوجھ بوجھ پیدا ہوگئی' پھر مجھے بتایا گیا کہ مجھ پر بیت اللہ کو پیدل جانا لازم ہے۔ میں سعید بن

مسیب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا ان سے اس بارے میں پوچھا' انہوں نے کہا: تجھ پر پیدل جانا لازم ہے تو میں پیدل چل کر گیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ جَعَلَ عَلَيْهِ الْمَشْيَ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ لَزِمَهُ الْمَشْيُ اِنْ جَعَلَهٗ نَذْرًا اَوْ غَيْرَ نَذْرٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص نے خود پر بیت اللہ کو پیدل چل کر جانا لازم کیا ہو اسے ایسا کرنا ضروری ہو جاتا ہے خواہ وہ اس کی نذر مانے یا نہ مانے (یعنی خواہ یہ کہے کہ میں اللہ کے لیے اس کی نذر مانتا ہوں یا نہ کہے) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے اور ہمارے عام فقہاء بھی یہی کہتے ہیں۔

قارئین کرام! مذکورہ روایات میں سے پہلی روایت میں عبداللہ بن ابی بکر کی دادی کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ دینا مذکور ہوا کہ اس پر مسجد قباء کی طرف پیدل چل کر جانا لازم ہے' کیونکہ اس نے اس چیز کی نذر مانی تھی اور اگر وہ ایسا کیے بغیر مر گئی ہے تو اس کی بیٹی اس کی طرف سے پیدل چل کر جائے۔

مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما اس قول میں منفرد ہیں اسی لیے چاروں ائمہ فقہ میں سے کسی نے بھی یہ مسلک نہیں اپنایا۔ کیونکہ مسجد قباء میں جا کر نماز پڑھنا اگرچہ فی نفسہٖ حدیث صریح کے مطابق ایک عمرہ کا ثواب رکھتا ہے (نسائی شریف' کتاب المساجد باب:۹) مگر اس کے لیے پیدل چل کر جانے کو خود پر لازم کرنا فی نفسہٖ کچھ معنی اور فضیلت نہیں رکھتا اور نہ یہ عبادات میں سے کوئی مقصودی عبادت ہے۔ جبکہ نذر کی شرائط صحت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بالذات مقصودی عبادات ہو جیسے نماز' روزہ' حج' عمرہ وغیرہ' اسی لیے محض وضو کی نذر ماننا درست نہیں۔ (فتح القدیر)

خلاصہ یہ کہ کسی جگہ پیدل چل کر جانے کی نذر ماننے سے ایسا کرنا انسان پر لازم نہیں آتا اور جب خود اس پر لازم نہیں آتا تو اس کی طرف سے کسی دوسرے کا یہ فعل ادا کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس کے بعد اس باب کی دوسری روایت میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ مذکور ہوا کہ جو بیت اللہ کو پیدل چل کر جانے کی نذر مانے اس پر یہ لازم آ جاتا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: یہی ہمارا فتویٰ ہے اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر عام فقہاء کا قول ہے۔ مگر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس نے ایسی نذر مانی اس پر پیدل چل کر حج یا عمرہ کرنا لازم آئے گا' کیونکہ حج اور عمرہ بالذات مقصودی عبادات ہیں قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ یہاں بھی کچھ لازم نہ آئے کیونکہ کعبہ کی طرف پیدل چلنا بالذات کوئی عبادت نہیں کہ جس کے لیے نذر مانی جائے مگر چونکہ کعبہ کی طرف جانا عرف عام میں حج بیت اللہ یا عمرہ کرنے سے کنایہ تصور کیا جاتا ہے اس لیے ان الفاظ کے ساتھ نذر ماننے سے حج یا عمرہ کرنا لازم آ جائے گا اور اس میں پیدل چل کر جانا بھی شامل ہوگا۔

۳۲۷- بَابُ مَنْ جَعَلَ عَلٰى نَفْسِهِ الْمَشْيَ ثُمَّ عَجَزَ

وہ شخص جو خود پر بیت اللہ کو پیدل جانا واجب کرے پھر اس سے عاجز آ جائے

۷۳۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ اُذَيْنَةَ اَنَّهٗ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ جَدَّةٍ لِّيْ عَلَيْهَا مَشْيٌ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ عَجَزَتْ فَاَرْسَلَتْ مَوْلًى لَّهَا اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَسْاَلُهٗ وَخَرَجْتُ مَعَ الْمَوْلٰى فَسَاَلَهٗ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ مُرْهَا فَلْتَرْكَبْ ثُمَّ لْتَمْشِ مِنْ [illegible]

امام مالک نے ہمیں عروہ بن اذینہ کے بارے میں خبر دی کہ وہ کہتے ہیں: میں اپنی دادی کے ساتھ سفر پہ نکلا' اس پر بیت اللہ کی طرف پیدل جانے کی نذر واجب تھی' جب ہم نے کچھ راستہ طے کر لیا تو وہ چلنے سے عاجز آ گئی۔ اس نے اپنا غلام عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف پوچھنے کے لیے بھیجا' میں بھی اس کے ساتھ

حَيْثُ عَجَزَتْ.

ہولیا اس نے آپ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا' آپ نے فرمایا: وہ عورت اب سوار ہو جائے اور دوبارہ آ کر وہیں سے پیدل چلنا شروع کرے جہاں وہ عاجز آئی تھی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ قَدْ قَالَ هٰذَا قَوْمٌ وَاَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ هٰذَا الْقَوْلِ مَا رُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

امام محمد فرماتے ہیں ایک قوم کی یہی رائے ہے جب کہ ہمارے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول زیادہ پسندیدہ ہے۔

۷۳۲- اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ اَنَّهُ قَالَ مَنْ نَّذَرَ اَنْ يَّحُجَّ مَاشِيًا ثُمَّ عَجَزَ فَلْيَرْكَبْ وَلْيَحُجَّ وَلْيَنْحَرْ بَدَنَةً وَجَاءَ عَنْهُ فِيْ حَدِيْثٍ اٰخَرَ وَيُهْدِيْ هَدْيَةً فَبِهٰذَا نَاْخُذُ يَكُوْنُ الْهَدْيُ مَكَانَ الْمَشْيِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

چنانچہ ہمیں شعبہ بن حجاج نے حکم بن عتبہ سے ابراہیم نخعی کے ذریعے سے روایت کر کے بتایا کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص پیدل حج کو جانے کی نذر مانے پھر اس سے عاجز آ جائے تو سوار ہو جائے' حج مکمل کرے اور بُدنہ (گائے یا اونٹ) کی قربانی دے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ ہدی پیش کرے اور ہم اسی قول پر عمل کرتے ہیں کہ پیدل چلنے کی جگہ قربانی دے دے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

۷۳۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ عَلَيَّ مَشْيٌ فَاَصَابَتْنِيْ خَاصِرَةٌ فَرَكِبْتُ حَتّٰى اَتَيْتُ مَكَّةَ فَسَاَلْتُ عَطَاءَ بْنَ اَبِيْ رَبَاحٍ وَغَيْرَهُ فَقَالُوْا عَلَيْكَ هَدْيٌ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ سَاَلْتُ فَاَمَرُوْنِيْ اَنْ اَمْشِيَ مِنْ حَيْثُ عَجَزْتُ مَرَّةً اُخْرٰى فَمَشَيْتُ.

ہمیں امام مالک نے بتایا اور انہیں یحییٰ بن سعید نے خبر دی کہ مجھ پر کعبۃ اللہ کو پیدل جانے کی نذر واجب تھی' مجھے پہلو کے درد نے آ لیا میں سوار ہو گیا' میں مکہ آیا' میں نے عطاء بن ابی رباح وغیرہ سے پوچھا' انہوں نے کہا: تجھ پر جانور کی قربانی لازم ہے (پیدل جانا لازم نہیں) جب میں مدینہ آیا اور اس بارے میں (فقہاءِ مدینہ سے) سوال کیا تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ دوبارہ جاؤں اور وہیں سے پیدل چل کر آؤں جہاں میں چلنے سے عاجز رہا تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ عَطَاءٍ نَاْخُذُ يَرْكَبُ وَعَلَيْهِ هَدْيٌ لِرُكُوْبِهِ وَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يَّعُوْدَ.

امام محمد فرماتے ہیں: ہم عطاء کے قول پر عمل کرتے ہیں کہ وہ شخص سوار ہو جائے اور اس پر نذر پوری نہ کرنے کے باعث ھدی لازم ہے اور اس پر واپس جانا اور جائے عجز سے چل کر آنا لازم نہیں۔

قارئین کرام! جو شخص بیت اللہ کو پیدل جانے یعنی حج یا عمرہ کرنے کی نذر مانے مگر راستہ میں چلنے سے رہ جائے تو اس بارے میں دو آراء ہیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے میں اسے سوار ہو کر مکہ جانا چاہیے اور دوبارہ سفر اختیار کر کے وہیں سے پیدل چلنے کا آغاز کرنا چاہیے' جہاں پہلی دفعہ چھوڑا تھا۔ جب کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسے عاجز آنے پر بقیہ سفر سواری پر کرنا چاہیے اور اس کے عوض اسے جانور قربان کرنا لازم ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر فتویٰ و عمل ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ کے صریح ارشادات بھی اس پر وارد ہیں' چنانچہ حدیث ہے۔

عن ابن عباس ان اخت عقبة بن عامر نذرت ان تمشي الى البيت فامرها النبي ﷺ ان تركب وتهدي هديا.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے بیت اللہ کی طرف پیدل جانے کی نذر مانی' نبی ﷺ نے اسے حکم فرمایا کہ وہ سوار ہو جائے اور اس کی جگہ قربانی دے دے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما ان اخت عقبة بن عامر نذرت ان تحج ماشية وانها لا تطيق ذلك فقال النبي ﷺ ان الله لغني عن مشي اختك فلتركب ولتهد بدنة.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی اور وہ اس کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ نبی ﷺ نے (حضرت عقبہ سے) فرمایا: بے شک اللہ تمہاری بہن کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے' اسے سوار ہو کر جانا' اور بدنہ (گائے یا اونٹ) قربانی کرنا چاہیے۔ (ابوداؤد شریف' کتاب الایمان' باب:۱۹)

ممکن ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو' ورنہ وہ تو ادنیٰ سے ادنیٰ سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنے کی شدید تمنا رکھتے تھے۔ ایک بار انہوں نے میدانِ عرفات میں ایک جگہ اپنی اونٹنی گھمائی اور بیٹھ گئے' ساتھیوں نے پوچھا: یہ اونٹنی گھمانے کا سبب کیا تھا؟ فرمایا: میں نے اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو اونٹنی گھماتے دیکھا تھا۔ (اسد الغابہ' الاستیعاب وغیرہ)

۳۲۸- بَابُ الْإِسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِيْنِ
قسم میں استثناء کا بیان

۷۳۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ مَنْ قَالَ وَاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ لَمْ يَفْعَلِ الَّذِيْ حَلَفَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ.

ہمیں امام مالک رحمہ اللہ نے بتایا' انہوں نے کہا ہمیں نافع نے بتایا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جو شخص واللہ کہہ کر قسم اٹھائے اور ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دے پھر وہ کام نہ کرے جس پر اس نے قسم اٹھائی تھی تو اس پر کفارۂ قسم لازم نہ آئے گا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اِذَا قَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ وَصَلَهَا بِيَمِيْنِهٖ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ جب کوئی قسم کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اگر اس نے قسم کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہا تب کفارہ باطل ہوگا' سے معلوم ہوا کہ اگر اس نے قسم اٹھانے کے بعد کچھ دیر خاموشی اختیار کی یا دوسری کلام کی' اس کے بعد ان شاء اللہ کہا تو اس کا کوئی معنی نہیں اور نہ ہی اس سے کفارہ باطل ہوگا اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ منفصل ان شاء اللہ کہنا غیر مؤثر ہو ورنہ کوئی عقد' معاہدہ' بیع اور تجارت منعقد نہ ہو سکے گی کہ جب چاہا معاہدہ کے بعد ان شاء اللہ کہہ دیا اور اسے باطل کر دیا' اسے کوئی ذی عقل قبول نہیں کر سکتا۔

۳۲۹- بَابُ الرَّجُلِ يَمُوْتُ وَعَلَيْهِ نَذْرٌ
ایک شخص مر جائے اور اس پر نذر واجب ہو

۷۳۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اُمِّيْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ لَمْ تَقْضِهٖ قَالَ اِقْضِهٖ عَنْهَا.

ہمیں امام مالک نے خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن شہاب نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے بتایا کہ عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں: سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ پوچھا اور کہا کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہیں اور ان کے ذمہ ایک نذر تھی جو وہ پوری نہ کر سکیں' آپ نے فرمایا: تم اس کی

طرف سے اسے پورا کرو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ مَا كَانَ مِنْ نَذْرٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ حَجٍّ قَضَاهَا عَنْهَا اَجْزٰى ذٰلِكَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَآمَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فوت ہونے والے کی طرف سے جو نذر'صدقہ یا حج وغیرہ ادا کیا جائے وہ کفایت کرتا ہے ان شاء اللہ۔ یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

ایک شخص فوت ہوتا ہے اور اس پر بعض عبادات واجب الذمہ ہیں جو وہ پوری نہ کر سکا تو کیا دوسرا شخص اس کی طرف سے انہیں ادا کر سکتا ہے اس طرح کہ اس کے ادا کرنے سے مرنے والے کے ذمہ سے وہ عبادات ساقط ہو جائیں؟ اس بارے میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ رسول ﷺ فیصلہ کر رہا ہے کہ آپ نے انہیں ان کی مرحومہ والدہ کی طرف سے نذر ادا کرنے کی اجازت عطا فرمائی اور اس بارے میں صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی صراحت کرتی ہے۔

عن ابن عباس ان امراة جاءت الى النبى ﷺ فقالت ان امى نذرت ان تحج فماتت قبل ان تحج افاحج عنها؟ قال نعم حجى عنها ارايت لو كان عن امك دين اكنت قاضيته؟ قالت نعم قال فاقضوا الله الذى له فان الله احق بالوفاء.

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب:۱۳)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی' عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی مگر وہ حج سے قبل فوت ہو گئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم اس کی طرف سے حج کرو' مجھے بتاؤ اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتو کیا تم اسے ادا کرو گی؟ کہنے لگی: ہاں! آپ نے فرمایا: تو اللہ کا حق پہلے ادا کرو کیونکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

۳۳۰- بَابُ مَنْ حَلَفَ اَوْ نَذَرَ فِىْ مَعْصِيَةٍ

جو شخص کسی گناہ کے ارتکاب پر قسم اٹھائے یا نذر مانے

۷۳۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِىِّ ﷺ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّعْصِيَهٗ فَلَا يَعْصِهٖ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی' وہ کہتے ہیں ہمیں طلحہ بن عبدالملک نے قاسم بن محمد کے ذریعے سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت کر کے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اطاعتِ خداوندی کی نذر مانی وہ اطاعت بجا لائے اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے وہ نافرمانی نہ کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِىْ مَعْصِيَةٍ وَلَمْ يُسَمِّ فَلْيُطِعِ اللّٰهَ وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

امام محمد فرماتے ہیں: یہی ہمارا مسلک ہے۔ جس نے معصیت کی نذر مانی خواہ اس کا نام نہ لیا وہ اللہ کی اطاعت سے نہ نکلے اور قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

۷۳۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِىْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُوْلُ اَتَتْ اِمْرَاَةٌ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَتْ اِنِّىْ نَذَرْتُ اَنْ اَنْحَرَ ابْنِىْ فَقَالَ لَا تَنْحَرِىْ اِبْنَكِ وَكَفِّرِىْ عَنْ يَّمِيْنِكِ فَقَالَ شَيْخٌ عِنْدَ

ہمیں امام مالک نے خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سعید نے بتایا کہ میں نے قاسم بن محمد سے سنا کہ ایک عورت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئی' کہنے لگی: میں نے اپنے بچہ کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے' آپ نے فرمایا: اپنا بچہ ذبح نہ کرو اور قسم کا کفارہ ادا

ابْنِ عَبَّاسٍ جَالِسٌ كَيْفَ يَكُوْنُ فِيْ هٰذَا كَفَّارَةٌ؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَرَاَيْتَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ جَعَلَ فِيْهِ مِنَ الْكَفَّارَةِ مَا قَدْ رَاَيْتَ.

کرلو؛ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک بوڑھا بیٹھا تھا' وہ کہنے لگا: اس میں کفارہ کیسے آ سکتا ہے؟ (یہ تو گناہ کی نذر تھی) ابن عباس فرمانے لگے کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ فرماتا ہے: **والذین یظھرون من نساءھم** 'اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ظہار میں کفارہ لازم کیا ہے جو جانتے ہو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَأْخُذُ وَهٰذَا مِمَّا وَصَفْتُ لَكَ اَنَّهُ مَنْ حَلَفَ اَوْ نَذَرَ نَذْرًا فِيْ مَعْصِيَةٍ فَلَا يَعْصِيَنَّ اللّٰهَ وَلْيُكَفِّرَنَّ عَنْ يَمِيْنِهِ.

امام محمد فرماتے ہیں: ہمارا عمل قول ابن عباس پر ہے اور یہی میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ جو شخص گناہ پر قسم اٹھائے یا نذر مانے وہ گناہ نہ کرے اور قسم کا کفارہ دے دے۔

٧٣٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ سُهَيْلِ ابْنِ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَاٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِهِ وَلْيَفْعَلْ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن سہیل ابن ابی صالح نے اپنے باپ سے سن کر بتایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کوئی قسم اٹھائے پھر وہ دیکھے کہ اس کے سوا دوسرا راستہ بہتر ہے تو وہ قسم کا کفارہ دے دے اور دوسرے راستہ ہی پر عمل کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا عمل ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول بھی۔

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی گناہ کے کرنے پر قسم یا نذر کا لفظ بولتا اور کہتا ہے کہ میں فلاں کام ضرور کروں گا تو اسے وہ نہیں کرنا چاہیے اور قسم کا کفارہ دے دینا چاہیے اس بارے میں اولاً سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث رسول ﷺ اس باب کے آغاز میں پیش کی گئی' پھر حضرت ابن عباس کا فتویٰ ذکر کیا گیا اور یہ کہ جب ایک شخص نے ان کے فتویٰ پر اعتراض کیا تو انہوں نے آیتِ ظہار کا حوالہ دیا: وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ. (المجادلہ:٣) جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں یعنی ان کے قریب نہ جانے کی قسم اٹھالیں تو غلام آزاد کریں' یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائیں اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھے۔ اب بیوی کے قریب نہ جانے کا مصمم ارادہ بھی معصیت ہے اور اللہ نے فرمایا کہ جو ایسا کرنے کی قسم اٹھالے وہ قسم اٹھانے والا قسم توڑ کر اس کا کفارہ دے اور برائی کا ارتکاب نہ کرے۔

اور آخر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث نے معاملہ مزید واضح کر دیا کہ جو شخص قسم اٹھائے' پھر دیکھے کہ اس کے سوا دوسرا راستہ بہتر ہے تو دوسرا راستہ اختیار کرے اور قسم کا کفارہ دے دے۔

ان کی تائید اس آیتِ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے فرمایا:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (النور:٢٢)

اور تم میں سے اہل فضل و وسعت اس سے سستی نہ کریں کہ قریبی عزیزوں اور مساکین و مہاجرین فی سبیل اللہ کی امداد کریں۔

اس کا شانِ نزول صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور باب ١٨ میں یوں مذکور ہے کہ سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت رکھی تو حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی ان کی تائید میں کوئی لفظ نکل گیا۔ حضرت مسطح' حضرت ابوبکر صدیق

کے عزیز تھے اور آپ کے زیر کفالت بھی تھے' آپ کو شدید رنج ہوا کہ مسطح نے ایسا لفظ کیوں کہا ہے' آپ نے فرمایا: واللہ میں آئندہ مسطح کو کچھ نہ دوں گا' تب اللہ نے یہ آیت اتاری اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور حضرت مسطح کا خرچہ پہلے کی طرح بحال کر دیا۔

ثابت ہوا اگر کوئی شخص کسی شرعاً ناپسندیدہ امر کے کرنے کی قسم اٹھالے تو اسے اپنی قسم کا کفارہ دے دینا چاہیے اور کسی ناپسندیدہ عمل کو جاری نہیں رکھنا چاہیے۔

۳۳۱ - بَابُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ

غیر اللہ کی قسم اٹھانے کا بیان

۷۳۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا وَاَبِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ ثُمَّ لِيَبْرُرْ اَوْ لِيَصْمُتْ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے اور وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے عمر بن خطاب کو یوں کہتے سنا مجھے اپنے باپ کی قسم! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے باپ دادوں کی قسمیں اٹھانے سے منع کرتا ہے۔ لہٰذا جسے قسم اٹھانا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائے پھر اسے پورا کرے یا خاموش ہی رہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَحْلِفَ بِاَبِيْهِ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ ثُمَّ لِيَبْرُرْ اَوْ لِيَصْمُتْ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے کہ کسی کے لیے اپنے باپ (دادا) کی قسم اٹھانی نامناسب ہے لہٰذا جو قسم اٹھانے کا ارادہ کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائے پھر اسے پورا کرے یا چپ ہی رہے۔

حدیث بالا میں غیر اللہ کی قسم اٹھانے کی ممانعت کے سلسلہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اپنے باپ کی قسم اٹھانا مذکور ہے جس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا اس کو کس وقت سنا گیا؟ اس کی تفصیل اور غیر اللہ کی قسم اٹھانے کی ممانعت میں اسی حدیث کے تحت امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ''بخاری شریف'' کی شرح میں رقمطراز ہیں:

عن ابن عباس عن عمر رضى الله عنهم بلفظ بينا انا فى ركب اسير فى غزاة مع رسول الله ﷺ فقلت لا وابى فهتف رجل من خلفى لا تحلفوا بابائكم فالتفت فاذا هو رسول الله ﷺ وروى ابن ابى شيبه من طريق عكرمة عن عمر فالتفت فاذا هو رسول الله ﷺ فقال لو ان احدكم حلف بالمسيح والمسيح خير من ابائكم لهلك و فى رواية سعيد بن عبيده انها شرك و فى رواية ابن المنذر لا بامهاتكم ولا بالاوثان ولا تحلفوا بالله الا وانتم صادقون وروى ابن عاصم فى كتاب الايمان والنذور من حديث ابن

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ان کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ قیدیوں کے قافلہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھا میں نے کہا: مجھے اپنے باپ کی قسم! تو پیچھے سے کسی شخص نے آواز دی اپنے باپ دادوں کی قسم نہ اٹھاؤ میں نے جب مڑ کر دیکھا تو آواز دینے والے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ابن ابی شیبہ نے جناب عکرمہ کے طریقہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا: میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ پر میری نظر پڑی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم میں سے کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قسم اٹھاتا ہے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہارے باپ دادوں سے کہیں بہتر ہیں تو وہ ہلاک ہوگیا اور سعید

عمر من حلف لغير الله فقد اشرک او کفر و الحكمة في النهي عن الحلف بالاباء انه يقتضي تعظيم المحلوف به و حقيقته العظمة مختصة بالله جلت عظمته فلا يضا هي به غيره. (عمدۃ القاری)

بن عبادہ کی روایت میں ہے کہ ایسی قسم شرک ہے اور ابن منذر کی روایت میں ہے کہ نہ تو تم اپنی ماؤں کی قسمیں اٹھاؤ اور نہ ہی بتوں کی اور اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانا ہو تو اس وقت اٹھاؤ جب تم سچے ہو اور ابن عاصم نے کتاب الایمان والنذ ور میں حضرت ابن عمر رضی اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی کہ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا یا کفر کیا' باپ دادوں کی قسم اٹھانے کی ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ اس سے اس نام والے کی تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔جس کے نام کی قسم اٹھائی جائے اور حقیقتاً تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہے لہٰذا کسی دوسرے کو اس کے برابر نہیں کرنا چاہیے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے ثابت ہوا کہ قسم ایسی تعظیم میں سے ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہے جیسا کہ عبادت اور سجدہ وغیرہ لہٰذا کسی دوسرے کی اس قدر تعظیم ممنوع ہے۔اس کے ساتھ ساتھ قسم کا معنیٰ ''شہادت'' بھی آیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ قسم اٹھانے والا جس کی قسم اٹھا رہا ہے اسے شاہد اور گواہ بنا رہا ہے اور میں نے جس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے اسے وہ خوب جانتا ہے اور اس کی حقیقت حال سے وہ باخبر ہے تو ایسا ہر وقت شہود اور موجود ہونا بالذات اور بغیر کسی احتیاج کے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے۔قسم کا معنیٰ ''شہادت تاج العروس'' جلد ۹' ص ۲۶ فصل القاف فی باب المیم میں ہے۔يقسمون اى يحلفون او يشهدون.

نوٹ: اقسام یمین میں سے بعض وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام بھی نہیں لیا جاتا' مثلاً کسی نے حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا یا بالعکس ایسی قسم میں اگر غیر اللہ کا نام لے لیا گیا تو گناہ نہ ہوگا۔اس قسم کی قسم کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: يايها النبى لم تحرم ما احل الله لک تبتغي مرضات ازواجک الاية ۔اے نبی محترم! جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے آپ اسے کیوں حرام ٹھہرا رہے ہیں؟ آپ اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا لازم کر دیا ہے۔ (التحریم: ۲۰۱)

حرام کو اپنے اوپر حلال یا حلال کو حرام کر دینا اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قسم ہے لیکن اس میں نہ حرف قسم ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا نام یہ قسم کی ایک ایسی قسم ہے جس سے منع نہیں کیا گیا اسی طرح ایک اور قسم بھی ہے جسے فقہی اصطلاح میں تعلیق کہتے ہیں۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے' ان دخلت هذه الدار فانت طالق اگر تم اس گھر میں گئی تو تجھے طلاق ہے''۔اگر دیکھا جائے تو اس میں بھی ایک امر جائز کو حرام قرار دینے کی صورت نظر آتی ہے۔وہ یوں کہ گھر میں آنا جانا ایک جائز امر ہے''۔اب مرد اپنی بیوی پر پابندی لگا رہا ہے اور اسے طلاق کے ساتھ معلق کر رہا ہے لیکن یہ دونوں قسمیں تعظیم کے لیے نہیں ہوتیں' محض ڈانٹنے کے لیے ہوتی ہیں۔علامہ ابن العابدین ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

و حاصله ان اليمين بغيره تعالى تارة يحصل بها الوثيقة اى اتفاق الخصم بصدق الحالف كالتعليق بالطلاق والعتاق مما ليس فيه حرف القسم و تارة لايحصل مثل وابيک ولعمرى فانه لا يلزمه بالحنث فيه شئ فلا تحصل به الوثيقة

خلاصہ یہ کہ قسم کبھی تو غیر اللہ کے ساتھ اس لیے اٹھائی جاتی ہے تاکہ اس کے ساتھ مضبوطی بیان کی جائے یعنی مقابل اور خصم اس بات کو قابل یقین سمجھے کہ قسم اٹھانے والا سچا ہے' جیسا کہ طلاق اور غلام آزاد کرنے کو کسی سے متعلق کر دینا یہ ایسی قسمیں ہیں کہ ان میں حرف قسم نہیں ہوتا اور کبھی یہ بات (مضبوطی) قسم سے حاصل

بخلاف التعليق المذكور والحديث وهو قوله ﷺ من كان حالفا فليحلف بالله تعالى الخ محمول عند الاكثرين على غير التعليق فانه يكره اتفاقا لما فيه من مشاركة المقسم به لله تعالى في التعظيم.

(ردالمحتار ج ۳ ص ۷۰۵ مطلب فی حکم الحلف بغیر اللہ تعالیٰ)

نہیں ہوتی جیسے کوئی شخص وابیک و لعمری' کہتا ہے اس قسم میں اگر حانث ہو جاتا ہے تو کچھ بھی نہیں لازم آتا لہٰذا ان سے وثوق حاصل نہیں ہوتا' بخلاف مذکورہ تعلیق کے اور حدیث پاک میں جو حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص قسم اٹھانا چاہتا ہو وہ اس اللہ تعالیٰ کی اٹھائے۔الخ۔ اکثر علماء کے نزدیک اس کو غیر تعلیق پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ وہ مکروہ بالاتفاق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں جس غیر اللہ کی قسم اٹھائی گئی ہو گی اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

''ردالمحتار'' کی مذکورہ عبارت نے واضح کر دیا کہ تعلیق کی صورت میں غیر اللہ کی تعظیم پیش نظر نہیں ہوتی۔ اس لیے فقہاء کرام نے اس کا جواز ذکر کیا ہے۔ اسی ''ردالمحتار'' میں مذکور ہے کیا غیر اللہ کی قسم اٹھانا مکروہ ہے؟ کہا گیا ہے کہ ہاں مکروہ ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں اس کی نہی وارد ہے۔ اور عام علماء کہتے ہیں مکروہ نہیں' اسی کے ساتھ فتویٰ بھی دیا گیا ہے خاص کر ہمارے زمانے میں (مکروہ نہیں ہونی چاہیے) ایسی قسموں میں توبیخ اور ڈانٹ مقصود ہوتی ہے اس کے خلاف اگر کوئی یوں کہتا ہے کہ تیرے باپ کی قسم! تو اس میں ڈانٹ نہیں بلکہ تعظیم ہے' اور وہ بھی غیر اللہ کی۔ اس لیے بموجب حدیث مذکور یہ ممنوع ہے۔

سوال: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے غیر کی قسمیں اٹھائی ہیں۔ شہر مکہ کی قسم! چاشت' رات' سورج' زیتون' طور وغیرہ اشیاء کی قسمیں موجود ہیں۔ جب خود اللہ تعالیٰ غیر کی قسمیں ذکر کرتا ہے تو ہمارے لیے ممنوع کیوں ہے؟

جواب: واما اقسامه تعالى بغيره كالضحى والنجم والليل فقالوا انه مختص به تعالى اذله ان يعظم ما شاء وليس لنا ذالک بعد نهينا واما التعليق فليس فيه تعظيم بل فيه الحمل او المنع مع حصول الوثيقة فلا يكره اتفاقا.

(ردالمحتار ج ۳ ص ۷۰۵ مطلب فی حکم الحلف بغیر اللہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو غیر کی قسمیں اٹھائیں ہیں مثلاً چاشت' نجم اور رات کی قسم! تو علماء نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے کیونکہ اسی کو اختیار ہے جسے چاہے تعظیم بخشے۔ ہمارے لیے منع کر دینے کے بعد اس کی اجازت نہیں ہے۔ رہی تعلیق والی قسم تو اس میں تعظیم نہیں ہوتی بلکہ ابھارنا یا روکنا مقصود ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بات کو پختہ کرنا بھی پیش نظر ہوتا ہے اس لیے یہ قسم بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔

سوال: حضور ﷺ سے بھی ''غیر'' کی قسم اٹھانا منقول ہے جیسا کہ مسلم شریف میں آتا ہے۔

عن طلحة ابن عبيدالله عن النبى ﷺ بهذا الحديث نحو حديث مالک غير انه قال فقال رسول الله ﷺ افلح وابيه ان صدق او دخل الجنة وابيه ان صدق.

(مسلم شریف ج ۱ ص ۳۰ باب لیالی الصلوات)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے نبی کریم ﷺ سے اس قسم کی حدیث روایت کی ہے جیسی امام مالک نے ذکر کی ہے لیکن اس میں انہوں نے یہ الفاظ زیادہ ذکر فرمائے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ کامیاب ہو گیا' اس کے باپ کی قسم! اگر اس نے سچ کہا یا وہ جنت میں داخل ہو گیا' اس کے باپ کی قسم! اگر وہ سچا ہے۔

اس حدیث پاک میں حضور ﷺ نے اس نجدی کے بارے میں اس کے سچا ہونے کی صورت میں کامیاب ہونے یا جنتی ہونے کی خبر دی جو غیر اللہ کی قسم کے ساتھ ہے تو معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی ہے تو یہ ممنوع نہیں ہونی

چاہیے؟

جواب اوّل: اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے اس نجدی نے حضور ﷺ سے چند سوال کیے آپ نے جو جوابات ارشاد فرمائے اس نے آخر میں کہا' اللہ کی قسم! میں ان سے زیادہ بھی نہ کروں گا اور کم بھی نہیں کروں گا اس پر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''افلح ان صدق اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہو گیا''۔ یہاں ''وابیہ'' کے الفاظ مذکور ہیں جو غیر اللہ کی قسم بنتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ''وابیہ'' کے الفاظ بعد میں درج ہوئے ہیں۔

جواب دوم: امام نووی اسی حدیث کے تحت رقم طراز ہیں کہ ''وابی'' کے الفاظ قسم نہیں کیونکہ عرب لوگ ایسے الفاظ بطور عادت استعمال کرتے ہیں ان سے حقیقی مفہوم کا ارادہ نہیں کرتے اور غیر اللہ کی قسم کی نہی سے مراد بالارادہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے ہے جب غیر اللہ کی قسم بالارادہ ہوگی تو اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعظیم میں شرکت لازم آئے گی لہٰذا یہ ممنوع ہے اور یہ جواب پسندیدہ جواب ہے۔

جواب سوم: ''وابی'' کے قسمیہ الفاظ نہی سے قبل کے دور کے ہیں اس جواب کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی ذکر فرمایا ہے: لا تحلفوا لاٰبائکم الخ باب کے تحت ''فتح الباری شرح البخاری'' ج ۱۱ ص ۴۵۲ پر لکھتے ہیں: حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں: کہ افلح وابی کے الفاظ والی روایت کے یہ الفاظ صحیح نہیں ہیں۔ اس حدیث کے راوی اسماعیل بن جعفر نے افلح وابی کی بجائے افلح واللہ ان صدق الفاظ روایت کیے ہیں۔ اگر وہ سچا ہے تو خدا کی قسم! وہ کامیاب ہو گیا اور یہ الفاظ اچھے اور درست ہیں کیونکہ افلح وابی کے الفاظ منکر ہیں جن کو آثار صحاح رد کرتے ہیں امام مالک کی روایت میں یہ الفاظ سرے سے ہی نہیں۔ امام بخاری نے بھی ''بخاری شریف'' ج ۱ ص ۱۱۔۱۲ مطبوعہ نور محمد کراچی پر ذکر کیا ہے اس میں افلح ان صدق تو ہے مگر وابی کے الفاظ نہیں ہیں۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسے الفاظ کو کلام کی تاکید کے لیے ذکر کیا جاتا ہے امام بیہقی نے کہا: یہاں اصلی عبارت یوں ہے ''افلح ولرب ابیہ اس کے باپ کے رب کی قسم! وہ کامیاب ہے''۔ امام نووی کہتے ہیں کہ غیر اللہ کی قسم اٹھانا صرف حضور ﷺ کے لیے اجازت ہے دوسرے کے لیے جائز نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ مذکورہ سوالات کوئی اہم سوال نہیں۔

۳۳۲- بَابُ الرَّجُلِ يَقُوْلُ مَا لَهٗ فِيْ رِتَاجِ الْكَعْبَةِ

کسی کا قسم اٹھانا کہ اس کا مال کعبہ کے دروازہ پر وقف کرنا

۷۴۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ اَيُّوْبُ بْنُ مُوْسٰى مِنْ وُّلْدِ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْحَجَبِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهَا قَالَتْ فِيْمَنْ قَالَ مَالِيْ فِيْ رِتَاجِ الْكَعْبَةِ يُكَفِّرُ ذٰلِكَ بِمَا يُكَفِّرُ الْيَمِيْنَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے ایوب بن موسیٰ نے بتایا: آپ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں کہ منصور بن عبدالرحمٰن حجبی نے اپنے والد سے اور وہ سیدہ عائشہ صدیقہ زوجۂ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں فرماتی ہیں: کہ جس شخص نے کہا کہ میرا مال کعبہ کے دروازے پر وقف ہے۔ اسے اس بات کا کفارہ دینا پڑے گا جس قدر قسم کا کفارہ ہوتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ قَدْ بَلَغَنَا هٰذَا عَنْ عَائِشَةَ وَاَحَبُّ اِلَيْنَا اَنْ يَّفِيَ بِمَا جَعَلَ عَلٰى نَفْسِهٖ فَيَتَصَدَّقُ بِذٰلِكَ وَ يُمْسِكُ مَا يَقُوْتُهٗ فَاِذَا اَفَادَ مَالًا تَصَدَّقَ بِمِثْلِ مَا كَانَ اَمْسَكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ فِيْ فُقَهَائِنَا

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت پہنچی ہے ہم اسے زیادہ پسند کرتے ہیں کہ ایسا کہنے والا اپنے اوپر لازم کیا گیا کام پورا کرے اسے اپنی ضروریات اور خوراک کے علاوہ تمام مال صدقہ کر دینا چاہیے پھر جب اور مال بڑھ جائے تو

تاجہم اللہ تعالیٰ۔ جس قدر پہلی مرتبہ وقف کرتے وقت بقدر ضرورت رکھ لیا تھا اب اسی مقدار کے برابر صدقہ کر دے یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام کا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث مذکور میں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ اول یہ کہ جو شخص یہ قسم اٹھائے کہ میں اپنا مال کعبہ کے دروازے پر وقف کرتا ہوں' اس کے متعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ قسم کا کفارہ ادا کرے گا لیکن مال کو کعبہ کے دروازہ پر وقف کرنا ضروری نہیں۔ امام محمد فرماتے ہیں: کہ وہ اپنا پورا مال کعبہ کے دروازہ پر صدقہ کر دے ہاں ضرورت کے لیے رکھ سکتا ہے پھر جب قدرت ہو تو جس قدر ضرورت کے لیے رکھا تھا' اتنا پھر صدقہ کر دے اس مسئلہ کے تحت ابن حزم نے ''محلی'' ج ۸ کتاب النذور والایمان کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے جسے صاحب اوجز المسالک نے ج ۹ ص ۱۱۵ پر درج کیا ہے۔

''فی المحلی المراد فی هذا الحدیث نفس الکعبة لانه اراد ان ماله هدی الی الکعبة لا الی بابها وان ذکر الباب تعظیما محلی کتاب میں مذکور ہے کہ اس حدیث میں باب کعبہ سے مراد نفس کعبہ ہے کیونکہ اس نذر ماننے والے نے اپنا مال کعبہ کو دینے کا ارادہ کیا ہے نہ کہ اس کے دروازہ کو البتہ دروازہ کا ذکر تعظیم کے طور پر ہوا ہے'' نذر ماننے والے نے ''اپنا مال'' کہہ کر وقف کرنے کا کہا اس میں بعض یا کل مال کا ذکر نہیں کیا گیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلق مال کو ''کل مال'' پر محمول کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے جسے اوجز المسالک میں ذکر کیا گیا: ''وفی المحلی المحتمل ان یکون ما موصولة واللام جارة (مالی) والمعنی الذی هولی و فی ملکی کله۔ محلی میں ہے کہ لفظ ''مالی'' میں یہ احتمال ہے کہ لفظ ''ما'' موصولہ اور حرف لام جارہ ہو جس کا معنی یہ ہوگا کہ جو مال میرا اور میری ملکیت میں ہے وہ سب کعبہ کی نذر کیا ہے'' اس احتمال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول استحبابی ہے اور لفظ ''احب الینا'' اسی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی ہم یہ اچھا سمجھتے ہیں کہ شخص مذکور اپنا جمیع مال کعبہ پر تصدق کر دے لہٰذا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کے خلاف بھی نہ ہوا کیونکہ ''پسندیدہ'' کے مقابل ''ممنوع'' نہیں ہوتا۔

عبدالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگرچہ صورت مذکورہ میں قسم کے کفارہ ادا کرنے کا حکم دے رہی ہیں امام مالک نے بھی اوّلاً اسے ہی اپنا مسلک قرار دیا لیکن بعد میں اس سے رجوع فرما لیا تھا اور رجوع کے بعد فرمایا: اس قائل پر کچھ بھی لازم نہیں آتا یہی قول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ قائل نے قسم تو اٹھائی نہیں' جب قسم ہی نہیں تو کفارہ کس کا؟ خلاصہ یہ کہ کعبہ کے دروازہ پر وقف کرنے والی روایت سے مراد نفس کعبہ ہے۔ اور دوسرا یہ کہ قائل کے لیے اپنا کل مال وقف کر دینا احتیاطاً مستحب ہے۔ امام محمد کا قول بھی استحبابی ہے' وجوبی نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۳۳- بَابُ اللَّغْوِ مِنَ الْاَيْمَانِ

لغو یعنی بے ہودہ قسم کا حکم

۷۴۱- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَغْوُ الْيَمِيْنِ قَوْلُ الْاِنْسَانِ لَا وَاللّٰهِ وَ بَلٰى وَاللّٰهِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهٰذَا نَاْخُذُ اللَّغْوَ مَا حَلَفَ عَلَيْهِ الرَّجُلُ وَهُوَ يَرٰى اَنَّهٗ حَقٌّ فَاسْتَبَانَ لَهٗ بَعْدُ اَنَّهٗ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِکَ فَهٰذَا مِنَ اللَّغْوِ عِنْدَنَا.

ہمیں امام مالک نے ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں: فرماتی ہیں: لغو قسم یہ ہے کہ کوئی شخص لا واللہ اور بلی واللہ کہتا ہے۔

امام محمد کہتے ہیں: کہ ہمارا اسی پر عمل ہے لغو وہ قسم ہے کہ ایک آدمی نے کسی بات کو اپنے طور پر حق سمجھ کر قسمیہ برائی بیان کی بعد میں اسے معلوم ہوا کہ وہ بات تو یوں تھی' یہ بھی ہمارے نزدیک لغو میں شامل ہے۔

مذکورہ باب میں لغو قسم کا ذکر ہے ہم اس کی شرح بیان کر چکے ہیں خلاصہ یہ کہ بے ہودہ قسم دو طرح کی ہو سکتی ہے' ایک یہ کہ بلا ارادہ قسم اٹھالی' دوسرا یہ کہ کسی بات کو اپنے طور پر سچا سمجھ کر حلفیہ بیان کر دیا جو بعد میں اس کے خلاف نکلی اس قسم کی ایک قسم تو حدیث مذکور میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمادی یعنی کوئی شخص قسم کے ارادہ کے بغیر لا واللہ یا بلی واللہ کہہ دیتا ہے دوسری قسم امام محمد نے بیان فرمادی بہر حال یہ دونوں طریقے کثیر الوقوع ہیں ان کی تفصیل بھی بیان ہو چکی ہے اس قسم میں کوئی کفارہ نہیں اور نہ ہی گناہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

١٣ - كِتَابُ الْبُيُوْعِ فِى التِّجَارَاتِ وَالسَّلْمِ

تجارت اور بیع سلم کا بیان

٣٣٤ - بَابُ بَيْعِ الْعَرَايَا

عرایا بیع کا بیان

٧٤٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ اَنْ يَّبِيْعَهَا بِخَرْصِهَا.

ہمیں امام مالک نے نافع سے وہ عبداللہ بن عمر سے اور وہ زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صاحب عریہ کو اندازے کے ساتھ بیچنے کی اجازت دی۔

٧٤٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا دَاؤُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ اَبِىْ اَحْمَدَ اَخْبَرَهُ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ فِىْ بَيْعِ الْعَرَايَا فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ اَوْ فِىْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ شَكَّ دَاؤُدُ لَا يَدْرِىْ اَقَالَ ﷺ خَمْسَةَ اَوْ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةٍ.

امام مالک نے ہمیں داؤد بن حصین سے ہمیں خبر دی کہ ابن ابی احمد کے غلام ابوسفیان نے انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی: وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ نے عرایا بیع میں پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق میں اجازت دی راوی داؤد کو شک گذرا ہے کہ کیا حضور ﷺ نے پانچ وسق فرمایا تھا یا پانچ سے کم وسق۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَّ بِهٰذَا نَأْخُذُ وَذَكَرَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ اَنَّ الْعَرِيَّةَ اِنَّمَا تَكُوْنُ اَنَّ الرَّجُلَ يَكُوْنُ لَهُ النَّخْلُ فَيُطْعِمُ الرَّجُلُ مِنْهَا ثَمَرَةَ نَخْلَةٍ اَوْ نَخْلَتَيْنِ يَلْقُطُهَا لِعِيَالِهِ ثُمَّ يَثْقُلُ عَلَيْهِ دُخُوْلُهُ حَائِطَهُ فَيَسْأَلُهُ اَنْ يَّتَجَاوَزَ لَهُ عَنْهَا عَلٰى اَنْ يُّعْطِيَهُ بِمَكِيْلَتِهَا تَمْرًا عِنْدَ صَرَامِ النَّخْلِ فَهٰذَا كُلُّهُ لَا بَأْسَ بِهٖ عِنْدَنَا لِاَنَّ التَّمَرَ كُلَّهُ كَانَ لِلْاَوَّلِ وَهُوَ يُعْطِىْ مِنْهُ مَاشَاءَ فَاِنْ شَاءَ سَلَّمَ لَهُ تَمَرَ النَّخْلِ وَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُ بِمَكِيْلَتِهَا مِنَ التَّمْرِ لِاَنَّ هٰذَا لَا يَجْعَلُ بَيْعًا وَ لَوْ جَعَلَ بَيْعًا مَاحَلَّ تَمْرٌ بِتَمْرٍ اِلٰى اَجَلٍ.

امام محمد کہتے ہیں: کہ ہمارا اس پر عمل ہے۔ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا عریہ کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص کی ملکیت میں کھجور کے درخت ہوں وہ ان میں سے ایک یا دو کے درختوں کا پھل کسی غریب کو اس کے اہل و عیال کے لیے دے دے پھر اس مالک کو اس غریب کا باغ میں آنا جانا اچھا نہ لگے اور اسے کہہ دے کہ جب میں کھجوروں کا پھل اتاروں گا تو تمہیں ان کے برابر وزن کی کھجوریں دے دوں گا تو اس طریقہ میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں کیونکہ کھجوریں تول کر دے دے تو اسے ایسا کرنے کا اختیار ہے کیونکہ یہ بیع نہیں بنتی اور اگر اسے بیع بنالیا جائے تو پھر کھجوروں کی فروخت کے عوض مہلت کے طور پر جائز نہیں ہوگی۔

حضور ﷺ نے درخت پر لگے پھل کی فروخت کی اجازت نہیں دی صرف "عرایا" کی اجازت عطا فرمائی۔ عرایا کی استثناء صحاح ستہ میں موجود ہے یہ "عرایا" کیا ہے؟ اس کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے جو درج ذیل ہے۔

قول اول: اما العرایا فھی ان یخرص الخارص نخلات فیقول ھذا الرطب الذی علیھا اذا یبس یجیئ منہ ثلاثة اوسق من التمر مثلا فیبیعہ صاحبہ الانسان بثلاثة اوسق تمر و یتقابضان فی المجلس فیسلم المشتری التمر ویسلم البائع الرطب الرطب بالتخلیة و ھذا جائز فیما دون خمسة اوسق ولا یجوز فیما زاد علی خمسة اوسق و فی جوازہ فی خمسة اوسق قولان للشافعی اصحھما لا یجوز لان الاصل تحریم بیع التمر بالرطب و جاء ت العرایا رخصة و شک الراوی فی خمسة اوسق او دونھا فوجب الاخذ بالیقین وھو دون خمسة اوسق و بقیت الخمسة علی التحریم

(نووی شرح مسلم ج۲ص۹ باب تحریم بیع الرطب بالتمر الانی العرایامطبوعہ نورمحمدآرام باغ کراچی)

''عرایا'' یہ ہے کہ ایک شخص اپنے باغ کی کھجوروں پر پھلوں کا اندازہ لگائے اور مثلاً یوں کہے کہ یہ کھجوریں خشک ہوکر تین وسق ہوں گی اور پھران کھجوروں کو تین وسق چھوہاروں کے ساتھ فروخت کردے دونوں لین دین کرنے والے اسی مجلس میں اپنی اپنی چیز پر قبضہ کرلیتے ہیں' خریدار کھجوریں سپرد کرتا ہے اور بیوپاری چھوہارے دے دیتا ہے یہ لین دین پانچ وسق کم میں جائز ہے اس سے زیادہ میں جائز نہیں۔ پانچ وسق میں امام شافعی سے دو قول منقول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ ناجائز ہے کیونکہ اصل میں تو کھجوروں کی چھوہاروں کے ساتھ خرید وفروخت حرام ہے ''عرایا'' میں رخصت آئی ہے۔ اور راوی کو یہ شک ہے کہ اجازت پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق میں دی گئی لہٰذا یقین پر عمل کرنا واجب ہے اور یقین پانچ سے کم وسق میں ہے مکمل پانچ وسق حرمت کے تحت باقی رہے۔

قول ثانی: قال محمد قال ابو حنیفة فی بیع العریة حقا لصاحبھا فی کل عریة فکانت لہ نخلة باصلھا فی حائط رجل فاخرجت تمرا فباع صاحب النخلة من صاحب الحائط بخرصھا من التمر الی اجل اوحال اوالی انصرام فلا خیر فیہ وان کان انما عراہ ایاھا صاحب النخل علی وجہ الصلة ثم کان جعل مکانھا بخرصھا تمرا الی انصرام او الی اجل.

(کتاب الحجہ ج۲ص۵۴۹ کتاب بیع العریہ مصنف: امام محمد بن حسن شیبانی مطبوعہ دارالمعارف نعمانیہ لاہور)

امام محمد فرماتے ہیں: کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ''عریہ'' کے بارے میں ارشادفرمایا: کہ اس کے لین دین میں اگر صاحب عریہ کا کسی شخص کے باغ میں کھجور کا درخت ہو اور وہ پھل دے اور درخت کا مالک اس کے پھل کو کھجوروں کے عوض میعاد مقررہ پر یا فی الحال یا کٹائی تک باغ والے کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہاں اگر درخت کے مالک نے اس درخت کی کھجوریں کسی شخص کو بطور صلہ دی ہوں تو پھر ان کھجوروں کے بدلہ میں اندازے سے کٹائی کے وقت یا میعادِ مقررہ پر چھوہارے لے لے تو مناسب ہے۔

قول ثالث: قالوا واصل ھذا ان الرجل کان یھب النخلات من حائطہ فیشق علیہ دخول الموھوب لہ علیہ فابیح لہ ان یشتریھا غرصھا تمرا عند الجذاذ.

(بدایۃ المجتھد للقاضی ابو الولید ابن رشد مالکی ج۲ص۱۶۴ بیع العریۃ مکتبہ علمیہ پاکستان)

انہوں نے کہا ہے بیع عریہ کا حاصل یہ ہے کہ باغ کا مالک کچھ کھجوریں کسی کو ھبہ میں دے دے پھر اس پر موہوب لہ کا آنا جانا گراں گزرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کھجوریں موہوب لہ سے اندازے کے ساتھ خرید لے اور اس کے بدلہ میں کاٹتے وقت چھوہارے (خشک کھجوریں) دے دے۔

قول رابع: ولنا ماروی ابوھریرة ان النبی ﷺ رخص فی العرایا فی خمسة اوسق او مادون خمسة

ہماری دلیل وہ روایت ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے پانچ اوسق یا

اوسق متفق علیه و رواه زید بن ثابت و سهل بن ابی حثمه و غیرهما و خرجه ائمة الحدیث فی کتبهم و حدیثهم فی سیاقه ان العرایا کذالک فی المتفق علیه و هذه زیادة یجب الاخذ بها.

(المغنی لابن قدامہ حنبلی ج ۴ ص ۱۹۷ باب شروط بیع العرایا وحکمہا حدیث ۲۸۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان)

اس سے کم میں عرایا کی رخصت عطا فرمائی اس روایت کو زید بن ثابت اور سہل بن ابی حثمہ وغیرہما نے بھی روایت کیا ہے۔ ائمہ حدیث نے اپنی کتب میں اس کی تخریج کی ہے اور عرایا کو مستثنیٰ کیا ہے اور اس زیادتی کو لینا واجب ہے۔

مندرجہ بالا اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بیع عرایا دراصل ہدیہ اور ہبہ کی ایک قسم ہے اسے بیع محض صورت کے اعتبار سے کہا گیا ہے اور یہ صرف پانچ وسق سے کم میں ہو سکتی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ حقیقتاً بیع ہے اور پانچ وسق یا اس سے کم میں جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ یہ بیع درست نہیں ہاں ہبہ کی صورت میں جائز ہے اسے بیع صرف صورۃً کہا گیا ہے۔ ان ائمہ حضرات کے مسلک میں مابہ الامتیاز یہ بات ہے کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل بھی امام اعظم کی طرح اسے ہبہ ہی قرار دیتے ہیں لیکن امام مالک اور امام احمد بن حنبل پانچ وسق سے کم میں تر کھجور کی خشک کھجور سے بیع جائز قرار دیتے ہیں لیکن امام ابو حنیفہ اس تبادلہ کی بیع کو جائز نہیں کہتے وہ فقط ہبہ کی صورت میں جواز کے قائل ہیں۔ امام شافعی اسے حقیقتاً بیع قرار دیتے ہیں خواہ وہ پانچ وسق میں ہو یا اس سے کم میں ہو۔ امام شافعی کے مسلک کو بایں وجہ ترجیح ہے کہ لفظ عرایا کا لغوی معنی ان کے حق میں ہے۔ ''بدایۃ المجتہد'' ج ۳ ص ۱۲۴ کتاب بیع العرایا میں اس کا لغوی معنی یہ ذکر کیا گیا ہے: ''قال اهل اللغة قالوا العرية هی الهبة واختلف فی تسمیتها بذالک فقیل لانها عریت من الثمن اہل لغت کہتے ہیں: کہ عریہ دراصل ہبہ ہے اور ہبہ کو عریہ کا نام دینے میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بغیر ثمن کے چیز حاصل کی گئی'' تو معلوم ہوا کہ عریہ درحقیقت ہبہ کی ہی ایک قسم ہے اور ہبہ کی صورت میں ہی جائز ہوگی۔ اسے ''بیع'' صرف صورۃً کہا گیا ہے۔ یہاں شافعی المسلک حضرات کی طرف سے احناف پر چند سوالات کیے جاتے ہیں جن کو بطور اختصار ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں ان کے جوابات بھی لکھیں گے۔

اعتراض 1: اگر عرایا ''ہبہ'' کی تبدیلی کا نام ہے تو اسے ہر وقت جائز ہونا چاہیے تھا اس کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ کیونکہ رخصت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ معاملہ عرایا کے سوا میں جائز نہیں اور رخصت خود بوجہ ضرورت حضور ﷺ نے دی ہے؟

جواب: ہبہ کو تبدیل کرنا وعدہ خلافی کے ضمن میں آتا ہے اور وعدہ خلافی ناپسندیدہ ہے۔ حضور ﷺ نے جب اس کی اجازت دی تو کراہت ختم ہوگئی۔

اعتراض ۲: عرایا کا بیع مزابنہ سے استثنیٰ کیا گیا ہے اور قانون نحوی کے مطابق مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا ہے۔ احناف نے عرایا کی جو تفسیر کی ہے اس کے پیش نظر ''عرایا'' بیع مزابنہ میں شامل نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کے استثنیٰ کے صحیح ہونے کا کیا جواز ہے؟

جواب: یہاں استثنیٰ منقطع ہے جو مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہوتی۔

اعتراض ۳: ''عرایا'' کو بیع کہا گیا ہے احناف اسے بیع کی بجائے ہبہ کیوں قرار دیتے ہیں؟

جواب: اس کو بیع محض صورۃً کہا گیا ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دوسرے مسلک والوں سے مناظرہ

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تازہ کھجوروں کی چھوہاروں سے بیع ناجائز قرار دیتے تھے جبکہ یہ برابر برابر اور نقد بہ نقد ہو کیونکہ تازہ کھجوریں ہی چھوہارے بنتی ہیں لہٰذا یہ بیع ایک ہی جنس کی باہم ہوئی لیکن اس میں برابری ہونی ضروری ہے ردی اور اچھی کا فرق

معتبر نہیں اہلِ بغداد اس بارے میں امامِ اعظم سے شدید اختلاف رکھتے تھے جب آپ بغداد تشریف لے گئے تو انہوں نے اس مسئلہ میں آپ سے گفتگو کی آپ نے ان سے پوچھا: کہ تازہ کھجوریں' چھوہارے ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو پھر ان کی نقد بہ نقد اور برابر برابر بیع احادیث سے ثابت ہے اور اگر ہم جنس نہیں تو بھی ان کی ایک دوسرے کے بدلہ میں بیع جائز ہوگی کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے: ''اذا اختلفا لنوعان فبیعوا کیف شئتم جب دو چیزوں کی جنس مختلف ہو تو جیسے تمہاری مرضی لین دین کرو'' پھر اہلِ بغداد نے یہ حدیث پیش کی کہ عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ زید ابوعیاش نے کہا کہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے سوال کیا کہ کیا بیضہ (جو کی ایک قسم) کی بیع سلت (چھلکے کے بغیر جو) سے جائز ہے؟ حضرت سعد نے پوچھا: ان میں سے کون سا جو افضل ہے؟ انہوں نے کہا بیضہ ابوعیاش کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سعد نے اس بیع سے منع کیا اور کہا کہ میں نے خود سنا کہ کسی نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا: کہ چھوہاروں کی تازہ کھجوروں کے بدلہ میں بیع جائز ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: جی پھر آپ ﷺ نے اس بیع سے منع فرما دیا۔ امامِ اعظم نے اس حدیث پاک کے جواب میں فرمایا: اس حدیث کا دار و مدار ابوعیاش پر ہے اور وہ ان راویوں میں سے ہے جس کی روایت مقبول نہیں اہلِ بغداد نے امام صاحب کے اس طعن کو بہت پسند کیا یہاں تک کہ ابنِ مبارک نے فرمایا: کیسے کہا جاتا ہے کہ ابوحنیفہ حدیث کو نہیں پہچانتا حالانکہ انہوں نے ابنِ عیاش پر بہترین طعن کیا ہے۔ (المبسوط: ج ۱۲ ص ۱۸۵ کتاب البیوع باب الوکالۃ فی السلم مطبوعہ بیروت)

۳۳۵- بَابُ مَا یُکْرَہُ مِنْ بَیْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ اَنْ یَّبْدُوَ صَلَاحُهَا

پکنے سے پہلے پھل کی فروخت کی کراہت کا بیان

۷۴۴- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ حَتّٰی یَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَی الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِیَ۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر سے حدیث سنائی کہ رسول کریم ﷺ نے خریدو فروخت کرنے والے کو پھل کی بیع سے منع فرمادیا حتیٰ کہ وہ پک نہ جائے اور اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔

۷۴۵- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الرِّجَالِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اُمِّهٖ عَمْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ حَتّٰی یَنْجُوَ مِنَ الْعَاهَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّبَاعَ شَیْءٌ مِّنَ الثِّمَارِ عَلٰی اَنْ یُّتْرَکَ فِی النَّخْلِ حَتّٰی یَبْلُغَ اِلَّا اَنْ یَّحْمَرَّ اَوْ یَصْفَرَّ اَوْ یَبْلُغَ بَعْضُهٗ فَاِذَا کَانَ کَذٰلِکَ فَلَا بَاْسَ بِبَیْعِهٖ عَلٰی اَنْ یُّتْرَکَ حَتّٰی یَبْلُغَ فَاِذَا لَمْ یَحْمَرَّ اَوْ یَصْفَرَّ اَوْ کَانَ اِخْضَرَّ اَوْ کَانَ کُفُرّٰی فَلَا خَیْرَ فِیْ شِرَائِهٖ عَلٰی اَنْ یُّتْرَکَ حَتّٰی یَبْلُغَ وَلَا بَاْسَ بِشِرَائِهٖ عَلٰی اَنْ یُّقْطَعَ وَ یُبَاعَ وَکَذٰلِکَ بَلَغَنَا عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ اَنَّهٗ قَالَ لَا بَاْسَ بِبَیْعِ الْکُفُرّٰی عَلٰی اَنْ یُّقْطَعَ فَبِهٰذَا نَاْخُذُ۔

امام مالک نے ہمیں ابوالرجال محمد بن عبدالرحمن سے وہ اپنی والدہ عمرہ سے خبر دیتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پھلوں کی فروخت آفت سے محفوظ نہ ہونے کی صورت میں منع فرمائی۔

امام محمد فرماتے ہیں: کہ یہ نامناسب ہے کہ پھلوں کو درخت پر سرخ یا سبز ہونے سے پہلے ہی فروخت کر دیا جائے' یا اس کا کچھ حصہ سرخ یا سبز ہو جائے جب ایسا ہو جائے تو پھر اس کی بیع میں کوئی حرج نہیں اس شرط پر کہ وہ تیار ہونے تک درخت پر چھوڑ دے گا۔ پھر اگر وہ پھل سرخ یا سبز نہیں ہوا یا سبز ہے یا ابھی پیدا ہی ہوا ہے تو اس کی بیع میں بہتری نہیں اس شرط پر کہ اسے درخت پر ہی چھوڑ دے گا۔ اور اگر کاٹ کر کچا ہی فروخت کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام حسن بصری سے ہمیں اسی طرح روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا: کہ نئے نکلے ہوئے پھل کو کاٹ کر فروخت کر دینے

میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہم بھی یہی مسلک رکھتے ہیں۔

٧٤٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهُ كَانَ لَا يَبِيْعُ ثِمَارَهُ حَتّٰى تَطْلُعَ الثُّرَيَّا يَعْنِيْ بَيْعَ النَّخْلِ.

امام مالک نے ہمیں ابوالزناد سے اور وہ خارجہ بن زید بن ثابت سے خبر دیتے ہیں کہ وہ اپنے پھل یعنی کھجوریں اس وقت تک فروخت نہ کرتے تھے جب تک ثریا ظاہر نہ ہو جاتی۔

مذکورہ روایات میں درختوں پر کچے پھلوں کی خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے جب تک وہ پک نہ جائیں اور قابل نفع نہ ہو جائیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں: کہ پھل کے پکنے کی علامت اس کا سرخ یا زرد ہو جانا ہے لہٰذا اس صفت کے ظاہر ہونے سے قبل خرید و فروخت نہیں کرنی چاہیے نیز فرماتے ہیں کہ اگر پھل کا کچھ حصہ پک گیا اور اس میں یہ شرط لگالی جائے کہ پکنے تک یہ درخت پر ہی رہے گا تو اس صورت میں بھی اس کی خرید و فروخت درست ہے اور اگر پھل سرخ یا زرد نہیں ہوا تو وہ چونکہ اس حالت میں ہے کہ وہ غیر محفوظ ہے ایسی حالت میں اس کے پکنے تک درخت پر رہنے کی شرط لگا کر خرید و فروخت کرنا بہتر نہیں ہے اور اگر کسی کچے پھل کی اسی حالت میں خرید و فروخت کر لی جائے اور اسے درخت سے اتار لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس صورت میں مشتری نے اپنا حق خود ضائع کیا ہے ہمارا یہی مسلک ہے۔

پھل میں صلاحیت آنے سے قبل خرید و فروخت ممنوع ہونے پر چند اور احادیث

حدثنا یحیی بن یحیی قال قرات علی مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ نھی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحھا نھی البائع والمبتاع.

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے پھلوں کی ظہور صلاحیت سے قبل خرید و فروخت کی ممانعت فرمائی ہے۔

حدثنی علی بن حجر السعدی و زھیر بن حرب قال اخبرنا اسماعیل عن ایوب عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ نھی عن بیع النخل تزھو وعن السنبل حتی تبیض و یامن العاھة و نھی البائع والمشتری.

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے پھلوں کے زرد یا سرخ ہونے سے قبل ان کا لین دین منع فرمایا ہے اور سفید ہونے سے قبل ان کی بالیوں کی خرید و فروخت کی اجازت نہ دی تاوقتیکہ وہ آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں آپ نے بائع اور مشتری دونوں کو منع فرمایا۔

حدثنی زھیر ابن حرب قال اخبرنا جریر عن یحیی ابن سعید عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ لا تبتاعوا الثمر حتی یبدو صلاحہ و یذھب عنہ الآفة قال یبدو صلاحھا حمرتہ و صفرتہ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب پھلوں کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے اور وہ قدرتی آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں اس وقت تک ان کا لین دین نہ کرو ظہور صلاحیت سے مراد ان کا سرخ یا زرد ہو جانا ہے۔

حدثنا یحیی بن یحیی و یحیی ابن ایوب وقتیبہ و ابن حجر قال یحیی ابن یحیی اخبرنا و قال الآخرون اخبرنا اسماعیل وھو ابن جعفر عن عبداللہ بن دینار انہ سمع ابن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے پھلوں میں صلاحیت آجانے سے قبل ان کی خرید و فروخت سے منع فرمایا۔

قال قال رسول الله ﷺ لا تبیعوا الخمر حتی یبدو صلاحه.

حدثنیه زهیر ابن حرب قال اخبرنا عبدالرحمن عن سفیان قال و حدثنا ابن مثنی قال اخبرنا محمد ابن جعفر قال اخبرنا شعبه کلاهما عن عبدالله بن دینار بهذا الاسناد و زاد فی حدیث شعبة فقیل لمحمد بن عمر رضی الله عنهما ما صلاحه قال تذهب ماهة. (مسلم شریف کتاب البیوع)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ پھلوں کی ظہورِ صلاحیت کیا ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ قدرتی آفات سے محفوظ ہو جائیں۔

پھلوں کے پکنے سے قبل لین دین میں فقہاءِ کرام کے مذاہب

لا یخلو بیع الثمر قبل بدو صلاحها عن ثلاثة اقسام. احدها. ان یشتریها بشرط التبقیة فلا یصح البیع اجماعا لان النبی ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها نهی البائع و المبتاع متفق علیه والنهی یقتضی فساد المنهی عنه قال ابن المنذر اجمع اهل العلم علی القول بجملة هذا الحدیث. القسم الثانی. ان یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالاجماع لان المنع اذا کان خوفا من تلف الثمرة و حدوث العاهة علیها قبل اخذها بدلیل ماروی انس ان النبی ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی تذهو قال ارأیت اذا منع الله الثمرة بم یا خذکم احدکم مال اخیه. رواه البخاری و هذا مامون فیما یقطع فصح بیعه کما لو بدا صلاحه. القسم الثالث. ان یبیعها مطلقا ولم یشترط مطلقا ولا تبقیة فالبیع باطل و به قال مالک والشافعی و اجازه ابوحنیفة لان اطلاق العقد یقتضی القطع فهو کما لو اشترطه قال و معنی النهی ان یبیعها مدرکة قبل ادراکها بدلالة قوله ارأیت ان منع الله الثمرة بم یا خذ احدکم مال اخیه فلفظ المنع تدل علی العقد یتناول معنی هو مفقود فی الحال حتی یتصور المنع و لنا ان النبی ﷺ اطلق النهی عن بیع الثمرة

پھلوں میں صلاحیت کے اظہار سے قبل لین دین تین اقسام کا ہوسکتا ہے اول: اس شرط پر خریدا جائے کہ وہ درخت پر ہی رہیں گے یہ بالاتفاق صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے پھلوں کی خرید وفروخت ان میں صلاحیت آ جانے سے قبل منع فرمائی یہ منع مشتری اور بائع دونوں کے لیے ہے۔ (متفق علیہ) اور منع فرمانا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ جس سے منع کیا گیا وہ فاسد ہے ابن منذر نے کہا: اہلِ علم کا اس حدیث پاک کے حکم پر اجماعی قول ہے۔ دوم: اس شرط پر خریدے کہ اسی وقت پھلوں کو اتار لے گا یہ بالاجماع صحیح ہے کیونکہ منع اس وجہ سے تھی کہ پھلوں کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا اور کسی آفت کے آ جانے کا اندیشہ تھا جبکہ خرید کر انہیں درخت پر ہی رہنے دیا جاتا' اس کی دلیل روایتِ انس ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھلوں کی خرید وفروخت ان کی صلاحیت کے ظہور سے قبل ممنوع ہے اور آپ نے فرمایا: ذرا بتلاؤ تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں کو روک لیا تو پھر کس وجہ سے تم اپنے بھائی کا مال حلال کرو گے۔ (بخاری) اور جب پھل توڑ لیے گئے تو وہ اس خدشہ سے محفوظ ہو گئے لہٰذا ان کی بیع صحیح ہے یہ یونہی ہے کہ جیسے ان کی صلاحیت ظاہر ہو چکی ہے۔ سوم: مطلقاً پھلوں کی بلاشرط خرید وفروخت کی جائے نہ ہی درختوں پر باقی رکھنے کی شرط باندھی جائے یہ بیع امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک باطل ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس کے جواز کا قول کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مطلقاً عقد اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ پھلوں کو اسی وقت اتار لیا جائے لہٰذا یہ

قبل بدو صلاحها فيدخل فيه محل النزاع و استدلالهم بسياق الحديث يدل على هدم قاعدتهم التي قرروها في ان اطلاق العقد يقتضي القطع و يقرر ما قلنا من ان اطلاق العقد يقتضي التبقية فيصير العقد المطلق كالذي شرطت فيه التبقية يتناولها النهي جميعا و يصح تعليلها بالعلة التي علل بها النبي ﷺ من منع الثمرة و هلاكها. (المغنی ج۴ص ۲۲۸-۲۲۹حکم شراء الثمر قدون الوصل الخ مطبوعہ بیروت)

یوں ہی ہوا کہ گویا اسی وقت اتارنے کی شرط لگائی گئی تھی نیز فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا منع فرمانا اس کا مقصد یہ ہے کہ ان پھلوں کو ادراک سے قبل مدرکہ کے طور پر بیچے اس پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد: "اگر اللہ تعالیٰ نے پھل روک لیے تو تم اپنے بھائی کا مال کس بہانہ سے لینے سے حق دار بنو گے" لہٰذا لفظ منع' عقد پر دلالت کرتا ہے جواز روئے معنی اس کو شامل ہے اور وہ فی الحال مفقود ہے تاکہ منع کا تصور کیا جائے ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پھلوں کی خرید وفروخت ان کی صلاحیت ظہار سے قبل مطلقاً منع فرمائی لہٰذا اس اطلاق میں محلِ نزاع بھی داخل ہے اور احناف کا سیاقِ حدیث سے دلیل پیش کرنا خود ان کے مقرر کردہ قاعدہ کو ختم کر دیتا ہے وہ قاعدہ ان کا یہ ہے عقد کا مطلق ہونا کاٹنے کو چاہتا ہے یہ تو الٹا ہمارے قول کو پختہ کرتا ہے کہ عقد کا اطلاق ان پھلوں کا درختوں پر باقی رکھنا اس کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا عقد مطلق یونہی ہو گیا جس طرح کہ بوقت عقد پھلوں کے درخت پر رہنے کی شرط لگائی گئی تھی ان تمام کو نہی شامل ہوگی اور ان کی تعلیل اس علت سے کرنا صحیح ہوگی جو حضور ﷺ نے تعلیل بنائی یعنی پھلوں کا منع اور ہلاک ہونا۔

قارئین کرام! ابنِ قدامہ چونکہ حنبلی المذہب ہیں اس لیے انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق تین صورتوں کے جواز وعدم جواز پر گفتگو کی ہے اور خاص کر تیسری صورت میں انہوں نے مسلکِ احناف کو کمزور بلکہ غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ اصل اختلاف جس بات میں ہے ابنِ قدامہ نے اس کا ذکر تک نہیں کیا اب ہم تینوں صورتوں میں مسلکِ احناف کا مؤقف تحریر کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔

پہلی صورت جسے ابنِ قدامہ نے بالاجماع (فقہاءِ اربعہ کے نزدیک) باطل قرار دیا ہے۔ وہ یہ کہ پھلوں کو خریدنے کے بعد درختوں پر باقی رکھنے کی شرط لگائی جائے لیکن اس کے بطلان کی وجہ ابنِ قدامہ نے جو ذکر کی وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ظہورِ صلاحیت سے قبل پھلوں کی بیع منع فرمادی ہے یہ دلیل یا الفاظ انہوں نے دراصل اپنے مسلک کو مدنظر رکھ کر ذکر کیے ہیں اور اپنی طرف سے اس دلیل کا استنباط حدیث سے کر کے دکھایا ہے حالانکہ بات کچھ اور ہے صورت اولیٰ کے الفاظ میں یہ شرط موجود ہے کہ پھلوں کا خریدار یہ شرط لگائے کہ خریدنے کے بعد وہ پھل اتارے گا نہیں بلکہ درخت پر ہی رہنے دے گا اس میں ظہورِ صلاحیت یا عدمِ ظہورِ صلاحیت کا کیا دخل؟ احناف اس صورت میں کہتے ہیں کہ یہاں بطلان کی وجہ "ملکِ غیر میں تصرف کرنا" ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ خریدار نے پھل خریدے ہیں' درخت نہیں خریدا جب درخت مالک کی ملک میں ہے اور پھلوں کا خریدار درخت پر پھل باقی رکھتا ہے تو لازماً درخت کو اس نے اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا اور غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا درست نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں بیع کا بطلان غیر کی ملکیت میں تصرف کرنے کی وجہ سے ہوا نہ کہ پھلوں میں ظہورِ صلاحیت ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک پھلوں

میں ظہورِ صلاحیت سے قبل بھی بیع درست ہے جبکہ وہ پھل فوراً توڑ لیے جائیں کیونکہ علت ممانعت ''غیر کی ملکیت میں تصرف'' تھی اور وہ نہ پائی گئی۔ اب صورت اولیٰ کے بطلان میں اتفاق ہونے کے باوجود اس کے بطلان کی علت مختلف فیہ ہوئی۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ''ظہورِ صلاحیت نہ ہونا'' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ''غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا'' ہے یعنی ہم احناف کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ظہورِ صلاحیت سے قبل بیع سے منع فرمانا بایں وجہ ہے کہ جب کچے پھل خریدے گئے اور انہیں ظہورِ صلاحیت تک درخت پر رکھنے کی شرط لگائی گئی تو غیر کی ملک میں تصرف کی وجہ سے یہ بیع باطل ہوگی اسی بات کو مدنظر رکھیں تو ابنِ قدامہ کی بیان کردہ دوسری صورت بھی سمجھ آ جاتی ہے وہ یہ کہ پھل خریدے گئے اور فوراً اتار لیے گئے یہ بالاتفاق جائز ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کے جواز کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ درخت پر باقی رہنے کی شرط اگر لگائی جاتی تو اس سے پھلوں کے تلف ہونے کا خطرہ تھا فوراً اتار لینے کی صورت میں یہ خطرہ نہ رہا گویا ''تلف ہونے کا خطرہ'' نہ ہونا وجہِ جواز ہے۔ حالانکہ احناف کے نزدیک اس صورت میں بھی وجہ جواز وہی ہے کہ اس میں ''غیر کی ملک میں تصرف'' نہیں پایا جاتا۔

اب ذرا ابنِ قدامہ کی بیان کردہ وجہ پر غور کریں تو گڑ بڑ نظر آئے گی کیونکہ پہلی صورت میں انہوں نے وجہِ بطلان ''ظہورِ صلاحیت نہ ہونا'' بیان کی تھی اور صورت اولیٰ کے بطلان کی علت اسی کو قرار دیا تھا۔ لیکن یہاں انہوں نے اس علت کو چھوڑ کر دوسری علت کو اپنایا ہے حالانکہ ظہورِ صلاحیت کے بعد یہ بیع کے جواز کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وصف کے بعد اکثر و بیشتر پھل ضائع نہیں ہوتے یہاں اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور آفات سے ضائع ہونے کا خطرہ بطور دلیل پیش کر رہے ہیں دیکھا جائے تو یہ خطرہ دونوں (بائع اور مشتری) کو مشترکہ لاحق ہوتا ہے۔ اس میں مشتری بائع کو متہم نہیں کر سکتا کہ تو نے میرے پھل ضائع کر دیئے ہیں لہٰذا دیکھا جائے تو حِلّت وحرمت کی اصل اور علت جو احناف نے بیان کی وہ ہی حد فیصل بنتی ہے یعنی اگر مشتری خریدنے کے بعد درختوں پر پھل باقی رکھنے کی شرط لگاتا ہے تو بیع باطل اور اگر فوراً کاٹ لیتا ہے تو درست کیونکہ ''غیر کی ملک میں تصرف'' جہاں آیا بطلان آیا اور جہاں نہ آیا جواز آ گیا۔

اب تیسری صورت کو لیجیے کہ جس میں احناف جواز اور دوسرے ائمہ عدم جواز کے قائل ہیں وہ یہ کہ خریدار پھلوں کی مطلق بیع کرتا ہے نہ توڑنے کی شرط اور نہ باقی رکھنے کی شرط لگاتا ہے اس صورت کو ائمہ ثلاثہ نے باطل کہا ہے اور اس کی وجہ ''عدمِ ظہورِ صلاحیت'' قرار دی ہے لیکن یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ کا اس بارے میں مؤقف یہ ہے کہ جب خریدار نے کوئی شرط نہیں لگائی اور خریدار بہرحال مسلمان ہے اور مسلمان کسی کی ملک میں تصرف کرنے کو جائز نہیں سمجھتا تو وہ اس حکم کے پیش نظر یہی فیصلہ کرے گا کہ میں پھلوں کو جلد از جلد اتار لوں تاکہ غیر کی ملک میں متصرف نہ بنوں اطلاق کی وجہ سے وہ پھل توڑنے کو ترجیح دے گا اور یہی وجہِ جواز ہے۔ لہٰذا مطلق بیع کی صورت میں احناف کا نظریہ یہ ہوگا کہ وہ فوراً توڑنے کی شرط کی طرح ہی ہے۔

ظہورِ صلاحیت کیا ہے؟

احناف یہ کہتے ہیں کہ پھل جب قدرتی آفات اور نقصان سے محفوظ ہو جائیں مثلاً شگوفہ کا مرحلہ گزر گیا اور پھل اپنی اصلی صورت میں آ گیا اور شاخ کے ساتھ اس کی وابستگی مضبوط ہوگئی' یہ اس میں ظہورِ صلاحیت کہلائے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: کہ پھل کا پختہ ہو جانا اور ان میں مٹھاس آ جانا ظہورِ صلاحیت ہے اس اختلاف کی وجہ سے ایک مختلف فیہ صورت سامنے آتی ہے وہ یہ کہ پھل میں ابھی مٹھاس پیدا نہیں ہوئی لیکن وہ اپنی شکل وصورت اختیار کر چکا ہے اس حالت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع جائز ہوگی اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باطل۔ یعنی اگر اس حالت میں خریدار پھلوں کو خرید کر فوراً توڑ لیتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ ظہورِ صلاحیت نہیں ہوا اور عدمِ ظہورِ صلاحیت ممانعت کی وجہ ہے لہٰذا یہ بیع باطل ہوگی۔

باغات کے مروجہ طریقہ پر پھلوں کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

اس وقت عام طور پر باغات کے پھلوں کو دو طریقوں سے فروخت کیا جاتا ہے ایک طریقہ یہ ہے کہ درخت پر موجود پھلوں کو خرید لیا جاتا ہے اور انہیں اس وقت تک درختوں پر ہی رہنے دیا جاتا ہے جب تک وہ پک کر تیار نہیں ہو جاتے اس میں پھل توڑنے کی تاریخ فریقین کے درمیان کوئی طے نہیں پاتی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پھلوں کی خرید و فروخت پھل لگنے سے پہلے یا بعض صورتوں میں شگوفہ آنے کے وقت کی جاتی ہے یہ مشتری اور بائع کی قسمت پر موقوف ہے کہ کسے فائدہ اور کسے نقصان ہوتا ہے؟ بہر حال مشتری کو مقررہ قیمت لازماً دینا پڑتی ہے اگر چہ اسے کچھ بھی نہ ملے یا قیمت سے زیادہ پھل مل جائے یہ دونوں صورتیں از روئے شرع باطل ہیں کیونکہ صورت اولیٰ میں غیر کی ملک میں تصرف لازم ہے۔ اور دوسری میں معدوم کی خرید و فروخت ہو رہی ہے اور دونوں باتیں شرعاً ممنوع ہیں اور اگر شگوفے نکل آئے اور پھل کی شکل و صورت بن گئی اگر چہ کچی ہی ہے اس قدر احناف کے نزدیک بیع جائز تھی لیکن اس کے لیے پکنے تک درخت پر چھوڑنے کی شرط نے ہمارے نزدیک بھی بیع کو باطل کر دیا لہٰذا بالاتفاق یہ بیع ناجائز ہوگی لہٰذا باغات کے مالک حضرات کو چاہیے کہ بیع و شراء میں جائز طریقے اختیار کریں تاکہ نہ خود حرام کھائیں اور نہ دوسروں کو ایسی خوراک مہیا کریں۔ حضور ﷺ نے باغات کے بارے میں حضرات صحابہ کرام کو واضح ہدایات عطا فرمائیں انہوں نے ان پر عمل کیا وہی ارشادات آج بھی ہمارے پھلوں کے بیوپاریوں کے لیے مشعل راہ ہیں یعنی پھلوں کی خرید و فروخت اس وقت کی جائے جب وہ پک جائیں اور فوراً کاٹ لینے کا مشتری کو پابند کیا جائے۔ احناف نے اس کے جواز کے لیے کچھ اور طریقے بھی ذکر کیے ہیں۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "المبسوط" میں ج ۱۲ ص ۱۹۶۔ ۲۰۸ پر ان طریقوں کی تفصیل لکھی ہے۔

احدھا ان ھناک لو استاجر الارض مدۃ معلومۃ یجوز و ھنا لو استاجر الاشجار مدۃ معلومۃ لا یجوز بحال لان استجار الارض بالدراھم صحیح و استاجر الاشجار لا یجوز بحال.

جواز کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مدت معلومہ تک زمین کرائے پر لے لے لیکن اگر زمین کی بجائے درخت کرایہ پر لیتا ہے اگر چہ مدت معلومہ کے لیے ہی ہو یہ جائز نہیں کیونکہ زمین کا روپیوں کے عوض کرایہ پر لینا صحیح ہے اور درختوں کا کسی حال میں جائز نہیں۔

اس صورت کی وضاحت یہ ہے کہ زمین ایسی چیز ہے جو گھٹتی بڑھتی نہیں اور درخت گھٹتے بڑھتے ہیں لہٰذا پھلوں کو پکنے تک اگر درختوں پر رکھنا چاہتے ہیں تو درختوں کی بجائے زمین کو پھل پکنے تک کرایہ پر لے لیا جائے۔ اس صورت میں غیر کی ملک میں تصرف لازم نہ آئے گا لیکن اس صورت میں پریشانی یہ ہے کہ زمین کا مالک اس مدت میں بھی اپنی زمین (جو کرایہ پر دے چکا ہے) میں کھیتی باڑی کرتا رہتا ہے حالانکہ از روئے شرع وہ اس کا مجاز نہ تھا یہ طریقہ اگر چہ فی زمانہ مشکل ہے لیکن اختیار کرنا ناممکن نہیں ہے۔

صاحب ردالمختار نے بوجہ ضرورت مذکورہ صورت کا حل درج ذیل پیش کیا ہے:

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ پھلوں کی موجودہ حالت خرید و فروخت از روئے شرع جائز نہیں اور یہ بھی کہ مسلمان اسے چھوڑنے کے لیے تیار بھی نہیں ہیں تو بوجہ ضرورت اس میں حلّت کی گنجائش نکالنی پڑے گی "ضرورت" ایسی حالت ہے کہ شریعت اس کے پیش نظر حرام اشیاء کی حرمت اٹھا کر اباحت میں منتقل کر دیتی ہے۔ موجودہ صورت کے قریب ترین شرعی خرید و فروخت "بیع سلم" نظر آتی ہے اس کی مکمل شرائط اگر چہ پھلوں کے مسئلہ میں موجود نہیں مثلاً معین جنس کی معین مقدار معین وقت پر بیچنے والا خریدار کے سپرد کرے گا یہاں جنس تو معین ہوتی ہے لیکن مقدار اور وقت کا معین کرنا ناممکن ہے اور بیع سلم میں معدوم چیز کا لین دین ہوتا ہے یہاں پھلوں کا وجود اکثر صورتوں میں متحقق ہوتا ہے اگر چہ ظہور صلاحیت والا موجود مختلف فیہ ہے۔ صاحب ردالمختار نے درج ذیل حل

پیش کیا ہے۔

قلت لکن لا یخفی تحقق الضرورت فی زماننا ولا سیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل علی الناس لا یمکن الزامهم بالتخلص باحدی الطرق الذکورة و ان امکن ذالک بالنبة الی بعض افراد الناس لا یمکن بالنسبة الی عامتهم فی نزعهم عن عادتهم حرج لا علمت ویلزم تحریم اکل الثمار فی هذه البلدان اذلاتباع الا کذالک والنبی ﷺ انما رخص فی السلم للضرورة مع انه بیع المعدوم فحیث تحققت الضرورة ههنا ایضا امکن الحاقه بالسلم بطریق الدلالة فلم یکن مصارمع النص فلذا جعلوه من الاستحسان لان القیاس عدم الجواز.

(رد المحتار المعروف شامی ج ۴ ص ۵۵۵ مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصود۔ مطبوعہ مصر)

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ''ضرورت'' کا وجود متحقق ہے خاص کر دمشق شام میں کہ بکثرت درخت اور پھل اس طریقہ سے بیچے جاتے ہیں۔ لوگوں پر چونکہ جہالت غالب ہے جس کی وجہ سے انہیں جائز طریقوں میں سے کسی طریقہ پر زبردستی لانا ناممکن ہے اگرچہ بعض آدمی ان طریقوں میں سے کسی کو اپنا بھی لیں لیکن عام لوگوں کی عادت کو چھڑانا حرج عظیم ہے۔ دوسری طرف اس موجودہ طریقہ کو دیکھا جائے تو پھلوں وغیرہ کا کھانا حرام ہے کیونکہ ان کی خرید و فروخت اسی غلط طریقہ سے ہوتی ہے اور حضور ﷺ نے ''بیع سلم'' کی رخصت بھی ضرورت کی وجہ سے دی حالانکہ اس میں ''معدوم چیز'' کی بیع ہوتی ہے لہٰذا جب یہاں بھی ضرورت متحقق ہے تو دلالت النص کے طور پر اسے ''بیع سلم'' کے ساتھ ملانا ممکن ہے بطور نص تو اس کا حل نہیں نکلتا اسی لیے فقہاء کرام اسے استحسان کے زمرہ میں لائے ہیں کیونکہ قیاسِ جلی اسے ناجائز ہی کہتا ہے۔

صاحب ہدایہ ابوالحسن علی بن ابی بکر کا نقطۂ نظر

ولو اشتراها مطلقا و ترکها باذن البائع طاب له الفضل. (ہدایہ اخیرین ج ۳ ص ۲۷ کتاب البیوع مطبوعہ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

اور اگر پھلوں کو مطلقاً (بغیر شرط) کسی نے خریدا اور بائع کی اجازت سے انہیں درخت پر (پکنے تک) رہنے دیا تو جو اضافہ ہوا وہ (اصل سمیت) خریدار کے لیے حلال ہے۔

صاحب ہدایہ کا مقصد یہ ہے کہ جب درخت پر پھل نمودار ہو گئے خواہ وہ کسی درجہ پر ہوں ان کی خرید و فروخت ہو گئی اور خریدار نے یہ شرط نہ لگائی تھی کہ مذکورہ پھل پکنے تک درخت پر رہیں گے لیکن مالک نے از خود اجازت دے دی کہ پھلوں کا درخت پر رہنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں تمہاری جب مرضی کرے اتار لینا اس صورت میں خریداری کے بعد جس مدت تک بھی پھل درخت پر رہے وہ غیر کی ملک میں تصرف کرنے کے ضمن میں آتا ہے جو حرام ہے لیکن اب مالک بلا شرط لگائے تصرف کی اجازت دے رہا ہے تو وجہِ حرمت اٹھ گئی لہٰذا وہ پھل اور ان میں خریداری کے بعد جو اضافہ ہوگا وہ سب حلال وطیب ہو جائیں گے۔ صاحب ہدایہ کی یہ توجیہہ بہرحال اس صورت میں کارگر ہوگی۔ جب درخت پر پھل کسی طرح بھی موجود ہو چکے ہوں اور اگر ابھی ان کا وجود ہی نہ ہوا ہو اور بُور وغیرہ آنے سے قبل ہی خرید و فروخت ہوئی تو پھر ''معدوم'' کی بیع ہونے کی وجہ سے صاحب ''ردالمحتار'' کا قول قابل عمل ہوگا۔ بہرحال دونوں حضرات کا طریقہ استدلال الگ الگ ہے صاحب ''ردالمحتار'' نے اصل شرعی سے کام لیا۔ اور صاحب ہدایہ نے عرفِ عام اور اطلاق سے استنباط فرمایا ان دونوں حضرات میں سے موجودہ حالات پر صاحب ہدایہ کا قول زیادہ مطابقت رکھتا ہے کیونکہ پھلوں کی خرید و فروخت کے وقت اگرچہ خریدار یہ شرط نہیں لگاتا کہ پھل پکنے تک اگر درخت پر رہنے دو گے تب میں خریدوں گا وہ مطلق بات کرتا ہے لیکن دوسری طرف سے ہر شخص جانتا ہے کہ درخت کا مالک لین دین کے بعد پھلوں کا درخت پر باقی رہنا اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا

اور نہ ہی کبھی اس بات پر جھگڑا ہوتا ہے وہ بخوشی پکنے تک پھلوں کو درخت پر رہنے دیتا ہے گویا عرفاً اس کی طرف سے اجازت ہے جب عرفاً اجازت ہے تو پھر ملک غیر میں تصرف بھی نہ ہوا۔ اس طریقہ سے ان حضرات نے خلق خدا کو حرام کھانے سے بچا لیا ان حضرات کی یہ سینہ زوری نہ کہلائے گی کیونکہ ان حضرات نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر حل پیش کیا ہے ان کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی اس مشکل کے حل نکالے ہیں لیکن ان میں بہت سے اشکال موجود ہیں کیونکہ وہ کسی اصولی قاعدہ وضابطہ کے تحت نہیں آتے ان کا ذکر کرنا باعث طوالت ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٣٣٦ - بَابُ الرَّجُلِ يَبِيعُ بَعْضَ الثَّمْرِ وَ يَسْتَثْنِي بَعْضَهُ

پھلوں میں سے کچھ بیچنا اور بعض مستثنیٰ کرنے کا بیان

٧٤٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِي بَكْرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ بَاعَ حَائِطًا لَهٗ يُقَالُ لَهُ الْاَفْرَاقُ بِاَرْبَعَةِ اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَ اسْتَثْنٰى مِنْهُ بِثَمَانِيْ مِائَةِ دِرْهَمٍ تَمْرًا.

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن ابی بکر سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عمرو بن حزم نے اپنا ''افراق'' نامی باغ چار ہزار درہم کا فروخت کیا اور اس میں سے آٹھ سو درہم کی کھجوریں مستثنیٰ کیں۔

٧٤٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الرِّجَالِ عَنْ اُمِّهٖ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهَا كَانَتْ تَبِيْعُ ثِمَارَهَا وَ تَسْتَثْنِيْ مِنْهَا.

امام مالک نے ہمیں ابوالرجال سے وہ اپنی والدہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے پھل بیچا کرتی تھیں اور ان میں سے کچھ پھل کا استثناء کیا کرتی تھیں۔

٧٤٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا رَبِيْعَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَبِيْعُ ثِمَارَهٗ وَ يَسْتَثْنِيْ مِنْهَا.

امام مالک نے ہمیں ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے وہ جناب قاسم بن محمد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے پھل فروخت کیا کرتے تھے اور ان میں سے کچھ کا استثناء کرلیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَاْسَ بِاَنْ يَبِيْعَ الرَّجُلُ ثَمَرَهٗ وَ يَسْتَثْنِيَ بَعْضَهٗ اِذَا اسْتَثْنٰى شَيْئًا مِّنْ جُمْلَتِهٖ رُبْعًا اَوْ خُمْسًا اَوْ سُدُسًا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے کوئی شخص اگر اپنے پھل فروخت کرتا ہے اور ان میں سے بعض کا استثناء کر لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اس نے تمام پھل سے چوتھا' پانچواں یا چھٹا حصہ مستثنیٰ کیا ہو۔

مذکورہ تینوں روایات دوٹوک اس کے جواز کا پتہ دیتی ہیں کہ پھلوں کی فروخت کرنے والا اگر ان میں سے بعض کا استثناء کر لیتا ہے تو ایسا صحابہ کرام کرتے رہے۔ اور اسی بنا پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے۔

اعتراض: ''مسلم شریف'' میں ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ نے استثناء سے منع فرمایا' اور عرایا کی رخصت عطا فرمائی آپ ﷺ کے اس مطلق ارشاد سے معلوم ہوا کہ پھلوں کی خرید وفروخت میں استثناء درست نہیں' موطا کی روایات مذکورہ اس کے خلاف ہیں؟

جواب: استثناء سے ممانعت کرنے کی صورت یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ یا مستثنیٰ ان میں سے کوئی مجہول ہو مثلاً کہتا ہے کہ گندم کا ڈھیر فروخت کرتا ہوں مگر اس میں سے چوتھا حصہ نہیں یہاں مستثنیٰ منہ مجہول ہے اور اگر یوں کہتا ہے کہ دس من گندم فروخت کرتا ہوں مگر اس میں سے کچھ نہیں یہاں مستثنیٰ مجہول ہے ان دونوں صورتوں میں ایک چیز میں لازماً جہالت ہے جس کی بناء پر خرید وفروخت نہ ہوگی۔ اور اگر دونوں معلوم ہوں تو پھر جائز ہے اور ''موطا امام محمد'' میں مذکورہ روایات دوسری قسم سے متعلق ہیں یہی وجہ ہے کہ امام محمد نے چوتھا' پانچواں

یا چھٹا حصہ مثلاً ذکر فرمایا ہے۔

٣٣٧ - بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ بَيْعِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ

تر کھجوروں کو خشک کے عوض فروخت کرنے کی کراہت کا بیان

٧٥٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ مَوْلَى الْاَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ اَنَّ زَيْدًا اَبَا عَيَّاشٍ مَوْلَى لِبَنِيْ زُهْرَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَاَلَ سَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَمَّنِ اشْتَرَى الْبَيْضَاءَ بِالسُّلْتِ فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ قَالَ الْبَيْضَاءُ قَالَ فَنَهَانِيْ عَنْهُ وَ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَمَّنِ اشْتَرَى التَّمْرَ بِالرُّطَبِ فَقَالَ اَيَنْقُصُ الرُّطَبُ اِذَا يَبِسَ قَالُوْا نَعَمْ فَنَهٰى عَنْهُ.

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن یزید مولیٰ اسود بن سفیان سے خبر دی کہ زید ابو عیاش مولی بنی زہرہ نے بتایا کہ اس نے جناب سعد بن ابی وقاص سے پوچھا' ایک شخص اگر سلت کے بدلہ میں بیضاء خریدتا ہے تو یہ کیسا ہے؟ جناب سعد نے اس سے پوچھا ان دونوں میں سے کون سی چیز افضل ہے؟ کہا بیضاء افضل ہے کہا کہ پھر انہوں نے مجھے اس سے منع کر دیا اور کہا کہ میں نے سنا کہ حضور ﷺ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو تر کھجوروں کے عوض خشک کھجوریں خریدے یہ کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تر کھجوریں خشک ہو کر وزن میں کم ہو جاتی ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا' جی۔ تو آپ نے اس لین دین سے منع فرما دیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَاخَيْرَ فِيْ اَنْ يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ قَفِيْزَ رُطَبٍ بِقَفِيْزٍ مِّنْ تَمْرٍ يَدًا بِيَدٍ لِاَنَّ الرُّطَبَ يَنْقُصُ اِذَا جَفَّ فَيَصِيْرُ اَقَلَّ مِنْ قَفِيْزٍ فَذٰلِكَ فَسَدَ الْبَيْعُ فِيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے ایک شخص اگر تر کھجوروں کا ایک کریٹ' ایک کریٹ خشک کھجوروں کے بدلہ میں خریدتا ہے تو اس میں کوئی بھلائی نہیں (جائز نہیں ہے) کیونکہ تر کھجوریں جب خشک ہوں گی تو وہ خشک کھجوروں کے کریٹ سے کم ہو جائیں گی' اس وجہ سے بیع میں فساد آ گیا۔

مذکورہ روایت کے ضمن میں امام محمد نے اپنا مؤقف بیان فرمایا: کہ ایسی خرید و فروخت درست نہیں ہے لیکن یاد رہے کہ یہ صرف ان کا اپنا مؤقف ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس بارے میں اور رائے رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ امام محمد نے یہاں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مؤقف کا ذکر نہیں کیا۔ امام صاحب کا مؤقف ہم پچھلے اوراق میں بیان کر آئے ہیں وہ یہ کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں اور زیرِ بحث روایت میں ایک راوی عیاش (جو مرکزی راوی ہے) آپ نے اس پر جرح کی ہے اور آپ کی جرح کو اہلِ بغداد (اہل حدیث) حضرات نے قبول کر کے داد تحسین دی تھی۔

٣٣٨ - بَابُ مَا لَمْ يُقْبَضْ مِنَ الطَّعَامِ وَغَيْرِهٖ

غیر مقبوضہ غلہ وغیرہ کی خرید و فروخت کا بیان

٧٥١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ اِبْتَاعَ طَعَامًا اَمَرَ بِهٖ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِلنَّاسِ فَبَاعَ حَكِيْمُ الطَّعَامَ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَوْفِيَهُ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَرَدَّ عَلَيْهِ وَ قَالَ لَا

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ جناب حکیم بن حزام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر لوگوں کے لیے طعام خریدا پھر اسے حکیم نے قبضہ میں لینے سے پہلے فروخت کر دیا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں سنا تو آپ نے بیع

بَيْعَ طَعَامٍ اِبْتَعْتَهُ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَهُ.

کو حذام پر واپس کر دیا اور فرمایا: کہ اپنا خرید کردہ غلہ قبضہ کر لینے سے پہلے مت فروخت کرو۔

۷۵۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے وہ عبداللہ بن عمر سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے غلہ خریدا وہ اسے قبضہ کیے بغیر آگے فروخت نہ کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَكَذٰلِكَ كُلُّ شَيْءٍ مِنْ طَعَامٍ اَوْ غَيْرِهٖ فَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَبِيْعَهُ الَّذِي اشْتَرَاهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ وَكَذٰلِكَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَّا الَّذِيْ نَهٰى عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ الطَّعَامُ اَنْ يُبَاعَ حَتّٰى يُقْبَضَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا اَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا مِثْلَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ ابْنُ عَبَّاسٍ نَاْخُذُ الْاَشْيَاءَ كُلَّهَا مِثْلَ الطَّعَامِ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَبِيْعَ شَيْئًا اِشْتَرَاهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ وَكَذٰلِكَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهُ رَخَّصَ فِي الدُّوْرِ وَالْعَقَارِ وَالْاَرْضِيْنَ الَّتِيْ لَا تُحَوَّلُ اَنْ تُبَاعَ قَبْلَ اَنْ تُقْبَضَ اَمَّا نَحْنُ فَلَا نُجِيْزُ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى يُقْبَضَ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہمارا بھی یہی عمل ہے اور اسی طرح غلہ وغیرہ ہر چیز میں یہی چاہیے کہ اسے قبضہ میں لیے بغیر آگے نہ بیچا جائے اور یونہی حضرت عبداللہ ابن عباس نے کہا ہے فرمایا: کہ جس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا وہ تو صرف غلہ ہے کہ اسے قبضہ میں لیے بغیر آگے مت فروخت کرو اور ابن عباس فرماتے ہیں: میں تو تمام اشیاء کو ایسے ہی سمجھتا ہوں۔ پھر ابن عباس فرمایا کرتے تھے ہم تمام اشیاء کے معاملہ میں غلہ کا سا معاملہ کرتے ہیں کسی کو کوئی چیز قبضہ کیے بغیر آگے فروخت نہیں کرنی چاہیے اسی کی مثل امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے مگر امام موصوف نے گھروں، زمین اور دیگر غیر منقولہ املاک میں قبضہ کیے بغیر بھی فروخت کرنے کی اجازت دی ہے بہرحال ہم کسی چیز میں قبضہ کیے بغیر آگے فروخت کی اجازت نہیں دیتے۔

۷۵۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ كُنَّا نَبْتَاعُ يَدًا بِيَدٍ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَعَثَ عَلَيْنَا مَنْ يَاْمُرُنَا بِانْتِقَالِهٖ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِيْ ابْتَعْنَاهُ فِيْهِ اِلٰى مَكَانٍ سِوَاهُ قَبْلَ اَنْ نَبِيْعَهُ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں: کہ ہم حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں دست بدست لین دین کیا کرتے تھے آپ ﷺ نے ہمارے پاس لوگوں کو بھیجا جنہوں نے ہمیں حکم دیا کہ خریدی ہوئی چیز کو اس جگہ سے جہاں ہم نے خریدی تھی کسی دوسری جگہ منتقل کریں پھر وہاں جا کر اسے بیچیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِنَّمَا كَانَ يُرَادُ بِهٰذَا الْقَبْضُ لِئَلَّا يَبِيْعَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى يَقْبِضَهُ فَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَبِيْعَ شَيْئًا اشْتَرَاهُ رَجُلٌ حَتّٰى يَقْبِضَهُ.

امام محمد کہتے ہیں اس سے مراد یقیناً قبضہ میں لینا ہے تاکہ قبضہ میں لیے بغیر ان اشیاء میں سے کسی کو آگے نہ فروخت کیا جائے لہٰذا جب کوئی آدمی کوئی چیز خریدتا ہے تو اس پر قبضہ کیے بغیر اسے آگے فروخت نہیں کرنا چاہیے۔

مذکورہ روایات میں اگرچہ غلہ کی قبل از وقت فروخت کی ممانعت آئی ہے لیکن امام محمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے استشہاد پیش کرتے ہوئے غلہ کے علاوہ ہر اشیاء میں یہی حکم جاری کیا اور آخر میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا غیر منقولہ اشیاء کی خرید و فروخت میں اختلاف کے ساتھ بقیہ اشیاء میں ان کا بھی اختلاف ذکر کیا ہے۔ ہم اس مقام پر تین باتوں کی تشریح کرنا

مناسب سمجھتے ہیں۔ اول یہ کہ قبل از قبضہ اشیاء کی فروخت کی ممانعت کیوں آئی؟ دوم یہ کہ اس بارے میں اختلافِ ائمہ کیا ہے اور ان کے دلائل کیا ہیں؟ سوم یہ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے غیر منقولہ اشیاء مثلاً مکان' زمین کی قبل از قبضہ فروخت کی اجازت کیونکر دی؟

(۱) قبل از قبضہ فروخت کی ممانعت کیوں؟

پہلی وجہ یہ ہے کہ خریدی گئی چیز اگر بیچنے والے کے پاس ہی ابھی پڑی ہے اور خریدار اسے جب آگے بیچنا چاہتا ہے تو اس کی قیمت میں کمی بیشی کا بہت امکان ہے زیادتی کی صورت میں بائع جھگڑا کرے گا کہ میں نہیں اٹھانے دیتا اور کمی کی صورت میں مشتری رونا روئے گا کہ تم نے مجھے لوٹ لیا ہے خصوصاً اب جبکہ عہد و پیمان کے ایفاء کا دور ہی ختم ہو رہا ہے' ان باتوں پر لڑائی جھگڑا کوئی بعید نہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ فروخت کرنے والے کے پاس پڑی چیز کو مشتری زیادہ قیمت پر بیچتا ہے ابھی نئے خریدار نے بھی قبضہ نہیں کیا وہ تیسرے آدمی کو اور زیادہ قیمت پر دے دیتا ہے یوں پڑی پڑی چیز دس روپے سے مثلاً بیس پھر تیس روپے تک بک گئی۔ اگر اس صورت کو معنوی طور پر دیکھا جائے تو سود سے ملتی جلتی ہے عقد چونکہ مختلف ہیں اس لیے سود تو نہ کہیں گے لیکن دس روپے کو بیس اور تیس روپے سے بیچا گیا یہ طریقہ بہت مروج ہے خاص کر جب کوئی چیز کسی بیرونی ملک سے کوئی تاجر منگواتا ہے تو وہاں سے آرڈر بک ہوتے وقت وہ فروخت ہونا شروع ہوتی ہے یہاں (پاکستان) پہنچنے تک وہ کئی مرتبہ بک چکی ہوتی ہے اور ہر مرتبہ قبضہ کیے بغیر فروخت ہوتی ہے جس سے اس کی قیمت چلتے وقت اور تھی اور یہاں پہنچنے پر کئی گنا بڑھ گئی اور پھر یہاں بھی اسے منافع پر بیچ کر عوام سے منہ مانگی قیمت وصول کی جاتی ہے۔ مہنگائی کا ایک بڑا سبب یہ کاروبار بھی ہے اسے عرفاً سٹہ کا کاروبار کہتے ہیں جواز روئے شرع ناجائز ہے۔

(۲) اس بارے میں اختلاف ائمہ بمع دلائل

امام شافعی اور امام مالک کا مؤقف

خرید کردہ چیز خواہ منقولی ہو یا غیر منقولی اس کی قبل از قبضہ آگے فروخت جائز نہیں ہے اس کی دلیل ''نسائی شریف'' کی درج ذیل حدیث ہے:

اخرج النسائی ایضا فی سننه الکبری عن یعلی ابن حکیم عن یوسف بن ماهک عن عبدالله بن عصمة عن حکیم بن حزام قال قلت یا رسول الله ﷺ انی رجل ابتاع هذه البیوع و ابیها فما یحل لی منها وما یحرم قال لا تبیعن شیئه حتی تقبضه رواه احمد فی مسنده وابن حبان و قال هذا الحدیث مشهور.

(فتح القدیر: ج ۵ ص ۲۶۴ فصل ومن اشتری شیئاً مما ینقل مطبوعہ مصر)

امام نسائی نے بھی یہ حدیث اپنی سنن کبریٰ میں یعلیٰ بن حکیم سے وہ یوسف بن ماہک سے وہ عبداللہ بن عصمہ سے اور وہ حکیم بن حزام سے بیان کرتے ہیں: حکیم بن حزام نے کہا: کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا میں ایسا شخص ہوں کہ ان چیزوں کی خرید کے بعد ان کو فروخت بھی کرتا ہوں میرے لیے ان میں سے حلال کون سی اور حرام کون سی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی چیز کو قبضہ میں لیے بغیر ہرگز نہ بیچو اسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے ذکر کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مؤقف کہ قبل از قبض اشیاء غیر منقولہ کی فروخت جائز ہے

امام موصوف رضی اللہ عنہ منقولی اشیاء میں تو قبل از قبضہ آگے فروخت کرنے کے بارے میں دیگر ائمہ کے ساتھ متفق ہیں لیکن اشیاء غیر منقولہ مثلاً مکان' زمین وغیرہ کے بارے میں ان کا مؤقف مختلف ہے وہ ان اشیاء کی فروخت قبضہ کیے بغیر کر دینے کو جائز کہتے

ہیں۔ قبل از قبضہ بیع کی ممانعت جن احادیث میں مذکور ہے امام صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں: کہ ممانعت کی علت "دھوکہ" ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ یہ بیع فسخ ہو جائے اور فسخ شدہ بیع ملک کا فائدہ نہیں دیتی لہٰذا جس کی ملکیت ہی سرے سے نہ ہوا سے آگے بیچنا عقلاً نقلاً جائز نہیں ہے۔ اس کی صورت یوں ہو سکتی ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز خریدی' لیکن اس پر قبضہ نہیں کیا' پھر اسے آگے کسی اور کو فروخت کرنا چاہتا ہے بات چیت ہوگئی' لیکن مذکورہ چیز ہلاک ہوگئی تو اب دوسری بیع کا کیا ہوگا؟ لیکن مکان اور زمین وغیرہ غیر منقولہ اشیاء میں ہلاکت نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور بیع ہو جائے گی۔ اسی وجہ کو صاحب ہدایہ یوں بیان کرتے ہیں:

من اشترى شيئا مما ينقل و يحول لم يجزله بيعه حتى يقبضه لانه نهى عن بيع مالم يقبض ولان فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک و يجوز بيع العقار قبل القبض عند ابى حنيفة رضى الله عنه و ابى يوسف رضى الله عنه وقال محمد لا يجوز رجوعا الى اطلاق الحديث واعتبارا بالمنقول و صار کالاجارة ولهما ان رکن البيع صدر من اهله فى محله ولا غرر فيه لان الهلاک فى العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهى عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز.

(ہدایہ اخیرین: ص ۷۷ کتاب البیوع فصل من اشتری شیئاً فیما ینقل مطبوعہ کارخانہ اسلامی کتب خانہ کراچی)

جس نے کوئی منقولی چیز خریدی اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والی چیز خریدی تو اس کی آگے فروخت قبضہ کئے بغیر جائز نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے قبل از قبضہ چیز کی فروخت سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ اس طرح کرنے میں عقد کے فسخ ہونے کا دھوکہ بھی موجود ہے کیونکہ ہوسکتا ہے مذکورہ چیز ہلاک ہو جائے اور زمین کی فروخت قبل از قبضہ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے امام محمد اسے بھی ناجائز کہتے ہیں وہ اس بارے میں حدیث پاک کے اطلاق کو پیش نظر رکھتے ہیں اور غیر منقولہ اشیاء کو منقولہ پر محمول کرتے ہیں اور اسے اجارہ کی مانند سمجھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام یوسف یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ بیع کا رکن اس کے اہل سے اور جائز محل میں صادر ہوا اس میں دھوکہ بھی نہیں کیونکہ زمین میں ہلاکت نادر الوقوع ہے بخلاف منقول کے کہ اس میں کثیر الوقوع ہے اور حدیث پاک کے ضمن میں جس دھوکہ سے منع کیا گیا وہ بیع کے فسخ ہونے کا دھوکہ ہے اور حدیث منع بھی اسی تعلیل کو چاہتی ہے تاکہ جواز کے دلائل پر عمل ہو سکے۔

اعتراض: ہدایہ کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ منقولہ اشیاء کی فروخت کے لیے قبضہ شرط ہے اور غیر منقولہ کے لیے امام اعظم اور ابو یوسف کے نزدیک قبضہ کے بغیر بھی فروخت ہو سکتی ہے دونوں حضرات کی دلیل عقلی ہے جو نصِ صریح کے مقابل ہے کیونکہ نصِ صریح میں یہ تقسیم نہیں کی گئی بلکہ مطلقاً ہر چیز کی فروخت کے لیے قبضہ ضروری قرار دیا گیا ہے لہٰذا نصِ صریح کے مقابل ان حضرات کی دلیل اجتہادی کوئی وزن نہیں رکھتی۔ نیز حدیثِ مذکور میں غرر انفساخ کو علت قرار دینا بھی درست نہیں؟

جواب: جہاں تک حدیثِ مذکور کے اطلاق کا معاملہ ہے تو وہ محل نظر ہے کیونکہ کچھ اشیاء ایسی ہیں' جنہیں بہرحال اس کے حکم کے تحت شامل نہیں رکھا گیا۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

انه خص منه شيئا منها جواز التصرف فى الثمن قبل قبضه و كذا المهر يجوز لها بيعه و هبته و كذا الزوج فى بدل الخلع و كذا رب الدين فى

حدیثِ مذکور سے چند چیزیں مخصوص کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ثمن میں قبضہ سے قبل تصرف کرنا جائز ہے یونہی حق مہر پر قبضہ کیے بغیر عورت اس کی بیع اور ہبہ کرسکتی ہے اور اسی

الدین اذا ملکه غیره و سلطه علی قبضه جاز و کذا اخذ الشفیع قبل قبض المشتری ولا شک ان تملکه حینئذ شرا قبل القبض فلو کان العقار قبل القبض لا یحتمل التملیک ببدل لم یثبت للشفیع حق الاخذ قبل القبض و ھذا یخرج الی الاستدلال بدلالته الاجماع علی جواز بیع العقار قبل القبض. (فتح القدیر مع عنایہ شرح ہدایہ ج ۵ ص ۲۶۶ فصل من اشتری شیئا مما ینقل مطبوعہ مصر)

طرح خاوند خلع کے معاوضہ میں بھی۔ صاحب قرض' قرض میں جب وہ کسی دوسرے کو اس پر مسلط کر دے اور اس کے قبضہ کا اختیار دے دے تو جائز ہے یونہی شفیع کا مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے شفعہ والی چیز کو لینا' اور اس میں شک نہیں کہ مشتری کا قبل از قبض جو اس وقت ملک ہے تو وہ شراء ہے اگر زمین قبضہ سے پہلے تملیک کا احتمال نہ رکھتی تو شفیع کو حق اخذ نہ ملتا اور یہ استدلالات اس طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ دلیلِ اجماع اس پر ہے کہ زمین کی بیع قبل از قبض جائز ہے۔

مذکورہ عبارت سے دونوں باتوں کے جواب آ گئے پہلی بات یہ کہ حدیثِ مذکور کا اطلاق امام اعظم اور ابو یوسف نے اپنی اجتہادی دلیل سے مقید نہیں کیا بلکہ دلیلِ اجماع نے اس کے اطلاق کو مقید کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے جو" دلائل الجواز" کے الفاظ آخر میں لکھے تھے ان سے مراد" اجماع" ہے لہٰذا حدیثِ مذکور کو معلول بہ عملاً کہا جائے تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ صاحب فتح القدیر نے اطلاق حدیث کے بارے میں چند چیزیں ایسی ذکر فرمائیں جو بالاتفاق قبل از قبضہ تصرف میں آتی ہیں لہٰذا حدیث پاک کا اطلاق" اجماع" کے ذریعہ مقید ہوا۔ حق مہر میں عورت کا قبضہ سے قبل تصرف' بدل خلع میں قبلِ قبضہ خاوند کا تصور ثمن میں قبلِ قبض تصرف اور قرض دینے والا اپنے قرض کی وصولی کے لیے کسی کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ اور حق شفعہ ایسے چند مسائل ہیں جن میں قبل از قبض تصرف ہوتا ہے لہٰذا قبل از قبض مطلقاً کسی چیز کو بیچنا ممنوع نہ رہا اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اشیاءِ منقولہ میں غرر انفساخ کا خدشہ تھا جو منقولہ میں نہیں اس لیے دونوں میں فرق بھی ضروری ہونا چاہیے۔ اسی علت کی بنا پر امام صاحب نے دونوں میں فرق کیا اور منقولہ کی بیع قبل از قبضہ ناجائز اور غیر منقولہ کی درست قرار دی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۳۹ - بَابُ بَیْعِ الْمَتَاعِ اَوْ غَیْرِهٖ نَسِیْئَةً ثُمَّ یَقُوْلُ اُنْقُدْنِیْ وَاَضَعُ عَنْکَ

ادھار سودا طے پا جانے کے بعد بائع کہتا ہے کہ نقد دے دو تو اس قدر کم کر دیتا ہوں

۷۵۴- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحِ بْنِ عُبَیْدٍ مَوْلَی السَّفَاحِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ بَاعَ بَزًّا مِّنْ اَھْلِ دَارِ نَخْلَةَ اِلٰی اَجَلٍ ثُمَّ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ اِلٰی کُوْفَةَ فَسَاَلُوْهُ اَنْ یَّنْقُدُوْهُ وَ یَضَعَ عَنْھُمْ فَسَاَلَ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَقَالَ لَا اٰمُرُکَ اَنْ تَاْکُلَ ذٰلِکَ وَلَا تُوْکِلَهٗ.

امام مالک نے ہمیں ابو الزناد سے وہ بسر بن سعید سے وہ ابو صالح بن عبید مولی سفاح سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے دار نخلہ والوں سے کپڑا ادھار خریدا پھر انہوں نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو ان سے کہا اگر تم قیمت کم کر دو تو میں ابھی نقد ادا کر دیتا ہوں انہوں نے زید بن ثابت سے پوچھا' تو انہوں نے جواباً فرمایا: میں تجھے اس کے نہ کھانے اور نہ کھلانے کی اجازت دیتا ہوں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ مَنْ وَجَبَ لَهٗ دَیْنٌ عَلٰی اِنْسَانٍ اِلٰی اَجَلٍ فَسَاَلَ اَنْ یَّضَعَ عَنْهُ وَ یُعَجِّلَ لَهٗ مَا بَقِیَ لَمْ یَنْبَغِ ذٰلِکَ لِاَنَّهٗ یُعَجِّلُ قَلِیْلًا بِکَثِیْرٍ دَیْنًا فَکَاَنَّهٗ یَبِیْعُ قَلِیْلًا نَقْدًا بِکَثِیْرٍ دَیْنًا وَھُوَ قَوْلُ عُمَرَ بْنِ

امام محمد کہتے ہیں: ہمارا یہ مسلک ہے کہ اگر کسی آدمی کا دوسرے پر مدتِ مقررہ کا دین ہو پھر وہ اس قرض کے مالک سے پوچھے کہ اس سے کچھ کم کر دے اور وہ وقت مقررہ سے پہلے بقیہ ادا کر دے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس صورت میں وہ جلدی مل

الْخَطَّابِ وَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

جانے کی وجہ سے تھوڑی رقم لے گا تو یہ یوں ہوا کہ اس نے تھوڑی نقدی زیادہ دین کے عوض فروخت کی ہے۔ یہی قول حضرت عمر بن خطاب' زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

عام لین دین میں کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک شخص نے مثلاً ایک مہینہ تک کوئی چیز ادھار خریدی لیکن مہینہ گزرنے سے پہلے ایسے حالات ہو جاتے ہیں کہ رقم کی جلد ضرورت پڑ جاتی ہے جیسا کہ روایت مذکورہ میں ہے۔ کپڑا ادھار دینے والے کچھ عرصہ یا مستقل طور پر کہیں دور جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ادھار لینے والا بھی جانتا ہے لیکن وہ اس سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے کہ اب ان کو ضرورت ہے لہٰذا یہ نقد مانگ رہے ہیں اور طے شدہ دین سے کم بھی کر دیں گے۔ چنانچہ وہ پیشکش کرتا ہے کہ اگر تم نے فوری اور نقد رقم لینی ہے تو ایک سو روپے کی بجائے اسی (۸۰) روپے لے لو تو اس صورت کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ناجائز قرار دیا اور اس کی وجہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ اب جو مثلاً اسی (۸۰) روپے مدیون دے رہا ہے یہ دراصل اسی (۸۰)' سو (۱۰۰) روپے کے بدلہ میں ہے جو اصل دین تھا گویا روپے کی روپے کے بدلہ بیع ہوئی جس میں کمی بیشی حرام ہوتی ہے لہٰذا ناجائز ہوئی۔

اعتراض: اسی سے ملتا جلتا ایک اور لین دین ہے وہ یہ کہ مثلاً غلہ مشین کو بیوپاری فروخت کرتا ہے اور خریدار کو کہتا ہے کہ اگر نقد لیتے ہو تو اسی (۸۰) روپے اور اگر ادھار ہے تو سو (۱۰۰) روپے کا دیتا ہوں۔ احناف کے نزدیک یہ لین دین جائز ہے کیوں؟

جواب: ان دونوں صورتوں میں فرق ہے وہ یہ کہ باب میں جو مسئلہ مذکور ہے اس میں بیع ادھار پر ہو چکی تھی اور جو قیمت بطور ثمن ادھار کی گئی تھی اب اس کو دوسری مرتبہ نقد کے عوض میں دیا جا رہا ہے گویا یہاں نقد دراہم کو ادھار دراہم کے بدلہ میں نئی بات چیت کے ذریعہ فروخت کیا جا رہا ہے جو حرام ہے۔ اعتراض والی صورت میں ابھی غلہ فروخت نہیں ہوا بلکہ اس کی دو مختلف صورتیں مشتری کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں ان میں سے کسی کو بھی مشتری اختیار کر سکتا ہے۔ جس صورت کو بھی پسند کرے گا وہ ایک ہی بیع شمار ہوگی یہ جائز ہے کیونکہ یہاں روپے کی روپے کے عوض بیع لازم نہیں آتی بلکہ ثمن ایک طرف سے اور مبیع دوسری طرف سے ہے اور دونوں کی جنس الگ الگ ہے۔ ناجائز یہ تھا کہ ہم جنس دو چیزوں کی بیع کی بیشی کے ساتھ کی جاتی۔ صورتِ بالا میں نقد رقم اور ادھار رقم بہرحال "ثمن" ہیں اور ثمن ہم جنس ہوں تو کمی بیشی حرام تھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۴۰ - بَابُ الرَّجُلِ يَشْتَرِى الشَّعِيْرَ بِالْحِنْطَةِ

گندم کے بدلے جَو خریدنے کا بیان

۷۵۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ سُلَيْمٰنَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْاَسْوَدِ ابْنِ عَبْدِ يَغُوْثَ فَنِيَ عَلَفُ دَابَّتِهٖ فَقَالَ لِغُلَامِهٖ خُذْ مِنْ حِنْطَةِ اَهْلِكَ فَاشْتَرِ بِهٖ شَعِيْرًا وَلَا تَاْخُذْ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ.

امام مالک نے ہمیں نافع سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن یسار نے بتایا: کہ عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث کے گھوڑے کا چارہ ختم ہو گیا تو اس نے اپنے غلام کو کہا اپنے گھر کی گندم لو اور اس کے بدلہ میں جَو خرید لاؤ لیکن برابر برابر لینا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ لَسْنَا نَرٰى بَاْسًا بِاَنْ يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ قَفِيْزَيْنِ مِنْ شَعِيْرٍ بِقَفِيْزٍ مِنْ حِنْطَةٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْحَدِيْثُ الْمَعْرُوْفُ فِيْ ذٰلِكَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...

امام محمد کہتے ہیں: کہ ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ ایک شخص جَو کی دو بوریاں گندم کی ایک بوری کے بدلہ میں خریدتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو اس کے متعلق حضرت عبادہ بن صامت ... سے ایک ... ہے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے

بِالذَّهَبِ مَثَلًا بِمَثَلٍ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ مَثَلًا بِمَثَلٍ وَالْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ مَثَلًا بِمَثَلٍ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ مَثَلًا بِمَثَلٍ وَلَا بَأْسَ بِاَنْ يَّاْخُذَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةَ اَكْثَرُ وَلَا بَأْسَ بِاَنْ يَّاْخُذَ الْحِنْطَةَ بِالشَّعِيْرِ وَ الشَّعِيْرُ اَكْثَرُ يَدًا بِيَدٍ فِيْ ذٰلِکَ اَحَادِيْثُ کَثِيْرَةٌ مَعْرُوْفَةٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

فرمایا: کہ سونا سونے کے بدلے چاندی چاندی کے عوض' گندم گندم کے عوض اور جو جو کے عوض برابر لینے چاہئیں اور اگر کوئی شخص سونا اور چاندی کا لین دین کرتا ہے اور چاندی کا وزن زیادہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں یونہی ایک شخص گندم کے بدلہ جو زیادہ وزن کے لیتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ یہ لین دین ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس بارے میں بہت سی احادیث معروف ہیں یہی مسلک امام ابوحنیفہ اور ہمارے دوسرے فقہاءِ کرام کا ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں امام مالک نے دوسرے ائمہ حضرات سے اختلاف کیا جس کی تفصیل یہ ہے آپ فرماتے ہیں: کہ گندم اور جو اگرچہ مختلف اجناس ہیں لیکن حدیث مذکور میں ان میں کمی بیشی بوقت خرید وفروخت جائز نہیں رکھی گئی لہٰذا اتحادِ جنس کی بجائے یہاں اتحادِ منفعت وجہ بنے گی۔ دونوں اشیاء میں منفعت ایک جیسی ہے لہٰذا ان میں کمی بیشی اور ادھار جائز نہیں لیکن امام محمد اس روایت کے بعد فرماتے ہیں: کہ عبدالرحمٰن بن اسود کی مذکورہ روایت کے مقابلہ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث معروف ہے اور اس جیسی اور بھی بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں جو' جو کے بدلہ اور گندم' گندم کے بدلہ میں لین دین کیا جائے تو وزن میں برابری کی پابندی لگائی گئی ہے اور اگر جو اور گندم کا باہم لین دین ہو تو اس وقت کمی بیشی درست ہے ہاں ادھار جائز نہیں ہے۔ امام مالک کا مؤقف ابوالولید باجی نے ''المنتقٰی شرح موطا'' ج ۵ ص ۲ یوں لکھا ہے۔ ''وهذا يقتضى ان الحنطة والشعير جنس واحد لا يجوز التفاضل بينهما. یہ حدیث چاہتی ہے کہ گندم اور جو ایک جنس ہے اور ان میں لین دین کے وقت کمی بیشی جائز نہیں'' ہمارے احناف کے مؤقف پر بکثرت احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ صاحبِ نصب الرایہ لکھتے ہیں:

فحديث عبادة بن صامت اخرجه الجماعة الا البخارى عن ابى الأشعث عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة وابر بابر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فاذا اختلف هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد انتهى. (نصب الرایہ)

حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث کو امام بخاری کے علاوہ محدثین کی جماعت نے ذکر کیا۔ ابوالاشعث جناب عبادہ بن صامت سے بیان کرتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے' چاندی چاندی کے بدلے' گندم گندم کے بدلے' جو جو کے بدلے' کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر اور نقد یعنی ہاتھوں ہاتھ ہو پھر جب ان اشیاء کی جنس مختلف ہو جائے تو تم جیسے چاہو لین دین کرو جبکہ وہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو جرح کے بغیر محدثین کرام کی جماعت نے نقل کیا ہے اس میں ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جب جنس متحد ہو تو کمی بیشی اور ادھار دونوں کی ممانعت ہے اور جب جنس متحد نہ ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور ادھار جائز نہیں گندم اور جو بہرحال دو مختلف اجناس ہیں اس لیے امام محمد کا مؤقف بلکہ تمام احناف کا مؤقف مضبوط ہے۔

۳۴۱ - بَابُ الرَّجُلِ يَبِيْعُ الطَّعَامَ نَسِيْئَةً ثُمَّ يَشْتَرِيْ بِذٰلِکَ الثَّمَنِ

طعام ادھار دے کر اس کی رقم وصول کرنے سے قبل اس سے کوئی اور چیز

شَيْئًا اٰخَرَ

۷۵۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَ سُلَيْمٰنَ بْنَ يَسَارٍ كَانَا يَكْرَهَانِ اَنْ يَّبِيْعَ الرَّجُلُ طَعَامًا اِلٰى اَجَلٍ بِذَهَبٍ ثُمَّ يَشْتَرِىْ بِذٰلِكَ الذَّهَبِ تَمْرًا قَبْلَ اَنْ يَّقْبِضَهَا.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ نَحْنُ لَا نَرٰى بَاْسًا اَنْ يَّشْتَرِىَ بِهَا تَمْرًا قَبْلَ اَنْ يَّقْبِضَهَا اِذَا كَانَ التَّمْرُ بِعَيْنِهٖ وَلَمْ يَكُنْ دَيْنًا وَّ قَدْ ذُكِرَ هٰذَا الْقَوْلُ لِسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَلَمْ يَرَهٗ شَيْئًا وَّ قَالَ لَا بَاْسَ بِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

خریدنے کا بیان

امام مالک نے ہمیں ابوالزناد سے خبر دی کہ سعید بن مسیّب اور سلیمان بن یسار اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ ایک شخص کچھ غلہ میعادِ مقررہ تک سونے کے بدلہ ادھار خریدے پھر اس غلہ والا ادھار کے سونے پر قبضہ کیے بغیر اس سے کھجوریں خرید لے۔

امام محمد رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس میں کوئی حرج نہیں جانتے کہ ایک شخص (یعنی غلہ والا) اس ادھار میں دیے جانے والے سونے سے قبضہ کرنے سے پہلے کھجوریں خرید لیتا ہے جبکہ کھجوریں معین ہوں ادھار نہ ہوں یہ قول حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا تو آپ نے اس میں کوئی خرابی نہ نکالی اور فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور ہم احناف کے عام فقہاءِ کرام بھی یہی قول کرتے ہیں۔

اس سے قبل یہ بحث گزر چکی ہے کہ بیع میں مبیع کے قبضہ میں لینے سے قبل اس میں تصرف جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ ایسی صورت میں مبیعہ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور ضائع شدہ کی چیز کی بیع درست نہیں رہتی یہاں اس روایت میں ثمن (سونا' چاندی) میں قبل تصرف کا مسئلہ ہے۔ یہاں ضائع ہونے کا خطرہ نہیں کیونکہ یہ معین نہیں ہوتے۔ اس روایت میں حضرت سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ آپ اس کے جواز کے قائل تھے لیکن حضرت سعید بن مسیّب اور سلیمان بن یسار اسے ناپسند کہتے تھے اس کی وجہ ایک تو یہ ہوسکتی ہے کہ ان حضرات کا قول پرہیزگاری کے اعلیٰ معیار کے مطابق ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ تا کہ جاہل لوگ تہمت نہ لگا سکیں کیونکہ جاہل آدمی نہیں سمجھتا کہ ثمن اور مبیعہ میں کوئی فرق ہے وہ دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیتا ہے لہٰذا جب اس کے نزدیک مبیعہ میں قبضہ سے قبل تصرف ناجائز ہوا تو ثمن میں بھی ناجائز ہوا بہرحال ثمن میں قبل قبض تصرف درست ہے اس سے اگر کوئی چیز خریدی گئی بشرطیکہ وہ چیز موجود و معین ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۴۲- بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّجَشِ وَ تَلَقِّى السِّلَعِ

۷۵۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى اَنْ تُلَقَّى السِّلَعُ حَتّٰى تُهْبَطَ الْاَسْوَاقَ وَ نَهٰى عَنِ النَّجَشِ.

خریدنے کے ارادے کے بغیر چیز کی قیمت بڑھانے اور تاجر کو شہر سے باہر خریداری کے لیے ملنے کی کراہت کا بیان

امام مالک نے ہمیں نافع سے وہ جناب عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں کہا کہ رسول کریم ﷺ نے بازاروں میں سامان تجارت آجانے سے قبل راستہ میں اس کی خرید و فروخت سے منع فرمایا اور قیمت بڑھانے کی خاطر بولی دینے سے بھی منع فرمایا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ كُلُّ ذٰلِكَ مَكْرُوْهٌ فَأَمَّا النَّجْشُ فَالرَّجُلُ يَحْضُرُ فَيَزِيْدُ فِي الثَّمَنِ وَ يُعْطِيْ فِيْهِ مَالًا يُرِيْدُ اَنْ يَّشْتَرِيَ بِهٖ يَسْمَعُ بِذٰلِكَ غَيْرُهٗ فَيَشْتَرِيْ عَلٰى سَوْمِهٖ فَهٰذَا لَا يَنْبَغِيْ وَاَمَّا تَلَقِّي السِّلَعِ فَكُلُّ اَرْضٍ كَانَ ذٰلِكَ يَضُرُّ بِاَهْلِهَا فَلَيْسَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّفْعَلَ ذٰلِكَ بِهَا فَاِذَا كَثُرَتِ الْاَشْيَاءُ بِهَا حَتّٰى صَارَ ذٰلِكَ لَا يَضُرُّ بِاَهْلِهَا فَلَا بَاْسَ بِذٰلِكَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں: کہ ہمارا یہی مسلک ہے کہ یہ باتیں مکروہ ہیں ''نجش'' یہ ہے کہ ایک شخص آتا ہے اور قیمت خرید میں اضافہ کرتا ہے اور اس چیز کی ایسی قیمت لگاتا ہے کہ خود اس کی خریدنے کی غرض نہیں ہوتی وہ ایسے اس لیے کرتا ہے تاکہ دوسرا شخص قیمت سن کر اس کی بتائی قیمت پر خرید لے ایسا نہیں کرنا چاہیے ''تلقی السلع'' یہ ہے کہ ہر ایسی جگہ کہ جہاں سے کوئی چیز خریدنے سے شہر والوں کو نقصان ہوتا ہو تو یہ کام بھی نہیں کرنا چاہیے ہاں اگر اشیاء اس کثرت سے شہر میں موجود ہیں کہ اس کی خریداری سے شہریوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تو انشاء اللہ کوئی حرج نہیں۔

روایتِ مذکورہ میں دو باتوں سے حضور ﷺ نے منع فرمایا: ایک ''نجش'' اور دوسری ''تلقی السلع''۔ نجش کی تعریف لغت میں ملاحظہ ہو:

قال ابو عبيد هو ان يزيد الرجل ثمن السلعة وهو لا يريد شراء ها ولكن يسمعه غيره بزيادته و هوا لذی يروی فيه عن ابی الاوفی "الناجش" اكل الربوا. (لسان العرب: ج ۶ ص ۳۵۱ حرف نجش مطبوعہ بیروت ۱۲۷ تاج العروس: ج ۴ ص ۳۵۳ دار احیاء التراث)

ابوعبید کہتے ہیں: کہ ''نجش'' یہ ہے کہ ایک شخص سامان کی قیمت میں اضافہ تو کرتا ہے لیکن خریدنے کی نیت سے نہیں بلکہ اس لیے تاکہ کوئی دوسرا پھنس جائے اور اس کی بڑھائی قیمت کے برابر زائد قیمت ادا کرے یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں ابوالاوفی سے مروی ہے ''ناجش'' سود خور ہے۔

نجش کے بارے میں اختلاف مذاہب

و اما نهيه عليه الصلوة والسلام من النجش فاتفق العلماء على منع ذالک وان النجش هو ان يزيد احد في سلعة و ليس في نفسه شراء ها يريد بذالک ان ينفع البائع ويضر المشترى و اختلفوا اذاوقع هذا البيع فقال اهل الظاهر هو فاسد و قال مالک هو العيب والمشترى بالخيار ان شاء ان يرد رد وان شاء ان يمسک امسک و قال ابو حنيفة والشافعي ان وقع اثم و جاز البيع. (بدایۃ المجتہد)

حضور ﷺ کا نجش سے منع فرمانا: تو تمام علماء نے اس کے منع پر اتفاق کیا ہے نجش یہ ہے کہ ایک شخص سامان فروخت کی قیمت میں اضافہ کرتا ہے لیکن اس کی اپنی نیت خریدنے کی نہیں بلکہ وہ اس طریقہ سے بائع کے فائدہ اور مشتری کے نقصان کا ارادہ کیے ہوتا ہے جب اس قسم کی بیع ہو جائے تو علماء نے اس بارے میں مختلف اقوال ارشاد فرمائے۔ اہل ظاہر تو اس بیع کو فاسد کہتے ہیں۔ امام مالک اسے عیب کی طرح شمار کرتے ہیں خریدار اگر واپس کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور اگر رکھ لے تو اس کی مرضی۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں: کہ اگر ایسی بیع ہو گئی تو گناہ گار ہوا یعنی نجش کرنے والا لیکن بیع جائز ہے۔

جب کسی چیز کی قیمت طے ہو چکی تو پھر اس کے بعد کوئی شخص اس کی قیمت بڑھا دے اور اس قیمت بڑھانے والے کا ارادہ خریدنے کا نہ ہو بلکہ دوسرے کو قیمت زیادہ دینے کی ترغیب ہو تو یہ نجش ہے اور ممنوع ہے کیونکہ ایسا کرنا مسلمانوں سے دھوکہ کرنا ہے لہٰذا اس کا یہ فعل ظلم ہوگا۔ ہاں اگر کسی چیز کی قیمت طے نہ ہوئی تھی اور خریدنے کے ارادے کے بغیر کوئی شخص اس کے دام بڑھا دیتا ہے

تا کہ اصل قیمت لگ جائے تو یہ درست ہے کیونکہ اس میں کسی کا نقصان کیے بغیر مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ یہ اس وقت کہ دوسرا شخص اس چیز کو کم قیمت پر خریدنا چاہے۔ (فتح القدیر مع عنایہ ج ۵ ص ۲۳۹ باب البیع الفاسد فصل فی ما یکرہ مطبوعہ مصر)

النجش ان یزید فی السلعة من لا یرید شراء ها لیقتدی به المسام فیظن انه لم یزد فیها القدر الاوهی تساویه فیضر بذالک فهذا حرام و خداع......(الخدعته فی النار) فان اشتری مع النجش فالشراء صحیح فی قول اکثر اهل العلم منهم الشافعی واصحاب الرأی وعن احمد ان البیع باطل اختاره ابوبکر وهو قول مالک لان النهی یقتضی الفساد......ولنا ان النهی عاد الی الناجش لا الی العاقد فلم یؤثر فی البیع ولان النهی لحق الادمی فلم یفسد العقد کتلقی الرکبان وبیع المعیب والمدلس و فارق ما کان لحق الله تعالی لان حق الادمی یمکن جبره بالخیار او زیادة فی الثمن لکن ان کان فی البیع غبن لم تجر العادة بمثله فالمشتری بالخیار بین الفسخ والامضاء کما فی تلقی الرکبان وان کان یتغابن بمثله فلا خیار له و سواء کان النجش بمواطاة من البائع او لم یکن و قال اصحاب الشافعی ان لم یکن ذالک بمواطاة البائع و علمه فلا خیار له. (مغنی شرح الکبیر)

نجش یہ ہے کہ کوئی شخص قیمت میں اضافہ کراتا ہے لیکن خود اس کی نیت خریداری کی نہیں ہوتی وہ ایسا اس لیے کرتا ہے تا کہ قیمت لگانے والے دوسرے اس کی اقتداء کریں پھر وہ خیال کرتا ہو کہ اس نے اس مقدار کی قیمت صرف اس لیے بڑھائی ہے کہ وہ اس کے برابر ہے وہ اس طرح دھوکہ دیتا ہے لہٰذا یہ حرام اور دھوکہ وہی ہے اور دھوکہ کا انجام جہنم ہے۔ اگر کسی نے نجش کی موجودگی میں چیز خرید لی تو خریداری صحیح ہے یہ قول اکثر اہل علم کا ہے جن میں امام شافعی اور اصحاب کی رائے بھی شامل ہے اور امام احمد سے مروی ہے کہ آپ اس طرح کی بیع کو باطل کہتے ہیں اسے ابوبکر نے اختیار کیا اور یہی قول امام مالک کا ہے کیونکہ نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے اور ہم احناف کی دلیل یہ ہے کہ نہی کا تعلق ناجش کے ساتھ ہے خریدار سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا بیع میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور اس لیے بھی کہ نہی انسانی حق کے لیے ہے اس لیے عقد فاسد نہ ہوگا جیسا کہ شہر سے باہر سواروں سے کوئی چیز خرید لینا عیب والی چیز کا خریدنا دھوکہ سے خریدنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق اس سے جدا ہے کیونکہ انسانی حق کا نقصان پورا کرنا ممکن ہے وہ اسے اختیار دے کر اور ثمن کی زیادتی کی صورت میں ہوتا ہے لیکن اگر بیع میں ایسا غبن ہے جو عام تاجر نہیں کرتے تو خریدار کو اختیار ہے کہ بیع فسخ کر دے یا بیع کو برقرار رکھے جیسا کہ سواروں کے معاملہ میں ہے اور اگر ویسا غبن عام تاجر کرتے ہیں تو خریدار کو اختیار نہیں ہوگا پھر خواہ نجش بائع کی مرضی سے ہو یا نہ ہو۔ اور امام شافعی کے ماننے والوں نے کہا اگر ایسا بیچنے والے کی مرضی سے نہ ہوا اور اس کے علم کے بغیر ہوا تو پھر مشتری کو اختیار نہیں۔

''نجش'' کی مختلف صورتیں ہیں ایک میں ناجش کے پیش نظر بائع کا فائدہ اور مشتری کا نقصان ہوتا ہے یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ احناف کے نزدیک نجش کی صورت میں اگر بائع کو نقصان سے بچانا ہو اور مشتری کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہ ہو تو یہ جائز ہے بلکہ ناجش مستحق ثواب ہوگا۔ ابن قدامہ کی عبارت بھی احناف کی تائید کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ احناف بیع نجش کو نہ باطل اور نہ فاسد بلکہ جائز سمجھتے ہیں البتہ بعض صورتوں میں ناجش کو گنہگار کہتے ہیں مثلاً ناجش اگر مشتری کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے اور نقصان بھی ایسا ہو جو عام تجارت میں نہیں ہوتا اس صورت میں بعض ائمہ مشتری کو بیع کے فسخ یا جاری رکھنے کا اختیار دیتے ہیں لیکن ہمارے ہاں بیع ہو جاتی

ہے اور ناجش گنہگار ہوگا اور اگر غبن ایسا ہے کہ عام تجارت میں ہوتا رہتا ہے تو بیع دیگر ائمہ کے نزدیک بھی ہوگئی اور مشتری کو اختیار نہیں ان دونوں صورتوں میں اصل بیع تو ہونے کے سبھی قائل ہیں صرف اختیار یا عدم اختیار کی بات ہو رہی ہے اور احناف بھی بیع کے انعقاد کا قول کرتے ہیں۔

نیلام کا کیا حکم ہے؟

نجش کی بحث میں نیلام کا بھی ذکر ہونا چاہیے یہ ایسی صورت ہوتی ہے جس میں مختلف خریدار ایک دوسرے سے زیادہ قیمت لگاتے ہیں اس میں اگرچہ زیادہ قیمت لگانے والا کم قیمت بتانے والے کو نقصان پہنچاتا نظر آتا ہے لیکن اس میں قیمت بڑھانے والا خود خریدار ہوتا ہے وہ ناجش کی طرح بائع کے فائدہ اور مشتری کے نقصان کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ اس کا اپنا فائدہ پیش نظر ہوتا ہے اس نیلامی کے طریقہ پر ایک حدیث پاک سے اعتراض ہوسکتا ہے۔

اعتراض:

عن زید بن اسلم قال سمعت رجلا یسأل ابن عمر عن بیع المزایدة فقال ابن عمر نهى رسول الله ﷺ ان یبیع احدکم على بیع اخیه الا الغنائم والمواریث. (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۴ باب فی البیع علی بیع اخیہ و بیع المزایدۃ مطبوعہ بیروت)

زید بن اسلم کہتے ہیں: میں نے ایک شخص کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بولی والی بیع کے بارے میں سوال کرتے سنا تو ابن عمر نے فرمایا: کہ رسول کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرے ہاں غنیمتوں اور وراثت میں کرسکتا ہے۔

جواب: محدثین کرام اور جمہور فقہاء نے اس حدیث پاک کو ''بیع نجش'' پر محمول کیا ہے۔ اس میں جس زیادتی ثمن کا ذکر ہے وہ وہی ہے جو ناجش زیادہ بولتا ہے اور جس سے اس کی نیت بائع کو فائدہ اور مشتری کو نقصان پہنچانے کی ہوتی ہے اور خود خریدار نہیں ہوتا رہا نیلامی کے جواز کا معاملہ تو علامہ عینی نے اس پر ایک حدیث ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

فاما البیع والشراء فیمن یزید فلا بأس فیه فی الزیادة علی زیادة اخیه و ذالک لما رواه الترمذی من حدیث انس ان رسول الله ﷺ باع حلسا و قدحا و قال من یشتری هذا الحلس والقدح فقال رجل اخذ تهما بدرهم فقال رسول الله ﷺ من یزید علی درهم فاعطاه رجل درهمین فباعهما عنه. (عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۱۱ باب لا یبیع علی بیع اخیہ الخ مطبوعہ بیروت)

بھائی کی قیمت پر قیمت لگا کر بطور بولی بیع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہ اس لیے کہ امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک چادر اور ایک پیالہ فروخت کرنا چاہا اور فرمایا: کہ یہ چادر اور پیالہ کون خریدے گا؟ ایک شخص نے عرض کیا میں ایک درہم کے بدلہ خریدار ہوں' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی ہے جو ایک درہم سے زیادہ بڑھائے؟ تو ایک اور شخص نے دو درہم دے کر وہ دونوں چیزیں خرید لیں۔

حدیث بالا میں دیگر محدثین کرام نے بھی ذکر کیا ''ابوداؤد'' نے کتاب الزکوٰۃ' امام نسائی نے کتاب البیوع میں اور ابن ماجہ نے ابواب التجارات میں ذکر کیا ہے۔ اس میں صراحتاً ایک بھائی کی قیمت پر زیادہ قیمت دینے کو خود حضور ﷺ نے چاہا لہٰذا اس کے عدم جواز کی گنجائش نہیں رہ جاتی اسی لیے جمہور فقہاء نے اس بیع کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

اب ہم موطا امام محمد کی زیر بحث حدیث کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں وہ ''تلقی السلع'' ہے اسی کو ''تلقی جلب'' بھی کہتے ہیں اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں امام مسلم نے تلقی جلب کی تحریم پر ایک طویل حدیث ذکر فرمائی۔ ملاحظہ ہو:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ نہی عن ان یتلقی السلع حتی تبلغ الاسواق و ھذا لفظ ابن نمیر و قال الاخران ان النبی ﷺ نہی عن التلقی. (مسلم شریف ج ۲ ص ۴ باب تحریم تلقی الجلب مطبوعہ نور محمد کراچی)

جناب نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ''تلقی السلع'' سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ بازاروں میں پہنچ جائے یہ ابن نمیر کے الفاظ ہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے ''تلقی'' سے منع فرمایا۔

موطا کی حدیث زیر بحث کے دوسرے حصہ میں مذکور لفظ ''تلقی'' کا معنی ملنا' ملاقات کرنا اور کسی چیز کو اپنی طرف کھینچنا آیا ہے اور ''تلقی جلب'' یہ ہے کہ کوئی شخص شہر سے باہر نکل کر شہر کی طرف آنے والے تاجروں سے ان کا وہ مال خرید لے جو وہ شہر میں بیچنے کی غرض سے لا رہے تھے انہیں شہر میں اپنی اشیاء کا بھاؤ بھی معلوم نہ ہو اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والا ایک طرف تاجروں کو نقصان پہنچائے گا کیونکہ انہیں شہر میں موجود اشیاء کے بھاؤ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے بیوپاری جو انہیں قیمت دے گا' وہ لے لیں گے دوسری طرف شہریوں کا بھی نقصان کرے گا کہ انہیں مہنگے داموں فروخت کرے گا اگر یہ شخص ایسا نہ کرتا تو دونوں طرف کا نقصان نہ ہوتا۔ ''تلقی جلب'' میں ائمہ کا اختلاف ہے جسے ابن قدامہ نے یوں بیان کیا ہے' ترجمہ پیش خدمت ہے:

اگر کچھ لوگوں نے تلقی جلب کیا اور تاجروں سے سامان خرید لیا تو اب تاجروں کو شہر میں داخل ہونے پر اختیار ہے اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان سے بہت کم قیمت پر اشیاء خرید لی گئیں تو وہ اگر بیع کو فسخ کرنا چاہیں تو فسخ کر دیں۔ مروی ہے کہ بعض لوگ تلقی جلب کیا کرتے تھے اور شہر سے باہر جا کر تاجروں سے ان کا سامان خرید لیا کرتے تھے وہ شہر کے بازاروں میں ابھی نہیں آ چکے ہوتے تھے تو بعض دفعہ تلقی جلب کرنے والے بہت کم قیمت دے کر ان سے سامان خرید لیا کرتے تھے جس سے تاجروں کو نقصان پہنچتا اور بعض دفعہ شہریوں کو نقصان پہنچاتے کیونکہ اگر تاجر خود شہر کے بازاروں میں آتے اور اپنا سامان بیچتے اور جن لوگوں نے ان سے شہر سے باہر ہی سامان خرید لیا وہ جلدی بازار نہ لاتے اور بھاؤ کے بڑھنے کا انتظار کرتے لہٰذا یہ لین دین شہری کا گاؤں والوں کے ساتھ کرنے کی مثل ہوا پس حضور ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔

جناب طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں' وہ ابن عباس سے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: شہر سے باہر تاجروں کو جا کر نہ ملو (یعنی ان سے سامان نہ خریدو) اور نہ ہی شہری کی دیہاتی کے لیے بیع ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی مروی ہے (متفق علیہما۔) اکثر اہل علم نے اس کو مکروہ جانا جن میں عمر بن عبدالعزیز' مالک' لیث' اوزاعی' شافعی' اسحاق بھی ہیں۔ امام ابوحنیفہ سے مذکور ہے کہ انہوں نے اس بارے میں کہا ہے: کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور حضور ﷺ کی سنت اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اگر کسی نے مخالفت کرتے ہوئے تاجروں سے راستہ میں ہی مل کر ان کی اشیاء خرید لیں تو بیع صحیح ہے یہ تمام کا قول ہے۔ ابن عبدالبر نے یہ کہا ہے: امام احمد سے اس بارے میں ایک اور روایت بھی آئی ہے۔ وہ یہ کہ یہ بیع فاسد ہے کیونکہ نہی بالکل ظاہر ہے۔ اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے: کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تلقی جلب'' مت کرو تو جب کوئی تلقی جلب کرتا ہے اور تاجروں سے اس طریقہ سے خریداری کر لیتا ہے پھر جب تاجر بازار میں آئیں تو انہیں اختیار ہے اسے امام مسلم نے روایت کیا اور خیار عقد صحیح میں ہی ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ نہی بیع کے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق دھوکہ بازی کے ساتھ ہے جس کا توڑ اختیار دے کر کیا جا سکتا ہے لہٰذا یہ بیع' بیع مصرات کی طرح ہوئی۔ (مغنی شرح الکبیر ج ۴ ص ۳۰۴ مسئلہ نمبر ۳۱۰۷)

ابن قدامہ نے بیع تلقی جلب میں تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ذکر کیا ہے کہ وہ اسے ناجائز کہتے ہیں صرف امام ابوحنیفہ کی طرف اس

کی نسبت ہے کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے یہ دراصل ابنِ قدامہ کی زیادتی ہے کیونکہ کتب احناف اس کی تائید نہیں کرتیں۔ ملاحظہ ہو:

و ھذا اذا کان یضر باھل البلد فان کان لا یضر فلا باس بہ الا اذا بس السعر علی الواردین فحینئذ یکرہ لما فیہ من الغرور و الضرر. (ہدایہ اخیرین ص ۶۹ فصل فی احکامہ' مطبوعہ کارخانہ اسلامی کتب دستگیر کالونی کراچی)

اگر تلقی جلب میں شہریوں کا نقصان ہوتا ہو تب مکروہ تحریمی ہے اور اگر نقصان نہ ہوتا ہو تو کوئی حرج نہیں ہاں اگر آنے والوں کو شہر کے بھاؤ کا علم نہیں تو اس صورت میں بوجہ دھوکہ دہی اور نقصان مکروہ ہے۔

صاحب ہدایہ نے احناف کا مسلک یہ بیان کیا کہ اگر تلقی جلب میں شہریوں کا نقصان ہوتا ہو' تو حرام ہے اور اگر تاجروں کو بھاؤ معلوم نہ تھا اور وہ سستے داموں بیچ گئے۔ لیکن اس میں شہریوں کا نقصان نہیں تو مکروہ ہے۔ اور اگر دونوں صورتیں نہ پائی جائیں نہ شہریوں کا نقصان ہو اور نہ تاجروں کے ساتھ دھوکہ بازی ہو' تو اس میں کوئی حرج نہیں یاد رہے کہ تلقی جلب کی صورت میں نفس بیع کے جواز پر سبھی متفق ہیں جیسا کہ ابنِ قدامہ نے بھی لکھا ہے۔ پھر دوسرے ائمہ اس پر بھی اتفاق کرتے ہیں کہ اگر شہر میں داخل ہو کر تاجروں کو معلوم ہو جائے کہ ان سے کم قیمت پر اشیاء لے لی گئیں تو انہیں بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ اور اختیارِ فسخ تبھی ہوتا ہے جب اصل بیع ہو گئی ہو علاوہ ازیں امام بخاری کی ذکر کردہ روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن نافع عن عبداللہ قال کنا نتلقی الرکبان فنشتری منھم الطعام فنھانا النبی ﷺ ان نبیع حتی تبلغ بہ سوق الطعام. (بخاری شریف ج ۲ ص ۲۸۹ باب تلقی الجلب' مطبوعہ نور محمد کراچی)

جناب نافع حضرت عبداللہ سے بیان کرتے ہیں' فرماتے ہیں: کہ ہم شہر سے باہر سوار تاجروں سے جا کر غلہ وغیرہ خرید لیا کرتے تھے پھر ہمیں رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا: کہ ہم اسے نہ بیچیں جب تک وہ غلہ کو بازار میں نہ لے جائیں۔

اس حدیث پاک میں تلقی جلب کے ذریعہ خریداری کو برقرار رکھا گیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جن احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اس کی کوئی اور علت ہے وہ علت ضرر اور دھوکہ دہی ہے۔ اگر ضرر اور دھوکہ دہی نہ ہو تو کوئی بھی اس کے جواز کا منکر نہیں ہاں اس قدر اختلاف ہے کہ اگر تلقی جلب کے ذریعہ کسی کا نقصان نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور دوسرے اسے مکروہ کہتے ہیں۔ بخاری کی مذکورہ روایت نے احناف کے مسلک کی تائید کر دی ہے جس میں حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کو حضور ﷺ نے فرمایا: تلقی جلب کے ذریعہ جو خرید لیا اسے بازار میں لے جانے سے پہلے فروخت نہ کرنا۔ اس کے باوجود احناف یہاں تک محتاط ہیں کہ اگر تلقیِ جلب میں شہر والوں کا نقصان ہوتا ہو' یا تاجروں کو دھوکہ دیا گیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں مکروہ تحریمی بیع ہو گی۔ ان دونوں باتوں کی عدم موجودگی میں کوئی حرج نہیں۔ معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے حضور ﷺ کی سنت کی قطعاً مخالفت نہیں کی لیکن ابنِ قدامہ نے عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دیا' اور بلا تحقیق کہہ دیا کہ سنت رسول اتباع کی زیادہ حقدار ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی تو سنت رسول کی ہی اتباع کی ہے انہیں ابنِ قدامہ نے فرضی طور پر مخالفت سنت قرار دیا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۴۳ - بَابُ الرَّجُلِ یُسْلِمُ فِیْمَا یُکَالُ

ناپ تول کی چیزوں میں بیع سلم کے بیان میں

۷۵۸ - اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَ کَانَ یَقُوْلُ لَابَاْسَ بِاَنْ یَّبْتَاعَ الرَّجُلُ طَعَامًا اِلٰی

امام مالک نے ہمیں نافع سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے: کہ کوئی شخص اگر میعادِ مقررہ کے

اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ بِسِعْرٍ مَعْلُوْمٍ اِنْ كَانَ لِصَاحِبِهٖ طَعَامٌ اَوْلَمْ يَكُنْ مَالَمْ يَكُنْ فِيْ زَرْعٍ لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا اَوْفِيْ ثَمَرٍ لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ وَعَنْ شَرَ ائِهَا حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا.

لیے معین بھاؤ کے ساتھ غلہ خریدے تو اس ادھار میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ فروخت کرنے والے کے پاس غلہ ہو یا نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ مذکورہ غلہ کھیت میں ایسی حالت میں نہ ہو کہ اس کی صلاحیت ہی ظاہر نہ ہوئی ہو نبی اکرم ﷺ ایسے پھل کے بیچنے اور خریدنے سے منع کیا ہے جس کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا عِنْدَنَا لَا بَاْسَ بِهٖ وَهُوَ السَّلَمُ يُسْلِمُ الرَّجُلُ فِيْ طَعَامٍ اِلٰى اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ بِكَيْلٍ مَعْلُوْمٍ مِنْ صِنْفٍ مَعْلُوْمٍ وَلَا خَيْرَ فِيْ اَنْ يَشْتَرِطَ ذٰلِكَ مِنْ زَرْعٍ مَعْلُوْمٍ اَوْمِنْ نَخْلٍ مَعْلُوْمٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں: مذکورہ طریقہ سے خریداری میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں یہ بیع سلم ہے اور وہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص غلہ میں ادھار کرتا ہے جس میں مدت معلوم' کیل اور وزن و پیمانہ معلوم اور جنس معلوم ہو۔ لیکن اگر یہ شرط لگائے کہ غلہ فلاں معین کھیت کا یا پھل فلاں معین درخت کا ہوگا تو اس میں بہتری نہیں یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

حدیث بالا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مخصوص خرید وفروخت کے بارے میں یہ ذکر آیا ہے جسے امام محمد نے ''بیع سلم'' کا نام دیا ہے۔ ہم اس بیع کے بارے میں تفصیلی گفتگو کریں گے سب سے پہلے اس کی تعریف اور لغوی و اصطلاحی معنی ذکر کرتے ہیں۔

بیع سلم کا لغوی اور اصطلاحی معنی

سلم اور سلف دونوں کا معنی ''ادھار'' ہے'' سلف'' کو عراقی اور ''سلم'' کو حجازی لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر یہ ایسی بیع کا نام ہے جس میں ثمن نقد دیا جاتا ہے اور جس چیز کی خریداری مطلوب ہے وہ اس وقت مہیا نہیں ہوتی۔ صاحب مبسوط اس بارے میں رقمطراز ہیں:

واذا اسلم الرجل فی الطعام كيلا معلوما واجلا معلوما و ضربا من الطعام وسطا او رديا او جيدا واشتر المكان الذی يوفيه فيه فهو جائز...... وقيل السلم والسلف بمعنی واحد وانما سمی هذا العقد به لكونه معجلا علی وقته فان اوان البيع ما بعد وجود المعقود عليه فی ملك العاقد وانما يقبل السلم فی العادة فيما ليس بموجود فی ملكه فلكون العقد معجلا علی وقته سمی سلما و سلفا والقياس يأبی جوازه لانه بيع المعدوم و بيع ما هو موجود غير مملوك العقد باطل فبيع المعدوم اولی بالبطلان ولكنا تركنا للقياس بالكتاب والسنة ان الكتاب فقوله تعالی

اگر کوئی شخص غلہ میں معین پیمانہ' معین وقت' غلہ کی مخصوص قسم خواہ ردی یا اعلیٰ درمیانی قسم ہو اور جس جگہ ادائیگی ہوئی ہے اس کی بھی نشاندہی کر دیتا ہے تو یہ ادھار بیع جائز ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ سلم اور سلف دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ اس بیع کو سلف اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنے وقت سے پہلے ہوتی ہے کیونکہ خرید وفروخت کا وقت وہ ہوتا ہے جب وہ چیز عقد کرنے والے کی ملک ہو جس کا وہ عقد کرنا چاہتا ہے۔ اور سلم اس بیع میں بطور عادت قبول کی جاتی ہے جو عاقد کی ملک میں موجود نہیں ہوتی اپنے وقت سے جلدی بیع ہونے کی وجہ سے اسے سلف اور سلم کا نام دیا گیا ہے۔ قیاس ایسی بیع کو ناجائز قرار دیتا ہے کیونکہ اس میں معدوم چیز کا لین دین ہوتا ہے۔ اور ایسی چیز کا لین دین جو عاقد کی ملکیت میں نہ ہو اور موجود ہو تو اس کی بیع جائز نہیں ہوتی یہاں تو چیز ہی معدوم ہے جسے از روئے قیاس باطل

(یایها الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ) و قال ابن عباس رضی اللہ عنہ اشھدان السلم المؤجل فی کتاب اللہ تعالی انزل فیہ اطول آیۃ وتلی ھذہ الایۃ والسنۃ ما روی عن النبی ﷺ نھی عن بیع ما لیس عند الانسان و رخص فی السلم.

(المبسوط للسرخسی ج ۱۲ ص ۱۲۴ کتاب البیوع مطبوعہ بیروت)

ہونا چاہیے لیکن ہم نے قیاس کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ترک کر دیا ہے۔ کتاب اللہ میں آیا ہے: یایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الایۃ ۔ اے مؤمنو! جب تم مقررہ میعاد تک ادھار کا لین دین کرو' تو اسے لکھ لیا کرو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ ادھار لین دین کے بارے میں قرآن کریم کی سب سے لمبی آیت نازل ہوئی اور سنت یہ کہ حضور ﷺ نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو انسان کے پاس نہ ہو مگر آپ نے ادھار کی اجازت عطا فرما دی۔

بیع سلم کے جائز ہونے میں سات شرائط ہیں

''المبسوط'' کے حوالہ سے معلوم ہو گیا کہ سلف اور سلم دونوں ادھار بیع کو ہی کہتے ہیں جس میں ثمن نقد اور چیز کے لیے وقت وغیرہ مقرر کر دیا جاتا ہے از روئے عقل یہ بیع جائز نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس میں وہ چیز بوقت بیع موجود ہی نہیں جس کی بیع ہو رہی ہے لیکن قرآن وحدیث نے جب اس کو خاص طور پر جائز قرار دے دیا تو قیاس پر عمل نہیں کیا جاتا مختصر یہ کہ اس بیع کے جواز کے لیے سات عدد شرائط پائی جانی ضروری ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) جس چیز کی بیع کی جا رہی ہے اس کی نوعیت معلوم ہو یعنی گندم ہے' چاول یا مکئی وغیرہ۔
(۲) اس کی قسم بھی معلوم ہو یعنی نہری زمین کی گندم یا بارانی زمین کی۔
(۳) اس کی صفت معلوم ہو یعنی اعلیٰ' ادنیٰ یا درمیانہ درجہ کی۔
(٤) مقدار معلوم ہو یعنی کتنے من یا سیر؟
(٥) مدت معلوم ہو یعنی موصولہ رقم کے مقابلہ میں گندم کتنے دنوں بعد کس تاریخ کو ملے گی۔
(٦) قیمت (ثمن) معلوم ہو خرید و فروخت کرنے والے اس رقم کی مقدار وغیرہ جانتے ہوں۔
(۷) وہ جگہ معین کر دی جہاں مذکورہ چیز مشتری کے سپرد کی جاتی ہے۔

بیع سلم میں اختلاف مذاہب

انہ یشترط لصحتہ السلم کونہ مؤجلا ولا یصح السلم الحال قال احمد فی روایۃ المروزی لا یصح حتی یشترط الاجل و بھذا قال ابوحنیفۃ و مالک والاوزاعی و قال الشافعی و ابو ثور وابن المنذر یجوز السلم حالا لانہ عقد یصح مؤجلا فصح حالا کبیوع الاعیان ولانہ اذا جاز مؤجلا فحالا اجوز و عن الغرر ابعد و لنا قول النبی ﷺ من اسلف فی شیء فلیسلف فی کیل معلوم او وزن معلوم الی اجل معلوم فامر بالاجل

بیع سلم کے صحیح ہونے کے لیے مدت کا ذکر کرنا شرط ہے اسی وقت یہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔ امام احمد نے مروزی کی روایت کے مطابق فرمایا: کہ بیع سلم اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک اس میں میعادِ مقررہ کی شرط نہ لگائی جائے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ' مالک' اوزاعی کا ہے اور امام شافعی' ابوثور اور ابن منذر کہتے ہیں: کہ بیع سلم اس وقت بھی صحیح ہے کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جو میعادِ مقررہ تک ہوتا ہے۔ تو حالی بھی جائز ہونا چاہیے جیسا کہ معین اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ جب یہ مؤجل جائز ہے تو حالی بطریقہ اولیٰ جائز ہونی چاہیے کیونکہ اس میں دھوکہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہمارے لیے دلیل حضور

وامره يقتضى الوجوب. (مغنی شرح الکبیر ج۴ ص۳۵۵ باب تحدید الاجل فی السلم' مطبوعہ بیروت)

ﷺ کا قول ہے فرمایا: جو بیع سلم کرنا چاہے وہ معلوم پیمانہ یا معلوم وزن میں معلوم مدت تک کرے۔ آپ ﷺ نے مدت کا حکم دیا ہے اور ''حکم'' یعنی امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

اعتراض: اگر بیع سلم'' حاضر اشیاء'' میں اس لیے صحیح نہیں کہ اس کا حکم مدت معلوم آیا ہے تو پھر کسی ایسی چیز میں بھی نہیں ہونی چاہیے جو کیلی یا وزنی نہ ہو۔ کیونکہ اسی حدیث میں ان دونوں کی شرط بھی مذکور ہے۔ حالانکہ حیوانات اور گنتی کے ساتھ فروخت ہونے والی اشیاء میں بیع سلم صحیح ہے ان کی بیع بھی نہیں ہونی چاہیے؟ اس بات کو ابن حزم نے یوں ذکر کیا ہے:

ولا يجوز السلم الا الى اجل مسمى ولابد والبيع يجوز فى كل حيوان ولا مذروع ولا معدود.... قال على لاحجة فى احد مع رسول الله ﷺ واباح مالك و ابوحنيفة السلم فى المعدود والمذروع من الثياب بغير ذكر وزنه و منعافى السلف حالاً فكان و اعجبا من قولها لانه ان كان قول رسول الله ﷺ الى اجل معلوم مانعا من ان يكون السلم حالاً او نقداً فان نهيه عليه السلام عن ان يسلف الا فى كيل معلوم او وزن معلوم اشد فى التصريح و اوكد فى المنع من السلم فى غير كيل او وزن۔ (المحلی ابن حزم ج۹ ص۱۰۵۔۱۰۶ کتاب السلم مسئلہ ۱۶۱۲' مطبوعہ قاہرہ)

بیع سلم مدتِ معلومہ کے بغیر جائز نہیں۔ اور ہر حیوان' گزوں کے ساتھ ناپ کر بیچی جانے والی اشیاء اور گنتی کر کے فروخت کی جانے والی اشیاء کی بیع سلم جائز نہیں۔ ابن حزم کہتا ہے کہ حضور ﷺ کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کی بات کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے معدود اور مذروع میں بغیر وزن اور کیل ہونے کے بیع سلم کو جائز کہا ہے۔ اور سلف میں فی الحال کو منع کیا ہے۔ ان دونوں کے قول پر بہت تعجب ہے کیونکہ حضور ﷺ کا قول مبارک ''الی اجل معلوم'' اگر بیع سلم میں اس وقت بیع کرنے میں مانع ہے تو حضور ﷺ نے بیع سلم میں کیل یا وزن معلوم کی بھی بہت زیادہ صراحت فرمائی ہے جس سے غیر کیلی اور غیر وزنی اشیاء کی بیع سلم زیادہ ممنوع ہونی چاہیے؟

جواب اوّل: یہ بات ذہن نشین رہے کہ مذکورہ اعتراض میں جن بیعات کا ذکر ہے ان کے جواز کے صرف امام ابوحنیفہ ہی قائل نہیں ہیں' بلکہ تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ بیع سلم کے جواز وصحت کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ یعنی ازروئے قیاس یہ جائز نہیں ہونی چاہیے لیکن جب اس کا مخصوص حکم حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تو قیاس وعقل کی بات کو چھوڑنا پڑا۔ اس بیع کو ایک ضرورت کے تحت جائز رکھا گیا وہ یہ کہ بیوپاری کو رقم کی فوری ضرورت ہوتی ہے اور خریدار کو معین عرصہ پر سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی ضرورت جانبین کپڑے اور عددی چیزوں کا لین دین کرنے والوں میں بھی ہوتی ہے اس لیے ان اشیاء میں بھی بیع سلم جائز رکھی گئی۔ ائمہ اربعہ کے درمیان اگرچہ بیع سلم کے کچھ احکام میں اختلاف ہے لیکن تمام ائمہ عددی اور گزوں سے ماپ کر دی جانے والی اشیاء کے قائل ہیں گویا ان میں جواز اجماعی مسئلہ ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

اتفقوا على جواز السلم فى المكيلات والموزونات والمذروعات التى تضبط بالوصف واتفقوا على جوازه فى المعدودات التى لا تتفاوت احادها كالجوز والبيض الا فى روايته عن احمد واختلفوا فى المعدودات التى تتفاوت كالرمان

کیلی اور وزنی اشیاء میں بالاتفاق بیع سلم جائز ہے اور ماپ کر دی جانے والی ان اشیاء میں جن کا وصف معین ہو سکتا ہو اور گن کر فروخت ہونے والی ایسی اشیاء جن میں باہم زیادہ فرق نہ ہو جیسا کہ اخروٹ اور انڈے ان میں بھی بیع سلم بالاتفاق جائز ہے۔ صرف امام احمد سے ایک روایت اس کے خلاف ہے اور گن کر

والبطیخ فقال ابوحنیفة لا یجوز السلم فیه لا وزنا و لا عددا وقال مالک یجوز مطلقا و قال الشافعی یجوز وزناً وعن احمد روایتان اشهرهما الجواز مطلقا عددا وقال احمد ما اصله الکیل لا یجوز السلم فیه وزنا وما اصله الوزن لا یجوز السلم فیه کیلا و یجوز السلم حالا و مؤجلا عند الشافعی و قال ابوحنیفة و مالک و احمد لا یجوز السلم حالا ولابد فیه من اجل لو ایاما یسیرة.

(رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ص۱۴۴' کتاب السلم' مطبوعہ بیروت)

فروخت ہونے والی باہم مختلف اشیاء مثلاً انار اور خربوزے وغیرہ ان میں بیع سلم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ ان میں وزن اور گنتی دونوں طرح سے بیع سلم کو جائز نہیں کہتے۔ امام مالک نے مطلقاً جائز کہا ہے اور امام شافعی وزن کر کے دینے میں جواز کے قائل ہیں۔ امام احمد سے دو روایتیں ہیں مشہور تر یہ کہ گنتی کے اعتبار سے مطلقاً جائز ہے۔ امام احمد نے ہی فرمایا: کہ جس چیز میں اصل ماپ ہے ان کا وزن کر کے اور جن میں اصل وزن ہے ماپ کر کے ان کی بیع درست نہیں ہے۔ بیع سلم حالی اور مؤجل دونوں طرح امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ' مالک اور احمد فرماتے ہیں: کہ یہ حالی جائز نہیں ہے اس میں مدت ہونی شرط ہے خواہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔

اوپر حوالہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ گنتی اور پیمائش کر کے بکنے والی اشیاء میں بیع سلم کے تمام ائمہ قائل ہیں صرف اس میں ایک بات یہ پیش نظر رہے کہ ان اشیاء میں باہم کوئی زیادہ چھوٹے بڑے ہونے میں اختلاف نہ ہو۔ جیسا کہ انڈے اور اخروٹ وغیرہ اور ان میں اوصاف کا تعین ہو۔ وہ یہ کہ کپڑا کون سا ہوگا' کس مل کا بنا ہوا اور اونی یا ریشمی وغیرہ؟ ان شرائط کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ بوقت سپردگی اختلاف سے بچا جا سکے۔ ایک اور حوالہ ملاحظہ کیجیے:

ولا بدین تقدیر المذروع بالذرع بغیر خلاف فعلمه قال ابن المنذر اجمع کل من تحفظ عنه من اهل العلم علی ان السلم جائز فی الثیاب بذرع معلوم.

(مغنی مع شرح الکبیر ج۴ ص۳۵۳ باب السلم مسئلہ ۳۲۱۸' مطبوعہ بیروت)

جو چیز پیمائش یعنی ماپ کر فروخت کی جاتی ہو اس کے بیع سلم کے وقت یہ بات لازمی ہے کہ اس کے گز وغیرہ بنا دیے جائیں جو ہم لین دین کے وقت ناپنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ابن منذر نے کہا: کہ ہم تمام اہل علم کو اس پر متفق پاتے ہیں کہ کپڑوں میں معین گزوں کے ساتھ بیع سلم جائز ہے۔

ان حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ مذروعی اور عددی اشیاء میں مطلقاً بیع سلم کے تمام ائمہ قائل ہیں۔ ابن حزم نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا ذکر کر کے خیانت کی ہے۔ جب جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا متفقہ مؤقف ہے تو اسے حضور ﷺ کی حدیث کا مقابل قرار دینا ابن حزم کی ڈھٹائی ہے۔ حضور ﷺ نے کہاں ان میں بیع سلم کو منع فرمایا؟ اس کی صراحت ہونی چاہیے خواہ مخواہ ان حضرات کو مخالفِ رسول ﷺ ثابت کرنا بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے؟

جواب دوم: اجلہ صحابہ کرام اور تابعین حضرات بھی مزروعات میں بیع سلم کے جواز کے قائل تھے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

عن ابن سالم عن عامر قال اذا اسلم فی ثوب یعرف ذرعه و رقعه فلا بأس.... عن جابر و عطاء قال لابأس فی السلم فی الصوف والأکسیة .... عن ابن عباس انه سئل عن السلم فی الکرابیس فقال لا بأس اذا کان فی ذرع معلوم الی اجل معلوم.

ابن سالم جناب عامر سے بیان کرتے ہیں کہ جب کسی کپڑے میں بیع سلم کی جائے اور اس کے گز معلوم ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔۔۔ حضرت جابر اور عطا رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: اونی اور سوتی کپڑے میں بیع سلم میں کوئی حرج نہیں ہے۔۔۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۸۸-۳۸۹ کتاب البیوع فی السلم بالثیاب باب ۱۷۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

کھردرے کپڑے میں بیع سلم جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: جب گز معلوم ہوں اور مدت بھی معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں۔

عن ابن المسیب سئل عن سلف الحنطة والکرابیس والثیاب فقال ذرع معلوم الی اجل معلوم والحنطة بکیل معلوم الی اجل معلوم. (مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۶ حدیث ۱۴۰۶۸ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت)

حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے گندم' کھردرے کپڑے اور دوسرے کپڑوں میں بیع سلم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر گز معلوم ہوں اور مدت بھی معلوم ہو اور گندم کا پیمانہ بھی اور مدت بھی معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم قال اذا اسلم فی الثیاب و کان معروفا عرضه و رقعة فهو جائز و هو قول ابی حنیفة قال محمد و به نأخذ . اذا سمی الطول والعرض والرقعة والجنس والأجل و نقد الثمن قبل ان یتفرقا فهو جائز.

(کتاب الآثار ص ۱۲۶ باب السلم فی الثیاب اثر نمبر ۷۰۴۸)

امام محمد بیان کرتے ہیں: کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد سے وہ جناب ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص کپڑے میں بیع سلم کرتا ہے اور وہ کپڑا جانا پہچانا ہو اور اس کی بنائی بھی معلوم ہو تو جائز ہے یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے۔ جب کپڑے کی لمبائی' چوڑائی اور بنائی معلوم ہو' جنس اور مدت بھی معلوم ہو اور بائع و مشتری کے جدا ہونے سے پہلے بائع قیمت اپنے قبضہ میں لے لے تو یہ بیع جائز ہے۔

اعتراض: کپڑوں میں بیع سلم کے جواز کے لیے ضرورت کو علت بنایا گیا اور ان کے لیے وصف کا معلوم ہونا شرط قرار دیا گیا لیکن ان دونوں باتوں کے ہوتے ہوئے بھی احناف حیوانات میں بیع سلم کے جواز کا قول نہیں کرتے کیوں؟

جواب اوّل: حیوانات بلکہ تمام ذی روح اشیاء میں اوصاف کا ضبط کرنا مشکل بات ہے کیونکہ ایسی اشیاء وزن اور رنگ و روپ میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور یہ عام مشاہدہ ہے۔ حیوان کی اگر خوب خدمت کی جائے تو وزن بڑھ جاتا ہے' بھوکا پیاسا رہنے کی صورت میں اس کا وزن اور رنگ خراب ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کی جو شکل و صورت بنائی وہ بے مثل ہے۔ تو جس کی مثل ہی نہیں اس کی بیع سلم کیونکر جائز ہوگی؟ اس لیے تمام ائمہ حیوانات میں بیع سلم کے قائل نہیں ہیں۔

واختلف الروایة فی السلم فی الحیوان فروی لا یصح السلم فیه وهو قول الثوری واصحاب الرأی و روی ذالک عن عمرو ابن مسعود و حذیفة و سعید بن جبیر والشعبی والجوز جانی لما روی عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه انه قال ان من الرباء ابوابا لا تخفی وان منها السلم فی السن ولان الحیوان یختلف اختلافا متباینا لا یمکن ضبطه وان استقصی صفاته التی یختلف بها الثمن. (مغنی مع شرح الکبیر ج ۴ ص ۳۴۰ مسئلہ نمبر ۳۱۹۸ ما یصح السلم فیہ و ما لا یصح باب السلم)

حیوان میں بیع سلم کے بارے میں اختلاف ہے' مروی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ یہ قول ثوری اور اصحاب الرائے کا ہے اور حضرت عمر' ابن مسعود' حذیفہ' سعید بن جبیر' شعبی اور جوز جانی سے یہی قول مروی ہے۔ کیونکہ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے فرمایا: کہ سود کے بہت سے ابواب (اقسام) ہیں جو مخفی نہیں ان میں سے دانتوں میں بیع سلم بھی ہے کیونکہ حیوان مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں اختلاف اس قدر متباین ہوتا ہے جو ضبط نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ ان کو مکمل ذکر کر دیا جن کی بناء پر قیمت میں اختلاف ہوتا ہے۔

جواب دوم: حیوانات میں بیع سلم کے عدم جواز کے ضمن میں چند فقہاء صحابہ کرام کے اسماء گرامی ضمناً آ گئے ہم ان حضرات سے منقول آثار ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

عن عبید بن نضلة الخراعی ان رجلا نحر جزورا فاشتری منه رجل عشیرا بحصة فبلغ ذالک رسول اللہ ﷺ فرده قال ابونعیم قال فیه بعض اصحابنا عن سفیان قال فیه الی اجل رواه الطبرانی فی الکبیر و رجاله الصحیح. عن ابن عباس ان النبی ﷺ نهی عن بیع الحیوان نسیئته رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط و رجاله الصحیح.
(مجمع الزوائد ج۴ص۱۰۴-۱۰۵باب البیع اللحم بالحیوان مطبوعہ بیروت)

عبید بن نضلہ خزاعی کہتے ہیں: کہ ایک شخص نے اونٹ ذبح کیے ان میں سے ایک شخص نے دس اونٹ ایک حصہ کے بدلہ خرید لیے جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ نے اسے منع فرمادیا۔ ابونعیم نے کہا: ہمارے بعض اصحاب نے جناب سفیان سے اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ ذکر کیے ہیں۔ ''ایک وقت مقررہ تک'' اسے امام طبرانی نے کبیر میں ذکر کیا۔ اور اس کے راوی تمام صحیح ہیں۔۔۔۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حیوان کی ادھاری بیع سے منع فرمایا اسے بھی طبرانی نے کبیر اور اوسط میں ذکر کیا ہے اور اس کے سب راوی بھی صحیح ہیں۔

محمد قال اخبرنا ابوحنیفة قال حدثنا حماد عن ابراهیم قال دفع عبدالله ابن مسعود رضی الله عنه الی زید بن خویلده الکبری مالا مضاربة فاسلم زید ابی تمریس بن عرتوب الشیبانی فی قلائص فلما حلت اخذ بعضا و بقی بعضا فاعر تمریس و بلغه الی المال لعبدالله رضی الله عنه فاتاه یسترفقه فقال عبدالله رضی الله عنه افعل زید قال نعم فارسل الیه فسأله فقال له عبدالله رضی الله عنه اردد ما اخذت و خذ رأس مالک ولا تسلمن ما لنا فی شئ من الحیوان قال محمد و بهذا کله ناخذ لا یجوز السلم فی شئ من الحیوان وهو قول ابی حنیفة. (کتاب الآثار ص۱۶۵-۱۶۶باب بیع السلم فی الحیوان مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی مصنف عبدالرزاق ج۸ص۲۴ حدیث:۱۴۱۴۹ مطبوعہ بیروت)

امام محمد کہتے ہیں: کہ امام ابوحنیفہ نے ہمیں جناب حماد وہ ابراہیم سے خبر دیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے زید بن خویلدہ کبریٰ کو مضاربت پر مال دیا تو زید نے تمریس بن عرتوب شیبانی سے ان کی اونٹنیوں میں بیع سلم کر لی پھر جب مدت پوری ہوگئی تو کچھ اونٹنیاں لے لیں اور کچھ باقی رہ گئیں پھر تمریس غریب ہوگیا اور تمریس کو معلوم ہوا کہ اصل مال تو حضرت عبداللہ بن مسعود کا ہے وہ ان کے پاس نرمی کی درخواست کرنے آیا تو عبداللہ بن مسعود نے اس سے پوچھا: کیا واقعی زید نے تم سے بیع سلم کی ہے؟ اس نے کہا جی کی ہے۔ آپ نے اسے پیغام پہنچایا پھر اسے جناب عبداللہ نے فرمایا جو اونٹنیاں لی ہیں وہ واپس کر دے اور اپنا اصل مال (رقم) لے لے۔ ہمارے مال کی حیوان میں بیع سلم ہرگز نہ کرنا۔ امام محمد کہتے ہیں: کہ ہمارا یہی مسلک ہے کہ حیوان میں بیع سلم جائز نہیں ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔

عن ابن سیرین ان عمر و حذیفة وابن مسعود کانوا یکرهون السلم فی الحیوان....عن عبدالعلی قال شهدت شریحا رد السلم فی الحیوان....عن ابراهیم بن عبدالعلی قال شهدت سوید بن غفلة یکره السلم فی الحیوان ....عن الضحاک انه رخص فی السلم فی الحیوان ثم رجع

ابن سیرین بیان کرتے ہیں: کہ حضرت عمر، حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم حیوان میں بیع سلم کو ناپسند رکھتے تھے۔۔۔۔ عبدالعلیٰ کہتے ہیں: کہ میں جناب شریح کے پاس موجود تھا کہ آپ نے حیوان میں بیع سلم کو رد کر دیا۔۔۔۔ ابراہیم بن عبدالعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سوید بن غفلہ کو حیوان میں بیع سلم رد کرتے دیکھا۔۔۔۔ ضحاک سے مروی ہے کہ انہوں نے پہلے تو حیوان میں

عنه.... عن ابراهیم بن مهاجر عن ابراهیم قال کتب عمر الی عبدالله لا تسلم فی الحیوان...

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۷۰-۴۷۱ باب کرھہٗ باب نمبر ۲۱۰ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

بیع سلم کی رخصت دی پھر بعد میں اس سے رجوع کر لیا۔۔۔۔

ابراہیم بن مہاجر جناب ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے جناب عبداللہ کی طرف لکھا کہ حیوان میں بیع سلم نہ کریں۔

قارئین کرام! یہ چند حوالہ جات ہیں جن میں حضرات صحابہ کرام وتابعین سے یہ بات ثابت ہے کہ حیوان میں بیع سلم کو یہ حضرات پسند نہیں کرتے تھے۔ بہرحال حیوان کی صفات کا شمار بھی ناممکن ہوتا ہے اور آثار بھی بکثرت اس کے عدم جواز پر شاہد ہیں لہٰذا حیوان میں بیع سلم نہیں ہوگی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۴۴- بَابُ بَيْعِ الْبَرَاءَةِ

بیع کرتے وقت بیع میں عیب نہ ہونے کی ذمہ داری لینے کا بیان

۷۵۹- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ بَاعَ غُلَامًا لَهٗ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ بِالْبَرَاءَةِ وَ قَالَ الَّذِيْ ابْتَاعَ الْعَبْدَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِالْعَبْدِ دَاءٌ لَمْ تُسَمِّهٖ لِيْ فَاخْتَصَمَا اِلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَقَالَ الرَّجُلُ بَاعَنِيْ عَبْدًا وَبِهٖ دَاءٌ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ بِعْتُهٗ بِالْبَرَاءَةِ فَقَضٰى عُثْمَانُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ اَنْ يَّحْلِفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ بَاعَهٗ وَ مَا بِهٖ دَاءٌ يَعْلَمُهٗ فَاَبٰى عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنْ يَّحْلِفَ فَارْتَجَعَ الْغُلَامُ فَصَحَّ عِنْدَهُ الْعَبْدُ فَبَاعَهٗ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِاَلْفٍ وَ خَمْسِ مِائَةِ دِرْهَمٍ.

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے وہ سالم بن عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک غلام آٹھ سو درہم کے عوض بیچا اور کہا کہ میں اس میں ہرقسم کے عیب نہ ہونے کی ذمہ داری اٹھاتا ہوں (لہٰذا اب خوب دیکھ بھال کر لو بعد میں میں کسی عیب کا جواب دہ نہ ہوں گا) پھر خریدار نے کہا کہ غلام میں ایک بیماری تھی جس کا آپ نے نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ دونوں حضرات نے اپنا معاملہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ خریدار نے کہا انہوں نے مجھے ایک غلام فروخت کیا جس میں ایک بیماری تھی۔ حضرت ابن عمر نے کہا کہ میں نے بری الذمہ ہونے کی شرط کے ساتھ غلام دیا تھا تو حضرت عثمان نے جناب عبداللہ بن عمر کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائیں کہ انہوں نے غلام فروخت کیا تھا اور اس میں اس وقت کوئی بیماری نہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا پھر وہ غلام حضرت عبداللہ بن عمر نے واپس لے لیا اور کچھ دنوں بعد ان کے ہاں مذکورہ بیماری سے تندرست ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کے بعد اسی غلام کو ایک ہزار پانچ سو درہم کا فروخت کیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ بَلَغَنَا عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ بَاعَ غُلَامًا بِالْبَرَاءَةِ فَهُوَ بَرِيْءٌ مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ وَ كَذٰلِكَ بَاعَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بِالْبَرَاءَةِ وَرَاٰهَا بِالْبَرَاءَةِ جَائِزَةً فَبِقَوْلِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ نَاْخُذُ مَنْ بَاعَ غُلَامًا اَوْ شَيْئًا وَ تَبَرَّاَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ وَ رَضِيَ

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی آپ نے فرمایا: کہ جس نے بری الذمہ ہونے کی شرط کے ساتھ غلام فروخت کیا تو وہ واقعی ہر عیب سے بری الذمہ ہوگا۔ یونہی حضرت عبداللہ بن عمر نے بری الذمہ ہونے کی شرط پر بیچا اور انہوں نے ایسا کرنا جائز سمجھا' تو ہم حضرت زید بن ثابت اور

بِذٰلِکَ الْمُشْتَرِیْ وَ قَبَضَهٗ عَلٰی ذٰلِکَ فَهُوَ بَرِئٌ مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ عَلِمَهٗ اَوْلَمْ یَعْلَمْهُ لِاَنَّ الْمُشْتَرِیَ قَدْ بَرَّاَهٗ مِنْ ذٰلِکَ وَاَمَّا اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ قَالُوْا یَبْرَاُ الْبَائِعُ مِنْ کُلِّ عَیْبٍ لَمْ یَعْلَمْهُ فَاَمَّا مَا عَلِمَهٗ وَ کَتَمَهٗ فَاِنَّهٗ لَا یَبْرَاُ مِنْهُ وَقَالُوْا اِذَا بَاعَهٗ بَیْعَ الْمُبَرَّاتِ بُرِئَ مِنْ کُلِّ عَیْبٍ عَلِمَهٗ اَوْلَمْ یَعْلَمْهُ اِذَا قَالَ اَبْتَعْتُکَ بَیْعَ الْمُبَرَّاتِ فَالَّذِیْ یَقُوْلُ تَبْرَاُ مِنْ کُلِّ عَیْبٍ وَ بَیَّنَ ذٰلِکَ اُخْرٰی اَنْ یَّبْرَاَ لِمَا اشْتَرَطَ مِنْ هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ قَوْلُنَا وَالْعَامَّةِ.

عبداللہ بن عمر کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ جس نے غلام یا اور کوئی چیز فروخت کی اور ہر عیب سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دیا خریدار اس پر راضی ہو گیا اور خریدی گئی چیز کو اس نے اپنے قبضہ میں لے لیا تو فروخت کرنے والا تمام عیوب سے بری الذمہ ہو گا خواہ وہ اس کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو کیونکہ خریدار نے اسے بری الذمہ قرار دے دیا ہے۔ اہلِ مدینہ کہتے ہیں کہ فروخت کرنے والا ہر اس عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط لگا سکتا ہے جسے اس نے نہ جانا لیکن جو عیب جانتا تھا پھر اسے چھپایا تو اس سے بری الذمہ نہ ہوگا۔ مزید ان حضرات نے کہا جب فروخت کرنے والا ''مبرات'' والی فروخت کرتا ہے تو وہ ہر عیب سے بری ہو جائے گا خواہ اس کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ جب اس نے کہا کہ میں نے تم سے ''مبرات'' کی بیع کی ہے۔ وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ میں ہر عیب سے بری الذمہ ہوتا ہوں اور اس نے بیان بھی کر دیا تو یہ زیادہ قابل قبول بات ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے اور ہمارا بھی اور عام فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔

''بریٔ الذمہ'' ہونے کی شرط پر کی گئی بیع میں حضراتِ ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مؤقف یہ ہے کہ جب بیچنے والا خریدار کو کہتا ہے کہ مبیعہ تمہارے سامنے ہے اس میں اچھی طرح دیکھ بھال کر لو بعد میں اگر کسی عیب کو بیان کرو گے تو میں جواب دہ نہ ہوں گا۔ ایسی صورت میں فروخت کرنے والا بریٔ الذمہ ہو جائے گا اور بعد میں اگر مبیعہ میں کوئی نقص نکل آیا تو مشتری اسے واپس کرنے کا حقدار نہ ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: کہ اگر بائع نے مبیعہ کا عیب بیان کر دیا یا عیب اس کو معلوم نہ تھا تا کہ وہ بیان کرتا' ان دونوں صورتوں میں وہ بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔ اور اگر مبیعہ میں عیب تھا جس کی بائع کو خبر تھی اس نے مشتری کو نہ بتایا اور اپنے بریٔ الذمہ ہونے کی شرط لگائی تو اب وہ بریٔ الذمہ نہ ہوگا اور مبیعہ کو مشتری واپس کرنے کا حق دار ہوگا۔

حضرات ائمہ کرام کا اختلاف اس مسئلہ میں دراصل اس اختلاف پر مبنی ہے جو حضرات صحابہ کرام کے مابین موجود ہے۔ روایت مذکورہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بریٔ الذمہ ہونے کی شرط کے ساتھ غلام فروخت کیا حالانکہ اس میں عیب تھا جسے انہوں نے بیان نہ فرمایا۔ جب خریدار نے یہ مقدمہ حضرت عثمان غنی کے سامنے پیش کیا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو قسم اٹھانے کے لیے کہا جب وہ نہ مانے تو حضرت عثمان نے مبیعہ کی واپسی کا فیصلہ فرما دیا۔ امام شافعی اسے اپنے مؤقف کی دلیل بناتے ہیں۔ احناف اسی روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ بیع مطلقاً ناجائز ہوتی تو حضرت عبداللہ بن عمر اس غلام کو فروخت نہ کرتے۔ آپ کا ایسا کرنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مطلق برأت کی شرط کے ساتھ لین دین کو جائز سمجھتے تھے یہ آپ کا اجتہاد تھا اس صورت میں بائع بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔ آپ بھی جلیل القدر صحابی ہیں۔ دوسری طرف حضرت عثمان ہیں' آپ بھی مجتہد ہیں۔ ایک مجتہد اگر اپنے اجتہاد کے پیش نظر دوسرے مجتہد سے اختلاف کرتا ہے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمر کے مؤقف سے حضرت زید بن ثابت بھی متفق ہیں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی مجتہد صحابہ کرام میں سے ہیں۔ جب

ان دو مجتہد صحابہ کا ایک مسئلہ پر اتفاق ہے تو امام اعظم ابوحنیفہ نے اس کو راجح قرار دیا بلکہ اس کی تائید ایک حدیث صحیحہ سے بھی ہوتی ہے جو صحاح میں موجود ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد فوت ہوئے تو انہوں نے وراثت میں ایک باغ بھی چھوڑا اور مقروض بھی تھے' حضرت جابر نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ قرض خواہوں کو آپ فرما دیں کہ میرے والد مرحوم کا باغ لے لیں اور بقیہ قرضہ جات معاف کر دیں۔ جب آپ ﷺ نے انہیں یہ کہا تو انہوں نے اس کے قبول کرنے میں معذرت کی اور اپنا اپنا قرضہ لینے کا مطالبہ کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے جناب جابر کو فرمایا: ''تم جا کر اس باغ کے پھل اتار کر علیحدہ علیحدہ رکھ دو''۔۔۔۔ کھجوروں کے ڈھیروں میں سے ایک ڈھیر سے آپ ﷺ نے قرض خواہوں کو کھجوریں دینا شروع کیں تمام قرض خواہ اپنے قرض کے برابر کھجوریں لے چلے تو ابھی ڈھیر جوں کا توں موجود تھا۔

اس حدیث پاک میں جو مسئلہ زیر بحث کے متعلق حصہ ہے وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قرض خواہوں کے قرضہ کی مقدار ذکر نہ کی تھی آپ ﷺ نے بھی اس کی تفصیل نہ دریافت فرمائی اور قرض خواہوں کو بلوا کر باغ لے کر قرض معاف کرنے کا مشورہ دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ''مجہول برأت'' سے انسان بریٔ الذمہ ہو جاتا ہے لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول مختلف کتب حدیث میں منقول ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن عبداللہ بن عامر بن ربیعة عن زید بن ثابت انه کان یری البراءة من کل عیب جائز.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۰۰ فی الرجل یشتری من الرجل السلعة حدیث: ۱۱۴۰ مطبوعہ دار القرآن کراچی' بیہقی ج ۵ ص ۳۲۸ کتاب البیوع باب بیع البراءۃ' مطبوعہ حیدرآباد دکن)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے جناب عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ہر عیب سے بری الذمہ ہونے کی بیع کو جائز قرار دیتے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ مجہول برأت کی شرط پر بیع جائز۔ اسی کو صاحب جوہر النقی نے بیان کیا ہے:

وفی التجرید للقدوری البراءة من العیوب توجب جهالة صفة المعقود علیه و ذالک لا یمنع من جواز العقد کجهالة قدر الصبرة و هذا مبنی علی اصلنا ان البراءة من الحقوق المجهولة جائزة عندنا انتهی. (جوہر النقی ذیل بیہقی ج ۵ ص ۳۲۹ باب بیع البراءۃ)

قدوری کی کتاب تجرید میں ہے کہ مبیعہ کی عیوب سے برأت اس بات کو مستلزم ہے کہ معقود علیہ کی صفت غیر معلوم ہو اور اس سے جواز عقد کی ممانعت لازم نہیں آتی' جیسے کسی ڈھیر کی مقدار کا مجہول ہونا جواز عقد کو ممنوع نہیں کرتا اور اس کی بنیاد ہمارا یہ اصول ہے کہ نامعلوم حقوق سے برأت ہمارے نزدیک جائز ہے۔

قارئین کرام! حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک مطلق براءت (مجہول براءت) کی شرط کے ساتھ بیع درست ہے اور بائع اس شرط کے ساتھ بریٔ الذمہ ہو جاتا ہے۔ اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے واقعہ والی حدیث بھی کرتی ہے اور ایک اجماعی مسئلہ بھی وہ یہ کہ گندم وغیرہ کا ڈھیر جس کی مقدار معلوم نہ ہو اس کی بیع جائز ہے۔ اس میں معقود علیہ کی جہالت کے باوجود بیع پر سب کا اتفاق ہے تو اسی طرح مجہول براءت بھی جواز بیع کو منع نہیں کرتی۔ آخر میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کی ایک اصول سے تقویت ذکر کی جاتی ہے جسے ابن قدامہ نے ''مغنی'' میں ذکر کیا ہے۔

وروی عن احمد انه اجاز البراءة عن

امام احمد سے مروی ہے: کہ انہوں نے مجہول سے براءت کو

المجهول فيخرج من هذا صفة البراءة من كل عيب روى هذا عن ابن عمر وهو قول اصحاب الرائى و قول الشافعي لماروت ام سلمى ان رجلين اختصما فى مواريث و رست الى رسول ﷺ استهما و توخيا و ليحلل كل واحد منكما صاحبه فدل هذا على ان البراءة من المجهول جائزة ولانه اسقاط حق لا تسليم فيه فصح من المجهول كالعتاق والطلاق ولا فرق بين الحيوان وغيره فما ثبت فى احدهما فى الاخر و قول عثمان قد خالفه ابن عمر و قول الصحابى المخالف لا يبقى حجة.

(المغنی مع شرح کبیر ج۴ ص۲۸۰ مسئلہ نمبر۳۰۴۷، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

جائز قرار دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر عیب سے بریٔ الذمہ ہونے کی صفت درست ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور یہی قول اصحاب الرائے کا ہے اور قول شافعی بھی ہے۔ اس لیے کہ سیدہ ام المومنین اُم سلمٰی رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ دو مردوں نے وراثت میں جھگڑا کیا اور حضور ﷺ کے پاس مقدمہ لائے آپ نے فرمایا: دونوں آپس میں تقسیم کرلو اور بھائی چارہ قائم رکھو اور تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو کمی بیشی حلال کردے۔ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مجہول کی براءت جائز ہے اور یہ اس لیے بھی جائز ہے کہ اس میں حق کو ساقط کرنا ہوتا ہے، تسلیم کی بات نہیں ہوتی۔ لہٰذا مجہول سے یہ درست ہوگا جس طرح عتاق اور طلاق میں ہے۔ اس میں حیوان اور غیر حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا جو ایک میں ثابت وہ دوسرے میں بھی ثابت ہوگا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قول جبکہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی مخالفت کی اور صحابی جس کی مخالفت کی گئی ہو اس کا قول حجت نہیں رہتا۔

قارئین کرام! ان مذکورہ روایات وحقائق اور دلائل کے پیشِ نظر یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مؤقف درست بلکہ مضبوط اور راجح ہے اور حضرات صحابہ کرام سے اس کے بارے میں تائیدی اقوال موجود ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٣٤٥- بَابُ بَيْعِ الْغَرَرِ

دھوکہ کی بیع کے بیان میں

٧٦٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَازِمِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ.

امام مالک نے ہمیں ابوحازم بن دینار سے خبر دی کہ حضرت سعید بن میسب نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے دھوکہ کی بیع سے منع فرمادیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ بَيْعُ الْغَرَرِ كُلُّهٗ فَاسِدٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں کہ ان تمام پر ہمارا اتفاق ہے کہ دھوکہ کی بیع فاسد ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور عام فقہاء کرام کا ہے۔

٧٦١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لَا رِبٰوا فِى الْحَيْوَانِ وَاِنَّمَا نُهِيَ عَنِ الْحَيْوَانِ عَنْ ثَلٰثٍ عَنِ الْمَضَامِيْنِ وَالْمَلَاقِيْحِ وَحَبَلِ الْحَبَلَةِ وَالْمَضَامِيْنُ مَا فِىْ بُطُوْنِ اِنَاثِ الْاِبِلِ وَالْمَلَاقِيْحُ مَا فِىْ ظُهُوْرِ الْجَمَالِ.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے وہ حضرت سعید بن میسب سے خبر دیتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے: حیوان میں ربوٰا نہیں۔ حیوانات میں تین اقسام کی بیع سے منع کیا گیا ہے مضامین، ملاقیح اور حبل الحبلۃ۔ مضامین وہ ہیں جو اونٹنیوں کے ابھی پیٹ میں ہوں۔ اور ملاقیح وہ جو ابھی اونٹ کی پشت میں ہوں۔

٧٦٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے اور وہ حضرت عبداللہ

عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَ كَانَ بَيْعًا يَتَبَاعَهُ اَلْجَاهِلِيَّةُ يَبِيْعُ اَحَدُهُمُ الْجَزُوْرَ اِلٰى اَنْ تُنْتِجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتِجَ الَّتِىْ فِىْ بَطْنِهَا.

بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم نے "حبل الحبلہ" کی بیع سے منع فرمادیا۔ یہ ایک بیع تھی جسے جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے' کوئی شخص اونٹ خریدتا اور کہتا کہ جب اونٹنی بچہ جنے گی اور پھر اس بچہ کا بچہ ہوگا تو رقم ادا کروں گا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَهٰذِهِ الْبُيُوْعُ كُلُّهَا مَكْرُوْهَةٌ وَلَا يَنْبَغِىْ لِاَنَّهَا غَرَرٌ عِنْدَنَا وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ اس قسم کی تمام بیوع ہمارے نزدیک مکروہ ہیں اور یہ نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ یہ ہمارے نزدیک "غرر" بنتی ہیں اور حضور ﷺ نے "غرر بیع" سے منع فرمادیا ہے۔

مذکورہ باب میں جو ارشاد فرمایا: کہ حیوان میں "ربوٰ" نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حیوان باہم "مثل" نہیں ہوتے۔ کوئی چھوٹا کوئی بڑا کوئی فربہ اور کوئی کمزور اس لیے ایک حیوان دے کر دو حیوان لینا "ربوٰ" نہیں کہلائے گا۔ دوسری بات "دھوکہ کی بیع" ذکر ہوئی اس کی کئی صورتیں بنتی ہیں مثلاً معدوم چیز کی بیع' باغات کے پھلوں کی ان کے بور آنے سے قبل بیع' غیر مملوکہ اشیاء کی فروخت' سمندر میں مچھلیوں کی بیع' جانوروں کے تھنوں میں دودھ کی بیع وغیرہ۔ یہ سب دھوکہ کی بیع میں شامل ہیں۔ مطلب یہ کہ جن اشیاء میں دھوکہ پایا جاتا ہو اور ان میں باہم تنازع کا بہت زیادہ احتمال ہو' ایسی بیع سے حضور ﷺ نے منع فرمادیا ہے۔

نوٹ: اس بیع کے تحت چند ایسے مسائل اس وقت پیدا ہو چکے ہیں جن کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرنا مناسب ہے۔ فقہ ایسا علم ہے جس کی جزئیات کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ ہر دور میں نت نئے مسائل جنم لیتے ہیں جن کا حل ائمہ اربعہ کے وضع کردہ اصول وقواعد کے تحت حل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسے اصول وقواعد جو قرآن کریم' حدیث پاک' آثار صحابہ اور اجماع امت سے مستنبط ہیں۔ دیگر علوم دینیہ کا ایسے واقعات وحادثات سے علاقہ نہیں پڑتا اس لیے ان کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مسائل جدیدہ میں سے چند اہم کا ہم تذکرہ کرتے ہیں۔

انعامی بانڈز کا حکم

یہ مسئلہ عرصہ سے علماء کے درمیان مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ بعض اسے سود (ربوٰ) کے ضمن میں لا کر حرام کا حکم لگاتے ہیں اور بعض اسے انعام کے تحت شمار کر کے جواز کا قول کرتے ہیں۔ انعامی بانڈز کا طریقہ کار مختصر یوں ہے۔

حکومت پاکستان انعامی بانڈز مختلف مالیت کے (۱۰۰۰) روپے' (۵۰۰) روپے' (۱۰۰) روپے جاری کرتی ہے ان کی قرعہ اندازی پر ہزاروں لاکھوں روپے ان کے خریداروں میں سے بعض کو دیئے جاتے ہیں جن کا نمبر نکل آتا ہے۔ یہ بانڈز بوقت ضرورت اتنی ہی رقم سے فروخت بھی ہو جاتے ہیں جتنی کا کوئی بانڈ خریدا جاتا ہے۔ نمبر نکلے یا نہ نکلے انعامی بانڈ خود ایک بندھی رقم ہے۔ ان کے بارے میں علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کمی بیشی کے ساتھ بانڈ خریدے جائیں مثلاً خریدنے والا دس روپے والا بانڈ خریدتا ہے اور حکومت یہ شرط رکھتی ہے کہ اگر قرعہ اندازی میں تیرا نمبر نکل آیا تو انعامی رقم تیری اور اگر نہ نکلا تو اسی بانڈ کے تمہیں نو (۹) روپے ملیں گے یہ صورت حرام ہے۔

اور اگر بانڈ کی رقم بانڈ واپس کرنے والے کو مکمل مل جاتی ہو اور انعام کے لالچ میں آ کر کوئی شخص بانڈز خرید لیتا ہے اور انعام نکل آتا ہے۔ کیا انعام لینا ایسے جائز ہے یا نہیں؟

انعامی بانڈز کے بارے میں مودودی صاحب کی رائے

سوال: آج کل حکومت کی طرف سے [illegible] انعامی [illegible] کے [illegible] جاری کیے گئے ہیں۔ ان میں شرکت

کرنا اور ان پر متوقع انعام حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ قمار نہیں کیونکہ ہر شخص کی قرض کی اصل رقم بہر حال محفوظ ہے جو بعد میں ملے گی۔ اس پر کوئی متعین شرح سے اضافہ بھی بانڈز ہولڈر کو نہیں ملتا جسے سود قرار دیا جائے۔ برائے کرم اس کاروبار کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے کیونکہ بہت سے لوگ اس معاملہ میں خلجان کا شکار ہیں۔

جواب: انعامی بانڈز کے معاملہ میں صحیح صورت واقعہ یہ ہے کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ بانڈز بھی اسی نوعیت کے قرضے ہیں جو حکومت اپنے کاموں میں لگانے کے لیے لوگوں سے لیتی ہے اور ان پر سود ادا کرتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے ہر وثیقہ دار کو اس کی دی ہوئی رقم پر فرداً فرداً سود دیا جاتا تھا مگر اب جملہ رقم کا سود جمع کر کے اسے چند وثیقہ داروں کو بڑے بڑے انعامات کی شکل میں دیا جاتا ہے اور اس امر کا فیصلہ کہ یہ انعامات کس کو دیئے جائیں؟ قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ پہلے ہر وثیقہ دار کو سود کا لالچ دے کر اس سے قرض لیا جاتا تھا اب اس کے بجائے ہر ایک کو یہ لالچ دیا جاتا ہے کہ شاید ہزاروں روپے کا انعام تیرے ہی نام نکل آئے اس لیے قسمت آزمائی کر لے۔ یہ صورت واقعہ صاف بتاتی ہے کہ اس میں سود بھی ہے اور روحِ قمار بھی۔ ہر جو شخص یہ وثائق خریدتا ہے وہ اولاً اپنا روپیہ جان بوجھ کر ایسے کام میں قرضے کے طور پر دیتا ہے جس پر سود لگایا جاتا ہے۔ ثانیاً جس کے نام انعام نکلتا ہے اسے دراصل وہ سود اکٹھا ہو کر ملتا ہے جو عام سودی معاملات میں فرداً فرداً ایک ایک وثیقہ دار کو دیا جاتا تھا۔ ثالثاً جو شخص بھی یہ وثیقے خریدتا ہے وہ مجرد قرض نہیں دیتا بلکہ اس لالچ میں قرض دیتا ہے کہ اسے اصل سے زائد انعام ملے گا اور یہی لالچ دے کر قرض لینے والا اس کو قرض لینے پر آمادہ کرتا ہے اس لیے نیت سودی لین دین کی ہی ہوتی ہے۔ رابعاً جمع شدہ سود کی وہ رقم جو بصورت انعام دی جاتی ہے اس کا کسی وثیقہ دار کو ملنا اسی طریقے پر ہوتا ہے جس پر لاٹری میں لوگوں کے انعامات نکلا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لاٹری میں انعام پانے والے کے سوا باقی تمام لوگوں کے ٹکٹوں کی رقم ماری جاتی ہے اور سب کی ٹکٹوں کا روپیہ ایک انعام دار کو مل جاتا ہے لیکن یہاں انعام پانے والوں کے سوا باقی سب وثیقہ داروں کی اصل رقم قرض نہیں ماری جاتی بلکہ وہ صرف سود جو سودی کاروبار کے عام قاعدے کے مطابق ہر دائن کو اس کی دی ہوئی رقم قرض پر ملا کرتا ہے انہیں نہیں ملتا۔ بلکہ قرعہ کے ذریعہ سے انعام نکل آنے کا اتفاقی حادثہ ان سب کے حصوں کا سود ایک یا چند آدمیوں تک اس کے پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس بناء پر یہ بعینہ قمار تو نہیں ہے مگر اس میں روحِ قمار ضرور موجود ہے۔

(رسائل ومسائل: حصہ سوم ص ۳۳۴ ـ ۳۳۶ 'انعامی بانڈز مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۳ ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور پاکستان)

مفتی مزمل حسین دیوبندی کا مؤقف

مفتی مزمل حسین کا فتویٰ: مولوی غلام رسول سعیدی نے ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ کو دستی منگوایا جس کا اصل متن درج ذیل ہے:

انعامی بانڈز کے نام سے جو انعام دیا جاتا ہے حقیقتاً یہ سود کی ایک شکل ہے۔ انعامی بانڈز کے انعام میں ملنے والی رقم حرام ہے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس کی حرمت کے دلائل درج ذیل ہیں۔ بینک جب انعامی بانڈز کی کوئی سیریز نکالتا ہے اور اس سیریز کے ذریعہ سے جو رقم وہ پبلک سے کھینچتا ہے اس رقم کو بینک کسی شخص یا ادارے کو سودی قرض پر دے دیتا ہے۔ اس سود سے جو رقم موصول ہوتی ہے بینک اس میں سے کچھ رقم اپنے پاس رکھتا ہے اور کچھ رقم قرعہ اندازی کے ذریعہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہے جنہوں نے انعامی بانڈز لیے تھے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کے بعد جو رقم انعام کے نام سے نکلتی ہے وہ حقیقتاً سود ہی کی رقم ہے اگرچہ بینک اس کو ہزار مرتبہ انعام کہے۔ یہ سودی رقم اس حدیث کے زمرہ میں آتی ہے۔ ''**کل قرض جر نفعا فھو حرام** ہر وہ قرض جس کے ذریعہ نفع کمایا جائے حرام ہے''۔ چنانچہ اس میں بھی انعامی بانڈز خریدنے والوں کو قرعہ اندازی کے ذریعہ سود کی شکل میں نفع دیا جاتا ہے جو کہ حرام ہے۔ اگر اس سلسلہ میں یہ سوال اٹھایا جائے جیسا کہ بعض جواز کے قائل اٹھاتے ہیں۔ انعامی بانڈز میں انعام لینے والوں کی

طرف سے اس نفع کی شرط نہیں لگائی جاتی بلکہ بینک والے اسے بطور انعام کے دیتے ہیں اور فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ درج ہے کہ اگر مقروض بطور انعام کے قرض خواہ کو اصل قرض پر کچھ اضافہ کر کے دے تو جائز ہے۔ لیکن یہ ایک سطحی اور بچگانہ اشکال ہے اس لیے کہ فقہ کا ایک مشہور اصول ہے "المعروف کالمشروط کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہے"۔ یعنی جو چیز لوگوں میں عام رائج ہو اور پہلے سے ذہنوں میں طے شدہ ہو وہ ایسی ہے کہ جیسے زبانی شرط لگانا۔ چنانچہ اس صورت میں اگرچہ انعامی بانڈز لینے والے اس پر سود لینے کی شرط نہیں لگاتے لیکن ہر انعامی بانڈ لینے والے کے ذہن میں ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ مجھے اپنی اصل رقم سے زائد رقم مل جائے گی بصورت دیگر کوئی شخص بھی انعامی بانڈز نہ خریدے۔ ان دلائل کے علاوہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بینک انعامی بانڈز لینے والوں کی رقم کو سودی قرضہ پر نہیں دیتا بلکہ اس کو کسی کاروبار میں لگاتا ہے اور اس کاروبار سے جو نفع ہوتا ہے وہ نفع قرعہ اندازی کے ذریعہ بانڈز لینے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو پھر بھی انعامی بانڈز پر ملنے والے انعام جائز نہیں ہیں۔ اس لیے کہ مشارکت میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں بینک کی طرف سے نقصان کا کوئی ذکر نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تجارتی اور شرعی اصول کے مطابق مشارکت کی تجارت میں جب نفع ہوتا ہے تو اس میں نفع سے ہر شریک کو اتنے فیصد ہی حصہ ملتا ہے جتنے فیصد اس نے روپیہ لگایا ہے۔ نفع کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ کرنا اس میں بہتوں کے ساتھ ناانصافی ہونا یقینی بات ہے۔ لہٰذا انعامی بانڈز کا انعام ہر اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے اگرچہ بینک اسے انعام ہی کہتا رہے۔ زہر کو اگر تریاق کہا جائے تو وہ تریاق نہیں بنتا بلکہ زہر اپنی جگہ زہر ہی رہتا ہے۔ اگر کسی کے پاس انعامی بانڈز آ جاتے ہیں یا اس نے کسی ضرورت کی بنا پر خرید لیے ہیں۔ اب اگر وہ ان کو قیمت خرید پر ہی فروخت کر دیتا ہے اور اس پر کوئی انعام یا نفع وغیرہ نہیں لیتا تو یہ جائز ہے۔

(فتویٰ شیخ مزمل حسین: دستی مہر شدہ فتویٰ از دارالافتاء جامع اسلامیہ بنوری ٹاؤن ۱۴۰۲ھ کراچی پاکستان)

مفتی غلام رسول سعیدی صاحب کا مؤقف

یہ دیکھنے کے لیے کہ انعامی بانڈز کا انعام ربوا ہے کہ نہیں؟ یہ جاننا چاہیے کہ ربوا کی دو قسمیں ہیں۔ ربوا النسیئہ اور ربوا الفضل۔ یہ انعام ربوا الفضل اس لیے نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ربوا الفضل کی حرمت کی علت جنس میں اتحاد و قدر معروف (کیل و وزن) میں زیادتی ہے۔ اور یہ ان چیزوں میں ہو سکتا ہے کہ جن کی بیع ناپ کر یا وزن سے کی جاتی ہے اور بانڈز عددی چیز ہے اور ان کی بیع گن کر کی جاتی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ربوا الفضل میں حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے۔ ان کے نزدیک ربوا الفضل سونے چاندی یا کھانے پینے کی چیزوں میں ہو سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ انعامی بانڈز اس قبیل سے نہیں ہیں۔ امام مالک کے نزدیک ربوا الفضل ان چیزوں میں ہو سکتا ہے جن میں غذائیت ہو یا وہ چیزیں جو قابل ذخیرہ ہوں۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک حرمت کی علت ناپ اور تول ہے اور ربوا الفضل صرف ان چیزوں میں ہو سکتا ہے کہ جن کی بیع ناپ اور تول کر کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ بانڈز اس جنس سے نہیں ہیں۔ یہ مذاہب ہم نے امام رازی کی "تفسیر کبیر" ج ۲ ص ۳۵۱ اور علامہ ابن رشد اور علامہ جوہری کی کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" ج ۲ ص ۲۲۹ اور "بدایۃ المجتہد" ج ۲ ص ۹۷ مطبوعہ سے بیان کیے ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ انعامی بانڈز پر جو انعام دیا جاتا ہے وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں بھی ربوا الفضل نہیں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ انعام ربوا النسیئہ کا مصداق ہے یا نہیں؟ ہم ائمہ اربعہ کے مذاہب کے مطابق ربوا النسیئہ (ادھار والا سود) کی تعریفات ذکر کر رہے ہیں۔ دراصل ربوا النسیئہ میں ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس قرض میں ایک مدت معینہ کے بعد اصل رقم سے زائد رقم لینے کی شرط رکھی جائے اور زائد رقم کی مقدار بھی متعین ہو وہ ربوا النسیئہ ہے۔ قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں سود کی اس قسم کا رواج تھا' قرآن مجید نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور سود کی ہر قسم حرام قطعی ہے۔ امام رازی شافعی ربوا النسیئہ کی تعریف میں لکھتے ہیں: ربوا النسیئہ وہ ہے جو زمانہ جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھا۔

کیونکہ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ اس کے عوض ہر ماہ ایک قدرے معین لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی۔ پھر جب مدت پوری ہو جاتی تو قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اگر اس پر ادا کرنا دشوار ہوتا تو قرض خواہ مدت بڑھا دیتا اور سود بھی زیادہ کر دیتا۔ یہ وہ ربوٰا ہے جس پر زمانۂ جاہلیت میں عمل ہوتا تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالولید باجی ربوٰا النسیئہ کی تعریف

ربوٰا النسیئہ کی تعریف یہ ہے کہ مدت پوری ہو جانے کے بعد قرض خواہ مقروض سے کہے کہ تم قرض ادا کر رہے ہو یا میں سود کے عوض میں اضافہ کر دوں اگر مقروض سود کو مان لیتا تو قرض خواہ مدت میں اضافہ کر دیتا۔ اس کے حرام ہونے میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں۔ (المنتقیٰ ج ۵ ص ۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس قرض میں اصل رقم سے زیادہ لینے کی شرط لگائی جائے وہ بالا تفاق حرام ہے۔ ابن منذر نے کہا: قرض خواہ جب مقروض سے اصل سے زیادہ یا ہدیہ لینے کی شرط لگائے اس پر اجماع ہے کہ اس زیادتی کا لینا سود ہے۔ (مغنی ج ۴ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت) علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں: کسی شخص نے علی الفور ایک ہزار درہم دینے ہوں اور وہ یہ کہے کہ مجھے مہلت دو تو میں ایک سو درہم زیادہ دوں گا تو اس کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ سو (۱۰۰) درہم مہلت کے عوض ہیں کیونکہ اس نے یہ سو (۱۰۰) درہم مدت کے عوض میں مقرر کیے ہیں اور مدت کے بدلہ میں معاوضہ لینے کے عدم جواز کی یہی اصل ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۴۶۷ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

علامہ بدرالدین عینی حنفی ربوٰا الجاہلیہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

زمانۂ جاہلیت میں جب قرض کی مدت پوری ہو جاتی تو یا تو قرض ادا کر دیا جاتا اور یا اس پر سود لگا دیا جاتا۔ قرض خواہ مدت میں اضافہ نہ کرتا تو مقروض اصل رقم میں اضافہ کر دیتا۔ ہر سال اسی طرح ہوتا حتیٰ کہ قلیل رقم دگنی چوگنی ہو کر کثیر ہو جاتی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیرہ مصر)

مذاہبِ اربعہ کے فقہاء کی مذکورۃ الصدر تصریحات سے واضح ہوا کہ جس قرض میں مدت معین کے بدلہ میں ایک شخصِ معین پر دوسرا شخص رقمِ معین کے اضافہ کی شرط لگائے وہ ربوٰا النسیئہ ہے اور انعامی بانڈز میں چونکہ مدت کے عوض اضافہ کی شرط نہیں ہوتی اس لیے اس پر ربوٰا النسیئہ کی تعریف صادق نہیں آتی اور بغیر شرط لگائے اگر مقروض قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد دے دے تو یہ جائز ہے۔ جیسا کہ امام بخاری روایت کرتے ہیں: کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام کے پاس آ کر اپنے اونٹ کا تقاضا کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے دے دو' صحابہ کرام نے عرض کیا اس کے اونٹ کی عمر سے زیادہ عمر کا اونٹ ہے۔ اس شخص نے کہا مجھے پورا پورا دیں' اللہ تعالیٰ آپ کو پورا پورا دے آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو وہی اونٹ دے دو' کیونکہ بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض اچھی طرح ادا کریں۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۲۲ مطبوعہ نور محمد کراچی) صحیح بخاری شریف میں دوسری حدیث حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی علیہ السلام کے پاس آیا درآنحالیکہ آپ مسجد میں تھے مجھ سے ایک صحابی کہتے ہیں اس وقت چاشت کا وقت تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دو رکعت نماز پڑھو' پھر آپ نے قرض ادا کیا اور اصل رقم سے زیادہ ادا کیا۔ صحیح بخاری کی اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر مقروض خود قرض کی ادائیگی کے بعد قرض سے زائد کچھ دے دے تو یہ جائز ہے۔ اس لیے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حکومت انعامی بانڈز کے ذریعہ لوگوں سے کچھ رقم قرض لیتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے بعد از خود بعض افراد کو اصل رقم سے کچھ زائد دیتی ہے تو وہ زیادتی ان احادیث کے پیشِ نظر جائز ہوگی' سود نہ ہوگی۔

(شرح مسلم شریف از غلام رسول سعیدی ج ۴ ص ۱۱۴-۱۱۷)

انعامی بانڈز کے بارے میں تینوں علماء کی عبارات کا بالترتیب خلاصہ

(۱) مودودی صاحب

(۱) بینکوں میں جمع شدہ رقم پر ہر رقم کے مالک کو فرداً فرداً سود ملتا ہے' انعامی بانڈز میں یہی سود قرعہ اندازی کی صورت میں چند افراد کو انعام کے نام پردے دیا جاتا ہے۔

(۲) قرعہ اندازی میں نکلنے والا انعام سودی رقم سے دیا جاتا ہے۔

(۳) انعامی بانڈز کا ہر خریدار انعام کے لالچ میں آ کر بانڈز خریدتا ہے۔

(٤) انعامی بانڈز میں اصل رقم محفوظ ہوتی ہے جس طرح بینک میں رکھی گئی رقم محفوظ رہتی ہے' دونوں پر زائد رقم سود ہے۔

(۲) مفتی مزمل حسین صاحب دیوبندی

(۱) انعامی بانڈز پر انعام کی رقم دراصل سود ہے اور وہ سود ہونے کی وجہ سے لینا حرام ہے۔

(۲) انعامی بانڈز سے وصول شدہ رقم بینک آگے سود پر دیتے ہیں پھر جو انہیں سود ملتا ہے اس میں سے کچھ خریداروں کو دے دیتے ہیں اور کچھ خود اپنے لیے رکھ لیتے ہیں۔

(۳) انعامی بانڈز میں اصل رقم سے زائد رقم کی ادائیگی کی اگرچہ شرط نہیں لگائی جاتی لیکن (المعروف کالمشروط) کے تحت ہی آ جاتی ہے کیونکہ انعامی بانڈز کے خریدار کے ذہن میں لازماً انعام کی زائد رقم ہوتی ہے جس کے حصول کے لیے وہ خریداری کرتا ہے۔

(۳) غلام رسول سعیدی صاحب

(۱) انعامی بانڈز سود کی دونوں اقسام (ربوا الفضل' ربوا النسیئہ) کے تحت کسی امام کے نزدیک نہیں آتے۔

(۲) انعامی بانڈز پر اگرچہ لاکھوں کا انعام ملتا ہے لیکن ہر خریدار نہ تو معین انعام کا حق دار ہوتا ہے بلکہ لاکھوں میں سے چند ایک کا انعام نکلنا المعروف ہے لہٰذا یہ مشروط کی طرح نہیں ہے۔

(۳) انعامی بانڈز بوجہ مدتِ غیر معین کے قرض کے ضمن میں بھی نہیں آتے بلکہ یہ ایک قسم کی خرید و فروخت ہے انعامی بانڈز کا مالک جب چاہے اصل رقم لے سکتا ہے۔

(٤) حکومت جمع شدہ رقم تمام کی تمام سود پر نہیں دیتی بلکہ اس میں بعض رقم ایسے منصوبہ جات پر خرچ کرتی ہے جس پر سود لینے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لہٰذا انعامی بانڈز میں بطور انعام ملنے والی رقم مکمل طور پر سود نہیں ہوتی۔

(۵) انعامی بانڈز کی خریداری اس نیت سے ہونا کہ خریدار کو زیادہ رقم ملے گی لہٰذا اس پر ملنے والا انعام سود ہوگا' درست نہیں کیونکہ احکام شرعیہ کا تعلق ظاہر سے ہے' نیتوں پر نہیں۔

(٦) انعامی بانڈز پر ملنے والے انعامات کے جواز پر دلیل ''بخاری شریف'' میں مذکور حدیثِ ابو ہریرہ اور حدیثِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم ہے۔

(۷) ''بخاری شریف'' کی دو احادیث انعامی بانڈز کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ ا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے اپنے اونٹ کا تقاضا کیا تو آپ نے اسے اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ دینے کا حکم دیا اور اسے

بہترین قرض ادا ہونا قرار دیا۔ ۲۔ حضرت جابر کو حضور ﷺ سے لیے گئے قرض کو اتارتے وقت آپ نے قرض سے زیادہ رقم عطا فرمائی۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۲۲، مطبوعہ نور محمد کراچی)

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر قرض دینے والا از خود قرض کے ساتھ زیادہ رقم قرض خواہ کو دے تو یہ جائز ہے۔ لہٰذا انعامی بانڈز چونکہ حکومت لیتی ہے اور قرض خواہوں میں سے کسی کو اگر حکومت انعام کے نام پر زیادہ رقم دیتی ہے تو یہ ناجائز کیوں کر ہو گیا؟

تینوں علماء کی رائے کا نتیجہ

مودودی صاحب اور مفتی مزمل حسین دونوں انعامی بانڈز پر ملنے والی رقم کو ''سود'' کے تحت لا کر ''حرمت'' کے قائل ہیں۔ مولوی غلام رسول صاحب نے ان دونوں کے دلائل کا جواب دے کر ایسے دلائل بھی ذکر کیے جن سے انعامی بانڈز پر ملنے والا انعام ''سود'' میں داخل نہیں۔ مودودی صاحب اور مفتی مزمل حسین کے دلائل میں قدرِ مشترک یہ نظر آتی ہے کہ انعامی بانڈز کی صورت میں لی گئی رقم چونکہ حکومت سودی کاروبار میں صرف کرتی ہے اس سودی کاروبار سے حاصل شدہ آمدنی لوگوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ لہٰذا ہر انعامی رقم سودی رقم ہے۔ ادھر مولوی غلام رسول صاحب انعامی بانڈز کی رقم کو قرض کی بجائے ''خرید و فروخت'' کے تحت لاتے ہیں اور شریعت کے احکام کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے۔ اس قاعدہ کے تحت وہ مودودی صاحب اور مفتی صاحب کی یہ دلیل ماننے کو تیار نہیں کہ ہر بانڈز کا خریدار انعام کی نیت سے خریدتا ہے۔ ادھر حکومت نے بھی یہ شرط نہیں لگائی تھی کہ ہر ایک خریدار کو اتنی زیادہ رقم دی جائے گی جب زیادتی بھی بطور شرط نہ ہوئی تو پھر ''سود'' کس طرح ہو گا؟

انعامی بانڈز کے بارے میں مصنّف کی رائے

اہلِ علم آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مودودی صاحب اور مفتی مزمل حسین کا انعامی بانڈز سے ملنے والے انعام کو ''سود'' میں داخل کرنا ظاہر شرعی کے مطابق نہیں اور مولوی غلام رسول صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ تقریباً صحیح اور فقہی جزئیات سے مطابقت رکھتا ہے۔ لیکن انہوں نے ج ۴، ص ۱۱۸ پر جو لکھا ہے انعامی بانڈز کا اول تو عنوان ہی خرید و فروخت ہے، قرض نہیں تاکہ کہا جا سکے کہ ''کل قرض جری نفعا فھو حرام ہر قرض جو نفع کو کھینچے حرام ہے''۔ جیسا کہ مفتی مزمل حسین نے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے یہ اس وقت صحیح ہے جب انعامی بانڈز کو قرض میں شمار کیا جائے اور جب یہ قرض میں شمار نہیں ہوتا بلکہ خرید و فروخت میں شمار ہوتا ہے تو اس حدیث کو انعامی بانڈز سے حاصل شدہ رقم پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔

مولوی غلام رسول صاحب کی عبارت کا جو مفہوم مذکور ہوا یہ ان کی اس تحقیق کے خلاف ہے جو انہوں نے ''بخاری شریف'' کی دو احادیث سے اس رقم کا جائز ہونا ثابت کیا۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں احادیث ''قرض'' کے بارے میں ہیں اور سعیدی صاحب انعامی بانڈز کو ''قرض'' میں شمار ہی نہیں کرتے۔ پھر ان کا یہ کہنا کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ حکومت انعامی بانڈز کے ذریعہ لوگوں سے قرض لیتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے ساتھ بطور انعام زیادہ رقم دیتی ہے تو یہ زیادتی ان احادیث کے پیشِ نظر جائز ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب ان کے نزدیک انعامی بانڈز کا عنوان ہی ''خرید و فروخت'' ہے تو انعامی بانڈز سے ملنے والی انعامی رقم کو ''قرض'' والی احادیث سے جائز قرار دینا درست نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب قرض لیا تھا تو قطعاً اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے قرض کی واپسی پر زیادہ دینے کا بھی وعدہ کیا ہو خواہ وہ اونٹ والی حدیث ہو یا حضرت جابر سے قرضہ لینے والی لیکن انعامی بانڈز کے ساتھ زیادتی کا اخبارات میں، اشتہارات میں اعلان ہوتا ہے اگرچہ انعام کے لیے کسی کا تعین نہیں ہوتا۔ ایک صورت تعین کی بھی بنتی ہے وہ یہ کہ پچاس، سو وغیرہ کی مالیت والے انعامی بانڈز پر انعام برابر نہیں ہوتے۔ الگ الگ ہوتے ہیں۔ گویا ہر مالیت کے انعامی

بانڈز کا انعام مخصوص ہوتا ہے اس لیے انعامی بانڈز کے انعام کو ان احادیث کے تحت لا کر "جواز" کی صورت درست نہیں۔ مذکورہ احادیث میں جو زیادتی دی گئی وہ بطور عطیہ کے تھی انعام کے طور پر نہ تھی۔ مولوی غلام رسول سعیدی صاحب نے مودودی صاحب اور مفتی محمد حسین کے موقف کی تردید میں جو دلائل ذکر کیے ان کی مزید وضاحت اور تقویت کے لیے فقیر چند جزئیات فقہیہ عرض کرتا ہے۔ ملاحظہ ہوں:

(قوله اكتسب حراما) توضيح المسئلة ما في التاتارخانيه حيث قال رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراهم الى البائع اولا ثم اشترى منه بها او اشترى قبل الدفع بها و دفعها او اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها او اشترى مطلقا و دفع تلك الدراهم او اشترى بدراهم اخر و دفع تلك الدراهم قال ابو النصر يطيب له ولا يجب عليه ان يتصدق الا في الوجه الاول .... و قال الكرخي في الوجه الاول والثاني لا يطيب و في الثلاثة الاخيرة يطيب وقال ابوبكر لا يطيب في الكل لكن الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعا للحرج لكثرة الحرام و على هذا مشى المصنف في كتاب الغصب تبعا للدرر و غيرها. (ردالمحتار المعروف شامی ج ۵ ص ۲۳۵ مطلب اذا اكتسب حراما ثم اشترى الخ مطبوعہ مصر)

مسئلہ کی وضاحت تاتارخانیہ میں ہے۔ لکھا ہے کہ ایک شخص نے حرام طریقہ سے مال کمایا پھر اس نے کچھ خریدا تو اس کی پانچ صورتیں بنتی ہیں۔ ۱۔ وہی حرام کمائے ہوئے درہم بیچنے والے کو پہلے دیئے پھر اس سے ان کے عوض کوئی چیز خریدی ۲۔ پہلے چیز خریدی پھر حرام کمائے ہوئے درہم دیئے ۳۔ پہلے چیز خرید لی پھر ان حرام درہموں کے علاوہ کوئی اور درہم بیچنے والے کو دیئے۔ ۴۔ مطلق دراہم سے خریدا اور دیئے وہی حرام درہم ۵۔ یا دوسرے دراہم سے خریدا لیکن ادا یہی حرام درہم کیے۔ ابونصر نے کہا کہ ان میں سے صرف پہلی وجہ پر خریداری میں خریدی ہوئی چیز کا صدقہ کر دینا ضروری ہے بقیہ چار صورتوں میں حلال وطیب ہے۔ امام کرخی نے کہا: کہ پہلی اور دوسری صورت میں حلال وطیب نہیں بقیہ تین میں طیب ہے اور ابوبکر نے کہا کوئی بھی صورت طیب نہیں۔ لیکن ان دنوں فتویٰ امام کرخی کے قول پر ہے تا کہ کثرت حرام کی تنگی سے بچا جا سکے۔ اس فتویٰ کے مطابق مصنف بھی "کتاب الغصب" میں دارو غیرہ کی اتباع میں چلے ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت کی مختصر تشریح یوں ہے کہ ایک آدمی نے حرام ذریعہ سے کچھ رقم کمائی۔ وہ رقم اس کے پاس موجود ہے اور اسے آگے کوئی چیز خریدنے کے لیے "ثمن" یعنی قیمت بناتا ہے تو اس کی پانچ صورتیں بنتی ہیں۔

(۱) جس آدمی سے یہ شخص کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے اسے خریدنے سے پہلے یہی حرام رقم یہ دے دیتا ہے پھر اس سے چیز خریدتا ہے۔

(۲) پہلے چیز خرید لیتا ہے پھر بعینہ یہ رقم بطور قیمت دیتا ہے۔

(۳) پہلے چیز خرید لیتا ہے لیکن رقم ادا کرتے بعینہ وہ حرام روپیہ نہیں بلکہ اس کی جگہ کوئی اور رقم دیتا ہے۔

(٤) خریدتے وقت کوئی رقم مخصوص دینا قرار نہیں پایا بلکہ مطلق رقم خریدی اور قیمت ادا کرتے وقت وہی حرام روپیہ دیا۔

(٥) خریدتے وقت کوئی اور رقم دینا قرار پایا لیکن دیتے وقت یہی حرام رقم دی۔

ان پانچوں صورتوں کو امام ابوبکر نے ناجائز قرار دیا ہے لیکن ان کے علاوہ امام کرخی آخری تین صورتوں اور امام نصر آخری چار صورتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ گویا امام نصر اور امام کرخی کا پہلی صورت میں اتفاق ہے کہ ناجائز ہے۔ دوسری میں اختلاف ہے لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ فتویٰ امام کرخی کے مسلک پر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آخری تین صورتیں جائز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب بہار شریعت جناب صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب نے پانچ کی بجائے چار صورتیں بنائیں۔ ان میں سے ایک کو حرام اور تین کو جائز کہا

ان کی تحریر کردہ صورتیں یوں ہیں۔(۱) حلال کہہ کر حلال عطا کرے(۲) حرام کہہ کر حلال دے(۳) حلال کہہ کر حرام دے۔ یہ تینوں جائز ہیں(٤) حرام کہہ کر حرام دے۔ یہ ناجائز ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حرام کا جب تعین نہ کیا جائے تو اس کی بیع ناجائز نہ ہوگی۔ انعامی بانڈز کی صورت میں جو انعام ملتا ہے وہ اس وقت حرام ہوگا جب حکومت یہ اعلان کرے کہ ہم انعام جیتنے والے کو سودی رقم سے انعام دیں گے۔ پھر بموجب اعلان سودی ہی دیں لیکن حکومت یہ اعلان نہیں کرتی لہٰذا اس انعام کو ''محض سود'' کہہ کر حرام قرار دینا درست نہیں۔ اس لیے اعلیٰحضرت نے حلال وحرام مخلوط مال سے تعمیر شدہ مسجد کو جائز قرار دیا ہے۔ وجہ یہی کہ اس میں حرام کا تعین نہیں۔

سوال: چہ میفر مائند علمائے دین کہ ایک مسجدِ قدیم از مالِ حلال تیار کی گئی تھی اور وقف بھی کیا گیا تھا۔ اس وقت ایک سود خوار کے سود کا مال اور حلال مال دونوں مخلوط ہو گئے۔ دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتی کون حلال اور کون حرام ہے؟ مسجد قدیم کو تعمیر کیا' گھر کو ٹین دیا' اور صحنِ مسجد کو اینٹ سے پختہ کیا' اور مصلیوں کے وضو کے لیے کنواں بنوایا۔ اب عرض یہ ہے کہ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے کہ نہیں؟ بینوا و توجروا.

الجواب: صورت مذکورہ میں اس مسجد میں نماز پڑھنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ اس کا آباد رکھنا فرض ہے اور سود کی آمدنی سے ٹین' فرش اور کنواں بنانے سے مسجد میں کوئی حرج نہیں آتا بلکہ اسی فرش پر نماز جائز اور اسی کنوئیں میں سے پینا اور وضو کرنا حلال ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں: به ناخذ مالم نعرف شيئا حراما لعينه والله تعالٰى اعلم.

قارئین کرام! اعلیٰحضرت کے اس فتویٰ نے واضح کر دیا کہ حرام کا جب تک تعین نہ ہو تو اس سے حرمت نہیں آتی۔ مخلوط آمدنی ہی میں جب حرام متعین نہیں تو مسجد کی ہر چیز جائز ہوگئی تو فقیر کے نزدیک انعامی بانڈز میں ملنے والا انعام ''سود'' کے تحت نہیں آتا کیونکہ کوئی تعین نہیں لہٰذا یہ انعامات ''حرام'' نہیں ہوں گے۔

بیمہ کی صورت اور اس کا حکم

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بیمہ کی کئی صورتیں اس وقت موجود ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر کرنا مشکل ہے۔ بیمہ کے بارے میں اس دور کے دو علماء کا قول نقل کرتا ہوں اور بیمہ کی جو سوالات میں صورتیں ذکر کی گئی ہیں وہ بھی ذکر کی جائیں گی تاکہ حتی الامکان مسئلہ واضح ہو جائے۔ بیمہ کے بارے میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی تحقیق ملاحظہ ہو:

مسئلہ۔ برادرم محمد عبدالعزیز خان نے کلکتہ سے آنجناب سے جان کے بیمہ کی نسبت دریافت کیا تھا۔ آنجناب نے ناجائز کا فتویٰ دیا مذکورہ فتویٰ کو انہوں نے میرے پاس بھیج دیا۔ دیکھنے سے معلوم ہوا سوال ان کا ناقص ہے دوبارہ بغرض تحقیق مسئلہ مذکورہ مفصلاً پیش ہوتا ہے۔ امیدوار جواب وثواب ہوں۔ ایک بیمہ کمپنی میں جس کے مالک ومختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں۔ علاوہ دریا و آگ کے جان کا بیمہ بھی ہوتا ہے۔ صورتیں اس کی متفرق ہیں۔ پہلی صورت میں تمام عمر ایک مقررہ فی بیمہ اتارنے والا کمپنی مذکورہ کو تمام عمر ہر سال دیتا ہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم دی جائے۔ مثلاً تیس (۳۰) سال کی عمر کے شخص نے ہزار روپیہ کی رقم کے لیے اپنا بیمہ اتارا۔ تو سالانہ فیس اس کو ۲۸ روپے دینا پڑے گا اور اس کے مرنے کے بعد کمپنی اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار دے گی۔ مثلاً آج کسی شخص نے بیمہ کمپنی سے معاہدہ کیا اور پہلے سال کی فیس دی اس کے بعد دو ماہ یا دو سال یا چار سال کے بعد مر گیا تو بیمہ کی پوری رقم اس کے وارثوں کو ملے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ معدودنی فقط چند سال تک ہر سال کمپنی مذکور کو دیتا رہا اور اس کے مرنے پر اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم پوری ایک ہزار دی جائے گی۔ یہ پہلی صورت سے اچھی ہے۔ چند سالانی بھرنے کے بعد بھرنا نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک شخص کی عمر تیس (۳۰) سال ہے اور ساٹھ (٦٠) سال کی عمر تک کمپنی کو سالانہ ساڑھے تیس روپیہ فیس دیتا رہا

اور پھر نہ دے تو اس کے وارثوں کو بعد موت بیمہ کی رقم دی جائے گی۔ اگر بیمہ اتارنے والا قبل مدت مر گیا تو بیمہ اس کے وارثوں کو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ دی جائے گی۔ تیسری صورت کوئی شخص جو بیمہ اتارتا ہے وہ آئندہ اپنے بڑھاپے میں مثلاً پچیس (۲۵) سال یا ساٹھ سال (۶۰) یا باسٹھ (۶۲) سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیمہ کی ہوئی رقم خود وصول کرنا چاہتا ہے۔ اس عمر تک بیمہ اتارنے والا زندہ رہا تو مذکورہ رقم اسے ملے گی۔ ہر بڑھاپے عمر کی فیس جدا ہے۔ مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایک ہزار چاہتا ہے تو سالانہ اس کی فیس ساڑھے چونتیس روپے ہے اگر وہ زندہ رہا تو سالانہ اس کو فیس مذکورہ دینا ہوگی۔ اور اس کو ساٹھ سال کی عمر میں بیمہ کی رقم ایک ہزار ملے گی اس درمیان بیمہ اتارنے والا مر گیا تو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو ملے گی۔ چوتھی صورت یہ صورت تیسری صورت سے ملتی جلتی ہے فرق یہ ہے کہ اس صورت میں بیمہ اتارنے والے کو فقط بیس (۲۰) سال تک فیس دینی پڑتی ہے اس کے بعد پھر دینا نہیں پڑتا۔ اس کی فیس تیسری صورت سے ذرا زیادہ ہے۔ مثلاً تیس (۳۰) سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال میں ایک ہزار روپیہ چاہتا ہے۔ اس کو سالانہ بیالیس روپیہ دینا ہوگا۔ بیس (۲۰) سال کے بعد پھر نہ دینا ہوگا۔ جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے گا تو کمپنی اس کو بیمہ کی رقم دے دے گی۔ یعنی مبلغ ایک ہزار روپیہ۔ اس اثنا میں وہ مر گیا تو اس کے وارثوں کو پورا ہزار مل جائے گا۔ کوئی شخص مذکورہ بالا صورتوں کا بیمہ لینے کے بعد چند سال بیمہ کی فیس دیتا رہا اس کے بعد دینا نہ چاہے یا دے نہ سکا تو کمپنی نے روپے جو بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم چار سو (۴۰۰) کی دو سو (۲۰۰) ملے گی۔ اگر واپس نہ چاہا تو مدت مقررہ گزرنے پر جس کو انتخاب کیا ہو بوقت معاہدہ بیمہ کی رقم بالتناسب ملے گی۔ مثلاً چوتھی صورت کا کسی نے بیمہ کیا پانچ سال تک دیتا رہا اس کے بعد نہ دے سکا' یا دینا نہ چاہا تو اس کو پاؤ رقم کی دی گئی رسید ملے گی یعنی ۲۵۰ روپے۔ اس کو یا تو بشرط حیات ساٹھ سال کی عمر میں مذکورہ روپیہ ۲۵۰ ملے گا یا بعد موت اس کے وارثوں کو ملے گا۔ بیمہ کی فیس جدا جدا ہے جتنی عمر کم ہوگی اتنی فیس کم ہوگی بڑی عمر کے لیے زیادہ فیس ہوگی۔ یہ حساب بیمہ اتارنے کے وقت کیا جاتا ہے اور بیمہ اتارنے کے وقت جو عمر رہتی ہے اس کی فیس تمام عمر یا بڑھاپے کی عمر تک بھرنا ہوگی جس کو وہ پسند کرے۔ مذکورہ بالا صورتوں سے روپیہ جمع کرنا اور بیمہ کمپنی سے معاہدہ کرنا اور کمپنی مذکورہ سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟ سائل حنفی المذہب ہے لہٰذا فتویٰ بھی اسی مذہب پر ہوگا۔ والسلام۔

الجواب: یہ بالکل قمار ہے۔ محض باطل کہ کسی عقد شرعی میں داخل نہیں۔ ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہٰذا اجازت نہیں۔ کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۱۱۷ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان)

بیمہ کے متعلق مودودی صاحب کا فتویٰ 'بیمہ کا جواز و عدم جواز

سوال: انشورنس کے سلسلہ میں مجھے تردد لاحق ہے اور صحیح طور پر سمجھ نہیں آسکا کہ بیمہ کرنا اسلامی نقطہ نظر سے جائز ہے یا ناجائز؟ اگر بیمہ کا موجودہ کاروبار ناجائز ہو تو پھر اسے جائز بنانے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں؟ اگر موجودہ حالات میں ہم اسے ترک کر دیں تو اس کے نتیجہ میں معاشرے کے افراد بہت سے فوائد سے محروم ہو جائیں گے۔ دنیا بھر میں یہ کاروبار جاری ہے۔ ہر قوم وسیع پیمانے پر انشورنس کی تنظیم کر چکی ہے اور اس سے مستفید ہو رہی ہے۔ مگر ہمارے ہاں ابھی تک اس بارے میں تامل اور تذبذب پایا جاتا ہے۔ آپ اگر اس معاملہ میں صحیح صورت حال تک رہنمائی کریں تو ممنون ہوں گا۔

الجواب: انشورنس کے بارے میں شرع اسلامی کی رو سے تین اصولی اعتراضات ہیں جن کی بنیاد پر اسے جائز نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اول یہ کہ انشورنس کمپنیاں جو روپیہ پریمیم کی شکل میں وصول کرتی ہیں اس کے بہت بڑے حصے کو سودی کاموں میں لگا کر فائدہ حاصل کرتی ہیں اور اس ناجائز کاروبار میں وہ لوگ آپ سے آپ حصہ دار بن جاتے ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں اپنے آپ کو یا اپنی کسی چیز کو ان کے

پاس انشورنس کراتے ہیں۔

دوم یہ کہ موت یا حوادث یا نقصان کی صورت میں جو رقم دینے کی ذمہ داریاں کمپنیاں اپنے ذمہ لیتی ہیں اس کے اندر قمار کا سود پایا جاتا ہے۔ سوم یہ کہ ایک آدمی کے مرجانے کی صورت میں جو رقم ادا کی جاتی ہے اسلامی شریعت کی رو سے اس کی حیثیت مرنے والے کے ترکہ کی ہے جسے شرعی وارثوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ مگر یہ رقم ترکہ کی حیثیت میں تقسیم نہیں کی جاتی بلکہ ان اشخاص کو یا اس شخص کو مل جاتی ہے جن کے لیے پالیسی ہولڈر نے وصیت کی ہو حالانکہ وارث کے حق میں شرعاً وصیت نہیں کی جاسکتی۔ رہا یہ سوال کہ انشورنس کے کاروبار کو اسلامی اصولوں پر کس طرح چلایا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب اتنا آسان نہیں جتنا یہ سوال آسان ہے اس کے لیے ضرورت ہے کہ ماہرین کی ایک مجلس جو اسلامی اصولوں کو جانتی ہو اور انشورنس کے معاملات کو بھی سمجھتی ہو۔ اس پورے مسئلہ کا جائزہ لے اور انشورنس کے کاروبار میں ایسی اصلاحات تجویز کرے جن سے کاروبار بھی چل سکتا ہو اور شریعت کے اصولوں کی خلاف ورزی بھی نہ ہو۔ جب تک یہ نہیں ہوتا' ہمیں کم از کم یہ تو تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم ایک غلط کام کر رہے ہیں۔ غلطی کا احساس بھی اگر ہم میں باقی نہ رہے تو پھر اصلاح کی کوشش کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔ بے شک موجودہ زمانہ میں انشورنس کی بڑی اہمیت ہے' اور ساری دنیا کا چلن ہے۔ مگر نہ اس دلیل سے کوئی حرام چیز حلال ہوسکتی ہے اور نہ کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے سب حلال ہے یا اسے اس بناء پر حلال ہونا چاہیے کہ دنیا میں اس کا چلن ہوگیا ہے۔ ایک مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم جائز و ناجائز میں فرق کریں اور اپنے معاملات کو جائز طریقوں سے چلانے پر اصرار کریں۔

(رسائل و مسائل' مصنف مودودی صاحب ص ۳۱۲۔۳۱۴ اسلامک پبلیکیشنز' شاہ عالم مارکیٹ لاہور)

بیمہ کے بارے میں مصنف کی رائے

انشورنس یا بیمہ کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی ہر صورت ناجائز و حرام ہے۔ اور مودودی صاحب نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ لیکن ان کی ایک دلیل کہ یہ ''سود'' میں داخل ہوتا ہے' درست نہیں۔ انعامی بانڈز کے تحت ہم ذکر کر چکے ہیں کہ تعیین نہ ہونے کی وجہ سے یہ دلیل حرمت نہیں بن سکتی۔ بہرحال دلیل کمزور ہے لیکن دوسرے دلائل مضبوط ہیں۔ اس لیے بیمہ کی ہر ایک صورت قطعاً جائز نہیں ہوسکتی۔ تمام صورتوں میں قدر مشترک یہ ہوئی ہے کہ انشورنس کمپنی اور انشورنس کرانے والے کے درمیان مخصوص معاہدہ ہوتا ہے کہ اتنی مدت میں اتنی رقم جمع کراؤ گے' اس کی اتنی قسطیں ہوں گی' بیمہ خواہ زندگی کا' کسی عضو کا' مکان یا جائیداد کا خواہ کوئی اور ہو' اس کا نتیجہ دو صورتوں میں سامنے آتا ہے یا تو مقررہ مدت تک جس چیز کا بیمہ کرایا گیا وہ صحیح سالم رہی' یا پھر ضائع ہوگئی۔ پہلی صورت میں جس قدر قسطوں میں رقم جمع کرا چکا وہ اور اس کے ساتھ منافع بھی کمپنی دیتی ہے۔ یہ منافع ''بونس'' کہلاتا ہے۔ اور اگر مقررہ مدت سے پہلے ہی بیمہ شدہ چیز ضائع ہوگئی تو جتنا بیمہ کرایا تھا وہ مکمل مل جائے گا۔ پہلی صورت میں ''بونس'' سود کے تحت آتا ہے اور دوسری صورت ''جوا'' میں شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ بیمہ شدہ چیز کا رہنا یا ضائع دونوں مبہم ہوتے ہیں۔ مال کے حصول یا عدم حصول کی بنیاد اگر کسی مبہم چیز پر ہو' تو عند الفقہاء اسے ''جوا'' کہتے ہیں۔ لہٰذا فقیر کے نزدیک انشورنس کے کاروبار میں دو (۲) مفاسد ہوئے۔ سود تو بہرصورت موجود ہوتا ہے مگر جوا بھی بعض صورتوں میں متحقق ہو جاتا ہے اس لیے انشورنس میں خواہ صرف سود پایا جائے یا اس کے ساتھ جوا بھی آجائے اس کی کوئی صورت جائز نہیں۔ یہی اعلیٰحضرت کی عبارت سے اور یہی مودودی صاحب کے کلام سے ثابت ہوتا ہے۔

پگڑی کا حکم

''پگڑی'' کی صورت بھی اس دور میں عام ہوگئی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مالک مکان یا دکان جب اپنا مکان یا دکان کرایہ

پر دینا چاہتا ہے تو خواہش مند سے ایک اچھی خاصی رقم پہلے وصول کر لیتا ہے۔ پھر کرایہ پر دے کر مقررہ کرایہ بھی وصول کرتا ہے۔ عام کرایہ دار اور پگڑی دے کر کرایہ پر لینے میں کچھ فرق ہے۔ وہ یہ کہ عام کرایہ دار کو مالک جب چاہے نکال سکتا ہے لیکن پگڑی لیے گئے کو وہ نکال نہیں سکتا۔ اس کے باوجود پگڑی دینے والا مالک بھی نہیں ہوتا' اس کی حالت درمیان درمیان ہوتی ہے۔ اس کے کچھ حقوق ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ جب وہ کسی دوسرے کو کرایہ پر دینے کا پروگرام بناتا ہے تو وہ بھی نئے کرایہ دار سے اپنی دی گئی پگڑی سے کچھ زیادہ رقم وصول کر لیتا ہے۔ لیکن وہ مکان یا دکان کو فروخت نہیں کر سکتا اور اصلی مالک اسے نکال بھی نہیں سکتا۔ اس صورت میں لی گئی پگڑی کی رقم کا شرعی کیا حکم ہے؟ اس بارے میں دو علماء کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

مولوی خالد سیف اللہ رحمانی کا پگڑی کے بارے میں فتویٰ

آج کل کرایہ میں پگڑی کا رواج بھی ہو گیا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مالک مکان جس شخص کو کرایہ پر دیتا ہے وہ کرایہ دار سے ایک خطیر رقم ابتداء میں پگڑی کے نام پر لیتا ہے اور ماہ بماہ کرایہ اس کے علاوہ ہے۔ پھر جب کرایہ دار کی تبدیلی ہوتی ہے تو یہ پہلا کرایہ دار نئے کرایہ دار سے پگڑی کی رقم لے کر مکان اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ صورت درست نہیں ہے۔ نہ مالک مکان کا پگڑی لینا اس لیے کہ یہ عقد معاوضہ میں ایک ایسی رقم کا وصول کرنا ہے جس کو وہ کوئی عوض ادا نہیں کر رہا ہے اور یہ سود اور رشوت میں داخل ہے۔ اور نہ پہلے کرایہ دار کا دوسرے کرایہ دار سے لینا کہ اس نئے شخص سے اس کا تو کوئی معاملہ ہی نہیں ہے۔ اصل معاملہ مالک اور نئے کرایہ دار میں ہے اس شخص سے یہ رقم وصول کر کے اصل مجرم کی بجائے ایک بے قصور شخص کو سزا دیتا ہے۔ اس سے درحقیقت اس رقم کا خود مالک مکان ہی سے مطالبہ کرنا چاہیے۔ (جدید فقہی مسائل حصہ اول ص ۲۹۳ مطبوعہ حرا پبلیکیشنز اردو بازار لاہور)

قارئین کرام! مذکورہ عبارت کا مفہوم ذرا مبہم ہے اس کی وضاحت یوں ہے کہ جب مالک مکان کرایہ دار سے پگڑی کے نام پر بہت زیادہ رقم وصول کرتا ہے۔ کسی دوکان یا مکان کو کرایہ پر دینا "عقدِ معاوضہ" کہلاتا ہے۔ لیکن پگڑی میں لی گئی رقم کا کوئی حسی معاوضہ نہیں' بلکہ اصل معاوضہ تو کرایہ ہے جو ہر مہینہ مالک وصول کرتا ہے۔ لہٰذا حسی معاوضہ نہ ہونے کی صورت میں یہ رقم "سود" کی قسم بنے گی جو جائز نہیں۔ پھر اس کے بعد جب کرایہ دار نے نئے کرایہ دار سے پگڑی لی تو یہ بھی ناجائز کیوں کہ پہلے کرایہ دار نے پگڑی کی رقم اس نئے کرایہ دار کو نہیں دی تھی اسے تو مفت کی رقم دینی پڑ رہی ہے۔ اگر رقم دی تھی تو مالک مکان یا دکان کو دی تھی اس سے وصول کرنے کا حق بنتا تھا اس کی بجائے نئے کرایہ دار سے رقم وصول کرنا زیادتی ہے لہٰذا یہ بھی ناجائز ہے۔ مصنف

غلام رسول سعیدی صاحب کا اس بارے میں موقف

پگڑی کی بیع کا حکم: ہمارے ہاں یہ بھی رواج ہے کہ کرایہ کے مکان اور دوکانیں پگڑی پر اٹھائے جاتے ہیں۔ ایک کرایہ دار جب دکان یا مکان دوسرے کرایہ دار کو منتقل کرتا ہے تو مکان یا دوکان پر قبضہ دینے کے عوض پگڑی طلب کرتا ہے اور پگڑی کی رقم موقع ومحل کی قیمت کے اعتبار سے ایک ہزار سے کئی لاکھ تک دی اور لی جاتی ہے۔ اور قبضہ دینا کوئی حسی یا عینی چیز یا مال نہیں ہے اس لیے یہ بیع باطل ہے۔ بعض حیلہ جو فقہاء نے پگڑی کو جائز کرنے کا نکالا ہے کہ خالی دکان یا مکان میں کچھ ساز و سامان مثلاً پنکھا' الماری' میز' کرسی وغیرہ رکھ دی جائے اور ان کی قیمت حسب منشاء لگا لی جائے۔ یعنی جس قدر پگڑی لینی ہو اتنی ہی قیمت کسی پنکھے یا الماری کی لگا کر وہ قیمت وصول کر لی جائے۔ اس طرح فقہی طور پر یہ عقد جائز ہو جائے گا اور ظاہر شرع کے لحاظ سے اس پر کوئی وارد گیر نہیں ہو گی۔ لیکن یہ معاملہ تو اس کے ہاں پیش ہوتا ہے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے دونوں کے حالات و نیات کو خوب جانتا ہے اس لیے حیلے اور بہانوں سے حرام کو حلال نہیں کرنا چاہیے۔ (شرح مسلم ج ۴ ص ۱۶۸ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور)

مولانا نوراللہ بصیرپوری کا فتویٰ

☆ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید نے چند دکانیں کرایہ پر دینے کے لیے تعمیر کرائیں۔ اب کرایہ ماہوار کے علاوہ کرایہ داروں سے ایک ایک لاکھ روپے بطور پگڑی وصول کرتا ہے اور کرایہ نامہ یا زبانی ان سے طے کرتا ہے کہ جب وہ دکان چھوڑیں گے اور دوسرا کرایہ دار جو وہاں آئے گا' لاکھ سے جتنا زائد بطور پگڑی دے گا' اس زائد رقم کا پچیس فیصد مالک دکان یعنی زید لے گا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں ارشاد فرمائیں کہ یہ پگڑی والی رقم اور زائد رقم پگڑی کا پچیس فیصد شرعاً جائز ہے یا حرام؟ (رشید احمد مودی تاج مینشین لاہور)

☆ اللھم اجعل لی النور والصواب۔ اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی جب تک دلائل شرعیہ سے کسی شے کی حرمت و ممانعت ثابت نہ ہو حلال و جائز الاستعمال رہتی ہے۔ استعمال کرنے والے پر کوئی گرفت نہیں ہوتی کیونکہ ایسی چیز ہے ہی معاف۔ قرآن مجید میں صاف صاف فرمایا ہے "عفا اللہ عنھا" (سورۂ مائدہ پارہ نمبر ۷ رکوع ۴ آیت ۱) اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے۔ یہ مضمون اور آیات واحادیث سے ثابت ہے دیکھو (فتاوٰی نوریہ ج اول ص ۴۵۲) اور جب یہ عرف خاص ہے۔ یعنی کرایہ پر دکانیں اٹھتی ہیں اور لوگوں کو معلوم ہے تو اس لیے بھی جائز ہے کہ اہلِ اسلام کا عرف یعنی رواج معتبر ہے۔ دیکھو فتاوٰی نوریہ میں اس کی تفصیل۔ بہر حال یہ عامیانہ خیال ہے کہ ایسے معاملات میں لوگ اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمان پر اتنا بوجھ ہے حالانکہ کرایہ داروں کو بھی کافی منافع ہوتا ہے تب ہی وہ خرچ کر دیتے ہیں۔ محرر مذہب حنفیہ امام محمد شاگرد امام اعظم علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں: **قال محمد و به ناخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه و هو قول ابى حنيفة و اصحابه كذا فى الظاهريه . والله تعالى اعلم و صلى الله تعالى عليه وسلم.** (حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ ۷ جمادی الآخر ۱۴۰۲ھ)

پگڑی کے بارے میں مصنف کی رائے

سیف اللہ رحمانی کا پگڑی کے بارے میں جواب اگر چہ "فقہ" کے کافی حد تک قریب ہے لیکن اس کے ناجائز ہونے پر کوئی ایسی دلیل پیش نہ کر سکا جو تسلی بخش ہوتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ دکان یا مکان کو کرایہ پر دینا "عقدِ معاوضہ" کی قسم ہے اور پگڑی کے طور پر لی گئی رقم اس میں نہیں آتی۔ لیکن پگڑی لینے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں دونوں کا "عقدِ معاوضہ" میں شامل ہونے یا نہ ہونے میں فرق ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مکان یا دکان کا مالک پگڑی کی صورت میں رقم اس لیے لیتا ہے تا کہ کرایہ دار تنگ نہ کرے اور رقم لینے کے ساتھ یہ بھی طے کر لیتا ہے کہ جب تم دکان یا مکان کو چھوڑو گے تو تم سے پگڑی کے طور پر لی گئی رقم میں واپس کر دوں گا۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ بعض کرایہ دار اپنے ذمہ واجب الادا رقم نہیں دیتے یا مکان ودکان میں توڑ پھوڑ کا خرچہ ادا کرنے میں لیت ولعل کرتے ہیں' یا گورنمنٹ کے ٹیکس وغیرہ ادا نہیں کرتے جو بعد میں مالک کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس صورت میں لی گئی رقم "عقدِ معاوضہ" کی بجائے قرض میں داخل ہو گئی اور اس کے جواز میں کوئی اعتراض نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مالک مکان پگڑی کی صورت میں لی گئی رقم کرایہ دار کو واپس کرنے کا عہد نہیں کرتا اور نہ ہی واپس کرتا ہے بلکہ کرایہ دار نئے کرایہ دار سے اسی نام سے رقم وصول کرتا ہے۔ اس صورت میں یہ رقم "عقدِ معاوضہ" کے تحت نہ آنے کی وجہ سے لینا ناجائز ہوگی۔

اب ذرا مولوی غلام رسول سعیدی کے جواب کی طرف آیئے۔ انہوں نے اس رقم کو "قبضہ" کا عوض قرار دیا۔ ٹھیک ہے کہ پہلا کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کو قبضہ دینے کی بصورت پگڑی قیمت وصول کرتا ہوگا لیکن خود پہلے کرایہ دار نے مالک کو پگڑی کس لیے دی؟ اس کی طرف سعیدی صاحب نہیں آئے۔ دراصل مالک نے پگڑی کی صورت میں جو رقم پہلے کرایہ دار سے لی کرایہ دار کو وہ مفت میں دینا پڑی تھی اس نے اپنی رقم نکالنے کے لیے دوسرے کرایہ دار کو کہا کہ میں نے پگڑی بھری ہے' تم بھی اتنی پگڑی دو۔ وہ تو مالک کو دی

گئی رقم وصول کرتا ہے نہ کہ قبضہ دینے کی قیمت وصول کرتا ہے۔ ہاں بعض جگہ "قبضہ" دینے کی بھی رقم لی جاتی ہیں لیکن اسے پگڑی نہیں کہتے۔ چلو سعیدی صاحب کا کہنا کہ یہ "قبضہ" کا معاوضہ ہے لہٰذا یہ جائز ہے۔ اسے یہیں رہنے دیں لیکن اس کے بعد "بعض فقہاء" کی طرف سے بطور حیلہ اس صورت کو جائز قرار دینا جس انداز سے انہوں نے بیان کیا۔ وہ ان کے "متجدد" ہونے کی مجبوری ہے۔ اختلاف رائے ہوتا ہے لیکن فرق مراتب بھی کوئی چیز ہے؟ یہ جملہ اس لیے حیلوں اور بہانوں سے حرام کو حلال نہیں کرنا چاہیے کیا فقہاء کرام نے بعض مقامات پر جو حیلے ذکر کیے ہیں وہ اپنی ذات کی منفعت کے لیے ہیں یا عوام کی سہولت کے لیے؟ اگر کوئی فقیہہ محض اپنے مفاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں حیلہ بہانہ کرتا ہے تو قابل گرفت ہے۔ لیکن جس میں عوام مسلمانوں کی منفعت ہو اسے تو یہی کہا جائے گا کہ فلاں فقیہہ یا مفتی نے عوام کو گنہگار ہونے سے بچانے کا طریقہ بتایا ہے۔ کیا سعیدی صاحب کو "زکوٰۃ" کے بارے میں علم نہیں کہ اس میں جسے دی جائے اس کی تملیک ضروری ہے اور مدارس اسلامیہ ایک عمارت کے سوا کچھ نہیں اس کے باوجود تمام مدارس عربیہ "زکوٰۃ" لیتے اور خرچ کرتے ہیں۔ اس کے استعمال کو جائز کرنے کے لیے "حیلہ" سے بھی سعیدی صاحب واقف ہیں۔ اسی طرح تین طلاقوں سے مطلقہ عورت پہلے خاوند کے پاس "حلالہ" کے بغیر نہیں آ سکتی۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ جب "حلالہ" کے لیے کوئی عورت کسی مرد سے شادی کرتی ہے تو وہاں کوئی تحریری یا زبانی معاہدہ نہیں ہوتا کہ اس عورت کے ساتھ جماع کر کے تم طلاق دے دینا۔ کیونکہ اس شرط کے تحت یہ "متعہ" بن جائے گا لیکن اس کے باوجود عورت بھی جانتی ہے کہ میں مختصر مدت کے لیے آئی ہوں مرد بھی سمجھتا ہے کہ میں نے صرف اپنے مسلمان بھائی کے لیے اس سے دوبارہ شادی کے جواز کو بروئے کار لانا ہے۔ چند دن رکھنے کے بعد اگر دوسرا خاوند طلاق دے دیتا ہے تو بقول سعیدی صاحب "حیلہ سے کوئی حرام حلال نہیں ہوتا" اس عورت کا پہلے خاوند سے نکاح (جو حرام ہو چکا تھا) وہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کہیں ہو سکتا ہے۔ تو پھر "حیلہ" سے حرام کام حلال ہو گیا۔ اور یہ بھی بات سامنے رہنی چاہیے کہ شرعی احکام کا تعلق "ظاہر" کے ساتھ ہوتا ہے اسی ظاہر کو دیکھ کر فقہی احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جب خود تسلیم کر رہے ہیں کہ اس حیلہ سے از روئے فقہ پگڑی جائز ہو جائے گی پھر فقہاء کرام کی نیتوں پر حملہ زیب نہیں دیتا۔ بہر حال شرح مسلم میں کئی جگہ وہ اعتدال سے ہٹ کر گفتگو کر جاتے ہیں جو مناسب نہیں۔ پگڑی کے بارے میں آخری بات فقیر کی رائے میں یہ ہے کہ اسے ختم کیا جانا ضروری ہے کیونکہ اس کا جواز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

مولانا نور اللہ مرحوم بصیر پوری کے مؤقف پر بحث

مولانا مرحوم نے پگڑی کے جواز پر تین دلائل کا سہارا لیا ہے:

(۱) "اشیاء میں اصل اباحت ہے" لہٰذا دلیل شرعی سے جب تک کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو وہ حلال و جائز ہے۔

(۲) پگڑی لینا دینا "عرف" بن چکا ہے اور اہل اسلام کا عرف از روئے شرع معتبر ہوتا ہے۔

(۳) امام محمد فرماتے ہیں: ہم جب تک کسی چیز کی حرمت معین طور پر نہ جانیں اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم نے پگڑی کے معاملہ کو گہری نظر سے نہ دیکھا۔ ورنہ وہ ان دلائل کے ذریعہ اس کے جواز کا قول نہ کرتے۔ دلیل اول میں اباحت اصلیہ کے ختم کرنے کے لیے "ثبوت حرمت" کی ضرورت ہوتی ہے اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ "ثبوت حرمت" یا کسی شرعی حکم کے اثبات کے لیے ضروری نہیں کہ حرمت "عبارۃ النص" سے ہی ثابت کی جائے یا ثابت ہوتی ہے بلکہ اس کے لیے اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص بھی معتبر دلائل ہیں۔ فقہاء اسلام نے بہت سے احکام حرمت لگائے ہیں جن کے لیے انہی طریقوں کو استعمال میں لایا گیا۔ قرآن و حدیث کی نصوص سے اصول و قواعد کو مدنظر رکھ کر ایسے اخذ کیے گئے احکام بے شمار ہیں۔ مثلاً ایک قانون یہ اخذ کیا ہے کہ "مطلقاً معاوضہ میں بغیر معاوضہ بیع ناجائز ہے" اس کلیہ سے بے شمار

جزئیات کے احکام معلوم ہو جاتے ہیں۔ پگڑی کا جزئیہ بھی اسی کلیہ کے تحت آتا ہے کیونکہ ہزاروں لاکھوں روپے پگڑی کے نام پر کرایہ دار سے وصول کیے جاتے ہیں جن کے عوض میں کچھ بھی نہیں دیا جاتا تو اس کا جواز کہاں سے آئے گا؟ مولانا مرحوم نے اپنے مؤقف کو درست قرار دینے کے لیے جس آیت کو پیش کیا وہ ساتویں پارے کی آیت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے'اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرتے جب قرآن کریم اتارا جا رہا تھا تو تمہیں بتا دی جاتیں اللہ تعالیٰ نے ان سے معاف کر دیا اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس آیت کا شانِ نزول تقریباً تمام مفسرین نے حضرت ''اقرع بن حابس'' کا وہ سوال نقل کیا ہے جس میں انہوں نے ہر سال حج ہونے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ سر دست روح المعانی کی عبارت پیش خدمت ہے۔

ففی صحیح مسلم عن ابی هریرہ رضی الله عنه قال خطبنا رسول الله ﷺ فقال ایها الناس قد فرض الله تعالی علیکم الحج فحجوا فقال رجل وهو کما قال ابن الهمام الا قرع بن حابس و صرح به احمد والدار قطنی والحاکم فی حدیث صحیح رووه علی شرط الشیخین اکل عام یا رسول الله ﷺ فسکت علیه الصلوة والسلام حتی قالها ثلاثا فقال علیه السلام لوقلت نعم او جبت و لما استطعتم ثم قال علیه السلام ذرونی ما ترکتم فانما هلک من کان قبلکم بکثرة سؤالهم واختلافهم علی انبیاء هم فاذا امرتکم بشیء فاتوا منه ما استطعتم و اذا نهتکم عن شیٔ فادعوه و ذکر کمال قال ابن حبان ان الایة نزلت لذالک۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۳۹ آیت لاتسئلوا عن اشیاء مطبوعہ بیروت)

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا' آپ نے خطاب کی ابتدا یوں فرمائی۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے تو حج کرو ایک شخص نے عرض کیا ابن ہمام کہتے ہیں کہ یہ شخص ''اقرع بن حابس'' تھے۔ امام احمد نے اسی کی تصریح فرمائی۔ دار قطنی نے بھی اور حاکم نے بخاری و مسلم کی شرط پر اسے ذکر کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ حضور ﷺ یہ سن کر خاموش رہے حتیٰ کہ انہوں نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ پھر تم اس کی ہمت نہ پاتے اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: جب میں تمہیں چھوڑ دوں تم مجھے چھوڑ دیا کرو بے شک تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے پیغمبروں سے بکثرت سوال کرتے اور بکثرت اختلاف کرتے تھے۔ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اپنی ہمت کے مطابق اسے بجا لاؤ' اور جب کسی چیز سے روک دوں تو اسے چھوڑ دیا کرو مذکور ہے جیسا کہ ابن حبان نے کہا: کہ یہ آیت اسی بات پر نازل ہوئی تھی۔

آیت کریمہ کا شانِ نزول آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ پگڑی کے مسئلہ سے اس کا کیا تعلق؟ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے ہر سال حج فرض ہونے کے بارے میں پوچھا' اس کے جواب میں جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا: مذکورہ آیت اس پر نازل ہوئی۔ قرآن کریم خود دعویٰ کرتا ہے کہ۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ تکمیل دین کا تقاضا یہ ہے کہ قیامت تک کے ہر مسئلہ کا حل اس میں موجود ہو۔ اس تقاضے کے پیش نظر فقہاءِ اسلام نے ایسے قواعد وضوابط کا استنباط کیا جن کی مدد سے ہم ہر نئے مسئلہ کا حل تلاش کرتے آئے ہیں۔ بہت سے ایسے مسائل موجود ہیں جن کی تصریح قرآن وحدیث میں موجود نہیں اور اسی ضمن میں بہت سی اشیاء پر حرمت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ ایسا کسی دور میں نہیں ہوا کہ جس کی حرمت صراحۃً قرآن وحدیث میں موجود نہ ہو وہ ہر دور میں حلال وطیب ہی قرار دیا گیا ہو۔ بیمہ کو دیکھ لیجئے' ایک نیا مسئلہ ہے' عام رواج بھی ہے' قرآن وحدیث میں صراحۃً ممانعت نہ ہونے کے باوجود اسے تمام

متقیان کرام حرام کہتے ہیں۔ اگر "اصل اشیاء میں اباحت" کا قانون ہر جگہ لاگو ہو جائے تو "بیمہ" بھی جائز ہونا چاہیے حالانکہ وہ بالاتفاق جوا اور سود ہونے کی بناء پر حرام ہے۔

رہا یہ کہ اہل اسلام جس چیز کو رواج دے دیں وہ بھی جائز ہوتی ہے "رواج" کن کا معتبر ہے؟ کیا عوام جہلاء کا یا فقہاء کرام کا؟ اگر یہ فقہاء کرام کا رواج ہے تو اس کی تائید میں کوئی عبارت پیش کی جانی چاہیے تھی اور اگر جاہلوں کا عرف و رواج مراد ہے تو بہت سی باتیں جو جاہلوں میں مروج ہیں وہ ناجائز کیوں؟ مثلاً زمین کی خریداری کے لیے بیعنامہ (جسے بیانہ کہتے ہیں) کے طور پر رقم کا لین دین مروج ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اختتام پر جو مدت ذکر کی جائے گی اگر اس مدت تک خریدار نے زمین خرید لی تو ٹھیک ورنہ بیع نامہ کی رقم ضبط ہو جائے گی۔ یہ رقم واپس نہ کرنا شرعاً باطل و حرام ہے اسے عام مسلمان کرتے ہیں تو کیا اسے بھی عام مسلمانوں کا رواج قرار دے کر "جائز" قرار دیں گے؟

تیسری دلیل امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا قول پیش کیا تھا۔ ہم اس قول کے متعلق تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ امام صاحب کا یہ مسئلہ صحیح ہے۔ احناف اسی کے پابند بھی ہیں لیکن اس اصول سے پگڑی کی حلت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ اس صورت میں قانون چلے گا جب کسی چیز کی حلت و حرمت میں اختلاط ہو جائے۔ اس کی مثال پچھلے مسئلہ میں اعلیٰحضرت کی عبارت میں موجود ہے کہ مسجد کی تعمیر میں حلال و حرام دونوں قسم کی رقم استعمال کی گئی لیکن حرام متعین نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کی تعمیر اور اس میں نماز جائز ہے۔ پگڑی کی صورت میں لی گئی رقم تو صراحتہً عقدِ معاوضہ میں بلا بدل ہونے کی وجہ سے باطل اور ناجائز ہے پھر وہ متعین بھی ہے۔ اس کے تعین کا انکار صرف مولانا مرحوم کی رائے ہے جو انہوں نے لکھ دی۔ بہر صورت فقیر کی رائے یہ ہے کہ پگڑی خواہ مالک لے یا پہلا دوکاندار دوسرے سے لے اس کی رقم لینا ممنوع اور ناجائز ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

پراویڈنٹ فنڈ

"پراویڈنٹ فنڈ" وہ رقم ہے جسے حکومت سرکاری ملازمین کی تنخواہ میں سے ایک خاص تناسب سے زبردستی اپنے پاس رکھ لیتی ہے۔ یہی رقم جمع ہوتی رہتی ہے اور جب ملازم مدتِ ملازمت پوری کر لیتا ہے تو ریٹائرمنٹ پر اسے اس کی تنخواہ میں سے ہر ماہ کاٹی گئی رقم اور اس کے برابر اور رقم جمع کر کے یعنی دوگنی رقم اسے دی جاتی ہے۔ اور اگر مدت ملازمت مکمل ہونے سے پہلے ملازم کا دورانِ ملازمت انتقال ہو جائے تو اس کے مقرر کردہ وارث کو حکومت دے دیتی ہے۔ اس رقم کے بارے میں چند سوالات کیے جاتے ہیں۔ (۱) کیا یہ رقم سود تو نہیں ہے؟ (۲) اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ (۳) انتقال کے بعد یہ رقم ورثاء میں تقسیم ہوگی یا جسے چاہے مرنے والا دے دے۔ ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے سیف اللہ رحمانی لکھتا ہے:

سوال یہ ہے کہ کیا اس فاضل رقم کا شمار سود میں ہوگا؟ تو علماء کا خیال ہے کہ یہ سود نہیں ہے بلکہ حکومت کی طرف سے ایک طرح کا انعام ہے اس لیے اس کا لینا جائز ہوگا۔ اسی طرح خود اپنی رقم میں سے لینے والے قرض پر جو منافع لیا جاتا ہے گو کہ اس کو نام دے دیا جاتا ہے مگر وہ بھی سود نہ ہوگا۔ اس لیے کہ وہ رقم پھر دینے والے ہی کی طرف ہی لوٹ جاتی ہے اور سود وہ ہے جو قرض لینے والا خود دے۔ اب اصل رقم جو خود اس ملازم کی ہے اس لیے اگر اس کا انتقال ہو گیا تو تمام ورثاء میں اس کی تقسیم عمل میں آئے گی۔ حکومت کی طرف سے ہونے والا اضافہ اس کی طرف سے اعانت ہے لہٰذا وہ ورثاء میں جس کے نام جاری کرے تنہا وہی اس کا حق دار ہوگا۔ واللہ اعلم

(جدید فقہی مسائل: حصہ اول ص ۲۹۳ مصنف سیف اللہ رحمانی حرام پبلیکیشنز اردو بازار لاہور)

پراویڈنٹ فنڈ سے مراد وہ رقم ہے جو حکومت اپنے ملازمین کی تنخواہ میں سے تھوڑی سی بہ جبر کاٹ لیتی ہے اور ملازم کی سبکدوشی یا موت کی صورت میں اس قدر [illegible] اضافے [illegible] رقم کا مالک تو خود ملازم ہوتا ہے لیکن وہ اس

میں درمیانِ ملازمت حسب خواہش تصرف کا مجاز نہیں ہوتا گویا قبضہ اس کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ رقم اس کی حکومت کے ذمہ ''دین'' ہوتی ہے۔ اوپر دین کی جن صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ یہ رقم ان میں سے پہلی صورت یعنی ''دین قوی'' کے زمرہ میں نہیں آ سکتی اس لیے کہ یہ کسی مال تجارت کا معاوضہ نہیں ہے۔ دوسری صورت میں بھی اس کو داخل نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ دین وسط مال کا بدلہ ہوتا ہے اور یہ تو محض خدمت کا عوض ہے نیز اس کو مال ضمار بھی نہیں کہا جا سکتا۔ جس کا چوتھی صورت میں ذکر ہوا اس لیے کہ وہ تو ایسے مال کو کہتے ہیں جس کے حصول کی توقع ہی اٹھ گئی۔ مثلاً کہیں مال دفن کر دیا اور جگہ یاد نہ رہی وغیرہ۔ اس طرح پراویڈنٹ فنڈ کو تیسری صورت یعنی دین ضعیف میں شمار کرنا ہوگا اور رقم حاصل ہونے کے بعد اس پر ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی مگر یہ سب امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ ان کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد کو اس رائے سے اختلاف ہے وہ دین قوی' ضعیف اور وسط کی تقسیم کے قائل نہیں ہیں اور قبضہ سے پہلے ہی سبھوں پر زکوٰۃ واجب قرار دیتے ہیں۔ اس رائے کے مطابق پراویڈنٹ فنڈ کی رقم وصول ہونے کے بعد پوری مدت ملازمت کی زکوٰۃ واجب ہوگی گو کہ فتویٰ اس پر نہیں ہے مگر احتیاط اسی پر عمل کرنے میں ہے۔ (جدید فقہی مسائل جلد اول ص ۱۱۵-۱۱۶' مطبوعہ حرا پبلیکیشنز اردو بازار' لاہور)

مصنف کی رائے

جہاں تک اس رقم کا سود میں شامل نہ ہونا ہے یہ تو بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ رقم ملازم سے زبردستی کاٹی جاتی ہے اور مدت ملازمت مکمل ہونے پر اس کے ساتھ اتنی ہی اور رقم جمع کر کے دوگنی رقم دی جاتی ہے۔ جو زائد رقم ملتی ہے وہ حکومت کی طرف سے ''انعام'' کے زمرہ میں آئے گی لیکن اس سلسلہ میں جو سیف اللہ رحمانی نے یہ لکھا ہے کہ ملازم کے انتقال کی صورت میں جو اس کی تنخواہ سے کاٹی گئی اصل رقم ہوگی وہ اس کے تمام ورثاء میں تقسیم ہوگی۔ لیکن جو زائد رقم بطور انعام حکومت نے دی وہ اس کا حق ہے جسے چاہے ورثاء میں سے دے دے وہ صرف اسی وارث کو ملے گی دوسرے اس میں شریک نہ ہوں گے۔ رحمانی کی یہ بات درست نہیں قانون یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کے مال کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اس کے مال سے اس کا کفن دفن کیا جائے۔ دوم یہ کہ اس سے بچ جانے کی صورت میں اس کا قرض ادا کیا جائے۔ سوم اس سے بچ جائے تو بقیہ کے تیسرے حصہ میں اس کی وصیت نافذ کی جائے پھر وصیت کے بعد دو حصے جو بچے وہ ورثاء میں تقسیم کیے جائیں۔ جیسا کہ علمِ میراث کی کتب میں ان حقوق کی تصریح و تفسیر موجود ہے۔ اب یہ کہنا کہ تمام مال ورثاء میں تقسیم ہوگا لیکن حکومت کی طرف سے ملنے والا انعام خود اس کی صوابدید پر ہے ورثاء میں سے جس کو چاہے اسے ہی ملے گا یہ قانون میراث کے خلاف ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے اور مرض الموت میں مبتلا نہیں تو وہ اپنے مال کا مکمل مختار ہے۔ جسے چاہے جتنا چاہے دے کسی کو روکنے کا اختیار نہیں خواہ وہ ذوی الفروض ہوں یا عصبات یا کوئی اور ہو۔ اور جب مرض الموت میں مبتلا ہو' تو پھر اس کا اختیار نہیں رہتا لہٰذا مرض الموت میں مرنے والے نے اگر کسی ذوی الفروض وغیرہ کو وصیت کی تو قطعاً نافذ نہ ہوگی۔ دوسرا قانون یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''لا وصیۃ للوارث وارث کے لیے وصیت نہیں''۔ ان قوانین کے تحت مرنے والے کو اختیار نہیں رہتا کہ وہ اپنی کسی رقم کو کسی وارث کے لیے وصیت کرے مرنے سے پہلے جو مال جس طریقہ سے بھی مرنے والے کی ملک میں آیا وہ اس کا مالک ہے اور مرض الموت سے پہلے اس میں جو چاہے اختیار استعمال کرے لیکن مرض الموت میں وہ کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا صرف تیسرے حصہ میں وصیت کر سکتا ہے اور وہ بھی ورثاء کے علاوہ کسی اور کے لیے۔

رہا اس رقم پر زکوٰۃ کا مسئلہ تو وہ بھی یہی ہے کہ جب اس رقم کو ملے ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ لازم ہوگی لیکن اس کے لیے کچھ شرائط و قیود ہیں مثلاً یہ کہ عاقل بالغ ہو' اس قدر مقروض نہ ہو کہ ساری رقم قرض میں اٹھ جائے یا کچھ بچ جائے لیکن نصاب سے کم

بچے۔ مطلب یہ کہ رقم ملنے پر اور سال گزرنے پر وہ شخص عاقل بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ قرضہ سے بھی فارغ ہو چکا ہو اور صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ مختصر یہ کہ پراویڈنٹ فنڈ سے ملنے والی رقم کا لینا جائز ہے کیونکہ سود کے زمرہ میں نہیں آتی اور یہ رقم لینے والا اپنی تندرستی کے دور میں جیسے چاہے خرچ کرے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن مرض الموت میں صرف ثلث مال میں وصیت کر سکتا ہے اور وہ بھی کسی وارث کو نہیں۔ اور رقم ملنے کے بعد سال گزر گیا اور رقم وصول کرنے والا بدستور عاقل ہے اور ہر قسم کے قرض سے اس کا مال خالی ہے اور نصاب بھی موجود ہے تو سال گزرنے کے بعد جس قدر نصاب ہے اس کی زکوٰۃ واجب ہے اور اگر انتقال کر گیا اور کوئی وصیت نہیں کی تو اس کل رقم سے اس کی تجہیز و تکفین پھر قرض ادا کرنے کے بعد ہر وارث کو بقدر حصہ وراثت دی جائے گی۔ واللہ اعلم

دستاویز کی بیع کا حکم

دستاویز کی بیع میں احناف کا موقف یہ ہے کہ یہ جائز نہیں اور فقہائے شافعیہ و دیگر فقہاء کرام اس کے جواز کے قائل ہیں احناف اپنے مؤقف پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

حدثنا اسحاق بن ابراهيم قال اخبرنا عبدالله بن الحارث المخزومي قال اخبرنا الضحاك بن عثمان عن بكير بن عبدالله بن اشبع عن سليمان بن يسار عن ابي هريرة رضي الله عنه انه قال لمروان احللت بيع الربوا فقال مروان ما فعلت فقال ابوهريرة رضي الله عنه احللت الصكاك و قد نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يستو في فخطب مروان الناس فنهى عن بيعها قال سليمان فنظرت الى حرس يأخذونها من ايدى الناس.

(مسلم شریف ج ۲ ص ۵ باب بطلان بیع المبیع قبل القبض' مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو کہا' تو نے سود کو حلال کر دیا ہے؟ مروان بولا میں نے نہیں کیا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو نے کیا لوگوں کو ہنڈی (Bill of Exchange) کی بیع کو جائز نہیں کیا؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے طعام کی بیع قبضہ سے پہلے کرنے کو منع فرمایا ہے اس پر مروان نے لوگوں کو خطاب کیا اور اس لین دین سے انہیں منع کر دیا۔ سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سپاہی لوگوں کے ہاتھوں میں سے ہنڈیا کی دستاویز چھین رہے تھے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس دستاویز ممنوعہ کی تعریف یوں کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس دستاویز کی بیع سے منع کیا' اس کی صورت یہ کہ زید نامی شخص عمر نامی شخص سے کچھ مال لیتا ہے۔ اور قیمت کی بجائے اسے دستاویز فراہم کر دے' کہ میں نے اتنے مال کے عوض تمہیں اتنی رقم ادا کرنی ہے عمر اس پر قبضہ کرنے سے پہلے وہ دستاویز مثلاً بکر نامی شخص کو فروخت کر دے اس قسم کے لین دین میں علماء کا اختلاف علامہ نووی نے یوں بیان کیا:

قد اختلف العلماء في ذلک والاصح عند اصحابنا و غيرهم جواز بيعها و الثاني منعهما فمن منعها اخذ لظاهر قول ابي هريرة و بحجة و من اجاز بها تاول قضية ابي هريرة على ان المشترى ممن خرج له الصک باعه لثالث قبل ان يقبضه المشترى و كان النهى عن بيع الثاني لا عن الاول

دستاویز کی بیع میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور ہم اصحاب شافعی وغیرہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اور دوسرا مکتبۂ فکر اسے منع کرتا ہے۔ مانعین کی دلیل حضرت ابوہریرہ کے قول کا ظاہری مفہوم ہے اور جو حضرات اسے جائز کہتے ہیں وہ حضرت ابوہریرہ کے قول کی تاویل کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ مشتری کہ جس کے لیے دستاویز تیار کی گئی اس نے تیسرے آدمی کے ہاتھ اسے فروخت کر دیا یہ

لان الذی خرجت له مالک لذالک ملکا مستقرا ولیس ھو بمشتری فلا یمنع بیعه قبل القبض ما لا یمنع بیعه ماروی ورثه قبل قبضه قال القاضی عیاض بعد ان تاوّله علی نحو ما ذکرته و کان یتبایعونها ثم یبیعها المشتری قبل قبضها نهوا عن ذالک قال و کذا جاء الحدیث مفسرا فی الموطا ان مصکوکا خرجت للناس فی زمن مروان بطعام فتبایع الناس تلک الصکوک قبل ان یستوفها و فی الموطا ما هو بین من هذا ما هو من هذا و هو ان حکیم بن حزام ابتاع طعاما امر به عمر بن الخطاب فباع حکیم الطعام الذی اشتراه قبل قبضه. والله اعلم.

(نووی شرح مسلم ج ۲ ص ٦ باب بطلان بیع المبیع قبل القبض' مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

فروخت مشتری کے قبضہ میں آنے کے بغیر ہوئی اور حضور ﷺ کی نہی کا مصداق بیع ثانی ہے' اول نہیں کیونکہ وہ جس کے لیے نکالی گئی ہے وہ اس کا مستقل مالک ہوگا اور وہ مشتری نہیں ہے لہٰذا اس کی قبل قبض بیع نہ ہوگی۔ جس چیز کی بیع قبلِ قبض منع ہوتی ہے اور وہ اس کا وارث ہو پہلے سے۔ قاضی عیاض نے جو میں نے تاویل کی ہے اس جیسی تاویل کرنے کے بعد کہا' لوگ دستاویز کا لین دین کرتے ہیں پھر اس کو مشتری قبضہ سے قبل بیچ دیا کرتا تھا۔ انہیں اس سے روکا گیا نیز کہا کہ مؤطا میں تفصیل کے ساتھ حدیث آئی ہے کہ دستاویز کا لین دین مروان کے زمانے میں شروع ہوا یہ دستاویز طعام کے عوض میں ہوتی تھی لوگ وہی دستاویزات قبضہ سے قبل فروخت کر دیا کرتے تھے۔ اور مؤطا میں اس سے بھی زیادہ واضح روایت بھی موجود ہے۔ یہ بیع اس قبیلہ سے نہیں اور وہ یہ کہ حکیم بن حزام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے طعام خریدا پھر حکیم نے وہی طعام قبضہ سے پہلے فروخت کر دیا۔

امام نووی نے جو لکھا وہ ان کے مسلک کی تائید کرتا ہے یعنی ان کے نزدیک دستاویز جو مشتری نے بائع کو دی ہوئی اسے بائع رقم وصول کرنے سے پہلے آگے بیچ دیتا یہ لین دین مال وراثت سے ملتا جلتا ہے۔ وارث جب اپنے حصہ میں آنے والا مال وراثت قبضہ سے قبل فروخت کر سکتا ہے تو یہاں بھی اس دستاویز کی فروخت رقم کی وصولی سے پہلے جائز ہے۔ لیکن امام نووی کو تسلیم ہے کہ یہ طریقہ احناف کے نزدیک جائز نہیں اور بات بھی درست ہے کہ قبلِ قبض جس چیز کی بیع ہوگی وہ معدوم کی بیع کہلائے گی اور معدوم کی بیع نصِ صریح سے ناجائز ہے۔ اس قانون کے تحت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں ایک اثر نقل کیا ہے۔ اثر ملاحظہ فرمائیں:

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے یحیٰ بن سعید نے بیان کیا کہ انہوں نے جمیل مؤذن کو سعید ابن میتب سے یہ کہتے سنا:

میں ان غلہ جات کو جو لوگوں کے لیے مقرر ہیں جار میں خریدتا ہوں اور پھر میں چاہتا ہوں کہ اس غلہ کو ایک مقررہ میعاد کے بعد فروخت کر دوں تو حضرت سعید بن میتب نے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ لوگوں کو اس غلہ سے ادا کرے جو تو نے خریدا ہے؟ جمیل نے کہا ہاں سعید بن میتب نے اس سے منع کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ قرض والی چیز کو قبضہ کیے بغیر فروخت کرے جب تک اسے مل نہ جائے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے۔ اسے کیا علم کہ وہ پورا وصول ہوگا کہ نہیں؟ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

قارئین کرام! مصنف کی رائے یہی ہے کہ دستاویز کی مذکورہ بیع ''معدوم کی بیع'' ہے اور معدوم کی بیع کا حکم کلیتۃً موجود ہے کہ وہ ناجائز ہے لہٰذا دستاویز کی بیع جائز نہیں۔ رہی یہ بات کہ مروان کے دور میں حضرات تابعین کرام ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں اس بارے میں معلومات نہ تھیں۔ خود مروان بھی جائز سمجھتا تھا جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے سمجھایا تو رجوع کر لیا اور اعلان بھی کر دیا کہ یہ بیع درست نہیں ہے۔ بلکہ مسلم شریف کی روایت کے مطابق مروان نے جب جمعہ میں اس کے ناجائز ہونے کا اعلان کر دیا تو اس پر عمل درآمد کرانے کے لیے بازاروں میں سپاہی مقرر کر دیئے جو ایسی دستاویزات کو اپنے قبضہ میں لے

لیجئے۔ واللہ اعلم بالصواب

٣٤٦- بَابُ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ

بیع مزابنہ کا بیان

٧٦٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ وَبَيْعُ الْعِنَبِ بِالزَّبِيْبِ كَيْلًا۔

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے "مزابنہ" بیع سے منع فرمایا۔ اور "مزابنہ" یہ ہے کہ کھجور یا انگوروں کو جو درخت پر ہوں خشک کھجور یا انگوروں کے عوض پیمانے کے ذریعہ بیچا جائے۔

٧٦٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةُ اِشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ وَالْمُحَاقَلَةُ اِشْتِرَاءُ الزَّرْعِ بِالْحِنْطَةِ وَاسْتِكْرَاءُ الْاَرْضِ بِالْحِنْطَةِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ سَاَلْنَا عَنْ كِرَائِهَا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَقَالَ لَا بَاْسَ بِهٖ۔

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے اور وہ حضرت سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ بیع سے منع کر دیا۔ مزابنہ یہ کہ درخت پر لگی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنا اور محاقلہ یہ کہ زمین میں گندم کے کھیت کو گندم کے عوض اور زمین کو گندم کے عوض کرایہ پر دینا ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں: ہم نے زمین کو سونے یا چاندی کے عوض کرائے پر دینے کے بارے میں پوچھا تو حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

٧٦٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا دَاؤُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ اَبِيْ اَحْمَدَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةُ اِشْتِرَاءُ الثَّمَرِ فِيْ رُؤُسِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ وَالْمُحَاقَلَةُ كِرَاءُ الْاَرْضِ۔

امام مالک نے ہمیں داؤد بن حصین سے خبر دی کہ ابن احمد کے موٹی ابوسفیان نے بتایا کہ میں نے ابوسعید خدری سے سنا۔ فرمایا حضور ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ بیع سے منع فرمادیا۔ مزابنہ یہ کہ کھجور کے درخت پر لگی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض بیچا جائے اور محاقلہ یہ کہ زمین کو کرائے پر دیا جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْمُزَابَنَةُ عِنْدَنَا اِشْتِرَاءُ الثَّمَرِ فِيْ رُؤُسِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا لَا يُدْرٰى التَّمْرُ الَّذِيْ اَعْطٰى اَكْثَرُ اَوْ اَقَلُّ وَالزَّبِيْبُ بِالْعِنَبِ لَا يُدْرٰى اَيُّهُمَا اَكْثَرُ وَالْمُحَاقَلَةُ اِشْتِرَاءُ الْحَبِّ فِي السُّنْبُلِ بِالْحِنْطَةِ كَيْلًا لَا يُدْرٰى اَيُّهُمَا اَكْثَرُ وَهٰذَا كُلُّهٗ مَكْرُوْهٌ وَلَا يَنْبَغِيْ مُبَاشَرَتُهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک "مزابنہ" یہ ہے کہ کھجور کے درخت پر لگی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض پیمانے کے ذریعہ فروخت کرنا۔ کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ جو کھجوریں عوض میں دی گئیں وہ درخت پر موجود کھجوروں سے زیادہ ہیں یا کم؟ اور تر انگوروں کو خشک انگوروں کے ساتھ بیچنا بھی مزابنہ ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کم کون اور زیادہ کون سی چیز ہے؟ اور محاقلہ یہ ہے کہ خوشوں میں موجود گندم کے دانوں کو گندم کے عوض فروخت کرنا پیمانہ کے ذریعہ کوئی نہیں جانتا کہ ان دونوں میں زیادہ کون سی ہے؟ یہ تمام اقسام تجارت مکروہ ہیں اور ان کا لین دین نہیں کرنا چاہیے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے اور عام فقہاء بھی یہی کہتے ہیں اور ہمارا قول بھی یہی ہے۔

جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے کہ مذکورہ تین عدد احادیث میں مزابنہ اور محاقلہ بیع سے منع کیا گیا ہے۔ خود احادیث میں بھی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان دونوں اقسامِ بیع کی تعریف بھی کی ہے اور اس کے بعد امام محمد نے اس کی ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ ''مزابنہ'' میں کمی بیشی عادۃً لازم آتی ہے۔ درخت پر لگی کھجوریں پکنے تک کتنی کم یا زیادہ ہوں گی اس کا بھی علم نہیں اور ان کی از روئے کیل و پیمانہ کتنی مقدار ہے یہ بھی معلوم نہیں۔ اس کے برخلاف ان کے عوض میں جو خشک کھجوریں یا انگور ایک معین پیمانہ کے ساتھ لیے جا رہے ہیں وہ معین ہیں لہٰذا اس صورت میں مجہول چیز کی معین و معلوم کے ساتھ بیع لازم آئے گی جو ناجائز ہے۔ یہی وجہ ''محاقلہ'' میں بھی پائی جاتی ہے۔ کھیت میں کھڑی گندم کے خوشوں میں موجود گندم کو خوشوں سے نکالی گئی معین مقدار کی گندم سے لین دین ''محاقلہ'' ہے اور اس میں بھی مجہول کو معین سے تبدیل کرنا پایا جاتا ہے۔ ''محاقلہ'' کے ضمن میں ''زمین کو کرایہ پر اٹھانا'' بھی روایت میں آیا ہے چونکہ یہ طریقہ مختلف صورتیں رکھتا ہے جس میں بعض جائز اور بعض ناجائز ہیں اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت ہے۔

زمین کو کاشت کے لیے دینے کی چند صورتیں

صورت اولیٰ: زمین کا مالک مزارع کو مثلاً ایک ایکڑ زمین برائے کاشت دیتا ہے اور شرط یہ باندھتا ہے کہ دس یا پندرہ من گندم میری ہوگی باقی تیری یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ ایک ایکڑ سے حاصل ہونے والی پیداوار ممکن ہے کسی وجہ سے دس من سے بھی کم ہو جائے یا آفت سماوی و ارضی سے بالکل کچھ بھی نہ بچے۔

صورت ثانیہ: مالکِ زمین مزارع سے یہ شرط کرتا ہے کہ مزارعت پر دی گئی زمین میں سے فلاں مخصوص رقبہ کی پیداوار میری ہوگی باقی تم جانو تمہاری قسمت جانے۔ یہ صورت بھی بالاجماع باطل ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مزارعت میں کچھ بھی نہ نکلے یا مالک کے مقررہ رقبہ میں پیداوار ہو اور مزارع کے حصہ میں نہ ہو۔

صورت ثالثہ: مالکِ زمین مزارع کو تمام پیداوار میں سے نصف یا ایک تہائی دینا طے کرتا ہے یہ مختلف فیہ ہے۔

واختلف العلماء فی کراء الارض فقال طاؤس والحسن البصری لا یجوز بکل حال سواء کراها بالطعام او بالذهب او بالفضة او جزء من زرعها لا طلاق حدیث النهی عن کراء الارض و قال الشافعی و ابوحنیفة و کثیرون تجوز جارتها بالذهب والفضة و بالطعام والثیاب و سائر الاشیاء سواء کان من جنس ما یزرع فیها ام غیره. (نووی حاشیہ مسلم ج ۲ ص ۱۲ باب کراء الارض مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

زمین کو کرائے پر اٹھانے (کاشت کے لیے) میں علماء کا اختلاف ہے۔ جناب طاؤس اور حسن بصری اس کے ہر حال میں ناجائز ہونے کا قول کرتے ہیں خواہ طعام یا سونے چاندی یا زمین کی پیداوار کے کچھ حصہ کے عوض دی جائے۔ کیونکہ نہی کی حدیث مطلق ہے جس میں زمین کو کرایہ پر دینے کی نہی ہے۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما اور بہت سے دوسرے حضرات نے سونے یا چاندی یا طعام یا کپڑے وغیرہ تمام اشیاء کے بدلہ میں زمین کرائے پر دینا جائز کہا ہے۔ اجرت میں طے پائی گئی چیز خواہ کاشت کی جا سکتی ہو یا نہ سب سے جائز ہے۔

امام نووی کی طرح ابن حزم نے بھی زمین کو مطلقاً کرائے پر دینے کے عدم جواز پر چند احادیث ذکر کیں۔ ملاحظہ ہوں:

ولا یجوز کراء الارض بشیء اصلا لا بدنانیر ولا بدراهم ولا بعرض ولا بطعام مسمّی ولا بشیء اصلا.... عن جابر ابن عبدالله ان رسول الله ﷺ قال من کانت له ارض فلیز رعها او

زمین کو کرایہ پر دینا کسی چیز کے عوض بھی جائز نہیں، نہ دینار، نہ درہم، نہ سامان، نہ معین کھانا، اور نہ کوئی دوسری چیز سے اصلاً۔۔۔۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس زمین ہو وہ اس کی خود کاشت کرے، یا کسی

لـمیـنحها فان ابی فلیمسک ارضه.... عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما انه کان یکری مزارعه قال فذهب الی رافع بن خدیج و ذهبت معه فسأله فقال رافع نهی رسول الله ﷺ عن کراء الارض.

(المحلیٰ لابن حزم ج ۸ ص ۲۱۱ '۲۱۲ کتاب المزارعۃ 'مطبوعہ قاہرہ)

کو سخاوت کر دے' اگر وہ انکار کرے تو اس کی زمین بحق سرکار ضبط کر لی جائے۔۔۔۔۔حضرت ابن عمر سے جناب نافع روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی زمین کرایہ پر دیتے تھے نافع کہتے ہیں کہ وہ جناب رافع بن خدیج کے پاس گئے' میں بھی ساتھ تھا ان سے پوچھا تو فرمانے لگے' حضور ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ ''بخاری شریف'' اور ''مسلم شریف'' وغیرہ میں بھی موجود ہیں جن میں زمین کو کرائے پر دینے کی ممانعت مذکور ہے۔ابن حزم نے مسلم و بخاری کی جس حدیث سے زمین کو مطلقاً کرایہ پر دینے کی ممانعت ثابت کی ہے وہ ان کا اپنا استنباط ہے۔ کیونکہ مطلق میں سونے چاندی کے عوض کرایہ پر دینا بھی داخل ہے حالانکہ ان دونوں کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔حدیث مسلم ملاحظہ ہو:

عن حنظله ذرقی انه سمع رافع بن خدیج یقول کنا اکثر الانصار حقلا قال کنا نکری الارض علی ان لنا هذه ولهم هذه فربما اخرجت هذه ولم تخرج هذه فنهانا عن ذالک واما الورق فلم ینهانا. (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳ کتاب البیوع باب کراء الارض' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حنظلہ زرقی کہتے ہیں کہ انہوں نے جناب رافع بن خدیج سے سنا فرمایا کہ ہم انصار زمین دار تھے ہم زمین کو اس طرح کرایہ پر دیتے تھے کہ ہمارے لیے اس قدر حصہ (پیداوار کا) ہے اور تمہارے لیے اس قدر۔ پھر بعض دفعہ ایک کا حصہ تو پیداوار سے پورا ہو جاتا لیکن دوسرے کا حصہ نہ ملتا تو اس طریقہ سے ہمیں حضور ﷺ نے منع فرما دیا۔رہا چاندی کے عوض کرایہ پر دینا تو آپ نے اس سے منع نہ فرمایا۔

قارئین کرام! حضرت رافع بن خدیج کی اس روایت کے راوی بھی ہیں جس سے ابن حزم نے زمین کو مطلقاً کرایہ پر دینے کا منع استنباط کیا تھا اور ابھی ہم نے ''مسلم شریف'' کی جو روایت ذکر کی ہے اس کے راوی بھی وہی ہیں۔آپ خود اس کی ممانعت کی علت بھی بیان فرماتے ہیں۔وہ یہ کہ ہم زمین کی پیداوار کا باہم حصہ مقرر کر لیتے تھے مثلاً دس من غلہ مالک کا اور باقی مزارعہ کا لیکن کبھی یوں ہوتا کہ مالک کا حصہ تو پورا ہو جاتا اور مزارع کو کچھ بھی نہ ملتا۔حضور ﷺ نے اس قسم کرایہ کو منع فرمایا۔حصہ مقررہ سے منع فرمانا اور ہے اور سونے چاندی کے عوض کرایہ پر دینا اور ہے۔ابن حزم نے ان میں کوئی امتیاز نہ رکھا بلکہ خود رافع بن خدیج کا عمل بھی اس کی تردید کرتا ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے سے ہمیں حضور ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔'' مسلم شریف'' میں اسی باب کے تحت انہی صحابی سے روایت مذکور ہے کہ سونے چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

عن حنظله بن قیس انه سأل رافع بن خدیج عن کراء الارض فقال نهی رسول الله ﷺ عن کراء الارض قال فقلت او الذهب او الورق فقال اما بالذهب والورق فلا بأس به. (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳ باب کراء الارض' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج کو زمین کرایہ پر دینے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ حضور ﷺ نے زمین کرایہ پر دینے سے منع فرما دیا ہے۔کہتے ہیں کہ میں نے پھر جناب رافع بن خدیج سے پوچھا کیا سونے چاندی کے عوض بھی ناجائز ہے؟ فرمانے لگے سونے چاندی کے عوض کرایہ

پر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اعتراض: رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت اگر مخصوص طریقہ سے زمین کرایہ پر دینے کی ممانعت ثابت کرتی ہے۔ تو حضرت ابن عمر کو جب انہوں نے ہی زمین کرایہ پر دینے سے منع کیا تو انہوں نے زمین کرایہ پر دینی چھوڑ دی۔ الفاظ روایت یہ ہیں:

حدثني نافع مولى ابن عمر انه سمع ابن عمر يقول كنا نكرى ارضنا ثم تركنا ذالك حين سمعنا حديث رافع بن خديج۔ (ابن حزم ج ۸ ص ۲۱۲)

ابنِ عمر کہتے ہیں: کہ جب ہم نے رافع بن خدیج سے حدیث سنی تو ہم نے زمین کرایہ پر دینا بند کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث رافع بن خدیج سے مراد مطلقاً کرایہ پر دینے کی ممانعت ہے ورنہ ابن عمر دوسرا طریقہ اختیار کر لیتے؟

جواب: جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ ابنِ حزم کا دعویٰ کہ مطلقاً زمین کرایہ پر دینا منع ہے۔ اس اطلاق کی نفی خود حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے قول سے ملتی ہے۔ رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ان کی بات سن کر کرایہ پر زمین دینا بند کر دینا تو اس کی وجہ وہ خود بیان یوں فرماتے ہیں:

عن ابن شهاب انه قال اخبرني سالم بن عبدالله ان عبدالله بن عمر كان يكرى ارضه حتي بلغه ان رافع بن خديج الانصارى كان ينهى عن كراء الارض فلقيه عبدالله فقال يا ابن خديج ما ذا تحدث عن رسول الله ﷺ في كراء الارض قال رافع بن خديج لعبدالله سمعت عمّى و كانا قد شهدا بدرا يحدثان اهل الدار ان رسول الله ﷺ نهى عن كراء الارض قال عبدالله لقد كنت اعلم في عهد رسول الله ﷺ ان الارض تكرى ثم خشى عبدالله ان يكون رسول الله ﷺ احدث في ذالك شيئا لم يكن علمه فترك كراء الارض. (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳)

ابنِ شہاب بیان کرتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبداللہ نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے حتیٰ کہ انہیں یہ خبر ملی کہ حضرت رافع بن خدیج زمین کرایہ پر دینے سے منع کرتے تھے ان سے حضرت عبداللہ بن عمر کی ملاقات ہوئی۔ پوچھا: اے ابن خدیج! زمین کرایہ پر دینے کے بارے میں تم حضور ﷺ سے کیا حدیث بیان کرتے ہو؟ رافع بن خدیج نے کہا: میرے دو چچا جو بدر میں شریک تھے ان کی زبانی میں نے سنا' وہ گھر والوں کو بتا رہے تھے کہ رسولِ کریم ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرما دیا ہے۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: میں اچھی طرح جانتا تھا کہ رسول کریم ﷺ کے دور میں زمین کرایہ پر دی جاتی تھی پھر حضرت عبداللہ کو خوف ہوا کہ حضور ﷺ نے واقعی اس بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہو' جو ان کے علم میں نہ ہو بایں وجہ انہوں نے زمین کرایہ پر دینا چھوڑ دی۔

قارئین کرام! حضرت عبداللہ بن عمر خود اس بات کے قائل تھے کہ زمین کرایہ پر دینی جائز ہے کیونکہ انہوں نے رافع بن خدیج سے پہلے کسی اور سے ایسی کوئی حدیث نہ سنی تھی جس میں اس کی ممانعت ہو بلکہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں زمین کرایہ پر دی جاتی تھی۔ اگر آپ منع فرما دیتے تو کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ اب خود اس لیے چھوڑ رہے ہیں کہ ممکن ہے کہ کوئی حدیث حضور ﷺ نے اس بارے میں ارشاد فرمائی ہو لہٰذا احتیاطاً ترک کر رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ ابن حزم کا حضرت رافع بن خدیج کی حدیث سے مطلقاً زمین کو کرایہ پر دینا ناجائز ہے کا استنباط خود ان کا اپنا ہے۔ اس کی تردید بھی حضرت رافع بن خدیج کے قول سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ حضرت ابن عمر نے جو کرایہ پر دینا ترک کیا' وہ احتیاطاً ہے۔ سونے اور چاندی کے عوض زمین کرایہ پر دینے کا جواز حضرت رافع بن خدیج کی روایت میں موجود ہے اسی طریقہ کو آج کل ''ٹھیکہ پر دینا'' کہا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ زمین

ٹھیکے پر دینی جائز ہے اور ناجائز وہ صورت ہے جس میں مالک اور مزارع پیداوار کا ایک حصہ مقرر کر لیں۔ کیونکہ مقررہ حصہ کا حصول یقینی نہیں کبھی مزارع کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور کبھی مالک کو۔ اس طریقہ میں دھوکہ ہے اسی دھوکہ کی بناء پر اس کی ممانعت آئی ہے۔ اب ہم اس سلسلہ میں احناف کا مؤقف بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

مزارعت کی تعریف اور اس کے جواز کی شرائط

امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا: کہ تہائی اور چوتھائی مقدار پیداوار پر مزارعت باطل ہے۔ (صاحب ہدایہ فرماتے ہیں) جاننا چاہیے کہ مزارعت باب مفاعلہ کا مصدر ہے جو ''ذرع'' سے بنا ہے شریعت میں ''مزارعت'' زمین کی پیداوار کے کچھ حصہ پر زمین کی زراعت کا معاملہ کرنا کہلاتا ہے۔ عقدِ مزارعت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک فاسد ہے صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے خیبر والوں سے زمین کی نصف پیداوار پر معاملہ فرمایا تھا۔ خواہ پیداوار پھل کی صورت میں ہو یا غلہ وغیرہ کی صورت میں۔ حضور ﷺ کا یہ معاملہ فرمانا ''عقدِ مزارعت'' کے جواز کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں یہ عقد اس لیے بھی درست ہے کہ عقدِ مزارعت دراصل عمل اور مال کے درمیان ایک قسم کی شرکت بنتی ہے لہٰذا مضاربت پر قیاس کرتے ہوئے یہ عقد جائز ہوگا۔ اس قیاس کی صحت کے لیے دونوں مسئلوں کے درمیان جامع وجہ حاجت وضرورت کو پورا کرنا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات مال کا مالک خود عمل یعنی کاشتکاری کو نہیں جانتا اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ جو شخص عمل یعنی کاشتکاری کی واقفیت رکھتا ہو وہ مال و دولت سے محروم ہو لہٰذا حاجت وضرورت کا پایا جانا (جو ان دونوں کے درمیان ہے) اس عقد کے جواز کی وجہ بنتی ہے۔ لیکن یہ قیاس بکریوں یا مرغیوں یا ریشم کے کیڑوں کو نصف پیداوار پر دینا ان اشیاء پر نہ کیا جائے گا یہ عقد کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں کیونکہ ان اشیاء کے حصول میں کام کرنے والے کے کام کا کوئی دخل نہیں۔ لہٰذا حاجت وضرورت متحقق نہ ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ''مخابرہ'' سے منع فرمایا ہے۔ اور ''مخابرہ'' ''مزارعت'' کو ہی کہتے ہیں۔ نیز عقدِ مزارعت کے عدم جواز کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ عقد دراصل عمل سے حاصل شدہ نفع کے بعض حصہ پر عامل کو کرایہ پر لینا ہے۔ (اور یہ جائز نہیں) تو یہ عقد ''قفیز طحان'' کے معنی میں ہو جائے گی۔ الغرض جب امام اعظم کے نزدیک عقدِ مزارعت درست نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی نے یہ عقد کر کے زمین کو سیراب کیا اس میں ہل وغیرہ چلایا لیکن اس میں پیداوار کچھ بھی ہوئی تو اس صورت میں کام کرنے والے کو ''اجرت مثلی'' دینا واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ جو عقد ہوا ہے اجارہ فاسدہ کے حکم میں ہو جائے گا اور اجارہ فاسدہ میں کام کرنے والے کو اجرت مثلی ملتی ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب تخم (بیج) زمین کے مالک کی طرف سے مہیا کیا گیا ہو اور اگر بیج بھی کاشتکار نے مہیا کیا ہو تو پھر کاشتکار کو زمین کی اجرت مثلی دینا ہوگی (یعنی یوں سمجھا جائے گا کہ مالک نے اپنی زمین کاشتکار کو کرایہ پر دی تھی) ان دونوں صورتوں میں پیداوار مکمل طور پر بیج والے کی ہوگی کیونکہ پیداوار اس کے بیج سے ہوئی جس کا مالک وہ خود تھا اور فریق ثانی کے لیے اجرت ہوگی (خواہ زمین کے کرایہ کی صورت میں یا مزارعت کے کے کام کی صورت میں) جیسا کہ اس کی وضاحت ہو چکی۔ مگر یہ کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس لیے کہ عام لوگ مزارعت کے محتاج اور ضرورت مند ہیں اور جواز کا فتویٰ مشائخ نے اس وجہ سے بھی دیا ہے کہ ہر دور میں امت کا تعامل اس طرح سے چلا آ رہا ہے۔ اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی کاریگر سے کوئی چیز بنوائی ہو تو قیاس عدم جواز بتاتا ہے لیکن تعامل کی وجہ سے اس میں جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ پھر مزارعت کو جو حضرات جائز کہتے ہیں ان کے ہاں اس کی کچھ شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ زمین قابلِ زراعت ہو کیونکہ اس کے بغیر مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ زمین کا مالک شرعی طور پر عقد کی صلاحیت رکھتا ہو یہ شرط صرف مزارعت ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر عقد کے لیے ہے اس لیے کہ کوئی عقد اس وقت تک صحیح نہیں ہوگا جب تک اس کے اہل سے واقع نہ ہو۔ تیسری شرط مدت کا بیان اور معین کرنا ہے کیونکہ عقدِ مزارعت زمین

کے منافع یا عامل کے منافع پر منعقد ہونے والا معاملہ ہے اور مدت ہی منافع کے لیے معیار ہوتی ہے تا کہ مدت کے ذریعہ منافع معلوم اور متعین ہو جائے۔ چوتھی شرط یہ کہ اس بات کی صراحت ہو کہ بیج کس کے ذمہ ہوگا تا کہ لڑائی جھگڑا اور دعویٰ و جواب دعویٰ کا انقطاع ہو سکے اور معقود علیہ بھی معلوم و متعین ہو جائے۔ کیونکہ معقود علیہ زمین کے منافع یا عامل کے عمل کے منافع ہیں۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اس شخص کا حصہ متعین کیا جائے جو بیج نہیں دے رہا کیونکہ وہ شخص اس کا مستحق عوض ہونے کی حیثیت سے شرط رکھنے سے ہی ہو سکتا ہے لہٰذا اس کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہوگا' لازم نہیں ہوتی۔ چھٹی شرط۔ زمین کا مالک زمین اور عامل کے درمیان رکاوٹوں کو دور کر کے عامل کو آزاد چھوڑ دے۔ (زمین میں تصرفات زراعت کے کلی اختیار کاشتکار کو دے دے۔ اور اپنی رائے یا حکم کا اُسے پابند نہ رکھے) اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر مالک زمین نے عامل کے ساتھ اپنے عمل کی شرط کی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔ ساتویں شرط۔ زمین میں حاصل شدہ پیداوار میں شرکت ہے۔ جبکہ پیداوار حاصل ہو جائے۔ اس وجہ سے کہ مزارعت اپنی انتہاء کے اعتبار سے عقدِ شرکت ہو کر منعقد ہوتی ہے۔ تو یہ چیز بھی اس شرکت کو قطع کرنے والی عقد کے لیے مفسد ہوگی۔ آٹھویں شرط تخم کی جنس کا بیان کر دینا تا کہ اجرت معلوم ہو جائے۔ (کیونکہ پیداوار کی نوع اسی طرح معدوم و متعین ہو سکتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ زمین کا مالک اناج کی اس قسم کا رضامند نہ ہو جو قسم کاشتکار نے زراعت کی)۔ (ہدایہ اخیرین ص ۴۲۲-۴۲۳' کتاب المزارعت' مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامیہ کتب کراچی)

صاحبِ ہدایہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ عقدِ مزارعت احناف کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ وہ شرائط بھی مکمل ہوں جن کو ذکر کیا گیا۔ ''عقدِ مزارعت'' ایسا مسئلہ ہے جسے تقریباً فقہ کی ہر کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ ''جوہرہ نیرہ'' ج ۲ ص ۶۲ ''بدائع الصنائع'' ج ۶ ص ۱۷۵ پر بھی اسے ذکر کیا گیا۔ ہم نے مختصر طریقہ سے مزارعت کی تعریف اس میں اختلاف و جواز اور شرائط جواز کا ذکر کر دیا ہے اب چند احادیث و آثار اس کی تائید میں ملاحظہ ہوں:

عن موسی بن طلحه قال کان سعد ابن مسعود یزارعان بالثلث والربع.... عن طاؤس قال جاء نا معاذ و نحن نعطی ارضنا بالثلث والربع فلم یعب ذالک علینا.... عن ابی جعفر قال عامل رسول الله ﷺ اهل خیبر علی الشطر ثم ابوبکر و عثمان و علی ثم املوهم الی الیوم یعطون الثلث والربع.... عن عمرو بن عثمان عن ابی جعفر قال سالته عن المزارعة الثلث والربع فقال ان نظرت فی آل ابی بکر و آل عمر و آل علی و جدتهم یفعلون ذالک .... عن کلیب بن وائل قال قلت لابن عمر رجل له ارض وماء ولیس له نذر ولا بقر فاعطانی ارضه بالنصف فذرعتها ببذری و ببقری ثم قاسمته علی النصف قال حسن.... عن علی انه لم یری بأسا بالمزارعة علی النصف....عن اسماعیل بن ابی خالد عن رجل عن انس قال

موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں: کہ سعد اور ابن مسعود اپنی اپنی زمین تہائی یا چوتھائی حصہ پر زراعت کے لیے دیا کرتے تھے۔ طاؤس کہتے ہیں: کہ ہمارے پاس حضرت معاذ آئے اور ہم اپنی اپنی زمین تہائی اور چوتھائی حصہ پر دیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس پر ہمیں کوئی عیب نہ لگایا۔ ابوجعفر کہتے ہیں: رسول کریم ﷺ نے اہلِ خیبر کو زمین کے ایک حصہ پر کاشتکار مقرر کیا پھر ابوبکر' عثمان اور علی نے بھی ایسے ہی کیا پھر آج تک یہی چلا آ تا رہا اب وہ تہائی اور چوتھائی حصہ دیتے ہیں۔ ابوجعفر سے ہی عمرو بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے مزارعت کے بارے میں ان سے دریافت کیا کہ تہائی اور چوتھائی حصہ پر زمین دینا جائز ہے؟ کہنے لگے اگر تو آلِ ابی بکر' آلِ عمر اور آلِ علی کو دیکھتا تو وہ تمہیں ایسا کرتے نظر آتے۔ کلیب بن وائل کہتے ہیں: میں نے ابن عمر سے پوچھا' ایک شخص کی زمین اور پانی ہے لیکن بیج اور بیل نہیں اس نے اپنی زمین مجھے نصف پر دی میں نے اس میں اپنے بیج ڈالے اور اپنے بیل کام میں لگائے پھر میں نے باہم آدھا آدھا حصہ کر لیا۔ کیا یہ جائز ہے؟ فرمانے

ارضی و بقری سواء.... عن طلحه القاد قال سمعت طاؤس یقول لا بأس بالمزارعة بالنصف والثلث والربع.... عن عبدالرحمن بن مسعود قال کنت ازارع بالثلث والربع وا حمله الی علقمة واسود فلو رأی به باساً لنهانی عنه....عن یحیی بن سعید ان عمر بن عبدالعزیز کان یأمر لعطاء الارض بالثلث والربع.... عن هشام عن القاسم وابن سیرین انهما کانا لا یریان باساً ان یعطی الرجل ارضه آخر علی ان یعطیه الثلث اوالربع اوالعشر ولا یکون علیه من النفقه شئ....عن ابی جعفر قال مابالمدینه اهل بیت هجرة الاوهم یعطون ارضهم بالثلث والربع.... عن ابی عمر قال ارضی و بعیری سواء... (مصنف ابن ابی شیبہ ج٦ ص٣٣٧-٣٤٣ باب١٥٢ من لم یری بالمزارعۃ' دائرۃ القرآن کراچی)

لگے: بہت اچھا ہے۔ علی کہتے ہیں: کہ نصف پر زمین برائے مزارعت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اسماعیل بن ابی خالد ایک شخص کے بارے میں بیان کرتے ہیں: کہ اس نے حضرت انس سے بیان کیا کہا کہ میری زمین اور میرے بیل برابر ہیں۔ طلحہ قاد کہتے ہیں: میں نے طاؤس سے سنا فرماتے تھے: کہ نصف' ثلث اور ربع پر زمین دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن بن مسعود کہتے ہیں: میں تہائی اور چوتھائی حصہ پر مزارعت کیا کرتا تھا میں اس مسئلہ کو علقمہ اور اسود کے پاس لے گیا اگر وہ اسے گناہ سمجھتے تو مجھے منع کر دیتے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: کہ عمر بن عبدالعزیز جناب عطاء کو کہا کرتے تھے کہ زمین تہائی اور چوتھائی پر ہے۔ قاسم اور ابن سیرین سے ہشام بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں کسی شخص کے زمین کو تہائی چوتھائی یا دسویں حصہ پر دینے میں کوئی گناہ نہ سمجھتے تھے۔ اور فرماتے کہ اس پر کسی قسم کا کوئی خرچہ نہیں۔ ابوجعفر کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جتنے بھی مہاجرین کے گھر تھے وہ اپنی اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی پر دیا کرتے تھے۔ ابن عمر کا کہنا ہے: کہ میری زمین اور میرے اونٹ برابر ہیں۔

عن ابراهیم بن المهاجر عن موسی بن طلحه قال اقطع عثمان لخمسة من اصحاب محمد ﷺ لعبدالله و لسعد للزبیر و لخباب ولاسامة بن زید فکان جارای عبدالله و سعد یعطیان ارضهما بالثلث.... عن عمرو بن صلیع المحاری قال جاء رجل الی علی فوشی برجل فقال انه اخذ ارضا یصنع بها کذا و کذ افقال الرجل اخذتها بالنصف اکری انهارها و اصلحها و اعمر ها فقال علی لا بأس.... عن معاذ بن جبل قال بعثنی رسول الله ﷺ قری عربه فامرنی ان اخذ حظ الارض قال سفیان و خطها الثلث والربع فلم یری به بأسا....اخبرنا عبدالرزاق قال سمعت هشام یحدث قال ارسلنی محمد ابن سیرین الی القاسم بن محمد اسئله عن رجل قال لاخر اعمل فی

ابراہیم بن مہاجر جناب موسیٰ بن طلحہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ صحابہ عبداللہ' سعد' زبیر' خباب اور اسامہ بن زید کے لیے زمین کے قطعات مخصوص کر کے دے دیئے۔ میرے پڑوسی جناب عبداللہ اور سعد دونوں اپنی اپنی زمین تہائی حصہ پر دیا کرتے تھے۔۔۔۔عمرو بن صلیع بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی المرتضیٰ کے پاس ایک دوسرے شخص کی چغلی کھائی کہ وہ زمین لے کر اس میں ایسے ایسے کرتا ہے وہ شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے زمین نصف حصہ پر لی ہے' میں نے اس کی نہر کھودی' اسے درست کیا اور اسے آباد کیا' حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا: اس میں کوئی گناہ نہیں۔۔۔۔حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں: کہ مجھے حضور ﷺ نے عربہ نامی بستی میں بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ زمین کا حصہ حاصل کروں۔ سفیان کہتے ہیں کہ اس زمین کا حصہ تہائی یا چوتھائی تھا اس میں انہوں نے کوئی گناہ نہ جانا۔۔۔۔عبدالرزاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے

حائطی هذا ولک الثلث او الربع فقال لا بأس به قال فرجعت الی ابن سیرین فاخبرته فقال هذا احسن ما یصنع فی الارض.

(مصنف عبدالرزاق ج۸ص۹۹-۱۰۰' باب المزارعۃ' مطبوعہ مکتبہ اسلامی' بیروت)

ہشام کو کہتے سنا: کہ مجھے محمد ابن سیرین نے قاسم بن محمد کے ایک مسئلہ کے لیے بھیجا وہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا میرے اس باغ میں کام کرو' تجھے تہائی یا چوتھائی حصہ ملے گا تو انہوں نے کہا اس میں کوئی گناہ نہیں۔ کہتے ہیں کہ میں ابن سیرین کے پاس واپس آیا اور انہیں اس کی خبر دی۔ کہنے لگے زمین میں جو کیا جانا چاہیے ان کاموں میں سے یہ کام بہت اچھا ہے۔

ان روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو حصہ پر دینا (عقدِ مزارعت) جائز ہے' احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

رافع بن خدیج کی ممانعت والی روایت پر صحابہ کرام کا ردِ عمل

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہوئی' جس میں آپ نے حضور ﷺ سے ذکر فرمایا کہ مزارعت ممنوع ہے اور اسی روایت کو سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مزارعت سے اجتناب فرمالیا اس کا جواب گزشتہ سطور میں ذکر ہو چکا ہے کہ اس دور کی مزارعت چونکہ دھوکہ پرمبنی تھی لہٰذا حضور ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔ اب ہم ان کی روایت مذکورہ کے بارے میں حضرات صحابہ کرام کی وضاحت درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے نزدیک جناب رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کا مکمل معنی معلوم نہ ہوسکا۔

عن عروة بن زبیر عن زید بن ثابت انه قال یغفر الله رافع ابن خدیج والله ما کان هذا الحدیث هکذا انما کان ذالک الرجل اکری رجلا ارضا فاقتتلا واستبابا مرتد اریا فیه فقال رسول الله ﷺ ان کان هذا شأنکم فلا تکروا الارض فسمع رافع آخر الحدیث ولم یسمع اوله.

(مصنف عبدالرزاق ج۸ص۹۷ باب المزارعۃ علی الثلث' مکتبہ اسلامیہ بیروت)

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج کی مغفرت فرمائے۔ خدا کی قسم! یہ حدیث اس طرح نہیں (جس طرح رافع نے بیان کی) بات یہ تھی کہ اس شخص نے ایک دوسرے آدمی کو زمین کرایہ پر دی تھی ان دونوں میں مارکٹائی ہوئی' ایک دوسرے کو گالیاں دیں تو حضور ﷺ نے اس پر فرمایا: اگر تمہاری یہ حالت ہے تو پھر زمین کرایہ پر مت دیا کرو۔ جناب رافع نے حدیث کا آخری حصہ سنا' اور پہلا حصہ نہ سن سکے۔

دیکھئے: ایک جلیل القدر اور مجتہد صحابی قسم اٹھا کر بیان کر رہے ہیں کہ جناب رافع بن خدیج نے پوری حدیث نہ سنی۔ آخری حصہ سن کر اسے آگے روایت کر دیا حالانکہ حضور ﷺ نے ان دونوں کی مارکٹائی اور گالی گلوچ سے بیزاری کا اظہار فرمایا نہ کہ زمین کو باہم صلح صفائی کی صورت میں مزارعت پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

عن عمرو ابن دینار قال قلت لطاؤس لو ترکت المخابرة فانهم یزعمون ان رسول الله ﷺ نهی عنها فقال ای عمرو اخبرنی اعلمهم یعنی ابن عباس ان رسول الله ﷺ لم ینه عنهما. (مصنف عبدالرزاق ج۸ص۹۷ باب المزارعۃ علی الثلث' مکتبہ اسلامیہ بیروت)

عمرو ابن دینار کہتے ہیں: میں نے جناب طاؤس سے کہا' اچھا ہوتا کہ آپ زمین کو مزارعت پر دینا بند کر دیتے۔ کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع کر دیا تھا یہ سن کر جناب طاؤس نے کہا: اے عمرو! مجھے بہت بڑے عالم صحابی یعنی حضرت ابن عباس نے خبر دی' کہ رسول کریم ﷺ نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا۔

قارئین کرام! "مصنف عبدالرزاق" کی مذکورہ دونوں احادیث ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ "بیہقی" ج ٦ ص ١٣٤ پر مذکور ہیں بلکہ یہ الفاظ زیادہ مروی ہیں "قال الشیخ زید بن ثابت و ابن عباس رضی اللہ عنہما کانھما انکرا واللہ اعلم اطلاق النھی عن کراء الارض. شیخ نے فرمایا: کہ حضرت زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے گویا اس بات کا انکار کیا ہے کہ زمین کو مزارعت پر دینے کی مطلقاً نہی موجود ہے" تو معلوم ہوا کہ جناب رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث حضرات صحابہ کے نزدیک درست نہ تھی اسی موضوع پر مزارعت کے مانعین حضرات ایک اور قولِ رسول ﷺ پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "زمین کو خود کاشت کرو نہیں تو کسی مسلمان بھائی کو کاشت کے لیے دے دو یا پھر اپنے پاس رہنے دو۔" ہم اس روایت کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن عمرو ابن دینار قال قلت لطاؤس لو ترکت المخابرة فانھم یزعمون ان النبی ﷺ نھی عنه قال ای عمرو انی اعطیھم و اعینھم وان اعلمھم اخبرنی یعنی ابن عباس ان النبی ﷺ لم ینه عنھا ولکن قال ان یمنح احدکم اخاہ خیر له من ان یاخذ علیھا خرجا معلوما اخرجه البخاری والمسلم فی الصحیح من حدیث سفیان بن عیینه.

عمرو ابن دینار کہتے ہیں: میں نے جناب طاؤس سے کہا کہ اگر تم زمین کو مزارعت پر دینا چھوڑ دو تو بہتر ہے کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے منع کر دیا ہے' کہنے لگے اے عمرو! میں زمین مزارعت پر دیتا ہوں' میں ان کی مدد کرتا ہوں' اور بے شک مجھے بہت بڑے عالم صحابی یعنی ابن عباس نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ نے زمین کو مزارعت پر دینے سے منع نہیں فرمایا لیکن یہ فرمایا "کہ اگر تم اپنے کسی بھائی کو مفت کھیتی باڑی کے لیے دو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اس سے معین رقم لو"۔ اسے بخاری و مسلم نے سفیان بن عیینہ سے روایت کیا۔

عن عمرو بن دینار عن طاوس عن ابن عباس انه لما سمع اکثار الناس فی کری الارض قال سبحان اللہ انما قال رسول اللہ ﷺ الا منحھا اخاہ ولم ینه عن کرائھا رواہ مسلم فی الصحیح عن محمد بن رمح عن اللیث.

عمرو بن دینار جناب طاؤس سے وہ ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جب لوگوں کو دیکھا کہ وہ زمین کا کرایہ پر دینا اچھا نہیں سمجھتے تو فرمایا سبحان اللہ! حضور ﷺ نے تو فرمایا تھا کہ مفت میں اپنے بھائی کو دے دو آپ نے کرایہ پر دینے سے تو منع نہیں فرمایا۔ اسے مسلم نے محمد بن رمح عن لیث سے روایت کیا ہے۔

عن عمرو بن دینار عن طاوس عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ لم یحرم المزرعة ولکن امر ان یرفق الناس بعضھم فی بعض رواہ مسلم فی الصحیح عن علی بن حجر عن الفضل بن موسی.
(بیہقی شریف ج ٦ ص ١٣٤ کتاب المزارعۃ مطبوعہ حیدرآباد دکن ہند)

عمرو بن دینار جناب طاؤس سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مزارعت کو حرام نہیں فرمایا لیکن ارشاد فرمایا: کہ لوگ ایک دوسرے سے نرمی کا برتاؤ کریں۔ اس کو مسلم نے صحیح میں علی بن حجر عن الفضل بن موسیٰ سے روایت کیا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی زمین خود کاشت کرے تو ٹھیک ورنہ بہتر ہے کہ اپنے کسی بھائی کو مفت میں کاشت کے لیے دے دے۔ اور اگر مزارعت پر دیتا ہے تو حرام نہیں۔ ہاں مزارعت سے بہتر ہے کہ کسی بھائی کو مفت میں کاشت کاری کے لیے دے دے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۴۷ - بَابُ شِرَاءِ الْحَيْوَانِ بِاللَّحْمِ

گوشت کے عوض حیوان کا خریدنا

۷۶۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ نُهِيَ عَنْ بَيْعِ الْحَيْوَانِ بِاللَّحْمِ. قَالَ قُلْتُ لِسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَرَاَيْتَ رَجُلًا اِشْتَرٰى شَارِفًا بِعَشْرِ شِيَاهٍ اَوْ قَالَ شَاةٍ فَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ اِنْ كَانَ اِشْتَرَاهَا لِيَنْحَرَهَا فَلَا خَيْرَ فِيْ ذٰلِكَ قَالَ اَبُو الزِّنَادِ وَ كَانَ مَنْ اَدْرَكْتُ مِنَ النَّاسِ يَنْهَوْنَ عَنْ بَيْعِ الْحَيْوَانِ بِاللَّحْمِ وَ كَانَ يُكْتَبُ فِيْ عُهُوْدِ الْعُمَّالِ فِيْ زَمَانِ اَبَانٍ وَ هِشَامٍ يَنْهَوْنَ عَنْ ذَالِكَ.

امام مالک نے ہمیں ابوالزناد سے اور وہ حضرت سعید بن مسیب سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حیوان کی گوشت کے ساتھ بیع سے منع فرمایا۔ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیب سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص دس بکریوں یا ایک بکری کے عوض ایک اونٹ خریدتا ہے تو کیا حکم ہے؟ جناب سعید بن مسیب نے فرمایا: کہ اگر اس نے ذبح کرنے کے لیے خریدا تو اس میں کوئی بہتری نہیں ہے۔ ابوالزناد کہتے ہیں کہ میں نے حیوان کو گوشت کے عوض بیچنے سے لوگوں کو منع کرتے پایا۔ ابان اور ہشام کے زمانہ میں اس بیع کی ممانعت کے احکام لکھے جاتے تھے۔

۷۶۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ وَ كَانَ مِنْ مَيْسِرِ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ بَيْعُ اللَّحْمِ بِالشَّاةِ وَ الشَّاتَيْنِ.

امام مالک نے ہمیں داؤد بن حصین سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا' کہ جاہلیت کے جوا میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ایک یا دو بکریوں کے عوض گوشت بیچا جاتا تھا۔

۷۶۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيْوَانِ بِاللَّحْمِ.

امام مالک نے ہمیں زید بن اسلم سے وہ سعید بن مسیب سے خبر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا: کہ مجھ تک رسول اللہ ﷺ کی یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے حیوان کی گوشت کے بدلے بیع سے منع فرمادیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ بَاعَ لَحْمًا مِّنْ لَحْمِ الْغَنَمِ بِشَاةٍ حَيَّةٍ لَا يَدْرِى اللَّحْمَ اَكْثَرَ اَوْ مَا فِى الشَّاةِ اَكْثَرُ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ مَكْرُوْهٌ لَا يَنْبَغِىْ وَ هٰذَا مِثْلُ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَ كَذٰلِكَ بَيْعُ الزَّيْتُوْنِ بِالزَّيْتِ وَ دُهْنِ السِّمْسِمِ بِالسِّمْسِمِ.

امام محمد کہتے ہیں: ہم اس پر عمل کرتے ہیں جس نے بکری کا گوشت زندہ بکری کے عوض بیچا' وہ نہیں جانتا کہ کیا گوشت زیادہ ہے یا بکری میں جو گوشت ہے وہ زیادہ ہے؟ لہٰذا یہ بیع فاسد اور مکروہ ہے۔ اور یہ کاروبار نہیں کرنا چاہیے اور یہ بیع' مزابنہ اور محاقلہ کے مشابہ ہے۔ یونہی زیتون کی بیع زیتون کے تیل کے ساتھ اور تلوں کی بیع تلوں کے تیل کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

مندرجہ بالا روایات کے ذکر کرنے سے پہلے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو عنوان باندھا وہ ''حیوان کو گوشت کے عوض فروخت کرنا'' ہے۔ اس صورت میں قیمت ''گوشت'' ہوگا۔ اور فروخت ہونے والی چیز ''حیوان'' ہوگی۔ اور اگر یوں کہا جائے۔ ''جانور کو گوشت کے عوض فروخت کرنا'' تو اس صورت میں ''حیوان'' قیمت بنے گا اور ''گوشت'' فروخت کی جانے والی چیز ہوگا۔ اس میں اگر دونوں اشیاء میں سے کوئی ایک ادھار ہو مثلاً گوشت ابھی دے دیا جائے اور حیوان کو کچھ عرصہ بعد دینے کی بات ہو تو یہ بیع ممنوع ہوگی۔ ہم اس کی ممانعت کی تفصیل اور دلائل ''بیع سلم'' میں بیان کر چکے ہیں۔ حیوان کی صفات کا ضبط میں لانا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ ان میں کمی بیشی' اچھا' برا اور نرم سخت ہونے میں برابری نہیں ہوتی۔ یہی ان کی حرمت کی علت ہے ہاں جب ''حیوان'' کو قیمت قرار دیا جائے اور گوشت کو فروخت کی جانے والی چیز بنایا جائے اس صورت میں چونکہ گوشت کی صفات کو ضبط میں لانا ممکن ہوتا ہے اس لیے

بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے بہر حال ان دونوں صورتوں میں فرق ہے۔

مذکورہ باب میں پہلا اثر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس میں حیوان کی بیع کو گوشت کے عوض میں بیچنا ناجائز کہا گیا ہے اسی اثر میں راوی ابوالزناد نے ایک سوال بھی ذکر کیا۔ وہ یہ کہ ایک شخص ایک اونٹ کو دس بکریوں کے عوض فروخت کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ حضرت سعید بن مسیب نے کہا: اگر اس کا ارادہ گوشت کا ہے تو اس میں زیادتی کی وجہ سے یہ لین دین درست نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک حیوان کو دو یا دو سے زیادہ حیوانات کے عوض فروخت کرنا جبکہ دونوں کی جنس ایک ہو جائز ہے۔ کیونکہ حیوان تولی جانے والی اشیاء میں سے نہیں اور منع کے لیے قدر و جنس دونوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر حیوان کی بیع گوشت کے عوض میں ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تفاضل کی وجہ سے یہ ناجائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسے جائز کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: کہ اس لین دین میں اگرچہ جنس موجود ہے لیکن قدر موجود نہیں لہٰذا تفاضل جائز ہے لیکن ادھار جائز نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مذکور اثر کے تحت فرماتے ہیں: جانور کی بیع جب جانور کے ساتھ اور مقصد گوشت کھانا ہو تو ممنوع ہے اگر یہ نیت نہ ہو تو جائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ گوشت کی وجہ سے کمی بیشی کا احتمال موجود ہوتا ہے لہٰذا ناجائز ہوئی۔ اور جب حیوان کے بدلہ حیوان مقصود ہو یعنی گوشت کی نیت نہ ہو تو اب تفاضل کا معاملہ ختم ہوا یہ جائز ہے۔ امام محمد اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حیوان وزن کر کے فروخت کی جانے والی اشیاء میں سے نہیں پہلے دو آثار بھی اسی مفہوم سے ملتے جلتے ہیں۔ تیسری حدیث میں صاف مذکور ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ کی روایت جو مجھ تک پہنچی اس میں آپ نے حیوان کی گوشت کے ساتھ بیع کو ممنوع فرمایا ہے: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس پر ہمارا عمل ہے اور اس بیع کو امام محمد نے مزابنہ اور محاقلہ کے ساتھ ملایا۔ (ان دونوں اقسام بیع کا ذکر ہم کر چکے ہیں مختصر یہ کہ درخت پر لگی تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنا اور بالیوں میں موجود گندم کے دانے کاٹ کر ڈھیر لگے دانوں سے خریدنا درست نہیں کیونکہ کمی بیشی کا احتمال ہے) ان دونوں لین دین کی طرح حیوان اور گوشت کے لین دین میں بھی کمی بیشی متحقق ہوتی ہے لہٰذا دونوں میں علت ایک جیسی ہے اس لیے دونوں قسم کا لین دین ممنوع ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے بارے میں مولوی عبدالحی لکھتا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مؤقف جواز کا ہے اسی مؤقف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ''حدیث صحیح'' کے خلاف ہے لیکن یہ درست نہیں۔ وہ یہ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جواز کے قائل ضرور ہیں لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ ہمارے احناف کے تینوں امام اس بات پر متفق ہیں کہ جن دو اشیاء میں قدر و جنس موجود ہو ان کی باہم بیع میں تفاضل اور ادھار دونوں حرام ہیں اور اگر دونوں میں صرف ایک نہ پائی جائے تو تفاضل جائز اور ادھار ممنوع ہے اور اگر دونوں مفقود ہوں تو تفاضل اور ادھار دونوں جائز ہیں۔ مذکورہ صورت میں ایک طرف حیوان اور دوسری طرف گوشت ہے اگر حیوان کو گوشت کی جنس بھی مان لیا جائے تو بھی حیوان ''قدری'' اشیاء میں سے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جنس متحد ہو سکتی ہے دونوں ''قدر'' میں مختلف ہیں لہٰذا اس بیع میں تفاضل جائز ہے ہاں ادھار جائز نہیں ہو گا اور جب حیوان کی دوسری جنس کے حیوان سے بیع ہو تو دونوں کی جنس متحد نہ ہو گی۔ جیسا کہ بکری اور اونٹ کی باہم بیع کی جائے یا بکری کے بدلہ میں اونٹ کا گوشت رکھا جائے اس صورت میں تفاضل اور ادھار دونوں جائز ہوں گے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حیوان کی گوشت کے ساتھ بیع کو مزابنہ اور محاقلہ سے تشبیہ دی ہے یہ درست نہیں کیونکہ آپ نے مزابنہ اور محاقلہ کو مقیس علیہ اور حیوان کی گوشت کے ساتھ بیع کو ''مقیس'' بنایا ہے۔ ان دونوں میں کامل مناسبت نہیں پائی جاتی کیونکہ محاقلہ میں بالیوں میں گندم کے دانے اور بالیوں سے الگ کر کے گندم کے دانوں کا ڈھیر یہ دونوں متجانس ہیں اور ''قدر'' بھی دونوں میں موجود ہے۔ اس طرح مزابنہ میں درخت پر لگی کھجوریں اور توڑی ہوئی کھجوریں بھی جنس و قدر میں متحد ہیں لیکن مقیس (حیوان کی گوشت

سے بیع) میں بشکل جنس ایک ہو سکتی ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جب حیوان کو گوشت سمجھا جائے لیکن ''قدر'' موجود نہیں۔ اس لیے علتِ جامع موجود نہ ہوئی۔ لہٰذا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مقابل امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اقویٰ اور ارجح ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ میں امام ابو یوسف بھی ہیں۔ شیخین متحد ہیں اور قانون بھی ان کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ قدر و جنس دیکھی جائے گی اگر دونوں موجود نہیں تو تفاضل اور ادھار دونوں جائز ہیں اور ایک موجود دوسری معدوم تو تفاضل جائز اور ادھار جائز نہیں۔ اس کی تائید ملک العلماء علامہ کاسانی کی زبانی سنیئے:

اما الحیوان مع اللحم فان اختلف اصلان فهما جنسان مختلفان کالشاة مع لحم الابل والبقر فیجوز بیع البعض ببعض مجازفة نقدا و نسیئة لانعدام الجنس والوزن وان اتفقا کالشاة الحیة مع اللحم شاة فمن مشائخنا من اعتبر ها جنسین مختلفین و بنوا علیه جواز بیع اللحم الشاة بالشاة الحیة مجازفة عندهما لانه بائع الجنس بخلاف الجنس و منهم من اعتبرهما جنسا واحدا و بنوا مذهبهما علی انه الشاة لیست بموزونة وربوا الفضل یعتمد اجتماع الجنس مع القدر فیجوز بیع احدهما بالاخر مجازفة و مفاضلة بعد ان یکون یدا بیدوهو الصحیح علی ما عرف فی الخلافیات و قال محمد لا یجوز الاعلی وجه الاعتبار علی ان یکون وزن اللحم الخالص اکثر من قدر اللحم الذی فی الشاة الحیة. (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۸۹ فصل واما شرائط الربوٰا سے تقریباً ڈیڑھ ورق پہلے' مطبوعہ بیروت)

حیوان کی گوشت کے عوض بیع میں اگر دونوں اصل مختلف ہوں تو وہ دو مختلف جنس ہوں گی جیسا کہ بکری کو اونٹ یا گائے' بیل کے گوشت کے عوض بیچا جائے اس صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ اندازے کے ساتھ فوری اور ادھار دونوں طرح جائز ہے۔ کیونکہ جنس اور وزن دونوں موجود نہیں اور اگر دونوں اصل میں متفق ہوں جیسا کہ زندہ بکری کی بکری کے گوشت کے ساتھ بیع کی جائے تو اس میں ہمارے بعض مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ یہ دو مختلف جنس ہیں۔ اس اختلاف جنس پر انہوں نے بکری کے گوشت کی زندہ بکری کے ساتھ بیع کو اندازاً جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ ایک جنس کی دوسری مختلف جنس کے ساتھ بیع ہے اور بعض حضرات نے انہیں ایک ہی جنس قرار دیا اور انہوں نے کہا کہ زندہ بکری وزنی چیز نہیں اور تفاضل اس صورت میں ممنوع ہوتا ہے جب جنس اور قدر دونوں موجود ہوں یہاں چونکہ دونوں میں سے ایک موجود ہے اس لیے اندازے کے ساتھ اس صورت میں بیع جائز ہے لیکن فوری ہاتھوں ہاتھ ہونی چاہیے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ خلافیات میں بیان ہو چکا ہے۔ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ بیع ایک صورت میں جائز ہو سکتی ہے وہ یہ کہ خالص گوشت کا وزن اس گوشت سے زیادہ ہو جو زندہ حیوان ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے قول کو ''ادھار'' پر محمول کر کے ''حرمت'' کا قول کیا ہے۔ یعنی حیوان کو اگر گوشت کے عوض میں فروخت کیا جائے تو ''ادھار'' کے طریقہ سے ممنوع ہے' مطلقاً ناجائز نہیں قرار دیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر ائمہ حضرات کا مؤقف وہی ہے جو مذکورہ باب کے الفاظ میں ہے یعنی حیوان کی گوشت کے عوض بیع درست نہیں لیکن قدر و جنس چونکہ دونوں موجود نہیں اور ربوٰا الفضل'' کے بارے میں احادیث میں جن چھ اشیاء کا ذکر ہے ان میں امام صاحب کے نزدیک علت (بلکہ صاحبین کے نزدیک بھی) قدر و جنس ہے۔ اس قانون کے پیشِ نظر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مؤقف واضح ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے اس مؤقف کی تائید میں احادیث وآثار بھی موجود ہیں۔ چند مذکور ہیں:

حیوان کی گوشت کے ساتھ بیع اس وقت حرام ہے جب ادھار ہو

قال ابو نعیم قال فیہ بعض اصحابنا عن سفیان قال فیہ الی رجل رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ رجال صحیح.
(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۰۵ باب بیع اللحم بالحیوان مطبوعہ بیروت)

ابو نعیم نے کہا: کہ اس بیع کے بارے میں ہمارے بعض اصحاب نے جناب سفیان سے نقل کیا کہ انہوں نے اس کی حرمت ادھار پر محمول فرمائی اسے طبرانی نے کبیر میں ذکر کیا اور اس کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

عن ابن عمر ان النبی ﷺ نہی عن بیع اللحم بالحیوان رواہ البزاز و فیہ ثابت بن زھیر ضعیف. (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۰۵ باب اللحم بالحیوان مطبوعہ بیروت)

ابن عمر کہتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے گوشت کی حیوان کے ساتھ بیع سے منع فرمایا اسے بزاز نے روایت کیا اس روایت میں ایک راوی ثابت بن زہیر ضعیف ہے۔

قال سفیان ولا نری بہ بأسا.... عن ابن عباس قال لا بأس ان یباع اللحم بالشاۃ. (مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۲۷ باب بیع الحی بالمیت مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت)

سفیان ثوری کہتے ہیں: ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔۔۔۔ابن عباس نے کہا: کہ گوشت کو بکری کے عوض فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اعتراض: روی ان جزورا نحر علی عہد ابی بکر رضی اللہ عنہ فجاء رجل بعناق و قال اعطونی بہذا الاعناق قطعتہ من ہذا اللحم فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ ہذا لا یصلح. (المبسوط للسرخسی ج ۱۲ ص ۱۸۱ باب کتاب البیوع مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مروی ہے کہ ایک اونٹ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ذبح کیا گیا ایک شخص اونٹ لے کر آیا اور کہنے لگا اس زندہ اونٹ کے عوض مجھے اس گوشت کا ایک ٹکڑا دے دو تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ درست نہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ زندہ جانور کے بدلہ گوشت فروخت کرنا جائز نہیں۔

جواب: اس کا جواب خود صاحب مبسوط نے تحریر کیا ہے ملاحظہ ہو:

والاصل فیہ قولہ ﷺ واذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم بعد ان یکون یدا بید والمراد بالنہی عن الحیوان اذا کان احدہما نسیئا و قد ذکر ذالک فی بعض الروایات وبہ نقول فان السلم فی کل واحد فیہما لا یجوز عند ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ و تاویل حدیث ابی بکر رضی اللہ عنہ ان ذالک البعیر کان من ابل الصدقۃ فکرہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیع لحمہ لانہ انما نحر لیتصدق بہ علی الفقراء فلہذا قال لا یصلح. (المبسوط ج ۱۲ ص ۱۸۱ کتاب البیوع مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس میں اصل حضور ﷺ کا یہ قول ہے۔ جب دو نوع مختلف ہوں تو ہاتھوں ہاتھ جیسے چاہو بیچ سکتے ہو اور حیوان کی بیع سے نہی کی مراد یہ ہے کہ جب ان میں سے ایک ادھار ہو۔ اس کا بعض روایات میں ذکر بھی ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ ان میں سے کسی ایک میں بھی بیع سلم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز نہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کی تاویل یہ ہے کہ وہ اونٹ صدقہ کا تھا اور اسے فقیروں میں تقسیم کرنے کے لیے ذبح کیا گیا تھا اسی لیے فرمایا: یہ درست نہیں۔

قارئین کرام! حیوان کی گوشت کے عوض بیع کو ناجائز قرار دینے والے حضرات حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پیش کرتے ہیں اس کا ہم نے جواب تحریر کر دیا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ دوسری دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس

کا جواب بھی یہ ہے کہ وہ صدقہ کا اونٹ ذبح کیا گیا تھا تا کہ فقراء میں اس کا گوشت بانٹا جائے اس لیے آپ نے اسے "لا یصلح" کہا اور صاحب مبسوط نے اس سلسلہ میں ایک قاعدہ ذکر کیا ہے جو حضور ﷺ کے ارشاد گرامی سے اخذ ہے۔ جب دو اشیاء کی جنس مختلف ہو تو انہیں ہاتھوں ہاتھ جیسا چاہے فروخت کر سکتے ہو حیوان اور گوشت جبکہ دونوں ایک ہی جنس کے ہوں تو تفاضل جائز اور ادھار نا جائز (اگر ان دونوں کو یعنی بکری اور اس کے گوشت کو دو مختلف جنس مانا جائے) بہر حال امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مؤقف صرف اور صرف ان کی ذاتی رائے نہیں بلکہ اس کی تائید میں آثار صحابہ بھی موجود ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٣٤٨- بَابُ الرَّجُلِ يُسَاوِمُ الرَّجُلَ بِالشَّيْءِ فَيَزِيْدُ عَلَيْهِ اَحَدٌ

قیمت پر قیمت (یا بولی پر بولی) لگانا

٧٦٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ.

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں نافع نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص دوسرے شخص کے کیے ہوئے سودے پر سودا نہ کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ اِذَا سَاوَمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ بِالشَّيْءِ اَنْ يَزِيْدَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ فِيْهِ حَتّٰى يَشْتَرِيَ اَوْ يَدَعَ.

حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے کہ جب کوئی شخص کسی شخص کے سودے پر بات کر رہا ہو تو دوسرے شخص کو جائز نہیں کہ درمیان میں آ کر قیمت بڑھائے جب تک کہ وہ خرید نہ لے یا چھوڑ نہ جائے۔

٣٤٩- بَابُ مَا يُوْجِبُ الْبَيْعَ بَيْنَ الْبَائِعِ وَ الْمُشْتَرِيْ

جس بات سے بائع اور مشتری کے درمیان سودا پختہ ہو جاتا ہے' کا بیان

٧٧٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهٖ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ خریدار کو اور فروخت کنندہ کو (سودا قبول کرنے یا رد کرنے کا) اختیار اس وقت تک ہے جب تک دونوں جدا نہ ہو جائیں سوائے بیع خیار کے (یعنی ایک دوسرے کو اختیار دینے کی صورت میں)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهٰذَا نَاْخُذُ وَ تَفْسِيْرُهٗ عِنْدَنَا عَلٰى مَا بَلَغَنَا عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ اَنَّهٗ قَالَ الْمُتَبَايِعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا عَنْ مَنْطِقِ الْبَيْعِ اِذَا قَالَ الْبَائِعُ قَدْ بِعْتُكَ فَلَهٗ اَنْ يَّرْجِعَ مَا لَمْ يَقُلِ الْاٰخَرُ قَدِ اشْتَرَيْتُ فَاِذَا قَالَ الْمُشْتَرِيْ قَدِ اشْتَرَيْتُ بِكَذَا وَ كَذَا فَلَهٗ اَنْ يَّرْجِعَ مَا لَمْ يَقُلِ الْبَائِعُ قَدْ بِعْتُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اس کی تشریح وہ ہے جو ہم تک ابراہیم النخعی سے پہنچی ہے کہ بائع یا مشتری کو اختیار ہے جب تک دونوں خرید و فروخت کی گفتگو سے جدا نہ ہوئے ہوں جب فروخت کرنے والے نے کہا کہ میں نے اس کو تمہارے ہاتھ فروخت کر دیا تو اسے اس وقت تک رجوع کا حق ہے جب تک خریدار یہ نہ کہہ دے کہ میں نے خرید لیا۔ اس طرح جب مشتری کہہ دے کہ میں نے یہ ان شرائط پر خریدا تو اسے رجوع کرنے کا

اس وقت تک اختیار ہے جب تک فروخت کرنے والا نہ کہہ دے کہ میں نے فروخت کر دیا۔ امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے۔

بیع کی تکمیل میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ احناف اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کا مؤقف تقریباً ایک ہے اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مؤقف تقریباً ایک ہے۔ اختلاف یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان بیع فسخ کرنے کا کس وقت تک اختیار رہتا ہے؟ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں بائع اور مشتری کو بیع مکمل ہونے کے بعد اس وقت تک فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ آپس میں جدا نہ ہو جائیں یعنی اس مجلس سے ایک اٹھ جائے یا دونوں اٹھ جائیں یعنی ان کا مؤقف یہ ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار ہے "مالم یتفرقا جب تک جدا نہ ہو جائیں" جدائی سے مراد ابدان کی جدائی ہے کہ ان دونوں کے بدن جدا جدا نہ ہو جائیں اور بیع کرنے کے بعد جب تک وہ اسی مجلس میں بیٹھے رہیں گے جدا نہ ہوں گے۔ بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے کہ جو چاہے فسخ کر دے۔ ان کے مقابلہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ اور امام مالک کا مؤقف یہ ہے کہ بائع اور مشتری کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک کہ بائع اور مشتری کے الفاظ مثلاً "بعت و اشتریت" مکمل نہ ہوں۔ اگر بائع کہتا ہے بعت مگر ابھی مشتری نے اشتریت نہیں کہا تو ابھی تک بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے کہ جونسا چاہے بیع فاسد کر دے۔ ہمارے مسلک کا خلاصہ یہ نکلا کہ اس حدیث (مالم یتفرقا) سے افتراق ابدان یعنی امام شافعی، احمد بن حنبل اس وقت تک اختیار دیتے ہیں کہ دونوں کے قول جدا جدا نہ پائے جائیں جب قول کا افتراق پایا گیا یعنی بعت و اشتریت دونوں الفاظ پائے گئے اب بائع و مشتری دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار نہیں کہ وہ بیع کو توڑ سکیں چاہے وہ اسی مجلس میں ایجاب وقبول کے بعد عرصہ دراز تک بیٹھے رہیں۔

اب ہم دونوں حضرات کے دلائل نقل کرتے ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

فقہاءِ حنبلیہ اور شافعیہ کے مؤقف پر دلائل

ان دونوں حضرات کی طرف سے جو دلائل مختلف کتب میں پائے جاتے ہیں ان تمام کا نقل کرنا تو ناممکن ہے۔ علامہ نووی شافعی نے "شرح مسلم" (جلد ۲ ص ۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی پاکستان باب ثبوت خیار المجلس للمتابعین) میں اختلافِ فقہاء نقل کیا اور اپنے مسلک پر دلائل پیش کیے۔ آخر میں کہہ دیا کہ جو ہم نے اپنے مسلک پر احادیث پیش کیں ہیں ان کا کوئی صحیح جواز نہیں ہو سکتا اور علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے اپنی مشہور کتاب "المغنی" میں اپنے مسلک پر جو دلائل پیش کیے ہیں وہ زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں اگرچہ حنبلیوں اور شافعیوں کا مسلک ایک ہی ہے۔ ہم ذیل میں "مغنی" کی عبارت نقل کرتے ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

الثالث انه قال فی الحدیث اذا تبایع الرجلان فکل واحد منهما بالخیار و جعل لهما الخیار بعد تبایعهما قال و ان تفرقا بعد ان تبایع ولم یترک احدهم البیع فقد وجب البیع. الرابع انه یرده تفسیر ابن عمر للحدیث بفعله فانه کان اذا بایع رجلا مشی خطوة لیلزم البیع فتفسیر ابی برزہ له بقوله علی مثل قولنا وهما راویا الحدیث واعلم

(احناف کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے ابن قدامہ نے کہا احناف کا یہ مؤقف تین وجوہ سے باطل ہے اور ہم نے تیسری وجہ کو نقل کیا ہے) مؤقف احناف کے باطل ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے حدیث میں فرمایا: جب دو آدمی بیع کر لیں ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہوتا ہے تو نبی پاک ﷺ نے ان دونوں کے لیے ان کے بیع کرنے کے بعد اختیار دیا ہے اور اگر وہ جدا ہو جائیں بعد اس بات کے کہ دونوں

بمعناه وقول عمر البيع صفقة اوخيار معناه ان البيع ينقسم الى بيع شرط فيه الخيار وبيع مالم يشترط فيه سماه صفقة لقصر مدة الخيار فيه فانه قد روى عنه ابو اسحاق الجوزجانی مثل مذهبنا ولو اراد ما قالوه لم يجز ان يعارض به قول النبی ﷺ فلا حجة فی قول احد مع قول رسول الله ﷺ و قد كان عمر اذا بلغه قول النبی ﷺ رجع عن قوله فكيف يعارض قوله بقوله؟ على ان قول عمر ليس بحجة خالفه بعض الصحابة وقد خالفه ابنه وابو بزده وغيرهما. (المغنی مع شرح کبیر جلد ۴ ص ۹ کتاب البیع مسئلہ نمبر ۲۷۵۳ باب خیار المجلس مایجوز بیعہ و مالا یجوز' مطبوعہ بیروت)

نے بیع کر لی اور ان میں سے کسی ایک نے یعنی بیع کو فسخ نہ کیا تو بیع واجب ہو جائے گی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ احناف کے مؤقف کی تردید ابن عمر کی تفسیر جو ان کے فعل سے ہوتی ہے، بھی کرتی ہے کیونکہ وہ جب کسی آدمی سے بیع کرتے تو چند قدم چل پڑتے تاکہ بیع لازم ہو جائے اور تفسیر ابن بزدہ بھی ان کا رد کرتی ہے (ہمارے قول کی مثل) باوجود اس بات کے کہ یہی ابن عمر اور ابی بزدہ اسلمی دونوں ہی اس حدیث کے راوی ہیں اور حدیث کے معنی کو خوب جانتے ہیں باقی رہی یہ بات کہ حضرت عمر فاروق کا قول کہ بیع ایک صفقہ ہے یا خیار ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بیع تقسیم ہوتی ہے ایسی بیع کی طرف کہ اس میں خیار کی شرط ہو اور ایسی بیع کی طرف کہ جس میں خیار کی شرط نہ ہو اور اس نے اس کا نام صفقہ رکھا' مدتِ خیار کے قلیل ہونے کی وجہ سے اور روایت کی اس سے ابواسحاق جوزجانی نے ہمارے مذہب کے مطابق اگر ارادہ کیا اس نے اس کا جو کہا (کسی) نے اس کو جائز نہیں کہ معارضہ کیا جائے اس کے ساتھ نبی علیہ السلام کے قول کا۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کے مقابلہ میں کسی کا قول حجت نہیں ہوسکتا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب نبی علیہ السلام کا قول پہنچا تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ کے قول کے مقابلہ میں عمر فاروق کا قول لایا جائے؟ اس کے علاوہ یہ بھی بات ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول حجت نہیں ہوسکتا جبکہ اس کی بعض صحابہ نے مخالفت کی حالانکہ ان کے بیٹے نے ان کی مخالفت کی اور ابو بزدہ وغیرہ نے بھی اس کی مخالفت کی۔

قارئین کرام! آپ نے حنبلیوں کے دلائل پڑھ لیے اب ہم مالکیوں اور حنفیوں کے مؤقف پر ان کی ایک ایک عبارت نقل کرتے ہیں اس کے بعد ہم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی وہ فیصلہ کن عبارت پیش کریں گے کہ جو یقیناً فیصلہ کن ہوگی۔ ملاحظہ ہو:

قوله ﷺ المتبايعان كل واحد منهما بالخيار على صاحبه مالم يتفرقا اختلف العلماء فی تأويله فذهب مالک الى ان المتبايعين هما المستاومان لان المتبايعين انهما يوصفان بذالک حقيقتاً حين مباشرة البيع ومحاولته ولذالک روى عن النبی ﷺ انه قال لا يبع بعضكم على بيع

نبی پاک کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں لیکن حدیث کا معنی یہی ہے۔ ''بائع اور مشتری جب تک دونوں متفرق نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے اس حدیث کی تأویل میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ متبائعیان سے مراد متساومان ہے (قیمت لگانے والے دو فریق) کیونکہ بیع کرتے وقت متبائعیان حقیقت میں قیمت لگانے کے

بعض یرید واللہ اعلم. لایسمی علی صومه فعلی هذا یکونان الخیار مالم یفترقا بالقول و معنی تفرقهما علی هذا کمال البیع باتمام الایجاب والقبول ویکون معناه ان تفرقهما قد حصل بان استبد المتاع بما ابتاعه والبیع بثمنه وقد یکون تفرق بالاخبار الی المعانی والتباین فیها قال الله تعالی وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ماجاءه البینة یرید والله اعلم تفرقهم فی الادیان ومبایعة بعضهم لبعض فیها معلی هذا یکون معنی الحدیث المتساومین لهما الخیار مالم یکملا البیع قال بهذا ابوحنیفة والنخعی و ربیعه بن ابی عبد الرحمن وذهب ابن حبیب الی ان المتبایعین هما من قد وجد منهما التبایع وانقضی بینهما باتمام الاجاب والقبول وانهما قبل ذالک لا یوصفان بانما متبائعیان و انما یوصفان بانهما متساومان ومعنی مالم یفترقا بالابدان فیکون معنی الحدیث علی ذالک انهما بالخیار بعد وجود الایجاب والقبول مادامافی المجلس حتی یفترقا بان یزول احدهما عن الآخر و یفارقه بذاته وبهذا قال الشافعی وهو مذهب خیار المجلس کالنکاح.

(المنتقی مصنفہ قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی الاندلسی ج ۵ ص ۵۵ بیع الخیار مطبوعہ قاہرہ)

وصف سے متصف ہوتے ہیں اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی قیمت پر قیمت نہ لگائے اس اعتبار سے حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ (دو قیمت لگانے والے) جب ایجاب وقبول مکمل کر لیں تو پھر ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ نہ سودا کیا جائے اپنے بھائی کے سودا پر لہٰذا وہ دونوں بااختیار ہوں گے جب تک کہ قول کے ساتھ جدا نہ ہوں۔ از معنی تفرقهما کا اس طریقہ پر بیع مکمل ہوتا ہے ایجاب وقبول کے ساتھ اور اس کا یہ معنی ہوگا کہ ان دونوں کا جدا ہونا حاصل ہو گیا اس سے کہ جب مشتری نے خاص اور جدا کر لیا اس چیز کو جس کو اس نے خریدا ہے اور پہلے نے اپنے ثمنوں کو اس وقت تفریق مائل ہو جائے گی معنی کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں جدا ہوئے وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی مگر جب ان کے پاس دلیل آ چکی تو ان کی جدائی ادیان میں ہے اور تباین بعض کا بعض سے ادیان میں ہے۔ اس آیت کی رو سے حدیث کا معنی یہ ہوا کہ سودا کرنے والوں کے لیے (بائع ومشتری کے لیے) خیار ہے جب تک بیع کو مکمل نہ کر لیں۔ یہی ابوحنیفہ، نخعی، ربیعہ بن عبدالرحمٰن کا قول ہے۔ ابن حبیب اس بات کی طرف گیا کہ متبائعیان وہ ہوتے ہیں کہ جن سے تبایع پایا جائے اور ایجاب وقبول کے ساتھ بیع کو مکمل کیا جائے اور بائع اور مشتری اس سے قبل متبائعیان کی صفت سے موصوف نہیں ہوتے (ان کو متبائعین نہیں کہا جاتا) اور بے شک وہ وصف کیے جاتے ہیں کہ وہ دونوں متساومان (سودا کرنے والے) ہیں اور معنی مالم یفترقا البیع کا پس وہ ہوگا کہ بے شک وہ اختیار رکھتے ہیں ایجاب و قبول کے بعد جب تک کہ وہ دونوں مجلس میں موجود ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ان کا دوسرے سے اپنی ذات کے ساتھ جدا ہو جائے۔ یہ قول ہے شافعی کا اور یہی مذہب ہے عبداللہ ابن عمر، سعید ابن المسیب اور حسن بصری کا لیکن ان کے مقابلہ میں جو ہم کہتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ عقد معاوضہ ہے اس میں خیار مجلس نہیں ہوتا جیسا کہ نکاح میں خیار مجلس نہیں ہوتا۔

قارئین کرام! امام ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ نے "المنتقی شرح مؤطا امام مالک" میں اس مسئلہ کو اچھی طرح سے واضح کیا اور شافعیہ اور حنبلیوں کی دلیلیں نقل کیں جس کا خلاصہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "متبایعان میں سے ہر ایک کو اختیار ہوتا ہے

جب تک آپس میں جدا نہ ہوں'' تو یہ حدیث شافعیوں اور حنبلیوں کی دلیل ہے۔ جس کا ابوالولید باجی نے خلاصۃً یہ جواب دیا کہ متبایعان سے مراد متساومان ہیں (سودا کرنے والے) اور سودا کرنے والے جب سودا کر رہے ہیں تو جب تک ان کی کلام مکمل نہ ہوگی اس وقت تک ان دونوں کو اختیار ہوگا کیونکہ بعت و اشتریت کے ساتھ بیع مکمل ہو جاتی ہے اور اس سے قبل بیع مکمل نہیں ہوتی۔ لہٰذا متبایعان یعنی متساومان ہے اور یہ معنی لینا ضرور قیاس ہی نہیں اس پر دوسری حدیث شاہد ہے۔ جب دو آدمی بیع کریں تو تیسرے کو مداخلت کا حق نہیں جب تک کہ وہ بیع کو مکمل کریں یا چھوڑ نہ دیں۔ معلوم ہوا کہ تبایع کا معنی تساومت ہے ورنہ اس کا کوئی معنی نہ ہوگا کہ جب دو آدمی بیع کریں اور اس کا مفہوم یہ ہو کہ وہ بیع کو مکمل کر لیں یعنی ایجاب وقبول ہو چکا ہو تو پھر بھی تیسرے آدمی کو مداخلت کا حق نہیں۔ حدیث میں واضح طور پر موجود ہے جب دونوں بیع کریں تیسرا دخل اندازی نہ کرے جب تک کہ وہ مکمل نہ کر لیں یا چھوڑ نہ دیں اور اگر بیع کا معنی یہ ہے کہ وہ ایجاب وقبول کر لیں تو پھر چھوڑنے کا کیا معنی ہوگا؟ اس لیے تبایع کا معنی تساومت ہے یعنی جب دو آدمی سودا کر رہے ہوں ابھی ان کی بیع مکمل نہ ہوئی ہو جو کہ بعت و اشتریت سے مکمل ہوتی ہے۔ ایجاب وقبول سے قبل کسی کو حق نہیں کہ وہ مداخلت کرے اور جب وہ سودا کر چکیں یا بعت و اشتریت کہنے پر اتفاق نہ کر سکیں تو پھر تیسرے کو حق ہے کہ وہ بائع سے اپنی بات شروع کرے۔ اس کے علاوہ عبدالولید باجی نے اپنے مسلک پر ایک اور دلیل پیش کی ہے کہ یہ بیع وشراء عقدِ معاوضہ ہے اور عقد معاوضہ میں خیارِ مجلس نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ نکاح عقدِ معاوضہ ہے اور اس میں متفق علیہ طور پر خیارِ مجلس نہیں پایا جاتا یعنی جب ایک مجلس میں ایجاب وقبول ہو جائے اس کے بعد کسی کو مرد وعورت میں سے اختیار نہیں کہ نکاح کو توڑ دیں اس کا معنی یہی لیا جاتا ہے جب ایک طرف سے ایجاب ہوا اور ابھی دوسری طرف سے قبول نہ ہو تو دونوں کو اختیار ہے کہ وہ اس کو چھوڑ دیں۔ لیکن جب ایجاب وقبول ہو جائے تو اختیار ساقط اس کے علاوہ ابوالولید باجی نے اپنے مؤقف پر ایک اور دلیل دی کہ یہ جو حدیث میں لم یتفرقا کا لفظ آیا ہے اس سے تفرق حسی نہیں لغوی ہے اور وہ ہے ایجاب وقبول نہ کہ بدنوں کا جدا ہونا اس پر امام ابوالولید باجی نے قرآن سے استدلال کیا کہ اہلِ کتاب نے آپس میں تفریق نہ کیا مگر دلیل کرنے کے بعد۔ اس آیت میں تفرق حسی کا کوئی معنی نہیں بلکہ معنوی مراد ہے کہ انہوں نے دین میں اختلاف کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث میں بھی تفرق سے مراد تفرق حسی نہیں بلکہ معنوی ہے جو کہ لفظ بعت اور اشتریت ہے۔

اس طرح بیع بھی عقدِ معاوضہ ہے اس کے لیے خیارِ مجلس کا ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ تھا خلاصہ امام ابوالولید باجی مالکی کے کلام کا۔ اب ہم ایک فیصلہ کن عبارت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تصنیف سے کتاب الحجۃ کی نقل کرتے ہیں کہ جس میں شافعی اور حنبلی دونوں کے استدلال اور جوابات آ جائیں گے۔ اور آخر میں ایک لاینحل اعتراض بھی پیش کریں گے کہ جس کا جواب مخالفین کے پاس نہیں ہے۔

محمد قال قال ابو حنیفة اذا تبایع الرجلان و لم یذکرا فیه خیارا فقد وجب البیع حین عقداه وان لم یفترقا ولا خیار لهما وقال اهل المدینة هما بالخیار مالم یفترقا عن مجلسهما او عن مقامهما ذالک ویکون بیعهما بیع الخیار وقال محمد فکیف قلتم اذا لم یشترطا خیارا کانا بالخیار مالم یفترقا قالوا لحدیث الذی جاء عن النبی ﷺ رواه النافع عن عبدالله عن النبی ﷺ قال المتبائعان کل واحد منهما علی صاحبه بالخیار

امام محمد نے فرمایا امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے: جب دو شخص بیع کریں اور اس میں اختیار کا ذکر نہ کریں تو جس وقت وہ عقد کریں بیع واجب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ الگ الگ نہ ہوں اور اہلِ مدینہ نے کہا! ان کو اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ اپنے مقام سے یا مجلس سے الگ الگ نہ ہو جائیں اور ان کی یہ بیع بالخیار ہوتی ہے۔ امام محمد (اہلِ مدینہ کے اس قول کے جواب میں) فرماتے ہیں تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ وہ جب اختیار کی شرط نہ لگائیں تو الگ الگ ہونے سے پہلے ان کو اختیار ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا نافع حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ

مالم يفترقا الا بيع الخيار قلنا لهم فقال رسول الله ﷺ المتبايعان كل واحدمنهما على صاحبه بالخيار ما لم يفترقا من مجلسهما او مقامهما قالوا ليس هذا في الحديث ولكن معناه هذا عندنا وقيل لهم لقد اخطأتم عندنا المعنى في هذا البيعان كل واحد منهما بالخيار مالم يفترقا عن منطق البيع اذا قال البائع قد بعتك فالمشترى بالخيار ان شاء قبل وان شاء لم يقبل فانما تفسير هذا الحديث البيعان كل واحد منهما بالخيار مالم يتفرقا على هذا الوجه قال وكذالك اخبرنا بعض اصحابنا عن ابى معشر عن ابراهيم النخعي انه فسر حديث البيعان بالخيار مالم يتفرقا على هذا يدلكم على ان هذا الحديث ليس معناه على ما تقولون حديث عمر ابن الخطاب رضى الله عنه المعروف المشهور وهو كان اعلم بحديث رسول الله ﷺ قالوا وما حديث عمر قلنا لهم قوله حين وضع رجله في الغرز ان الناس يقولون غدا ماذا قال عمر؟ الا ان البيع عن صفقة اوخيار فاذا وجبت الصفقة فكان فيها خيار وانْ لم يشترط الخيار فهذا الحديث باطل ـ انما الصفقة ان يوجب البيع البائع والمشترى وبلغنا عن شريح انه قال اذا تبايع الرجلان وجب البيع ولم يكن لواحد منهما خيار قالوا فهذا الامر معمول به عندنا قلنا ارءيتم ان كان في البيع خيار ايكون البيعان بالخيار مالم يتفرقا قالوا لا يجزيهما ذالك الخيار قلنالهم فان الخيار كان لاحدهما ولم يكن لاخر خيار ارءيتم الذى لم يخير لم يكون له الخيار مالم يتفرقا وهو لم يهنق له خيار ينبغى ان يكون الذى لم يخيره صاحبة بمنزلة المتابعين الذين لم يخير واحد منهما صاحبة فيكون لم يخير بالخيار مالم يتفرقا ويكون المخير لا خيار له الا الخيار الذى اشترطاه [illegible]

ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر متفرق ہونے سے پہلے اختیار ہوتا ہے؟ ماسواء بیع الخیار کے (امام محمد اس حدیث کا جواب فرماتے ہیں) ہم نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہرایک کو دوسرے پر مجلس یا مقام کے متفرق ہونے سے پہلے اختیار رہتا ہے۔ انہوں نے کہا ہر چند کہ مجلس یا جگہ کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں لیکن حدیث کا معنی یہی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں ان سے یہ کہا گیا کہ تم سے اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہرایک کو اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ بیع کے اقوال سے متفرق نہ ہو جائیں۔ جب بائع نے کہا: میں نے یہ چیز فروخت کی اب مشتری کو اختیار ہے کہ وہ اس قول کو قبول کرے یا نہ کرے (اور قبول کرنے کے بعد بیع لازم ہے اور اختیار نہیں) حدیث کی تفصیل اس طریقہ سے ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابراہیم نخعی نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طریقہ سے کی ہے (اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طرح کی ہے) اور ان دلائل میں سے ایک دلیل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حدیثِ مذکور کا معنی وہ نہیں جو تم کرتے ہو اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو اچھی طرح جانتے تھے (اہلِ مدینہ کا سوال) انہوں نے کہا: عمر فاروق کی وہ کون سی حدیث ہے؟ (جواب) ہم نے ان کے لیے کہا عمر فاروق کا وہ قول ہے کہ جب انہوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو فرمایا! لوگ کل کہیں گے عمر نے کیا کہا ہے؟ سنو! بیع صفقہ (سودا طے ہونے) سے ہوتی ہے یا خیار سے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! تو کیا سودا طے ہونے کے بعد اختیار ہو سکتا ہے؟ اگر چہ خیار کی شرط نہ لگائے اور یہ بات غلط ہے کیونکہ صفقہ یہ ہے کہ واجب کرتے ہیں بیع کو بائع اور مشتری اور ہمیں قاضی شریح سے یہ بات پہنچی ہے کہ جب دو شخص بیع کر لیں تو بیع واجب ہو جاتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی اختیار نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا: یہ [illegible] ہے (اب امام محمد اہل مدینہ پر بطور

جمیعا بالخیار مالم یتفرقا عن المجلس اذا لم یکن فی البیع خیار فان شرط احدهما الخیار ولم یشترطه الاخر ینبغی ان یکون الذی لم یشترطه بالخیار مالم یتفرقا فان زعمتم انه لا خیار للذی لم یشترط له الخیار والخیار لاخر فهذا ترک منکم لقولکم ینبغی فی قولکم ان یکون للذی لم یشترط له الخیار بالخیار ولا یبطل حقه بخیار غیره.

(کتاب الحجۃ ج۲ص۶۸۰۔۶۹۴ کتاب الحجۃ باب الرجلین یتبایعان ولا یذکران خیاراً 'مطبوعہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور' پاکستان)

معارضہ ایک سوال پیش کرتے ہیں) فرمایا: اگر تفرق عن المجلس سے پہلے دونوں کو اختیار رہتا ہے تو بتاؤ! جب تفرق سے پہلے ایک شخص اختیار کی شرط لگائے دوسرا شخص نہ لگائے تو جس شخص نے اختیار کی شرط نہیں لگائی اس کے لیے اختیار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ اس کے شرط نہ لگانے کے خلاف ہے اور اگر اختیار نہیں ہے تو تمہارے قول کے خلاف ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحجہ میں جو یہ عبارت بطورِ سوال و جواب نقل کی ہے اور اس میں تقریباً شافعی اور حنبلیوں کے تمام اعتراضات کے جوابات آ چکے ہیں کیونکہ سب سے بڑی دلیل ان کی عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے۔ جس کو اسی بابِ مؤطا میں ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''بائع اور مشتری کو اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہو جائیں ''اس کا مطلب یہی ہے کہ مجلس کو چھوڑ کر نہ چلے جائیں تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب فرمایا: حدیث کے الفاظ تو صرف یہ ہیں ''مالم یتفرقا'' کیا حدیث میں اس سے آگے یہ الفاظ بھی موجود ہیں **من مجلسهما** اور **مكانهما** کہ انہیں تب تک اختیار رہتا ہے جب تک کہ اپنی مجلس اور مکان سے جدا نہ ہوں تو امام محمد کا یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب شافعی اور حنبلیوں کے پاس نہ تھا اور انہوں نے کہہ دیا کہ حدیث میں تو یہ الفاظ موجود نہیں ہیں لیکن معنی یہی نکلتا ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جرح کرتے ہوئے فرمایا: یہ تمہاری رائے ہے اور تمہاری رائے میں غلطی ہے' تم نے حدیث کا معنی صحیح نہیں سمجھا کیونکہ ابراہیم نخعی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کا یہ معنی نہیں کیا بلکہ انہوں نے تفرق اقوال مراد لیا ہے۔ یعنی جب ایک شخص بعت کہے اس وقت تک بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے کہ بیع کریں یا نہ کریں اور جب دوسرا اشتریت کہہ دے تو اب اختیار ختم ہو گیا۔ آخر میں امام محمد نے وہ معارضہ اپنی شان کے مطابق کیا اور وہ ایسا معارضہ ہے جس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ یعنی انہوں نے معارضے کی صورت یہ بنائی کہ اگر مجلس سے تفرق ہونے سے پہلے دونوں کو اختیار رہتا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ جب انہوں نے بیع شراء کر لی اور ابھی مجلس میں ہی موجود ہیں ان میں سے ایک نے اختیار کی شرط لگائی اور دوسرے نے نہ لگائی تو جس نے اختیار کی شرط نہیں لگائی اس کو بھی اختیار ہے یا نہیں؟ اگر اسے اختیار ہے تو پھر اس کے شرط نہ لگانے کے خلاف ہے اور اگر اختیار نہیں تو پھر تمہارے خلاف ہے۔ کیونکہ تم کہتے ہو کہ مجلس سے جدا ہونے تک اختیار رہتا ہے۔ معارضے کا خلاصہ یہ نکلا کہ شرط نہ لگانے والے کی دونوں صورتیں تمہارے خلاف ہیں کیونکہ شرط نہ لگانے کی صورت میں اگر کہا جائے کہ اسے اختیار ہے تو یہ اس کے شرط نہ لگانے کے خلاف ہے کیونکہ اس نے شرط اس لیے نہیں لگائی کہ اسے اختیار نہیں اور اگر اختیار نہ ہو تو پھر تمہارے خلاف ہے کیونکہ تم اختتامِ مجلس تک اختیار دیتے ہو اور اس کو اختیار حاصل نہیں۔ بہر صورت امام محمد کا یہ معارضہ لاینحل ہے۔

خیارِ مجلس کے رد میں فقہاءِ احناف کے مؤقف پر قرآن مجید سے استدلال

(۱) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ اے ایمان والو! آپس میں ناحق مال مت کھاؤ البتہ تم

بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ الخ باہمی رضامندی سے تجارت کر سکتے ہو۔

(النساء:۲۹)

تو قارئین کرام! تـراضـی کے ساتھ تجارت ایجاب وقبول کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے۔اس لیے اب کسی فریق کو اختیار نہیں ہوگا کہ وہ مجلس میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بیع فسخ کر دے کیونکہ قرآن مجید کے الفاظ میں تجارت کو ان دونوں کی رضامندی پر موقوف کیا گیا اور تجارت بیع وشراء سے ہو جاتی ہے اور مجلس کا آیت میں کوئی ذکر نہیں کہ مجلس تک رضامندی شرط ہے بیع کے مکمل ہونے تک۔

(۲) يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ. (المائدہ:۱) اے ایمان والو! عقد کو پورا کرو۔

قارئین کرام! عقد کے معنی میں کسی کو اختلاف نہیں' عقد ایجاب وقبول کو ہی کہتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عقد کو پورا کرو اس کا معنی یہی ہے کہ تمہاری بیع اس وقت پوری ہوگی جب جانبین سے ایجاب وقبول پایا جائے گا اور خیار مجلس ایفائے عہد کے منافی ہے کیونکہ آیت کے معنی تو یہ ہیں کہ ''اے ایمان والو عقد کو پورا کرو'' اور عقد نام ہے ایجاب وقبول کا۔اگر خیار مجلس کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ایجاب وقبول سے عقد نہیں ہوا۔

(۳) وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ. (البقرۃ:۲۸۲) جب تم بیع کرو تو گواہ بنالو۔

قارئین کرام! بیع تو ایجاب وقبول کو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ خداوند کریم کا حکم ہے جب تم ایجاب وقبول کرو تو تمہاری بیع مکمل ہو جائے گی لہٰذا تم اس بیع پر لوگوں کو گواہ بنالو اور دوسرا اگر ایجاب وقبول سے بیع مکمل نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ گواہ بنانے کا حکم کیوں فرماتا؟

خیارِ مجلس کے رد میں احناف کے مؤقف پر احادیث سے استدلال

(۱) عن ابن عمر قال كنا مع النبی ﷺ فی سفر فكنت علی بكر صعب لعمر فكان يغلبنی فيتقدم امام القوم فزجره عمر و يرد ثم يتقدم فيزجره عمر فيرد فقال النبی ﷺ لعمر بعنيه فقال هو لک يارسول الله ﷺ قال رسول الله ﷺ بعنيه فباعه من رسول الله ﷺ فقال النبی ﷺ هو لک يا عبدالله بن عمر تصنع به ماشئت. (صحیح بخاری ج ۱ص ۲۸۳ باب اذا اشتری شیئا فوهب من ساعتہ قبل ان یتفرقا' مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کے ساتھ ایک سفر پر تھے۔میں ایک اونٹ پر سوار تھا جو عمر فاروق کا تھا اور میرے قابو نہ آتا تھا اور قوم سے آگے نکل جاتا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو جھڑک کر لوٹاتے تو وہ پھر آگے نکل جاتا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے جھڑک کر لوٹاتے نبی پاک ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا! یہ اونٹ مجھے بیچ دو۔انہوں نے عرض کی یارسول للہ! یہ آپ کی ملکیت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! یہ اونٹ مجھے فروخت کر دو۔پھر حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کو وہ اونٹ فروخت کر دیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ ابن عمر! یہ اونٹ تمہارا ہے تم اسے جو چاہو سو کرو۔

قارئین کرام! حدیث میں غور کریں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تائید کرتی ہے کیونکہ جب حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کو اونٹ بیچا ہے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے وہ اونٹ حضرت عبداللہ ابن عمر کو دے دیا اور حدیث کی عبارت یہ واضح کرتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو بیع ہوئی تو قبل افتراق مجلس آپ نے وہ اونٹ عبداللہ ابن عمر کو ہبہ کر دیا۔اگر مجلس کے ختم ہونے تک بیع مکمل نہیں ہوتی تو پھر رسول اللہ ﷺ

نے وہ اونٹ عبداللہ ابن عمر کو کیسے ہبہ کر دیا؟ کیونکہ جب تک کوئی چیز کسی کی ملکیت نہ ہو ہبہ نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوا بیع کرنے کے ساتھ ہی وہ اونٹ رسول اللہ کی ملکیت میں آ گیا اگر ملک میں نہ آتا تو آپ ہرگز اس کو ہبہ نہ فرماتے۔

(۲) عن جابر ابن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ اذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتى تستوفيه. (مسلم شریف ج ۲ ص ۶ باب بطلان بیع المبیع قبل القبض مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ہند)

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اناج خریدلو تو اس پر پورا قبضہ کرنے سے پہلے اسے مت فروخت کرو۔

قارئین کرام! یہ حدیث بھی امام ابوحنیفہ کے مؤقف کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ طعام کی بیع قبضہ کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے اور جب بیع قبضہ کے ساتھ مکمل ہو جائے تو آپ نے فرمایا: اس کو تمہارے لیے بیچنا جائز ہے اور قبضہ کی کئی صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔ غلہ کو ناپ لے یا تول لے تو اس سے قبضہ ہو جاتا ہے اور حضور علیہ السلام کا فرمان بھی یہ ہے کہ جب غلہ خریدو تو اس کو آگے ہرگز نہ بیچو! جب تک کہ تم اس پر قبضہ نہ کرو۔ تو جب غلہ کی کوئی بیع کرتا ہے اور مشتری اس کا ناپ کرتا ہے تو قانونی بات ہے کہ بائع اس کے پاس موجود ہوتا ہے اور جب مشتری ناپ کر لے تو اس وقت اس کے لیے اس کا بیچنا جائز ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مجلس کے ختم ہونے پر بیع کی تکمیل موقوف نہیں بلکہ قبضہ پر موقوف ہے۔ چاہے بائع و مشتری ایک مجلس میں ہی موجود ہوں مجلس کے اختتام تک یعنی تفرق ابدان تک بیع کو موقوف رکھنا اس حدیث کے خلاف ہے۔

(۳) عن محمد ابن خالد بن الزبير عن رجل من كنانة قال قال عمر حين وضع رجله في الغرز وهم بمنى اسمعوا ماأقول لكم ولا تقولوا قال عمر و قال عمر البيع عن صفقة أوخيار ولكل مسلم شرطه. (مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۵۳ حدیث ۱۴۲۷۴ باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

محمد ابن خالد بن زبیر کنانہ کے ایک آدمی سے روایت کرتا ہے اس نے کہا "عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا قدم رکاب میں رکھا اس حال میں کہ لوگ منیٰ میں تھے تو فرمایا: سنو! میں تمہارے لیے کہتا ہوں اور یہ نہ کہنا کہ یہ عمر کا قول ہے۔ بیع یا تو سودے سے ہوتی ہے اور یا خیار سے اور ہر مسلمان کو شرط لگانے کا حق ہے۔

قارئین کرام! اس حدیث کا واضح مفہوم ہے کہ صفقہ کا معنی سودے کا طے کرنا ہوتا ہے یعنی صفقہ اس بیع کو کہتے ہیں جو نافذ اور لازم ہو اس سے معلوم ہوا بیع کی دو قسمیں ہیں ایک بیع لازم کہ جس میں اختیار نہ ہو اور دوسری جس میں اختیار ہو۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر بیع میں اختیار ہوتا ہے وہ اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

اعتراض:

وقال ليث حدثني عبدالرحمن بن خالد ابن شهاب عن سالم ابن عبدالله عن عبدالله ابن عمر قال بعت من امير المومنين عثمان بن عفان مالا بالوادي لمال له بخيبر فلما تبايعنا رجعت على عقبي حتى خرجت من بيته خشية ان يرادني البيع وكانت السنة ان المتبايعين بالخيار حتى يتفرقا قال عبدالله فلما وجب بيعي وبيعه رايت اني قد غبنته

مجھ سے عبدالرحمٰن بن خالد نے ابنِ شہاب سے انہوں نے سالم بن عبداللہ سے انہوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا میں نے امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ وادی میں اس مال کے عوض مال بیچا جو خیبر میں تھا جب ہم بیع کر چکے تو میں الٹے قدم واپس چلا حتیٰ کہ ان کے مکان سے باہر نکل آیا۔ اس طور سے کہ وہ بیع واپس نہ کر دیں اور طریقہ یہ تھا کہ بائع اور مشتری دونوں کو اختیار تھا حتیٰ کہ وہ جدا ہو جائیں۔

بانی سقته الی ارض ثمود بثلث لیال و ساقنی الی المدینة بثلث لیال.

(صحیح بخاری ج اص ۲۸۴ باب اذا کان البائع بالخیار حل یجوز البیع)

عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں جب میری اور ان کی بیع پوری ہوگئی تو میں نے دیکھا کہ میں نے ان سے غبن کیا ہے اس لیے کہ میں نے ان کو ثمود کی زمین کی طرف تین راتوں کے سفر تک دور دھکیل دیا ہے اور انہوں نے مجھے مدینہ منورہ کی طرف تین دن کی مسافت بھیج دیا ہے۔

مذکورہ حدیث واضح طور پر بتا رہی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہی عقیدہ تھا کہ بائع مشتری کو اختتام مجلس تک اختیار رہتا ہے ورنہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیع کرنے کے بعد فوراً اٹھ کر اتنی دور نہ چلے جاتے اور حدیث کے الفاظ بھی ایسے ہی ہیں کہ عبداللہ ابن عمر اسی کو طریقہ شرعیہ سمجھتے تھے۔

مذکورہ حدیث کو جو اعتراض کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اس میں اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی جو مجلس کو چھوڑ کر وہاں سے نکلے ہیں اگرچہ اختیار مجلس کے فاسد کرنے کے لیے نکلے ہیں مگر اس کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ یہی سمجھتے تھے کہ بیع کی تکمیل تو بعت و اشتریت سے ہو جاتی ہے جو کہ اس زمانہ میں جاری وساری ہے لیکن ابتداءِ زمانہ میں طریقہ یہی تھا کہ بائع و مشتری میں سے جو بیع کو مکمل کرنا چاہتا ہو وہ بیع کر لینے کے بعد فوراً مجلس سے نکل جاتا۔ اس بات پر حدیث کے الفاظ "کانت السنته ان المتبایعین بالخیار حتی یتفرقا یعنی سنت یہی تھی کہ متبایعین کو جدا ہونے تک اختیار رہتا تھا" تو کانت کا صیغہ ماضی استعمال ہوا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طریقہ مسنونہ عبداللہ ابن عمر کی اس بیع کے وقت نہیں تھا بلکہ پہلے زمانہ میں تھا جو کہ اب منسوخ ہو چکا تھا۔ لیکن بطور استحباب عبداللہ ابن عمر نے اتقاء و پرہیز گاری کے لیے مجلس سے جدائی اختیار کر لی اور امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تقریباً یہی شرح کی ہے اب عمدۃ القاری کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے' ملاحظہ فرمائیں:

(قلت) قوله و كانت السنة تدل على انه كان هكذا فی اول الامر وعن هذا قال ابن بطال و كانت السنة تدل على ان ذالک كان فی اوّل الامر فاما فی الزمن الذی فعل ابن عمر ذالک فكان تفرق بالابدان متروكا فلذالک فعله ابن عمر لانه كان شديد الاتباع واغرض بعضهم على هذا بقوله وقد وقع فی رواية ايوب بن سويد كنا اذا تبايعنا كان كل واحد منا بالخيار مالم يتفرق المتبايعان فتبايعت انا و عثمان فساق القصة قال و فيها اشعار باستمرار ذالک انتهى. قلت القول فيه مثل ما قال ابن بطال فی حديث الباب و قوله و فيها اشعار باستمرار ذالک غير مسلم لان هذا دعوى بلا برهان على انا نقول ذكر ابن الرشد فی المقدمات له ان عثمان قال لابن عمر ليست السنة بافتراق الابدان قد

میں کہتا ہوں اس کا قول "و کانت السنة" یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ پہلے زمانہ کی بات ہے اس لیے (کہ یہ زمانہ گزشتہ کی بات ہے) ابن بطال نے کہا! "کانت السنة" کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ گزشتہ زمانہ کی بات ہے بہرحال اس زمانہ میں کہ جس میں ابن عمر نے یہ فعل کیا یہ تفرق بالابدان متروک ہے۔ اور ابن عمر نے بھی اس لیے ایسا کیا کیونکہ آپ (ابن عمر) اتباع میں بہت زیادہ پختہ تھے کچھ لوگوں نے اس (فعل عمر) پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایوب ابن سوید کی روایت میں موجود ہے کہ جب ہم بیع کرتے تھے تو ہم میں سے ہر ایک خیار کے ساتھ ہوتا جب تک کہ بائع اور مشتری جدا نہ ہو جاتے جیسے عبداللہ ابن عمر نے کہا! میں نے اور عثمان غنی نے بیع کی الخ معترض کہتا ہے اس میں اس کی ہمیشگی کی طرف اشارہ ہے۔ امام بدرالدین عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں اس کا جواب وہ ہے جو ابن بطال نے اب باب کی حدیث میں دیا ہے وہ یہ کہ اس نے یہ کہا ہے کہ اس میں استمرار کی طرف

انتسخ ذالک وقد اعترض علیه بعضهم بقوله هذه الزیادة لم اری لها اسنادا قلت لا یلزم من عدم رؤیة اسناده عدم رویة قائله او غیره فهذا لا یشفی العلیل.

(عمدۃ القاری ج۱۱ ص۲۳۳ باب اذا اشتری شیئا فوھب من ساعتہ قبل ان یتفرقا کتاب البیوع، مطبوعہ بیروت)

اشارہ ہے یہ بات غیر مسلم ہے کیونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ ابن رشد نے مقدمات میں ذکر کیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ابن عمر کے لیے فرمایا: سنت نہیں ہے افتراق بدن کے ساتھ کیونکہ یہ منسوخ ہو چکی ہے۔ اور اس پر بعض نے اعتراض کیا کہ یہ زیادتی ایسی ہے جس کا میں نے اسناد نہیں دیکھا۔ میں کہتا ہوں اس کے اسناد کی عدم رؤیت سے اس کے قائل کی عدم رؤیت لازم نہیں آتی اور یہ اعتراض بیمار کو شفا نہیں دے سکتا۔

قارئین کرام! امام بدرالدین عینی کی اس عبارت نے بہت سے اعتراضوں کو رفع کر دیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جس حدیث سے شافعی و حنبلی خیارِ مجلس پر استدلال کرتے ہیں اس میں فی المجلس یا فی المقام کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں خیارِ مجلس کا مسئلہ تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کو طریقہ سنت کہنے سے اپنے زمانہ میں کہ جس میں انہوں نے عبداللہ ابن عمر سے بیع کی تھی فرمایا: اب یہ سنت نہیں بلکہ یہ اب منسوخ ہو چکی ہے اور اس کے علاوہ بعض احادیث میں خیارِ مجلس کے مقابلہ میں عبداللہ ابن عمر کا یہ فعل بھی حدیث میں موجود ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے سے کھڑے ہو گئے تا کہ بیع پکی ہو جائے تو اب ان لوگوں کا دعویٰ باطل ہو گیا کیونکہ جو کہتے ہیں کہ جب تک مجلس میں دونوں بائع اور مشتری موجود رہیں اس وقت تک ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے کیونکہ جس صورت میں عبداللہ ابن عمر کھڑے ہو گئے تھے (بیع کو پکا کرنے کے لیے) یا اس صورت میں مجلس تو ایک ہی رہی جس سے معلوم ہوا خیارِ مجلس کا قول قطعی نہیں ہے رہی یہ بات کہ عبداللہ ابن عمر کا بیع کو پکا کرنے کے لیے کھڑا ہونا کس روایت میں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ''ترمذی'' میں یوں موجود ہے:

عن نافع عن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول البیعان بالخیار مالم یتفرقا او یختار قال فکان ابن عمر اذا ابتاع بیعا وهو قاعد قام لا یحب له. (جامع ترمذی ج۱ ص۱۵۰ باب ماجاء البیعان بالخیار مالم یتفرقا، مطبوعہ امین کمپنی اردو بازار دہلی ہند)

نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے نبی علیہ السلام سے سنا آپ فرما رہے تھے بائع اور مشتری خیار کے ساتھ ہوتے ہیں جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں یا دونوں اختیار نہ کر لیں۔ راوی کہتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جب مبیع خریدنا ہوتا اور وہ بیٹھے ہوتے تھے تو کھڑے ہو جاتے تا کہ ان کے لیے بیع واجب ہو جائے۔

قارئین کرام! اس حدیث نے واضح کر دیا کہ خیارِ مجلس کا مسئلہ یا تو منسوخ ہے یا پھر دلائلِ قطعیہ پر مبنی نہیں ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں ایک صریح اور مرفوع حدیث موجود ہے جس میں صاف الفاظ میں موجود ہے کہ بیع کا اختیار رہتا ہے بیع کرنے تک جیسے کہ یہ حدیث محلّی ابن حزم میں یوں مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں:

من طریق ابن ابی شیبه عن هاشم بن القاسم عن ایوب بن عتبه الیمانی عن ابن کثیر سحیمی عنابی هریرة عن النبی ﷺ البیعان بالخیار مالم یتفرقا من بیعهما اویکون بیعهما بخیار.

ابن ابی شیبہ کے طریقہ سے روایت کی جاتی ہے کہ ہاشم ابن قاسم سے اور وہ ایوب عتبہ یمانی سے اور وہ ابن کثیر سحیمی سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بائع و مشتری کو اختیار ہوتا ہے جب تک کہ وہ دونوں اپنی بیع

سے فارغ نہ ہو جائیں یا ان کے درمیان بیع بالخیار ہو۔ (المحلی ابن حزم ج ۸ ص ۳۶۲ احکام البیوع مسئلہ نمبر ۱۴۱۷ مطبوعہ قاہرہ)

قارئین کرام! اس حدیث نے بالکل واضح کر دیا کہ بیع کی تکمیل بائع اور مشتری کے بیع کر لینے پر ہے نہ کہ بائع اور مشتری کے مجلس سے جدا ہونے پر موقوف ہے۔ اس کے علاوہ غور فرمائیں کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول جس کو حنبل اور شافعی پیش کرتے ہیں وہ مرفوع نہیں ہے جیسا کہ اس سے قبل آپ پڑھ چکے ہیں۔ اور دوسرا ابن عمر کا یہ فعل ہے' قول نہیں اور قول کئی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے اس کے مقابلہ میں ابو ہریرہ والی حدیث مرفوع ہے اور پھر حدیث بھی قولی ہے تو رسول اللہ کی حدیث قول کے مقابلہ میں عبداللہ ابن عمر کے فعل کو ترجیح دینا اور حدیث کو چھوڑ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مسئلہ مذکورہ میں امام ابوحنیفہ کا قول محض ان کی ذاتی رائے ہے' ان کی تائید میں نہ کوئی حدیث ہے اور نہ ہی کسی صحابی یا تابعی نے ان کے ساتھ موافقت کی ہے۔ حدیث اور آثار کو آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ وہ کس قدر امام ابوحنیفہ کی تائید میں مذکور ہیں؟

٣٥٠ - بَابُ الْاِخْتِلَافِ فِی الْبَیْعِ بَیْنَ الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِیْ

بائع اور مشتری کے درمیان بیع میں اختلاف کے بیان میں

٧٧١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ كَانَ یُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَیُّمَا بَیِّعَانِ تَبَایَعَا فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ اَوْ یَتَرَادَّانِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ان تک یہ روایت پہنچی ہے کہ عبداللہ ابن مسعود بیان کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو جائے تو بائع کا قول معتبر ہوگا یا دونوں اس کو رد کر دیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اِذَا اخْتَلَفَا فِی الثَّمَنِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا الْبَیْعَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا اِذَا كَانَ الْمَبِیْعُ قَائِمًا بِعَیْنِهٖ فَاِنْ كَانَ الْمُشْتَرِیْ قَدِ اسْتَهْلَكَهٗ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْمُشْتَرِیْ فِی الثَّمَنِ فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَمَّا فِیْ قَوْلِنَا فَیَتَحَالَفَانِ وَیَتَرَادَّانِ الْقِیْمَةَ.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہم عمل کرتے ہیں جب دونوں کا قیمت میں اختلاف ہو تو دونوں قسم کھائیں' اور سودے کو رد کر دیں۔ امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے جبکہ فروخت شدہ چیز بعینہ موجود ہو۔ اگر خریدار نے اس کو ضائع کر دیا ہو تو امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق قیمت کے بارے میں خریدار کا قول معتبر ہوگا۔ لیکن ہمارے نزدیک دونوں قسم کھائیں گی اور قیمت کو لوٹا دیں گے۔

مذکورہ باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث لائے جو کہ عبداللہ ابن مسعود سے منقول ہے کہ جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے تو بائع کا قول معتبر ہوگا یا پھر سودا واپس کر دیں گے؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا حکم اس صورت میں ہے جب مبیعہ موجود ہو اور ثمنوں میں بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی مسلک ہے کہ بائع اور مشتری دونوں قسم کھائیں اور مبیعہ کو واپس کر دیں اور بیع کو ختم کر دیں۔

اور اگر مبیعہ مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت میں بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو جائے تو امام محمد فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ہمارے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ تو فرماتے ہیں کہ اب تحالف نہیں ہوگا بلکہ مشتری کا قول

معتبر ہوگا لیکن ہمارے نزدیک وہی فیصلہ ہے کہ جو مبیعہ کے موجود ہونے کی صورت میں تھا یعنی دونوں بائع اور مشتری قسم اٹھائیں گے اور سودا کو رد کیا جائے گا رہی یہ بات کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں صورتوں میں فرق کیوں کرتے ہیں؟ تو اس کے فرق کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مبیعہ کی موجودگی میں سودا کا واپس کرنا ممکن ہے کیونکہ مبیعہ جب موجود ہے اس کی قیمت میں جب اختلاف ہوگا تو ان دونوں سے قسم لینے کے بعد مبیعہ کو واپس کرتے ہوئے بیع کو ختم کر دیں گے بخلاف اس صورت کے کہ جب مبیعہ مشتری کے پاس ہلاک ہو گیا اب جبکہ واپس نہیں ہوسکتا تو تخالف کا کیا فائدہ؟ اب مشتری کی ہی بات کو تسلیم کیا جائے گا اس کی وضاحت ''ہدایہ شریف'' میں یوں مذکور ہے' ملاحظہ فرمائیں:

امام قدوری فرماتے ہیں: اگر مبیع ہلاک اور ضائع ہو جائے اس کے بعد بائع اور مشتری ثمنوں میں اختلاف کریں تو دونوں سے ایک دوسرے کے مقابل قسم نہیں لی جائے گی یہ امام ابوحنیفہ اور امام قاضی ابو یوسف کے نزدیک ہے اور مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دونوں سے قسم لی جائے گی اور بیع کو فسخ کیا جائے گا' ہلاک شدہ مبیعہ کی قیمت وہ دلائی جائے گی جو اس مبیعہ کی بازار میں مروجہ قیمت ہے اور یہی قول امام شافعی کا ہے۔ اس اختلاف پر یہ صورت بھی محمول ہے کہ جب مبیعہ بائع کی ملکیت سے خارج ہو جائے یا ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس عیب کی وجہ سے بیع کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ امام محمد اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک ایسے عقد کا دعویٰ کرتا ہے کہ جو اس عقد کے خلاف ہے جس کا دوسرا شخص دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا اس کے دعوے کا انکار کر رہا ہے تو ہر ایک ان میں سے منکر ہونے کی حیثیت سے قسم اٹھائے گا اور یہ تخالف ثمن کی زیادتی کو دور کرنے کے لیے مفید ہوگا (مشتری کے لیے یہ مفید ہوگا) جس وقت کہ بائع قسم کھانے سے انکار کرے۔ اس وجہ سے دونوں سے قسمیں لی جائیں گی جیسا کہ یہ دونوں جبکہ ثمن کی جنس میں مبیعہ کے ضائع ہو جانے کے بعد اختلاف کریں (تو دونوں قسم اٹھائیں گے) امام ابوحنیفہ اور امام یوسف کی دلیل یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان تخالف (ایک دوسرے کے مقابل قسم لینا) خلافِ قیاس ہے۔ اس لیے بائع نے مشتری کو وہ چیز سپرد کر دی ہے جس کا وہ مدعی ہے حالانکہ حدیث میں تخالف کا حکم اس وقت وارد ہوتا ہے جبکہ سامان موجود ہو۔ لہٰذا یہ تخالف اسی حد تک محدود رہے گا جس حد کے ساتھ شریعت نے اس کو شروع کیا ہے اور ایسی صورت میں کہ مبیعہ بعینہ قائم ہو باہمی قسم کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاملہ کو فسخ کر دیا جائے (یہ کہ ہر ایک اپنا سامان دوسرے سے واپس لے لے) اور ظاہر ہے کہ یہ صورت مبیعہ کے ضائع ہونے کے بعد باقی نہیں رہتی کیونکہ اسی وجہ سے عقدِ بیع مرتفع ہو چکا ہے یعنی ختم ہو چکا ہے تو مبیعہ ضائع ہو جانے کی صورت میں تخالف اس معنی میں نہ ہوگا جو کہ مبیعہ کی موجودگی میں تخالف کا اثر اور نتیجہ تھا اور اس وجہ سے بھی مبیعہ کے ضائع ہو جانے کے بعد امام ابوحنیفہ اور امام قاضی ابو یوسف کے نزدیک تخالف نہیں ہے کہ مقصود حاصل ہو جانے کے بعد سبب کے اختلاف کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا اور وہ مقصود مشتری کے واسطے مبیعہ کا سالم رہنا ہے جس وقت کہ مبیعہ اس کو سپرد کیا جائے جو بہر صورت حاصل ہو چکا ہے لہٰذا اس کے بعد یہ چیز قابل لحاظ نہ ہوگی کہ دونوں میں سے ہر ایک گویا اس عقد کے علاوہ دعویٰ کر رہا ہے کہ جس کا دوسرا مدعی ہے۔ لہٰذا ہر ایک اس حیثیت سے منکر بن جائے (تا کہ دونوں پر قسم لازم آئے) جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استدلال میں بیان کیا اور فائدہ صرف وہی قابلِ لحاظ ہوتا ہے کہ جو عقد کی وجہ سے واجب ہو۔ (ہدایہ شریف)

اور ثمن کی زیادتی کے دور کرنے کا فائدہ (جس کو امام محمد نے تخالف کے فوائد میں بیان کیا ہے) عقد کے مقتضیات میں سے ہے۔ لہٰذا اس قسم کے فائدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے متعاقدین سے قسم نہیں لی جائے گی۔

(ہدایہ اخیرین ص ۲۰۹ باب التخالف کتاب الدعویٰ مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب خانہ دستگیر کالونی نمبر ۳۸ کراچی پاکستان)

قارئین کرام! صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے مسلک کو اچھی طرح سے واضح کیا اور اسی کو حق جانا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ

جب مشتری کے پاس مبیعہ ہلاک ہو جائے تو تخالف کا کیا فائدہ ہے؟ کیونکہ تخالف تو اس سے کیا جاتا ہے کہ پہلے تو دونوں میں سے جو حلف سے منکر ہو جائے فیصلے کو دوسرے کے حق میں کیا جائے اور اگر دونوں قسم اٹھا جائیں تو مبیعہ کو واپس کیا جائے اور جب مبیعہ کی واپسی کی صورت ہی نہیں ہے تو اب تخالف کا کیا فائدہ؟ رہی یہ بات کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مشتری سے قسم لینے کا یہ فائدہ ہے کہ مشتری زیادہ قیمت نہ مانگ سکے گا تو صاحب ہدایہ اس کا جواب فرماتے ہیں کہ یہ بات عقد کے مقتضیات سے نہیں ہے اور کسی کا فائدہ وہی قابلِ لحاظ ہوتا ہے جو عقد کے مقتضیات سے ہو اور امام صاحب کی تائید میں ایک حدیث بھی ''اعلاء السنن'' ج ۱۵ ص ۴۱۸ پر دارقطنی سے حسن بن عمارہ کی اسناد سے مرفوعاً ذکر کی گئی ہے۔

عن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ اذا اختلاف البیعان فالقول ماقال البائع. فاذا استھلک فالقول قول المشتری.

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو جائے تو قابلِ قبول قول بائع کا ہوگا اور مبیعہ کے ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری کا قول قبول ہوگا۔

''موطا امام محمد'' کے پورے باب کا اس حدیث میں یہی خلاصہ ہے اور اس باب کے آخری حصہ میں جو اختلاف ہے اس میں امام ابوحنیفہ کے قول کی اس حدیث میں تائید ملتی ہے اگرچہ دارقطنی نے حسن بن عمارہ پر جرح کی ہے مگر جبکہ اصل مسئلہ کی اس سے تائید پائی جاتی ہے تو اس سے اس کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

۳۵۱ - بَابُ الرَّجُلِ یَبِیْعُ الْمَتَاعَ بِنَسِیَۃٍ فَیُفْلِسُ الْمُبْتَاعُ

ادھار بیچنے کی صورت میں خریدار کے مفلس ہو جانے کے بیان میں

۷۷۲- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِھَابٍ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ ھِشَامٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَیُّمَا رَجُلٍ بَاعَ مَتَاعًا فَاَفْلَسَ الَّذِی ابْتَاعَہٗ وَلَمْ یَقْبِضِ الَّذِیْ بَاعَہٗ مِنْ ثَمَنِہٖ شَیْئًا فَوَجَدَہٗ بِعَیْنِہٖ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ وَاِنْ مَاتَ الْمُشْتَرِیْ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ فِیْہِ اُسْوَۃٌ لِلْغُرَمَاءِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب زہری نے ابن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کچھ فروخت کرے اور خریدار مفلس ہو جائے اور بائع کو اس کی قیمت وصول نہ ہوئی ہو لیکن اسے اپنی چیز بعینہٖ مشتری سے مل گئی تو بائع اس کا زیادہ مستحق ہے اور اگر مشتری فوت ہو گیا تو فروخت کرنے والا دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا مَاتَ وَقَدْ قَبَضَہٗ فَصَاحِبُہٗ فَھُوَ اُسْوَۃٌ لِلْغُرَمَاءِ وَاِنْ کَانَ لَمْ یَقْبِضِ الْمُشْتَرِیْ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ مِنْ بَقِیَّۃِ الْغُرَمَاءِ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ حَقَّہٗ وَکَذٰلِکَ اِنْ اَفْلَسَ الْمُشْتَرِیْ وَلَمْ یَقْبِضْ مَایَشْتَرِیْ فَالْبَائِعُ اَحَقُّ بِمَا بَاعَ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ حَقَّہٗ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب خریدار فوت ہو جائے تو اس نے اس چیز پر قبضہ بھی کر لیا ہو تو بائع دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا' خریدار نے اگر قبضہ نہ کیا ہو تو فروخت کرنے والا دوسرے قرض خواہوں کی نسبت زیادہ حقدار ہوگا یہاں تک کہ اس کا حق اسے پورا مل جائے اسی طرح اگر خریدار مفلس ہو جائے اور اس نے خرید کردہ شے پر قبضہ نہ کیا ہو تو فروخت کرنے والا فروخت شدہ شے کا زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ اس کی رقم پوری ہو جائے۔

مذکورہ باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی آدمی

سامان فروخت کرے بغیر نقدی کے اور اس کے بعد مشتری مفلس ہو جائے یعنی حاکم وقت اس کے مفلس ہونے کا حکم جاری کر دے جس کو ہم دیوالیہ کہتے ہیں اس کے بعد جب قرض خواہ بہت زیادہ ہوں اور بائع سے مشتری نے جو مبیعہ لیا وہ بعینہٖ موجود ہو تو بائع دوسرے قرض خواہوں سے اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ مبیعہ پکڑے۔ ہاں اگر مشتری کے پاس مبیعہ موجود ہے لیکن مشتری مر جائے تو اب بائع دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ مساوی حکم رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ اپنے مبیعہ کو نہیں لے سکتا اب اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب خریدار فوت ہو جائے جبکہ اس نے مبیعہ پر قبضہ کر لیا ہو تو اس صورت میں بائع دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے لیکن اگر مشتری نے مبیعہ پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ وہ مبیعہ بائع کے پاس ہی موجود ہو تو اس صورت میں اس مبیع کو پکڑ لینے کے لیے دوسرے قرض خواہوں سے زیادہ مستحق ہے بہرصورت اس بات میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ جب مبیعہ مشتری کے پاس موجود ہو اور مشتری کے مفلس ہونے کا حاکم حکم دے دے مگر ہمارے ائمہ احناف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس مبیعہ میں بائع اور دوسرے قرض خواہ برابر کے حقدار ہیں جیسا کہ ''عمدۃ القاری'' میں امام بدرالدین عینی نے اس کو کثیر روایات کے ساتھ ثابت کیا ہے' ملاحظہ فرمائیں:

قلت ذهب ابراهيم النخعي والحسن البصري والشعبي في رواية و وكيع بن جراح و عبدالله ابن شبرمه قاضي الكوفة و ابوحنيفة و ابو يوسف و محمد و زفر الى ان البائع السلعة اسوة للغرماء وصح عن عمر بن عبدالعزيز ان من اقتضى من ثمن سلعته شيئا ثم افلس فهو والغرماء فيه سواء وهو قول الزهري و روى عن علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه نحو ماذهب اليه هولاء و روى قتادة عن خلاص بن عمرو عن علي رضي الله تعالى عنه انه قال هو فيها اسوة للغرماء اذا وجدها بعينه وبهذا يرد على ابن المنذر في قوله ولا نعلم لعثمان في هذا مخالفا من الصحابة و قول عثمان مرعن قريب. في اوائل الباب و روى الثوري عن مغيره عن ابراهيم قال هو والغرماء فيه شرعا سواء و روى ابن ابي شيبه في مصنفه حدثنا ابن فضيل عن عطاء بن السائب عن الشعبي و سأله رجل انه وجدها له بعينه فقال ليست لك دون الغرماء.

(عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص ۲۴۰ باب اذا وجد مالہ عند مفلس فی البیع والقرض والودیعۃ فہو احق' مطبوعہ بیروت)

امام بدر الدین عینی فرماتے ہیں ابراہیم نخعی، حسن بصری، شعبی، وکیع بن جراح، عبداللہ بن شبرمہ قاضی کوفہ' امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص نے مفلس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی وہ اس چیز میں باقی قرض خواہوں کے برابر ہے۔ عمر بن عبدالعزیز سے صحیح روایت ہے کہ جس شخص نے اپنی چیز طلب کی پھر مقروض (دیوالیہ) قرار دیا گیا ہو تو وہ شخص اور باقی قرض خواہ برابر ہیں۔ زہری کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی انہیں کے مذہب کے مطابق روایت ہے۔ اور قتادہ خلاص بن عمرو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اپنی چیز بعینہٖ مقروض کے ہاں پائے تو وہ اس میں قرض خواہوں کے برابر ہے اسی طرح ابراہیم سے یہ روایت ہے کہ وہ اور دیگر قرض خواہ اس میں برابر ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے عطاء بن سائب سے کی' اور انہوں نے شعبی سے لی' شعبی سے ایک شخص نے پوچھا کہ اس نے مفلس کے پاس اپنا مال بعینہٖ پایا ہے' انہوں نے کہا کہ دوسرے قرض خواہوں سے تمہارا حصہ زیادہ نہیں۔

قارئین کرام! امام بدرالدین عینی نے بڑے بڑے ائمہ کا وہی مسلک بیان کیا ہے جو کہ امام ائمہ ثلاثہ احناف کا ہے اور صحیح

روایات سے اور آثار سے بھی اس کی تائید پیش کی ہے اب احناف کے مسلک کے استنباط کی وجہ یہ ہے کہ احناف فرماتے ہیں کہ بائع جب مشتری کو ایک مدت معینہ پر کوئی چیز فروخت کر دیتا ہے تو وہ چیز بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور اب بائع کا حق صرف اس قیمت سے ہے جو اس مبیعہ کی ہے جب مشتری کو حاکم وقت مفلس قرار دے دے تو اب مبیعہ تو ملکِ مشتری میں ہے اس لیے اس میں یہ بائع دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہی ہوگا تو امام ابوحنیفہ کے اصول کے مطابق دوسرے ائمہ سے اختلاف کی یہی وجہ ہے اور امام ابوحنیفہ کی تائید میں مختلف کتب احادیث میں کثیر تعداد میں آثار موجود ہیں ہم ان میں سے درج ذیل چند آثار درج کرتے ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

امام ابوحنیفہ کی تائید میں چند آثار

عن عبيد الله بن عمر عن عمر بن عبد الرحمن بن دلاف عن ابيه عن عم ابيه بلال بن الحارث قال: كان رجل يغالي بالرواحل، و يسبق الحاج حتى افلس قال: فخطب عمر بن الخطاب فقال: اما بعد! فان الأسيفع جهينة رضي من امانته و دينه ان يقال: سبق الحاج فادان معرضا، فأصبح قد دين به فمن كان لا شئ فليأتنا حتى نقسم ماله بينهم..... حدثنا سفيان عن رجل عن سيرين عن شريح أنه كان اذا أفلس رجلا (قسم) مابقي بين غرمائه. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۱۹-۲۲۰ باب نمبر ۴۳۸ کما رجل یرکبہ الدین)

عبداللہ بن عمر' عمر بن عبدالرحمٰن دلاف سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے چچا بلال بن حارث سے روایت کرتا ہے کہ ایک شخص بت مہنگی اونٹنیاں خریدتا تھا اور حاجیوں سے پہلے پہنچ جاتا تھا حتیٰ کہ وہ (اس شوق میں) دیوالیہ ہوگیا راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر بن خطاب نے خطبہ دیا اور فرمایا: قبیلہ جہینہ کا اشیفع (جس شخص کا رنگ غصہ میں معمولی سا سیاہ ہو جائے۔ تاج العروس) اپنی دینداری اور امانت داری میں صرف اس بات پر راضی ہوگیا کہ یہ کہا جائے کہ وہ حاجیوں سے پہلے پہنچ گیا، اس نے سامان قرض لیا، اور وہ دیوالیہ ہوگیا جس نے اس سے کچھ لینا ہو وہ ہمارے پاس آئے حتیٰ کہ اس کا مال ہم حصہ رسد کے اعتبار سے قرض خواہوں میں تقسیم کر دیں...... حدیث بیان کی، ابوسفیان نے ایک آدمی سے اس نے ابن سیرین سے ابن سیرین نے قاضی شریح سے جب وہ کسی کا دیوالیہ نکال لیتے ہیں تو وہ جو کچھ اس کے پاس بچا ہوا مال ہوتا ہے اس کو سب قرض خواہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

عن قتاده ان عمر بن عبدالعزيز قال: ان كان اقتضى من ثمنها شيئا فهو فيها والغرماء سواء وقاله الزهري ايضا...... عن ابن سيرين عن شريح قال: أيما غريم اقتضى منه شيئا بعد افلاسه فهو والغرماء سواء يعاصيهم به وبه كان يفتي ابن سيرين...... عن قتاده عن خلاص عن علي قال: هو فيها اسوة الغرماء اذا وجوها بعينها. (مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۲۶۶ باب الرجل یفلس فیجد سلعتہ بعینہا)

قتادہ رضی اللہ عنہ عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اگر کوئی آدمی اپنی چیز کی قیمت طلب کرے تو وہ بائع اور دوسرے قرض خواہ اس چیز میں برابر ہوں گے اور یہی زہری کا قول ہے...... ابن سیرین قاضی شریح سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: جو قرض خواہ مشتری کے مفلس ہو جانے کے بعد اپنی چیز کی قیمت طلب کرے تو وہ اور تمام قرض خواہ برابر ہیں اور قاضی شریح ان سب کو اس کے ساتھ طلب میں برابر قرار دیتے ہیں اور ابن سیرین بھی اُن سا کا فتویٰ دیتے تھے...... قتادہ خلاص سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بائع اور دوسرے قرض خواہ اس چیز میں برابر ہوں گے جس چیز کو بائع نے مشتری کے پاس بعینہٖ پایا۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا ان آثارِ صحیحہ میں واقع الفاظ میں موجود ہے کہ بائع مشتری کو جب کوئی چیز ادھار بیچتا ہے اور اس کے بعد قاضی اس کا دیوالیہ نکال دیتا ہے تو اب یہ بائع اپنی چیز کو اگر بعینہٖ مشتری کے پاس پالیتا ہے تو یہ اس کو لے نہیں سکتا کیونکہ بیچنے کے بعد وہ چیز کیونکہ مشتری کی ملک میں جا چکی ہے اور جو مشتری کا دیوالیہ نکل گیا اس کی ملک میں جتنی چیزیں ہوں گی اُن کو پکڑنے میں تمام قرض خواہ اس بائع کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے اور جو احادیث دوسرے ائمہ اس بات پر پیش کرتے ہیں کہ مشتری کے مفلس ہونے کے بعد اگر بائع اپنی چیز کو بعینہٖ مشتری کے پاس پالے وہ دوسروں سے اس چیز کا زیادہ حقدار ہے تو احناف ان احادیث کے جواب میں چند تاویلات پیش کرتے ہیں پہلی تاویل تو یہ ہے کہ اکثر احادیث میں **من ادرک ماله بعینه عندالرجل** کے لفظ ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے جو آدمی اپنے مال کو بعینہٖ کسی کے پاس لے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے لیکن اس میں بائع کا لفظ نہیں ہے اور جب بائع کا لفظ نہیں ہے تو پھر بائع کے حق میں اس حدیث کو بطور استدلال پیش کرنا صحیح نہیں ہے اور اس کے علاوہ دوسری تاویل امام طحاوی نے اس کی یہ کی ہے:

اجاب الطحاوی عن حدیث الباب ان المذکور فیه من ادرک ماله بعینه والمبیع لیس هو عین ماله وانما هو عین مال قد کان له وانما ماله بعینه یقع علی المغضوب والعواری والودائع وما اشبه ذالک فذالک ماله بعینه فهو احق به من سائر الغرماء. (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۰ اذا وجد مالہ عند مفلس فی البیع و القرض والودیعۃ مطبوعہ بیروت)

امام طحاوی نے جواب دیا کہ مذکورہ باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ جس آدمی نے اپنے مال کو بعینہٖ پایا حالانکہ مبیع اس کا عینِ مال نہیں ہے اور بے شک وہ اس کا عینِ مال تھا اور اس کا بعینہٖ مال واقع ہوتا ہے غصب شدہ چیز یا مانگی ہوئی یا امانت رکھی ہوئی چیز پر اور جو اس کے مشابہ ہیں۔

تیسری تاویل ان احادیث کی یہ کی جاتی ہے کہ ان احادیث میں مال سے مراد اس شخص کا مال ہے جس سے کوئی شخص وہ مال غصب کر کے لے گیا تھا یا چرا کر لے گیا تھا اور بعد میں چور یا غاصب نے وہ مال مفلس کو فروخت کر دیا یا مفلس نے کسی شخص سے عاریۃً مال لیا تھا یا اس کے پاس کسی شخص نے امانتاً وہ مال رکھوایا تھا ان تمام صورتوں میں جب صاحب مال نے اپنے مال کو مفلس کے پاس بعینہٖ موجود پایا تو قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ اس مال کا زیادہ حقدار ہے اس توجیح کی تائید ایک صریح حدیث سے بھی ملتی ہے۔

ابو معاویه حدثنا الحجاج ابن ارطات عن سعید بن زید بن عقبه عن ابیه عن سمره بن جندب قال قال رسول الله ﷺ اذا ضاع احدکم متاع او سرق له متاع فوجده فی ید رجل بعینه فهو احق به و یرجع المشتری علی الباع بالثمن. (بیہقی شریف ج ۶ باب العھدہ و رجوع المشتری بالدالک مطبوعہ حیدرآباد دکن ہند، مسند احمد، بمع منتخب کنز العمال ج ۵ ص ۱۳، من حدیث سمرہ بن جندب عن

ابو معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی حجاج بن ارطات نے سعید بن زید بن عقبہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی چیز گم ہو جائے یا چوری ہو جائے پھر وہ چیز بعینہٖ کسی کے پاس سے مل جائے تو وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے اور وہ شخص (جس سے چیز ملی ہے یعنی خریدار) بائع سے قیمت واپس لے۔

النبی ﷺ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

قارئین کرام! اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا: کہ جس کا مال گم ہو گیا ہو یا چوری ہو گیا ہو تو جس کے پاس وہ مال موجود ہے اس سے لینے کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جس کا وہ مال ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جب کوئی مفلس ہو جائے تو اس کے پاس کوئی شخص اپنا سامان پائے اس کے لینے کا وہی زیادہ حقدار ہے۔ اس سے مراد بیع نہیں ہے کیونکہ بیع کی صورت میں مشتری کے پاس بعینہ وہ مال نہیں ہوتا جو کہ بائع نے فروخت کیا ہے کیونکہ ملک بدلنے سے شے بدل جاتی ہے۔ جیسے کہ اس کی وضاحت امام بدرالدین کی عبارت میں گزر چکی ہے اور اسی لیے بیع کا لفظ بھی اگرچہ ایک روایت میں آیا ہے لیکن وہ روایت صحیح نہیں ہے جیسا کہ ''مسلم شریف'' میں باب من ادرک ما باعۃ عند المشتری و قد افلس فلہ الرجوع (اگر خریدار کا دیوالیہ ہو جائے اور اس کے پاس خریدی ہوئی چیز ہو تو بائع اس سے لے سکتا ہے)۔ صاحب مسلم نے عنوان تو یہ قائم کیا اور اس عنوان کے تحت چھ احادیث نقل کیں جن میں سے پانچ وہ ہیں کہ جن میں بیع کا لفظ موجود نہیں ہے صرف ایک روایت ایسی ہے کہ جس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

حدثنا ابن ابی عمر قال حدثنا هشام بن سليمان وهو ابن عكرمة بن خالد المخزومی عن ابن جريج قال حدثنی ابن ابی الحسين ان ابابكر بن محمد بن عمرو بن حزم اخبره ان عمر بن عبد العزيز حدثه عن حديث ابی بكر بن عبد الرحمن عن حديث ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ فی الرجل الذی يعدم اذا وجد عنده المتاع ولم يفرقه انه لصاحبه الذی باعه.

(بحذف اسناد) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب کسی شخص کو دیوالیہ قرار دیا جائے اور اس کے پاس کسی شخص کا سامان پایا جائے جس میں تصرف نہ کیا گیا ہو اس پر اس شخص کا حق ہے کہ جس نے اس کو فروخت کیا تھا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۷ باب من ادرک ما باعہ عند المشتر وقد افلس فلہ الرجوع فیہ مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

قارئین کرام! ''مسلم شریف'' کی چھ احادیث میں سے ایک حدیث میں لفظ بیع ملتا ہے جبکہ پانچ میں بیع کے الفاظ نہیں ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعینہ کا لفظ جو حدیث میں آتا ہے یعنی بائع بعینہ اپنے مال کو پا لے تو وہ اس کو پکڑ لے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اس کا مال چوری کیا گیا ہو یا اس نے کسی کے پاس امانت رکھی ہو یا کسی نے اس سے غصب کر لیا ہو تو ان تمام صورتوں میں صاحب مال کی ملک سے مال جدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ اس بات کا حقدار ہے کہ وہ اپنا مال پکڑ لے رہی وہ روایت ''مسلم شریف'' کی کہ جس میں لفظ بیع موجود ہے تو وہ حدیث مجروح ہے کیونکہ اس کے دونوں راوی ایسے ہیں کہ جن پر اسمائے رجال نے جرح کی ہے یعنی ابن ابی عمر، ہشام بن سلیمان ابن ابی عمر کے متعلق صاحب اسمائے رجال نے جرح کی ہے جیسے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مشہور کتاب ''تہذیب التہذیب'' میں اس کے متعلق یوں لکھا ہے:

قال ابن ابی حاتم عن ابيه كان رجلا صالحا وكان به غفلة و رأيت عندة حديثا موضوعا حدث به عن ابن عيينه

ابو حاتم نے کہا! وہ نیک آدمی تھا لیکن اس میں غفلت تھی میں نے دیکھا کہ اس نے ابن عیینہ سے ایک موضوع روایت نقل کی ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۱۹ لفظ محمد' مطبوعہ دکن حیدر آباد)

تو قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ پہلا راوی ابن ابی عمر اگرچہ اس کو بعض نے صدوق کہا ہے لیکن اس میں اس قدر غفلت تھی کہ وہ موضوع روایات تک نقل کرتا گیا اس لیے اس کی حدیث قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتی اس کے علاوہ دوسرا راوی ہشام بن سلیمان مخزومی ہے کہ جس کے متعلق شیخ الاسلام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی نے اپنی مشہور کتاب ''کتاب الجرح والتعدیل'' میں اس کے متعلق یوں لکھا ہے:

هشام ابن سليمان المخزومي المكي وهو ابن سليمان بن عكرمة بن خالد بن العاص...... قال ابو محمد حدثنا ابو يحيى عبدالله بن احمد بن ابى ميسره عن ابيه عنه حدثنا عبدالرحمن قال سألت الى عن هشام بن سليمان هذا فقال مضطرب الحديث. (کتاب الجرح والتعدیل ج ۹ ص ۶۲ لفظ ہشام' مطبوعہ حیدر آباد دکن)

ہشام بن سلیمان مخزومی مکی اور وہ ابن سلیمان بن عکرمہ بن خالد بن العاص ہیں۔ ابومحمد نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی ابو یحییٰ عبداللہ بن احمد بن ابی میسرہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے فرمایا کہ ہمیں حدیث بیان کی عبدالرحمٰن نے اس نے کہا میں نے سوال کیا اپنے باپ سے اس ہشام بن سلیمان کے بارے میں انہوں نے فرمایا: یہ مضطرب الحدیث ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جس روایت میں بیع کا لفظ ہے وہ حدیث شاذ اور معلّل ہے اس لیے صحیح اور معتبر وہ روایات ہیں جو کہ دوسری پانچ روایات ہیں کیونکہ ''بخاری شریف'' میں بھی یہ روایت موجود ہے مگر اس میں لفظ بیع موجود نہیں ہے۔

حدثنا يحيى بن سعيد قال اخبرني ابوبكر بن محمد بن عمرو بن حزم ان عمر بن عبدالعزيز اخبره ان ابابكر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام اخبره انه سمع اباهريره رضى الله عنه يقول قال رسول الله ﷺ وقال سمعت رسول الله ﷺ يقول من ادرك ماله بعينه عند رجل او انسان قد افلس فهو احق به من غيره. (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۲۳ باب اذا وجد مالہ عند مفلس فی البیع والقرض والودیعۃ فہو احق بہ کتاب فی الاستقراض' مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

حدیث بیان کی ہمیں یحییٰ بن سعید نے اس نے کہا مجھے خبر دی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اس کی خبر دی کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے خبر دی اس کو تو اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: یا کہتے تھے میں نے نبی پاک ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: جو شخص بعینہ اپنے مال کو کسی انسان یا آدمی کے پاس پائے اور اس انسان کا دیوالیہ ہو چکا ہو تو صاحبِ مال اس کو پکڑنے کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہے۔

تو قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے بخاری و مسلم کے الفاظ مختلف ہیں مگر مفہوم ایک ہی ہے لیکن بخاری کی حدیث میں بیع کا لفظ موجود نہیں جبکہ مسلم کی روایت میں موجود ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ زیادہ صحیح روایت ''مسلم شریف'' کی وہی ہے جو ''بخاری'' کی روایت کے مطابق ہے۔

نوٹ: اس وقت تک آپ نے ائمہ کا اختلاف بھی قدرے سمجھ لیا اور احناف کے دلائل بھی ملاحظہ کیے لیکن اس اختلاف کی بحث کرتے ہوئے میرے ہمعصری عالم دین مولانا غلام رسول سعیدی نے احناف کی طرف سے ایک اچھی بحث کی ہے مگر آخر میں جو انہوں نے فیصلہ کیا ہے وہ احناف کے خلاف یہ کہہ کر دیا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے پاس ایسی احادیث ہیں کہ جو صریح الثبوت اور صحیح احادیث ہیں ان کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ کا قیاس درایت کے اعتبار سے اگرچہ قوی ہے لیکن حدیث صحیح کے مقابلہ میں چھوڑ دیا جائے گا۔ اب میں

چاہتا ہوں کہ پہلے مولوی غلام رسول سعیدی کی پوری عبارت نقل کروں اور پھر یہ واضح کروں کہ صرف امام ابوحنیفہ کا قیاس ہی حدیث کے مقابلہ میں ہے یا کہ وہ حدیث بھی صریح الثبوت نہیں اور اس کے مقابلہ میں امام صاحب کی تائید میں قوی حدیث اور آثار بھی موجود ہیں لہٰذا اب درج ذیل "شرح مسلم" مصنفہ غلام رسول سعیدی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

مفلس کے پاس بیع کی چیز بعینہٖ ملنے کی صورت میں اس کے حق استرداد کے ثبوت میں صریح اور صحیح احادیث

فقہاء احناف کا موقف ہم نے دلائل سے ثابت کر دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ درایت کے اعتبار سے فقہاء احناف کا موقف ہی مضبوط ہے تاہم کچھ احادیث صحیحہ ایسی ہیں جو ائمہ ثلاثہ کی مؤید ہیں' امام ابن حبان روایت کرتے ہیں کہ:

اخبرنا احمد بن محمد بن اشرقی حدثنا محمد بن یحیی الذھلی حدثنا عبدالرزاق اخبرنا معمر عن ایوب عن عمرو بن دینار عن ھشام بن یحیی عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا افلس الرجل فوجد البائع سلعتہ بعینھا فھو احق بھا دون الغرماء.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص دیوالیہ ہو جائے اور بائع اس کے پاس اپنی چیز بعینہٖ پائے تو دوسرے قرض خواہوں کی نسبت وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح ابن حبان جلد ۷ ص ۲۴۸ باب المفلس' مطبوعہ بیروت)

اخبرنا عمران بن موسی السختیانی حدثنا سلمی بن شبیب حدثنا الحسن بن محمد بن الحسین حدثنا فلیح بن سلیمان عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ اذا عدم الرجل فوجد البائع متاعۃ بعینہ فھو احق بہ.

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص دیوالیہ قرار دیا جائے اور بائع اس کے پاس اپنی متاع بعینہٖ پائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۲۴۸' مطبوعہ بیروت)

یہ دونوں احادیث سند صحیح کے ساتھ مروی ہیں اور کسی تاویل کو قبول نہیں کرتیں نیز امام عبدالرزاق کی یہ مرسل روایت بھی ائمہ ثلاثہ کی مؤید ہے۔

عن ابن ابی ملیکہ قال قال رسول اللہ ﷺ من باع سلعتہ برجل لم ینقدہ ثم افلس الرجل فوجد سلعتہ بعینھا فلیأخذھا دون الغرماء.

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنا سودا کسی شخص کو ادھار فروخت کیا پھر وہ خریدار دیوالیہ ہو گیا پھر اس نے اس شخص کے پاس اپنا سودا بعینہٖ موجود پایا تو قرض خواہوں کی بجائے بائع اس چیز کو لے گا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۲۶۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ہر چند کہ امام ابوحنیفہ کا نظریہ قیاس اور درایت سے زیادہ قوی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور صریح احادیث مقدم ہیں رہا یہ کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ بیع کے بعد چیز بائع کا مال نہیں رہی خریدار کا مال ہو گئی اس لیے بائع اور دیگر قرض خواہوں کو مساوی ہونا چاہیے یہ ٹھیک ہے لیکن حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ شفعہ میں بالاتفاق قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ جب ایک شخص نے اپنی چیز فروخت کر دی تو وہ چیز خریدار کی ملکیت ہو گئی اب کسی اور شخص کا اس بیع کو فسخ کرنے کے لیے شفعہ کرنا

خلافِ قیاس ہے لیکن صحیح حدیث کی بناء پر قیاس کو چھوڑ دیا گیا اسی طرح یہاں بھی حدیثِ صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

هذا هو الحق۔

مولانا غلام رسول سعیدی کا امام ابوحنیفہ کے قول کو حدیث کا مقابل قرار دے کر رد کر دینا انتہائی جرأت ہے

قارئین کرام! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول یہ ہے کہ اگر حدیثِ ضعیف کے مقابلہ میں میرا قول آ جائے تو اس کو دیوار پر پھینک دو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صرف اور صرف اپنے قیاس اور درایت کے اعتبار سے حدیث صحیح جو کہ رسول اللہ ﷺ سے ثبوتِ صریح اور سندِ صحیح کے ساتھ موجود ہو کے مقابلہ میں یہ فیصلہ کیا ہو کہ مشتری پر افلاس کا حکم لگ جانے کے بعد اس کے پاس جو چیز بعینہ بائع کی موجود ہے اس میں بائع کو دوسرے غرماء میں شریک بنا دیں حالانکہ صحیح اور صریح ثبوت میں یہ موجود ہو کہ وہ چیز بائع کی ہے اور وہی اس کے لینے کا زیادہ حقدار ہے مجھے حیرت اس بات سے آتی ہے کہ مولانا غلام رسول سعیدی کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ کا نظریہ قیاس اور درایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے لیکن حدیثِ صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا تو کیا اس سے قبل آپ لوگوں نے جو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے آثار صحیحہ پڑھے ہیں وہ بھی ان صحابہ کا محض قیاس ہی تھا یا کہ صحابی کی کلام کا مرجع حدیثِ نبوی ہوتی ہے؟ اور پھر اس میں صرف امام ابوحنیفہ ہی نہیں ابراہیم نخعی، حسن بصری، شعبی، وکیع ابن جراح، عبداللہ ابن شبرمہ، قاضی شریح، حضرت علی المرتضیٰ وغیرہ جیسے عظیم تابعی اور صحابی بھی یہی فرماتے ہیں کہ جو امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے اور پھر اس مسئلہ میں صاحبین بھی امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں تو ان سب آثار کو قیاس ہی کہیں گے؟ اور پھر صحیح اور مسند روایات بھی ہم نقل کر چکے ہیں جن میں الفاظ بیع نہیں ہیں اور وہ بھی روایتِ ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں پھر ابن حبان کی دونوں احادیث ہشام بن یحییٰ سے ہی بواسطۂ ابوہریرہ منقول ہیں۔

خلاصہ: مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کی عبارت کا خلاصہ چند امور ہیں جو درج ذیل نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) صحیح ابن حبان کی دو احادیث حق استرداد کے ثبوت میں صحیح اور صریح حدیث ہیں اور کسی تأویل کو قبول نہیں کرتیں۔

(۲) امام ابوحنیفہ کا نظریہ قیاس اور درایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے لیکن حدیثِ صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

(۳) شفعہ میں بالاتفاق قیاس کو چھوڑ دیا گیا ہے، صحیح حدیث کی بنا پر اس طرح بیع کی صورت میں بھی قیاس کو حدیث صحیح کے مقابلہ میں ترک کر دینا چاہیے یہی حق ہے۔

مولانا غلام رسول سعیدی کے تین عدد امور کا ترتیب وار جواب

امرِ اول کا جواب:

صحیح ابن حبان کی جو دو عدد احادیث مولانا غلام رسول سعیدی نے پیش کی ہیں ان کا جواب اوّل:

یہ مذکورہ دو احادیث جن کو غلام رسول سعیدی نے حق استرداد کے ثبوت میں صحیح کہہ کر آخر میں کہا کہ یہ دونوں احادیث سندِ صحیح سے مذکور ہیں اور کسی تأویل کو قبول نہیں کرتیں۔

غلام رسول کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے دونوں احادیث صحیح ابنِ حبان سے ذکر کی ہیں ایک ابن عمر سے اور ایک ابوہریرہ سے حالانکہ اسی ابن حبان میں اسی جگہ دوسری روایت بھی ابوہریرہ سے مذکورہ ہے جس میں لفظ بیع مذکور نہیں ہے تو پھر کون سی دلیل سعیدی کے پاس موجود ہے کہ یہی روایت صحیح ہے جس میں لفظ بیع ہے اور وہ صحیح نہیں جس میں لفظ بیع نہیں اب ہم ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

کی وہ روایت نقل کرتے ہیں جس میں لفظ بیع نہیں ہے۔

عن عمرو بن عبدالعزیز عن ابی بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال أیما رجل افلس فادرک رجل ماله بعینه فهو احق به من غیره.

(صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۲۴۷ باب الفلس حدیث نمبر ۵۰۱۴' مطبوعہ بیروت دارالفکر)

عمر بن عبدالعزیز' ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے اور وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا: وہ آدمی کہ جس کا دیوالیہ ہو جائے اگر کوئی آدمی اپنے مال کو بعینہ اس کے پاس پالے تو وہ غیروں سے اس کا زیادہ حقدار ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ ابن حبان کی روایت ابو ہریرہ سے بھی موجود ہے کہ متن تقریباً ایک ہی ہے اور صرف فرق "فوجد البیع سلعته فادرک رجل ماله" کا ہے اس روایت میں جس کو ابھی ہم نے نقل کیا ہے معنی یہ ہے کہ جب کسی شخص کا دیوالیہ ہو جائے اور اس کے پاس کوئی آدمی اپنا مال پالے تو وہ دوسروں سے اس کا زیادہ حقدار ہے اس کا واضح معنی یہ ہوا کہ جس شخص نے اپنے مال کو بعینہ پایا ہے وہ زیادہ قریب اسی مال کے ہے جو کہ عاریۃً' امانۃً وغیرہ مفلس کے پاس موجود ہے اور اس کو غلام رسول سعیدی صاحب بھی قبول کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا نظریہ قیاس اور درایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے اور اس کو بیع پر محمول کرنا درایۃً صحیح نہیں ہے کیونکہ ملک بدلنے سے مال بعینہ نہیں رہ جاتا شاید سعیدی صاحب یا کسی اور کو یہ اعتراض یہاں سوجھے کہ روایتیں تو دونوں ابو ہریرہ سے ہیں مگر بیع والی روایت اور عدم بیع والی روایت کی اسناد میں فرق ہے اگر چہ یہ بات سطحی ہے دارومدار تو صحت اسناد پر ہے لیکن ہم اس جگہ اسی اسناد کے ساتھ کہ جس میں بیع کا لفظ نہیں ہے اسی جگہ "صحیح ابن حبان" میں لفظ بیع والی روایت بھی ابو ہریرہ سے مذکور ہے۔

عن عمرو بن عبدالعزیز عن ابی بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال اذا ابتاع الرجل سلعة ثم فلس وهی عنده بعینه فهو احق بها من الغرماء.

(صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۲۴۷ باب الفلس حدیث نمبر ۵۰۱۵)

عمر بن عبدالعزیز' ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: جب کسی آدمی نے سامان خریدا پھر وہ مفلس ہو گیا اس حال میں کہ وہ سامان اس کے پاس موجود ہے تو بائع دوسرے قرض خواہوں سے اس کا زیادہ حقدار ہے۔

قارئین کرام! ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ہی سند سے یہ دونوں روایتیں موجود ہیں۔ ایک میں لفظ بیع موجود ہے اور دوسرے میں نہیں ہے۔ اگر مولانا غلام رسول سعیدی کا یہ کہنا کہ یہ دونوں روایتیں موجود ہیں ایک میں لفظ بیع موجود ہے اور دوسرے میں نہیں ہے' مولانا غلام رسول سعیدی کا یہ کہنا کہ یہ دونوں احادیث کسی تاویل کو قبول نہیں کرتیں، درست ہے تو پھر وہ ان دونوں میں تطبیق کیسے دیں گے؟ اس کے علاوہ جس روایت کو غلام رسول سعیدی نے ابو ہریرہ سے بواسطہ ہشام بن یحییٰ سے نقل کیا ہے اس روایت میں ابو ہریرہ کے اصحاب اور ابوبکر بن حزم کے اصحاب اور یحییٰ انصاری کے اصحاب میں سے کسی ایک نے بھی بیع کا لفظ نقل نہیں کیا جیسا کہ اس کے اثبات میں المحلی ابن حزم کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

ما رویناه من طریق زهیر بن معاویه ولیث بن سعد و مالک و هشیم و حماد بن زید و سفیان بن

وہ جس کو ہم نے روایت کیا زہیر بن معاویہ' لیث بن سعد' مالک' ہشام' حماد بن زید' سفیان بن عیینہ' یحییٰ بن سعید القطان'

عیینـه و یحیی بن سعید القطان و حفص بن غیاض کلهم عن یحیی بن سعید الانصاری قال اخبرنی ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ان عمر بن عبدالعزیز اخبره ان ابابکر بن عبدالرحمن الحارث بن هشام اخبره انه سمع اباهریره یقول قال رسول الله ﷺ من ادرک ماله بعینه عند رجل اوانسان قد افلس فهو احق به من غیره اللفظ للذهیر و لفظ سائرهم نحوه لایخالفه فی شیٔ من المعنی ومن طریق ابی عبید حدثنا هشیم حدثنا یحیی بن سعید الانصاری عن ابی بکر بن محمد بن عمرو ابن حزم عن عمرو بن عبدالعزیز عن ابی بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من وجد عین متاعه عند رجل قد افلس فهو احق به ممن سواہ' من الغرماء.

(المحلی ابن حزم ج ۸ ص ۱۷۵ مسئلہ نمبر ۱۲۸۳' مطبوعہ قاہرہ احکام التفلیس)

حفص بن غیاض کے طریقہ سے یہ سب روایت کرتے ہیں یحیٰی بن سعید الانصاری سے اس نے کہا خبر دی مجھے ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم نے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اس کو خبر دی کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے اس کو خبر دی کہ اس نے سنا ابوہریرہ سے وہ فرماتے تھے: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کو بعینہ کسی آدمی یا انسان کے پاس پالے کہ جو مفلس ہو چکا ہے تو وہ صاحب مال دوسرے قرض خواہوں سے اس کا زیادہ مستحق ہے۔ زہیر اور زہیر کے علاوہ لیث بن سعد وغیرہ ایک جیسے ہی ہیں اور معنی میں وہ مختلف نہیں ہیں۔ ابی عبید کے طریق سے روایت کی جاتی ہے کہ ہم سے ہشیم نے بیان کیا یحیٰی ابن سعید الانصاری ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے انہوں نے عمر بن عبدالعزیز سے انہوں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے اور انہوں نے ابوہریرہ سے روایت کی انہوں نے کہا! نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے اپنے سامان کو ایک ایسے آدمی کے پاس پایا جو مفلس ہو چکا ہے تو وہ صاحب مال دوسرے قرض خواہوں سے اس کا زیادہ مستحق ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ محلی ابن حزم کی عبارت میں بڑی وضاحت سے موجود ہے کہ آٹھ عدد معتبر رواۃ نے یحیٰی بن سعید انصاری سے روایت کی اور آگے سند بواسطہ ابوبکر جو کہ ابنِ حزم کے نام سے مشہور ہے کے واسطہ سے ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتا ہے اور وہ ابوہریرہ سے یعنی یحیٰی ابن سعید انصاری کے سب شاگرد ایسی ایک سند کے ساتھ ابوہریرہ سے مرفوعاً ذکر کرتے ہیں اور اس حدیث میں لفظ بیع موجود نہیں ہے اور ابنِ حزم نے کہا ہے کہ معنی کی رو سے زہیر نے ان میں سے کسی کی مخالفت نہیں کی یعنی سب ہی معنی کے اعتبار سے متحد ہیں۔ معلوم ہوا کہ غلام رسول سعیدی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح ایسی ہے۔ جس کی کوئی تأویل نہیں ہو سکتی، درست نہیں اب جبکہ مفہوم و معنی ایک ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب اور ابنِ حزم اور یحیٰی انصاری کے اصحاب میں سے کسی نے بھی لفظِ بیع کو نقل نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ابوہریرہ کی حدیث اگرچہ صحیح ہے کہ جس میں لفظِ بیع ہے لیکن ابوہریرہ سے ہی وہ روایتِ صحیح بھی ہے کہ جس میں ابوہریرہ اور ان کے اصحاب ابنِ حزم اور ان کے اصحاب یحیٰی بن سعید اور ان کے اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ ابوہریرہ کی روایت میں لفظِ بیع نہیں ہے۔

اس کے علاوہ دوسری روایت ابن عمر والی بھی ایسی روایت ہے کہ ابن عمر سے ہی جس روایت کو غلام رسول سعیدی صاحب نے نقل کیا جس میں لفظِ بیع موجود ہے انہی ابن عمر سے یہی روایت مذکور ہے کہ جس میں لفظِ بیع نہیں ہے اور اسناد کی رو سے وہ حدیث بھی صحیح ہے جیسا کہ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں نقل کیا ہے۔

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال اذا افلس الرجل فوجد الرجل ماله یعنی عند مفلس

ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جب کوئی شخص مفلس ہو جائے اور کوئی آدمی اپنے مال کو بعینہ مفلس کے پاس

بعینه فهو احق به رواه البزاز و رجاله رجال الصحیح و عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ایما رجل افلس فوجد رجل عنده ماله ولم یکن اقتضی من ماله شیئا فهو احق به قلت هو فی الصحیح خلا قوله ولم یکن اقتضی من ماله شیئا رواۃ احمد و رجاله رجال صحیح. (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۴۴ باب فی من وجد متاعہ عند مفلس مطبوعہ بیروت)

پائے تو وہ دوسروں سے زیادہ حق رکھتا ہے اس کو بزاز نے روایت کیا اس کے رجال صحیح کے ہیں۔ ابوہریرہ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا: جونسا آدمی بھی مفلس ہو جائے تو کوئی آدمی اس کے پاس اپنا مال پائے اور اس نے اپنے مال سے کچھ نہ لیا ہو تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے تمام الفاظ صحیح ہیں سوائے ان الفاظ کے ''کہ اس نے اپنے مال سے کچھ نہ لیا ہو'' اس کو امام احمد نے روایت کیا اور اس کے تمام رواۃ صحیح کے ہیں۔

تو قارئین کرام! آپ نے ابن عمر سے ہی اسنادِ صحیح کے ساتھ وہ روایت ملاحظہ فرمالی جس میں لفظِ بیع نہیں ہے اب غلام رسول سعیدی صاحب کا کہنا کہ ابن عمر کی وہی روایت صحیح ہے کہ جس میں لفظِ بیع ہے اور کسی تاَ ویل کو قبول نہیں کرتی اس کا کیا مطلب ہے؟ پھر امام ہیثمی نے غلام رسول سعیدی صاحب کی پہلی حدیث ابوہریرہ والی میں ایک بات زائد کہی اس میں ''ولم یکن اقتضی من ماله شیئا'' کے الفاظ صحیح اسناد کے ساتھ ثابت نہیں اور باقی متن صحیح کے اسناد کے ساتھ ثابت ہے تو اس سے امام ابوحنیفہ کی اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے جو وہ فرماتے ہیں کہ صاحب مال نے چاہے اپنے مال سے کچھ لیا ہو یا نہ؟ دونوں صورتوں میں دوسرے غرماء کے برابر ہے اس کے علاوہ جو مولوی غلام رسول سعیدی صاحب نے یہ کہا کہ ایک اثر صحیح بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک حق ہے جو ابن ابی ملیکہ سے انہوں نے بحوالہ ''مصنف عبدالرزاق'' کے نقل کیا ہے اس کے مقابلہ میں وہ آثار صحیح بھی موجود ہیں کہ جن میں بیع کا لفظ موجود نہیں ہے جیسا کہ ابن حزم نے اس کو یوں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

المحلی فروینا من طریق وکیع عن هشام الاستوانی عن قتادہ عن خلاص بن عمرو من علی بن ابی طالب قال هو فیها اسوۃ الغرماء اذا وجدها بعینها. (المحلی ابن حزم جلد ۸ ص ۱۷۶ مسئلہ نمبر ۱۲۸۳ مطبوعہ قاہرہ)

قتادہ خلاص بن عمرو سے اور وہ حضرت علی سے روایت کرتا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: وہ مال میں قرض خواہوں کے برابر ہے جبکہ وہ اپنے مال کو بعینہ پالے۔

اور یہ روایت ہم اس سے قبل ''مصنف ابن ابی شیبہ'' سے بھی نقل کر چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک صرف قیاس پر مبنی نہیں بلکہ آپ کا قیاس مؤید ہے احادیث صحیح کے ساتھ۔ اس کے بعد ہم امر دوم کا جواب پیش کرتے ہیں۔

امرِ دوم کا جواب:

غلام رسول سعیدی صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ ابوحنیفہ کا جواب اگرچہ درایت کے اعتبار سے قوی ہے لیکن حدیثِ صحیحہ کے مقابلہ میں اسے چھوڑ دیا جائے گا یہ غلام رسول سعیدی کی بہت بڑی جسارت ہے باوجود اس بات کے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہونے کا دعویٰ اور امام ابوحنیفہ نے حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے دلائلِ قاہرہ سے ایک مسئلہ کو ثابت کیا ہو اب غلام رسول سعیدی صاحب جیسا آدمی ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی بنیاد مذکورہ مسئلہ میں حدیثِ صحیحہ پر رکھے اور امام ابوحنیفہ کے مسلک کو محض قیاس پر مبنی جانے اور اس کے بعد فیصلہ کرے کہ حدیثِ صحیحہ کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ کے قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا حقیقت میں یہ امام ابوحنیفہ پر بہت بڑا الزام اور جسارت ہے۔

مولوی غلام رسول صاحب کو متعین کرنا چاہیے کہ فقہاء کے مراتب میں سے وہ کون سا مرتبہ ہے جس پر وہ فائز ہیں؟ جس کی وجہ

سے وہ ایک مجتہد کے مقام پر فائز ہونے والے کی طرح سراج الائمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ کے مقابلہ میں یہ الزام دیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا اس مسئلہ میں مسلک قیاس پر مبنی ہے اگرچہ درایت کی رو سے قیاس قوی ہے بہرحال ائمہ ثلاثہ کے مقابلہ میں اس کو نہیں لا سکتے کیونکہ ادھر حدیث صحیح ہیں اور ادھر فقط امام ابوحنیفہ کا قیاس۔

اس بات کو غور سے سمجھا جائے کہ امام ابوحنیفہ کا اپنا ذاتی مسلک کیا ہے؟ کیا امام ابوحنیفہ حدیثِ صحیح کے مقابلہ میں فقط اپنے قیاس کو اگرچہ وہ درایت کے اعتبار سے قوی بھی ہو ترجیح دینے کا دعویٰ کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں اصلاً باطل ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ میرا قول اگرچہ حدیث ضعیف کے مقابلہ میں آئے تو میرا قول چھوڑ دو تو حدیث صحیحہ کے مقابلہ میں وہ اپنے قیاس کو کیسے ترجیح دے سکتے ہیں' اگرچہ وہ درایت کے اعتبار سے کتنا ہی قوی ہو؟ اب غلام رسول سعیدی صاحب کے اس فیصلہ کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا دعویٰ تو یہی ہے کہ ایک ضعیف حدیث کے مقابلہ میں بھی میرا قول اگر آ جائے تو اسے چھوڑ دو لیکن اس مسئلہ میں جو صحیح احادیث تھیں جو غلام رسول صاحب کو نظر آئیں ان کو امام ابوحنیفہ نہ جانتے تھے یہ تاویل بھی اتنی قبیح ہے جس کو سننے سے کان بہرے اور زبان گنگ ہے ایسے طفلِ مکتب کا جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سو درجے کے شاگردوں میں سے شمار کرنا بھی معنی نہیں رکھتا وہ ایسا قول کرے تو یہ اس کی نہایت گستاخی اور آخرت خراب کرنے کا سبب ہے۔ امام ابوحنیفہ کے حافظِ حدیث ہونے کا ان لوگوں کو اعتراف ہے کہ جن لوگوں کو جرح و تعدیل کا امام شمار کیا جاتا ہے جیسے امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں امام ابوحنیفہ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حافظِ حدیث ہونے کی مزید وضاحت کسی کو مطلوب ہو تو وہ میری اسی شرح کے عقیقہ کے باب میں ملاحظہ کرے جہاں میں نے ائمہ احادیث وفقہاء اسلام کے نظریات کا امام ابوحنیفہ کی بارگاہِ عالیہ میں تذکرہ کیا ہے اس بات کے جواب میں کہ ابن قدامہ حنبلی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے پاس ذخیرۂ حدیث قلیل تھا اس کا جواب فقیر نے جو بڑے شرح و بسط سے باب العقیقہ کے تحت لکھا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں رہی یہ بات کہ غلام رسول سعیدی صاحب نے امام اعظم پر الزام لگایا ہے کہ ان کا قیاس اگرچہ درایت کے اعتبار سے قوی ہے لیکن حدیثِ صحیح کے مقابلہ میں اسے چھوڑ دیا جائے گا اس کی وضاحت فقیر پیش کرتا ہے کہ سعیدی صاحب کے اس دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ یاد رہے کہ یہ اعتراض اگرچہ مخالفین نے امام ابوحنیفہ کی ذات پر کیا ہے لیکن اس کا جواب شرح و بسط کے ساتھ ائمۂ احناف نے اپنی کتب میں دیا ہے' ملاحظہ فرمائیں:

اما ابن بطال فانه قال الحنفية دفعوا حديث المفلس بالقياس ولا مدخل القياس الا اذا عدمت السنة وليس كما قال لانهم مادفعوا الحديث بالقياس بل عملوا بهما اما عملهم بالحديث فظاهر قطعا لانه قال من ادرك ماله بعينه و ادراك المال بعينه لا يتصور الا فيما قالوا نحو المغضوب والعوارى والودائع و نحو ذالك لان ماله فى هذه الاشياء محقق و لم يخرج عن ملكه بوجه من الوجوه فلا يشاركه فيه احد. واما عملهم بالقياس فظاهر قطعا ايضا لان المبيع خرج عن ملك البائع و دخل فى ملك المشترى فان لم يكن الثمن

(امام بدر الدین عینی فرماتے ہیں) ابن بطال کا کہنا ہے کہ حنفیوں نے حدیثِ مفلس کو قیاس کے ساتھ رد کیا حالانکہ قیاس کے لیے کوئی دخل نہیں مگر اس صورت میں جبکہ سنت نہ مل سکے (امام بدر الدین عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں) ابن بطال نے جیسے کہا ہے اس طرح یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ احناف نے قیاس کے ساتھ حدیث کو دفع نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان دونوں کے ساتھ عمل کیا ہے بہرحال ان کا عمل کرنا حدیث کے ساتھ وہ تو قطعی طور پر ظاہر ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو آدمی اپنے مال کو بعینہٖ کسی کے پاس پالے الخ۔ یہ سرکار کے الفاظ کہ جو آدمی اپنے مال کو بعینہٖ پالے تصور میں نہیں آ سکتا مگر اس صورت میں کہ جس کے متعلق انہوں نے کہا یعنی غصب شدہ مانگی ہوئی چیز بطورِ امانت

مقبوضا فکیف یجوز تخصیص البائع به و منع تشریک غیره من اصحاب الحقوق التی هی متعلیة بذمة المشتری فهو لا یقبله النقل و القیاس.

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۱۲ ص ۲۴۱ باب اذا وجد ماله عند مفلس مطبوعہ بیروت)

رکھی ہوئی چیز وغیر ذالک کے متعلق ہی ہوسکتا ہے کیونکہ ان اشیاء میں اس کا مال حقیقی بنتا ہے اور کسی صورت میں بھی ان صورتوں میں سے مال مالک کی ملک سے نہیں نکلتا لہٰذا ان صورتوں میں صاحب مال کا اس مال میں کوئی شریک نہیں اور احناف کا عمل قیاس کے ساتھ بھی قطعی طور پر ظاہر ہے کیونکہ مبیعہ بائع کے ملک سے نکل جاتا ہے اور ملک مشتری میں داخل ہو جاتا ہے اگر بائع نے ثمن قبض نہیں کیے ہوئے تو کیسے جائز ہے تخصیص بیع کی اس کے ساتھ اور بیع کرنا شرکت کا غیر کے لیے ان حقوق کے صاحب سے جو کہ بذمہ مشتری کے ساتھ متعلق ہیں تو اس کو نہ نقل قبول کرتی ہے نہ عقل اور نہ قیاس۔

جو غلام رسول سعیدی صاحب نے اعتراض کیا ہے یہ اصل میں ابن بطال کا اعتراض ہے۔ اس کا جواب امام بدرالدین عینی نے یوں دیا کہ ابن بطال نے جیسے کہا ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ احناف نے حدیث اور قیاس پر قطعی طور پر عمل کیا اس طرح کہ پہلے حدیث پر عمل کیا اور پھر قیاس کے ساتھ اس کی مطابقت کی اور یہ نہیں کہ ابوحنیفہ نے فقط اپنے قیاس کو حدیث پر ترجیح دی ہے بلکہ انہوں نے ایک حدیثِ صحیحہ کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا یہ فرمان 'جو آدمی اپنے مال کو کسی کے پاس پالے وہ دوسروں سے اس کا زیادہ مستحق ہے۔ تو یہ حدیث صحیح ہے اب معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا استدلال فقط قیاس پر مبنی نہیں بلکہ اصل اس کا حدیث ہے اور اس پر جو امام ابوحنیفہ نے غور وفکر کے بعد جس مسئلہ کو استنباط کیا ہے اس کو سعیدی صاحب نے بھی تسلیم کیا کہ امام ابوحنیفہ کا قیاس درایت کی رو سے صحیح ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ جب یہ الفاظ کہے جائیں کہ امام صاحب کا جواب درایت کی رو سے صحیح ہے تو وہ درایت کس چیز میں ہے؟ اس کا معنی یہی ہے کہ وہ حدیث صحیح میں ہے اس لیے امام بدرالدین عینی نے فرمایا: احناف پر یہ الزام دینا کہ انہوں نے حدیثِ مفلس کو قیاس سے دفع کیا ہے صحیح بات نہیں ہے، انہوں نے حدیثِ رسول کا معنی یہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنا مال بعینہ کسی کے پاس پالے تو دوسرے قرض خواہوں سے زیادہ مستحق ہے تو اس میں نبی پاک ﷺ کا یہ لفظ جو بعینہ ہے اس کا محل امام ابوحنیفہ نے قیاس صحیح کے ساتھ متعین کیا ہے کیونکہ کسی کے پاس اپنی چیز کو پانے کے چند یہی معنے ہو سکتے ہیں یا تو اس نے غصب کیا ہو یا صاحب مال نے اسے عاریۃً دیا ہو یا بطور امانت اس کے پاس رکھا ہو تو ان صورتوں میں صاحب مال کا بعینہ وہ مال ہوتا ہے کیونکہ دوسرا کوئی اس میں شرکت کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور بیع کی صورت میں مال ادھار دے پھر وہ مشتری مفلس ہو جائے اب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قرض خواہوں سے اس چیز کا زیادہ مستحق بائع نہیں ہوسکتا کیونکہ مبیعہ مشتری کے ملک میں جاچکا ہے تو اس صورت میں تنازعہ ہے اور اگر مبیعہ کو مشتری نے قبض نہ کیا ہوتا بلکہ مبیعہ بائع کے پاس ہی ہوتا تو پھر بائع کو مشتری سے طلب کرنے کا حق ہی نہیں ہے پھر اس کو یہ کہنا کہ دوسروں سے زیادہ اس چیز کا مستحق ہے اس کو نہ نقل اور نہ قیاس قبول کرتا ہے اس کے سوا کوئی اعتراض کی وجہ امام صاحب پر باقی نہیں رہتی۔

ایک یہ ہے کہ حدیثِ صحیح میں بیع کا لفظ موجود ہے تو قارئین کرام! ہم امر اول کے جواب میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس کا جواب ذکر کر چکے ہیں کہ جس جس راوی نے اپنی روایت میں لفظ بیع کو ذکر کیا ہے ان سے دوسری روایت بھی موجود ہے جہاں لفظ بیع موجود نہیں ہے اور پھر ابوہریرہ اور ابن عمر کہ جن کی روایات صحیح ابن حبان سے غلام رسول سعیدی نے نقل کی ہیں انہی دونوں راویوں

سے اسی مفہوم کی حدیث موجود ہے جس میں لفظ بیع موجود نہیں ہے تو جب قیاسِ صحیح کہ جس کو غلام رسول سعیدی صاحب بھی کہہ چکے ہیں کہ درایت کے اعتبار سے وہ قیاسِ صحیح ہے جب وہ اس حدیث کے ساتھ مل جائے تو قانوناً اس حدیث کو ترجیح دینی چاہیے جس میں لفظِ بیع نہیں کیونکہ اس میں حدیث پر بھی عمل ہے اور درایت کے رو سے اس میں قیاس کے ساتھ جو حکم نقل کیا گیا ہے اس کو ترجیح دینی چاہیے۔

نوٹ: ''عمدۃ القاری'' کی مذکورہ عبارت میں ''فان لم یکن الثمن مقبوضاً'' میں ثمن کی جگہ مبیع کا لفظ ہونا چاہیے تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس میں کتابت کی غلطی سے الثمن لکھا گیا ہے۔

تو قارئین کرام! امرِ دوم کا جو جواب نقل کیا گیا ہے اس کی تائید صریح آثار میں مذکور ہے جن کا ذکر اس سے قبل حضرت علی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور قاضی شریح کی روایات میں گزر چکا ہے ان کے صریح الفاظ ہیں۔ اگر مال ادھار فروخت کیا جائے اس کے بعد مشتری مفلس ہو جائے اور بائع کا مال من وعن مشتری کے پاس موجود ہو تو وہ بائع اور دیگر قرض خواہ اس میں برابر کے شریک ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہم عبدالرزاق اور ابن حزم سے نقل کر چکے ہیں جو کہ آثارِ صحیح سے ہے اب اس بحث سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک آثارِ صحیحہ اور احادیثِ صحیحہ پر مبنی ہے۔ فقط ان کا قیاس ہی قیاس نہیں کہ جس کو بطور الزام امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر پیش کیا جائے کہ انہوں نے اپنے قیاس سے حدیث صحیحہ کو دفع کیا۔

یاد رہے امام بدرالدین نے اس جگہ ان لوگوں کے اشکال کا ذکر کیا ہے کہ جس کو ابن بطال نے لیا اور اس کے بعد غلام رسول سعیدی نے اس کی اتباع کی اس کو امام بدرالدین عینی یوں نقل کرتے ہیں:

و اما قولهم كل حديث اصل برأسه فسلمنا ذالک اذا كان كل واحد متعلق باصل غير الاصل الذي يتعلق به الاخر. واما اذا كان حديثان او اكثر و مخرجهما واحد فلا يفرق حينئذ بينهما.	بہرحال ان کا قول کہ ہر حدیث ایک مستقل اثر ہے، ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں یہ اس صورت میں ہے جبکہ ہر حدیث ایک ایسے اصل کے ساتھ تعلق پکڑتی ہو جس اصل کے ساتھ دوسری تعلق نہ پکڑتی ہو بہرحال جب دو یا زیادہ احادیث کا مخرج ایک ہو تو اس وقت ان میں تفریق نہیں کی جائے گی۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص ۲۴۲ باب اذا وجد مالہ عند مفلس کتاب الاستقراض واداء الدیون)

تو قارئین کرام! غلام رسول سعیدی صاحب کے اس فیصلے اور معترضین کے اعتراض کی اصل جڑ یہی ہے کہ وہ ان احادیث کو الگ الگ سمجھتے ہوئے بیع والی حدیث کو یعنی جس میں بیع کا لفظ ہے اصل قرار دیتے ہیں۔ امام بدرالدین عینی اس کا جواب فرماتے ہیں یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک حدیث کا اصل دوسری حدیث کے اصل کا غیر ہو اور جب اصل ایک ہو تو ان میں تفریق نہیں کی جاسکتی اس لیے ان احادیث کو الگ الگ قرار دینا صحیح نہیں ہے بلکہ آپ نے دیکھ لیا کہ راویان کے اعتبار سے بھی اتحاد نظر آتا ہے اس لیے یہاں ان کو ہم ایک ہی مسئلہ پر محمول کریں گے اور قیاسِ صحیح کے ساتھ اس کی تائید پیش کرتے ہوئے تائید کریں گے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا مسلک ہے۔

امرِ سوم کا جواب:

غلام رسول سعیدی صاحب نے جو امام اعظم کے مسلک کو چھوڑنے کے لیے یہ لکھا ہے کہ قیاس کو حدیثِ صحیح کے مقابلہ میں چھوڑا جاتا ہے جس کی تائید شفعہ میں ملتی ہے وہاں قیاسِ صحیح کو حدیث کے مقابلہ میں چھوڑا گیا ہے قیاس تو چاہتا ہے جب بیع ہو چکی اور مبیعہ مشتری کی ملک میں چلا گیا اب شفعہ نہیں ہونا چاہیے لیکن حدیث فرماتی ہے کہ شفعہ کیا جاسکتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا قیاس

چونکہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں ہے اور قانوناً حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے جواب میں امام بدرالدین عینی اسی جگہ یوں نقل فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

واما قولهم وقد ينقض ملك المالك كالشفعة الخ غير صحيح لان المشترى الدار لا يثبت له الملك مع وجود الشفيع ولو قبضها فملكه على شرف السقوط ولا يتم له الملك الا بترك الشفيع شفعته. (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۳۲)

اور ان کا قول ٹوٹ جاتا ہے مالک کا ملک جیسا شفعہ کی طرح۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ مشتری دار اس کے لیے ملک ثابت نہیں ہوتا باوجود شفیع کے پائے جانے کے اگرچہ اس نے اس کا قبضہ کر لیا ہو۔ لہٰذا اس کا ملک سقوط کے کنارے پر ہے اور اس کا ملک تمام نہیں ہوتا مگر اس صورت میں جبکہ شفیع شفع کو ترک کر دے۔

تو قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا غلام رسول سعیدی نے شفعہ کی آڑ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بے بنیاد جو الزام لگایا ہے اور امام صاحب کے فیصلہ کو محض قیاس قرار دے کر ترک کرنے پر مسئلہ شفعہ سے قیاس کیا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں یقین سے کہتا ہوں غلام رسول سعیدی نے بھی یہ عبارات ضرور دیکھی ہوں گی مگر ان کے ذہن میں جو مجتہد بننے کا بھوت سوار ہے اس نے یہ استدلال کرنے پر اسے مجبور کیا ہوگا۔ ورنہ محدثین اور فقہاء احناف نے اس معارضہ شفعہ کی اچھے طریقے سے تردید کی ہے جیسے ابھی آپ "عمدۃ القاری" کی عبارت سے پڑھ چکے ہیں بدرالدین عینی فرماتے ہیں جو لوگ امام ابوحنیفہ کے قیاس صحیح کے رد میں شفعہ کی مثال پیش کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ زمین کی خرید و فروخت میں شفیع کی موجودگی میں بیع مکمل ہی نہیں ہوتی کہ جب تک شفیع اپنے شفعہ کو نہ چھوڑ دے تو جب شفعہ کی صورت میں بیع مکمل ہی نہیں ہوتی تو پھر مبیعہ بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل کیسے ہوا؟

اور امام ابوحنیفہ کا قیاس تو یہ ہے کہ بیع کی صورت میں جو کہ منقول اشیاء میں کی جاتی ہے ان میں بیع ہو جانے کے بعد مبیعہ کو مشتری قبضہ میں کر لے تو وہ مبیعہ بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب مشتری نے ابھی ثمن ادا نہ کیے ہوں اور وہ مفلس ہو جائے تو اس صورت میں بائع اور دوسرے قرض خواہ برابر کے شریک ہوتے ہیں جس کی تائید آثار صحیحہ سے ہم نقل کر چکے ہیں اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ شفعہ کا مطلق بیع پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ امام صاحب تو فرماتے ہیں کہ جب مبیعہ بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں چلا جائے تو اس بائع کو دوسرے قرض خواہوں پر کوئی ترجیح نہیں ہے تو شفعہ میں بیع مکمل ہی نہیں ہے تو اس سے امام صاحب کا قیاس کیسے ٹوٹ گیا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں ائمہ احناف کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت میں امام ابوحنیفہ کی معیت نصیب ہو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۵۴- بَابُ الرَّجُلِ يَشْتَرِي الشَّيْئَ اَوْ يَبِيعُهُ، فَيُغْبَنُ فِيهِ اَوْ يُسَعِّرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ

خرید و فروخت میں دھوکہ دہی اور مسلمانوں کے لیے ایک بھاؤ مقرر کرنے کا بیان

۷۷۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا ذَكَرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ الرَّجُلُ اِذَا بَاعَ فَقَالَ لَا خِلَابَةَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا عبداللہ بن دینار نے اور انہوں نے عبداللہ ابن عمر سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے ذکر کیا کہ وہ خرید و فروخت میں دھوکہ کھا جاتا ہے تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جس شخص سے خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو کہہ دیا کرو کہ دھوکہ نہ دینا چنانچہ جب وہ شخص خرید و فروخت کرتا تو کہہ

قَالَ مُحَمَّدٌ نَرَى اَنَّ هٰذَا كَانَ لِذٰلِكَ

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حکم اس شخص

الرَّجُلِ خَاصَّةً

کے لیے مخصوص تھا۔

۷۷۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَرَّ عَلٰى حَاطِبِ بْنِ اَبِیْ بَلْتَعَةَ وَهُوَ يَبِيْعُ زَبِيْبًا لَّهٗ بِالسُّوْقِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اِمَّا اَنْ تَزِيْدَ فِی السِّعْرِ وَاِمَّا اَنْ تَرْفَعَ مِنْ سُوْقِنَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا یونس بن یوسف نے اور انہوں نے سعید بن المسیب سے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاطب بن ابی بلتعہ کے پاس سے گزرے وہ بازار میں اپنے خشک انگور فروخت کر رہے تھے ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم قیمت بڑھاؤ یا ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ کیونکہ حاطب بازار کے نرخ سے کم نرخ پر فروخت کر رہے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِیْ اَنْ يُّسَعَّرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَيُقَالُ لَهُمْ بِيْعُوْا كَذَا وَ كَذَا بِكَذَا وَ كَذَا وَيُجْبَرُوْا عَلٰى ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى-

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے یہ روا نہیں کہ مسلمان تاجروں کے لیے کوئی نرخ مقرر کر دیا جائے اور انہیں مجبور کیا جائے کہ اتنی قیمت یا اتنی قیمت پر فروخت کرو یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

مذکورہ باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے دو آثار نقل کیے جن کی الگ الگ شرح بیان کی جاتی ہے۔

اثرِ اول کی شرح

اثرِ اول میں حبان بن منقذ کا ذکر ہے۔ ان کے بارے میں حدیث میں مذکورہ اثر کی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ بعض روایات میں تو اس طرح آیا ہے کہ کسی جنگ میں ان کے سر پر پتھر لگا جس کی وجہ سے ان کے دماغ میں کچھ خرابی آ گئی اور تجارت کا انہیں بہت شوق تھا اور اکثر دھوکہ کھا جاتے۔ ایک دفعہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ بیع میں مجھے اکثر دھوکہ لگ جاتا ہے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: جب تو کسی سے بیع کرے تو اس سے کہہ دیا کر و لاخلابۃ اور کئی جگہ اور بھی الفاظ آئے ہیں جس کا معنی ہے دھوکہ نہ ہو اب اس میں اختلاف ہے کہ کیا وہ حبان بن منقذ کے لیے یہ حکم خاص تھا یا دوسروں کے لیے بھی ہے یعنی عام ہے یعنی اگر کوئی بیع کرنے کے بعد لاخلابۃ کہہ لیتا ہے تو کیا اس کے لیے خیار فسخ ہو جاتا ہے کہ نہیں؟ تو اس میں کچھ اختلاف ہے اس کو امام بدرالدین عینی نے یوں نقل کیا ہے:

جو چیزیں اس حدیث سے مستفاد ہوتی ہیں وہ چند وجوہ پر ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ شافعیہ اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ غبن لازم نہیں اور نہ ہی مغبون کے لیے کوئی اختیار ہے چاہے غبن زیادہ ہو یا کم۔ امام مالک سے دو روایتوں میں سے اصح روایت یہی ہے۔ امام مالک کے متبعین میں سے وہ لوگ جو بغدادی ہیں وہ کہتے ہیں مغبون کے لیے خیار شرط ہے جبکہ غبن ثلث کو پہنچ جائے قیمت کے ثلث کو پہنچ جائے۔ (اصل قیمت سے تیسرا حصہ زائد غبن پایا جائے) اگر اس سے کم ہو تو پھر غبن کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا اور یہی قول ہے حنبلیوں میں سے ابوبکر اور ابن ابی موسیٰ کا اور چھٹے حصے کا بھی قول آیا ہے اور داؤد سے روایت ہے کہ عقد باطل ہے اور مالک سے روایت ہے کہ اگر دونوں بائع اور مشتری مبیعہ کو اور اس کے بھاؤ کو جانتے ہوں بیع کے وقت تو پھر بیع فسخ نہ ہوگی چاہے غبن زیادہ ہو یا کم اور اگر ان میں سے کوئی ایک نہ جانتا ہو تو پھر بیع فسخ ہو جائے گی مگر اس صورت میں جائز ہوگی کہ جب دونوں اس پر رضامند ہو جائیں اور امام مالک نے کوئی حد بیان نہیں کی اور آپ کے اصحاب نے خیارِ غبن کو حدیث مذکورہ سے ثابت کیا۔ احناف اور شوافع اور جمہور علماء نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں ایک خاص واقعہ ہے اور ایک حال کی حکایت ہے اور ابن عربی نے کہا: لائق یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہ کل کا کل مخصوص ہے اس خاص آدمی کے ساتھ اور اس کے غیر کی طرف متعدی نہیں ہوتا کیونکہ اگر دھوکہ دافع ہو

بیوع میں تو وہ کئی چیزوں کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ دھوکہ عیب میں بھی ہوسکتا ہے اور عین بھی ہوسکتا ہے اور جھوٹ میں بھی اور غبن فی الثمن میں بھی لہٰذا یہ قصہ عامہ نہ ہوا تا کہ اس کو عام پر محمول کیا جائے کیونکہ وہ ایک خاص شخص کا واقعہ ہے اور ایک خاص حال کی حکایت ہے لہٰذا عموم کا دعویٰ اس میں کسی ایک کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۱ص ۲۲۳۔۲۲۴ باب ما یکرہ من الخداع فی البیع کتاب البیوع' مطبوعہ بیروت)

تو قارئین کرام! اس مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ حبان بن منقذ کے اس واقعہ کو عموم پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ اسی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خصوصی رعایت فرمادی کہ جس کی وجہ سے وہ جب بھی کسی سے بیع کرتا تو لا خلابۃ کہہ لیتا تو صحابہ کرام اس کی رعایت کرتے لیکن اب کسی کے لیے یہ رعایت حاصل نہیں کہ وہ بیع کرتے وقت لا خلابۃ کے الفاظ کہے اور اسے بیع کرنے کے بعد خیارِ فسخ حاصل ہو جائے یہ مذہب صرف احناف کا ہی نہیں شوافع بھی احناف کے ساتھ ہیں اور امام مالک سے بھی صحیح روایت اسی کے مطابق ہے۔

اثرِ ثانی کی شرح

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاطب بن بلتعہ کو جو بازار میں منقیٰ فروخت کرتے تھے فرمایا "یا بھاؤ کو زیادہ کرو یا ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ" اس اثر کے تحت امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی کے ساتھ ہمارا عمل ہے کہ کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ مسلمانوں پر بھاؤ مقرر کرے اور یہی ہمارا اور امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ قابل وضاحت بات یہ ہے کہ اثرِ ثانی کے درمیان اور امام محمد کے قول کے درمیان کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اثر میں بھاؤ مقرر کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اور ترجمۃ الباب میں بھی وہی عنوان باندھا گیا جس کا امام محمد نے ذکر کیا اگر غور سے دیکھا جائے تو اثر اور امام محمد کے قول میں تعلق ہے مگر گہری نظر کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو کہ جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ بدری بھی ہیں، ان کا فعل اس اثر کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بازار کے بھاؤ کے خلاف ایک الگ بھاؤ مقرر کیا ہوا تھا جس کے دو احتمال ہیں ایک تو وہ جو متن میں موجود ہے کہ وہ کم بھاؤ پر بازار میں چیزیں فروخت کرتے کہ جس بھاؤ پر بازار والے فروخت نہ کرتے تھے اور عبدالحئی لکھنوی نے ملا علی قاری کی طرف سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ "ان تزید" میں "لام" مقدر ہے۔ جس کا معنی ہوا کہ انہوں نے بازار سے الگ ایسا بھاؤ مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ اشیاء کو گراں قیمت پر فروخت کرتے تو آپ نے فرمایا: تو بھاؤ کو زیادہ مقرر نہ کر ورنہ ہمارے بازار سے اٹھ کر چلا جائے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ کہ بھاؤ کا طے کرنا بائع اور مشتری پر موقوف ہے کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ کسی کو بھاؤ مقرر کرنے پر مجبور کرے اور یہی اس اثر کا مفہوم ہے جو امام محمد نے ذکر کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ رہی یہ بات کہ حاطب ابن ابی بلتعہ نے جب کسی کو بھاؤ مقرر کرنے پر مجبور نہیں کیا تو پھر امام محمد کے اس قول کا اس اثر سے کیا تعلق؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حاطب بن ابی بلتعہ کے اس اثر سے یہی اخذ کیا ہے یا انہیں کہیں سے ان کے اس واقعہ سے ایسے اشارات ملے ہیں کہ انہوں نے بھاؤ مقرر کرنے کی بات کی ہوگی تو پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کا یوں عنوان باندھا۔

۳۵۳- بَابُ الْاِشْتِرَاطِ فِی الْبَیْعِ وَمَا یُفْسِدُهٗ

بیع میں شرط لگانے اور بیع کے مفاسد کا بیان

۷۷۵- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا الزُّهْرِیُّ عَنْ عُبَیْدِاللّٰهِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا ابن شہاب

بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اِشْتَرٰى مِنْ اِمْرَاَتِهِ الثَّقَفِيَّةِ جَارِيَةً وَاشْتَرَطَتْ عَلَيْهِ اِنَّكَ اِنْ بِعْتَهَا فَهِيَ لِيْ بِالثَّمَنِ الَّذِيْ تَبِيْعُهَا بِهٖ فَاسْتَفْتٰى فِيْ ذٰلِكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. فَقَالَ لَهٗ تَقْرَبُهَا وَفِيْهَا شَرْطٌ لِاَحَدٍ.

زہری نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے انہوں نے عبداللہ ابن مسعود سے کہ انہوں نے اپنی بیوی (زینب) ثقفی سے ایک کنیز خریدی بیوی نے یہ شرط لگا دی کہ اگر تمہیں اس کو فروخت کرنا ہو تو جس قیمت پر فروخت کرو اس پر میرے ہاتھ فروخت کرنا پھر اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا گیا حضرت عمر نے فرمایا: اس کنیز سے صحبت نہ کرو جبکہ اس میں کسی کی شرط لگی ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ كُلُّ شَرْطٍ اِشْتَرَطَ الْبَائِعُ عَلَى الْمُشْتَرِيْ وَالْمُشْتَرِيْ عَلَى الْبَائِعِ لَيْسَ مِنْ شُرُوْطِ الْبَيْعِ وَفِيْهِ مَنْفَعَةٌ لِلْبَائِعِ اَوِ الْمُشْتَرِيْ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اگر فروخت کرنے والا خریدار سے یا خریدار فروخت کرنے والے سے کوئی ایسی شرط مقرر کرے جو بیع کے مقاصد سے نہ ہو اور ان میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو تو وہ بیع فاسد ہے یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۷۷۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لَا يَطَاُ الرَّجُلُ وَلِيْدَةً اِلَّا وَلِيْدَتَهٗ اِنْ شَاءَ بَاعَهَا وَاِنْ شَاءَ وَهَبَهَا وَاِنْ شَاءَ صَنَعَ بِهَا مَاشَاءَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے عبداللہ ابن عمر سے وہ فرماتے تھے کہ آدمی اسی کنیز سے مباشرت کرے کہ جس کو وہ چاہے تو فروخت کرے اور چاہے تو ہبہ کرے اور جو چاہے سو کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهٰذَا تَفْسِيْرُ اَنَّ الْعَبْدَ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَتَسَرّٰى لِاَنَّهٗ اِنْ وَهَبَ لَمْ يَجُزْ هِبَتُهٗ كَمَا يَجُوْزُ هِبَةُ الْحُرِّ فَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایسی کنیز سے صحبت کرنا جائز نہیں جس کو آزاد کی طرح ہبہ نہ کر سکتا ہو اور یہی عبداللہ ابن عمر کے قول کی شرح ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

مذکورہ باب میں دو اثر بیان کیے گئے کہ جن میں ایک ہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس لیے الگ الگ شرح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس بات میں مسئلہ یہ ذکر کیا گیا کہ جب بیع میں ایسی شرط لگائی جائے جس سے مشتری کا ملک کامل نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں یہ بیع فاسد ہے جس کی مثال یہ پیش کی گئی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ بنام زینب جو کہ ثقفی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں، سے ایک لونڈی خریدی لیکن زینب نے فروخت کرتے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعود سے ایک شرط کر لی کہ آپ جب بھی اسے بیچنا چاہیں گے تو جتنی اس کی قیمت لگے گی اسی پر تم میرے ہاتھ فروخت کرو گے آپ نے اسی شرط پر بیع کر لی اس کے بعد عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں فتویٰ طلب کیا کہ کیا اس لونڈی کو میں استعمال کر سکتا ہوں یا نہیں؟ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ فتویٰ دیا کہ اس بیوی کے ساتھ آپ جماع نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں ایک ایسی شرط لگی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے آپ کا اس لونڈی پر پورا پورا اختیار نہیں ہے یعنی بیع کامل نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کی وضاحت میں فرمایا جس بیع میں ایسی شرط لگائی جائے کہ جس میں بائع یا مشتری کا نفع ہو وہ بیع فاسد ہے اور بلکہ کتب احناف میں ایک تیسری چیز کا ذکر بھی ہے کہ بائع، مشتری یا مبیعہ کا نفع ہو یعنی مبیعہ ایسا ہو کہ جو اس شرط پر مطالبہ کر سکتا ہو تو یہ بیع فاسد ہے جیسا کہ کوئی لونڈی کو فروخت کرتا ہے اور کہتا ہے اسے آگے فروخت نہ کرنا اس کا مبیعہ کو فائدہ ہے۔ جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ اس لونڈی کے رشتہ دار قریب رہتے

ہوں۔فروخت نہ کرنے کی شرط کی وجہ سے ان کا ملاپ رہتا ہو یا مشتری اچھے اخلاق کا مالک ہے کھانے پینے، لباس پہنانے میں کشادہ دل ہے اس میں چونکہ مبیعہ کا نفع ہے اس لیے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں یہ بیع فاسد ہے۔اسی کی وضاحت دوسرے اثر میں بھی عبداللہ ابن عمر کے قول سے ملتی ہے کہ کوئی آدمی ایسی لونڈی سے وطی نہ کرے کہ جس میں وہ پورے تصرف کا مالک نہ ہو یعنی اس لونڈی سے وہ وطی کرے کہ جس کو وہ فروخت کرنا چاہے، ہبہ کرنا چاہے تو کر سکے اگر ایسا نہ کر سکے تو ایسی صورت میں لونڈی کے ساتھ وطی نہ کرے۔

قارئین کرام! آپ نے امام محمد کے قول سے احناف کا مؤقف سمجھ لیا لیکن چونکہ اس میں شوافع کا اختلاف ہے اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ احناف کے مسلک کی پہلے مزید وضاحت کی جائے اس کے بعد شوافع کی دلیل کو بطور اعتراض اور جواب نقل کیا جائے۔

جس آدمی نے غلام کو فروخت کیا اس شرط پر کہ مشتری اس کو آزاد کردے یا مدبر یا مکاتب بنادے یا لونڈی کو فروخت کیا اس شرط پر کہ مشتری اسے ام ولـدہ بنائے تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ اس میں بیع ہے اور شرط ہے حالانکہ نبی پاک ﷺ نے بیع اور شرط کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔مسلکِ احناف کا خلاصہ یہ ہوا کہ وہ شرط جس کا عقد تقاضا کرتا ہے (مثل شرط کرنے مشتری کے ملک کی) تو یہ شرط عقد کو فاسد نہیں کرتی کیونکہ ملک بغیر شرط کے ہی ثابت ہو جاتا ہے اور وہ ہر شرط جو عقد کا تقاضا نہ کرے اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک کی منفعت ہو یا مبیعہ کی منفعت ہو اور وہ مبیعہ اہلِ استحقاق میں سے ہو اس شرط سے بھی بیع فاسد ہو جائے گی جیسے بائع غلام فروخت کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ خریدار اس کو فروخت نہیں کرے گا (اس میں مبیعہ کی منفعت ہے) کیونکہ یہ ایک ایسی زیادتی ہے کہ جو غرض عقد سے خالی ہے لہٰذا یہ ربا کا سبب ہے یا اس کی وجہ سے تنازعہ ہو سکتا ہے اور عقد کا مقصد فوت ہو جائے گا مگر یہ کہ کوئی شرط متعارف ہو کیونکہ عرف کو قیاس پر ترجیح ہے اگر وہ شرط ایسی ہے کہ نہ تو معاملہ اس کا تقاضہ کرتا ہے اور نہ اس شرط میں کسی ایک کے لیے بائع اور مشتری میں سے کوئی منفعت ہے تو یہ شرط معاملہ کو فاسد نہ کرے گی یہی روایت (مذہب حنفیہ سے) ظاہر ہے۔مثل اس شرط پر عقد کرنا کہ فروخت کردہ چوپایہ کو مشتری فروخت نہیں کرے گا تو (اس صورت میں معقود علیہ یعنی چوپایہ کا بھی کوئی نفع نہیں ہے) کیونکہ چوپایہ کی طرف سے ہر قسم کا مطالبہ اور اس کی صلاحیت منتفی ہے۔(بخلاف غلام کے اس کو اس قسم کی شرط پر مطالبہ کا حق رہتا ہے جب بھی مشتری اس کے فروخت کرنے کا قصد کرے تو غلام کہہ دے کہ تو مجھے مت فروخت کر)۔(ہدایہ شریف)

قارئین کرام! آپ نے صاحب ہدایہ کی عبارت سے سمجھ لیا کہ بائع اور مشتری یا مبیعہ میں سے کسی ایک کا بیع میں نفع ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

اعتراض: ''مسلم شریف'' میں ایک حدیث یوں موجود ہے:

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ میرے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ میرا اونٹ تھک چکا تھا آپ نے اس کو ایک ٹھوکر لگائی پھر وہ اونٹ کودنے لگا پھر میں آپ کی بات سننے کے لیے اس کی نکیل کھینچتا رہا مگر اسے تھام نہیں سکتا تھا نبی علیہ السلام نے فرمایا: یہ اونٹ مجھے فروخت کردو میں نے اسے پانچ اوقیہ میں اونٹ فروخت کردیا۔حضرت جابر کہتے ہیں میں نے عرض کی میں مدینہ تک اس پر سواری کروں گا آپ نے فرمایا: کر سکتے ہو حضرت جابر کہتے ہیں جب میں مدینہ آیا تو اونٹ لے کر حاضر خدمتِ رسول اللہ ہوا آپ نے مجھے ایک اور اوقیہ دیا پھر وہ اونٹ بھی دے دیا۔

(مسلم شریف: ج ۲ ص ۳۸ باب بیع البعیر واستثناء رکوبہ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

قارئین کرام! مذکورہ ''مسلم شریف'' کی حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ قانون احناف کا صحیح نہیں کہ جس بیع میں ایسی شرط لگائی جائے کہ جس میں بائع، مشتری یا مبیعہ کا فائدہ ہو وہ باطل ہے جبکہ مذکورہ حدیث میں آپ نے پڑھ لیا کہ بیع کرنے کے بعد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ شرط لگائی کہ میں اس جگہ سے جہاں سے سودا ہوا ہے، مدینہ شریف تک مذکورہ فروخت شدہ اونٹ پر سواری کروں گا رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کو مان لیا' اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جو بیع میں شرط لگائی تھی اس سے نفع اٹھاتے ہوئے اسی اونٹ پر مدینہ شریف تک سواری کی۔

جواب :اسی حدیث کے ماتحت علامہ نووی نے اس کی جو شرح کی ہے وہ امام ابوحنیفہ کی طرف سے جواب کے لیے کافی ہے اور جو انہوں نے امام صاحب کی طرف سے تاٗویل کی ہے وہ صحیح ہے اور حدیث کے بھی مخالف نہیں ہے۔ امام احمد اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ یہ جائز ہے کہ کوئی شخص سواری کو فروخت کرے اور اس میں سواری کرنے کا استثناء کرے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر سواری کی مسافت قریب ہو تو جائز ورنہ نہیں اور اس حدیث کو مسافتِ قریبہ پر محمول کرتے ہیں۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے مسافت کم ہو یا زیادہ اور شرط لگانے سے بیع منعقد نہیں ہوگی اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں نبی پاک ﷺ نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ بانها قضية عين تتطرق عليها احتمالات قالوا لان النبى ﷺ اراد ان يعطيه الثمن ولم يرد حقيقة البيع. قالوا ويحتمل ان الشرط لم يكن فى نفس العقد وانما يضر الشرط اذا كان فى نفس العقد ولعل الشرط كان سابقاً فلم يؤثر ثم تبرأ ﷺ باركابه. یعنی یہ ایک واقعہ معینہ ہے جس میں کئی احتمالات وارد ہوتے ہیں جن کو شارحین نے ذکر کیا ہے گویا انہوں نے (اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے) کہا کیونکہ نبی پاک ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کو ثمن دینے کا ارادہ کیا تھا حقیقتاً بیع کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ اس حدیث میں یہ احتمال ہے یہ شرط صلب بیع میں نہیں تھی اور وہ شرطِ عقد کے لیے مضر ہوتی ہے جو صلبِ بیع میں ہو اور ہو سکتا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیع ہونے سے قبل یہ شرط لگائی ہو لہٰذا وہ بیع میں نہیں ہوتی۔ تیسرا اس کا جواب یہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو سواری کی اجازت دی ہے یہ بطریقہ تبرع دی ہے نہ کہ بطریقہ شرط۔ (نووی مع مسلم ج ۲ ص ۲۹ باب بیع البیع واستثناء رکوبہ' مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

قارئین کرام! یہ چند جوابات جو امام نووی نے پیش کیے ہیں ایسے نہیں کہ جن کا حدیث سے تعلق نہ ہو بلکہ حدیث کی عبارۃ النص سے یہ جوابات اخذ ہوتے ہیں کیونکہ جب ہم واقعہ بیع نقل کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس اونٹ کو اس کے حالات کی وجہ سے بے قیمت سمجھتے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے خود اس کو بیع پر مجبور کیا کہ اس کا سودا کرے جس کا مفہوم ہے کہ آپ جابر سے بیع نہیں بلکہ مہربانی کرنا چاہتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت جابر سے جو قیمت طے کی تھی اس سے زیادہ قیمت عطا فرمائی اور اونٹ بھی واپس کر دیا۔ یہ سب باتیں دلالت کرتی ہیں کہ اس کو بطورِ اعتراض شوافع اور احناف پر پیش کرنا صحیح نہیں۔ فاعتبروا یااولی الابصار.

٣٥٤ - بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا اَوْ عَبْدًا وَلَهٗ مَالٌ

پیوند لگی ہوئی کھجور اور مالدار غلام کی فروخت کا بیان

۷۷۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ اُبِّرَتْ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَهَا الْمُبْتَاعُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے عبد اللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے پیوند لگی ہوئی کھجور کے درخت کو فروخت کیا اس کا پھل فروخت کرنے والے کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری پھل کے متعلق شرط کر لے۔

۷۷۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے

عَنْ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. قَالَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ.

عبداللہ ابن عمر سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے مالدار غلام فروخت کیا تو اس کا مال فروخت کرنے والے کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری شرط کرے (کہ مال اس کا ہوگا)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مذکورہ باب میں دو اثر نقل کیے گئے ہیں۔ ایک پیوند لگی ہوئی کھجور کے بارے میں اور دوسرا مالدار غلام کے فروخت کرنے کے بیان میں اور ان دونوں کا آپس میں تعلق ہے اس لیے ان دونوں کو ایک باب میں جمع کر دیا گیا ہے۔

پہلے اثر کی وضاحت

اثر اول کے بارے میں پہلے جاننا ضروری ہے کہ مؤبر تابیر سے ہے جس کا معنی ہوتا ہے مادہ کھجور کے شگوفوں کو شق کر کے اس میں نر کھجور کے شگوفوں کی قلم لگانا یا نر کھجور کے شگوفوں کو مادہ کھجور میں پیوند کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس سے کھجور کے درخت کی اصلاح ہوتی ہے اس لیے اس کو تابیر کہتے ہیں اثر کے الفاظ آپ نے پڑھ لیے کہ جب کھجور کی تابیر کی جائے اس کے بعد فروخت کیا جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ درخت تو مشتری کے ہوں گے اور پھل بائع کے لیے ہوگا۔ اس طرح کی احادیث "مسلم شریف" میں کافی تعداد میں جلد دوم ص ۱۰ میں موجود ہیں جن تمام میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کھجور کے درخت کو تابیر کے بعد (پیوند کاری کے بعد) فروخت کرے تو پھل بائع کا اور درخت مشتری کا تدبیر کے لفظ کے بعد بیع کا جو لفظ ہے اس سے بعض ائمہ نے یہ بطور مفہوم مخالف کے ثابت کر دیا کہ اگر بیع کے بعد کسی نے کھجور کے درخت کی تدبیر کی تو اس صورت میں پھل مشتری کا ہوگا اور اس جگہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ امام محمد نے جس اثر کو ذکر کیا ہے اس کو امام مسلم نے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من باع نخلا قد ابرت فثمرها للبائع الا ان يشترط المبتاع...... عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال ايما نخلا اشترى اصولها و قد ابرت فان ثمرها للذى ابرها الا ان يشترط الذى اشتراها. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰ باب من باع نخلا علیہا ثمرا مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس کی تابیر ہو چکی تھی تو اس کا پھل بائع کے لیے ہے۔ مگر یہ کہ شرط کر لے مشتری (کہ وہ میرے لیے ہوگا)...... نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کھجور کا درخت خریدا جائے اس حال میں کہ اس کی تابیر کی گئی ہے تو اس کا پھل اس آدمی کے لیے ہوگا جس نے اس کی تابیر کی ہے مگر یہ کہ شرط لگائے وہ آدمی کہ خریدا ہے اس نے اس کو۔

قارئین کرام! موطا امام محمد کا اثر اور یہ تمام احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ بائع تابیر کے بعد کھجور کے درخت کو بیچے تو اس کا پھل بائع کے لیے ہوگا کچھ ائمہ نے قبل بیع تابیر کو اس حکم کے لیے شرط قرار دیا یعنی بائع کو پھل اس وقت ملے گا جبکہ اس نے بیع سے پہلے تابیر کی ہو اگر بعد میں تابیر کی ہو تو پھل نہ ملے گا یہ انہوں نے ان احادیث کے منطوق سے اس کے مفہوم مخالف سے ثابت کیا ہے کیونکہ جب قبل بیع کے ساتھ تدبیر کے ساتھ مقید کرنے کی صورت میں بائع کو پھل ملتا ہے تو جب یہ شرط نہ ہوگی یعنی جب بائع نے بیع کرنے سے پہلے تدبیر نہ کی ہوگی بلکہ بعد میں کی ہوگی تو اس صورت میں پھل مشتری کو ملے گا لیکن امام ابوحنیفہ کیونکہ اس مفہوم مخالف کو نہیں مانتے جیسا کہ احناف کی اصول کی کتب میں وجوہ فاسدہ کے نام سے عنوان دے کر اس کی بڑی بسط سے وضاحت کی گئی ہے۔

جیسے نام لے کر کوئی کہتا ہے "محمد رسول اللہ" اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور دوسرا کوئی اللہ کا رسول نہیں "حسامی" "نور الانوار" وغیرہ میں اس کی بحث تفصیل سے مذکور ہے اس لیے امام ابوحنیفہ اور عام فقہاءِ احناف کا یہی فتویٰ ہے کہ بائع نے اگر تأبیر کی ہے چاہے پہلے سے کی ہو یا بعد میں پھل بائع کا ہی ہوگا ہاں اگر وہ شرط لگا لے (مشتری) کہ پھل میرا ہوگا اس صورت میں پھل اس کا ہو سکتا ہے اسی مفہوم کی وضاحت امام نووی نے یوں کی ہے:

اہلِ علم کا اس پر اجماع ہے کہ درختوں میں پیوند لگانا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ پیوند لگانے سے پہلے یا بعد فروخت ہے کہ پیوند لگانے سے پہلے یا بعد فروخت کیے ہوئے درختوں کا حکم کیا ہے' کیا وہ بائع کی ملک میں رہیں گے یا ان کا خریدار مالک ہوگا؟ ابن ابی یعلیٰ نے کہا ان پھلوں کا خریدار مالک ہوگا لیکن یہ قول اس صریح حدیث کے خلاف ہے شاید ابن ابی یعلیٰ تک یہ حدیث نہیں پہنچی۔ امام مالک' امام شافعی اور جمہور علماء کا یہ مؤقف ہے اگر پیوند لگانے کے بعد درخت کو فروخت کیا تو اس کے پھل بائع کے لیے ہوں گے مگر یہ کہ خریدار بیع کے وقت پھلوں کو بھی بیع میں شامل کرے اور اگر پیوند لگانے سے پہلے درخت کو فروخت کیا تو اس کے پھل خریدار کے لیے ہوں گے مگر یہ کہ بائع پھلوں کو رکھنے کی شرط لگا لے البتہ امام مالک فرماتے ہیں کہ بائع کے لیے شرط لگانا جائز نہیں۔ (اس کے بعد امام نووی امام ابوحنیفہ کا مسلک نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں)

و قال ابو حنيفة هى للبائع قبل التابير وبعده عند الاطلاق و قال ابن ابى يعلٰى هى للمشترى قبل التابير و بعده فاما الشافعى والجمهور فاخذوا فى الموبره بمنطوق الحديث وفى غيرها بمفهومه وهو دليل الخطاب وهو حجة عندهم واما ابو حنيفة فاخذ لمنطوقه فى الموبره وهو لا يقول بدليل الخطاب فالحق غير الموبرة بالموبرة.

(نووی شرح صحیح مسلم ج ۲' باب النہی عن بیع المحاقلہ والمزابنۃ الخ' مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: تأبیر کے بعد اور پہلے وہ پھل بائع کے لیے ہے بلکہ کسی شرط کے بغیر بیع کی ہو اور ابن ابی یعلیٰ نے فرمایا تأبیر سے پہلے اور بعد میں ہر صورت میں پھل مشتری کے لیے ہے اور امام شافعی اور جمہور علماء نے تدبیر کے بعد بیع کو حدیث کے الفاظ سے پکڑا ہے اور جس میں تأبیر نہیں ہے اس کو انہوں نے اس کے مفہوم سے پکڑا ہے۔ (یعنی مفہومِ مخالف سے) اسے دلیلِ خطاب کہتے ہیں جو ان ائمہ کے لیے حجت ہے اور امام ابوحنیفہ نے تأبیر قبل از بیع کی صورت میں حدیث کے الفاظ کے ساتھ عمل کیا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دلیلِ خطاب کے ساتھ (یعنی مفہوم مخالف کے ساتھ) قول نہیں فرماتے لہٰذا امام ابوحنیفہ نے غیر مؤبرہ کو مؤبرہ کے ساتھ ملا دیا۔

اس کے علاوہ امام بدرالدین عینی نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

و بيان ذالک ان ابا حنيفة جعل الثمرة للبائع فى الحالين. وكانه راى ان ذكر الابار تنبيه على ما قبل الابار وهذا معنى يسمى فى الاصول معقول الخطاب و استعمله مالک والشافعى على ان المسكوت عنه حكمه حكم المنطوق وهذا يسميه اهل الاصول دليل الخطاب وقال الثورى و اهل الظاهر و فقهاء اصحاب الحديث تقول الشافعى و

مذکورہ مسئلہ کا بیان یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے دونوں صورتوں میں پھل کو بائع کے لیے قرار دیا ہے گویا امام ابوحنیفہ نے تأبیر کے ذکر کو قبل تأبیر پر تنبیہ قرار دیا ہے یہ وہ معنی ہے جس کا نام علم اصول میں معقول الخطاب رکھا جاتا ہے امام شافعی اور امام مالک نے اسی پر عمل کرتے ہوئے یہ حکم کیا کہ مسکوت عنہ منطوق کے حکم میں ہوتا ہے اسی کا نام اہل الاصول نے دلیلِ خطاب رکھا ہے۔ امام ثوری' اہل الظاہر اور فقہاءِ اصحاب حدیث اس مسئلہ میں امام شافعی کے

قول الاوزاعی نحو قول ابو حنیفة. ساتھ ہیں امام اوزاعی کا قول امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہے۔

(عمدۃ القاری بشرح صحیح بخاری، ج ۱۲ص۱۲، باب من باع نخلا قد ابرت، مطبوعہ بیروت)

قارئین کرام! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو امام بدرالدین عینی نے بیان کرتے ہوئے یہ وضاحت کردی کہ حدیث میں جو تابیر کا لفظ آیا ہے یہ عدم تابیر کی صورت پر تنبیہ ہے۔ یعنی تابیر کی صورت میں جبکہ وہ بیع سے پہلے ہے یہ حکم ہے تو جب تدبیر بیع کے بعد ہوگی تو اس صورت میں بطریقہ اولیٰ بائع پھل کا مالک ہو جائے گا تو قارئین کرام! یہاں تک تو اس باب کے پہلے اثر کی وضاحت بیان کی گئی ہے اب دوسرے اثر کی وضاحت کی جاتی ہے۔

اثر دوم کی وضاحت

دوسرے اثر میں آپ نے پڑھ لیا کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: جس شخص نے ایسے عبد کو فروخت کیا کہ جس کے پاس مال بھی ہے اس صورت میں وہ مال بائع کا ہوگا ہاں اس صورت میں کہ جب مشتری بائع سے شرط کر لیتا ہے کہ میں غلام اور جو اس کے پاس مال ہے سب کو اتنے میں خریدتا ہوں تو وہ مشتری کا ہوگا اس اثر کے بارے میں امام شافعی کا پہلا قول اور مالک کا موقف ظاہر حدیث کے مطابق ہے یعنی جب مشتری غلام کے مال کو بھی ساتھ لینے کی شرط کر لیتا ہے تو اس میں مشتری غلام اور اس کے مال کا مالک ہو جائے گا مگر امام شافعی کا آخری قول امام ابوحنیفہ کے مطابق ہے کہ غلام کا کوئی مال ہوتا ہی نہیں ہے اس لیے غلام کے مال کی مشتری کو شرط لگانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اب ہم اس کی وضاحت امام نووی کی کلام سے پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام مالک کا موقف اس ظاہر حدیث کے مطابق ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے اور انہوں نے اس حدیث کی تاویل میں یہ کہا ہے کہ یہ اضافت اختصاص کی بناء پر ہے ملکیت کی بناء پر نہیں ہے یعنی غلام کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ اس کی ملک نہیں ہوتا مال اس کے مالک کا ہوتا ہے اور اختصاص کی بناء پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ غلام کا مال ہے جیسے کہا جاتا ہے گھوڑے کی زین اور گدھے کی جھل اس لیے جب کوئی شخص غلام کو فروخت کرے گا تو اس کا مال بائع کا ہوگا کیونکہ وہ اس کی ملکیت ہے البتہ اگر خریدار نے مال کی بھی شرط لگالی تو جائز ہے اب گویا خریدار نے دو چیزیں خریدی ہیں غلام اور مال اور دونوں کی ایک قیمت لگائی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول جدید میں یہ کہا ہے کہ اس بیع میں رباء سے احتراز ضروری ہے امام شافعی نے کہا اگر مال دراہم ہیں تو دراہم کے بدلہ میں بیع جائز نہیں ہے اور اگر مال دینار ہیں تو سونے کے عوض بیع جائز نہیں اور اگر غلام کا مال گندم ہے تو گندم کے عوض ان کی بیع جائز نہیں ہے امام مالک نے کہا اگر غلام کا مال دراہم ہو تو دراہم کے عوض بیع جائز ہے علی ھذا القیاس تمام صورتوں میں بیع جائز ہے ان کا استدلال حدیث کے اطلاق سے ہے۔ (نووی شرح مسلم)

امام نووی کی مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے الفاظ کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں۔ اگر مشتری غلام کے مال کی بھی شرط لگا لیتا ہے تو پھر وہ غلام اور اس کا مال دونوں مشتری کی ملک میں آ جائیں گے اور حدیث کے الفاظ بھی اسی طرح ہیں کہ اگر غلام کے پاس مال ہو اور مالک اس کو فروخت کر دے تو اس کا مال بائع کا مال ہوگا ہاں اس صورت میں جبکہ مشتری یہ شرط لگالے کہ جو میں نے غلام کی قیمت لگائی ہے اسی قیمت میں، میں غلام کے ساتھ اس کا مال بھی لوں گا، یہ جائز ہے۔

اب اس میں غلام کے پاس جس قسم کا بھی مال ہو وہ غلام کے ساتھ مشتری لے جائے گا اور یہی امام شافعی کا قدیم قول بھی ہے مگر ان کا جدید قول امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہے تو امام ابوحنیفہ کا مسلک اور امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ جب مشتری غلام کے مال

کی شرط لگالے تو جائز تو ہے لیکن مطلقاً جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں حضرات غلام کے مال کو مال نہیں سمجھتے کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا تو یہ صرف غلام کے پاس موجود ہونے کی وجہ سے مجازی طور پر کہا گیا ہے غلام کا مال یعنی صرف اختصاص کی وجہ سے جیسے کہا جاتا ہے گھوڑے کے لیے جھل ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ گھوڑا جھل کا مالک ہے بلکہ مالک تو وہ مالک ہی ہے کہ جھل کو گھوڑے کے ساتھ جو اختصاص ہے اس کی وجہ سے جھل کی نسبت گھوڑے کی طرف کی گئی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی کی طرف سے اختصار کے طور پر نا جائز ہونے کی ایک دو صورتیں بیان کرتے ہیں جب غلام کے پاس دراہم ہوں مثلاً نوے درہم ہیں اور مشتری سو درہم میں غلام اور ان دراہم کو خرید لیتا ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ دراہم کے بدلہ میں دراہم کی بیع میں واضح طور پر رباء نظر آ رہا ہے اسی طرح جب غلام کے پاس دینار ہوں تو مشتری دیناروں سے غلام اور اس کے دینار نہیں خرید سکتا کیونکہ اس میں بھی رباء واضح ہے یہ تو امام شافعی کا جدید قول ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اگر چہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مؤطا میں تو یہ بتلا دیا کہ مشتری جب تک غلام کے مال کی شرط نہ لگائے وہ غلام کے علاوہ مال نہیں لے سکتا ہاں اگر شرط لگالے تو لے سکتا ہے اس کی وضاحت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''کتاب الحجۃ'' میں یوں نقل فرمائی ہے:

اخبرنا محمد عن ابی حنیفة قال من اشتری عبدا فما له للبائع الا ان یشترط المبتاع. فان اشترط ذالک المبتاع نظر فی ماله فان کان الثمن ورقاً وکان فی مال العبد ورق یکون مثل الورق او اکثر او دین للعبد علی الانسان لم یحل البیع لان الدین من غرر لا یدری یخرج ام لا یخرج والورق ان کان مثل الثمن والثمن ورق اواکثر فهذا الورق بمثلها زیادة فهذا ونحوه الذی نهی رسول الله ﷺ عنها وقال اهل المدینة اذا اشترط المبتاع مال العبد فهوله نقدا کان او دینا اوارضا یعلم اولم یعلم وان کان للعبد من المال اکثر مما اشتری به نقدا او دینا او ارضا فهو جائز وقال محمد بن الحسن زعم اهل المدینة ان رجلا لو اشتری من رجل عبدا وکان للعبد من المال الف درهم فاشتری العبد واشترط ماله وکان اشتراه بخمس مائة درهم ان هذا جائز یکون للعبد للمشتری والالف الدرهم التی له بخمس مائة ما اعظم هذا القول وقالوا ایضاً ان کان الالف دیناً للعبد جازت فی البیع. کان للمشتری العبد والالف الذی نقد بخمس مائة نقدا فصار خمس مائة نقدا

خبر دی ہمیں امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جس شخص نے غلام خریدا تو اس کا مال بائع کا ہے مگر یہ کہ خریدار اس کی شرط لگا لے اگر خریدار نے مال کی شرط لگائی تو اگر قیمت درہم ہیں اور غلام کے مال میں بھی اتنے ہی یا اس سے زیادہ درہم ہیں یا غلام کا کسی انسان پر قرض ہے تو یہ بیع جائز نہیں کیونکہ قرض میں تو دھوکہ ہے پتہ نہیں وصول ہوگا یا نہیں؟ اور اگر غلام کے مال میں دراہم قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہوں تو یہ دراہم کی دراہم کے بدلہ میں زیادتی کے ساتھ بیع بنتی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہلِ مدینہ (یعنی امام مالک) کا یہ قول ہے کہ جب خریدار مال کی شرط لگائے تو وہ مال خریدار کا ہوگا خواہ وہ مال نقد ہو یعنی سونا چاندی یا قرض یا ساز و سامان ہو اس کی مقدار معلوم ہو یا نہ معلوم ہو خواہ وہ مال قیمت سے زیادہ ہو عام ازیں کہ قیمت نقد ہو، قرض ہو، یا ساز و سامان یہ جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (اہلِ مدینہ کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: ان کا گمان ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی سے غلام خریدا اور غلام کے پاس ایک ہزار درہم تھا اور خریدار نے مال کی شرط لگا لی اور پانچ سو درہم کے عوض ایک ہزار درہم اور ایک غلام مل جائے گا یہ کتنا ہی بڑا قول ہے (یعنی کتنے بڑے غضب کی بات ہے؟) اور انہوں نے یہ بھی کہا اگر ہزار درہم کا قرض عبد کے لیے ہو تو بیع جائز ہے تو کیا مشتری کے لیے عبد اور وہ

بالف درهم وبعبد قال وقلنا لهم ايضا ارأيتم رجلا اشترى عبدا واشترط ماله الف درهم فاشترى بخمس مائة فقبض الالف والعبد ثم اعطى البائع من الالف بعينها الخمس مائة الثمن أليس يبقى له عبد وخمس مائة بغير ثمن اداه الى البائع ويدخل عليهم اشد من هذا رجل اشترى عبداً بالف درهم الى سنة واشترط ماله وللعبد الف دينار على رجل الى سنة ان ذالك فى قولهم جائز فيكون له العبد بالف الى سنت ويكون له الالف ايضا الى اجلها بالف الى سنة بدينار الى اجل. (كتاب الحجۃ ج۲ ص۵۰۳-۵۰۶ باب الرجل یشتری عبداً مما له للبائع مطبوعہ جامعہ مدینہ کریم پارک لاہور)

ہزار درہم قرض تھا پانچ سو درہم کے مقابلہ میں نقدا ہو گیا؟ امام محمد نے فرمایا: ہم ان کے لیے یہ بات بھی کہتے ہیں تمہارا کیا خیال ہے کہ ایسے آدمی کے بارے میں جس نے غلام کو خریدا اور شرط لگائی اس کے مال کی جو کہ ہزار درہم ہے تو گویا خریدا اس نے غلام کو اور ہزار درہم کو بدلے پانچ سو درہم کے پھر قبض کر لیا اس نے ہزار درہم کو اور عبد کو پھر عطا کر دیا بائع کو بعینہ اسی ہزار سے پانچ سو درہم بطور قیمت کے کیا نہیں ہے باقی اس کے لیے عبد اور پانچ سو درہم بغیر ادا کرنے اس کے بائع کی طرف۔ اور اس سے زیادہ سخت اعتراض بھی اس پر ہو سکتا ہے کہ مثلاً ایک شخص نے غلام کو ہزار درہم کے بدلہ میں ایک سال کی مہلت پر خریدا اور شرط لگائی اس کے مال کی اور عبد کے لیے ہزار درہم ہے کسی آدمی پر ایک سال کی مہلت پر تو یہ ان کے قول میں جائز ہے تو گویا مشتری کے لیے ہو گیا عبد بدلے ہزار درہم کے ایک سال کی مہلت تک اور ہو گیا مشتری کے لیے کہ ہزار دینار بھی اسی مہلت پر۔

یاد رہے یہ جو امام محمد نے فرمایا ہے اگر مشتری مال کی شرط لگائے تو اس صورت میں مشتری کو وہ مال اور غلام مل جائے گا یہ مطلق نہیں بلکہ اس سے وہ مخصوص صورت مراد ہے جس میں سود پایا جائے اس کی صورت ہے کہ مثلاً کسی آدمی نے پانچ سو درہم کے بدلہ میں غلام خریدا اور غلام کے لیے جو مال ہے وہ گندم ہے اس صورت میں مشتری مع مال کے اس بیع کے ذریعے مالک بن جائے گا کیونکہ اس میں قیمت اور مبیعہ ہم جنس نہیں ہیں۔ ہاں وہ صورتیں کہ جن میں غلام کے پاس مال ہے اور وہ بھی چاندی ہو اور چاندی سے ہی مشتری غلام کو اور اس کی چاندی کو خریدتا ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں واضح بات ہے کہ غلام کے پاس جو چاندی ہے یعنی دراہم ہیں یہ اس کی مثل ہوں گے یا زیادہ اس میں سود واضح ہے کیونکہ زیادہ کی صورت میں تو واضح ہی ہے اور برابری کی صورت میں وہ مثلاً پانچ سو درہم قیمت ہے وہ پانچ سو درہم مال اور غلام کے بدلہ میں ہو گی تو اس میں بھی غلام کا معاوضہ نہیں ہو گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ (امام محمد مالک) پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان کے مسلک کے مطابق یہ صورت جائز ہے کہ کسی آدمی نے کسی آدمی سے غلام خریدا اور غلام کا ہزار درہم ہے اور یہ پانچ سو درہم کے بدلہ میں غلام اور اس کا مال درہم وغیرہ سب خرید لیتا ہے تو یہ کتنے ظلم کی بات ہے یعنی مطلب یہ نکلتا ہے کہ مشتری نے بائع سے ایک ہزار درہم بھی لے لیا اور غلام بھی لے لیا صرف پانچ سو درہم کے بدلہ میں گویا مشتری نے جب دونوں چیزیں قبض کر لیں تو اسی ہزار درہم میں سے ہی پانچ سو درہم بائع کو واپس کر دیتا ہے تو اب اس کو پانچ سو کے بدلہ میں پانچ سو درہم اور ایک غلام بلا معاوضہ حاصل ہو گئے اسی طرح ایک اور مثال امام محمد پیش کرتے ہیں جو کہ اسی طرح سود اور ظلم پر مبنی ہے اس کی مثال یوں فرماتے ہیں ایک شخص نے کسی سے غلام خریدا ایک ہزار درہم کے بدلہ میں جو کہ ایک سال کے بعد وہ ہزار درہم ادا کرے گا اور اس غلام کے پاس ایک ہزار دینار ہے جو کہ اس نے ایک سال کی مدت تک قرضہ پر دیا ہوا ہے تو اب یہ مشتری غلام تو ابھی قبض کرے گا اور ہزار دینار ہزار درہم کے بدلہ میں اسی سال کی مہلت پر پکڑے گا۔ اب مشتری کو ایک تو بلا معاوضہ غلام حاصل ہو گیا اور دوسری طرف [illegible] معاوضہ لے لے گا۔ یہ وہ صورتیں ہیں جن کو

احناف جائز نہیں سمجھتے۔ فاعتبروا یااولی الابصار

۳۵۵ - بَابُ الرَّجُلِ يَشْتَرِى الْجَارِيَةَ وَلَهَا زَوْجٌ اَوْتُهْدٰى اِلَيْهِ

خاوند والی کنیز کے خریدنے یا بطور ہدیہ حاصل کرنے کا بیان

۷۷۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ اَبِيْ سَلْمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ اِشْتَرٰى مِنْ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ جَارِيَةً فَوَجَدَهَا ذَاتَ زَوْجٍ فَرَدَّهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب زہری نے ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے عاصم بن عدی سے ایک لونڈی خریدی جب معلوم ہوا کہ اس کا شوہر بھی ہے تو اسے رد کر دیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَكُوْنُ بَيْعُهَا طَلَاقًا فَاِذَا كَانَتْ ذَاتَ زَوْجٍ فَهٰذَا عَيْبٌ تُرَدُّ بِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ اس کا فروخت کرنا طلاق کے برابر نہ ہوگا جبکہ وہ شوہر والی ہے گویا یہ عیب ہے جس کے باعث وہ رد کر دی جائے گی یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

۷۸۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَامِرٍ اَهْدٰى لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ جَارِيَةً مِنَ الْبَصْرَةِ وَلَهَا زَوْجٌ فَقَالَ عُثْمَانُ لَنْ اَقْرَبَهَا حَتّٰى يُفَارِقَهَا زَوْجُهَا فَاَرْضٰى ابْنُ عَامِرٍ زَوْجَهَا فَفَارَقَهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب نے کہ عبداللہ بن عامر نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی ایک لونڈی بطور ہدیہ دی کہ اس کا شوہر بھی تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کے پاس کبھی نہ جاؤں گا جب تک اس کا شوہر اسے چھوڑ نہ دے تو عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر کو راضی کر لیا تو اس نے اس لونڈی کو طلاق دے دی۔

مذکورہ باب میں امام محمد نے دو عدد آثار نقل کیے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کی لونڈی ہو اور اس نے اس کا کسی آدمی سے عقد کر دیا ہو تو اس عقد سے وہ لونڈی اس کے نکاح سے نہیں نکل سکتی یعنی یہ جہاں چاہے اس کو فروخت کر سکتا ہے لیکن اس کے فروخت کر دینے سے اس لونڈی کو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بیدہ عقدة النکاح نکاح کی گرہ زوج کے ہاتھ میں ہے'' لہٰذا طلاق دینا مالک کے قبضے میں نہیں بلکہ زوج ہی دے سکتا ہے اس لیے امام محمد نے پہلا اثر یوں نقل کیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عدی سے اس کی وہ لونڈی خریدی کہ جس کا کسی سے عقد تھا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اس لونڈی کو عاصم بن عدی پر رد کر دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ میرے لیے اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں اس کی تائید میں امام محمد نے دوسرا اثر نقل کیا کہ عبداللہ بن عامر نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ایک لونڈی بطور ہدیہ دی عثمان غنی کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اس لونڈی کا کسی سے عقد ہے تو آپ نے فرمادیا میں اس کے قریب نہ جاؤں گا عبداللہ بن عامر کو جب اس بات کا علم ہوا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس لونڈی کو استعمال نہ کریں گے جب تک کہ اس کا زوج اس کو طلاق نہ دے تو عبداللہ بن عامر نے اس کے شوہر کو طلاق دینے پر رضامند کر لیا' طلاق دینے کے بعد عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر کے اس ہدیہ کو قبول کر لیا۔

قارئین کرام! اس مسئلہ کی مزید وضاحت ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں یوں فرمائی ہے کہ جس کو اوجز المسالک نے یوں نقل کیا ہے:

قال الموفق يباح للسيد النظر الى جميع بدن امته حتى فرجها سواء فيه ذالک سريته وغيرها لانه مباح له الاستمتاع من جميع بدنها فابيح له النظر اليه فان زوج امته حرم عليه الاستمتاع والنظر منها الى مابين السرة والركبته لان عمرو ابن شعيب روى عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ اذا زوج احدكم خادمه اواجيره فلا ينظر الى مادون السرة وفوق الركبة فانه عورة رواه ابوداود مفهومه اباحة النظر الى ماعداه واما تحريم الاستمتاع بها فلا شک فيه ولا اختلاف فانها قدصارت مباحةً للزوج ولا تحل امرأة لرجلين فان وطنها لزمه الاثم والتعزير. (اوجزالمسالک ج۱۱ص۱۹۱العیب فی الرقیق مطبوعہ ادارہ تالیف اشرفیہ بیرون بوہڑگیٹ ملتان، پاکستان)

ابن قدامہ نے کہا مباح کیا گیا ہے مالک کے لیے نظر کرنا لونڈی کے تمام بدن کی طرف حتیٰ کہ اس کی فرج کی طرف بھی اس میں برابر ہے اس کا قیدی ہونا وغیرہ کیونکہ اس کے تمام بدن سے نفع اٹھانا مالک کے لیے مباح ہے لہٰذا اس کے لیے اس کی طرف نظر کرنا بھی مباح ہے اگر کسی نے اپنی لونڈی کا نکاح کر دیا پھر اس پر لونڈی سے نفع اٹھانا اور گھٹنوں سے ناف تک اس کی طرف نظر کرنا حرام ہے کیونکہ عمرو ابن شعیب نے اپنے والد سے روایت کی انہوں نے کہا: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب کوئی آدمی اپنے غلام یا مزدور کا نکاح کر دے تو اس کے بعد وہ نظر نہ کرے گھٹنے سے لے کر ناف تک کے لیے کیونکہ وہ عورت (ستر) ہے اس کو ابوداؤد نے روایت کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ مقررہ حد (گھٹنے سے ناف تک) کے علاوہ اس کے لیے نظر جائز ہے بہر حال شادی شدہ لونڈی سے نفع حاصل کرنے کی تحریم میں نہ شک ہے اور نہ اختلاف کیونکہ وہ مباح ہو چکی ہے زوج کے لیے لہٰذا کوئی عورت دو مردوں کے لیے مباح نہیں ہو سکتی اگر مالک نے اس سے وطی کی (نکاح کر دینے کے بعد) تو اس پر گناہ لازم ہے اور تعزیر بھی ہے۔

قارئین کرام! ابن قدامہ کی اس عبارت سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ یہ مسئلہ صرف قیاس پر ہی موقوف نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں بھی اس کی وضاحت آ چکی ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ جب لونڈی کا مالک کسی سے عقد کرے تو مالک کے لیے اس سے نفع اٹھانے کی ایسی حرمت ہے جس میں کسی کو شک و اختلاف نہیں ہے یعنی مالک کے لیے اس لونڈی سے نفع اٹھانے کی حرمت اجماع سے ثابت ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار

٣٥٦- بَابُ عُهْدَةِ الثَّلٰثِ وَالسَّنَةِ

خیار شرط کے ایک سال یا تین دن کے مقرر ہونے کا بیان

٧٨٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَانَ بْنَ عُثْمَانَ وَهِشَامَ بْنَ اِسْمٰعِيْلَ يُعَلِّمَانِ النَّاسَ عُهْدَةَ الثَّلٰثِ وَالسَّنَةِ يَخْطُبَانِ بِهٖ عَلَى الْمِنْبَرِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کہ میں نے سنا ابان بن عثمان اور ہشام بن اسماعیل سے کہ وہ لوگوں کو تین دن اور ایک سال کے عہدہ کی تعلیم دیتے تھے اور منبر پر اس کے متعلق خطبہ دیتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَسْنَا نَعْرِفُ عُهْدَةَ الثَّلٰثِ وَلَا عُهْدَةَ السَّنَةِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الرَّجُلُ خِيَارَ الثَّلٰثِ اَيَّامٍ اَوْ خِيَارَ سَنَةٍ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ عَلٰى مَا اشْتَرَطَ وَاَمَّا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَلَا يَجُوْزُ الْخِيَارُ اِلَّا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ.

امام محمد فرماتے ہیں ہم تین دن اور ایک سال کی شرط نہیں جانتے بجز اس صورت کے کہ کوئی شخص تین دن یا ایک سال کی شرط مقرر کرے تو اس صورت میں جو شرط مقرر کی ہے اس شرط پر بیع ہوگی لیکن امام ابوحنیفہ کے قول کی بناء پر تین دن سے زیادہ کا اختیار جائز نہیں ہے۔

مذکورہ باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے خیارِ شرط کے بارے میں ایک اثر نقل کیا ابان ابن عثمان اور ہشام بن اسماعیل کی طرف سے کہ جب یہ دونوں منبر پر خطبہ دیتے تو خیارِ شرط میں تین دن اور کبھی سال کا ذکر کرتے یعنی تین دن سے لے کر ایک سال تک خیارِ شرط کیا جا سکتا ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ دونوں مدتیں یعنی تین دن یا ایک سال ان میں سے کوئی بھی معین نہیں ہے بلکہ بائع اور مشتری جتنا بھی خیار چاہیں مقرر کر لیں وہی معتبر ہوگا لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تین دن سے زیادہ کے خیارِ شرط کو تسلیم نہیں کرتے۔

تو قارئین کرام! اب دیکھنا یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ خیارِ شرط کو جو امام ابوحنیفہ قبول نہیں فرماتے تو کیا ابوحنیفہ اس مسئلہ میں اکیلے ہی ہیں یا ائمہ میں سے ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہے اور یہ کہ کیا امام صاحب کا یہ فیصلہ اپنا ذاتی ہے یا حدیث واثر وغیرہ بھی ان کی تائید کرتا ہے اس بارے میں' میں ایک دو کتب مختلف المذاہب سے نقل کرتا ہوں جن سے ان کی وضاحت ہو جائے گی۔

وقال ابو حنيفه والشافعي لا يجوز اكثر من ثلاث لما روى عن عمر رضي الله عنه قال ما اجد لكم اوسع مما جعل رسول الله ﷺ لحبان جعل له الخيار ثلاث ايّام ان رضى اخذ وان سخط برك ولان الخيار ينافي مقتضى البيع لانه يمنع الملك واللزوم واطلاق التصرف وانما جاز لموضع الحاجة فجاز القليل منه وآخر حد القلة ثلاث قال الله تعالى تمتعوا في داركم ثلاث ايام. بعد قوله فيأخذكم عذاب قريب (ھود:۶۵)۔

(المغنی مع شرح کبیر ج ۴ ص ۹۸ مسئلہ نمبر ۲۷۷۹)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (خیارِ شرط) تین دن سے زائد میں جائز نہیں اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: میں تمہارے لیے اس سے زیادہ گنجائش نہیں پاتا جتنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ کے لیے کی ہے ان کے لیے تین دن اختیار دیا گیا اگر راضی ہو تو پکڑ لے اور اگر ناراض ہو تو چھوڑ دے کیونکہ خیار مقتضی بیع کے منافی ہے اور کیونکہ (خیار) منع کرتا ہے ملک کو اور لزوم کو اور اطلاق تصرف کو اور جائز تو صرف ضرورت کے لیے کیا گیا ہے تو قلیل مدت کے لیے جائز ہے اور قلیل مدت تین دن ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: اپنے گھروں میں تین دن نفع حاصل کرو اس قول کے بعد (اگر تم تجاوز کرو گے) تمہیں عذاب الیم پکڑ لے گا (دردناک عذاب دیا جائے گا)۔

قارئین کرام! ''مغنی'' کی مذکورہ عبارت نے واضح کر دیا کہ تین دن کے لیے خیارِ شرط کا اثبات قیاسی نہیں ہے بلکہ نص سے ثابت ہے اور علامہ ابن قدامہ نے خیارِ شرط کو تین دن کے لیے مقرر کرنے والی نص کو عقلی دلیل سے بھی ثابت کیا ہے وہ یہ ہے کہ بیع اور خیار دونوں کا آپس میں مفہوم ایک دوسرے کے خلاف ہے یعنی بیع لزوم کو چاہتی ہے اور خیار عدمِ لزوم کو چاہتا ہے تو جب بیع کے مقتضی سے ہی خیارِ شرط نہیں تو پھر اس سے خیارِ شرط کو انہی الفاظ پر بند کر دینا چاہیے جو نص میں آ چکے ہیں اور دوسرا اس خیارِ شرط کو ضرورت کے لیے جائز قرار دیا گیا تو پھر ضرورت سے تجاوز کرنا مناسب نہیں، جائز نہیں اور بیع وشراء میں اکثر ضرورت دو تین دن میں پوری ہو جاتی ہے کیونکہ بیع کرنے کے بعد تین دن میں وہ بائع یا مشتری کہ جس نے خیارِ شرط کیا ہوا ہے اس کے لیے یہ مدت کافی اور شافی ہے سوچنے کے لیے کہ یہ بیع میرے لیے نفع مند ہوگی یا نہیں اور قرآن مجید سے بھی ابن قدامہ نے ایک نص کو پیش کیا۔ اللہ نے فرمایا: تین دن تک اپنے گھروں میں نفع اٹھا لو تو معلوم ہوا کہ تین دن کے الفاظ اللہ تعالیٰ نے بھی نفع کے لیے فرمائے اور یہ بائع اور مشتری بھی خیارِ شرط میں نفع اٹھاتے ہیں تو یہ ایسی چیز ہے جس کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ معلوم ہوا خیارِ شرط کے لیے تین دن کی مہلت مقرر کرنا قیاس اور نص دونوں کے موافق ہے یہ مذکورہ کتاب ''مغنی'' حنبلیوں کی معتبر کتاب ہے اب ہم شافعیوں کی معتبر کتاب ''المجموع شرح المہذب'' سے عبارت پیش کرتے ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

جاز شرط الخيار في ثلاثة ايام وفيما دونها لانه اذا جاز شرط الثلاث فما دونها اولى بذالك

جائز ہے خیارِ شرط تین ایام اور اس سے کم میں کیونکہ جب تین دن کی شرط جائز ہوئی تو اس سے کم میں بطریقہ اولیٰ جائز ہے

ولا یجوز اکثر ثلاثة ایام لانه غرر وانما جوز فی الثلاث لانه رخصة فلا یجوز فیما زاد..... محمد بن یحیی بن حبان قال کان جدّی منقذ بن عمرو وکان رجلا قد اصیب فی رأس امّۃ وکسرت لسانه ونقصت عقله وکان یغبن فی البیع وکان لایدع التجارة فشکا ذالک الی النبی ﷺ فقال اذا ابتعت فقل لا خلابة ثم انت فی کل بیع تبتاعه بالخیار ثلث لیال ان رضیت فامسک وان سخطت فاردد.

(المجموع شرح المہذب ج۹ ص۱۸۸-۱۸۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور تین دن سے زیادہ کے لیے خیارِ شرط جائز نہیں کیونکہ اس میں دھوکہ ہے اور تین دن کی اجازت بطور رخصت ہے لہٰذا یہ رخصت تین دن سے زیادہ میں جائز نہیں ہے۔ محمد بن یحییٰ بن حبان نے کہا: میرا دادا منقذ بن عمرو ایک ایسا آدمی تھا جس کے سر میں چوٹ لگی اور اس کی زبان میں لکنت آ گئی اور اس کا عقل ناقص ہو گیا بیع میں وہ اکثر غبن میں آ جاتا لیکن تجارت نہ چھوڑتا تھا اس نے نبی علیہ السلام کے سامنے اس بات کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: جب تو کسی چیز کو خریدے تو یہ لفظ کہہ لے کہ "لا خلابة" یعنی نقصان نہ ہو تو پھر تو جو بھی بیع کرے گا اس میں تجھے تین راتوں تک اختیار ہو گا اگر تو راضی ہو جائے تو روک لے اور اگر نہ پسند کرے تو واپس کر دے۔

قارئین کرام! مذکورہ کتاب مصنف ابوزکریا امام محی الدین بن شرف النووی یعنی امام نووی شارح مسلم، انہی کی یہ کتاب "المجموع شرح المہذب" ہے انہوں نے بھی خیارِ شرط کو تین دن سے زیادہ ناجائز قرار دیا اور اس مسئلہ کو قیاس اور حدیث صحیح سے ثابت کیا اب ہم اس سے بھی واضح امام اعظم کے مسلک پر خیارِ شرط کے تین دن سے زائد ناجائز ہونے پر ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کی تخریج عبدالرزاق نے اپنی کتاب "مصنف عبدالرزاق" میں کی ہے جس کو "اعلاء السنن" میں نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

عن انس بن مالک ان رجلا اشتری من رجل بعیرا و اشترط الخیار اربعة ایام فابطل رسول الله البیع وقال الخیار ثلاثة ایام اخرجه عبدالرزاق فی مصنفه. (اعلاء السنن ج ۱۴ ص ۴۱ باب خیار الشرط والمجلس خیار المجلس، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی پاکستان)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے اونٹ خریدا اور چار دن کے لیے خیارِ شرط لگا لی رسول اللہ نے اس بیع کو باطل کر دیا فرمایا: خیار صرف تین دن کے لیے ہوتا ہے اس کی تخریج عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں کی ہے۔

قارئین کرام! "مصنف عبدالرزاق" کی اس حدیث نے مسئلہ کو واضح کر دیا کہ مسلکِ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کئی احادیث سے مؤید ہے خصوصاً اس حدیث میں تو واضح الفاظ میں آ گیا ایک سال کا خیار تو کجا چار دن کے لیے بھی خیارِ شرط مقرر کرنے والے کی بیع کو رسول اللہ نے باطل قرار دیا اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک قیاسِ صحیح اور حدیثِ نبوی کے بالکل مطابق ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۵۷- بَابُ بَیْعِ الْوَلَاءِ

ولاء کی بیع کے بیان میں

۷۸۲- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ دِیْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنْ بَیْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهٖ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا عبداللہ بن دینار نے عبداللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا یَجُوْزُ بَیْعُ الْوَلَاءِ وَلَا هِبَتُهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

امام محمد کہتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے کہ ولاء کی نہ تو بیع جائز ہے اور نہ اس کا ہبہ جائز ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

۷۸۳- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے

عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِیَ وَلِیْدَةً فَتُعْتِقُهَا فَقَالَ اَهْلُهَا نَبِیْعُکِ عَلٰی اَنَّ وَلَاءَ هَا لَنَا فَذَکَرَتْ ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَا یَمْنَعُکِ ذٰلِکَ فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ.

عبداللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک کنیزہ کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ کیا اس کنیز کے مالک نے کہا ہم اس شرط پر فروخت کرتے ہیں کہ اس کی ولاء (ترکہ) کے مستحق ہم ہوں گے حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین نے رسول اللہ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ شرط تمہیں اس حق سے نہیں روک سکتی اس لیے کہ ولاء کا مستحق وہی ہے جو اسے آزاد کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ لَا یَتَحَوَّلُ عَنْهُ وَهُوَ کَالنَّسَبِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ ولاء اسی کا حق ہے جو اسے آزاد کرے یہ حق اس سے منتقل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ نسب کی طرح ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے۔

مذکورہ باب میں ایک حدیث امام محمد نے نقل کی جو کہ ولاء کی بیع اور ہبہ کے بارے میں ہے اور دوسری ایک حدیث بیان کی کہ ولاء اس کا حق ہوتا ہے جو آزاد کرے ان دونوں احادیث کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے۔ ہم پہلے حدیث اول کی شرح و تفصیل بیان کرتے ہیں۔

حدیث اول کی شرح: نبی علیہ السلام نے جو فرمایا: "ولاء کی بیع اور ھبہ نہیں کیا جاسکتا" سب سے پہلے یہ بات سمجھنی ضروری ہے کہ ولاء کیا چیز ہے؟ اور اس کا مفہوم کیا ہے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے غلام یا لونڈی کو آزاد کرے اور لونڈی کا کوئی رشتہ دار نہ ہو یعنی کہ ذوی الفروض سے اور نہ عصبات سے تو اس کا جتنا مال ہوتا ہے وہ سب کا سب آزاد کرنے والوں کو ملتا ہے اس مسئلہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ولاء کو نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کو ہبہ کیا جاسکتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی لونڈی یا غلام کو آزاد کرتا ہے اس کے بعد کسی سے اس کی ولاء کا سودا کر لیتا ہے اس طرح کہ جب یہ میری لونڈی یا غلام مرجائے تو اس کا جتنا ساز و سامان اور رقم ہوگی وہ تیری، تو مجھے اتنے دام اس کے عوض میں دے دے اور ہبہ کی صورت یہ ہے کہ مالک لونڈی کو آزادی کرنے کے بعد کہہ دے کہ جب یہ میری لونڈی یا غلام مرجائے اس کی ولاء میں تمہیں ہبہ کرتا ہوں اور اس کی نفی پر صریح احادیث آچکی ہیں جیسا کہ "مصنف عبدالرزاق" میں موجود ہے۔

عن عبدالله ابن دینار قال سمعت ابن عمر یقول نهی رسول الله ﷺ عن بیع الولاء و هبته. (مصنف عبدالرزاق: ج۹ص۳ کتاب الولاء' مطبوعہ بیروت)

عبداللہ ابن دینار کہتے ہیں میں نے ابن عمر سے سنا فرماتے تھے: نبی پاک ﷺ نے ولاء کی بیع اور ہبہ سے منع فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ اسی جگہ مصنف عبدالرزاق میں کئی آثار صحیحہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں:

عن مجاهد قال قال علی لا یباع الولاء ولا یوهب..... عن عطاء عن ابن عباس الولاء لمن اعتق لا یجوز بیعه ولا هبته..... عن معمر عن ابن طاؤس عن ابیه قال لا یباع الولاء ولا یوهب..... عن الزهری قال لا یباع الولاء ولا یوهب.

مجاہد سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولاء کی بیع کی جاسکتی ہے اور نہ ہبہ۔ عطاء ابن عباس سے روایت کرتے ہیں ابن عباس فرماتے ہیں: ولاء آزاد کرنے والے کی ہے اس کی بیع جائز ہے اور نہ ہبہ..... معمر ابن طاؤس سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے ان کے باپ نے فرمایا: ولاء کو نہ بیچا

جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے.....زہری سے روایت ہے فرمایا: ولاء کی بیع کی جا سکتی ہے اور نہ ہبہ۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۴۔۵ باب الولاء)

قارئین کرام! یہ تو نصوص صریحہ ہیں جو ولاء کی بیع اور ہبہ کے منع کرنے پر وارد ہیں اب ہم اس باب کی دوسری حدیث کی تشریح کرتے ہیں۔

حدیث ثانی کی شرح: سیدہ عائشہ ام المؤمنین نے ارادہ کیا ایک لونڈی کو خریدنے کا اور اس کے بعد اسے آزاد کرنے کا لیکن شرط یہ لگائی کہ اس کی ولاء میرے لیے ہوگی جب اس لونڈی کے مالکوں نے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا یہ شرط ہمیں منظور نہیں' ولاء ہمارے لیے ہوگی۔ حضرت عائشہ نے نبی علیہ السلام سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا: ان کی یہ شرط بے معنی ہے ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرے تو مؤطا امام محمد میں یہ حدیث اجمالاً مذکور ہے۔ میں اس کی تفصیل بخاری و مسلم سے ذکر کرنا چاہتا ہوں تا کہ اصل واقعہ بھی سامنے آ جائے اور اس میں ایک اعتراض ہے، اس کا جواب بھی سامنے آ جائے۔

حدثنا ابو کریب محمد بن العلاء الهمدانی قال حدثنا ابو اسامة قال حدثنا هشام بن عروة قال اخبرنی ابی عن عائشة رضی الله عنها قال دخلت علی بریدة فقالت ان اهلی کاتبونی علی تسع اواق فی تسع سنین کل سنة اوقیة فأعینني فقلت لها ان شاء اهلک ان اعدها لهم عدة واحدة واعتقک ویکون الولاء لی فعلت فذکرت ذالک لاهلها فابوا الا ان یکون الولاء لهم فاتتنی فذکرت ذالک قالت فانتهرتها فقالت لاها الله اذا قالت فسمع رسول الله ﷺ فسألنی فاخبرته، فقال اشتریها واعتقیها واشترطی لهم الولاء فان الولاء عن اعتق ففعلت قالت ثم خطب رسول الله ﷺ عشیته فحمد الله واثنی علیه بماهو اهله ثم قال امابعد! فما بال اقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب الله تعالی ماکان من شرط لیس فی کتاب الله عزوجل فهو باطل وان کان مائه شرط کتاب الله احق و شرط الله اوسق مابال رجال منکم یقول احدهم اعتق فلانا والولاء لی انما الولاء لمن اعتق. (مسلم شریف ج ا ص ۴۹۵ باب النہی عن بیع الولاء وھبتہ مطبوعہ نور محمد کراچی)

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں بریدہ نے مجھ سے آ کر کہا: میرے مالکوں نے مجھے نو اوقیہ پر مکاتب کیا ہے بایں طور کہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کیا جائے آپ اس میں میری مدد کریں۔ حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر تمہارے مالک پسند کریں تو میں یکمشت یہ رقم ادا کر کے تم کو آزاد کر دوں لیکن ولاء میرے لیے ہوگی۔ بریدہ نے اپنے مالکوں سے اس بات کا ذکر کیا انہوں نے انکار کیا اور کہا ولاء ہماری ہوگی بریدہ نے آ کر مجھے بتایا میں نے اسے جھڑکا اور کہا! بخدا ایسا نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے سن کر مجھ سے ماجرا پوچھا میں نے یہ واقعہ آپ کو سنا دیا آپ نے فرمایا: اس کو خرید کر آزاد کر دو اور ولاء کو ان کے حق میں مشروط کر دو ولاء اس کی ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے میں نے ایسا کیا پھر ایک شام کو رسول اللہ نے خطبہ دیا اللہ کی حمد و ثناء بیان کی جس کا وہ اہل ہے پھر فرمایا: بہر حال ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ایسی شروط عائد کرتے ہیں جن کا کتاب اللہ میں ذکر نہیں اور جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے خواہ ایسی سو شروط ہوں۔ اللہ کی کتاب زیادہ حقدار ہے اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے تم میں سے بعض لوگوں کا کیا حال ہے جو کہتے ہیں فلاں شخص کو آزاد کر دو اور ولاء ہماری ہوگی ولاء کا مستحق آزاد کرنے والا ہی ہوتا ہے۔

قارئین کرام! یہ حدیث جیسے ''مسلم شریف'' میں ہے کچھ کمی بیشی کے ساتھ ''بخاری شریف'' میں بھی موجود ہے اور اس جگہ پر

ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔

اعتراض: عقدِ بیع میں خریدار کا ایسی شرط لگانا جس کو خریدار پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو یہ بائع کو دھوکہ دینا ہے اور ایسی شرط' شرطِ فاسد ہے اور مذکورہ حدیث میں آپ نے پڑھ لیا کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین کو فرمادیا کہ بریدہ کے مالک اگر ولاء کی شرط اپنے لیے لگاتے ہیں تو تم اس بات کو مان جاؤ اور ولاء کی شرط انہی کے لیے لگا دو۔ بظاہر لفظی طور پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ نیت نہ تھی کہ ولاء ان کے لیے ہو پھر ان کے لیے شرط لگانے کا مشورہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو کیوں دیا؟

جواب: اس اعتراض کے شارحین حدیث نے بہت سے جوابات دیئے ہیں علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے تحت اپنی مشہور شرح ''عمدۃ القاری'' ج ۱۳ ص ۱۲۲ پر کئی جوابات دیئے' ملاحظہ فرمائیں:

کرمانی نے کہا: اگر تو کہے کہ یہ مشکل ہے اس لیے کہ یہ شرط عقد کو فاسد کر دیتی ہے اور دوسرا یہ بائعین کو دھوکہ دیتی ہے کیونکہ ان کے لیے ایسی شرط لگائی گئی ہے جو ان کے لیے حاصل نہیں ہے تو اس کا اذن رسول اللہ نے سیدہ عائشہ ام المؤمنین کو کیوں دیا؟ امام بدر الدین فرماتے ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ معنی **اشترطی لھم** کا **اشترطی علیھم** ہے (اس میں لام بمعنی علیٰ ہے جو ضرر کے لیے ہوتا ہے) تو معنی یہ ہوا کہ اے عائشہ! تم شرط لگالو ان پر یعنی ان کے نقصان اور اپنے نفع کے لیے مثل اللہ کے قول کے **وان لم اساتم فلھا** - یعنی اگر تم برا کرتے ہو تو تمہارے لیے ہے۔ (یہاں **فلھا** میں ''لام'' بمعنی ''**علی**'' ہے یعنی اگر تم برائی کرتے ہو تو وہ تمہارے نفسوں پر ہے یہ نہیں کہ وہ تمہیں نفع دے گی) اور دوسرا معنی **اشترطی** کا یہ ہے کہ **اظھری لھم حکم الولاء** یعنی تو ان کے لیے ولاء کا حکم ظاہر کر دے کیونکہ نبی علیہ السلام نے ان کے لیے بیان کر دیا تھا کہ یہ شرط صحیح نہیں ہے لہٰذا ان کی شرط کی کچھ پرواہ نہ کی جائے گی اور بعض نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو سیدہ عائشہ صدیقہ کے لیے شرط کو تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے یہ سیدہ عائشہ کے خصائص سے ہے جس کا حکم ہر ایک کے لیے نہیں لگایا جا سکتا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۲۲ باب استعانۃ المکاتب وسوالہ الناس' مطبوعہ بیروت)

وقال الاخرون الامر فی اشترطی للاباحة علی جهة التنبیه علی انه لا ینفعهم فوجوده وعدمه سواء کانه قال اشترطی او لا تشترطی ویؤیده قوله فی روایه عندالبخاری اشتربها ودعیهم یشترطون ما شاء وا و قیل کان ﷺ اعلم الناس بان اشتراط البائع الولاء باطل و اشتهر ذالک بحیث لا یخفی علی اهل بریدة فلما ارادو ان یشترطوا ما تقدم لهم علم بطلانه اطلق الامر مریدا التحدید علی مال الحال کقوله تعالی وقل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله وکقول موسی القوا ماانتم ملقون فلیس بنافعکم فکانه قیل اشترطی لهم فسیعلمون انه لا ینفعهم. (زرقانی شرح مؤطا امام مالک: ج ۴

دوسرے لوگوں نے یہ جواب دیا ''اشترطی'' صیغہ امر اباحت کے لیے ہے بطور تنبیہ اس بات پر کہ ان کو یہ شرط نفع نہ دے گی کیونکہ اس شرط کا وجود اور اس کا عدم برابر ہے' گویا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تو شرط لگا یا نہ لگا، اس کی تائید کرتا ہے نبی پاک ﷺ کا وہ قول جو بخاری کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: تو اس کو خرید لے اور مالکوں کو چھوڑ دے (ان کی شرط کی پرواہ نہ کر) شرطیں لگائیں جتنی وہ چاہیں بعض نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ نبی پاک لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے کہ بائع کی شرط لگانا ولاء کے بارے میں باطل ہے اور یہ بات اتنی مشہور تھی کہ بریدہ کے مالکوں پر مخفی نہ تھی تو جب انہوں نے شرط لگانے کا ارادہ کیا کہ جس کے بطلان کا ان کو پہلے ہی علم تھا تو رسول اللہ ﷺ نے امر کو مطلق کیا مثل اللہ تعالیٰ کے قول

ص۹۲ باب تصیر الولاء لمن اعتق باب ۵۲۷)

کے کہ فرما دیجئے یا رسول اللہ ﷺ عمل کرو اللہ اور اس کا رسول تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے یہ بات موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی طرح ہے تم ڈال دو جو ڈالنے والے ہو لیکن تمہیں نفع نہ دے گی گویا حدیث کا یہ معنی ہوا کہ ان کے لیے شرط لگا لے عنقریب وہ لوگ جان لیں گے کہ وہ ان کو نفع نہ دے گی۔

قارئین کرام! خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ولاء کی بیع جائز نہیں جیسا کہ سیدہ بریدہ رضی اللہ عنہا کے طویل واقعہ سے ثابت ہوا ہے اور پھر اس پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے اس پر میں نے امام بدر الدین عینی، زرقانی کی طرف سے جو مختلف جوابات انہوں نے نقل کیے، ان کو پیش کر دیا جس کے بعد یہ حدیث بلا غبار ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ کو حرام قرار دیتی ہے۔

۳۵۸- بَابُ بَيْعِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ

ام ولد کی بیع کے بیان میں

۷۸۴- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَيُّمَا وَلِيْدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَإِنَّهُ لَا يَبِيْعُهَا وَلَا يَهَبُهَا وَلَا يُوَرِّثُهَا وَهُوَ يَسْتَمْتِعُ مِنْهَا فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا نافع نے عبداللہ ابن عمر سے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کنیز اپنے آقا سے بچہ جنے تو مالک اسے فروخت نہ کرے نہ ہبہ کرے اور نہ وارث بنائے بلکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے، جب وہ فوت ہو جائے تو وہ لونڈی آزاد ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا قول ہے۔

ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں کہ جس کے مالک نے اس سے ہم بستری کی ہو اور اس سے بچہ یا بچی پیدا ہوا سے ام ولد کہا جاتا ہے ایسی لونڈی کے بارے میں مذکورہ باب میں امام محمد نے ایک اثر نقل کیا کہ عمر فاروق نے فرمایا: ایسی لونڈی کو اس کا مالک نہ بیع کر سکتا ہے اور نہ ہبہ اور نہ اس کا وارث بنا سکتا ہے رہی یہ بات کہ کیا اس میں صرف اثر عمر فاروق ہی ہے یا اس کے علاوہ کوئی حدیث یا آثار بھی ہیں۔ اس بارے میں میں نے "مصنف عبدالرزاق" "بیہقی" اور "مجمع الزوائد" وغیرہ کتب کو دیکھا ان میں مرفوعاً روایات بھی ملتی ہیں جیسے کہ ہم "ابن ماجہ شریف" سے ایک دو مرفوع روایات پیش کرتے ہیں۔

مرفوع روایات

عن عکرمہ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ایما رجل ولدت امتہ منہ فہی معتقہ عن دبر منہ..... عن عکرمہ عن ابن عباس قال ذکرت ام ابراھیم عند رسول اللہ ﷺ فقال اعتقہا ولدہا. (ابن ماجہ ص ۱۸۱ ابواب العتق باب الد بر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے اس کی لونڈی بچہ جنے وہ اس مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہوگی..... عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ام ابراہیم کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: اس کے بچے نے آزاد کر دیا ہے۔

عن سعید ابن المسیب قال امر رسول اللہ ﷺ بعتق امہات الاولاد ولا یجعلن فی الثلث

سعید ابن المسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام ولد کے آزاد کرنے کا حکم دیا اور (فرمایا) ان کے بارے

وامر ان لا یبعن فی الدین..... عن مسلم بن یسار قال سألت سعید بن المسیب عن عتق امهات الاولاد فقال ان الناس یقولون ان اول من امر بعتق امهات الاولاد عمر رضی الله عنه ولیس کذالک ولکن رسول الله ﷺ اول من اعتقهن ولا یجعلن فی ثلث ولا یبعن. (بیہقی شریف ج۱۰ص۳۴۴ کتاب عتق امہات الاولاد مطبوعہ دکن حیدرآباد ہند)

میں وصیت نہ کی جائے اور نہ انہیں قرضہ میں بیچا جائے..... مسلم بن یسار سے روایت ہے کہ فرمایا: میں نے سعید بن مسیب سے ام ولدہ کے آزاد کرنے کا سوال کیا آپ نے فرمایا: بے شک لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ام ولدہ کے آزاد کرنے کا حکم حضرت عمر نے دیا تھا آپ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ام ولد کی آزادی کا حکم دیا اور ان کے بارے میں وصیت نہ کرنے اور انہیں نہ بیچنے کا حکم دیا۔

ام ولد کے بیع نہ کرنے پر آثار

عن عبدالله ابن عمر ان عمر ابن الخطاب رضی الله عنه قال ایما ولیدة ولدت من سیدها فانه لا یبیعها ولا یهبها ولا یورثها وهو یستمتع فیها فاذا مات فهی حرة. (بیہقی شریف ج۱۰ص۳۴۳)

عبداللہ ابن عمر حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جو لونڈی اپنے مالک سے بچے کو جنے تو مالک نہ اس کو بیچے اور نہ اس کا ہبہ کرے اور نہ ہی وہ میراث میں تقسیم کی جائے وہ مرد اس سے نفع حاصل کیا کرے لہٰذا جب وہ مرے گا تو وہ آزاد ہوگی۔

عن زید ابن وهب قال اتیت عبدالله بن مسعود انا ورجل لنسئله عن ام الولد قال فکان یصلی فی المسجد وقد اکتنفه رجلان عن یمینه وعن یساره حتی اذا فرغ من صلوته ساله رجل عن اية من القران..... فقال من اقرآک قال اقرانی ابو حکیم و ابو عمره وقال للاخر من اقرآک قال اقرأنی عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال فبکی عبدالله حتی بل الحصی قال اقرأ کما اقرآک عمر ان عمر کان للاسلام حصنا حصینا قال فسالته عن ام الولد قال تعتق من نصیب ولدها..... اخبرنا ابن جریج قال اخبرنی ابراهیم بن میسره ان طاؤساً اخبره ان ابن عباس قال لابنته له لام ولد اشهدکم ان هذه حرة قال حسبت ان طاؤسا قال وهی تلعب علی بطنه فاخبرت بذالک مجاهدا فقال وانا اشهدکم ان هذا حر.

(مصنف عبدالرزاق ج۷ص۲۸۹۔۲۹۱ حدیث نمبر۱۳۲۱۴، حدیث نمبر۱۳۲۲۲باب بیع امہات الاولاد مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

زید ابن وہب نے کہا میں اور ایک اور آدمی دونوں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تاکہ ام ولد کے بارے میں سوال کریں زید ابن وہب کہتا ہے عبداللہ ابن مسعود مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اس حال میں کہ ان کو دو آدمی دائیں اور بائیں جانب سے تھامے ہوئے تھے یہاں تک کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے ایک آدمی نے قرآن سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا: تمہیں یہ آیت کس نے سنائی ہے؟ اس نے کہا ابو حکیم وابو عمرہ نے تو عبداللہ ابن مسعود نے دوسرے آدمی سے کہا تجھے یہ آیت کس نے سنائی ہے؟ اس نے کہا: عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے راوی کہتا ہے: (حضرت عمر فاروق کا نام سن کر) عبداللہ ابن مسعود اتنا روئے کہ انہوں نے اپنے آنسوؤں سے کنکریوں کو تر کر دیا پھر فرمایا: پڑھو جیسے کہ تجھ پر عمر فاروق نے پڑھا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام کے لیے ایک مضبوط قلعہ تھے۔ راوی کہتا ہے میں نے عبداللہ ابن مسعود سے ام ولد کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا: وہ اپنے بیٹے کے حصہ میں آزاد رہے.....ابن جریج نے ہمیں خبر دی اس نے کہا مجھے خبر دی ابراہیم بن میسرہ نے کہ حضرت طاؤس نے اسے خبر دی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کے لیے کہا: جو ان کی لونڈی سے تھی میں تمہیں اس بات پر گواہ

بتاتا ہوں کہ یہ آزاد ہے اور راوی کہتا ہے میرا گمان یہ ہے کہ طاؤس نے یہ بھی کہا: یہ بچی عبداللہ بن عباس کے پیٹ پر کھیل رہی تھی میں نے اس واقعہ کی خبر مجاہد کو دی اس نے کہا میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ یہ آزاد ہے۔

قارئین کرام! "بیہقی" اور "مصنف عبدالرزاق" کے جو آثار نقل کیے گئے ہیں ان میں واضح الفاظ سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر فاروق عبداللہ ابن مسعود وغیرہ صحابہ کرام میں سے اور تابعین میں سے طاؤس اور مجاہد بڑے زور دار لہجے میں فرماتے ہیں ہم تمہیں اس بات پر گواہ بناتے ہیں کہ ام ولد آزاد ہے اور ایک اثر میں تو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایسا واقعہ بھی منقول ہے جس کو پڑھ کر شانِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نمایاں ہو رہی ہے یعنی جب کسی نے عبداللہ ابن مسعود پر آیت پڑھی تو آپ نے پوچھا یہ آیت کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اور یہ آیت بھی ام ولد کے بارے میں تھی تو حضرت عبداللہ ابن مسعود حضرت عمر کا نام سن کر اتنا روئے کہ کنکریاں تر ہوگئیں اس جگہ "مصنف عبدالرزاق" میں اس اثر سے پہلے ایسا ہی اثر یوں بھی ہے:

ثم قال اقرأ كما اقرأك عمر ثم دور دارة بيده ثم قال ان عمر كان حصناً حصيناً للاسلام يدخل الناس فيه ولا يخرجون منه ولا يدخلون فيه.

یعنی عبداللہ ابن مسعود نے اسے کہا جیسے عمر فاروق نے تلاوت کی اسی طرح تو بھی کر پھر عبداللہ ابن مسعود اپنے گھر کی چار دیواری کے ساتھ ہاتھ لگا کر گھومنے لگے پھر فرمایا: عمر فاروق اسلام کا مضبوط قلعہ تھے اس قلعہ میں جو لوگ داخل ہوتے پھر اس سے نہ نکلتے عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: عمر فاروق کا وصال ہو گیا قلعہ تو موجود ہے اب لوگ اس سے نکل جاتے ہیں مگر داخل نہیں ہوتے۔

قارئین کرام! اس کے علاوہ کثیر تعداد میں آثار صحیحہ ملتے ہیں جن میں موجود ہے کہ ام ولدہ کی بیع منع ہے۔

اعتراض

بعض آثار میں ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ام ولد کی بیع کی جاتی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن انس قال لقد رأيتنا نتبايع امهات الاولاد و رسول الله ﷺ بين اظهرنا. (مجمع الزوائد ج۴ ص۴۰۹ باب بیع امہات الاولاد مطبوعہ بیروت لبنان)

انس بن مالک سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم ام ولدہ کی بیع کرتے تھے باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے۔

معلوم ہوا ام ولد کی بیع جائز ہے کیونکہ اس اثر میں اگرچہ یہ الفاظ نہیں کہ رسول اللہ نے ام ولد کی بیع کو جائز قرار دیا لیکن یہ تو زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی پاک ﷺ سے قولی یا فعلی حدیث ام ولد کی بیع کے جواز پر نہیں ملتی لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حدیث تقریری سے ام ولدہ کی بیع کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ام ولد کی بیع و شراء کرتے تھے اور آگے کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جس میں ثابت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر انکار کیا ہو اور کہا ہو کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں کسی معاملہ کو نبی کا دیکھ کر خاموش ہو جانا اس کے جواز کی دلیل ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ ام ولد کی بیع جائز ہے۔

جواب: مذکورہ اثر جو معترض نے نقل کیا ہے اس کو نقل کرنے کے بعد خود صاحب مجمع الزوائد حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی فرماتے ہیں۔ وفيه معاوية بن يحيى الصدفي وهو ضعيف (مجمع الزوائد) اس کو بزار نے روایت کیا اور اس میں

معاویہ ابن یحییٰ راوی ضعیف ہے۔
زید ابن وہب سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم میں سے ایک آدمی مر گیا اور اس نے ام ولد کو چھوڑا تو ولید بن عقبہ نے اس کی بیع کا ارادہ کیا ایسے قرضہ کو اتارنے کے لیے ہم عبداللہ ابن مسعود کے پاس آئے وہ نماز پڑھ رہے تھے ہم نے ان کی انتظار کی یہاں تک کہ وہ فارغ ہو گئے ہم نے عبداللہ ابن مسعود کو مذکورہ واقعہ سنایا آپ نے فرمایا: اگر تم ضروری ہی کرنے والے ہو تو ام ولد کو اس بچے کے حصے میں کردو۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ صحیح۔ اور علقمہ سے روایت ہے ایک آدمی عبداللہ ابن مسعود کے پاس آیا کہ میری ایک لونڈی نے بیٹے کو دودھ پلایا جو کہ میرا ہے تو میں نے اس بات کا ارادہ کیا کہ میں اس کو بیچ دوں تو عبداللہ ابن مسعود کو یہ بات ناگوار گزری آپ نے فرمایا: کاش کہ نداد یتا وہ آدمی جو کہتا ہے کہ میں اس کو بیچ دوں گا کہ وہ میرے بیٹے کی ماں ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا کبیر میں۔ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد)
تو قارئین کرام! یہ دو صحیح آثار اس فقیہہ صحابی کی زبان سے نکلے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ میرے علم کی گٹھ ہے تو ان دو صحیح واضح آثار میں موجود ہے کہ ام ولد آزاد ہے۔ ان کے مقابلہ میں ایک ضعیف اثر میں جو یہ نظر آتا ہے کہ ام ولدہ کی بیع جائز ہے یا تو یہ صحیح نہیں اور یا پھر منسوخ ہے بہر صورت فقہاء اسلام کا فیصلہ یہی ہے کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں ہے۔

۳۵۹- بَابُ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيْئَةً وَ نَقْدًا

حیوان کی حیوان کے ساتھ بیع ادھار یا نقد کے بیان میں

۷۸۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ اَخْبَرَهُ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ بَاعَ جَمَلًا لَهٗ يُدْعٰى عُصَيْفِيْرًا بِعِشْرِيْنَ بَعِيْرًا اِلٰى اَجَلٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا صالح بن کیسان نے کہ حسن بن محمد بن علی نے ان سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصیفیر نامی اونٹ بیچا بیس اونٹوں کے بدلہ میں ادھار فروخت کیا۔

۷۸۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اِشْتَرٰى رَاحِلَةً بِاَرْبَعَةِ اَبْعِرَةٍ مَضْمُوْنَةٍ عَلَيْهَا يُوَفِّيْهَا اِيَّاهُ بِالرَّبَذَةِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے کہ عبداللہ ابن عمر نے ایک سانڈنی چار اونٹوں کے بدلے خریدی اس شرط پر کہ وہ اسے مقام ربذہ ہمیں پہنچا دے گا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ بَلَغَنَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ خِلَافُ هٰذَا.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہمیں اس کے خلاف بھی روایت پہنچی ہے۔

۷۸۷- اَخْبَرَنَا ابْنُ اَبِيْ ذُوَيْبٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُسَيْطٍ عَنْ اَبِيْ حَسَنِ الْبَزَّازِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ اَنَّهٗ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْبَعِيْرِ بِالْبَعِيْرَيْنِ اِلٰى اَجَلٍ وَالشَّاةُ بِالشَّاتَيْنِ اِلٰى اَجَلٍ وَبَلَغَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيْئَةً فَهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ابن ابی ذویب نے ہمیں خبر دی یزید بن عبداللہ بن قسیط سے انہوں نے حسن بزار سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے عوض اور ایک بکری کو دو بکریوں کے عوض ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا! اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلہ ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے اکثر فقہاء کا قول ہے۔

حیوان کی حیوان کے بدلہ میں ادھار بیع کے بارے میں پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے کہ اس کو احناف نا جائز کہتے ہیں اور نقداً جائز سمجھتے ہیں اس کی وجہ احناف یہ بیان کرتے ہیں کہ جانور کو جب ادھار بیچا جائے حیوان کے بدلہ میں تو ہر ذی روح میں ہر گھڑی کی بیشی ہوتی رہتی ہے کہ جس کا تعین ناممکن ہے اس لیے اس میں رباء کا پایا جانا ضروری ہے اور رباء کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اس لیے جانور کو جانور کی ساتھ ادھار بیع نا جائز ہے البتہ نقداً جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جانور کیلی چیز نہیں ہے لہٰذا ہم اس کو ایک جنس بھی نہیں کہہ سکتے اور حیوان وزنی چیز بھی نہیں لہٰذا ایک اونٹ کے بدلہ میں دو یا ایک بکری کے بدلہ میں دو بکریاں فروخت کرنے میں (نقداً) کوئی قباحت نہیں رہی یہ بات کہ جن احادیث میں حیوان کی بیع حیوان کے بدلہ میں ادھار جائز قرار دی گئی ہے یہ روایات منسوخ ہیں اس لیے "عمدۃ القاری شرح بخاری" میں اس کے نا جائز ہونے کے دلائل اور منسوخ ہونے کے دلائل اصولِ شرح کے اعتبار سے پیش کیے گئے ہیں، نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

ثوری اور کوفی علماء اور امام احمد بن حنبل نے کہا: حیوان کی حیوان کے بدلہ میں ادھار بیع جائز نہیں جنس مختلف ہو یا ایک اور انہوں نے اس مسئلہ میں اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جس کو حسن نے سمرہ ابن جندب سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے حیوان کی بیع کو حیوان کے بدلہ میں ادھار نا جائز قرار دیا امام ترمذی نے "باب ما جاء فی کراھیۃ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ" میں حدیث سمرہ روایت کی اور فرمایا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور حسن کا سماع سمرہ بن جندب سے صحیح ہے۔ اسی طرح علی بن مدینی نے کہا نبی پاک ﷺ کے صحابہ کرام وغیرہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ حیوان کی بیع حیوان کے بدلہ میں ادھار نا جائز ہے اور وہ سفیان ثوری اور اہلِ کوفہ کا ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔ امام ترمذی نے ابن عباس اور جابر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں ابن عمر کی حدیث کہ جس کی تخریج امام ترمذی نے کتاب العلل میں کی، یہ ہے حدیث بیان کی ہمیں محمد بن عمر المقدمی نے زیاد بن جبیر سے انہوں نے ابن عمر سے انہوں نے کہا! نبی پاک ﷺ نے حیوان کی بیع حیوان کے بدلہ میں ادھار سے منع فرمایا۔ حدیث جابر جس کی تخریج ابن ماجہ نے ابوسعید اشج سے کی انہوں نے حفص بن غیاث اور ابی خالد سے انہوں نے حجاج سے انہوں نے ابن زبیر سے انہوں نے جابر سے، یوں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: حیوان کی بیع حیوان کے بدلہ میں اور ایک کی بیع دو کے بدلہ میں اگر نقد ہوتی ہمیں خوف نہیں ادھار ہو تو مکروہ ہے اور ابن عباس کی حدیث کو ترمذی نے "کتاب العلل" میں یوں ذکر کیا کہ ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے حیوان کی حیوان کے بدلہ میں ادھار بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: ج ۱۲ ص ۴۴ باب بیع العبید والحیوان بالحیوان نسیئۃ مطبوعہ بیروت)

قارئین کرام! "عمدۃ القاری" کی مذکورہ عبارت میں کثیر آثار اور احادیثِ مرفوعہ کے ساتھ ثابت کیا کہ جانور کی بیع جانور کے ساتھ نقداً جائز اور ادھار نا جائز ہے اب اس کے بعد ہم جواز بیع کے منسوخ ہونے کو بیان کرتے ہیں۔

حیوان کی بیع حیوان کے بدلہ میں بطریقہ ادھار والی روایات منسوخ ہیں

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد کہ جن روایات میں حیوان کی حیوان کے بدلہ میں بیع جائز ہونے کا بیان ہے فرمایا:

ثم نسخ ذالک بعاية الربواء بيان ذالک ان آية الرباء تحرم كل فضل خال عن العوض ففى بيع الحيوان بالحيوان نسيئة يوجد المعنى الذى حرم به الربوا فنسخ كما نسخ بآية الربوا استقراض الحيوان. لان النص الموجب للحظر يكون متاخرا

پھر منسوخ ہوگئی (وہ روایات جن میں حیوان کی حیوان کے ساتھ ادھار بیع کا ذکر ہے) آیتِ رباء کے ساتھ اس کی وضاحت یوں ہے کہ آیتِ رباء نے ہر اس زیادتی کو جو عوض سے خالی ہو حرام کر دیا تو ادھار حیوان کی حیوان کے ساتھ بیع میں وہ معنی پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے رباء حرام ہے۔ لہٰذا وہ حدیثیں منسوخ ثابت ہوگئیں

عن الموجب للاباحة.

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: ج ۱۲ص ۴۵)

جیسے کہ بطور قرض حیوان لینا منسوخ ہوا ہے آیتِ رباء کے ساتھ کیونکہ ایسی نص کہ جو منع کو واجب کرتی ہے وہ ایسی نص سے جو اباحت کا موجب ہوتی ہے قانوناً مؤخر ہوتی ہے۔

قارئین کرام! اس عبارت کی وضاحت یوں ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصولِ حدیث کے ایک قاعدے کو یہاں نقل کیا جو کہ اصولِ فقہ کی کتب میں بھی موجود ہے وہ یہ کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے تو جب کسی مسئلہ میں اباحت اور تحریم دونوں پائی جائیں تو حرمت والی نص کو اباحت والی کے لیے ناسخ قرار دیا جائے گا معلوم ہوا کہ جوازِ بیع کی احادیث منسوخ ہیں۔

٣٦٠- بَابُ الشِّرْكَةِ فِي الْبَيْعِ

٧٨٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ قَالَ كُنْتُ اَبِيْعُ الْبَزَّ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاَنَّ عُمَرَ قَالَ لَا يَبِيْعُهُ فِيْ سُوْقِنَا اَعْجَمِيٌّ فَاِنَّهُمْ لَمْ يَفْقَهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُقِيْمُوْا فِي الْمِيْزَانِ وَالْمِكْيَالِ قَالَ يَعْقُوْبُ فَذَهَبْتُ اِلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَقُلْتُ لَهُ هَلْ لَكَ فِيْ غَنِيْمَةٍ بَارِدَةٍ قَالَ مَا هِيَ قُلْتُ بَزٌّ قَدْ عَلِمْتُ مَكَانَهُ يَبِيْعُهُ صَاحِبُهُ بِرُخْصٍ لَا يَسْتَطِيْعُ بَيْعَهُ اَشْتَرِيْهِ لَكَ ثُمَّ اَبِيْعُهُ لَكَ قَالَ نَعَمْ فَذَهَبْتُ فَصَفَقْتُ بِالْبَزِّ ثُمَّ جِئْتُ بِهٖ فَطَرَحْتُ فِيْ دَارِ عُثْمَانَ فَلَمَّا رَجَعَ عُثْمَانُ فَرَاَى الْعُكُوْمَ فِيْ دَارِهٖ قَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا بَزٌّ جَاءَ بِهٖ يَعْقُوْبُ قَالَ اُدْعُوْهُ لِيْ فَجِئْتُ فَقَالَ مَا هٰذَا قُلْتُ هٰذَا الَّذِيْ قُلْتُ لَكَ قَالَ اَنَظَرْتَهُ قُلْتُ كَفَيْتُكَ وَلٰكِنْ رَابَهُ حَرَسُ عُمَرَ قَالَ نَعَمْ فَذَهَبَ عُثْمَانُ اِلٰى حَرَسِ عُمَرَ فَقَالَ اِنَّ يَعْقُوْبَ يَبِيْعُ بَزِّيْ فَلَا تَمْنَعُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ فَجِئْتُ بِالْبَزِّ السُّوْقَ فَلَمْ اَلْبَثْ حَتّٰى جَعَلْتُ ثَمَنَهُ فِيْ مِزْوَدٍ وَذَهَبْتُ اِلٰى عُثْمَانَ وَبِالَّذِي اشْتَرَيْتُ الْبَزَّ مِنْهُ فَقُلْتُ عُدَّ الَّذِيْ لَكَ فَاعْتَدَّهُ وَبَقِيَ مَالٌ كَثِيْرٌ قَالَ فَقُلْتُ لِعُثْمَانَ هٰذَا لَكَ اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَظْلِمْ بِهٖ اَحَدًا قَالَ جَزَاكَ اللّٰهُ تَعَالٰى خَيْرًا وَفَرِحَ بِذٰلِكَ قَالَ فَقُلْتُ اَمَا اِنِّيْ قَدْ عَلِمْتُ مَكَانَ بَيْعِهَا مِثْلَهَا اَوْ اَفْضَلَ قَالَ وَعَائِدٌ اَنْتَ قَالَ قُلْتُ نَعَمْ اِنْ شِئْتَ قَالَ قَدْ شِئْتُ قَالَ فَقُلْتُ فَاِنِّيْ بَاغٍ خَيْرًا فَاَشْرِكْنِيْ قَالَ نَعَمْ بَيْنِيْ وَ

بیع میں شرکت کا بیان

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خبر دی کہ ہم سے روایت کیا علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب نے کہ ان کے والد نے ان سے روایت کیا کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں میں کپڑا بیچا کرتا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ہمارے بازار میں اجنبی لوگ نہ بیچا کریں کیونکہ وہ دین کے مسائل کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی وہ ناپ وتول کو صحیح رکھتے ہیں۔ یعقوب نے کہا میں عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ تم کو ایک مفت کا فائدہ منظور ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ میں نے کہا: کپڑا ہے اور میں جانتا ہوں اس جگہ کو کہ جہاں اس کا مالک سستے داموں فروخت کرتا ہے (کیونکہ وہ عجمی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عجمی کو بازار میں فروخت کرنے سے منع کیا ہے) اس واسطے وہ بازار میں نہیں بیچ سکتا اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے لیے خرید کر بیچ ڈالوں انہوں نے فرمایا: ہاں! پھر میں نے جا کر سودا کر لیا اور وہاں سے اٹھوا کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رکھوا دیا جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو آپ نے اپنے گھر میں کپڑے کے ڈھیر کو دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا کپڑا ہے جو یعقوب لایا ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یعقوب کو میرے پاس لاؤ جب میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ وہی کپڑا ہے جس کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا آپ نے فرمایا اچھی طرح دیکھ بھال تو لیا ہے؟ میں نے کہا آپ اس کی فکر نہ کریں لیکن اس کو خطرے میں ڈالا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چوکیداروں نے۔ آپ نے فرمایا: اچھا! حضرت عثمان

بَیْنَکَ.

غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق کے چوکیدار کے پاس گئے فرمایا یعقوب میرا کپڑا بیچتا ہے تم اس کو منع نہ کرنا اس نے کہا ہم اس کو منع نہیں کریں گے پھر کپڑے کو اٹھا کر میں بازار میں لے گیا تو تھوڑی دیر میں قیمت وصول کر کے تھیلی میں ڈال دی اور میں اس قیمت کو لے کر اور اس آدمی کو بھی ساتھ لے کر کہ جس سے میں نے کپڑا خریدا تھا، عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ گیا اور اس کو کہا کہ تم اپنے روپے شمار کر کے لے لو اس نے اپنا حق لے لیا اور بہت روپیہ بچا۔ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یہ آپ کا مال ہے اور میں کسی کا حق نہیں مارنا چاہتا۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا تعالیٰ عزوجل تمہیں اچھی جزا دے اور وہ بہت خوش ہوئے اور پھر میں نے کہا میں اس کے بیچنے کی جگہ اس جیسی یا اس سے بھی اچھی جانتا ہوں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا دوبارہ یہ کام کرنے کا خیال ہے؟ میں نے کہا ہاں اگر آپ اجازت دیں آپ نے فرمایا میں نے اجازت دی تو یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر آپ مجھے شریک کر لیں تو میں نیکی کو طلب کرنے والا ہوں تو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے اور تیرے درمیان شراکت ہوئی نصف نصف کی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَابَأْسَ بِاَنْ یَّشْتَرِکَ الرَّجُلَانِ فِی الشِّرَاءِ بِالنَّسِیْئَۃِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لِّوَاحِدٍ مِّنْهُمَا رَأْسُ مَالٍ عَلٰی اَنَّ الرِّبْحَ بَیْنَهُمَا وَالْوَضِیْعَۃُ عَلٰی ذٰلِکَ قَالَ وَاِنْ وَّلِیَ الشِّرَاءَ وَالْبَیْعَ اَحَدُهُمَا دُوْنَ صَاحِبِهٖ وَلَا یَفْضُلُ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ فِی الرِّبْحِ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا یَجُوْزُ اَنْ یَّاْکُلَ اَحَدُهُمَا رِبْحَ مَا ضَمِنَ صَاحِبُهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَالْعَامَّۃِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس پر ہمارا عمل ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دو آدمی ادھار خریدنے میں شریک ہو جائیں اگرچہ ان میں سے کسی کے پاس مال نہ ہو اس شرط پر کہ نفع ان کے درمیان تقسیم ہوگا اور نقصان بھی ان دونوں پر ہوگا۔ جب ایک شخص خرید و فروخت کا ذمہ دار ہو اور دوسرا کچھ بھی نہ کرے تو ان میں سے کسی ایک کو بھی نفع میں زیادتی نہیں دی جائے گی کیونکہ یہ جائز نہیں اس لیے ان میں ایک اس نفع کو کھائے کہ ضامن ہو اس کا دوسرا کا۔ یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اور ہمارے عام فقہاء کا۔

مذکورہ باب میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک اثر کو لائے جس کا مفہوم یہ ہے کہ عجمی لوگ بازار میں خرید و فروخت کرتے تو دینی مسائل میں پوری طرح سوجھ بوجھ نہ رکھنے کی وجہ سے ناپ تول کا صحیح خیال نہ کرتے جبکہ قرآن و حدیث میں ناپ تول کے صحیح ہونے کی سخت تاکید آ چکی ہے اور اس کو صحیح نہ رکھنے والے کے لیے سخت ترین وعید آ چکی ہے جبکہ سابقہ انبیاء میں شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ان کی قوم نے اسی پر عمل نہ کیا تو وہ تباہ ہو گئے اس حکم کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عجمیوں

کوخرید وفروخت سے منع کر دیا تو یعقوب کہتا ہے کہ میں عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی اگر آپ کومفت کا فائدہ منظور ہوتو میں آپ کو کردوں انہوں نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے ان کوعرض کیا ایک عجمی کے پاس کپڑا ہے وہ بازار میں بیچ نہیں سکتا کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عجمیوں کوخرید وفروخت سے منع کیا ہوا ہے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اجازت دے دی لہٰذا یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عجمی سے کپڑا خریدا پھر بازار میں اس کوئی گنا قیمت میں بیچا اور تمام دراہم ایک تھیلی میں ڈالے پھر اس عجمی کو بھی ساتھ لیا جس سے کپڑا خریدا تھا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یعقوب نے اس عجمی کو کہا جتنے روپے تمہارے بنتے ہیں وہ اس تھیلی سے شمار کرلو اس عجمی نے جتنے میں کپڑا فروخت کیا تھا اتنے دراہم وصول کر لیے اور تھیلی میں بہت زیادہ دراہم بچے۔ یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی ان دراہم میں میرا کوئی حق نہیں کیونکہ میں نے آپ کے لیے خریدا اور آپ کا ہی وہ کپڑا سمجھ کر اس کوفروخت کیا میری حیثیت فقط ایک وکیل کی ہے لہٰذا میں کسی کا حق نہیں مارنا چاہتا یہ جتنا مال بچا ہے یہ سب آپ کا ہی ہے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی اس ایمانداری اور وفاداری پر نہایت خوش ہوئے اس کے بعد یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی جہاں میں نے اس کپڑے کوفروخت کیا جس سے یہ کثیر نفع حاصل ہوا ہے میں اس کے مقابلہ میں ایک اور ایسی جگہ جانتا ہوں کہ جس پر اس کپڑے کوفروخت کیا جائے تو اس سے بھی زیادہ پیسے ملیں گے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تمہارا دوبارہ بھی یہی کام کرنے کا خیال ہے؟ یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خیال تو ہے لیکن اس صورت میں اب جو کپڑا میں خریدوں گا پھر اس کوفروخت کروں گا تو اس میں آپ مجھے بھی شریک کرلیں۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ مجھے منظور ہے لہٰذا ہم دونوں نفع میں برابر کے شریک ہوں گے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس طویل اثر لکھنے کے بعد اس اثر کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس اثر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دو آدمی شراکت کر سکتے ہیں اگر چہ ان کے پاس اپنی کوئی پونجی نہ ہو یعنی دونوں ہی ادھار مال لے کر اس کوفروخت کریں اور نفع حاصل کریں اور پھر اس نفع میں شریک ہو جائیں تو یہ جائز ہے لیکن یہ شرط ہے جیسے وہ نفع میں شریک ہیں اسی طرح وہ نقصان میں بھی شریک ہوں کیونکہ مثلاً جب ایک آدمی کسی کو بیع میں اپنا شریک کر لیتا ہے اور پھر وہ ادھار مال لے کر اسے فروخت کرتا ہے تو تمام تر ذمہ داری اپنے ذمے ڈالتا ہے تو پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ دوسرا آدمی جس نے کچھ بھی نہ کیا ہو وہ نفع میں تو شریک ہو مگر نقصان میں شریک نہ ہو تو شرعاً ایسی بیع باطل ہے ہاں اس کے جواز کی یہی صورت ہے کہ جیسے وہ دونوں نفع میں شریک ہیں اسی طرح وہ دونوں نقصان میں بھی شریک ہیں۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ایسی صورت کے جواز میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ایسی صورت کے جواز میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے اس کے علاوہ اس اثر میں ایک یہ بات بھی گزری ہے کہ یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ عمر فاروق کے چوکیدار مجھے خرید و فروخت سے منع کر دیں گے تو اس لیے آپ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چوکیداروں کو کہہ دیں کہ وہ مجھے مال فروخت کرنے سے منع نہ کریں۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چوکیداروں کو کہہ دیا کہ یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرا مال بیچتا ہے اس کو منع نہ کرنا اس کا معنی یہ ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چوکیدار کو جا کر کہہ دیا کہ یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی عجمی سمجھ کر مال بیچنے سے منع نہ کرنا کیونکہ یہ میرا مال بیچتا ہے اور مسائل شرعیہ سے واقف ہے اس لیے اس کو منع نہ کرنا لہٰذا انہوں نے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پر اس کو منع نہ کیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۶۱- بَابُ الْقَضَاءِ قضاء کا بیان

٧٨٩- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَمْنَعُ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ قَالَ ثُمَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ وَاللّٰهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب زہری نے اعرج سے انہوں نے ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔ راوی کا بیان ہے پھر ابو ہریرہ نے فرمایا: میں تم کو اس سے انکار کرتے ہوئے دیکھتا ہوں بخدا میں تمہارے کندھوں کے درمیان گاڑوں گا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَهٰذَا عِنْدَنَا عَلٰى وَجْهِ التَّوَسُّعِ مِنَ النَّاسِ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ وَحُسْنُ الْخُلُقِ فَأَمَّا فِي الْحُكْمِ فَلَا يُجْبَرُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ بَلَغَنَا أَنَّ شُرَيْحًا اُخْتُصِمَ إِلَيْهِ فِي ذٰلِكَ فَقَالَ لِلَّذِي وَضَعَ الْخَشَبَةَ ارْفَعْ رِجْلَكَ عَنْ مَطِيَّةِ أَخِيْكَ فَهٰذَا هُوَ الْحُكْمُ فِي ذٰلِكَ وَالتَّوَسُّعُ أَفْضَلُ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہ ارشاد لوگوں کے آپس میں آسانی پیدا کرنے اور حسن خلق کے لیے ہے بطور حکم انہیں اس پر مجبور نہ کیا جائے گا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ شریح کے پاس اس سلسلے میں ایک مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے لکڑی گاڑنے والے کو حکم دیا کہ اپنا پاؤں اپنے بھائی کی سواری سے اٹھا لے اس بارے میں فیصلہ یہی ہے لیکن فراخی اور آسانی افضل ہے۔

اس باب میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک حدیث لائے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے پڑوسی کو اس بات سے منع نہ کرے کہ وہ تمہاری دیوار میں کیل ٹھونکے اس حدیث شریف کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور وہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جو آدمی کسی کو اپنی دیوار میں کیل ٹھونکنے سے منع کرے گا تو میں اس کو تمہارے کندھوں کے درمیان ٹھونک دوں گا تو یہ حدیث اور یہ روایت اور اس کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فیصلہ اس زمانے کا ہے جبکہ وہ مروان کی طرف سے مدینہ طیبہ کے حاکم تھے ان کا یہ فیصلہ اگرچہ اہلِ حدیث لوگ وجوب پر احتمال کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ فیصلہ جمہور صحابہ اور تابعین کے خلاف ہے اور وہ اس حدیث سے تنبیہ مراد لیتے ہیں اور اس کو استحباب پر محمول کرتے ہیں کہ صاحبِ دیوار کو توسع سے کام لینا چاہیے کہ اگر اس کا کوئی پڑوسی اس کی دیوار میں کیل ٹھونکتا ہے جس سے اس کی دیوار کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو اس کو برداشت کرنا چاہیے اسی لیے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ماتحت ایک اثر نقل کرتے ہیں کہ قاضی شریح کے پاس جو کہ صحابی رسول ﷺ ہیں یہ فیصلہ آیا تو انہوں نے کیل ٹھونکنے والے کو فرمایا اپنا پیر اپنے بھائی کی سواری سے اٹھا لو لیکن اس میں توسع افضل ہے اور اسی اثر کے تحت ''موطا امام مالک'' کی بڑی بڑی شروح میں اس کو استحباب پر اور زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی پر محمول کیا گیا ہے جیسا کہ ''زرقانی'' میں یوں مذکور ہے:

پڑوسی کی دیوار میں جو روکا گیا ہے اس سے مراد نہی تنزیہی ہے اور مستحب یہ ہے کہ نہ منع کیا جائے اور نہ فیصلہ کیا جائے اس پر یہ جمہور، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جدید قول میں جمع کرتے ہوئے اس حدیث اور نبی پاک ﷺ کی اس حدیث کے درمیان کہ کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کا مال لے مگر وہ جس کو وہ خوش دلی کے ساتھ عطا کرے اس کو روایت کیا ہے حاکم نے ایسی اسناد کے ساتھ جو کہ بخاری، مسلم کی شرط پر ہے اور جبکہ مالک پر عوض کی صورت میں جبر نہیں تو زیادہ لائق ہے بغیر عوض کی صورت میں کہ جبر نہ کیا جائے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ حکم ندب کے لیے ہے کیونکہ اس کی مثل جو ترکیب ہے وہ ندب کے طور پر حدیث میں استعمال ہوئی ہے جیسے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی آدمی سے اس کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے وہ اس کو منع نہ کرے۔

(زرقانی شرح مؤطا امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) ج ۴ باب نمبر ۵۱۲ القضاء فی الرفق حدیث نمبر ۱۵۰۱ مطبوعہ بیروت)

قارئین کرام! امام زرقانی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے پڑوسی کو کیل ٹھونکنے سے منع نہ کرے۔ یہ حدیث اس طرح کی حدیث ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی عورت اپنے خاوند سے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے وہ اس کو منع نہ کرے اور اس مسجد سے منع نہ کرنے والی حدیث جیسے وجوب پر محمول نہیں ہے اسی طرح یہ حدیث بھی وجوب پر محمول نہیں کی جائے گی اور اس کے علاوہ اس حدیث کو دوسری جگہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم بیان کیا تو چونکہ وہ صحابہ اور تابعین کا زمانہ تھا ان میں سے کسی نے بھی آپ کے حکم پر لبیک نہیں کہا بلکہ انہوں نے سن کر سروں کو جھکا لیا کہ جس کے حقیقت ہونے پر یہ مذکورہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ جب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے لیے کیا ہے کہ میں تمہیں اس حکم سے اعراض کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اور اسی جگہ امام زرقانی بحوالہ ترمذی حدیث کو نقل کرتے ہیں فی الترمذی انہ لما حدیثھم بذالک طاطوا رؤسھم وفی ابی داود مسکوا رؤسھم وعدم اقبالھم علیھا بل طاطوا رؤسھم (زرقانی ج ۴ ص ۳۳) میں اس طرح ہے کہ جب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو پیش کیا اور اپنا فیصلہ سنایا تو انہوں نے اپنے سروں کو جھکا لیا اور ابی داؤد میں بھی اسی طرح ہے کہ انہوں نے اپنے سروں کو جھکایا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اس مقولہ سے اعراض کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

قارئین کرام! اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ حدیث وجوب کے لیے ہوتی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلہ کو سن کر صحابہ اور تابعین کو اعراض کرنے کی کیا مجال ہو سکتی تھی؟ ثابت ہوا کہ ان صحابہ تابعین نے اس حدیث کو استحباب پر محمول کیا ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم یہ بھی بطور وجوب نہیں تھا بلکہ استحباب پر عمل کرنے کی ترغیب میں تھا اسی لیے اس حدیث کی شرح میں المنتقی امام ابو الولید، جس نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

فیحتمل قولہ ذلک انہ کان یحملہ علی الوجوب و یحتمل انہ کان یحملہ علی الندب لکنہ کان یونج من کان یترک اباحۃ ذلک لجارہ ویشح بحقہ فکان یجری الی توبیخہ علی ترک الاخذ بما ندب النبی ﷺ ورغب فیہ و کذلک اعراض من کان یعرضون عنہ یحتمل وجھین احدھما ان یکون جماعۃ من علماء الصحابۃ کانوا یحملونہ علی الندب ویعرضون عن حمل ابی ھریرۃ لہ علی ظاھر اللفظ من الوجوب وان اخذوا بہ بخاصۃ انفسھم واباحوا ذلک لمن جاورھم رغبۃ فیما رغب فیہ النبی ﷺ ومبادرۃ الی ماندب الیہ ویحتمل ان یکون جماعۃ من التابعین علموا من ابی ھریرۃ انہ کان یحملہ علی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان احتمال رکھتا ہے اس بات کا کہ وہ اس کو حمل کرتے ہیں وجوب پر اور اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ وہ اس کو استحباب پر محمول کرتے ہوں لیکن وہ توبیخ کرتے اس پر جو استحباب کو چھوڑتا ہے اپنے پڑوس کے لیے اور اپنے حق میں بخل کرتا ہے اور وہ اپنی توبیخ کو جاری کرتے اس آدمی پر کہ جس نے چھوڑا اس چیز کو کہ جس کو نبی پاک ﷺ نے مستحب قرار دیا ہے اور رغبت دی اس میں اس طرح اس حکم سے جو اعراض کرتا ہے اس کے اعراض کو دو وجھوں پر حمل کیا جائے گا۔ ایک یہ ہے کہ علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی ایک جماعت نے نبی پاک ﷺ کے فرمان کو (کہ جو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پڑوسی کو منع نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس کی دیوار میں کیل ٹھونکے) استحباب پر محمول کیا اور وہ یہ اعراض کرتے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حمل کرنے کو ظاہری لفظ پر وجوب ہے اور انہوں نے اس کو

الندب والترغيب ويعيب من يتركه ولا يعمل به فيعرضون عمايدعوهم اليه ويؤثرون التمسك بما لهم التمسك به ويؤيد هذا التاويل انه لو كان ابوهريرة يرى الزامهم ذلك لحكم به وونج الحكام على ترك الحكم به. (المنتقی شرح مؤطاامام مالک ج ٦ ص ٤٣ کتاب الرہن باب القضاء فی المرافق مطبوعہ قاہرہ)

اپنے نفسوں کے لیے خاص کیا اور انہوں نے مباح قرار دیا اس کو ان لوگوں کے لیے رغبت دینے کے لیے کہ جس میں ان کو حضور ﷺ نے رغبت دلائی اور انہوں نے مستحب کی طرف جلدی کرنے پر ترغیب دینے پر محمول کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ تابعین کی جماعت نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کو حمل کیا اس بات پر کہ خود ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس امر کو ندب اور ترغیب پر محمول کرتے تھے لیکن جو اس کو چھوڑ دے اور عمل نہ کرے اس کو عیب لگاتے ہیں تو اس بات سے تابعین نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے اعراض کیا اور انہوں نے اس چیز کے ساتھ جو ان کے پاس دلیل تھی اس کو ترجیح دی اور اس دوسرے احتمال کی تائید کرتی ہے یہ بات کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر اس حکم کو لازمی سمجھتے تو حکام کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے اس کے ترک پر۔

قارئین کرام! ''منتقی'' کی اس عبارت سے یہ واضح ہوا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ اس حکم کو وجوب پر محمول کرتے ہیں ظاہری الفاظ کی وجہ سے اور دوسرا یہ ہے کہ خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی اس کو استحباب پر محمول کیا ہو لیکن یہ حکم انہوں نے بطور ترغیب دیا ہو تا کہ لوگ استحباب پر عمل کریں لیکن صحابہ اور تابعین نے نہ تو اس کو واجب سمجھا اور نہ ہی استحباب پر توبیخ کو پسند کیا کہ جس کی وجہ سے انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حکم سے اعراض کیا اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کو استحباب پر محمول کرنے کی یہ دلیل بھی موجود ہے اگر وہ واجب سمجھتے تو حکام پر توبیخ کو جاری کرتے تا کہ وہ سختی کے ساتھ اس پر عمل کریں۔ بہر صورت احناف کا یہ مسلک نہایت واضح اور قوی ہے کیونکہ اس کی تائید میں علماء صحابہ اور علماء تابعین کا عمل موجود ہے اور اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں لکھا ہے:

پڑوسی کی دیوار میں کیل ٹھونکنے کے حکم پر فقہاء نے احتمال نکالا ہے کہ کیا یہ حکم وجوب کے لیے یا استحباب کے لیے؟ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے اس میں دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے کوفی علماء کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابو ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اصحاب حدیث رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ (لیکن وہ ائمہ کہ جنہوں نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے) کہ خیر القرون کے لوگوں نے اس پر عمل چھوڑ دیا تھا اس لیے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات کہی کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم اس حکم سے اعراض کر رہے ہو؟ وهذا يدل على انهم فهموا منه الندب لا الايجاب ولو كان واجبا لما اطبقوا على الاعراض منه والله اعلم. یعنی صحابہ کا اس سے اعراض کرنا دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ انہوں نے اس حدیث سے استحباب سمجھا ہے نہ کہ وجوب اگر وہ واجب سمجھتے تو اس سے اعراض پر متفق نہ ہوتے۔

(نووی مع مسلم شریف ج ٢ ص ٣٢ باب غرز الخشبۃ فی جدار الجار کتاب المساقات والمزارعت)

قارئین کرام! امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ائمہ کا مسلک نقل کرنے کے بعد اس بات کی تائید کی کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں ہے۔

۳۶۲- بَابُ الْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ

ہبہ اور صدقہ کا بیان

۷۹۰- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا دَاؤُدُ بْنُ الْحُصَیْنِ عَنْ اَبِیْ غَطْفَانَ بْنِ طَرِیْفِ الْمُرِّیِّ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَکَمِ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مَنْ وَھَبَ ھِبَۃً لِصِلَۃِ رِحْمٍ اَوْعَلٰی وَجْہِ صَدَقَۃٍ فَاِنَّہٗ لَا یَرْجِعُ فِیْھَا وَمَنْ وَھَبَ ھِبَۃً یَرٰی اَنَّہٗ اِنَّمَا اَرَادَ بِھَا الثَّوَابَ فَھُوَ عَلٰی ھِبَتِہٖ یَرْجِعُ فِیْھَا اِنْ لَّمْ یَرْضَ مِنْھَا۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمیں خبر دی ہم سے بیان کیا کہ داؤد بن حصین نے ابی بن غطفان بن طریف مری سے انہوں نے مروان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حکم سے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے صلہ رحمی کے طور پر یا صدقہ کے طور پر کچھ ہبہ کیا تو اس سے رجوع نہیں کرسکتا اور جس شخص نے کچھ ہبہ کیا اور اس کا معاوضہ لینے کی نیت ہوتو وہ اپنے ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے اگر اس سے خوش نہ ہو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ مَنْ وَھَبَ ھِبَۃً لِذِیْ رِحْمٍ مَحْرَمٍ اَوْعَلٰی وَجْہِ صَدَقَۃٍ فَقَبَضَھَا الْمَوْھُوْبُ لَہٗ فَلَیْسَ لِلْوَاھِبِ اَنْ یَّرْجِعَ فِیْھَا وَمَنْ وَھَبَ ھِبَۃً لِغَیْرِ ذِیْ رِحْمٍ مَحْرَمٍ وَقَبَضَھَا فَلَہٗ اَنْ یَّرْجِعَ فِیْھَا اِنْ لَّمْ یُثَبْ مِنْھَا اَوْیَزْدَدْ خَیْرًا فِیْ یَدِہٖ اَوْ یَخْرُجْ مِنْ مِلْکِہٖ اِلٰی مِلْکِ غَیْرِہٖ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَالْعَامَّۃِ مِنْ فُقَھَائِنَا رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے۔ جس شخص نے کسی رشتہ دار کو بطور صلہ رحمی یا بطور صدقہ کچھ ہبہ کیا اور جس کو ہبہ کیا تھا وہ اس پر قابض بھی ہو جائے تو ہبہ کرنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہبہ سے رجوع کرے لیکن جس شخص نے غیر رشتہ دار کو کوئی چیز ہبہ کی اور وہ اس پر قابض بھی ہو جائے تو ہبہ کرنے والے کو اس سے رجوع کرنے کا حق ہے اگر اسے اچھا بدلہ نہ ملے یا اس میں بھلائی نہ پائے یا اس کے ساتھ سے کسی دوسرے کی ملکیت میں وہ چیز چلی جائے (جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے۔

ہبہ کی دو قسمیں ہیں۔ ہبہ بالعوض اور ہبہ بلاعوض۔ ہبہ بالعوض میں رجوع منع ہے اور ہبہ بلاعوض میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے کہ اس اختلاف کو امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "شرح مسلم" میں نقل کیا ہے۔ قبضہ کے بعد ہبہ سے رجوع کرنا حرام ہے البتہ اولاد یا اولاد در اولاد کو ہبہ کر کے رجوع کیا جاسکتا ہے جیسے کہ نعمان بن بشیر کی حدیث سے ثابت ہے بھائی ہوں' چچوں اور دیگر ذی الاحکام کو ہبہ کر کے رجوع نہیں کیا جا سکتا یہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ کہا ہے کہ والد اور محرم کے سوا ہر ہبہ کرنے والا رجوع کرسکتا ہے۔

(نووی مع مسلم ج ۲ ص ۳۶' مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی، پاکستان)

قارئین کرام! امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختلاف مذاہب کو نقل کر دیا اب ہم مسلک احناف کی تائید میں ایک مدلل عبارت اس حدیث کی شرح میں امام بدر الدین عینی کی نقل کرتے ہیں۔

و قال ابو حنیفة و اصحابه للواحد الرجوع فی هبة من الاجنبی مادامت قائمة و لم یعوض منها وهو قول سعید بن المسیب وعمر بن عبدالعزیز و شریح القاضی والاسود بن یزید والحسن البصری والنخعی والشعبی و روی ذلک عن عمر بن

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے اصحاب کا یہ قول ہے کہ ہبہ کرنے والا اجنبی کو کوئی چیز دے کر ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے جب تک وہ چیز قائم (سلامت) ہو اور اس نے اس کے عوض کوئی چیز نہ لی ہو۔ سعید بن مسیب' عمر بن عبدالعزیز' قاضی شریح' اسود بن یزید' حسن بصری' نخعی اور شعبی کا بھی یہی قول ہے' اور حضرت

الخطاب و علی بن ابی طالب و عبدالله بن عمر و ابی هريرة و فضالة بن عبيد و اجابوا عن الحديث بانه صلی الله تعالی علیه واله واصحابه وسلم جعل العائد فی هبته كالعائد فی قينة بالتشبيه من حيث انه ظاهر القبح مروّة و خلقا لا شرعاً والكلب غير متعبد بالحلال والحرام فيكون العائد فی هبته عائدا فی امر قدر كالقدر الذی يعود فيه الكلب فلا يثبت بذلک منع الرجوع فی الهبة ولكنه يوصف بالقبح وبه نقول فبذالک نقول بكراهة الرجوع. (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: ج ۱۳ص ۱۴۸' مطبوعہ بیروت)

عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوھریرہ اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور جس حدیث میں یہ ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے میں رجوع کرے، اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس تشبیہ سے ظاہری قباحت مراد ہے، کیونکہ یہ حسنِ اخلاق اور مروت کے خلاف ہے' اس سے شرعی قباحت مراد نہیں ہے کیونکہ کتا حلال اور حرام کا مکلف نہیں ہے پس ہبہ میں رجوع کرنے کا عمل اس طرح گھناؤنا ہے جس طرح کتے کا قے میں رجوع کرنا گھناؤنا ہے اس وجہ سے یہ فعل مکروہ (تنزیہی) ہے۔

خلاصہ اختلاف مذاہب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہبہ کے بارے میں مسلک یہ ہے کہ اولاد در اولاد تا آخر پر اگر کوئی شخص ہبہ کرے تو وہ رجوع کرسکتا ہے۔ بھائی، بہنیں، چچا اور دوسرے ذوی الارحام پر اگر ہبہ کیا جائے تو ہبہ کرنے والا رجوع نہیں کرسکتا اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مسلک اور حضرت عمر فاروق' حضرت علی المرتضیٰ' عبداللہ ابن عمر وغیرہ صحابہ کرام سے بھی مروی ہے کہ اجنبی کو جب کوئی ہبہ کرے تو جب تک وہ چیز موہوب لہ کے پاس بعینہ موجود رہے واہب رجوع کرسکتا ہے بشرطیکہ ہبہ کرنے والے نے اس ہبہ کے عوض میں کوئی چیز نہ لی ہو اگر اس نے کوئی چیز لی ہو تو پھر وہ رجوع نہیں کرسکتا اور اسی طرح وہ چیز موہوب اگر ہلاک ہوجائے یا موہوب لہ اسے آگے فروخت کردے تو ان صورتوں میں بھی ہبہ کرنے والا رجوع نہیں کرسکتا رہی یہ بات کہ احناف کے نزدیک کیا باپ بیٹے کو ہبہ کرے تو رجوع کرسکتا ہے تو احناف کا مسلک یہ ہے کہ وہ رجوع نہیں کرسکتا یعنی ہبہ کے بارے میں احناف کا مسلک شافعی اور مالک کے بالکل برعکس ہے۔ یعنی غیر قبضہ بھی کرلے تو جب تک وہ شئی موہوب موجود ہے احناف کے نزدیک رجوع کرسکتا ہے اور شافعی اور مالک کے نزدیک رجوع نہیں کرسکتا اور باپ اولاد در اولاد کو ہبہ کردے اور قبضہ دے دے اور چھوٹا ہے تو گواہ قائم کرلینے کے بعد رجوع نہیں کرسکتا۔ اور شافعی اور مالک کے نزدیک رجوع کرسکتا ہے۔ رحمۃ الامہ۔ اس اختلاف کی وجہ اختلاف آثار ہے جیسے کہ صاحب بدایۃ المجتہد نے ج ۲ص ۲۴۹' القول فی الاحکام پر لکھا وسبب الاختلاف فی هذا الباب تعارض الآثار یعنی اس باب میں اختلاف کا سبب تعارضِ آثار ہے۔ اولاد در اولاد کو ہبہ کے بعد رجوع نہ کرنے پر احناف کی دلیل حضرت عمر فاروق کا قول ہے:

القول فی الاحكام و اما من اجاز الاعتصار الا لذی الرحم المحرمة فاحتج بما رواه مالک عن مالک عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه انه قال من وهب هبته لصلة رحم او علی جهة صدقة فانه لا يرجع فيها۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ص ۲۵۰)

یعنی وہ جو رجوع کو جائز سمجھتا ہے سوائے ذوی رحم محرم کے اس کی دلیل وہ روایت ہے کہ جس کو امام مالک نے القضاء فی الھبۃ میں حضرت عمر سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی ذوی رحم محرم کو صلہ رحمی کے لیے ہبہ کرے یا بطور صدقہ عطا کرے یعنی بلاعوض تو وہ اس میں رجوع نہیں کرسکتا۔

قارئین کرام! اولاد کو ہبہ صدقہ کرنے کے بعد رجوع نہ کرنے پر احناف کی دلیل یہی حدیث ہے اس کے علاوہ بھی کافی آثار

ہیں اب غیر کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع نہ کرنے پر امام مالک' شافعی کے دلائل اور ان کے جوابات ذکر کیے جاتے ہیں۔

غیر کو ہبہ سے رجوع کرنے کی ممانعت پر امام شافعی' امام مالک وغیرہ کی دلیل

عن ابن طاؤس عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ العائد فی هبته کالکلب یعود فی قیئه.

(مصنف عبدالرزاق ج۹ ص۱۰۹ باب العائد فی حبۃ حدیث نمبر ۱۶۵۳۸' مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت طبع جدید)

طاؤس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہبہ میں لوٹنے والے ایسے ہی ہیں جیسے کتا اپنی قے کو کھالے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان مثل الذی یعود فی عطیته کمثل الکلب حتی اذا شبع قاء ثم عاد فی قیئه فاکله..... عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ العائد فی هبته کالعائد فی قیئه.... عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال العائد فی هبته کالکلب یعود فی قیئه. (ابن ماجہ شریف ص۱۷۲ باب الرجوع فی الھبۃ' مطبوعہ نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عطیہ (ہبہ) کر کے واپس کرنے والے کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ جب وہ سیر ہو کر کھالے تو قے کر دے اور اسے کھا لے..... ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہبہ کر کے واپس لینے والا ایسے ہی ہے کہ جیسے قے کر کے لوٹنے والا (قے کو کھانے والا)..... ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ہبہ کر کے واپس کرنے والے کی مثال یوں ہی ہے جیسے کتا اپنی قے کر کے لوٹائے (کھالے)۔

قارئین کرام! یہ وہ احادیث ہیں کہ جن سے امام شافعی' مالک وغیرہ اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ ہبہ کرنے کے بعد ہبہ کرنے والا رجوع نہیں کرسکتا جب اس نے کسی اجنبی کو ہبہ کیا ہو۔

عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لا یحل لرجل ان یعطی هبة فیرجع فیها الا الوالد فیما یعطی ولده ومثل الذی یعطی العطیة ثم یرجع فیها کمثل الکلب یأکل فاذا شبع قاء ثم عاد فی قیئه.

(ابوداؤد شریف ج۲ ص۱۴۳ باب الرجوع فی الھبۃ' مطبوعہ سعید کمپنی ایجوکیشنل پریس کراچی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ہبہ کر کے اس میں رجوع کرے اور نہ والد اولاد سے رجوع کرے اور جو شخص کوئی عطیہ کرے پھر اس میں رجوع کرے وہ اس کتے کی طرح ہے جو کھائے تو جب سیر ہو جائے تو قے کرے پھر اپنی قے میں رجوع کرے۔

امام شافعی' امام مالک کی مذکورہ دلیل کا جواب

قارئین کرام! پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مذکورہ روایات میں بعض نے جرح بھی کی ہے جیسا کہ ''مجمع الزوائد'' ج۴ ص۱۵۳ پر اسی حدیث کے متعلق لکھا ہے وابوحاتم وضعفہ' ابوزرعہ وغیرہ یعنی اس حدیث کی اسناد میں ابوحاتم بھی ہے جس کو ابوزرعہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے بہرصورت یہ حدیث ''من کل الوجوه'' اسناد کی رو سے جرح سے خالی نہیں ہے بلکہ بعض اسناد میں ضعف پایا جاتا ہے کیونکہ یہ احکام کا مسئلہ ہے اس میں چھوٹی سی جرح بھی اہمیت رکھتی ہے اس کے علاوہ امام بدرالدین عینی نے اس کے الفاظ پر بحث کرتے ہوئے دو چیزوں کو ملحوظ رکھا۔ (۱) اس میں لایحل کا لفظ ہے کہ جس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی (۲) اس میں ہبہ سے رجوع کو کلب (کتے) سے تشبیہ دی گئی تو کتا مکلف نہیں ہے لہٰذا اس تشبیہ سے زیادہ سے زیادہ کراہیت ثابت ہوسکتی ہے جیسا کہ امام بدرالدین عینی

نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے "عمدۃ القاری" میں یوں لکھا:

قلنا الراجع فی القیء هو الکلب لا الرجل والکلب غیر متعبد بتحلیل و تحریم فلا یثبت منع الواهب من الرجوع فهو یدل علی تنزیه امته من امثال الکلب لا انه ابطل ان یکون لهم الرجوع فی هباتهم فان قلت روی لا یحل لواهب ان یرجع فی هبته قلت قال الطحاوی قوله لا یحل لالستلزم التحریم وهو کقوله لا تحل الصدقه لغنی و انما معناه لا تحل له من حیث تحل لغیره من دون الحاجة واراد بذلک التغلیظ فی الکراهة قال و قوله کالعائد فی قینه وان اقتضی التحریم لکون القنی حراماً لکن الزیادة فی الروایة الاخری وهی قوله کالکلب یدل علی عدم التحریم لان الکلب غیر متعبد فالقنی لیس حرام علیه والمراد التنزیه عن فعل یشبه فعل الکلب. (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۱۳ ص ۱۷۵ باب لا یحل لاحد ان یرجع فی هبته وصدقته مطبوعہ بیروت)

ہم کہتے ہیں قے میں رجوع کرنے والا کتا ہے' آدمی نہیں اور کتا حلت وحرمت کا مکلّف نہیں اور اس حدیث سے ہبہ سے رجوع کا منع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا (زیادہ سے زیادہ) یہ حدیث مکروہِ تنزیہی ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں کلب سے مثال دی گئی ہے نہ یہ کہ نبی پاک ﷺ نے اس بات کو باطل کیا ہو کہ ان کے لیے وہ ہبات میں رجوع کریں اگر تو اعتراض کرے کہ روایت کی گئی ہے کہ واہب کے لیے حلال نہیں کہ اپنے حصہ میں رجوع کرے (تو بدرالدین عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ طحاوی نے کہا: نبی پاک ﷺ کا قول "لا یحل" تحریم کو مستلزم نہیں بلکہ یہ لفظ اسی لفظ کی مثل ہے جو آپ نے فرمایا: غنی کے لیے صدقہ اسی طرح حلال نہیں کہ جس طرح غیر غنی کے لیے بغیر حاجت کے صدقہ حلال ہوتا ہے اور حدیث میں اس سے کراہیت کی تغلیظ مراد ہے اور کتے سے تشبیہ دینا بھی کراہت کو مستلزم ہے کیونکہ کتا حلال اور حرام کا مکلّف نہیں اور قے اس پر حرام نہیں لہٰذا مراد مکروہِ تنزیہی ہے ایسے فعل سے جو کتے کے فعل سے مشابہ ہے۔

قارئین کرام! امام بدرالدین عینی کی اس عبارت نے واضح کر دیا کہ معترضین کے اعتراض کا نقطۂ نظر دو چیزیں ہیں ایک تو حدیث میں صدقہ دے کر واپس لینے کو کتے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے دوسرا "لا یحل" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ہبہ کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا حرام ہے۔ امام بدرالدین عینی نے ان دونوں چیزوں کا جواب دے دیا کہ قے میں رجوع کرنے والا کتا ہے' انسان نہیں تو کتے کے فعل سے انسان کو تشبیہ دی گئی ہے جس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور "لا یحل" کا معنی بھی تحریم کو مستلزم نہیں کیونکہ لفظِ عدم حلت سے زیادہ سے زیادہ کراہیت ہی ثابت ہو سکتی ہے جیسے کہ کتبِ اصولِ فقہ میں موجود ہے۔

اب اس کے بعد ہم احناف کی طرف سے وہ احادیث و آثار پیش کرتے ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے والا اس وقت تک رجوع کر سکتا ہے جب تک کہ موہوبہ (ہبہ کی ہوئی چیز) بعینہٖ موجود ہو۔

ہبہ کرنے والا اس وقت تک رجوع کر سکتا ہے جب تک موہوبہ چیز (ہبہ کی ہوئی) بعینہٖ موجود ہو۔

عن ابی هریرہ قال قال رسول الله ﷺ الرجل احق لهبته مالم یثبت منها. (ابن ماجہ شریف ص ۱۷۲ باب الرجوع فی الہبہ' مطبوعہ نور محمد تجارت کتب خانہ آرام باغ کراچی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان جب تک ہبہ کا عوض نہ لے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

عن معمر عن رجل من اهل الجزیرة ان عمر بن عبدالعزیز کتب فی رجل وهب هبة لرجل

معمر سے روایت ہے کہ ایسے آدمی سے کہ جو اہل جزیرہ سے تھا کہ عمر بن عبدالعزیز نے ایسے آدمی کے بارے میں لکھا کہ جس

فاسترجعها صاحبها فکتب ان یرد علیه علانیة کما وهبها علانیة هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین. (مصنف عبدالرزاق ج۹ص۱۱۱ حدیث نمبر ۱۶۵۴۵)

نے کسی آدمی کو ہبہ کیا پھر اس کو واپس لے لیا یہ لکھا کہ موہوب لہ اس چیز کو واپس کرے علانیہ جیسے کہ ہبہ کرنے والے نے علانیہ ہبہ کیا تھا۔ یہ حدیث شیخین کے قول پر صحیح ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال من وهب هبة فهو احق بها مالم یثب منها. (المستدرک ج۲ص۵۲ اذا کانت الهبة لذی رحم محرم)

عبداللہ ابن عمر حضور علیہ السلام سے مروی ہیں فرمایا: جس شخص نے ہبہ کیا وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ وہ چیز قائم ہے۔

عن ابراهیم عن عمر قال هو احق بها مالم یثب منها او یستهلکها او یموت احدهما.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۷ص۴۸-۴۹' مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی حدیث: ۲۳۳۸)

ابراہیم کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہبہ کرنے والا ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک وہ اس چیز کا عوض نہ دے یا وہ چیز ہلاک نہ ہو یا فریقین میں سے کسی کی موت نہ ہو۔

قارئین کرام! ہم نے چند آثار وروایات اس بات پر پیش کیے کہ ہبہ کرنے والا اس وقت تک ہبہ کر سکتا ہے جب تک کہ وہ چیز بعینہ موجود ہو تو یہ چیز صراحتاً حدیث وآثار میں ملتی ہے اور احناف نے رجوع کے لیے شرط لگائی تھی کہ وہ چیز ہلاک یا مر نہ گئی ہو اس کا ذکر بھی صراحتاً آثار میں ثابت ہو گیا اگر چہ اس قسم کے آثار کثیر موجود ہیں۔ ہم نے اختصاراً چند آثار پیش کیے یاد رہے احناف کے مسلک کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اگر چہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ہبہ کرنے والا ہبہ سے رجوع کر سکتا ہے جب تک کہ وہ چیز بعینہ موجود ہو ہلاک یا مر نہ چکی ہو یا ملک سے نکل نہ چکی ہو اس کے باوجود وہ نفس جواز کے قائل ہیں اس فعل کو اچھا نہیں سمجھتے بلکہ وہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جیسے جواز کا حکم دیا ہے اسی طرح جواز کے ساتھ اس کی برائی کو بھی بیان کیا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۶۳- بَابُ النُّحْلٰی

عطیہ دینے کا بیان

۷۹۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ نُعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ يُحَدِّثَانِهٖ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اِنَّ اَبَاهُ اَتٰى بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّىْ نَحَلْتُ ابْنِىْ هٰذَا غُلَامًا كَانَ لِىْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهٗ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ.

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمیں خبر دی ہم سے روایت کیا ابن شہاب زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمید بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور محمد بن نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور کہا کہ میں نے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام دیا ہے حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا تم نے ہر بیٹے کو اسی طرح ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں تو آپ نے فرمایا رجوع کر لو۔

۷۹۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ اِنَّ اَبَابَكْرٍ كَانَ نَحَلَهَا جُذَاذَ عِشْرِيْنَ وَسْقًا مِنْ مَالِهٖ بِالْعَالِيَةِ فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ قَالَ وَاللّٰهِ يَا بُنَيَّةُ مَا مِنَ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَىَّ

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا۔ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں عالیہ میں کھجور کے درخت

غِنًی بَعْدِیْ مِنْکِ وَ لَا اَعَزُّ اِلَیَّ فَقْرًا مِّنْکِ وَاِنِّیْ كُنْتُ نَحَلْتُکِ مِنْ مَّالِیْ جُدَاذَ عِشْرِیْنَ وَسَقًا فَلَوْ كُنْتِ جَدَذْتِیْهِ وَاحْتَزْتِیْهِ كَانَ لَکِ فَاِنَّمَا هُوَ الْیَوْمَ مَالُ وَارِثٍ وَاِنَّمَا هُوَ اَخُوْکِ وَاُخْتَاکِ فَاقْتَسِمُوْهُ عَلٰی كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَالَتْ یَا اَبَتِ وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ كَذَا وَكَذَا لَتَرَكْتُهُ اِنَّمَا هِیَ اَسْمَاءُ فَمَنِ الْاُخْرٰی قَالَ ذُوْ بَطْنِ بِنْتِ خَارِجَةَ اُرَاهَا جَارِیَةً فَوَلَدَتْ جَارِیَةً.

ہبہ کیے تھے جن سے بیں (۲۰) وسق کھجوریں اترتی تھیں جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا: بخدا اے میری بیٹی! مجھے اپنے بعد تم سے زیادہ کسی کو غنی دیکھنا محبوب نہیں اور تم سے زیادہ کسی کا مفلس ہونا مجھے ناپسندیدہ نہیں میں نے تمہیں اپنے مال میں سے بیں وسق کھجور کے درخت دیئے تھے اگر تم انہیں کاٹ کر محفوظ کر لیتیں تو وہ تمہارے ہو جاتے لیکن آج وہ وارثوں کا مال ہے تمہارا ایک بھائی اور دو بہنیں ہیں پس تم اسے کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کرنا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ابا جان! اگر اس سے زیادہ بھی ہوتا تو میں اسے چھوڑ دیتی ہاں ایک بہن تو یہ اسماء ہے دوسری کون ہے؟ فرمایا وہ حلیمہ بنت خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم میں ہے میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی ہے۔ چنانچہ ان کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی۔

۷۹۳- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِیِّ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ مَابَالُ رِجَالٍ یَنْحَلُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ نُحْلًا ثُمَّ یُمْسِكُوْنَهَا قَالَ فَاِنْ مَاتَ ابْنُ اَحَدِهِمْ قَالَ مَالِیْ بِیَدِیْ وَلَمْ اُعْطِهٖ اَحَدًا وَاِنْ مَاتَ هُوَ قَالَ هُوَ لِابْنِیْ قَدْ كُنْتُ اَعْطَیْتُهٗ اِیَّاهُ مَنْ نَحَلَ نُحْلَةً لَمْ یَحُزْهَا الَّذِیْ نُحِلَهَا حَتّٰی تَكُوْنَ اِنْ مَاتَ لِوَرَثَتِهٖ فَهِیَ بَاطِلٌ.

ابن شہاب زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خبر دی عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے عبدالرحمن بن عبدالقاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے بیٹوں کو ہبہ کرتے ہیں پھر اسے روک لیتے ہیں پھر اگر کسی کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ میرا مال میرے قبضہ میں ہے میں کسی کو نہیں دیتا اگر خود مرتے ہیں تو کہتے ہیں میں یہ مال اپنے بیٹے کو ہبہ کر چکا ہوں یہ اس کا ہے جو شخص ہبہ کرے اور اس کو جاری نہ کرے (قبضہ نہ دے) یہاں تک کہ ہبہ کرنے والا فوت ہو جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے اور ہبہ باطل ہے۔

۷۹۴- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ مَنْ نَحَلَ وَلَدًا لَهٗ صَغِیْرًا لَمْ یَبْلُغْ اَنْ یَحُوْزَ نُحْلَةً فَاَعْلَنَ بِهَا وَاَشْهَدَ عَلَیْهَا فَهِیَ جَائِزَةٌ وَاِنَّ وَلِیَّهَا اَبُوْهُ.

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خبر دی ابن شہاب زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو شخص اپنے بچے کو ہبہ کرے جبکہ وہ بالغ نہ ہو اور اس کا اعلان کر دے اور اس پر گواہ مقرر کر دے تو یہ ہبہ جائز ہے اس کا ولی اس کا باپ ہوگا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ یَنْبَغِیْ لِلرَّجُلِ اَنْ یُسَوِّیَ بَیْنَ وَلَدِهٖ فِی النُّحْلَةِ وَلَا یُفَضِّلُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ فَمَنْ نَحَلَ نُحْلَةً وَلَدًا اَوْ غَیْرَهٗ فَلَمْ یَقْبِضْهَا الَّذِیْ

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ان تمام احادیث پر ہمارا عمل ہے ضروری ہے کہ آدمی اپنی اولاد کو عطیہ دینے کے سلسلہ میں مساوات رکھے ان میں ایک کو دوسرے پر فوقیت نہ دے اگر کسی

نُحِلَهَا حَتّٰى مَاتَ النَّاحِلُ وَالْمَنْحُوْلُ فَهِيَ مَرْدُوْدَةٌ عَلَى النَّاحِلِ وَعَلٰى وَرَثَتِهٖ فَلَا يَجُوْزُ لِلْمَنْحُوْلِ حَتّٰى يَقْبِضَهَا اِلَّا الْوَلَدُ الصَّغِيْرُ فَاِنْ قَبَضَ وَالِدُهٗ لَهٗ قَبْضٌ فَاِذَا اَعْلَنَهَا وَاَشْهَدَ بِهَا فَهِيَ جَائِزَةٌ لِوَلَدِهٖ وَلَا سَبِيْلَ لِلْوَالِدِ اِلَى الرَّجْعَةِ فِيْهَا وَلَا اِلَى اغْتِصَابِهَا بَعْدَ اَنْ اَشْهَدَ عَلَيْهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

شخص نے اپنے بیٹے کو یا کسی اور کو عطیہ دیا ہو اور اس نے عطیہ پر قبضہ نہ کیا ہو اور عطیہ کرنے والا فوت ہو جائے یا جسے عطیہ کیا ہو وہ فوت ہو جائے تو عطیہ دینے والے کو یا اس کے وارث کو لوٹ جائے گا جسے عطیہ دیا گیا ہے جب تک وہ قبضہ نہ کرے اس کے لیے جائز نہیں سوائے نابالغ بیٹے کے اس لیے کہ اس کے والد کا قبضہ گویا اس کا قبضہ ہے جب اس کا اعلان کر دیا اور اس پر گواہ مقرر کر دیا تو اس بیٹے کے لیے جائز ہے اس کے والد کے لیے اس ہبہ سے رجوع کرنا یا اس کا غصب کرنا جائز نہیں جبکہ اس پر گواہ مقرر کر دیا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے۔

مذکورہ باب میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک حدیث اور تین آثار لائے جن میں اولاد کے لیے عطیہ دینے کا بیان ہے یعنی اگر کوئی انسان اپنی اولاد میں سے کسی خاص ایک یا دو افراد کو کچھ الگ دینا چاہے جو کہ وہ دوسرے کو نہیں دے رہا تو کیا شرع میں ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ تو اس میں پہلے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک حدیث لائے کہ جس میں نعمان کے لیے ان کے والد نے ایک غلام دیا تو حضور ﷺ نے اس کو رجوع کرنے کا حکم دیا یعنی تم مساوات پر عمل کرو جبکہ تم نعمان کو دیتے ہو تو دوسروں کو بھی دو اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کچھ کھجور کے درخت ہبہ کیے ہوئے تھے تو آخر وقت میں فرمایا: اے بیٹی! اگر تو نے ان درختوں کا پھل اتار کر رکھ لیا ہوتا تو وہ تیرا ہو جاتا لیکن کیونکہ تم نے پھل کو درختوں سے نہیں کاٹا اس لیے اب میرے وصال کے بعد وہ درخت میراث میں آجائیں گے اس سے یہ ثابت ہوا کہ زندگی میں اگر کوئی آدمی اپنی اولاد میں سے بعض کو عطیہ دے دیتا ہے اگر وہ ملک نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس سے استفادہ کا عطیہ کیا ہے تو یہ جائز ہے جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ درخت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ملک نہیں کیے تھے بلکہ صرف ان کا پھل سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ملک کیا تھا اسی لیے آپ نے آخری وقت میں فرمادیا کہ اگر تو نے پھل کو آخری وقت میں اتار لیا ہوتا تو وہ تیرا ہوتا کیونکہ تو نے ابھی پھل کو اتارا نہیں اور وہ درخت میں نے تمہارے ملک نہیں کیے تھے اس لیے اب وہ درخت اور پھل سب میراث میں قانونا شرع کے مطابق تقسیم ہوں گے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد میں سے بعض کو کوئی چیز عطا کرنا چاہے وہ عطا کر سکتا ہے۔ اس کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہبہ میں ہیرا پھیری نہیں کرنی چاہیے یعنی پہلے اولاد میں سے کسی فرد کو کوئی شخص کوئی چیز عطا کرتا ہے اور پھر وہ بیٹا اس کی زندگی میں مر جاتا ہے تو اپنے ہبہ کو باطل کر کے اس کو اپنے قبضے میں کر لیتا ہے اور اگر خود مرتا ہے تو جاتی دفعہ کہتا ہے کہ یہ مال میں نے فلاں بیٹے کو ہبہ کیا ہوا ہے تو اس طرح نہیں کرنا چاہیے اگر کسی کو کوئی ہبہ کیا ہے تو پھر اس سے رجوع نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو پورا کرنا چاہیے اور اس کا پورا کرنا یہی ہے کہ اس کو قبضہ دیا ہے کیونکہ ہبہ قبل قبض تمام نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کسی نے ہبہ کیا اور قبضہ نہ دیا اور فوت ہو گیا تو وہ ہبہ باطل ہو جائے گا اور میراث میں وہ تقسیم ہو جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اولاد میں سے کسی خاص فرد کو کسی چیز کا کوئی ہبہ کرنا چاہتا ہے تو وہ کر سکتا ہے۔ اس کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنے چھوٹے بچے کو کوئی چیز ہبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو اعلانیہ ہبہ کرنا چاہیے اور اس پر گواہ پیش کرنا چاہیے تو یہ ہبہ جائز ہے لیکن یاد رہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھوٹے بچے کی قید کا

ذکر اس لیے فرمایا کہ چھوٹا بچہ کیونکہ مال کے استعمال کرنے کا مختار نہیں ہوتا اس لیے اس میں اختیار ولی کو ہوگا جس کا معنی یہ ہے کہ اس بچے کے لیے وہ ہبہ جس صورت میں نفع مند ہو سکتا ہے اس کا باپ اس کے لیے تصرف کر سکتا ہے تو ان تمام آثار اور حدیث پاک کا خلاصہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہی ذکر کرتے ہیں کہ ہر انسان کو اپنی اولاد میں مساوات کا خیال رکھنا چاہیے اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دینی چاہیے اور دوسرا مسئلہ خلاصۃً یہ ذکر فرماتے ہیں ہبہ کرنے کے بعد قبل از قبض ہبہ کرنے والا یا جس کو ہبہ کیا گیا ہے ان دونوں میں سے اگر کوئی مر جائے تو ہبہ باطل ہو جائے گا ہاں ایک صورت ایسی ہے کہ اس میں ہبہ قبل از قبض ہی تمام ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کو اگر کوئی ہبہ کرتا ہے تو پھر چھوٹے بچے کا قبضہ ہونا ضروری نہیں کیونکہ جب چھوٹے بچے کا ولی ہی باپ ہے تو پھر قبضہ اس کا ہی معتبر ہوگا اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس صورت میں ہبہ قبض سے تمام نہیں ہوتا بلکہ اعلان اور گواہ بنانے سے تمام ہوتا ہے یعنی باپ اعلان کر دے یہ چیز میں نے اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کی ہے اے سننے والو! تم اس پر گواہ رہو تو ایسی صورت میں اگر چہ قبضہ تو باپ کا ہی رہے گا مگر باپ کے لیے نہ اس سے رجوع کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کا غصب کرنا جائز ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

قارئین کرام! یہ تھا مذکورہ باب کا خلاصہ اب ہم ائمہ اربعہ کا اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے اس کو ذکر کرتے ہیں اور پھر مسلک احناف کی ترجیح ثابت کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

اولاد کو مساوات سے ہبہ کرنے کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

وفی هذا الحديث انه ينبغى ان يسوى بين اولاده فى الهبة ويهب لكل واحدمنهم مثل الآخر ولا يفضل ويسوى بين الذكر والانثى وقال بعض اصحابنا يكون للذكر مثل حظ الانثيين والصحيح المشهور انه يسوى بينهما لظاهر الحديث فلو فضل لبعضهم اووهب بعضهم دون بعض فمذهب الشافعى و مالك و ابى حنيفة انه مكروه و ليس بحرام والهبة صحيحة وقال طاؤس و عروة ومجاهد والثورى و احمد و اسحق و داؤد هو حرام واحتجوا برواية لا اشهد على جور و بغيرها من الفاظ الحديث واحتج الشافعى و موافقوه بقوله ﷺ فاشهد على هذا غيرى قالوا ولو كان حراما او باطلا لما قال هذا الكلام فان قيل قاله تهديد قلنا الاصل فى كلام الشارع غير هذا و يحتمل عند اطلاقه صيغة افعل على الوجوب او الندب فان تعذر ذلک فعلى الاباحته قوله ﷺ لا اشهد على جور فليس فيه انه حرام

اس حدیث سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے میں اولاد کے درمیان مساوات کرنی چاہیے اور کسی کو دوسرے سے زیادہ نہیں دینا چاہیے اور ہمارے بعض اصحاب (شافعیہ) نے یہ کہا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دگنا حصہ دینا چاہیے اور صحیح مشہور یہ ہے کہ برابر برابر دینا چاہیے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے اور اگر کسی نے بعض اولاد کو بعض سے زیادہ دے دیا تو امام شافعی' امام مالک اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ نظریہ ہے کہ یہ مکروہ (تنزیہی) ہے حرام نہیں ہے لیکن ہبہ صحیح ہے اور طاؤس' عروہ' مجاہد' ثوری' امام احمد بن حنبل اور اسحاق اور داؤد ظاہری کا یہ نظریہ ہے کہ یہ حرام ہے اور ان کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہے ''لا اشهد على جور میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا'' اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور جمہور کا استدلال اس روایت سے ہے ''فاشهد على هذا غيرى اس معاملے پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو'' اگر یہ ہبہ حرام یا باطل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ایسا نہ فرماتے۔ امام محمد وغیرہ اس روایت کا جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بطور زجر اور تہدید کے اس طرح فرمایا تھا اور ہم یہ کہتے ہیں کہ زجر اور تہدید شارع علیہ السلام کے کلام میں اصل کے خلاف ہے شارع

لان الجور هو الميل عن الاستوابه و الاعتدال و كل ماخرج عن الاعتدال فهو جور سواء كان حراما او مكروها وقد وضع بما قدمناه ان قوله ﷺ اشهد على هذا غيرى دليل على انه ليس بحرام فيجب تأويل الجور على انه مكروه كراهة تنزيه.

(نووی مع مسلم ج ۲ ص ۳۷ باب کراہیۃ تفضیل بعض اولاد فی الہبۃ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع آرام باغ کراچی)

علیہ السلام کے کلام میں امر کا صیغہ وجوب کے لیے ورنہ استحباب کے لیے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ اباحت ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد کہ میں جور پر گواہی نہیں دیتا' اس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں' کیونکہ جور کا مطلب استصواب و اعتدال سے ہٹ جانا ہے' خواہ وہ حرام کی صورت میں ہو یا مکروہ کی صورت میں اور نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ اس پر میرے سوا کسی اور کو گواہ بنا لو خود بتا رہا ہے کہ یہ حرام نہ تھا لہٰذا اس جگہ جور کی تاویل کراہتِ تنزیہ سے کرنا واجب ہے۔

احتج به من اوجب التسوية فى عطية الاولاد وبه صرح البخارى وهو قول طاؤس والثورى واحمد و اسحاق كما ذكرناه وقال له بعض المالكية ثم المشهور عند هولاء انها باطلة وعن احمد يصح ويجب عليه ان يرجع وعنه سيجوز التفاضل ان كان له سبب كاحتياج الولد لزمانته اودينه او نحو ذلك وقال ابو يوسف تجب التسوية ان قصد بالتفضيل الاضرار وذهب الجمهور الى ان التسوية مستحبة فان فضل بعضا صح وكره و حملوا الامر على الندب والنهى على التنزيه ثم اختلفوا فى صفة التسوية فقال محمد بن الحسن و احمد و اسحاق و بعض الشافعية و بعض المالكية العدل ان يعطى الذكر حظين كالميراث وقال غيرهم لا يفرق بين الذكر والانثى وظاهر الامر بالتسوية يشهد لهم واستأنسوا بحديث اخرجه سعيد بن منصور والبيهقى من طريقة عن ابن عباس مرفوعا سووابين اولادكم فى العطية فلو كنت مفضلا احد الفضلت النساء واجاب عن حديث النعمان من حمل الامر بالتسوية على الندب بوجوه..... السادس هوالجواب القاطع ان الاجماع انعقد على جواز اعطاء الرجل ماله لغير ولده فاذا جاز له ان يخرج جميع ولده من ماله جازله ان يخرج عن

حجت پکڑی مذکورہ حدیث کے ساتھ اس آدمی نے کہ جس نے اولاد میں عطیے کی برابری کو واجب کیا اور اسی کی تصریح کی بخاری نے اور یہی قول طاؤس' ثوری' احمد اور اسحاق کا ہے جیسا کہ ہم نے اس کا ذکر کیا اور بعض مالکیہ نے بھی یہی کہا پھر مشہور ان کے نزدیک یہ ہے کہ یہ عطیہ باطل ہے۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام احمد سے کئی روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ اگر بعض کو بعض سے زیادہ دیا تو ہبہ باطل ہے دوسری روایت یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہے اور ہبہ کرنے والے پر اس ہبہ سے رجوع کرنا واجب ہے تیسری روایت ہے کہ اگر اولاد میں کسی کو زیادہ احتیاج ہو مثلاً وہ معذور ہو تو اس کو زیادہ دینا جائز ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ بعض کو زیادہ دے کر دوسروں کو ضرر پہنچانے کا قصد کرے تو پھر مساوات واجب ہے' جمہور کا نظریہ ہے کہ مساوات مستحب ہے اور بعض کو زیادہ دینا مکروہ تنزیہی ہے اور حدیث میں مساواتِ کا امر استحباب پر اور زیادتی سے ممانعتِ تنزیہ پر محمول ہے مساوات کی تفصیل میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام محمد بن حسن شیبانی' امام احمد' اسحاق اور بعض مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ عدل یہ ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دگنا دیا جائے اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ مذکر اور مؤنث کا فرق نہ کیا جائے اور حدیث میں جو مساوات کا حکم ہے اس سے ان کی تائید ہوتی ہے نیز امام سعید بن منصور اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہیں) چھٹا جواب وہ قاطع جواب ہے کہ اجماع منعقد ہے اس بات پر کہ آدمی اپنی تمام جائیداد اولاد کے علاوہ جس کو جتنی چاہے دے

ذلک لبعضھم۔ ذکرہ ابن عبد البر قیل فیہ نظر لانہ قیاس مع وجود النص. قلت انما یمنع ذالک ابتدا واما اذا عمل بالنص علی وجہ من الوجوہ ثم اذا قیس ذالک الوجہ الی وجہ آخر لا یقال انہ عمل بالقیاس مع وجود النص فافہم. (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۱۳ ص ۱۴۶ باب الاشہاد فی الہبۃ مطبوعہ بیروت)

سکتا ہے اس لیے اولاد میں بھی بعض کو زیادہ دے سکتا ہے اس کا ذکر کیا عبد البر نے اس پر اعتراض کیا گیا ہے یہ قیاس ہے باوجود نص کے پائے جانے۔ (امام بدرالدین عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں یہ ابتداً منع ہے اور جب عمل کیا جائے۔ نص کے ساتھ وجوہ میں سے کسی وجہ پر پھر قیاس کیا جائے اس وجہ کو دوسری وجہ پر تو نہ کیا جائے گا۔ عمل کیا گیا ہے قیاس کے ساتھ باوجود نص کے پائے جانے کے۔

قارئین کرام! امام بدرالدین عینی کی مذکورہ عبارت میں دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ایک تو یہ کہ اولاد کو مساوات سے ہبہ کرنے میں مختلف مذاہب ہیں جیسے اس کا پہلے نووی کی عبارت سے ذکر کر چکے ہیں دوسرا یہ ذکر کیا گیا ہے کہ احناف کا جو یہ مسلک ہے کہ اولاد میں ہبہ کرنے میں مساوات واجب نہیں بلکہ افضل ہے اس پر امام بدرالدین عینی نے چند دلائل پیش کیے جن میں سے آخری دلیل کو (چھٹی کو) ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ غیر کو ہبہ کرنے میں جبکہ کوئی قید نہیں کہ بعض کو زیادہ اور بعض کو کم دے تو پھر اولاد میں بھی اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہونی چاہیے اور دوسرا ایک علمی اور قانونی امام بدرالدین عینی نے ایک ضمنی اعتراض کا جواب دیا ہے اعتراض یہ تھا ''یہ جو تم نے اولاد کو غیر اولاد پر قیاس کیا ہے یہ تو آخر قیاس ہے اور اولاد کے بارے میں مساوات کا حکم نص میں موجود ہے اور نص کی موجودگی میں قیاس پر عمل کیسے کیا جا سکتا ہے''؟ امام بدرالدین عینی اس کا جواب فرماتے ہیں ناجائز ہونا اس صورت میں نہیں ہے جب ابتداً قیاس کو نص کے مقابلہ میں لایا جائے لیکن جبکہ نص کی وجوہات میں سے کسی ایک وجہ پر عمل کیا جائے اور پھر اس وجہ کو کسی دوسری وجہ پر قیاس کیا جائے اس پر یہ اطلاق نہیں ہوتا کہ نص کے مقابلہ میں قیاس کا عمل کیا گیا ہے کیونکہ اس سے پہلے کافی آثار نقل کیے جا چکے ہیں کہ جن میں واضح طور پر موجود ہے کہ ابوبکر صدیق نے اپنی اولاد میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مقام غابہ کے کھجور کے درختوں کا پھل عطا فرمایا وغیرہ آثار کا ذکر ہو چکا ہے جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ خلاصۃً یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہبہ کے بارہ اور اولاد اور غیر اولاد میں ہبہ کرنے کا جو اختلاف بیان کیا گیا ہے اس میں اگرچہ میں نے شافعی مالک اور احناف کے درمیان جو اختلاف ہے وہ اول تا آخر ایک دوسرے کے متضاد ہے لیکن نووی عمدۃ القاری کی عبارات پیش کی گئی ہیں ان میں زیادہ واضح طور پر اس اختلاف کو ذکر نہیں کیا گیا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ قارئین کے لیے اس اختلاف کو سمجھنے کے لیے ایک واضح عبارت نقل کر دوں کہ جس سے اختلاف بالکل واضح الفاظ میں سامنے آ جائے اور وہ میں رحمۃ الامۃ مصنفہ محمد بن عبد الرحمٰن دمشقی شافعی کی عبارت سے نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

واذا وھب الوالد لابنہ ھبۃ قال ابوحنیفۃ لیس لہ الرجوع فیھا بحال وقال الشافعی لہ الرجوع بکل حال وقال مالک لہ الرجوع ولو بعد القبض فیما وھب لابنہ علی جھۃ الصلۃ والمحبۃ. ولا یرجع فیما وھب علی جھۃ الصدقۃ..... وھل یسوغ الرجوع فی غیر ھبۃ الابن قال الشافعی لہ الرجوع فی ھبتہ کل من یقع علیہ اسم ولد حقیقۃً

جب والد نے اپنے بیٹے کو ہبہ کیا امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس میں رجوع کسی حال میں نہیں ہو سکتا۔ امام شافعی نے فرمایا: والد کے لیے رجوع ہر حال میں جائز ہے۔ امام مالک نے فرمایا: اس کے لیے رجوع جائز ہے اگرچہ قبض کر لینے کے بعد ہو جبکہ اس نے ہبہ کیا ہوا اپنے بیٹے کو صلہ اور محبت کی وجہ سے اور نہیں رجوع کر سکتا اس صورت میں جو اس نے بیٹے کو ہبہ کیا ہو صدقہ کے طور پر.... کیا جائز ہے رجوع ہبہ میں ابن کے غیر میں؟ امام

او مجازا کولده لصلبه وولد ولده من اولاده البنین او البنات ولا رجوع فی هبة الاجنبی وقال ابو حنیفة اذا وهب لذی رحم محرم بالنسب لم یکن له الرجوع ولیس عند ابی حنیفة الرجوع فیما وهب لولده واخیه واخته و عمه و عمته. (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ ص ۱۹۳-۱۹۵ کتاب الھبۃ 'مطبوعہ بیروت)

شافعی فرماتے ہیں اس کے لیے رجوع ہر ہبہ میں جائز ہے کہ جس پر بیٹے کا نام واقع ہوا گر چہ حقیقی ہو یا مجازی حقیقی کی مثال صلبی بیٹا اور مجازی کی مثال جیسے پوتا' نواسہ' مذکر و مؤنث اجنبی کے ہبہ میں رجوع نہیں کیا جا سکتا..... امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب کسی آدمی نے ذی رحم محرم بالنسب کو ہبہ کیا اس کے لیے رجوع نہیں ہے..... اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک رجوع اس صورت میں بھی نہیں ہو سکتا جب کسی نے ہبہ کیا بیٹے' بھائی' بہن' چچا' چچی اور پھوپھی کے لیے۔

تو قارئین کرام! اب اختلاف واضح ہو گیا جس کے بعد کسی الجھن کی گنجائش نہیں اس میں صرف ایک بات زائد بیان کی گئی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اولاد در اولاد کو اگر کوئی ہبہ کرے تو اس میں بھی رجوع جائز نہیں اور نہ اس میں جو کسی نے اپنے ذی رحم محرم کو دیا ہو۔ "ذی رحم محرم سے مراد وہ قریبی رشتہ دار ہیں جن میں حرمت ابدی ہوتی ہے جیسے بہن' بھائی' پھوپھی چچا وغیرہ اس مسئلہ میں بہت سی ابحاث "مغنی" وغیرہ میں مذکورہ ہیں لیکن ہم نے مختصراً اس ضروری اختلاف کو ذکر کیا کہ جس کا سمجھنا ضروری ہے۔

اعتراض:

عن طاؤس انه قال قال رسول الله ﷺ لایحل لاحد ان یهب لاحد شیئا ثم یأخذه منه الا الوالد.

طاؤس سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کو ہبہ کرے اور پھر اسے پکڑے' مگر والد۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۹ ص ۱۱۰ حدیث نمبر ۱۶۵۴۲ مطبوعہ بیروت)

قارئین کرام! اس حدیث کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ہبہ کرنے والا ہبہ کرنے کے بعد سوائے والد کے رجوع نہیں کر سکتا اور پھر یہ حدیث بھی مرفوع ہے۔

٣٦٤ - بَابُ الْعُمْرٰی وَالسُّکْنٰی

ہمیشہ کے لیے اور عارضی طور پر ہبہ کا بیان

٧٩٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَیُّمَا رَجُلٍ اَعْمَرَ عُمْرٰی لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ فَاِنَّهَا لِلَّذِیْ یُعْطَاهَا لَاتَرْجِعُ اِلَی الَّذِیْ اَعْطَاهَا لِاَنَّهٗ اَعْطٰی اَعْطَاءً وَّقَعَتِ الْمَوَارِیْثُ فِیْهِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب زہری نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی شخص کو یا اس کی اولاد کو عمریٰ کے لیے دے وہ اسی کے لیے ہو جاتا ہے جس کو اس نے عطا کیا ہے وہ اس کی طرف نہیں لوٹ سکتا جس نے اسے عطا کیا ہے کیونکہ اس نے ایسی عطا کی ہے کہ جس میں میراث جاری ہوتی ہے۔

٧٩٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَرَّثَ حَفْصَةَ دَارَهَا وَكَانَتْ حَفْصَةُ قَدْ اَسْكَنَتْ بِنْتَ زَیْدِ بْنِ الْخَطَّابِ مَا عَاشَتْ فَلَمَّا تُوُفِّیَتْ بِنْتُ زَیْدِ بْنِ الْخَطَّابِ قَبَضَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْمَسْكَنَ وَرَاٰی اَنَّهٗ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے کہ عبداللہ ابن عمر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے وارث ہوئے اور وہ زید بن خطاب کی بیٹی کو اپنا گھر اپنی زندگی میں دے گئی تھیں جب زید بن خطاب کی بیٹی فوت ہو گئیں تو عبداللہ ابن عمر نے ان کے گھر

لَهُ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اَلْعُمْرٰى هِبَةٌ فَمَنْ اُعْمِرَ شَيْئًا فَهُوَ لَهٗ وَالسُّكْنٰى لَهٗ عَارِيَةٌ تُرْجَعُ اِلَى الَّذِيْ اَسْكَنَهَا وَاِلٰى وَارِثِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا. وَالْعُمْرٰى اِنْ قَالَ هِيَ لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ اَوْلَمْ يَقُلْ وَلِعَقِبِهٖ فَهُوَ سَوَاءٌ.

پر قبضہ کر لیا اور خیال کیا کہ اب اس گھر کے مالک وہی ہیں۔

امام محمد فرماتے ہیں اسی پر ہمارا قول ہے کہ عمریٰ (جو عطیہ یا حیات دیا گیا ہو) عطیہ ہے وہ جسے دیا جائے اسی کا ہو جاتا ہے اور سکنیٰ (عاریۃ برائے رہائش) بطور عاریۃ ہے وہ اس کے بعد اصل مالک اور اس کے وارث کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے۔ عمریٰ یہ ہے کہ یوں کہے تیری عمر کے لیے ہے اور تیری اولاد کے لیے ہے یا اولاد کے لیے نہ کہے تو بھی برابر ہے۔

عمریٰ کے بارہ میں ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کا ہم ''رحمۃ الامہ'' سے مختصر ذکر کرتے ہیں:

و من اعمری انساناً فقال اعمرتک داری فانه یکون قد وهب له الانتفاع بها مدة حیاته واذا مات رجعت رقبة الدار الی مالکها وهو المعمر هذا مذهب مالک و کذا اذا قال اعمرتک واعقبک فان عقبة یملکون من فتنها فاذا لم یبقی منهم احد رجعت الرقبة الی المالک لانه وهب المنفعة ولم یهب الرقبة وقال ابوحنیفة والشافعی فی احد قولیه واحمد تسیر ملکا للمعمر و ورثته ولا تعود الی ملک المعطی الذی هوالمعمر فان لم یکن للمعمر وارث کانت لبیت المال والشافعی قول آخر کمذهب مالک.

(رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ ص ۱۹۳ کتاب الہبہ مطبوعہ بیروت)

جس شخص نے کسی انسان کو عمر کے لیے کوئی چیز دی اس نے یوں کہا میں نے تجھے اپنا گھر تیری عمر تک دیا اس کا معنی ہوگا کہ اس نے معمر کو اس کی مدتِ حیات تک نفع اٹھانے کی اجازت دی تو جس وقت وہ معمر (جس کو عمر تک دار دیا گیا ہے) مر گیا وہ دار کا رقبہ مالک کی طرف لوٹ جائے گا اور وہ معمر (عمر تک دینے والا) ہے یہ امام مالک کا مذہب ہے اسی طرح جب اس نے کہا کہ میں نے تجھے اور تیری اولاد کے لیے عمر تک تجھ کو یہ چیز دی تو اس صورت میں معمر لہ کی اولاد اس کے نفع کی مالک ہو جائے گی اور جب اس کی اولاد نہ ہو تو رقبہ دار مالک کی طرف لوٹ جائے گا کیونکہ اس نے منفعت کا ہبہ کیا تھا' رقبہ کا نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور شافعی کا ایک قول دو قولوں سے اور احمد حنبل نے فرمایا کہ معمر لہ اور اس کے وارثوں میں وہ چیز چلی جائے گی یعنی ہبہ کرنے والے کی طرف نہیں لوٹے گی اگر معطی کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ مال بیت المال میں چلا جائے گا۔ امام شافعی کا دوسرا قول مذہب مالک کی طرح ہے۔

تو قارئین کرام! اختلاف ائمہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص کسی کو اعمرتک کہتا ہے یا اعمرتک واعقبک کہتا ہے تو امام مالک کے نزدیک معمر لہ کو اپنی زندگی تک یا اس کی اولاد کو اپنی زندگی تک اس موہوبہ چیز سے نفع اٹھانا جائز ہے اور جب مر جائے گا تو وہ اصل چیز معطی کی طرف لوٹ جائے گی کیونکہ اس نے منفعت کا ہبہ کیا ہے اصل چیز کا نہیں لیکن امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ اعمرتک و اعقبک جب کوئی آدمی معمر لہ کو کہے تو وہ شے معمر لہ اور اس کے وارثوں کی ملک میں چلی جائے گی گویا امام مالک مذکورہ الفاظ کو منفعت پر محمول کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل اور امام شافعی ایک قول کے مطابق ان الفاظ کو منفعت پر نہیں بلکہ اصل شے پر محمول کرتے ہیں جس کا معنی یہ ہوا کہ جب کوئی آدمی ان الفاظ سے کسی کو ہبہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے یا اس کے وارثوں کے ملک میں چلی جاتی ہے اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے مرنے کے بعد

موہوبہ چیز نالک کی بجائے بیت المال کی طرف چلی جائے گی۔

قارئین کرام! اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد مسلک احناف کی تائید پر مبسوط ہی سے ایک عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے مسلکِ احناف کی حقانیت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

و اذا قال الرجل لغيره قد اعمرتک هذه الدار وسلمها اليه هبته صحيحة. (المبسوط)

یعنی جب کسی آدمی نے اپنے غیر کے لیے کہا: میں نے تجھے تیری عمر تک یہ دار دی اور قبضہ بھی دے دیا تو یہ ہبہ صحیح ہے۔

کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی علیہ السلام نے فرمایا: اپنے اموال اپنے پاس روکے رکھو اور ان کا عمری نہ کرو تو جس شخص نے کوئی چیز عمری کی تو وہ معمرلہ کی ہے اس کے بعد اس کے ورثاء کے لیے ہے۔ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ان النبی ﷺ **قضى بالعمرة للمعمرله ولعقبه بعده وقال عليه السلام من اعمرى عمرة قطع قوله حقه. يعنى قطع قوله.**

حضرت جابر سے یہ روایت بھی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے عمریٰ کیا اس کے قول نے اس کا حق منقطع کر دیا یعنی جس نے کہا! یعنی میں نے تم کو عمر بھر کے لیے یہ چیز دی اس قول نے معمرلہ کی موت کے بعد اس چیز کو واپس لینے کا حق منقطع کر دیا خلاصہ یہ ہے کہ عمریٰ سے معمرلہ اس چیز کا فوراً مالک ہو جاتا ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء اس چیز کے مالک ہو جاتے ہیں اس لیے موت کے بعد اس کی واپسی کی شرط باطل ہے اور ہبہ شروطِ باطلہ سے باطل نہیں ہوتا۔

(المبسوط مصنفہ شمس الائمہ سرخسی ج ۱۲ ص ۹۴۔۹۵ باب العطیہ' مطبوعہ بیروت)

جس سے ثابت ہوا کہ والد ہبہ کرنے کے بعد ہبہ سے رجوع کر سکتا ہے۔ حالانکہ احناف نے اس سے پہلے اپنا مسلک یوں بیان کیا ہے کہ غیر تو ہبہ کرنے کے بعد رجوع کر سکتا ہے لیکن والد رجوع نہیں کر سکتا۔

جواب: علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''المبسوط'' میں اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے اپنے مسلک کو یوں واضح کیا:

وحجتنا مارويناه من حديث عمر رضى الله عنه فهو الامام لنا فى المسئلتين ولان الهبة قد تمت لذى الرحم المحرم ملكا و عقداً فلا يملك الرجوع فيه كالذين اذا وهب لابيه اوالاخ لاخيه وهذا لان المقصود قدحصل وهو صلة الرحم ولان فى الرجوع معنى قطعية الرحم وهذا موجود فى حق الوالد مع ولده. لانه بالرجوع يحمله العقوق وانما امر الوالد ان يحمل ولده على بره..... فاما الحديث فقد قيل معنى قوله عليه الصلوة والسلام الا الوالد ولا الوالد فانه كلمة الى تذكر بمعنى ولا. قال الله تعالى الا الذين ظلموا منهم. اى ولا الذين ظلموا منهم وقوله تعالى. وما كان مؤمن ان يقتل مومنا الا خطأ اى ولا خطا.

ہماری دلیل وہ ہے جو روایت کی ہم نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان دونوں مسئلوں میں ہمارے امام ہیں کیونکہ ہبہ مکمل ہو جاتا ہے ذی رحم محرم کے لیے ملک اور عقد سے لہٰذا وہ رجوع کا مالک نہیں رہتا جیسے کہ بیٹے نے اپنے باپ کو یا بھائی نے اپنے بھائی کو ہبہ کیا یہ اس لیے ہے کہ مقصود (ملک اور عقد کے ساتھ) حاصل ہو چکا ہے اور وہ صلہ رحم کیونکہ رجوع میں قطعیۃ الرحم کا معنی پایا جاتا ہے جو کہ والد کے حق میں بیٹے کے ساتھ موجود ہے کیونکہ رجوع کے ساتھ وہ اس کو برانگیختہ کرے گا نافرمانی پر حالانکہ والد اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو نیکی پر برانگیختہ کرے رہی حدیث تو اس کے معنی میں کہا گیا ہے نبی پاک ﷺ کا یہ فرمان ''الا الوالد'' (یعنی والد رجوع کر سکتا ہے) یہ بمعنی ''لا الوالد'' ہے والد بھی رجوع نہیں کر سکتا اور کیونکہ کلمہ ''الا'' ولا کے معنی میں ذکر کیا جاتا

(المبسوط ج ۱۲ ص ۵۵ کتاب الہبہ مطبوعہ بیروت)

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الا الذین ظلموا منهم۔ اس کا معنی ہے لا الذین ظلموا منهم۔ یعنی نہ ہی وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے اور دوسری جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما کان مومنا ان یقتل مومناً الا خطاً کسی مؤمن کے لیے جائز نہیں کہ وہ مؤمن کو قتل کرے مگر خطاً تو یہ الا خطاً بمعنی ولا خطاً ہے اور نہ ہی خطا کے طور پر قتل کرے۔

امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت کو واضح کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو اسی جگہ ''مبسوط'' ج ۱۲ ص ۴۹ پر لکھا ہے کہ عمر فاروق نے فرمایا: من وهب هبته لذی محرم فقبضها فلیس له ان یرجع فیها ومن وهب هبة لغیر ذی رحم فله ان یرجع فیها ما لم یثبت فیها۔ یعنی عمر فاروق نے فرمایا: جس نے ذی رحم محرم کو ہبہ کیا اور اس نے قبضہ کر لیا تو اس سے اس کا رجوع جائز نہیں ہے اور جس نے غیر محرم کو ہبہ کیا وہ اس سے اس وقت تک رجوع کر سکتا ہے جب تک اس کا عوض نہ لیا ہو اور یہ حدیث اسود کی عمر فاروق سے روایت ''مصنف ابن ابی شیبہ'' ج ۶ ص ۴۷۲' مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی میں بھی موجود ہے۔

تو قارئین کرام! جو علامہ سرخسی نے فرمایا ہے ان دونوں مسئلوں میں ہمارے امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں ان دو مسئلوں سے مراد یہ ہیں (۱) ذی رحم محرم کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع جائز نہیں (۲) غیر ذی رحم محرم کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع جائز ہے۔

اس کی وجہ علامہ سرخسی یہ بیان کرتے ہیں کیونکہ ہبہ کرنے میں والد کی طرف سے بیٹے کو یا بیٹے کی طرف سے والد کو صلہ رحمی پائی جاتی ہے یہ ان دونوں کے درمیان صلہ رحمی ہے جس کو قرآن وحدیث میں بہت اہمیت حاصل ہے اور رجوع کی صورت میں قطع رحمی پائی جاتی ہے جو کہ حرام ہے کیونکہ والد کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ بیٹے کو ایسے کام سکھلائے جن میں نیکی پائی جائے اور جب باپ بیٹے کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع کرے گا تو یہ اس کو نافرمانی پر برانگیختہ کرے گا یہ نص صریح کی مخالفت ہے اسی طرح بیٹا باپ کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع کرے گا چاہیے تو تھا بیٹا باپ کی تعظیم کرے تو رجوع کی صورت میں یہ باپ کو ناراضگی پر برانگیختہ کرے گا جو کہ ناجائز اور باطل ہے اس کے برخلاف جو کہ کوئی غیر کو ہبہ کرے اس سے رجوع کرنے کی صورت میں قطع رحمی نہیں پائی جاتی رہی یہ بات کہ کیا عمر فاروق کے اس فرمان کے علاوہ کوئی اور فرمان بھی احناف کے اس مسلک کی تائید کرتے ہیں کہ نہیں؟ ہم اس بارے میں ایک حدیث اور دو آثار نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

عن عمرو بن دینار عن ابی هریرة قال رسول الله ﷺ الرجل احق لهبة مالم یثبت منها۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۷۴ حدیث نمبر ۱۷۴۳)

عمرو ابن دینار ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا: آدمی زیادہ حقدار ہے اپنے ہبہ کا جب تک کہ اس نے اس کا معاوضہ نہ کیا ہو۔

عن ابن ابزی عن علی قال الرجل احق لهبته مالم یثبت منها.... عن معمر عن الزهری عن سعید بن المسیب من وهب لهبته لغیر ذی محرم فله ان یرجع مالم یثبت۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۷۴-۴۷۵ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

ابزی حضرت علی سے روایت کرتے ہیں حضرت علی نے فرمایا: آدمی اپنے ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ اس نے معاوضہ نہ لیا ہو۔ معمر زہری سے اور وہ سعید ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے ذی رحم محرم کے علاوہ غیر کو ہبہ کیا وہ رجوع کر سکتا ہے۔

تو قارئین کرام! مذکورہ اثر سے یہ بات ثابت ہوئی کہ غیر کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع جائز ہے بشرطیکہ واہب نے ہبہ کا معاوضہ نہ

لیا ہو تو اس قید غیر ذی رحم محرم نے واضح کر دیا کہ ذی رحم محرم ہیں ان سے ہبہ کا رجوع جائز نہیں جیسے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول میں ان دونوں کا واضح طور پر الگ الگ حکم بیان کیا گیا ہے۔ یہی احناف کا مسلک ہے جو ان آثار اور احادیث سے مؤید ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

تو قارئین کرام! آپ نے پڑھ لیا کہ علامہ سرخسی کی عبارت نے احادیث کی روشنی میں اس بات کو واضح کر دیا کہ احناف کا مسلک صرف رائے پر موقوف نہیں بلکہ احادیث کی روشنی میں مؤید ہے اب ہم مسلکِ احناف کی تائید پر ''کتاب الآثار'' مصنفہ امام محمد سے چند آثار نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال من اعمرى شيئا فهوله حياته ولعقبه من بعده ولا يكون من ثلثه. قال محمد يعني و لا يكون من ثلث المعمر الاول..... محمد قال اخبرنا ابو حنيفة قال حدثنا بلال عن وهب بن كيسان عن جابر بن عبدالله رضى الله عنه عن النبى ﷺ قال فشت العمرى فى المدينه فصعد النبى ﷺ المنبر فقال ايها الناس احبسوا عليكم اموالكم ولا تهلكوها فانه من اعمرى شيئا فى حياته فهو الذى اعمر بعد موته قال محمد وبهذه نأخذ وهو قول ابى حنيفة رحمة الله عليه..... محمد قال اخبرنا ابو حنيفة قال حدثنا حبيب بن ابى ثابت عن عبدالله ابن عمر رضى الله عنهما قال كنت عنده قاعدا اذا جاءه اعرابى فسأله عن العمرى فاخبره انها ميراث للذى هى فى يديه.

(کتاب الآثار مصنفہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ: ص۱۵۱ حدیث نمبر ۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳) باب العمریٰ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے ہمیں خبر دی حماد سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کو کوئی چیز عمریٰ کر دی (پوری عمر کے لیے دے دی) تو وہ چیز اس کے لیے تا زندگی ہوگی اور مرنے کے بعد اس کی اولاد کی ہوگی یہ ثلث مال سے نہیں ہوگی (یعنی وصیت سے) امام محمد فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ نہ ہوگی عطا کرنے والے کی ثلث مال سے حضرت جابر ابن عبداللہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ض مدینہ طیبہ میں عمریٰ کا لفظ عام استعمال ہونے لگا ہے رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: اپنے مالوں کو روکو ہلاک نہ کرو جس آدمی نے اپنی حیاتی میں کوئی چیز کسی کے لیے عمر تک عطا کر دی تو وہ معمرلہ کے لیے، اس کی موت کے بعد بھی ہو جاتی ہے (یعنی لفظ عمریٰ سے دی جانے والی چیز معمرلہ کی ملک میں چلی جاتی ہے جو اس کے مرنے کے بعد میراث بن جاتی ہے) امام محمد فرماتے ہیں یہی ہمارا معمول ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے.....امام محمد کہتے ہیں ہمیں خبر دی امام ابوحنیفہ نے کہ حدیث بیان کی ہمیں حبیب بن ابی ثابت نے عبداللہ ابن عمر سے راوی کہتا ہے میں عبداللہ ابن عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک اعرابی نے ان سے عمریٰ کے بارے میں مسئلہ پوچھا عبداللہ ابن عمر نے اسے جواب دیا جس آدمی کے ہاتھ میں وہ چیز ہے یعنی معمرلہ وہ چیز اسی کی میراث ہے۔

تو قارئین کرام! مذکورہ آثار مسلکِ ابوحنیفہ کی تائید کرتے ہیں جیسی تائید مخالفین کے پاس موجود نہیں ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

١٤ - كِتَابُ الصَّرْفِ وَاَبْوَابُ الرِّبٰوا

چاندی، سونا اور سود کا بیان

٣٦٥- بَابُ الصَّرْفِ وَاَبْوَابُ الرِّبٰوا

٧٩٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالذَّهَبِ اَحَدُهُمَا غَائِبٌ وَالْاٰخَرُ نَاجِزٌ فَاِنِ اسْتَنْظَرَكَ اِلٰى اَنْ يَّلِجَ بَيْتَهٗ فَلَا تُنْظِرْهُ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمُ الرَّمَاءَ وَالرَّمَاءُ هُوَ الرِّبٰوا.

٧٩٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا مَثَلًا بِمِثْلٍ وَلَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْوَرِقِ اَحَدُهُمَا غَائِبٌ وَالْاٰخَرُ نَاجِزٌ وَاِنِ اسْتَنْظَرَكَ حَتّٰى يَلِجَ بَيْتَهٗ فَلَا تُنْظِرْ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمُ الرِّبٰوا.

٧٩٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا مَثَلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مَثَلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوْا شَيْئًا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ.

٨٠٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اَبِيْ تَمِيْمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلدِّيْنَارُ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا.

٨٠١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ مَالِكِ ابْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهُ الْتَمَسَ صَرْفًا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ وَقَالَ فَدَعَانِيْ طَلْحَةُ ابْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ فَقَالَ فَتَرَاوَضْنَا حَتَّى اصْطَرَفَ مِنِّيْ فَاَخَذَ طَلْحَةُ الذَّهَبَ يُقَلِّبُهَا فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ قَالَ حَتّٰى يَاْتِيَنِيْ خَازِنِيْ مِنَ الْغَابَةِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسْمَعُ كَلَامَهٗ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا تُفَارِقُهٗ حَتّٰى تَاْخُذَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبٰوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ

چاندی سونا' چاندی سونے کے عوض فروخت کرنا اور سود کا بیان

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہ چاندی کو سونے کے عوض اس طرح فروخت نہ کرے کہ ایک نقد ہو دوسرا ادھار ہو۔ بلکہ اس قدر مہلت بھی مانگے کہ گھر سے آ کر دے گا تو اتنی مہلت بھی نہ دے میں تو ہر ''رما'' سے ڈرتا ہوں رما اور ربوا ایک ہی معنی میں ہیں یعنی سود۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا عبداللہ بن دینار نے عبداللہ بن عمر سے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض برابر فروخت کرو اور سونا چاندی کے عوض اس طرح فروخت نہ کرو کہ ان میں سے ایک نقد دوسرا ادھار ہو اگر تم سے اس قدر مہلت بھی چاہے کہ وہ اپنے گھر سے ہو کر آ جائے تو اس قدر اجازت بھی نہ دو میں تم سے سود سے ڈرتا ہوں۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا نافع نے ابو سعید خدری سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض فروخت نہ کرو مگر برابر اور ایک دوسرے سے زیادہ نہ کرو اور چاندی کو بھی چاندی کے برابر فروخت کرو ایک کو دوسرے سے زیادہ نہ کرو اور نقد کو ادھار کے عوض فروخت نہ کرو۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا موسیٰ بن ابی تمیم نے سعید بن یسار سے انہوں نے ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دینار کو فروخت کرو دینار کے عوض اور درہم کو درہم کے عوض اور ان میں سے ایک کو دوسرے سے زیادہ نہ کرو۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب زہری نے مالک بن اوس بن حدثان سے کہ انہوں نے مجھے بتلایا کہ انہیں سو (١٠٠) دینار کے درہم لینے کی ضرورت پیش آئی تو مجھے طلحہ بن عبیداللہ نے بلایا ہم دونوں رضامند ہو گئے طلحہ نے مجھ سے دینار لے لیے اور انہیں اپنے ہاتھ سے الٹا پلٹ کرنے لگے؟ پھر کہا انتظار کرو میرا خزانچی مقام غابہ سے آ جائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن رہے تھے انہوں نے فرمایا: بخدا تم طلحہ کو بغیر مال لیے نہ چھوڑنا پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: سونے کو

بِالتَّمْرِ رِبًا اِلَّاهَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا اِلَّاهَاءَ وَهَاءَ.

چاندی کے عوض' کھجور کو کھجور کے عوض اور جو کو جو کے عوض فروخت کرنا سود ہے مگر یہ کہ برابر ہو۔

۸۰۲۔ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَوْعَنْ سُلَيْمَنَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِىْ سُفْيَانَ بَاعَ سِقَايَةً مِّنْ وَرِقٍ اَوْذَهَبٍ بِاَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهَا فَقَالَ لَهٗ اَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذَا اِلَّامِثْلًا بِمِثْلٍ قَالَ لَهٗ اَمِيْرُ مُعَاوِيَةُ مَاارٰى بِهٖ بَاْسًا. فَقَالَ لَهٗ اَبُو الدَّرْدَاءِ مَنْ يَعْذِرُنِىْ مِنْ مُعَاوِيَةَ. اَخْبَرَهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ يُخْبِرُنِىْ عَنْ رَاْيِهٖ اِلَّا اُسَاكِنُكَ بِاَرْضٍ اَنْتَ بِهَا قَالَ فَقَدِمَ اَبُوْ الدَّرْدَاءِ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَخْبَرَهٗ فَكَتَبَ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اَنْ لَا يَبِيْعَ ذٰلِكَ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ اَوْ وَزْنًا بِوَزْنٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی ہم سے روایت کیا زید بن اسلم نے عطاء بن یسار سے یا سلیمان بن یسار سے کہ معاویہ ابن ابی سفیان نے چاندی یا سونے کا برتن اس کے وزن سے زیادہ کے بدلے فروخت کیا۔ تو ان سے ابو الدرداء نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے سوائے اس کے کہ برابر ہو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے میرے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ابو درداء نے ان سے کہا: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں میرا عذر کون قبول کرے گا؟ میں ان کے سامنے رسول اللہ کی حدیث پیش کر رہا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتلاتے ہیں۔ تو ابو الدرداء نے فرمایا: میں اس سرزمین میں نہیں رہوں گا کہ جس میں تم ہو۔ پھر ابو درداء (مدینہ شریف میں) آ گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں یہ واقعہ بتلایا۔ انہوں نے امیر معاویہ کو لکھا کہ اس طرح فروخت نہ کریں بلکہ برابر یا ہم وزن فروخت کریں۔

۸۰۳۔ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُسَيْطٍ اللَّيْثِىُّ اَنَّهٗ رَاٰى سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُرَاطِلُ الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ قَالَ فَيُفْرِغُ الذَّهَبَ فِىْ كَفَّةِ الْمِيْزَانِ وَيُفْرِغُ الْاٰخِرُ الذَّهَبَ فِىْ كَفَّةِ الْاُخْرٰى. قَالَ ثُمَّ يَرْفَعُ الْمِيْزَانَ فَاِذَا اعْتَدَلَ لِسَانُ الْمِيْزَانِ اَخَذَ وَاَعْطٰى صَاحِبَهٗ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا یزید بن عبداللہ بن قسیط اللیثی نے کہ انہوں نے سعید ابن المسیب کو یہ کہتے سنا کہ وہ سود سونے کو سونے کے بدلے فروخت کرنے میں سمجھتے تھے۔ وہ اپنا سونا ترازو کے پلڑے میں رکھتے اور دوسرے کا سونا ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھتے پھر ترازو اٹھاتے۔ جب ترازو کا کانٹا برابر آ جاتا تو دوسرے کا سونا لے لیتے اور اپنا سونا دے دیتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ عَلٰى مَا جَاءَتِ الْاٰثَارُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ فِىْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى

امام محمد فرماتے ہیں ان سب پر ہمارا عمل ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے

مذکورہ باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پانچ آثار اور دو احادیث لائے۔ وہ سب کی سب بیع صرف کے بارے میں ہیں۔ رہی یہ بات کہ بیع صرف کسے کہتے ہیں تو وہ تقریباً فقہاء کرام نے ایک ہی طرح کی ہے۔ اگرچہ الفاظ میں کچھ فرق ہے مگر معنی ایک ہی ہے اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ بیع صرف کی تعریف اور اس کا حکم "مبسوط" سے ذکر کروں تا کہ موطا کے مذکورہ آثار و احادیث اور آئندہ ابحاث کے سمجھنے میں معاونت مل سکے۔

وهو مبادلة الاثمان بعضها ببعض والاموال انواع ثلاثة علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ مال کی ایک قسم وہ ہے جو ہر حال میں ثمن ہے وہ دراہم اور دینار ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو ہر حال میں مبیع ہیں یہ وہ چیزیں ہیں جو ذوات الامثال نہ ہوں۔ جیسے

مصنوعات اور مویشی وغیرہ۔ تیسری قسم وہ ہے جو کبھی ثمن اور کبھی مبیع ہوتی ہیں جیسے ماپ اور تول والی چیزیں ان میں سے جس چیز کو عقد میں عوض قرار دیا جائے وہ ثمن ہوتی ہے اور دوسری مبیع ہوتی ہے..... لیکن اگلے صفحہ پر علامہ سرخسی لکھتے ہیں اس عقد کے اندر مجلس میں مبیع اور ثمن دونوں پر فریقین کا قبضہ کرنا ضروری ہے..... کیونکہ یہ عقد ثمن کے بدلے میں ثمن سے عبارت ہے اور عقد کے سبب سے ثمن ذمہ میں دین قرض ہوتی ہے اور دین کے بدلے میں دین شریعت میں حرام ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا ہے اس لیے بیع الثمن بالثمن بھی ممنوع ہے سو قبضہ اس لیے ضروری ہے کیونکہ اس عقد میں تعین قبضہ سے ہی حاصل ہوتا ہے کیونکہ درہم اور دینار غیر متعین ہوتے ہیں اس لیے مجلس میں قبضہ ضروری ہے کیونکہ شریعت میں حالت مجلس حالت عقد کے قائم مقام ہے اور جب قبضہ سے تعیین ہو جاتی ہے تو اس کو عقد میں بمنزلہ موجود مانا جائے گا اور چونکہ بیع صرف میں ایک عوض کو دوسرے عوض پر ترجیح نہیں ہے اس لیے ہم نے بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری قرار دیا ہے اسی معنی کی رو سے ہم مجلس سے مراد ان دونوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں لیتے بلکہ معتبر تفریق سے پہلے قبض کا پایا جانا ہے۔ یہاں تک کہ اگر بائع اور مشتری دونوں کھڑے ہو جاتے ہیں یا دونوں ایک فرسخ چلے جاتے ہیں پھر تفریق سے پہلے ایک دوسرے سے قبض کر لیتے ہیں تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر وہ دونوں عقد کے بعد اس مجلس میں سو جاتے ہیں یا دونوں پر غشی آ جاتی ہے پھر جدائی سے پہلے پہلے وہ ایک دوسرے سے قبضہ کر لیتے ہیں تو یہ جائز ہے اس کی بشر نے روایت کی ہے امام ابو یوسف سے۔ (المبسوط)

قارئین کرام! خلاصہ یہ نکلا کہ بیع صرف کی تعریف یہ ہے کہ ثمن کی ثمن کے بدلہ بیع کی جائے جیسے دراہم و دنانیر کی آپس میں بیع کی جاتی ہے اس کے لیے یہ شرط ہے کہ یہ اس وقت جائز ہے جبکہ دست بدست ہو اور زیادتی بھی نہ ہو ہاں اگر ان نقدین میں اتحاد جنس نہ پایا جائے جیسے کہ دراہم کی بیع دینار کے بدلہ میں یا دینار کی بیع دراہم کے بدلہ میں یہ بیع صرف تو ہے لیکن کلیہ احناف کا یہ ہے کہ جب دونوں چیزوں میں قدر و جنس پایا جائے یعنی ان دونوں کی جنس بھی ایک ہو اور قدری بھی ہوں اس صورت میں نہ ادھار جائز ہے اور نہ ہی ان میں کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے اگر ان دونوں میں سے صرف ایک چیز پائی جائے یعنی وہ دونوں صرف قدری ہوں اور جنس مختلف ہوں یا دونوں کی جنس ایک ہو اور قدر میں مختلف ہوں کیونکہ قدر کا اطلاق تول و کیل میں کیا جاتا ہے اگر ایک کیلی ہے اور دوسری موزونی ہے اس صورت میں اگرچہ کمی بیشی جائز ہے مگر ادھار جائز نہیں جیسے کوئی آدمی سونے کو چاندی کے بدلہ فروخت کرتا ہے اور کمی بیشی تو جائز ہے مگر ادھار نہیں کر سکتے اسی طرح سے گندم کو جو کے بدلہ میں فروخت کیا اب یہ دونوں کیلی ہونے میں تو متحد ہیں مگر جنس مختلف ہیں تو اب بھی کمی زیادتی کے ساتھ ان میں بیع جائز ہے مگر ادھار جائز نہیں ہے یعنی ضروری ہے کہ دست بدست ہو یاد رہے کیونکہ یہ بیع صرف ہو رہی ہے بیع صرف میں اصل دراہم و دنانیر ہوتے ہیں اور ان کا تعین بغیر قبضہ کے نہیں ہو سکتا اس لیے تقابض مجلس میں شرط ہے۔

تو قارئین کرام! آپ نے بیع صرف کی تعریف بھی پڑھ لی اور اس کا حکم بھی جان لیا میں چاہتا ہوں کہ بیع صرف کے بارے میں جو ایک جدید مسئلہ درپیش ہے اس کا کچھ حل بیان کروں مسئلہ یہ ہے کہ کیا نوٹ بھی ثمن کے قبیلہ سے ہے یا کہ صرف ثمنوں کے لیے ایک رسید ہے؟

موجودہ زمانہ میں نوٹ کی فقہی حیثیت کیا ہے؟

آج کل دنیا کے تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس بنک نوٹ پر ہے اور تجارتی سود کی ادائیگی بھی بنک نوٹ کے ذریعہ کی جاتی ہے اور تمام دنیا میں مالیاتی لین دین بینک نوٹ کے ذریعے انجام پاتا ہے اور بہت سے شرعی احکام پر عمل کرنا نوٹ پر موقوف ہے اس لیے ضروری ہے کہ نوٹ کی تحقیق کی جائے نوٹ کے بارے میں مذاہب اربعہ کو دیکھا جائے اور پھر اس کے متعلق مسلکِ حنفی کے

مطابق موجودہ زمانہ کے حنفی علماء کے قول دیکھے جائیں اور آخر میں پھر اس کے متعلق فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ نقل کیا جائے تا کہ نوٹ کے بارے میں جو اس وقت شکوک وشبہات درپیش ہیں ان سے نجات حاصل کی جائے سب سے پہلے میں موجودہ زمانہ کے حنفی علماء دیوبندی ہوں یا بریلوی ان کی عبارات نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: نوٹ کی بیع' شراء کمی یا زیادتی پر جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے بلکہ عینِ ثمن سمجھا جاتا ہے اس وجہ سے اگر سو روپیہ کا نوٹ کوئی ہلاک کردے تو اصل مالک سو روپیہ کا تاوان لیتا ہے اور سو روپیہ کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو اس سے اس کاغذ کی قیمت ملنا مقصود نہیں ہوتی کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا کاغذ بھی نہیں ہے بلکہ مخصوص سو روپیہ کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے اور سو روپیہ کا نوٹ اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت ادا چاہے سو روپے کا نوٹ دے یا سو روپیہ دونوں صورتیں مساوی سمجھی جاتی ہیں۔ اور دائن کو مدیون سے کسی ایک کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ اگر مدیون غیرِ جنس بوقت ادا دے تو دائن نہیں لیتا بخلاف پیسوں کے وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر ان کی یہ کیفیت نہیں ہے اگر ایک روپیہ کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور ادا کے وقت ایک روپیہ کے پیسے دے تو دائن یا فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہوسکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عینِ ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عینِ ثمن خلقی ہے وہ عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہے پس تفاصیل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو کیونکہ پیسے غیرِ جنس ثمن ہیں حقیقتاً بھی اور عرفاً بھی گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں ثمنیت کی صفت آ گئی ہے پس جب نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا باب تفاصیل میں اسی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاصیل اس میں حرام ہوگا ''فانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانواہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے ہے جو اس کی نیت کرے'' اور اگر اس میں حقیقتاً ربا نہ ہو تو شبہ رباء سے تو مفر نہیں اور تمام کتبِ فقہ میں مرقوم ہے کہ شبهة الربوا باعث حرمت ہے اور اس کے علاوہ جو بیع شرائی نوٹ میں تفاصیل اختیار کرے گا مقصود بجز اس کے کہ بعوض کم روپیہ کے زیادہ روپے حاصل ہو جائیں اور کچھ نہ ہوگا۔ مگر حیلہ کے طور پر وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا اور ظاہر ہے کہ ایسے حیلوں کے ارتکاب سے حلت کا حکم نہیں ہوسکتا۔ ''تہذیب الایمان'' میں ہے **انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیة غیر ما شرعها الله له فیسر فخادعا لدینه قاعد الشرعیة فان مقصوده حصول الشئی الذی حرم الله بتلک الحیلة او اسقاط ما اوجبة حرام** ۔ یہ ہے کہ عقودِ شرعیہ سے ان باتوں کا قصد ہو جو غیر مشروع میں ہیں ایسی صورت میں وہ دین کو دھوکہ دینے والا اور شرع کے ساتھ مکاری کرنے والا ہوگا کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس حیلہ سے وہ ایسا نفع حاصل کرے جسے شرع نے اس پر حرام کیا ہے یا ایسی چیز اپنے ذمہ سے ساقط کردے جو اس پر واجب تھی پس اگر نوٹ میں تفاصیل قضاً جائز بھی ہو لیکن دیانتاً **فیما بینه و بین الله** کسی طرح سے درست نہ ہوگا کیونکہ کتبِ فقہ میں بیع عینیہ **اشراب اقل مما باع** وغیرہ ذالک کی ممانعت مذکور ہے اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جس سے ایسے حیلوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے اگر یہ شبہ ہو کہ نوٹ جب ثمن خلقی نہیں ہے تو اس کا حکم بعینہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کیونکہ عرفاً وہ عینِ ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے۔ پس باب تفاضل میں اس کا اعتبار ہوگا خاص کر دیانتاً کیونکہ اس کا تعلق مقاصد سے ہے گویا یہ مقاصد پورے ہوا کرتے ہیں باقی رہا فتح القدیر کا قول ''**لو باع کاغذة بالف یجوز**'' اگر کسی نے کاغذ سو ہزار روپے کو بیچا تو اس سے یہ کاغذ مراد نہیں ہے جو عینِ ثمن خلقی سمجھا گیا ہے کیونکہ ان کے زمانہ میں نوٹ کا وجود ہی نہ تھا پس سادہ کاغذ مراد ہے۔

(فتاویٰ عبدالحئی جلد ۲ ص ۱۳۶۔۱۳۸' مطبوعہ سعید کمپنی کراچی پاکستان' مصنفہ مولوی عبدالحئی لکھنوی)

مولوی خالد سیف اللہ رحمانی کی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

نوٹ اور پیسوں کی حیثیت

ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں جو سکے رائج ہیں ان کی حیثیت ''ثمن'' کی ہے یا وہ ثمن نہیں ہیں؟ اگر یہ ثمن ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے کافی ہوگی اور اگر اس کی حیثیت محض ایک کاغذ کی ہے تو ظاہر ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی اسی طرح اگر یہ بجائے خود ''ثمن'' ہے تو قرض کی ادائیگی کے لیے یہی نوٹ کافی ہوگا اور اگر ایسا نہیں بلکہ یہ ثمن کا وثیقہ ہے تو پانچ سال پہلے کے لیے ہوئے دس روپے کے نوٹ کے بدلہ اتنی رقم ادا کرنا ہوگی جس کی قدر اس زمانہ کے دس روپے کے برابر ہوں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی' مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا سید مفتی نظام الدین صاحب کا رجحان اس طرف ہے کہ نوٹ ثمن نہیں بلکہ ثمن کا وثیقہ اور گویا چیک ہے گویا ان کے یہاں نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی وہ سندِ مال اور سندِ قرض ہے اس کے برخلاف حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی کا رجحان اس طرف ہے کہ وہ ثمن ہی ہے راقم الحروف کے خیال میں یہ مسئلہ بالکل دوسری نوعیت کا ہے ان سکوں میں بذاتہٖ ''ثمنیت'' نہیں ہے اس لیے کہ شریعت کی نگاہ میں اصلاً ثمن سونا اور چاندی ہے اور اس کو محض سندِ قرض اور وثیقہِ مال قرار دینا بھی مشکل ہے اس لیے سندِ قرض کے ضائع ہو جانے سے قرض ختم نہیں ہو جاتا اور وثیقہ مال کی بربادی سے کوئی مال سے محروم نہیں کیا جا سکتا مگر یہاں اگر روپیہ کسی وجہ سے ضائع ہو جائے اور اس کا ثبوت بھی موجود ہو پھر بھی حکومت اس کی ذمہ داری قبول نہیں کرتی یہ دراصل ایک درمیانی درجہ کی چیز ہے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس درجہ ثمن کا قائم مقام ہے کہ اس کی حوالگی عین ثمن کی حوالگی اور اس کی نظیر فلوس ہیں جو تانبے کے ہوا کرتے تھے ظاہر ہے ان کے اندر سونا اور چاندی کی طرح فی ذاتہٖ ثمنیت نہیں تھی مگر فقہاء نے ان کو ثمن کا درجہ دیا ہے کہ جس طرح ثمن متعین نہیں ہوتا اسی طرح وہ متعین نہیں ہوں گے جس طرح ثمن کی ہلاکت کے باوجود بیع باقی رہتی ہے اسی طرح فلوس کا ضائع ہو جانا بیع کے لیے چنداں مضر نہیں ہوگا۔

الفلوس بمنزلة الدراهم اذا جعلت ثمنا لا تتعين في العقد وان عينت ولا ينفسخ العقد بهلاكها.

فلوس بدرجہ درہم ہے جب ان کو قیمت (ثمن) بنایا جائے تو وہ معاملہ میں متعین نہیں ہوں گے چاہے ان کو متعین ہی کیوں نہ کیا جائے اور اس کے ضائع ہو جانے سے معاملہ فسخ نہیں ہوگا۔

دوسری جہت اس میں ثمن نہیں ہونے کی ہے اس لیے کہ ایسی صورت میں سونے اور چاندی سے اس کی بیع صرف کہلاتی اور عوضین ہر مجلس میں قبضہ ضروری ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔

اذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم و نقد الثمن ولم تكن الفلوس عندالبائع فالبيع جائز.

جب کوئی شخص درہم کے بدلے فلوس خرید کرے اور نقد ثمن ادا کرے بائع کے پاس فلوس نہ ہوں تو بیع جائز ہے۔

اور فلوس کو یہ حیثیت اس لیے حاصل ہے کہ حکومت نے اس کو یہ اہمیت دی ہے اور اس کی قدر متعین کی ہے چنانچہ اگر حکومت ان سکوں کی حیثیت منسوخ کر دے یا اس کا چلنا بازار سے بند ہو جائے تو اب اس کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے گی یہاں تک کہ اگر کسی نے ایک درہم دیا اور اس سے چلتا ہوا سکہ (نافقہ) یا ایسا درہم خرید کیا جس پر چاندی کے مقابلہ میں کھوٹ غالب ہے پھر اس سے پہلے کہ بائع فلوس نافقہ حوالہ کرے' اس پیسوں کا چلن بند کر دیا گیا تو اب ایک درہم ذمہ قرض ہو جائے گا اور ایک درہم ہی واپس کرنا پڑے گا۔

اشترى بدراهم التي غلب عليه الغش وباالفلوس وكان كل منهما نافقاً حتى جاز البيع ولم يسلمها

فلوس یا ایسے درہم سے جس پر کھوٹ غالب ہو کوئی چیز خریدے اور اس وقت ان سکوں کا چلن رہے تو بیع درست ہو

المشتری الی البائع ثم کسد بطل البیع والانقطاع عن ایدی الناس لا یبطل البیع.

جائے گی اور اگر خریدار نے بائع کو حوالہ بھی نہ کیا کہ پھر اس کا چلن بند ہو گیا اب بیع باطل ہو جائے گی محض لوگوں کے ہاتھ سے اس کے ختم ہو جانے کے باعث بیع باطل نہیں ہو جائے گی۔

اسی طرح یہ فلوس نافقہ من وجہ ثمن ہیں اور من وجہ نہیں مناسب ہے کہ نوٹوں کے معاملہ میں بھی ایسی لچک اور وسعت اختیار کی جائے زکوٰۃ کی ادائیگی کے مسئلہ میں اس کو بعینہٖ تسلیم کیا جائے اور نوٹوں کی حوالگی اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کافی تصور کیا جائے چاہے اب وہ زکوٰۃ کا مال لے کر کسی کو قرض دے دے ہبہ کر دے یا اس سے ضائع ہو جائے مگر ادا کرنے والے کو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھا جائے اور قرض کے بارے میں روپے کی قدر کا لحاظ کیا جائے یعنی آج کسی نے بطورِ قرض ایک ہزار روپے لیے اور چار سال بعد اس کی ادائیگی ہوئی تو ایک ہزار روپے آج جس قدر سونے کی قیمت ہے اسی سونے کی قیمت ایک ہزار روپے کی صورت میں وصول کی جائے۔ (جدید فقہی مسائل ص ۲۳۴۔۲۳۶ مصنفہ سیف اللہ رحمانی دیوبندی)

مسئلہ: ثمن سے مراد عام ہے کہ وہ ثمن خلقی ہو یعنی اسی لیے پیدا کیا گیا ہو چاہے اس میں انسانی صنعت بھی داخل ہو یا نہ ہو چاندی سونا اور ان کے سکے اور زیورات یہ سب ثمن خلقی میں داخل ہیں۔ دوسری قسم غیر خلقی جس کو ثمن اصطلاحی بھی کہتے ہیں یہ وہ چیزیں ہیں کہ ثمنیت کے لیے مقروض مخلوق نہیں مگر لوگ ان سے ثمن کا کام لیتے ہیں ثمن کی جگہ پر استعمال کرتے ہیں جیسے پیسہ' نوٹ' نکل کی ریزگاریاں کہ یہ سب اصطلاحِ ثمن ہیں روپے کے پیسے بنائے جائیں یا ریزگاریاں خریدی جائیں یہ صرف میں داخل ہیں۔ (بہار شریعت حصہ گیارہ ص ۱۸۸ بیع صرف کا بیان مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز مصنفہ مولانا امجد علی بریلوی لاہور)

نوٹ کے متعلق غلام رسول سعیدی کی عبارت

کاغذی کرنسی کے بارے میں اوپر جو روایتیں ذکر کی گئی ہیں ہمارے نزدیک اختلافِ زمانہ کے لحاظ سے دونوں درست ہیں جس کی تشریح ہم پیچھے کاغذی کرنسی کی تاریخ اور اس پر گزرے ہوئے مختلف تغیرات کے بیان میں کر چکے ہیں لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں یہ کاغذی نوٹ قرض کی دستاویز شمار ہوتی تھی جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے دنیا میں بینک نوٹ (موجودہ کاغذی کرنسی) کا رواج بینک چیک کے رواج سے پہلے ہوا تھا اور یہ بینک نوٹ قرض خواہ کے پاس اس قرض کی سند سمجھا جاتا تھا جو قرض اس کا بینک کے ذمہ ہے اور اگر یہ نوٹ دوسرے شخص کو دے دیا جائے تو اس نوٹ کے تمام حقوق خود بخود اس دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جائیں گے لہٰذا دوسرا شخص جواب اس نوٹ کا حامل ہے خود بخود بینک کا قرض خواہ بن جائے گا اسی وجہ سے تمام مالی حقوق کو ان کے ذریعہ ادا کرنا حقیقی کرنسی کے ذریعہ ادا کرنے کی طرح ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور رقم کی بڑی مقدار کو ڈھلے ہوئے سکوں کے ذریعہ ادا کرنا بہت دشوار کام ہے اس لیے کہ اسے شمار کرنے اور پرکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کے نقل وحمل میں کافی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اس لیے اس کاغذی کرنسی کے استعمال نے شمار کرنے کی مشقت کو کم اور دوسری مشکلات کو سرے سے ختم کر دیا لیکن جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ان کاغذی نوٹوں پر تغیرات کے بیان میں بتایا کہ بعد کے زمانہ میں نوٹوں کی مندرجہ بالا حالت باقی نہیں رہی تھی بالکل ابتدائی دور میں یہ نوٹ سنار اور صراف کی طرف سے کسی خاص شخص کو اس کے جمع کیے سونے کی دستاویز کے طور پر جاری ہوتا تھا اس وقت اس کی نہ کوئی خاص شکل وصورت تھی اور نہ اس کو جاری کرنے والا ایک شخص ہوتا تھا اور نہ ہی کسی شخص کو اپنے حق کی وصولیابی میں اس نوٹ کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا بعد میں جب اس کا رواج زیادہ ہو گیا تو حکومت نے اس کو قانونی زر (Legal Tender) قرار دے دیا اور شخص' غیر سرکاری بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے منع کر دیا چنانچہ حکومت کی طرف سے

اس اعلان کے بعد اس نوٹ کی حیثیت دوسری مالی دستاویزات سے مندرجہ ذیل حیثیتوں سے مختلف ہو گئی۔

(۱) اب یہ نوٹ قانونی زر کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور دوسری عرفی ثمن کی طرح لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر بھی مجبور کر دیا گیا ہے جبکہ دوسرے مالی دستاویز مثلاً بینک چیک کو اپنے قرض کی وصولیابی میں قبول کرنے پر کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاتا باوجودیکہ بینک چیک کا رواج بھی عام ہو چکا ہے۔

(۲) یہ نوٹ غیر محدود زر قانونی (Legal Tender) کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں جبکہ دھاتی کرنسی محدود زر قانونی ہے اس لیے ان نوٹوں کے ذریعہ قرض کی بڑی سے بڑی مقدار کی ادائیگی ممکن ہے اور قرض خواہ اس کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا بخلاف دھاتی سکوں کے قرض کی بڑی مقدار کو اگر کوئی شخص اس کے ذریعہ ادا کرنا چاہے تو قرض خواہ اس کو ادا کرنے سے انکار کر سکتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کاغذی نوٹ میں لین دین میں رواج کی کثرت لوگوں کے اس پر زیادہ اعتماد اور اس کی قانونی حیثیت کی وجہ سے دھاتی کرنسی پر بھی برتری حاصل کر لی ہے۔

(۳) قرض کی دستاویز ہر شخص جاری کر سکتا ہے اس میں شرعاً اور قانوناً کوئی ممانعت نہیں کہ قرض خواہ یہ سند اپنے دین کی ادائیگی میں دوسرے قرض خواہ کو دے دے اور دوسرا قرض خواہ تیسرے قرض خواہ کو دے دے لیکن یہ نوٹ حکومت کے علاوہ ہوں کوئی اور شخص جاری نہیں کر سکتا جیسے دھاتی کرنسی حکومت کے علاوہ کوئی جاری نہیں کر سکتا۔

(۴) دنیا کے تمام ممالک میں عرفاً اور قانوناً نوٹوں کے لیے کیش، ثمن اور کرنسی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جبکہ دوسرے مالی دستاویزات کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔

(۵) لوگ آپس میں ان نوٹوں کا لین دین اس اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں جس اعتماد کے ساتھ دھاتی کرنسی کا لین دین کرتے ہیں اور ان نوٹوں کے لین دین کے وقت لوگوں کو کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ قرض کا لین دین کر رہے ہیں آج کوئی شخص ایسا موجود نہیں ہے جو ان نوٹوں کو اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہو کہ ان کے ذریعے سونے چاندی یا دھات کے سکے حاصل کرے گا۔

(۶) جیسا کہ اس کاغذی کرنسی کے ارتقاء میں پیچھے ذکر کیا گیا کہ اب ان کاغذی نوٹوں کی پشت پر کوئی سونا چاندی سرے سے موجود نہیں ہے اور نہ ایسے سونے میں تبدیل کرنا ممکن ہے حتیٰ کہ ملکوں کے درمیان آپس کے لین دین میں بھی اس کا امکان باقی نہیں رہا چنانچہ جیفرے کراؤ تحریر لکھتا ہے کرنسی نوٹوں پر جو یہ عبارت لکھی ہوتی ہے حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا اب اس عبارت کا کوئی مقصد اور کوئی معنی باقی نہیں رہے اس لیے کہ اب موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں کی کسی بھی مقدار کو سونے میں تبدیل کرانے کی کوئی صورت نہیں چاہے ان نوٹوں کی مقدار سترہ پونڈ یا اس سے زیادہ بھی کیوں نہ ہو اب موجودہ دور میں یہ کرنسی نوٹ ایک کاغذ کا پرزہ ہے جس کی ذاتی قیمت کچھ بھی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اس پونڈ کو برطانیہ کے مرکزی بینک میں لے جا کر اس کے بدلہ میں سونے یا کرنسی کا مطالبہ کرے تو وہ بینک یا تو علاقائی سکے دے دے گا یا اس کی بجائے دوسرے نوٹ پکڑا دے گا لیکن یہ کاغذی نوٹ برطانیہ کے تمام جزائر میں کیش ہی کی طرح قبول کیے جاتے ہیں اس لیے اب اس کے بدل کے مطالبہ کی ضرورت نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ نوٹ پر لکھی ہوئی تحریر کا مطلب صرف اشارہ گیا ہے کہ حکومت اس نوٹ کی ظاہری قیمت کی ضامن ہے اور اس کی ظاہری قیمت اس کی قوت خرید ہی کا دوسرا نام ہے یہی وجہ ہے کہ بینک اس کے بدلہ میں سونا چاندی اور دوسرے دھاتی سکے دینے کا پابند نہیں ہے چنانچہ بعض اوقات بینک مطالبہ کے وقت اس کے بدلہ میں اس کی ظاہری قیمت ہی کے برابر دوسرے نوٹ ادا کر دیتا ہے حالانکہ نوٹ کے بدلہ میں نوٹ ادا کرنے کو قرض کی ادائیگی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے ایک کرنسی کو دوسری کرنسی سے تبدیل کر کے دے دیا ہے اور مرکزی بینک نوٹوں کی یہ تبدیلی بھی صرف اس مقصد کے

لیے کرتا ہے تاکہ نوٹوں پر لوگوں کا اعتماد برقرار رہے اس تبدیلی کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ یہ نوٹ کرنسی کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔ بہر حال مندرجہ بالا بحث سے واضح ہو گیا کہ فقہی اعتبار سے یہ نوٹ اب قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ فلوسِ نافع کا مروجہ سکوں کی طرح یہ علامتی کرنسی کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔

جس طرح فلوسِ نافقہ کی ظاہری قیمت ان کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے اور لوگوں میں ان نوٹوں کے ذریعہ دین کا رواج فلوسِ نافقہ ہی کی طرح ہو گیا ہے بلکہ موجودہ دور میں دھاتی سکوں کا وجود بھی نادر ہو چکا ہے لہٰذا ان نوٹوں کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ اس کے ذریعہ زکوٰۃ فی الفور ادا نہیں ہوگی یا ایک کرنسی نوٹ کی دوسرے نوٹ میں تبدیلی کو یہ کہہ کر ناجائز قرار دینا کہ یہ بیع الکالی بالکالی کے قبیلہ سے ہے یا ان نوٹوں کے ذریعہ سونے چاندی کی خریداری کو اس لیے ناجائز قرار دینا کہ یہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں دونوں طرف سے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے جو یہاں نہیں پایا گیا ان تمام باتوں میں ناقابل تحمل حرج لازم آتا ہے حالانکہ اس قسم کے معاملات میں شریعت مروجہ عرف عام کو معتبر مانتے ہوئے اس میں سہولت اور آسانی پیدا کر دیتی ہے اور ایسے فلسفیانہ نظریہ کی دقیق بحثیوں میں نہیں الجھتی جن کا عملی زندگی پر کوئی اثر موجود نہ ہو۔ (وللہ الحمد) بہر حال مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ کاغذی نوٹ کرنسی کے حکم میں ہیں۔

(شرح مسلم مصنفہ غلام رسول سعیدی جلد رابع ص ۳۶۰۔۳۶۲ مطبوعہ فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور پاکستان)

مذکورہ چار عدد علماء کی عبارات کا ترتیب وار خلاصہ

(۱) مولوی عبدالحئی کی عبارت کا خلاصہ چند امور میں ---

امرِ اول: نوٹ اگرچہ خلقی ثمن نہیں مگر عرف میں عینِ ثمن سمجھا جاتا ہے۔

امرِ دوم: ہلاکت کی صورت میں پوری رقم دینی لازم آتی ہے کہ جتنی اس پر لکھی ہوئی ہے نہ کہ فقط کاغذ کی قیمت۔

امرِ سوم: تفاضل اس میں حرام اور سود ہے۔

امرِ چہارم: یہ وہم ہے کہ نوٹ جب ثمن خلقی نہیں تو پھر اس کو ثمن کیسے شمار کر سکتے ہیں کیونکہ عرف شرع میں معتبر ہے اور عرف میں نوٹ ثمن شمار کیے جاتے ہیں اسی لیے اس سے تمام کام پورے کیے جاتے ہیں۔

(۲) سیف اللہ رحمانی کی عبارت کا خلاصہ دو امر میں ---

امرِ اول: اشرف علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع نوٹ کو ایک رسید اور وثیقہ سمجھتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی جس کا معنی یہ ہے کہ یہ کاغذ ایک مالی چیز ہے جتنے کا ہے اتنی ہی اس کی قیمت ہے۔ جس کی وضاحت یوں سمجھئے اگر ہزار کا نوٹ ہے مگر اصل کاغذ ایک پیسہ کا ہے تو وہ ایک پیسہ کا ہی شمار ہوگا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس میں تفاضل جائز ہے۔

امرِ دوم: سیف اللہ رحمانی صاحب ان دونوں حضرات کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''نوٹ ثمن عرفی ہے اگرچہ حقیقی نہیں جیسے کہ فلوس اگرچہ ثمن خلقی نہیں مگر فقہاء نے ان کو ثمن کا درجہ دیا ہے کہ جس طرح ثمن متعین نہیں ہوتے اسی طرح فلوس بھی متعین نہیں ہوتے تو جب فلوس عدم تعین کی وجہ سے ثمن میں فقہاء نے شمار کیا ہے تو نوٹ کی بھی تو یہی حالت ہے اور دوسرا جیسے حکومت نے فلوس کی قیمت کو متعین کیا ہے کہ وہ اسی قیمت میں معتبر ہے جتنے کا اس کو حکومت نے لکھا اسی طرح نوٹ پر بھی جتنا حکومت نے لکھا ہوا ہے اتنا ہی وہ معتبر اور شمار ہوتا ہے لہٰذا جیسے فلوس سے زکوٰۃ وغیرہ کا ادا کرنا جائز ہے اسی طرح نوٹ کے ذریعہ بھی زکوٰۃ وغیرہ کا ادا کرنا جائز ہے۔

(۳) بہارِ شریعت کی عبارت کا خلاصہ

نوٹ اگرچہ خلقی ثمن نہیں مگر عرفی ثمن ہونے کی وجہ سے اس پر ثمن کے سے ارکان جاری کیے جائیں گے تو جب ان کو عرفی ثمن شمار

کیا جاتا ہے تو پھر یہ بیع صرف میں داخل ہو جائیں گے یعنی جیسے بیع صرف میں اتحاد مجلس ضروری ہے اور کمی بیشی جائز نہیں اسی طرح ان میں بھی ان دو چیزوں کو ضروری سمجھا جائے گا۔

(٤) غلام رسول سعیدی کی عبارت کا خلاصہ چار امور میں ـــــ

امر اول: نوٹ قانونی زر کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ جیسے دوسرے ثمنوں کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے ان کو بھی قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

امر دوم: نوٹ کو قرض کی دستاویز پر محمول نہیں کرنا چاہیے کیونکہ قرض کی دستاویز کو تو ہر شخص جاری کر سکتا ہے مگر نوٹ کو سوائے حکومت کے کوئی جاری نہیں کر سکتا جیسے دھاتی کرنسی کو حکومت کے بغیر کوئی جاری نہیں کر سکتا۔

امر سوم: نوٹ پر کیش' ثمن اور کرنسی کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اس لیے ان کو دستاویز کہنا صحیح نہیں کیونکہ دستاویز پر ثمن اور کرنسی' کیش کے الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔

امر چہارم: فقہی اعتبار سے یہ نوٹ اب دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ جاری شدہ سکوں کی حیثیت رکھتا ہے جیسے سکوں کی قیمت ظاہری کہ جس پر اس کو حکومت نے جاری کیا ہے اصل قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے اسی طرح نوٹ کی قیمت بھی حکومت کے تعین سے اصلی کاغذ کی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے فلوس کو جب فقہاء نے ثمن قرار دیا ہے تو پھر نوٹ کو تو اس زمانہ میں فلوس سے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس میں بوجھ کی بھی کمی ہے اور حفاظت میں بھی آسانی ہے۔

تو قارئین کرام! مذکورہ چار علماء کی عبارات کے خلاصے آپ نے پڑھ لیے جن کو میں نے ضبط کے آسان ہونے کے لیے امور کی صورت میں پیش کیا اور دوسرا علماء کی عبارات میں جو علمی جملے استعمال کیے گئے ہیں ان کو آسان عبارت میں پیش کیا تا کہ کم علم احباب بھی اس نوٹ کے مسئلہ کو بآسانی سمجھ سکیں آپ نے دیکھ لیا موجودہ دور کے علماء میں سے ایک اشرف علی تھانوی' مفتی محمد شفیع صاحبان کے علاوہ دوسرے سب علماء نے اسی پر اکتفا کیا ہے کیونکہ اب زندگی اور معیشت کا بقاء اس نوٹ کے لین دین پر ہے کیونکہ کوئی معاملہ ان کے بغیر نہیں چل سکتا اسی لیے ان سب علماء نے نوٹ کو ثمن شمار کیا ہے اور یہ چاروں علماء فقہ حنفی سے تعلق رکھتے ہیں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ائمہ اربعہ کی رائے بھی اس نوٹ کے بارے میں پیش کروں تا کہ اس نوٹ کے مسئلہ کی آخری وضاحت سامنے آ جائے اس لیے میں "کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ" مصنفہ عبدالرحمن جزیری کی ایک عبارت نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ کی عبارت

جمہور علماء کے نزدیک کاغذ کے کرنسی نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے کیونکہ عام کاروبار میں سونے' چاندی کی جگہ ان سے کام لیا جاتا ہے اور ان کا لین دین چاندی کی بجائے بغیر کسی دشواری کے ممکن ہے لہٰذا یہ امر قرین عقل نہیں ہے کہ لوگوں کے پاس کرنسی کے نوٹوں کی شکل میں مال جمع ہو جس کا چاندی کے نصاب سے تبادلہ ممکن ہو لیکن اس کی زکوۃ نہ نکالی جائے چنانچہ تین ائمہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے صرف حنابلہ کو اختلاف ہے اس بارے میں مختلف مسالک کی تفسیر یہ ہے کہ شافعی کہتے ہیں کہ کاغذی کرنسی جس کو بنکوت (بینک نوٹ) کہتے ہیں اس کا معاملہ ایسا ہے جیسے وہ رقم (جتنے کی وہ کرنسی ہے) بینک کے سپرد کی گئی ہو لہٰذا جس قیمت کا کاغذی نوٹ ہے بینک کے ذمہ اسی قدر واجب الادا ہو جاتی ہے اور بینک ایک طویل المیعاد قرض دار ہوتا ہے جس کو قرض کا اقرار ہے اور جو فوری طور پر ادائیگی کے لیے تیار ہے اب قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی مقروض میں یہ صفات ہوں تو دیئے ہوئے قرضے کی رقم پر زکوۃ اسی وقت سے واجب ہو جاتی ہے واضح ہو کہ یہاں سپردگی رقم کا یہی طریقہ عام طور پر رائج ہو وہاں لفظی ایجاب وقبول نہ ہونے سے تحویل (سپردگی رقم) باطل نہیں ہوتی ... شافعیہ ... کا یہ ... ہے ... اور ... ایسا قول باطل ہے جس سے با بھی

رضامندی ظاہر ہو اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں باہمی رضامندی ثابت ہے حنفیہ کہتے ہیں کاغذی کرنسی بینک کے نوٹوں کی حیثیت قرضے قوی کی سی ہے لیکن (صرف یہ فرق ہے) اس کو چاندی کی طرح فوری طور پر صرف میں لانا ممکن ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ بھی فوری طور پر واجب ہو جائے گی۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ بینک کا نوٹ اگر چہ قرض کے تمسک کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اسے چاندی کی طرح ہر وقت صرف میں لایا جا سکتا ہے لہٰذا کاروباری لحاظ سے وہ سونے کا قائم مقام ہے لہٰذا اس کی زکوٰۃ فوری طور پر واجب ہے حنابلہ کہتے ہیں کاغذی نوٹ پر زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ اسے سونے یا چاندی میں منتقل نہ کیا جائے اور پھر اس میں زکوٰۃ کی سابقہ شرائط موجود ہوں۔

(کتاب الفقہ علی مذہب الاربعہ ج اص ۹۸۴-۹۸۵ کاغذ کے نوٹوں پر زکوٰۃ عائد ہونے کا بیان' مطبوعہ علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور پاکستان)

قارئین کرام! قریبی دور کے علامہ جزیری کی تحریر آپ نے پڑھ لی جس میں انہوں نے ائمہ اربعہ کی عبارات کو ان کے قانون اور ضابطہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے مسالک کو نوٹ کے بارے میں نقل کیا کیونکہ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں نوٹ کا رواج نہ تھا اس لیے ان کے مذاہب کا ذکر نوٹ کے بارے میں جو علامہ جزیری نے کیا ہے تو ان کے قانون اور ضوابط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کے جزئیات کہ جن کو انہوں نے اپنے استنباطی قواعد کے مطابق ذکر کیا ہے ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ سوائے امام احمد بن حنبل کے دوسرے تینوں ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کاغذ کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے سوائے امام احمد بن حنبل کے کہ وہ کاغذی نوٹوں پر زکوٰۃ کو واجب قرار نہیں دیتے بہر صورت جمہور فقہاء کے نزدیک یہ کاغذی نوٹ ثمن عرفی ہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور ان کے ساتھ زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی جائز ہے اب آخر میں فقیر اپنی طرف سے ان جمہور فقہاء کی عبارات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نتیجہ ذکر کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ سے متعلق مصنف کی رائے

موجودہ دور میں دو قسم کے علماء پائے گئے ایک تو وہ ہیں جنہوں نے نوٹ کے ابتدائی اجراء کا زمانہ پایا تو اس وقت نوٹ کے مقابلہ میں دھاتی سکوں کا زیادہ رواج تھا جن میں مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد ملت امام احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے انہوں نے نوٹ کو ثمن کی حیثیت نہیں دی اور نہ ہی اس کو عرفی ثمن کیا کیونکہ اس وقت عرف عام میں نوٹوں کا زیادہ چلن نہ تھا بلکہ دھاتی سکوں کا رواج تھا اس لیے انہوں نے ان میں تفاضل کو جائز قرار دیا لیکن اس کے بعد آنے والے علماء جیسے اب موجودہ دور میں جبکہ کاغذی نوٹوں کی حیثیت پہلے سے بہت زیادہ تبدیل ہو چکی ہے انہوں نے اس نوٹ کو ثمن عرفی قرار دیتے ہوئے بیع صرف میں داخل کر دیا اور فقیر کے خیال میں غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ فقہاء کہ جنہوں نے تفاضل کو ان میں جائز قرار دیا ہے اگر وہ ہمارے اس موجودہ دور میں حیات ظاہری کے ساتھ زندہ ہوتے اور کرنسی کی تبدیلی کا مشاہدہ کرتے تو وہ اس کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے تفاضل کی حرمت کا فتویٰ دیتے اور اب تو یہ مسئلہ نوٹوں کے بارے میں مختلف فیہ سامنے آ رہا ہے لیکن متقدمین فقہاء کے زمانہ میں جب فلوس کا چلن ہوا تو اس وقت بھی ان فقہاء میں اختلاف ہوا بعض نے ان کو سونے چاندی کی طرح ثمن نہ سمجھتے ہوئے ان میں تفاضل کو جائز قرار دیا اور بعض نے اس کو حرام قرار دیا اسی اختلاف کو صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے اور پھر اس اختلاف کو محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے ''فتح القدیر شرح ہدایہ'' میں یوں نقل کیا۔

(مشائخنا) یعنی مشائخ ماوراء النهر من بخارا و سمرقند (لم یفتوا بجواز ذالک) ای بیعها بجنسها متفاضلاً (فی العدالی والغطارفه) مع ان

ہمارے مشائخ یعنی مشائخ ماوراء النہر بخارا اور سمرقند کے انہوں نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا یعنی ان فلوس کے بجنسہا بیع میں تفاضل کو جائز نہیں رکھا عدالی اور غطارفہ اس قسم کے دو سکے تھے کہ

الغش فيها اكثر من الفضة (لانها اعز الاموال فی دیارنا فلو ابيح التفاضل فيها ينفتح باب الربا) الصريح فان الناس حينئذ يعتادون التفاضل فی الاموال النفيسة. فيتدرجون الى ذالک فی النقود الخالصة فمنع ذالک حسما لمادة الفساد.

(فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۵ ص ۳۸۲ کتاب الصرف مطبوعہ مصر)

جن میں چاندی بہت کم اور کھوٹ زیادہ ہوتا تھا کیونکہ ہمارے شہروں میں ان سکوں کو بہت معزز مال سمجھا جاتا ہے اس لیے ان میں کمی و زیادتی کو جائز قرار دینے سے سود کا دروازہ کھل جائے گا اور کیونکہ لوگ اموال نفیسہ میں تفاضل کی عادت بنالیں گے تو پھر وہ آہستہ آہستہ نقود خالصہ کی طرف بھی بڑھیں گے (یعنی ان میں بھی تفاضل کو جائز سمجھنے لگیں گے) اس لیے فساد کی جڑ کو کاٹنے کے لیے ان میں تفاضل کو منع کیا گیا ہے۔

تو قارئین کرام! جس طرح فلوس کے چاندی کے ابتداء زمانہ متقدمین میں اختلاف ہوا اور بعض علماء نے جب دیکھا کہ ان کا چلن عام فہم ہو چکا ہے تو انہوں نے ان میں تفاضل کے جائز قرار دینے کو سود کے دروازہ کو کھولنے کا سبب قرار دیا اسی طرح اس موجودہ دور میں کہ سب کاروباری معاملات اسی کاغذی نوٹ پر موقوف ہیں کہ جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے یہ مال خریدا ہے یعنی اس کے بدلہ نوٹ نہیں لیتا بلکہ سونا' چاندی لوں گا لہٰذا تم پہلے نوٹوں سے سونا چاندی خریدو پھر وہ مجھے دو پھر میں لوں گا جب یہ نوٹوں کے تصرف کی اس قدر کثرت ہو چکی ہے دھات کے سکے تو کجا' سونے' چاندی کے سکے لینے کو بھی تیار نہیں یعنی اگر اب سونے چاندی کے سکے تیار ہوں تو ان کو بھی لوگ بوجھ اور حفاظت کی مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے نوٹ کو ترجیح دیں گے اسی لیے موجودہ دور کے علماء نے ان نوٹوں کو عرفی ثمن قرار دیا یہی زیادہ صحیح اور قرینِ قیاس ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

نوٹ: مذکورہ باب' باب الصرف کے آخر میں ایک بات قابل وضاحت رہ چکی ہے جس کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس باب میں یہ اثر گزرا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونے یا چاندی کا برتن اس کے وزن سے زیادہ کے عوض فروخت کیا تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا یہ ناجائز ہے کیونکہ اس سے رسول اللہ نے منع فرمایا ہے جس کے جواب میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔

اعتراض: مذکورہ واقعہ سے معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ جب ابودرداء رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بیع سے منع کرتے ہوئے حضور ﷺ کی حدیث پیش کی تو اس کے مقابلہ میں امیر معاویہ کا فرمانا ''ما اری به باسا' میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا'' یہ فرمانِ رسول کی مخالفت ہے خصوصاً جن لوگوں کے دل میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہے وہ ایسے اعتراضات تلاش کرتے ہیں تو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کی قدرے وضاحت کر دوں تاکہ بھولے بھالے لوگوں کو دشمنانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دھوکہ نہ دے سکیں۔

تو قارئین کرام! اصل صورت حال یہ ہے کہ رسول اللہ کی حدیث تو یہ ہے کہ سونا' سونے کے مقابلہ میں چاندی' چاندی کے مقابلہ میں برابر برابر فروخت کیا جائے جس کے لیے اتحادِ مجلس بھی شرط ہے لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ تادم آخر اس بات پر افسوس کرتے رہے کہ میں سود کے تمام ابواب کی تفصیل نہیں پوچھ سکا اس لیے بعض صورتیں ایسی پیش آئیں جن میں صحابہ کرام کے تابعین کو ان کے حل کرنے کی ضرورت پیش آئی جیسے تلوار اور ہار وغیرہ جبکہ ان پر سونے کا جڑاؤ کیا جائے اور اس کو اتارنے میں نقصان ہو تو بعض صحابہ اور تابعین نے یہ فیصلہ کیا کہ مثلاً تلوار پر پانچ تولے سونا جڑاؤ کیا گیا ہے یا پانچ تولے کے ہار میں موتیوں کا جڑاؤ کیا گیا ہے ان صورتوں میں پانچ تولہ سے زیادہ کی قیمت پر تلوار یا ہار کو بیچنا جائز ہے تاکہ سونے کا معاوضہ سونے کے بدلہ میں اور

باقی زائد قیمت اس تلوار یا ان موتیوں کے بدلہ ہو جائے تو یہ جائز ہے جس پر کثیر کتب احادیث میں آثار موجود ہیں چند ایک یہاں نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

عن شعبه قال سالت عن حماد عن سيف المحلى يباع بالدراهم فقال لا بأس به وقال الحكم اذا كانت الدراهم اكثر من الحلية فلا بأس به..... عن مغيره ابن حنين قال سالت علياً عن مصنف من ذهب مخلوطاً بفضة اتباع بالفضة قال فقال هكذا برأسه اى لا بأس به..... عن ابى معشر عن ابراهيم انه كان لا يرى باساً اذا كان الثمن اكثر من الحلية ويكره اذا كان الثمن اقل من الحلية.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۶ ص ۵۶۔۵۷ فی السیف المحلی والمنطقہ المحلات' مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی پاکستان)

شعبہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت حماد سے زیور سے جڑی ہوئی تلوار کے بارے میں سوال کیا۔ اگر بیچی جائے دراہم کے بدلہ میں تو فرمایا اس میں کوئی خوف نہیں۔ اور کہا حکم نے جب دراہم زیادہ ہوں زیور سے تو اس میں کوئی خوف نہیں..... مغیرہ ابن حنین کہتے ہیں ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا! سونے اور چاندی سے مخلوط سونے کو کیا چاندی کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا: کوئی ہرج نہیں۔ ابو معشر ابراہیم سے روایت کرتے ہیں اور کوئی خوف نہ سمجھتے اس بات میں جب زیور ثمن سے زیادہ ہوں اور مکروہ سمجھتے کہ جب ثمن زیورات سے کم ہو۔

قال عبدالرزاق قال الثورى وقولنا اذا باعه لاكثر مما فيه فلا بأس به... عن حماد عن ابراهيم قال اذا كانت الحلية اقل من الثمن فلا بأس به. (مصنف عبدالرزاق ج۸ ص۶۹ باب السیف المحلی والخاتم والمنطقہ حدیث نمبر ۱۴۳۴۵۔۱۴۳۴۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ثوری کہتے ہیں ہمارا قول یہ ہے کہ جب سونے سے مرکب چیز کو زیادہ سونے کے عوض فروخت کیا جائے اس میں کوئی ہرج نہیں..... حماد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں جب مرکب (میں) زیور ثمن سے کم ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حدثنا ابو عاصم عن مبارک عن الحسن انه كان لايرى بأساً ان يباع السيف المفضض بالدراهم باكثر مما فيه تكون الفضة بالفضة والسيف بالفضل...عن ابى معشر عن ابراهيم انه قال فى بيع السيف المحلى اذا كانت الفضة التى فيه اقل من الثمن فلا بأس بذالک.....عن عامر ابن شعبى قال لابأس بيع السيف المحلى بالدراهم لان فيه حمائله وجفنه ونصله.

(طحاوی شریف ج۲ ص ۷۶۔۷۷ کتاب الصرف باب الربوا کتاب الحبس ماقبل متصل۔ مطبوعہ بیروت' طحاوی شریف ج۲ ص ۲۶۳' مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی پاکستان)

حدیث بیان کی ہمیں مبارک سے انہوں نے حسن سے اور وہ کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے اس بات میں کہ جڑاؤ شدہ تلوار کو زیادہ دراہم کے عوض فروخت کیا جائے چاندی' چاندی کے عوض اور باقی دراہم کے عوض تلوار ہوگی۔ ابو معشر ابراہیم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: جب جڑاؤ تلوار کی چاندی ثمن کی چاندی سے کم ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے..... عامر شعبی سے روایت فرماتے ہیں جڑاؤ تلوار کو دراہم کے بدلہ بیچنا اس میں کوئی خوف نہیں کیونکہ تلوار میں اس کا غلاف اور خول اور اس کا پھالا ہے۔

تو قارئین کرام! مذکورہ روایات میں اس بات کو صراحت سے ذکر کیا گیا ہے صحابہ کرام اور تابعین نے ایسی تلوار کے متعلق کہ جس پر سونے یا چاندی کا جڑاؤ ہو دراہم کے بدلہ میں بیچنے کو جائز قرار دیا جبکہ تلوار کے ساتھ چاندی' سونا لگا ہوا ہے وہ اس وزن سے کم ہو جو

دراہم و دنانیر کا ہے اس کے جواز کی وجہ ان متقدمین نے یہ بیان فرمائی مثلاً جو تلوار پر چاندی لگی ہوئی ہے اس کے برابر وہ چاندی کے دراہم اسی وزن کے ساتھ مقابلہ میں لائے جائیں گے باقی جو دراہم بچیں گے وہ اس تلوار کے بدلہ میں ہو جائیں گے اسی طرح جو تلوار پر سونا لگا ہوا ہے اس کے مقابلہ میں جن دنانیر سے فروخت کیا جا رہا ہے یہ بیع جائز ہے بشرطیکہ دنانیر اس سے زیادہ ہوں جو تلوار پر سونا لگا ہوا ہے کیونکہ جتنا سونا تلوار پر لگا ہوا ہے اس کے مقابلہ میں اتنا سونا کاٹ لیں گے جو دنانیر میں ہے اور جو دنانیر زائد ہیں ان کو اس تلوار اور اس کے خول سے اور اس کے بھالے کے مقابلہ میں لے آئیں گے۔

قارئین کرام! بات سمجھنے والی یہ ہے کہ تابعین اور صحابہ کا یہ اجتہادی فیصلہ ہے اگرچہ حدیث میں آیا ہے جو تلوار سونے' چاندی سے جڑی ہو اس کو بیچنا ہو تو اس تلوار سے اسے جدا کیا جائے لیکن مجتہدین امت' متقدمین نے اس کی اجازت دے دی کہ یہ بیع جائز ہے تلوار کو سونے سے جدا کرنے کے بغیر کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اصل رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے جو بیع صرف میں برابری' برابری کا اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے یعنی سونا دے کر سونا زائد لینا جائز نہیں اس لیے چاندی کو زائد چاندی کے عوض بیچنا جائز نہیں تو جب تلوار محلی ہو یا اس قسم کی کوئی اور چیزیں محلی ہوں اور ان پر جتنی چاندی' سونا لگا ہوا ہے اس کا وزن معلوم ہو اب اس کے بیچنے میں کوئی دقت نہیں کیونکہ مثلاً تلوار پر دس تولے سونا چڑھا ہوا ہے تو اس تلوار کو کہ جس پر دس تولے سونا چڑھا ہوا ہے بارہ تولے سونے کے بدلہ بیچنا جائز ہے کیونکہ تلوار پر جو دس تولے سونے چڑھا ہوا ہے اس کے بدلہ میں وہ دس تولے سونا آ جائے گا جو دنانیر کی شکل میں ہے اور باقی دو دنانیر اس تلوار اس کا خول اور بھالے وغیرہ کے مقابلے میں ہو جائے گا تو اس طرح کرنے سے قطعاً سود لازم نہیں آتا اور نہ ہی مخالفت حدیث رسول ﷺ لازم آتی ہے رہی یہ بات کہ سونے کا ایک برتن ہے اس کا وزن دس تولے ہے تو کیا اس کو بارہ تولے سونے کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ جمہور کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے مگر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے جائز قرار دیا انہوں نے اس مسئلہ کو تلوار کے مسئلہ پر قیاس کیا جبکہ تلوار محلی اس پر لگے ہوئے سونے' چاندی کے مقابلہ میں زیادہ سونا' چاندی لینا جائز ہے کیونکہ اس میں زائد سونے کے مقابلہ میں تلوار ہے اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سونے اور سونے کے برتن میں ہے کہ اگر برتن دس تولے ہے اور وہ بارہ تولے سونے سے فروخت کرتا ہے اس کے جواز کی وجہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ ہے کہ برتن کا دس تولے سونا' دس تولے دنانیر کے عوض' اور دو دنانیر اس کی بناوٹ' کاریگری وغیرہ کے عوض ہو جائیں گے لہٰذا بیع مذکورہ جائز ہے جمہور علماء کے نزدیک چاندی کے برتن کی ذات میں جب کل سونا دس تولے ہے یعنی برتن کی ذات میں ہی کوئی چیز زائد نہیں تو اسے بارہ تولے سونے کے عوض بیچنا جائز نہیں ہے۔

تو اب قارئین کرام! آپ نے سمجھ لیا کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور اس میں جواز کی جو میں نے وجہ ذکر کی ہے یہ علامہ ابن رشد اندلسی نے اپنی مشہور کتاب "بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد" میں یوں نقل کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

واجمع الجمهور على ان مسكوكه وتبره ومصوغه سواء في منع بيع بعضه ببعض متفاضلاً لعموم الحديث المتقدمة في ذالك الا معاوية فانه كان يجيز التفاضل بين التبر والمصوغ لمكان زيادة الصياغة والا ما روى عن مالك سئل عن الرجل يأتي دار الضرب بورقه فيوتيهم اجرة الضرب ويأخذ منه دنانير و دراهم وزن ورقه او دراهمه

جمہور نے اجماع کیا اس بات پر کہ سونے چاندی کا سکہ اس کا ٹکڑا اس کی بنی ہوئی کوئی چیز' برابر ہیں اس بات میں کہ بعض کی بعض کے ساتھ بیع متفاضلاً جائز نہیں ہے عموم حدیث کے لیے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سونے کے ٹکڑے اور سونے سے بنی ہوئی کوئی چیز کے درمیان متفاضل بیع کو جائز سمجھتے ہیں اس لیے سونے سے بنی ہوئی چیز میں بناوٹ کی زیادتی پائی گئی ہے دوسری وہ روایت جو امام مالک سے ذکر کی گئی ان

فقال اذا كان ذالك لضرورة فروج الرفقة و نحو ذالك فارجوا ان لا يكون به بأسا وبه قال ابن القاسم من اصحابه. (بدایۃ المجتہد ج ۳ ص ۱۴۸ کتاب الصرف المسئلہ الاولیٰ مطبوعہ مکتبہ علمیہ لاہور پاکستان)

سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ سنار کی دکان پر اپنی چاندی لے کر آتا ہے اور اجرت دے کر اس سے کوئی چیز بنواتا ہے اور پھر پکڑتا ہے ان کے بدلہ میں دنانیر اور دراہم جو اس کی چاندی کے برابر یا اس کے دراہم کے برابر تو فرمایا جبکہ ہو یہ کسی ضرورت کی وجہ سے تو جس سے وہ آسانگی کی طرف نکل سکتا ہے وغیرہ ذالک۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اس میں کوئی خوف نہیں امام مالک کے ساتھیوں میں سے ابن قاسم کا بھی یہی قول ہے۔

تو قارئین کرام! ''بدایۃ المجتہد'' کی یہ عبارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو ثابت کر رہی ہے بلکہ امام مالک بھی بوقت ضرورت اس کے جواز کی امید رکھتے ہیں جو اس بات کی واضح گواہی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر گواہی دینا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے' غلط ہے اس کے علاوہ ''مؤطا امام محمد'' کی روایت میں آپ پڑھ چکے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو سن کر مدینہ شریف میں جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آگے اس کی شکایت کی تو آپ نے ان کی بات سن کر حضرت امیر معاویہ کو لکھا اس طرح فروخت نہ کریں بلکہ ہم وزن فروخت کریں تو اس سے زائد کوئی چیز اثر میں مذکور نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی بہرصورت اصول حدیث کے اعتبار سے یہ اثر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر طعن نہیں بن سکتا اگرچہ طعن بنانے والے اسے سو بار طعن بنائیں کیونکہ اصول حدیث میں موجود ہے ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں جس کی دلیل مشکوٰۃ شریف کی وہ حدیث ہے جب بعض لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس کے پاس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکایت کی کہ وہ وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کو ڈانٹ دیتے ہوئے فرمایا ''دع فانه فقيه اس ذکر کو چھوڑ وہ فقیہ ہیں'' یعنی وتر کی رکعت میں جب اختلاف ہے ایک' تین' پانچ' سات وغیرہ احادیث میں مذکورہ ہے تو مجتہد کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اپنی رائے کے ساتھ حدیث کا مفہوم سمجھے لہٰذا اس پر کسی دوسرے کی تقلید ضروری نہیں تو مذکورہ اثر سے جو لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معرضِ طعن بناتے ہیں یا تو وہ اصولِ حدیث سے ناواقف ہیں یا ان کے سینے میں ازلی بدبختی کی عداوت ان کے بارے میں بیٹھی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے صحابہ کرام اور اہل بیت کے متعلق حسن ظن رکھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے: سیدھا راستہ وہ ہے ''ما انا علیه و اصحابی جس پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں'' اور دوسرا آپ نے فرمایا ''صحابی کالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم'' گویا یہ دو احادیث بغیر کسی امتیاز کے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے ہوں یا بعد میں لائے ہوں سب کے حق میں صریح الدلالۃ ہیں صحیح راستہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے احکامِ شریعت میں لکھا! جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر طعن کرتا ہے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۶۶- بَابُ الرِّبٰوا فِيْمَا يُكَالُ اَوْ يُوْزَنُ

ناپ تول کی چیزوں میں سود کا بیان

۸۰۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ اَنَّهٗ سَمِعَ

ہمیں امام مالک نے ابوالزناد سے خبر دی کہ انہوں نے سعید

سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ لَا رِبٰوا اِلَّا فِيْ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ اَوْ مَا يُكَالُ اَوْ يُوْزَنُ مِمَّا يُؤْكَلُ اَوْ يُشْرَبُ.

بن مسیب رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا سود صرف سونے یا چاندی یا ناپی جانے والی اشیاء یا وزن کی جانے والی ان اشیاء میں ہی ہے جو کھائی یا پی جاتی ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا كَانَ مَا يُكَالُ مِنْ صِنْفٍ وَّاحِدٍ اَوْ كَانَ مَا يُوْزَنُ مِنْ صِنْفٍ وَّاحِدٍ فَهُوَ مَكْرُوْهٌ اَيْضًا اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ بِمَنْزِلَةِ الَّتِيْ يُؤْكَلُ وَيُشْرَبُ وَهُوَ قَوْلُ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ وَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام محمد فرماتے ہیں: جب ناپی جانے والی اشیاء کی جنس ایک ہی ہو یا وزن کی جانے والی اشیاء کی جنس ایک ہی ہو۔ تو وہ بھی برابر برابر ہاتھوں ہاتھ لیے بغیر اسی طرح مکروہ (حرام) ہے جس طرح کھائی اور پی جانے والی اشیاء ہیں اور یہی قول ابراہیم نخعی ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

٨٠٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلتَّمْرُ بِالتَّمْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ عَامِلَكَ عَلٰى خَيْبَرَ وَهُوَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ عَدِيٍّ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَأْخُذُ الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ قَالَ اُدْعُوْهُ لِيْ فَدُعِيَ لَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَأْخُذُ الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَا يُعْطُوْنِيَ الْجَنِيْبَ بِالْجَمْعِ اِلَّا صَاعًا بِصَاعَيْنِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ وَاشْتَرِ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا.

امام مالک نے زید بن اسلم سے انہوں نے حضرت عطاء بن یسار سے بیان کیا فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھجور کے بدلے کھجور (لین دین میں) برابر برابر ہونی چاہئیں آپ سے عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ! آپ کے ایک عامل جو خیبر پر مقرر کیے گئے ہیں اور جن کا تعلق انصار کے قبیلہ بنی عدی سے ہے وہ ایک صاع‘ دو صاع کے بدلہ میں لیتے ہیں آپ نے فرمایا: اسے میرے پاس بلاؤ چنانچہ بلانے پر جب وہ حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا ایک صاع‘ دو صاع کے بدلہ میں مت لیا کرو وہ عرض کرنے لگا یارسول اللہ ﷺ! وہ لوگ مجھے بڑھیا قسم کی کھجور ردی کھجور کے بدلہ میں اسی طرح دیتے ہیں کہ ردی کے دو صاع اور اچھی کھجور کا ایک صاع اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم یوں کیا کرو کہ گھٹیا قسم کی کھجوروں کو دراہم کے عوض بیچ دیا کرو اور ان دراہم سے بڑھیا کھجوریں خرید لیا کرو۔

٨٠٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَجِيْدِ بْنُ سُهَيْلٍ وَالزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى خَيْبَرَ فَجَاءَ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟ قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلٰكِنِ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلٰثَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَا تَفْعَلْ بِعْ تَمْرَكَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ اشْتَرِ

امام مالک نے ہمیں عبدالمجید بن سہیل اور زہری سے انہوں نے سعید بن مسیب سے اور انہوں نے حضرت ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا اس نے وہاں سے عمدہ اقسام کی کھجور لائیں آپ نے اس سے پوچھا‘ کیا تمام کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہوتی ہیں؟ عرض کرنے لگا یارسول اللہ ﷺ نہیں لیکن ردی کھجوروں کے دو صاع سے یہ عمدہ کھجور ایک صاع اور عمدہ کھجور کے دو صاع ردی کے تین صاع کا لین دین ہوتا ہے۔ اس پر حضور

بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا وَقَالَ فِي الْمِيْزَانِ مِثْلَ ذٰلِكَ.

ﷺ نے فرمایا: یوں مت کرو ردی کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچو پھر ان دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لیا کرو وزن سے لین دین والی ہر چیز میں ایسا ہی کیا کرو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام محمد کہتے ہیں ان تمام پر ہمارا عمل ہے اور امام ابوحنیفہ ودیگر ہمارے فقہاء کرام کا قول بھی یہی ہے۔

۸۰۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ اَنَّهٗ سَأَلَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ رَجُلٍ يَشْتَرِىْ طَعَامًا مِنَ الْجَارِ بِدِيْنَارٍ وَ نِصْفِ دِرْهَمٍ اَيُعْطِيْهِ دِيْنَارًا وَ نِصْفَ دِرْهَمٍ طَعَامًا قَالَ لَا وَلٰكِنْ يُعْطِيْهِ دِيْنَارًا وَ دِرْهَمًا وَ يَرُدُّ عَلَيْهِ الْبَائِعُ نِصْفَ دِرْهَمٍ طَعَامًا.

امام مالک نے ہمیں ایک مرد سے یہ بیان فرمایا کہ اس شخص نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھا جو مقام جار سے ایک دینار اور آدھے دینار کے بدلہ میں طعام دے سکتا ہے؟ فرمایا نہیں وہ اسے ایک دینار اور درہم ہی دے اور بیچنے والا نصف درہم لے کر اس کے بدلہ میں اسے طعام لوٹا دے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا الْوَجْهُ اَحَبُّ اِلَيْنَا وَالْوَجْهُ الْاٰخَرُ يَجُوْزُ اَيْضًا اِذَا لَمْ يُعْطِهٖ مِنَ الطَّعَامِ الَّذِىْ اشْتَرٰى اَقَلَّ مِمَّا يُصِيْبُ نِصْفَ الدِّرْهَمِ مِنْهُ فِى الْبَيْعِ الْاَوَّلِ فَاِنْ اَعْطَاهُ مِنْهُ اَقَلَّ مِمَّا يُصِيْبُ الدِّرْهَمَ مِنْهُ فِى الْبَيْعِ الْاَوَّلِ لَمْ يَجُزْ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام محمد فرماتے ہیں یہ وجہ اور طریقہ ہمارے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور دوسرا طریقہ بھی جائز ہے جبکہ وہ اس خریدے ہوئے طعام میں سے جو بیع اول میں نصف درہم کے بدلہ میں تھا اس سے کم نہ دے اگر اس بیع اول سے ایک درہم میں آنے والے طعام سے کم اسے دیتا ہے تو جائز نہیں یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

مذکورہ باب میں کل چار عدد روایات ہیں جن میں دو تو حضرت سعید بن میسب رضی اللہ عنہ کے اثر ہیں اور دوسری دو حضور ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں ان آثار واحادیث میں بیان یہ ہوا کہ ماپ اور تول کر لین دین والی اشیاء (جبکہ ان کا تبادلہ اپنی جنس سے ہو) کی خرید وفروخت کے جواز وعدم جواز کے لیے دو شرطیں پائی جانی ضروری ہیں ایک یہ کہ برابر (وزن یا ماپ میں) ہوں اور دوسری یہ کہ مجلس بھی متحد ہو یعنی ان کی باہم خرید وفروخت میں کمی بیشی اور ادھار جائز نہیں۔

ماپ تول والی اشیاء جن کا احادیث مقدسہ میں صراحتاً ذکر ہے وہ چھ ہیں گندم' جو' کھجور' نمک' سونا' چاندی احناف کے نزدیک ان اشیاء کی علت ''قدر وجنس'' ہے اس لیے ان کے نزدیک جس چیز میں یہ علت پائی جائے گی اس کی خرید وفروخت کے جواز اور عدم جواز کا یہی طریقہ ہوگا مثلاً جو' چنے' مسور' چونا وغیرہ ایک ہی مجلس میں برابر وزن کر کے تبادلہ کیا جائے تو جائز ورنہ حرام ہوگا اگر کوئی سی چیز ان دو باتوں میں مشترک نہیں یا ایک میں اشتراک ہے دوسری میں اختلاف ہے تو اس حالت میں زیادہ مقدار کا لین دین جائز ہے لیکن ادھار جائز نہیں۔ احناف کے اس کلیہ کی وضاحت صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ شرائط مذکورہ کا لحاظ اس لیے ضروری رکھا گیا تا کہ لین دین کی مذکورہ صورت سود نہ بننے پائے۔ ''ربوا'' یعنی سود چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے ارشاد فرمایا ''احل اللّٰہ البیع و حرم الربا'' اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کر دیا اور ''ربوا'' یعنی سود کو حرام قرار دے دیا'' ''ربوا'' کی تعریف اگرچہ لکھی جا چکی لیکن یاد دہانی کے لیے پھر بالاختصار ذکر کی جا رہی ہے تا کہ زیر بحث مسئلہ آسانی سے سمجھ آ سکے۔ ''ربوا'' اس زیادتی کو کہتے ہیں جو لین دین کرنے والوں میں سے کسی ایک کے لیے مقرر کر دی جائے اور

وہ معاوضہ سے خالی ہو یہاں اس بات کو بھی جاننا نہایت ضروری ہے کہ مذکورہ بیع وشرا میں ان اشیاء کی صفت یا وصف کو معتبر نہیں کیا گیا کیونکہ اس کے اعتبار مساوات سے سخت مشکلات درپیش آ سکتی ہیں۔ لہٰذا ردی کھجور اور بڑھیا کھجور میں ان کی بری اچھی صفت کا خیال رکھ کر ردی کے دو سیر یا دو کلو اور اچھی کھجور کا ایک سیر یا ایک کلو کا لین دین "ربوا" بنے گا۔ باب میں مذکورہ احادیث میں بھی حضور ﷺ سے اس بارے میں صاف صاف تصریح ہے اس کا طریقہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ ردی کو دراہم کے عوض بیچ ڈالو پھر ان دراہم کی بڑھیا کھجور لے لو تو معلوم ہوا کہ جنس اور وزن وکیل میں اتحاد ہوگا تو کمی بیشی جائز نہیں' وصف کا اعتبار نہیں صاحب ہدایہ کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

"ربوا" اس زیادتی کا نام ہے جو عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی ایک کے لیے اصل عقد میں مقرر کی جائے یہاں وصف کو شمار یا معتبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ وصف میں کمی بیشی کو عرف عام میں اس چیز کے مختلف ہونے کا نام نہیں دیا جاتا۔ دوسرا یہ بھی کہ اگر اوصاف میں برابری کا اعتبار لازم قرار دیا جاتا ہے تو لین دین ٹھپ ہو جائے گا۔ تیسری بات یہ کہ خود رسول کریم ﷺ کا قول مبارک ہے "جيدها ورديها سواء" یعنی کیلی اور وزنی اشیاء میں بڑھیا اور گھٹیا ہونا برابر ہے"۔

(ہدایہ اخیرین ص ۸۷ کتاب البیوع باب الربوا' مطبوعہ قرآن محل کراچی)

نوٹ: کسی چیز کے کیلی یا وزنی ہونے کا معیار احناف کے نزدیک یہ ہے کہ جن اشیاء کے مکیلی (ماپی جانے والی) یا موزونی (وزن کی جانے والی) ہونے کا ذکر بطور نص آ چکا ہے وہ اسی قبیلہ سے شمار ہوں گی خواہ کسی دور میں ان کا کسی اور طریقہ سے لین دین ہوتا ہو مثلاً گندم جو کیلی چیز ہے اب اسے تول کر بیچا جاتا ہے تو تول کر اس کا لین دین اسے کیلی ہونے سے خارج نہیں کرے گا اس بات کو صاحب ہدایہ نے یوں رقم فرمایا:

وكل شئى نص رسول الله ﷺ على تحريم التفاضل فيه مكيلا فهو مكيل ابدا وان ترك الناس الكيل فيه مثل الحنطة والشعير والتمر والملح. وكل مانص رسول الله ﷺ على تحريم التفاضل فيه وزناً فهو موزون ابداً وان ترك الناس وزناً فيه مثل الذهب والفضة لان النص اقوى من العرف والاقوى لايترك بالادنى ومالم ينص عليه فهو محمول على عادات الناس لانها دالة. (ہدایہ اخیرین ص ۸۰ باب الربوا' مطبوعہ قرآن محل کراچی)

ہر وہ چیز کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ازروئے ماپ زیادتی کو حرام قرار دیا وہ ہمیشہ ماپی جانے والی چیز ہی شمار ہوگی اگرچہ عوام نے اس میں ماپ کو ترک کر دیا ہو جیسا کہ گندم' جو' کھجور اور نمک اور ہر وہ چیز جسے سرکار دو عالم ﷺ نے ازروئے وزن زیادہ لینا دینا حرام فرمایا' وہ ہمیشہ کے لیے وزنی ہی رہے گی خواہ لوگوں نے اس کا لین دین بذریعہ وزن چھوڑ دیا ہو جیسا کہ سونا اور چاندی کیونکہ عرف کے مقابلہ میں نص بہت مضبوط دلیل ہوتی ہے اور مضبوط کے ہوتے ہوئے کمزور کو ترک کیا جا سکتا ہے مضبوط کو نہیں اور وہ اشیاء جو صراحتاً کسی نص کے ذریعہ کیل وزنی ہونی نامعلوم ہوں ان کو لوگوں کی عادات پر محمول کیا جائے گا کیونکہ "لوگوں کی عادات" اس پر دلالت کرتی ہیں عوام اپنے طور پر جو طریقہ بہتر سمجھتے تھے اسے اختیار کر لیا اور حضور ﷺ کا ارشاد گرامی اس بارے میں یہ ہے "ماراه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن" جسے مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہی ہے۔

باب کی پہلی تین روایات کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اگر چہ چوتھی روایت بھی اسی مسئلہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے شرح پا چکی ہے لیکن اس میں کچھ باریکی اور دقیق بات ذکر ہوئی ہے اس لیے اس کی الگ سے تشریح وتفصیل کرنا ضروری ہے اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے (جو بقول ابن حبان صاحب کتاب الثقات شیخ مدنی صالح ہے) سوال کیا کہ مقام ''جار'' سے اگر کوئی شخص ایک دینار اور نصف درہم کا غلہ خریدے پھر یہی خریدار اپنے بائع کو کہ جس سے اس نے غلہ خریدا یہی غلہ ایک دینار اور نصف درہم کا واپس کر دے تو ایسا کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: جائز نہیں اس کے ناجائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خریدار نے مثلاً ایک دینار اور نصف درہم کا دس کلو غلہ خریدا کل مثلاً ایک دینار اور نصف درہم کا یہی غلہ آٹھ کلو ہو جاتا ہے اب صورت ظاہرہ یہ ہوئی کہ آٹھ کلو غلہ دس کلو غلہ کے عوض دیا جا رہا ہے اور یہ جائز نہیں اس لیے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے اس کے جواز کی یہ راہ نکالی کہ وہ اسے ایک دینار اور نصف درہم دے دے اور فروخت کرنے والا اس نصف درہم کے مطابق غلہ واپس کر دے اس دلیل جواز کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے اسے الگ الگ دو کاروبار بنائے۔ پہلی بیع یہ کہ ایک دینار اور نصف درہم کے بدلہ غلہ خریدا لہٰذا وہ ایک دینار اور نصف درہم دے یہ ایک بیع مکمل ہوگئی اگر یہ مشتری نے نصف درہم زائد دے دیا بہرصورت یہ ایک نقدی بیع ہوگئی اب جبکہ مشتری نے بائع کو جو نصف درہم زائد دیا ہے اس کے عوض میں بائع اگر مشتری کو غلہ دے تو یہ دوسری بیع ہوگی اور یہ بھی نقدی بیع ہوگئی۔ اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہ آئے گا کیونکہ جس قدر روپے سے اس نے غلہ خریدا اس نے اسی قدر روپے دیئے یہ نہیں کہ اتنے روپوں کا غلہ دیا کہ جس صورت میں احتمال ہو سکتا ہے کہ جس قدر غلہ اس نے بیع اول میں حاصل کیا تھا اتنا غلہ اتنی ہی رقم کا دوبارہ نہ دے سکے لیکن حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے اسے جس طریقہ سے بیان کیا ہے اس میں یہ اشکال پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ پہلی بیع میں بھی غلہ کے بدلہ میں نقد رقم دی گئی اور دوسری میں بھی غلہ کے عوض نقد رقم دی اگر چہ بیع اول میں غلہ پہلے لیا گیا اور رقم بعد میں دی گئی اور دوسری بیع میں رقم پہلے اور غلہ بعد میں دیا گیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کی تحسین فرمائی لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے جواز کی ایک اور صورت بھی پیش فرمائی وہ یہ کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے جو ایک دینار اور ایک درہم دینے کا اور پھر نصف درہم کا گلہ لینے کا فیصلہ فرمایا' درہم میں اس تقسیم کی بھی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ اگر بائع کو ایک دینار دے دے اور نصف درہم کا اتنا ہی غلہ دے دے کہ جتنا اس نے بائع سے لیا تھا تو اس صورت میں بھی ربوٰا لازم نہیں آتا ہاں اگر نصف درہم کا اتنا غلہ دیتا ہے جو بائع کے دیئے گئے سے کم ہو تو اس صورت میں ربوٰا لازم آئے گا یہ صورت حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ صورت سے آسان ہے اور جائز بھی ہے یہی وجہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ کی تجویز کو بہت سراہا مگر اس کے ساتھ ساتھ جواز کی ایک اور صورت بھی ذکر فرمادی جو آسان بھی اور جائز بھی ہے۔

٣٦٧ - بَابُ الرَّجُلِ يَكُوْنُ لَهُ الْعَطَايَا اَوِ الدَّيْنُ عَلَى الرَّجُلِ فَيَبِيْعُهُ قَبْلَ اَنْ يَقْبِضَهُ

عطیہ کو یا کسی شخص پر قرضہ کو قبضہ میں لینے سے پہلے فروخت کرنے کا بیان

٨٠٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهُ سَمِعَ جَمِيْلَ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ لِسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اِنِّيْ رَجُلٌ اَشْتَرِيْ هٰذِهِ الْاَرْزَاقَ الَّتِيْ يُعْطِيْهَا النَّاسُ بِالْجَارِ فَاَبْتَاعُ مِنْهَا مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اُرِيْدُ اَنْ اَبِيْعَ الطَّعَامَ

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی کہ انہوں نے جمیل مؤذن کو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ پوچھتے سنا کہ میں ان غلہ جات میں سے جو مقام جار میں لوگوں کے لیے عطیہ جات ہو جاتے ہیں خریدتا ہوں جس قدر اللہ چاہتا ہے پھر

الْمَضْمُوْنَ عَلَيَّ اِلٰى ذٰلِكَ الْاَجَلِ فَقَالَ لَهٗ سَعِيْدٌ اَتُرِيْدُ اَنْ تُوَفِّيَهُمْ مِنْ تِلْكَ الْاَرْزَاقِ الَّتِيْ ابْتَعْتَ قَالَ نَعَمْ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ .

میں چاہتا ہوں کہ اسی غلہ کو ایک معیار مقرر کر کے فروخت کر دوں تو سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا تو اس غلہ سے لوگوں کو ادا کرنا چاہتا ہے جو تو نے ان سے خریدا جمیل نے کہا ہاں تو سعید بن مسیب نے اسے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَنْبَغِيْ لِلرَّجُلِ اِذَا كَانَ لَهٗ دَيْنٌ اَنْ يَّبِيْعَهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهٗ لِاَنَّهٗ غَرَرٌ فَلَا يَدْرِيْ اَيَخْرُجُ اَمْ لَا يَخْرُجُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ قرض والی چیز کو بغیر قبضہ میں لیے آگے بیچے کیونکہ یہ فریب اور دھوکہ بنتا ہے کیونکہ اس میں کیا معلوم کہ وہ پورے کا پورا وصول ہوتا ہے یا نہیں؟ یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

٨٠٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُوْسَى بْنُ مَيْسَرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا يَسْئَلُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ اِنِّيْ رَجُلٌ اَبِيْعُ الدَّيْنَ وَذَكَرَ لَهٗ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَهُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ لَا تَبِعْ اِلَّا مَا اَوَيْتَ اِلٰى رَحْلِكَ .

ہمیں امام مالک نے موسیٰ بن میسرہ سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کو یہ پوچھتے ہوئے سنا کہ میں قرض کو فروخت کرتا ہوں اس نے اس کی کچھ وضاحت کی اس پر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسی چیز کو مت فروخت کر جب تک وہ تیرے قبضے میں نہیں آ جاتی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّبِيْعَ دَيْنًا لَهٗ عَلٰى اِنْسَانٍ اِلَّا مِنَ الَّذِيْ هُوَ عَلَيْهِ لِاَنَّ بَيْعَ الدَّيْنِ غَرَرٌ لَا يُدْرٰى اَيَخْرُجُ مِنْهُ اَمْ لَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ .

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے کہ کسی کے لیے اپنا وہ قرض جو کسی دوسرے کے ذمہ ہے اس کی فروخت جائز نہیں ہاں اس شخص سے فروخت ہو سکتا ہے کہ جس پر وہ قرض ہے کیونکہ کسی دوسرے کو قرض فروخت کرنے کی صورت میں دھوکہ موجود ہے وہ کیا جانتا ہے کہ دینے والا پورا دے گا یا نہیں یہی قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

مذکورہ دونوں آثار کا خلاصہ یہ ہے کہ قرض کی قبضہ میں لینے سے قبل فروخت جائز نہیں ہے مطلب یہ کہ کسی نے کوئی چیز کسی سے خریدی وہ اسی چیز کو آگے کسی اور کے پاس فروخت کرنا چاہتا ہے تو یہ اس وقت تک ایسا نہیں کر سکتا جب تک پہلے خود اپنے قبضہ میں نہ لے لے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ دونوں آثار قرض کے متعلق ذکر فرمائے عطیہ جات کے بارے میں کوئی روایت نہیں لائے حالانکہ موضوع باب عطیہ اور قرض دونوں تھے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ عطیہ جات اور قرضہ جات دونوں کا حکم ایک جیسا ہے وہ یہ کہ جب تک عطیہ پر یا قرض پر لینے والے کا قبضہ نہ آ جائے اسے قبضہ میں لیے بغیر کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا دھوکہ کے ضمن میں آنے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

٣٦٨- بَابُ الرَّجُلِ يَكُوْنُ عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَقْضِيْ اَفْضَلَ مِمَّا اَخَذَهٗ

مقروض کا قرضے میں افضل چیز کا ادا کرنا

٨١٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ قَيْسٍ

امام مالک نے حمید بن قیس المکی سے اور وہ جناب مجاہد سے

الْمَكِيُّ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ اِسْتَسْلَفَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ مِنْ رَجُلٍ دَرَاهِمَ ثُمَّ قَضٰى خَيْرًا مِّنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ هٰذِهٖ خَيْرٌ مِّنْ دَرَاهِمِي الَّتِيْ اَسْلَفْتُكَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ عَلِمْتُ وَلٰكِنْ نَّفْسِيْ بِذٰلِكَ طَيِّبَةٌ.

ہمیں بیان کرتے ہیں کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص سے چند دراہم ادھار لیے پھر بوقت ادائیگی ان سے بڑھیا قسم کے دراہم ادا کیے یہ دیکھ کر وہ شخص بولا کہ آپ کے یہ ادا کیے جانے والے دراہم میرے ان دراہم سے کہیں بڑھیا ہیں جو میں نے آپ کو قرض دیئے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے لیکن میرا ضمیر اس پر بہت مطمئن ہے (میں نے بخوشی دیئے ہیں)۔

۸۱۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ اِبِلٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ فَاَمَرَ اَبَا رَافِعٍ اَنْ يَّقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهٗ فَرَجَعَ اِلَيْهِ اَبُوْ رَافِعٍ فَقَالَ لَمْ اَجِدْ فِيْهَا اِلَّا جَمَلًا رُبَاعِيًا خِيَارًا فَقَالَ لَهٗ اَعْطِهٖ اِيَّاهُ فَاِنَّ خِيَارَ النَّاسِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً.

امام مالک نے ہمیں زید بن اسلم سے وہ عطاء بن یسار سے اور وہ جناب ابورافع سے خبر دیتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص سے نوعمر اونٹ قرض لیا پھر آپ کے پاس کہیں سے صدقہ کے اونٹ لائے گئے تو آپ نے ابورافع رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ فلاں شخص سے جو میں نے قرض میں اونٹ لیا تھا ان اونٹوں میں سے اس کی ادائیگی کر دو جناب ابورافع رضی اللہ عنہ (اونٹوں کو دیکھ کر) واپس حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے ان اونٹوں میں تو تقریباً سبھی اچھے اور چار چار سالہ ہیں فرمایا: ان میں سے اسے کوئی ایک دے دو بے شک بہترین انسان وہ ہے جو قرض کی ادائیگی میں بہترین ہو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ نَاْخُذُ لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ اِذَا كَانَ مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ اُشْتُرِطَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول پر عمل پیرا ہیں۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کی بوقت قرض شرط نہ باندھی گئی ہو اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

۸۲۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ اَسْلَفَ سَلَفًا فَلَا يَشْتَرِطُ اِلَّا قَضَاءً.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی فرمایا کہ جو کسی کو کچھ قرضہ دے وہ بجز ادائیگی کے اور کوئی شرط نہ باندھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّشْتَرِطَ اَفْضَلَ مِنْهُ وَلَا يَشْتَرِطُ عَلَيْهِ اَحْسَنَ مِنْهُ فَاِنَّ الشَّرْطَ فِيْ هٰذَا لَا يَنْبَغِيْ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی پر عمل پیرا ہیں قرض دینے والے کو دیئے گئے قرضہ سے افضل ہونے یا احسن ہونے کی شرط نہیں باندھنی چاہیے اس (قرض کے لین دین) میں کوئی شرط باندھنا نامناسب ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

باب کے تحت مذکورہ روایات میں اس بات کی تحسین کی گئی ہے کہ جب قرض واپس کرنے والا اپنی خوشی سے قرض دینے کو

کچھ بہتر یا بڑھیا مال واپس کرتا ہے تو یہ درست ہے اسے ہم ربوٰا (سود) نہیں کہیں گے۔ فرق دونوں میں واضح ہے کہ سود میں بوقت لین دین کے لین دین ہی مشروط ہوتا ہے یہاں صرف ادھار کا ذکر ہے کوئی شرط نہیں تھی قرض خواہ کو مقروض کا اپنی خوشی سے کچھ زائد یا بڑھیا شئے دینا یہ احسان و مروت کے زمرہ میں آتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ابورافع رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جیسا اونٹ آپ ﷺ نے قرض کیا تھا ویسا نہیں مل رہا تو آپ ﷺ نے انہیں لیے گئے اونٹ سے اچھا دینے کو فرمایا اور ساتھ ہی امت کے لیے ایسا کرنے کی تلقین بھی فرمادی یہی بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ارشاد میں بھی ہے دراہم چونکہ مختلف اقسام کے ہوتے تھے تو آپ نے قرض خواہ کو بہتر دراہم واپس کیے اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اسی کو اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرض خواہ کو قرض لی گئی چیز سے بہتر واپس کرتا ہے اور یہ پہلے سے لگائی گئی کسی شرط کے تحت نہ ہو تو بہت اچھی بات ہے یہ ایک احسان و مروت کی صورت ہے اسے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام نے مستحسن قرار دیا ہے یہی ہمارا مسلک ہے۔

٣٦٩- بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ قَطْعِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ

دراہم اور دینار میں سے کچھ کاٹ لینا اس کی کراہت کا بیان

٨١٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهٗ قَالَ قَطْعُ الْوَرِقِ وَالذَّهَبِ مِنَ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَنْبَغِيْ قَطْعُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ لِغَيْرِ مَنْفَعَةٍ.

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے اور وہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے خبر دیتے ہیں انہوں نے کہا کہ سونے اور چاندی میں کچھ کاٹ لینا' زمین میں فساد بپا کرتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں سے منفعت کے بغیر نہیں کاٹنا چاہیے۔

مذکورہ روایت میں سونے اور چاندی میں کچھ کاٹنے کو فساد فی الارض کہا گیا اس کی تشریح یوں ہے کہ اس دور میں بعض لوگ مختلف اوزار کو سونے یا چاندی سے مزین کرتے تھے اب اس ہتھیار پر سے سونا یا چاندی کاٹ کر اتار لینا اور پھر اسے اسی قیمت پر بیچنا دھوکہ دہی کے ضمن میں آتا ہے یا اگر کسی نے ویسے ہی کسی کی تلوار سے تھوڑا سا چاندی یا سونا کھرچ کر اتار لیا ایسا کہ مالک کو پتہ نہ چلنے دیا تو یہ چوری کی صورت بنتی ہے دھوکہ دہی اور چوری واقعۃً فساد فی الارض کا سبب ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ '' کاٹنے'' کا مفہوم یوں ہو کہ کھرے سکہ میں کچھ کھوٹ ملا دینا اور کھوٹ کے برابر اس میں سے اصل سونا یا چاندی نکال لینا یہ بھی دھوکہ دہی اور چوری کے ضمن میں ہی آتا ہے لہٰذا فساد فی الارض کا سبب بنے گا اس لیے اس سے منع کیا گیا رہا یہ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے دراہم کو اور دینار میں سے کچھ کاٹ لینے کو تو منع کیا لیکن اگر اس میں منفعت ہو تو پھر وہ اس کے جواز کے قائل ہیں یہ بات وضاحت طلب ہے بات دراصل یہ ہے کہ فرض کیجئے ایک شخص نے بازار سے نصف درہم کی کوئی چیز خریدی اب اس کے پاس قیمت دینے کے لیے صرف ایک مکمل درہم ہی ہے اور حالت ایسی ہے کہ دکاندار کے پاس بھی نصف درہم کا سکہ نہیں ہے تو اس صورت میں اگر درہم کامل کا مالک اس درہم کو دو حصوں میں کاٹ کر نصف نصف کر لیتا ہے یا دکاندار ہی ایسا کرتا ہے تو یہ کاٹنا منفعت کی وجہ سے ہوا۔ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں لیکن صورت مذکورہ میں ایک بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ دراہم و دینار خالص چاندی یا سونے کے ہونے چاہئیں خواہ ان پر مہر لگی ہو یا مہر کے بغیر ہوں اور کاروبار ان کے وزن کے حساب سے ہوتا ہو اگر کوئی شخص چاندی کے چند ٹکڑے یا سونے کے چند ٹکڑے لے کر ان کو جمع کر کے درہم یا دینار بنا لیتا ہے اور مہر لگائے بغیر وزن پورا ہونے کی صورت میں لوگ اسے قبول کرتے ہیں تو یہ صورت درست ہے کیونکہ اس صورت میں لین دین وزن پر موقوف ہوتا ہے۔ لہٰذا دھوکہ دہی اور فساد فی الارض کا

خدشہ نہ رہا نیز یہ بھی ذہن نشین رہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بوجہ منفعت سونے چاندی کی قطع کو جو درست قرار دیا ہے اس منفعت سے مراد "ضرورت عامہ" ہے نہ کہ درہم و دینار بنانے والے کی منفعت مقصود ہے یعنی اس سے عام لوگوں کی ضروریات و حاجات پوری ہوتی ہوں اور اگر کسی سکہ (چاندی یا سونے) کے لین دین میں اس پر لگی سرکاری مہر کو بنیادی حیثیت ہو وزن کا اعتبار نہ ہو یعنی مہر والا سکہ لوگ قبول کر لیتے ہیں خواہ اس کا وزن مہر کے بغیر والے سے کم ہی کیوں نہ ہو اور بغیر مہر وہ قبول نہیں کرتے خواہ اس کا وزن مہر والے سے زائد ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں چونکہ مہر لگنے یا نہ لگنے پر دارومدار ہے لہٰذا یہاں کاٹنے سے دھوکہ دہی نہیں بنتی کیونکہ یہاں دارومدار سرکاری مہر پر ہے جیسا کہ ہمارے ہاں پچاس پیسے کا سکہ پہلے ذرا بڑا تھا اس کا وزن بھی زیادہ تھا اب اس کو چھوٹا کر دیا گیا ہے اور وزن میں بھی لازماً کمی آئی ہے لیکن چھوٹا بڑا ہونا یہاں کوئی معتبر نہیں صرف اس پر سرکاری مہر ہونا ضروری ہے تو معلوم ہوا کہ اس صورت میں قیمت سکہ کے وزن کی نہیں بلکہ اس پر لگی مہر کے حساب سے ہے اس لیے ایسے دراہم و دینار کی کانٹ چھانٹ سے مذکورہ مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

٣٧٠ - بَابُ الْمُعَامَلَةِ وَالْمُزَارَعَةِ فِي النَّخْلِ وَالْأَرْضِ

زمین اور کھجور میں مزارعت اور معاملہ کے بیان میں

٨١٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا رَبِيْعَةُ بْنُ اَبِيْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ حَنْظَلَةَ الْاَنْصَارِيَّ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَاَلَ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَقَالَ قَدْ نُهِيَ عَنْهُ قَالَ حَنْظَلَةُ فَقُلْتُ لِرَافِعٍ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ قَالَ رَافِعٌ لَابَأْسَ بِكِرَائِهَا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ.

امام مالک نے ہمیں ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن سے خبر دی کہ حنظلہ انصاری نے انہیں بتایا کہ انہوں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے کھیتوں کو کرایہ پر دینے کی بابت پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اس سے منع کر دیا گیا ہے حنظلہ نے کہا کہ میں نے جناب رافع سے پھر یہ پوچھا کہ کیا کھیتوں کو چاندی یا سونے کے بدلہ میں کرائے پر دینا جائز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ زمین کو چاندی یا سونے کے عوض کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَابَأْسَ بِكِرَائِهَا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَبِالْحِنْطَةِ كَيْلًا مَعْلُوْمًا وَضَرْبًا مَعْلُوْمًا مَالَمْ يَشْتَرِطْ ذٰلِكَ مِمَّا يَخْرُجُ مِنْهَا فَاِنِ اشْتَرَطَ مِمَّا يَخْرُجُ كَيْلًا مَعْلُوْمًا فَلَا خَيْرَ فِيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا. وَقَدْ سُئِلَ عَنْ كِرَائِهَا سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ بِالْحِنْطَةِ كَيْلًا مَعْلُوْمًا فَرَخَّصَ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ هَلْ ذٰلِكَ اِلَّا مِثْلُ الْبَيْتِ يُكْرٰى.

امام محمد فرماتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کہ سونے یا چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی حرج ہے کہ کھیت کو گندم کے بدلہ کرائے پر دیا جائے جبکہ اس گندم کا کیل اور اس کی قسم معلوم و متعین ہو جب تک یہ شرط نہ رکھی ہو کہ زمین کی تمام پیداوار وہ دے گا اور اگر یہ شرط باندھتا ہے کہ زمین سے جو کچھ پیدا ہوگا اس میں سے اتنی معین مقدار دے گا تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا زمین کو گندم کے عوض کرایہ پر دینا جائز ہے جبکہ گندم کے کیل (ماپ) معلوم و معین ہوں؟ تو آپ نے اس میں رخصت دی اور فرمایا: یہ یوں ہی ہے کہ کوئی شخص اپنا گھر کرایہ پر

دے دیتا ہے۔

٨١٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ فَتَحَ خَيْبَرَ قَالَ لِلْيَهُوْدِ اُقِرُّكُمْ مَا اَقَرَّكُمُ اللّٰهُ عَلٰى اَنَّ الثَّمَرَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ قَالَ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَبْعَثُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ فَيَخْرُصُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَقُوْلُ اِنْ شِئْتُمْ فَلَكُمْ وَاِنْ شِئْتُمْ فَلِيْ قَالَ فَكَانُوْا يَاْخُذُوْنَهٗ.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے وہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے خبر دیتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے خیبر فتح فرمایا تو یہودیوں کو کہا میں تمہیں تمہاری زمینوں پر بدستور ٹھہراتا ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں ٹھہرایا لیکن شرط یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی کھجوریں ہمارے اور تمہارے درمیان آدھی آدھی ہوں گی۔ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو ان یہودیوں کے پاس روانہ فرمایا کرتے وہ جا کر ان کی کھجوروں کو اندازاً دو حصوں میں بانٹ دیتے پھر ان سے فرماتے تمہاری خواہش اور مرضی ہے کہ یہ حصہ تم لے لو یا مجھے دے دو۔ راوی بیان کرتے ہیں یہودی حصہ لے لیا کرتے تھے۔

٨١٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سُلَيْمٰنَ ابْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَبْعَثُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ فَيَخْرُصُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْيَهُوْدِ قَالَ فَجَمَعُوْا حُلِيًّا عَنْ حُلِيِّ نِسَائِهِمْ فَقَالُوْا هٰذَا لَكَ وَخَفِّفْ عَنَّا وَتَجَاوَزْ فِي الْقِسْمَةِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ وَاللّٰهِ اِنَّكُمْ لَمِنْ اَبْغَضِ خَلْقِ اللّٰهِ اِلَيَّ وَمَا ذٰلِكَ بِحَامِلِيْ اَنْ اَحِيْفَ عَلَيْكُمْ اَمَّا الَّذِيْ عَرَضْتُمْ مِّنَ الرِّشْوَةِ فَاِنَّهَا سُحْتٌ وَاِنَّا لَا نَاْكُلُهَا قَالُوْا بِهٰذَا قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے سلیمان بن یسار سے خبر دی کہ حضور ﷺ جناب عبداللہ بن رواحہ کو خیبر بھیجا کرتے تھے وہ وہاں جا کر اپنے اور یہودیوں کے مابین اندازے کے ساتھ کھجوریں نصف نصف کر لیا کرتے یہودی اپنی عورتوں کے زیورات جمع کرتے اور آپ کو پیش کر کے کہتے کہ ہم پر کچھ تخفیف کیجئے اور جو کچھ ہم سے لیتے ہیں اس میں کمی کر دیجئے آپ نے فرمایا: اے جماعتِ یہود! خدا کی قسم! تم میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مبغوض ترین مخلوق ہو تمہاری یہ پیشکش مجھے اس پر ہرگز آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تم پر زیادتی یا ظلم کر دوں بہرحال تم نے جو زیورات بطور رشوت پیش کیے ہیں حرام ہے اور ہم مسلمان اسے نہیں کھایا کرتے یہودی کہنے لگا اسی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَاْسَ بِمُعَامَلَةِ النَّخْلِ عَلَى الشَّطْرِ وَالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَبِمُزَارَعَةِ الْاَرْضِ الْبَيْضَاءِ عَلَى الشَّطْرِ وَالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَ كَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَيَذْكُرُ اَنَّ ذٰلِكَ هُوَ الْمُخَابَرَةُ الَّتِيْ نَهٰى عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ.

امام محمد فرماتے ہیں ہمارا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص کھجوروں کو کسی حصہ نصف تہائی یا چوتھائی پر معاملہ کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی طرح خالی زمین بھی حصہ پر دینی جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ مخابرہ بنتا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا ہے۔

مذکورہ باب میں تین عدد روایات ذکر ہوئیں موضوع یہ ہے کہ زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں اور اس کی کیا کیا صورتیں ہیں؟

سونے چاندی کے عوض زمین کرایہ پر دینا جائز ہے جو پہلی روایت میں مذکور ہے اور اسی روایت میں ایک زمین کو دوسری زمین کے غلہ پر کرایہ میں دینا بھی جائز ثابت ہے فتح خیبر کے بعد خیبر کی زمین کی پیداوار نصف پر دینا جائز ثابت ہوتا ہے گویا خلاصہ یہ کہ زمین کو کرایہ پر دینا اور مزارعت پر دینا درست ہے۔ اب تفصیل طلب بات یہ ہے کہ کرایہ کی کتنی صورتیں اور مزارعت کی کیا کیا شکلیں ہوسکتی ہیں پھر ان میں جائز اور ناجائز کون کون سی ہیں؟ چونکہ مسئلہ مذکورہ کا معیشت ملکی سے گہرا تعلق ہے لہٰذا اس کو بالتفصیل بیان کرنا ضروری ہے تاکہ علماء کرام اور زراعت سے متعلق حضرات اس سے استفادہ کرسکیں۔

مزارعت کی تین صورتیں ہیں۔

صورتِ اولیٰ: زمین کا مالک' مزارع سے کہے کہ میں تمہیں یہ زمین مزارعت کے لیے اس شرط پر دیتا ہوں کہ اس کی فی ایکڑ پیداوار میں سے اتنے من بہر حال مجھے دے گا یہ صورت بالاجماع باطل ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک ایکڑ میں اتنی بھی پیداوار نہ ہو جو مزارع کو دینے کے لیے پابند کیا گیا ہے۔

صورتِ ثانیہ: زمین کا مالک' مزارع کو کہتا ہے کہ میری زمین میں فلاں رقبہ کا حصہ میں ہی لوں گا اور فلاں کا حصہ تیرا ہوگا یہ بھی بالاجماع باطل ہے۔

صورتِ ثالثہ: مزارع سے زمین کا مالک یوں کہے کہ مزارعت کے عمل کے بعد جو پیداوار حاصل ہو اس کا نصف' تہائی یا چوتھائی میرا یا تیرا ہوگا اس صورت میں صاحبین جواز کے قائل اور امام ابوحنیفہ عدم جواز کے قائل ہیں ان دونوں طرف کے حضرات ائمہ کے دلائل اور جواب دلائل کیا ہیں؟ یہ بحث بڑی طویل ہے لیکن اس کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی درست نہیں اس لیے بقدرِ ضرورت ''ہدایہ شریف'' کی عبارت کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تہائی یا چوتھائی حصہ پر مزارعت فاسد ہے' صاحبین اسے جائز فرماتے ہیں (صاحبین کی دلیل یہ ہے) حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اہل خیبر سے نصف پیداوار پر معاملہ فرمایا تھا پیداوار خواہ پھل ہوں یا غلہ وغیرہ تو حضور ﷺ کا یہ معاملہ فرمانا جواز مزارعت کی دلیل ہے علاوہ ازیں دلیل عقلی بھی کہتی ہے کہ یہ معاملہ اس وجہ سے درست ہونا چاہیے کہ مزارعت دراصل ایک طرف سے عمل اور دوسری طرف سے مال ہونے کی وجہ شرکتِ معاملہ بنتا ہے لہٰذا جائز ہوگا جیسا کہ مضاربت جائز ہے اس قیاس (دلیل عقلی) کی صحت کے لیے دونوں مسائل کے مابین جامع وجہ موجود ہے وہ حاجت و ضرورت کو پورا کرنا ہے کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ صاحبِ مال یعنی زمین کا مالک کاشتکاری کا طریقہ نہیں جانتا اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص طریقہ کاشتکاری سے تو بخوبی واقف ہے لیکن اس کے پاس زمین نہیں ہوتی لہٰذا حاجت اور ضرورت کے تقاضا کے پیش نظر ایسے دو اشخاص کے درمیان ایسا عقد ہونا جائز ہوگا۔ **امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل:** امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ''مخابرہ'' سے منع فرمایا ہے اور ''مخابرہ'' مزارعت کا ہی دوسرا نام ہے۔ (دلیل عقلی) نیز یہ معاملہ مزارعت بایں وجہ بھی درست نہیں ہونا چاہیے کہ یہ عقد ایسا ہے جو عمل سے حاصل شدہ نفع میں سے بعض حصہ پر عمل کو کرایہ پر لیتا ہے (اور مزدور کے عمل کے بعض حصہ پر مزدور کا اجارہ جائز نہیں) تو یہ معاملہ ''قفیز طحان'' کی طرح ہو جائے گا۔ (قفیز طحان کی صورت یہ کہ ایک شخص چکی والے سے کہتا ہے کہ ایک من گندم مجھے پیس دو اس کی پسائی یا مزدوری اسی پسی ہوئی گندم کے آٹے میں سے دس سیر تم لے لینا یہ طریقہ' معاملہ بالاتفاق باطل ہے) الغرض امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب یہ معاملہ مزارعت فاسد ٹھہرا لیکن فساد کے باوجود اگر کوئی سے دو شخص یہ معاملہ کر لیتے ہیں معاملہ کرنے والا زمین کو سیراب کرتا ہے اس میں ہل' ٹریکٹر وغیرہ چلاتا ہے لیکن پیداوار کچھ بھی حاصل نہ ہوسکی تو اس صورت میں کام کرنے کو اجرت مثلی دینا واجب ہوگا کیونکہ یہ عقد اجارہ فاسدہ میں سے ہوگا اور اجارہ فاسدہ میں اجیر کے

لیے مثل اجرت دینا واجب ہوتی ہے فتویٰ بہر حال صاحبین کے قول پر ہے کیونکہ عام لوگ مزارعت کے ضرورت مند ہوتے ہیں اسی وجہ کے پیش نظر ہر دور کے علماء و مشائخ نے فتویٰ دیا کہ یہ صورت جائز ہے کیونکہ ہر دور میں امت کا تعامل اسی پر ہے اور لوگوں کے تعامل کے مقابلہ میں عوام کے عمل کو ترجیح دی تعامل کے سامنے قیاس کو نظر انداز کر دیا جائے جیسا کہ کسی کاریگر سے کوئی چیز بنوائی ہو تو قیاس اس کے جواز کا قائل نہیں۔

جواب اول: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ہی ایسی روایات موجود ہیں جو کرایہ پر دینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

عن رافع بن خديج حدثني عماى انهم كانوا يكرؤن الارض على عهد رسول الله ﷺ بما ينبت على الاربعاء اوبشي يستثنيه صاحب الارض فنهانا النبي ﷺ عن ذالك فقلت لرافع فكيف هي بالدينار والدرهم فقال رافع ليس بها باس بالدينار والدرهم. (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۱۵ باب کراء الارض بالذھب والفضۃ پارہ ۹ مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

رافع بن خدیج اپنے چچاؤں سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کے دور اقدس میں اپنی زمین کو پیداوار کے چوتھائی حصہ یا مالک زمین کے استثناء کے ساتھ کرایہ پر دیا کرتے تھے پھر حضور ﷺ نے ہمیں ایسا کرتے سے منع فرمایا میں نے رافع سے پوچھا اگر دینار اور درہم بطور کرایہ مقرر کیے جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو جناب رافع نے کہا دینار و درہم کے ساتھ یہ معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن حنظلة بن قيس الانصاري قال سئلت رافع ابن خديج عن كراء الارض بالذهب والورق فقال لاباس به انما كان الناس يواجرون على عهد رسول الله ﷺ الماذيانات واقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء الا هذا فلذالك زجر عنه فاما شئي مضمون معلوم فلا باس به. (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳ باب کراء الارض مطبوعہ رشیدیہ دہلی)

حنظلہ بن قیس انصاری کہتے ہیں کہ میں نے جناب رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے زمین کو سونے چاندی کے عوض کرایہ پر دینے کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے اس میں کیا حرج ہے؟ حضور ﷺ کے دور اقدس میں لوگ نہروں نالوں کے ساتھ والی زمین کی پیداوار اور زمین کی معین پیداوار کے عوض کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ جس سے کبھی مالک اور کبھی مزارع نقصان یا فائدہ میں رہتا اس دور میں لوگوں کا زمین کو کرایہ پر دینے کا یہی طریقہ تھا اسی لیے اس طریقہ پر ڈانٹا گیا اگر عوض میں مقدار معلوم ہو اور اس کی سلامتی کی ضمانت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن حنظلة الزرقي انه سمع رافع بن خديج يقول كنا اكثر الانصار حقلا قال كنا نكرى الارض على ان لنا هذه ولهم هذه فربما اخرجت هذه ولم تخرج هذه فنهانا عن ذالك واما الورق فلم ينهنا. (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳ باب کراء الارض)

حنظلہ زرقی بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سنا کہتے تھے کہ ہم انصار کے پاس بکثرت زمین تھی فرمایا کہ ہم زمین کو کرایہ پر دیتے تھے اس شرط پر کہ ہمارے لیے یہ اور تمہارے لیے یہ پھر بعض دفعہ ہمارے والا زمین کا حصہ پیداوار دیتا اور دوسرا خالی رہ جاتا۔ اور کبھی وہ پیداوار دیتا اور ہمارے والا حصہ خالی رہ جاتا تو اس قسم سے ہمیں روک دیا گیا رہا چاندی کے عوض کرایہ پر دینا تو اس سے ہمیں نہیں منع کیا گیا۔

قارئین کرام! حضرت رافع بن خدیج سے ہی چند [illegible] آپ نے ملاحظہ فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جن روایات میں

زمین کو کرایہ پر دینا منع فرمایا گیا وہ مطلقاً ہر قسم کے کرایہ پر دینے پر دلالت نہیں کرتیں بلکہ ان سے مراد وہی حالات کرایہ ہیں جو ان روایات میں مذکور ہوئیں۔ مالک زمین کا کسی خاص حصہ زمین کے اناج کو کرایہ کے لیے مقرر کر دینا' معین حصہ پر کرایہ پر دینا' نہر اور نالوں کی قریب والی زمین کے عوض کرایہ پر دینا' یہ صورتیں ناجائز کرایہ کے زمرہ میں آتی ہیں اسی لیے انہی احادیث میں جواز کی صورتیں بھی مذکور ہیں سونے چاندی کے عوض یا زمین کی پیداوار سے کوئی سا حصہ مقرر کر لینا یہ صورتیں جائز ہیں صاحبین کے مسلک کی تائید ان میں موجود ہے اگر مطلقاً کرایہ پر دینا منع تسلیم کیا جائے تو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایات میں تناقض ختم نہ ہوگا۔

جواب دوم: جن روایات میں زمین کو مطلقاً کرایہ پر دینے کی نفی یا ممانعت آئی وہ استحسان کے زمرہ میں آتی ہے حضور ﷺ نے یہی فرمایا: کہ خود کاشت نہیں کر سکتے تو کسی اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کے لیے دے دو یہ ایثار و قربانی ہے کہ جس کی ان احادیث میں تلقین کی گئی ہے آپ کا ارشاد گرامی اور حکم شریف وجوب کے لیے نہیں ہے صاحب مجمع الزوائد نے اسی کو بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ لم یحرم کراء الارض ولکنہ امر بمکارم الاخلاق۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۲۳ باب المزارعہ مطبوعہ بیروت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینا حرام نہیں قرار دیا بلکہ آپ نے حسن اخلاق کا حکم دیا ہے۔

عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ لم یری بکراء الارض بأسا..... عن عبداللہ بن عیسی عن موسٰی بن عبداللہ بن یزید قال سئل ابن عمر عن کراء الارض فقال ارضی وبعیری سواء..... عن انس بن مالک ارضی و مالی سواء۔

ہشام بن عروہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ زمین کو کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے عبداللہ بن عیسٰی جناب موسٰی بن عبداللہ بن یزید سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو زمین کے کرایہ پر دینے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا میری زمین اور میرا اونٹ برابر ہیں انس بن مالک نے کہا کہ میرا مال اور میری زمین برابر ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۹۲۔۹۴' مکتبہ اسلامی بیروت)

مذکورہ تین عدد اور روایات نے واضح کر دیا کہ زمین کو کرایہ پر دینا بہر صورت ناجائز ہے یہ مسلک ظاہریہ کا ہے مکارم اخلاق کے لیے اگر کوئی شخص کرایہ پر دینے کی بجائے ویسے ہی اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کے لیے دے دیتا ہے تو یہ بہت بہتر ہے حضور ﷺ دراصل اخلاق فاضلہ کی تعلیم و تکمیل چاہتے تھے اس لیے آپ نے کرایہ پر دینے کی بجائے اس کی طرف زیادہ توجہ دلائی اس لیے نہیں کہ کرایہ پر دینا آپ کے نزدیک حرام تھا اگر یہی بات ہوتی تو خیبر اس کے بالکل الٹ ہے وہاں آپ اہل خیبر سے خود حصہ مقرر کر رہے ہیں اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زمین اور گھوڑے کو ایک حکم میں رکھا گھوڑے کو کرایہ پر دینا بالاجماع جائز ہے۔ انس بن مالک بھی زمین اور مال کو ایک حکم میں ہی رکھتے ہیں یہاں بھی اگر کوئی شخص اپنا گھوڑا کرایہ پر دینے کی بجائے بطور احسان ویسے ہی دے دیتا ہے یا مال بطور احسان دے دیتا ہے تو یہ محسن ہونے کی دلیل ہے نہ کہ اس سے گھوڑے کا کرایہ پر دینا حرام ثابت ہوتا ہے مذکورہ مضمون کی تائید و توثیق میں چند اور آثار پیش خدمت ہیں۔

عن طاؤس عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ لم یحرم المزارعۃ لکن امر ان یرفق الناس بعضھم من بعض۔

جناب طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مزارعت کو حرام نہیں کیا لیکن انسانوں کو ایک دوسرے پر مہربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔

(بیہقی شریف ج ۶ ص ۱۳۴ کتاب المزارعۃ' مطبوعہ حیدر آباد

وکن صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۲۱۲ حدیث نمبر ۵۱۷۲ مطبوعہ بیروت)

عن عمرو بن دینار عن طاؤس قال قلت له یا ابا عبدالرحمن لو ترکت المخابرة فانهم یزعمون ان رسول الله ﷺ نهی عنها فقال اخبرنی اعلمهم یعنی ابن عباس ان رسول الله ﷺ لم ینه عنها ولکنه قال لان یمنحها احدکم اخاه ارضه خیر له من ان یاخذ علیها خراج معلوم ... فذکر باسناده مثله فبین ابن عباس رضی الله عنه ان ما کان من النبی ﷺ فی ذالک لم تکن للنهی وانما اراد الرفق بهم. (طحاوی شریف ج ۲ ص ۱۱۰ کتاب المزارعہ والمساقاۃ مطبوعہ دار الکتب اسلامی بیروت)

عمرو بن دینار جناب طاؤس سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے انہیں کہا اے ابوعبدالرحمٰن! کاش آپ مخابرہ چھوڑ دیتے لوگ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرما دیا ہے پس انہوں نے کہا کہ مجھے ان میں سے بہت بڑے عالم یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا لیکن یہ فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کاشت کاری کے لیے دے دے تو یہ اس زمین کو معلوم و معین غلہ کے عوض کسی کو دے..... اسی اسناد کے ساتھ ایسی ہی روایت بیان کی لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واضح کر دیا کہ اس بارے میں جو کچھ حضور ﷺ سے احادیث ملتی ہیں وہ نہی اور حرام کے لیے نہیں آپ نے تو ان لوگوں پر مہربانی اور احسان کرنے کے ارادے سے فرمایا۔

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا عمرو قال قلت لطاؤس یا ابا عبدالرحمن لو ترکت المخابرة انهم یزعمون ان النبی ﷺ نهی عنها فقال عمرو اخبرنی اعلمهم بذالک یعنی ابن عباس ان رسول الله ﷺ لم ینه عنها ولکن قال لیمنحها احدکم اخاه ارضه خیر له من ان یاخذ خراجاً معلوما. وان معاذا حین قدم الیمن اقرهم علیها والی ای عمر اعینهم واعطیهم فان ربحوا فلی ولهم وان نقصوا فعلی وعلیهم وان الحیقلة فی الانصار فسال عنها فسالت علی بن ربعه فقال هی المخابرة. (مسند حمیدی ج ۱ ص ۲۳۶ حدیث ۵۰۹ احادیث ابن عباس مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

حمیدی نے ہمیں بتایا کہ ہمیں سفیان نے کہا کہ جناب عمرو کہتے تھے میں نے جناب طاؤس کو کہا اے ابوعبدالرحمٰن! اگر تو مخابرہ چھوڑ دیتا تو اچھا ہوتا لوگ کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا لیکن یہ ضرور ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی شخص اپنی اگر زمین اپنے بھائی کو کاشتکاری کے لیے دے دے تو یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ اس سے معین غلہ کے عوض کرائے پر دے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب یمن تشریف لائے تو اہل یمن کو ان کی زمینوں پر قابض رہنے دیا اور میں اے عمر! ان کی اعانت کرتا ہوں اور انہیں دیتا ہوں اگر انہیں نفع حاصل ہو تو وہ میرے اور ان کے درمیان ہوتا رہے اور اگر نقصان ہو تو وہ بھی مجھ پر اور ان پر ہو جاتا ہے اور انصار میں کھیتی باڑی ہوتی ہے ان سے اس کے بارے میں دریافت کرو کہ وہ کیسے کرتے ہیں؟ میں نے علی بن ربعہ سے پوچھا انہوں نے کہا کہ مخابرہ کرتے ہیں (یعنی بٹائی پر کھیتی باڑی کرتے ہیں)۔

قارئین کرام! ان آثار سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ زمین کو بٹائی پر دینا جائز ہے اور حضور ﷺ سے جو اس بارے میں منع آئی ہے وہ حرمت کے لیے نہیں بلکہ احسان و مروت کے لیے ہے اور آپ کا یہ حکم استحبابی ہے۔ امام ترمذی نے (جو نور محمد کراچی کی مطبوعہ ہے) ایک روایت ص ۱۹۰ [illegible] کے مطابق لکھا۔ "هذا الحدیث

حسن صحیح یہ حدیث حسن صحیح ہے'' لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت رافع بن خدیج سے مروی روایات منع سے حرمت ثابت کرنا درست نہیں۔

جواب سوم: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے زمین کی مزارعت کے ممنوع ہونے پر جو حدیث بیان فرمائی ہے انہوں نے اس حدیث کا ابتدائی حصہ نہیں سنا جس کی بنا پر جتنا سنا اسے حضور ﷺ کے حوالہ سے بیان کر دیا حضور ﷺ نے خصوصی واقعہ کی بنا پر منع فرمایا تھا جس کا آخری حصہ تو ابن خدیج نے سنا اور بیان کر دیا پوری حدیث کو فقہاء کرام کی زبانی کتب حدیث سے بیان کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن عروة بن زبير عن زيد بن ثابت قال يغفر الله الرافع ابن خديج انا و الله كنت اعلم بالحديث منه انما اتى رجلان من الانصار الى رسول الله ﷺ قد اقتتلا فقال ان هذا شأنكم فلا تكروا المزارع فسمع قوله لا تكروا المزارع. (بیہقی شریف ج ۶ ص ۱۳۴ باب من اباح المزارعۃ الخ 'مطبوعہ حیدرآباد دکن)

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ رافع ابن خدیج کو معاف فرما دے میں بخدا ان سے اس بارے میں حدیث کا جاننے والا ہوں ہوا یوں کہ انصار کے دو آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے آنے سے پہلے وہ ایک دوسرے سے لڑائی بھی کر چکے تھے یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا تمہاری یہ حالت ہے لہٰذا زمین کو مزارعت پر نہ دیا کرو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج نے حضور ﷺ سے صرف ''لا تکروا المزارعۃ'' کے الفاظ ہی سنے (پچھلا واقعہ انہیں معلوم نہ تھا اس لیے جس قدر سنا وہ بیان کر دیا)۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مزارعۃ کی نفی کی روایات کے بارے میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ خود بھی مطلقاً نفی کے قائل نہ تھے اور دیگر روایات ان کی روایات منفی کے بھی خلاف ہیں اب چند مزید آثار جواز مزارعۃ پر ہم نقل کرتے ہیں جن سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین یہ معاملہ کرتے رہے۔

عن ابراهيم بن مهاجر عن موسى بن طلحة قال اقطع عثمان لخمسة من اصحاب محمد ﷺ لعبد الله ولسعد وللزبير ولخباب ولاسامة بن زيد فقال جاء اى عبد الله و سعيد يعطيان ارضهما بالثلث. جاء رجل الى علي فشكى برجل فقال انه اخذ ارضاً يصنع بها كذا و كذا فقال رجل لاخذتها بالنصف اكرى انهارها واصلحها واعمرها فقال علي لاباس به..... اخبرنا معمر قال سئلت الزهرى عن الرجل يعطى ارضه بالثلث والربع قال لاباس به..... ارسلنى محمد بن سيرين الى القاسم بن محمد اسئله عن رجل قال لاخر

جناب موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پانچ صحابہ کرام عبداللہ' سعد' زبیر' خباب اور اسامہ بن زید کے لیے کچھ زمین عطا کی پھر عبداللہ اور سعید دونوں اپنی اپنی زمین کو تیسرے حصہ کے عوض کاشت کے لیے دیتے تھے.....اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک شخص آیا اور کسی کی شکایت کی کہ اس نے میری زمین لے کر اسے یوں یوں استعمال کیا شخص مذکور نے کہا میں نے اس سے آدھے ہبہ کے طور پر لی ہے میں اس کی نہریں کھودتا ہوں' انہیں درست کرتا ہوں اور ان کی تعمیر و ترقی میں کوشاں ہوں اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس معاملہ میں کوئی حرج نہیں ہے.....ہمیں جناب معمر نے بتایا کہ میں نے جناب زہری سے ایسے شخص کے بارے میں مسئلہ

اعملی فی حائطی ھذا ولک الثلث او الربع فقال لاباس بہ..... عن عثمان بن وھب قال سمعت ابا جعفر محمد ابن علی یقول ال ابی بکر وال عمر وال علی یدفعون ارضھم بالثلث.
(مصنف عبدالرزاق ج۸ص۹۹-۱۰۱باب المزارعۃ علی الثلث)

پوچھا جواپنی زمین تیسرے یا چوتھے حصہ پر دیتا ہے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے..... مجھے محمد بن سیرین نے قاسم بن محمد کی طرف بھیجا تاکہ میں ان سے مسئلہ پوچھوں کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میرے اس باغ میں کام کرو اور اس کے عوض تجھے پیداوار کا تیسرا یا چوتھا حصہ دوں گا تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عثمان بن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب ابوجعفر محمد بن علی سے سنا فرماتے تھے کہ ابوبکر' عمر اور علی کی آل اپنی اپنی اراضی تیسرے حصہ پر دیا کرتی تھی۔

موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ جناب سعد اور ابن مسعود تیسرے یا چوتھے حصہ پر اپنی زمین مزارعت کے لیے دیا کرتے تھے۔ جناب لیث' طاؤس سے راوی ہیں کہ ہمارے ہاں حضرت معاذ تشریف لائے ہم اس وقت اپنی زمین تیسرے یا چوتھے حصہ کے عوض مزارعۃ کے لیے دیا کرتے تھے تو انہوں نے اس پر کوئی عیب نہ لگایا--- ابوجعفر نے روایت کی کہ حضور ﷺ نے اہل خیبر سے نصف پر معاملہ کیا آپ کے بعد ابوبکر' عثمان اور علی رضی اللہ عنہم نے اور پھر ان کی اولادوں نے بھی اپنی اپنی زمینوں کو تیسرے یا چوتھے حصہ پر بطور مزارعت دیا۔ عمرو بن عثمان جناب ابوجعفر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے تیسرے یا چوتھے حصہ پر مزارعت کی خاطر زمین دینے کی بابت پوچھا تو انہوں نے فرمایا اگر تمہیں آل ابی بکر' آل عمر اور آل علی کو دیکھنے کا موقعہ ملے تو انہیں تو ایسا ہی کرتا پائے گا..... عبدالرحمٰن بن اسعد سے روایت ہے کہ میں خود چوتھائی اور تیسرے حصہ کے عوض مزارعت کرتا تھا میں اس معاملہ کو حضرت علقمہ اور اسود کے پاس لایا کہ وہ کیا فرماتے ہیں اگر قابل اعتراض معاملہ ہے تو منع کر دیں گے۔ یحییٰ بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ تیسرے اور چوتھے حصہ پر زمین کو مزارعت کے لیے دینے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ جناب فضیل بواسطہ ہشام اور وہ جناب قاسم اور ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ قاسم بن محمد اور ابن سیرین اس بات میں کوئی خطرہ محسوس نہ فرماتے تھے کہ ایک آدمی اپنی زمین دوسرے کو تہائی یا چوتھائی یا عشر (دسواں حصہ) کے عوض مزارعت پر دیتا ہے اس پر بجز نفقہ اور کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ص ۳۳۷ تا ۳۴۱ من لم یر بالمزارعۃ بالنصف الخ)

قارئین کرام! ہم نے بہت سی روایات اور آثار سے یہ بات صراحت سے پیش کی ہے کہ مزارعۃ کا عمل درست ہے ان آثار و روایات کی تائید بلکہ مسئلہ کے جواز کی بنیاد ہونے کے علاوہ عرف عام بھی اس معاملہ کی موافقت کرتا ہے لہٰذا صاحبین (امام ابویوسف' امام محمد) کے قول پر فتویٰ عقل ونقل سے درست ہے۔ اس موضوع کے آخر میں ہم ابن قدامہ حنبلی کی کتاب ''المغنی'' کے کچھ حصہ کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جن میں مسئلہ زیر بحث کے تقریباً تمام پہلو پر گفتگو کی گئی اور کچھ سوال وجواب سے بھی مسئلہ کو واضح کیا گیا۔ ملاحظہ ہو:

''مزارعت'' کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص جو مالک زمین ہو اپنی زمین کسی دوسرے کو کاشتکاری کے لیے اس طرح دے کہ دونوں کے درمیان پیداوار کا حصہ طے ہو چکا ہو۔ مزارعت بکثرت علماء کے نزدیک جائز ہے۔ امام بخاری لکھتے ہیں کہ ابوجعفر نے کہا کہ تمام اہل مدینہ تہائی یا چوتھائی پیداوار پر مزارعت کرتے تھے حضرت علی' حضرت سعد' حضرت ابن مسعود اور عمر بن عبدالعزیز نے مزارعت کی ہے۔ آل علی' آل ابی بکر' عروہ اور ابن سیرین وغیرہ مزارعت کرتے تھے فقہاء تابعین میں سے سعید ابن المسیب' طاؤس' عبدالرحمٰن بن

اسود' موسیٰ بن طلحہ' زہری' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' امام ابو یوسف' امام محمد وغیرہ مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے یہ طے کیا کہ اگر بیج حضرت عمر کے ہوں تو وہ نصف لیں گے اور اگر بیج مزارعین کے ہوں تو وہ اس قدر لیں گے.... حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ابو جعفر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے نصف پیداوار کے عوض عمل کر لیا پھر حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر' پھر حضرت عثمان' پھر حضرت علی نے پھر ان کے اہل آج تک تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض مزارعت کراتے ہیں یہ امر صحیح اور مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تاحیات اس پر عمل کیا آپ کے بعد خلفاء راشدین اس پر تاحیات عمل کرتے رہے پھر ان کے اہل کا اس پر عمل رہا اور تمام اہل مدینہ مزارعت کرتے تھے' رسول اللہ ﷺ کی ازواج نے بھی مزارعت پر عمل کیا۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اہل خیبر سے اس شرط پر عمل کرایا کہ باغات اور کھیتوں سے جو پیداوار ہوگی اس کا نصف انہیں دینا ہوگا۔ پھر آپ ازواج مطہرات کو ایک سو وسق دیتے تھے جن میں اسی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو ہوتے پھر جب حضرت عمر نے مال خیبر کو تقسیم کیا تو انہوں نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ یا تو وہ پانی اور زمین لے کر مزارعت کرالیں اور یا وہ ان کے لیے وسق جاری کر دیں بعض ازواج نے زمین کو اختیار کیا اور بعض نے وسق کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے زمین کو اختیار فرمایا اور اس قسم کی حدیث منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ نسخ رسول ﷺ کے انتقال تک عمل ہوتا رہا پھر خلفاء راشدین کا عمل رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا ان میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی تو اس کا نسخ کیسے جائز ہوگا؟ اور اس کو کس سے منسوخ کیا جائے گا؟ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں منسوخ ہو گیا تھا تو پھر بعد میں آپ نے خود اس پر عمل کیوں کیا؟ اور یہ نسخ مخفی رہا جو خلفاء راشدین کو بھی معلوم نہ ہو سکا حالانکہ زمین کی مزارعت کا قصہ بہت مشہور تھا پھر وہ نسخ کا راوی کہاں گیا جس نے ان کو نسخ کی حدیث نہیں پہنچائی؟

(المغنی مع شرح الکبیر ج ۵ ص ۵۸۱۔۵۸۴ مسئلہ ۴۱۲۸' مطبوعہ بیروت)

ابن خدیج کی روایت کا فقہاء صحابہ کرام میں دو فقیہ صحابہ نے انکار کیا یعنی زید ابن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم۔ زید بن ثابت نے کہا میں رافع بن خدیج کی بہ نسبت اس روایت کو زیادہ جانتا ہوں (اصل واقعہ یہ ہے) حضور ﷺ نے دو آدمی دیکھے جو باہم لڑائی کر رہے تھے آپ نے فرمایا: اگر تمہارا معاملہ اس طرح کا ہے تو زمین کو مزارعت پر نہ دو اس کو ابوداؤد اور اصرم نے روایت کیا ہے۔ بخاری نے عمرو بن دینار سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ میں نے طاؤس کو کہا ان لوگوں میں بہت بڑے عالم ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا لیکن آپ نے فرمایا کہ ایک بھائی کو دوسرے بھائی پر سخاوت کرنا چاہیے یہ اس لیے بہتر ہے کہ وہ معدوم ومؤاخذہ نہ ہو۔ علاوہ ازیں رافع بن خدیج کی حدیث میں ہے وہ حصہ جو زمین کی مزارعت کی نفی کے بارے میں ابن خدیج سے مروی ہے وہ اجماع کے خلاف ہے اور ان میں سے وہ روایت کہ کسی نے اس کے فساد میں اختلاف نہیں کیا جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں ابن خدیج کبھی تو اس حدیث کو اپنے چچاؤں سے اور کبھی اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایسے سنا اور بعض دفعہ زہیر ابن رافع سے بیان کرتے ہیں جب ان کی اخبار کا حال یہ ہے۔ وجب

اخراجها واستعمال اخبار الوارد فی شأن الخیبر الجاریة مجری التواتر التی لا اختلاف فیها وقد عمل بها الخلفاء الراشدون وغیرهم فلا معنی لترکها بمثل هذا الحدیث الواهیة الجواب الرابع انه لوقد وصحت خبر رافع وامتنع تاویله وتعذر الحجة لوجب حمله علی النسخ لانه لابد من نسخ احد الخبر بین ویستحیل القول بنسخ حدیث خیبر لکونه معمولاً به من جهة النبی ﷺ الی حین موته ثم من بعده الی عصر التابعین فمتی کان نسخه. تو ان کی حدیث کو عمل سے باہر کر دینا واجب ہے اور ان اخبار کو استعمال میں لانا ضروری ہے جو قضیہ خیبر میں وارد ہوئی

ہیں جو متواتر کے قائم مقام درجہ رکھتی ہیں ان میں کوئی اختلاف بھی نہیں اور پھر خلفاء راشدین وغیرہ نے ان پر عمل کیا لہٰذا ابن خدیج کی روایت کے ذریعہ اسے تسلیم کر کے انہیں چھوڑ دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ چوتھا جواب یہ ہے بالفرض اگر ابن خدیج کی روایت کی صحت تسلیم کر لی جائے اور اس کی تاویل کو ممنوع سمجھا جائے اور اسے حجت و دلیل بنایا جائے تو پھر بھی اسے منسوخ ٹھہرانا واجب ہے کیونکہ ان دو مختلف کی اخبار میں سے کوئی ایک تو منسوخ ہوگی لیکن حدیث خیبر کے بارے میں نسخ کا قول محال ہے کیونکہ اس پر خود حضور ﷺ کا اپنی حیات مبارکہ میں عمل ثابت ہے پھر آپ کے بعد اور تابعین تک وہ معمول بہ رہی اب اسے کس دور میں منسوخ کہا جائے گا؟ (المغنی)

مختصر یہ کہ زمین کو مزارعت پر دینا جائز ہے اس کے جواز کی تائید حضور ﷺ کا عمل شریف' خلفاء راشدین اور تابعین کا عمل ہے۔ ادھر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث میں پختگی نہیں جس کی بنا پر وہ ناقابل عمل ٹھہری اس لیے صاحبین امام ابو یوسف و محمد رحمۃ اللہ علیہما کا موقف و مسلک بالکل حضرات خلفاء راشدین' تابعین کرام بلکہ حضور ﷺ کے عمل شریف کے مطابق ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

٣٧١- بَابُ اِحْيَاءِ الْاَرْضِ بِاِذْنِ الْاِمَامِ اَوْ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ

امام کی اجازت یا عدم اجازت سے کسی بنجر زمین کو آباد کرنے کا بیان

٨١٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهٗ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ.

امام مالک نے ہمیں ہشام بن عروہ اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا وہ اسی کی ہے کسی ظالم کا کوئی حق نہیں۔

٨١٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهٗ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے وہ سالم بن عبداللہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں فرمایا کہ جس نے بے آباد زمین کو آباد کیا وہ اس کی ہوگی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا مَيْتَةً بِاِذْنِ الْاِمَامِ اَوْ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ فَهِيَ لَهٗ فَاَمَّا اَبُوْ حَنِيْفَةَ فَقَالَ لَا يَكُوْنُ لَهٗ اِلَّا اَنْ يَّجْعَلَهَا لَهُ الْاِمَامُ قَالَ وَيَنْبَغِيْ لِلْاِمَامِ اِذَا اَحْيَاهَا اَنْ يَّجْعَلَهَا لَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جس نے بھی بنجر زمین کو امام کی اجازت یا بدون اجازت قابل کاشت بنایا وہ اس کی ہوگی لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسی زمین امام کے دیئے جانے کے بغیر اس کی نہ ہوگی نیز فرمایا کہ امام کو چاہیے کہ جب کوئی شخص بنجر زمین کو قابل کاشت بناتا ہے تو وہ اس کے نام کر دے اور اگر امام ایسا نہیں کرتا تو وہ زمین اس کی نہیں بنے گی۔

''مردہ زمین'' کو قابل کاشت بنانے والا کیا از خود مالک بن جاتا ہے یا امام وقت کی طرح سے ملکیت کا پروانہ اور حکم ہونا چاہیے؟ اس میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے دو عظیم المرتبت شاگرد جناب ابو یوسف اور محمد بن حسن کا اختلاف ہے ہم پہلے ''مردہ زمین'' کی تعریف کرتے ہیں پھر دوسری بات ہوگی۔

ہدایہ شریف کی عبارت کا خلاصہ

ارض میتہ (مردہ زمین) (۱) وہ زمین کہ جس کو پانی نہ ملتا ہو جس کی وجہ سے وہ پتھر کی طرح سخت ہوگئی ہو (۲) وہ زمین جو پانی کی بہتات کی وجہ سے شورزدہ ہوگئی ہو (۳) وہ زمین جو قدیم زمانے سے بنجر ہو اور زیر کاشت نہ رہی ہو ان تین صورتوں میں دو شرطوں کا بھی لحاظ ہوگا۔ اول یہ کہ مذکورہ زمین کسی کی مملوکہ نہ ہو۔ دوسری شرط یہ کہ وہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ بلند آواز سے اگر کوئی چیخے چلائے تو اس کی چیخ و پکار وہاں تک نہ پہنچتی ہو۔ آخری شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ ایسی زمین آبادی کے نزدیک ہونے کی وجہ سے کاشت کاری کی بجائے کسی اور تعمیری و رفاہی کام میں لائی جاسکتی ہے بلکہ کاشت والی زمین سے اس کی قدر و قیمت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

مذکورہ مسئلہ میں اگر چہ حضرات ائمہ کا اختلاف ہے جو آپ نے ملاحظہ فرمایا لیکن احناف کے اصحاب ترجیح امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو راجح اور صواب قرار دیتے ہیں۔ یہاں دیکھنا یہ ہے کہ ان حضرات کے مابین اختلاف کی اصل وجہ ہے کیا؟ صاحبین کے نزدیک حدیث ''من احییٰ ارضاً میتۃ فھی لہ '' اپنے مفہوم کے اعتبار سے قابل عمل ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے والا مالک ہے۔ اس میں امام کے اذن وغیرہ کی کوئی قید و شرط نہیں ہے اسی طرح ''البنایہ شرح الہدایہ'' ج۹ ص۴۲۲ کتاب الاحیاء الاموات میں حضور ﷺ سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں ''من اعمر ارضا لیست احد فھوا حق بھا ۔ جس نے کسی ایسی غیر آباد زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت نہ تھی تو اس کا مالک آباد کرنے والا ہے'' نیز فرمایا ''من احیی ارضـا میتۃ فھی لہ ولیس بعرض ظالم حق جس کسی نے بھی بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا وہی اس کا مالک ہے کسی ظالم کا اس پر کوئی حق نہیں ہے''۔ ''عرق ظالم '' سے مراد وہ شخص کہ جس نے اس زمین میں جڑ لگائی ہو یعنی وہ اس کا دعویدار ہو بہرحال یہ احادیث ہیں کہ جن پر صاحبین کے مؤقف کی بنیاد ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے والے کے لیے اس وقت ملکیت کے قائل ہیں جب امام کی اجازت ساتھ ہو یا امام کا کوئی نمائندہ ہو جو اجازت دے کہ تم اسے آباد کرلو امام صاحب رضی اللہ عنہ کے مسلک کی بنیاد جن احادیث پر ہے ان میں سے چند علامہ عینی نے ''البنایہ'' میں درج کی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

عن لیث عن طاؤس قال قال رسول اللہ ﷺ عادی الارض للہ ولرسولہ ثم لکم من بعدی فمن احیی ارضا میتۃ فھی لہ ولیس للمھتجر حق بعد ثلاث سنین ورواہ ایضا سعید بن منصور فی سننہ وابو عبید والبیھقی فی سننہ من حدیث فضیل عن لیث عن طاؤس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ عادی الارض للّٰہ ولرسولہ ثم لکم من بعدی فمن احییٰ شیئاً من موقات الارض فلہ رقبتھا وروی ایضاً من حدیث معاویۃ بن ھشام حدثنا سفیان عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ موقات الارض للّٰہ ولرسولہ فمن احییٰ شیئاً فھی لہ تفرد معاویۃ بوصلہ وقال الذھبی ھذا مما انکر علیہ ولہ

جناب طاؤس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو زمین آبادی سے دور بنجر اور غیر آباد پڑی ہو وہ اللہ اور اس کے رسول (جل وعلاء ﷺ) کی ملکیت ہے پھر میرے وصال کے بعد وہ تمہاری ہے پس جس نے اسے قابل کاشت بنایا جو غیر آباد اور بنجر تھی تو اس کا قبضہ اور ملکیت اسی آباد کرنے والی کی ہے غیر آباد رکھنے والے کو تین سال کے بعد اس کی وہ زمین نہ دی جائے گی اسے سعید بن منصور' ابوعبید اور بیہقی نے اپنی سنن میں ذکر کیا یہ حدیث فضیل عن لیث عن طاؤس سے ہے حضور ﷺ نے فرمایا شہر سے دور غیر آباد زمین اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے۔ پھر میرے بعد تمہاری ہے۔ جس نے بے آباد زمین کو قابل کاشت بنایا وہ اس کی ہے اسی طرح ایک اور روایت ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہر سے دور مردہ زمینیں اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہیں

الاستدلال به انه اضافة الى الله والى الرسول وكل ما اضيف الى الله ورسوله لم يخص احد بشئى منه الا باذن الامام كالخمس فى باب الغنيمة انما أضيف الى الله ورسوله لم يخص احد بشئى منه الا باذن الامام فعلم ان المراد من قوله من احيى ارضا هذا الشرط فيكون المراد من قوله ﷺ من احيى ارضاً الحديث لبيان السبب و به نقول.

(البنایہ)

پھر جس نے ان میں سے کوئی حصہ آباد کیا وہ اس کا مالک ہے۔اس حدیث کے وصل میں معاویہ متفرد ہے ذہبی کا کہنا ہے کہ یہ ان روایات میں سے ہے جن کا انکار کیا گیا ہے ان احادیث سے استدلال کی وجہ اور طریقہ یہ ہے کہ ان میں مردہ زمین کی اضافت اللہ اور اس کے رسول کی طرف کی گئی ہے اور جس چیز کی اضافت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگئی اس میں سے کوئی دوسرا اس کے لیے مخصوص نہیں ہوسکتا ہاں اگر امام اجازت دے دے تو اس چیز کا کچھ حصہ اس کے لیے مخصوص ہو جائے گا جیسا کہ مال غنیمت میں سے "خمس" کا معاملہ ہے اس کی اضافت بھی اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے کوئی دوسرا امام کی اجازت کے بغیر مخصوص نہیں ہوسکتا لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی "من احیی ارضاً میتة فهی له" سے مراد امام کی اجازت سے ایسا کرنے والا مالک بنے گا کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو امام کی اجازت کی نفی کرتی ہو لہٰذا حضور ﷺ کے قول کی یہی مراد ہے اور آپ نے یہ ارشاد سبب کے بیان کے لیے ارشاد فرمایا اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

وقد دل الدليل على اشتراط الاذن هو قوله ﷺ ليس بعرق ظالم حق لذن السبق على راى الايام والاخذ بطريق التغالب فى مغى عرق الظالم فينبغى ان يشترط وقال الطحاوى ان رجلا بالبصرة قال لابى موسى اقطعنى ارضا لا تضر باحد من المسلمين والارض خراجه ان تخذها قصباً وزيتونا فكتب ابو موسى الى عمر رضى الله عنها فكتب عمر رضى الله عنه اليه تعطم اياها فان رقاب الارض لنا فول ان رقاب الذين لائمة المسلمين وقال ﷺ ولاحكم الا الله ولرسوله متفق عليه فدل على ان حكم الارض للامام. (البنایہ شرح البدایہ ج ۳ ص ۳۴۴ کتاب احیاء الاموات مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام کی اجازت کی شرط پر حضور ﷺ کا یہ قول "لیس بعرق ظالم حق" دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ امام کی رائے کو ٹھکرا کر آگے بڑھنا اور زبردستی اسے قبضہ میں لے لینا یہ "عرق ظالم" کے مفہوم میں شامل ہے۔ لہٰذا اجازت امام کی شرط ہونی چاہیے۔ امام طحاوی نے کہا کہ ایک شخص نے بصرہ میں حضرت ابوموسیٰ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ زمین دیجئے۔ جو کے دینے میں نہ تو کسی مسلمان کو ضرر ہو اور وہ خراجی زمین ہو۔ میں اس میں سے کانے اور زیتون کی پیداوار حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ابوموسیٰ نے ایک رقعہ اسی بابت حضرت عمر بن خطاب کے پاس بھیجا۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: اسے مطلوبہ زمین دے دو کیونکہ زمین کی باگ دوڑ کے ہم مالک ہیں۔ اس سے دلیل نکلی کہ زمین کے دینے یا نہ دینے کی باگ دوڑ مسلمانوں کا اماموں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: حکم صرف اللہ اور اس کے رسول ہے ہے۔ متفق علیہ' لہٰذا یہ دلیل ہے کہ زمین کے بارے میں حکم امام پر موقوف ہے۔

صاحبین نے جن احادیث کو دلیل بنایا ان کا جواب

مختلف شارحین کرام مثلاً صاحب فتح القدیر ابن ہمام اور صاحب البنایہ علامہ بدرالدین عینی وغیرہما حضرات نے صاحبین کے مسلک اوران احادیث کے جوابات تحریر کیے جنہیں صاحبین نے اپنے مسلک کی بنیاد بنایا ہے ان حضرات کی تحریرات کا خلاصہ پیش نظر ہے۔

صاحبین نے جن احادیث سے استنباط فرمایا وہ محتمل ہیں۔نصوص کہ جن میں کسی حکم کا خطاب فرمایا جاتا ہو دوطریقہ سے وارد ہیں ایک ایسی نصوص کہ جنہیں صاحب شرع سے قانون کلی اور ضابطہ عام کے رنگ میں ارشاد فرمایا ہو۔جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا دوران نماز جسے نکسیر پھوٹی یا قے آئی اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔آپ کے اس انداز میں صاف صاف واضح کہ یہ حکم کسی مخصوص شخص کے لیے نہیں ہے۔دوسری قسم حکم کی وہ یہ کہ بظاہر اس کے الفاظ عام کے لیے ہوتے ہیں لیکن وہ درحقیقت مخصوص خطاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ''جس نے کسی کافر کو دوران جنگ قتل کردیا اس کا سامان حرب مارنے والے کا ہے'' اس ارشاد گرامی میں اگرچہ کسی کو مخصوص نہیں کیا گیا عام مسلمانوں کے لیے ہے لیکن درحقیقت عموم اور کھلی اجازت نہیں بلکہ کمانڈر یا حاکم وقت کو ایسا کرنے اور کہنے کا حق حاصل ہے اور اگر نہیں کہتا تو کوئی مسلمان مجاہد اپنے طور پر اس حدیث کو سامنے رکھ کر مقتول کافر کا سامان حرب وغیرہ اپنے پاس رکھ لے گا تو درست نہ ہوگا اگر اسے درست سمجھا جائے تو مال غنیمت کا معاملہ سرے سے ہی اٹھ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ حدیث مذکور صرف مسلمان مجاہد کے جوش دلانے اور بہادری پر ابھارنے کے لیے ایک طریقہ ہے اسی طریقہ کے ضمن میں بنجر زمین کو آباد کرنے کا حکم ہے گویا حاکم وقت عوام کو اس بات پر ابھارنا چاہتا ہے کہ زمین بے کار نہ رہے۔اور اسے جو بھی آباد اور قابل کاشت بنائے گا وہ اس کی ہوگی یہ نہیں کہ از خود ایسا کرنے والا (حاکم کی اجازت کے بغیر) خود بخود مالک بن جائے گا صاحبین کے قول اور اس حدیث کی تاویل ہوگئی لیکن اس کے مقابل امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دلائل وہ تاویل کو قبول نہیں کرتے اس لیے فقہاء احناف نے صاحبین کے مذہب کی بجائے امام اعظم کے مسلک کو قبول ومنظور کیا اور اسے راجح قرار دیا۔

بعض حضرات نے صاحبین اور امام صاحب کے اقوال میں تطبیق بھی دی ہے وہ یوں کہ صاحبین کی پیش کردہ حدیث ''من احییٰ ارضا فھی لہ'' میں محض سبب کا ذکر کیا گیا۔جس کے باعث اس پر ملکیت کا حکم مرتب ہوگا باقی رہی یہ بات کہ حکم کا ترتب امام کی اجازت سے مشروط ہوگا اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں یہ اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اجازت امام سے ملکیت کا اثبات بھی تو اسی کے لیے ہوگا جس نے زمین کو کاشت کے قابل بنایا۔بغور دیکھا جائے تو صاحبین کی پیش کردہ حدیث میں سبب ملکیت ہے اور امام ابوحنیفہ کی پیش کردہ حدیث میں ثبوت ملک کی دلیل ہے۔وہ حدیث یہ ہے لیس للمرء الاما طابت بہ نفس امامہ۔(فتح القدیر مع العنایہ: جلد۸ص۱۳۶ کتاب احیاء الاموات) زمین بنجر کو قابل کاشت بنانے والے کے لیے صرف وہی زمین بطور ملک ملے گی جو امام اپنی خوشی سے اسے عطا کرے دونوں اقسام کی احادیث کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ جس شخص نے کسی بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا وہ اس کا مالک بن سکتا ہے بشرطیکہ امام کی رضا اور خوشی سے اسے ملے۔

محمد بن عبیداللہ بن سعید ابوعون ثقفی کوفی تابعی سے جناب امام طحاوی روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عبیداللہ نے بیان کیا کہ ایک شخص بصرہ سے ابوعبداللہ نامی حضرت عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہنے لگا بصرہ میں کچھ زمین ایسی ہے جس کا کسی کو کوئی نقصان نہیں اور نہ ہی وہ خراجی زمین ہے آپ چاہیں تو مجھے عطا فرمادیں میں اس میں کانے اور زیتون کی کاشت کروں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب ابوموسیٰ اشعری کی طرف لکھا کہ اگر مذکورہ زمین چراگاہ ہے (یعنی کسی کی ملکیت نہیں) تو اس شخص کو دے دو۔آپ غور فرمائیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو خود بخود لینے اور قابل کاشت بنانے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس کی ملکیت قرار دیا یہ تب ہوا

جب خلیفہ کے حکم کے ساتھ اسے الگ سے الاٹ کی گئی۔ ولولا ذالک لکان یقول له وما حاجتک الی الظاهی ایاک تحمیها وتعمرها فتملکها فدل ذالک ان الاحیئی عند عمر رضی الله عنه هو ما اذ اذن الامام فيه للذی یتولاه ویملکه ایاه۔ یعنی اگر اذن امام ضروری نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو فرما دیتے تجھے میرے پاس آنے اور اسے الاٹ کرانے کی کیا ضرورت تھی جا اسے اپنی گرفت میں لے اسے قابل کاشت بنا اور اس کا مالک بن جا آپ کا یہ نہ کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بنجر زمین کو قابل کاشت بنانا اور اس کی ملکیت کا اسے حاصل ہونا اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک امام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ علاوہ ازیں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی صفحہ پر ایک اور حدیث جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لکھی ہے۔ الفاظ یہ ہیں واحتجه ابوحنيفة بقوله ﷺ لا حمى الا لله ولرسوله فی الصحيحين والحمر ماحمی من الارض فدل ان حكم الارضين الى الائمة لا الى غيرهم . امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی دلیل مسلم و بخاری کی اس روایت کو بنایا جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا چراگاہ (جس زمین کا کوئی مالک نہ ہو) اللہ اور اس کے رسول کی ہوتی ہے چراگاہ بہر حال زمین ہی ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ زمینوں کی ملکیت دینا ائمہ وقت کے اختیار میں ہے کسی اور کو اس کا اختیار نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری)

ان تحقیقات سے معلوم ہوا کہ صاحبین رضی اللہ عنہما کی پیش کردہ احادیث اور ان کا موقف مؤول ہے لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ احادیث اور موقف بالکل واضح اور غیر مؤول ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا اسی پر عمل ہے کہ بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے والا امام وقت کی اجازت سے ہی مالک بنے گا بشرطیکہ وہ غیر آباد زمین شہری آبادی سے دور ہو اور پہلے سے کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔ فاعتبروا یااولی الابصار

۳۷۲- بَابُ الصُّلْحِ فِي الشُّرْبِ وَقِسْمَةِ الْمَاءِ

زمین کو سیراب کرنے والے پانی پر صلح اور اس کی تقسیم کا بیان

۸۱۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِيْ سَيْلِ مَهْزُوْرٍ وَّ مُذَيْنِبٍ يُمْسَكُ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلُ الْاَعْلٰى عَلَى الْاَسْفَلِ.

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن ابی بکر سے خبر دی کہ رسول کریم ﷺ نے مہزور اور مذینب کے بارے میں فرمایا: (نالہ کے قریب بلند مقام والے لوگ اپنے باغ میں) ٹخنوں تک پانی بھر کر نچلی زمین والوں کے لیے چھوڑ دیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لِاَنَّهٗ كَانَ كَذٰلِكَ الصُّلْحُ بَيْنَهُمْ لِكُلِّ قَوْمٍ مَا اصْطَلَحُوْا وَاَسْلَمُوْا عَلَيْهِ مِنْ عُيُوْنِهِمْ وَسُيُوْلِهِمْ وَاَنْهَارِهِمْ وَشُرْبِهِمْ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہی مذہب ہے اس لیے کہ ان کے درمیان صلح کا طریقہ یہی ہے ہر قوم کی ایک خاص عادت ہوتی ہے جس کے مطابق وہ اپنی زمینوں میں چشموں نہروں بارش کے پانی میں رویہ اپناتے ہیں۔

۸۲۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ الضَّحَّاكَ بْنَ خَلِيْفَةَ سَاقَ خَلِيْجًا لَهٗ حَتّٰى النَّهْرِ الصَّغِيْرِ مِنَ الْعُرَيْضِ فَاَرَادَ اَنْ يُّمِرَّ بِهٖ فِيْ اَرْضٍ لِّمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ فَاَبٰى مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ الضَّحَّاكُ لِمَ تَمْنَعُنِيْ وَهُوَ لَكَ مَنْفَعَةٌ تَشْرَبُ بِهٖ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ عمرو ابن یحییٰ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ضحاک بن خلیفہ نے وادی عریض میں سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی ارادہ یہ کیا کہ اسے محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے گزاروں گا لیکن محمد بن مسلمہ نے اجازت نہ دی ضحاک نے کہا تم کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تمہارا بھی اس میں نفع ہے پہلا پانی اور

اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَلَا یَضُرُّکَ فَاَبٰی فَکَلَّمَ فِیْهِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَدَعَا مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ فَاَمَرَهٗ اَنْ یُّخَلِّیَ سَبِیْلَهٗ فَاَبٰی فَقَالَ عُمَرُ لِمَ تَمْنَعُ اَخَاکَ مَا یَنْفَعُهٗ وَهُوَ لَکَ نَافِعٌ تَشْرَبُ بِهٖ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَلَا یَضُرُّکَ قَالَ مُحَمَّدٌ لَا وَاللّٰهِ فَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ لَیَمُرَّنَّ بِهٖ وَلَوْ عَلٰی بَطْنِکَ فَاَمَرَهٗ عُمَرُ اَنْ یُّجْرِیَهٗ۔

آخری پانی دونوں سے تم اپنی زمین کو سیراب کرو گے اور تمہارا نقصان بھی اس میں کوئی نہیں انہوں نے پھر انکار کر دیا حتیٰ کہ مقدمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا آپ نے محمد بن مسلمہ کو بلوایا اور کہا کہ اسے راستہ دے دو محمد بن مسلمہ نے انکار کر دیا حضرت عمر نے پوچھا تو اپنے بھائی کو نہر کا راستہ دینے سے کیوں انکاری ہے حالانکہ وہ تیرے لیے بھی نفع بخش ہے تجھے ابتداء وانتہاء میں اس سے سیراب کرنے کو پانی بھی میسر ہوگا اور تیرا نقصان بھی اس میں کوئی نہیں محمد بن مسلمہ نے کہا نہیں بخدا! میں راستہ نہیں دوں گا اس پر حضرت عمر نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ (نہر) ضرور گزاری جائے گی خواہ تمہارے پیٹ میں سے ہی کیوں نہ گزارنی پڑے پھر حضرت عمر نے حکم دیا کہ اس کی زمین سے نہر نکال لو۔

۸۲۱- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ یَحْیَی الْمَازِنِیُّ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ کَانَ فِیْ حَائِطِ جَدِّهٖ رَبِیْعٌ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَاَرَادَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اَنْ یُّحَوِّلَهٗ اِلٰی نَاحِیَةٍ مِّنَ الْحَائِطِ هِیَ اَرْفَقُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَاَقْرَبُ اِلٰی اَرْضِهٖ فَمَنَعَهٗ صَاحِبُ الْحَائِطِ فَکَلَّمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَضٰی لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بِتَحْوِیْلِهٖ۔

امام مالک نے ہمیں عمرو بن یحییٰ مازنی سے وہ اپنے والد سے خبر دیتے ہیں کہ ان کے ایک دادا کے باغ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ایک چھوٹی سی نہر تھی عبدالرحمٰن بن عوف نے اسے باغ کی دوسری طرف منتقل کرنے کا ارادہ کیا جو ان کی زمین کے قریب پڑتی تھی اور اس سے اپنی زمین سیراب کرنا نسبتاً آسان بھی تھا لیکن باغ کے مالک نے ایسا نہ کرنے دیا جس پر حضرت عبدالرحمٰن نے اس معاملہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی تو حضرت عمر نے انہیں اس نہر کے منتقل کرنے کی اجازت دے دی۔

۸۲۲- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الرِّجَالِ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا یُمْنَعُ نَفْعُ بِئْرٍ۔

ہمیں امام مالک نے ابوالرجال سے وہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے خبر دیتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کنوئیں سے فائدہ اٹھانے سے نہ روکا جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اَیُّمَا رَجُلٍ کَانَتْ لَهٗ بِئْرٌ فَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَّمْنَعَ النَّاسَ اَنْ یَّسْتَقُوْا مِنْهَا لِشِفَاهِهِمْ وَاِبِلِهِمْ وَغَنَمِهِمْ فَاَمَّا لِزَرْعِهِمْ وَنَخْلِهِمْ فَلَهٗ اَنْ یَّمْنَعَ ذٰلِکَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ جس کسی شخص کا کنواں ہے اسے لوگوں کو پانی پینے' بھرنے سے اور اپنے اونٹوں بکریوں کو پانی پلانے سے روکنا نہیں چاہیے ہاں اگر وہ اپنی زمین کی سیرابی کے لیے لینا چاہتا ہے یا کھجوروں کے باغ کو اس سے پانی دینا چاہتا ہے تو کنوئیں کا مالک منع کر سکتا ہے یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام کا قول ہے۔

باب میں ذکر شدہ لفظ "مھزور اور مذینب" دو نہروں کے نام ہیں یا دو نالے اس نام کے تھے ان کے بارے میں حضور

ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی زمین ان نالوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے وہ اپنی زمین کو ان کے پانی سے ٹخنوں تک سیراب کر کے بقیہ پانی دوسروں کی زمین کے لیے چھوڑ دے روایات مذکورہ میں "کعبین" یعنی ٹخنوں تک زمین میں پانی جمع کرنا یہ حکم معین یا مخصوص نہیں کہ اتنا پانی ضرور اپنی زمین کو دے ورنہ حضور ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی لازم آئے گی کیونکہ "بخاری شریف" میں ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ سے جو مذکور ہے جس میں حضرت زبیر اور ایک انصاری کے درمیان پانی کا جھگڑا بیان کیا گیا جب یہ مقدمہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں لایا گیا تو آپ نے حضرت زبیر کو فرمایا: پہلے تم اپنی زمین سیراب کر لو پھر اس کی زمین کے لیے پانی چھوڑ دینا اس پر انصاری نے کہا کہ آپ نے اپنے پھوپھی زاد کی رعایت کرتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ فرمایا ہے اس پر آپ نے حضرت زبیر کو مخاطب کر کے فرمایا: اب اتنا پانی اپنی زمین کو دو کہ ٹخنوں تک ہو جائے اس حدیث کے تحت غیر مقلدین میں سے مولوی عطاء اللہ شاگرد مولوی محمد حسین بٹالوی "موطا امام محمد" کے ترجمہ کے وقت ص۳۴۶ پر "بـاب الـصـلـح فی الشرب" کے تحت لکھتا ہے کہ "امام محمد نے جو کہا ہے کہ میرے نزدیک شرب کی حد معین نہیں یہ سراسر حدیث سے اعراض ہے اعاذنا اللہ عنہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے" مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس غیر مقلد نے حدیث پاک کے تمام مختلف الفاظ کو پیش نظر نہیں رکھا صرف واقعہ ہی کو دیکھا۔ ذرا "عمدۃ القاری شرح البخاری" ج ۱۲ ص ۲۰۰ باب السقی الانہار کے تحت یہی حدیث امام بخاری نے جن الفاظ سے لکھی وہ ملاحظہ ہوں "اسق یا زبیر ثم احبس الماء حتی یرجع الی الجدر زبیر! اپنی زمین کو سیراب کر حتیٰ کہ پانی اس کی دیواروں کو چھولے" دوسری جگہ "الی الجدر" کی جگہ "الی الجار" یعنی ہمسایہ کے لیے پانی چھوڑ دے تو حدیث پاک میں تین مختلف الفاظ آتے ہیں ٹخنوں تک' دیواروں تک اور ان دونوں قیود کے بغیر۔ علامہ عینی اس پر رقم طراز ہیں کہ لفظ جدر (دیواروں) کریمہ اور اصیلی میں موجود ہے اور ابوذر کی روایت میں یہ لفظ ساقط ہے اور معمر سے روایت میں ہے کہ تو اپنے پڑوسی (الجار) کے لیے پانی چھوڑ دے ان حالات میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ ٹخنوں تک کا حکم "وجوبی" نہیں ورنہ حضور حضرت زبیر کو پہلے ہی ٹخنوں تک پانی بھرنے کا حکم عطا فرماتے حالانکہ بحوالہ بخاری شریف آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ زبیر! تو پہلے اپنی زمین سیراب کر لے پھر ہمسایہ کے لیے پانی چھوڑ دینا لیکن جب انصاری نے پھوپھی زاد کے حق میں فیصلہ دینے کی بات کی تو آپ نے فرمایا کہ اب ٹخنوں تک یا دیواروں تک سیراب کر کے پھر اسے دینا دیوار تک پانی پہنچ جانا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پانی ٹخنوں تک ساری زمین میں بھر گیا ہوگا ہاں ٹخنوں تک پانی بھر جانے کی صورت میں دیواروں تک پہنچنا ضروری ہے ہر صورت معاملہ پانی میں صلح کرنے کا ہے اور صلح کے لیے کئی صورتیں نکل سکتی ہیں۔ مثلاً دونوں اس پر متفق ہو جاتے ہیں کہ پہلے نچلی زمین والا اپنی زمین سیراب کرے بعد میں اوپر والی زمین کا مالک پانی استعمال کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نچلی زمین زیادہ خشک اور ضرورت مند ہے یا اوپر والے کی زمین پہلے سے ہی سیراب ہے یا کسی اور وجہ سے وہ پانی استعمال نہیں کرنا چاہتا اگر وہ اس طرح صلح کر لیتے ہیں تو شریعت مطہرہ کی اس میں کوئی خلاف ورزی نہیں اور عقل بھی اسے تسلیم کرتی ہے کہ جب مقصد جھگڑا ختم کرنا ہے اور جس طرح جھگڑا ختم ہونے پر دونوں متفق ہو جاتے ہیں تو مقصد پورا ہو گیا شرح شریف بھی یہی چاہتی ہے اس لیے حضور ﷺ نے جو حکم نالے سے متصل زمین والے کو اولاً استعمال کرنے اور نچلی زمین والے کو بعد میں استعمال کرنے کا حکم دیا وہ استحبابی حکم ہے' وجوبی نہیں بوقت ضرورت جبکہ دونوں کو پانی کی ضرورت ہو تو بہتر ہے کہ پہلے اسے استعمال کرنے دیا جائے جس کی زمین نالے سے متصل ہے پھر دوسرا اپنی زمین سیراب کرے پھر یہ بھی کہ پانی کس قدر رہنا چاہیے؟ وہ بھی ضرورت کے پیش نظر ہوگا یہ نہیں کہ ہر صورت پہلی اور متصل زمین والا ٹخنوں تک ہی سیراب کر کے پھر نچلی زمین والے کے لیے چھوڑے خواہ ٹخنوں تک کا پانی اس کی زمین میں اگی فصل کو تباہ کر دے ولکن الوھابیۃ (غیر مقلدیہ) قوم لا یعقلون.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد ایک اثر نقل فرمایا کہ جناب یحییٰ مازنی نے بیان کیا کہ ضحاک بن خلیفہ نے ایک نہر نکالی

چاہی جو محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے ہوتی ہوئی ضحاک کی زمین تک پہنچ سکتی تھی۔ ضحاک نے جناب محمد بن مسلمہ سے اس کی اجازت چاہی کہ مجھے تم اپنی زمین میں سے نہر گزارنے کے لیے اجازت دے دو محمد بن مسلمہ نے انکار کر دیا ضحاک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی آپ نے پوچھا محمد بن مسلمہ نے پھر انکار کر دیا تو حضرت عمر نے جلال میں آ کر فرمایا: نہر ضرور نکلے گی خواہ تیرے پیٹ میں سے ہی کیوں نہ نکلے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اس روایت کے پیش نظر اس حکم کو وجوب پر محمول فرمایا۔ لہٰذا ان کے نزدیک اگر زمین کا پڑوسی اپنے پڑوسی کو نہر نہ نکالنے دے تو وہ زبردستی اس کی زمین میں سے نہر نکال سکتا ہے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے ''فتح الباری ج ۵ ص ۸۴ باب لا یمنع جار جارہ'' میں یہی لکھا ہے۔ **قد قوی الشافعی فی القدیم القول بالوجوب بان عمر قضی به ولم یخالفه احد من اهل عصر فکان اتفاقاً منهم علی ذالک** امام شافعی نے قول قدیم میں اس کے وجوب کو مقرر کیا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ کیا تھا اور اس دور میں کسی نے ان کی مخالفت نہ کی لہٰذا ان تمام کا یہ متفقہ فیصلہ ہو گیا'' امام شافعی نے جو وجوب کا قول کیا اس کا جواب علامہ عینی صاحب عمدۃ القاری یوں دیتے ہیں۔

قلت هذا مجدد دعویٰ یحتاج الی اقامة دلیل وعن الشافعی فی الجدید قولان اشهرهما اشتراط اذن المالک فان امتنع لم یجبر وهو قول اصحابنا و حملوا الامر فیما جاء من الحدیث علی الندب والنهی علی التنزیه جمعا بینه وبین الاحادیث الدالة علی تحریم مال المسلم الا برضاه.

(عمدۃ القاری شرح البخاری)

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی کا یہ محض دعویٰ ہے جو قیام دلیل کا محتاج ہے امام شافعی کے قول جدید دو ہیں مشہور تر یہ کہ مالک کی اجازت شرط ہے اگر وہ انکار کر دے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا یہی ہم احناف کا قول ہے اور حدیث پاک میں وارد صیغہ امر کو ''ندب'' پر محمول کرتے ہیں اور ''نہی'' کو تنزیہ پر اس طرح سے دونوں میں تطبیق ہو سکتی ہے یعنی جن احادیث میں ہر طرح نہر نکالنے کا حکم ہے اور وہ احادیث جن میں کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر استعمال کرنا حرام آیا ہے جمع کا طریقہ یہی ہے جو مذکور ہوا۔

علامہ عینی کے مذکورہ کلام نے واضح کیا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول اول ''وجوب اور وہ بھی متفق علیہ'' کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو چند خرابیاں لازم آتی ہیں جن کا حل انتہائی ضروری ہے۔ اول یہ کہ جب وجوب ثابت ہے تو پھر اجماع ہونے یا نہ ہونے کی کیا ضرورت؟ دوسری یہ کہ قول اول وجوب کا اور قول جدید میں زیادہ مشہور غیر وجوب اور یہ سب جانتے ہیں کہ قول آخر ہی مذہب تسلیم کیا جاتا ہے اب یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اگر پہلے قول وجوب اور وہ بھی متفق علیہ تھا تو اس سے روگردانی کیوں کی گئی؟ تیسری خرابی یہ ہے کہ دیگر احادیث میں صاف صاف مذکور ہے کہ کسی دوسرے کا مال اجازت کے بغیر استعمال کرنا حرام ہے اس کا استعمال اس کی رضامندی پر موقوف ہے ان احادیث سے کسی کی زمین سے زبردستی نہر نکالنا اس کی ملکیت میں اجازت بغیر تصرف کرنے کی وجہ سے حرام ٹھہرا اور گزشتہ روایت کہ مانے یا نہ مانے نہر ضرور نکالو یہ واجب ہے۔ اس حرمت و وجوب کے وقت (ایک ہی بات میں) باہم تناقض واضح ہے۔ چوتھی خرابی یہ کہ کسی دوسرے کا مال اس کی اجازت و رضامندی کے بغیر مباح قرار دیا جائے تو عدل و انصاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہی وجوہات تھیں جن کے پیش نظر ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی دوسرے کی زمین سے پانی گزارنے کا ارادہ کرے اور بلا ضرورت ہو تو غیر کی اجازت کے سوا ہرگز ایسا کرنا جائز نہیں اور اگر ضرورت ہے جیسا کہ کسی کی زمین زرعی کے لیے پانی کی ضرورت ہے لیکن اس کی زمین میں پانی دوسرے پڑوسی کی زمین میں سے گزرنے کے علاوہ اور کوئی طریقہ و راستہ نہیں ہے تو اب بلا اجازت پانی گزارنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو

روایات ہیں۔

(۱) جائز نہیں ہے کیونکہ یہ غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا ہے اور وہ جائز نہیں کیونکہ ضرورت کا ہونا دوسرے کے مال کو استعمال میں لانا مباح نہیں کر دیتا اس پر کوئی دلیل بھی نہیں ملتی لہٰذا کسی کے لیے اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دوسرے کے کھیت میں بلا اجازت کچھ اگائے 'کھیتی باڑی کرے یا تعمیر کرے اور نہ ہی اس سے کوئی نفع اٹھا سکتا ہے ایسا کرنا حرام ہے۔

(۲) جائز ہے۔ اس کی دلیل روایت ضحاک ہے کہ اس نے پانی کی نالی محمد بن مسلمہ کی زمین سے گزاری باوجودیکہ وہ راضی نہ تھے اور ضحاک نے کہا بھی تھا کہ اس کے گزرنے میں تمہارا بھی فائدہ ہے اس سے تمہاری زمین بھی سیراب ہوگی اور تمہارا نقصان بھی نہیں ہے محمد بن مسلمہ نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلوا کر حکم دیا کہ اس کی نالی کو گزرنے کے لیے راستہ دے دو تو اپنے مسلمان بھائی کو ایسی بات سے روکتا ہے جس کا تجھے بھی اور اسے بھی نفع دے کیونکہ پانی کی وہ نالی اول آخر تیری زمین میں سے ہو کر جائے گی محمد بن مسلمہ نے حلفاً انکار کر دیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا! وہ گزرے گی اگرچہ اس کو تیرے پیٹ پر سے گزرنا پڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر ضحاک نے محمد بن مسلمہ کی زمین سے نالی گزاری اسے امام مالک نے مؤطا میں ذکر فرمایا اور سعید نے اپنی سنن میں لکھا۔ پہلی روایت قیاس کے بہت قریب ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف محمد بن مسلمہ کا قول ہے اور وہ اصول کے مطابق ہے۔ اور وہی اولیٰ ہے۔

(المغنی مع شرح کبیر ج ۵ ص ۳۰۔۳۱ مسئلہ ۳۵۱۴)

قارئین کرام! مندرجہ بالا تحریرات آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ مسئلہ زیر بحث میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مؤقف ومسلک نقل وعقل کے عین مطابق ہے لہٰذا قوی اور مضبوط ہے۔ ابن قدامہ حنبلی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ کے درمیان گفتگو کے حق میں لکھا کہ دونوں حضرات صحابی ہیں لیکن دونوں کے اختلافی قول میں محمد بن مسلمہ کے قول میں قوت اور اصول کی موافقت پائی جاتی ہے لہٰذا ترجیح اسے ہی دی جانی چاہیے۔ مذکورہ باب میں پہلی حدیث اور ایک اثر جناب یحییٰ کا ان کے بارے میں ہم تفصیلی گفتگو کر چکے۔ مذکورہ باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے دو اثر مزید نقل کرائے ان تمام میں جو''امر'' ہے وہ استحبابی ہے 'وجوبی نہیں اس کا فیصلہ آپ گزشتہ سطور سے کر سکتے ہیں۔ فاعتبروا یااولی الابصار

۳۷۳- بَابُ الرَّجُلِ يُعْتِقُ نَصِيْبًا لَهُ مِنْ مَّمْلُوْكٍ اَوْيُسَيِّبُ سَائِبَةً اَوْيُوْصِىْ بِعِتْقٍ

مشترکہ غلام میں سے اپنا حصہ چھوڑ دینے یا اسے سائبہ بنانے یا اس کی آزادی کی وصیت کا بیان

۸۲۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ اَبَابَكْرٍ سَيَّبَ سَائِبَةً.

امام مالک نے ہمیں ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ایک سائبہ چھوڑا تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِى الْحَدِيْثِ الْمَشْهُوْرِ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ لَا سَائِبَةَ فِى الْاِسْلَامِ وَلَوِ اسْتَقَامَ اَنْ يُّعْتِقَ الرَّجُلُ سَائِبَةً وَلَا يَكُوْنُ لِمَنْ اَعْتَقَهُ وَلَاؤُهُ لَاسْتَقَامَ

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے حدیث مشہور میں آیا ہے ولاء اس کی جس نے آزاد کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اسلام میں سائبہ نہیں اگر کسی کے لیے سائبہ کے طور پر کسی غلام کو آزاد کرنا جائز ہوتا

لِمَنْ طَلَبَ مِنْ عَائِشَةَ اَنْ تُعْتِقَ وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لِغَيْرِهَا فَقَدْ طَلَبَ ذٰلِکَ مِنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَاِذَا اسْتَقَامَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ لِمَنْ اَعْتَقَ وَلَاءٌ اِسْتَقَامَ اَنْ يُّسْتَثْنٰى عَنْهُ الْوَلَاءُ فَيَكُوْنُ لِغَيْرِهٖ وَاسْتَقَامَ اَنْ يَّهَبَ الْوَلَاءَ وَيَبِيْعَهٗ وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهٖ وَالْوَلَاءُ عِنْدَنَا بِمَنْزِلَةِ النَّسَبِ وَهُوَ لِمَنْ اَعْتَقَ اِنْ اَعْتَقَ سَائِبَةً اَوْ غَيْرَهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

اور آزاد کرنے والے کو ولاء نہ ملتی تو یہ اس کے لیے ہوتا جس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آزادی طلب کی تھی اور ولاء کسی اور کے لیے مانگی تھی اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ولاء اس کی جس نے آزاد کیا اگر یہ درست ہوتا کہ ولاء آزاد کرنے والے کے علاوہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے تو ولاء کا استثنیٰ بھی درست ہوتا پھر وہ کسی دوسرے کی ہو جاتی اور یہ بھی درست ہوتا کہ ولاء کو ہبہ یا بیچا جا سکتا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ولاء کے ہبہ اور بیع سے منع فرما دیا ہے اور ہمارے ہاں ولاء بمنزلہ سبب کے ہے اس لیے ولاء اس کی جس نے آزاد کیا خواہ سائبہ کے طور پر آزاد کرے یا کسی اور طریقہ پر یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

٨٢٤- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْکًا لَهٗ فِیْ عَبْدٍ وَكَانَ لَهٗ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ قِيْمَةَ الْعَدْلِ ثُمَّ اُعْطِیَ شُرَكَاؤُهٗ حِصَصَهُمْ وَعُتِقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا اُعْتِقَ۔

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مشترکہ غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور اس کے پاس اس قدر مال ہے جو غلام کی پوری قیمت بن سکتا ہے تو اس کی مناسب قیمت لگائی جائے گی پھر اس کے ساتھیوں کو ان کے حصہ جات کے مطابق رقم دی جائے گی اور غلام صرف اس ایک کی طرف سے آزاد ہوگا اور اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والے کے ہاں اتنا مال نہیں تو پھر صرف اسی قدر اس کی طرف سے آزاد ہوگا جتنا اس کا حصہ تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا فِیْ مَمْلُوْکٍ فَهُوَ حُرٌّ كُلُّهٗ فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ اَعْتَقَ مُوْسِرًا ضَمِنَ حِصَّةَ شَرِيْكِهٖ مِنَ الْعَبْدِ وَاِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَعَى الْعَبْدُ لِشُرَكَائِهٖ فِیْ حِصَصِهِمْ وَكَذٰلِکَ بَلَغَنَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يُعْتَقُ عَلَيْهِ بِقَدْرِ مَا اَعْتَقَ وَالشُّرَكَاءُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاؤُوْا اَعْتَقُوْا كَمَا اَعْتَقَ وَاِنْ شَاؤُوْا ضَمَّنُوْهُ اِنْ كَانَ مُوْسِرًا وَاِنْ شَاؤُوْا اِسْتَسْعَوُا الْعَبْدَ فِیْ حِصَصِهِمْ فَاِنِ اسْتَسْعَوْا وَاَعْتَقُوْا كَانَ الْوَلَاءُ بَيْنَهُمْ عَلٰى قَدْرِ حِصَصِهِمْ وَاِنْ ضَمَّنُوا الْمُعْتِقَ كَانَ الْوَلَاءُ كُلُّهٗ لَهٗ وَرَجَعَ عَلَى الْعَبْدِ بِمَا ضَمِنَ وَاسْتَسْعَاهُ

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ جس نے غلام مشترکہ میں سے کوئی سا حصہ بھی آزاد کر دیا وہ غلام مکمل آزاد ہو جائے گا پھر اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والا امیر کھاتا پیتا آدمی ہے تو وہ اپنے ساتھی کے حصہ کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر تنگ دست ہے تو آزاد شدہ غلام اپنے بقیہ شرکاء کے حصہ جات دینے کے لیے مزدوری کرے یونہی ہمیں حضور ﷺ سے روایت پہنچی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس حصہ والے سے صرف اس کے حصہ کے مطابق آزاد ہوگا اب اس کے بقیہ ساتھی مختار ہیں اگر چاہیں تو وہ راہ للہ اپنا اپنا حصہ آزاد کر دیں جیسا کہ اس نے کیا اور اگر چاہیں تو امیر ہونے کی صورت میں اپنا حصہ ادا کرنے والے

بِهٖ.

سے ضمانت لے لیں اور اگر چاہیں تو اس آزاد شدہ غلام سے محنت مزدوری کروا کر اپنے اپنے حصہ کو وصول کر لیں اگر انہوں نے محنت مزدوری کروا کر آزاد کیا تو ولاء ان تمام ساتھیوں کے مابین مشترک ہوگی جو ان کے حصہ جات کے برابر ہوگی اور اگر انہوں نے اپنا حصہ آزاد کرنے والے سے ضمانت لے لی تھی تو پھر ولاء ساری کی ساری اس ایک کی ہی ہوگی اور وہ غلام آزاد شدہ سے جتنی ضمانت بھری اس کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اس کے بدلہ اس سے محنت و مزدوری بھی طلب کر سکتا ہے۔

۸۲۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَعْتَقَ وَلَدَزِنًى وَاُمَّهٗ.

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ وَهُوَ حَسَنٌ جَمِيْلٌ بَلَغَنَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ عَبْدَيْنِ اَحَدُهُمَا لِبَغِيَّةٍ وَالْاٰخَرُ لِرَشِدَةٍ اَيُّهُمَا يُعْتَقُ قَالَ اَغْلَاهُمَا ثَمَنًا بِدِيْنَارٍ فَهٰكَذَا نَقُوْلُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک زانیہ اور اس کے ولد الزنا کو آزاد کیا۔

امام محمد کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ بہت اچھی بات ہے ہمیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت پہنچی۔ ان سے پوچھا گیا کہ دو غلام ہیں ایک کی ماں بدکار اور دوسرے کی نیک ہے ان میں سے کس کو آزاد کیا جائے آپ نے فرمایا: جس کی قیمت زیادہ ہو ہم بھی یہی کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

۸۲۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ فِيْ نَوْمٍ نَامَهٗ فَاَعْتَقَتْ عَائِشَةُ رِقَابًا كَثِيْرَةً.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَابَاْسَ اَنْ يُعْتَقَ عَنِ الْمَيِّتِ فَاِنْ كَانَ اَوْصٰى بِذٰلِكَ كَانَ الْوَلَاءُ لَهٗ وَاِنْ كَانَ لَمْ يُوْصِ كَانَ الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَيَلْحِقُهُ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر بحالت نیند میں انتقال کر گئے پھر ان کی طرف سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چند غلام آزاد کیے۔

امام محمد فرماتے ہیں ہمارا یہی مسلک ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مرنے والے کی طرف سے غلام آزاد کر دیا جائے اگر مرنے والا اس کی وصیت کر کے مرا تھا تو ولاء اس کی ہوگی اور اگر وصیت نہیں کی تھی تو ولاء آزاد کرنے والے کی ہوگی اور انشاء اللہ مرنے والے کو اجر ضرور ملے گا۔

زیر بحث باب میں غلام کو بطور سائبہ آزاد کرنا' اپنا حصہ مشترکہ غلام میں سے آزاد کرنا دو مسئلے بیان کیے گئے۔ ''سائبہ'' آزادی ایسی کہ آزاد کرنے والا اپنے غلام کو کہہ دے کہ میری ولاء میرے لیے نہیں چونکہ غلام کو اس شرط پر آزاد کرنا نص صریح کے خلاف ہے لہٰذا یہ شرط باطل ہوگی اور ولاء آزاد کرنے والے کی ہی ہوگی بشرطیکہ آزاد شدہ غلام کا کوئی وارث نہ ذوی الفروض میں سے ہو اور نہ عصبات میں سے۔ صاحب العنایہ رقم طراز ہیں:

(فان شرط على انه سائبة) اى يكون حرا ولا ولاء بينه وبين معتقه (فالشرط باطل والولاء لمن

اگر مالک نے غلام کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ سائبہ ہے یعنی آزاد ہے اور اس کے اور میرے درمیان کوئی ولاء نہیں ہوگی تو یہ شرط

اعتق لان الشرط مخالف للنص فلا يصح)

(العنایۃ مع فتح القدیر ج ۷ ص ۲۸۳ کتاب الولاء مصر)

باطل ہے اور ولاء اس کی کہ جس نے آزاد کیا ہے کیونکہ شرط مذکور نص کے مخالف ہے لہٰذا صحیح نہیں مانی جائے گی۔

نوٹ: آزاد کرنے کے لیے کچھ الفاظ صریح اور بعض کنایہ ہوتے ہیں (حوالہ کے لیے مغنی مع شرح کبیر ج ۱۲ ص ۲۳۴۔۲۳۵' مسئلہ ۸۵۶۸) ملاحظہ فرمائیں۔ الفاظ صریح میں لفظ حر' عتق اور کنایۃ میں سے میرا تجھ پر کوئی حق نہیں' تو سائبہ ہے' جہاں جانا چاہے چلا جا' میں نے تجھے چھوڑ دیا وغیرہ الفاظ کنایہ کہتے وقت اگر آزادی کا ارادہ ونیت کی تھی تو آزاد ہو جائے گا ورنہ دوسرے معانی کے احتمال پر آزادی نہیں ملے گی۔ ابن حجر کے حوالہ سے ''اوجز المسالک'' میں یوں منقول ہے:

قال الحافظ هذا طرف من حديث اخرجه الاسماعيلي بتمامه ولفظه قال جاء رجل الى عبدالله فقال ان اعتقت عبدا الى سائبة فمات فترک مالا ولم يدع وارثا فقال عبدالله وذكر حديث الباب وزاد انت ولى نعمته فلک ميراثه فان تأثمت او تحرجت فى شئى فنحن نقيله ونجعله فى بيت المال واخرجه البيهقى بسنده فقال جاء رجل الى عبدالله يعنى عبدالله بن مسعود فقال انى اعتقت غلاما لى وجعلته سائبة وذكره وحكى عن الشافعى ان العتق ماض وله ولاءه وفى الهداية اذا شرط انه سائبة فالشرط باطل والولاء لمن اعتق وعلم من هذا كله ان العتق فى السائبة صحيح لازم عند الاربعة ومن كرهه وانكره انما كرهه لانه من اعمال الجاهلية ولذا قال ابن مسعود ان اهل الاسلام لايسبون.

حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ حصہ اس حدیث پاک کا ہے جسے مکمل طور پر اسماعیلی نے بیان کیا اس کے لفظ یہ ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ کے پاس آیا کہنے لگا میں نے اپنا غلام سائبہ کے طور پر آزاد کر دیا تھا پھر وہ مر گیا اس کا کچھ مال بھی بچا ہوا ہے لیکن وارث کوئی نہیں اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا: پھر باب والی حدیث کے الفاظ ذکر کیے اور مزید یہ کہ تو اس کی نعمت کا مالک ہے لہٰذا اس کی میراث تیرے لیے ہے اگر تو اس میں کچھ گناہ یا حرج سمجھتا ہے تو ہم اسے لے کر بیت المال میں جمع کر دیتے ہیں۔ بیہقی نے اپنی اسناد سے ذکر کیا کہا کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا کہنے لگا میں نے اپنا غلام آزاد کر دیا اور سائبہ بنا دیا ہے۔ امام شافعی سے حکایت کی گئی ہے کہ اس صورت میں آزادی ہو جائے گی اور ولاء اس آزاد کرنے والے کی ہی رہے گی اور ''ہدایہ'' میں ہے کہ اگر آزاد کرتے وقت سائبہ ہونے کی شرط رکھی تو شرط باطل ہوگی اور ولاء اس کی جس نے آزاد کیا ہوگا ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ سائبہ کا عتق صحیح اور نافذ العمل ہے جسے ائمہ اربعہ نے تسلیم کیا ہے اور جس نے اسے مکروہ جانا وہ صرف اس لیے کہ یہ دور جاہلیت کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا مسلمان غلاموں کو سائبہ کے طور پر آزاد نہیں کرتے۔

سائبہ میں چونکہ یہ شرط پائی جاتی ہے کہ ولاء معتق کی نہیں ہوگی' نص کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ شرط صحیح نہیں ہوگی یہ جمہور کا مسلک ہے لیکن امام احمد کے نزدیک معتق کے لیے ولاء نہیں ہوگی اگر اس نے سائبہ کہہ کر آزاد کیا تھا لہٰذا اگر اس نے اس کی میراث میں کچھ لیا ہے تو وہ واپس کر دے۔ امام احمد سے ہی منصوص ہے کہ اگر غلام نے مال چھوڑا' وارث کوئی نہیں چھوڑا تو وہ شخص اس کے مال سے غلام خرید کر آزاد کر دے کیونکہ حضرت ابن عمر نے غلام کو سائبہ کہہ کر آزاد کیا وہ فوت ہو گیا آپ نے اس کے متروکہ مال سے غلام خرید کر آزاد کیے تھے۔ امام مالک' مقبول' ابو عالیہ اور زہری اور عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ سائبہ کی ولاء کو مخصوص مسلمانوں کے لیے

مختص کر دیا جائے جیسا کہ صحابہ کرام نے کیا تھا اختلاف ائمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ان میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مسلک کی تائید میں جو حدیث لی ہے وہ ان سب سے قوی ہے صحیح مشہور ہے یعنی الولاء لمن اعتق. (البنایہ) فاعتبروا یااولی الابصار

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ باب میں فرمایا کہ حدیث مشہور میں آیا ہے الولاء عن اطلقه اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا: اسلام میں سائبہ نہیں ان دونوں روایات کے ہوتے ہوئے سائبہ کے حق کو صحیح اور لازم قرار دینا درست نظر نہیں آتا سائبہ کی ولاء معتق کی نہ ہو تو پھر لازم آئے گا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں ان کے مالکوں کا مطالبہ درست ہو جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ کو آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا مالکوں سے اسے خریدا مالکوں نے یہ شرط باندھی تھی آزاد آپ ضرور کر دیں لیکن ولاء ہماری ہوگی حالانکہ حضور ﷺ نے ان کی یہ شرط یا مطالبہ نامنظور فرما دیا تھا اور فرمایا: ان کا کہنا کوئی وقعت نہیں رکھتا' ولاء اسی کی جو آزاد کرتا ہے اس کی بحث بالتفصیل گزر چکی ہے لہٰذا اعادہ باعث طوالت ہوگا۔

دوسرا مسئلہ مشترکہ غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دینا

اگر ایک غلام چند آقاؤں کے درمیان مشترک ہے اور ان میں سے کوئی ایک اپنے حصہ کو آزاد کر دیتا ہے تو اب اگر اس آزاد کرنے والے کے پاس اس قدر مال و دولت ہے کہ اپنے بقیہ شرکاء کے حصوں کی قیمت انہیں دے سکتا ہے تو اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا اور ولاء اس کی ہوگی اور اپنے حصہ کو آزاد کرنے والا اپنے دوسرے ساتھیوں کے حصہ جات کے مطابق رقم ادا کرے گا اگر یہ شخص تنگ دست ہے تو اس پر یہ تاوان نہیں ڈالیں گے کہ اپنے بقیہ ساتھیوں کے حصہ جات کا بندوبست کرو بلکہ صرف اس کا حصہ ہی آزاد ہوگا۔ بقیہ حصہ جات پہلے کی طرح غلام ہی رہیں گے۔ اس کے احکام مکمل غلام کے سے ہوں گے صاحبین کا اس صورت میں یہ فرمان ہے کہ غلام اپنی بقیہ قیمت دوسرے حصہ داران کو دینے کے لیے محنت و مزدوری کرے جب وہ تمام شرکاء اپنے اپنے حصہ کی قیمت وصول کر لیں تو غلام مکمل طور پر آزاد ہو جائے گا اس کی آزادی کا حکم اس وقت سے شروع کریں گے جب پہلے حصہ والے نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تھا لہٰذا اس کی ولاء پہلے حصہ کو آزاد کرنے والے کی ہوگی یہی مسلک ابن شبرما' ابن ابی لیلیٰ اور اہل کوفہ کی ایک جماعت کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور وہ مالدار ہے تو دوسرے شرکاء کو تین باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہے خواہ اس کی طرح مفت میں احسان کر کے اپنا اپنا حصہ آزاد کریں اس صورت میں ولاء سب کے لیے ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے سے اپنے اپنے حصہ کی قیمت لے لیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ غلام کو کہا جائے کہ تو محنت مزدوری کر کے بقیہ حصہ جات کی ان کے مالکوں کو قیمت ادا کر دو اس صورت میں ولاء سب کے درمیان مشترک ہوگی نیز امام صاحب نے فرمایا کہ اگر اپنا حصہ مفت میں ادا کرنے والے کو دوسرا ساتھی کہتا ہے کہ میرے حصہ کی قیمت دو اور یہ دے دیتا ہے تو اب یہ آقا غلام کو کہہ سکتا ہے کہ تمہاری مکمل آزادی کے لیے میں نے اپنے دوسرے ساتھی کو تمہاری قیمت دی لہٰذا اتنی رقم محنت و مشقت کر کے مجھے دے دینا اگر ایسا ہوتا ہے تو مکمل ولاء پہلے حصہ کو آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۵۰۷ کتاب العتق' مکتبہ علمیہ لاہور)

اختلاف فقہاء کا خلاصہ

فقہاء کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا "آزادی غلام" قسط وار ہو سکتی ہے یعنی ایک تہائی کو آزاد کرے تو ایک تہائی ہی آزاد ہو نصف آزاد کرے تو بقیہ نصف غلام ہی رہے یا کہ ایسا کرنے سے غلام مکمل آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی آزادی یک لخت ہو جاتی ہے خواہ تہائی یا نصف آزاد نہ کریں وہ مکمل آزاد ہو جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک آزادی قسط وار نہیں ہوتی اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ٹکڑوں میں آزادی ہو جاتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا (جس نے اپنا حصہ آزاد کیا) مال دار ہوگا تو آزادی قسط وار ہوگی [illegible] حصہ کا غلام آزاد کرتا ہے اور دوسرے شرکاء

کے حصہ جات کی ضمانت بھر دیتا ہے تو کل کا کل غلام اس کی طرف آزاد متصور ہوگا اور ولاء بھی اسے ہی ملے گی۔ اگر دوسرے شرکاء کے حصہ جات کی ضمانت ادا نہیں کرتا تو محض اس کا اپنا حصہ آزاد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ہوگا لیکن صاحبین کے ہاں چونکہ آزادی کی اقساط نہیں ہوتیں اس لیے ایک حصہ کا مالک جب اپنا حصہ آزاد کرتا ہے تو غلام اسی وقت مکمل آزاد ہو جائے گا۔ اب اگر دوسرے ساتھی بھی اپنے اپنے حصے آزاد کرتے ہیں تو آزاد شدہ غلام کی ولاء سب میں مشترک ہوگی اور اگر وہ اپنا اپنا حصہ آزاد نہیں کرتے پھر بھی غلام تو مکمل آزاد ہو گیا لیکن اب وہ اپنے بقیہ آقاؤں کے حصہ جات کی رقم محنت مزدوری کر کے ادا کرے گا یہ فرق امام اعظم اور صاحبین کے مابین تھا۔ دیگر ائمہ ثلاثہ نے آزادی کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک صورت میں آزادی تقسیم کو قبول کرتی ہے اور دوسری صورت میں نہیں یعنی جب اپنا حصہ آزاد کرنے والا مالدار ہے تو غلام کی آزادی اور وہ بھی مکمل اس کی طرف سے ہوگی اور اگر وہ تنگ دست ہے تو صرف اس کا اپنا حصہ آزاد ہوگا بقیہ حصہ جات دوسرے آقاؤں کی ملکیت میں بدستور رہیں گے۔ احناف نے صاحبین کے مسلک پر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دی اس کی وجہ درج ذیل حدیث مسلم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص مشترکہ غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیتا ہے اور اس کی مالی حالت ایسی ہے کہ وہ پورے غلام کی قیمت دے سکتا ہے جو قیمت ایک عادل لگائے اور وہ رقم دوسرے ساتھیوں کے حصہ کے عوض انہیں دی جائے گی اس طرح وہ غلام مکمل آزاد کر دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس مذکورہ رقم نہ ہو بلکہ تنگ دست ہو تو پھر جتنا اس کا حصہ تھا غلام اسی قدر آزاد ہوگا (امام مسلم نے آٹھ اسناد سے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے)۔

(مسلم شریف ج ا ص ۴۹۲ کتاب العتق)

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ غلام کی آزادی قسطوں میں ہو سکتی ہے اپنا حصہ آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو اس کا حصہ آزاد تو ضرور ہو گیا دوسروں کے حصہ جات اس کی رقم کی ادائیگی پر منحصر ہے اگر دے دیتا ہے تو کل غلام آزاد اور اگر غریب ہونے کی وجہ سے نہیں دے سکتا تو صرف اس کا اپنا حصہ آزاد ہوگا لہٰذا معلوم ہوا کہ آزادی میں تجزی (تقسیم) ہو سکتی ہے البتہ مالدار ہونے کی صورت میں یہ شخص دوسروں کو رقم نہیں دیتا تو دوسرے حضرات مالکان کے لیے یہ غلام محنت مزدوری کر کے رقم مہیا کرے اس کا ذکر کسی حدیث پاک میں نہیں ملتا۔

اس مسئلہ کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جناب نافع کا اثر بیان کیا کہ ولد الزنا اور اس کی والدہ کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آزاد کیا اس بارے میں امام محمد اپنا مؤقف بیان فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ولد الزنا اور غیر ولد الزنا ان دونوں میں کس غلام کی آزادی زیادہ ثواب والی ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی قیمت زیادہ ہوگی اس کی آزادی کا ثواب زیادہ ہوگا بات درست ہے کہ ولد الزنا ہونے میں لڑکے کا کیا قصور ہے؟ اسی لیے امام محمد فرماتے ہیں: میرا بھی یہی مسلک ہے امام اعظم اور ہمارے دیگر فقہاء بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں۔

مذکورہ باب کا آخری اثر کہ جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی بحالت نیند وفات کا ذکر ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف سے بہت سے غلام آزاد کیے۔ اس اثر کے تحت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے اس کے غلام آزاد کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس کی وصیت کر گیا ہو تو اس صورت میں میت کے متروکہ مال میں سے تیسرے حصے کے برابر وصیت پر عمل ہوگا۔ تیسرے حصہ کے برابر جتنے غلام آئیں وہ آزاد ہو جائیں گے۔ اس صورت میں جو وارث مرنے والے کی وصیت کو نافذ کرتے ہوئے اس کے تہائی مال میں سے جو غلام آزاد کریں گے ان غلاموں کی ولاء ان ورثا کو ملے گی دوسری صورت یہ کہ مرنے والا وصیت نہ کر سکا پھر اس کے انتقال کے بعد کسی وارث نے اپنی طرف سے اپنے حصہ کا یا ویسے ہی کوئی

غلام بطور عطیہ آزاد کردیا تو اس صورت میں ولاء اس آزاد کرنے والے وارث کو ملے گی اور آزادی کا ثواب مرنے والے کو ضرور ملے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٣٧٤- بَابُ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

٨٢٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الرِّجَالِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اُمِّهٖ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ اَعْتَقَتْ جَارِيَةً لَّهَا عَنْ دُبُرٍ مِّنْهَا ثُمَّ اِنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بَعْدَ ذٰلِكَ اِشْتَكَتْ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَشْتَكِيَ ثُمَّ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلَيْهَا رَجُلٌ سِنْدِيٌّ فَقَالَ لَهَا اَنْتِ مَطْبُوْبَةٌ فَقَالَتْ لَهٗ عَائِشَةُ وَيْلَكَ مَنْ طَبَّنِيْ قَالَ اِمْرَاَةٌ مِّنْ نَّعْتِهَا كَذَا وَكَذَا فَوَصَفَهَا وَقَالَ اِنَّ فِيْ حِجْرِهَا الْاٰنَ صَبِيًّا قَدْ بَالَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اُدْعُوْا لِيْ فُلَانَةَ جَارِيَةً كَانَتْ تَخْدُمُهَا فَوَجَدُوْهَا فِيْ بَيْتِ جِيْرَانٍ لَّهُمْ فِيْ حِجْرِهَا صَبِيٌّ قَالَتِ الْاٰنَ حَتّٰى اَغْسِلَ بَوْلَ هٰذَا الصَّبِيِّ فَغَسَلَتْهُ ثُمَّ جَاءَتْ فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ اَسَحَرْتِيْنِيْ قَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِمَ قَالَتْ اَحْبَبْتُ الْعِتْقَ قَالَتْ فَوَاللّٰهِ لَا تُعْتَقِيْنَ اَبَدًا ثُمَّ اَمَرَتْ عَائِشَةُ ابْنَ اَخِيْهَا اَنْ يَّبِيْعَهَا مِنَ الْاَعْرَابِ مِمَّنْ يُّسِيْئُ مَلَكَتَهَا قَالَتْ ثُمَّ ابْتَعْ لِيْ بِثَمَنِهَا رَقَبَةً ثُمَّ اَعْتِقْهَا فَقَالَتْ عَمْرَةُ فَلَبِثَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا مَا شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الزَّمَانِ ثُمَّ اَنَّهَا رَاَتْ فِي الْمَنَامِ اَنِ اغْتَسِلِيْ مِنْ اٰبَارٍ ثَلٰثَةٍ يَّمُدُّ بَعْضُهَا بَعْضًا فَاِنَّكِ تُشْفَيْنَ فَدَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ اِسْمَاعِيْلُ ابْنُ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ سَعْدِ بْنِ زُرَارَةَ فَذَكَرَتْ اُمُّ عَائِشَةَ الَّتِيْ رَاَتْ فَانْطَلَقَا اِلٰى قَنَاةٍ فَوَجَدَا اٰبَارًا ثَلٰثَةً يَّمُدُّ بَعْضُهَا بَعْضًا فَاسْتَقَوْا مِنْ كُلِّ بِئْرٍ مِّنْهَا ثَلٰثَ شُجُبٍ حَتّٰى مَلَؤُا الشُّجُبَ مِنْ جَمِيْعِهَا ثُمَّ اَتَوْا بِذٰلِكَ الْمَاءِ اِلٰى عَائِشَةَ فَاغْتَسَلَتْ فِيْهِ فَشُفِيَتْ۔

مدبر کی خرید وفروخت کا بیان

امام مالک نے ہمیں ابوالرجال محمد بن عبدالرحمٰن سے وہ اپنی والدہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک اپنی لونڈی کو مدبرہ کیا ہوا تھا اس کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑ گئیں پھر آپ کے ہاں ایک سندی آدمی آیا اور کہنے لگا آپ پر جادو کیا گیا ہے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تجھ پر افسوس! مجھ پر کس نے جادو کیا ہے؟ وہ سندی آدمی کہنے لگا کہ جادوگر ایک عورت ہے جس کی یہ یہ نشانی ہے اور کہنے لگا کہ اس کی گود میں ابھی ابھی بچے نے پیشاب بھی کردیا ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا فلانی لونڈی کو ذرا بلاؤ جو آپ کی خدمت کیا کرتی تھی۔ تلاش کرنے والوں نے اسے ہمسایوں کے گھر پالیا اس کی گود میں بچہ تھا کہنے لگی ابھی چلتی ہوں ذرا بچے کے پیشاب والے کپڑے صاف کرلوں اس نے کپڑے دھوئے پھر آئی تو سیدہ عائشہ نے اس سے پوچھا کیا تو نے مجھ پر جادو کیا ہے؟ کہنے لگی جی کیا ہے پوچھا کیوں کیا ہے؟ کہنے لگی میں آزادی فوری چاہتی ہوں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا خدا کی قسم! کبھی بھی تجھے آزاد نہیں کروں گی پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے کو فرمایا کہ اسے کسی ایسے بدو کے ہاتھ فروخت کردو جو اسے خوب کس کر رکھے مزید فرمایا اس کی جو قیمت ملے اس سے کوئی غلام لونڈی خرید لانا پھر میں اسے آزاد کردوں گی عمرہ راویہ بیان کرتی ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ جب تک خدا نے چاہا زندہ رہیں پھر آپ نے ایک رات خواب دیکھا جس میں کہا گیا کہ تم ایسے تین کنوؤں کے پانی سے غسل کرو جن کا پانی ایک دوسرے سے ملتا ہے تجھے شفا ہو جائے گی مائی صاحبہ کے ہاں اسماعیل بن ابی بکر اور عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ حاضر ہوئے ان سے مائی صاحبہ نے خواب بیان فرمایا یہ دونوں حضرات پانی کے نکلنے کی جگہ پہنچے وہاں تین کنوئیں دیکھے کہ ان کا پانی باہم ملتا تھا انہوں نے ہر ایک کنوئیں سے [illegible] سے لیکر ایک مشکیزہ بھر لیا وہ لے کر سیدہ عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئے آپ نے اس پانی سے غسل فرمایا اور شفایاب ہو گئیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَمَّا نَحْنُ فَلَا نَرٰی اَنْ يُّبَاعَ الْمُدَبَّرُ وَهُوَ قَوْلُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ وَ بِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہم مدبّر کی خرید وفروخت کو درست نہیں جانتے یہی قول زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

۸۲۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ ابْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ مَنْ اَعْتَقَ وَلِيْدَةً عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ فَاِنَّ لَهٗ اَنْ يَّطَاَهَا وَاَنْ يُّزَوِّجَهَا وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّبِيْعَهَا وَلَا اَنْ يَّهَبَهَا وَوَلَدُهَا بِمَنْزِلَتِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی انہوں نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ جس نے اپنے کسی غلام یا لونڈی کو مدبر کرایا (یعنی یہ کہا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے) تو وہ مالک اب بھی اپنی مدبرہ کے ساتھ وطی کر سکتا ہے اس کی کسی سے شادی کر سکتا ہے لیکن اسے نہ تو بیچ سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کر سکتا ہے اس مدبرہ کا بچہ اسی کے قائم مقام ہے۔ امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ واقعہ کے ضمن میں مدبر غلام کا مسئلہ آیا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مدبر یا مدبرہ وہ غلام یا لونڈی ہے جسے اس کا مولیٰ یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک لونڈی کو مدبرہ کیا لیکن پھر اسے فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے دوسرا غلام خرید کر اسے آزاد کرایا اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مدبر کو بیچنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو ہبہ کیا جا سکتا ہے احناف کا یہی مسلک ہے۔

اعتراض: اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی فقیہہ' عالمہ اور صحابیہ کہ خود حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا نصف دین عائشہ سے حاصل کرو۔ ان کے عمل کے خلاف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مسلک کیوں اپنایا؟

نوٹ: جواب سے قبل مدبر کے بارے میں چند باتیں تحریر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ اول یہ کہ مدبر کی دو اقسام ہیں مطلق اور مقید۔ مطلق مدبر یہ کہ کوئی مولیٰ اپنے غلام کی آزادی اپنی موت سے وابستہ کر دے اس کے لیے کبھی تو الفاظ صریحہ کہے جاتے ہیں انت مدبر' دبرتک' انت حر بعد موتی' انت معتق بعد موتی' اعتقتک بعد موتی وغیرہ الفاظ اور کبھی غیر صریحہ الفاظ ذکر ہوتے ہیں ''ان مات فلانا فانت حر یعنی اگر فلاں فوت ہو جائے تو تو آزاد ہے'' ان الفاظ سے غلام مدبر نہیں ہوگا۔ دوسری قسم مقید مدبر ہے اس کی صورت یوں بنتی ہے کہ مولیٰ اپنے غلام کی آزادی کو اپنی موت سے ہی وابستہ کرتا ہے لیکن اس میں کوئی شرط یا قید لگا دیتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ اگر اس بیماری میں یا اس سفر کے دوران میں مر گیا تو تو آزاد ہے مدبر کی ان دو اقسام میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ مدبر مطلق کی بیع اور ہبہ جائز نہیں لیکن مدبر مقید کی بیع اور ہبہ دونوں جائز ہیں غلام کو مدبر کیے جانے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے اس کی تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ ہو:

تدبیر میں اختلاف مذاہب

واختلفوا هل يجوز بيع المدبر ام لا؟ قال ابوحنيفة لا يجوز بيعه اذا كان التدبير مطلقاً وان

علماء نے اختلاف فرمایا ہے کہ مدبر کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر تدبیر مطلق ہو تو

كان مقيدا بشرط كرجوع من سفر بعينه او شفاء من مرض بعينه فبيعه جائز و قال مالك لا يجوز بيعه في حال حياته و يجوز بيعه بعد الموت ان كان على السيددين وان لم يكن عليه دين و كان يخرج من الثلث عتق جميعه وان لم يحتمله الثلث عتق ما يحتمله ولا فرق عنده بين المطلق والمقيد و قال الشافعي يجوز بيعه على الاطلاق وعن احمد روايتان احداهما كمذهب الشافعي والاخرى يجوز بيعه بشرط ان يكون على السيددين وولد المدبرة عند ابى حنيفة حكمه حكم امه الا انه يفرق بين المقيد والمطلق كما تقدم و قال مالك و احمد كذالك الا انهما لا فرق عندهما بين مطلق التدبير ومقيده و للشافعي قولان احدهما كمذهب مالك و احمد والثانى لا يتبع امه ولا يكون مدبراً. (رحمۃ الامہ)

پھر اس کی بیع جائز نہیں اور اگر شرط کے ساتھ مقید ہے جیسا کہ کسی معین سفر سے مولیٰ کا واپس آنا یا کسی معین مرض میں مرنا تو ایسے مدبر کی بیع جائز ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ مدبر کی مولیٰ کی زندگی میں بیع جائز نہیں اس کی وفات کے بعد جائز ہے بشرطیکہ مولیٰ پر قرضہ ہو اور اگر مولیٰ مقروض نہیں اور مولیٰ کے ترکہ میں سے تہائی مال سے برابر غلام کی قیمت بنتی ہے تو اس صورت میں غلام مکمل طور پر آزاد ہو جائے گا اور اگر تہائی مال سے بڑھ جاتا ہے تو اسی قدر آزاد ہوگا جس قدر تہائی مال کی قیمت ہوگی۔ امام مالک کے نزدیک مدبر مطلق و مقید میں کوئی فرق نہیں ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ مدبر کی بیع علی الاطلاق جائز ہے۔ امام محمد سے دو روایتیں ہیں ایک امام شافعی کے مذہب کے مطابق ہے اور دوسری یہ کہ مدبر کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے جب اس کے آقا پر قرض ہو مدبرہ کا بچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اپنی ماں کے حکم میں ہوگا مگر امام ابوحنیفہ مقید و مطلق کے درمیان فرق کرتے ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ امام مالک اور احمد کا قول بھی یہی ہے مگر ان دونوں حضرات کے نزدیک مطلق و مقید کا فرق نہیں ہے۔ امام شافعی کے دو قول ہیں۔ ایک قول امام مالک اور امام احمد والا ہے اور دوسرا یہ کہ مدبرہ کا بچہ اپنی ماں کے تابع نہ ہوگا اور نہ ہی مدبر ہوگا۔

تو یہی حدیث جو مؤطا کی زیر بحث ہے پیش فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مدبرہ کو فروخت کیا اور دوسری حدیث جسے بخاری و مسلم نے ذکر کیا وہ یہ کہ ایک شخص نے اپنا غلام مدبر بنایا جب مولیٰ مر گیا تو اس کے ترکہ میں صرف وہی غلام تھا تو حضور ﷺ نے اس مدبر غلام کو آٹھ سو درہم میں فروخت کر کے وارث کو دیا اور فرمایا: اس سے قرض بھی ادا کرو اور اہل و عیال کو نان و نفقہ بھی دے چونکہ امام محمد نے اپنا اور امام ابوحنیفہ اور احناف کے عام فقہاء کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ مدبر کی بیع جائز نہیں تو اس صورت میں امام شافعی کے استدلال کا کیا جواب ہوگا؟

جواب اول:

والجواب انه لاشك ان الحر كان يباع فى ابتداء الاسلام على ما روى انه ﷺ باع رجلا يقال له سرق فى دينه ثم نسخ ذالك بقوله تعالى وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة ذكره فى الناسخ والمنسوخ فلم يكن دلالة على جواز بيعه الان بعد النسخ. (فتح القدیر ج ۶ ص ۴۵۲)

بے شک ابتداء اسلام میں آزاد آدمی کو بھی بیچا جاتا رہا جیسا کہ مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک سرق نامی شخص کو اس کے قرض کے بدلہ میں فروخت کیا پھر اسے اللہ تعالیٰ کے اس قول "وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة" سے منسوخ کر دیا گیا اسے ناسخ و منسوخ میں ذکر کیا گیا ہے لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ کا واقعہ اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مدبر کی بیع کا جواز

نہیں نکلتا کیونکہ وہ منعقد ہوگئی۔

جواب دوم:

ولنا ماروی عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنهم عن رسول اللہ ﷺ انہ قال المدبر لا یباع ولا یوهب وهو حرمن ثلث مال وهذا نص فی الباب عن ابی سعید الخدری و جابر بن عبداللہ الانصاری ان رسول اللہ ﷺ نهی عن بیع المدبر ومطلق النهی یحمل علی التحریم و روی عن ابن عمر و عثمان و زید بن ثابت و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهم مثل مذهبنا وهو قول جماعة من التابعین مثل شریح و مسروق و سعید بن المسیب والقاسم بن محمد و ابی جعفر محمد بن علی و محمد بن سیرین و عمر بن عبدالعزیز والشعبی والحسن البصری والزهری و سعید بن جبیر و سالم بن عبداللہ و طاؤس و مجاهد و قتادہ حتی قال ابو حنیفة لولا قول هولاء الاجلة لقلت بجواز بیع المدبر (البدائع والصنائع ج ۴ ص ۱۲۰ کتاب التدبیر مطبوعہ بیروت)

ہماری دلیل وہ روایت ہے جو جناب نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کی انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مدبر نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جا سکتا ہے اور وہ تہائی مال سے آزاد ہے یہ روایت اس مسئلہ میں نص ہے۔ حضرت ابوسعید خدری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضور ﷺ نے مدبر کی بیع سے منع فرمادیا ہے اور مطلق منع سے مراد حرام ہوتی ہے ہمارے مذہب کے موافق حضرت عمر' عثمان' زید بن ثابت' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور یہی قول تابعین میں سے بہت سے بزرگوں کا ہے مثلاً شریح' مسروق' سعید بن میتب' قاسم بن محمد' ابوجعفر محمد بن علی' محمد بن سیرین' عمر بن عبدالعزیز' شعبی' حسن بصری' زہری' سعید بن جبیر' سالم بن عبداللہ' طاؤس' مجاہد اور قتادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حتی کہ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اگر ان اکابر حضرات کا قول یہ نہ ہوتا تو میں بھی مدبر کی بیع کے جواز کا قول کر دیتا۔

مدبر کی خرید وفروخت کے بارے میں ہر اعتبار سے جامع تحریر صاحب اوجز المسالک کی ہے ہم اسے من وعن ذیل میں درج کیے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

وقال العینی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنهم احتج به الطحاوی والکرخی والرازی وهم اساطین فی الحدیث وقال ابو الولید الباجی ان عمر رضی اللہ عنہ رد بیع المدبرة فی ملا خیر القرون وهم حضور متوافرون وهو اجماع منهم ان بیع المدبر لا یجوز والجواب عن حدیث جابر من وجوہ الاول قاله ابن بطال لا حجة فیه لان فی الحدیث ان سیده کان علیه دین فثبت ان بیعه کان لذلک. الثانی انها قضیة عن یحتمل التأویل وتاوله بعض المالکیه علی انه لم یکن له مال غیره فرد تصرفه. الثالث یحتمل

علامہ عینی نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے امام طحاوی' کرخی اور رازی ایسے سکہ بند محدثین نے احتجاج پکڑا اور ابوالولید باجی نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیر القرون (دور صحابہ کرام) کی جماعت کی موجودگی میں مدبرہ کی بیع کو رد فرمایا ایسا ہونا ان حضرات کا اجماع ہوگیا کہ مدبر کی بیع جائز نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک کے چند جوابات ہیں۔ (۱) ابن بطال نے کہا اس روایت میں مدبر کے بیچنے پر کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ اس حدیث پاک میں ہے کہ اس کے آقا پر قرضہ تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کی بیع مولیٰ کے قرض کی خاطر تھی (۲) یہ ایک معین واقعہ ہے جو تاویل کا احتمال رکھتا ہے بعض مالکی

انہ باع منفعتہ بان اجرہ والاجارۃ تسمی بیعا بلغۃ اهل الیمن لان فیها بیع المنفعۃ ویؤیدہ ما ذکرہ ابن حزم فقال و روی عن ابی جعفر محمد بن علی عن النبی ﷺ مرسلا انہ باع خدمۃ المدبر. وقال ابن سیرین لاباس بیع خدمۃ المدبر کذا قالہ ابن المسیب و ذکر ابو الولید الباجی عن جابر انہ علیہ الصلوۃ والسلام باع خدمۃ المدبر الرابع ان سید المدبر الذی باعہ النبی ﷺ کان سفیها فلذا تولی النبی ﷺ بیعہ بنفسہ. وبیع المدبر عند من لا یجوزہ لا یفتقر فیہ الی بیع الامام. الخامس یحتمل انہ باعہ فی وقت کان یباع الحر المدیون کما روی انہ علیہ الصلوۃ والسلام باع حرا بدینہ ثم نسخ بقولہ عز اسمہ وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ انتهی. وقال الباجی لیس فیما ادعوہ من حدیث جابر حصۃ لانہ یحتمل ان یکون علیہ دین قبل التدبیر فباعہ لاداء ذالک الدین وهذا عندنا جائز.

(اوجز المسالک ج ۱۱ ص ۲۳ بیع المدبر مطبوعہ ادارہ اشرفیہ ملتان)

حضرات نے اس کی تاویل بھی کی ہے کہ اس مدبر کے مولیٰ کے ہاں اس کے سوا اور کوئی مال نہ تھا اس لیے اس کی تدبیر کو تسلیم نہ کیا گیا (۳) یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ مدبر کو بعینہ نہیں بلکہ اس کی منفعت کو بیچا گیا ہو اس طرح کہ اسے اجرت پر دے دیا گیا ہو اور اہل یمن اجرت پر دیے جانے کو اپنی بولی میں ''بیچنا'' کہتے ہیں کیونکہ اس میں منفعت کی بیع تو ہے اور اس کی تائید ابن حزم کا یہ قول بھی کرتا ہے کہ ابو جعفر محمد بن علی حضور ﷺ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مدبر کی خدمت کو بیچا۔ ابن سیرین کا کہنا ہے کہ مدبر کی خدمت و منفعت کی بیع میں کوئی حرج نہیں یوں ہی ابن میتب نے بھی کہا اور ابو الولید باجی نے حضرت جابر سے یہ روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مدبر کی خدمات کو بیچا تھا (۴) مدبر وہ کہ جس کو بیچا گیا اس کا آقا سفیہ (بے وقوف) تھا اس کی سفاہت کی وجہ سے حضور ﷺ نے بیچنے کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور وہ حضرات جو مدبر کی بیع کے جائز ہونے کے قائل نہیں وہ اس بات کا امام کو بھی اختیار نہیں دیتے (۵) یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ اس دور کی بات ہو جس میں آزاد آدمی کو بھی اس کے قرض میں بیچا جاتا تھا جیسا کہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک آزاد کو اس کے قرض کے بدلہ میں بیچا پھر آزاد کی بیع (قرض کے بدلہ میں) اللہ تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ ہو گئی ''وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی المیسرۃ'' الباجی کا قول ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں مدبر کی بیع کے مجوزین کے لیے کوئی مضبوط دلیل نہیں کیونکہ اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ مولیٰ پر اس وقت کا قرض ہو جب اس نے ابھی غلام کو مدبر نہ بنایا تھا پھر مدبر بنایا اب اسے مولیٰ کے اس قرض کے بدلہ میں بیچا گیا ہو تا کہ وہ بری الذمہ نہ ہو سکے اور ایسا کرنا ہم (احناف) کے نزدیک بھی جائز ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب

والجواب عنہ علی ما فی نصب الرایہ وغیرہ من وجهین الاول انا نحملہ علی بیع الخدمۃ والمنفعۃ والثانی انا نحملہ علی المدبر المقید وعندنا یجوز بیعہ الا ان یبینوا انها کانت مدبرۃ

اس کا پہلا جواب جیسا کہ ''نصب الرایہ'' وغیرہ میں ہے یہ ہے کہ ہم اس بیع کو خدمت اور منفعت کی بیع پر محمول کرتے ہیں یا ہم اسے مدبر مقید تسلیم کرتے ہیں جس کی بیع ہمارے نزدیک جائز ہے ہاں اگر بہرصورت جائز کہنے والے یہ ثابت کر دیں کہ یہ

مطلقه وهم لا يقدرون على ذالك.

مدبر مطلق تھا (تو ہم پر اعتراض ہو سکتا ہے) لیکن انہیں اس کے ثابت کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت جابر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث بہت سے احتمالات کی حامل ہیں جن کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں اس لیے ان محتمل روایات سے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مسلک کی تائید پر دلیل و حجت پیش نہیں کی جا سکتی ادھر احناف کے مسلک پر ایسی احادیث موجود ہیں جو مدبر کی بیع کے ناجائز ہونے پر نص قطعی ہیں۔ یاد رہے کہ مدبرہ کی اولاد کا وہی حکم ہوگا جو مدبرہ کا ہوگا اس کی تفصیل بھی "رحمۃ الامۃ" کے حوالہ میں ہم درج کر چکے ہیں۔ فاعتبروا یااولی الابصار

٣٧٥ - بَابُ الدَّعْوٰى وَالشَّهَادَاتِ وَادِّعَاءِ النَّسَبِ

دعویٰ گواہی اور نسب کے دعویٰ کا بیان

٨٢٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَهِدَ اِلٰى اَخِيْهِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ مِنِّيْ فَاَقْبِضْهُ اِلَيْكَ قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ اَخَذَهٗ سَعْدٌ وَقَالَ ابْنُ اَخِيْ قَدْ كَانَ عَهِدَ اِلَيَّ اَخِيْ فِيْهِ فَقَامَ اِلَيْهِ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ اَخِيْ وَابْنُ وَلِيْدَةِ اَبِيْ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَتَسَاوَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ سَعْدٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِبْنُ اَخِيْ قَدْ كَانَ عَهِدَ اِلَيَّ فِيْهِ اَخِيْ عُتْبَةُ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ اَخِيْ اِبْنُ وَلِيْدَةِ اَبِيْ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُوَلَكَ يَا عَبْدَ بْنَ زَمْعَةَ ثُمَّ قَالَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ اِحْتَجِبِيْ مِنْهُ لَمَّا رَاٰى هِيَ مِنْ شِبْهِهٖ بِعُتْبَةَ فَمَا رَاٰهَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ.

ہمیں امام مالک نے جناب زہری سے اور انہوں نے عروہ بن زبیر سے یہ خبر دی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا بیٹا مجھ سے (میرے نطفہ سے) ہے اسے اپنے پاس رکھو مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال سعد بن ابی وقاص نے اس بچہ کو لے لیا اور کہا کہ میرا بھتیجا ہے مجھے میرا بھائی وصیت کر گیا تھا کہ اسے لے لینا اس پر عبد بن زمعہ اٹھا اور کہنے لگا یہ بچہ میرا بھائی ہے اور میرے والد کی لونڈی کا بچہ ہے اس کے بچھونے پہ پیدا ہوا تھا دونوں اپنا مقدمہ حضور ﷺ کے پاس لے گئے۔ سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرا بھتیجا ہے اس کے بارے میں بھائی عتبہ نے مجھے وصیت کی ہوئی ہے دوسری طرف سے عبد بن زمعہ بولا اور کہا کہ میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہونے کی وجہ سے میرا بھائی ہے اور یہ پیدا بھی میرے باپ کے گھر ہی ہوا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: یہ بچہ اے عبد بن زمعہ! تیرا بھائی ہے اسے لے جا پھر آپ نے فرمایا بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے سنگساری ہے پھر آپ نے سودہ بنت زمعہ کو فرمایا تو اس سے پردہ کیا کر جبکہ آپ نے اس میں عتبہ کی مشابہت دیکھی تو سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو اس نے زندگی بھر نہ دیکھا (یعنی آپ نے اس سے زندگی بھر پردہ کیے رکھا)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی مذہب ہے کہ بچہ اسی کا جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو اور زانی کے لیے سنگساری یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا قول ہے۔

زمعہ کی لونڈی کے بچے کا واقعہ دیگر کتب احادیث میں مختلف الفاظ سے مروی ہے ''بخاری شریف'' میں ج ا ص ۲۷۶ اور ج ۳ ص ۶۱۶ پر بھی تحریر ہے۔ مذکورہ واقعہ میں سعد بن ابی وقاص' عتبہ بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ تین نام مذکور ہوئے ان کا مختصر تعارف علامہ عینی کے حوالہ سے کچھ یوں ہے:

عتبہ بن ابی وقاص' یہ وہ بدبخت شخص ہے کہ جس نے میدان احد میں حضور ﷺ کے دندان مبارک کو نقصان پہنچایا اس کے لیے حضور ﷺ نے اپنے رب کے ہاں یوں عرض کی ''اللهم لا يحول عليه الحول حتى يموت كافرا اے اللہ! سال گزرنے سے پہلے ہی اسے کافرانہ موت دے''۔ چنانچہ یہ سال کے اندر اندر بحالت کفر مر گیا یہ شخص حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھائی ہے جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے ''فارس الاسلام'' ان کو لقب ملا تھا' ۵۵ھ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے عمر تقریباً ستر سے کچھ زائد برس تھی' عشرہ مبشرہ میں سب سے آخر میں انتقال فرمایا۔

عبد بن زمعہ کہ جس نے بچہ کے متعلق اپنا بھائی ہونے کا دعویٰ کیا یہ ام المؤمنین سیدہ سودہ بنت زمعہ کا بھائی ہے ان کے بارے میں علامہ عینی رقم طراز ہیں ''كان شريفا سيدا من سادات الصحابة شریف انسان تھے اور بزرگ صحابہ کرام میں سے ایک تھے''۔

(عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۶۷-۱۶۸)

اسلام میں ثبوتِ نسب کا طریقہ

جناب سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ کے مابین بچے کے بارے میں جو جھگڑا ہوا وہ بیان ہو چکا ہے اس کی اصل وجہ اور بنا کیا تھی؟ اسے صاحب عمدۃ القاری نے یوں لکھا ہے:

دور جاہلیت میں لونڈیاں زنا کرالیا کرتی تھیں اور اس دوران ان کے مالک بھی ان سے ہم بستری کر لیا کرتے تھے پھر جب ایسی لونڈی کے ہاں کسی بچہ کا تولد ہوتا تو کبھی مولیٰ اس کے اپنا بیٹا ہونے کا مدعی ہوتا اور کبھی زانی اسے اپنا بیٹا قرار دیتا اگر مولیٰ اس حالت میں مر جاتا کہ اس نے زندگی میں بچے کا انکار کیا نہ اقرار و دعویٰ کیا ہوتا لیکن اس کے ورثاء مدعی ہوتے تو اس صورت میں بچہ کو مولیٰ کے نسب میں شمار کیا جاتا تھا مگر اسے وراثت نہیں ملتی تھی ہاں اگر تقسیم وراثت سے قبل مولیٰ کے نسب سے الحاق ہو گیا ہوتا تو وراثت ملتی اور اگر مولیٰ مرنے سے قبل اس کے بیٹے ہونے سے انکار کر دیتا تو ایسے بچہ کو اس کے نسب سے لاحق نہیں کیا جاتا تھا۔ واقعہ مذکورہ میں بظاہر حدیث پاک میں ایسے الفاظ نہیں ملتے کہ زمعہ نے اس کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا ہو لیکن صاحب انکار بھی نہیں ملتا اس لیے عتبہ کو یہ خیال ہوا کہ وہ اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے لہٰذا اس نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص کو وصیت کی کہ اسے تم لے لینا۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۱۱ ص ۱۷۹ باب التفسیر المشبہات' مطبوعہ بیروت)

عبد بن زمعہ کے بھائی کے متنازع فیہ نسب کا فیصلہ

رسول کریم ﷺ نے عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ فرمایا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ''بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو'' لیکن کیا آپ نے حقیقتاً اس بچے کو عبد ابن زمعہ کا بچہ قرار دیا۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک اس کا نسب درحقیقت عتبہ سے متصل تھا یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا اگر واقعتاً اور حقیقتاً اس بچے کو آپ ﷺ عبد ابن زمعہ کا حقیقی بیٹا قرار دیتے تو پھر یہ بچہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا دونوں حقیقی بہن بھائی ہوتے اور بہن کا بھائی سے پردہ کرنے کا کیا مطلب؟ (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۱۶ 'مطبوعہ نور محمد پاکستان)

اگر چہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر حضور ﷺ کے یہ الفاظ مبارکہ نقل کیے۔ ''هو اخوك يا عبد ابن زمعة من اجل انه ولد على فراشه اے عبد ابن زمعہ! وہ تیرا بھائی ہے اس لیے کہ وہ (تیرے باپ) زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا''

لیکن "مسند امام احمد بن حنبل" میں سند صحیحہ کے ساتھ ایک حدیث مذکور ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے مختلف ہے۔

فقال النبی ﷺ لسودة اما المیراث فله واما انت فاحتجبی منه یا سودة فانه لیس لک باخ.

(مسند امام احمد حنبل مع منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۵ عبداللہ بن زبیر کی روایت' مطبوعہ بیروت)

پس حضور ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میراث (یعنی زمعہ کی) تو اسے ہی ملے گی۔ رہا معاملہ تمہارا تو تم اس سے پردہ کیا کرو کیونکہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔

"صحیح بخاری" اور "مسند امام احمد بن حنبل" کی روایات میں بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے "بخاری شریف" والی روایت کے مطابق جب یہ بچہ عبدابن زمعہ کا ہوا تو سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا چونکہ زمعہ کی بیٹی ہیں اس لیے یہ دونوں بہن بھائی ہوئے عبدابن زمعہ ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں جب انہیں بروایت بخاری حضور فرمارہے ہیں کہ یہ تیرا بھائی ہے تو حقیقی بھائی کا حقیقی بھائی' بھائی ہی ہوتا ہے لیکن "مسند امام احمد بن حنبل" کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ تو اس سے پردہ کیا کر کیونکہ یہ تیرا بھائی نہیں ہے۔ بروایت بخاری حضرت سودہ کا بھائی اور بروایت مسند امام احمد بن حنبل سیدہ سودہ کا غیر محرم یہ دونوں باتیں ایک ہی شخص میں کس طرح جمع ہوسکتی ہیں؟

اس بارے میں تحقیق و تطبیق یوں ہے کہ یہاں مذکور لڑکے کے بارے میں دو واضح اسباب یا جہتیں ہیں۔ ایک جہت یہ کہ یہ حقیقت میں کس کے نطفہ سے پیدا ہوا؟ اور دوسری جہت یہ کہ کس کے بستر پر پیدا ہوا؟ حضور ﷺ کے دونوں جہات پیش نظر تھیں اور آپ علم یقینی سے جانتے تھے کہ یہ بچہ کس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اس لیے جب آپ نے اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ سودہ تو اس سے پردہ کیا کر کیونکہ یہ تیرا بھائی نہیں تو اس سے مراد یہ تھی کہ یہ بچہ تیرے باپ زمعہ کے نطفہ سے نہیں پیدا ہوا بلکہ عتبہ بن ابی وقاص کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے لہٰذا تم اس سے پردہ کرو رہا یہ کہ آپ نے اسے عبدابن زمعہ کا بھائی بھی تو قرار دیا ہے تو اس کی وجہ خود حضور ﷺ نے فرمائی "الولد للفراش بچہ اس کا جس کے بستر پر پیدا ہو"۔ چونکہ اس بچہ کی ماں زمعہ کی لونڈی تھی اور اس کے ہاں یہ بچہ پیدا ہوا لہٰذا اس قانون شرعی کے تحت وہ زمعہ کا بیٹا کہلایا ان دو جہات کے پیش نظر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو مشبہات کے تحت درج کیا ہے۔ جہت نطفہ کے پیش نظر سیدہ سودہ کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا اور قانون کلیہ شرعیہ کے تحت عبد ابن زمعہ کا بھائی قرار دیا ان وجوہات کے پیش نظر آپ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ یہ لڑکا تمہارے والد کی میراث پائے گا باوجود یکہ وہ تیرا بھائی نہیں ہے کیونکہ اس کی پیدائش تیرے باپ کے نطفہ سے نہیں بلکہ عتبہ بن ابی وقاص کے نطفہ سے ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اسلام میں نسب کا اعتبار فراش کو دیکھ کر کیا جاتا ہے خواہ بچہ بچی اس کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہوں یا کسی اور کے نطفہ سے۔

مذکورہ باب سے متعلق چند فقہی مسائل از کتب احناف

مسئلہ اولیٰ: اثباتِ نسب کے لیے وطی شرط نہیں ہے

کتب فقہ میں ایک جزئی موجود ہے وہ یہ کہ عورت مغرب میں رہتی ہے اور اس کا خاوند مشرق میں رہائش پذیر ہے ایسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ کس کی طرف منسوب ہوگا؟ احناف کا مسلک یہ ہے کہ نفس عقد کے ساتھ ہی عورت کا فراش ہونا ثابت ہو جاتا ہے اب صاحب فراش یعنی خاوند کا اپنی بیوی سے وطی کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ ثبوت نسب کے لیے احناف کے نزدیک امکان وطی شرط نہیں۔ امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ عنہما امکان وطی کی شرط لگاتے ہیں اس اختلاف ائمہ کو امام نووی نے "شرح مسلم" میں یوں لکھا ہے:

و اما مالقير به المراة فراشا فان كانت زوجة صارت فراشا بمجرد عقد النكاح ونقلوا في هذا الاجماع و شرطوا امكان الوطى بعد ثبوت الفراش فان لم يمكن بان نكح المغربى مشرقية ولم يفارق و احدمنهما وطنه ثم اتت بولد لستة اشهر او كثر لم يلحقه لعدم امكان كونه منه هذا قول مالك والشافعى والعلماء كافة الا ابا حنيفة فلم يشترط الامكان بل اكتفى بمجرد العقد قال حتى لو طلق عقب العقد من غير امكان الوطى فولدت لستة اشهر من العقد لحقه الولد.

(نووی شرح مسلم ج اص ۴۷۰ کتاب الرضاع باب الولد للفراش)

عورت کا فراش ہونا اگر عورت کسی کی بیوی بن گئی تو وہ محض عقد نکاح سے فراش ہو جائے گی اس میں اجماع منقول ہے ثبوتِ فراش کے بعد امکانِ وطی کی فقہاء کرام نے (ثبوت نسب کے لیے) شرط لگائی ہے لہٰذا اگر امکان وطی نہ ہو جیسا کہ کسی مغرب میں رہنے والے نے مشرق میں آباد عورت سے نکاح کیا اور ان دونوں میں سے کسی نے بھی اپنا وطن نہیں چھوڑا پھر اس عورت کے ہاں چھ ماہ یا اس سے زائد مدت کے بعد بچہ بچی پیدا ہو گیا تو اس نومولود کو اس کے خاوند سے بطور نسب نہیں ملایا جائے گا کیونکہ خاوند سے اس بچہ کا ہونا ناممکن ہے یہ قول امام مالک' امام شافعی اور بہت سے دیگر علماء کرام کا ہے مگر امام ابوحنیفہ امکان وطی کی شرط نہیں لگاتے بلکہ وہ محض عقد کو ہی کافی سمجھتے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ اگر کسی نے عقد کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور دونوں میں وطی ہونے کا امکان نہ تھا پھر اس کی بیوی نے عقد ہونے کے چھ ماہ کے اندر اندر کوئی بچہ جنا تو وہ بچہ اس عورت کے خاوند سے ملحق ہوگا (یعنی اس کا نسب اس خاوند سے ثابت ہوگا)۔

قارئین کرام! حوالہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں عقد نکاح کے بعد ثبوت نسب کے لیے امکان وطی شرط نہیں اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے''الولد للفراش وللعاهر الحجر بچہ فراش کا اور زانی کے لیے سنگساری''۔آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ نومولود کا نسب اس کی والدہ کے خاوند سے ہوگا۔خواہ اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہو یا نہ ہو زانی سے آپ نے ثبوت نسب نہیں فرمایا حالانکہ اس سے وطی بالفعل پائی گئی اس کے باوجود کہ وطی اس نے کی لیکن پیدا ہونے والا بچہ اس کا بیٹا نہیں کہلائے گا۔صاحب تبیین الحقائق فرماتے ہیں:

فصار لتزوج المغربى المشرقية وبينهما مسيرة سنة فجاءت بولد لستة اشهر من يوم تزوجها الامكان مكان العقلى وهو ان ليصل اليها بخطوة كرامة من الله تعالى.

(تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۹ باب ثبوت النسب)

یہ مسئلہ کچھ اس طرح ہو گیا کہ ایک مغرب میں رہنے والے مرد نے مشرق میں بسنے والی عورت کے ساتھ شادی کی ان دونوں کے درمیان ایک سال کا راستہ ہے' شادی کے چھ ماہ بعد مذکورہ عورت کے ہاں بچہ جنم لیتا ہے (تو وہ بچہ اس کے خاوند کا شمار ہوگا) کیونکہ یہاں امکان عقلی موجود ہے وہ یہ کہ اس عورت کے مرد کو اللہ تعالیٰ نے یہ کرامت بخشی ہو کہ وہ ایک قدم اٹھائے اور اس عورت تک پہنچ جائے۔

یہی مسئلہ قدرِ اختلاف الفاظ سے صاحب بحر الرائق نے ج ۴ ص ۱۵۵' باب ثبوت النسب مطبوعہ مصر پر تحریر کیا اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''المبسوط'' میں اسے واضح اور صاف صاف طور پر ذکر فرمایا: ملاحظہ ہو:

و من اصلنا فى النكاح الجائز ان النسب يثبت

جائز نکاح میں ہمارے اصول میں سے ایک اصل یہ ہے کہ

بمجرد الفراش الثابت بالنكاح ولا يشترط معه التمكن من الوطء وعلى قول الشافعي بمجرد النكاح بدون التمكن من الوطء لا يثبت النسب... ان حقيقة العلوق من مائه لا يتوقف عليها فكذالك التمكن من الوطيء حقيقتاً لايمكن الوقوف عليه لاختلاف طبائع الناس فيه وفي الاوقات فيجب تعليق الحكم بالنسب الظاهر وهو النكاح الذى لا يعقد شرعا الا لهذا المقصود ومتى قام النسب الظاهر مقام المعنى الخفي سقط اعتبار الخفي و دار الحكم مع النسب الظاهر وجودا وعدماً وهو اصل كبير في المسائل كما اقيم السفر المريد مقام حقيقة المشقة في اثبات الرخصة لبيب السفر.

(المبسوط ج ۷ ص ۱۵۶ باب دعوۃ الولد من الزنا والنکاح)

نسب کا ثبوت محض فراش سے ہوسکتا ہے جو نکاح کے ساتھ ثابت ہوتا ہے نکاح کے ساتھ ثبوت نسب کے لیے وطی پر قدرت کا ہونا شرط نہیں اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول پر وطی پر تمکن کے بغیر محض نکاح سے نسب ثابت نہیں ہوتا..... تحقیق یہ ہے کہ نطفہ کا رحم میں حقیقتاً استقرار اس پر موقوف نہیں کہ یہ بات بالکل ثابت ہو کہ یہ استقرار مرد کے نطفہ سے ہی ہوا ہے یونہی اگر کسی کو حقیقتاً وطی کرنے کی قدرت ہے اور وہ کرتا بھی ہے تو ہمیں کیا پتہ کہ اس کی وطی کرنے سے اس کے نطفہ سے حمل ہوگیا یا نہیں ہوا کیونکہ اس بارے میں لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اور اوقات کا بھی اختلاف موجود ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ حکم (بچہ کے نسب کا ثبوت) کو ظاہر نسب کے ساتھ ہی معلق کیا جائے اور ظاہر نسب ''نکاح'' ہی ہے جو شرعاً اسی مقصد کے لیے کیا جاتا ہے اور جب نسب ظاہر ''خفی معنی'' کے قائم مقام ہوگیا تو خفی معنی کا اعتبار ساقط ہوگیا اور حکم کا دارومدار نسب ظاہر پر وجوداً وعدماً ہوجائے گا یہ ایک بہت بڑا اصل ہے جو بہت سے مسائل میں کام دیتا ہے جیسا کہ سفر قائم مقام مشقت کے ہے اور سفر کے سبب سے مشقت حاصل ہوتی ہے اب مشقت کی بجائے سفر پر ہی رخصت و عدم رخصت کا دارومدار ہے۔

مسئلہ ثانیہ

وطی کے بغیر اگر مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں پہنچا دیا جائے تو نسب ثابت ہوجائے گا۔

(جاءت امرأة المجبوب بولد) لم تعلم بجبه فادعاه ثبت نسبه ثم علمت فلها الفرقة تاتارخانيه ولو ولدت (بعد التفريق الى سنتين ثبت نسبه) لا نزاله بالسحق. (درمختار ج ۳، ص ۴۹۵ باب العنین، مطبوعہ مصر)

مجبوب کی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا اور وہ اس کا مجبوب ہونا نہیں جانتی تو اس بچے کا اس کے خاوند سے نسب ثابت ہوگا پھر اس عورت کے لیے علیحدگی کا اختیار ہے اور اگر تفریق کے بعد مذکورہ عورت نے دو سال کے اندر بچے کو جنم دیا تو بھی اس مرد کا نسب ثابت ہوگا کیونکہ شرمگاہوں کے باہم رگڑ کھانے سے انزال ہونا ممکن ہے۔

ولو كان الزوج مجبوبا ففرق القاضي بينهما فجاءت لولدلاقل من ستة اشهر من وقت الفرقة لزمه الولد خلى بها او لم تخل وهذا عند ابى يوسف وقال ابوحنيفه يلزمه الى سنتين اذا خلى بهاء الفرقة ماضيته بلا خلاف. (ردالمحتار ج ۳ ص ۴۹۵)

اگر خاوند مجبوب ہے پھر قاضی نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی کا حکم دے دیا پھر اس عورت نے جدائی کے وقت سے چھ ماہ کے اندر اندر کسی بچے کو جنم دیا تو یہ بچہ اس کے مجبوب خاوند کا ہوگا۔ خواہ اس نے اس عورت سے خلوت نشینی کی یا نہ کی۔ یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو سال تک بھی پیدا ہونے والا اسی خاوند کا ہوگا اور قاضی

کا دونوں میں علیحدگی کر دینا بالاتفاق باقی رہے گا۔

قارئین کرام! مسئلہ مذکورہ میں مجبوب سے بالفعل صحیح وطی ناممکن ہے لیکن ایک امکانی صورت ایسی ہے جس سے عورت کے رحم میں اس کا مادۂ منویہ پہنچ جاتا ہے وہ یہ کہ میاں نے اپنی شرمگاہ بیوی کے فرج کے ساتھ رگڑی اور اس فعل سے مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں داخل ہو گیا لہٰذا اس امکانی صورت کے پیش نظر اس عورت کے ہاں چھ ماہ اور بقول امام اعظم دو سال کے اندر اندر پیدا ہونے والا بچہ اسی مجبوب کا متصور ہوگا اور اس کا نسب اس سے ثابت ہوگا اسی مسئلہ کو ذرا تفصیل سے امام سرخسی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "المبسوط" میں یوں تحریر فرمایا:

وانما اختلف الجواب لاختلاف الموضوع فحيث قال لا تجب العدة اراد فى مجبوب قد جف ماء ه فيكون هذا بمنزلة الصبى لا تعتبر خلوته فى ايجاب العدة وحيث قال تجب العدة اراد فى مجبوب له ماء يسحق فينزل فتجب العدة احتياطاً ان لم يكن دخل بها اوخلى بها فلها نصف المهر ولا علة عليها ثم بعد مافرق القاضى بينهما فى الموضع الذيوجبت عليها العدة اذا جاء ت بولد الى سنتين يثبت النسب منه ولا تبطل تلك الفرقة لان ثبوت النسب باعتبار الانزال بالسحق فذالک غير مبطل حقها.

(المبسوط ج ۷ اص ۱۵۶ باب دعوۃ الولد من الزنا مطبوعہ بیروت)

مجبوب کے احکام میں اختلاف دراصل اختلاف موضوع پر مبنی ہے جہاں کہا کہ اس کی زوجہ کے لیے عدت واجب نہیں ہے تو یہ اس مجبوب کے بارے میں حکم ہے جس کا مادۂ منویہ خشک ہو کر ختم ہو چکا ہو اب یہ مجبوب اسی بچے کے قائم مقام ہوگا جس کی اپنی بیوی کے ساتھ خلوت معتبر نہیں ہے کہ جس سے خلوت کے بعد طلاق کی صورت میں اس کی بیوی پر عدت واجب ہو اور جس جگہ وجوب عدت کا قول ہے اس سے ایسا مجبوب مراد ہے کہ جس کا مادۂ منویہ ابھی خشک نہیں ہوا وہ اگر اپنی بیوی کی اندام نہانی سے اپنی شرمگاہ کو رگڑتا ہے اور انزال ہو جاتا ہے تو اس کی بیوی پر احتیاطاً عدت واجب ہوگی۔ اگرچہ اس نے اس سے وطی نہ کی ہو یا اس سے علیحدگی اور تنہائی میں نہ ملا ہو تو اس عورت کے لیے آدھا حق مہر ہوگا اور عدت نہیں ہوگی پھر جس صورت میں اس کی بیوی پر عدت واجب تھی اس صورت میں جب ان دونوں کے درمیان قاضی نے علیحدگی کرادی علیحدگی کے حکم کے بعد صورت مذکورہ میں اگر مجبوب کی عورت نے دو سال کے اندر اندر کسی بچہ کو جنم دیا تو اس کا نسب اس کے خاوند سے ہی ثابت ہوگا اور قاضی کی کی گئی علیحدگی باطل نہ ہوگی کیونکہ نسب کا ثبوت انزال کے اعتبار پر ہے اور یہاں رگڑ سے انزال کا اعتبار موجود ہے اور یہ طریقہ عورت کے حق کو باطل نہیں کر سکتا۔

وقد قيل ان المرأة تحمل من غير وطئه بان يدخل ماء الرجل فى فرجها اما بفعلها او فعل غيرها ولهذا يتصور حمل البكر فقد وجد ذالک.

(المغنی ج ۱۰ص ۱۸۷ مسئلہ ۲۰۱۷ حکم الزنا لا بقیم الا الامام الد بعلہ)

کہا گیا ہے کہ عورت اپنے خاوند کی وطی کیے بغیر بھی حاملہ ہوسکتی ہے وہ یوں کہ اس کی شرمگاہ میں مرد کا مادۂ منویہ داخل کر دیا جائے خواہ وہ اس عورت کے اپنے فعل سے یا کسی دوسرے کے فعل سے داخل ہوا سی لیے باکرہ کا حاملہ ہونا بھی ممکن و متصورہ اور ایسا ہوا بھی ہے۔

لا اشکال فی ان تلقیح ماء الرجل بزوجته جائز وان وجب الاحتراز عن حصول مقدمات محرمة لکون الملقح اجنبیاً او التلقیح مستلزماً للنظر الی مالا یجوز والنظر الیه فلو فرض ان النطفة خرجت بوجه محلل ولقحها الزوج بزوجته وحصل منها وله کانت ولدهما کما لو ولد بالجماع بل لو وقع التلقیح من ماء الرجل بزوجته بوجه محرم کما لولقح الاجنبی اذا خرج المنی بوجه محرم کان الولد ولدهما وان عاصماً بارتکاب الحرام.

(تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۵۴۸ ، المسائل المستحدثہ مسئلہ نمبر ۱ ، مطبوعہ تہران)

مرد کا اپنی بیوی کے فرج میں پانی ڈالے جانے میں کوئی اشکال نہیں ہے یہ جائز ہے اگرچہ پانی ڈالنے کے لیے ناجائز مقدمات کو بروئے کار لانے سے احتراز واجب ہے جیسا کہ مرد کا مادۂ منویہ ڈالنے والا اجنبی ہے یا مادۂ منویہ کا ڈالنا عورت کی شرمگاہ کے دیکھے بغیر ممکن نہیں اور ڈالنے والا اجنبی ہے لہٰذا اگر فرض کیا جائے کہ مرد کا مادۂ منویہ کسی جائز طریقہ سے حاصل کیا گیا اور خاوند نے اس مادۂ منویہ کو اپنی بیوی کے فرج میں ڈال دیا پھر اس سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ ان دونوں کا بچہ ہوگا اور اسی طرح کہ جس طرح جماع سے بچہ حاصل ہوتا ہے اور اگر خاوند کا مادۂ منویہ عورت کی شرمگاہ میں حرام طریقہ سے داخل کیا گیا بلکہ اگر کوئی اجنبی اس مادۂ منویہ کو عورت کے فرج میں داخل کرتا ہے اور وہ مادۂ منویہ بھی حرام طریقہ سے نکالا گیا پھر بھی پیدا ہونے والا بچہ ان دونوں کا بچہ ہی ہوگا اگرچہ وہ شخص حرام کے ارتکاب سے گنہگار ہوا۔

مذکورہ بالا حوالہ جات (جو اہل سنت واہل تشیع کی کتب معتبرہ سے پیش کیے گئے) سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ثبوت نسب کے لیے وطی یا امکان وطی شرط نہیں ہے حوالہ جات مذکورہ سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) مرد کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہے (یعنی مجبوب ہے) ایسے خاوند کی بیوی نے چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد بچہ جنا تو وہ صحیح النسب ہوگا۔

(۲) مجبوب اگر ایسا ہے کہ اس کا مادۂ منویہ خشک ہو گیا اور قاضی نے دونوں میاں بیوی میں تفریق کر دی' تفریق کے بعد چھ ماہ سے قبل پیدا ہونے والا بچہ اسی خاوند کا ہوگا۔

(۳) اگر مجبوب کا مادۂ منویہ خشک ہو چکا ہو اور فرقت بھی ہو چکی ہو تب نسب ثابت نہ ہوگا (حالانکہ مجبوب وطی بالفعل پر قادر نہیں ہوتا)۔

(٤) اگر مرد کا مادۂ منویہ جائز یا ناجائز طریقہ سے نکالا گیا اور اسے جائز یا ناجائز طریقہ سے اس کی بیوی کے رحم میں داخل کر دیا گیا تو بھی نسب ثابت ہو گیا۔

(٥) باکرہ عورت بھی حاملہ ہو سکتی ہے' وہ یوں کہ اس کے خاوند نے اس سے وطی نہ کی ہو بلکہ بغیر وطی کیے کسی اور طریقہ سے اس کے رحم میں مادۂ منویہ منتقل کر دیا گیا۔

ان تمام تنقیحات سے معلوم ہوا کہ مادۂ منویہ کے عورت کے رحم میں منتقل کر دینے سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ طریقہ انتقال جائز ہو یا ناجائز۔ اس کے جواز وعدم جواز کا گناہ ہونا یا نہ ہونا الگ مسئلہ ہے۔ جدید طریقہ تولید کی شاخیں ان حوالہ جات سے ملتی ہیں۔ اس لیے جدید مسائل میں سے ہم ایک نیا تجربہ مسئلہ تولید (ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ عمل تلقیح اور اس کے پیدا ہونے والے بچہ کے نسب وغیرہ) پر گفتگو کرتے ہیں تا کہ اس کی حقیقت سامنے آنے پر اس کے جائز وناجائز ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقہ شرعاً کیسا ہے؟

طریقہ مذکورہ میں علماء مختلف ہیں۔ لیکن راقم الحروف چند شرائط کے ساتھ اس طریقہ تولید کے جواز کا قائل ہے۔ وہ شرائط تقریباً پچھلے ایک حوالہ میں "تحریر الوسیلہ" میں مذکور ہو چکی ہیں۔ اصل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ ثبوت نسب کے لیے وطی پائی جانی شرط نہیں۔ اور تولید کا عمل وطی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی موجود ہے۔ ہمیں اس طریقہ کے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے ہونے والے بچہ کے اثبات نسب پر بحث کرنا مقصود ہے۔ ٹیسٹ ٹیوب بھی ایک جدید طریقہ ہے جس سے مرد کا مادۂ منویہ عورت کے اندر رکھا جاتا ہے۔ لہٰذا ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ حصول اولاد کو حرام کہنا کسی طرح درست نہیں نظر آتا کیونکہ نہ تو اس طریقہ میں شرعاً قرآن و حدیث کی مخالفت ہے اور نہ ہی اس میں حرمت کا شائبہ ہے تاکہ اس کو حرام قرار دیا جائے اور جو علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان میں سے ایک دیوبندی مولوی مفتی ہیں جن کی لکھی گئی کتاب میں مختلف جدید مسائل کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ کو بھی ذکر کیا ہے اور اس کی حرمت یا عدم جواز کے دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔ "جدید فقہی مسائل" نامی کتاب کی پہلے عبارت اور پھر اس پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

ٹیسٹ ٹیوب کے سلسلہ میں مختلف مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) کیا نسل انسانی کی افزائش کے لیے یہ طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے؟ (۲) کیا اس کی وجہ سے نسب ثابت ہوگا؟ پرورش، نفقہ اور وراثت وغیرہ میں حقیقی اولاد کی حیثیت ہوگی؟ (۳) کیا اس کی وجہ سے حرمت نکاح اور پردہ وغیرہ کے احکام ثابت ہوں گے؟ (٤) اگر کسی اجنبی مرد کا مادہ استعمال کیا گیا تو اس کا شمار زنا میں ہوگا؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ شریعت کا اصول ہے انسانی جسم سے اسی انداز سے کام لیا جائے کہ جو فطرت اور انسان کا تقاضا ہے۔ کسی غیر معمولی اور ناگزیر صورت کی بنا پر البتہ ایسی صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً کسی کے حلق سے غذا کا پہنچانا ناممکن ہو تو نلکی کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے۔ یہاں غذا چونکہ انسانی زندگی کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے اس لیے عمل عین درست ہوگا۔ یہاں جس طریقہ کا ذکر کیا گیا ہے ظاہر ہے وہ غیر فطری ہے اور اس کا استعمال توالد و تناسل کے لیے کیا جا رہا ہے۔ جو کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے کہ اس پر انسان کا وجود اور اس کی بقاء موقوف ہو۔ اس لیے مذکورہ طریقہ کار یقیناً اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ دوسرے سوال کا جواب البتہ اگر اس طرح تولید کا عمل کر ہی لیا جائے تو نسب ثابت ہوگا اور وراثت وغیرہ کے احکام ثابت ہوں گے۔ ثبوت نسب کے لیے وطی کی فطری صورت ضروری نہیں ہے۔ اس کے بغیر بھی اگر مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچ جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ فقہاء کی بعض عبارتوں سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے:

البکر اذا جومعت دون الفرج فحبلت بان دخل الماء فی فرجها فلما قرب اوان ولادتها تزال عزرتها ببیضة او بحرف درهم. (ج ۳ ص ۱۱۴)

کنواری لڑکی سے شرمگاہ کے باہر ہمبستری کی جائے پھر وہ حاملہ ہو جائے بایں طور کہ مادۂ منویہ شرمگاہ میں داخل ہو جائے تو جب ولادت کا وقت قریب آئے تو انڈے یا درہم کے کونوں کے ذریعہ اس کا پردۂ بکارت یا پردہ کنوارپن چاک کر دیا جائے گا۔

تیسرے سوال کا جواب اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے حرمت نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا۔ یعنی ماں، باپ، دادا، نانی وغیرہ کا سلسلہ ٹھیک اسی طرح حرام ہوگا جس طرح فطری توالد و تناسل کی وجہ سے ہوتا ہے اور پردہ وغیرہ میں بھی ان کی حیثیت محرم کی ہوگی اور ان کو وہ ساری سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اس کے لیے ایک اور بھی نظیر موجود ہے کہ حرمت کے اسباب میں سے رضاعت یعنی دودھ پلانا بھی ہے۔ رضاعت کا فطری طریقہ تو یہ ہے کہ بچہ ماں کے تھن سے دودھ پیئے۔ لیکن اس کی بجائے اگر دودھ تھنوں سے نکال کر اس کے منہ میں ڈال دیا جائے تاکہ [illegible] حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ امام

محمد کے ہاں حقنہ کے ذریعہ بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لہٰذا جب غیر فطری طریقہ کا استعمال کرنے کے باوجود حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے تو حرمت نسب بھی ثابت ہو جانی چاہیے۔ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

ما یحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب والسعوط والوجود کذا فی فتاوی قاضی خان ومنه محمد یثبت بالحقنة کما فی التهذیب.

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ص ۳۶۸ کتاب الرضاع، مطبوعہ مصر)

حرمت رضاعت جس طرح تھن سے دودھ پینے سے ہوتی ہے اسی طرح حلق میں دودھ بہا دینے' ناک میں چڑھا دینے اور حلق میں قطرہ ڈالنے سے بھی ہوگی اور امام محمد کے ہاں حقنہ سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

چوتھے سوال کا جواب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صورت عملاً زنا ہوگی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا ہوگی البتہ اس پر اسلامی ممالک میں زنا کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ وہ سزا خود ناجائز عمل پر ہی نہیں ہے بلکہ باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے پر ہے۔

تبصرہ: ''جدید فقہی مسائل'' کے مصنف مولوی سیف اللہ رحمانی دیوبندی کا اصل مقصد یہ ہے کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ تولید ناجائز ہے اور اس کی دلیل فطرت الہیہ اور فطرت انسانیہ کے خلاف ہونا پیش کی۔ اسلامی اصولوں کے بھی اسے خلاف قرار دیا اور اس کے جواز کے لیے ناگزیر ضرورت ہونی چاہیے جو موجود نہیں۔ ناگزیر ضرورت کو بجھانے کی خاطر ناک میں نالی کے ذریعہ پانی ڈالنے کی مثال پیش کی۔ اس بارے میں واضح بات یہ ہے کہ توالد و تناسل میں ایسی ضرورت درپیش ہی نہیں آ سکتی تو پھر کسی دوسری چیز کو اس کا مقیس علیہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ چاہیے تو یہ تھا کہ توالد و تناسل کے لیے کوئی ناگزیر ضرورت کی جاتی پھر اسے کسی دوسری چیز پر قیاس کیا جاتا دوسرا یہ کہ توالد و تناسل میں موت و حیات کے مسئلہ کو بھی مقیس علیہ بنانا درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ توالد و تناسل انسانی ضرورت ہے اور اس پر انسانوں کی بقاء کا دارومدار ہے اب اس بقائے انسانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اگر کچھ رکاوٹیں ہیں مثلاً مرد کا آلہ تناسل چھوٹا ہے یا اس میں سستی اور کمزوری ہے یا دیگر ایسے اسباب کہ جن کی وجہ سے مرد کا مادۂ منویہ عورت کے رحم تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے پہنچانے کا کوئی اور طریقہ موجود بھی ہے جس کو فقہاء نے بالاتفاق جائز قرار دیا ہے تو پھر اس ضرورت و اجازت کو لایعنی قرار دینا اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ توالد و تناسل کو حرام قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ مصنف مذکور نے پھر خود ہی بغیر وطی صحیح کے دیگر طریقوں سے مادۂ منویہ کو عورت کے رحم تک پہنچانے اور اس سے پیدا ہونے والے بچے کے احکام نسب' وراثت اور محرمیت وغیرہ کا ذکر کیا اور پھر اسے زنا بھی قرار نہ دیا ان مسائل کو اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ ہونے والے بچے کو دیکھا جائے تو ان میں سے اول الذکر کو حلال اور مؤخر الذکر کو حرام قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ مختصر یہ کہ چند شرائط اگر پیش نظر رہیں اور ان کی پابندی کی جائے تو ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ توالد و تناسل جائز ہوگا۔ بصورت دیگر ناجائز مسئلہ کی چند ناجائز صورتیں ملاحظہ ہوں:

(۱) کسی اجنبی مرد کے مادہ کو عورت کے مادہ سے ملا کر ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ عورت کے رحم میں یہ مادہ پہنچایا جائے۔ یہ حرام ہے۔

(۲) میاں بیوی دونوں کے مادۂ منویہ کو جمع کر کے کسی اجنبی عورت کے رحم میں ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ رحم میں رکھا جائے یہ بھی حرام ہے۔

(۳) خاوند کا مادۂ منویہ خراب ہو اور عورت کا صحیح پھر کسی اجنبی مرد کا صحیح مادۂ منویہ لے کر ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ عورت کے رحم میں رکھ دینا یہ بھی حرام ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ تولید کے منکرین کے دلائل اور ان کے جوابات

(۱) فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ. (الروم:۳۰)

لوگو! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت کو لازم پکڑو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں ردو بدل نہیں کیا جا سکتا۔

آیت مذکورہ بیانگ دہل فرما رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت میں تبدیلی مت کرو اور توالد وتناسل یا حصول اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کی فطرت یہ ہے کہ مرد اور عورت ہم بستری کریں تا کہ نطفہ کا رحم میں استقرار ہو سکے پھر وہ نطفہ مختلف مراحل طے کر کے ایک مکمل آدمی کی شکل وصورت میں دنیا میں آئے۔ ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ توالد وتناسل فطرت سے ہٹ کر بلکہ فطرت الٰہیہ کے خلاف اور اس میں تبدیلی کی ایک صورت ہے لہٰذا آیت مذکورہ اس طریقہ کے جواز کی قطعاً گنجائش نہیں رکھتی۔

جواب: آیت مذکورہ میں ''اللہ تعالیٰ کی فطرۃ'' سے مراد دین اسلام ہے انسانی پیدائش کا عادی اور فطری عمل مراد نہیں ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو دین اسلام عطا فرمایا اور فطرۃً تمہیں اس پر پیدا فرمایا تم اس میں تبدیلی نہ کرو جیسے بچپن میں دین اسلام پر تھے بڑے ہو کر بھی اس دین اسلام کو تھامے رہو کسی اور دین کی طرف مت پلٹو۔ پہلے مکمل آیت ملاحظہ فرمائیں پھر ایک تفسیری حوالہ عرض کریں گے۔

وَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الروم:۳۰)

آپ سب سے الگ اور صرف اسی کے ہو کر اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لیے قائم رکھئے اور اپنے اوپر اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو لازم پکڑو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت میں کچھ ردو بدل نہیں ہو سکتا یہی صحیح دین ہے۔ (محکم دین ہے) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

لازم پکڑو اللہ کی فطرت کو یعنی اس کی خلقت کو اور اس سے مراد دین ہے یعنی دین اسلام جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مفسرین کی ایک جماعت نے کہا کہ اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی امت کے لیے خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے التی فطر الناس علیها یعنی وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو قدرت دی گئی ہے اس کو کہنے کی اور بعض نے کہا اس سے مراد وہ عہد ہے جو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے لیا گیا جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب؟ انہوں نے کہا تو ہمارا رب ہے تو ان لوگوں نے کہا ہر مولود جہان میں اسی اقرار پر پیدا ہوا اور اسی حقیقت پر انسان کی خلقت ہوئی..... لا تبدیل لخلق اللّٰه. الخ۔ اس کا معنی نہی کا ہے۔ وہ یہ کہ ''لا تبدلوا دین اللّٰه ''قال مجاهدا و ابراهیم النخعی الزموا فطرة اللّٰه واتبعوه التوحید بالشرک۔ یعنی اللہ کے دین کو قبول نہ کرو مجاہد اور ابراہیم نخعی نے کہا اللہ کی فطرت کو مضبوط پکڑو اور اس کی اتباع کرو اور توحید کو شرک کے ساتھ نہ بدلو۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۳۲)

مذکورہ تفسیری خلاصہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فطرت الہیہ سے مراد طبع فطری اور عادی پیدائش نہیں بلکہ اسلام دین مراد ہے۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ تولید وتناسل کا حصول دین میں تبدیلی کا سبب کیسے بن سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا. (احزاب ۶۲)

آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

جب توالد وتناسل میں دستور باری تعالیٰ یہ ہے کہ میاں بیوی آپس میں ہم بستری کریں جماع کریں اور اس طریقے سے اللہ

تعالیٰ انہیں اولاد سے ہم کنار فرمائے لہٰذا ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ عمل تولید سراسر سنت الٰہیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا؟

جواب: ''سنة الله'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی عادت وطریقہ قدیمہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کو دنیا میں سزا دینا چاہتا ہے تو اس قوم کی طرف کوئی نہ کوئی اپنا پیغمبر مبعوث فرماتا ہے وہ انہیں تبلیغ کرتا ہے پھر اگر اس نبی کے سمجھانے کے بعد وہ لوگ ایمان لانے کی بجائے اس کی مخالفت اور ایذا رسانی پر اتر آئیں تو ایسے لوگوں کے لیے ''سنة الله'' یہ ہوگی کہ ان فسادیوں کو جس سبب چاہے وہ ختم کردیتا ہے آیت مذکورہ اگر مکمل پڑھی جائے اور ٹیسٹ ٹیوب کے منکرین اس میں غور کرتے تو اس آیت کو ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ عمل تولید کی حرمت کی دلیل نہ بناتے۔ مکمل آیت کریمہ یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا. (احزاب: ۶۲)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کو ان لوگوں پر ضرور مسلط کریں گے جن کے دلوں میں (شک) کی بیماری ہے اور وہ مدینہ میں جھوٹی افواہیں لاتے ہیں پھر اس کے بعد ان میں سے بہت کم آپ کے پاس ٹھہر سکیں گے۔ لعنت کے مارے جہاں کہیں ہتھے چڑھے پکڑے گئے اور پھر بری طرح مار ڈالے گئے جو لوگ گزر گئے ان کے بارے میں بھی خدا کی یہی عادت جاری رہی اور خدا کی عادت میں لازماً تغیر نہ پاؤ گے۔

سن الله تعالى ذالك فى الامم الماضية وهو ان يقتل الذين نافقوا بالانبياء وسعوا فى وهنهم بالارجاف ونحوه اينما ثقفوا ولن تجد لسنة الله تبديلا. لان الله تعالى لايبدل سنة وغيره لا يقدر على ان يبدلها. (مظہری ج ۷ ص ۳۸۵ مطبوعہ ندوۃ المصنفین لکھنؤ)

گزشتہ امتوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ عادت رہی کہ منافقین کو انبیاء کرام کے ذریعہ وہ قتل کراتا رہا اور انہوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی اس معاملہ میں تو اللہ تعالیٰ عادت ہرگز نہ پائے گا جہاں کہیں ملیں پکڑو اور مارو اللہ تعالیٰ کا طریقہ اور سنت ہرگز تبدیل نہیں ہوتے اور نہ ہی کوئی دوسرا انہیں تبدیل کرسکتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں ''سنة الله'' سے مراد توالد وتناسل کا عادی اور فطری طریقہ نہیں بلکہ گزشتہ امتوں کی نافرمانی کرنے پر جو ان کو سزائیں دی گئیں اور ان کی طرف بھیجے گئے انبیاء کرام کی انہوں نے تکذیب کی ان کے ساتھ جو طریقہ برتا گیا ''سنة الله'' سے مراد وہ طریقہ ہے یعنی انہیں پکڑوا کر مسلمانوں کے ہاتھ ذلیل ورسوا کرنا اور شکست دینا عادت باری تعالیٰ چلی آرہی ہے جو تبدیل نہ ہوگی۔

(۳) وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا. (النساء: ۱۱۹)

(شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا:) مجھے قسم ہے میں انہیں ضرور گمراہ کروں گا اور ضرور ان کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں پیدا کروں گا اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا کہ وہ یقیناً مویشیوں کے کان چیر دیں گے اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کردیں گے اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا تو اس نے کھلا ہوا نقصان اٹھایا۔

آیت کریمہ کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بنائی ہوئی صورت میں تغیر وتبدل کرنے کو شیطانی فعل قرار دیا ہے جو اخروی نقصان کا موجب ہے لہٰذا توالد وتناسل میں نطفہ کا رحم میں استقرار اور وہیں اس کی تربیت وتکمیل اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ خداوندی ہے اور

فطرت باری تعالیٰ ہے اس کی مخالفت شیطان کرواتا ہے اس لیے مینسٹ مذکور کے ذریعہ توالد وتناسل کا طریقہ "سنۃ اللہ" سے دور اور شیطان کے داؤ و مکر کے قریب ہونے کی وجہ سے جائز نہ رہا۔

جواب: یہ آیت بھی پچھلی دو آیات کی طرح فطرت و عادت انسانی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس میں شیطان نے جو اپنے داؤ ذکر کیے ان کا تعلق بھی دین سے ہی ہے دور جاہلیت میں لوگوں کی عادت تھی کہ جب کوئی اونٹنی پانچواں بچہ جنم دیتی اور وہ مذکر ہوتا تو وہ اس اونٹنی پر بوجھ لادنا اور سوار ہونا وغیرہ بہت سے کام حرام قرار دے دیتے تھے اور اس کی علامت کے لیے وہ اس کے کان چیر دیا کرتے تھے۔ (جیسا کہ روح المعانی ج ۵ ص ۱۶۹ مطبوعہ بیروت سورۂ روم آیت ۳۰ کے تحت مذکور ہے۔) مزید وضاحت درج ذیل حوالہ سے لیجئے:

وقال طائفة المراد بالتغيير لخلق الله هو ان الله تعالى خلق الشمس والقمر والاحجار والنار وغيرها من المخلوقات ليعتبر بها وينتفع بها فغيرها الكفار بان جعلوها آلهة معبودة قال الزجاج ان الله تعالى خلق الانعام لتركب وتوكل فحرموها على انفسهم وجعل الشمس والقمر والحجارة مسخرة للناس فجعلوها الهة يعبدونها فقد غير ماخلق الله وقاله جماعة من التفسير مجاهد والضحاك وسعيد بن جبير وقتادہ و روى عن ابن عباس فليغيرن خلق الله "دين الله" وقال النخعي واختاره الطبرى قال واذا كان ذالك دخل فيه فعل كل مانهى الله عنه من خصاء و وشم وغير ذالك من المعاصى لان الشيطان يدعو الى جميع المعاصى اى فليغيرن ماخلق الله فى دينه وقال مجاهد ايضاً فليغيرن خلق الله فطرة الله التى فطر الناس عليها يعنى انهم ولدوا على الاسلام فامرهم الشيطان بتغييره وهو معنى قوله عليه السلام كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه فيرجع معنى الخلق الى ما اوجده فيهم يوم الزامن الارض فى قوله تعالى الست بربكم.

(تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۳۹۴-۳۹۵)

ایک طبقہ کہتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تغیر وتبدل" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج ' چاند اور پتھر و آگ وغیرہ مخلوق اس لیے پیدا فرمائی تا کہ ان سے عبرت پکڑی جائے اور ان سے نفع حاصل کیا جائے سو کفار نے انہیں معبود بنا کر "تغیر خلق اللہ" کر دیا۔ زجاج نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے چار پائے سوار ہونے اور نفع اٹھانے کے لیے پیدا فرمائے اور کھانے کے لیے انہیں پیدا کیا لوگوں نے انہیں اپنے لیے حرام قرار دے دیا اور اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور پتھروں کو لوگوں کے لیے مسخر فرما دیا تو انہی چیزوں کو لوگوں نے معبود بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تبدیلی کی یہی قول مفسرین کی ایک جماعت کا ہے جس میں امام مجاہد ' ضحاک ' سعید بن جبیر اور قتادہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خلق اللہ میں تبدیلی سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین میں تبدیلی ہے۔ امام نخعی نے کہا اور طبری نے اسے پسند کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تبدیلی کا یہی (آخری) معنیٰ کیا جائے تو اس میں ہر وہ کام داخل ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا ہے۔ مثلاً خصی کرنا اور جانوروں کے جسم کو گرم سلاخ سے داغنا وغیرہ ممنوعات کیونکہ شیطان تو تمام گناہوں کی طرف بلاتا ہے تو معنیٰ پھر یہ ہوگا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے دین میں جائز قرار دیا وہ اسے تبدیل کر کے ناجائز یا اس کا الٹ کر دیتے ہیں امام مجاہد نے یہ بھی کہا خلق اللہ کی تبدیلی سے مراد فطرۃ اللہ التی الخ ہے یعنی لوگوں کو اسلام پر پیدا کیا گیا پھر شیطان نے انہیں اس میں تبدیلی کا حکم دیا حضور ﷺ کے قول مبارک کل مولود یولد الخ کا یہی مطلب ہے۔ ہر بچہ فطرت اسلامیہ پر پیدا کیا جاتا

ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی' عیسائی یا آگ پرست بنا دیتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے خلق اللہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں بوقت پیدائش جوخوبی رکھی اور جو ایمان ان میں پیدائشی رکھا جس کی طرف الست بربکم اشارہ کرتا ہے۔

قارئین کرام! یہ تین عدد آیات منکرین کے پاس دلیل تھیں آپ نے ہر ایک کے بارے میں تحقیق پڑھی ان میں سے ایک آیت بھی اس بات کی صراحت نہیں کرتی کہ انسانی پیدائش میں فطرت کیا ہے؟ لہٰذا ان آیات کریمہ کو اصل و دلیل بنا کر ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ توالد و تناسل کو حرام کہنا درست نہیں ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا مسئلہ نہ تو قرآن و حدیث کے خلاف اور نہ ہی اقوال ائمہ کے مخالف ہے آخر میں ہم ایک حدیث پاک ذکر کرتے ہیں جس کو اس مسئلہ کی دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

تداووا فان اللہ تعالی لم یصنع داء الا وضع له دواء غیر داء واحد الھرم.

بیماری کی دوا کیا کرو پس بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے کوئی نہ کوئی دوا مقرر فرمائی ہے لاعلاج صرف بڑھاپا ہے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۳ مطبوعہ مجتبائی پاکستان)

حصول اولاد کا مسئلہ اگر ٹیسٹ ٹیوب کے بغیر حاصل نہ ہوسکتا ہوتو اس طریقہ کو علاج کی صورت میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور پھر جب ٹیسٹ ٹیوب میں خاوند کا نطفہ جائز طریقہ سے حاصل کر کے اس کی بیوی کے رحم میں رکھا جائے تو اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں جیسا کہ جماع کے وقت مرد اگر اپنے آلۂ تناسل پر لفافہ چڑھا کر مادۂ منویہ حاصل کر لیتا ہے یا عورت کے فرج سے باہر اگر مادۂ منویہ گرا کر پھر اسے سائنسی طریقہ سے عورت کے رحم میں پہنچایا جائے شریعت میں بہت سی جزئیات ایسی پائی جاتی ہیں جو بوقت ضرورت و علاج جائز ہو جاتی ہیں جیسا کہ دانت نکلوانا بظاہر خلاف شریعت ہے لیکن بوقت ضرورت جائز ہے یونہی خون نکالنا ناجائز لیکن بوقت مجبوری جائز ہو جاتا ہے لہٰذا عمل تولید بذریعہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی بوقت ضرورت اور بطور علاج جائز ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا اب ہم اس مسئلہ کو ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے طریقہ کو بیان کر کے ختم کرتے ہیں۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقۂ عمل

عورت کے بیضہ دانی سے جو نالی اس کے رحم کی طرف جاتی ہے ماہواری کے چودھویں دن اس سے انڈا نکلتا ہے اس وقت عمل تزویج کرنے سے مرد کا تولیدی جرثومہ بیضہ دانی کی اس نالی میں پہنچ کر نسوانی انڈے میں داخل ہو جاتا ہے اس کے بعد اس انڈے میں خلئے بننے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور وہ کاشت شدہ انڈہ اس نالی سے رحم کی طرف سفر شروع کر دیتا ہے نو دن کے بعد اس انڈے میں سولہ خلئے بنتے ہیں اور خلیات کا وہ مجموعہ رحم میں پہنچ جاتا ہے اس کے بعد بچہ بننے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اگر کسی خرابی کی وجہ سے یہ کاشت شدہ انڈہ خلیات میں متشکل ہو کر رحم میں نہ آسکے تو اس مرحلہ کے حصول کے لیے ٹیسٹ ٹیوب کی ضرورت پیش آتی ہے یہ خرابی مرد کی بھی ہو سکتی ہے اور عورت کی بھی مرد کے جرثومہ اور نسوانی انڈے کو ایک ٹیوب میں رکھ دیتے ہیں اس ٹیسٹ ٹیوب میں جدید میڈیکل سائنس نے ایسی صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ اس ٹیوب میں نسوانی نالی کی طرح عمل ہوتا ہے مرد کا جرثومہ نسوانی انڈے میں داخل ہو جاتا ہے اور اس میں خلیات بننے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور جب اس میں سولہ خلیات بن جاتے ہیں تو ان کو عورت کے رحم میں رکھ دیا جاتا ہے اور اگر عورت کے رحم میں کوئی خرابی ہو جس کی وجہ سے اس میں بچہ بننے کا عمل نہ ہوتا ہو تو کسی اور عورت کے رحم میں (جو اس کی پیش کش کرے) اس انڈے کو رکھ دیا جاتا ہے۔

نوٹ: ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقہ جو ہم نے ذکر کیا اب تک جدید سائنسی تحقیق یہی بتلاتی ہے ڈاکٹر اسے ہی درست قرار دیتے ہیں

اور جدید کتب میں اسی طرح قلم بند کیا گیا ہے ممکن ہے کہ مستقبل میں شاید کوئی اور آسان طریقہ سامنے آ جائے کیونکہ سائنس کی ترقی اور اس میں نت نئے تجربات سے ایسا ہوتا رہا ہے بہر حال اس وقت مصنوعی طریقہ تولید کے خدوخال یہی ہیں جو ہم نے ذکر کر دیے اور اس طریقہ سے بغیر ارتکاب حرام حصول اولاد جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۷۶- بَابُ الْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ

ایک گواہ اور اس کی قسم سے فیصلہ کا بیان

۸۳۰- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَضٰی بِالْیَمِیْنِ مَعَ الشَّاهِدِ.

امام مالک نے ہمیں جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے گواہ اور اس کی قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بَلَغَنَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ خِلَافُ ذٰلِکَ وَقَالَ ذَکَرَ ذٰلِکَ ابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِیِّ قَالَ سَاَلْتُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ مَعَ الشَّاهِدِ فَقَالَ بِدْعَةٌ وَاَوَّلُ مَنْ قَضٰی بِهَا مُعَاوِیَةُ وَ کَانَ ابْنُ شِهَابٍ اَعْلَمُ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِیْثِ بِالْمَدِیْنَةِ مِنْ غَیْرِهٖ وَ کَذٰلِکَ ابْنُ جُرَیْجٍ اَیْضًا عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ قَالَ اَنَّهٗ کَانَ الْقَضَاءُ الْاَوَّلِ لَا یُقْبَلُ اِلَّا الشَّاهِدَانِ وَاَوَّلُ مَنْ قَضٰی بِالْیَمِیْنِ مَعَ الشَّاهِدِ عَبْدُالْمَلِکِ بْنُ مَرْوَانَ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ سے اس کے خلاف روایت پہنچی اور کہا کہ اس کو ابن ابی ذئب نے ابن شہاب زہری سے ذکر کیا کہا کہ میں نے قسم اور گواہ سے فیصلہ کرنے کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے یہ بدعت ہے اور سب سے پہلے اس سے فیصلہ کرنے والے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں ابن شہاب مدینہ منورہ کے علماء حدیث میں سے سب سے زیادہ عالم بالحدیث تھے یونہی ابن جریج نے بھی عطاء بن ابی رباح سے بیان کیا کہ پہلے فیصلہ جات دو گواہوں کے بغیر نہیں کیے جاتے تھے اور گواہ اور قسم کے ساتھ سب سے پہلے فیصلہ کرنے والا عبدالملک بن مروان ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے جو حدیث مذکور بالا ذکر کی یہ حدیث دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص (مدعی) کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف ایک گواہ ہے اس کی گواہی کے بعد دوسرے گواہ کی جگہ مدعی خود قسم اٹھا لیتا ہے تو کیا ایسا کرنا دو گواہوں کا کام کر دے گا اور اس سے فیصلہ ہو جائے گا؟ ایسی ہی حدیث ''مسلم شریف'' میں ان الفاظ سے آئی ہے۔

عن عمرو بن دینار عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمین و شاهد.

(مسلم شریف ج ۲ ص ۷۴ باب وجوب الحکم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عمرو بن دینار روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ یہ مسلک ائمہ ثلاثہ کا ہے اور ان حضرات کی دلیل یہی احادیث ہیں لیکن احناف کے ہاں اس سے فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ دو گواہ ضروری ہیں لہٰذا مسئلہ زیر بحث مختلف فیہ ہے ہم ذیل میں اختلاف فقہاء نقل کرتے ہیں۔

ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ تکمیل شہادت میں اختلاف فقہاء کرام

(عن ابن عباس رضی اللہ عنه ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمین و شاهد) فیه جواز قضی

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا) اس

بشاهد و یمین واختلف العلماء فی ذالک قال ابوحنیفة والکوفیون والشعبی والحکم و الاوزاعی واللیث والاندلسیون من اصحاب مالک لا یحکم بشاهد ویمین فی شئ من الاحکام و قال جمهور علماء الاسلام من الصحابة والتابعین ومن بعدهم من علماء الانصار یقضی بشاهد و یمین المدعی فی الاموال وما یقصد به الاموال وبه قال ابوبکر الصدیق وعلی و عمر بن عبدالعزیز و مالک والشافعی واحمد و فقهاء المدینة وسائر علماء حجاز و معظم علماء الانصار وحجتهم انه جاء ت احادیث کثیرة فی هذه المسئلة من روایة علی وابن عباس وزید ابن ثابت و جعفر و ابی هریرة و عمارة بن حزم و سعید بن عبادة وعبدالله بن عمرو بن العاص والمغیرة بن شعبة قال الحفاظ اصح احادیث الباب حدیث ابن عباس قال ابن عبدالبر لا مطعن لاحد فی اسناده قال ولا خلاف بین اهل المعرفة فی صحته قال وحدیث ابی هریرة و جابر وغیرهما حسان والله اعلم بالصواب. (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۷۴ باب وجوب الحکم بشاہد ویمین' مطبوعہ رشیدیہ دہلی)

روایت میں ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کا جواز ہے علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ' کوفی فقہا کرام' شعبی' حکم اوزاعی' لیث اور امام مالک کے اندلسی اصحاب ایک گواہ اور قسم کے ساتھ کسی قسم کے معاملہ میں فیصلہ نہیں کرتے اور صحابہ کرام و تابعین کے جمہور علماء اسلام اور ان کے بعد والے علماء انصار ایک گواہ اور قسم سے ان مقدمات میں فیصلہ کرنے کو جائز کہتے ہیں جن میں دعویٰ مال یا مال کو جن کے ساتھ حاصل کیا جائے' ہو یہی قول ابوبکر صدیق' علی المرتضیٰ' عمر بن عبدالعزیز' مالک' شافعی' احمد' مدینہ کے فقہاء' حجاز کے تمام علماء اور ہر دور کے بزرگ علماء کا ہے اور ان حضرات کی حجت و دلیل وہ احادیث ہیں جو اس مسئلہ میں موجود ہیں جن کو حضرت علی' ابن عباس' زید بن ثابت' جعفر' ابو ہریرہ' عمارہ بن حزم' سعد بن عبادہ' عبداللہ بن عمرو بن العاص' مغیرہ بن شعبہ نے روایت کیا۔ حفاظ کا قول ہے کہ اس باب میں صحیح ترین حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی ہے ابن عبدالبر نے کہا کہ اس روایت کی سند میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں اور کہا کہ اس کی صحت میں اہل معرفت میں کوئی اختلاف نہیں اور کہا کہ حضرت ابوہریرہ اور جابر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث ''حسان'' ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

قارئین کرام! مسئلہ زیر بحث میں امام نووی علیہ الرحمہ سے آپ نے اختلاف ائمہ ملاحظہ فرمایا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے خلاف دعویٰ کیا اور قاضی نے مدعی کو مبینہ پیش کرنے کو کہا اس نے دو گواہوں کی بجائے ایک گواہ پیش کیا اور دوسرے گواہ کی جگہ اس نے قسم اٹھالی تو کیا مدعی کا ایسا کرنا مبینہ کہلائے گا اور اس پر اس مقدمہ کے بارے میں اس کے حق میں فیصلہ کرنا جائز ہے؟ امام نووی چونکہ شافعی المسلک ہیں اس لیے انہوں نے اختلاف ذکر کرنے کے بعد اپنے مسلک کی تائید وتقویت کے لیے صحابہ کرام' تابعین اور ہر دور کے علماء کرام کا یہ مسلک ذکر کیا کہ وہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کے حق میں تھے اور پھر اس مسئلہ میں صحیح ترین حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کو کہا جس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ وغیرہ کا مسلک کمزور اور اجلہ صحابہ کرام و تابعین کے خلاف ہے حالانکہ امام نووی نے جو کچھ ذکر کیا ائمہ احناف نے اس کی ایک ایک بات کا کئی طرح جواب دیا ہے اور ثابت کیا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما قابل عمل نہیں بلکہ منسوخ ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

قلت مذهب ابن شبرمه هو مذهب ابن ابی لیلی وعطاء والنخعی والشعبی والاوزاعی والکوفیون والاندلسیون من اصحاب مالک وهو

میں کہتا ہوں کہ ابن شبرمہ کا مذہب بعینہ ابن ابی لیلیٰ' عطاء' نخعی' شعبی' اوزاعی' کوفی فقہاء اور اندلسی اصحاب مالک کا مذہب ہے یہ تمام حضرات کہتے ہیں کہ شہادت کے بارے میں قرآن کریم

يقولون نص الكتاب العزيز في باب الشهادة رجلان فاذا لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان والحكم بشاهد ويمين مخالف للنص فلا يجوز والاخبار التي وردت بشاهد و يمين اخبار الاحاد فلا يعمل بها عند مخالفتها النص لانه يكون نسخا ونسخ الكتاب بخبر الواحد لا يجوز.

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۱۳ ص ۳۴۴ باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال الخ 'مطبوعہ بیروت)

نے دومردوں کی گواہی نصاً بیان فرمائی ہے اور اگر دومرد نہ ہوسکیں تو ایک مرد اور دوعورتیں گواہ ہوں گی اور ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا نص قرآنی کے خلاف ہونے کی بناء پر جائز نہ ہوگا اور وہ روایات جو ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کے بارے میں وارد ہوئیں وہ سب خبر واحد کے زمرے میں آتی ہیں لہٰذا نص قرآنی کے مخالف ہونے کی بنا پر ان روایات پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ نص قرآنی کو ترک کرنا ''نسخ'' میں شمار ہوتا ہے اور کتاب اللہ کا نسخ خبر واحد سے جائز نہیں۔

نوٹ: علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ نے ''عمدۃ القاری'' کی درج بالا عبارت دراصل ''بخاری شریف'' کی ایک روایت کے تحت لکھی جس میں مسئلہ زیر بحث پر گفتگو کی گئی ہے۔ روایت مذکورہ میں حضرت ابن شبرمہ اور حضرت ابوالزناد کے مابین اسی مسئلہ پر گفتگو ہوئی وہ گفتگو کیا تھی؟ اور ان دونوں حضرات کا مسئلہ زیر بحث میں کیا مسلک تھا؟ اسے جاننے کے لیے ہم پہلے ''بخاری شریف'' کی روایت ذکر کرتے ہیں پھر اس کی تشریح ہوگی۔

قال قتيبه حدثنا سفيان عن ابن شبرمه كلمني ابو الزناد في شهادة الشاهد و يمين المدعي فقلت قال الله عزوجل واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احدهما الاخرى. قلت اذا كان يكتفي بشهادة شاهد و يمين المدعي مايحتاج ان تذكر احدهما الاخرى ماكان يصنع بذكر هذه الاخرى. (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۶۶ باب الیمین علی المدعی فی الاموال والحدود 'مطبوعہ نور محمد کراچی)

جناب قتیبہ نے کہا کہ ہمیں جناب سفیان نے ابن شبرمہ سے بتایا کہ مجھ (ابن شبرمہ) سے ابولزناد نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کے بارے میں گفتگو کی میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کہتا ہے تم اپنے مردوں میں سے دومرد گواہی کے لیے مقرر کرلو اگر دومرد نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دوعورتیں گواہ بنالو ان لوگوں میں سے جنہیں تم گواہ بنانا پسند کرتے ہو دوعورتیں اس لیے کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے میں (یعنی ابن شبرمہ) نے کہا اگر ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا کافی ہوتا تو ایک عورت کے بھولنے کے وقت دوسری کے یاد دلانے کی کیا ضرورت ہے اس دوسری کے یاد دلانے سے کیا ہوگا؟

روایت مذکورہ کی تشریح اور توضیح کے طور پر محقق زمان' غزالی دوراں' استاذ الاساتذہ' شیخ الحدیث والقرآن جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مولانا غلام رسول رضوی مدظلہ العالی کی تصنیف ''تفہیم بخاری'' کی عبارت پیش خدمت ہے۔

حدیث کا معنی یہ ہے کہ ابن شبرمہ نے کہا جب ایک گواہ اور قسم فیصلہ کے لیے کافی ہیں تو پھر ایک عورت کی دوسری کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس وقت قسم دوعورتوں کے قائم مقام ہوگی تو قرآن مجید میں تذکیر کا کیا فائدہ ہے؟ لہٰذا فیصلہ کے لیے دومرد یا ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی ضروری ہے ایک گواہ اور قسم فیصلہ کے لیے کافی نہیں۔ ابوالزناد مدینہ منورہ کے قاضی تھے ان کا نام عبداللہ بن ذکوان ہے اور ابن شبرمہ کا نام عبداللہ بن شبرمہ ہے یہ کوفہ کے قاضی تھے ایک سو چالیس ہجری میں فوت ہوئے ابوالزناد کا مذہب یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہوں صرف ایک ہی گواہ ہو تو مدعی سے قسم لے کر فیصلہ ہوسکتا ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا ہے اہل مدینہ کا عمل اسی پر ہے ابن شبرمہ کا مذہب یہ ہے کہ ایک گواہ اور قسم فیصلہ کے لیے کافی نہیں

بلکہ مدعی دو گواہ پیش کرے ورنہ مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ احناف کا یہی مسلک ہے۔

(تفہیم بخاری شرح بخاری ج ۴ ص ۱۹۰ باب الیمین علی المدعی علیہ الخ' ناشران فیصل آباد)

ابن شبرمہ کا مسلک' مسلک احناف کے موافق اور ابوالزناد کا امام شافعی کے مطابق تھا بوقت ملاقات ابوالزناد نے ابن شبرمہ سے پوچھا کہ جب رسول کریم ﷺ نے ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ فرمایا ہے تو تم اسے تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ اور کہتے ہو کہ فیصلہ کے لیے دو گواہ یا مدعی علیہ کی قسم ضروری ہے۔ ابن شبرمہ نے جواباً پوچھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا اگر تمہارا مسلک تسلیم کر لیا جائے تو ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی کا ذکر نہ ہوتا بلکہ دو عورتوں کی جگہ قسم مذکور ہوتی حالانکہ قسم کا کہیں بھی ذکر نہیں آیا پھر دو عورتیں جو ایک مرد کے قائم مقام رکھی گئی ہیں ان میں سے اگر ایک گواہی دے دیتی تو کافی ہونا چاہیے تھا اسے دوسری کو یاد دلانے کی کیا ضرورت تھی؟ گویا ابن شبرمہ نے دو طرح سے اعتراض کیا ایک یہ کہ ایک گواہی کے ساتھ قسم سے فیصلہ کرنا بہت ہوتا تو پھر دو عورتوں کی بجائے یوں حکم اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ فیصلہ کر لو۔ دوسرا اعتراض یہ کہ دو عورتیں قائم مقام ایک گواہ کے ہیں ان کی گواہی تب ہی مکمل ہو سکتی ہے جب دونوں گواہی دیں اس لیے اگر ایک نے گواہی دی اور دوسری کو بات بھول گئی تو اسے یاد دلانا لازمی ہے اگر ان کی موجودگی قسم کے قائم مقام ہوتی تو ایک کی گواہی قسم کا کام دے چکی تھی اب دوسری کو یاد دلا کر ساتھ ملانے کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ مدعی پر بینہ لازم ہیں اور مدعی علیہ پر قسم لازم ہے یہی بات متن بخاری میں بھی مذکور ہے۔ جس کا واضح اور صاف صاف مطلب یہ کہ مدعی پر گواہی پیش کرنا لازم ہے' قسم نہیں اور مدعی علیہ پر قسم ہے اس کی تائید دوسری احادیث بھی کرتی ہیں البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر بعض حضرات نے اسے احادیث متواترہ میں شمار کیا ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مدعی ایک گواہ پیش کرے اور دوسرے کی جگہ خود قسم اٹھا لے اور فیصلہ کر دیا جائے تو اس سے نص قرآنی اور حدیث متواتر کا خلاف لازم آتا ہے۔ مسئلہ زیر بحث میں ہم چاہتے ہیں کہ اس کی مزید تحقیق و تدقیق کے لیے کتب احناف سے چند ایسے حوالہ جات پیش کریں جن میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک اور ان کے دلائل کا بھرپور جواب مذکور ہوتا کہ مسلک احناف روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہو جائے۔ وباللہ التوفیق

ائمہ ثلاثہ کے استدلال کی تمام احادیث قابل عمل نہیں ہیں

قال صاحب الکافی و عندالشافعی اذا لم یکن للمدعی بینة اصلا و حلف القاضی المدعی علیه فنکل یرد الیمین علی المدعی فان حلف قضی به والا لا لان الظاهر صار شاهد للمدعی بنکوله فیعتبر یمینه کالمدعی علیه و کذا اذا اقام المدعی شاهدا واحدا وعجز عن اقامة شاهد اخر فانه یرد الیمین علیه فان حلف قضی له بما ادعی و ان نکل لا یقضی له بشئی لانه علیه السلام قضی بشاهد و یمین ثم قال و حدیث الشاهد والیمین غریب انتهی. وقال الامام الزیلعی فی التبیین قال الشافعی اذا لم یکن للمدعی بینة یحلف المدعی علیه فاذا

صاحب کافی نے کہا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب مدعی کے پاس بالکل بینہ (گواہی) نہ ہو اور قاضی مدعی علیہ کو قسم اٹھانے کو کہے وہ انکار کر دے تو قاضی اب مدعی کو کہے گا تم قسم اٹھاؤ اگر اس نے قسم اٹھا لی تو اس کا فیصلہ ہو جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ جب مدعی علیہ نے انکار کر دیا تھا تو اب ظاہری حالت مدعی کے لیے گواہ بن گئی لہٰذا مدعی کی قسم معتبر ہوگی جیسا کہ مدعی علیہ کی معتبر ہوتی ہے اور یونہی جب مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہے اور دوسری گواہی پیش کرنے سے عاجز ہے اس صورت میں بھی قسم مدعی پر لوٹائی جائے گی اگر اس نے قسم اٹھا لی تو اس کے لیے اس چیز کا فیصلہ کر دیا جائے گا جس کے بارے میں دعویٰ ہے اور اگر قسم اٹھانے سے انکار کر دیتا ہے تو کسی چیز کا اس کے حق میں فیصلہ نہیں ہوگا۔ اس لیے

نکل ترد الیمین علی المدعی فانه حلف قضی له
وان نکل لا یقضی له لان الظاهر صار شاهدا
للمدعی بنکوله فیعتبر یمینه کالمدعی علیه فانه لما
کان الظاهر شاهدا له اعتبر یمینه وقال ایضا اذا اقام
المدعی شاهدا و احدا ولم یجد الاخر یحلف
المدعی و یقضی لما روی انه علیه السلام قضی
بشاهد و یمین ویروی انه علیه السلام قضی
بالیمین مع الشاهد ولنا ماروینا ومارواه ضعیفا رده
یحیی بن معین فلا یعارض مارویناه ولانه یرویه
ربیعه عن سهل بن ابی صالح وانکره سهل فلا یبقی
حجة بعد ماانکر الراوی فضلاً عن ان یکون معارضا
للمشاهیر ولانه یحتمل ان یکون معناه قضی تارة
بشاهد یعنی بجنسه و تارة بیمینه فلا دلالته فیه علی
الجمع بینهما وهذا کما یقال رکب زید الفرس
والبغلة والمراد علی التعاقب وان سلم انه یقضی
الجمع و لیس وفیه دلالة علی انه یمین المدعی بل
یجوزان یکون المراد به یمین المدعی علیه و نحن
نقول به لان الشاهد الواحد لا یعتبر فوجوده کعدم
فیرجع الی یمین المنکر عملاً بالمشاهیر الی ههنا
کلامه۔

(فتح القدیر مع عنایۃ ج۶ ص ۱۵۴-۱۵۵ باب الیمین مطبوعہ مصر)

کہ حضور ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا ہے
پھر صاحب کافی نے کہا کہ "ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے والی
حدیث" غریب ہے انتہی۔ امام زیلعی نے تبیین میں کہا امام شافعی
رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر مدعی کے پاس گواہی نہ ہو تو مدعی علیہ کو قسم
دلائی جائے گی اگر وہ قسم اٹھانے سے انکاری ہو جاتا ہے تو پھر قسم مدعی
پر لوٹائی جائے گی اگر مدعی نے قسم اٹھالی تو اس کے حق میں فیصلہ ہو
جائے گا اور اگر انکار کر دیا تو نہیں کیونکہ ظاہر اب مدعی کا گواہ بن رہا
ہے جبکہ مدعی علیہ نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تھا لہٰذا اب اس کی
قسم اسی طرح معتبر ہوگی جس طرح مدعی علیہ کی معتبر تھی اب جب
ظاہری حالت مدعی کی گواہ بن رہی ہے تو اس کی قسم کا اعتبار کیا
جائے گا اور امام زیلعی نے مزید کہا کہ جب مدعی نے صرف ایک
گواہ پیش کیا اور دوسرا نہ مل سکا تو مدعی قسم اٹھائے گا اور قسم اٹھانے پر
فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ
نے ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ فرمایا اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ
آپ ﷺ نے قسم کے ساتھ ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔
ہم احناف کے لیے دلیل وہی ہے جو ہم روایت کر چکے ہیں اور جو
امام شافعی نے روایت کیا وہ ضعیف ہے اسے یحیٰی بن معین نے رد
کیا ہے لہٰذا وہ ہماری روایت کردہ حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی
اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ امام شافعی والی روایت کو ربیع نے سہل بن
ابی صالح سے روایت کیا ہے اور اس کا خود سہل نے انکار کیا ہے لہٰذا
راوی کے انکار کرنے کے بعد وہ حجت نہ رہی چہ جائیکہ وہ حدیث
مشہور کی معارض بن سکے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعی کی پیش
کردہ روایت میں اس معنی کا احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے
بعض دفعہ گواہی کے ساتھ اور بعض دفعہ قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا ہو
لہٰذا اس احتمال کے ہوتے ہوئے اس حدیث میں دونوں باتوں
(قسم اور گواہی) کے جمع ہونے پر کوئی دلالت نہیں اور اس کی مثال
یہ کہ کہا جاتا ہے کہ زید گھوڑے اور خچر پر سوار ہوا مراد اس سے یکے
بعد دیگرے ہوتی ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ امام شافعی کی پیش
کردہ روایت میں دونوں باتوں کا جمع کرنا مراد ہے تو پھر اس میں
اس بات پر دلالت کہاں کہ اس میں مذکور قسم سے مراد مدعی کی قسم

ہے بلکہ اس سے مدعی علیہ کی قسم مراد لینا درست ہوسکتا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کیونکہ ایک گواہ غیر معتبر ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہوگیا اب مدعی علیہ کو قسم اٹھانے کو کہا جائے گا کیونکہ احادیث مشہورہ پر عمل کرنے کی یہی صورت بنتی ہے امام زیلعی کا کلام یہاں اختتام پذیر ہوا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جس روایت پر موقوف ہے (یعنی حضور ﷺ کا ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ فرمانا) صاحب فتح القدیر امام ابن ہمام نے ''کافی'' اور زیلعی کے اقوال سے اس کے جوابات ذکر کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے (۱) یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے مقابل ''مدعی کے ذمہ بیّنہ ورنہ مدعی علیہ پر قسم'' حدیث مشہور ہے لہٰذا ضعیف حدیث' حدیث مشہور کے معارض نہیں ہوسکتی (۲) یحیٰ بن معین نے اس حدیث کو رد کیا ہے (۳) راوی خود اس روایت کا انکار کرتا ہے (٤) امام شافعی کی پیش کردہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی فیصلہ گواہوں سے اور کبھی قسم کے ساتھ فرمایا ہو (۵) نیز حدیث امام شافعی میں قسم کی تخصیص ''مدعی'' کے ساتھ مذکور نہیں ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد مدعی علیہ کی قسم ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ روایت کے بارے میں امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کلام کیا ہے ''احکام القرآن'' میں ان کا کلام تقریباً پانچ اوراق پر پھیلا ہوا ہے۔ ان کی مکمل عبارت بمعہ ترجمہ ذکر کرنا طوالت کا باعث بنے گا ہم عبارت مذکورہ کا ترجمہ اور وہ بھی اختصاص کے ساتھ ذکر کرتے ہیں حوالہ کے لیے ''احکام القرآن'' ج ا ص ۵۱۴ - ۵۱۹ ملاحظہ ہو۔

''احکام القرآن'' سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ روایت کے جوابات

(۱) ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ والی احادیث ضعیف ہیں

عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ رسول کریم ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ عمرو بن دینار کا حضرت ابن عباس سے سماع ثابت نہیں ہے اسی طرح سہل نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا لیکن سہل کا حافظہ کمزور ہوگیا تھا وہ پہلی روایات بھول گئے تھے۔ سلیمان بیان کرتے ہیں کہ میری سہل سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔ سلیمان نے کہا میں نے ربیعہ سے سنا کہ وہ اس حدیث کو آپ کی سند سے روایت کرتے ہیں سہل نے کہا اگر تم نے ربیعہ سے یہ حدیث سنی ہے تو ان سے روایت کرو مجھ سے نہ کرو اگر یہ کہا جائے کہ جناب سہل اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد بھول گئے یا ان کو وہم لاحق ہوگیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان کو ابتداءً وہم لاحق ہوا ہو یا وہ ابتدا میں بھول گئے ہوں اور جس چیز کو انہوں نے سنا نہ ہو اس کی روایت کر دی ہو لیکن وہ روایت مرسل ہے اور عبدالوہاب نے اس کا ذکر موصولاً کیا ہے لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے بہر حال ان امور کی وجہ سے اس حدیث کی اسانید مجروح اور ضعیف ہیں اور یہ استدلال کے لائق نہیں۔

(۲) مذکورہ روایت کے راویوں سے اس کا انکار موجود ہے

امام عبدالرزاق نے زہری سے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کے بارے میں روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ بات ہے جسے لوگوں نے گھڑ لیا ہے دو گواہوں کے بغیر فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ حماد بن خالد خیاط کہتے ہیں میں نے ابن ابی ذئب سے سوال کیا ایک گواہ اور قسم کے بارے میں زہری کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا یہ بدعت ہے سب سے پہلے اس کو حضرت معاویہ نے جاری کیا اور محمد بن حسن نے ابن

ابی ذئب سے روایت کیا کہ میں نے زہری سے ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ فیصلہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا یہ بدعت ہے۔سب سے پہلے اس کے مطابق فیصلہ کرنے والے امیر معاویہ ہیں۔زہری اپنے دور میں مدینہ منورہ کے علماء میں سب سے بڑے عالم تھے۔اگر یہ حدیث ثابت ہوتی تو ان سے مخفی نہ رہتی۔زہری کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ سب سے پہلے امیر معاویہ نے کیا تھا اور یہ بدعت ہے۔امیر معاویہ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے مدعی سے قسم لیے بغیر ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کر دیا تھا۔امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ علقمہ بن ابی وقاص سے روایت ذکر کی کہ حضور ﷺ کی زوجہ ام المومنین سیدہ ام سلمٰی رضی اللہ عنہا نے محمد بن عبداللہ بن زبیر اور ان کے بھائیوں کے حق میں یہ شہادت دی کہ ربیعہ بن ابی امیہ نے اپنے بھائی زہیر بن ابی امیہ کو اپنے حصہ میں سے چوتھائی دے دی ہے۔ام المومنین کے علاوہ کسی اور نے اس پر شہادت نہ دی تھی۔امیر معاویہ نے اس شہادت پر فیصلہ کر دیا سو اگر امیر معاویہ کے فیصلہ کی بنا پر ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا جائز ہوتا تو ان کے فیصلہ کی بنا پر بغیر قسم کے صرف ایک گواہ کی شہادت کی صورت میں بھی فیصلہ ہونا چاہیے حالانکہ یہ قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف ہے۔امام عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ عطاء یہ کہتے تھے کہ قرض ہو یا کوئی اور معاملہ دو گواہوں سے کم کسی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان نے اپنے دور خلافت میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کیا تھا۔(امام ابوبکر جصاص نے یہاں اور بھی آثار ذکر کیے ہیں جن کے آخر میں لکھتے ہیں) ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا امیر معاویہ اور عبدالملک بن مروان کی سنت ہے نبی کریم ﷺ کی سنت نہیں کیونکہ اگر یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہوتی تو فقہاء تابعین سے مخفی نہ ہوتی نیز سہل نے اس روایت کا انکار کیا اور ربیعہ نے کہا کہ یہ سعد کی کتاب میں نہیں ہے اور فقہاء تابعین نے تصریح کی ہے کہ یہ معاویہ اور عبدالملک کی بدعت ہے۔

(۳) مذکورہ روایات قرآن کریم کی نص کے خلاف ہیں

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ والی حدیث اگر سند صحیح کے ساتھ بھی ہوتی تو سلف صالحین نے اس کا انکار نہ کیا ہوتا اور اس کو بدعت بھی نہ کہا ہوتا تب بھی یہ روایت قرآن کریم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود تھی کیونکہ صحیح خبر واحد کے ذریعہ قرآن کریم کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے جس طرح حد قذف میں کسی کو ۸۰ کوڑوں سے کم مارنا جائز نہیں اور حد زنا میں سو سے کم جائز نہیں اسی طرح نصاب شہادت میں دو گواہ منصوص ہیں اس سے کم گواہ پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور جبکہ قرآن کریم میں دو گواہوں کی گواہی پر فیصلہ دینے کی صراحت کی گئی ہے اور ایک گواہ پر فیصلہ کر دینا مختلف فیہ ہے تو پھر اس حکم کو قرآن مجید سے منسوخ قرار دینا چاہیے۔

(٤) امام شافعی کی پیش کردہ حدیث خود ان کے موقف کو مستلزم نہیں

اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ گواہ اور قسم والی حدیث صحیح ہے اور اس بات کو بھی نظر انداز کر دیا جائے کہ یہ نص قرآن کے معارض ہے تو بھی یہ حدیث عموم کا موجب نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ کہیں نہیں کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنا واجب ہے بلکہ اس میں ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ فرمایا علاوہ ازیں اس حدیث پاک میں اور بھی تین احتمالات ہیں۔اول یہ کہ قسم سے مراد مدعی علیہ کی قسم ہو تا کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مدعی علیہ سے قسم اس وقت لی جائے گی جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں اور اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو بھی مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جاتی۔پس حدیث پاک نے اس گمان کو دور کر دیا کہ حضور ﷺ نے مدعی کے پاس ایک گواہ ہونے کے باوجود مدعی علیہ سے قسم لی۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ گواہ اور قسم سے مراد جنس گواہ اور جنس قسم ہے یعنی رسول کریم ﷺ نے مدعی کے گواہوں پر بھی فیصلہ صادر فرمایا اور مدعی علیہ کی قسم پر بھی فیصلہ دیا تیسرا احتمال یہ ہے کہ حدیث میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہو حضور ﷺ نے ان کی گواہی پر فیصلہ فرمایا

تھا ہوسکتا ہے اس وقت منکر نے آپ سے قسم کا بھی مطالبہ کیا ہوان احتمالات صحیحہ کے ہوتے ہوئے قسم سے مدعی کی قسم مراد لینا صحیح نہیں۔

(۵) حدیث مذکور صحیح اور محمل ہے

بعض صورتوں میں جب کسی چیز پر صرف ایک گواہ ہی متصور ہو اور دوسرا گواہ شرعاً غیر متصور ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں مدعی کے گواہ اور قسم پر فیصلہ ہونا چاہیے مثلاً ایک شخص نے باندی خریدی اور اس کی شرم گاہ میں کوئی عیب دیکھا' اس عیب پر وہ شخص گواہ ہے یہاں دوسرا گواہ بنانا جائز نہیں اس صورت میں اس کی گواہی اور اس کی قسم سے اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور بیع فسخ کر دی جائے گی لہٰذا ہوسکتا ہے کہ حدیث پاک میں اس مخصوص قسم کی طرح [illegible] ہو۔

نوٹ: مذکورہ جوابات کے ضمن میں آپ نے یہ پڑھا کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدعت ہے اس سے بغض وحسد کے مارے یہ نہ کہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے ویسے تھے' ان پر زبان طعن دراز کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود مجتہد ہیں اور مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے لیکن دوسرے اس کے پابند نہیں ہوتے اگرچہ مجتہد اپنے اجتہاد میں غلطی پر ہو پھر بھی اسے اجتہاد پر ثواب ملتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ صرف امیر معاویہ کا ہی نہیں بلکہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ ان کا یہ مؤقف مذکورہ روایات کو پیش نظر رکھ کر ہے جنہیں وہ اپنی تحقیق میں صحیح سمجھتے ہیں اگر ائمہ ثلاثہ کے مؤقف پر کوئی طعن نہیں تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیسے مورد الزام ٹھہریں گے؟ رہی یہ بات کہ آپ نے ایک عورت کی گواہی پر قتل کر دیا تو اس کے بارے میں گزارش ہے کہ ایک روایت کے الفاظ اس بات پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ یہ معاملہ خصوصی معاملہ تھا جس کو سیدہ ام المؤمنین سلمیٰ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں ہوسکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدہ ام المؤمنین کے رفعت مقام اور حق وعدالت کی وجہ سے ان کی ایک گواہی پر فیصلہ کر دیا کیونکہ ان وجوہات سے مقدمہ میں امیر معاویہ کو یقین کامل ہو گیا تھا لہٰذا اس یقین کی بنا پر وہ عنداللہ ماخوذ نہ ہوں گے لیکن مخالفین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے مواقع سے بہت گنجائش نکال لیتے ہیں۔ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے پر یقین ہے اور وہ انہیں مجتہد بھی تسلیم کرتے ہیں مگر امیر معاویہ کے دشمن ان کو خدا کی خدائی میں سب سے برے اور مجرم (معاذ اللہ) نظر آتے ہیں ان کی زبان طعن کو بند کرنے کی خاطر یہاں یہ چند سطور لکھی گئی ہیں اللہ تعالیٰ ان الفاظ کو قبول فرمائے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے صحابیٔ رسول اور امین رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے راقم کی مغفرت فرمائے۔ آمین

۳۷۷- بَابُ اِسْتِحْلَافِ الْخُصُوْمِ

مقدمات میں قسم اٹھوانے کا بیان

۸۳۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا دَاوٗدُ بْنُ الْحُصَيْنِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا غَطْفَانَ بْنَ طَرِيْفٍ الْمُرِّيَّ يَقُوْلُ اِخْتَصَمَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَابْنُ مُطِيْعٍ فِيْ دَارٍ اِلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَقَضٰى عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ بِالْيَمِيْنِ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ لَهٗ زَيْدٌ اَحْلِفُ لَهٗ مَكَانِيْ فَقَالَ لَهٗ مَرْوَانُ لَا وَاللّٰهِ اِلَّا عِنْدَ مَقَاطِعِ الْحُقُوْقِ قَالَ فَجَعَلَ زَيْدٌ يَحْلِفُ اَنَّ حَقَّهٗ لَحَقٌّ وَاَبٰى اَنْ يَّحْلِفَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ فَجَعَلَ مَرْوَانُ يُعْجِبُ مِنْ ذٰلِكَ.

امام مالک نے ہمیں داؤد بن حصین سے خبر دی کہ انہوں نے ابوغطفان بن ظریف مری کو یہ کہتے ہوئے سنا زید بن ثابت اور ابن مطیع ایک مکان کے جھگڑے کو مروان بن حکم کے پاس فیصلہ کے لیے لے گئے تو مروان بن حکم نے زید بن ثابت کے لیے فیصلہ کیا کہ یہ منبر رسول ﷺ کے قریب قسم اٹھاؤ۔ حضرت زید بن ثابت نے کہا کہ میں یہیں اسی جگہ قسم اٹھاؤں گا مروان بولا نہیں خدا کی قسم! جہاں فیصلہ کے لیے جاتے ہیں (وہاں ہی قسم اٹھاؤ گے) اس کے بعد حضرت زید نے اپنے دعویٰ کے متعلق قسم اٹھائی

کہ وہ واقعی ان کا حق ہے اور منبر شریف کے قریب جا کر قسم اٹھانے سے انکار کر دیا مروان کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِقَوْلِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ نَأْخُذُ وَحَيْثُمَا حَلَفَ الرَّجُلُ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَوْ رَأَى زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَنَّ ذٰلِكَ يَلْزَمُهُ مَا اَبٰى اَنْ يُعْطِيَ الْحَقَّ الَّذِيْ عَلَيْهِ وَلٰكِنَّهُ كَرِهَ اَنْ يُعْطِيَ مَالَيْسَ عَلَيْهِ فَهُوَ اَحَقُّ اَنْ يُؤْخَذَ بِقَوْلِهِ وَفِعْلِهِ مِمَّنِ اسْتَحْلَفَهُ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمارا حضرت زید کے قول پر عمل ہے۔ آدمی جہاں کہیں قسم اٹھائے جائز ہے اور اگر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اسے (منبر کے قریب قسم اٹھانے کو) اپنے لیے لازم سمجھتے تو اپنے ذمہ جو حق تھا اسے ادا کرنے کے لیے انکار نہ کرتے لہٰذا زید اس کے زیادہ مستحق نہیں کہ ان کے قول وفعل پر عمل کیا جائے۔

حضرت زید بن ثابت اور ابن مطیع کے مابین ایک مکان کے جھگڑے کے سلسلہ میں مروان نے حضرت زید کو منبر رسول ﷺ کے قریب قسم اٹھانے کو کہا انہوں نے وہاں جا کر قسم اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن جہاں کھڑے تھے وہیں قسم اٹھالی اس واقعہ کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارا مسلک بھی یہی ہے مطلب یہ کہ قسم جہاں کہیں اٹھائی جائے جائز ہے اس کے لیے کسی متبرک ومعظم جگہ کو مخصوص کرنا درست نہیں۔ حضرات ائمہ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں بعض کا ارشاد ہے کہ متبرک ومعظم جگہ جا کر قسم اٹھانے سے آدمی گھبراتا ہے کیونکہ ایسی جگہ کا رعب وجلال بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے لہٰذا ان مقامات پر جا کر قسم اٹھانے والا اپنے طور پر اور دیکھنے والوں کے اعتبار سے نہایت سچا شمار ہوتا ہے اس لیے قسم ایسے ہی مقامات پر دلائی چاہیے لیکن علماء کرام کا یہ قول وجوب کے لیے نہیں بلکہ احتیاط کے لیے ہے۔ دوسرے حضرات کا فرمانا ہے کہ قسم ہر جگہ ایک جیسی ہی ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی قانون کو پیش نظر رکھ کر منبر رسول ﷺ کے نزدیک جا کر قسم اٹھانا ضروری نہ سمجھا اس لیے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

مخصوص زمان ومکان کے ساتھ قسم کا تعلق اور اس میں احناف کا مسلک بمع دلائل درج ذیل حوالہ سے ملاحظہ فرمائیں:

ومـمن قال لا يشرع التغليظ بالزمان والمكان في حق مسلم ابو حنيفة وصاحباه وقال مالك والشافعي تغلظ. ثم اختلفوا فقال مالك يحلف في المدينة على منبر رسول ﷺ ويحلف قائما ولا يحلف قائما الاعلى منبر رسول ﷺ ويستحلفونه في مساجد الجماعات ولا يحلف عند المنبر الاعلى ما يقطع فيه السارق فصاعدًا وهو ثلاثة دراهم وقال الشافعي يستحلف المسلم بين الركن والمقام بمكة وفي المدينة عند منبر رسول ﷺ وفي سائر البلدان في الجوامع عند المنبر وعند الصخرة في بيت المقدس وتغلظ في الزمان في الاستحلاف بعد العصر ولا تغلظ في المال الا

اور ان حضرات میں سے جو قسم کو کسی مکان یا زمان کے ساتھ وزنی نہیں بناتے امام ابو حنیفہ اور آپ کے دونوں صاحب ہیں۔ امام مالک اور شافعی کہتے ہیں کہ ایسا ہونا چاہیے پھر ان دونوں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا مدینہ منورہ میں منبر رسول ﷺ پر اور وہ بھی کھڑے ہو کر قسم دلوائی جائے۔ کھڑے ہو کر صرف حضور ﷺ کے منبر پر ہی قسم اٹھائی جائے گی اور دوسرے شہروں میں جامع مسجدوں میں قسم اٹھوائی جائے اور منبر رسول ﷺ کے نزدیک اتنے مال پر قسم اٹھانے کو کہا جائے گا جس قدر میں چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے اور وہ تین درہم ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں مکہ مکرمہ میں قسم رکن اور مقام کے درمیانی جگہ پر اٹھانے کو کہا جائے گا اور بیت المقدس میں صخرہ کے قریب قسم اٹھائی جائے اور وقت کے اعتبار سے قسم میں شدت عصر کے بعد اٹھا

في النصاب فصاعدا وتغلظ في الطلاق والعتاق والحد القصاص وهذا اختيار ابي الخطاب وقال ابن جرير تغلظ في القليل والكثير واحتجوا بقول الله تعالى (تحبسونهما من بعد الصلوة فيقسمان بالله) قيل اراد بعد العصر وروى عن النبي ﷺ انه قال (من حلف على منبرى هذا بيمين اثمة فليتبوأ مقعده من النار) فثبت انه يتعلق بذالك تاكيد اليمين و روى مالك قال اختصم زيد بن ثابت و ابن مطيع في دار كانت بينهما الى مروان بن الحكم فقال زيد احلف له مكاني فقال مروان لا والله الا عند مقاطع الحقوق قال فجعل زيد يحلف ان حقه لحق ويأبى ان يحلف عندالمنبر فجعل مروان يعجب ولنا قول الله تعالى (فاخر ان يقومان مقامهما من الذين استحق عليهما الاوليان فيقسمان بالله لشهادتنا احق من شهادتهما) ولم يذكر مكانا ولازمانا ولا زيادة في اللفظ واستحلف النبي ﷺ ركانة في الطلاق فقال آ الله ماردت الا واحدة قال آ الله ماردت الا واحدة ولم يغلظ يمينه بزمان ولا مكان ولا زيادة لفظ وسائرما ذكرنا في التي قبلها وحلف عمر لأبي حين تحاكما الى زيد في مكانه و كانا في بيت زيد وقال عثمان لابن عمر تحلف بالله لقد بعته ومابه داء تعلمه وفيما ذكروه تقييد المطلق هذه النصوص ومخالفة الاجماع فان ما ذكرنا عن الخليفتين عمر و عثمان مع من حضرهما لم ينكر وهو محل الشهر فكان اجماعا وقوله (تحبسونهما من بعد الصلوة) انما كان في حق اهل الكتاب.

(مغنی مع شرح کبیر ج ۱۲ ۱۱۶۔۱۱۷ مسئلہ نمبر ۸۴۸۲ مطبوعہ بیروت)

کر پیدا کی جائے گی اور صرف اسی قدر مال میں قسم شدید ہوگی جو نصاب تک پہنچتا ہو یا اس سے زیادہ ہو اور طلاق غلام آزاد کرنا حد اور قصاص میں بھی قسم کو شدید کیا جائے گا یہ مسلک ابوالخطاب کا پسندیدہ ہے۔ ابن جریر نے کہا کہ قلیل و کثیر مال میں قسم کو شدید کیا جانا چاہیے ان حضرات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (تحبسونهما من بعد الصلوة) ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک رکھو پھر وہ اللہ کی قسم اٹھائیں کہ ہماری دونوں کی گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ مضبوط ہے اس آیت کریمہ میں نماز سے مراد نماز عصر بیان کیا گیا ہے اور حضور ﷺ سے مروی یہ روایت بھی ان حضرات کی دلیل ہے آپ نے فرمایا جس نے میرے اس منبر کے قریب جھوٹی قسم اٹھائی اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے قسم کو شدید اور پختہ کرنے کے لیے ایسا فرمایا لہٰذا ایسا کرنے سے قسم میں پختگی اور شدت آتی ہے اور امام مالک نے روایت کیا کہ زید بن ثابت اور ابن مطیع کا ایک مکان میں جھگڑا ہوا وہ اسے مروان بن حکم کے پاس لے گئے حضرت زید نے کہا میں یہیں اپنی جگہ پر ہی قسم اٹھاؤں گا مروان نے کہا نہیں بخدا! اس جگہ قسم اٹھاؤ گے جہاں حقوق کا فیصلہ ہوتا ہے کہا کہ حضرت زید نے وہیں کھڑے کھڑے قسم اٹھائی۔ (منبر رسول کے قریب نہ گئے) مروان نے اس پر تعجب کیا اور ہمارے (امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین) کے لیے دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (فاخران يقومان مقامهما. الخ) دو دوسرے گواہ گواہی دیں الخ۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں نہ کسی مخصوص مقام اور نہ مخصوص زمان کے ساتھ قسم اٹھانے کو معلق فرمایا اور نہ الفاظ میں زیادتی کو بیان فرمایا: حضور ﷺ نے حضرت رکانہ کو طلاق کے بارے میں قسم دلوائی فرمایا تم قسم اٹھاؤ کہ تم نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا کہنے لگے خدا کی قسم! اس نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا حضور ﷺ نے ان کی قسم کو زمان و مکان اور مخصوص الفاظ سے سخت کرنے کو نہ فرمایا حضرت عمر نے اپنے باپ کے لیے قسم اٹھائی جب دونوں کا مقدمہ حضرت زید کے پاس گیا جو ایک مکان کے بارے میں تھا یہ قسم بھی وہیں حضرت زید کے مکان میں اٹھائی گئی۔ حضرت عثمان نے ابن عمر کو فرمایا تم قسم اٹھاؤ کہ میں نے اسے جب بیچا تو مجھے اس میں کسی عیب کی اطلاع نہ تھی۔ اور جو مسلک امام مالک و شافعی کا ہے اسے تسلیم کرنے سے

ان مطلق نصوص کو مقید کرنا پڑے گا اور اجماع کی مخالفت بھی ہے کیونکہ ہم نے جو دو خلیفہ (عمر و عثمان) حضرات کا واقعہ بیان کیا وہ حضرات صحابہ کرام کے سامنے ہوا اور اسے سب جانتے تھے لہٰذا یہ اجماع ہو گیا۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ قول (تحبسونهما من بعد الصلوة) تو اس میں اہل کتاب کو خطاب ہے۔

مختصر یہ کہ قسم کو زمان و مکان یا الفاظ مخصوصہ سے مشروط کرنا یا اس میں شدت پیدا کرنے کے لیے ایسا کرنا ''حکم شرعی'' نہیں ہے کہ یہ قانون بنا دیا جائے کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں قسم نہیں ہوگی ہاں اگر مزید تسلی و تشفی کے لیے ایسا کیا جاتا ہے تو اس میں حرج بھی نہیں ہے۔

۳۷۸- بَابُ الرَّهْنِ

رہن کا بیان

۸۳۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ.

امام مالک ہمیں ابن شہاب سے وہ رسول کریم ﷺ سے خبر دیتے ہیں رہن کو نہ روکا جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَتَفْسِيْرُ قَوْلِهٖ لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ اَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَرْهَنُ الرَّهْنَ عِنْدَ الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَهٗ اِنْ جِئْتُكَ بِمَالِكَ اِلٰى كَذَا وَ كَذَا وَاِلَّا فَالرَّهْنُ لَكَ بِمَالِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ وَلَا يَكُوْنُ لِلْمُرْتَهِنِ بِمَالِهٖ وَ كَذٰلِكَ نَقُوْلُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ كَذٰلِكَ فَسَّرَهٗ مَالِكُ ابْنُ اَنَسٍ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور ''لايغلق الرهن'' کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کے پاس رہن رکھتا اور کہتا کہ اگر میں تیرا مال تجھے دینے کے لیے آؤں تو بہتر ورنہ تیرے مال کے بدلہ میں یہ رہن تیرا ہوگا۔ حضور ﷺ نے رہن کو روکنے سے منع فرما دیا اور مرتہن کے مال کے بدلہ میں رہن اس کا نہیں ہو جائے گا ہم بھی یہی کہتے ہیں امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک بن انس نے اس کی تفسیر یہی کی ہے۔

''رہن'' کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے جواز کی دلیل کیا ہے؟ اور حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ''لا يغلق الرهن'' سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

''رہن'' لغت میں کسی چیز کو کسی سبب سے روکنا ہے اور شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کو کسی حق کے بدلہ میں روک لینا جو رہن سے پوری کرنا ممکن ہو جیسا کہ تراز و ''رہن'' شرعاً جائز ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''فرهن مقبوضة رہن قبضہ میں لیا گیا ہوتا ہے''۔ حضور ﷺ نے بھی ایک یہودی سے طعام خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس بطور رہن رکھی تھی۔ رہن کے جائز ہونے پر ''اجماع'' ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عقد ہے اور وثیقہ ہے جسے پورا کیا جانا ہوتا ہے لہٰذا رہن کو وجوب کے اعتبار سے وثیقہ پر قیاس کیا جائے گا اور وہ کفالت ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۶ کتاب الرہن)

ہدایہ کی عبارت سے رہن کا لغوی اور شرعی مفہوم ہمارے سامنے آ گیا روکی گئی چیز رہن کہلاتی ہے اس کی وضاحت یوں ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے سے کوئی چیز خریدتا ہے یا قرض لیتا ہے تو وہ بائع یا قرض دینے والے کو کوئی ایسی چیز دے دیتا ہے جس کی مالیت قرض یا ادھار کی رقم کے برابر ہوتی ہے یہ اس لیے تا کہ اسے اطمینان ہو جائے کہ میری رقم ڈوبے گی نہیں گویا وہ اس کے پاس زرِ ضمانت

ہے یہ معاملہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت و جائز ہے ''رہن'' کے ضمن میں ایک مسئلہ جو حضرات ائمہ اربعہ کے مابین مختلف فیہ ہے ہم اسے یہاں ذرا تفصیل سے ذکر کرنا چاہتے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ رہن رکھی گئی چیز رہن رکھنے والے کے قرض ادا کرنے سے پہلے جس کے پاس وہ چیز بطور رہن رکھی گئی اس کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے؟ کیا وہ ضمانت ہے یا امانت؟ اس کی وصولی سے قبل ہلاکت میں کیا ہوگا؟

واختلف العلماء فی الرهن هل هو مضمون ام لا؟ فمذهب مالک والمشهور من مذهبه انه مضمون بقيمته قلت او كثرت فان فضل الراهن شئ من القيمة علی مبلغ الحق اخذه من المرتهن وقال ابوحنيفة الرهن علی کل حال مضمون باقل الامرين من قيمته ومن الحق الذی عليه فاذا كانت قيمته الف درهم والحق خمس مأته ضمن ذالک الحق ولم يضمن الزيادة ويكون اتلافه من ضمان الراهن وان كان قيمته الرهن خمسمأته والحق الفاً ضمن قيمة الرهن وسقطت من دينه واخذ باقی حصة. وقال الشافعی واحمد الرهن امانة فی يد المرتهن كسائر الامانات لا يضمنه الا بالتعدی وقال شريح والحسن والشعبی الرهن مضمون بالحق كله حتی لو كان قيمة الرهن درهماً والحق عشرة الاف ثم تلف الرهن سقط الحق كله.

(رحمۃ الامہ ص ۱۵۰ فصل ۱۰ کتاب الرہن' مطبوعہ بیروت)

علماء کا رہن رکھی گئی چیز کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ مضمون ہے یا نہیں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ اپنی قیمت کے حساب سے مضمون ہوگی خواہ قیمت کم ہو یا زیادہ اگر رہن رکھی گئی چیز کی قیمت اس حق سے زیادہ بنتی ہے جو مرتہن کا بنتا ہے تو اس صورت میں حق کے برابر قیمت سے جو زائد قیمت ہوگی وہ مرتہن سے راہن لے گا۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں ''رہن'' ہر حال میں دونوں میں سے کم مالیت کے عوض مضمون ہوگی یعنی اس کی قیمت اور حق کی قیمت میں سے جو رقم کم ہوئی رہن اس کے عوض میں مضمون ہوگی جب کسی رہن رکھی گئی چیز کی قیمت مثلاً ایک ہزار درہم ہو اور حق صرف پانچ سو درہم بنتا ہو تو اس صورت میں حق کی ضمانت بنے گی حق سے زائد نہیں اور اس کا ضائع کرنا راہن کے ضمان سے ہوگا اور اگر رہن کی قیمت پانچ سو درہم ہو اور حق ایک ہزار درہم تو اس صورت میں رہن کی قیمت ضمانت ہوگی اور اس قدر رقم راہن کے قرض سے ساقط ہو جائے گی اور بقیہ رقم یہ مرتہن سے وصول کرے گا۔ امام شافعی اور احمد کہتے ہیں ''رہن'' مرتہن کے پاس دیگر امانتوں کی طرح ایک امانت ہے صرف تعدی کی صورت میں وہ اس کی چٹی بھرے گا۔ شریح' حسن اور شعبی کہتے ہیں کہ ''رہن'' مکمل حق کے بدلہ میں چٹی ہوگی حتیٰ کہ اگر رہن کی قیمت ایک درہم ہو اور حق دس ہزار ہوں پھر ''رہن'' مرتہن کے پاس ضائع ہو جائے تو پورا حق ساقط ہو جائے گا۔

''رحمۃ الامہ'' کے درج بالا حوالہ سے ائمہ اربعہ کے مابین مرہونہ چیز کے ضائع ہونے یا ضائع کرنے کے بارے میں آپ نے اختلاف ملاحظہ فرمایا۔ رہن رکھی گئی چیز امانت کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اگر امانت کے حکم میں تسلیم کیا جائے تو دیگر امانات کی طرح اگر امین کے اپنے فعل عمد سے اس کا ضیاع ہوتا ہے تو اسے نقصان پورا کرنا پڑے گا اور اگر خود بخود ضائع ہو جاتی ہے تو امین سے کوئی مطالبہ نہیں۔ یہ مذہب امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔ رہن رکھی گئی چیز کا ضیاع ہر صورت مرتہن سے پورا کیا جائے گا اور وہ اس کے پاس بطور امانت نہیں بلکہ مضمونہ ہے لیکن اس بارے میں بھی ائمہ باہم مختلف ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ شے مرہونہ اور قرض میں سے جو کم قیمتی ہو شے مرہونہ اس کا بدلہ بنے گی مثلاً قرض ایک ہزار روپیہ تھا اور مرہونہ چیز کی قیمت پانچ سو روپیہ ہے اب پانچ سو

روپے گویا قرض خواہ کو مل گئے اور بقیہ پانچ سو کا وہ مقروض سے مطالبہ کرے گا اگر دونوں برابر قیمت کی ہیں تو لیا دیا برابر ہو جائے گا اور اگر مرہونہ چیز زیادہ قیمتی ہے تو اس کی زائد رقم قرض خواہ واپس کرے گا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ شے مرہونہ کو مضمونہ تو مانتے ہیں لیکن دونوں میں سے کم قیمت نہیں بلکہ اگر مرہونہ چیز کی قیمت قرض سے زیادہ ہوئی تو قرض کے برابر قرض خواہ کو حکماً مل گئی زائد سے واپس مقروض کو دینا پڑے گی اور اگر قرضہ سے کم قیمت والی ہے تو جس قدر قیمت کم ہے اتنی رقم راہن' مرتہن کو دے گا۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ مرہونہ چیز اور قرض دونوں برابر ہیں مرہونہ شے کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں نہ راہن مرتہن سے اور نہ مرتہن راہن سے کچھ لے گا بلکہ حکماً دونوں بری الذمہ ہو گئے۔ یہ مسلک قاضی شریح' حسن بصری' شعبی رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اب ہم ذرا تفصیل سے ان مذاہب کے دلائل کو بیان کرتے ہیں تا کہ مسئلہ کی وضاحت اور تفصیل سامنے آ جائے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ کا استدلال

وقال الشافعي هو امانة في يده لا يسقط شئی من الدين بهلا كه ولقوله عليه السلام لا يغلق الرهن قالها ثلاثا لصاحبه. غنمه وعليه غرمه قال ومعناه لا يصير مضمونا بالدين (قال) ای شافعی (ومعناه) ای معنی قوله عليه السلام لا يغلق الرهن (لايصير مضمونا بالدين) ای لا يصير مضمونا بسبب الدين بدليل قوله لصاحبه غنمه والزوائد للراهن وعليه غرمه. وقال ثبت بذالک ان الرهن لا يقطع بالدين وان لصاحبه غنمه وهو سلامته وعليه غرمه وهو غرم الدين بعد ضياع الرهن.

(البنایہ شرح الہدایہ ج ۹ ص ۶۸۳ کتاب الرہن' مطبوعہ بیروت)

امام شافعی نے کہا ہے کہ رہن رکھی گئی چیز مرتہن کے پاس امانت ہے اس کی ہلاکت سے قرضہ میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: رہن کو روکا نہ جائے آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا رہن رکھنے والے کے لیے اس کا منافع ہے اور اسی پر اس کا نقصان ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی (لایغلق الرھن) کا معنی یہ ہے کہ رہن رکھی گئی چیز قرض کے ساتھ مضمون نہ ہوگی یعنی قرضہ کی وجہ سے اسے چٹی نہیں بنایا جائے گا اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے آپ نے فرمایا: رہن والے کے لیے اس کا نفع اور نقصان بھی اسی کے لیے ہے اور امام شافعی نے کہا کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ رہن رکھی گئی چیز قرضہ کے مقابل نہ واقعہ ہوگی اور یہ کہ رہن کا فائدہ اور نفع یعنی اس کی سلامتی راہن کے لیے ہے اور رہن کے ضائع ہو جانے کے بعد قرضہ کی چٹی راہن پر ہی ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ کے استدلال کے تین جوابات

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مرہونہ شے کے امانت ہونے پر جو حدیث پاک پیش فرمائی اس میں حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق اگر مرہونہ شے میں اضافہ زیادتی یا فائدہ حاصل ہوا ہو مثلاً گائے تھی اس نے بچھڑا دے دیا یا اس کا دودھ بیچا جاتا ہے تو یہ منافع اور اضافہ مرتہن کا نہیں بلکہ راہن کا ہے اور اگر مرہونہ چیز ضائع ہو جاتی ہے تو اس کے بدلہ میں راہن کا قرض دینا ختم نہیں ہوگا بلکہ اسے اس نقصان کے ساتھ قرضہ بھی واپس کرنا پڑے گا لہٰذا مرہونہ چیز کے ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ امانت کے زمرے میں آئے گی' مضمون نہ ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما شے مرہونہ کو امانت نہیں بلکہ مضمونہ قرار دیتے ہیں۔ چونکہ دونوں امام شے مرہونہ کے مضمونہ ہونے کے قائل ہیں اس لیے جو جواب ہم ابھی ذکر کرنے والے ہیں وہ دونوں کی طرف سے مشترکہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو:

وقال الطحاوی رحمه الله وهذا التاویل انکره اهل العلم جمیعا وان زعموا انه لا وجه له عندهم وقال الطحاوی ذهبوا فی تفسیر قول سعید بن المسیب. یعنی ان ابا حنیفة وابا یوسف و محمد له غنمه وعلیه غرمه الی ان ذالک فی البیع اذا بیع الرهن بثمن فیه نقص عن الدین غرم الراهن ذالک النقص وهو غرمه المذکور فی الحدیث وان بیع بفضل عن الدین اخذ الراهن ذالک الفضل وهو غنمه المذکور فی الحدیث وهذا اذا ارید بالصاحب الراهن فان ارید المرتهن فغنمه له یعنی ان زوائده یکون رهنا عنده غرمه علیه یعنی اذا هلک الرهن سقط دینه. (البنایہ شرح الہدایہ ج۹ ص۶۵۲ کتاب الرہن مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ تاویل (جو امام شافعی رحمۃ اللہ نے کی) ایسی ہے کہ جس کا تمام اہل علم نے انکار کیا ہے اور ان کے نزدیک اس کی وجہ کوئی معقول نہیں ہے۔ امام طحاوی نے کہا امام ابوحنیفہ اور صاحبین حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے الفاظ "غنمه وعلیه غرمه" کو انہوں نے شے مرہونہ کی بیع میں معتبر کیا ہے یعنی جب مرہونہ چیز کو اتنی رقم سے بیچا گیا جو قرض سے کم تھی تو اس صورت میں راہن اتنی کمی کا ذمہ دار ہوگا اور اسے چٹی کے طور پر دینا پڑے گی حدیث میں مذکور "غرم" سے مراد یہی ہے اور اگر مرہونہ چیز کو قرض سے زائد رقم میں بیچا گیا تو راہن فالتو رقم لے لے گا یہی "غنم" مذکور سے مراد ہے یہ مفہوم اس وقت ہوگا جب حدیث پاک کے لفظ "صاحب" سے مراد راہن لیا جائے گا اور اگر اس سے مراد مرتہن ہو تو اس کے لیے غنم کا مطلب یہ مرہونہ چیز میں اگر اضافہ یا زیادتی ہو جائے تو وہ منافع یا زیادتی اس کے پاس رہن ہی ہوگی اور اگر مرہونہ چیز ہلاک ہو جاتی ہے تو اس کا قرض ختم ہو جائے گا۔

(۲) قال مالک و تفسیر ذالک فیما نری والله اعلم ان یرهن الرجل الرهن عند رجل بالشئی و فی الرهن فضل عما رهن به فیقول الراهن للمرتهن ان جئتک بحقک الی اجل یسمیه له والا فالرهن لک بما فیه قال فهذا الا یصلح ولا یحل وهذا الذی نهی عنه وان جاء صاحبه بالذی رهن به بعد الاجل فهو له واری هذا الشرط منفسخا. (موطا امام مالک ص ۶۳۷ کتاب الاقضیہ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

مذکورہ حدیث پاک کی تفسیر جو ہمیں درست دکھائی دیتی ہے (واللہ اعلم) وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کے پاس قرض کے بدلہ میں کوئی چیز رہن رکھتا ہے اور رہن رکھی گئی چیز میں از روئے قیمت وغیرہ ایسا اضافہ ہے کہ وہ اصل قرض سے زیادہ قیمتی بنتی ہے اب راہن مرتہن کو کہتا ہے کہ اگر میں حق فلاں تاریخ تک ادا کردوں تو بہتر ورنہ یہ مرہونہ چیز بمعہ زیادتی کے تیری ہوگی یہ طریقہ درست نہیں اور نہ ہی جائز ہے اور اس طریقہ سے منع بھی کیا گیا ہے اور اگر مرہونہ شے کا مالک اسی قرضہ کو واپس کرتا ہے لیکن مدت مذکورہ گزرنے کے بعد تو اس صورت میں وہ مرہونہ چیز اس کو واپس ملے گی اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی شرط (اگر مقررہ تاریخ تک نہ ادا کرسکوں تو مرہونہ تیری ہے) باطل ہو جائے گی۔

والمراد بقوله علیه السلام لا یغلق الرهن علی ما قالوا الاحتباس الکلی بان یصیر مملوکا له کذا ذکره الکرخی من السلف. (ہدایہ اخیرین ص ۵۱۷ کتاب الرہن)

حضور ﷺ کے ارشاد گرامی "لا یغلق الرهن" سے مراد جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے: یہ ہے کہ مرہونہ چیز کو مرتہن مکمل طور پر اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا یعنی وہ چیز اس کی مملوکہ نہیں ہو سکتی ایسے ہی اس کا مطلب امام کرخی نے سلف صالحین سے ذکر کیا ہے۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دور جاہلیت میں رواج تھا کہ اگر راہن وقت مقررہ پر قرض ادا نہ کرتا تو اس کی رہن رکھی ہوئی چیز جو اصل قرض سے زیادہ قیمتی ہوتی تھی وہ مرتہن کی ہو جاتی تھی' حضور ﷺ نے اس رسم کی اصلاح فرمائی اور فرمایا کہ رہن کو روکا نہیں جائے گا یعنی اگر راہن وقت مقررہ پر قرض واپس نہیں کرتا بلکہ کچھ مدت زیادہ گزرنے کے بعد وہ قرض واپس کرتا ہے تو اب بھی مرتہن کو مرہونہ چیز واپس کرنا پڑے گی وہ اسے روک نہیں سکتا اور جو شرط لگائی گئی تھی اسے باطل قرار دیا جا رہا ہے گویا آپ ﷺ کا ارشاد گرامی مرہونہ چیز کی بطور امانت حیثیت بیان کرنے کے لیے نہیں' بلکہ دور جاہلیت کی رسم کو ختم کرنے کے لیے ہے۔

(۳) امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما نے مرہونہ چیز کو امانت کی حیثیت دینے کے لیے "غنمہ لہ وغرمہ لہ" سے استدلال فرمایا۔ یعنی مرہونہ چیز کے نفع ونقصان کا ذمہ دار راہن ہے۔ امام زیلعی اس بارے میں فرماتے ہیں کہ الفاظ مذکورہ الفاظ حدیث نہیں بلکہ قول ابن مسیب ہے اور سعید بن المسیب کا یہ قول مجروح بھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

واخرجه ايضا عن عبدالله بن نصر الاصم الانطاكي..... عن ابن القطان وعبدالله بن نصر هذا لا عارف له وقد روى عنه جماعة وذكره ابن عدى فى كتابه ولم يبين من حاله شيئا الا انه ذكر له احاديث منكرة منها هذا انتهى كلامه. وقال فى التنقيح عبدالله بن نصر الاصم البزاز الانطاكى ليس بذاك المعتمد وقد روى عن ابى بكر بن عياش وابن عليه ومعن بن عيسى وابن فضيل وروى عنه ابو حاتم الرازى. انتهى. واخرجه ابوداؤد فى مراسيله عن الزهرى عن سعيد بن المسيب عن النبى ﷺ قال ابوداؤد وقوله له غنمه وعليه غرمه من كلام سعيد بن المسيب نقله عنه الزهرى وقال هذا هو الصحيح انتهى. قلت يؤيده ما رواه عبدالرزاق فى مصنفه اخبرنا معمر عن الزهرى عن ابن المسيب ان رسول الله ﷺ لا يغلق الرهن ممن رهنه. (نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۲۲ کتاب الرہن' مطبوعہ قاہرہ)

مذکورہ حدیث کو عبداللہ بن نصر الاصم انطاکی سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن قطان سے ہے کہ عبداللہ بن نصر یہ راوی اسے کوئی جاننے والا نہیں ہے اس سے ایک جماعت نے روایت حدیث کی ہے ابن عدی نے اسے اپنی کتاب میں ذکر کیا لیکن اس کے حالات کے بارے میں کچھ بھی واضح نہیں کیا مگر یہ کہ اس کی منکر احادیث کو ذکر کر دیا جن میں سے ایک یہ (زیر بحث) بھی ہے... تنقیح میں ہے کہ عبداللہ بن نصر الاصم انطاکی بزاز کوئی معتمد راوی نہیں ہے یہ ابوبکر بن عیاش' ابن علیہ' معن بن عیسیٰ اور ابن فضیل سے روایت کرتا ہے اور اس سے آگے روایت کرنے والوں میں ابو حاتم رازی بھی ہے ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں اس سے بواسطہ زہری کے وہ سعید بن مسیب سے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں' ابوداؤد نے کہا الفاظ روایت "لہ غنمہ وعلیہ غرمہ" سعید بن مسیب کا کلام ہیں۔ یہ بات امام زہری نے ان سے نقل کی ہے اور کہا کہ یہی صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی (یعنی الفاظ مذکورہ سعید بن مسیب کا قول ہیں) تائید عبدالرزاق کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی مصنف میں ذکر کی جس میں معمر نے زہری سے اور وہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: رہن رکھی گئی چیز راہن سے روکی نہیں جائے گی (اس کے بعد "لہ غنمہ وعلیہ غرمہ" کے الفاظ نہیں ہیں)۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ روایت مذکور کا راوی عبداللہ بن نصر غیر معتمد ہے اور منکر احادیث کو روایت کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ روایت مذکورہ حدیث مرفوع نہیں کیونکہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں اور تیسری وجہ یہ کہ حدیث پاک کے آخری الفاظ "لہ غنمہ وعلیہ غرمہ" حضور ﷺ کے الفاظ نہیں بلکہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا کلام ہیں

جب الفاظ مذکورہ الفاظ حدیث ہی نہیں تو ان سے استدلال کرنا اور انہیں اپنے مسلک کی دلیل و حجت بنانا کوئی وزن نہیں رکھتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مرہونہ چیز مرتہن کے پاس بطور امانت نہیں کیونکہ جن الفاظ سے اس کا امانت ہونا ثابت کیا گیا ہے وہ محل نظر ہیں بلکہ وہ مضمونہ ہوگی اور یہی مسلک امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

رہن رکھی گئی چیز کے مضمونہ ہونے پر احادیث و آثار

قولہ ومذهبنا روی عن ابن مسعود و عمر

قلت اخرج البيهقی عن عمر قال فی الرجل يرتهن فيضيع قال ان كان اقل مما فيه رد عليه تمام حصة وان كان اكثر فهو امين و روی ابن ابی شيبه والطحاوی عنه قال اذا كان الرهن باكثر مما رهن به فهو امين فی الفضل واذا كان باقل رد عليه و رواه البيهقی..... قوله وعن علی رضی الله عنه انه قال المرتهن امين فی الفضل قلت رواه ابن ابی شيبه فی مصنفه حدثنا وكيع عن علی بن صالح عن عبدالاعلی بن عامر عن محمد الحنفية عن علی قال اذا كان الرهن اكثر مما رهن به فهلک فهو بما فيه لانه امين فی الفضل واذا كان اقل ممار هن به فهلک رد الراهن الفضل انتهٰی واخرج نحوه عن عمر حدثنا ابو عاصم عن عمر عن القطان عن عطاء عن عبيد بن عمير عن عمر قال اذا كان الرهن اكثر ممارهن به فهو امين فی الفضل واذا كان اقل رد عليه انتهٰی.

(نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۲۳ کتاب الرہن مطبوعہ قاہرہ)

ہمارا مذہب حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی ہے آپ نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا: جس نے کسی کے پاس کوئی چیز رہن رکھی ہو پھر وہ ضائع کردے۔ فرمایا' اگر رہن رکھی گئی چیز (ازروئے قیمت) اس سے کم تھی جس کے بدلہ میں وہ رہن رکھی گئی تمام اس کا مکمل حق اسے لوٹایا جائے گا اور اگر زیادہ قیمتی تھی تو مرتہن اس کا امین ہوگا۔ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے بھی ان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر رہن رکھی گئی چیز اس سے زیادہ ہے جس کے بدلہ میں وہ رہن رکھی گئی تو مرتہن زیادتی کا امین ہوگا اور اگر وہ کم ہے تو وہ واپس لوٹائی جائے گی اسے امام بیہقی نے روایت کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ کا قول ہے آپ نے فرمایا: مرتہن فالتو رہن کا امین ہوگا میں کہتا ہوں کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہمیں وکیع نے علی بن صالح سے انہیں عبدالاعلیٰ بن عامر نے محمد بن حنیفہ سے اور وہ علی المرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: اگر رہن رکھی گئی چیز اس سے زائد ہے جس کے بدلہ میں وہ رہن رکھی گئی پھر وہ ہلاک ہوگئی پس وہ اس کے بدلہ میں جو اس کے پاس ہے کیونکہ مرتہن ''زیادہ'' کا امین تھا اور اگر رہن رکھی گئی چیز کم ہے پھر وہ ہلاک ہوگئی تو راہن ''زائد'' واپس کرے گا اسی سے ملتی جلتی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے وہ یہ کہ ہمیں ابو عاصم نے عمر سے انہوں نے قطان سے اور وہ عطاء سے اور وہ عبید بن عمر سے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جب رہن رکھی گئی چیز اس سے زیادہ ہو جس کے بدلہ میں وہ رہن رکھی گئی ہے تو مرتہن ''زیادہ'' میں امین ہوگا اور اگر تھوڑی ہے تو اسے واپس لوٹایا جائے گا (انتہٰی)۔

قارئین کرام! ان آثار سے دو باتیں سامنے آتی ہیں یا دو باتیں ثابت ہوتی ہیں اول یہ کہ ''شے مرہونہ'' مرتہن کے پاس مضمونہ

ہوگی لہٰذا اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں وہ اپنا قرضہ نہیں لے سکے گا یہ اس وقت جب اس چیز کی قیمت جو رہن رکھی گئی اور اس کی قیمت یا قرض جس کے بدلہ میں وہ رہن رکھی گئی کم ہو یا برابر ہو۔ دوسری بات یہ کہ اگر مرہونہ چیز زیادہ قیمت والی ہے تو جس قدر زیادتی ہوگی وہ مرتہن کے پاس بطور امانت ہوگی اگر وہ زیادتی ہلاک ہوجاتی ہے تو مرتہن سے اس کے بدلہ میں چٹی وغیرہ نہیں لی جائے گی یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ ہم احناف کے ساتھ پہلی بات میں متفق ہیں لیکن دوسری بات میں وہ فرماتے ہیں کہ زائد میں مرتہن امین نہیں بلکہ اس کے نقصان کی صورت میں چٹی دینا پڑے گی۔ کیونکہ وہ پوری کی پوری مضمون ہے۔

عن عیسٰی بن حبان قال رهنت حلیا و کان اکثر مما فیه فضاع فاختصما الی شریح فقال الرهن بما فیه وقد روی ذالک ایضا عن ابراهیم النخعی حدثنا سلیمان بن شعیب عن ابیه محمد بن الحسن عن ابی حنیفه عن حماد عن ابراهیم انه قال فی الرهن یهلک فی ید المرتهن ان کانت قیمته والدین سواء ضاع بالدین وان کانت قیمته اقل من الدین رد علیه الفضل وان کانت قیمته اکثر من الدین فهو امین فی الفضل. (طحاوی شریف ج ۲ ص ۱۰۳ باب الرهن یهلک فی ید المرتهن کیف حکمہ مطبوعہ بیروت)

عیسٰی بن حبان سے روایت ہے کہ میں نے ایک آدمی کے پاس زیورات رہن رکھے جو اس چیز سے زیادہ قیمت والے تھے جس کے بدلہ میں وہ رہن رکھے تھے پھر زیورات ضائع ہوگئے اس کے بعد ہم نے قاضی شریح کے پاس فیصلہ کے لیے یہ معاملہ پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ رہن رکھے گئے زیورات اس چیز کا بدلہ ہیں جو اس نے دینی تھی اسے امام نخعی سے بھی یہ روایت مروی ہے ہمیں سلیمان بن شعیب نے اپنے والد محمد بن الحسن سے وہ امام ابوحنیفہ سے اور وہ حماد سے اور وہ ابراہیم سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رہن کا مرتہن کے پاس ہلاک ہوجانا اگر اس کی اور قرض کی مالیت برابر ہے تو "رہن" قرض کے بدلہ میں ختم ہوگیا (یعنی گویا قرض خواہ نے قرضہ وصول کرلیا ہے) اور اگر اس کی قیمت قرض سے کم ہے تو قرض دینے والا زائد پیسے مرتہن کو دے گا اور اگر اس کی قیمت قرض سے زیادہ تھی تو اس صورت میں مرتہن زیادتی کا امین متصور ہوگا۔

ومایدل علیه من جهة السنة حدیث عبدالله بن المبارک عن مصعب بن ثابت قال سمعت عطاء یحدث رجلا رهن فرساً فنفق فی یده فقال رسول الله ﷺ للمرتهن ذهب حقک وفی لفظ آخر لا شیء لک فقوله للمرتهن ذهب حقک اخبار بسقوط دینه لان حق المرتهن هو دینه..... عن محارب بن دثار قال قضی رسول الله ﷺ ان الرهن بما فیه والمفهوم من ذالک ضمانة بما فیه من الدین الاتری الی قول شریح الرهن بما فیه ولو خاتما من حدید و کذالک قول محارب بن دثار انما روی عن النبی ﷺ فی [illegible]

رہن رکھی گئی چیز مرتہن کے پاس مضمون ہے اس پر سنت سے جو دلیل آئی ہے وہ حدیث پاک ہے جسے عبداللہ بن مبارک نے جناب مصعب بن ثابت سے روایت کیا جناب مصعب بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب عطاء سے ایک آدمی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سنا جس نے دوسرے کے پاس اپنا گھوڑا بطور رہن رکھا تھا وہ گھوڑا مرتہن کے ہاں ہلاک ہوگیا تو حضور ﷺ نے مرتہن کے بارے میں فرمایا: تیرا حق ختم ہوگیا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں اب تیرے لیے کچھ بھی نہیں رہا پس حضور ﷺ کو مرتہن کے بارے میں "ذهب حقک" فرمانا یہ اس کے قرض کے ساقط ہونے کی خبر دینا ہے کیونکہ مرتہن کا حق قرض ہی ہوتا [illegible] بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ

فهلک انه بما فيه وظاهر ذالک يوجب ان يكون بما فيه قل الدين او كثر الا انه قد قامت الدلالة على ان مراده اذا كان الدين مثل الرهن او اقل وانه اذا كان الدين اكثر ردالفضل. (احکام القرآن ج۱ص۵۲۷ کتاب الرہن زیرآیت فرھان' مطبوعہ لبنان)

نے ان الفاظ سے فیصلہ فرمایا: ''ان الرهن بما فيه'' بے شک رہن اس کا بدلہ ہے جس کے عوض میں وہ رہن رکھا گیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ''رہن'' مرتہن کے پاس اس کے قرض کے مقابلہ میں ضمانت ہے کیا تم جناب شریح کے اس قول ''الرهن بما فيه۔ الخ'' کو نہیں دیکھتے یعنی رہن اس چیز کا بدلہ ہوتا ہے جو مرتہن سے راہن نے لیا ہوتا ہے اگر چہ رہن لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو یونہی محارب بن دثار کا قول ہے حضور ﷺ سے ایک رہن رکھی گئی انگوٹھی کے بارے میں ہیمرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تھی فرمایا ''انه بما فيه'' یہ اس قرض کا بدلہ ہے جو مرتہن نے راہن سے لینا ہے۔ حدیث پاک کے ظاہری الفاظ اس بات کو واجب و لازم قرار دیتے ہیں کہ رہن رکھی گئی چیز خواہ وہ کم قیمت والی ہو یا زیادہ وہ دین کا عوض بن جائے گی مگر اس بات پر دلیل موجود ہے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں مراد یہ ہے کہ جب دین اور قرض برابر ہوں تو ہلاکت رہن قرض کا بدلہ ہو جائے گی یا یہ کہ رہن رکھی گئی چیز قرض سے کم قیمت ہو تو بھی یہی حکم ہوگا اور اگر وہ قرض سے زیادہ قیمت والی ہے تو اس کی ہلاکت کی صورت میں مرتہن کو زائد قیمت بطور چٹی دینا پڑے گی۔

مذکورہ احادیث و آثار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رہن رکھی گئی چیز مرتہن کے پاس امانت نہیں بلکہ مضمونہ ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ احادیث و آثار دلیل و حجت ہیں اگر چہ امام مالک رضی اللہ عنہ بھی رہن کو امانت تسلیم کرتے ہیں لیکن رہن جب قرض سے زیادہ قیمتی ہو تو اس صورت میں زیادتی کو امام مالک مضمون کہتے ہیں۔ امام مالک کے اس مسلک کے خلاف بھی یہی احادیث و آثار حجت ہیں امام طحاوی نے ج ۴' ص ۱۰۲ پر اس کا اجمالی جواب ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ امانت بہر حال امانت والے کی ہوتی ہے وہ جب چاہے اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے اور امین اس کو روک نہیں سکتا لیکن یہاں رہن رکھی گئی چیز جب کہ اس کی قیمت قرض سے زیادہ ہو تو اس کی واپسی کا مطالبہ راہن نہیں کر سکتا اور مرتہن اس کے روکے رکھنے کا پورا اختیار رکھتا ہے جب تک وہ اپنا حق وصول نہ کر لے اس حجت کے آخر میں ہم اکابرین میں سے چند حضرات کے نام گنواتے ہیں جو رہن کو مضمونہ قرار دیتے ہیں' امانت نہیں۔

حدثنا عبدالرحمن بن ابی زناد عن ابيه قال كان من ادركت من فقهائنا الذين ينتهى الى قولهم منهم سعيد بن المسيب وعروة بن الزبير والقاسم بن محمد و ابوبكر بن عبدالرحمن وخارجة بن زيد وعبيدالله بن عبدالله فى مشيخته من نظرائهم اهل

ہمیں بیان کیا عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے اپنے والد سے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ان فقہاء کرام میں سے جن سے میری ملاقات ہوئی اور وہ ایسے کہ جن کے قول پر انتہیٰ ہوتی ہے ان میں سے حضرت سعید بن مسیّب' عروہ بن زبیر' قاسم بن محمد' ابوبکر بن عبد الرحمٰن' خارجہ بن زید' عبید اللہ بن عبداللہ ہیں کہ جن کی نظیر مشائخ و

فقه و صلاح و فضل فذكر جميع ماجمع من اقاويلهم في كتابه على هذه الصفة انهم قالوا الرهن بما فيه اذا هلك وعميت قيمته ويرفع ذالك منهم الثقة الى النبي ﷺ فهولاء ائمة المدينة فقهائها يقولون ان الرهن يهلك بما فيه ويرفعه الثقة منهم الى النبي ﷺ فاليهم ماحكاه فهو حجة لانه فقيه امام ثم قولهم جميعا بذالك واجماعهم عليه.

(طحاوی شریف ج ۲ ص ۱۰۲ باب الرہن یہلک فی ید المرتہن)

فقہاء کرام میں ملتی ہے۔انہوں نے ان تمام حضرات کے اقوال اپنی تصنیف میں جمع کیے جو اس طریقہ کے مطابق تھے ان سب نے کہا کہ رہن رکھی گئی چیز مرتہن کے پاس اس قرض کے بدلہ میں ہے جو اس نے راہن سے لینا ہوتا ہے جب وہ ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت نامعلوم ہو ان میں سے ثقہ حضرات نے اس کو نبی کریم ﷺ کی طرف رفع کیا ہے۔مدینہ منورہ کے یہ امام حضرات اور فقہاء کرام سبھی فرماتے ہیں کہ رہن رکھی گئی چیز اس قرض کے مقابل میں ہلاک ہو گئی جو راہن نے لیا تھا ان حضرات میں ثقہ لوگوں نے اس روایت کو حضور ﷺ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے لہٰذا ان حضرات کا متفقہ قول وہ حجت ہے کیونکہ ان میں سے کوئی ایک جو مسئلہ بیان کرتا ہے وہ حجت ہوتا ہے پھر جب یہ ان سب کا قول ہوا تو اجماع ہو گیا (وہ بطریقہ اولیٰ حجت ہوگا)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مرہونہ چیز مرتہن کے پاس امانت کے حکم میں نہیں جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے بلکہ وہ مضمونہ ہے۔یہ مسلک امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا ہے تو معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک قرآن کریم' احادیث مقدسہ اور آثار کے عین موافق ہے اور اس پر اجماع فقہاء کرام بھی ہے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۷۹- بَابُ الرَّجُلِ يَكُوْنُ عِنْدَهُ شَهَادَةٌ

جس کے پاس گواہی ہو اس کا بیان

۸۳۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ عَمْرَةَ الْاَنْصَارِيَّ اَخْبَرَهُ اَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِيْ يَاْتِيْ بِالشَّهَادَةِ اَوْيُخْبِرُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ اَنْ يُّسْاَلَهَا.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ شَهَادَةٌ الْاِنْسَانِ لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ الْاِنْسَانُ بِهَا فَلْيُخْبِرْهُ بِشَهَادَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَسْاَلْهَا اِيَّاهُ.

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن ابی بکر سے خبر دی کہ انہیں ان کے والد نے عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے خبر دی کہ عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری کو زید بن خالد جہنی نے بتایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں بہترین گواہ نہ بتاؤں' وہ وہ ہے جو شہادت دے یا شہادت کے بارے میں مطلع کرے اس سے قبل کہ اس سے شہادت کے بارے میں پوچھا جائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا مسلک یہی ہے ' اگر کسی کے پاس کسی انسان کے بارے میں کوئی گواہی ہو اور وہ انسان اسے نہ جانتا ہو تو گواہی والے کو اپنی گواہی کی اسے خبر دے دینی چاہیے خواہ وہ اس سے گواہی کے بارے میں نہ بھی پوچھے۔

حدیث مذکور میں اس بات کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ ایک شخص کو کسی بات کا علم ہے اور وہ موقع کا گواہ ہے لیکن جب قاضی مدعی کو گواہ پیش کرنے کو کہتا ہے تو اسے کسی گواہ کا علم نہیں تو ان حالات میں اس موقع کے گواہ کو از خود گواہی دینے کے لیے قاضی کے

پاس حاضر ہوجانا چاہیے ایسا کرنے والا بہترین گواہ ہے گویا مدعی کے مطالبہ کے بغیر اگر کوئی گواہ ازخود گواہی دے دیتا ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے کیونکہ اس نے ایسا کرکے اپنے ایک مسلمان بھائی کی مخلصانہ مدد کی ہے۔

اعتراض: ''بخاری شریف'' میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''بہترین زمانہ میرا زمانہ' پھر صحابہ کرام کا' پھر تابعین کرام کا ہے' پھر تبع تابعین کا ہے اس کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ بغیر مطالبہ شہادتیں دیں گے اور لوگ ایسے ہوں گے جنہیں کوئی امین بنانے کے لیے تیار نہ ہوگا اور نہ ہی وہ لوگ اپنی نذروں کو پورا کرنے والے ہوں گے''۔

حدثنا ادم حدثنا شعبه ثنا ابو جمرة قال سمعت زهدم بن مضرب قال سمعت عمران بن حصين قال قال النبی ﷺ خیر کم قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم قال عمران لا ادری اذکر النبی ﷺ بعد قرنین او ثلاثة قال النبی ﷺ ان بعضکم قوم یخونون ولا یؤتمنون ویشهدون ولا یستشهدون و ینذرون ولا یوفون ویظهر فیهم السمن.

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۲ کتاب الشهادات)

جناب عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین لوگ میرے زمانے والے' پھر وہ جوان کے بعد اور پھر وہ جوان کے بعد ہوں گے عمران راوی فرماتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ آپ نے اپنے زمانہ کے بعد دو یا تین ادوار کا ذکر فرمایا بہرحال آپ نے مزید فرمایا کہ تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو خیانت کریں گے اور لوگ انہیں امانتیں نہیں دیں گے اور وہ گواہی دیں گے جب کہ ان کو گواہی کے لیے طلب نہیں کیا جائے گا اور وہ نذریں مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے اور ان میں (خوب کھا کھا کر) موٹاپا بہت ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ ''موطا امام محمد'' کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بن بلائے ازخود گواہی دینے والے بہترین لوگ ہیں اور ''بخاری شریف'' میں ایسے گواہوں کو خائن' بد دیانت اور نذریں پوری نہ کرنے والوں کے ساتھ ملایا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازخود گواہی دینے والے برے لوگ ہوتے ہیں اب اس تناقض کو کیسے رفع کیا جائے؟

جواب: ان دونوں روایتوں میں تطبیق ہوسکتی ہے جیسا کہ بعض شارحین کرام نے تطبیق بھی دی ہے امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بخاری شریف'' والی روایت جو عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ سے ہے اس کے تحت ان میں تطبیق کو یوں بیان فرمایا ہے:

قال ابن الجوزی ان قیل کیف الجمع بین قوله یشهدون ولا یستشهدون و بین قوله فی حدیث زید بن خالد الا اخبركم بخیر الشهداء الذین یأتون بالشهادة قبل ان یسئلوها فالجواب ان الترمذی ذکر عن بعض اهل العلم ان المراد بالذی یشهد ولا یستشهد شاهد الزور واحتج بحدیث عمر عن النبی ﷺ انه قال ثم یغشوا الكذب حتی یشهد الرجل ولا یستشهد والمراد بحدیث زید بن خالد الشاهد علی الشئی فیؤدی شهادته ولا یمنع من اقامتها..... وقیل ان هذا فی الرجل تكون عنده شهادة وقد نسیها صاحب الحق ویترک اطفالاً

ابن جوزی نے کہا' اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ کا قول شریف ''گواہی دیں گے طلب نہیں کیا جائے گا'' اور آپ کا ہی قول مبارک جو بروایت زید بن خالد مروی ہے کہ ''کیا میں تمہیں بہترین گواہ نہ بتاؤں؟ وہ لوگ ہیں جو سوال کیے بغیر گواہی دیتے ہیں'' ان دونوں میں کیا تطبیق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے بعض اہل علم سے ذکر کیا ہے کہ ''گواہی دیں گے جب کہ ان کو گواہ نہیں بنایا گیا ہوگا'' اس سے مراد جھوٹے گواہ ہیں اور انہوں نے اپنی اس بات کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک کو بتایا۔ حضرت عمر روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قرب قیامت جھوٹ اتنا عام ہوجائے گا حتیٰ کہ آدمی بن بلائے گواہی دیتا پھرے گا اور حضرت زید بن خالد

وهم على الناس حقوق ولا علم للموصى بها فيجيئ من عنده الشهادة فيبذل شهادته لهم بذالك فيحيى حقهم محمل بدل الشهادة قبل المسئلة على مثل هذا..... وهذا الاقوال اقوال الذين جمعوا بين حديث عمران وزيد واما ابن عبدالبر فانه رجح حديث زيد بن خالد لكونه من رواية اهل المدينة فقدموا على رواية اهل العراق وبلغ فيه حتى زعم ان حديث عمران لااصل له..... ومنهم من رجح حديث عمران لاتفاق صاحبي الصحيح عليه وانفراد مسلم باخراج حديث زيد بن خالد.

(عمدۃ القاری ج ۱۳ اص ۲۱۴ مطبوعہ بیروت)

رضی اللہ عنہ کی روایت میں گواہ سے مراد وہ گواہ ہے جو کسی چیز کا واقعی گواہ ہو پھر وہ گواہی ادا کرے اور اس کی ادائیگی سے نہ روکے..... اور تطبیق میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بہترین گواہ والی روایت سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کے پاس واقعی گواہی تھی لیکن حق دار اس کو بھول چکا تھا اور وہ اپنے پیچھے بچے چھوڑ گیا جن کے دوسرے لوگوں پر مختلف حقوق تھے۔ لیکن وصیت کرنے والے کو ان کے بارے میں علم نہ تھا پس وہ گواہ اپنی طرف سے از خود گواہی دیتا ہے اس کی گواہی کی وجہ سے ان بچوں کو حقوق مل جاتے ہیں تو گواہی طلب کرنے سے پہلے گواہی دینے والا بہترین شخص سے مراد ایسی گواہی دینے والے ہیں.... یہ مختلف اقوال ان حضرات کے ہیں جنہوں نے حضرت عمران بن حصین اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما کی روایات میں تطبیق دی ہے لیکن ابن عبدالبر نے حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی کیونکہ وہ اہل مدینہ کی روایت ہے لہٰذا اس کو اہل عراق کی روایت (جو عمران بن حصین سے مروی ہے) پر مقدم کیا اور ابن عبدالبر نے اس بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث کی اصل ہی کوئی نہیں اور کچھ دوسرے حضرات نے حضرت عمران بن حصین والی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ امام بخاری اور مسلم دونوں نے اسے ذکر کیا اور حضرت زید بن خالد کی روایت کو تنہا امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔

دونوں روایات کی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تأویلات

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کی روایت کی تین تأویلات ہیں۔

(۱) امام مالک اور شافعی کے اصحاب نے یہ تأویل کی ہے کہ کسی شخص کے پاس کسی انسان کے بارے میں گواہی ہو لیکن وہ اپنی حق میں موجود اس گواہی کو نہ جانتا ہو تو یہ گواہ اب مدعی کو جا کر بتائے کہ میں تمہارے حق کا گواہ ہوں یعنی اس کے حق کی گواہی متحمل ہے۔

(۲) یہ شہادت حسبہ ہے یعنی کوئی گواہ محض حصول ثواب کی خاطر اپنی گواہی پیش کرتا ہے اگرچہ اس سے مطالبہ نہ بھی کیا گیا ہو ایسی گواہی حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں میں ہو سکتی ہے مثلاً طلاق، عتق، وقف، وصیت عامہ اور حدود وغیرہ لہٰذا جس شخص کے پاس ان حقوق میں سے کسی کے بارے میں گواہی ہے اس پر لازم ہے کہ قاضی کے پاس جا کر اپنی گواہی کی خبر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اقیموا الشهادة لله اللہ کی رضا جوئی کی خاطر گواہی دو"۔

(۳) اس سے ابتدا گواہی دینا مراد نہیں بلکہ طلب اور سوال کے بعد ہی گواہی دینا مراد ہے لیکن چونکہ وہ شخص طلب کے بعد بغیر ہچکچاہٹ کے فوراً گواہی دے دیتا ہے اس فوری ادائیگی کو مبالغۃً اور مجازاً "گواہی بغیر مطالبہ" کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں سخی سوال کرنے سے پہلی ہی دے دیتا ہے یعنی سوال کے بعد ادا کرنے میں دیر نہیں کرتا۔

حضرت عمران بن حصین والی روایت کی چار تاویلات ہیں اس میں پہلی تاویل دونوں روایات میں تطبیق میں چونکہ زیادہ اہم نہیں اس لیے اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔

(۱) کوئی شخص بغیر طلب کے گواہی دے اور وہ گواہی جھوٹی اور بے اثر ہو۔

(۲) گواہی دینے کا اہل نہیں اور پھر بھی گواہی دے رہا ہے۔

(۳) کسی کے دوزخی یا جنتی ہونے کی قطعی گواہی دینے والا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت زید بن خالد اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی روایات میں تطبیق دی گئی اور ان کو اپنے اپنے محل و مقام پر رکھ کر ان کا مفہوم درست بنتا ہے لہٰذا دونوں میں تعارض نہیں اگر چہ بعض علماء نے تطبیق کی بجائے ایک کو دوسری پر ترجیح کا قول کیا ہے ترجیح ہو یا تطبیق دونوں کا ماحصل تقریباً ایک ہی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۵- کِتَابُ اللُّقَطَةِ

گم شدہ چیز کا بیان

۳۸۰- بَابُ اللُّقَطَةِ

گری پڑی چیز کا بیان

۸۳٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ اَنَّ ضَوَالَّ الْاِبِلِ كَانَتْ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِبِلًا مُّرْسَلَةً تُنَاتِجُ لَا يَمَسُّهَا اَحَدٌ حَتّٰى اِذَا كَانَ زَمَنُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَمَرَ بِمَعْرِفَتِهَا وَتَعْرِيْفِهَا ثُمَّ تُبَاعُ فَاِذَا جَاءَ صَاحِبُهَا اُعْطِيَ ثَمَنَهَا.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب زہری سے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں گم شدہ اونٹنیاں کھلی چھوڑ دی جاتی تھیں وہ بچے جنتی تھیں انہیں کوئی شخص بھی ہاتھ نہ لگا تا تھا یہاں تک کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے ان کے بارے میں ڈھونڈورا کرنے کا حکم دیا اور ان کی پہچان کا حکم دیا اگر ان کی جان پہچان والا کوئی نہ آئے تو انہیں بیچ دینے کا حکم دیا پھر اگر ان میں سے کسی کا مالک آ جاتا تو اسے اس کی قیمت دے دی جاتی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ كِلَا الْوَجْهَيْنِ حَسَنٌ اِنْ شَاءَ الْاِمَامُ تَرَكَهَا حَتّٰى يَجِيْئَ اَهْلُهَا فَاِنْ خَافَ عَلَيْهَا الضَّيْعَةَ اَوْلَمْ يَجِدْ مَنْ يَّرْعَاهَا فَبَاعَهَا وَوَقَفَ ثَمَنَهَا حَتّٰى يَاْتِيَ اَرْبَابُهَا فَلَا بَاْسَ بِذٰلِكَ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں دونوں (مذکورہ) طریقے اچھے ہیں اگر امام (حاکم) چاہے تو گم شدہ اونٹنیوں کو چھوڑے رکھے یہاں تک کہ ان کے مالک آ جائیں (تب بھی درست ہے) اور اگر ان کے ضائع ہونے کا امام کو خطرہ ہو یا انہیں چرانے والا کوئی نہ مل سکے تو پھر امام انہیں فروخت کر دے اور ان کی قیمت محفوظ رکھے یہاں تک کہ ان کے مالک آ جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

۸۳۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ رَجُلًا وَجَدَ لُقَطَةً فَجَاءَ اِلَى ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اِنِّيْ وَجَدْتُّ لُقَطَةً فَمَا تَاْمُرُنِيْ فِيْهَا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ عَرِّفْهَا قَالَ قَدْ فَعَلْتُ قَالَ زِدْ قَالَ قَدْ فَعَلْتُ قَالَ لَا اٰمُرُكَ اَنْ تَاْكُلَهَا لَوْشِئْتَ لَمْ تَاْخُذْهَا.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ ایک شخص کو کسی کی گری ہوئی چیز ملی وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے کسی کی گم شدہ چیز ملی ہے آپ اس کے بارے میں میرے لیے کیا فرماتے ہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا اعلان کرو کہنے لگا میں نے اعلان کیا ہے آپ نے فرمایا اور

زیادہ اعلان کر دو کہنے لگا میں کر چکا ہوں آپ نے فرمایا میں تجھے اس کے کھانے (استعمال میں لانے) کا حکم نہیں دوں گا اگر تم چاہتے تو اسے نہ اٹھاتے۔

٨٣٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمٰنَ بْنَ يَسَارٍ يُحَدِّثُ اَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ الْاَنْصَارِيَّ حَدَّثَهُ اَنَّهُ وَجَدَ بَعِيْرًا بِالْحَرَّةِ فَعَرَّفَهُ ثُمَّ ذَكَرَ ذٰلِكَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَمَرَهُ اَنْ يُعَرِّفَهُ قَالَ ثَابِتٌ لِعُمَرَ قَدْ شَغَلَنِيْ عَنْهُ ضَيْعَتِيْ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ اَرْسِلْهُ حَيْثُ وَجَدْتَهُ.

ہمیں امام مالک نے یحییٰ ابن سعید سے خبر دی انہوں نے کہا کہ میں نے سلیمان بن یسار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ثابت بن ضحاک انصاری نے مجھے بتایا کہ مجھے کسی کا گم شدہ اونٹ ملا میں نے اس کا اعلان کروایا پھر اس کا ذکر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کیا آپ نے اس کی تشہیر کرنے کا حکم دیا جناب ثابت بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اس نے تو مجھے اپنے کام کاج سے اپنی طرف مشغول کرلیا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جہاں سے یہ ملا وہیں جا کر چھوڑ آؤ۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ مَنِ الْتَقَطَ لُقَطَةً تُسَاوِيْ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا فَاِنْ عُرِفَتْ وَاِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا فَاِنْ كَانَ مُحْتَاجًا اَكَلَهَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا خَيَّرَهُ بَيْنَ الْاَجْرِ وَبَيْنَ اَنْ يَغْرِمَهَا لَهُ وَاِنْ كَانَ قِيْمَتُهَا اَقَلَّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا عَلٰى قَدْرِ مَا يَرٰى اَيَّامًا ثُمَّ صَنَعَ بِهَا كَمَا صَنَعَ بِالْاُوْلٰى وَكَانَ الْحُكْمُ فِيْهَا اِذَا جَاءَ صَاحِبُهَا كَالْحُكْمِ فِي الْاُوْلٰى وَاِنْ رَدَّهَا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ وَجَدَهَا فِيْهِ بَرِئَ مِنْهَا وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ ضَمَانٌ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمارا مسلک یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی گم شدہ چیز ملے جس کی قیمت دس درہم کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو وہ اس کا خوب اعلان کرے اگر مالک آ جائے تو بہتر ورنہ اس کا صدقہ کر دے اور اگر اٹھانے والا محتاج ہے تو اسے کھا لے (یعنی استعمال کر لے) پھر اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کو دو باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہے چاہے تو اس کی لی گئی قیمت لے لے اور چاہے تو اس پر تاوان ڈال دے اور اگر اس چیز کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو اس کا اتنے دن اعلان کرے جتنے دن وہ مناسب سمجھتا ہے پھر اس کے ساتھ وہی کرے جو پہلی (دس درہم یا اس سے زائد قیمت والی گم شدہ چیز) کے ساتھ کرنے کا ہم نے کہا ہے اور اس کے بارے میں وہی حکم ہوگا جو پہلی کے بارے میں مذکور ہوا اور اگر اس گم شدہ چیز کو اس مقام پر چھوڑ آتا ہے جہاں سے ملی تھی تو یہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اس پر اس بارے میں کوئی تاوان نہ ہوگا۔

٨٣٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ اِلَى الْكَعْبَةِ مَنْ اَخَذَ ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ.

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی وہ جناب سعید بن مسیب سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن کعبہ معظمہ کے ساتھ پیٹھ لگائے تشریف فرما تھے تو فرمایا جس نے گم شدہ چیز اٹھائی وہ خود گمراہ ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَاِنَّمَا يَعْنِيْ بِذٰلِكَ مَنْ

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمارا یہی مذہب ہے سیدنا

اَخَذَهَا لِيَذْهَبَ بِهَا فَاَمَّا مَنْ اَخَذَهَا لِيَرُدَّهَا اَوْ لِيُعَرِّفَهَا فَلَا بَاْسَ بِهٖ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس نے گم شدہ چیز اس لیے اٹھائی کہ وہ اسے خرد برد کر دے وہ گمراہ ہے اور اگر کسی نے اس ارادے سے اٹھائی تا کہ اسے اس کے مالک کے پاس لوٹائے یا اس کا خوب اعلان کرے (تا کہ مالک آ کر لے جائے) تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس باب کے تحت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے چند آثار ذکر کرائے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ گم شدہ چیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اٹھائی نہیں جاتی تھی بلکہ اسے چھوڑ دیا جاتا تھا حتیٰ کہ مالک آ جاتا اور اسے لے جاتا۔ گم شدہ اونٹنیاں پھرتی رہتیں اور بچے جنتیں لیکن ان کو پکڑنے اور اعلان کرنے کا مسئلہ نہ تھا۔ حضرت عثمان غنی کے دور میں طے یہ ہوا کہ ایسی اشیاء کو اٹھالینا چاہیے مناسب اعلان و تشہیر کی جائے' مالک آ جائے تو ٹھیک ورنہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت محفوظ کر لی جائے اگر مالک آ جائے تو لی گئی قیمت لے لے ورنہ تاوان بھی لے سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گم شدہ اشیاء کے اٹھانے والے کو جو ''گمراہ'' کہا گیا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مفہوم بیان فرمایا کہ اس سے مراد وہ شخص جو ہضم کرنے کی خاطر اٹھائے اگر تشہیر کی خاطر یا مالک کو دینے کی غرض سے اٹھاتا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔

گم شدہ چیز کے بارے میں تین امور پر گفتگو کرنا بہت ضروری ہے کہ جن میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے۔ اول یہ کہ گم شدہ چیز کو اٹھالیا جائے یا نہ۔ دوم یہ کہ اس کے اٹھانے کے بعد اعلان کب تک کیا جائے اور سوم یہ کہ مناسب اعلان کے بعد اگر اس کا کوئی وارث نہ آئے تو اس کو کیا کریں؟

امرِ اول---گم شدہ چیز اٹھانے یا نہ اٹھانے میں اختلاف ائمہ

فاما الالتقاط فاختلف العلماء هل هو افضل ام الترک؟ فقال ابو حنيفة الافضل الالتقاط لانه من الواجب على المسلم ان يحفظ مال اخيه المسلم وبه قال الشافعي وقال مالک و جماعة بكراهية الالتقاط و روى عن ابن عباس وبه قال احمد و ذالک لامرين احدهما ماروى انه ﷺ قال "ضالة المومن حرق النار" ولما يخاف ايضا من التقصير فى القيام بما يجب بها من التعريف و ترک التعدى عليها وتاوّل الذين راؤا الالتقاط اولى الحديث وقالوا اراد بذالک الانتفاع بها لا اخذها للتعريف. (بدایۃ المجتہد ج ا ص ۲۲۸ کتاب اللقطۃ' مطبوعہ مکتبہ علمیہ لاہور پاکستان)

گری پڑی چیز کا اٹھانا اس بارے میں اختلاف ائمہ ہے کہ کیا اٹھانا افضل ہے یا وہیں چھوڑ دینا؟ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اٹھالینا افضل ہے کیونکہ ہر مسلمان پر اپنے مسلمان بھائی کے مال کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت علماء اس کی کراہیت کا قول کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور یہی قول امام محمد رضی اللہ عنہ کا ہے اس قول کی دو دلیلیں ہیں ایک وہ جو حضور ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: مؤمن کی گری ہوئی چیز جہنم کی آگ ہے اور دوسری دلیل یہ کہ اٹھانے والے کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اس کی واجبی تشہیر میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہو جائے گی اور کہیں مجھ سے زیادتی نہ ہو جائے اور جن حضرات نے اٹھا لینے کو افضل کہا وہ مذکورہ حدیث پاک کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ وعید اس کے لیے ہے جو اس چیز کو نفع اٹھانے کے لیے اٹھاتا ہے اس کا مقصد اس کی تشہیر نہیں ہوتا۔

گری پڑی چیز کے اٹھانے یا نہ اٹھانے میں اختلاف ائمہ بمعہ دلائل آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما اس کے اٹھا لینے کو افضل کہتے ہیں کیونکہ اس طریقہ سے اس کے مالک تک پہنچانا ممکن اور اس کے ضائع ہونے یا کسی دنیادار کے ہاتھ سے بچانا ممکن ہے۔ امام مالک اور امام محمد رضی اللہ عنہما اٹھا لینے کو مکروہ کہتے ہیں کیونکہ اٹھانے والے کے بارے میں حضور ﷺ کی وعید اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گمراہ فرمانا روایات میں آتا ہے اور اٹھانے کے بعد اس کی کماحقہ خبر گیری اور حفاظت اور اس کے متعلق حقوق کی بجا آوری میں کوتاہی ہو جانا ممکن ہے۔ بہرحال یہ اختلاف اتنا شدید نہیں کہ اس میں اتفاق کی گنجائش نہ ملے۔

امرِ دوم ۔۔۔۔ گم شدہ اشیاء کو اٹھا لینے کے بعد کتنی مدت اعلان کیا جائے؟

الفصل الثانی فی قدر التعریف وذالک سنة روی ذالک عن ابن عمر و علی و ابن عباس وبه قال ابن المسیب والشعبی و مالک والشافعی واصحاب الرأی و روی عن ابن عمر روایة اخری انه یعرفها ثلاثة اشهر وعنه ثلاثة اعوام لان ابی بن کعب روی ان رسول الله ﷺ امره بتعریف مائة دینار ثلاثة اعوام. وقال ابو ایوب الهاشمی مادون الخمسین درهما یعرفها ثلاثة ایام الی سبعة ایام وقال الحسن بن صالح مادون عشرة دراهم یعرفها ثلاثة ایام. وقال الثوری فی الدرهم یعرّفها اربعة ایام وقال اسحاق مادون الدینار یعرفها جمعة او نحوها وروی ابو اسحاق الجوزجانی باسناده عن یعلی بن امیه قال قال رسول الله ﷺ من التقط درهما او حبلا اوشبه ذالک فلیعرفها ثلاثة ایام فان کان فوق ذالک فلیعرفها سبعة ایام ولنا حدیث زید بن خالد الصحیح فان النبی ﷺ امره بعام واحد. واما حدیث ابی فقد قال الراوی لا ادری ثلاثة اعوام او عام واحد قال ابو داؤد شک الراوی فی ذالک و حدیث یعلی لم یقل به قائل علی وجهه و حدیث زید و ابی اصح منه و اولیٰ اذا ثبت هذا فانه یجب ان تکون هذه السنة تلی الالتقاط و تکون موالیة فی نفسها لان النبی ﷺ امر بتعریفها حین سئل عنها والامر یقتضی الفور ولان القصد بالتعریف وصول الخبر

گم شدہ چیز کے اعلان کی مدت کا بیان۔ ایک سال تک مدت ہے۔ اس کی روایت حضرت ابن عمر، علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہے اور ابن مسیب، شعبی، مالک، شافعی اور اصحاب الرائے کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں ہے کہ تین ماہ اعلان کیا جائے آپ سے ہی تین سال کی مدت بھی مروی ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو جناب رسول کریم ﷺ کا گم شدہ سو دینار کی تین سال تک تشہیر کا حکم دینا مروی ہے ابوایوب ہاشمی نے کہا اگر گری پڑی چیز پچاس درہم سے کم قیمت کی ہو تو اس کی تشہیر تین سے سات دن تک کرنی چاہیے اور حسن بن صالح کا قول ہے کہ دس درہم سے کم قیمت کی چیز کا تین دن اعلان کیا جائے امام ثوری کا قول ہے کہ ایک درہم کا چار دن اعلان کیا جائے اور اسحاق نے کہا کہ دینار سے کم قیمت چیز کا ایک جمعہ یا اس کی مانند اعلان کیا جائے۔ امام ثوری کا قول ہے کہ ایک درہم کا چار دن اعلان کیا جائے اور اسحاق نے کہا کہ دینار سے کم قیمت چیز کا ایک جمعہ یا اس کی مانند اعلان کیا جائے اور ابو اسحاق جوزجانی نے اپنی سند سے جناب یعلی بن امیہ سے روایت کیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "جس نے کسی کا گرا پڑا ایک درہم یا رسی یا اس سے ملتی جلتی چیز اٹھالی تو اسے اس کا تین دن تک اعلان کرنا چاہیے اور اگر اس سے زیادہ قیمت والی ہو تو اس کا ہفتہ بھر اعلان کیا جائے" ہماری دلیل حضرت زید بن خالد کی حدیث صحیح ہے انہیں حضور ﷺ نے ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم دیا تھا حضرت ابی بن کعب کی حدیث (تین سال تک اعلان کرتے والی) کے بارے میں اس کا راوی خود بیان کرتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ تین سال تک یا ایک سال تک کا

الی صاحبها و ذالک یحصل بالتعریف عقیب ضیاعها متوالیا لان صاحبها فی الغالب انما یتوقعها و یطلبها عقیب ضیاعها فیجب تخصیص التعریف بہ. (مغنی مع شرح کبیر ج ۶ ص ۳۴۸-۳۴۹ مسئلہ نمبر ۴۴۹۵ الفصل الثانی' مطبوعہ بیروت)

اعلان کرنا ان میں سے کون سا درست ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ راوی کو اس بارے میں شک ہے اور جناب یعلیٰ بن امیہ کی حدیث (تین یا سات دن تک کا اعلان) تو اس کے بارے میں اس کی وجہ کے موافق کسی قائل نے کوئی قول نہیں کیا اور زید اور ابی کی حدیث اس سے زیادہ صحیح ہے اور اولیٰ بھی ہے جب یہ ثابت ہو گیا (کہ مدت اعلان ایک سال ہے) تو سال بھر کی یہ مدت اٹھائے جانے کے ساتھ ہی شروع ہو جانا واجب ہوگی اور اس کا لگا تار ہونا بھی ضروری ہوگا کیونکہ حضور ﷺ نے اس کے اعلان کرنے کا اسی وقت حکم فرمادیا تھا جب آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا اور ''حکم دینا'' اس پر فوری عمل درآمد کا تقاضا کرتا ہے اور اس لیے بھی کہ تشہیر و اعلان کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ گم شدہ چیز کی خبر اس کے مالک تک پہنچ جائے اور یہ بات تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب اس کی گمشدگی کے فوراً بعد اس کا اعلان ہو اور لگا تار ہو کیونکہ اس کا مالک غالباً اس کے گم ہونے کے بعد اس کی تلاش کرتا ہے اور اسے اس کے مل جانے کی توقع ہوتی ہے لہٰذا لازم ہوا کہ تشہیر و اعلان کو اس کے ساتھ مخصوص کیا جائے۔

اس طویل حوالہ سے ثابت ہو گیا کہ اعلان و تشہیر کی مدت ایک سال ہے' ایک سال سے کم یا زیادہ مدت جن روایات میں مذکور ہے صاحب ''المغنی'' نے ان کا جواب بھی نقل کر دیا ہے ان کے تفصیلی جوابات چند سطور بعد ''المبسوط'' کے حوالہ میں بھی آ رہے ہیں۔

امر سوم --- مدت اعلان گزرنے کے بعد اس چیز کا مصرف کیا ہے؟

واختلفوا فی حکمها بعد السنة فاتفق فقهاء الامصار مالک و ثوری و اوزاعی و ابو حنیفه والشافعی و احمد و ابو عبید و ابو ثور اذا انقضت کان له ان یاکلها ان کان فقیرا او یتصدق بها ان کان غنیا فان جاء صاحبها کان مخیرا بین ان یجیز الصدقة فینزل علی ثوابها او یضمنها ایاها واختلفوا فی الغنی هل له ان یاکلها او ینفقها بعد الحول وقال مالک والشافعی له ذالک وقال ابو حنیفه لیس له ان یصدق بها وروی مثل قوله عن علی و ابن عباس و جماعته من التابعین وقال الاوزاعی ان کان مالاً کثیرا جعله فی بیت المال و روی مثل قول مالک

ایک سال تک اعلان کی مدت گزرنے کے بعد گم شدہ چیز کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے زمانے کے تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدت مذکورہ گزرنے کے بعد اٹھانے والا اگر فقیر ہے تو اسے کھانے کی اجازت ہے اور اگر غنی ہے تو صدقہ کر دے پھر اگر اس چیز کا مالک آ جائے تو اب مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ کیے گئے صدقہ کو درست قرار دے دے اور ثواب حاصل کرے یا اس چیز کا تاوان وصول کرے اس پر اتفاق کرنے والوں میں یہ حضرات بھی شامل ہیں۔ امام مالک' ثوری' اوزاعی' ابوحنیفہ' شافعی' احمد' ابوعبید اور ابوثور رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرات فقہاء کرام نے پھر اس میں اختلاف کیا ہے کہ غنی ہونے کی صورت میں ایک سال کی مدت گزرنے کے بعد وہ اسے کھا سکتا ہے یا اسے اپنے تصرف میں لا

والشافعی عن عمرو ابن مسعود و ابن عمر و عائشه و کلهم متفقون علی انه ان اکلها ضمنها لصاحبها. (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۲۹)

سکتا ہے؟ امام مالک اور امام شافعی کا کہنا ہے کہ اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے اور امام ابوحنیفہ اسے صدقہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ امام ابوحنیفہ کے قول کی مثل حضرت علی' ابن عباس اور تابعین کرام کی ایک جماعت سے بھی منقول ہے اور امام اوزاعی کہتے ہیں اگر وہ چیز "مال کثیر" ہے تو اسے غنی آدمی بیت المال کے حوالہ دے دے امام مالک اور امام شافعی کے قول کی طرح حضرت عمر' ابن مسعود' ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اگر اس نے اس چیز کو کھالیا تو اس کے مالک کو تاوان دے گا۔

ایک سال کی مدت گزر جانے کے بعد گری پڑی چیز کے اٹھانے والے اسے کیا کرے اگر وہ فقیر ہے تو سبھی متفقہ کہتے ہیں کہ وہ اسے استعمال میں لاسکتا ہے ہاں اگر غریب نہیں بلکہ غنی ہے تو اس وقت اختلاف ہے۔ جس کا خلاصہ یہ کہ امام شافعی اور امام مالک دونوں اس وقت بھی اٹھانے والے کو تصرف میں لانے اور صدقہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہ صدقہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے ان حضرات میں اصل اختلاف یہ ہے کہ مدت مذکورہ گزرنے کے بعد گری پڑی چیز اٹھانے والے کی ملکیت میں آجاتی ہے یا نہیں؟ امام شافعی اور مالک اسے اس کی مملوکہ قرار دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جو چاہے تصرف کرسکتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ اسے مالک قرار نہیں دیتے اس لیے اس کا صدقہ کردینا ان کے نزدیک واجب ہے اس اصل اختلاف پر ایک دو حوالے ملاحظہ ہوں:

واذا عرف اللقطة سنة ولم يحضر مالكها فعند مالك والشافعی للملتقط ان يحبسها ابدا وله التصدق بها وله ان ياكل غنيا كان او فقيرا وقال ابو حنيفة ان كان فقيرا جازله ان يتملكها وان كان غنيا لم يجز. (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ ص ۱۹۷ کتاب اللقطہ)

جب گری پڑی چیز کا اٹھانے والے نے سال بھر اعلان کیا اور اس کا مالک نہ آیا اور امام مالک اور شافعی کے نزدیک اس کے لیے اس چیز کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھ لینا ہے اور اس کا صدقہ بھی کرسکتا ہے اور اسے کھا بھی سکتا ہے خواہ غنی ہو یا فقیر اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ فقیر ہونے کی صورت میں تو وہ اس کو اپنی ملکیت بنا سکتا ہے اور اگر وہ غنی ہے تو یہ درست نہیں ہے (بلکہ اس کا صدقہ کرنا لازم ہوگا)۔

قال فان جاء ربها والا كانت كسائر ماله و جملته انه اذا عرف اللقطة حولا ولم تعرف ملكها ملتقطها وصار من ماله كسائر امواله غنيا كان او فقيرا و روى نحو ذالك عن عمرو ابن مسعود و عائشة رضی الله عنهم وبه قال عطاء والشافعی واسحاق وابن المنذر. (المغنی مع شرح کبیر ج ۶ ص ۳۵۴ مسئلہ نمبر ۴۵۰۳ کتاب اللقطہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اگر اس کا مالک آجائے (یعنی ایک سال اعلان کرنے تک) تو ٹھیک ورنہ وہ اس کے دوسرے اموال کی طرح اس کی ملکیت ہو جائے گی خواہ اسے اٹھانے والا غنی ہو یا فقیر اور اسی طرح کی روایت حضرت عمر' ابن مسعود اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے ہے اور یہی قول عطاء' شافعی' اسحاق اور ابن منذر کا ہے۔

مسلک احناف پر چند احادیث و آثار

عن الجارود قال قلت یارسول الله اوقال رجل یارسول الله اللقطة نجدها قال انشدها و لا تكتم و لا تغيب فان وجدت ربها فادفعها اليه والافمال الله يعطيه من يشاء. عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ سئل عن اللقطة قال تعرف و لا تغيب و لا تكتم فان جاء صاحبها و الا فهو مال الله يعطيه من يشاء رواه البزاز و رجاله رجال صحيح..... وعن يعلى بن مرة عن النبی قال من التقط لقطة يسيرة ثوبا او شبهه فليعرف ثلاثة ايام ومن التقط اكثر من ذالک ستة ايام فان جاء صاحبها و الا فليتصدق بها فان جاء صاحبها فلخيره رواه الطبرانی فی الكبير و فيه عمر بن عبدالله بن يحيی وهو ضعيف.

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۷۔۱۶۹ باب اللقطۃ مطبوعہ بیروت)

حضرت جارود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار ابد قرار ﷺ سے یا کسی اور شخص نے عرض کی یارسول اللہ! گری پڑی چیز ہمیں مل جاتی ہے (تو اس کے بارے میں کیا ارشاد گرامی ہے؟) آپ نے فرمایا: اس کا اعلان کرو اور اسے نہ چھپاؤ اور نہ ہی غائب کرو پھر اگر اس کا مالک تمہیں مل جائے تو اسے وہ دے دو اور اگر نہ ملے تو اللہ کا مال ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے--- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول کریم ﷺ سے لقطہ کے بارے میں دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا: اس کا اعلان کر اور اسے غائب نہ کر اور نہ ہی اسے چھپا پھر اگر اس کا مالک آ جائے (تو بہتر) ورنہ وہ اللہ کا مال ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے اسے بزاز نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں..... جناب یعلی بن مرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی معمولی چیز گری پڑی اٹھائی مثلاً کپڑا یا اس جیسی کوئی چیز ملی اسے اس کا تین دن اعلان کرنا چاہیے اور جسے اس سے زیادہ قیمتی چیز ملی وہ چھ دن اس کا اعلان کرے اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ورنہ اس کو صدقہ کر دے اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آیا تو اسے اختیار دے دے (یعنی صدقہ کو نافذ کر دے یا اس کی قیمت بطور تاوان وصول کر لے) اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا اس میں ایک راوی عمر بن عبداللہ بن یحییٰ ضعیف ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ تین احادیث میں اس بات کو صاف صاف بیان کیا گیا کہ گری پڑی چیز کو صدقہ کر دیا جائے آپ کہہ سکتے ہیں کہ صدقہ کرنے کا حکم صرف آخری حدیث میں ہے پہلی دو احادیث میں اٹھائے گئے مال کو اللہ کا مال کہا گیا ہے صدقہ کا لفظ وہاں موجود نہیں تو اس بارے میں گزارش ہے کہ "اللہ کا مال" صدقہ واجبہ پر بولا جاتا ہے لہٰذا اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ گری پڑی چیز کے اٹھانے والا مالک نہ ملنے کی صورت میں اس کا لازماً صدقہ کرے۔ تیسری حدیث میں ایک راوی عمر بن عبداللہ بن یحییٰ کو ضعیف کہا گیا اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ اس حرف حدیث کو حجت اور دلیل بنانا درست نہیں جیسا کہ احناف کے خلاف مسلک رکھنے والے حضرات نے اس روایت سے ثابت کیا کہ گری پڑی چیز کا چھ دن اعلان کرنا چاہیے ہم نے اس حدیث پاک کو "مدت اعلان" کے لیے ذکر نہیں کیا بلکہ گری پڑی چیز کے صدقہ کرنے پر بطور دلیل ذکر کیا ہے اگرچہ اس بارے میں بھی اس کا ضعیف ہونا اثر کر سکتا تھا لیکن جب اسی مضمون کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موجود ہے جس کے تمام راوی صحیح ہیں تو اصل دلیل و حجت حدیث ابو ہریرہ ہوگی۔ علاوہ ازیں حدیث ابی ہریرہ اس کے ضعف کو بھی دور کر دیتی ہے کیونکہ علم حدیث کا ایک اصل یہ بھی ہے کہ جب ایک ضعیف

حدیث مختلف طرق (اسناد) سے مروی ہو تو اس کا ضعف جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ یہاں صرف ایک سند جس میں عمر بن عبداللہ راوی ہیں وہ ضعیف ہے۔ دوسری اسناد ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہیں تو ایک روایت بسند ضعیف کو دوسری ایسی روایات جو سند صحیح اور قوی سے مروی ہوں بطریقہ اولیٰ ضعف سے نکل جائے گی لہٰذا اس کو بھی اگر دلیل و حجت بنایا جائے تو درست ہوگا لیکن یہ صرف صدقہ ہونے میں ضعف سے نکلے گی نہ کہ مدت اعلان میں یہ ضعیف نہیں رہے گی اب اٹھائی گئی چیز کے صدقہ کرنے کے وجوب پر چند آثار ملاحظہ فرمائیں:

عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن ابيه في اللقطة تعرفها فان جاء صاحبها و الا تصدق بها فان جاء صاحبها خيرته بينها وبين الاجر..... عبدالرزاق عن ابن جريج قال قال لي عمرو بن دينار قال لي عكرمه مولي ابن عباس تعرفها فان لم تعرف فتصدق بها فان جاء ربها فله ان شاء غرمتها وان شاء فالاجر له..... عبدالرزاق عن معمر عن ابي اسحاق عن ابي السفر ان رجلاً اتي علياً فقال اني وجدت لقطة فيها مائه درهم او قريباً منها فعرفتها تعريفاً ضعيفاً وانا احب ان لا تعرف فتجهزت بها الي صفين وقد السيرت بها اليوم فما تري قال عرفها فان عرفها صاحبها فادفعها اليه والا فتصدق بها فان جاء صاحبها فاحب ان يكون له الاجر مثل ذالك والاغرمتها ولك اجرها.... عبدالرزاق عن الثوري عن ابراهيم بن عبدالاعلیٰ عن سويد بن غفلة عن عمر بن الخطاب قال في اللقطة يعرفها سنة فان جاء صاحبها والا تصدق بها فان جاء صاحبها بعد ما يتصدق بها خيره وان اختار الاجر كان له وان اختار المال كان له ماله.

(مصنف عبدالرزاق ج۱۰ص۱۳۸-۱۳۹ کتاب اللقطۃ حدیث نمبر ۱۸۶۲۵،۱۸۶۸۰ مطبوعہ بیروت)

معمر ابن طاؤس اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ لقطہ کے بارے میں انہوں نے فرمایا: اس کا خوب اعلان کرا اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ورنہ اس کا صدقہ کر دے پھر اس کا مالک اگر آ جائے تو اسے اختیار ہے چاہے چٹی لے لے یا ثواب صدقہ.....ابن عباس کے غلام عکرمہ فرماتے ہیں: اس کا خوب اعلان کرو اگر اس کا مالک نہ ملے تو اسے صدقہ کر دو پھر مالک آ جائے تو اسے اختیار ہے خواہ ضمان لے لے خواہ صدقہ کا ثواب۔ ابوالسفر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علی المرتضیٰ کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے گری پڑی چیز ملی ہے جس میں سو یا اس کے لگ بھگ درہم ہیں میں نے اس کا معمولی سا اعلان کیا میں چاہتا ہوں کہ اس کا اعلان نہ کروں اور میں نے ان کو صفین جانے کے لیے تیاری کی خاطر استعمال کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اب حالات بہتر ہیں (صفین جانے کی ضرورت نہیں رہی) آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا اس کا اعلان کرو پھر اگر اس کا مالک اسے آ کر پہچان لے تو اسے دے دو ورنہ اس کا صدقہ کر دو پھر صدقہ کرنے کے بعد اگر اس کا مالک آ جاتا ہے تو میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اسے ثواب مل جائے (ثواب کے حصول کی خاطر وہ صدقہ کو نافذ کر دے) اور اگر وہ تم سے چٹی لیتا ہے تو تمہیں ثواب صدقہ ملے گا اور اسے اس کی قیمت بطور چٹی دو گے.... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لقطہ کے بارے میں فرمایا: اس کا ایک سال تک اعلان کرو اگر مالک آ جائے تو بہتر ورنہ اس کا صدقہ کر دو اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک آ جاتا ہے تو اسے اختیار دو اگر وہ ثواب صدقہ چاہتا ہے تو وہ مل جائے گا اور اگر مال چاہتا ہے تو (چٹی کے ذریعہ) اس کو اس کا مال مل جائے گا۔

حدثنا يحيى بن سعيد القطان عن عبدالرحمن بن هرملة قال سئلت سعيد بن المسيب عن اللقطة قال عرفها سنة انشد ذكرها فان جاء من يعرفها

عبدالرحمٰن بن ہرملہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا فرمایا: ایک سال تک اس کا اعلان کرو اس کا لگاتار ذکر کرتے رہو پھر اگر اس کا

فاعطیھا ایاھا و الا فتصدق بھا فان جاء تخیرہ بین الاجر و اللقطۃ..... عن مطرف عن عیاض بن حمار قال قال النبی ﷺ من وجد لقطۃ فلیشھد ذا عدل اوذوی عدل ثم لا یغیرہ و لا یکتم فان جاء ربھا فھو احق بھا و الامال اللہ یعطیہ من یشاء۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۵۵-۳۵۶ حدیث نمبر ۱۲۸۱۔ ۱۶۸۳ کتاب البیوع والاقضیہ)

مالک آ جائے جو اس کی پہچان کرا دے تو وہ اس کو دے دو اور اگر مالک نہ آئے تو اس کا صدقہ کر دو اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک آ جائے تو اسے اختیار دے دو کہ وہ ثواب اور چیز میں سے جو پسند کرے لے لے.... عیاض بن حمار بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جسے گری پڑی چیز ملے وہ ایک یا دو عادل گواہ مقرر کر لے پھر اس میں نہ تبدیلی کرے اور نہ چھپائے پس اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ اس کا حقدار ہے اور اگر نہیں آتا تو اللہ کا مال ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ آثار اور آخر میں ایک حدیث پاک آپ نے ملاحظہ فرمائی ان میں سال بھر اعلان کے بعد گری پڑی چیز کو صدقہ کرنے کا حکم ہے جبکہ اس کا مالک نہ ملے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں دو باتیں اور بھی قابل توجہ ہیں وہ یہ کہ اعلان خوب واضح اور لگاتار ہونا چاہیے آہستہ اعلان سے مقصد حاصل نہیں ہوتا دوسری بات یہ کہ اگر گری پڑی چیز اعلان آہستہ کر کے یا اعلان نہ کر کے اٹھانے والا یہ چاہتا ہے کہ میں اسے کسی اور نیک کام میں استعمال کروں تو اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے جنگ صفین میں شرکت کے لیے ساز و سامان خریدنے کے لیے گری پڑی چیز کا آہستہ سے اعلان کرنے والے کو آپ نے فرمایا کہ اس کا خوب واضح اعلان کرو حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ کا حمایتی نظر آ رہا تھا لیکن آپ نے پھر بھی شریعت مطہرہ کے حکم کو مقدم رکھا اگر گری پڑی چیز کے بارے میں اٹھانے والے کے لیے اپنی ملک میں لانے کی معمولی گنجائش بھی ہوتی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسے مذکور حکم نہ دیتے۔ مصنف ابن شیبہ والی حدیث میں ایک اور بات مذکور ہے کہ اٹھانے والا گواہ بنا لے یہ اس لیے تا کہ اس چیز میں حتی الوسع رد و بدل نہ کر سکے اور جوں کا توں مالک کو مل جائے اگر مالک نہ ملے تو اللہ کا مال (صدقہ واجبہ) ہونے کی وجہ سے اس کا صدقہ کرنا لازم ہے اگر اٹھانے والا غریب ہے تو اس کا وہ مستحق ہو جائے گا اگر امیر ہے تو کسی مستحق کو صدقہ کرنا اس پر واجب ہے ان آثار سے بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا موقف درست نظر آتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۸۱ - بَابُ الشُّفْعَةِ

شفعہ کا بیان

۸۳۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَارَةَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْبَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ عُثْمَانَ ابْنَ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فِیْ اَرْضٍ فَلَا شُفْعَةَ فِیْهَا وَلَا شُفْعَةَ فِیْ بِئْرٍ وَلَا فِیْ فَحْلِ نَخْلٍ.

امام مالک نے ہمیں محمد بن عمارہ سے خبر دی انہیں محمد بن عمرو بن حزم نے بتایا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کسی زمین کی حد بندی ہو جائے تو اس میں شفعہ نہیں اور کنوئیں اور کھجور کے درختوں میں بھی شفعہ نہیں۔

۸۳۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَضٰی بِالشُّفْعَةِ فِیْمَا لَمْ یُقْسَمْ فَاِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فَلَا شُفْعَةَ فِیْهِ.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے وہ ابوسلمیٰ بن عبدالرحمٰن سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس چیز کے بارے میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو ابھی تقسیم نہ کی گئی ہو اور اگر اس کی حد بندی کر دی گئی ہو تو اس میں شفعہ نہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ قَدْ جَاءَتْ فِیْ هٰذَا اَحَادِیْثُ

امام محمد کہتے ہیں شفعہ کے متعلق احادیث مختلف وارد ہیں۔

مَا اخْتَلَفَتْ فَالشَّرِيْكُ اَحَقُّ بِالشُّفْعَةِ مِنَ الْجَارِ وَالْجَارُ اَحَقُّ مِنْ غَيْرِهٖ بَلَغَنَا ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

لہذا شریک پڑوسی سے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اور پڑوسی دوسروں سے زیادہ حقدار ہے۔ یہ بات ہمیں رسول کریم ﷺ سے پہنچی ہے۔

۸۴۰- اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْلَى الثَّقَفِيُّ اَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ الشَّرِيْدِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِصَقَبِهٖ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن یعلی ثقفی نے خبر دی کہ مجھے عمر بن شرید نے اپنے والد شرید بن سوید سے خبر دی کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حقدار ہے ہمارا بھی اسی پر عمل ہے اور امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

ایک حدیث اور دو عدد آثار مذکور میں شفعہ اور اس کے متعلق بعض اختلافی مسئلہ جات امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے جہاں تک شفعہ کے جواز کا معاملہ ہے تو اس پر بھی ائمہ متفق ہیں کہ شفعہ جائز ہے وہ یہ مسئلہ کہ حق شفعہ کس کو مقدم ہے اور شفعہ والی چیزیں کیا کیا ہیں؟ تو ان میں حضرات ائمہ کرام مختلف ہیں۔ چند حوالہ جات اس بارے میں پیش خدمت ہیں۔

تثبت بالشريك بالملك باتفاق الائمة ولا شفعة للجار عند مالك والشافعي واحمد وقال ابو حنيفة تجب الشفعة بالجوار.

شریک بالملک کے ساتھ باتفاق ائمہ شفعہ ثابت ہے اور امام مالک شافعی اور احمد کے نزدیک پڑوسی کے لیے شفعہ نہیں اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ پڑوسیوں کے لیے شفعہ لازمی ہے۔

(رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ص ۱۷۸ کتاب الشفعہ مطبوعہ بیروت)

صاحب رحمۃ الامۃ مولانا عبدالرحمٰن دمشقی شافعی نے شفیع کے بارے میں اختلاف کا تذکرہ کیا ہے اس کی وضاحت دوسری کتب میں موجود ہے۔ شفعہ کرنے والا (شفیع) تین اقسام پر مشتمل ہے۔ (۱) جو ملکیت میں شریک ہو۔ اس شفیع کے بارے میں تمام ائمہ متفق ہیں کہ زمین کی تقسیم اور حد بندی ہونے سے قبل یہ شفیع حق شفعہ رکھتا ہے۔ اگر خریدار نے زمین خرید کر اس کی تقسیم کرالی اور حد بندی بھی ہوگئی اور شفیع کو ان باتوں کا علم ہو تو اب وہ حق شفعہ سے محروم ہو جائے گا (۲) جو حقوق میں شریک ہو۔ یعنی وہ شخص ایسے کہ نفس زمین میں تو شریک نہیں لیکن زمین میں جانے والا پانی یا راستہ دونوں کا مشترک ہے (۳) ہمسایہ۔ ان دونوں میں ائمہ ثلاثہ شفعہ کے قائل نہیں ہیں۔ صاحب بدایۃ المجتہد اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں۔

(شفیع میں اختلاف) امام مالک شافعی اور اہل مدینہ اس طرف گئے ہیں کہ شفعہ صرف شریک کے لیے ہے وہ بھی اس وقت تک جب تک زمین کی تقسیم نہ کی گئی ہو۔ اور اہل عراق کہتے ہیں کہ شفعہ بالترتیب تین اشخاص کے لیے ہے۔ (۱) سب سے زیادہ حقدار شریک فی الملک ہے۔ جب تک زمین تقسیم نہ کی گئی ہو (۲) پھر وہ شخص حقدار ہے جو تقسیم ہو جانے کے بعد حقوق میں شریک ہو۔ مطلب یہ کہ ابھی اس کے حقوق جوں کے توں مشترک ہیں۔ مثلاً راستہ میں شرکت صحن میں شرکت وغیرہ (۳) ہمسایہ ان دونوں کے بعد ہے کہ جس کی زمین مشفوع فیہ کے ساتھ متصل ہو۔ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ پڑوسی اور شریک فی الحقوق کے لیے جب زمین تقسیم ہو چکی ہو تو حق شفعہ نہیں ہے۔ اہل عراق (امام اعظم اور ان کے شاگرد) کی مضبوط دلیل وہ حدیث ہے جسے ابورافع نے روایت کیا ہے۔ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا "الجار احق بصقبه پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے"۔ یہ حدیث پاک بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے۔ امام ترمذی اور ابوداؤد نے حضور ﷺ سے یوں روایت کیا آپ نے فرمایا "الدار احق الدار الجار پڑوسی اپنے پڑوسی کے مکان کا حق شفعہ زیادہ رکھتا ہے"۔ امام ترمذی نے صحیح کہا اور معنی کے اعتبار سے یہ حدیث ان کے

لیے ملزمہ ہے یعنی پڑوسی کے لیے شفعہ لازم ہے کیونکہ شفعہ سے مقصود ضرر سے بوجہ شرکت کے بچنا ہے یہ معنی پڑوسی میں بھی پایا جاتا ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ پڑوسی کو بھی شریک فی الملک کی طرح حق شفعہ میں شامل کیا جائے۔

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۹۳۔ ۱۹۴ کتاب الشفعہ مطبوعہ مکتبہ علمیہ لاہور)

حنفی کہتے ہیں کہ جو شخص نفس مبیعہ میں شریک ہے اس کے لیے شفعہ لازم ہے۔ اس کے بعد اس شخص کے لیے جو حقوق میں شریک ہو۔ مثلاً پانی اور راستہ دونوں کا مشترکہ ہے اس کے لیے شفعہ لازم ہے۔ پھر پڑوسی اور ہمسایہ کے لیے حق شفعہ لازم ہے۔ شفعہ کے وجوب کی ترتیب یہی ہے۔ رہا شفعہ کا ثبوت تو وہ ان احادیث سے ہے جن میں حضور ﷺ کا ارشاد مذکور ہے۔ شفعہ اس کے شریک کے لیے ہے جس نے تقسیم نہ کی دوسرا آپ کا فرمان: مکان کا پڑوسی مکان اور زمین کا زیادہ حقدار ہے۔ اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا جب کہ اس کا راستہ ایک ہو اس کے علاوہ حضور ﷺ نے فرمایا ''الجار احق بعقبہ قیل یا رسول اللّٰہ صبقہ؟ قال شفعۃ ویروی الجار احق بشفعۃ پڑوسی صبقہ کا زیادہ حقدار ہے آپ سے پوچھا گیا کہ صقبہ کیا ہوتا ہے؟ تو فرمایا یہ شفعہ کو کہتے ہیں''۔ اور مروی ہے کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں ملتا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے' شفعہ اس چیز میں ہے جس کی تقسیم نہ کی گئی ہو اور جب حد بندی ہو جائے اور راستے تقسیم ہو جائیں تو پھر شفعہ نہیں ہے۔ نیز شفعہ میں غیر کی ملکیت پر اس کی رضامندی کے بغیر تمنیک ہوتی ہے اس لیے یہ خلاف قیاس ہے۔ چونکہ غیر منقسم چیز میں شفعہ کا حق شریعت کے حکم میں آ گیا ہے اس لیے خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اسی میں منحصر رہے گا۔ اور اس پر قیاس کر کے دوسری اشیاء میں شفعہ نہیں ثابت کیا جائے گا۔ ہم احناف کی دلیل یہ ہے کہ پڑوسی کے لیے حق شفعہ کا ثبوت خود حدیث پاک سے ثابت ہے۔ نیز جس طرح شریک کی ملکیت کا نفس مبیع کے ساتھ اتصال ہے اسی طرح پڑوسی کی ملکیت بھی نفس بیع کے ساتھ متصل ہے اور پڑوسی کا ضرر دور کرنے کے لیے اسے حق شفعہ دیا جائے گا بلکہ اس سے ضرر کو دور کرنا زیادہ فن رکھتا ہے اور ترتیب کا ثبوت اس حدیث سے ہے''الشریک احق من الخلیط و الخلیط احق من الشفیع (مصنف ابن شیبہ) شریک سے مراد وہ شخص ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو اور خلیط سے مراد وہ جو حقوق میں شریک ہو اور شفیع سے مراد پڑوسی ہے''۔ یعنی نفس مبیع میں شرکت والا شخص اس شخص سے حق شفعہ کا زیادہ حقدار ہے جو شریک فی الحقوق ہے اور حقوق میں شریک' پڑوسی سے زیادہ حقدار ہے۔ یہ اس لیے بھی کہ نفس مبیع میں شرکت والا شخص زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ وہ مبیع کی ہر چیز میں شریک ہے۔ اس کے بعد حقوق میں اتصال ہے کیونکہ یہ ملکیت کے منافع میں شرکت بنتی ہے اور ترجیح قوت کے سبب سے ہوتی ہے (جو زیادہ قوی وہ راجح اور کمزور مرجوح ہوگا)۔

(ہدایہ شریف اخیرین ص ۳۸۹۔ ۳۹۰ کتاب الشفعہ مطبوعہ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

ہدایہ اخیرین کے درج بالا اقتباس میں مسلک احناف کے دلائل تو پیش ہوئے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف اور ان کے استدلال کا کوئی شافی جواب ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لیے ضروری ہے کہ امام موصوف کے استدلال کا جواب بھی لکھا جائے۔ امام شافعی نے اپنے استدلال کی بنیاد ''صحیح بخاری شریف'' کی ایک حدیث پر رکھی ہے۔ اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے صاحب عمدۃ القاری نے احناف کی طرف سے اس کے جوابات بھی ذکر کیے ہیں۔ عبارت ملاحظہ ہو:

کرمانی نے کہا کہ التیمی نے کہا کہ امام شافعی نے فرمایا: شفعہ شریک کے لیے ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ شفعہ پڑوسی کے لیے بھی ہے۔ یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے خلاف امام شافعی کے مؤقف کی حجت ہے۔ (یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ہر چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا کہ جب تک وہ تقسیم نہ کی گئی ہو اگر اس کی حد بندی ہو گئی ہو اور اس کے راستے تبدیل کر دیئے جائیں تو شفعہ نہیں۔ یہ وہ حدیث ہے جسے التیمی نے کہا کہ امام شافعی کی طرف امام ابوحنیفہ پر یہ حجت ہے)۔ علامہ عینی

فرماتے ہیں سبحان اللہ! یہ عجیب کلام ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ نے صرف پڑوسی کے لیے حق شفعہ کا قول نہیں لیا بلکہ ان کا کہنا ہے کہ حق شفعہ نفس مبیع کے لیے جو مبیع کے حقوق میں شریک ہو۔ ان دونوں کے بعد پڑوسی شفعہ کا حقدار ہے۔ بیہقی کیسے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ پر حجت ہے؟ امام صاحب پر یہ حدیث اس وقت حجت ہوئی جب وہ اس حدیث پر عمل نہ کرتے۔ حالانکہ امام صاحب اولاً اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اس کے بعد پڑوسی والی حدیث پر عمل کیا ہے۔ امام موصوف نے دونوں احادیث میں سے کسی پر بھی عمل کو ترک نہیں فرمایا۔ ادھر ائمہ ثلاثہ نے ان میں سے ایک حدیث پر تو عمل کیا لیکن دوسری کو ترک کر دیا اور اس کی فاسد تاویلات کیں۔ اس لیے میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ یہ مقابلہ اور عناد و تعصب کی وجہ سے ہے اور کیسے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے احق بشفعۃ نہیں بلکہ احق بصقبہ فرمایا۔ حالانکہ احمد طبرانی اور ابن شیبہ کی روایت میں بشفعہ کا لفظ موجود ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے ''جار الدار احق بشفعۃ الدار'' تو پھر ایسی صریح حدیث کے ہوتے ہوئے اس بارے میں ایسی تاویل کون قبول کرے گا جو اس طرف مفہوم کو لے جاتی ہے۔ جس پر الفاظ حدیث دلالت نہیں کرتے۔ اس تاویل کو اس تاویل نے بھی رد کیا جسے احمد' ابوداؤد اور ترمذی نے حدیث حسن سے روایت کیا ہے۔ جس کے راوی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان ''پڑوسی مکان کا زیادہ حقدار ہوتا ہے'' اسے امام ترمذی نے باب الشفعہ میں ذکر کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے (اس کے بعد علامہ عینی مسلک احناف کی حجت اور دلیل کے طور پر ایک صریح حدیث کا ذکر کرتے ہیں) عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا' میری زمین ایسی جگہ واقع ہے کہ نہ تو اس میں کوئی شریک ہے اور نہ ہی اس کی کوئی تقسیم ہے مگر اس کا پڑوسی ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''الجار احق بصبقۃ الصقب بابصار واقرب من الدار'' شفعہ کا زیادہ حقدار پڑوسی ہے۔ لفظ صقب سے مراد دار مبیع کے قریب والا حصہ ہے۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۱۲ ص ۲۷ باب الشفعہ فیما لم یقسم الخ مطبوعہ بیروت)

صاحب عمدۃ القاری نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل (حدیث) ذکر کر کے اس کا مفہوم بیان فرمایا۔ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زمین میں شفعہ صرف شریک فی الملک کر سکتا ہے جب کہ وہ تقسیم نہ کی گئی ہو۔ اس سے امام شافعی اور ان کے متبعین کا یہ استدلال کا شریک فی الحقوق اور پڑوسی کو حق شفعہ نہیں' درست نہیں کیونکہ تقسیم سے قبل شریک فی الملک شفعہ کر سکتا ہے۔ جب تقسیم ہو گئی اب ایک اور تقسیم یعنی پانی اور راستے کی باقی ہے لہٰذا جو شخص ان حقوق میں شریک ہوگا وہ بھی شفعہ کا زیادہ حق دار ہوگا۔ کیونکہ شریک فی الحقوق حق شفعہ سے بموجب حدیث اس وقت محروم ہوتا ہے جب راستہ کی تقسیم ہو چکی ہو اور پڑوسی کے بارے میں الگ اور مستقل حدیث موجود ہے۔ علامہ عینی نے از راہ تعجب کہا کہ امام بیہقی نے امام ابوحنیفہ پر کیسے اعتراض کر دیا حالانکہ شفعہ کے بارے میں اس حدیث پاک کے علاوہ اور بھی حدیث پاک ہے جس میں شریک فی الحقوق اور ایک دوسری حدیث میں پڑوسی کو حق شفعہ دیا گیا ہے۔ ان تمام احادیث پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ عمل پیرا ہوتے ہوئے بھی درست نہیں اور ائمہ ثلاثہ خصوصاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک پر عمل کر کے دوسری کو ترک کر کے امام بیہقی کے نزدیک قابل ستائش ٹھہرے۔ یہ سراسر عناد اور تعصب ہے جو ایسے شخص کو زیب نہیں دیتا۔ پڑوسی کے لیے حق شفعہ کے اثبات پر ہم ''بخاری شریف'' سے ایک روایت نقل کر رہے ہیں اور پھر اس کی تشریح بحر العلوم' استاذ الاساتذہ استاذی المکرم شیخ الحدیث مولٰنا غلام رسول رضوی مدظلہ العالی کی زبانی سنیے موصوف نے ''بخاری شریف'' کی شرح گیارہ ضخیم مجلدات میں لکھی ہے جس کا نام ''تفہیم البخاری'' رکھا ہے اور کتب خانوں سے دستیاب ہے۔ حدیث پاک یہ ہے۔

اخبرنی ابراھیم بن میسرہ عن عمرو بن الشرید قال وقفت علی سعد بن ابی وقاص فجلو	مجھے ابراہیم بن میسرہ نے عمرو بن شرید سے خبر دی کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا

مسور بن مخرمه فوضع يده على احد منكبيى اذا جاء ابو رافع مولى النبى ﷺ فقال يا سعد ابتع منى بيتى فى دارک فقال سعد والله ما ابتعتها فقال المسور والله لتبعتنها فقال سعد والله لا ازيدک على اربعة الاف منجمة او مقطعة قال ابو رافع لقد اعطيت بهما خمس مأته دينار ولولا انى سمعت رسول الله ﷺ يقول الجار احق بصبقه ما اعطيتكما باربعة الاف وانما اعطى بهما خمس مأته دينار فاعطاها اياه.

(صحیح بخاری ج۱ص۳۰۰ باب الشفعہ' مطبوعہ اصح المطابع کراچی' مصنف عبدالرزاق' ج۸ص۷۷ کتاب الشفعہ' مطبوعہ اسلامی بیروت' صحیح ابن حبان ج۷ص۳۰۹ کتاب الشفعہ' مطبوعہ بیروت)

تھا۔ اتنے میں جناب مسور بن مخرمہ تشریف لائے انہوں نے اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھا ہوا تھا کہ حضرت ابو رافع جو حضور ﷺ کے غلام تھے تشریف لائے۔ انہوں نے کہا' اے سعد! مجھ سے میرے دونوں مکان خرید لیجئے جو آپ کی حویلی میں ہیں۔ حضرت سعد نے کہا! بخدا میں انہیں نہیں خریدوں گا۔ تو جناب مسور نے کہا' خدا کی قسم! آپ انہیں ضرور خریدیں گے۔ اس پر جناب سعد بولے کہ میں تمہیں چار ہزار (درہم) سے زائد نہیں دوں گا۔ وہ بھی تھوڑے تھوڑے کر کے قسط وار ہوں گے۔ جناب ابورافع نے کہا مجھے ان دونوں کے عوض پانچ سو دینار ملتے ہیں۔ (میں انہیں ان کے عوض ضرور بیچ دیتا) اگر میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا۔ ''پڑوسی اپنے قریب ہونے کی وجہ سے حق شفعہ کا سب سے زیادہ حقدار ہوتا ہے'' میں آپ کو چار ہزار (درہم) میں نہ دیتا۔ کیونکہ مجھے دونوں کے عوض ۵۰۰ اشرفیاں (دینار) مل رہی ہیں۔ پھر انہوں نے وہ دونوں مکان سعد کو دے دیئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق شفعہ پڑوسی کو بھی حاصل ہے کیونکہ جناب ابورافع رضی اللہ عنہ کے دونوں مکانات میں حضرت سعد شریک فی الملک کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ آپ پڑوسی تھے اسی لیے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا جو ارشاد گرامی سنایا وہ پڑوسی کے حق شفعہ کے بارے میں ہے' شریک فی الملک کے بارے میں نہیں۔ اب اس کی کچھ تشریح سن لیجئے۔

اس حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب نے ہمسایہ کے لیے حق شفعہ پر استدلال کیا ہے کیونکہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے محلّہ میں حضرت ابورافع کے دو مکان تھے اور ظاہر ہے کہ حضرت سعد ان میں شریک نہ تھے کیونکہ عمرو ابن شیبہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بلاط (یعنی پلاٹ) میں دو مکان تھے ان کے درمیان دس گز فاصلہ تھا اور ان میں سے جو مسجد کے دائیں جانب تھا وہ ابورافع کا مکان تھا جس کو حضرت سعد نے ان سے خریدا تھا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت سعد حضرت ابورافع سے مکان خریدنے سے پہلے ان کے ہمسایہ تھے' ان میں شریک نہ تھے۔

(تفہیم بخاری ج۳ص۴۴۶ کتاب الشفعہ' مطبوعہ جدہ پریس اردو بازار لاہور)

قارئین کرام! قبلہ استاذی المکرم نے مختصر لیکن مدلل طریقہ سے واضح فرمایا کہ حضرت ابورافع کے دونوں مکانات کے درمیان دس گز کا فاصلہ تھا۔ یہ دونوں مکان محل وقوع کے اعتبار سے جناب سعد کے قریب تھے لہٰذا حضرت ابورافع کے مکانات کے پڑوسی ہی ہوسکتے ہیں ان میں شریک نہیں اسی مقام پر قبلہ شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے مشفوع فیہ کے بارے میں مختصر لیکن جامع عبارت تحریر فرمائی جو مسلکِ احناف واضح کرتی ہے آپ نے لکھا ہے وہ شفعہ صرف زمین میں ہی ہوتا ہے کیونکہ اس کے ثبوت میں حکمت یہ ہے کہ شریک یا ہمسایہ سے ضرر کو زائل کیا جائے۔ علماء نے کہا اشیاء تین قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں شفعہ مستقل ہو جیسے زمین اور مکان وغیرہ دوسری قسم وہ ہے جن میں شفعہ بالتبع ہو جیسے کھجوریں جو زمین میں قائم ہوں۔ تیسری قسم یہ کہ مستقل نہ ہو اور نہ ہی تابع ہو جیسے طعام وغیرہ۔ تیسری قسم میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب میں شفعہ ہوسکتا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

شفعہ کے مراتب

امام شافعی رضی اللہ عنہ حق شفعہ صرف "شریک فی الملک" کے لیے تسلیم کرتے ہیں دیگر دو شفیع یعنی شریک فی الحقوق اور پڑوسی کے لیے وہ یہ حق تسلیم نہیں کرتے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ طعام وغیرہ میں بھی حق شفعہ مانتے ہیں بہرحال ہم احناف کے نزدیک شفیع بالترتیب تین اقسام کے ہیں سب سے اول وہ جو شریک فی الملک ہو دوسرے نمبر پر وہ جو شریک فی الحقوق ہو اور تیسرے نمبر پر پڑوسی شفعہ کرنے والوں کی درج شدہ ترتیب ملاحظہ ہو۔

مسئلہ: شفعہ کے چند اسباب مجتمع ہو جائیں ان میں ترتیب کا خیال رکھا جائے گا جو بسبب قوی ہو اس کو مقدم کیا جائے۔ شفعہ کے تین سبب ہیں (۱) شفعہ کرنے والا شریک نہ ہو (۲) خلیط ہو (۳) جار ملاصق' شریک وہ ہے جس کی خود مبیع میں شرکت ہو مثلاً ایک مکان دو شخصوں میں مشترک ہے ایک شریک نے بیع کی تو دوسرے شریک کو حق شفعہ پہنچتا ہے۔ خلیط کا مطلب ہے کہ خود مبیع میں شرکت نہ ہو اس کا حصہ بائع کے حصہ سے ممتاز ہو مگر حق مبیع میں شرکت نہ ہو مثلاً دونوں مکانوں کا ایک ہی راستہ ہے اور راستہ بھی خاص ہے یا دونوں کے کھیت میں ایک ہی نالی سے پانی آتا ہو۔ جار ملاصق یہ ہے کہ اس کے مکان کی چھت دوسرے سے ملی ہو ان سب میں مقدم شریک ہے پھر خلیط اور پھر جار ملصق (جس کا مرتبہ سب سے آخر میں ہے)۔ (ہدایہ' درمختار)

مسئلہ: شریک نے مشتری کو تسلیم کر دی یعنی شفعہ نہیں کرنا چاہتا ہے اب خلیط کو شفعہ کا حق حاصل ہو جائے گا اس کے بعد اس کا مرتبہ ہے یا اس جائیداد میں کسی کی شرکت نہیں ہے تو خلیط کو شفعہ کا حق ہے اور خلیط نے بھی مشتری سے نہیں لینا چاہا۔ تسلیم کر لی یا کوئی خلیط ہی نہیں تو پڑوسی کو حق ہے۔ عالمگیری۔ (بہار شریعت ح۱۵ ص۵۷ شفعہ کے مراتب' مطبوعہ غلام علی لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ حق شفعہ میں ترتیب واجب ہے۔ کتب فقہ حنفی میں "عالمگیری" "درمختار" اور "ہدایہ" کا مقام بہت ممتاز ہے ان میں یہ ترتیب منصوص ہے ان تینوں میں سے اگر پہلا شفیع حق شفعہ سے دستبردار ہو جاتا ہے تو اب حق شفعہ دوسرے یعنی شریک فی الحقوق کی طرف منتقل ہو جائے گا یوں نہیں کہ اگر زیادہ حقدار نے اپنے حق سے دستبرداری کر لی تو اس کے بعد والے بھی محروم ہو جائیں گے۔

پڑوسی کے شفعہ کے ثبوت میں چند احادیث و آثار

عن الحسن ممن سمع علیا و ابن مسعود یقول قضی رسول اللہ ﷺ بالجوار .... عن الشعبی وابن سیرین عن شریح قال الخلیط احق من الشفیع والشفیع احق ممن سواہ .... عن فضیل عن ابراھیم قال الخلیط احق من الجار والجار احق من غیرہ ..... عن ھشام بن المغیرۃ سمعت الشعبی یقول قال رسول اللہ ﷺ الشفیع اولی من الجار والجار اولی من الجنب..... عن ابراھیم بن میسرۃ قال قلت لطاؤس ان عمر بن عبدالعزیز کتبہ اذا ضربت الحدود فلا شفعۃ فقال الطاؤس لا الجار احق.... عن عطاء عن جابر قال قال رسول اللہ

حسن ایسے آدمی سے روایت کرتے ہیں جس نے حضرت علی اور ابن مسعود سے یہ سنا کہ حضور ﷺ نے پڑوسی کے بارے میں حق شفعہ کا فیصلہ فرمایا.... شعبی اور ابن سیرین جناب شریح سے بیان کرتے ہیں کہ خلیط زیادہ حقدار ہے شفیع سے' اور شفیع زیادہ حقدار ہے ماسوا تمام لوگوں سے..... فضیل جناب ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ خلیط زیادہ حقدار ہے پڑوسی سے اور پڑوسی دوسروں سے زیادہ حقدار ہے..... ہشام بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب شعبی کو کہتے سنا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا شفیع اولی ہے پڑوسی سے اور پڑوسی جانب سے زیادہ حقدار ہے..... ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب طاؤس سے کہا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ حکم نامہ لکھا ہے جب زمین کی حد بندی ہو

ﷺ الجار احق بشفعته ينتظر بها اذا كان غائباً اذا كان طريقهما واحدة..... عن عائشته قالت قلت يا رسول الله ﷺ ان لی جارتين فالی ايهما اهدی قال الی اقربهما منک بابا.

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۷۷ـ۸۲ باب الشفعۃ بالجار)

جائے تو اس میں شفعہ نہیں رہے گا جب طاؤس نے فرمایا نہیں پڑوسی زیادہ حقدار ہے..... حضرت جابر سے جناب عطاء راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے جب ان دونوں کا راستہ ایک ہی ہو..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا میری دو ہمسائیاں ہیں میں ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا: جس کا دروازہ تمہارے زیادہ نزدیک ہے اسے بھیجو۔

نوٹ: مذکورہ احادیث تقریباً سبھی ''مصنف ابن ابی شیبہ'' ج ۷ ص ۱۶۴ـ۱۶۷ پر مذکور ہیں باب من کان یقضی بالشفقہ للجار' مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی۔

دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے مسلک احناف واضح ہو گیا وہ یہ کہ حق شفعہ اول شریک فی الملک کو دوم شریک فی الحقوق اور سوم پڑوسی کو حاصل ہے آخر میں ایک بات مزید ذکر کر کے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں وہ یہ کہ حق شفعہ کا بیچنا' ہبہ کرنا یا وراثت میں منتقل ہونا درست نہیں۔

قال الثوری سمعنا ان الشفعة لا تباع ولا توهب ولا تورث ولا تعار وهی لصاحبها الذی وقعت له. (مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۸۲ حدیث نمبر ۱۴۴۰۷)

امام ثوری کہتے ہیں کہ شفعہ کی بیع' ہبہ' توریث اور ادھار دینا کچھ بھی جائز نہیں ہے بلکہ یہ اسی کا ہے جس کے لیے ثابت ہوتا ہے۔

۳۸۲- بَابُ الْمُكَاتَبِ

مکاتب کا بیان

۸۴۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَابَقِیَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَةِ شَیْءٌ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر سے خبر دیتے ہیں وہ فرمایا کرتے تھے کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہوتا ہے جب تک اس کے مکاتب کی اس پر کوئی شے باقی ہو (بدل کتابت میں سے کچھ بقایا ہو)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْعَبْدِ فِیْ شَهَادَتِهٖ وَ حُدُوْدِهٖ وَ جَمِيْعِ اَمْرِهٖ اِلَّا اَنَّهٗ لَا سَبِيْلَ لِمَوْلَاهُ عَلٰى مَالِهٖ مَادَامَ مُكَاتَبًا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی مسلک ہے اور امام ابوحنیفہ اور ہمارے فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔ ''مکاتب'' گواہی' حدود اور تمام کاموں میں بمنزلہ غلام کے ہوتا ہے ہاں اس کے مولیٰ کے لیے اس کے مال پر کوئی دسترس نہیں جب تک وہ مکاتب ہے۔

۸۴۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ قَيْسٍ الْمَكِّیُّ اَنَّ مُكَاتَبًا لِابْنِ الْمُتَوَكِّلِ هَلَكَ بِمَكَّةَ وَتَرَكَ عَلَيْهِ بَقِيَّةً مِّنْ مُكَاتَبَتِهٖ وَدُيُوْنَ النَّاسِ وَتَرَكَ ابْنَةً فَاَشْكَلَ عَلٰى عَامِلِ مَكَّةَ الْقَضَاءُ فِیْ ذٰلِكَ فَكَتَبَ اِلٰى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ يَسْاَلُهٗ عَنْ ذٰلِكَ

امام مالک نے ہمیں حمید بن قیس سے خبر دی کہ ابن متوکل کا مکاتب مکہ میں فوت ہو گیا اور اس کے بدل کتابت کی کچھ رقم ابھی ادا کرنا باقی تھی اور لوگوں کے کچھ قرضے بھی اس کے ذمے تھے اور اپنے پیچھے وہ ایک بیٹی چھوڑ گیا' مکہ کے گورنر کو اس بارے میں فیصلہ دینا مشکل ہو گیا اس نے عبدالملک بن مروان کو اس بارے میں لکھ

فَكَتَبَ اِلَيْهِ عَبْدُالْمَلِكِ اَنْ ابْدَءْ بِدُيُوْنِ النَّاسِ فَاقْضِهَا ثُمَّ اقْضِ مَابَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ ثُمَّ اَقْسِمْ مَابَقِيَ مِنْ مَّالِهٖ بَيْنَ ابْنَتِهٖ وَ مَوَالِيْهِ.

بھیجا' عبدالملک بن مروان نے جواباً لکھا کہ اس کے مال متروکہ میں سے پہلے لوگوں کے قرض ادا کرو پھر جو باقی بچے اس سے اس کی کتابت کی رقم ادا کرو اور اس کے بعد باقی اس کی بیٹی اور اس کے موالی کے درمیان تقسیم کر دو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا اِنَّهٗ اِذَا مَاتَ بُدِئَ بِدُيُوْنِ النَّاسِ ثُمَّ بِمُكَاتَبَتِهٖ ثُمَّ مَابَقِيَ كَانَ مِيْرَاثًا لِوَرَثَتِهِ الْاَحْرَارِ مَنْ كَانُوْا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور امام ابوحنیفہ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام کا یہی قول ہے کہ جب مکاتب انتقال کر جائے تو اس کے ترکہ سے سب سے پہلے لوگوں سے لیے قرضے ادا کیے جائیں پھر اس کی کتابت کی بقایا رقم ادا کی جائے پھر بقیہ مال اس کے آزاد ورثاء کی وراثت ہوگا خواہ وہ کیسے ہوں؟

٨٤٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِي الثِّقَةُ عِنْدِيْ اَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَ سُلَيْمٰنَ بْنَ يَسَارٍ سُئِلَا عَنْ رَجُلٍ كَاتَبَ عَلٰى نَفْسِهٖ وَعَلٰى وَلَدِهٖ ثُمَّ هَلَكَ الْمُكَاتَبُ وَتَرَكَ بَنِيْنَ اَيَسْعَوْنَ فِيْ كِتَابَةِ اَبِيْهِمْ اَمْ هُمْ عَبِيْدٌ فَقَالَا لَا بَلْ يَسْعَوْنَ فِيْ كِتَابَةِ اَبِيْهِمْ وَلَا يُوْضَعُ عَنْهُمْ لِمَوْتِ اَبِيْهِمْ شَيْئٌ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں میرے ایک باوثوق آدمی نے بتایا کہ حضرت عروہ بن زبیر اور سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہما سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے اپنی اور اپنی اولاد کی طرف سے کتابت کی تھی پھر یہ مکاتب فوت ہوگیا اور اپنے پیچھے بیٹے چھوڑ گیا جو اپنے والد کی کتابت کی رقم ادا کرنے کے لیے محنت مزدوری کرتے کیا وہ غلام ہیں؟ فرمایا: نہیں بلکہ وہ اپنے والد کی کتابت کی رقم ادا کرنے کے لیے کوشش کریں ان کے والد کے انتقال کی وجہ سے بھری الذمہ نہیں ہوں گے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَاِذَا اَدَّوْا عَتَقُوْا جَمِيْعًا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے جب وہ بدل کتابت ادا کر دیں گے تو سبھی آزاد ہو جائیں گے۔

٨٤٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ مُخْبِرٌ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تُقَاطِعُ مُكَاتَبَتَهَا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ.

امام مالک نے ہمیں ایک باخبر آدمی سے خبر دی کہ حضور ﷺ کی زوجہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی مکاتبہ سے بدل کتابت میں سونا اور چاندی لے لیا کرتی تھیں۔

اس باب میں چند مسائل کا ذکر ہوا ہم ان میں اختلاف ائمہ اور مسلک احناف کے دلائل بالترتیب ذکر کریں گے۔ پہلا مسئلہ یہ کہ کیا غلام کی کتابت ضروری ہے؟ دوسرا مسئلہ یہ کہ کتابت طے ہو جانے کے بعد مکاتب نے اپنی رقم ادا کی مگر ابھی مثلاً ایک درہم باقی رہ گیا تو کیا اب اس کا علم مکمل غلام کا سا ہے یا آزاد کا؟ تیسرا مسئلہ یہ کہ اگر کتابت کا معاہدہ کرتے وقت مکاتب نے اپنے ساتھ اپنی اولاد کو بھی کتاب میں شامل کر لیا پھر وہ مرگیا تو اب اس کی اولاد کی کتابت باقی رہے گی یا فسخ ہو جائے گی؟ چوتھا مسئلہ یہ کہ مکاتب اپنی پوری رقم ادا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا اور اس نے اپنے پیچھے کافی رقم چھوڑی کہ جس سے اس کی کتابت کی بقایا رقم بھی ادا ہو جاتی ہے اور پھر بچ جاتی ہے۔ اس بقیہ رقم کو کون لے گا؟

مسئلہ اولیٰ: غلام کی کتابت ضروری یا واجب ہے کہ نہیں؟ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کتابت کے وجوب کے قائل ہیں دیگر ائمہ وجوب کے قائل نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں اگر مکاتب بنانے میں بہتری ہے تو ٹھیک ورنہ کوئی ضروری نہیں۔

اذا سئل العبد سیدہ مکاتبۃ استحب لہ اجابتہ اذا علم فیہ خیرا ولم یجب ذالک فی ظاھر المذھب وھو قول عامۃ اھل العلم منھم الحسن والشعبی و مالک والثوری والشافعی و اصحاب الرأی وعن احمد انھا واجبۃ اذا دعا العبد المکتسب الصدوق سیدہ ایھا فعطیہ اجابتہ وھو قول عطاء والضحاک و عمرو بن دینار و داؤد و قال اسحاق اخشی ان یاثم ان لم یفعل ولم یجبر علیہ ووجہ ذالک قول اللہ تعالٰی (فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیراً) وظاھر الامر الوجوب و روی ابن سیرین ابا محمد بن سیرین کان عبداً لانس بن مالک فسألہ ان یکاتبہ فابٰی ان یکاتبہ فاخبر سیرین عمر بن الخطاب بذالک فرفع الدرۃ علی انس وقرأ علیہ والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیراً فکاتبہ انس ولنا انہ اعتاق بعوض فلم یجب کالاستعاء والایۃ محمولۃ علی الندب وقول عمر رضی اللہ عنہ یخالف فعل انس ولا خلاف بینھم فی ان من لا خیر فیہ لا تجب اجابتہ۔

(المغنی مع شرح کبیر ج ۱۲ ص ۳۳۹' کتاب المکاتب' مطبوعہ بیروت)

جب غلام اپنے آقا سے کتابت کا مطالبہ کرتا ہے تو آقا کو اس کا مطالبہ پورا کر دینا مستحب ہے جبکہ اس میں بھلائی نظر آتی ہو اور ظاہر مذہب میں مطالبہ پورا کرنا واجب نہیں ہے یہ قول علماء کرام کا ہے جن میں جناب حسن' شعبی' مالک' ثوری' شافعی اور اصحاب الرائے شامل ہیں اور امام احمد سے مروی ہے کہ یہ مطالبہ پورا کرنا آقا کے لیے واجب ہے جب غلام کمانے پر قدرت رکھنے والا اور سچا ہو اور وہ اپنے آقا کو کتابت کی پیشکش کرتا ہے تو آقا کے لیے اس کی پیشکش قبول کرنا واجب ہے اسی کے مطابق جناب عطاء ضحاک' عمرو بن دینار' داؤد نے قول کیا ہے اور اسحاق کہتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے یہ پیشکش ٹھکرا دی تو مجھے اس کے بارے میں گنہگار ہونے کا خوف ہے اسے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اس کی وجہ اور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اور تم ان غلاموں میں اگر بھلائی جانو تو انہیں مکاتب بنا دو'' امر ظاہری طور پر وجوب کے لیے آتا ہے۔ (اور آیت کریمہ میں کتابت کا امر مذکور ہے) اور مروی ہے کہ سیرین یعنی ابو محمد بن سیرین حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں غلام تھے انہوں نے حضرت انس سے کتابت کی پیشکش کی کہ مجھے مکاتب کر دو لیکن حضرت انس نہ مانے تو سیرین نے اس بات کی اطلاع حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دی آپ نے حضرت انس کے خلاف درہ اٹھایا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی ''اور وہ غلام جو کتابت کی خواہش کریں ان غلاموں میں سے جو تمہاری ملکیت میں ہیں تو تم ان کو مکاتب کر دو اگر تم ان میں بھلائی دیکھتے ہو'' اس کے بعد حضرت انس نے انہیں مکاتب کر دیا۔ ہم احناف کی دلیل یہ ہے کہ کتابت دراصل معاوضہ لے کر آزاد کرنا ہے لہٰذا واجب نہیں جیسا کہ کوشش اور محنت مزدوری کا مطالبہ واجب نہیں۔ آیت مذکورہ میں امر کا صیغہ ''ندب'' کے لیے آیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان حضرت انس رضی اللہ عنہ کے عمل و فعل کے خلاف ہے حالانکہ ان دونوں حضرات میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر غلام کی کتابت میں بھلائی اور خیر نہ ہو تو

غلام کا مکاتب کرنے کا مطالبہ پورا کرنا واجب نہیں ہوتا۔

پہلے مسئلے کا خلاصہ یہ ہوا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے نزدیک غلام کے مطالبہ کتابت پر اسے مکاتب کر دینا واجب ہے۔ بقیہ ائمہ ثلاثہ اسے مستحب قرار دیتے ہیں امام احمد کی دلیل جو آیت کریمہ تھی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول جس کا مؤید ہے ان دونوں سے ان کا موقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آیت مبارکہ میں مطالبہ کتابت کو پورا کرنے کے لیے ایک شرط یا پابندی لگائی گئی وہ یہ کہ اگر ایسا کرنے میں بھلائی اور خیر نظر آتی ہو اور اگر بھلائی معلوم نہ ہوتی ہو تو کتابت کا حکم نہیں یہی وجہ ہے کہ عدم بھلائی کے وقت تمام حضرات کتابت کے مطالبہ کو پورا کرنا واجب نہ سمجھنے پر متفق ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں وجوب علی الاطلاق نہیں جب دونوں (کتابت اور عدم کتابت) باتیں مولیٰ کے اختیار میں رکھی گئیں تو وجوب کیسے ثابت ہوا؟ بلکہ بعض صورتوں میں تو کتابت سے انکار کرنا باعث بھلائی اور خیر ہوتا ہے مثلاً مولیٰ کو خطرہ ہے کہ اگر غلام کے مطالبہ پر میں نے اسے مکاتب کر دیا تو یہی غلام آزاد ہونے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرے گا۔ رہا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد تو ابن قدامہ نے اس کا اصولی جواب دیا وہ یہ کہ ایک طرف حضرت عمر کا ارشاد یعنی قول ہے اور دوسری طرف حضرت انس کا عمل و فعل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول حضرت انس کے فعل کے خلاف ہے لہٰذا فعل انس راجح ہوگا اس لیے بھی کہ یہ دونوں حضرات عدم بھلائی کی صورت میں عدم وجوب پر متفق ہیں تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ غلام کا مطالبہ پورا کرنا واجب نہیں۔

مسئلہ ثانیہ: مکاتب نے بدل کتابت میں سے کچھ ادا کر دیا اور تھوڑا سا باقی رہ گیا' کیا اب وہ غلام یا آزاد کے حکم میں ہوگا؟ اس بارے میں بعض فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جس قدر وہ رقم ادا کر چکا ہے اس کے برابر غلام کا حصہ آزاد متصور ہوگا مثلاً ایک ہزار درہم بدل کتابت میں طے پایا مکاتب نے پانچ سو درہم ادا کر دیئے تو ان حضرات کے نزدیک غلام کا نصف آزاد ہو گیا بقیہ نصف ابھی غلام ہے لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ ایک درہم بھی اگر مکاتب کا ادا کرنا باقی ہے تو وہ مکمل غلام متصور ہوگا اگر کسی وجہ سے وہ ایک درہم بقیہ ادا کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے تو وہ دوبارہ مکمل غلام ہو جائے گا اس مسئلے کو بھی صاحب المغنی نے تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

الفصل الثالث انه لا يعتق. تیسری فصل اس بارے میں کہ اگر غلام نے اپنی کتابت کی رقم مکمل ادا نہیں کی تو وہ بدستور غلام ہی رہے گا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ایسا غلام جو دو آدمیوں کا مشترکہ غلام ہے ان دونوں نے اسے ایک ہزار درہم پر مکاتب بنایا اس مکاتب نے ۹۰۰ درہم ادا کیے ان میں سے ایک نے اپنے حصہ کو چھوڑ کر اس کو آزاد کر دیا تو امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں وہ آزاد نہ ہوگا ہاں اگر پچاس درہم اور ادا کر دیتا ہے تو آزاد ہو جائے گا۔ مروی ہے کہ حضرت عمر' ابن عمر' زید بن ثابت' عائشہ صدیقہ' سعید بن مسیب اور زہری کہتے ہیں کہ مکاتب غلام ہے اور اس وقت تک غلام ہی رہے گا جب تک اس کے ذمہ مکاتبت کا ایک درہم بھی باقی ہے۔ ان حضرات سے جناب اثرم نے روایت کیا یہی قول قاسم' سالم' سلیمان بن یسار' عطاء' قتادہ' ثوری' ابن شبرمہ' مالک' اوزاعی' شافعی' اسحاق' امام ابوحنیفہ ان کے صاحب اور ام سلمٰی ام المومنین رضی اللہ عنہم کا ہے۔ سعید نے اپنی اسناد کے ساتھ ابوقلابہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات مکاتب سے پردہ نہیں کرتی تھیں جب تک کہ اس کے ذمہ ایک درہم بھی باقی ہوگا (ایک دینار باقی رہنے کی وجہ سے) حضرت عبداللہ ابن عمر نے مکاتب کو دوبارہ عبد بنا لیا۔ ابوبکر اور قاضی ابوالخطاب نے کہا کہ جب مکاتب کتابت کے تین حصے ادا کر دے اور چوتھا ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو وہ آزاد ہے کیونکہ اس کاتب کا عتق کی طرف لوٹانا واجب ہے نہ کہ غلامی کی طرف یعنی اس کے عاجز ہونے کی وجہ سے اسے پھر سے غلام بنا لیا جائے کیونکہ وہ اس حق کے ادا کرنے سے عاجز ہوا ہے جو اس کے لیے ہے اس کے مالک کے لیے نہیں لہٰذا اس بات کی کوئی حقیقت نہیں کہ اسے اس کے حق کی طرف لوٹانے سے باز رکھا جائے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مکاتب کا اتنا حصہ آزاد ہو جائے گا جتنا اس نے بدل کتابت ادا کیا کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: کوئی مکاتب اگر حد کو پہنچے یا میراث اس کو مل رہی ہو تو اسے اسی حساب سے وراثت دی جائے گی جس قدر وہ آزاد ہوا ہوگا اور اس سے دیت بھی اسی قدر لی جائے گی جس قدر وہ آزاد ہوا بقیہ میں عبد کی دیت ادا کرے گا اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔ حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ جب کسی مکاتب نے کچھ حصہ ادا کر دیا تو اس پر اب غلامی باقی نہ رہی۔

ہم احناف کی دلیل وہ روایت ہے جسے سعید نے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہشیم نے حدیث بیان کی انہیں حجاز نے اور انہیں عمرو بن شعیب نے حدیث بیان کی انہوں نے اپنے باپ اور باپ نے اپنے دادا سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو آدمی اپنے غلام کو ۱۰۰ اوقیہ پر مکاتب بناتا ہے اور پھر وہ مکاتب (نوے ادا کرنے کے بعد) دس اوقیہ ادا کرنے سے قاصر ہو جائے تو وہ غلام ہی ہے۔ عمرو ابن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مکاتب اس وقت تک غلام ہی رہے گا جب تک اس پر ایک درہم بھی بقایا رہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ دوسری دلیل احناف کی یہ ہے کہ بدل کتابت مکاتب کی طرف سے عوض ہے لہٰذا وہ ادا کرنے سے پہلے آزاد نہیں ہوگا ایسے اندازے کے متعلق کہ متفق علیہ ہے کیونکہ اگر آزاد کیا گیا اس کے بعض حصہ کو تو وہ بقیہ حصہ جات کی طرف سرایت کرے گا جیسے کسی آدمی نے مشترکہ غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور عتق ملک میں بعضیت کا متحمل نہیں ہو سکتا رہی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی تو وہ ایسے مکاتب پر محمول ہے جو ایک آدمی کی ملکیت میں تھا' اور وہ مر گیا اور دو بیٹے چھوڑ گیا تو ان میں سے ایک نے اپنے مکاتب ہونے کا اقرار کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا تو کتابت کے اقرار کرنے والے کی طرف سے ادائیگی وصول کی جائے گی یا کوئی اور صورت ایسی نکالی جائے گی کہ جس سے دونوں کی بات میں اتفاق ہو سکتا ہو اور قیاس کے مطابق بھی ہو جائے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تم عورتوں میں سے کسی کا مکاتب اتنی رقم کا مالک بن جائے کہ جس سے وہ مکاتبت کی رقم ادا کر سکے (اگرچہ وہ آزاد نہیں ہوا) لیکن عورت کو اس سے پردہ کرنا چاہیے یہ دلیل ہے تمام اس کے اعتبار کرنے پر جو اس نے ادا کیا اور جائز ہے کہ عتق موقوف رہے تمام کے ادا کرنے پر اگرچہ جائز ہے اس کے بعض کا رد کرنا اس کی طرف جیسے کسی نے کہا اپنے مکاتب کو کہ جب تم مجھے ہزار روپے ادا کر دو گے تو تم آزاد ہو اور مجھ پر اللہ کے لیے اس کے چوتھے حصہ کا ادا کرنا تجھ پر لازم ہوگا وہ غلام تمام رقم ادا کرنے سے پہلے آزاد نہ ہوگا اگر اس پر اس کا چوتھائی حصہ واپس کرنا واجب ہے۔

قارئین کرام! خلاصہ یہ ہوا کہ مکاتب کے ذمہ اگر ایک درہم بھی باقی رہتا ہے تو وہ بدستور غلام ہے یہ مسلک صحابہ کرام' تابعین کرام اور ائمہ اربعہ کا ہے اس بارے میں ایک دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات اپنے مکاتب سے اس وقت تک پردہ نہ کرتیں جب تک اس کے ذمہ بدل کتابت میں کچھ باقی رقم رہتی کیونکہ اپنے غلام سے مالکہ کا پردہ ضروری نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مکاتب مکمل بدل کتابت ادا کرنے تک پہلے کی طرح ابھی اس غلام کے ہی احکام رکھتا ہے صحابہ کرام میں سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ مکاتب کا اتنا حصہ آزاد ہو جائے گا جس قدر وہ ادا کر چکا ہے۔ آپ نے اس کی دلیل حضرت ابن عباس سے مروی ایک حدیث پاک کو بنایا جس میں مکاتب کے لیے میراث اتنی ہی ملنے کا ذکر ہے جتنا وہ آزاد ہو چکا ہے یا بدل کتابت ادا کر چکا ہے وراثت چونکہ آزاد کو ملتی ہے' غلام محروم ہو جاتا ہے تو جب حضور ﷺ نے مکاتب (کہ جس نے کچھ رقم ادا کر دی) کو وارث فرمایا تو معلوم ہوا کہ مکاتب کا اتنا حصہ آزاد ہو گیا ہے جتنی رقم وہ ادا کر چکا ہے یوں ہی حد کے بارے میں بھی ہے مثلاً کسی نے مکاتب کا بازو کاٹ دیا اور مکاتب ابھی مکمل رقم ادا نہیں کر پایا تھا تو اس کا بازو توڑنے والے پر جو جرمانہ یا دیت نافذ ہوگی اسے اسی قدر ادا کرنا پڑے گی جس قدر مکاتب آزاد ہو چکا تھا۔ ابن قدامہ نے حدیث ابن عباس کی تاویل بیان کر کے اسے موؤل بنایا اور اس کے مقابل

دوسرے حضرات کا مسلک جن احادیث پر مشتمل ہے وہ غیر موؤل ہیں اس لیے موؤل پر عمل نہ ہوگا۔ حدیث ابن عباس کی صورت اور ہے جو مذکور ہو چکی بہرحال روایت محتملہ موؤل کے مقابلہ میں جب بہت سی روایات صحیحہ موجود ہیں تو لامحالہ روایات صحیحہ پر ہی عمل ہوگا نتیجہ یہ کہ مکاتب اس وقت تک غلام کے حکم میں ہی رہتا ہے جب تک اس کے ذمے بدل کتابت کا ایک درہم بھی باقی ہو۔

فاعتبروا یااولی الابصار

مسئلہ ثالثہ: مکاتب فوت ہوگیا اور اتنی رقم چھوڑ گیا جو بدل کتابت بن سکتی ہے اور بچ بھی جاتی ہے اس کی بقیہ رقم اس کے مالک کی ہوگی یا ورثاء کی؟

احناف کا اس بارے میں مذہب یہ ہے کہ بقیہ رقم اس کے ورثاء کو ملے گی لیکن اس وقت جب وہ آزاد ہوں دیگر ائمہ یہ رقم اس کے مولیٰ کو دیتے ہیں۔

مسئلہ:

قال واذا ادی بعض کتابته ومات وفی یده وفاء وفضل فهو لسیده فی احدی الروایتین والاخری لسیده بقیة کتابته والباقی لورثته یحتمل ان هذه المسئلة بنیة علی ماقبلها فاذا قلنا انه لایعتق بملک مایؤدی فقدمات رقیقا فانفسخت الکتابة بموته وکان مافی یده لسیده وان قلنا انه عتق بملک مایؤدی فقدمات حرا وعلیه لسیده بقیة کتابة لانه دین له علیه والباقی لورثته قال القاضی الاصح انه تنفسخ الکتابة بموته ویموت عبدا وما فی یده لسیده رواه الاثرم باسناده عن عمر و زید والزهری وبه قال ابراهیم و عمر بن عبدالعزیز و قتاده والشافعی لما ذکرنا فی التی قبلها ولانه مات قبل اداء مال الکتابة فوجب ان تنفسخ..... والروایة الثانیة یعتق ویموت حرا ولسیده بقیة کتابته وما فضل لورثته روی ذالک عن علی وابن مسعود و معاویة وبه قال عطاء والحسن و طاؤس و شریح والنخعی والثوری والحسن بن صالح و مالک و اسحاق و اصحاب الرأی الا ان ابا حنیفة قال یکون حرا فی اخر جزء من حیاته وهذا قول القاضی و وجه هذه الروایة ما قدمنا فی التی قبلها ولانها معاوضة لا تنفسخ بموت احد المتعاقدین

اگر مکاتب اس حال میں فوت ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنی کتابت کی کچھ رقم ادا کر دی تھی اور مرنے کے بعد وہ اس قدر رقم چھوڑ گیا جو اس کی کتابت کی رقم ادا کرنے کے بعد بچ بھی جاتی ہے تو اس بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ وہ رقم ساری کی ساری اس کے آقا کی ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس کے آقا کو اسی قدر ملے گی جتنی اس کی باقی بنتی ہے اور بقیہ اس مکاتب کے وارث لیں گے احتمال ہوسکتا ہے کہ اس مسئلہ کی بنیاد بھی پہلا مسئلہ بنتی ہو پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مکاتب نے جو کچھ ادا کیا تھا ابھی وہ آزاد نہیں ہوا تھا بلکہ غلام تھا تو اس قول کے پیش نظر وہ غلامی کی حالت میں مرا لہٰذا کتابت فسخ ہوگئی اور اس کی ملک میں جو ہے وہ اس کے آقا کا ہے اور اگر ہم کہیں کہ وہ بدل کتابت کا کچھ حصہ ادا کرنے پر آزاد ہوگیا تھا تو اب یہ کہنا پڑے گا کہ وہ آزادی کی حالت میں وہ اس کا دین تھا جو مکاتب پر تھا اور اس سے بچی رقم اس مکاتب کے ورثاء کو ملے گی۔ قاضی نے کہا کہ اصح یہ ہے کہ مکاتب کے مرنے پر کتابت فسخ ہو جائے گی اور وہ غلامی پر مرے گا اور جو کچھ اس نے مال چھوڑا وہ اس کے مولیٰ کا ہوگا اسے اثرم نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت عمر، زید، زہری سے روایت کیا اور یہی قول ابراہیم، عمر بن عبدالعزیز، قتادہ اور شافعی کا ہے اس کی دلیل ہم پچھلے مسئلہ میں ذکر کر چکے ہیں اور اس لیے بھی کہ وہ مکاتب بدل کے ادا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا لہٰذا اس کی کتابت کو فسخ کر دینا واجب ہے.... دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آزاد ہوگیا اور آزاد حالت میں اس

فلا تنفسخ بموت الاخر کالبیع. (المغنی مع شرح کبیر ج ۱۲ ص ۳۶۳' مسئلہ نمبر ۸۷۱۸' کتاب المکاتب' مطبوعہ بیروت)

کا انتقال ہوا اور اس کے مولیٰ کو صرف بقیہ کتابت کی رقم ملے گی اس سے زائد رقم مکاتب کے ورثاء کو ملے گی یہ بات حضرت علی ابن مسعود اور امیر معاویہ سے مروی ہے اور جناب عطاء' حسن' طاؤس' شریح' نخعی' ثوری' حسن بن صالح' مالک' اسحاق اور احناف کا یہی قول ہے ہاں امام ابوحنیفہ یہاں فرماتے ہیں کہ مرنے والے کے مکاتب کی حریت اس کی زندگی کے آخری لمحہ میں ثابت ہوگی یہ قاضی کا قول ہے' اس روایت کی وجہ اور دلیل بھی ہم گزشتہ مسئلہ میں بیان کر آئے ہیں اور اس لیے بھی کہ بدل کتابت ایک معاوضہ ہے جو متعاقدین میں سے کسی کی موت پر فسخ نہیں ہوتا لہٰذا بیع کی طرح یہاں بھی مکاتب کے فوت ہونے پر یہ فسخ نہیں ہوگا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مؤقف پر چند آثار

عن ابن جریج قال قلت لعطاء المکاتب یموت وله ولد احرار' ویدع اکثر مما بقی علیه من کتابته' قال یقضی عنه ما بقی من کتابته' وما کان من فضل فلبنیه' قلت ابلغک هذا عن احد؟ قال زعموا ان علیا کان یقضی بذلک' عن عامر الشعبی قال کان ابن مسعود یقول فی المکتاب اذا مات وترک مالا ادی عنه بقیة مکاتبته' وما فضل رد علی ولده' ان کان له ولد احرار' قال عامر و کان شریح یقضی بذلک ایضا. عن ابن جریج قال سمعت ابن ابی ملیکة عبد الله یذکر ان عبادا مولی المتوکل مات مکاتبا' قد قضی النصف من کتابته' وترک مالا کثیرا' وابنة له حرة کانت امها حرة' فکتب عبد الملک ان یقضی من کتابته' وما بقی من ماله بین ابنته وموالیه' وقال لی عمرو ما اراه الا لبنته. عن منصور قال سالت ابراهیم عن رجل کاتب عبده' فمات المکاتب ولم یود شینا و ترک' قال یعطی الموالی کتابتهم' ویدفع ما بقی من ماله الی ورثته.عن معبد الجهنی قال سالنی عبد الملک بن مروان عن المکاتب یموت وله ولد احرام' وله مال

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب عطاء سے پوچھا کہ اگر مکاتب مرجاتا ہے اور اپنے پیچھے آزاد اولاد چھوڑ جاتا ہے اور اتنا مال بھی چھوڑ جاتا ہے جو اس کے بدل کتابت سے زائد ہے؟ فرمایا: اس کی باقی ماندہ کتابت کی رقم ادا کردی جائے اور جو بچ جائے وہ اس کی اولاد کے لیے ہے میں نے پوچھا کیا آپ کو یہ فیصلہ کسی سے پہنچا ہے؟ کہنے لگے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایسا ہی فیصلہ کرتے تھے.... جناب شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ایسے مکاتب کے بارے میں جو مرتے وقت بہت سا مال چھوڑ گیا ہو کہا کرتے تھے کہ اس کی بقیہ کتابت کی رقم ادا کردی جائے اور جو بچے وہ اس کی اولاد کو دی جائے اگر وہ آزاد ہیں۔ جناب عامر کہتے ہیں کہ قاضی شریح ایسا ہی فیصلہ کیا کرتے تھے.... ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ملیکہ سے یہ سنا کہ متوکل کا غلام حالت مکاتب میں فوت ہوگیا جو اپنی کتابت کی نصف رقم ادا کرچکا تھا اور مرتے وقت اس نے بکثرت مال چھوڑا اور ایک آزاد بیٹی چھوڑی جس کی ماں آزاد تھی۔ عبدالملک نے اس کے بارے میں فیصلہ کیا کہ اس کی بقیہ کتابت کی رقم اس کے مولیٰ کو دی جائے اور جو بچ جائے وہ اس کی بیٹی اور اس کے موالی کے درمیان تقسیم کی جائی اور مجھے عمرو نے کہا میں اسے سنت سمجھتا ہوں..... منصور بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب

اکثر مما بقی علیہ ' فقلت لہ قضی فیھا عمر بن الخطاب و معاویۃ بقضائین ' وقضاء معاویۃ فیھا احب الی من قضاء قلت لان داود عمر ' قال ولم قلت لان داود کان خیرا من سلیمان فلم فھمھما سلیمان ' فقضی عمر ان مالہ کلہ لسیدہ ' وقضی معاویۃ ان سیدہ یعطی بقیۃ کتابتہ ' ثم ما بقی فھو لولدہ الاحرار . (مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۹۲-۳۹۴ باب موت المکاتب مطبوعہ بیروت)

ابراہیم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنے غلام کو مکاتب کر دیا تھا پھر مکاتب فوت ہو گیا اس نے ابھی بدل کتابت میں سے کچھ بھی ادا نہ کیا تھا لیکن مرنے کے بعد ترکہ میں وہ بہت سا مال چھوڑ مرا انہوں نے فرمایا کہ مولیٰ اپنی رقم لے کر بقیہ رقم اس کے ورثاء کو دے دے.... معبد جہنی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبدالملک بن مروان نے ایسے مکاتب کے بارے میں پوچھا جو فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے آزاد اولاد اور بہت سا مال چھوڑ گیا جو اس کی کتابت کے بدل سے بھی زیادہ ہے میں نے اسے کہا اس بارے میں حضرت عمر بن خطاب اور امیر معاویہ نے دو قسم کے فیصلے کیے ہیں میرے نزدیک امیر معاویہ کا فیصلہ زیادہ پسندیدہ ہے حضرت عمر نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ اس کا تمام متروکہ مال اس کے مولیٰ کا ہے اور امیر معاویہ کا فیصلہ یہ تھا کہ اس کے مولیٰ کو کتابت کی بقایا رقم دے کر باقی اس کی آزاد اولاد کو دے دیا جائے۔

قارئین کرام! حضرات ائمہ کا مسئلہ مذکورہ میں آپ نے اختلاف ملاحظہ فرمایا دو بڑے مسلک سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ مکاتب کے مرنے کے بعد اس کا چھوڑا ہوا مال تمام کا تمام اس کے مولیٰ کا ہوگا یہ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ اس کے قائل ہیں کیونکہ وہ مکاتب کی موت غلام کی موت قرار دیتے ہیں اور غلام مر جائے تو اس کا تمام مال اس کے مولیٰ لیتا ہے اس کے خلاف امام ابوحنیفہ اور بہت سے اکابرین تابعین کا مسلک یہ ہے کہ مکاتب کے مال میں سے مولیٰ کو صرف اسی قدر ملے گا جس قدر اس کا بقایا ہے اسے دینے کے بعد جو بچے گا وہ مکاتب کی آزاد اولاد کو ملے گا یہ فیصلہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

نوٹ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت کہ جسے معبد جہنی جیسے فقیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر ترجیح دی۔ ان کے بارے میں گستاخان امیر معاویہ نے یہاں تک کہنے سے گریز نہیں کیا" امیر معاویہ کو صحابی ماننے اور کہنے والے کی بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے" یہ بکواس "محدث ہزاروی" کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو درج شدہ واقع سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق دے اور مقام امیر معاویہ کو پہچاننے کی توفیق دے بہر حال مسئلہ زیر بحث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک نہایت قوی ہے کیونکہ اس کی تائید اجلہ صحابہ کرام اور تابعین کرام کے اقوال سے ہوتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۸۳- بَابُ السَّبَقِ فِي الْخَيْلِ

گھڑ دوڑ کا بیان

۸۴۵ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ لَيْسَ بِرِهَانِ الْخَيْلِ بَأْسٌ إِذَا دَخَلُوْا فِيْهَا مُحَلِّلًا إِنْ سَبَقَ أَخَذَ السَّبَقَ وَإِنْ سُبِقَ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ گھڑ دوڑ میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس میں محلل داخل ہو جائے۔ (یعنی تیسرا شخص ان دو مقابلہ کرنے والوں میں شامل ہو جائے) ایسا محلل کہ اگر وہ آگے نکل جائے تو وہ لے گا اور اگر وہ

پیچھے رہ جائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ اِنَّمَا يَكْرَهُ مِنْ هٰذَا اَنْ يَّضَعَ كُلٌّ وَّاحِدٍ مِّنْهُمَا سَبَقًا فَاِنْ سَبَقَ اَحَدُهُمَا اَخَذَ السَّبَقَيْنِ جَمِيْعًا فَيَكُوْنُ هٰذَا كَالْمُبَايَعَةِ فَاَمَّا اِذَا كَانَ السَّبَقُ مِنْ اَحَدِهِمَا اَوْ كَانُوْا ثَلٰثَةً وَالسَّبَقُ مِنَ اِثْنَيْنِ مِنْهُمْ وَالثَّالِثُ لَيْسَ مِنْهُ سَبَقٌ اِنْ سَبَقَ اَخَذَ وَاِنْ لَّمْ يَسْبِقْ لَمْ يَغْرِمْهُ فَهٰذَا لَا بَاْسَ بِهٖ اَيْضًا وَهُوَ الْمُحَلِّلُ الَّذِيْ قَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ گھڑ دوڑ ممنوع ہے جس میں دونوں میں سے ہر ایک کوئی رقم مقرر کر دے پھر اگر ان میں سے کوئی ایک جیت جاتا ہے تو وہ دونوں طرف کی مقررہ رقم لے لیتا ہے تو یہ گھڑ دوڑ جوئے کی طرح ہو جائے گی۔ لیکن ان میں سے اگر ایک کے لیے رقم ہے یا وہ تین ہو گئے اور باہم مقابلہ دو میں ہے اور ان دونوں نے رقم بھی مقرر کر لی ہے لیکن تیسرے کی طرف سے کوئی رقم مقرر نہیں اگر وہ شرط کے بغیر جیت جائے تو مقررہ رقم لے جائے گا اور اگر جیت نہ سکے تو اس پر کوئی چٹی تاوان نہ ہوگا تو اس گھڑ دوڑ میں بھی کوئی گناہ نہیں یہی تیسرا شخص حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے قول میں "محلل" سے مراد ہے۔

٨٤٦ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ اِنَّ الْقَصْوَاءَ نَاقَةَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تَسْبِقُ كُلَّمَا وَقَعَتْ فِيْ سِبَاقٍ فَوَقَعَتْ يَوْمًا فِيْ اِبِلٍ فَسُبِقَتْ فَكَانَتْ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ كَاٰبَةٌ اَنْ سُبِقَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَفَعُوْا شَيْئًا اَوْ اَرَادُوْا رَفْعَ شَيْءٍ وَضَعَهُ اللّٰهُ.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے خبر دی کہ انہوں نے جناب سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ حضور ﷺ کا ناقہ قصواء دوڑ میں آگے نکل جاتا تھا۔ ایک دن مقابلہ میں وہ ایک اونٹ سے شکست کھا گیا۔ اس سے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ پس رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک لوگ جب کسی چیز کو بہت اونچا لے جاتے ہیں یا اونچا لے جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَاْسَ بِالسَّبَقِ فِي النَّصْلِ وَالْحَافِرِ وَالْخُفِّ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارا اسی پر عمل ہے کہ تیر اندازی میں سم والے جانوروں کی اور موزے والے جانوروں کی مقابلہ بازی میں کوئی حرج نہیں ہے۔

گھڑ دوڑ کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے دو عدد آثار ذکر فرمائے۔ اس ضمن میں جائز اور ناجائز گھڑ دوڑ کا انہوں نے اجمالی ذکر کیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کر دی جائے۔ گھڑ دوڑ مطلقاً ناجائز ہونے پر اجماع امت ہے کیونکہ حضور ﷺ سے یہ فعل متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ سابق بالخير التي قد اضمرت من الحفياء و كان امدها ثنية الوداع وسابق بين الخيل التي لم تضمر من ثنية الى مسجد بني زريق و كان ابن عمر فيمن سابق بها.

جناب نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے غیر اضمار شدہ گھوڑوں میں مقام ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک مقابلہ کرایا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان مقابلہ کرنے والوں میں تھے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۲ باب المسابقہ بالخیل مطبوعہ نور محمد کراچی)

حضور ﷺ نے گھڑ دوڑ کروائی۔ اگر یہ کام ممنوع ہوتا تو آپ اپنی نگرانی میں اسے نہ کرواتے تو معلوم ہوا کہ گھڑ دوڑ جائز ہے۔ حدیث مسلم میں اضمار والے گھوڑے اور غیر اضمار والے مذکور ہوئے "اضمار" کا معنی یہ ہے کہ کسی گھوڑے کا چارہ کم کر کے اسے گرم جھول پہنا کر کسی کمرے میں کچھ دیر کے لیے بند کر دیا جائے تا کہ پسینہ آنے سے اس کے گوشت میں کمی (یعنی موٹاپا کم) ہو جائے اور دوڑنے کی صلاحیت بڑھ جائے حضور ﷺ نے ایسے تربیت یافتہ گھوڑوں کی دوڑ کا فاصلہ زیادہ رکھا اور غیر تربیت والے گھوڑوں کا فاصلہ کم رکھا بہر حال مطلقاً گھڑ دوڑ کا جواز ثابت ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے گھڑ دوڑ کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک بغیر شرط کے اور دوسری شرط باندھ کر پہلی قسم بالاتفاق وبالاجماع جائز ہے جیسا کہ ہمارے ہاں مختلف تہواروں پر لوگ اپنے جانوروں کی طاقت وصلاحیت اور اپنی مہارت کو اجاگر کرنے کے لیے مجمع عام میں گھوڑے دوڑاتے ہیں جس پر کوئی شرط نہیں لگائی جاتی۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جس میں دوڑ پر رقم وغیرہ کی شرط باندھی گئی ہو جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے کہ جس کا گھوڑا آگے نکل جاتا ہے وہ مقررہ رقم لے جاتا ہے اس گھڑ دوڑ میں دو قسم کا اختلاف ہے۔ پہلا یہ کہ کن کن اشیاء میں شرط لگا کر مقابلہ کرنا جائز ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تین چیزوں میں ایسا مقابلہ جائز ہے گھوڑے' اونٹ اور تیر اندازی۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان تین کے علاوہ قدموں سے چلنے میں مقابلہ' کشتی میں مقابلہ یہ بھی جائز نہیں۔ ہم اس پر جانبین کے دلائل اور پھر مسلک احناف کا راجح ہونا ذکر کرتے ہیں۔ گھڑ دوڑ پر ایک حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا سبق الا فی نصل او خف او حافر رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی و عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من ادخل فرسا بین فرسین فان کان یؤمن ان یسبق فلا خیر فیہ وان کان لا یؤمن ان یسبق فلا بأس بہ رواہ فی شرح السنۃ وفی روایۃ ابی داؤد قال من ادخل فرسا بین فرسین وھو لا یامن ان یسبق فلیس بقمار ومن ادخل فرسا بین فرسین وقد امن ان یسبق فھو قمار۔ (مشکوۃ شریف ص ۳۳۷ باب آلۃ الجہاد الفصل الثانی' مطبوعہ نور محمد کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مقابلہ صرف تیر' اونٹ اور گھوڑے میں ہے اسے ترمذی' ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور انہی سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا داخل کیا پس اگر وہ اس بات پر مطمئن ہے کہ اس کا گھوڑا جیت جائے گا تو اس میں کوئی بھلائی نہیں اور اگر اس کی جیت پر اطمینان نہیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں اسے "شرح السنہ" میں روایت کیا ابوداؤد کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا: جس نے دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا داخل کیا اور اسے اطمینان ہے کہ یہ نہیں جیتے گا تو یہ جوا نہیں ہوگا اور جس نے دو گھوڑوں کے درمیان گھوڑا داخل کیا اور اسے اس کے جیتنے پر اطمینان ہے تو یہ جوا ہوگا۔

مشکوۃ شریف کی مذکورہ احادیث میں ائمہ اربعہ کے باہمی اختلاف کی طرف اشارہ ملتا ہے پہلا اختلاف یہ تھا کہ کن چیزوں میں شرط لگا کر مقابلہ جائز ہے؟ ان احادیث میں حضور ﷺ نے تین چیزیں بیان فرمائیں تیر اندازی' اونٹ اور گھوڑے دوڑانے میں مقابلہ کرنا یہی ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے اور ان کی دلیل یہی احادیث مبارکہ ہیں علاوہ ازیں وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جہاد اور لڑائی میں انہی تین اشیاء کا عمل دخل ہوتا ہے لہٰذا تیاری جہاد اور جہاد کا ساز وسامان ہونے کی وجہ سے ان تین میں مشروط مقابلہ جائز ہے اصل چیز جہاد ہے ابن قدامہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "المغنی" میں اس مسئلہ کو یوں ذکر فرمایا ہے:

گھوڑوں' اونٹوں اور تیر اندازی میں مسابقت [illegible] کے ثبوت میں ابن قدامہ نے وہی حدیث پیش

کی جو ہم نے ''مشکوۃ شریف'' سے نقل کی ابن قدامہ مسابقت کی رو سے دو اقسام کا ذکر کرتا ہے ایک مسابقت بالعوض اور دوسری بلاعوض۔ مسابقت بلاعوض مطلقاً جائز ہے۔ خواہ انسانوں میں ہو یا گھوڑوں اونٹوں وغیرہ میں ہو یعنی کشتیوں اور پہلوانی وغیرہ میں جس میں عوض ہو یعنی کسی انعام کی شرط باندھی گئی ہو وہ گھوڑوں اونٹوں اور تیر اندازی کے سوا کسی اور چیز میں جائز نہیں ہے ان تین اشیاء میں جواز اس لیے ہے۔

لانها من آلات الحرب المامور بتعلمها واحكامها و التوفق فيها في المسابقة بها مع العوض مبالغة في الاجتهاد في النهاية لها۔ (المغنی)

کیونکہ یہ آلات جنگ ہیں جن کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ مشق کرو، اور سیکھو اور سکھاؤ اور ان میں خوب مہارت پیدا کرو اور عوض کے ساتھ ان میں مقابلہ بازی سے جہاد کی تیاری میں انتہائی کوشش سامنے آئے گی۔

قرآن کریم میں آیا ہے:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدو كم. (انفال:٦٠)

اور دشمن کے خلاف جس قدر ہو سکے قوت بڑھاؤ اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو اس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کرو۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''ان القوة الرمي ان القوة الرمي بے شک قوت تیر اندازی میں ہے بے شک قوت تیر اندازی میں ہے'' اور سعید نے اپنی سنن میں خالد ابن زید سے روایت کیا ہے۔

قال قلت رجلا راميا و كان عقبه بن عامر الجهني يمربي فيقول يا خالد اخرج بنا نرمي فلما ذات يوم ابطات عنه فقال هلم احدثت حديثا سمعته من رسول الله ﷺ سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الله يدخل بالسهم الواحد ثلاثة الجنة صانعه يحتسب في صنعة الخير والرامي به ومنبله ارموا واركبوا وان ترموا احب الي من ان تركبوا وليس من اللهو الا ثلاثة.

خالد بن زید نے کہا کہ میں ایک تیر انداز آدمی تھا اور عقبہ بن عامر جہنی کا جب میرے پاس سے گزر ہوتا تو وہ کہتے اے خالد! ہمارے ساتھ باہر چلو تا کہ ہم تیر اندازی کریں ایک دن میں نے دیر کی تو وہ کہنے لگے آؤ میں تمہیں ایک حدیث سناؤں میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا ایک اس کا بنانے والا جو نیک نیت سے اسے بنائے گا دوسرا وہ جو اس کو دشمن پر پھینکے گا ان کے بارے میں فرمایا تیر اندازی کرو اور سوار ہو جاؤ اور اگر تم تیر اندازی کرتے ہو تو یہ کام میرے نزدیک گھوڑے کی سواری سے زیادہ پسند ہے اور کھیلوں میں سے صرف یہ تین کھیل جائز ہیں۔

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ حدیث پاک میں لفظ ''نصل'' سے مراد تیر اندازی ہے۔ اور ''حافر'' سے مراد گھوڑا اور ''خف'' سے مراد اونٹ ہے یعنی کھر والے جانور سے مراد گھوڑا ہے اور موزے کی طرح پاؤں والا جانور اونٹ ہے کیونکہ اس کا پاؤں حدف ہوتا ہے۔

(المغنی ج ۱۱ ص ۱۲۸-۱۲۹ کتاب السبق الرمی مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی مسئلہ کی وضاحت و تشریح میں ملا علی قاری حنفی ''مشکوۃ شریف'' کی شرح میں رقم طراز ہیں حضور ﷺ نے فرمایا ''لا سبق الا في نصل او خف'' يعني لا يحل اخذ المال بالمسابقة الا في نصل اى للسهم او خف الى للبعير او

حـافـر ای لـلـخیل. یعنی مسابقت میں انعام کی رقم لینا صرف تین کاموں میں جائز ہے گھوڑوں کے مقابلہ' تیر اندازی کے مقابلہ' اور اونٹوں کے مقابلہ میں"۔

امام طیبی نے فرمایا: نصل سے مراد صرف تیر ہی نہیں بلکہ ہر نوک دار چیز مراد ہے جس میں تیر کے علاوہ برچھی وغیرہ شامل ہیں اور ''خف'' سے مراد ذوخف ہے یعنی ہر وہ جاندار جو کھر والا ہو اس میں گھوڑا' گدھا اور خچر بھی شامل ہیں ابن ملک نے کہا کہ ''ذوخف'' سے مراد اونٹ' ہاتھی اور ''ذوحافر'' سے مراد گھوڑا اور گدھا ہیں یعنی مسابقت میں مال لینا (بطور انعام) صرف ان دو اقسام کے جانداروں میں حلال ہے بعض حضرات نے اس میں قدموں کو بھی شامل کیا ہے بعض نے پتھر پھینکنے کو بھی مسابقت حلال میں داخل کیا ہے۔ ''شرح السنۃ'' میں ہے کہ گھوڑے میں گدھا اور خچر بھی شامل ہیں اور اونٹ میں ہاتھی بھی شامل ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جب لڑائی میں اونٹوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو اس کو بھی خارج کر دیا جانا چاہیے۔ بعض حضرات نے قدموں میں مسابقت بالشرط کو بھی جواز میں شامل کر دیا لہٰذا اس میں مال وغیرہ لینا جائز ہو جائے گا اہل علم کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے کیونکہ ان سب چیزوں میں دشمن کے ساتھ جہاد کرنے میں تعلق ہے اور ان میں مال خرچ کرنا گویا جہاد کی ترغیب مقصود ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۳۱۹-۳۲۰ باب آلات جہاد الفصل ثانی' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

حوالہ جات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ گھڑ دوڑ جن جانوروں میں جائز ہے ان میں علماء کا اختلاف ہے بلا عوض تو متفق علیہ ہے بالعوض میں تیر اندازی اور گھوڑوں کی مسابقت بالاتفاق جائز ہے اور گدھے' خچر کو بعض انہی میں داخل سمجھتے ہیں اور اونٹ میں ایک قول کے مطابق جائز نہیں لیکن عام علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض نے ہاتھی کو اس میں شامل کر کے اس کے جواز کا بھی قول کیا اور احناف نے انسانی قدم (یعنی کشتی اور انسانوں کی دوڑ وغیرہ) کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ مزید وضاحت درج ذیل حوالہ سے ملاحظہ ہو:

واما المسابقة بالعوض فلا تجوز عند الحنفية الا فى اربعة اشياء فى النصل والحافر والخف والقدم. لان الثلاثة الاولى آلات الحروب المامور بتعلمها بقوله تعالى "واعدوا لهم ما استطعتم من قوة" وقد فسر النبى صلى الله عليه وسلم القوة بالرمى وقال عليه السلام ليس من اللهو الا ثلاثة تاديب الرجل فرسه وملاعبته اهله ورمية بقوسه ونبله فانهن من الحق والدليل على مسابقة الاقدام والمصارعة ماذكرناه ان النبى صلى الله عليه وسلم سابق عائشه وصارع ركانة ولان المشى بالاقدام والمصارعة مما يحتاج للكر والفر فى الجهاد وضرب العدو وقال الجمهور غير الحنفية لا يجوز السباق بالعوض الا فى النصل والخف والحافر اى فى التدرب على حمل السلاح وفى اعمال الفروسية لقول الرسول لا سبق الا فى خف او حافر او نصل [illegible]

''مسابقت بالعوض'' احناف کے نزدیک چار اشیاء میں جائز ہے تیر اندازی' گھڑ دوڑ' اونٹ دوڑ اور انسانی قدموں میں کیونکہ پہلی تین اشیاء جنگی ساز و سامان میں سے ہیں جن کے سیکھنے سکھانے کا اللہ تعالیٰ نے اس قول میں حکم دیا ''اور تیار کر رکھو اپنے دشمنوں کے لیے جو تمہارے بس میں ہو الخ'' آیت کریمہ میں لفظ قوت آیا ہے جس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تیر اندازی'' کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لہو اشیاء میں سے صرف تین اشیاء جائز ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنے گھوڑے کو سدھائے۔ دوسرا اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق اور تیسرا یہ کہ اپنے نیزے یا تیر سے ان کی مہارت کے لیے محنت کرنا یہ تین لہویات ہونے کے باوجود حق ہیں اور انسانی قدموں میں مسابقت (کشتی' دوڑ' کبڈی وغیرہ) پر دلیل ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی اور رکانہ کے ساتھ آپ نے کشتی کی اور انسانی قدموں میں مسابقت اس لیے بھی جائز ہے کیونکہ دوران جنگ اور دشمن [illegible] کے لیے اپنا رعب و دبدبہ جمانے میں

يجعل للسابق على السبق من جعل ولان هذه الامور آلات القتال فيجوز السابق اذا كان على ماهونافع في الحرب. (فقہ اسلامی ج ۵ ص ۷۸۷-۷۸۸ الفصل الحادی عشر' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قدموں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ احناف کے علاوہ جمہور کا قول یہ ہے کہ مسابقت بالعوض صرف تین چیزوں میں ہی جائز ہے تیراندازی' گھڑ دوڑ اور اونٹ دوڑ یعنی جنگی ساز و سامان اور اسلحہ اٹھانے اور استعمال کرنے میں مہارت اور گھوڑے سے متعلق جنگی باتوں میں دسترس کے لیے یہ باتیں ضروری ہیں۔ ان حضرات کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول مبارک ہے۔ مقابلہ مال کے ساتھ صرف تیر اندازی' گھوڑ دوڑ اور اونٹوں کی دوڑ میں جائز ہے اور مسابقت و مقابلہ میں جو انعام و رقم بطور شرط لگائی جاتی ہے وہ مقابلہ جیتنے والے کی ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ باتیں اور اشیاء لڑائی کے ہتھیاروں میں سے ہیں لہٰذا ان میں مسابقت جائز ہوئی جبکہ ان سے لڑائی میں نفع ہوتا ہے۔

مسلک احناف پر فقہ اسلامی کے درج بالا حوالہ میں جو عبارت پیش کی گئی ہے اس میں انسانی قدموں کو مقابلہ میں جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ جہاد میں اس کا بہت بڑا دخل ہے آج کل فوجیوں کی پریڈ' مشقیں اور ان کی جسمانی قوت اور دفاع کے لیے جو انہیں تجربات اور ٹریننگ کرائی جاتی ہے تا کہ ان میں حالات کے مطابق مقابلہ کرنے کی قوت و ہمت آ جائے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں جس طرح گھوڑے کو سدھانے کے لیے ''اضمار'' کا طریقہ ہے اسی طرح فوجیوں کے لیے بھی مختلف جسمانی مشقیں ہیں اور جب دست بدست لڑائی کی نوبت آ جائے کہ ہتھیار استعمال نہ ہوسکیں تو اس وقت جسمانی قوت' پھرتی اور داؤ پیچ ہی کام دیتے ہیں۔ ''فقہ اسلامی'' کے مصنف نے اس کی تائید حضور ﷺ اور رکانہ کے مقابلہ کا واقعہ لکھ کر کی ہے۔ بعض احادیث میں اس واقعہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے جب مکہ شریف میں حضور ﷺ کے اعلان نبوت کا سنا تو انہوں نے کہا کہ میں انہیں نبی تب مانوں گا کہ وہ مجھ سے کشتی کریں چنانچہ حضور ﷺ خود اس کے پاس گئے اس نے یہ شرط بھی باندھی تھی کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو اتنی بکریاں بھی دوں گا اور ایمان بھی لے آؤں گا مختصر یہ کہ وہ شکست کھا گیا اور ایمان لے آیا۔ معلوم ہوا کہ انسان کو جسمانی قوت اور جنگی تدابیر سیکھنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے رکھنے کے لیے مسابقت فی الاقدام جائز ہے اب ہم اس بحث کی طرف آتے ہیں کہ گھڑ دوڑ کی بالعوض کون کون سی صورتیں جائز ہیں؟

گھڑ دوڑ کی جائز اور ناجائز صورتیں

فاولها ان يكون العوض من السلطان او احد الرؤساء او شخص ثالث ياخذه السابق وهذا جائز اتفاقا و ثانيها ان يكون العوض من احد الجانبين يؤخذ منه اذا سبقه الاخر وهذا جائز اتفاقاً و ثالثها ان يكون العوض من المتسابقين اومن الجماعة ومعهم محلل يأخذ العوض ان سبق ولا يغرم ان سبقه غيره لانهالم يقصد القمار و انما قصد التقوى

(گھڑ دوڑ کی چار صورتیں بنتی ہیں) ان میں سے پہلی یہ ہے کہ انعام بادشاہ یا کسی امیر آدمی کی طرف سے ہو۔ یا کوئی تیسرا شخص انعام مقرر کرتا ہے جسے جیتنے والا لے گا یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری یہ کہ انعام دونوں میں سے کسی ایک کی جانب سے ہو اس سے جیتنے والا وہ انعام لے لے یہ بھی بالاتفاق جائز ہے اور تیسری صورت یہ بنتی ہے کہ انعام مقابلہ کرنے والے دونوں کی طرف سے یا جماعت کی طرف سے ہو اور ان مقابلہ کرنے والوں

على الجهاد و هذا جائز عند الجمهور و منعه الامام مالک لجواز عود الجعل لمن قدمه اذا سبق واما الصورة الحرام اتفاقاً فهى ان يكون العوض من كل واحد على انه ان سبق فله العوض وان سبق فيغرم لصاحبه مثله.

(فقہ اسلامی ج ۵ ص ۴۹۰ فصل الحادی عشر السبق مطبوعہ سوریہ دمشق)

کے ساتھ "محلل" بھی ہو جو جیتنے کی صورت میں انعام لے جائے اور اگر اس سے کوئی دوسرا جیت گیا تو اسے چٹی نہ دینی پڑے (یہ اس لیے جائز ہے) کیونکہ اس طریقہ مسابقت میں جوئے کا ارادہ نہیں بلکہ جہاد کے لیے قوت بڑھانا ہے یہ جمہور کے نزدیک جائز ہے لیکن امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا ہے (اسے ناجائز شمار کیا ہے) کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ انعام اسی کی طرف پلٹ آئے جس نے اس کی پیشکش کی جبکہ وہ جیت جاتا ہے رہی حرام اور ممنوعہ صورت بالاتفاق تو وہ یہ ہے کہ انعام ہر ایک مقابلہ کرنے والے کی طرف سے مقرر ہو اور شرط یہ ہو کہ اگر وہ جیت گیا تو اسے انعام ملے گا اور اگر شکست کھا گیا تو اپنے ساتھی کو انعام کے برابر چٹی دے گا۔

نوٹ: تیسری صورت میں "محلل" کی وجہ سے جواز آیا یہ صورت ذرا واضح نہیں اس لیے احناف نے جو اس کی وضاحت لکھی ہے وہ پیش خدمت ہے۔

"محلل" کے تحت ایسا گھوڑا ہونا چاہیے جو مقابلہ کرنے والے دونوں اشخاص کے گھوڑوں جیسا ہی ہو یا ان سے ملتا جلتا ہو لہٰذا اگر محلل کا گھوڑا نہایت عمدہ اور تیز رفتار ہے کہ جس کے بارے میں خود محلل بخوبی جانتا ہے کہ مقابلہ کرنے والے دونوں حضرات کے گھوڑے اس سے ہرگز جیت نہیں سکتے تو یہ درست نہیں بلکہ اس صورت میں محلل کا ہونا' نہ ہونے کے برابر ہے اور اگر محلل یہ نہیں جانتا کہ اس کا گھوڑا مقابلہ کرنے والے دونوں گھوڑوں سے یقیناً جیت جائے گا یا یہ کہ وہ واقعی ان سے شکست کھائے گا تو پھر جائز ہے" شرح السنۃ" میں مذکور ہے کہ اگر گھڑ دوڑ کے مقابلہ میں عوض (انعام) بادشاہ کی طرف سے یا کسی اور آدمی کی طرف سے مقرر ہوا جس نے دونوں گھوڑے سواروں میں سے جیتنے والے کو وہ مقررہ مال دینے کی شرط لگائی تو یہ جائز ہے جب کوئی جیت گیا تو وہ اس مقررہ انعام کا حقدار ہو جائے گا اور اگر انعام ان دونوں مقابلہ کرنے والوں کی طرف سے ہے پھر ایک نے دوسرے سے کہا اگر تو مجھ سے جیت گیا تو تجھے میری طرف سے اتنا انعام ملے گا اور اگر میں جیت گیا تو میں تم سے کچھ بھی نہیں لوں گا یہ بھی جائز ہے پس اگر وہ جیت گیا تو مقررہ انعام کا مستحق ہوگا اور اگر رقم دونوں مقابلہ کرنے والوں نے باندھی یوں کہ ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر تو مجھ سے سبقت لے گیا تو مجھے اتنا انعام دینا لازم اور اگر میں تجھ سے جیت گیا تو تجھے اتنی رقم دینا لازم ہوگا یہ صورت بغیر محلل کے جائز نہیں اور محلل ان کے درمیان آئے گا تو جائز ہو جائے گی پھر اگر محلل جیت گیا تو دونوں کے مقرر کردہ انعام کا حقدار یہ ہوگا اور اگر یہ شکست کھا گیا تو اس پر کوئی چٹی نہ پڑے گی اسے "محلل" اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ جیتنے والے کے لیے انعام لینا اسی کی وجہ سے حلال ہوا لہٰذا محلل کے داخل ہونے سے یہ صورت "جوا بازی" نہیں بنے گی کیونکہ جوئے میں آدمی انعام ملنے اور چٹی ادا کرنے' ان دونوں باتوں میں متردد ہوتا ہے جب ان میں تیسرا آدمی (محلل) آ داخل ہوا تو تردد کی یہ صورت ختم ہو جائے گی پھر اگر محلل نشان زدہ جگہ پر پہلے پہنچ گیا اور اس کے بعد دونوں مقابلہ کرنے والے اکٹھے یا آگے پیچھے پہنچے تو محلل دونوں کی طرف سے رکھا گیا انعام لینے کا حقدار ہوگا اور اگر دونوں مقابلہ کرنے والے پہلے پہنچ گئے اور پیچھے بھی دونوں اکٹھے پھر ان کے بعد محلل پہنچا تو ان مقابلہ کرنے والوں میں سے کسی کو کوئی انعام نہیں ملے گا اور اگر ایک پہلے پہنچا اور دوسرا بعد میں آیا [illegible] محلل پہنچا یا ایک پہلے پہنچا اس کے بعد محلل پھر تیسرے نمبر پر

دوسرا مقابلہ کرنے والا پہنچا تو اس صورت میں جیتنے والا مقابلہ باز اپنا انعام لے گا اور دوسرا انعام دوسرے نمبر پر آنے والا لے گا اور اگر محلل اور دونوں مقابلہ کرنے والوں میں سے ایک یہ دونوں اکٹھے پہنچے اور دوسرا مقابلہ کرنے والا تنہا بعد میں دوسرے نمبر پر آیا تو اب یہ دونوں (محلل اور ایک مقابلہ باز) اس کے مقرر کردہ انعام کے مستحق ہوں گے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۳۲۰-۳۲۱ 'مطبوعہ امدادیہ ملتان)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تیسری صورت (گھڑ دوڑ کی) اپنے اصل کے اعتبار سے ناجائز تھی اس ناجائز کو جس شخص کے مقابلہ میں داخل ہونے کی وجہ سے جواز وحلت ملی اسے "محلل" کہا گیا ہے اب مقابلہ کرنے والے تین ہو گئے دو تو اصل مقابلہ باز ہیں جنہوں نے مقابلہ کے لیے شرط بھی باندھ رکھی تھی اور تیسرا بلا شرط ان میں داخل ہو گیا۔ تینوں نے اپنے اپنے گھوڑے دوڑائے اور جو نشان مقرر کیا تھا اس تک پہنچنے کے لیے ہر ایک نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اپنا گھوڑا دوڑایا اب اس مقابلہ کا نتیجہ چند صورتوں میں نکلے گا جو آپ مرقاۃ کے حوالہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں اور ان میں سے ہر صورت کا حکم بھی مذکور ہو چکا ہے۔ "محلل" کی صورت میں سوائے امام مالک رضی اللہ عنہ سبھی ائمہ جواز پر متفق ہیں دونوں اطراف کا موقف بمعہ دلائل ابن قدامہ نے "المغنی" میں ذکر کیا بطور اختصار صرف ترجمہ پیش خدمت ہے۔

اگر مقابلہ بالعوض کرنے والوں میں ایک تیسرا آدمی بغیر مال رکھے داخل ہو گیا تھا تو یہ جائز ہے یہی موقف حضرت سعید بن مسیب' زہری' اوزاعی' اسحاق اور احناف کا ہے۔ اشہب نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے حکایت کی کہ انہوں نے محلل کے بارے میں فرمایا: میں اسے پسند نہیں کرتا کیونکہ حضرت جابر ابن زید سے مروی ہے جب ان سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ کے صحابہ محلل کے بارے میں کوئی خوف وخطرہ تو نہیں سمجھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس سے بچتے تھے (ابن قدامہ اس کا جواب ائمہ ثلاثہ کی طرف سے دیتے ہوئے کہتے ہیں) ہماری دلیل وہ روایت ہے جس کو ابو ہریرہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: جس نے اپنا گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کیا اور وہ اس پر مطمئن نہیں کہ وہ ان پر سبقت لے جائے گا تو یہ "مسابقہ" نہیں ہاں وہ آدمی جس نے دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا داخل کیا اور اسے یقین ہے کہ اس کا گھوڑا جیتے گا تو یہ جوا ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ (المغنی مع شرح کبیر ج ۱۱ ص ۱۳۶-۱۳۷ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت)

میں امید کرتا ہوں کہ گھڑ دوڑ کے بارے میں تمام صورتیں آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے اور "محلل" کے متعلق بھی آپ کو تسلی ہو گئی ہوگی۔ گھڑ دوڑ کی صورتوں میں سے بعض صورتیں "جوا" بنتی ہیں لہٰذا ہم نے اس بحث کو سمیٹنے سے قبل مناسب سمجھا کہ "جوئے" کے بارے میں بھی مختصر سی بحث ہو جائے۔

جوئے کی بحث

"جوا" کا لغوی معنی اور اس کا حکم

"جوا" کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (المائدہ:۹۰)

اے مؤمنو! بے شک شراب اور جوا اور پانسے (فال نکالنے والے تیر) اور بت پرستی ناپاک شیطانی کام ہیں پس ان سے بچو تاکہ تم کامیابی پاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے جوا کو ناپاک اور شیطانی عمل فرما کر اس سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس سے بچنے پر کامیابی کی نوید سنائی گئی۔ ایک اور مقام پر قرآن کریم میں آیا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. (المائدہ:۹۱)

بے شک شیطان تم میں جوئے اور شراب کا رسیا بنا کر عداوت اور بغض ڈالنا چاہتا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنا چاہتا ہے پس کیا تم اس سے باز رہنے والے ہو؟

''جوا'' دراصل مسلمانوں کے اندر دشمنی اور بغض پیدا کرنے کا بہت بڑا سبب ہے اور اس کی وجہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے انہی نقصانات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اسے امت مسلمہ کے لیے حرام کر دیا ہے۔ جوئے کا معنی ملاحظہ ہو:

(خلاصۂ عبارت) میسر کا معنی تیروں سے جوا کھیلنا' میسر اس اونٹ کو بھی کہا جاتا ہے جس پر عرب جوا کھیلتے تھے جب یہ لوگ جوا کھیلنے کا ارادہ کرتے تو ایک اونٹ ادھار خریدتے اور اسے ذبح کر کے اس کے گوشت کے دس یا اٹھائیس حصے بنا کر تیروں سے قرعہ اندازی کرتے جس شخص کے نام پر نشان زدہ تیر نکل آتا وہ کامیاب' دوسرے ناکام ہوتے اور اس ناکام کو اونٹ کی قیمت دینا پڑتی۔ اونٹ میسر اس لیے کہتے تھے کہ وہ محل تقسیم بنتا تھا میسر چوسر کو بھی کہتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شطرنج عجمیوں کا جوا ہے ہر وہ چیز جس میں جوا ہو وہ میسر ہے۔

یہاں تک کہ بچوں کا اخروٹ سے کھیلنا بھی جوا ہے اس کو مجاہد نے ''یسئلونک عن الخمر والمیسر '' کے تحت تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے جوہری نے کہا ہے کہ ''میسر '' عرب کا پانسے کے ساتھ جوا کھیلنے کا نام ہے۔

(تاج العروس ج ۳ ص ۶۲۷ - ۶۲۸ فصل یا مطبوعہ مکتبہ الخیریہ' لسان العرب ج ۵ ص ۲۹۸ بحث یسر' مطبوعہ بیروت)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ۔ اس آیت کریمہ کی جوا کی حرمت پر دلالت ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے اور میسر کا اسم اصل لغت میں تجزیہ پر بولا جاتا ہے لہٰذا ہر وہ چیز جو تقسیم ہوتی ہو اس کو میسر کہتے ہیں اور تقسیم کرنے والے کو میسر کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی اونٹ کو تقسیم کرتا ہے اور میسر نفس اونٹ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کی تقسیم ہوتی ہے عرب لوگ اونٹوں کو ذبح کرتے اور اسے کئی حصوں میں تقسیم کر لیتے اس کے بعد تیروں کے ساتھ اس پر جوا کھیلتے یہ ان کی عادت تھی جس کے نام تیر نکلتا اس تیر کو دیکھتے کہ اس پر کون سا نشان ہے یا کوئی نشان نہیں جیسا نشان نکلتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے قمار کی ان تمام صورتوں کو میسر کہا گیا ہے۔ ابن عباس' قتادہ' معاویہ' ابن صالح' عطاء' طاؤس اور مجاہد کہتے ہیں کہ ''میسر '' قمار ہے عطاء' طاؤس اور مجاہد تو یہاں تک کہتے ہیں کہ بچوں کا اخروٹ وغیرہ کے ساتھ کھیلنا بھی ''میسر '' ہے۔ علی بن زید قاسم سے اور وہ ابوامامہ باہلی سے وہ ابوموسیٰ اشعری سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جوڑوں سے (بانس کی گانٹھوں سے) کہ جس کے ساتھ وہ تقسیم کرتے ہیں یہ جوا ہے اس سے بچو۔ سعید بن ابی ہند جناب ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے شطرنج کھیلی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی حماد بن سلمٰی جناب قتادہ اور حلاس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے دوسرے کو کہا کہ اگر تو انڈے کو یوں یوں کھا جائے تو تجھے یہ یہ ملے گا اس کے بعد وہ دونوں یہ مسئلہ حضرت علی المرتضیٰ کے پاس لے گئے آپ نے فرمایا یہ جوا ہے اور جائز نہیں۔ جوا کے حرام ہونے میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور دونوں طرف سے شرط لگانا جوا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں دونوں طرف سے شرط باندھنا جوا ہے۔ دور جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کے مال اور بیوی کی شرط باندھتے ان کا یہ طریقہ جوئے کی حرمت آنے تک جاری رہا اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب الم غلبت الروم آیت نازل ہوئی تو آپ نے مشرکین سے شرط لگائی رسول کریم ﷺ نے ابوبکر صدیق کو کہا تو شرط میں زمانے کو زائد کر رہا ہے ابوبکر نے شرط کو آگے بڑھایا اور پھر یہ جوا کی حرمت کے ساتھ منسوخ ہو گیا وہ شرط جو دونوں طرف سے ہے اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں مگر وہ مخصوص صورت کہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہو مثلاً گھوڑا

دوڑانا اور اونٹ دوڑانا اور تیراندازی میں مقابلہ بازی کرنا لیکن یہ بھی اس صورت میں جائز ہے جب شرط صرف ایک کی طرف سے ہو یعنی اگر ایک جیت جائے تو اسے شرط لگائی گئی رقم مل جائے اگر دوسرا جیت جائے تو اسے نہ ملے اگر دونوں کے لیے یہ شرط لگائی جائے کہ جو بھی جیت گیا وہ رقم لے گا تو یہ باطل ہے ہاں محلل کی صورت میں یہ جائز ہے (جس کا ہم گھڑ دوڑ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں دوبارہ اس کا ذکر کرنا نامناسب ہوگا)۔ (احکام القرآن)

جوأ کی حرمت کی تفصیل

دور جاہلیت میں جب جوا کا عام رواج تھا اس وقت اس کی ایک قسم یہی تھی جس کو ''احکام القرآن'' میں علامہ جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا یعنی اونٹ لے کر اس کو ذبح کر کے تیروں کے ذریعہ اس کو تقسیم کیا جاتا تھا محروم رہنے والے کو اونٹ کی رقم دینا پڑتی گوشت باہم استعمال بھی ہوتا اور غریبوں کو بھی دے دیا جاتا یہ قسم ان لوگوں میں بہت مقبول و پسندیدہ تھی کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اس سے غریب پروری بھی ہوتی اور اپنی سخاوت کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جاتا اس جوئے سے منہ موڑنے والے کو کنجوس بلکہ منحوس تک کہتے تھے شریعت مطہرہ کے آ جانے کے بعد حضرات صحابہ کرام اور تابعین جوئے کی ہر قسم کو حرام سمجھتے تھے جیسا کہ ابھی ''احکام القرآن '' سے گزرا فقہاء کرام میں سے حضرت عبداللہ بن عباس' ابن عمر' قتادہ وغیرہ حضرات اور تابعین میں سے عطاء اور طاؤس وغیرہ حضرات کا متفق علیہ یہ قول ہے کہ ''میسر'' جوا ہے یہاں تک کہ اخروٹوں اور بانسوں سے بچوں کا کھیلنا بھی جوا کے زمرہ میں آتا ہے۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں جن میں جانبین سے شرط ہو وہ جوا ہے اس کی بحث علامہ شافعی نے کتاب الحظر والاباحت میں تفصیل سے لکھی ہے۔

جوئے کی حرمت کا پس منظر یہ ہے کہ کفار ایرانیوں کی اور مسلمان رومیوں کی حمایت کرتے تھے کیونکہ کفار کی طرح ایرانی بھی مشرک تھے لہٰذا ان کی ان کے ساتھ محبت تھی اور رومی اگرچہ مسلمان نہ تھے لیکن اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے قریب تھے۔ لہٰذا مسلمان ان کے حامی تھے اتفاق سے رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوگئی جس میں ایرانی غالب آ گئے مسلمانوں کو اس سے کچھ صدمہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم کی ابتدائی آیات نازل "**الم غلبت الروم فی ادنی الارض الایۃ**" فرمائیں اس میں رومیوں کے لیے کچھ عرصہ بعد غالب آ جانے کا ذکر تھا جس سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی ابوبکر صدیق اور امیہ کے درمیان اس پیشگوئی کے بارے میں اختلاف ہو گیا ابوبکر صدیق کو یقین تھا کہ رومی غالب ہوں گے لیکن امیہ نہیں مانتا تھا دونوں میں یہ طے پایا کہ اگر رومی تین سال میں غالب نہ آئے تو ابوبکر صدیق دس اونٹ امیہ کو دیں گے اور اگر غالب آ گئے تو دس اونٹ امیہ دے گا یہ بات جب حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ نے ابوبکر صدیق کو فرمایا: لفظ ''بضع'' کے ساتھ جو رومیوں کے غالب آنے کی بشارت دی گئی ہے یہ لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے لہٰذا تم امیہ سے شرط کی مدت بڑھاؤ چنانچہ ابوبکر صدیق نے کہا شرط سو اونٹ ہوں گے اور مدت نو سال ہوگی چنانچہ یہی طے پایا کہ نو سال تک اگر رومی غالب آ گئے تو امیہ سو اونٹ دے گا ورنہ ابوبکر صدیق سو اونٹ دیں گے اس کے بعد جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کی غرض سے جانب مدینہ روانہ ہونے لگے تو ابوبکر صدیق سے امیہ نے کہا جانے سے پہلے کوئی ضامن دیتے جاؤ آپ نے اپنا بیٹا عبدالرحمٰن بطور ضامن دیا پھر جب جنگ بدر کا موقعہ آیا اور امیہ بھی شریک ہونے لگا تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ اب تم بھی اپنا ضامن مقرر کرو مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ رومی بھی غالب آ گئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ والوں سے اپنی شرط سو اونٹ وصول کی اور سو اونٹ آپ نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے آپ نے وہ تمام غریبوں میں تقسیم فرما دیئے۔ ابوبکر صدیق اور امیہ کے درمیان جو شرط طے ہوئی تھی حضور ﷺ نے اسے برقرار رکھا کیونکہ ابھی اس کی حرمت نہیں آئی تھی جوئے کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا بعد میں اسے حرام کر دیا گیا۔ حرمت کے ساتھ ساتھ اس کی برائیاں اور نقصانات بھی بیان ہوئے

جواریوں کا آپس میں دنگا فساد کرنا' حسد اور بغض رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت یہ سب باتیں مشاہدے میں آتی ہیں جیتنے والا چند لمحوں میں مالدار اور ہارنے والا کنگال بن جاتا ہے' ہارنے والا پھر کسب و معاش سے بھاگتا ہے اہل و عیال والا ہو تو اور بھی مصیبت پڑ جاتی ہے جیتنے والے کو چونکہ بڑی آسانی سے بھاری رقم مل جاتی ہے اس لیے بعض حضرات نے میسر کو یسر سے مشتق کہا جس کا معنی آسانی و سہولت ہے ابتدا میں اس کی بابت فرمایا گیا کہ شراب اور جوئے کا گناہ ان کے فائدوں و نفع جات سے کہیں زیادہ ہے سمجھنے والے سمجھ گئے کہ جوا اور شراب اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بعد میں دو ٹوک الفاظ میں اس کی ممانعت آ گئی اور وہ ممانعت تا ابد قائم ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں حرام کاموں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین

٣٨٤- بَابُ السِّيَرِ

جہاد' غزوات اور ان کے متعلقات کا بیان

٨٤٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ مَا ظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ اِلَّا اُلْقِيَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبُ وَلَا فَشَى الزِّنٰى فِيْ قَوْمٍ قَطُّ اِلَّا كَثُرَ فِيْهِمُ الْمَوْتُ وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِلَّا قُطِعَ عَلَيْهِمُ الرِّزْقُ وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ الْحَقِّ اِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الدَّمُ وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ اِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمُ الْعَدُوُّ.

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت پہنچی فرمایا کہ جس قوم کو مال غنیمت میں چوری کرنے کی عادت پڑ جائے وہ ڈرپوک ہو جاتی ہے اور جس قوم میں زنا عام ہو جائے ان میں موت بکثرت آ جاتی ہے اور جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے اس سے رزق منقطع ہو جاتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلہ جات کرتی ہے اس میں خونریزی عام ہو جاتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے۔

٨٤٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوْا اِبِلًا كَثِيْرَةً فَكَانَ سُهْمَانُهُمْ اِثْنَيْ عَشَرَ بَعِيْرًا وَنُفِّلُوْا بَعِيْرًا بَعِيْرًا.

امام مالک نے ہمیں نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نجد کی طرف ایک چھوٹا سا مجاہدوں کا لشکر بھیجا پس انہیں مال غنیمت میں بہت سے اونٹ ہاتھ آئے اس قدر کہ ان میں سے ہر ایک کے حصہ بارہ بارہ اونٹ آئے اور ایک ایک اونٹ انہیں بطور انعام دیا گیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ كَانَ النَّفْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُنَفِّلُ مِنَ الْخُمُسِ اَهْلَ الْحَاجَةِ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَلَا نَفْلَ بَعْدَ اِحْرَازِ الْغَنِيْمَةِ اِلَّا مِنَ الْخُمُسِ لِمُحْتَاجٍ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انعام (نفل) رسول کریم ﷺ کا حق تھا۔ آپ ضرورتمندوں کو پانچویں حصہ مال غنیمت میں سے از خود بطور انعام و اکرام عطا فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "نفل" اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہے (آپ کے تشریف لے جانے کے بعد) ان دنوں مال غنیمت کے بعد کوئی نفل نہیں ہاں پانچویں حصہ میں سے محتاج کو دیا جا سکتا ہے۔

"باب السیر" کے تحت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے دو عدد روایات ذکر فرمائیں پہلے اثر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پانچ ایسی باتیں مذکور ہوئیں جن کے نتیجہ میں پانچ خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں پہلی بات "مال غنیمت میں چوری کرنا" ہے اس کا نتیجہ دشمنوں کا رعب اور ان سے ہر وقت ڈرنا بیان ہوا یہاں صرف یہ بدعملی اور اس کا نتیجہ بیان ہے لیکن احادیث کی دوسری کتب میں ایک واقعہ ملتا ہے جو مختصر طور پر یہ ہے کہ حضور ﷺ سفر میں تھے دوران سفر آپ کی اونٹنی سے ایک شخص سامان اتار رہا تھا اسے

اچانک تیر لگا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی بعض صحابہ کرام نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! یہ شخص کتنا خوش نصیب ہے کہ جس کی موت آپ کی اونٹنی سے سامان اتارتے واقع ہوئی ہے آپ نے فرمایا' میں اس کو آگ میں (جہنم کی آگ میں جلتا) جلتا دیکھ رہا ہوں اس کی وجہ آپ نے خود بیان فرمائی کہ یہ سزا اس کو مال غنیمت چوری کرنے پر دی جارہی ہے اس کے بعد معلوم ہوا کہ غنیمت کے مال میں سے چوری کرنا بہت بڑا گناہ ہے دوسری بات اس اثر میں ''زنا کی کثرت'' بیان ہوئی اور اس کا نتیجہ ''موت بکثرت واقع ہونا'' مذکور ہے ایک اور حدیث پاک میں اس بدعملی کی سزا اور نتیجہ 'محتاجی اور غربت کی کثرت'' بھی وارد ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

وعن ابن عمر واذا ظهر الزنا ظهر الفقر والمسكنة رواه البزاز عن ابن عباس رضی الله عنهما عن رسول الله ﷺ قال اذا ظهر الزنا والربوا في قرية فقد احلوا بانفسهم عذاب الله رواه الحاكم و قال صحيح الاسناد... عن ابن مسعود قال سئلت رسول الله ﷺ ای الذنب اعظم عندالله قال ان تجعل لله ندا وهو خلقک قلت ان ذالک لعظيم ثم ای قال ان تقتل ولدک مخافة ان يعطم معک قلت ثم ای قال ان تزانی حليلة جارک رواه البخاری والمسلم رواه الترمذی و النسائی. (الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۲۷۸ حدیث نمبر ۲۸٬۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب زنا کھلے عام ہوجائے تو فقر و غربت عام ہوجائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جناب رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جب کسی بستی میں بدکاری اور سود ظاہر (عام) ہوجائے تو وہ قوم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا عذاب اتار لیتی ہے اسے حاکم نے روایت کیا اور صحیح الاسناد کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کون سا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے میں نے عرض کیا یہ تو واقعی بہت بڑا گناہ ہے پھر اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اپنے بچہ کو اس ڈر سے ہلاک کردے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا پھر اس کے بعد کون سا بڑا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔

''الترغیب والترھیب'' میں اس موضوع پر بہت سی احادیث موجود ہیں کسی میں زنا کی کثرت پر بکثرت موت آنا مذکور ہے' کسی میں غربت و مسکینی بکثرت ہونا اس کا نتیجہ بیان ہوا اور کہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوجانا ذکر کیا گیا ہے۔

نفل اور مال غنیمت کی بحث

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اثر کے تحت ''نفل'' کے بارے میں اجمالی ذکر فرمایا۔ ''نفل'' دراصل وہ مال ہے جو امیر لشکر کسی فوجی کو یا کسی قوم یا جماعت کو بطور انعام دیتا ہے یا دینے کا اعلان کرتا ہے تاکہ اس سے جہاد کی ترغیب ہوجائے اور یہ مخصوص انعام کا مستحق صرف وہی شخص ہوگا جس کے لیے یہ انعام مقرر کیا گیا دوسرے غازی اس میں شریک نہیں ہوں گے یہ مخصوص انعام والا البتہ غازیوں میں مال غنیمت تقسیم کیے جانے والے مال میں شریک ہوگا گویا اسے جو تمام غازیوں کی بہ نسبت انعام کے طور پر کچھ زیادہ رقم ملی وہ ''نفل'' کہلاتی ہے۔ قرآن کریم سورۃ الانفال کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لوگ آپ سے نفلوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ ''انفال'' اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو اور اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔ آیت مذکورہ غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی اس کی مختلف تفاسیر کی گئیں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود آٹھ آدمیوں کو مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرمایا۔ اس پر بعض صحابہ کرام نے مال غنیمت کے بارے میں پوچھا ان آٹھ میں سے تین مہاجر یعنی عثمان بن عفان' ابوطلحہ اور سعید

بن زید تھے اور پانچ انصار یعنی ابولبابہ مروان بن عبدالمنذر، عاصم حارث بن حاطب مہاجرین میں سے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خود حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی اور ان کی زوجہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے بھیجا تھا جو اس وقت سخت بیمار تھیں حضرت طلحہ اور زبیر جاسوسی کے لیے بھیجے گئے تھے اسی طرح انصار کو بھی مختلف ذمہ داریاں سونپی گئیں تھیں ان کو جب مال غنیمت میں سے کچھ آپ نے عطاء فرمایا تو پوچھنے والوں کو جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔ ان آیات میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے جسے چاہیں عطا کریں جسے چاہیں نہ دیں کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اس سورہ مبارکہ کی ابتداء میں ہی "نفل" کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمادیا۔ "نفل" کا لغوی معنی تو فضل و کرم یا حق سے زائد چیز ہے نماز، روزہ، حج وغیرہ نفلی بھی ہوتے ہیں یعنی ایسے کہ کسی کے ذمے لازم نہیں بلکہ کرنے والے کی خوشی پر موقوف ہوتے ہیں۔ قرآن وسنت کی اصطلاح میں لفظ "نفل" مال غنیمت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ مال غنیمت وہ مال جو کفار سے بوقت جنگ حاصل کیا گیا ہو۔ قرآن کریم میں ایسے مال کے لیے نفل کے علاوہ دو اور لفظ "غنیمت، فئے" بھی وارد ہیں۔ مال غنیمت کو "نفل" سے تعبیر کرنے پر سورۃ الانفال کی ابتدائی آیات ہیں اور اسے لفظ غنیمت سے واعلموا انما غنمتم من شیء الایۃ میں ذکر کیا گیا یہ بھی اس سورہ مبارکہ کے دسویں رکوع کی ابتداء میں آیا ہے اور "فئے" کا لفظ "ما افاء اللہ" سورۂ حشر کے دوسرے رکوع میں آیا ہے ان تینوں الفاظ میں معمولی سا فرق بھی ہے لیکن مقصدی چیز سب میں ایک ہی ہے اس لیے اس مقصدی بات کے پیش نظر ان تینوں الفاظ کو ایک دوسرے کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے ان میں باہم معمولی فرق یہ ہے کہ "نفل" اس انعام کو کہتے ہیں جو کفار کے مال میں سے تقسیم کے بغیر کسی کو امیر لشکر دیتا ہے اور "فئے" وہ مال کفار ہے جو ان سے مقابلہ کیے بغیر حاصل ہوا اور مال غنیمت وہ کہ جو جنگ کے بعد کفار کو شکست دے کر حاصل ہوا۔ "یسئلونک عن الانفال" میں نفل سے مطلق مال غنیمت ہے یہ معنی ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ابن کثیر نے ایسے ہی لکھا ہے تو معلوم ہوا کہ لفظ "نفل" کا استعمال کبھی تو "مال غنیمت" کے لیے اور کبھی انعام کے لیے استعمال ہوتا ہے ان دونوں معانی میں کوئی تناقض یا مخالفت نہیں۔

"کتاب الاموال" میں امام ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لفظ "نفل" اصل میں فضل وانعام کو کہتے ہیں یہ اس کا خاص معنی ہے اور کسی غازی یا مجاہد کو جو انعام واکرام مال غنیمت کے علاوہ مخصوص طور پر دیا جاتا ہے وہ واقعی فضل وکرم ہے کہ اس مال میں کوئی دوسرا غازی شریک نہیں ہوتا اور "مال غنیمت" جو تمام مجاہدوں اور غازیوں کو ملتا ہے وہ بھی فضل وکرم ہی ہے کیونکہ یہ مخصوص فضل وکرم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی امت پر فرمایا ہے ایسا کہ اس میں کوئی دوسری امت شریک نہیں۔ پہلی امتوں کے لیے کفار سے لڑ کر لیا گیا مال حلال نہ تھا بلکہ اسے ایک جمع کر دیا جاتا' آسمان سے ایک آگ آتی اور اسے جلا ڈالتی اس کا جلا ڈالنا دراصل اس قوم کے جہاد کے قبول ہونے کی علامت تھی اگر وہ جمع شدہ مال آگ سے نہ جلتا تو یہ جہاد کے عنداللہ نامقبول ہونے کی نشانی تھی اس بچے ہوئے مال کو منحوس سمجھ کر کوئی ہاتھ تک نہ لگاتا تو اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ لفظ "نفل" کا اعلان انعام پر بھی اور مال غنیمت پر دونوں پر ہونا از روئے اصل درست ہے۔ حضور ﷺ کی امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کا طریقہ تبدیل فرمادیا اسے غازیوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور اسے کھانا حلال کر دیا گیا سابقہ امتوں کے بارے میں جو ہم نے لکھا کہ مال غنیمت کا کھانا ان کے لیے جائز نہ تھا اس کی گواہی حضور ﷺ کا وہ ارشاد گرامی دیتا ہے جس میں آپ نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر اور اس کی امت کو نہ ملیں۔ فرمایا" احلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں"۔

"سورۂ انفال" کی ابتدائی آیات میں "انفال" کے بارے میں ہم لکھ چکے ہیں کہ اس سے مراد مال غنیمت ہے اور یہ آیت صحابہ

کرام کے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی غزوۂ بدر میں حضرات صحابہ کرام کے درمیان مال غنیمت کے بارے میں اختلاف ہوا۔ اس آیت میں اس کا جواب کس طرح بنتا ہے؟ آیئے اسے مختصر طور پر بیان کیے دیتے ہیں آیت کریمہ میں فرمایا کہ ''انفال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں'' اس جگہ لفظ ''لام'' ذکر ہوا جو تملیک کے معنی میں ہے معنی یہ ہوا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مملوکہ چیز کے تصرف کا اختیار اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرما دیا اب حضور ﷺ اپنی صوابدید کے مطابق جسے جتنا چاہیں عطا فرما دیں کسی کو کیا اعتراض؟ ائمہ تفسیر کی ایک جماعت جن میں حضرت عبداللہ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سدی وغیرہ بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب تقسیم غنائم کا قانون نازل نہیں ہوا تھا (جو سورۂ انفال کے پانچویں رکوع میں ہے) اور جب تقسیم غنائم کا قانون نازل ہوا تو اس کے مطابق طریقہ یہ دیا گیا کہ کل مال غنیمت کے پانچ حصے کرو پانچواں حصہ بیت المال میں جمع رہے بوقت ضرورت مسلمانوں کے کام آئے گا اور چار حصے مجاہدین اور غازیوں میں بانٹ دیئے جائیں اس کی تفصیل احادیث صحیحہ میں موجود ہے تو اس قانون کے بعد سورۂ انفال کی ابتدائی آیات (جن میں تمام کا تمام مال غنیمت حضور ﷺ کے تصرف میں تھا) منسوخ ہو گئیں یہ مؤقف بعض مفسرین کرام کا ہے جو ''یسئلونک عن الانفال'' میں لفظ نفل کو بمعنی مال غنیمت لیتے ہیں۔ دیگر مفسرین کرام نے ناسخ منسوخ نہیں بنائے بلکہ وہ اجمال و تفصیل کی طرف گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سورۂ انفال کے شروع کی آیات میں مال غنیمت کا اجمالی حکم دیا گیا اور دسویں پارہ میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے البتہ مال غنیمت اور ''فئے'' میں قدرے اختلاف ہے۔

(مال فئے کا ذکر سورۃ حشر میں آیا ہے) ''فئے'' وہ مال جو جنگ کے بغیر کفار سے ہاتھ آیا ہو خواہ کفار وہ مال چھوڑ کر بھاگ گئے یا کافروں کے حاکم نے صلح کے عوض مسلمانوں کو دیا ہو۔ اس مال کے بارے میں قرآن کریم کا حکم صریح ہے کہ یہ صرف اور صرف رسول کریم ﷺ کا ہی ہے اس میں دوسرا کوئی شخص شریک نہیں اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو تمہیں اللہ کے رسول دیں وہ لے لو اور جو روک رکھیں اس سے رک جاؤ'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مال غنیمت (جو جنگ کر کے کفار کا مال ہاتھ آیا) اور مال فئے (جو بغیر جنگ کے کفار کا مال ہاتھ لگا) میں فرق ہے لفظ انفال دونوں کے لیے مستعمل ہوگا تو اس میں عموم ہوگا اور صرف ''انعام و اکرام'' پر بولا جائے تو خصوص پر مشتمل ہوگا۔

غازیوں کو انعام کے طور پر مال دینے کی حضور ﷺ کے عہد مبارک سے چار صورتیں چلی آ رہی ہیں۔ (۱) جو مجاہد کسی کافر کو قتل کرے اس کا سامان حرب مارنے والے مجاہد کا ہوگا (۲) بڑے لشکر میں سے ایک جماعت کو الگ کر کے کسی خاص جنگ کے لیے بھیجتے وقت اعلان کیا جائے کہ اس جنگ میں جو مال غنیمت ہاتھ آئے گا وہ اس مخصوص جماعت کو ملے گا۔ اس میں اور پہلی صورت میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ اس دوسری صورت میں پانچواں حصہ بیت المال کے لیے نکالا جائے گا پہلی صورت میں نہیں (۳) پانچواں حصہ جو بیت المال میں جمع کیا گیا اس میں مخصوص رقم کسی غازی کی مخصوص کارکردگی پر بطور انعام دی جائے (٤) مال غنیمت میں سے کچھ حصہ الگ کر لیا جائے اور یہ ان لوگوں کو دیا جائے جنہوں نے نمازیوں کی معاونت کی اور ان کے سامان حرب کی تیاری میں مصروف رہے یعنی گھوڑوں وغیرہ کی نگرانی کرنا اور ان کے خورد و نوش کا انتظام کرنا وغیرہ امور۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ آیت ''یسئلونک عن الانفال'' میں لفظ نفل ''مال غنیمت'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس معنی کے پیش نظر معلوم ہوا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے اس سے مراد وہ نفل ہے جو خمس میں سے اللہ کا رسول عطا کرے یہی وہ معنی ہے جسے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے دوسرے اثر کے تحت ذکر فرمایا ہے ''انعام دینا حضور ﷺ کا کام تھا جو آپ خمس میں سے اہل حاجات کو عطا فرماتے۔ امام محمد نے مزید فرمایا کہ مال غنیمت میں سے اگرچہ امیر ''نفل'' دے سکتا ہے جیسا کہ

ابھی ہم نے ذکر کیا کہ غازیوں کے خدام کے لیے امیر مال غنیمت میں سے کچھ مال الگ کر لے۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ اس دور میں مال غنیمت جمع ہو جانے کے بعد اس میں سے کچھ دینا درست نہیں بلکہ مال غنیمت میں سے جو خمس نکالا گیا اس میں سے دیا جا سکتا ہے اس بات کی وضاحت درکار ہے کہ جب کل مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں چار حصے غازیوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے اور پانچواں حصہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل الایۃ تم جان لو کہ جب تم کسی قسم کا مال غنیمت پاؤ تو اس کا پانچواں حصہ (خمس) اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور قرابت والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے۔ خمس کا مسئلہ اب متنازع فیہ بنا ہوا ہے لہٰذا اس کی مستقل بحث لکھی جا رہی ہے تاکہ ائمہ کرام کا اختلاف واضح ہو جائے۔

حضور ﷺ نے نجد کے علاقہ سے جو مال غنیمت آیا آپ نے اسے غازیوں میں تقسیم کیا اور پانچواں حصہ الگ کر لیا تقسیم کرنے کے بعد پانچویں حصہ میں سے آپ نے پھر ان غازیوں کو ایک ایک اونٹ ''نفل'' کے طور پر دیا اس لیے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں چار غازیوں میں بانٹ دیے جائیں پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور آپ کے قرابت داروں کے لیے چھوڑا جائے یہی حصہ ''خمس'' کہلاتا ہے اس لیے بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حاکم وقت اگر کسی کو ''نفل'' دینا چاہتا ہے تو وہ چار حصوں میں سے نہ دے بلکہ پانچویں حصہ سے دے جسے خمس کہتے ہیں۔ ''خمس'' دراصل کیا ہے؟ ہم اس کی وضاحت کرتے ہیں کیونکہ آج کل شیعہ اور سنی کا اس میں اختلاف ہے اس اختلاف کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

''خمس'' میں ائمہ اربعہ کا مؤقف اور اہل تشیع کا مسلک

قال الشافعیۃ والحنابلۃ تقسم الغنیمۃ وھی الخمس الی خمسۃ اسھم واحد منھا سھم للرسول وتصرف علی مصالح المسلمین و واحد یعطی لذوی القربی وھم من انتسب الی ھاشم بالابوۃ من غیر فرق بین الاغنیاء والفقراء والثلاثۃ الباقیۃ تنفق علی الیتمی والمساکین وابناء السبیل سواء کانوا من بنی ھاشم او من غیرھم قال الحنفیۃ انما سھم الرسول سقط بموتہ اما ذوا القربی فھم کغیرھم من الفقراء یعطون لفقرھم لا لقرابۃ من الرسول ﷺ وقال المالکیۃ یرجع امر الخمس الی الامام یصرفہ حسبما یراہ من المصلحۃ قال الامامیۃ ان سھم اللہ وسھم الرسول و سھم ذوی القربی یفوض امرھا الی الامام او نائبہ یضعھا فی مصالح المسلمین والاسھم الثلاثۃ الباقیۃ تعطی لا یتام بنی ھاشم ومساکینھم وابناء سبیلھم ولا یشارکھم فیھا غیرھم

شافعی المسلک اور حنبلی حضرات نے کہا کہ خمس کے پانچ حصے کیے جائیں گے ان میں سے ایک حصہ جو رسول کریم ﷺ کا ہے اسے مسلمانوں کے رفاہی کاموں میں خرچ کیا جائے گا اور ایک حصہ قرابت والوں کو دیا جائے گا قرابت والوں سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا باپ ہاشم ہے ان لوگوں میں غنی اور فقیر کا فرق نہیں کیا جائے گا (ہر ہاشمی کو دیا جائے گا) اور بقیہ تین حصے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیے جائیں گے خواہ یہ لوگ ہاشمی ہوں یا کوئی دوسرے ہوں حنفی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا حصہ تو آپ کے وصال کے ساتھ ہی ساقط ہو گیا رہے قرابت والے تو یہ دوسرے فقیروں کی طرح ہیں انہیں فقیر ہونے کی وجہ سے حصہ دیا جائے گا نہ کہ رسول کریم ﷺ کی قرابت کی وجہ سے امام مالک کے پیروؤں نے کہا کہ خمس کا معاملہ امام کی رائے کے سپرد ہے وہ جو مصلحت سمجھے وہاں خرچ کر سکتا ہے امامیہ (شیعوں) کا قول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حصہ اور قرابت والوں کا حصہ ان کا معاملہ امیر یا اس کے نائب کے سپرد ہوگا وہ مسلمانوں کی بہتری کے لیے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے اور باقی ماندہ تین حصے بنی ہاشم کے

(الفقہ علی المذاہب الخمسۃ مصنفہ محمد جواد شیعہ ص ۱۸۸ مصرف الخمس، مطبوعہ ایران)

منهم من قال ان المستحقين لهم الخمس من الاقرباء هم الذين كان لهم نصرة وان السهم كان مستحقا بالامرين من القرابة والنصرة وان من ليس له نصرة ممن حدث بعد فانما يستحقه بالفقر كما يستحقه سائر الفقراء ويستدلون على ذالک بحديث الزهرى عن سعيد بن المسيب عن جبير بن مطعم قال لما قسم رسول الله ﷺ سهم ذوى القربىٰ بين بنى هاشم وبنى المطلب اتيته انا و عثمان فقلنا يارسول الله هؤلاء بنو هاشم لا ننكر فضلهم بمكانک الذى وضعک الله فيهم ارأيت بنى المطلب اعطيتم ومنعتنا وانماهم ونحن منک بمنزلة فقال رسول الله ﷺ انهم لم يفارقونى فى جاهلية ولا فى اسلامهم وانما بنو هاشم وبنو المطلب شئى واحد و شباب بين اصابعه فهذا يدل على وجهين على انه غير مستحق بالقرابة فحسب احدهما ان بن المطلب وبنى عبد شمس فى القرب من النبى ﷺ سواء فاعطى بنى المطلب ولم يعط بنى عبد شمس ولو كان مستحقا بالقرابة ساوى بينهم والثانى ان فعل النبى ﷺ وذالک خرج مخرج البيان لما اجمل فى الكتاب من ذكر ذى القربى وفعل رسول الله ﷺ اذا ورد على وجه البيان فهو على الوجوب فلما ذكر النبى ﷺ النصرة مع القرابة دل على ان ذالک مراد الله تعالى فمن لم يكن له منهم نصرة فانما يستحقه بالفقر وايضا فان الخلفاء الاربعة متفقون على انه لا يستحق الا بالفقر وقال محمد بن اسحق سئلت محمد بن على فقلت مافعل على رضى الله عنه بسهم ذوى القربى حين ولى فقال

یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو دیئے جائیں گے ان تین حصوں میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا۔

آیت خمس میں مذکور ذوی القربیٰ کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ پانچویں حصہ کے مستحق وہ قرابت دار ہیں کہ جنہوں نے حضور ﷺ کی اسلام پھیلانے میں مدد کی، خمس کے اس حصہ کے مستحق بننے والے حضرات میں دو باتیں ہونا لازمی ہیں ایک آپ کی قرابت اور دوسری آپ کی نصرت اور ایسے قرابت والے کہ جو آپ کے مددگار نہ بن سکے جو آپ کے بعد پیدا ہوئے تو وہ اس وقت مستحق ہوں گے جب وہ فقیر ہوں گے جیسا کہ تمام بقیہ فقراء بوجہ فقر کے مستحق ہوتے ہیں اس مؤقف ومسلک پر یہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو امام زہری نے سعید بن مسیب سے اور انہوں نے جبیر ابن مطعم سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول کریم ﷺ نے ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے درمیان تقسیم فرمایا تو میں اور حضرت عثمان دونوں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے، ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! بنی ہاشم کے متعلق تو ہمیں کوئی انکار نہیں کیونکہ ان کا آپ کے ہاں مرتبہ ومقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں جلوہ فرما کیا آپ کا کیا ارشاد ہے کہ آپ نے بنی مطلب کو تو خمس میں سے دیا اور ہمیں محروم کر دیا حالانکہ ہم اور وہ آپ کے نزدیک ایک ہی مقام ومرتبہ رکھتے ہیں؟ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان حضرات نے جاہلیت اور اسلام کے دور میں بھی مجھے اپنے سے جدا نہیں کیا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں آپ نے اس موقعہ پر اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل فرما کر ان کی وحدت کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس آپ کا یہ ارشاد گرامی دو باتوں پر دلالت کرتا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حق ان کی قرابت کی بنا پر نہیں ہے ان میں سے ایک یہ کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب حضور ﷺ کے قرابت دار ہونے میں برابر ہیں بنی مطلب کو تو آپ نے خمس میں سے دیا اور بنو عبد شمس کو باوجود قرابت کے نہیں دیا اگر استحقاق قرابت کی وجہ سے ہوتا تو یہ دونوں برابر کے حقدار ہوتے دوسری بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فعل ایک مسئلہ اور حکم کی عملی صورت بیان کرنے کے

مسلک به سبیل ابی بکر و عمر و کره ان یدعی
علیه خلافهما فقال ابوبکر لولم یکن هذا رأیه لما
قضی به لانه قدخالفهما فی اشیاء مثل الجد
والتسویة فی العطایا واشیاء اخر فثبت انه رأیه و
رأیهما کان سواء فی ان سهم ذوی القربی انما
یستحقه الفقراء منهم ولما اجمع الاربعة علیه ثبت
حجته باجماعهم لقوله ﷺ علیکم بسنتی
وسنة خلفاء الراشدین من بعدی وفی حدیث یزید
بن هرمز عن ابن عباس فیما کتب الی نجدة
الحروری حین سأله عن سهم ذی القربی فقال کنا
نری انه لنا فدعانا عمر الی ان نزوج منه ایمنا
ونقضی منه مغرمنا فابینا ان لا یسلمه لنا وابی
ذالک علینا قومنا وفی بعض الالفاظ فابی ذالک
علینا بنو عمنا فاخبر ان قومه وهم اصحاب النبی
ﷺ اداه لفقرائهم دون اغنیائهم... وقول ابن
عباس رضی الله عنه کنا نری ان لنا اخبار انه قال من
طریق الرأی ولا خط للرأی مع السنة واتفاق جل
الصحابة من الخلفاء الاربعة ویدل علی صحته قول
عمر فیما حکاه ابن عباس عنه حدیث الزهری عن
عبدالله بن الحارث عن نوفل عن المطلب بن ربیعة
بن الحارث انه والفضل ابن عباس قالا یارسول الله
ﷺ قد بلغنا النکاح فجئنا لتؤمرنا علی هذه
الصدقات فنؤدی الیک مایؤدی العمال ونصیب ما
یصیبون فقال النبی ﷺ ان الصدقات لاینبغی
لآل محمد انما هی اوساخ الناس ثم امر محمیة ان
یصدقهما من الخمس وهذا یدل علی ان ذالک
مستحق بالفقر اذکان انما اقتضی لهما علی مقدار
الصداق الذی احتاجا الیه للتزویج ولم یأمر لهما بما
فضل عن الحاجة ویدل علی ان الخمس غیر
مستحق قسمة علی السهمان وانه موکول الی رأی

لیے ہے جو قرآن کریم میں "ذوی القربیٰ" کے لفظ سے اجمالی طور
پر بیان کیا گیا جب یہ بیان کے طور پر وارد ہوا تو یہ وجوب کے لیے
ہوگا پھر جب حضور ﷺ نے قرابت کے ساتھ نصرت کا ذکر
فرمایا: تو آپ کا یہ فرمانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کریم میں
اس سے مراد یہی ہے لہٰذا آپ کے قرابت والوں میں سے جس کی
نصرت نہیں وہ بوجہ غربت کے مستحق ہوگا اور یہ بھی کہ حضرات خلفاء
راشدین نے اس پر اتفاق فرمایا ہے کہ آپ کا قرابت دار فقر کی وجہ
سے ہی مستحق ہوگا۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ میں نے محمد بن علی سے
پوچھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے "ذوی القربیٰ" کے
حصہ کو کیا کیا جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے؟ تو انہوں نے کہا کہ
حضرت علی المرتضیٰ اس بارے میں اسی طریقہ پر چلے جو ابوبکر وعمر کا
تھا اور انہوں نے اسے ناپسند کیا کہ لوگوں کو اس طریقہ کے خلاف کی
دعوت دیں ابوبکر جصاص (مصنف کتاب ھذا) کہتا ہے کہ اگر
حضرت علی المرتضیٰ کی یہ رائے نہ ہوتی تو وہ اس کے حق میں فیصلہ نہ
کرتے کیونکہ آپ نے بہت سی باتوں میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی
اللہ عنہما سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ دادا کی میراث میں ان سے
اختلاف کیا اور عطیہ جات کی برابری اور دوسری اور اشیاء میں بھی
انہوں نے اختلاف کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کی رائے
اور ابوبکر وعمر کی رائے اس بارے میں یکساں ہے کہ ذوی القربیٰ کا
حصہ انہی کو ملے گا جو ان میں سے فقیر ومحتاج ہوں گے اور جب
خلفائے اربعہ کا اس پر اتفاق واجماع ہو چکا ہے تو ان کے اجماع
سے یہ ایک حجت بن جائے گی کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد
گرامی ہے: "تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی
سنت پر عمل کرنا لازم ہے" اور یزید بن ہرمز کی حدیث میں جو
حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ جو انہوں نے نجد کے خارجیوں
کی طرف لکھا جب انہوں نے آپ سے ذوی القربیٰ کے حصہ کی
بابت پوچھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم یہ رائے رکھتے تھے
کہ خمس ہمارا حق ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس امر کی
دعوت دی کہ ہم خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کا نکاح کریں اور
اس سے ہم اپنے قرض اتاریں لیکن ہم نے ایسا کرنے

الامام قوله ﷺ مالي من هذا المال الا الخمس والخمس مردود فيهم ولم يخص القرابة بشئ منه دون غيرهم دل ذالك على انهم فيه كسائر الفقراء يستحقون منه مقدار الكفاية وسد الخلة ويدل عليه قول رسول الله يذهب كسرى فلا كسرى بعده ابدا ويذهب قيصر فلا قيصر بعده ابدا والذي نفسي بيده لتنفقن كنوزهما في سبيل الله فاخبر انه ينفق في سبيل الله ولم يخصص به قوم من قوم ويدل على انه كان موكولا الى رأى النبي انه اعطى المؤلفة قلوبهم وليس لهم ذكر في آية الخمس فدل على ماذكرنا ويدل عليه ان كل من سمى في آية الخمس لا يستحق الا بالفقر وهم اليتامى وابن السبيل فكذالك ذوى القربى لانه سهم من الخمس ويدل عليه انه لا حرم عليهم الصدقة اقيم ذالك لهم مقام ماحرم عليهم منها فوجب ان لا يستحقه منهم الا فقيرا كما ان الاصل الذى اقيم هذا مقامه لا يستحقه الا فقيرا. (احکام القرآن ج ۳ ص ۶۳-۶۴ باب قسمۃ الخمس 'مطبوعہ بیروت لبنان)

سے انکار کر دیا اور خمس لینے سے انکار کر دیا ہماری قوم نے بھی اس پر ہمارا انکار کیا بعض الفاظ یوں بھی مذکور ہیں ہمارے چچازاد بھائیوں نے انکار کیا اور بتایا کہ ان کی قوم جو حضور ﷺ کے صحابی ہیں ان کا نظریہ یہ تھا کہ حسن کا حصہ ذوی القربیٰ کے ان افراد کے لیے ہے جو فقیر ہوں نہ کہ امیروں کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ ''ہم یہ رائے رکھتے تھے کہ خمس ہمارا حق ہے'' یہ اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ آپ کا یہ فرمانا بطریقہ رائے اور اجتہاد تھا اور سنت حریمہ کے ہوتے ہوئے رائے اور اجتہاد کو کوئی دخل نہیں رہتا اس کے ساتھ ساتھ خلفائے اربعہ اور جلیل القدر صحابہ کرام کا اتفاق بھی رائے کی دخل اندازی کو منع کرتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی صحت اس حکایت اور روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس نے ان سے روایت کی۔ وہ امام زہری کی حدیث ہے جو انہوں نے عبداللہ بن حارث بن نوفل سے انہوں نے مطب بن ربیعہ بن حارث سے بیان کیا کہ وہ اور فضل بن عباس دونوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نکاح کے قابل ہو چکے ہیں اور آپ کی بارگاہ میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں صدقات (زکوٰۃ) کی وصولی کرنے والوں میں لگا دیں پھر ہم بھی آپ کو وہی کچھ لا کر دیا کریں گے جو دوسرے عشر زکوٰۃ جمع کرنے والے دیتے ہیں اور جو انہیں تنخواہ وغیرہ ملتی ہے ہمیں بھی ملا کرے گی اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ'' آل محمد کے لائق نہیں یہ تو لوگوں کے مال کا میل ہوتا ہے اس کے بعد آپ نے محمیہ نامی شخص کو حکم دیا کہ انہیں خمس میں سے کچھ دے دو یہ حدیث پاک بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ استحقاق کی وجہ فقر ہے حضور ﷺ نے ان دونوں کے لیے صرف اتنی مقدار دینے کا فیصلہ فرمایا جو ان کا حق مہر بن سکے کیونکہ شادی کے لیے یہ ایک ضرورت ہے اور وہ اس کے محتاج نہ تھے آپ نے ان کے لیے ان کی ضرورت و حاجت سے زیادہ دینے کا حکم نہ دیا۔ حضور ﷺ کی حدیث پاک اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ خمس کے دو حصے کر دینے واجب نہیں ہیں بلکہ خمس مکمل کا مکمل بھی امام کی رائے کے سپرد ہے۔ اس پر آپ ﷺ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ ''میرے لیے اس

مال میں سے صرف خمس ہے اور خمس بھی بالآخر تم میں ہی بانٹا جائے گا" آپ نے خمس میں سے کسی حصہ کو اپنے قرابت والوں سے مخصوص نہیں فرمایا جو دوسروں کو نہ ملے۔ تو یہ قول رسول اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے ذوی القربیٰ اور دوسرے فقیر مسلمان حضرات سب برابر ہیں اور ہر ایک بقدر کفایت رقم کا مستحق ہے۔ اور اس قدر خرچ کہ اس کی محتاجی کا دروازہ بند ہو جائے اور حضور ﷺ کا قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ "کسریٰ گیا اور اب قیامت تک کسریٰ نہ آئے گا اور قیصر گیا اور قیامت تک قیصر نہ آئے گا اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ان دونوں کے خزانوں کو لازماً اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرو گے" آپ ﷺ نے ان دونوں کے خزانوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کا ذکر فرمایا لیکن آپ نے خرچ کرنے والوں کی تخصیص نہیں فرمائی (کہ فلاں قوم کو خرچ کرنے کا حق ہے اور فلاں کو نہیں) یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ خمس کا مال تمام کا تمام حضور ﷺ کی اپنی رائے پر موقوف تھا جسے چاہتے جس قدر چاہتے عطا فرماتے آپ نے اس میں سے تالیف قلب کے لیے کچھ لوگوں کو دیا حالانکہ خمس والی آیت میں "مؤلفۃ قلوب" کا ذکر نہیں ہے لہٰذا اس سے بھی ہمارے موقف پر دلیل قائم ہوتی ہے اور اس پر دلالت ہے کہ جن کا آیت خمس میں ذکر آیا۔ وہ بھی صرف فقیری کی وجہ سے مستحق ہیں وہ یتیم اور مسافر ہیں یونہی ذوی القربیٰ بھی فقیر ہی ہوں گے کیونکہ خمس کے مستحقین میں یہ بھی شامل ہیں اور ہمارے موقف پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ جب بنی ہاشم پر صدقات واجبہ لینے حرام کر دیے گئے تو خمس کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا تو لازم ہے کہ خمس کا مستحق وہی قرابت دار ہو جو فقیر ہو جیسا کہ اس کا جزاصل یعنی زکوٰۃ کہ جس کے یہ قائم مقام کر دیا گیا وہ بھی فقیروں کا حق بنتا ہے۔

خمس میں سے فقیر ذوی القربیٰ کو حصہ ملے گا نہ کہ غنی کو احناف کے اس موقف پر مذکورہ عبارت کے دلائل

مال غنیمت میں پانچواں حصہ (خمس) جسے قرآن کریم نے اللہ اس کے رسول ذوی القربیٰ یتامیٰ اور ابن السبیل کا حصہ فرمایا ہے۔ اس بارے میں یہ بات واضح ہے کہ اللہ کا حصہ دراصل حضور ﷺ کا ہی ہے۔ لیکن آپ کے وصال کے بعد آپ کے ذوی القربیٰ اور یتیم و مسافر کو یہ حصہ کب اور کس طرح دیا جائے گا؟ اس بارے میں ائمہ اہلسنت کے مابین اختلاف اور اہلسنت و اہل رفض کے درمیان اختلاف [illegible] فرماتے ہیں کہ خمس کے پانچ حصے کیے

جائیں گے ان پانچ حصوں میں سے ایک صرف بنو ہاشم کو دیا جائے بقیہ چار حصے غریبوں میں تقسیم کیے جائیں خواہ غریب ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی امام مالک کے ماننے والے خمس کی یہ تقسیم کرتے ہیں نہ اس کے مزید حصے کرنے کے قائل ہیں وہ مکمل خمس امام یا اس کے نائب کی تحویل میں دینے کے قائل ہیں۔ وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرے۔ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ' اس کے رسول اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ یہ تو امام وقت کے سپرد ہوگا اور بقیہ تین حصے صرف بنو ہاشم کے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیے جائیں کوئی دوسرا ان کا مستحق نہیں ہے۔ احناف کا یہ مسلک ہے کہ حضور ﷺ کا حصہ آپ کے وصال کے ساتھ ہی ختم ہو گیا رہے ذوی القربیٰ تو انہیں حضور ﷺ کی قرابت کی بنا پر نہیں بلکہ فقیر ہونے کی بنا پر دوسرے فقیروں کے ساتھ حصہ ملے گا گویا خمس میں کوئی مقررہ حصہ آل رسول کے لیے نہیں آل رسول میں سے فقراء کو خمس میں سے بقیہ فقراء کی طرح دیا جائے گا ہاں فقراء میں سے ان کو اگر مقدم کیا جائے تو بہتر ہے۔ ''احکام القرآن'' میں مسلک احناف کی تائید میں علامہ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے جو چند دلائل ذکر کیے بطور اختصار ہم انہیں ذیل میں درج کر رہے ہیں۔

(۱) خمس میں ذوی القربیٰ کا حصہ دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ اول حضور ﷺ کی قرابت اور دوم اسلام میں مدد و نصرت۔ قرابت وجہ نہیں بن سکتی کیونکہ حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما قرابت کے اعتبار سے بنو مطلب کے ہم پلہ تھے اس کے باوجود حضور ﷺ کا یہ قول خمس میں سے حصہ نہ دینا قرابت کی وجہ کو رد کرتا ہے اسلام میں نصرت اور مدد کرنا تو یہ بات حضور ﷺ کی حیات ظاہری تک تھی۔ آپ کے وصال کے بعد یہ معاملہ ہی ختم ہو گیا۔

(۲) چاروں خلفاء اس پر متفق ہیں کہ ذوی القربیٰ کا حصہ ان میں سے فقیر و غریب لوگوں کو ملے گا حضرت علی المرتضیٰ نے اگرچہ بہت سے مسائل میں خلفاء ثلاثہ سے اختلاف فرمایا لیکن اس مسئلہ میں وہ بھی ان سے متفق ہیں خلفائے اربعہ کے متفق علیہ مسئلہ کو اجماع کہا جائے گا جس کی مخالفت درست نہیں۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمارا خیال یہ تھا کہ خمس میں سے پانچویں حصہ کے ہم آل رسول مستحق ہیں لیکن ہمارے مطالبہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمارے نکاح کا حق مہر اور قرضہ کی ادائیگی کا خمس میں سے دینے کا حکم تو دیا لیکن مکمل خمس نہ دیا ابن عباس کی اس رائے کو خود ان کے رشتہ دار چچازاد بھائیوں نے درست نہ سمجھا۔ ویسے بھی حضرت ابن عباس کی رائے اجماع خلفاء اربعہ کے خلاف تھی۔

(٤) مطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس نے حضور ﷺ سے زکوٰۃ پر عامل مقرر کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے یہ کہہ کر اسے رد فرما دیا کہ زکوٰۃ لوگوں کا میل ہوتا ہے اور آل رسول کے لیے یہ جائز نہیں آپ نے اس کی بجائے خمس میں سے انہیں ان کی ضرورت و حاجت کے مطابق دینے کا حکم دیا۔

(٥) حضور ﷺ کی حدیث پاک ہے۔ ''میرے لیے خمس ہے اور وہ بھی بالآخر تم پر خرچ ہوگا'' اس میں بھی آل رسول کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ سب غریب مخاطب ہیں۔

(٦) حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''کسریٰ گیا اور تا قیامت نہیں آئے گا' قیصر گیا اور تا قیامت نہیں آئے گا بخدا تم ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے'' اس ارشاد گرامی میں بھی قیصر و کسریٰ کے خزانے خرچ کرنے والے صرف آل رسول نہیں فرمائے بلکہ ہر شخص کو خطاب کیا جسے وہ خزانے ملیں گے گویا ان کے خزانوں کا خمس بلا استثناء تمام فقراء میں تقسیم ہوگا۔

(۷) حضور ﷺ نے خمس میں سے ''مؤلفۃ القلوب'' کو بھی عطا فرمایا حالانکہ آیت خمس میں ان کا ذکر تک نہیں۔

(۸) آل رسول پر صدقات واجبہ حرام ہوئے تو ان کی جگہ انہیں خمس ملا گویا خمس دراصل زکوٰۃ کا قائم مقام ہے جب زکوٰۃ کا مستحق

صرف محتاج اور فقیر ہے تو اس کا قائم مقام بھی انہی لوگوں کو ملے گا جو مستحقین ہیں۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا آٹھ دلائل سے ثابت ہوا کہ مال غنیمت کے خمس کے مستحق صرف فقیر و محتاج لوگ ہیں خواہ وہ آل رسول سے ہوں یا کسی اور خاندان سے تعلق رکھتے ہوں آل رسول کے غنی حضرات خمس کے مستحق نہیں ہیں یہ مسلک احناف کا ہے خلفائے اربعہ کا اسی پر اجماع ہے تو معلوم ہوا کہ احناف کا خمس کے بارے میں مسلک عقلاً ونقلاً نہایت قوی ہے اور اس کے دلائل نقلیہ وعقلیہ انتہائی پختہ اور ناقابل تردید ہیں۔ ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

آیت خمس کی تفسیر

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنَ السَّبِیْلِ. (الانفال:۴۱)

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور مسافروں اور محتاجوں کے لیے ہے۔

آیت مبارکہ کی تفسیر لکھنا اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ قرآن کریم کے مکمل کتاب اللہ ہونے میں کسی مسلمان کو ذرا برابر بھی شک نہیں اگر چہ شیعہ اس قرآن کو جو کائنات میں ہر جگہ موجود ہے نامکمل اور تحریف شدہ ہونے کے معتقد ہیں ان کا عقیدہ ان کے اکابر نے یہ لکھا ہے کہ اصلی قرآن وہ ہے جو حضرت علی المرتضیٰ نے جمع کیا تھا اور یکے بعد دیگرے بارہ اماموں کے پاس آیا آخری امام ''امام مہدی'' اسے اپنے ساتھ لیے سامرہ کی غار میں چھپے ہوئے ہیں مناسب وقت آنے پر وہ اصلی قرآن کو لے کر باہر آئیں گے چار و ناچار موجودہ قرآن کریم کو مانتے ہیں مسئلہ خمس میں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں شیعہ الگ نظریہ رکھتے ہیں ہماری حکومت نے بھی ان کے لیے خمس کی ادائیگی ان کے نظریہ کے مطابق ادا کرنے کی چھٹی دے رکھی ہے اس پر تفصیلی بحث آ رہی ہے آیت خمس کی تفسیر شیعہ کتب سے بھی پیش ہوگی ان کے اپنے مؤقف کے اثبات پر دلائل مذکور ہوں گے تا کہ ان کے بے سروپا دلائل کو سمجھنے میں آسانی رہے تفسیر سے زائد باتیں جو شیعہ کتابوں میں درج ہیں وہ بھی سامنے لائی جائیں گے اور ان تمام کا بھی بھرپور اور مدلل جواب مذکور ہوگا۔

آیت خمس میں غور فرمایئے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ جو مال غنیمت آئے اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے چار حصے غازیوں میں تقسیم ہوں گے اور پانچواں حصہ (خمس) چھ حصہ داروں کے لیے ہوگا۔ (۱) اللہ تعالیٰ (۲) اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ (۳) حضور ﷺ کے قرابت والے (۴) یتیم (۵) مسکین (۶) مسافر۔ آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ مال غنیمت کے پانچویں حصہ میں حصہ داروں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا لیکن چار حصوں کے مستحقین کا ذکر نہیں ملتا اس بارے میں گزارش ہے کہ لفظ ''غنمتم'' میں جن حضرات کو خطاب کیا جا رہا ہے یعنی اے مسلمانو! تم میں سے جنہیں مال غنیمت ملے تو اس کے پانچویں حصے کو آگے مذکورہ حصہ داروں کے لیے رکھ چھوڑو اور بقیہ چار حصے تمہارے ہیں انہیں حسب دستور آپس میں تقسیم کر لو یہ اس طرح مفہوم ہے جس طرح آیت میراث میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کا حصہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا'' و ورثه ابواه فلامه الثلث '' مرنے والے کی اگر وارث ماں باپ ہوں تو ماں کو ایک تہائی حصہ ملے گا جب ماں کو تیسرا حصہ ملا تو بقیہ ترکہ خود بخود سمجھ میں آ جاتا ہے کہ وہ باپ کا ہے اسی طرح آیت خمس میں پانچویں حصہ کی تقسیم کا ذکر ہوا چار حصوں کے بارے میں خود بخود سمجھ آ گیا کہ وہ مجاہدین اور غازی حضرات کے لیے ہیں آیت خمس میں پانچویں حصہ کے لینے والوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ فان لله خمسه الایة پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اس انداز بیان سے یہ فرمانا مقصود ہے کہ خمس کے مصارف سب اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہیں یہ انداز بیان اپنے اندر بہت سی حکمتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب تفسیر مظہری اسی آیت کے تحت رقم طراز ہیں کہ حضور ﷺ اور آپ کی آل پاک کے لیے زکوٰۃ و صدقات حرام قرار پائے کیونکہ یہ لوگوں کے مال کی گندگی اور میل ہوتے ہیں یہ میل نبی اور آل نبی کی شایان شان نہیں مال غنیمت کے پانچویں حصہ میں جب رسول کریم ﷺ اور آپ کے قرابت والے بھی شریک کیے گئے تو انہیں مذکورہ حصہ دینے سے قبل ''للہ'' کہہ کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ کفار کا مال جب مال غنیمت بن گیا تو کافروں کی اس پر سے ملکیت ختم ہوگئی اور وہ مال اب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں آ گیا' اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں سے بطور انعام و اکرام حضور ﷺ اور آپ کی قرابت والوں کو عطا فرمایا لہٰذا لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان حضرات کو یہ مال لوگوں کی طرف سے ملا نہیں' نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام خاص ہے جو اس نے انہیں عطا فرمایا۔ آیت کریمہ میں ابتدائی لفظ ''لِلّٰہ'' اس طرف مشیر ہے کہ مال غنیمت (خمس) خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے لہٰذا مالک نے جیسے فرمایا' ویسے ہی اسے تقسیم کرنا ضروری ہے اب اللہ تعالیٰ نے جب اپنی ملکیت خاصی یعنی خمس کو اپنے بتائے ہوئے حصہ داروں پر تقسیم کریں گے تو خود اللہ تعالیٰ تقسیم میں داخل نہ ہوگا اب پانچ حصہ دار ہوئے (رسول' ذوی القربیٰ' یتیم' مسکین اور مسافر) پھر ان میں استحقاق کے مختلف مراتب ہیں جنہیں عجیب وضاحت و بلاغت سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ ان پانچ میں سے پہلے دو حصہ داروں کے لیے حرف ''لام'' لایا گیا اور بقیہ تین حصہ داروں کو حرف لام کے بغیر لا کر ان کا ایک دوسرے پر عطف ڈالا گیا حرف ''لام'' عربی زبان میں مختلف معانی کے لیے مستعمل ہوتا ہے یہاں یہی حرف جب لفظ ''اللہ'' کے ساتھ آیا تو یہ اختصاص ملکیت بیان کرنے کے لیے آیا ہے یعنی اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے یہی حرف جب لفظ ''رسول'' پر آیا تو اس نے خصوصیت کو بیان کیا یعنی اللہ تعالیٰ مالک حقیقی نے اپنی ملکیت کے تصرف کا خصوصی اختیار اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرما دیا آپ جیسے چاہیں تقسیم فرمائیں بظاہر خمس کے مستحقین پانچ مذکور ہیں لیکن تفسیر مظہری کی تقریر کے مطابق خمس کی تقسیم مذکورہ حصہ داروں میں حضور ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی۔ جیسا کہ سورۃ الانفال کی پہلی آیت مبارکہ میں مال غنیمت کی تقسیم کا اختیار کلی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرما دیا ہے۔ آپ ﷺ نے مال غنیمت پر خصوصی اختیار ملنے کے تحت اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم فرمائے پانچواں حصہ بدستور آپ ﷺ کے اختیار میں رکھا گیا۔ اس کے اللہ تعالیٰ نے مصارف بیان فرما دیئے۔ چار حصوں کے مصارف بیان نہ فرمائے۔ یہ بات یاد رہے کہ جمہور اہل تحقیق کے نزدیک آپ پر یہ لازم نہ تھا کہ خمس کو لازماً ان مصارف پر خرچ فرما دیں یوں کہ ہر ایک کو برابر برابر عطا فرمائیں بلکہ یہ آپ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا کہ ان میں سے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ عطا فرمائیں اس کی دلیل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص ایسا ملتا ہے جو آپ ﷺ کا قرابت دار بھی ہے' یتیم اور مسکین بھی ہے اور مسافر بھی ہے اسی طرح ان میں ایک شخص میں دو دو وصف جمع ہو سکتے ہیں۔ اگر ان اقسام میں الگ الگ اور برابر برابر تقسیم کرنا مقصود ہوتا تو پھر یہ لوگ ایسے ہونے چاہئیں تھے جو بالکل الگ الگ ہوتے کسی جگہ بھی ایک شخص میں دو وصف موجود نہ ہوتے۔ اور یہ بھی لازم ہوتا کہ ایک شخص جو قرابت دار' یتیم' مسکین اور مسافر ہے اسے قرابت داری کا ایک حصہ' یتیم ہونے کا دوسرا حصہ' مسکین کے اعتبار سے تیسرا اور مسافر ہونے کی وجہ سے چوتھا حصہ ملتا یوں ایک شخص چار حصے لے جاتا جیسا کہ میراث میں ہوتا ہے اور دوسرا صرف ایک حصہ پاتا لہٰذا معلوم ہوا کہ آیت کریمہ کا مطلب و مفہوم یہ نہیں کہ آپ پر یہ تقسیم لازم کر دی گئی ہے آپ ہر ایک کو ضرور دیں اور برابر دیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان پانچ اقسام میں سے جن کو دینا آپ مناسب سمجھیں اور جتنا دینا مناسب سمجھیں' دے دیں۔ (تفسیر مظہری) یہی وجہ ہے کہ جب سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے خمس میں سے ایک غلام مانگا تو حضور ﷺ نے فرمایا: تمہاری بہ نسبت اصحاب صفہ زیادہ ضرورت مند ہیں کیونکہ وہ انتہائی غریب اور فقر و افلاس میں مبتلا ہیں تو معلوم ہوا کہ ہر ایک قسم کا الگ اور مستقل حق نہ تھا۔ ورنہ ذوی القربیٰ میں سے سیدہ خاتون جنت سے اور کون زیادہ قرابت والا ہو سکتا تھا؟ اس آیت میں صرف مصارف کا بیان ہے' استحقاق کا بیان نہیں ہے جمہور ائمہ کے نزدیک خمس میں

سے آپ کا حصہ آپ کے منصب نبوت و رسالت کی بنا پر تھا جس طرح آپ کے اسی منصب کی بنا پر مال غنیمت میں جو چاہیں رکھ لینے کا اختیار تھا آپ نے بعض غنائم میں کچھ چیزیں اپنے لیے الگ کر لیں اور خمس غنیمت میں سے آپ اپنے اہل و عیال کا نفقہ ادا فرماتے تھے آپ جب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے تو آپ کا حصہ خود بخود ختم ہو گیا کیونکہ نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی رسول۔

یہ بات بلا اختلاف ہے کہ خمس میں فقراء اور ذوی القربیٰ کا حق دوسرے مستحقین سے مقدم ہے کیونکہ فقراء اور ذوی القربیٰ کی امداد مال زکوٰۃ سے نہیں ہو سکتی البتہ دوسرے مصارف پر زکوٰۃ لگ سکتی ہے جیسا کہ کتب فقہ خصوصاً "ہدایہ شریف" میں اس کی وضاحت موجود ہے ہاں اگر ذوی القربیٰ غنی ہیں تو اس وقت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جن ذوی القربیٰ کو دیا ان کی دو قسمیں تھیں ایک وہ جو ضرورت مند تھے اور دوسرے وہ جنہوں نے اقامت دین اور دفاع اسلام میں حضور کی خدمات سرانجام دیں۔ دوسری قسم تو حضور ﷺ کے وصال شریف کے ساتھ ہی ختم ہو گئی اب صرف پہلی قسم کے قرابت دار یعنی فقراء باقی رہ گئے یہ حضرات تمام بقیہ مستحقین سے مقدم ہوں گے آیت کریمہ کی تفسیر اور تشریح کے بعد ہم شیعہ لوگوں کا مسلک ان کی کتب سے بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

فقہ جعفریہ میں خمس کی تقسیم اور اس کا مصرف

خمس کے بارے میں شیعہ مکتبہ فکر کی کتب احادیث و فقہ میں حضرات ائمہ اہل بیت سے جو مختلف روایات مذکور ہیں ان کے مابین تطبیق ناممکن ہے اور ان سب کا جمع کرنا مشکل کام ہے فقہ جعفریہ میں احادیث رسول ﷺ صرف نام کی ہوتی ہیں اکثر و بیشتر ائمہ اہل بیت کے اقوال سے ہی ان کی فقہ مرتب ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ شیعہ کتب حدیث میں مجھے حضور ﷺ کی خمس کے بارے میں کوئی حدیث نظر نہیں آئی اقوال و ارشادات ائمہ ہیں کہ جن سے اس مسئلہ پر کچھ آگاہی ہوتی ہے۔ ان کی کتب تفسیر و فقہ سے چند اقوال پیش خدمت ہیں۔

(۱) خمس کے چھ حصوں میں سے دو اہل بیت پر حرام ہیں

عن زكريا بن مالك الجعفي عن ابي عبدالله عليه السلام انه ساله عن قول الله عزوجل واعلموا انما غنمتم من شئى فان لله خمسه وللرسول ولذى القربى واليتمى والمسكين وابن السبيل. فقال اما خمس الله عزوجل فللرسول يضع فى سبيل الله واما خمس الرسول فلاقاربه وخمس ذوى القربى فهم اقرباءه وحدها واليتمى يعطى يتامى اهل بيته فجعل هذه الاربعة اسهم فيهم واما المساكين وابن السبيل فقد عرفت انا لا ناكل الصدقة ولا تحل لنا فهى للمساكين وابن السبيل رواه الصدوق باسناده. (وسائل الشیعہ ج ۶ ص ۳۵۵ کتاب الخمس مطبوعہ تہران)

زکریا بن مالک جعفی جناب امام جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے اس قول "واعلموا انما غنمتم الاية" کے بارے میں اس نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: خمس میں سے اللہ تعالیٰ کا حصہ تو رسول اللہ ﷺ کا ہے وہ اللہ کے راستہ میں جہاں چاہیں خرچ کریں اور حضور ﷺ کا اپنا حصہ تو (آپ کی وفات کے بعد) وہ آپ کے قرابت داروں کا ہے اور قرابت داروں کا حصہ تو وہ صرف اور صرف قرابت داروں کا ہی ہے اور یتیموں کا حصہ اہل بیت کے یتیموں کا ہے لہٰذا یہ چاروں حصے اہل بیت کے لیے ہوں گے رہے مساکین اور مسافر تو تم جان چکے ہو کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے اور نہ ہی ہمارے لیے یہ حلال ہے لہٰذا یہ مساکین اور مسافروں کا ہی ہوگا اسے صدوق نے اپنی اسناد سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، اہل قرابت [illegible] خمس یہ چاروں ذوی القربیٰ (اہل بیت

رسول) کے لیے ہیں اور بقیہ دو حصے ان کا کھانا اہل بیت کے لیے حرام ہے اس لیے وہ مسکینوں اور مسافروں کو دیئے جائیں گے پہلے چار حصوں میں ذوی القربیٰ بلاتحقیق مستحق ہیں یعنی فقیر وغنی سب کو ملے گا یہ روایت امام جعفر صادق سے شیخ صدوق نے کی ہے اس کی تائید تفسیر صافی میں ان الفاظ سے مذکور ہے۔

العياش عن الصادق عليه السلام اما خمس الله فللرسول يضعه فى سبيل الله و اما خمس الرسول فلاقاربه و خمس ذوى القربى فهم اقرباءه واليتامىٰ يتامى اهل بيته فجعل هذه الاربعة الاسهم فيهم واما المساكين و ابن السبيل فقد عرفت انا لا ناكل الصدقة ولا تحل لنا فهى للمساكين وابناء السبيل. (صافی ج ا ص ٦٦٨ سورۃ الانفال زیر آیت واعلموا انما غنمتم الایۃ، مطبوعہ تہران)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عیاش روایت کرتا ہے انہوں نے فرمایا کہ خمس میں سے اللہ کا حصہ تو رسول کریم ﷺ کے لیے ہے وہ اللہ کے راستہ میں اسے صرف فرمائیں گے اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ وہ آپ کے قرابت داروں کا ہے اور قرابت داروں کا آپ کے قرابت داروں کا ہے اور یتیموں کا حصہ اہل بیت کے یتیموں کا ہے ان چار حصوں کو اہل بیت وقرابت داران رسول کے لیے رکھیں گے اور مسکینوں اور مسافروں کا حصہ تو تم جان چکے ہو کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے اور نہ ہی ہمارے لیے صدقہ حلال ہے لہٰذا یہ دو حصے مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہی ہیں۔

(۲) خمس کے چھ حصے تمام کے تمام اہل بیت کے لیے ہیں

عن حماد بن عيسى عن ابراهيم بن عثمان عن سليم بن قيس الهلالى قال خطب امير المومنين و ذكر خطبة طويلة يقول فيها نحن والله عنى (الله) بذى القربى الذين قرننا الله بنفسه وبرسوله فقال فلله وللرسول ولذى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل فينا خاصة الى ان قال ولم يجعل لنا فى سهم الصدقة نصيب فاكرم الله رسوله واكرمنا اهل البيت ان يطعمنا من اوساخ الناس فكذبوا الله وكذبوا رسوله وحجدوا كتاب الله الناطق بحقنا ومنعونا فرضا فرضه الله لنا الحديث.

(وسائل الشیعہ ج ٦ ص ٣٥٧ مسئلہ ٧ باب قسمۃ الخمس، مطبوعہ تہران)

سلیم بن قیس ہلالی بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ نے خطبہ ارشاد فرمایا پھر آپ کا طویل خطبہ ذکر کیا جس میں وہ فرماتے ہیں" ہم بخدا! اللہ تعالیٰ کی مراد ہیں جو اس نے ذوی القربیٰ کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:" فللّٰه و للرسول ولذى القربى و اليتامىٰ والمساكين وا بن السبيل " یہ ارشاد خاص کر ہمارے بارے میں ہے فرماتے ہوئے یہاں تک آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کے حصہ میں ہمارا کوئی حصہ مقرر نہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور ہم اہل بیت پر کرم فرمایا کہ ہمیں لوگوں کا میل کھانے سے بچایا پس لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو جھٹلایا اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور کتاب اللہ کا انکار کیا جو ہمارے حق کو بول کر بیان کر رہی ہے اور انہوں نے اس فرض کو ہم سے روک رکھا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے فرض کیا تھا۔ الحدیث

اس حوالہ میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ خمس کے چھ حقداروں کے تمام حصہ جات ہم اہل بیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختص کر دیئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر اور رسول کریم ﷺ پر خاص کرم ہے کہ اس نے زکوٰۃ کی صورت میں لوگوں کے مال کا میل ہمارے لیے حرام کر دیا اور اس کی بجائے خمس غنیمت بطور حق ہمارے لیے فرض کیا لیکن لوگوں نے ہمیں اب خمس نہ دے کر اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرض کیے ہوئے حق کو ہم سے روک لیا ہے۔

(۳) خمس کے تین حصے نائب رسول کے لیے اور تین آل بیت کے یتیموں کے لیے ہیں

ویقسم علی ستة اسهم سهم الله وسهم الرسول وسهم الامام فسهم الله وسهم الرسول يرثه الامام فيكون للامام ثلاثة اسهم من ستة والثلاثة الاسهم لا يتام آل الرسول صلوات الله عليهم ومساكينهم وابناء سبيلهم وانما صارت للامام وحدة من الخمس ثلاثة اسهم لان الله تعالى قد الزم قد الزمه بما الزم النبى ﷺ من تربية الايتام ومؤن المسلمين وقضاء ديونهم وحملهم فى الحج والجهاد وذالك قول رسول الله ﷺ بما انزل عليه النبى اولى بالمؤمنين من انفسهم وهو اب لهم فلما جعله الله ابا للمؤمنين لزمهم مايلزم الوالد للولد فقال عند ذالك من ترك مالا فللورثة ومن ترك دينا اوضياعا فعلى والى فلزم الامام ما لزم الرسول ﷺ فلذالك صارله من الخمس ثلاثة اسهم. (تفسیر صافی ج ۱ ص ۶۶۸-۶۶۹ زیر آیت واعلموا انما غنمتم آیت نمبر ۴۱ مطبوعہ تہران)

خمس کے چھ حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ دوسرا رسول کریم ﷺ کا اور تیسرا امام کا پس اللہ اور اس کے رسول کے حصوں کا بھی امام ہی وارث ہوگا لہٰذا امام کو چھ میں سے تین حصے ملیں گے اور بقیہ تین حصے آل رسول کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوں گے۔ تنہا امام کے لیے چھ میں سے تین حصے اس لیے مقرر ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امام کے لیے وہ ذمہ داریاں لازم کر دی ہیں جو اس نے رسول ﷺ پر لازم کی تھیں وہ یہ کہ یتیموں کی تربیت و پرورش کرے، مسلمانوں کی تکالیف دور کرے، ان کے قرضہ جات کی ادائیگی کرے، حج کے اخراجات دے اور جہاد کے لیے ساز و سامان عطا کرے اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ قول کرتا ہے جو اس نے اپنے نبی کے بارے میں کہا ''نبی کریم ﷺ مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے خیر خواہ ہیں'' اور حضور ﷺ مؤمنوں کے بمنزلہ باپ کے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مؤمنوں کا باپ بنایا تو پھر آپ پر وہ بات لازم ہوئی جو والد کے لیے اپنی اولاد پر لازم ہوتی ہے آپ ﷺ نے اسی لیے فرمایا: ''جس نے مرنے کے بعد مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کا ہے اور جس نے قرض یا نقصان چھوڑا وہ میرے ذمہ ہے'' لہٰذا اس ارشاد کی روشنی میں امام پر بھی وہی باتیں لازم ہیں جو رسول ﷺ پر لازم تھیں اسی لیے امام کے لیے مال غنیمت کے خمس میں سے تین حصے ہوں گے۔

والخمس اذا اخذه الامام ينبغى ان يقسمه ستة اقسام سهم الله ولرسوله وسهم لذى القربى فهذه الثلاثة الاسهام للامام القائم مقام النبى ﷺ يصرفه فيما شاء من نفقته ونفقة عيال وما يلزمه من تحمل الانفال ومؤن غيره وسهم اليتامى آل محمد والمساكين وسهم ابناء سبيلهم وليس لغيرهم من سائر الاصناف شئ على حال وعلى الامام ان يقسم هذه السهام بينهم على قدر كفايتهم ومؤنهم فى السنة على الاقتصاد ولا يخص فريقا

خمس جب امام اپنے قبضہ میں لے تو اس کے چھ حصے بنانے چاہئیں ایک حصہ اللہ کا دوسرا رسول اللہ کا اور تیسرا قرابت والوں کا یہ تین حصے امام کے ہوں گے جو قائم مقام رسول اللہ ﷺ ہوگا۔ وہ جیسے چاہے اسے خرچ کرے اپنے اخراجات اپنے گھر کے افراد کے اخراجات اس سے پورے کرے اور جنگی انعامات کسی کو دے اور لوگوں کی مشقتیں اس سے پوری کرے اور یتیموں کا حصہ آل محمد کے یتیموں کو دے گا اور مسکینوں کا حصہ اور مسافروں کا حصہ بھی آل رسول کے مابین تقسیم کرے اور ان کو اتنا دے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو اور سال بھر کی مشقت سے چھوٹ

منهم بذالک دون فريقهم بل يعطي جميعهم على ما ذكرنا من قدر كفايتهم ويسوى بين الذكر والانثى فان فضل منه شئ كان له خاصة وان نقص كان عليه ان يتمم من حصة خاصة واليتامى و ابناء السبيل منهم يعطيهم مع الفقر والغنى لان الظاهر يتناولهم ومستحقو الخمس هم الذين قدمنا ذكرهم ممن يحرم عليهم الزكوة الواجبة ذكرا كان اوانثى ومن كانت امه هاشمية وابوه عاميا لا يستحق شيئا ومن كان ابوه هاشميا وامه عاميا كان له الخمس.

(المبسوط ج اص ۲۶۳ فصل فی ذکر قسمۃ الاخماس مطبوعہ تہران)

جائیں ان میں سے کسی فریق کو مخصوص نہ کرے بلکہ سب فریقوں کو دے ان میں مذکر و مؤنث میں مساوات قائم رکھے اگر ان سے کچھ بچ جائے تو وہ امام کا خاص کر ہوگا اور اگر کچھ کم ہو جائے تو امام پر لازم ہے کہ خاص حصہ میں سے اسے پورا کرے اور آلِ رسول کے یتیم اور مسافر انہیں بہر صورت دے خواہ وہ فقیر ہوں یا غنی ہوں کیونکہ آیت کا ظاہر ان سب کو شامل ہے اور خمس کے مستحق وہی حضرات ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں یعنی وہ کہ جن پر صدقات واجبہ لینے حرام کر دیئے ہیں خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث اور وہ شخص جس کی ماں ہاشمی اور باپ غیر ہاشمی ہے وہ خمس میں سے کسی چیز کا مستحق نہ ہوگا اور وہ کہ جس کی ماں غیر ہاشمی اور باپ ہاشمی ہے اسے خمس میں سے ملے گا۔

وثلاثه اسهام وهي بقية الستة (لليتامى) وهم الاطفال الذين لا اب لهم (والمساكين) والمراد بهم هنا مايشمل الفقراء كما في كل موضع يذكرون منفردين (وابناء السبيل) على وجه المذكور في الزكوة (من الهاشميين المنتسبين الى هاشم (بالاب) دون الام انه لا يحل من الخمس شئ الى المطلب اخي هاشم على اشهر القولين.

(اللمعۃ الدمشقیہ ج ۲ ص ۸۰۔۸۱ فصل السادس مطبوعہ نجف اشرف)

(خمس کے مشہور قول کے مطابق چھ حصے کیے جائیں گے) ان میں سے تین حصے یعنی اللہ اللہ کے رسول اور ذوی القربیٰ کے حصے امام یا اس کے نائب کو دیئے جائیں گے اور بقیہ تین حصے تیموں کے لیے (یتیم وہ بچہ جس کا باپ فوت ہو چکا ہو) مسکین کے لیے مسکین سے یہاں مراد وہ شخص جس پر فقیر کی تعریف صادق آتی ہو جیسا کہ انفرادی ذکر کیا جاتا ہے اور مسافروں کے لیے ہوں گے یہ حصہ جات اس وجہ کے موافق ہیں جو زکوٰۃ میں ذکر کی گئی ہے یہ تینوں اقسام ہاشمی ہوں جو کہ باپ کے واسطے سے جناب ہاشم کی طرف منسوب ہوتے ہیں مذکورہ والد کے واسطے سے کیونکہ ماں کے واسطہ سے ہاشمی کہلانے والے ہاشمی النسب نہیں ہوتے اور خمس میں سے ہاشم کے بھائی مطلب کی طرف نسبت رکھنے والوں کو کچھ نہیں ملے گا مشہور قول یہی ہے۔

ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ خمس کے چھ حصوں میں سے تین امام یا نائب امام کے لیے ہوں گے اور بقیہ تین آل ہاشم کی افراد کے لیے ہوں گے خواہ مرد ہوں یا عورت فقیر ہوں یا غنی۔

(٤) جواہر الکلام

عن صادق عليه السلام كان رسول الله ﷺ اذا اتاه المغنم اخذه صفوه فكان ذالك له ثم يقسم مابقي خمسة اخماس ويأخذ خمسه ثم يقسم اربعة اخماس بين الناس الذين قاتلوا عليه ثم

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس جب مال غنیمت آتا تو آپ اس میں جو چیز بہتر سمجھتے رکھ لیتے وہ آپ کی ہو جاتی پھر بقیہ مال غنیمت کے پانچ حصے فرماتے ایک حصہ خود رکھ کر بقیہ چار حصہ جات ان لوگوں میں

قسم الخمس الذی اخذ خمسة اخماس یاخذ خمس الله عزوجل لنفسه ثم یقسم الاربعة اخماس بین ذوی القربی والیتامی والمساکین وابناء السبیل یعطی کل واحد منهما جمیعا وکذا الامام یاخذ اخذ رسول الله ﷺ ... فهم لیتاماهم وسهم لمساکینهم وسهم لابناء سبیلهم یقسم بینهم الکتب والسنة الی ان قال ان فقراء الناس جعل ارزاقهم فی اموال الناس علی ثمانیة اسهم فلم یبق منهم احد وجعل للفقراء قرابة الرسول نصف خمس واغناهم به عن صدقات الناس وصدقات النبی ﷺ وولی الامر فلم یبق فقیر من فقراء الناس ولم یبق فقیر من فقراء قرابة رسول الله ﷺ الا وقد استغنی۔ (جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام ج ۱۶ ص ۸۹ و ص ۱۰۲ مطبوعہ بیروت)

تقسیم فرما دیتے جن کی لڑائی کی وجہ سے یہ مال آیا ہوتا پھر وہ حصہ جو آپ نے رکھا ہوتا اس کے مزید پانچ حصے فرماتے۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا حصہ آپ اپنے لیے رکھ لیتے اور بقیہ چار حصوں کو قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے درمیان بانٹ دیتے ان میں سے ہر ایک کو عطا فرماتے یوں ہی امام کے لیے حکم ہے کہ وہ حضور ﷺ کا سا طریقہ اختیار کرے پس ایک حصہ ان یتیموں کے لیے' ایک حصہ ان مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے ہوگا۔ یہ کتاب وسنت کے مطابق امام تقسیم کرے گا فرمایا کہ لوگوں کے فقراء کا رزق لوگوں کے ہی اختیار میں رکھا گیا ہے جو آٹھ اقسام ہیں ان میں سے کوئی حاجت مند باقی نہ رہا جس کے رزق کا بندوبست نہ کر دیا گیا ہو اور حضور ﷺ کے قرابت دار فقراء کا رزق خمس کا نصف مقرر ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کو عام لوگوں کے صدقات سے بے پرواہ اور غنی کر دیا ہے اور حضور ﷺ اور امراء کے ہاں آنے والی زکوٰۃ سے بھی مستغنی کر دیا ہے اب کوئی فقیر عام لوگوں میں سے ایسا نہ رہا اور نہ ہی کوئی حضور ﷺ کی قرابت میں سے ایسا کوئی رہا کہ جس کی روزی کا بندوبست اللہ تعالیٰ نے نہ کر دیا ہو۔

مذہب امامیہ میں خمس کا مصرف کیا ہے؟ ہم نے چند حوالہ جات ان کی کتب معتبرہ سے پیش کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) خمس کے چھ حصوں میں سے چار حصے حضور ﷺ کے قرابت داروں کے لیے ہیں ان میں کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا بقیہ دو حصے مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوں گے جن میں آل رسول کا کوئی فرد شامل نہ ہوگا (وسائل الشیعہ' صافی)

(۲) خمس تمام کا تمام آل رسول کے لیے ہے (وسائل الشیعہ)

(۳) خمس کے چھ حصوں میں سے تین حصے (اللہ' رسول اور امام کا حصہ) امام کے لیے ہیں جو نائب رسول ہے اور بقیہ تین حصے آل رسول کے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں ان میں امیر وغریب کا امتیاز نہیں ہوگا (صافی' المبسوط' اللمعۃ الدمشقیہ)

(٤) خمس کا پانچواں حصہ حضور ﷺ کا تھا آپ کے بعد امام کو ملے گا اسی پانچویں حصہ کو آل رسول کے فقراء' یتامیٰ اور مسافروں میں بانٹا جائے گا بقیہ چار حصے غازیان اسلام کے لیے ہوں گے۔ (جواہر الکلام)

ان مختلف اقوال میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ خمس میں سے کچھ حصہ (پانچواں حصہ) الگ کر کے امام کے سپرد کیا جائے وہ اپنی صوابدید کے مطابق فقیروں' مسکینوں اور یتیموں اور مسافروں میں تقسیم کرے گا بلکہ خمس پورے کا پورا امام کی صوابدید پر ہے کیونکہ جب خمس حضور ﷺ الگ کرتے تو آپ اپنی صوابدید کے مطابق اسے صرف فرماتے اور امام بھی چونکہ آپ کے قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا اسے بھی یہی صوابدیدی اختیار رہے گا شیعہ لوگوں نے اس کو یوں بیان کیا کہ حضور ﷺ امت کے لیے بمنزلہ والد ہیں اور والد اپنی اولاد میں جس طرح چاہے مال تقسیم کرے وہ اسے بہتر سمجھتا ہے۔ حضور ﷺ وصال شریف کے بعد بالا جماع والاتفاق منصب خلافت وامامت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملا۔ آپ کی خلافت

وامامت برحق تھی۔ اس کی حقانیت خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ''نہج البلاغۃ'' میں ایک خطبہ میں ذکر فرمائی۔ ''میری بیعت ان لوگوں نے کی جنہوں نے ابوبکر صدیق' عمر فاروق کی' کی تھی لہٰذا خلیفہ برحق وہ ہے جس کو شوریٰ چنے اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور حق ہے'' یہ بات بلا شک ہے کہ حضور ﷺ کے بعد عنان خلافت وامارت سیدنا ابوبکر صدیق نے سنبھالی اور اسی طریقہ پر رواں دواں رہے جو حضور ﷺ نے چھوڑا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے خمس کی تقسیم میں جو طریقہ چھوڑا ابوبکر اسی پر گامزن ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب سیدہ خاتون جنت نے باغ فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ میں اس معاملہ میں وہی طرز عمل اختیار کروں گا جو طریقہ حضور ﷺ نے پسند فرمایا تھا شیعہ لوگوں کی معتبر کتاب ''شرح ابن ہیثم'' میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے حلفاً فرمادیا کہ میں اسی طرح کروں گا جس طرح رسول ﷺ کیا کرتے تھے تو اس پر سیدہ فاطمہ راضی ہوگئیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک اس کی تقسیم اسی طرح ہوتی رہی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ خمس اور مال فئے کا مصرف تقریباً ایک جیسا ہی ہے فرق اس قدر ہے کہ مال غنیمت کفار کے ساتھ جنگ کر کے حاصل شدہ مال ہوتا ہے اس کا پانچواں حصہ امام اپنی مرضی سے خرچ کرسکتا ہے اور مال فئے وہ جو جنگ کے بغیر صلح وغیرہ کے طور پر کفار دیں کفار کے ساتھ جنگ کی نوبت نہیں آتی اور وہ مسلمانوں کی ماتحتی قبول کر لیتے ہیں مال فئے کل کا کل حضور ﷺ کی ملکیت ہوتا تھا اس کے مصارف قرآن کریم نے بیان کیے۔ ان مصارف میں حضور ﷺ اپنی مرضی سے تقسیم فرمایا کرتے تھے آپ کے بعد ابوبکر وعمر نے یہی طریقہ اپنایا وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ خمس حضور ﷺ کا مقررہ حصہ ہے اس لیے وہ زبردستی اس پر قبضہ کرسکتے ہیں یہ بات جاہلانہ اور بےعلمی کی آئینہ دار ہے ''بخاری شریف'' میں صاف صاف موجود ہے کہ سیدہ خاتون جنت نے خمس میں سے غلام کو طلب کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اصحاب صفہ زیادہ مستحق ہیں آپ نے سیدہ کو غلام نہ دیا۔ ''بخاری شریف'' میں ہی ایک اور روایت ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس نے حضرت عمر سے اس خمس اور مال فئے کا مطالبہ کیا اور اپنی ملکیت میں لانے کی گفتگو کی تو حضرت عمر نے فرمایا: ملکیت نہیں ہاں تم اس کو تصرف میں لا سکتے ہو۔ جب ان کا تصرف میں جھگڑا ہوگیا تو حضرت عمر نے وہاں کھڑے صحابہ کرام سے حلفاً پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے مال خمس اور مال فئے کسی کی ملکیت میں دیا؟ حاضرین کے ساتھ حضرت علی اور عباس نے بھی اقرار کیا کہ نہیں اس پر حضرت عمر نے اسے قبضہ میں لے لیا۔ پورا واقعہ درج ذیل ہے۔

مالک بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے اہل وعیال میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا اور کہنے لگا کہ امیر المؤمنین کے پاس چلو چنانچہ میں اس کے ہمراہ چل پڑا.... حضرت عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں آپ کا دربان یرفع نامی آیا اور کہا کہ آپ حضرت عثمان' عبدالرحمٰن بن عوف' زبیر اور سعد بن ابی وقاص کو ضرور ملیں کیونکہ وہ دروازہ پر تشریف فرما ہیں آپ سے اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں حضرت عمر نے فرمایا' انہیں اجازت ہے چنانچہ یہ حضرات آئے' سلام کیا اور بیٹھ گئے پھر حضرت عباس نے کہا' اے امیر المؤمنین! میرے اور علی المرتضیٰ کے درمیان تصفیہ کردیجیے ان دونوں میں جھگڑا یہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بطور مال فئے بنی نضیر کا مال دیا تھا حضرت عثمان بولے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فیصلہ کردیجیے اور ایک دوسرے سے نجات دیجیے حضرت عمر نے فرمایا' ٹھہرو میں تمہیں اس کی قسم دیتا ہوں کہ جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ فرما گئے ہیں کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا اور ہم جو کچھ مال چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ حضور ﷺ اپنے مال کے بارے میں یہ فرماتے تھے لوگوں نے کہا بے شک آپ نے ایسے ہی فرمایا تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب علی المرتضیٰ اور عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں تم دونوں بتاؤ کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں بے شک آپ نے فرمایا تھا حضرت عمر نے فرمایا: اب میں تم میں زیر تصفیہ مسئلہ پر گفتگو کرتا ہوں اللہ تعالیٰ

نے بے شک اپنے محبوب ﷺ کو مال غنیمت میں سے ایک چیز مختص کر دی تھی وہ آپ کے سوا کسی کو نہیں دی گئی اس کے بعد حضرت عمر نے یہ آیت پڑھی۔ ما افاء اللّٰہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللّٰہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللّٰہ علی کل شیء قدیر۔ پس یہ خاص رسول کریم ﷺ کے لیے تھا مگر خدا کی قسم تمہیں چھوڑ کر یہ مال حضور ﷺ نے نہیں لیا اور نہ یہ مال صرف تمہیں کو دے دیا ہے بلکہ تم سب کو دیا' سب میں تقسیم کیا یہاں تک اس میں سے یہ مال باقی رہ گیا پس اس مال میں سے رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں کے لیے سال بھر کا خرچہ لے لیتے تھے جو بچ جاتا اسے اس کے مصرف میں خرچ کر دیتے جہاں اللہ کا مال یعنی صدقہ خرچ ہوتا ہے حضور ﷺ تاحیات ایسا ہی کرتے رہے میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم اسے جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں پھر آپ نے حضرت علی اور عباس کو کہا میں تمہیں بھی خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم اس کو جانتے ہو؟ انہوں نے بھی کہا ہاں حضرت عمر نے کہا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو وفات دی۔ ابوبکر نے کہا کہ میں رسول خدا ﷺ کا جانشین ہوں اس مال پر حضرت ابوبکر نے قبضہ کر لیا انہوں نے اس میں وہی طریقہ اپنایا جو حضور ﷺ کا تھا اور خدا جانتا ہے کہ ابوبکر اس میں سچے تھے' ہدایت یافتہ اور نیک تھے' حق کی اتباع کرنے والے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کو وفات دی اور میں ان کا جانشین ہوا اس مال پر قابض رہا اور وہی کچھ کرتا رہا جو حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق کرتے رہے۔ خدا جانتا ہے کہ میں اس میں ہدایت یافتہ' نیک اور حق کے تابع ہوں تم دونوں میرے پاس آئے اور مجھ سے اس بارے میں گفتگو کی' دونوں کی گفتگو ایک جیسی تھی' معاملہ ایک جیسا تھا' عباس اپنے بھتیجے کے مال میں سے اپنا حصہ مجھ سے مانگتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ اپنی بیوی کا حصہ ان کے باپ کے مال سے طلب کرتے ہیں میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے پھر مجھے جب یہ مناسب معلوم ہوا کہ میں اسے تمہاری تحویل میں دے دوں تو میں نے تم سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں اس شرط پر اسے تمہارے سپرد کرنے کو تیار ہوں کہ تم پکا عہد کرو کہ اسے اسی طرح خرچ کرو گے جس طرح حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق نے خرچ کیا تھا اور میں نے اپنے ابتدائی دور خلافت میں کیا۔ تم نے اس شرط پر اسے اپنی تحویل میں لے لیا لہٰذا میں تمہیں اے لوگو! اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم بتاؤ کیا مال اسی شرط پر ان کے حوالے کیا گیا تھا یا نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں شرط یہی تھی اس پر آپ نے ان کے حوالے کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور عباس دونوں سے پوچھا تم بتاؤ کہ کیا اسی شرط پر یا کسی اور شرط پر یہ مال تمہارے حوالہ کیا گیا تھا؟ دونوں نے کہا شرط یہی تھی جس پر آپ نے ہمارے حوالے کیا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے کہ کیا تم مجھ سے اس کے خلاف فیصلہ کرانا چاہتے ہو اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کروں گا اگر تم اس کا انتظام کرنے سے عاجز ہو چکے ہو تو مجھے واپس لوٹا دو میں تمہاری طرف سے اس کے لیے کافی ہوں۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۴۳۵ باب فرض الخمس پارہ ۱۲ مطبوعہ نور محمد کراچی)

لمحہ فکریہ

شیعہ کتب کی چند عبارات ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ان میں باہم اس قدر اختلاف ہے کہ تطبیق ناممکن ہے ہاں ان کی بیش تر عبارات یہ کہتی ہیں کہ خمس کے پانچ یا چھ جتنے بھی حصے کرو اس کی تقسیم امام کی صوابدید پر ہے کیونکہ امام کو رسول کریم ﷺ کی نیابت اور قائم مقامی کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے لہٰذا حضور ﷺ کی ذمہ داریاں آپ کے بعد امام امت پر آن پڑتی ہیں۔

"خمس" امام کے تصرف میں ہوتا ہے اور امام سے مراد بارہ امام یکے بعد دیگرے ہیں۔

شیعوں کا یہ کہنا عقلاً نقلاً باطل ہے

مسئلہ امامت متنازع [illegible] ہے [illegible] ساتھ چند حوالہ جات درج کریں گے تاکہ

قارئین کرام مسئلہ کی حقیقت پر مطلع ہو جائیں شیعہ لوگوں سے ہم یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد آپ کی نیابت کس کو ملی؟ شیعہ لوگ اس کے جواب میں اِدھر اُدھر کی باتوں کا سہارا لے کر کہیں گے کہ نیابت حضرت علی المرتضیٰ کو ملی ان کے بعد ائمہ اہل بیت یکے بعد دیگرے نائب ہوتے رہے۔ حضور ﷺ نے اپنی حیات ظاہرہ مبارکہ میں جماعت صلوٰۃ کرائی' جہاد کے لیے لشکر روانہ فرمائے' مال غنیمت تقسیم کیا اور حاجت مندوں کی ضروریات پوری فرمائیں حضور ﷺ کے یہ کام آپ کے وصال شریف کے بعد حضرت علی المرتضیٰ سرانجام دیتے رہے یا ابوبکر صدیق؟ (مسئلہ امامت کی مکمل تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''عقائد جعفریہ'' کی دوسری جلد ملاحظہ فرمائیں) اس کا جواب جو حقیقت پر مبنی ہے جسے اپنا بیگانہ ہر ایک تسلیم کرتا ہے وہ یہ کہ متواتر نمازوں کی نماز' جہاد پر اسلامی لشکر کی روانگی' مال غنیمت کی تقسیم اور دیگر امور بلا شرکت غیرے حضرت ابوبکر صدیق سرانجام دیتے رہے۔ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد سب سے پہلا لشکر اسلامی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی بھیجا تھا یہ تسلیم ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کے اہم مشیر تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت اجتہاد یہ سے سرفراز فرمایا تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد بالاتفاق جس شخصیت کو مسلمانوں کی سربراہی اور نیابت رسول کے لیے قبول کیا گیا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہی تھی' حضرت علی نہ تھے۔ اگر تمام حقائق کو تسلیم نہ کرتے ہوئے کوئی اسی پر بضد ہے کہ حضور ﷺ کا خلیفہ و نائب بلا فصل حضرت علی المرتضیٰ ہی ہے تو شیعہ مسلک (جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے) کے مطابق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی خلافت و امامت اور نیابت کو غصب کر لیا اب انہی سے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ ''خلافت و امامت'' شیعہ مسلک کے مطابق منصوص من اللہ ہے اس کی مثال بھی ان لوگوں نے لکھی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام' داؤد علیہ السلام اور ھارون علیہ السلام کی خلافت کو قرآن کریم نے بطور نص بیان فرمایا اسی طرح ان کے ہاں حضور ﷺ کی خلافت و نیابت بھی قرآنی نص کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ کے لیے ہے اس عقیدہ اختراعیہ کا صاف صاف اور بالکل آسان سا جواب ہے کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت ''منصوص من اللہ'' تھی تو پھر انہیں ملی کیوں نہیں؟ حضرت آدم' داؤد اور ھارون علیہ السلام کی خلافت کسی نے غصب تو نہیں کی تھی حضرت علی المرتضیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اگر خلافت بلا فصل عطا فرمانے کا فیصلہ فرما دیا تو اس کے خلاف کیوں ہونے دیا گیا؟ پھر یہ بھی مطالبہ ہو سکتا ہے کہ مذکورہ انبیائے ثلاثہ کے نام اور خلافت چونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی لہٰذا وہ تو واقعی منصوص من اللہ ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت آپ کے اسم گرامی کے ساتھ کس پارے' کس سورۃ اور کس آیت میں صراحۃً آئی ہے؟ تیسری بات یہ کہ ان کا یہ قیاس بھی درست نہیں ہے کیونکہ پیغمبر دراصل اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کا پیغمبر ہونا ہی غلط ہے۔ جیسا کہ رجال کشی میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فرمان مذکور ہے۔ فرمایا ''جو ہمیں انبیاء میں شمار کرے اس پر خدا کی لعنت و پھٹکار ہو''۔

ان چند اجمالی باتوں کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ''خمس'' جب امام کا ہے اور اس میں تصرف امام کی صوابدید پر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ذمہ داریاں امام پر آن پڑتی ہیں ائمہ اہلبیت میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ کے بعد جب زمام خلافت سنبھالی اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے وہ چھ ماہ جو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت سے دستبرداری کرنے سے پہلے بحیثیت خلیفہ بسر فرمائے ان دو حضرات نے اقامت صلوٰۃ' تقسیم غنائم' جہاد کے لیے لشکر کی روانگی اور دوسرے حکمرانی کے کام سرانجام دیئے ان کے علاوہ دوسرے دس اماموں نے نہ اقامت صلوٰۃ فرمائی نہ مال غنیمت بانٹا اور نہ ہی اسلامی لشکر کسی مہم پر روانہ کیا کیونکہ انہیں اپنی پوری زندگی منصب خلافت نہ ملا اور یہ بات شیعہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی اس زندگی کو ''تقیہ'' کی زندگی کہتے ہیں بہر حال مملکت اسلامیہ کا انتظام ان

حضرات نے چلایا ان تمام حقائق کے باوجود انہیں نائب رسول کہنا کس طرح درست ہوگا؟ حضور ﷺ کا نائب اور بے بس؟ راقم الحروف نے غلام حسین نجفی شیعی کو بذریعہ خط پوچھا کہ خمس کا مسئلہ اور نیابت رسول کے تعین کا مسئلہ آپ کے عقائد کے مطابق کیسے ثابت ہوتا ہے؟ باوجود اس کے کہ نجفی مذکور شیعوں کا مناظر مجدد اور اس بات کا مدعی ہے کہ میں ہر سنی سے تین پیسے کا خط ملنے پر مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہوں میری باتوں کے جواب میں اِدھر اُدھر کی ہانکنے کے سوا اس کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا بہر حال ہمیں شیعہ کتب سے ایسے حوالہ جات بکثرت ملتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی ضروریات اور ان کی دیکھ بھال ان حضرات کے زمانہ کے خلفاء پوری کرتے رہے۔ بطور نمونہ چار واقعے درج کیے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا واقعہ

محمد بن حنفیہ کی والدہ جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں یہی محمد بن حنفیہ ہیں جنہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل میں اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ بہت بڑے فاضل' صاحب علم تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کی والدہ "حنفیہ" مال غنیمت میں آئیں' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادیں اور حضرت علی المرتضیٰ نے اسے قبول فرمایا ان سے ہی بعد میں "محمد بن حنفیہ" پیدا ہوئے جن کی اولاد "علوی" کہلاتی ہے حضرت علی المرتضیٰ اگر یہ عقیدہ رکھتے کہ امام برحق میں ہوں اور رسول کریم ﷺ کا نائب میں خود ہوں تو ہرگز یہ قبول نہ فرماتے تو معلوم ہوا کہ مال غنیمت کا تقسیم کرنا اور مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنا نائب رسول کا کام ہے اس ذمہ داری کو ابوبکر صدیق نے سرانجام دیا اور علی المرتضیٰ نے اسے قبول کر کے صدیق اکبر کی خلافت و نیابت بلافصل کی عملاً تصدیق فرمادی۔

دوسرا واقعہ

شہنشاہ ایران کی بیٹی "شہربانو" دور فاروقی میں مال غنیمت میں آئی' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے امام حسین رضی اللہ عنہ کی ملک کردیا۔ امام عالی مقام نے انہیں شرف زوجیت بخشا۔ یہی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں حضرت علی المرتضیٰ سمیت تمام صحابہ کرام نے بالاتفاق خلیفہ منتخب کیا۔ خلافت کی ذمہ داریوں کے دوران آپ بھی انہی طریقوں پر کاربند رہے جو حضور ﷺ کے تھے (یعنی مال غنیمت کی تقسیم اسلامی لشکر کی تیاری و روانگی اور اقامت صلوٰۃ ایسی حکومتی ذمہ داریاں) مال غنیمت میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حسنین کریمین کو عطا کرنا خود شیعہ کتب اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

مناقب آل ابی طالب

عن شهر بن حوشب قال لما دون عمر بن الخطاب الدواوين بدأ بالحسن و الحسين عليهما السلام فملأ حجرهما من المال فقال ابن عمر تقدمهما علي ولي صحبة وهجرة دونهما فقال عمر اسكت لا ام لك ابوهما خير من ابيك وامهما خير من امك. (مناقب آل ابی طالب ج ۳ ص ۷۱ فی انہ خیر الخلق بعد النبی مطبوعہ علمیہ قم ایران طبع جدید)

شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت کی تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے سب سے پہلے امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دیا۔ آپ نے ان کی جھولی بھر دی جس پر آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمر نے عرض کیا۔ اباجان! آپ نے ان دونوں کو مجھ پر مقدم کردیا ہے حالانکہ میں صحابی بھی ہوں اور ہجرت بھی کی ان دونوں میں طول صحبت اور مہاجرت نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا چپ کر تیری ماں نہ رہے ان دونوں کا باپ تیرے باپ سے بہتر اور ان کی والدہ تمہاری ماں سے بہتر ہے۔

قارئین کرام! حسنین کریمین نے مال غنیمت لیا' دیا نہیں اور دینے والے' بانٹنے والے عمر بن خطاب ہیں نیابت رسول ﷺ کی ذمہ داری حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرانجام دے رہے ہیں تو نائب رسول اور خلیفۂ برحق حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوئے مال غنیمت قبول کر کے دونوں صاحب زادوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیابت وخلافت کی تصدیق کر دی۔

تیسرا واقعہ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن امام حسن رضی اللہ عنہ نے امام حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو کہا کہ تمہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خرچ پہلی تاریخ کو ملے گا جب پہلی تاریخ آئی تو اس طرح ہوا جیسا امام حسن نے فرمایا تھا امام حسن رضی اللہ عنہ بہت مقروض تھے آپ نے بھیجی ہوئی رقم سے اپنا قرض بھی اتارا اور بقیہ رقم اہل بیت اور اپنے شیعوں پر تقسیم فرمائی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا قرض اس سے ادا کیا اور بقیہ کے تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل بیت اور اپنے شیعوں کو دیا اور دو حصے اپنے عیال کو عطا کیے۔ عبداللہ بن جعفر نے بھی اپنا قرض ادا کیا اور بقیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ملازم کو بطور انعام دیا جب یہ خبر امیر معاویہ کو ملی تو انہوں نے عبداللہ بن جعفر کے لیے بہت سا مال بھیجا۔

(جلاء العیون ج ا ص ۳۹۸ مترجم فصل چہارم' مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس' لاہور)

چوتھا واقعہ

وكان يبعث اليه في كل سنة الف الف دينار سوى الهدايا من كل صنف.

(مقتل ابی مخنف ص ٦ مقدمہ' مطبوعہ نجف اشرف مکتبہ صدریہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ہر سال ایک لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔ یہ ان تحفہ جات اور ہدیہ جات کے علاوہ رقم ہے جو آپ ہر اقسام میں سے امام موصوف کی خدمت میں ارسال کرتے ہیں۔

قارئین کرام! سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے دور خلافت میں امام حسن' امام حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کو گراں قدر تحفہ جات اور ہدایا کے علاوہ نقد رقم عطا کرنا اور ان حضرات کا ہر سال بخوشی اسے قبول کر کے اپنی ضروریات پوری کرنا' ایک طرف اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق تسلیم کرتے تھے دوسرا یہ کہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے عوام کی ضروریات کی دیکھ بھال کرنا ان کی ذمہ داریوں میں سے تھا جسے آپ نے بطریقہ احسن سرانجام دیا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ خود چھ ماہ تک جب خلیفہ رہے تو لوگوں کی ضروریات پوری کرتے رہے کیونکہ نائب رسول ہونے کی وجہ سے یہ آپ کی ذمہ داری تھی جب آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ خلافت سے دستبرداری فرمائی تو اب یہ ذمہ داری ان کے کندھوں سے اتر کر امیر معاویہ پر آن پڑی وہ اس ذمہ داری کو باحسن طریقہ پورا فرماتے رہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ چونکہ خلافت کی ذمہ داری سے دور رہے اس لیے آپ نے جو اس ذمہ داری کے لوازمات تھے ان کو سرانجام دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہ فرمائی بلکہ برضا ورغبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی ضروریات کے مطابق خرچہ وصول فرماتے ان حقائق کے بعد شیعہ لوگ جو اپنی کتب میں بطور قانون اور اصل کے لکھتے ہیں کہ مال غنیمت' مال خمس اور مال فئے کی تقسیم امام کی رائے کے سپرد ہوتی ہے۔ اور امام سے مراد وہ' وہ حضرات لیتے ہیں جو ائمہ اہل بیت کے نام سے مشہور ہیں یہ بالکل غلط اور عقل ونقل کے خلاف ہے تو ثابت ہوا کہ ان تینوں اقسام کے مال کی تقسیم کا اختیار واقعی امام کو ہے لیکن امام سے مراد خلفائے راشدین ہیں اور جو ان کے قائم مقام ہو کر امور سلطنت چلاتے رہے وہ مراد ہیں بارہ اماموں میں سے حضرت علی المرتضیٰ اور امام حسین رضی اللہ عنہما پر یہ ذمہ داریاں پڑیں ان کے علاوہ دیگر ائمہ اہل بیت میں سے کسی نے نہ ان ذمہ داریوں کو اپنے ذمہ لیا اور نہ ہی انہیں امت نے یہ ذمہ داریاں تفویض کیں' کسی امام نے نہ خلافت کا دعویٰ کیا اور نہ عملاً ایسی

کوئی صورت نظر آتی ہے کیونکہ ان کی امامت منصوص من اللہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۸۵- بَابُ الرَّجُلِ يُعْطِي الشَّيْئَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کسی کا فی سبیل اللہ کسی کو کچھ دینے کا بیان

۸۴۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُعْطِي الشَّيْئَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَاِذَا بَلَغَ رَأْسَ مَغْزَاهُ فَهُوَ لَهُ.

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کیا کہ ان سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کوئی چیز فی سبیل اللہ (مجاہدین کو) دے فرمایا: جب وہ چیز میدان جنگ پہنچ جائے تو جس کو بھیجی گئی اس کی ہو جاتی ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا قَوْلُ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا بَلَغَ وَادِيَ الْقُرٰى فَهُوَ لَهُ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَغَيْرُهُ مِنْ فُقَهَائِنَا اِذَا دَفَعَهُ اِلَيْهِ صَاحِبُهُ فَهُوَ لَهُ.

امام محمد رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ قول'' حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جب وہ چیز وادی القریٰ (مدینہ منورہ کی ایک وادی کا نام ہے) تک پہنچ جائے تو اس کی ہو جاتی ہے اور امام ابوحنیفہ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام کہتے ہیں کہ جب بھیجنے والا بھیج دیتا ہے تو اسی وقت جس کی طرف بھیج رہا ہے اس کا مال ہو جاتی ہے۔

اس باب میں مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ کوئی شخص اگر کسی غازی یا مجاہد کو کچھ سامان وغیرہ دیتا ہے تاکہ اس سے وہ لڑائی میں فائدہ اٹھائے تو یہ دی گئی چیز مجاہد کی ملکیت کب بنتی ہے؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق تین اقوال نقل فرمائے۔ حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے کہ جب وہ چیز میدان جنگ میں پہنچ جائے تو غازی اس کا مالک اس وقت ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بقول جب چیز کو لیے غازی وادی قریٰ میں پہنچ جائے تو اس کا مالک ہو جائے گا۔ ''وادی قریٰ'' خیبر کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔ اس کا ذکر اس وجہ سے آیا کہ اکثر و بیشتر جہاد کا مرکز یہی جگہ بنتی تھی۔ تیسرا قول احناف کا ہے۔ وہ یہ کہ غازی کو جب وہ چیز دے دی گئی تاکہ اسے جنگ کے مصارف و ضروریات میں صرف کرے تو اسی وقت وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ تینوں اقوال اپنے اپنے قیاس پر کیے گئے۔ مجاہد یا غازی کو دی گئی چیز اس لیے دی جاتی ہے کہ اسے وہ جہاد میں استعمال کرے۔ اگر اس چیز کو جہاد میں صرف نہ کیا جائے تو دینے والا اپنے مطلب و مقصد سے دور ہو جاتا ہے۔ اس بات کے پیش نظر پہلے دو اقوال میں تو بات واضح ہے کہ جب وہ مال میدان جنگ میں پہنچ گیا یا جہاد کے مرکز میں پہنچ گیا تو بھیجنے والے کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ میرا مقصد پورا ہو رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قیاس یہ ہے کہ جب مجاہد کو جہاد کے لیے کوئی چیز دے دی گئی وہ فوری طور پر تو جہاد میں کام نہیں آ سکتی بلکہ اگر وہ ایسی چیز ہے مثلاً نقدی ہے تو نقدی سے اسے اپنی ضروریات جنگی خریدنا پڑیں گی۔ بازار میں جائے گا' خرید و فروخت کرے گا' پھر وقت آنے پر ان سے جہاد کرے گا۔ لہٰذا ان ابتدائی مراحل میں اسے اس چیز کا مالک قرار نہ دیا جائے تو بہت سی خرابیاں لازم آنے کا خطرہ ہے۔ اس لیے تینوں قیاسی اقوال میں سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول قیاس کے بہت قریب ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی مؤطا میں اس حدیث کو درج ذیل الفاظ سے ذکر فرمایا ہے:

حدثنی یحیی عن مالک عن نافع عن عبد الله بن عمر انه کان اذا اعطی شیئا فی سبیل الله یقول لصاحبه اذا بلغت وادی القری [illegible]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کوئی چیز فی سبیل اللہ عطا کرتے تو جس کو دیتے اسے فرماتے جب تم وادی قریٰ میں پہنچ [illegible] تو تم [illegible] کام یہ چیز تمہاری ہے۔ حضرت سعید بن مسیب

عن مالک عن یحیی ابن سعید ان سعید بن المسیب کان یقول اذا اعطی الرجل الشئی فی الغزو فیبلغ به راس مغزاته فهوله. (مؤطا امام مالک مع زرقانی ج ۳ ص ۱۴ باب نمبر ۳۰۱ حدیث نمبر ۹۹۸-۹۹۹' مطبوعہ بیروت)

میتب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ جب کوئی شخص کوئی چیز جہاد کے لیے دیتا ہے اور لینے والا اسے لے کر میدان جنگ پہنچ جاتا ہے تو وہ اس کی ملکیت ہو جاتی ہے۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ شرط اس لیے لگائی کہ یہ خوف موجود رہتا ہے کہ جس کو وہ چیز دی گئی وہ لڑے بغیر واپس آ جائے۔ تو اس صورت میں اسے جو عطیہ دیا گیا وہ ضائع گیا۔ اور دینے والا اپنی مراد نہ پا سکا لیکن جب وہ اس چیز کو لیے وادی القریٰ میں پہنچ گیا (جو جنگ کی تیاریوں کا مرکز تھا) تو غالب احوال یہی ہوتے ہیں کہ اب وہ جہاد کیے بغیر واپس نہیں آئے گا۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ دی گئی چیز غازی کی ملکیت ہو جاتی ہے خواہ وہ غنی ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا یہ چیز ''صدقہ'' کے حکم میں نہیں ہے'' کچھ اس سے ملتی جلتی بات علامہ عبدالولید باجی نے اپنی کتاب ''المنتقیٰ'' میں کہی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس سے اور بہت سے مسائل کا استخراج فرمایا۔ اگر آپ مطالعہ کرنا چاہیں تو کتاب مذکور کی جلد ۴ ص ۱۷۴ العمل فی من اعطی شیئا فی سبیل اللہ' مطبوعہ قاہرہ پر دیکھ سکتے ہیں۔

۳۸۶- بَابُ اِثْمِ الْخَوَارِجِ وَمَا فِیْ لُزُوْمِ الْجَمَاعَةِ مِنَ الْفَضْلِ

جماعت میں شمول پر ثواب اور اس کے ترک کا عذاب

۸۵۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يَخْرُجُ فِيْكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلٰوتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَاَعْمَالَكُمْ مَعَ اَعْمَالِهِمْ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ تَنْظُرُ فِي النَّصْلِ فَلَا تَرٰى شَيْئًا تَنْظُرُ فِي الْقِدْحِ فَلَا تَرٰى شَيْئًا تَنْظُرُ فِي الرِّيْشِ فَلَا تَرٰى شَيْئًا وَتَتَمَارٰى فِي الْفُوْقِ.

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے وہ محمد بن ابراہیم سے وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا۔ فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کو فرماتے میں نے سنا تم میں سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جن کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو معمولی سمجھو گے اور تم اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں پہنچ جاؤ گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ تم ان کے تیر میں اگر دیکھو گے تو کچھ (خون وغیرہ نشان) بھی تمہیں دکھائی نہ دے گا۔ تم اس کے پھل میں دیکھو گے' کچھ نظر نہ آئے گا تم ان کے تسمہ باندھنے کی جگہ دیکھو گے وہاں بھی کچھ نظر نہ آئے گا ان کا ہر عمل بے اثر اور بے نتیجہ ہوگا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا خَيْرَ فِي الْخُرُوْجِ وَلَا يَنْبَغِيْ اِلَّا لُزُوْمَ الْجَمَاعَةِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارا مسلک یہ ہے کہ امیر سے بغاوت میں کوئی خیر و عافیت نہیں اور جماعت کے ساتھ لزوم ہی میں خیر ہے۔

۸۵۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا.

ہمیں امام مالک نے نافع سے وہ ابن عمر سے خبر دیتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ مَنْ حَمَلَ السِّلَاحَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَاعْتَرَضَهُمْ بِهٖ لِقَتْلِهِمْ فَمَنْ قَتَلَهٗ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ اَحَلَّ دَمَهٗ بِاعْتِرَاضِهِ النَّاسَ بِسَيْفِهٖ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جس نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور تم اس کو قتل کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے سو جس نے اس کو قتل کر دیا اس پر کچھ بھی نہیں (قصاص یا دیت وغیرہ) کیونکہ اس نے مسلمان عوام پر اپنی تلوار کھینچ کر اپنا خون خود حلال کر دیا تھا۔

۸۵۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ اَلَا اُخْبِرُكُمْ اَوْ اُحَدِّثُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ كَثِيْرٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَاِيَّاكُمْ وَالْبِغْضَةَ فَاِنَّمَا هِيَ الْحَالِقَةُ.

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی کہ انہوں نے سعید بن مسیب سے یہ کہتے ہوئے سنا کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں جو نماز وصدقہ کی کثرت سے بہت بہتر ہے سب نے کہا: ہاں بتائیے تو انہوں نے فرمایا: لوگوں کے درمیان صلح کرانا' تم بغض سے بچنا کیونکہ یہ (استرے کی طرح) مونڈنے والا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں پہلی روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی زبانی حضور ﷺ کے غیب جاننے کی ایک خبر دے کر فرمائی۔ ایسی قوم کی نشاندہی فرمائی کہ ان کی نمازیں' صدقات اور قرأت قرآن بظاہر اس قدر خوبصورت دکھائی دیں کہ لوگ ان کے مقابلہ میں اپنی نمازوں' صدقات اور قرأت قرآن کو نہ ہونے کے برابر سمجھیں گے۔ لیکن وہ دین و ایمان سے ایسے نکل چکے ہوں گے کہ جس طرح تیر کمان سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ صرف کمان ہی نظر آتی ہے تیر کا کہیں نام و نشان نہیں۔ یہ تیر کسی جانور کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا لیکن اس پر خون وغیرہ کا کوئی نشان نہیں۔ حضور ﷺ کی دی ہوئی یہ خبر ویسے ہی ظاہر ہوئی جیسے آپ نے فرمایا۔ امام بخاری نقل فرماتے ہیں:

حدثنا ابو اليمان اخبرنا شعيب عن الزهري اخبرني ابو سلمة بن عبد الرحمن اخبرنا ابا سعيد الخدري قال بينما نحن عند رسول الله ﷺ وهو يقسم قسما اتاه ذو الخويصرة وهو رجل من بني تميم فقال يا رسول الله ﷺ اعدل فقال ويلك ومن يعدل اذا لم اعدل قد خبت وخسرت ان لم اكن اعدل فقال عمر يا رسول الله ﷺ ائذن لي فيه اضرب عنقه فقال له دعه فان له اصحابا يحقر احدكم صلوته مع صلوتهم و صيامه مع صيامهم يقرؤن القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية ينظر الى نصله فلا يوجد فيه شئ ثم ينظر الى رصافه فلا يوجد فيه شئ ثم ينظر الى نضيه وهو قدحه فلا يوجد فيه شئ ثم ينظر الى قذذه فلا يوجد فيه شئ قد سبق الفرث والدم آيتهم رجل اسود احدى عضديه مثل ثدي المراة

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ہم رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ اس وقت مال تقسیم فرما رہے تھے اتنے میں بنو تمیم کا ایک شخص ذوالخویصرہ نامی آیا' اس نے کہا یا رسول اللہ! عدل کیجئے آپ نے فرمایا: تیرے لیے تباہی! کون عدل کرے گا اگر میں عدل نہیں کروں گا؟ تو ذلت و نقصان میں پڑا اگر میں عدل نہ کروں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے اس کی گردن مارنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: اسے دفع کرو' اس کے کچھ ساتھی ایسے ہوں گے کہ تم میں سے کوئی شخص ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اپنی نماز کو حقیر جانے گا۔ اپنے روزے کو ان کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر سمجھے گا' وہ قرآن پڑھیں گے جو ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا' دین سے ایسے نکل چکے ہوں گے جیسا کمان سے تیر نکل جاتا ہے' اس کے پھل کو دیکھا جائے تو کچھ بھی اس میں نہ پایا جائے پھر اس کے پکڑنے کی جگہ پر نظر ڈالی جائے وہ بالکل خالی اور اس کے پھل اور پکڑنے کی جگہ کے درمیان والا حصہ دیکھا جائے تو وہاں بھی کچھ

او مثل البضعة وتدودر ویخرجون علی حین فرقة من الناس قال ابو سعید خدری فاشهد انی سمعت هذا الحدیث من رسول الله ﷺ واشهد ان علی بن ابی طالب قاتلهم وانا معه فامر بذالک الرجل فالتمس فاتی به حتی نظرت الیه علی نعت النبی ﷺ الذی نعته. (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۹ پارہ ۱۴ باب قال النبی ﷺ ینام عینی ولا ینام قلبی مطبوعہ کراچی)

نظر نہ آئے حالانکہ وہ (جانور کے) گوبر اور خون میں سے گزر کر باہر آیا ہے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ ایک سیاہ رنگ کا آدمی ہے اس کے بازوؤں میں سے ایک بازو عورت کے پستان کی مانند یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہوگا اور پھڑ کتا ہوگا' یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگ مختلف ٹکڑوں میں بٹ چکے ہوں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث حضور ﷺ سے سنی اور میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ لڑی جب کہ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اس (نشانی والے شخص) کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے ڈھونڈ کر آپ کے پاس لایا گیا۔ میں نے اسے واقعی اسی صفت ونشانی کا پایا جو حضور ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔

بخاری شریف کی مذکورہ روایت کی تشریح علامہ الدہر جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی فیصل آبادی نے اپنی تصنیف ''تفہیم البخاری'' میں ان الفاظ سے فرمائی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یمن سے سونا بھیجا جسے سید عالم ﷺ نے چار اشخاص میں تقسیم کیا تو ذوالخویصرہ نے آتے ہی اعتراض کیا کہ اس تقسیم میں عدل و انصاف کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ ابوداؤد نے اس کا نام ''نافع'' ذکر کیا ہے۔ بعض نے اس کا نام ''حرقوص بن زہیر'' ذکر کیا ہے۔ علامہ سہیلی نے نافع کو ترجیح دی ہے۔ اس کے جواب میں سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور آپ عدل و انصاف قائم کرنے تشریف لائے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ نے عدل نہیں کیا تو جو کوئی اعتراف کرتا ہے کہ آپ کو نبی بھیجا گیا ہے اور اس کے باوجود یہ کہے کہ آپ نے انصاف نہیں کیا تو وہ خائب و خاسر ہے۔ کیونکہ انصاف نہ کرنے والا خائن ہے اور خائن کو اللہ تعالیٰ اچھا نہیں جانتا۔ چہ جائیکہ اس کو نبی و رسول مبعوث فرمائے۔ لہٰذا حدیث کا معنی یہ ہے کہ اے اعتراض کرنے والے! تجھ پر میری اتباع واجب ہے اور اگر میں انصاف نہ کروں تو' تو خسارے میں پھنس کر رہ گیا۔ اسی لیے علامہ کرمانی نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر میں نے عدل نہ کیا تو' تو خائب و خاسر ہو گیا کیونکہ تو اس کی تابعداری کرتا ہے جو عدل و انصاف نہیں کرتا۔

یہ کلام سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس معترض کی گردن اڑا دوں کیونکہ نبی پر اعتراض کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اس بدبخت نے اللہ کے غضب کو دعوت دی ہے لہٰذا یہ واجب القتل ہے۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا اس کی گردن مت اڑاؤ اس کے ساتھی ہیں جو صلوٰۃ و صوم کے پابند ہوں گے۔ تم ان کے مقابلہ میں اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھو گے لیکن اللہ ان کو قبول نہیں کرے گا۔ اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ سرور کائنات ﷺ نے ان کو قتل کرنے سے منع فرما دیا حالانکہ آپ نے فرمایا: اگر میں اس کو پاؤں گا تو ان کو قتل کر دوں گا اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان کی کثرت ہو جائے گی اور وہ مسلح ہو جائیں گے اور مسلمانوں سے تعرض کرنے لگیں گے تو ان کو قتل کرنا مباح ہو جائے گا اور ان کے قتل سے منع کرتے وقت یہ سبب موجود نہ تھا۔ اس لیے آپ نے قتل سے منع کیا تھا۔ (شرح السنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کا ظہور

ہوا اور ان کی کثرت ہوئی۔ تو انہوں نے ان سے جنگ کی حتیٰ کہ وہ کثیر تعداد میں قتل ہوئے۔ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں تو آپ نے فرمایا: معاذ اللہ لوگ یہ باتیں کریں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہوں۔ اسماعیلی نے کہا سید عالم ﷺ نے اس شخص کو اس لیے قتل نہ کیا کہ اس نے وہ چیز ظاہر نہ کی تھی جس کے باعث اس کو قتل کرنا ضروری ہوتا۔ اور اگر ایسے شخص کو قتل کر دیا جس کا ظاہر لوگوں کی نظر میں اچھا ہو اور ابھی اسلام کو استحکام بھی نہ ہوا ہو اور نہ ہی لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوا ہو تو ان حالات میں ایسے شخص کو قتل کرنا اسلام سے نفرت کا باعث بننے کا احتمال تھا۔ اس لیے آپ نے اس کو قتل کرنے سے روک دیا اور سید عالم ﷺ کے بعد جب انہوں نے اپنی رائے کو ظاہر کیا اور مسلمانوں کی جمعیت سے خروج کیا اور امام الوقت کی مخالفت کی اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کی قدرت حاصل کر لی تو ان سے جنگ ترک کرنا جائز نہ تھا۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کر کے ان کی قوت کا خاتمہ کیا۔ اگر سوال پوچھا جائے کہ مغازی میں عبدالرحمٰن بن ابی نعیم نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے نبی پاک ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی میرے خیال میں وہ خالد بن ولید تھے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ خالد بن ولید نے اس شخص کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے قتل کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ چنانچہ "مسلم" کی ایک روایت سے اس کی تائید ملتی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا میں اس کی گردن نہ اڑاؤں؟ تو آپ نے فرمایا: ایسا مت کریں پھر وہ شخص چلا گیا۔ تو حضرت خالد بن ولید اٹھے اور عرض کیا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اس کی گردن اڑا دوں؟ اس کو بھی آپ نے منع فرمایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں ذکر کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں نے اس کے قتل کی اجازت چاہی تھی۔ لیکن اشکال پیدا ہوتا ہے کہ خالد بن ولید کو یمن بھیجا گیا تھا۔ ان کے بعد حضرت علی کو یمن بھیجا گیا اور جو سونا تقسیم ہو رہا تھا وہ حضرت علی نے بھیجا تھا۔ جیسا کہ ابو سعید کی حدیث میں ہے حالانکہ خالد بن ولید یمن میں تھے تو اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کرنا غیر مفہوم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یمن پہنچے تھے تو حضرت خالد بن ولید وہاں سے واپس مدینہ منورہ آگئے تھے اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سونا بھیجا تھا جسے چار اشخاص میں آپ ﷺ نے تقسیم کیا تھا تو خالد اس وقت موجود تھے۔

قولہ یمرقون آہ۔ یعنی وہ دین اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے اور انہیں دین اسلام سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس حدیث سے ان لوگوں نے ان خوارج کے کفر پر استدلال کیا ہے لیکن اگر دین سے مراد امام کی اطاعت ہو تو استدلال تام نہ ہوگا۔ جیسا کہ علامہ خطابی نے کہا ہے ابوبکر بن عربی نے "شرح ترمذی" میں خوارج کے کفر کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا وہ اسلام سے نکل جائیں گے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے خوارج کے اسلام سے نکل جانے کو تیر سے تشبیہ دی ہے جو شکار میں داخل ہو کر اس سے نکل جاتا ہے اور تیزی سے نکل جانے کے سبب شکار کے جسم سے تیر کو خون اور غلاظت وغیرہ میں سے کچھ نہیں لگتا۔ ایسے ہی خوارج اگرچہ قرآن پڑھیں گے' نماز اور روزے کریں گے لیکن ان سے انہیں کچھ ثواب حاصل نہ ہوگا۔

(تفہیم البخاری ج ۱۰ ص ۲۸۵۔۲۸۷ مطبوعہ جدید پرنٹرز اردو بازار لاہور)

مذکورہ حدیث کی مزید وضاحت

وفی روایة اقبل رجل غائر العینین ناتئ الجبهة کث اللحية شرف الوجنتين محلوق الرأس فقال یا محمد اتق الله فقال من يطع الله اذا عصيته

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک ایسا شخص آگے آیا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئیں' پیشانی ابھری ہوئی' داڑھی بہت گھنی' رخسار اٹھے ہوئے اور سر مونڈا ہوا تھا۔ کہنے لگا یا محمد! خدا کا خوف کرو۔

فیا منی اللہ علی اهل الارض ولا تامنونی فسأل رجل قتله فمنعه فلما ولی قال ان من ضئضئی هذا قوما یقرؤن القران لا یجاوز حناجرهم یمرقون من الاسلام مروق السهم من الرمیته فیقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان لئن ادرکتهم لا قتلنهم قتل عاد متفق علیه. (مشکوٰۃ شریف ص۵۳۵ باب المعجزات فصل اول' مطبوعہ نور محمد کراچی)

آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہی اللہ کا نافرمان ہو جاؤں تو اس کی اور کون اطاعت بجالائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین والوں پر امین بنا کر بھیجا ہے اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے۔ پھر ایک شخص نے اس کے قتل کرنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے منع فرما دیا۔ پھر جب وہ وہاں سے واپس پلٹا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی کوکھ سے کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کریم پڑھیں گے جوان کے گریبان سے نیچے نہیں اترے گا۔ اسلام سے وہ ایسے نکل چکے ہوں گے جس طرح تیر کسی ایسی چیز سے پار ہو جاتا ہے جسے تیر مارا گیا ہو اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے' اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ اگر مجھے ایسے لوگ مل جائیں تو میں انہیں قوم عاد کی طرح تہ تیغ کر دوں۔

حدثنا عبدالرحمن بن ابو نعیم قال سمعت ابا سعید الخدری یقول بعث علی ابن ابی طالب الی رسول اللہ ﷺ من الیمن بزهیبة فی ادیم مقروظ لم یحصل من ترابها قال فقسمها بین اربعة نفر بین عنیة بن بدر و اقرع بن حابس وزید الخیل والرابع اما علقمة واما عامر بن الطفیل فقال رجل من اصحابه کنا نحن احق بهذا من هولاء قال فبلغ ذالک النبی ﷺ فقال الا تأمنونی وانا اعین من فی السماء یاتینی خبر السماء صباحا ومساء قال فقام رجل غائر العینین مشرف الوجنتین ناشز الجبهة کث اللحیة محلوق الرأس مشمر الازار فقال یارسول اللہ اتق اللہ قال ویلک اولست احق اهل الارض ان یتقی اللہ قال ثم ولی الرجل قال خالد بن الولید یارسول اللہ الا اضرب عنقه قال لا لعله ان یکون یصلی فقال خالد وکم من مصل یقول بلسانه مالیس فی قلبه قال رسول اللہ ﷺ انی لم اومران القلب علی قلوب الناس ولا اشق بطونهم قال ثم نظر الیه وهو مقفی فقال انه یخرج من ضئضئی هذا قوم یتلون کتاب اللہ لا یجاوز حناجرهم یمرقون من الدین کما یمرق

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یمن سے حضور ﷺ کے ہاں دباغت کیے گئے چمڑے میں کچھ سونا بھیجا جس کی مٹی ابھی صاف نہ کی گئی تھی۔ ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آپ نے وہ سونا چار اشخاص کے درمیان تقسیم فرمایا۔ عنیہ بن بدر' اقرع بن حابس' زید الخیل اور چوتھا یا تو علقمہ تھے یا عامر بن طفیل تھے۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم ان لوگوں کی بہ نسبت زیادہ حقدار تھے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ یہ بات حضور ﷺ تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں زمین و آسمان دونوں کا امین ہوں۔ میرے پاس صبح و شام آسمانوں سے خبریں آتی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی' رخسار ابھرے ہوئے' ماتھا اونچا' داڑھی گھنی' سر مونڈا ہوا اور تہبند اٹھائے ہوئے تھا کہنے لگا یا رسول اللہ! خدا سے ڈریئے۔ آپ نے فرمایا: تجھے ہلاکت ہو کیا میں تمام زمین والوں سے اس بات کا زیادہ حق نہیں رکھتا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈروں؟ ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ پھر یہ شخص چلا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اجازت طلب کی کہ کیا میں اس کی گردن نہ اڑادوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ نمازی ہو۔ حضرت خالد نے عرض کیا' بہت سے نمازی ایسے ہوتے ہیں جو زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو

السـهـم مـن الرمية واظنه قال لئن ادركتهم لاقتلنهم قتـل ثـمـود. (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۲ باب بعث علی ابن ابی طالب پارہ نمبر ۱۷ مطبوعہ نور محمد کراچی)

ان کے دل میں نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دل الٹ پلٹ کر دیکھوں اور نہ ہی ان کے پیٹ پھاڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے پھر اس کو دیکھا وہ پیٹھ پھیر کر جا رہا تھا' فرمایا کہ اس شخص کی کوکھ سے ایسی قوم جنم لے گی جو کتاب اللہ کو پڑھے گی' وہ ان کے سینوں سے نیچے نہیں اترے گی' دین سے اس طرح نکل چکے ہوں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے اور میں (ابو سعید خدری) گمان کرتا ہوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میں ان کو پاؤں تو قوم ثمود کی طرح قتل کروں۔

قارئین کرام! ذوالخویصرہ نامی اس شخص کا تفصیل سے مختصر کتب سے واقعہ ہم نے ذکر کیا۔ اسے نہ تو حضور ﷺ نے خود قتل کیا اور نہ ہی قتل کرنے کی اجازت دی بلکہ تقدیر میں جو مقدر ہو چکا تھا آپ نے اس کی تصریح فرما دی کہ اس کی نسل سے بے دین لوگ پیدا ہوں گے جو مسلمانوں کو قتل کریں گے پھر ان کا قلع قمع ہو جائے گا۔ احادیث کے تمام شارحین نے لکھا کہ ذوالخویصرہ کی قوم اور اس کی گستاخ نسل "خارجی" لوگ تھے جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور آپ نے ان کا صفایا کر دیا۔ اس حدیث پاک کے ضمن میں ایک اہم موضوع پر تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل کہ ہم وہ گفتگو شروع کریں کتب احادیث کی شروحات میں سے حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی "مرقات شرح مشکوٰۃ" کا صرف ترجمہ پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ آنے والی بحث کی بنیاد فراہم ہو سکے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اگر میں نے ان کو پایا تو ضرور قتل کر دوں گا۔ (اس کلام میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے۔ ملا علی قاری اس کا جواب دیتے ہیں) کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے قتل کو اس وقت مباح قرار دیا جب ان کی تعداد کافی ہو جائے گی اور مسلح ہو کر وہ مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے۔ یہ معنی چونکہ ابھی ان میں موجود نہ تھا اس لیے حضور ﷺ نے ان کے قتل سے منع فرما دیا۔ ان کی بکثرت نفری جو سب سے پہلے موجود ہوئی وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰ نے ان سے جہاد کیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے کثیر تعداد ماری گئی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حسن اخلاق کا مظاہرہ فرما کر قتل نہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ اگر آپ اسے مارتے یا مرواتے تو بظاہر یہی بات اس کی اس کا حصہ بنتی کہ ذوالخویصرہ نے چونکہ حضور ﷺ کی گستاخی کی تھی اس لیے آپ نے اس سے گستاخی کا انتقام لے کر قتل کر دیا اور ایسا کرنا آپ کے شایان شان نہ تھا۔ مختلف روایات میں ذوالخویصرہ کے الفاظ گستاخانہ میں کمی بیشی مروی ہے۔ مثلاً ایک روایت ہے کہ اس نے کہا "اعـدل" دوسری میں "اتـق الله" اور تیسری میں "مـا عـدل منها" کے الفاظ منقول ہیں۔ ان میں سے ہر ایک لفظ ایسا گستاخانہ لفظ ہے کہ جس کی سزا وجوب قتل ہے۔ لیکن مذکورہ وجوہ کی بنا پر آپ نے اسے قتل نہ کیا۔ (ملا علی قاری لکھتے ہیں) ہمارے دور میں اگر کوئی شخص الفاظ مذکور کہے تو اس پر ارتداد اور کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور اس کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کے کچھ تابعدار ایسے ہوں گے جن کی حضور ﷺ نے علامات بیان فرمائیں وہ یہ کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں کمیت اور کیفیت میں حقیر سمجھے گا۔ یعنی وہ نماز بہت پڑھیں گے۔ (یعنی پنجگانہ نماز فرضی کے علاوہ نوافل' مسنونہ وغیر مسنونہ ادا کریں گے) اور یہ کہ ان کے روزوں کے مقابلہ میں تم اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے' قرآن کریم کی ہر وقت تلاوت میں

مصروف نظر آئیں گے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت تجوید' ترتیل اور حروف مخارج کا بہت زیادہ اہتمام کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی تلاوت ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے اعمال قبولیت کے لیے اوپر نہیں چڑھیں گے اور ان کی قرأت بھی مقبول نہ ہوگی۔ حضور ﷺ نے ان کی مثال جو تیر سے دی کہ وہ ایمان سے ایسے نکلے ہوئے ہوں گے جیسا کہ تیر اپنے نشانہ سے نکل جاتا ہے۔ یعنی گوشت' پوست اور گوبر وغیرہ سے اس طرح نکلتا ہے کہ اس تیر کے کسی حصہ پر جانور کی کسی چیز کا کوئی نشان واثر دکھائی نہیں دیتا۔ اس طرح یہ لوگ ایمان سے ایسے نکلیں گے کہ ان میں ایمان کی کوئی علامت اس کا کوئی اثر دکھائی نہ دے گا۔ حدیث پاک کا معنی یہ ہوا کہ ان کا بدن اگرچہ تکالیف شرعیہ (یعنی احکام شرعیہ) کو بجالائے گا۔ یوں کہ وہ روزے بھی رکھیں گے' نماز بھی قائم کریں گے' قرآن بھی پڑھیں گے لیکن ان کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ان کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہیں کہ ان کی آنکھیں گھڑی تھیں' پیشانی ابھری تھی' داڑھی گھنی تھی' سر مونڈے ہوئے تھے۔ ان علامتوں والے نے کہا۔ ''یا محمد اتق اللہ''۔ ''محلوق الرأس'' یعنی سر منڈے کے لفظ حضور ﷺ نے ان کی علامت کے طور پر اس لیے ارشاد فرمائے کیونکہ سر منڈوا کر وہ اپنے آپ کو بہت صاف وستھرا گردانتے تھے۔ ان کا سر منڈوانا حقیقت میں حضرات صحابہ کرام کے سر منڈوانے کے خلاف تھا۔ کیونکہ صحابہ کرام صرف احرام کھولنے کے وقت سر منڈواتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''من ضئضئی ھذا القوم'' اس قوم کی نسل میں سے اس کا مطلب یہ ہے کہ گستاخ لوگ اسی گستاخ کے نسب سے ہوں گے یا اس کے عقیدہ پر ہوں گے جو اس ذوالخویصرہ کا ہے' یہ قوم وہ ہوگی جو مسلمانوں کو کافر ثابت کر کے ان سے جنگ کرے گی اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱۱ ص ۱۸۴۔۱۸۶ مکتبہ امدادیہ ملتان باب المعجزات)

''بخاری شریف'' اور ''مرقات'' کی مذکورہ عبارات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

(۱) جب ذوالخویصرہ نے حضور ﷺ کو کہا ''اتق یا اعدل'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت خالد بن ولید دونوں نے حضور ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی جس سے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ ان حضرات کے نزدیک گستاخی رسول بنتے تھے اور ایسے کی سزا ان کے نزدیک قتل تھی (اس کی تفصیل انشاء اللہ چند سطور بعد آ رہی ہے)۔

(۲) حضور ﷺ نے ذوالخویصرہ کے قتل سے منع کر دیا اور فرمایا کہ اس کے خاندان میں اس کے ہم عقیدہ پیدا ہوں گے۔ وہ بہت نمازی ہوں گے' روزہ دار ہوں گے' قرآن کریم بہت اچھا پڑھیں گے لیکن ایمان کی رمق بھی ان میں نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ گستاخ رسول کا کوئی عمل قبول نہیں وہ جو کچھ اعمال صالح بجالاتا نظر آتا ہے وہ بے سود ہیں کیونکہ گستاخی کی وجہ سے وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

(۳) اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب ﷺ کو علم تقدیر اور آنے والی نسل کے حالات پر مطلع فرما دیا تھا۔ اس لیے آپ نے تقدیر کو جانتے ہوئے ذوالخویصرہ کے قتل کی ممانعت فرمادی تھی تاکہ اس کی نسل سے جو گستاخ آنے مقدر ہو چکے ہیں وہ آئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا فرمانا کہ ''اس کی کوکھ سے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالخویصرہ کی نسل جو اس کی پشت سے منتقل ہو کر پیدا ہونے والوں کی ماؤں کے رحم تک پہنچی تھی حضور ﷺ کو ان تمام کا علم تھا۔ گویا ''علم مافی الارحام'' آپ کو عطا فرمایا گیا۔

(٤) حضور ﷺ نے ذوالخویصرہ کی نسل کے ایک آدمی کا حلیہ اور اس کی کچھ علامات بیان فرمائیں کہ اس کا کندھا عورت کے پستان کی طرح حرکت کرے گا' امام برحق کے خلاف جنگ کرے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ پیش آیا۔ خارجیوں سے آپ نے جہاد کیا جو جنگ نہروان کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت علی

المرتضیٰ کو ان علامات کا علم تھا۔ خارجیوں کے پشتے لگنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ حضور ﷺ کی ارشاد فرمائی ہوئی علامتوں والے آج واصل جہنم ہوئے ہیں لہٰذا ان کی علامات دیکھی جائیں چنانچہ حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ میں بھی تلاش کرنے والوں میں شامل تھا۔ ایک شخص کی لاش بہت سی لاشوں کے نیچے سے ملی اس کا حلیہ بعینہٖ وہی تھا جو حضور ﷺ نے بیان فرمایا تھا۔ اس واقعہ نہروان کے پیش نظر اور حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض فقہائے کرام نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ خارجی واجب القتل ہیں لیکن گستاخ رسول ﷺ خواہ کوئی ہو وہ واجب القتل ہے یہ حکم آج بھی نافذ ہے۔

نوٹ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خارجیوں سے جنگ ''جنگ صفین'' کے بعد ہوئی۔ کیونکہ جنگ صفین کے بعد ''دومۃ الجندل'' کے مقام پر حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان مصالحت کے لیے دو حکم مقرر ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص تھے فیصلہ ان پر چھوڑ دیا گیا۔ خارجی جو حضرت علی المرتضیٰ کی فوج میں تھے انہوں نے ''ان الحکم الا للّٰہ'' کا نعرہ بلند کیا اور کہنے لگے ہمیں صرف اللہ کا حکم کافی ہے کسی اور کو حکم مقرر کرنا کفر ہے پھر حضرت علی المرتضیٰ کی فوج سے الگ ہو گئے اور حضرت علی کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو گئے یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی فوج کے ہاتھوں مرنے والے دو قسم کے آدمی تھی ایک وہ جو حضرت امیر معاویہ کے لشکر میں تھے اور دوسرے خارجی تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں مرنے والے خارجیوں کے بارے میں یہ حکم نہ دیا کہ حضور ﷺ کی بتلائی ہوئی نشانیوں والا خارجی ان میں تلاش کر و لیکن جب مکمل خارجیوں سے لڑائی ہوئی تو پھر اس موصوف کو تلاش کرنے کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کے نزدیک کافر اور مرتد خارجی وہ تھے جو ذوالخویصرہ کی نسل سے تھے' اس کے ہم عقیدہ تھے انہی کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ دین سے یوں نکلے ہوئے ہوں گے جس طرح تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے۔ حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان جو جنگ ہوئی یہ دونوں کے اجتہاد کا نتیجہ تھی اس میں اگرچہ حضرت علی المرتضیٰ حق پر تھے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ غلطی ''اجتہادی غلطی'' تھی جس پر مواخذہ کی بجائے ثواب کا وعدہ ہے۔ اس کی مفصل بحث ہماری کتاب ''دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ'' دیکھی جا سکتی ہے۔

(۵) حضور ﷺ نے گستاخانِ شانِ رسالت کی جو نشانیاں بیان فرمائیں داڑھی گھنی ہونا' شلوار یا تہبند اونچا ہونا' سر مونڈے ہوئے ہونا یہ علامات جن لوگوں میں پائی جاتی ہیں ان کی نیکی اور پرہیز گاری کو دیکھ کر کہیں ان کا قرب حاصل نہ کرنا۔ ملا علی قاری نے ''مرقات'' میں انہی علامتوں پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ (محلوق الراس) ای لا دعاء المبالغة فی النظافة لتاکید فی قطع التعلق و هو مخالفة ظاهرة لما علیه اکثر اصحابه ﷺ ابقاء شعر رأسه و عدم حلقه الا بعد فراغ النسک (ج ۱۱ ص ۱۸۵' مکتبہ امدادیہ ملتان) سر مونڈے ہوئے یعنی صفائی اور ستھرے پن میں مبالغہ کے لیے سر مونڈ نا یا مونڈ وانا تھا۔ آپ کا ان علامات کو بیان فرمانا اس لیے ہے کہ لوگ ایسی علامتوں والوں سے تعلق منقطع کر لیں اور یہ وصف حضور ﷺ کے اکثر صحابہ کی ظاہری مخالفت کرتا ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرام اپنے سر کے بال (منڈ واتے نہیں بلکہ) انہوں نے اپنے بالوں کو اپنے سروں پر رہنے دیا اور ان کو اگر منڈ وایا ہے تو وہ بھی حج کے ارکان واحکام پورے کر لینے کے بعد منڈ وایا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ نشانیاں کسی ایک آدمی کے متعلق نہیں بلکہ دشمنان رسول اور ذوالخویصرہ کی نسل کی یہ علامتیں ہیں ایسی علامتوں والوں سے ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو حتی الامکان بچنا چاہیے یہی وہ لوگ ہیں جو مشرکین و کفار سے تو جنگ نہیں کرتے لیکن حضور ﷺ کے ادب کرنے والوں کو ''مشرک و بدعتی'' کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اب ہم اپنے وعدہ کے کے مطابق امر اول میں ضمناً ہونے والی بات کی وضاحت کرتے ہیں۔ لہٰذا مختلف اکابرین امت کے اقوال ''گستاخ رسول'' کے بارے میں ملاحظہ ہوں:

گستاخ رسول ﷺ کے بارے میں حضور ﷺ سے چند واقعات بمعہ تفصیل

(۱) گستاخ رسول ابورافع ابوالحقیق کے قتل کا واقعہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے چند انصار کو ابورافع یہودی کے پاس بھیجا جن کا امیر حضرت عبداللہ بن عتیک کو بنایا۔ ابورافع حضور ﷺ کو بہت اذیتیں پہنچاتا تھا اور آپ کے نقصان کے درپے رہتا' وہ حجاز کی زمین میں اپنے قلعہ میں مقیم رہتا تھا جب یہ انصار اس کے پاس پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے اپنے مویشیوں کو شام کے وقت اپنے اپنے گھر لا چکے تھے' عبداللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا' تم یہاں بیٹھو میں ابورافع کے دربان سے کوئی عمدہ سا حیلہ کر کے اندر جانے کی کوشش کرتا ہوں پھر قلعہ کی جانب روانہ ہوئے چلتے چلتے دروازہ کے قریب پہنچے پھر اپنے آپ کو کپڑے میں یوں چھپا لیا جس طرح پاخانہ پھرتے وقت لپیٹا جاتا ہے' قلعہ والے اندر جا چکے تھے دربان نے انہیں (عبداللہ کو) قلعہ کا ہی آدمی سمجھا اور آواز دی کہ بندۂ خدا اگر اندر آنا ہے تو آ جاؤ ورنہ میں دروازہ بند کر رہا ہوں میں اٹھا اور اندر چلا گیا جب دربان نے تمام دروازے بند کر کے انہیں تالے لگا کر کنجیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دیں تو میں نے چاہا کہ کنجیاں لے لوں چنانچہ کنجیاں لے کر میں نے دروازہ کھولا' ابورافع قصہ کہانیوں کا بڑا مشتاق تھا جب بالا خانہ پر سے کہانیاں سنانے والے چلے گئے میں اس کی طرف بڑھا جب کوئی دروازہ کھولتا اسے اندر سے بند کر لیتا اور دل میں یہ خیال تھا کہ اگر لوگوں نے مجھے دیکھ لیا اور پکڑنے کی کوشش کی تب بھی میں ابورافع کو قتل کر چکا ہوں گا میں جب اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ اندھیرے میں اپنے بچوں سمیت سوتا ہے لیکن مجھے اس کے خاص مقام کا علم نہ تھا کہ وہ کس جگہ آرام کر رہا ہے؟ میں نے ابورافع کہہ کر آواز دی اس نے پوچھا کون ہے؟ چنانچہ جدھر سے آواز آئی اس طرف چل پڑا اور ڈرتے ڈرتے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ خالی گیا وہ چلایا میں تھوڑی دیر کے لیے کمرہ سے باہر آ گیا پھر اندر گیا اور میں نے کہا ابو رافع یہ کیسی آواز تھی؟ اس نے کہا تیری ماں پر مصیبت پڑے ابھی ابھی کسی نے مجھے تلوار سے وار کیا ہے عبداللہ کہتے ہیں اب میں نے ابورافع پر بھرپور اور زوردار وار کیا لیکن وہ بھی خالی گیا پھر میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی وہ اس کی پیٹھ کی طرف سے باہر نکل گئی۔ تب مجھے پتہ چلا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ پھر میں ایک ایک دروازہ کھولتا زینہ تک پہنچا اور میرا یہ خیال تھا کہ میں اب زمین پر آ گیا ہوں چنانچہ جب زینہ کو زمین سمجھ کر میں نے پاؤں رکھا تو زوردار آواز سے میں نیچے گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے اپنے عمامہ کی اس پر پٹی باندھی اور نکل کر دروازہ پر بیٹھ گیا اور یہ ارادہ کیا جب تک مجھے ابورافع کے مرنے کی صحیح خبر نہ ملے اس وقت تک میں یہاں سے نہیں نکلوں گا سحر کے وقت مرغ بولا اور ادھر موت کی خبر سنانے والے نے دیوار پر کھڑے ہو کر اعلان کرنے لگا میں اہل حجاز کے سوداگر ابورافع کے مرنے کی خبر سناتا ہوں' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا چلو چلو میں نے ابورافع کو قتل کر دیا ہے جب حضور ﷺ کو میں نے ابورافع کے قتل کا قصہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا پاؤں پھیلا میں نے پھیلایا تو آپ نے اس پر اپنا دست شفا پھیرا وہ یوں تندرست ہو گیا جیسے اس میں کوئی تکلیف وشکایت تھی ہی نہیں۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن عتبہ کو چند آدمیوں کے ساتھ ابورافع کے پاس بھیجا۔ یہ حضرات چلتے چلتے قلعہ کے پاس پہنچے' عبداللہ بولے تم ٹھہرو میں جا کر دیکھتا ہوں کہ کیا کرنا چاہیے؟ عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عجیب بہانہ بنایا تا کہ قلعہ میں جا سکوں اتفاقاً قلعہ والوں کا گدھا گم ہو گیا تھا وہ لوگ مشعل لے کر اس کی تلاش میں نکلے یہ دیکھ کر مجھے فکر لاحق ہوئی کہ کہیں وہ مجھے پہچان نہ لیں چنانچہ میں نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنے آپ کو اس طرح کپڑے میں لپیٹ لیا جس طرح پاخانہ پھرتے وقت کیا جاتا ہے اور پاخانہ کرنے کی حالت میں بیٹھ گیا پھر دربان نے آواز دی کہ جو اندر آنا چاہتا ہے آ جائے میں دروازہ بند کرنے والا ہوں چنانچہ اس کے دروازہ بند کرنے سے پہلے ہی میں اندر چلا گیا اور قلعہ کے

قریب ایک جگہ میں چھپ گیا جہاں گدھے باندھے جاتے تھے ابو رافع کے ساتھیوں نے اس کے ساتھ بیٹھ کر شام کا کھانا کھایا پھر باتوں میں لگ گئے جب رات کی ایک گھڑی گزر گئی' وہ سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے' ہر طرف خاموشی تھی' کوئی آواز مجھے سنائی نہ دیتی تھی' تب میں اس جگہ سے باہر آیا میں نے دربان کو دیکھ لیا تھا کہ اس نے قلعہ کی کنجی کہاں رکھی تھی؟ چنانچہ اس سوراخ میں سے میں نے کنجی نکال لی اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اگر قلعہ والے مجھے دیکھ بھی لیں گے تب بھی میں آسانی سے نکل جاؤں گا میں نے پہلے یہ تدبیر کی کہ لوگوں کے کمروں اور گھروں کے دروازے باہر سے بند کر دوں چنانچہ ایسا کرنے کے بعد میں ابو رافع کی طرف بڑھا دیکھا کہ وہ ایک اندھیری کوٹھڑی میں ہے جس کا چراغ گل ہو گیا ہے۔

اندھیرے کی وجہ سے مجھے اس کی صحیح جگہ معلوم نہ ہو سکی میں نے آواز دی ابو رافع! وہ بولا کون ہو؟ میں اس کی آواز کی طرف چل پڑا اس پر وار کیا وہ چیخا میرا وار خالی گیا تھا میں پھر اس کے بعد آواز تبدیل کر کے غمگسار اور ہمدرد کے روپ میں آیا قریب آ کر میں نے پوچھا ابو رافع کیا ہوا ہے؟ وہ بولا تو حیران ہوگا تیری ماں مصیبت میں پڑے کسی نے مجھ پر تلوار کا وار کیا ہے' عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں میں نے اب دوسری مرتبہ اس پر وار کیا اس سے بھی اس کا کام تمام نہ ہوا وہ چلایا اس کی بیوی جاگ گئی میں پھر آواز بدل کر ہمدرد کے بھیس میں قریب گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابو رافع سیدھا پشت پر لیٹا ہوا ہے چنانچہ میں نے اپنی تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی اور اس پر اپنا پورا بوجھ ڈال دیا حتیٰ کہ مجھے اس کی ہڈی کی آواز سنائی دی میں وہاں سے دوڑتا ہوا سیڑھی کے پاس آیا تا کہ نیچے اتر جاؤں ناگاہ زمین پر گر پڑا میرا پاؤں اتر گیا میں نے اس پر پٹی باندھی اور آہستہ آہستہ اپنے ساتھیوں کو آ کر کہا کہ تم جلدی سے جا کر حضور ﷺ کو خوشخبری سنا دو میں یہیں ٹھہرتا ہوں جب تک کہ اس کی موت کی تصدیق نہ ہو جائے میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا صبح کے وقت موت کی خبر دینے والے نے اونچی جگہ کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں ابو رافع کی موت کی خبر سناتا ہوں۔ عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں میں نے جب چلنے کا ارادہ کیا تو خوشی کی وجہ سے پاؤں میں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی اور میں اس قدر جلدی میں چلا کہ اپنے ساتھیوں سے پہلے میں نے خود حضور ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۷۔۵۷۸ مطبوعہ نور محمد کراچی)

احمد بن عبدالحلیم المعروف ابن تیمیہ کے گستاخ رسول کے بارے میں چند واقعات

(۲) قتل ابی عفک

عمارہ بن خزیمہ سے ہمیں حدیث بیان کی گئی انہیں ابو مصعب اسماعیل بن مصعب بن اسماعیل بن زید بن ثابت نے اپنے شیوخ سے حدیث بیان کی کہ بنو عمرو بن عوف کا بوڑھا ابو عفک نامی جس کی عمر ۱۲۰ برس ہو چکی تھی حضور ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد یہ شخص لوگوں کو آپ کی عداوت پر اکساتا تھا خود بھی اسلام سے دور رہا جب حضور ﷺ بدر کی طرف تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم کامیابی سے ہمکنار فرمایا تو اس بوڑھے کو نہایت صدمہ ہوا اور حسد میں جل بھن گیا اور کھلے عام بغاوت کر دی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس نے ایک قصیدہ کہا جس میں اس نے حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی جی بھر کر ہجو کی۔ اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

تسلبهم امرهم راکب　　　　حراماً حلالاً لشتی معاً

"ان کے تمام معاملات اور اختیارات ایک ایسے سوار نے چھین لیے خواہ وہ حلال ہوں یا حرام محض اس لیے تا کہ سردی کا موسم گزارے"۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے تمام امور اپنے تصرف میں لے لیے ہیں وہ خواہ حلال ہوں یا حرام سردی گزارنے کے لیے انہوں نے یہ جو اختیار کیا اس میں اجمالی قسم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (معاذ اللہ)

ادھر سالم بن عمر رضی اللہ عنہ نے نذر مانی کہ میں ابوعفک کو ضرور قتل کروں گا یا اس کے ہاتھوں خود قتل ہوں جاؤں گا' ابوعفک کو کچھ مہلت دی تا کہ اس کے قتل کرنے کے لیے ٹھوس منصوبہ بندی کی جا سکے حتیٰ کہ گرمی کی ایک رات کو بنوعمرو بن عوف کے صحن میں سویا ہوا تھا کہ جناب سالم بن عمیر نے آتے ہی اس کے جگر پر تلوار رکھی اور اس زور سے دبائی کہ اس کی نوک زمین تک پہنچ گئی اس پر وہ دشمن خدا چلایا اس کے بعد اس کے خیر خواہ اور ہم عقیدہ و ہمدرد اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے اسے اٹھایا اور کمرے میں لے گئے جہاں وہ مر گیا پھر انہوں نے اسے دفن کر دیا پھر کہنے لگے خدا کی قسم! اگر اس کے قاتل کا ہمیں علم ہو جائے تو ہم اسے لازماً قتل کر دیں گے .....ابوعفک یہودی کے قتل کا واقعہ کعب بن اشرف کے قتل سے پہلے کا ہے' ابوعفک ذمی تھا.....اس واقع سے ثابت ہوا کہ ذمی سے بھی جب رسول اللہ ﷺ کی شان میں سب وشتم واقع ہو تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور اسے دھوکہ سے قتل کرنا جائز ہے لیکن چونکہ یہ مغازی کی روایت میں سے ہے اس لیے اس میں یہ صلاحیت ہے کہ یہ تردد کے بغیر مقید اور مؤید ہو۔

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۱۰۴-۱۰۵' مطبوعہ مصر واقعہ ابوعفک یہودی تصنیف ابن تیمیہ)

(۳) انس بن زنیم

عبداللہ بن عمرو بن زہیر نے محجن بن وھب سے روایت کیا کہ بنوخزاعہ اور بنو کنانہ کے مابین عرصہ سے عداوت چلی آ رہی تھی اس حال میں ایک شخص انس بن زنیم دیلی نے حضور ﷺ کی ہجو کی جسے بنوخزاعہ کے ایک آدمی نے سن لیا اس نے انس بن زنیم کو زخمی کر دیا' انس بن زنیم زخمی حالت میں اپنی قوم کے پاس آیا اور اپنے زخمی ہونے کا حال بیان کیا تو ان کے درمیان پھر سے عداوت بھڑک اٹھی جو پہلے سے چلی آ رہی تھی عمرو ابن سالم چالیس سواروں کی معیت میں مدد طلب کرنے کے لیے نکلا تا کہ رسول کریم ﷺ کی ہجو پر جوان کو تکلیف ہوئی اس کی خبر حضور ﷺ کو کریں۔ عمرو بن سالم خزاعی نے اس قصیدہ کا ذکر کیا جس میں انس بن زنیم نے حضور ﷺ کی ہجو کی تھی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔ **لاھم انی ناشد محمدا** ۔ میں حضور ﷺ کو بے چین کرنے والا ہوں اور آپ کی تشہیر کرنے والا ہوں راوی کہتا ہے کہ جب بنوخزاعہ کے سواروں نے یہ ہجویہ قصیدہ سنا تو رسول کریم ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی' یارسول اللہ ﷺ! انس بن زنیم نے آپ کی شان میں جو ہجویہ قصیدہ کہا ہے آپ ﷺ نے اس کا خون مباح قرار دے دیا جب یہ خبر انس بن زنیم کو پہنچی تو وہ آپ کے پاس معذرت کے لیے آیا کہ میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے میں معذرت چاہتا ہوں اور اس کے آپ کی روح میں ایک قصیدہ کا ذکر کیا جب حضور ﷺ کو جب اس کی معذرت اور حمدیہ قصیدہ کی اطلاع ہوئی تو نوفل بن معاویہ دیلی نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ رسول کریم ﷺ لوگوں کو معاف کرنے میں سب سے اولیٰ ہیں اور وہ لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں انہوں نے نہ تو آپ سے عداوت کی اور نہ ہی آپ کو ستایا دور جاہلیت میں ہمیں یہ خبر نہ تھی کہ کس چیز کو اختیار کریں اور کس کو چھوڑ دیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے واسطہ سے ہمیں ہدایت عطا فرمائی' ہمیں ہلاکت و بربادی سے بچایا اور جن گھوڑے سواروں نے آپ کو بنوخزاعہ کی طرف سے اس قسم کی اطلاع دی ہے وہ جھوٹی ہے انہوں نے اس میں زیادتی کی ہے لہٰذا آپ ان گھوڑے سواروں کو اپنے دربار سے دور کر دیجیے ہم کسی بھی قرابت دار کو متہم نہیں پاتے اس کے الفاظ یہ تھے۔ **دع الرکب عنک فان لم نجد بتھامۃ احد من ذی رحم قریب ولا بعید کان ابر من خزاعہ** ۔ اس کے بعد نوفل بن معاویہ خاموش ہو گئے تو حضور ﷺ نے اسے معاف کر دیا نوفل بولا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ (الصارع المسلول ص ۱۰۵-۱۰۷' مطبوعہ مصر)

انس بن زنیم کو اگرچہ قتل نہیں کیا گیا لیکن معافی سے قبل اس کے قتل کی اجازت خود حضور ﷺ نے دے دی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا قتل ہے۔ اگر نوفل بن معاویہ کی طرف سے انس بن زنیم کے مدحیہ قصیدہ کی توثیق و

تائید نہ ہوتی اور حضور ﷺ سے درگذر فرمانے کی درخواست نہ کی گئی ہوتی تو انس بن زنیم کی سزا قتل تھی جس سے اس کا بچنا ناممکن تھا بہرصورت گستاخ رسول کا خون گرانا مباح قرار دیا گیا ہے۔

(٤) اسماء بنت مروان

الحدیث السادس قصة اسماء بنت مروان ماروی عن ابن عباس قصة قال هجت امراة من خطمة النبی ﷺ فقال (من لی بها) فقال رجل من قومها انا یارسول الله فنهض فقتلها فاخبر النبی ﷺ فقال "لا ینتطح فیها عنزان" وقد ذکر بعض اصحاب المغازی وغیرهم قصتها مبسوطة. قال الواقدی حدثنی عبدالله بن الحارث بن الفضیل عن ابیه ان اسماء بنت مروان من بنی امیه بن زید کانت تحت یزید بن زید بن حصن الخطمی وکانت تؤذی النبی ﷺ وتعیب الاسلام وتحرض علی النبی ﷺ ... وقال عمیر بن عدی الخطمی حین بلغه قولها و تحریضها اللهم ان لک علی نذراً لئن وردت رسول الله ﷺ الی المدینة لاقتلها و رسول الله ﷺ ببدر فلما رجع رسول الله ﷺ من بدر جاء عمیر بن عدی فی جوف اللیل حتی دخل علیها فی بیتها وحولها نفر من ولدها نیام منهم من ترضعه فی صدرها فجسها بیده فوجد الصبی ترضعه فنحاه عنها ثم وضع سیفه علی صدرها حتی انفذه من ظهرها ثم خرج حتی صلی الصبح مع النبی ﷺ فلما انصرف النبی ﷺ نظر الی عمیر فقال اقتلت بنت مروان قال نعم بابی انت یارسول الله وخشی عمیر ان یکون افتات علی رسول الله ﷺ بقتلها فقال هل علی فی ذالک شیء یارسول الله؟ قال لا ینتطح فیها عنزان فان اول ما سمعت هذه الکلمة من رسول الله ﷺ قال عمیر فالتفت النبی ﷺ الی من حوله فقال اذا

چھٹی حدیث: اسماء بنت مروان کا قصہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ قبیلہ خطمہ کی ایک عورت نے نبی کریم ﷺ کی ہجو کی (گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ بولے) حضور ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے لیے اٹھے اور اس سے بدلہ لے؟ اس کی قوم کا ہی ایک مرد اٹھا اور کہنے لگا میں ہوں' یارسول اللہ۔ وہ اٹھا اور اسے قتل کر ڈالا۔ پھر جب حضور ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا ''اس میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہے'' بعض اصحاب مغازی وغیرہ نے ایک طویل قصہ بیان کیا ہے واقدی نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن حارث نے اپنے باپ سے یہ بات سنائی کہ اسماء بنت مروان نامی عورت یزید بن خطمی کے نکاح میں تھی اور رسول کریم ﷺ کو تکلیف دیتی تھی' اسلام کو عیب دار کرتی اور لوگوں کو حضور ﷺ کے خلاف بھڑکاتی اور عمیر بن عدی نے کہا جبکہ اس عورت کی یہ باتیں ان تک پہنچیں اے اللہ! میں تیرے لیے نذر مانتا ہوں اگر تو نے رسول کریم ﷺ کو بسلامت مدینہ منورہ لوٹایا تو میں اس عورت کو ضرور بالضرور قتل کروں گا اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ بدر میں تشریف لے گئے تھے پھر جب رسول ﷺ بدر سے واپس تشریف لے آئے تو عمیر بن عدی آدھی رات کے وقت اس عورت کے گھر داخل ہوئے اس وقت اس عورت کے اردگرد اس کے بچے بھی سوئے ہوئے تھے اور ایک ان میں سے اس نے اپنی چھاتی پر لٹایا تھا جسے دودھ پلا رہی تھی تو عمیر نے ہاتھوں سے ٹٹولا پتہ چلا کہ بچہ دودھ پی رہا ہے تو عمیر اس سے پیچھے ہٹ گئے پھر انہوں نے اپنی تلوار اس عورت کے سینے پر رکھی حتی کہ وہ سینے کو چیر کر پیٹھ سے جا نکلی پھر جناب عمیر وہاں سے چل دیئے یہاں تک کہ نماز صبح انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ جماعت میں ادا کی جب حضور ﷺ نے نماز کے اختتام پر عمیر کو دیکھا تو پوچھا کیا تو نے مروان کی بیٹی قتل کردی ہے؟ کہنے لگے' آپ پر خوف ہوا کہ کہیں

جیتم ان رجل نصر الله ورسوله بالغیب فانظروا الی عمیر بن عدی فقال عمر بن الخطاب انظروا الی هذا الاعمی الذی تسری فی طاعة الله فقال لا تقل الاعمی ولکنه البصیر فلما رجع عمیر من عند رسول الله ﷺ وجد بنیها فی جماعة یدفنونها فاقبلوا الیه حین راوه مقبلا من المدینة فقالوا یا عمیر انت قتلها؟ فقال نعم فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون والذی نفسی بیده لو قلتم باجمعکم ماقالت لضربتکم بیسفی هذا حتی اموت او اقتلکم فیومئذ ظهر الاسلام فی بنی خطمة و کان منهم رجال یستخفون بالاسلام خوفا من قومهم. قال حسان بن ثابت یمدح عمیر بن عدی قال الواقدی انشدنا عبدالله بن الحارث بنی وائل و بنی واقف' و خطمة دون بنی الخروج' حتی ما ادعت اختکم ویحها بعولتها والمنایا تجی' فهزت فتی ماجد اعرقه کریم المداخل والمخرج' ففرجها من نجیع الماء.... قبیل الصباح ولم تخرج فاورده الله برد الجنا. نجذلان فی نعمة المولج' قال عبدالله بن الحارث عن ابیه وکان قتلها بخمس لیال من رمضان مرجع النبی ﷺ من بدر. (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۹۵۔۹۶ قصہ اسماء بنت مروان الخطمیہ 'مطبوعہ مصر)

اس نے رسول کریم ﷺ کی ذات مقدس پر فتوئی نہیں لگایا کہ اس کا قتل آپ کے کہنے سے ہوا لہٰذا پوچھا' یارسول اللہ! اس قتل کرنے پر مجھ پر کوئی قصاص یا دیت وغیرہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس واقعہ سے تجھ پر کوئی بات لازم نہیں آتی جناب عمیر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی زبان اقدس سے میں نے یہ کلمہ نہیں سنا تھا عمیر بیان کرتے ہیں پھر حضور ﷺ نے ان لوگوں کی طرف توجہ فرمائی جو آپ کے اردگرد بیٹھے تھے اور فرمانے لگے اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس کی اللہ اور اس کے رسول نے غائبانہ مدد فرمائی وہ عمیر بن عدی کو دیکھ لیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا اس نابینا کو دیکھو جو اللہ کی بندگی میں ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اسے اندھا نہ کہو یہ تو انکھیارا ہے پھر جب عمیر بن عدی حضور ﷺ کی مجلس مبارک سے لوٹے تو دیکھا کہ اس عورت کو اس کے بچے دفن کرنے لے جارہے ہیں تو جب انہوں نے عمیر کو مدینہ منورہ سے واپس آتے دیکھا تو ان کی طرف لپکے اور پوچھنے لگے' اے عمیر تو نے اس عورت کو قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے قتل کیا ہے تم سب مل کر میرا جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم نے بھی وہی الفاظ کہے جو اس مرنے والی عورت نے کہے تھے تو میں تمہیں اپنی اس تلوار سے اس وقت تک ماروں گا جب میں مرجاؤں یا تمہیں واصل جہنم کردوں۔ اس دن بنوخطمہ میں اسلام کا ظہور ہوا۔ اس قبیلہ کے کچھ لوگ ایسے تھے جو اسلام کو معمولی سمجھتے تھے اور اس کا استخفاف کیا کرتے تھے کیونکہ انہیں اپنی قوم کا خوف لاحق تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت عمیر بن عدی کی شان میں چند اشعار کہے واقدی کہتا ہے کہ یہ شعر ہمیں عبداللہ بن حارث نے پڑھ کر سنائے عبداللہ بن حارث اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اس عورت کا قتل رمضان شریف کے خاتمہ کو ابھی پانچ دن باقی تھے (یعنی ۲۵ رمضان المبارک) ہوا۔ جب حضور ﷺ بدر سے واپس تشریف لائے۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے گستاخ کا قلع قمع کرنا ضروری ہے کیونکہ اس عورت کے قصہ کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا' اے صحابہ! اگر تم نے ایسا شخص دیکھنا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول نے مدد کی تو وہ عمیر بن عدی کو دیکھ

لے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو یہ مقام و مرتبہ کس عمل سے ملا؟ یہی کہ انہوں نے گستاخۂ رسول کو قتل کرنے کی نذر مانی تھی جسے بعد میں پورا کر دیا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا گستاخ واجب القتل ہے اور اسے قتل کرنے والا اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہے۔

(۵) کعب بن اشرف یہودی

عمرو ابن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے سنا' وہ کہتے تھے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کعب بن اشرف کے قتل کی ذمہ داری کون اٹھاتا ہے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت ایذاء پہنچائی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ آپ کو یہ پسند ہے کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا' ہاں' محمد بن مسلمہ نے اجازت چاہی کہ مجھے کوئی حیلہ بنانے دیا جائے آپ نے فرمایا تمہیں اس کی اجازت ہے محمد بن مسلمہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ محمد نے ہم سے صدقہ مانگا ہے اور اس نے ہمیں ستا رکھا ہے میں تجھ سے کچھ قرض لینے آیا ہوں۔ کعب بن اشرف بولا' ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا تم اس سے بہت زیادہ پریشانی اٹھاؤ گے محمد بن مسلمہ بولے چلو جو ہوگا لیکن اب تو اس کا اتباع کر لیا ہے اور ابھی ہم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے جب تک اس کا مکمل طرز عمل سامنے نہیں آ جاتا۔ بھائی تمہارے پاس ایک یا دو وسق قرض لینے آیا ہوں۔ سفیان راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عمرو ابن دینار سے کئی مرتبہ یہ حدیث بیان کی لیکن ایک یا دو وسق کا ذکر نہ کیا جب میں نے کہا کہ اس حدیث میں ایک وسق یا دو وسق کا ذکر ہے تب وہ بولے کہ میرا خیال ہے کہ ایک وسق یا دو وسق کا ذکر ہے بہر حال پھر کعب بن اشرف نے کہا میرے پاس کچھ رہن رکھ دو انہوں نے پوچھا کیا رہن رکھنا چاہتے ہو؟ کعب بولا تم اپنی عورتوں کو رہن میرے پاس رکھ دو انہوں نے کہا کہ ہم اپنی عورتوں کو تیرے پاس کیسے رہن رکھ سکتے ہیں تو عربوں میں سے انتہائی خوبصورت آدمی ہے کعب نے کہا پھر بیٹوں کو رہن رکھ دو وہ بولے انہیں کیوں رہن رکھ دیں؟ کیونکہ جوان سے لڑے گا وہ یہ طعنہ دے گا' تو تو وہ ہے جو ایک وسق یا دو وسق کے عوض رہن رکھا گیا تھا اور ہم اسے عار سمجھتے ہیں ہاں بطور رہن ہم اپنے ہتھیار رکھ سکتے ہیں سفیان نے لفظ "لامہ" کی تفسیر ہتھیار سے ہی کی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کعب سے پھر کسی وقت ملاقات کا وعدہ کیا رات کے وقت کعب کے پاس آئے ان کے ساتھ ان کے دودھ پینے کے ساتھی ابو نائلہ کعب بن اشرف بھی تھے۔ کعب نے انہیں قلعہ پر بلوایا اور خود ان کے پاس آنے لگا اس کی بیوی بولی اس وقت تم کہاں جا رہے ہو؟ کعب نے جواب دیا یہ دو آدمی محمد بن مسلمہ اور میرا بھائی ابو نائلہ ہی ہیں (ان سے کوئی ڈرنے کی بات نہیں) سفیان کہتے ہیں کہ مجھ سے عمرو کے علاوہ ایک اور شیخ نے کہا کہ کعب کی عورت بولی اور کہنے لگی مجھے ایسی آواز سنائی دیتی ہے جس میں سے خون ٹپکتا ہے اس کے جواب میں کعب نے کہا یہ صرف میرا بھائی محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ دو ہی آدمی ہیں شریف آدمی کو تو اگر رات کے وقت تیر مارنے کے لیے بلایا جائے تو وہ آ جاتا ہے پھر کعب نے کہا' محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ اپنے ساتھ دو اور آدمی لے کر اندر آ جائیں کسی نے سفیان سے پوچھا کہ عمرو نے ان دو کا نام بتایا سفیان بولے انہوں نے بعض کا نام بتایا اور کہا کہ محمد بن مسلمہ اپنے ساتھ دو اور آدمیوں کو لے کر اندر آ گئے عمرو کے علاوہ کسی اور نے کہا وہ ابو عبس بن جبر اور حارث بن اوس اور عباس بن بشر تھے عمرو کہتے ہیں محمد بن مسلمہ اپنے ساتھ دو آدمیوں کو لائے اور ان سے کہہ دیا کہ جب کعب بن اشرف آئے گا تو میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑ لیے ہیں تو تم اسے جلدی سے مارنے لگنا ایک دفعہ عمرو نے کہا کہ محمد بن مسلمہ نے کہا میں نے آج جیسی خوشبو کبھی نہیں دیکھی اور عمرو کے سوا اوروں نے کہا کہ کعب نے جواب دیا کہ میرے پاس عرب عورتوں میں سے سب سے زیادہ معطر رہنے والی اور سب سے باکمال عورت ہے' عمرو نے کہا محمد بن مسلمہ نے پوچھا مجھے اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں محمد بن مسلمہ نے سونگھا اپنے ساتھیوں کو سونگھایا پھر محمد بن مسلمہ نے کہا مجھے دوبارہ سونگھنے کی اجازت ہے اس نے کہا ہاں جب محمد بن مسلمہ نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور ساتھیوں سے کہا اسے مارو ساتھیوں نے اسے مار ڈالا اور رسول اللہ ﷺ کو اس کے قتل کی خوشخبری سنائی۔ (صحیح بخاری)

(٦) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

سعد بن ابی سرح کو حضور ﷺ نے کتابت وحی کی ذمہ داری سپرد کی تھی۔ لیکن اس نے کتابت میں خیانت کی اور مرتد ہو کر مدینہ منورہ سے مکۃ المکرمہ آ گیا رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اس کے خون کو مباح قرار دے دیا۔ فتح مکہ کے دن یہ حضرت عثمان غنی کے پاس آیا کیونکہ یہ حضرت عثمان کا رضاعی بھائی تھا' حضرت عثمان سے کہنے لگا اے بھائی! خدا کی قسم! میں تیرے ہاں پناہ لیتا ہوں لہٰذا مجھے اپنے ہاں پناہ دو اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر میرے متعلق گفتگو کرو اگر حضور ﷺ نے مجھے دیکھ لیا تو میرے سر کو اڑانے کا حکم دیں گے کیونکہ میرا جرم معمولی نہیں ہے اب میں اس پر توبہ کرتا ہوں حضرت عثمان نے فرمایا: ایسے نہیں بلکہ تم میرے ساتھ چلو ابن سرح بولا کہ اگر حضور ﷺ نے مجھے دیکھ لیا تو کسی توقف کے بغیر مجھے قتل کر دیں گے کیونکہ آپ نے میرے خون کو مباح قرار دے دیا ہے اور آپ کے صحابہ میری گرفتاری کے لیے ہر مقام میں تلاش کر رہے ہیں' عثمان غنی نے پھر فرمایا تم میرے ساتھ چلو۔ انشاء اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں قتل نہیں کریں گے حضور ﷺ نے جب دیکھا تو عبداللہ بن ابی سرح کو حضرت عثمان پکڑے ہوئے آپ کے سامنے کھڑے تھے' عثمان غنی نے حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کی ماں نے مجھے گود اٹھایا اور اس کو قدموں پر چلایا' مجھے دودھ پلاتی رہی اور اس کا دودھ چھڑوا دیا اس کی بہ نسبت مجھ پر زیادہ مہربان تھی لہٰذا آپ عبداللہ بن ابی سرح کو میرے حوالہ کر دیں یہ سن کر حضور ﷺ نے منہ پھیر لیا' عثمان غنی نے دو چار مرتبہ یہی درخواست گزاری لیکن حضور ﷺ ہر وقت اعراض فرما لیتے۔ عثمان غنی کا اصرار بھی اور حضور ﷺ کا اعراض جاری تھا اور چاہتے تھے کہ کوئی صحابی اٹھے اور اعراض کے دوران خود بخود اس کی گردن اڑا دے کیونکہ حضور ﷺ نے ابھی تک اسے امان نہ دی تھی جب حضور ﷺ نے دیکھا کہ کوئی صحابی اس کام کے لیے نہیں اٹھتا اور ادھر حضرت عثمان آپ کے سر انور کو جھک کر بوسہ دے رہے تھے اور عرض کناں تھے حضور! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ عبداللہ بن ابی سرح کی بیعت لے لیجئے تو حضور ﷺ نے عثمان غنی کی التجا تسلیم کرتے ہوئے عبداللہ بن ابی سرح کی بیعت لے لی پھر حضور ﷺ نے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں اس کتے کے قتل کرنے سے کس چیز نے روکا؟ یا فرمایا کہ اس فاسق کے قتل کرنے سے روکا؟ تو عبادہ بن بشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور! آپ نے مجھے اشارہ فرمایا ہوتا خدا کی قسم! کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں آپ کی آنکھ کے اشارہ کا منتظر رہا آپ اگر اشارہ فرماتے تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔ یہاں کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس قاتل کا نام ابو بشیر ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہے بہر حال اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: میں اشارے سے قتل نہیں کرتا کسی کا قول یہ بھی ہے کہ اس دن حضور ﷺ نے فرمایا: نبی کی آنکھیں خیانتی نہیں ہوتیں مختصر یہ کہ حضور ﷺ نے اس کی بیعت لے لی حضور ﷺ کو ابن ابی سرح جب دیکھتا تو مارے شرم کے بھاگ اٹھتا حضرت عثمان غنی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! عبداللہ بن ابی سرح آپ کو جب بھی دیکھتا ہے بھاگ اٹھتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے تبسم فرمایا اور فرمایا کیا میں نے اس کی بیعت نہیں لی اور کیا اسے امن نہیں دیا؟ عثمان غنی نے عرض کیا بے شک آپ نے اس کی بیعت بھی لی اور امن بھی دیا لیکن اسلام میں وہ اپنے جرم کو بہت بڑا جرم تصور کرتا ہے' حضور ﷺ نے فرمایا: اسلام سابقہ تمام جرائم کو ختم کر دیتا ہے اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ابن ابی سرح کے پاس تشریف لائے اور حضور ﷺ کی مذکورہ باتیں بتائیں بعد میں ابن ابی سرح دوسرے لوگوں کے ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوتا اور سلام عرض کرتا (واقعہ ذکر کر کے ابن تیمیہ نے گستاخ رسول کے قتل پر یوں استدلال کیا) اس حدیث پاک میں اس بات پر دلالت ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح نے جو حضور ﷺ پر افتراء بازی کی تھی آپ کی طرف آنے والی وحی میں جو چاہتا تھا

لکھ دیتا تھا۔

واقعہ مذکورہ سے چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) گستاخ رسول کا خون مباح ہے۔ (۲) گستاخ رسول کتے اور فاسق کے حکم میں ہے۔

(۳) نبی آنکھ سے خیانت نہیں کرتا بلکہ کسی کے بارے میں جو فیصلہ یا حکم ہو یا خود اپنے متعلق ہو اسے صاف صاف کہہ دیتا ہے۔

(٤) گستاخ رسول کے قتل کی سزا اگر رسول کریم ﷺ معاف کر دیں تو قابل معافی ہے۔

(٥) ارتداد کے بعد اسلام قبول کرنے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(٦) واقعہ مذکورہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ رسالت میں مقبولیت کی عمدہ دلیل ہے اور آپ ﷺ کے مزاج شناس تھے بھی معافی دلوانے کے لیے آپ کے سرانور کے بار بار بوسے لیے حضور ﷺ نے بھی حضرت عثمان غنی کو ناراض کرنا پسند نہ فرمایا اور ان کے دودھ پیتے بھائی کی بیعت بھی لے لی اور معافی بھی عطا فرما دی۔

نوٹ: سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں آپ کی گستاخی کرنے والوں اور ان کی سزائے موت پر بہت سے واقعات کتب معتبرہ میں مرقوم ہیں جن میں سے ہم نے سردست چھ واقعات ذکر کیے اور وہ بھی ایک ایسے شخص کی کتابوں سے ذکر کیے جس نے سب سے پہلے روضۂ رسول ﷺ کی طرف قصد سفر کو "سفر معصیت" کہا اور حضور ﷺ کے توسل کو بھی غلط ثابت کیا۔ دور حاضر کے دیوبندی اور خصوصاً غیر مقلد ابن تیمیہ کو مخترع میں امام تسلیم کرتے ہیں اور اپنی گستاخانہ عبارتوں پر ابن تیمیہ کی کتب سے استدلال کرتے ہیں' ابن تیمیہ کا وصال ۷۲۸ھ میں ہوا اس کی مذکورہ کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" نے بہت شہرت پائی' ابن تیمیہ کے بارے میں یہ تحقیق درست ہے کہ وہ بظاہر حنبلی المذہب کہلاتا تھا لیکن مقلدین کی طرح نہیں بلکہ بزعم خود مجتہد ہوتے ہوئے شتر بے مہار کی طرح چلا اس کی مذکورہ کتاب "گستاخی رسول اور اس کی سزا" کے بارے میں اولیں کوشش اور کامیاب کوشش تھی بعد میں اس موضوع پر لکھنے والوں نے کم وبیش اس کتاب سے ضرور استفادہ کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی کتاب سے چند انواع گستاخی ذکر کر دیئے جائیں اور ان کی سزا بھی جو ابن تیمیہ نے لکھی وہ بھی سپرد قلم کریں۔

گستاخی رسول میں کون سے الفاظ قابل گرفت ہیں اور ان کی سزا کیا ہے؟

ائمہ اربعہ کے نزدیک گستاخ رسول کی سزا قتل ہے اور اس کی توبہ نامقبول ہے

وقال مالک في رواية المدنيين عنه من سب رسول الله ﷺ او شاتمه او عابه او تنقصه قتل مسلما كان او كافرا ولا يستاب و روى ابن وهب عن مالک من قال ان رداء النبي ﷺ و روى برده "وسخ" واراد به عيبه تقتل. و روى بعض المالكية اجماع العلماء على ان من دعا على نبي من الانبياء بالويل او بشيء من المكروه انه يكره بلا استتابة. وذكر قاضي عياض اجوبة جماعة من فقهاء المالكية المشاهير بالقتل بلا استتابة في قضايا متعددة افتى [illegible]

اہل مدینہ نے جو امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں آپ کی طرف سے یہ مروی ہے کہ جس نے بھی رسول کریم ﷺ کو برا کہا' گالی دی یا عیب نکالا یا آپ کی شان کو گھٹایا اسے قتل کیا جائے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور اس کی طرف سے توبہ کے لیے وقت نہ دیا جائے گا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ سے جناب وہب نے روایت کیا انہوں نے فرمایا کہ جس نے حضور ﷺ کی چادر شریف کو میلی کچیلی کہا اور اس سے اس کا ارادہ آپ کی چادر کو عیب والا کہنا ہے تو ایسے قائل کو قتل کیا جائے۔ ان واقعات میں سے ایک یہ بھی مذکور ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم [illegible] والے" کہا (تو اسے بھی اس گستاخی پر

رجل سمع قوماً يتذاكرون صفة النبي ﷺ اذا مربهم رجل قبيح الوجه واللحية فقال تريدون تعرفون صفة هذا الماء في خلقه ولحية ومنها رجل قال النبي ﷺ اسود.... قال فهذا الباب كله مماعده العلماء سبا و تنقصا يجب قتل قائله م يختلف في ذالك متقدمهم ومتأخرهم وان اختلفوا في سبب قتله.... وكذالك قال ابوحنيفة واصحابه فيمن تنقص اوبرئ منه او كذبه انه مرتد وكذالك قال اصحاب الشافعي كل من تعرض لرسول الله بما فيه استهانة فهو كالسب الصريح فان الاستهانة بالنبي كفر وهل يتحمم قتله او يسقط بالتوبة؟ على الوجهين وقد نص الشافعي على هذا المعنى وقد اتفقت نصوص العلماء من جميع الطوائف على التنقص له كفر مبيح الدم وهم في استتابته على ماتقدم من الخلاف ولا فرق في ذالك بين ان يقصد عيبه لكن المقصود شئي آخر حصل السب تبعاً له اولا يقصد شيئا من ذالك بل يهزل ويمزح او يفعل غير ذالك فهذا كله يشترك في هذا الحكم اذا كان القول نفسه سباً فان الرجل يتكلم بكلمة من سخط الله تعالى مايظن ان تبلغ مابلغت يهوى بها في النار ابعد مما بين المشرق والمغرب ومن قال ماهو سب وتنقص له فقد اذى الله ورسوله وهو ماخوذ بما يؤذى به الناس من القول الذى هو في نفسه اذى وان لم يقصد اذا هم الم تسمع الى الذين قالوا انما كنا نخوض ونلعب فقال الله تعالى اما لله واياته ورسوله كنتم تستهزؤن لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم. (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۵۲۶-۵۲۸ مصنف ابن تیمیہ باب بیان السب الخ مطبوعہ مصر)

سزائے موت سنائی گئی)۔ بعض مالکی حضرات نے تمام علماء کا اس پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ جس کسی نے اللہ کے کسی پیغمبر کو بددعا دی یا کوئی مکروہ لفظ ان کی شان میں کہا تو اس سے توبہ طلب کیے بغیر قتل کر دیا جائے۔ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مالکی فقہاء کرام کی ایک اور جماعت کے وہ جوابات ذکر فرمائے جو انہوں نے گستاخی کرنے والے سے توبہ طلب کیے بغیر قتل کرنے کے بارے میں ارشاد فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے ایک شخص نے کچھ لوگوں کو حضور ﷺ کی صفت و تعریف کرتے سنا اچانک وہاں سے ایک بدصورت اور بے ڈھبی داڑھی والے کا گذر ہوا۔ اس نے کہا تم چاہتے ہو کہ رسول ﷺ کی خوبیاں جانو اس گذرنے والے کو دیکھ لو اس کی تخلیق اور اس کی داڑھی حضور ﷺ کی تخلیق اور داڑھی شریف کی مانند ہے (چنانچہ اس گستاخی پر اسے قتل کی سزا سنائی گئی) مزید لکھا کہ اس مسئلہ میں ایسی تمام باتیں کہ جنہیں حضرات علماء کرام نے گالی یا شان میں کمی کرنا شمار کیا ہے اس کے قائل کو قتل کرنا واجب ہے اس بارے میں متقدمین و متاخرین میں سے کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اگرچہ ان حضرات سے قتل کے اسباب میں اختلاف موجود ہے اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب نے فرمایا کہ جو شخص حضور ﷺ کی شان عالیہ میں کمی کرتا ہے یا آپ سے بیزاری کرتا ہے یا آپ کو جھٹلاتا ہے وہ یقیناً مرتد ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے بھی یوں ہی فرمایا کہ ہر وہ شخص جو رسول کریم ﷺ کی اہانت کے درپے ہو تو اس کا طریقہ بھی صریح گالی دینے کے حکم میں ہے کیونکہ کسی نبی کی توہین کرنا کفر ہے اور ایسے گستاخ کا قتل بہرصورت لازم ہے یا توبہ کر لے تو قتل معاف ہو جائے گا؟ اس کی دو وجہیں ہیں (بعض نے توبہ قبول نہ کرتے ہوئے حکم جاری رکھا اور بعض نے توبہ سے اسے اٹھا لیا) امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو دوٹوک انداز میں ذکر فرمایا اور ہر گروہ کے علماء کا اس پر اتفاق چلا آ رہا ہے کہ جس نے بھی رسول کریم ﷺ کی تنقیص شان کی اس نے کفر کیا' اس کا خون گرانا مباح ہو گیا اور یہ حضرات جیسا کہ گذر چکا ہے کہ گستاخ کو توبہ کا

کہیں یا نہ کہیں اور اس سے سزا معاف ہوگی یا نہیں اختلاف ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ گستاخانہ کلمہ کہنے والے نے گستاخی کا ارادہ کر کے کہا تھا یا اس کا مقصود کچھ اور تھا اور منہ سے گستاخانہ کلمہ بک گیا کہ جس سے بالتبع گالی ثابت ہوجاتی ہے یا اس نے گستاخانہ بات کہتے کرتے وقت یہ ارادہ نہ کیا بلکہ مذاق اور مخول وغیرہ میں بک گیا یہ تمام گستاخ اس حکم قتل میں شریک ہیں جب کہ وہ بات فی نفسہ گالی بن سکتی ہو ایک شخص کوئی بات کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لیے ہوتا ہے اور اسے یہ گمان نہیں ہوتا کہ اس کا کس قدر بھیانک نتیجہ ہے تو وہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں پھینک رہا ہے وہ جہنم جس کا بعد مشرق ومغرب کے بعد سے بھی زیادہ ہے اور جس نے ایسی بات کہی جو گالی بنتی ہے اور حضور ﷺ کی تنقیص شان کہی تو اس نے یقیناً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچائی ایسے آدمی کی ہر وہ بات باعث اذیت سمجھی جائے گی جو عوام میں فی نفسہ باعث اذیت سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ قصداً اذیت نہ بھی کرے۔ کیا تو نے ان لوگوں کی بات میں غور نہ کیا جنہوں نے کہا تھا کہ ہم تو کھیل تماشہ کے طور پر باتیں کررہے تھے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کیا تم اللہ اور اس کے رسول اور اس کی آیات کا مذاق اڑاتے ہو مت بہانے بناؤ تم ایمان کے بعد پکے کافر ہوگئے"۔

قارئین کرام! ابن تیمیہ نے حضور ﷺ کی شان میں کمی کرنے والے الفاظ توہین آمیز کلمات اور گالی پر مشتمل گفتگو کے بارے میں تمام مکتبہ فکر کے علماء کرام کا متفق علیہ قول نقل کیا کہ ایسا شخص واجب القتل ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر خواہ اس نے ارادہ توہین سے کہے ہوں یا از روئے مذاق واستہزا کہا ہو اگر توہین آمیز الفاظ ایسے ہیں جو اپنا معنی واضح اور صریح رکھتے ہیں تو ان کے قائل سے ارادہ ونیت کی بابت نہیں پوچھا جائے گا بلکہ ان الفاظ کے معانی ومفہوم صریحہ کے پیش نظر اسے خارج از اسلام قرار دے دیا جائے گا ایسے الفاظ کی تأویل بھی نہیں سنی جائے گی اس دور میں بعض کتب میں ان کے مصنفین نے صریح گستاخانہ عبارتیں لکھیں جن میں سے "تقویۃ الایمان" بھی ہے ایسی عبارات کی کچھ لوگ تأویلات کر کے "قائل کو گستاخ رسول" کی جماعت سے نکالنے کی بھونڈی کوشش کرتے ہیں۔ الفاظ صریحہ کے قائل کو کافر نہ کہنا خود کافر ہونا ہے جیسا کہ ہندوستان کے ایک محدث دیوبند شیخ انور شاہ کاشمیری اپنی تصنیف "اکفار الملحدین" میں لکھتے ہیں۔

قال حبیب بن الربیع لان ادعاۃ التاویل فی لفظ صریح لا یقبل۔ (اکفار الملحدین ص ۹۰ مطبوعہ اکوڑہ خٹک پشاور)

حبیب بن الربیع نے کہا کہ لفظ صریح کی تاویل کرنے کا دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔

قلت ھذا ظاھر ان التأویل فی ضروریات الدین لا یدفع القتل بل لا یدفع الکفر ایضاً۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ضروریاتِ دین میں تأویل کرنا قتل کو دفع نہیں کرتا بلکہ کفر کو بھی دور نہیں کرتا۔

(اکفار الملحدین ص ۹۲)

قال احمد بن ابی سلیمان صاحب سحنون الذی تقدمت ترجمة من قال ان النبی ﷺ کان لونه اسود قتل بکذبه علی رسول الله ﷺ ولون السواد یذری ففیه تحقیر واهانة له ایضا اذ لم یکن ان النبی ﷺ اسود وانما کان ازهر اللون موردا کما تقدم فی حدیث حلیة.

احمد بن ابی سلیمان سحنون کا ساتھی ہے کہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے احمد بن ابی سلیمان نے کہا کہ جس نے کہا کہ حضور ﷺ کا رنگ سیاہ ہے' اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے حضور ﷺ پر جھوٹ بولا ہے اور سیاہ رنگ والا کہنے میں آپ کی تحقیر اور اہانت بھی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا رنگ سیاہ نہ تھا بلکہ گلاب کے پھول کی طرح نمکین خوشبودار چہرہ تھا جیسا کہ آپ کے حلیہ شریف کی حدیث میں گذر چکا ہے۔

(اکفار الملحدین ص ۵۳)

ایا رجل مسلم سب رسول الله او کذبه او عابه تنقصه فقد کفر بالله تعالی وبانت منه امرأته (کتاب الخراج) اجمع المسلمون علی ان شاتمه ﷺ کافر ومن شک فی عذابه وکفره کفر. الکافر سبب نبی من الانبیاء فلا تقبل توبة مطلقاً ومن شک فی عذابه وکفره کفر. مجمع الانهر درمختار و بزازیه والدرر والخیریه.

کسی مسلمان نے اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دی یا آپ کو جھٹلایا یا آپ کو عیب دار کیا اور شان میں نقص نکالا تو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ سے کفر کا ارتکاب کیا اور اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔ (کتاب الخراج) تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کو برا کہنے والا کافر ہے اور جس نے ایسے کے عذاب اور کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہو گیا کسی پیغمبر کو برا کہنے کی وجہ سے جو شخص کافر ہو گیا اس کی مطلقاً توبہ قبول نہیں ہو گی اور جس نے ایسے کے عذاب اور کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہو گیا درمختار' بزازیہ' الدرر اور خیریہ میں یہ مذکور ہے۔

(اکفار الملحدین ص ۵۴)

مولوی حسین احمد مدنی (ٹانڈوی) کا گستاخ رسول کے متعلق فتویٰ

مولوی حسین احمد ٹانڈوی لکھتے ہیں ہم پر الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ توسل کے قائل نہیں اور یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی نسبت بہت اچھے الفاظ نہیں کہتے معاذ اللہ! یہ ہم پر افتراء ہے کیونکہ مولانا کی عبارت جو ''لطائف رشیدیہ'' سے نقل کر چکے ہیں وہ یوں فرماتے ہیں:

حضرت مولانا گنگوہی فرماتے ہیں: جو الفاظ موہم تحقیر سرور کائنات ہوں اگر چہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو مگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ (الشہاب الثاقب تصنیف حسین احمد ٹانڈوی دیوبندی ص ۵۷' مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیو بند)

قارئین کرام! شہاب ثاقب کی مذکورہ عبارت حقیقت پر مبنی ہے یعنی ایسے الفاظ و ایسی عبارات جن سے کسی پیغمبر کی توہین و تحقیر کا وہم پڑتا ہو اس کا قائل کافر ہے خواہ اس کا ارادہ و نیت توہین و تحقیر کی تھی یا نہیں۔ عبارت مذکورہ ''فیصلہ کن عبارت'' ہے کہ ''تقویۃ الایمان'' ''صراط مستقیم'' ''براہین قاطعہ'' وغیرہ کتب میں جن عبارات کو علماء نے گستاخانہ قرار دے دیا ہے وہ اتنی واضح اور صریح ہیں کہ وہم پڑنے کا معاملہ وہاں ہے ہی نہیں بہر صورت ہم اس بات کو کسی خاص مکتبہ فکر کی طرف منسوب کرنا نہیں چاہتے قائل اس کو کوئی بھی ہو خواہ مسلمان کہلاتا ہو یا پہلے سے ہی کافر' خواہ دیوبندی کہلائے یا غیر مقلد' حنفی کہلائے یا شتر بے مہار' ہمیں اس کے قائل کی عبارت کو دیکھنا ہے اگر تحقیر و تنقیص شان رسالت کا وہم بھی رکھتی ہو تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے چہ جائیکہ عبارات قبیحہ واضحہ ہوں فقہاء احناف کی تصنیفات میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے۔ بعض کتب فقہ میں کچھ گستاخانہ الفاظ بھی منقول ہیں ان کے قائل کا حکم

بھی ایک دو حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

ولو قال لشعر محمد شعيرا يكفر وتاويله هكذا ان قال بطريق الاهانة.... وفي المحيط من شتم النبي ﷺ او اهانه او عابه في امور دينه او في شخصه او في وصف من اوصاف ذاته سواء كان الشاتم مثلا من امته او غيرها وسواء كان من اهل الكتاب او غيره ذميا كان او حربيا سواء كان الشتم او الاهانة او العيب صادرا عنه عمدا او سهوا او غفلة او جدا او حضرله فقد كفر خلودا بحيث ان تاب لم تقبل توبة ابدا لا عند الله ولا عند الناس وحكمه في الشريعة المطهرة عند المتاخرين المجتهدين اجماعا وعند المتقدمين القتل قطعاً ولا يداهن السلطان ونائبه في حكم قتله وفي شرح الطحاوي كل من سب رسول الله ﷺ او ينقصه كان فيه ردة وفي الروضة ان الاخبار لاجل اثبات حق النبي ﷺ يشترط فيه الدعوى بطلب الحق بطريق النيابة عن رسول الله ﷺ لان كل من قام من المسلمين بطلب حق رسول الله ﷺ كان نائبا عنه والفرق بين سب النبي ﷺ وبين سب الله تعالى انه يقبل توبة من سب الله ولا يقبل توبة من سب رسول الله ﷺ.

(خلاصۃ الفتاوی ج ۴ تصنیف طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری ص ۳۲۷-۳۲۸ مطبوعہ کیس پرنٹنگ ورکس لاہور قدیم)

اگر کسی نے حضور ﷺ کے بال مبارک کو "بالی" کہا وہ کافر ہو گیا اس کی تاویل یہ کہ اس نے ایسا ازروئے اہانت کیا ہو..... اور محیط میں ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی "توہین کی" امور دینی میں عیب لگایا" آپ کی ذات اور اوصاف ذات میں عیب لگایا" خواہ ایسا کہنے والا آپ کا امتی ہو یا کوئی اور" خواہ وہ کتابی ہو یا غیر کتابی" خواہ وہ ذمی ہو یا حربی اور خواہ اس کا بکنا" توہین کرنا اور عیب لگانا اس سے جان بوجھ کر واقع ہوا یا سہواً یا غفلت کے ساتھ یا سنجیدگی کے ساتھ یا ازروئے مذاق ان سب میں وہ ہمیشہ کے لیے کافر ہو گیا اگر توبہ کرے گا تو بھی قبول نہیں کی جائے گی نہ خدا کے ہاں اور نہ ہی عوام الناس کے ہاں ایسے کا شریعت مطہرہ میں حکم متاخرین مجتہدین کے بالاتفاق اور متقدمین کے نزدیک قتل یقینی ہے بادشاہ یا اس کا نائب ایسے کے قتل میں کوئی نرم پالیسی نہ اپنائے۔ طحاوی کی شرح میں ہے کہ جس نے بھی رسول اللہ ﷺ کو گالی دی یا آپ کی شان میں تنقیص کی وہ مرتد ہو گیا "الروضہ" میں ہے کہ حضور ﷺ کے حق اثبات کے لیے دعویٰ لازمی ہے اور ایسا دعویٰ ہر مسلمان کر سکتا ہے کیونکہ ہر مسلمان جو بھی حضور ﷺ کا حق طلب کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے وہ دراصل اس معاملہ میں حضور ﷺ کی نیابت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کو گالی دینے والے کے درمیان فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بکنے والے کی توبہ قبول ہو گی لیکن حضور ﷺ کو گالی دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔

قد قدمنا ما هو سب واذى في حقه ﷺ وذكرنا اجماع العلماء على قتل فاعل ذالك وقائله وتخير الامام في قتله او صلبه على ما ذكرناه وقررنا الحجج عليه وبعد فاعلم ان مشهور مذهب مالك واصحابه وقول السلف وجمهور العلماء قتله حداً لا كفرا ان اظهر التوبة منه ولهذا لا تقبل عندهم توبة ولا تنفعه استقالة ولا نياته كما

ہم اس سے پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ حضور ﷺ کے بارے میں کیا کیا الفاظ گالی یا اذیت بنتے ہیں اور ہم یہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ ایسا کہنے والے کا قتل کرنا اس پر تمام علماء کا اجماع ہے اور امام وقت کو ایسے شخص کے قتل کرنے یا سولی چڑھانے کا اختیار یہ بھی ہم لکھ آئے ہیں اس پر دلائل بھی ہم نے تحریر کر دیے ہیں اب ایک اور بات بتانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مشہور مذہب اور سلف صالحین اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ حضور

قدمناه قبل وحكمه حكم الزنديق ومصر الكفر في هذا القول سواء كانت توبة على هذا بعد القدرة عليه والشهادة على قوله اوجاء تائبا من قبل نفسه لانه حد واجب لا تسقطه التوبة كسائر الحدود قال الشيخ ابو الحسن القابسي رحمه الله اذا اقر بالسب وتاب منه واظهر التوبة قتل بالسب لانه هو حده وقال ابو محمد بن ابي زيد مثله واما ما بينه وبين الله فتوبة تنفعه وقال ابن سحنون من شتم النبي ﷺ من الموحدين ثم تاب عن ذالک لم تزل توبة عنه القتل.... ومن سب النبي ﷺ تعلق فيه حق لآدمي فكان كالمرتد يقتل حين ارتداده اويقذف فان توبته لا تسقط عند حد القتل والقذف وايضا فان توبة المرتد اذا قبلت لا تسقط ذنوبه من زنى وسرقة وغيرهما ولم يقتل ساب النبي ﷺ لكفره لكن لمعنى يرجع الى تعظيم حرمته وزوال المعرة به وذالک لا تسقطه التوبة.

(الشفاء ج ۲ تصنیف قاضی عیاض ص ۲۲۴-۲۲۳' مطبوعہ مصر)

ﷺ کو برا کہنے والے کا قتل اس کے کفر کی بنا پر نہیں بلکہ بطور حد ہے جب کہ اس کی طرف سے توبہ ظاہر ہوا سی لیے (کہ قتل بوجہ حد کے ہے) ان حضرات کے نزدیک اس کی توبہ غیر مقبول ہوگی اور بکواس کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی نیت فائدہ دے سکے گی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں ایسے کا حکم زندیق اور کفر پر اکڑنے والے کا سا ہے برابر ہے کہ اس کی توبہ کا اس وقت پتہ چلا جب کہ اسے پکڑ لیا گیا تھا اور اس کے خلاف گواہی ہو چکی تھی یا خود بخود توبہ کرتا ہوا آتا ہے (توبہ مقبول نہ ہوگی) کیونکہ ایسے کے لیے قتل کرنا "حد واجب" ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ دوسری حدود توبہ سے معاف نہیں ہوتیں۔ شیخ ابو الحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی گالی بکنے کا اقرار کر لے اور اس سے توبہ کا بھی اقرار کرے اور توبہ ظاہر کرے تو بھی بکنے کی وجہ سے اسے قتل کیا جائے گا' کیونکہ یہ قتل بطریقہ حد ہے اور ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسے ہی فرمایا رہا اس توبہ کرنے والے کا معاملہ اس کے اور خدا کے درمیان تو اس کی توبہ (کل قیامت کو) نفع دے گی۔ ابن سحنون فرماتے ہیں' توحیدیوں میں سے جس کسی نے بھی حضور ﷺ کو گالی دی پھر اس سے توبہ کی تو اس کی توبہ اس سے قتل کو دور نہ کرے گی.... اور جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اس میں حق آدمی بھی بنتا ہے تو ایسا شخص مرتد کے حکم میں ہوگا' ارتداد کے وقت سے اسے قتل کیا جائے گا یا اسے حد قذف لگائی جائے گی اس کی اس جرم سے توبہ کرنا نہ تو حد قتل کو معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی حد قذف کو اور یہ بھی اگر مرتد کی توبہ قبول کر لی جائے تو اس کا گناہ باقی رہے گا جیسا کہ چوری اور زنا وغیرہ حضور ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل اس کے کفر کی بنا پر نہیں بلکہ اس لیے کیا جائے گا کہ اس نے حضور ﷺ کی تعظیم اور عزت کو ٹھیس پہنچائی اور یہ باتیں توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتیں کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہیں۔

نوٹ: اس موضوع پر فقہی کتب اور فتاویٰ میں بہت سی عبارات موجود ہیں' طوالت کے خوف کے پیش نظر ہم ان کو نہیں لکھ رہے اور اس لیے بھی کہ "خلاصۃ الفتاویٰ" اور "شفاء" کی منقولہ عبارات تقریباً وہ ساری باتیں بیان کر رہی ہیں جو ضروری ہیں بہر صورت موطا امام

محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس باب کی پہلی حدیث جو خوارج کے بارے میں ہے اس میں ذوالخویصرہ کی گستاخی اور اس کے قتل کا حکم نہ دینے کی حکمت مذکور ہوئی چونکہ اس کے چیلوں کی ایک جماعت کا مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت اٹھانا مقدر تھا اس لیے ذوالخویصرہ کا قتل نہ ہوا اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اصل اور مدار نجات "ایمان" ہے محض اعمال کی بہتر ادائیگی سبب نجات نہیں ورنہ خوارج کی لمبی لمبی نمازیں' خشوع وخضوع کے ساتھ ان کی ادائیگی قرآن کریم کا خوش الحانی سے پڑھنا ان کی نجات کے لیے کافی ہوتا لیکن نہیں بلکہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمادیا کہ یہ سب کچھ ظاہراً ہے دل میں ان کا کوئی اثر نہیں۔ جہاں ایمان کی جلوہ افروزی ہوتی ہے اس عدم اثر کو شکار میں لگ کر باہر نکلنے والے تیر کی مثال سے واضح فرمایا کہ اس تیر پر شکار کے خون' گوشت وغیرہ کا کوئی اثر نہ دکھائی دے یونہی ان کی نمازیں' روزے اور تلاوت قرآن بے اثر ہوں گے مذکورہ حدیث میں اگرچہ ذوالخویصرہ اور اس کے ہمرکابوں کا ذکر تھا لیکن ہم نے اس کی پوری تفصیل وتشریح کر دی تا کہ گستاخی رسول کسی دور میں بھی کسی سے بھی پائی جائے اس کا حکم معلوم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت مطہرہ پر چلنے کی توفیق دے اور اس کے ساتھ اصل ومغز ایمان یعنی محبت مصطفیٰ ﷺ سے ہمارے قلوب کو منور فرمائے۔ آمین۔

۳۸۷- بَابُ قَتْلِ النِّسَاءِ

عورتوں کو قتل کرنے کے بیان میں

۸۵۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى فِيْ بَعْضِ مَغَازِيْهِ امْرَاَةً مَقْتُوْلَةً فَاَنْكَرَ ذٰلِكَ وَنَهٰى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کسی جنگ میں ایک قتل شدہ عورت دیکھی تو آپ نے اس کو برا جانا اور بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ تُقْتَلَ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْمَغَازِيْ اِمْرَاَةٌ وَّلَا شَيْخٌ فَانٍ اِلَّا اَنْ تُقَاتِلَ الْمَرْاَةُ فَتُقْتَلُ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا مسلک یہ ہے کہ کسی جنگ میں نہ تو کسی کو نہ کسی عورت کو اور نہ ہی کسی بہت بوڑھے کو قتل کیا جائے ہاں اگر عورت جنگ وقتال کرتی ہو تو اسے قتل کرنے کی اجازت ہے۔

حضور ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا اس حدیث پر علماء کا بالاتفاق والا جماع عمل ہے لیکن یہ اجماع اس صورت میں ہے جبکہ یہ لوگ لڑائی نہ کریں اور اگر وہ جنگ کرتے ہوں تو جمہور علماء نے انہیں قتل کرنے کا کہا ہے اسی طرح اس بوڑھے کافر کا حکم ہے جو قتال وجنگ کا ماہر ہو (تا کہ اپنے تجربہ سے کوئی رائے نہ دے سکے) اگر وہ بوڑھا ہونے کے ساتھ ساتھ جنگ میں تجربہ نہیں رکھتا تو ایسے بوڑھوں اور پادری عالموں کا قتل کرنا مختلف فیہ ہے۔ امام مالک وامام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما ان کے قتل کی اجازت نہیں دیتے ہیں لیکن امام شافعی رضی اللہ عنہ کے صحیح قول کے مطابق ان کا قتل کرنا جائز ہے۔

(نووی شرح المسلم ج ۲ ص ۸۴ باب تحریم قتل النساء الخ۔ کتاب الجہاد والسیر)

دوران جہاد جن افراد کا قتل احناف کے ہاں جائز نہیں' ان کی تفصیل

مؤمنوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ نہ ہی خیانت کریں اور نہ ہی مثلہ کریں جیسا کہ "ہدایہ" میں مذکور ہے اور نہ ہی عورت' بچے' مجنوں' شیخ فانی' نابینے اور لنجے کو قتل کریں ہاں اگر ان میں سے کوئی ایسا ہے جو جنگی مہارت رکھتا ہے یا عورت ہوتے ہوئے وہ سربراہ مملکت ہے یا نابالغ بچہ حکومت کا کرتا دھرتا ہے اور یہ لڑنے والے کے ساتھ میدان جنگ میں موجود ہوں اور ان کے قتل کرنے سے دشمن کی جمعیت وطاقت کمزور پڑتی ہو تو اس وقت ان کے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ "جوہرہ نیرہ" میں موجود ہے اور اگر عورت مالدار ہوتے ہوئے اپنے مال کے بل بوتے پر لوگوں کو جنگ پر ابھارتی ہے تو ایسی عورت کا قتل بھی جائز ہے جیسا کہ "محیط" میں

مذکور ہے اسی طرح مذکورہ اشخاص میں سے اگر کوئی شخص لڑائی میں شریک ہے تو اس کا بھی مارنا جائز ہے۔ مجنوں اور بچہ کو قتل کرنا اس وقت مباح ہوگا جب یہ لڑائی کریں لڑائی کے علاوہ ان کا قتل جائز نہیں قیدی بن جانے کے بعد ان دو کے علاوہ اشخاص کا قتل جائز نہیں اگر مجنوں ایسا ہے کہ کبھی حالت جنون اور کبھی درست ہو جاتا ہے تو جنون سے افاقہ کی حالت میں اس کا حکم وہی ہے جو تندرست آدمی کا ہے جیسا کہ ''ہدایہ'' میں مذکور ہے اگر ایک شخص کا پاؤں اور جانب مخالف کا ہاتھ کٹا ہوا ہے اسے بھی قتل نہ کیا جائے۔ ''محیط'' میں اسی طرح مذکور ہے اگر کسی آدمی کا جسم ایک طرف سے سوکھ چکا ہے تو اسے بھی قتل نہ کیا جائے اور اگر وہ لڑائی میں شریک ہے تو پھر اس کے قتل میں کوئی حرج نہیں یہی حکم نابینا' لنگڑا اور لنجے کا ہے یہ اشخاص اگر جنگ میں شریک ہیں اور اپنے ساتھیوں کو جنگ پر ابھارتے ہیں کسی نے اگر ان کو قتل کر دیا تو ان کے قاتل پر کچھ بھی لازم نہیں جیسا کہ ''فتاویٰ قاضی خان'' میں مذکور ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۸ الباب الثانی فی کیفیت القتال السیر' مطبوعہ مصر)

نوٹ: ''فتاویٰ عالمگیری'' کی مذکورہ عبارت مطلب کی وضاحت کے لیے بہت کافی ہے اس میں مندرج جزئیات کے احکام کے بارے میں چند احادیث پیش خدمت کی جارہی ہیں تاکہ مسلکِ احناف کی تائید وحقانیت ثابت ہو جائے۔

قیدی کفار کے ساتھ اگر مسلمان جمع ہوں تو ایسے مسلمانوں کو مارنا جائز ہے

عن ابن عباس قال سئلت رسول اللہ ﷺ قلت خیل من المسلمین وقعت علی قوم من المشرکین فقتلوھم وقتلوا ابنائھم فقال رسول اللہ ﷺ ھم مع ابائھم رواہ الطبرانی وفیہ ابراھیم بن اسماعیل ابن ابی حبیبہ و ثقہ احمد و ضعفہ الجمھور و بقیہ رجالہ رجال صحیح. (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۱۶ باب ما نہی عن قتلہ من النساء بغیر ذالک' مطبوعہ بیروت)

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ مسلمانوں کے کچھ گھوڑے سواروں نے مشرکین پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا اور ان کی اولاد کو بھی قتل کر دیا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: وہ (اولاد) اپنے آباء واجداد کے ساتھ ہیں اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس میں ایک راوی ابراہیم بن اسماعیل ہیں جسے امام احمد نے قابلِ وثوق کہا اور جمہور نے اس کی تضعیف کی (ضعیف کہا) اور بقیہ راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔

قارئین کرام! ''مجمع الزوائد'' کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب لڑنے والے کافروں کے بچوں کو بچانے کا کوئی طریقہ نہ ہو تو ایسی حالت میں اگر ان کے بچے' بوڑھے اور عورتیں قتل ہو جاتی ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ موجودہ دور میں جب دشمن کے کسی قلعہ یا چھاؤنی پر مسلمان فوج بمباری کرے تو ان میں سے کسی کو بچانا ناممکن ہوتا ہے اس چیز کو حضور ﷺ نے حضرت ابن عباس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بچے اپنے آباء کے تابع ہوتے ہیں اس کی مزید تشریح علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے'' صحیح البخاری'' کی شرح میں یوں فرمائی:

ابوعمر نے کہا کہ فقہاء کرام نے منجنیق کے ذریعہ قلعہ پر پتھر برسانے میں اختلاف کیا ہے جبکہ اس قلعہ میں کفار ومشرکین کے ساتھ ان کے بچے یا مسلمان قیدی ہوں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسے قلعہ پر پتھر نہ برسائے جائیں اور نہ ہی ایسی کشتی کو ڈبویا جائے جس میں مشرکین وکفار کے ساتھ مسلمان قیدی بھی ہوں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اگر ان دونوں صورتوں میں کفار ومشرکین' بچوں اور مسلمان قیدیوں کو سامنے لاتے ہیں تاکہ تکلیف ان کو پہنچے پھر تو پتھر برسانے اور کشتی ڈبونا درست نہیں امام ثوری' امام ابوحنیفہ' قاضی ابو یوسف' امام محمد اور امام شافعی کے قول صحیح میں اور احمد واسحاق رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ جب کفار کا قتل' بچوں کے قتل کیئے بغیر یا مسلمان قیدی کے مارے بغیر ناممکن ہو تو پھر ان کا قتل جائز ہوگا۔ ابوعمر نے کہا کہ امام ثوری' امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا قول ہے کہ مشرکین کے قلعوں پر پتھر برسانے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ ان میں ان کے بچے' مسلمان قیدی' اور ان کے بچے ہی کیوں نہ ہوں اور

نہ ہی ایسی کشتی کے ڈبونے میں کوئی حرج ہے ہاں پتھر برساتے وقت اور کشتی ڈبوتے وقت ارادہ کفار کے مارنے کا ہونا چاہیے۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۱۳ ص ۲۶۳ باب اہل الدار یبیتون الخ مطبوعہ بیروت)

مسلکِ احناف کی تائید میں چند احادیث

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ اذا بعث جیوشہ قال اخرجوا بسم الله تقاتلون فی سبیل الله من کفر بالله لا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا الولدان ولا اصحاب الصوامع رواه احمد و ابویعلی والبزاز والطبرانی فی الکبیر والاوسط الا انہ قال فیہ ولا تقتلوا ولیداً ولا امرأة ولا شیخاً.... وعن ثوبان مولی رسول الله ﷺ انہ سمع رسول الله ﷺ یقول من قتل صغیرا او کبیرا او احرق نخلا او قطع شجرة مثمرة او ذبح شاة لاھابھا لم یرجع کفافا... عن جریر بن عبدالله البجلی قال کان رسول الله ﷺ اذا بعث سریة قال بسم الله وفی سبیل الله وعلی ملة رسول الله ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا الولدان رواه ابو یعلی والطبرانی فی الثلاثة. (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب کوئی لشکر لڑائی کے لیے روانہ فرماتے تو ارشاد فرماتے: اللہ کے نام سے نکلو ہر کافر کو فی سبیل اللہ قتل کرو عہد شکنی نہ کرو خیانت نہ کرو مثلہ نہ کرو بچوں اور راہبوں کو قتل نہ کرو۔ اسے امام احمد ابویعلیٰ بزاز اور طبرانی نے کبیر و اوسط میں ذکر کیا ہے۔ امام طبرانی نے یہ بھی لکھا ہے بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا..... حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: جس نے کسی چھوٹے یا بڑے کو قتل کیا یا کھجور کو جلایا یا پھلدار درخت کو کاٹا یا بکری کو اس کے چمڑے کی خاطر ذبح کیا اس نے پورا حق ادا نہ کیا جریر بن عبداللہ البجلی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب کسی فوجی ٹولی کو محاذ پر بھیجتے تو فرماتے: اللہ کے نام سے اللہ کے راستہ میں۔ اللہ کے رسول کی ملت پر جاؤ اور عہد شکنی خیانت مثلہ نہ کرنا اور نہ ہی بچوں کو قتل کرنا اسے ابویعلیٰ نے اور طبرانی نے تینوں میں ذکر کیا ہے۔

عن ابن عمرہ الانصاری ان النبی ﷺ مر علی امرأة مقتولة فقال رسول الله ﷺ من قتل ھذہ؟ فقال رجل انا یارسول الله اردفتھا خلفی فارادت قتلی فقتلتھا فامر بھا فدفنت... عن ابن عباس عن النبی ﷺ کان اذا بعث جیشا قال لا تقتلوا اصحاب الصوامع.... عن ھشام عن الحسن قال اذا خرجت المرأة من المشرکین فقاتلوا فلتقتل. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۲ ص ۳۸۵-۳۸۹ حدیث نمبر ۱۴۰۷۱، ۱۴۰۷۸، ۱۴۰۸۵)

ابن عمرہ انصاری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا گزر ایک مقتول عورت سے ہوا تو آپ نے پوچھا اسے کس نے قتل کیا ہے؟ ایک شخص بولا میں نے یارسول اللہ! اسے میں نے اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا تھا تو اس نے مجھے قتل کرنا چاہا لہٰذا اس نے اسے قتل کر دیا آپ نے اس کے دفنانے کا حکم دیا حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب بھی لشکر روانہ فرماتے تو ارشاد فرماتے راہبوں کو قتل نہ کرنا---حسن سے ہشام بیان کرتے ہیں کہ جب مشرکین کے ساتھ عورت بھی نکلے اور وہ لڑیں تو اس عورت کو بھی قتل کر دیا جائے۔

قارئین کرام! مذکورہ چند احادیث میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو دوران جنگ حضور ﷺ نے قتل کرنے سے روکا اور اس کے ساتھ چند اخلاقی باتیں بھی آپ نے ارشاد فرمائیں کہ دوران جنگ مسلمان کو انہیں نہیں چھوڑنا چاہیے بہرحال ایک حدیث میں ''راہب'' کو قتل کرنے سے آپ [illegible] روایت میں ایسی عورت کو قتل کرنے

کا آپ نے حکم صادر فرمایا جو مشرکین کے ساتھ میدان جنگ میں آئے اور جنگ میں شرکت کرے اس سے آپ ﷺ کے عورتوں کو قتل نہ کرنے کے حکم کی تفسیر بھی معلوم ہوگئی یعنی اگر عورتیں لڑائی میں مشرکین کی معاونت نہ کریں اور ان کو بچانا ممکن ہو تو عورتوں کو نہ مارنا ورنہ ان کے قتل پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے جیسا کہ ایک شخص نے اپنے اوپر حملہ آور ہونے والی کو قتل کر دیا تھا اسے حضور ﷺ نے کچھ نہ فرمایا بلکہ عورت کو دفن کرنے کا حکم عطا فرمایا۔ فاعتبروا یااولی الابصار

٣٨٨ - بَابُ الْمُرْتَدِّ

مرتد کا بیان

٨٥١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْقَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَدِمَ رَجُلٌ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ قِبَلِ اَبِيْ مُوْسٰى فَسَاَلَهٗ عَنِ النَّاسِ فَاَخْبَرَهٗ ثُمَّ قَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ مُّغْرِبَةِ خَبَرٍ؟ قَالَ نَعَمْ رَجُلٌ كَفَرَ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ فَقَالَ مَاذَا فَعَلْتُمْ بِهٖ قَالَ قَرَّبْنَاهُ فَضَرَبْنَا عُنُقَهٗ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَهَلَّا طَبَقْتُمْ عَلَيْهِ بَيْتًا ثَلَاثًا وَاَطْعَمْتُمُوْهُ كُلَّ يَوْمٍ رَغِيْفًا فَاسْتَتَبْتُمُوْهُ لَعَلَّهٗ يَتُوْبُ وَيَرْجِعُ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَمْ اٰمُرْ وَلَمْ اَحْضُرْ وَلَمْ اَرْضَ اِذَا بَلَغَنِيْ.

امام مالک نے ہمیں عبدالرحمٰن بن محمد سے وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حضور ایک آدمی آیا اس سے آپ نے عوام کے بارے میں پوچھا اس نے ان کے بارے میں آپ کو بتایا پھر آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی نئی بات ہے؟ کہنے لگا جی ہاں ایک شخص اسلام لانے کے بعد پھر کافر ہوگیا حضرت عمر نے پوچھا پھر تم نے اس سے کیا سلوک کیا؟ کہنے لگا ہم نے اس کے قریب جا کر اس کی گردن اڑا دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے تم نے اسے تین دن تک کسی بند کمرے میں کیوں نہ رکھا اور روزانہ اسے ایک چپاتی روٹی کیوں نہ دی؟ پھر اس سے توبہ کا مطالبہ کرتے شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آتا؟ اے اللہ! بے شک میں نے نہ (ایسا کرنے کا) حکم دیا' نہ میں اس پر راضی (جو انہوں نے کیا) جب اس کی خبر مجھے ملی اور نہ میں وہاں موجود تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ شَاءَ الْاِمَامُ اَخَّرَ الْمُرْتَدَّ ثَلٰثًا اِنْ طَمِعَ فِيْ تَوْبَتِهٖ اَوْ سَاَلَهٗ عَنْ ذٰلِكَ الْمُرْتَدُّ وَاِنْ لَّمْ يَطْمَعْ فِيْ ذٰلِكَ وَلَمْ يَسْاَلْهُ الْمُرْتَدُّ فَقَتَلَهٗ فَلَا بَاْسَ بِذٰلِكَ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام اگر مناسب سمجھے تو مرتد کو تین دن تک محصور کر دے اگر اس سے توبہ کی امید ہو یا اس بارے میں مرتد سے دریافت کرے اور اگر امید تو یہ نہیں اور نہ ہی مرتد سے دریافت کیا اور امام نے اسے قتل کر دیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

اس باب میں مرتد کا حکم بیان ہوا لہٰذا مناسب ہے کہ ارتداد کی تعریف اور اس کی شرائط بیان کی جائیں اور پھر مرد اور عورت کے ارتداد میں اختلاف ائمہ کو سپرد قلم کیا جائے۔ شرائط ارتداد اور عورت مرتدہ کے قتل میں حضرات ائمہ کرام کا اختلاف ہے امام اعظم کے نزدیک مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جاتا ملاحظہ ہو:

مرتد کی تعریف اور ارتداد کی شرائط میں اختلاف

واما بيان احكام المرتدين فالكلام فيه في مواضع في بيان ركن الردة وفي بيان شرائط صحة الركن وفي بيان حكم الردة اما ركنها فهو اجراء كلمة الكفر على اللسان بعد وجود الايمان اذا

مرتدین کے احکام کا بیان اس میں چند جگہوں پر گفتگو ہوگی مرتد ہونے کا رکن' رکن کی صحت کی شرائط اور مرتد ہونے کا حکم یہ باتیں بحث طلب ہیں۔ ارتداد کا رکن ''کفریہ کلمہ کا زبان پر لانا' ایمان کے پائے جانے کے بعد'' ہے کیونکہ مرتد ہونا ''ایمان سے

الردة عبارة عن الرجوع عن الايمان فالرجوع عن الايمان يسمى ردة في عرف الشرع واما شرائط صحتها فانواع منها العقل فلا تصح ردة المجنون والصبي الذي لا يعقل لان العقل من شرائط الاهلية خصوصا في الاعتقادات ولو كان الرجل ممن يجن ويفيق فان ارتد في حال جنونه لم يصح وان ارتد في حال افاقته صحت لوجود دليل الرجوع في احدى الحالتين دون الاخرى وكذلك السكران الذاهب العقل لا تصح ردته استحسانا والقياس ان تصح في حق الاحكام۔ (البدائع والصنائع ج ۷ ص ۱۳۴ فصل فی بیان احکام المرتدین مطبوعہ لبنان)

پھر جانے" کو کہتے ہیں لہٰذا ایمان سے رجوع عرف شرع میں مرتد ہونا نہیں کہلاتا مرتد ہونے کی صحت کی شرائط چند ہیں ایک عقل ہے لہٰذا حالت جنون میں اور بچپن ایسا کہ نا سمجھی کا دور ہو اِن میں مرتد ہونے والے کی ردت صحیح نہیں کیونکہ عقل مند ہونا اہلیت کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے خاص کر اعتقادات میں یہ بہت اہم شرط ہے اگر ایک شخص ایسا ہے کہ وہ کبھی مجنوں اور کبھی ٹھیک رہتا ہے تو اس نے اگر جنون سے افاقہ کی حالت میں ارتداد کیا تو درست ہوگا اور اگر حالت جنون میں کیا تو معتبر نہیں ہوگا حالت عدم جنون میں اس لیے ارتداد صحیح ہوتا ہے کہ ایمان سے رجوع کی دلیل موجود ہے خواہ وہ دو حالتوں میں ایک کے اندر ہی پائی جاتی ہے یونہی نشے میں بے ہوش کہ جس کی سمجھ بوجھ ختم ہو چکی ہو اس کی ردت از روئے استحسان صحیح نہ ہوگی اور قیاس یہ کہتا ہے کہ ایسے نشئی کا ارتداد احکام کے بارے میں صحیح ہو۔

مرد اور عورت کے مرتد ہونے اور ان کی سزا میں اختلاف ائمہ

مرتد کی سزا قتل ہے اس میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں (دونوں کا قتل کرنا واجب ہے) ابوبکر صدیق اور حضرت علی المرتضیٰ سے اسی کے مطابق روایت ہے امام حسن بصری' زہری' نخعی' مکحول' حماد' مالک' لیث' اوزاعی' شافعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ' حسن بصری اور قتادہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مرتدہ عورت کو غلام بنالیا جائے' قتل نہ کیا جائے کیونکہ ابوبکر صدیق نے بنو حنیفہ کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنالیا تھا حضرت علی المرتضیٰ کو بھی ان میں سے ایک لونڈی دی گئی تھی جس کے بطن سے محمد بن حنیفہ پیدا ہوئے تھے یہ واقعہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا پس یہ اجماع ہوگیا امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ مرتدہ عورت کو قید خانے میں ڈال کر اور تشدد کے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جائے' قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "لا تقتلوا امرأة" "عورت کو قتل نہ کرو" نیز اگر عورت پہلے سے ہی کافرہ ہے تو اس ابتدائی اور اصلی کفر کی وجہ سے اسے قتل نہیں کیا جاتا لہٰذا عورت کو بوجہ ایسے کفر کے جو اسلام کے بعد اس نے کیا اسے قتل نہیں کیا جانا چاہیے اس لیے عورت مرتدہ اور بچوں کا حکم ملتا جلتا ہے۔

(ابن قدامہ حنبلی نے اپنا مسلک تو بیان کیا لیکن اس کے دلائل ذکر نہیں کیے ادھر احناف کا مسلک بھی اور دلائل بھی ذکر کیے اس کی تردید بھی کی ہے تردیدی دلائل دیتے ہوئے لکھا) ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو دین تبدیل کرلے اسے قتل کر دو اسے "صحیح بخاری" اور "ابوداؤد" نے ذکر کیا ہے اور حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا خون ان اسباب میں سے کسی ایک سبب سے مباح ہوتا ہے شادی شدہ زانی ہو' جان کے بدلے جان ہو یا وہ اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہونے والا ہو" "صحیح بخاری و مسلم" اور "دارقطنی" میں مروی ہے کہ ایک عورت ام مروان نامی جب دین سے مرتدہ ہوگئی اور حضور ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اس سے توبہ طلب کرنے کا حکم دیا اگر توبہ کرلے تو بہتر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے نیز عورت بھی ایک مکلف انسان ہے جس نے اپنے دین حق کو باطل سے تبدیل کر دیا لہٰذا اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے گا رہا یہ کہ حضور ﷺ نے عورت کے قتل کرنے سے منع فرمایا تو اس سے وہ عورت مراد ہے جو شروع سے ہی کافرہ چلی آ رہی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے یہ حکم اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب آپ نے ایک عورت کو مقتول پایا وہ اصلی کافرہ تھی ابتداء سے ہی کفر پر تھی یہی وجہ ہے کہ حضور

ﷺ نے جن صحابہ کو ابن ابی حقیق کی طرف روانہ فرمایا تھا انہیں آپ نے عورتوں کے قتل سے منع فرمادیا تھا حالانکہ ان میں کوئی مرتد نہ تھا۔ کفر اصلی اور ارتداد کے احکام میں فرق ہے۔ کیونکہ کفر اصلی پر کافروں کو برقرار رکھا جاتا ہے گرجے والوں' بوڑھوں اور جنگ سے اجتناب کرنے والوں کو قتل نہیں کیا جاتا اور کافرہ عورت کو کفر چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جاتا نہ ضرب سے اور نہ ہی قید کر کے لیکن کفر طاری یعنی ارتداد کے احکام اس کے خلاف ہیں اور بچے کے برخلاف عورت مکلّف ہوتی ہے اور بنو حنیفہ کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ ان میں سے جن لوگوں کو غلام بنالیا گیا تھا وہ پہلے مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ بنو حنیفہ کا پورا قبیلہ پہلے مسلمان نہیں ہوا تھا صرف ان میں سے چند لوگ مسلمان ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ ان کے مرد مسلمان ہو گئے تھے پس ان میں سے بعض تو اسلام پر ثابت قدم رہے مثلاً حضرت ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ اور دوسرے مرتد ہو گئے جن میں سے ایک بنو حنیفہ کا دجال تھا۔

(المغنی مع شرح الکبیر ج ۱۰ص ۷۲-۷۳ کتاب المرتد' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ابن قدامہ حنبلی نے مرتدہ عورت کے قتل کے حق میں احناف کے جواب میں جو دلائل ذکر کیے ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حدیث صحیح ہے کہ دین کو تبدیل کرنے والے کو قتل کیا جائے (اس میں مرد اور عورت سب شامل ہیں)۔

(۲) ام مروان نامی عورت کے مرتد ہونے پر حضور ﷺ نے اس سے توبہ طلب کرنے کو کہا انکار پر قتل کر دینے کا حکم دیا (لہٰذا مرتدہ عورت کو قتل کیا جائے گا)۔

(۳) عورت بھی مرد کی طرح مکلّف ہے لہٰذا دونوں کے ارتداد کا حکم ایک ہوگا۔

(٤) حضور ﷺ نے جس عورت کے قتل سے منع فرمایا اس سے مراد شروع سے کفر پر ہونے والی ہے۔ ایمان لانے کے بعد کفر کرنے والی نہیں۔

(٥) ابن ابی حقیق کے قبیلہ کی غلام بنائی جانے والی عورتیں مرتدہ نہ تھیں بلکہ کفر اصلی پر تھیں۔

(٦) کفر اصلی اور ارتداد کے احکام مختلف ہیں لہٰذا اصلی کافرہ کو قتل نہیں کیا جائے گا اور مرتدہ کو قتل کیا جائے گا۔

ابن قدامہ نے ان دلائل کا احناف کی طرف سے صاحب المبسوط علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور جواب دیا ان کے الفاظ سے جوابات ملاحظہ ہوں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اس مضمون کی دو احادیث ہیں ایک وہ جسے رباح ابن ابی ربیعہ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے کسی جنگ میں لوگوں کو جمع ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہاں کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ایک قتل شدہ عورت کو لوگ دیکھ رہے ہیں آپ نے کسی کو فرمایا کہ خالد کو تلاش کرو اور اسے کہو کہ مزدور اور بچوں کو ہرگز قتل نہ کریں اصل حدیث جناب رباح بن ابی ربیعہ کی روایت کے مطابق یوں ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے اور مقدمۃ الجیش پر حضرت خالد بن ولید مامور تھے راستہ میں ایک مقتولہ عورت ملی جس کو مقدمۃ الجیش نے قتل کیا تھا حضور ﷺ نے اس مقتولہ کے پاس کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: یہ عورت تو جنگ نہیں کر رہی تھی؟ فقہاء احناف کے استدلال کا مرکزی نقطہ اس حدیث کا یہ جملہ ہے جو علامہ سرخسی سے غالباً سہواً رہ گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے ''جو عورت جنگ نہ کرے اسے قتل نہ کیا جائے'' اور دوسری حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مقتولہ عورت دیکھی آپ نے دریافت فرمایا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ ایک شخص بولا یا رسول اللہ! میں نے اسے اپنے پیچھے سوار کیا تھا اس نے مجھے قتل کرنے کے لیے میری تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا آپ نے فرمایا: عورتوں کو قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی لاش دفنا دو اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے ایک قتل شدہ عورت دیکھی فرمایا کہ یہ عورت تو جنگ نہیں کرتی۔ اس حدیث میں اس بات کا بیان

ہے کہ کوئی شخص قتل کا مستحق تب ہوتا ہے جب وہ جنگ کرتا ہو اور عورتیں تو جنگ نہیں کرتیں لہٰذا ان کو قتل نہیں کرنا چاہیے جب عورتوں کے قتل کرنے کی علت ''جنگ کرنا'' ٹھہری تو اس علت کے پیش نظر عورت کے کفر اصلی یا کفر طاری میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ امام شافعی اور احمد بن حنبل نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو (خواہ مرد ہو یا عورت) تو ہم احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عورتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اس سے مراد صرف مرد ہیں اور تخصیص کی دلیل وہ احادیث ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں ''دارقطنی'' وغیرہ میں جو ام مروان کا واقعہ مروی ہے کہ یہ مرتدہ ہوگئی تھی اس پر توبہ پیش کرنے کا آپ نے حکم دیا تو بہ نہ کرنے کی صورت میں قتل کا ارشاد فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اس کے قتل کا حکم اس لیے فرمایا تھا کہ وہ جنگ کرنے والی تھی کیونکہ ام مروان خود بھی جنگ کرتی تھی اور مردوں کو بھی جنگ پر ابھارتی تھی وہ ان کی سردار تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے کہ انہوں نے ام فرقہ نامی مرتدہ کو قتل کر دیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اس عورت کے تین بیٹے تھے جن کو وہ جنگ پر ابھارتی تھی لہٰذا اس کو قتل کرنے سے دراصل کفار کی شوکت کو ختم کرنا مقصود تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو مصلحت اور سیاست کے تحت قتل کیا ہو جس طرح آپ نے ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا جنہوں نے رسول کریم ﷺ کے وصال کی خبر سن کر اظہار خوشی کے لیے دف بجایا تھا۔ (المبسوط للسرخسی ج۱۰ ص ۱۰۹-۱۱۰ باب المرتدین مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مرتدہ عورت کے قتل کرنے پر دلالت کرنے والی احادیث اوران کے جوابات

حدثنا ابراهيم بن محمد بن علي بن بطحاء حدثنا نجيح بن ابراهيم الزهری حدثنا معمر بن بكار السعدی حدثنا ابراهيم بن سعد عن محمد بن المنكدر عن جابر ان امرأة يقال لها ام مروان ارتدت من الاسلام فامر النبی ﷺ ان يعرض عليها الاسلام فان رجعت الا قتلت.

ام مروان نامی عورت اسلام سے برگشتہ ہوگئی تو حضور ﷺ نے اس پر اسلام پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اگر لوٹ آئے تو بہتر ورنہ قتل کر دی جائے۔

اخرج الدارقطنی عن عبدالله بن اذنيه عن هشام بن ابغاذ عن محمد بن المنكدر عن جابر بن عبدالله قال ارتدت امرأة عن الاسلام فامر رسول الله ﷺ ان يعرضوا عليها السلام فان اسلمت والا قتلت.

ایک عورت اسلام چھوڑ بیٹھی (مرتدہ ہوگئی) تو حضور ﷺ نے اس پر اسلام پیش کرنے کا حکم دیا اگر مسلمان ہو جائے تو بہتر ورنہ قتل کر دی جائے۔

اخبرنا محمد بن الحسين بن خاتم الطويل اخبرنا محمد بن عبدالرحمن بن يونس السراج اخبرنا محمد بن الحسين بن عياش اخبرنا ابی اخبرنا محمد بن عبدالمالك الانصاری عن الزهری عن عروه عن عائشة قالت ارتدت امراة يوم احد فامر النبی ﷺ ان تستتاب فان تابت والاقتلت.

(دارقطنی ج ۳ حدیث نمبر ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۲۶ ص ۱۱۸-۱۱۹ مطبوعہ قاہرہ)

احد کے دن ایک عورت مرتدہ ہوگئی تو حضور ﷺ نے اس سے توبہ طلب کیے جانے کا حکم دیا اگر توبہ کر لیتی ہے تو بہتر ورنہ قتل کر دی جائے۔

ان تینوں احادیث کا بالترتیب جواب علامہ زیلعی نے ''نصب الرایہ'' میں ذکر فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

جواب حدیث اول

و معمر بن بکار فی حدیثه وهم قال العقیلی هذا حدیث ملحق بالاول ۔اس کا ایک راوی معمر بن بکار وہمی ہے۔ (لہٰذا قابل استدلال نہیں ہے)۔

جواب حدیث دوم

و عبداللہ بن اذنیه جرحه ابن حبان فقال لا یجوز الاحتجاج به بحال وقال الدارقطنی فی المؤتلف والمختلف متروک رواه ابن عدی فی الکامل و قال عبدالله بن عطارد بن اذنیه منکر الحدیث. عبداللہ بن اذنیہ کی روایت قابل احتجاج نہیں۔ یہ متروک ہے' منکر الحدیث ہے۔

جواب حدیث سوم

و محمد بن عبدالملک هذا قال احمد وغیره فیه یضع الحدیث ۔اس کا ایک راوی محمد بن عبدالملک ہے جس کے بارے میں امام احمد نے کہا کہ وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۵۸' باب احکام المرتدین' مطبوعہ قاہرہ)

قارئین کرام! حنبلی حضرات مرتدہ عورت کے قتل کیے جانے پر جو احادیث پیش کرتے ہیں آپ نے ان کی حقیقت جان لی جو مجروح ہیں لہٰذا نا قابل استدلال ہیں اب ہم احناف کی مؤید چند احادیث نقل کر کے اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

حدثنا عبدالرحیم عن ابن عباس قال لا تقتل النساء اذا ارتددن عن الاسلام ولکن یحبسن ویدعین الی الاسلام و یجبرن علیه حدثنا عبد الرحیم عن الحسن قال لا تقتل النساء اذا هن ارتددن عن السلام ولکن یدعین الی الاسلام فان هن ابین سبین وجعلن اماء للمسلمین ولا یقتلن.... عن الحسن فی المرأة ترتد عن الاسلام قال لا تقتل بل تحبس.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۲۷۸ کتاب الجہاد' مطبوعہ کراچی)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ عورتیں مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے بلکہ قید کیا جائے اور انہیں دوبارہ اسلام لانے کی دعوت دی جائے۔ اور اس پر مجبور کی جائیں.... حسن بصری فرماتے ہیں: جب عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ اسلام کی طرف انہیں دعوت دی جائے اگر وہ انکار کر دیں تو قیدی بنا کر مسلمانوں کی لونڈیاں بنا دیا جائے اور قتل نہ کی جائیں.... حسن بصری ہی فرماتے ہیں: عورت اگر مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ قید کر دیا جائے۔

عن معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ قال له حین بعثه الی الیمن ایما رجل ارتد عن الاسلام فادعه فان تاب فاقبل منه وان لم یتب فاضرب عنقه وایما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها فان تابت فاقبل منها وان ابت فاستتبها. (نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۰۷ کتاب السیر باب احکام المرتدین' مطبوعہ قاہرہ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت حضور ﷺ نے فرمایا: جو مرد اسلام سے مرتد ہو جائے اسے اسلام کی طرف بلاؤ اگر وہ توبہ کر لے تو اس کی توبہ مقبول ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا تو اس کی گردن اڑا دو اور اگر عورت مرتدہ ہو جائے تو اسے اسلام کی طرف بلاؤ اگر توبہ کر لے تو مقبول ہے اور اگر انکار کرے تو توبہ طلب کی جائے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال لا تقتل النساء اذا ارتددن عن الاسلام ویجبرن علیه قال محمد وبه ناخذ ولکنها نجسها فی السجن حتی

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: عورتوں کو مرتد ہونے کی صورت میں قتل نہ کیا جائے اور اسلام لانے پر مجبور کیا جائے۔ امام محمد کہتے ہیں ہمارا بھی یہی مسلک ہے لیکن مرتدہ عورت کو قید خانہ

تموت او تتوب الا الامة فان كان اهلها محتاجين الى خدمتها اجبرناها على الاسلام فان ابت دفعنها الى مواليها فاستخدموها واجبروها على الاسلام فان قتل المرتدة قاتل وهى حرة او امة فلا شئى عليه من دية ولا قيمة ولكنها نكره ذالك له فان راى الامام ان يؤدبه ادبه وهو قول ابى حنيفة رحمه الله عليه. (کتاب الآثار ص ۱۲۸-۱۲۹ باب ارتد او المرأۃ عن الاسلام مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

میں ڈالا جائے حتیٰ کہ مر جائے یا توبہ کر لے۔ اگر مرتدہ لونڈی ہے تو اس کے مالک اگر اس کی خدمت کے محتاج ہیں تو اسے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ انکار کر دے تو اسے اس کے آقاؤں کے سپرد کر دیا جائے گا وہ اس سے خدمت کرائیں اور اسلام لانے پر مجبور کریں اگر مرتدہ کو کسی قاتل نے مار ڈالا خواہ مرتدہ آزاد ہو یا لونڈی تو اس کے قاتل پر نہ دیت اور نہ قصاص کچھ بھی نہیں لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے اگر امام اسے سزا دینا چاہے تو دے سکتا ہے یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

اخبرنا عبدالرزاق عن معمر عن قتادة قال تسبى وتباع وكذالك فعل ابوبكر بنساء اهل الردة باعهن.... عن معمر عن ايوب قال كتب عمر بن عبدالعزيز فى ام ولد تنصرت ان تباع فى ارض ذات مولدة عليها ولا تباع من اهل دينها.

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۷۶ حدیث نمبر ۱۸۷۲۸، ۱۸۷۲۹)

حضرت قتادہ نے فرمایا: مرتدہ کو قید کیا جائے اور بیچ ڈالا جائے یونہی حضرت ابوبکر صدیق نے کیا کہ مرتدہ عورتوں کو بیچ ڈالا تھا....عمر بن عبدالعزیز نے ایسی ام ولدہ کے بارے میں حکم لکھا جو نصرانیت قبول کرے یہ کہ اس کو بیچ ڈالا جائے لیکن ایسی جگہ جو اس کے لیے سخت ترین ہو اس کے ہم دینوں کے ہاتھ بیچا نہ جائے۔

قارئین کرام! یہ چند احادیث بطور نمونہ ہم نے ذکر کیں ان میں مرتدہ کے قتل سے روکا گیا ہے اسے قید کرنے اور دوبارہ اسلام لانے پر زبردستی کرنے کا حکم دیا گیا ہے لونڈی ہونے کی صورت میں اسے قتل کرنے کی بجائے بیچ ڈالا جائے یا پھر ضرورت کے پیش نظر اس کے آقاؤں کے پاس رہنے دیا جائے وہ اسے اسلام لانے پر مجبور کریں انہیں بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں۔

مرتد کے قتل سے قبل مہلت دینے میں ائمہ کرام کا موقف

امام شافعی رضی اللہ عنہ مرتد کو مہلت دینا واجب فرماتے ہیں آپ کی دلیل وہی حدیث پاک ہے جسے امام محمد نے ذکر فرمایا یعنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک شخص حضرت عمر کے پاس آیا مرتد کے بارے میں آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے حضرت عمر نے فرمایا: اسے تین دن کی مہلت دی ہوتی' توبہ طلب کی ہوتی۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مہلت دینے کو مستحب کہتے ہیں امام اعظم کی طرف سے امام شافعی کے استدلال کا جواب علامہ سرخسی نے یوں دیا ہے:

جب کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اسے اسلام لانے کو کہا جائے گا اگر مان جائے اور اسلام قبول کر لے تو بہتر ورنہ اسے اسی جگہ قتل کیا جائے اور اگر وہ مہلت طلب کرتا ہے تو اسے تین دن مہلت دی جائے گی۔ مرتدین کے وجوب قتل پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔ "او یسلمون" یہ آیت مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔ رسول کریم ﷺ نے بھی فرمایا: جو شخص دین اسلام تبدیل کرے اسے قتل کر دو اور حضرت علی' معاذ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے مرتدین کا قتل اس لیے واجب ہے کہ ان کا جرم مشرکین عرب بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ہے مشرکین عرب حضور ﷺ کے قرابت دار تھے' قرآن کریم ان کی زبان میں نازل ہوا اس کے باوجود انہوں نے اس کی پاسداری نہ کی اور شرک کیا اسی طرح مرتد بھی ارتداد سے پہلے حضور ﷺ کے دین پر تھا' آپ کی شریعت کی خوبیاں جانتا تھا اس کے باوجود اس نے اسلام کی پاسداری نہ کی [illegible] وہ حکم ہیں اسلام یا تلوار اسی طرح مرتدین کے

لیے بھی صرف یہی دو حکم ہیں ہاں اگر مرتد مہلت طلب کرے تو تین دن کی مہلت دی جائے گی کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے کوئی شبہ ہوا جس کی وجہ سے وہ اسلام چھوڑ بیٹھا۔

لہٰذا اہم پر اس کے شبہ کو دور کرنا لازم ہے یا خود اسے غور وفکر کی ضرورت ہوگی تا کہ اس پر حق ظاہر ہو جائے اور ازالۂ شبہ کے لیے مہلت ضروری ہے اگر وہ مہلت طلب کرے تو امام کو مہلت دینا لازم ہے شریعت میں یہ مہلت تین دن مقرر ہوئی جیسا کہ بیع خیار میں ہوتی ہے لہٰذا تین دن سے زیادہ کی مہلت نہ دی جائے اور اگر وہ مہلت طلب نہیں کرتا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ ''نوادر'' میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ امام کے لیے مستحب ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دے خواہ مطالبہ کرے یا نہ کرے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام کے لیے تین دن کی مہلت دینا واجب ہے مہلت دینے سے قبل قتل کرنا جائز نہیں کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مغرب سے ایک شخص آیا آپ نے اس سے مغرب کی کوئی تازی خبر پوچھی۔ اس نے کہا ایک شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا آپ نے پوچھا پھر تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا: ہم نے اسے قتل کر دیا حضرت عمر نے فرمایا: تم نے اسے تین دن کی مہلت کیوں نہ دی شاید وہ توبہ قبول کر لیتا اور حق کو قبول کر لیتا پھر آپ نے ہاتھ بلند کر کے کہا اے اللہ! میں اس موقع پر حاضر نہ تھا اور جب میرے پاس خبر پہنچی تو اسے سن کر میں راضی نہ تھا یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مرتد کو مہلت دینا مستحب ہے اور ظاہر الروایۃ کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں اسلام بھی نیا نیا تھا اور اس کا ظہور ابھی شروع ہی ہوا تھا اور بسا اوقات کسی شخص کو اسلام کے بارے میں کوئی شبہ لاحق ہوتا ہے اس کا شبہ اگر زائل ہو جائے تو دوبارہ اسلام قبول کر لیتا ہے اس لیے حضرت عمر نے مہلت نہ دینے کو ناپسند فرمایا اب ہمارے دور میں جب دین کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں اور حق مکمل طور پر واضح ہو چکا ہے اس لیے اب اسلام قبول کرنے کے بعد محض سرکشی کی بنا پر اسے شبہ لاحق ہو سکتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ وہ مہلت طلب کرے۔ اور اگر وہ مہلت کا مطالبہ نہیں کرتا تو پتہ چل گیا کہ وہ سرکش اور اسلام کا باغی ہے۔ اور اس نے اسلام کو عناد کے طور پر چھوڑا ہے لہٰذا اسے قتل کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس سے توبہ طلب کرنا مستحب ہے اگر وہ توبہ کر لے تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ مرتد کی توبہ یہ ہے کہ وہ کلمۂ شہادت ادا کرے اور اسلام کے ماسوا تمام ادیان و مذاہب سے بیزاری کا اظہار کرے یا اس عقیدہ ونظریہ سے بیزاری کا اظہار کرے جس کی طرف وہ اسلام چھوڑ کر منتقل ہوا تھا۔ (المبسوط ج ۱۰ ص ۹۸-۹۹ مطبوعہ بیروت)

مختصر یہ کہ مہلت دینا اس دور میں صرف مستحب ہے' واجب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مہلت نہ دینے پر افسوس کرنا اس دور کے تقاضے کے مطابق تھا کیونکہ اسلام نیا نیا ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کو شک وشبہ ہو سکتا تھا اب جبکہ شکوک وشبہات کی گنجائش نہیں اس لیے اگر مہلت طلب کرے تو تین دن کی مہلت دینا اچھا عمل ہے اگر مہلت نہیں مانگتا تو اسے اسلام قبول کرنے کا کہا جائے گا اور انکار کی صورت میں قتل کر دیں یہی احناف کا مسلک ہے اور اس پر دلائل نہایت قوی ہیں۔ فاعتبروا یااولی الابصار

۳۸۹ - بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ

ریشمی کپڑا پہننے کی کراہت کا بیان

۸۵۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرَاٰى حُلَّةَ سِيَرَاءَ تُبَاعُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اشْتَرَيْتَ هٰذِهِ الْحُلَّةَ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوُفُوْدِ اِذَا قَدِمُوْا عَلَيْكَ قَالَ

امام مالک نے ہمیں نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے اور وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا جب کہ مسجد نبوی کے دروازے کے قریب ریشمی کپڑا بکتے دیکھا یارسول اللہ! میری تمنا ہے کہ اس حلہ کو آپ خرید لیں اور جمعہ کے دن اور وفود سے ملاقات

اِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْهَا حُلَلٌ فَاَعْطٰى عُمَرَ مِنْهَا حُلَّةً فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَسَوْتَنِيْهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيْ حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ قَالَ اِنِّيْ لَمْ اَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا فَكَسَاهَا عُمَرُ اَخًا لَهٗ مِنْ اُمِّهٖ مُشْرِكًا بِمَكَّةَ.

کے وقت زیب تن فرمایا کریں' آپ نے فرمایا: ایسا کپڑا وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں پھر حضور ﷺ کے پاس کہیں سے ایسے ہی ریشمی حلہ جات آئے تو آپ نے ان میں سے ایک حلہ حضرت عمر کو عطا فرمایا اس پر حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے پہننے کے لیے عطا فرمایا حالانکہ آپ نے عطارد کے حلہ میں جو کچھ فرمایا تھا (وہ مجھے اور آپ کو یاد ہے) آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں پہننے کے لیے نہیں دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماں کی طرف سے ایک بھائی کو دے دیا جو مشرک تھا اور مکہ میں رہتا تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَنْبَغِيْ لِلرَّجُلِ الْمُسْلِمِ اَنْ يَلْبَسَ الْحَرِيْرَ وَالدِّيْبَاجَ وَالذَّهَبَ كُلَّ ذٰلِكَ مَكْرُوْهٌ لِلذُّكُوْرِ مِنَ الصِّغَارِ وَالْكِبَارِ وَلَا بَاْسَ بِهٖ لِلْاِنَاثِ وَلَا بَاْسَ بِهٖ اَيْضًا بِالْهَدِيَّةِ اِلَى الْمُشْرِكِ الْمُحَارِبِ مَالَمْ يُهْدَ اِلَيْهِ سِلَاحٌ اَوْ دِرْعٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں کہ مسلمان مرد کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ ریشمی لباس پہنے اور سونا استعمال کرے ان میں سے ہر ایک تمام مسلمان مردوں کے لیے مکروہ ہے خواہ وہ مذکر چھوٹا ہو یا بڑا ہاں مسلمان عورتوں کے لیے ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی ان اشیاء کو ایسے مشرک کو دینے میں کوئی حرج ہے جو حربی ہو جب تک اس کی طرف ہتھیار یا زرع وغیرہ ہدیہ نہ بھیجی ہو یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے فقہاء کرام کا قول ہے۔

باب کے تحت صرف ایک حدیث ذکر ہوئی ہے جس میں ریشمی کپڑے کا استعمال (مردوں کے لیے) کو بیان کیا گیا ہے اور ایسا ہی کپڑا کسی غیر مسلم کو بطور ہدیہ دینے کا مسئلہ ذکر ہوا۔ ریشمی کپڑے کا استعمال مسلمان مردوں کے لیے حرام ہے حرمت کا تعلق اس کے پہننے اور زیب تن کرنے سے ہے اس سے خود ریشمی کپڑے کے نجس ہونے کا کوئی تعلق وثبوت نہیں۔ ریشمی کپڑے کے استعمال کی مخالفت وحرمت دلائل سمعیہ سے تعلق رکھتی ہے' ریشمی کپڑے کے ساتھ ساتھ امام محمد رحمۃ اللہ نے مردوں کے لیے سونے کے استعمال کو بھی حرام قرار فرمایا ریشم اگر چہ مسلمان مرد کے لیے پہننا حرام ہے لیکن وہ کسی غیر مسلم کو بطور ہدیہ دینا چاہے تو اس کی اجازت ہے اس بارے میں ایک حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنا شيبان بن فروخ حدثنا جرير بن حازم حدثنا نافع عن ابن عمر قال راى عمر عطاردا التيمي يقيم بالسوق حله سيراء وكان رجلا يغشى الملوك ويصيب منهم فقال عمر يارسول الله انى رايت عطاردا يقيم في السوق حلة سيراء فلو اشتريتها فلبستها لوفود العرب اذا قدموا عليك واظنه قال ولبستها يوم الجمعة فقال له رسول الله ﷺ انما يلبس الحرير في الدنيا من لاخلاق

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ حضرت عمر نے عطارد تیمی کو بازار میں ریشمی حلہ فروخت کرتے دیکھا یہ شخص بادشاہوں کے پاس آتا جاتا تھا اور ان سے انعام واکرام پاتا تھا تو حضرت عمر نے رسول کریم ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے عطارد کو بازار میں ریشمی حلہ فروخت کرتے دیکھا میری تمنا ہے کہ آپ اسے خرید لیں اور عربی وفود جب آپ سے ملنے آئیں تو اس وقت زیب تن فرمایا کریں میرا خیال ہے کہ حضرت عمر نے یہ بھی عرض کیا کہ آپ جمعہ کے دن اسے زیب تن

لہ فی الاخرۃ الخ. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۰ باب تحریم استعمال اناء الذھب مطبوعہ رشیدیہ دہلی) فرمالیا کریں تو حضور ﷺ نے جناب عمر کو فرمایا: دنیا میں ریشم وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اس کے بعد سرکار ابد قرار کے پاس بہت سے ریشمی حلے آئے آپ نے ان میں سے ایک حلہ حضرت عمر کے پاس اور ایک حضرت اسامہ کے پاس بھیجا اور ایک حضرت علی کو عطا فرمایا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ ان کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کے دوپٹے بنالو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا حلہ اٹھائے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ! آپ نے یہ ریشمی حلہ میرے لیے بھیجا ہے حالانکہ کل آپ نے عطارد کے حلہ کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا' وہ فرمایا تو حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ حلہ تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا کہ تم خود اسے پہنو میں نے اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنا حلہ پہن کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں اس انداز سے دیکھا کہ یہ جان گئے کہ حضور ﷺ کو میرا حلہ پہننا ناپسند ہے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں حالانکہ یہ حلہ آپ نے ہی میری طرف بھیجا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم خود اسے پہن لو بلکہ اس لیے بھیجا تھا کہ اسے پھاڑ کر اپنی عورتوں کے دوپٹے بنالو (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ کتب احادیث میں مختلف اسناد کے ساتھ مروی ہے یہی حلہ آپ نے اپنے ماں جائے مشرک بھائی کو دے دیا تھا جو مکہ میں رہتا تھا)۔

مردوں کے لیے ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے ہاں چار انگلی کے برابر بالتبع جائز ہے

یہ مسئلہ فقہ کی تقریباً ہر کتاب میں مذکور ہے اور اس کی تائید میں احادیث وارد ہیں چار انگشت تک کی استثناء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے منقول ہے اس بارے میں ذیل میں ''مسلم شریف'' کی ایک حدیث کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ کے دوران فرمایا: حضور ﷺ نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا ہے البتہ دو' تین یا چار انگلیوں کا استثنیٰ فرمایا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب اللباس' مکتبہ رشیدیہ دہلی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار انگلی تک کا استثنیٰ حضور ﷺ سے ذکر فرمایا' حضور ﷺ کے اس قول کی تائید آپ کے فعل شریف سے روایات میں ملتی ہے جسے امام مسلم نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر کے ایک غلام کا نام عبداللہ تھا وہ عطاء کے لڑکے کے ماموں تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماء نے مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ جا کر کہنا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ تین چیزوں کو حرام کہتے ہو کپڑوں کے نقش ونگار کو' سرخ گدوں کو اور ماہ رجب کے مکمل روزے رکھنے کو حضرت ابن عمر نے جواباً کہا کہ آپ نے جو رجب کے روزوں کے بارے میں ارشاد فرمایا تو جو شخص لگاتار روزے رکھتا ہو (وہ رجب کے روزوں کو حرام کیسے کہہ سکتا ہے؟) رہا کپڑوں کو منقش کرنے کا معاملہ تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ریشم کو وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو اور مجھے خدشہ تھا کہ نقش ونگار بھی شاید ریشم سے بنائے جاتے ہیں رہا سرخ گدا تو حضرت عبداللہ بن عمر کا گدا بھی سرخ تھا راوی بیان کرتے ہیں کہ میں یہ جوابات سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آیا اور انہیں ان جوابات سے آگاہ کیا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ دیکھو حضور ﷺ کا جبہ شریف ہے آپ نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا اس جبہ کی آستینوں اور گریبان پر ریشمی نقش ونگار بنے ہوئے تھے حضرت اسماء نے فرمایا یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک ان کے پاس رہا ان کی وفات کے بعد میں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا' نبی کریم ﷺ جبہ زیب تن

فرمایا کرتے تھے ہم اس جبہ شریف کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لیے شفاء طلب کرتے ہیں۔
(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۹۰ باب تحریم استعمال اناء الذھب الخ 'مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

''مسلم شریف'' کی مذکورہ روایت سے یوں تو بہت سے فوائد و مسائل حاصل ہوتے ہیں لیکن ان میں چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں۔

(۱) آستین اور گریبان پر ریشمی کڑھائی ہو تو اس کا پہننا جائز ہے چونکہ حضور ﷺ کے جبہ شریف پر کی گئی کڑھائی چار انگشت چوڑی تھی اس لیے چار انگشت تک جائز اس سے زائد ناجائز ہوگی۔

(۲) حضور ﷺ سے جس چیز کی نسبت اور تعلق ہو جائے اس میں برکت وفیض آ جاتا ہے یونہی ہر مبارک شخص سے تعلق والی شے میں برکت آ جاتی ہے۔

(۳) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جبہ مبارکہ کو بھگو کر اس کے پانی کو شفاء کے حصول کے لیے بیماروں کو عطا فرمایا اور ان کا یہ عمل اس وقت موجود بہت سے صحابہ کرام اور تابعین کے علم میں تھا جس سے ثابت ہوا کہ طلب شفاء (جبہ کے پانی سے) کا کوئی بھی منکر و مخالف نہ تھا اگر ہوتا تو انکار منقول ہوتا۔

(٤) طلب شفاء کا مسئلہ اس حدیث سے بطور ''عبارۃ النص'' ثابت ہے اور قرآن کریم میں قمیص یوسف کا قصہ اس کی تائید کرتا ہے جب آپ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ میری قمیص لے جا کر ابا جان کے چہرہ پہ ڈالنا ان کی بصارت لوٹ آئے گی چنانچہ قمیص یوسف ڈالتے ہی بصارت لوٹ آئی بہرصورت ریشم چار انگشت تک بالتبع پہننا مرد کے لیے جائز ہے جو عرضاً چار انگشت ہو اس سے زائد حرام ہے۔

ریشم کے متعلق چند مسائل

(۱) ریشمی لحاف کا استعمال جائز نہیں کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا پہننا ہے لیکن بچے کے پنگھوڑے میں بچے کے نیچے ایسا گدا ڈالنا جس میں ریشم بھرا گیا ہو جائز ہے کیونکہ یہ پہننا نہیں اسی طرح ریشمی مچھردانی بھی مرد استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ مچھردانی بمنزلۂ مکان کے ہوتی ہے یعنی پہننے کے مفہوم میں شامل نہیں (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۱ الباب التبع فی اللبس ما یکرہ الخ 'مطبوعہ مصر)

(۲) ولا باس بکلاہ الدیباج للرجال. مردوں کے لیے ریشمی مچھردانی (کا استعمال) جائز ہے۔
(درمختار ج ۵ ص ۳۰۳ فصل فی اللبس 'مطبوعہ مصر)

بوقت ضرورت ریشم کا استعمال مرد کے لیے جائز ہے

حدثنا قتادہ ان انس بن مالک انبائھم ان رسول اللہ ﷺ رخص لعبد الرحمن بن عوف والزبیر بن العوام فی القمیص الحریر فی التضرمن حلۃ کانت بھما او وجع کان بھما. (صحیح مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دی کیونکہ انہیں خارش یا کوئی اور تکلیف تھی۔

مردوں کے لیے سرخ اور سبز رنگ کے کپڑے پہننے کا حکم

عن عبداللہ بن عمر قال رای النبی ﷺ علی ثوبین معصفرین فقال امک امرتک بھذا قلت اغسلھما قال بل احرقھما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا تمہیں تمہاری ماں نے اس کا حکم دیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انہیں

دھولیتا ہوں فرمایا بلکہ انہیں جلادو۔ (صحیح مسلم کتاب اللباس باب ۲۷۔۲۸)

نوٹ: ریشمی کپڑے کی گفتگو اور بحث کے بعد شاید آپ خیال کریں کہ سبز و سرخ رنگ کے کپڑوں کی بحث کہاں سے آ گئی تو بات دراصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ چونکہ مستقل طور پر ''موطا امام محمد'' میں نہیں آیا تو جس طرح دیگر ابواب میں بعض ضمنی مسائل ہم نے ذکر کیے اسی طرح یہاں بھی چلتے چلتے یہ مسئلہ بھی بیان کر دینا ضروری سمجھا سبز اور سرخ رنگ کے کپڑے پہننے میں حضرات ائمہ کا بھی اختلاف ہے اس لیے اس مسئلہ کی وضاحت بھی ضروری تھی ''مسلم شریف'' کی مذکورہ حدیث سے واضح ہوا کہ زرد رنگ کے کپڑے مرد کے لیے پہننے جائز نہیں ہیں لیکن امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہم زرد رنگ کے کپڑے پہننے کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ امام نووی نے اس کی تصریح فرمائی:

واختلف العلماء فی الثیاب المعصفرة وھی المصبوغة بعصفر فاباحھا جمھور العلماء من الصحابة والتابعین ومن بعدھم وبه قال الشافعی وابوحنیفة ومالک لکنه قال غیرھا افضل منھا الخ.

زرد رنگ میں کپڑے پہننے میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحابہ کرام' تابعین کرام اور ان کے بعد جمہور علماء نے اسے مباح قرار دیا ہے اور امام شافعی' ابوحنیفہ اور مالک رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے لیکن ان حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ زرد رنگ کے علاوہ کپڑا پہننا افضل ہے۔

ایک روایت ہے کہ ان کپڑوں کو گھر میں پہننا جائز اور بازاروں اور مجلسوں میں مکروہ ہے علماء کی ایک جماعت اسے مکروہ تنزیہ کہتی ہے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سرخ رنگ کا حلہ زیب تن فرمایا اس لیے نہی سے مراد مکروہ تنزیہ ہوگا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو زرد رنگ میں کپڑوں کو رنگتے دیکھا۔ علامہ خطابی کہتے ہیں کہ ممانعت کا مقام یہ ہے کہ کپڑا پہلے بناتے وقت مثلاً سفید تھا پھر اسے زرد رنگ دیا گیا تو یہ مکروہ ہے اور اگر کپڑے کا تار پود ہی زرد رنگ کا تھا جس سے رنگے بغیر کپڑا رنگدار بنا تو یہ جائز ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ زرد رنگ کا کپڑا پہننا احرام کے طور پر ممنوع ہے یعنی جس نے احرام باندھا ہوا ہے وہ احرام والے کپڑے کو زرد رنگ نہ لگائے اس کی تائید اس حدیث سے ہوئی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے محرم کو منع فرمایا کہ وہ ایسا کپڑا پہنے جو ورس یا زعفران سے رنگا ہوا ہو' ''ورس'' سرخ اور زرد دونوں مل کر جو رنگ بنے گا وہ ورس کہلاتا ہے اور زعفران پیلا رنگ ہوتا ہے۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹۳ باب النہی عن ورس)

والتقید بالمحرم یدل علی جواز لبس الثوب المزعفر للاحلال وقال ابن بطال اجاز مالک و جماعة لبس الثوب المزعفر للاحلال.

یعنی زعفرانی رنگ کے لباس کے عدم جواز کو محرم کے ساتھ مقید کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ غیر محرم کو زعفرانی لباس پہننا جائز ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور علماء کی ایک جماعت نے غیر محرم کو زعفرانی لباس پہننے کی اجازت دی ہے اور کہا کہ ممانعت محرم کے ساتھ خاص ہے۔

امام شافعی اور کوفی حضرات نے اس ممانعت کو محرم و غیر محرم سب کے لیے عام قرار دیا ہے نیز اس کے بعد باب الفعال القبیہ میں یہ حدیث جواز پر دلالت کرتی ہے کہ ابن عمر نے فرمایا کہ زرد رنگ میں کپڑے اس لیے رنگتا ہوں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو زرد رنگ میں کپڑے رنگتے دیکھا ہے اس لیے میں زرد رنگ میں کپڑا رنگنا پسند کرتا ہوں۔ حاکم نے عبداللہ بن جعفر کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو زعفران میں رنگے دو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔ اس روایت کی سند میں عبداللہ بن مصعب بن زبیر راوی ہیں جو ضعیف ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۲ باب الثوب الزعفرانی' مطبوعہ بیروت)

معلوم ہوا کہ زرد رنگ کے کپڑوں کی ممانعت میں جو احادیث ہیں ان کا تعلق محرم کے ساتھ ہے غیر محرم کے لیے ان کی اجازت ہے جیسا کہ حضور ﷺ سے زرد رنگ کے کپڑے زیب تن کرنے کی روایات پائی جاتی ہیں اس لیے ایسے کپڑوں کی ممانعت کو صرف محرم تک ہی محدود رکھا جائے گا۔ مزید وضاحت ''ردالمحتار'' میں ہے۔

حدیث براء بہت قوی ہے دوسروں کے مقابلہ میں ''اعلم ان فی لبس الثوب الاحمر سبعة اقوال سرخ رنگ کا کپڑا پہننے میں سات اقوال ہیں'' حدیث براء یہ ہے کہ حضور ﷺ کا قد شریف متوسط تھا' میں نے آپ کو سرخ رنگ کے حلہ میں ملبوس دیکھا میں نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین وجمیل کوئی نہ دیکھا۔ بعض احادیث میں سرخ رنگ کے لباس کو پہننے سے منع کیا گیا ہے۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سرخ رنگ کو ناپسند فرماتے اور آپ کا فرمان ہے کہ جنت میں سرخ رنگ نہیں ہے۔

(۲) ہشام اپنے والد سے راوی ہیں کہ حضور ﷺ سبز رنگ پسند فرماتے تھے اور سرخ رنگ کو ناپسند فرماتے۔

(۳) حسن بن الحسن روایت کرتے ہیں کہ سرخ رنگ شیطان کی زینت ہے اور شیطان سرخ رنگ کو پسند کرتا ہے میں (بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری) کہتا ہوں کہ ان تمام روایات کی اسانید غیر مستقیم ہیں ان میں اکثر روایات من قبیل مراسیل ہیں اگر کوئی کہے کہ ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے گہرے زرد رنگ سے منع فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب کپڑے کا رنگ صرف زرد ہو علاوہ ازیں ابن ماجہ کی یہ روایت امام بخاری کی حضرت براء سے روایت کے ہم پلہ نہیں۔ سرخ رنگ کے بارے میں علماء کے حسب ذیل سات اقوال ہیں:

(۱) مطلقاً جائز ہے۔ حضرت علی' طلحہ' عبدالرحمٰن ابن جعفر اور متعدد صحابہ کرام اور تابعین میں سے سعید بن مسیب' نخعی' شعبی' ابوقلابہ' ابووائل اور متعدد فقہاء کا یہ قول ہے۔

(۲) مطلقاً منع ہے۔ یہ بعض علماء کا قول ہے جن کا استدلال مذکورہ احادیث ہیں۔

(۳) گہرا سرخ رنگ مکروہ اور ہلکا غیر مکروہ ہے۔ یہ قول حضرت عطاء' طاؤس اور مجاہد کا ہے۔

(٤) زینت کی غرض سے ناجائز اور کام کاج کی غرض سے جائز ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(٥) کپڑا پہننے کے بعد سرخ رنگ میں اسے رنگنا ممنوع ہے لیکن تار پود اور بنائی میں سرخ ہو تو جائز ہے۔ یہ علامہ خطابی کا قول ہے۔

(٦) زرد رنگ میں کپڑا رنگنا ممنوع ہے کیونکہ اس کی ممانعت میں احادیث وارد ہیں باقی رنگ جائز ہیں۔

(٧) ممانعت مکمل کپڑے کے رنگنے میں ہے اگر سرخ رنگ کے ساتھ دیگر رنگ بھی ہوں تو پھر جائز ہے جن روایات میں سرخ حلہ کا ذکر ہے اس سے مراد دھاری دار سرخ حلہ ہے کیونکہ یمنی چادریں سرخ رنگ کے ساتھ دوسرے رنگوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۳ باب الثوب الموعفر)

زرد' زعفرانی' سرخ اور پیلے رنگ کا لباس مردوں کے لیے مکروہ ہے اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ عورتوں کے لیے یہ رنگ مکروہ نہیں ہیں ان کے علاوہ باقی رنگوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مجتبیٰ' قہستانی اور ابوالمکارم کی ''شرح النقایہ'' میں لکھا ہے کہ سرخ رنگ کے کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہہ ہے لیکن تحفہ میں ہے یہ حرام ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے اور یہ مطلق بولتے وقت مراد ہوتا ہے اس کے متعلق مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ علامہ شرنبلالی نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں اس مسئلہ پر انہوں نے تحفہ اقبال نقل کیے ہیں ان میں سے ایک قول مستحب کا ہے

(درمختار بمع ردالمحتار ج ۶ ص ۳۵۸ فصل فی اللبس، مطبوعہ مصر)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مذکور کلام سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حرمت کا قول اور اباحت کا قول دونوں میں احتیاطاً اباحت کا قول باعث تسکین ہوتا ہے سرخ لباس کے بارے میں ممانعت وحرمت کے اقوال بھی موجود ہیں کراہت تنزیہہ اور استحباب کے اقوال بھی پائے جاتے ہیں تو ان مختلف اقوال کو دیکھ کر بچنا بہت بہتر ہے ''درمختار'' کی مذکورہ عبارت کے تحت علامہ شامی نے اس بارے میں مزید اقوال بھی نقل فرمائے ان اقوال کے نقل کر دینے سے ناظرین کو اس مسئلہ میں بہت زیادہ اطمینان وسکون حاصل ہوگا۔ علامہ شامی کی عبارت کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے۔

قوله لا بأس بلبس الثوب الاحمر الخ. یعنی سرخ رنگ کے کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔

اور یہ امام صاحب سے روایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ''ملتقط'' میں ہے۔ **قوله مفاده ان الكراهية تنزيهية** ۔یعنی مذکورہ عبارت کا مفاد کراہت تنزیہی ہے کیونکہ لفظ ''لابأس'' وہاں استعمال کیا جاتا ہے جس کا ترک اولیٰ ہو اور جو ''تحفہ'' میں مذکور ہے کہ سرخ رنگ استعمال کرنا حرام یعنی مکروہ تحریمی ہے اس تحفہ سے مراد ''تحفۃ الملوک'' ہے تو یہ حرمت کا قول اس وقت مسلم ہوگا جب اس کے مقابلہ میں کوئی نص صریح موجود نہ ہو اور ''جامعۃ الفتاوی'' میں ہے کہ امام اعظم، امام شافعی اور امام مالک تینوں فرماتے ہیں ''**يجوز لبس المعصفر وقال جماعته من العلماء مكروه كراهته تنزيهة** زرد رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے اور علماء کی ایک جماعت نے اسے مکروہ تنزیہہ کہا ہے'' ''منتخب الفتاوی'' میں ہے کہ ''صاحب الروضۃ'' کا کہنا ہے کہ مرد اور عورت سب کے لیے سبز اور سرخ رنگ کے کپڑے پہننے جائز ہیں اس میں کوئی کراہت نہیں اور ''حاوی الزاہدی'' میں ہے کہ مردوں کے لیے مکروہ ہے پیلے زعفرانی اور ورس اور سرخ رنگ ریشمی ہو تب اگر ایسا نہیں تو پھر کراہت نہیں ہوگا اور اس میں چند کتب سے اس مسئلہ کو نقل کیا ہے اور ''مجمع الفتاوی'' میں ہے کہ سرخ رنگ کے کپڑوں کا پہننا مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ نہیں۔ (ردالمحتار ج ۶ ص ۳۵۸، فصل فی اللبس، مطبوعہ مصر)

''ردالمحتار'' کی مذکورہ عبارت بھی اس امر کی مفید ہے کہ سرخ رنگ کا کپڑا نہ پہننا اولیٰ ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس کے جواز کے قائل ہیں پیلا رنگ، زرد اور سرخ ان کے بارے میں جواز وعدم جواز دونوں طرح کی احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک پیش خدمت ہے۔

عن البراء يقول كان النبی ﷺ مربوعا وقد رأيته فی حلة حمراء مارأيت شيئا احسن منه.... فاما الصفرة فانی رأيت رسول الله ﷺ يصبغ احب ان اصبغ.

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۰ باب الثوب الاحمر)

حضرت براء بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ متوسط قد والے تھے۔ میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ حلّہ پہنے دیکھا اتنے خوبصورت اور حسین کہ آپ سے زیادہ حسین کوئی شے میں نے نہ دیکھی....(حضرت عبداللہ ابن عمر بیان کرتے ہیں) کہ میں نے پیلے رنگ میں حضور ﷺ کو کپڑا رنگتے دیکھا اور میں بھی اسی رنگ میں رنگنا پسند رکھتا ہوں۔

عن عبدالله بن عمر قال مر علی النبی ﷺ رجل عليه ثوبان احمر ان فسلم عليه فلم يرد عليه النبی ﷺ. (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص دو سرخ رنگ کے کپڑے پہنے حضور ﷺ کے پاس سے گزرا اس نے آپ کو سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے اس کے سلام کا کوئی جواب نہ دیا۔

خلاصہ یہ کہ زرد اور سرخ رنگ کے کپڑے پہننے میں روایات مختلف آئی ہیں جن کی بنا پر علماء میں بھی اختلاف ہے، حرمت اور

اباحت دونوں قسم کے اقوال موجود ہیں قاعدہ کے پیش نظر اباحت کے قول کی ترجیح ہوگی لیکن احتیاط اس میں ہے کہ مرد ایسے کپڑے پہننے سے اجتناب کرے۔

گھڑی کے چین وغیرہ کی بحث

اکرہ التکلۃ منہ ای من الدیباج ھو الصحیح وقیل لا بأس بھا. (درمختار ج٦ ص٣٥٣)

ریشمی ازار بند کا استعمال مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ریشمی ازار بند کے بارے میں مذکورہ قول کی صاحب ردالمحتار شامی نے یوں وضاحت فرمائی ہے ریشمی ازار بند اس لیے مکروہ نہیں کیونکہ وہ اکیلا نہیں پہنا جاتا اور "جامع صغیر" کی شرح میں بعض مشائخ کا یہ قول ہے کہ ریشمی ازار بند کا استعمال مردوں کے لیے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں رکھتا اور صدر الشریعہ نے صاحبین کے نزدیک اس کا استعمال مکروہ بتایا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مرد کے لیے ریشمی ازار بند میں امام صاحب اور صاحبین میں اختلاف ذکر کیا اور دلیل صرف امام صاحب کی ذکر کی جس سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ علامہ موصوف کے نزدیک امام اعظم کا قول مفتی بہ ہے۔ "ردالمحتار" ج٦ ص٣٥٤۔ یہیں مضمون میں ایک اور مسئلہ بھی مذکور ہے:

ولا تکرہ الصلوۃ علی سجادۃ من الابریشم لان الحرام ھو اللبس اما الانتفاع بسائر الوجوہ لیس بحرام.... قلت ومنہ یعلم حکم ماکثر السوال عنہ من بند السجۃ فلیحفظ..... بقی الکلام فی بند الساعۃ التی تربط بہ ویعلقہ الرجل بزرع ثوبہ والظاھر انہ کبند السجۃ الذی تربط بہ تامل.

ریشمی مصلیٰ پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ حرام ریشمی لباس کا پہننا ہے رہا ریشم سے اور فوائد اور مختلف طریقوں سے استعمال کرنا تو یہ حرام نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس قانون سے بکثرت پوچھا جانے والے مسئلے کا بھی جواب معلوم ہوگیا وہ یہ کہ کیا تسبیح کی ڈوری ریشمی بنانا جائز ہے؟ اسے محفوظ کر لیجئے رہی گفتگو گھڑی کی ڈوری کے متعلق جس سے گھڑی کو باندھ کر گھڑی والا اسے گلے میں لٹکاتا ہے یا اسے اپنی قمیص شیروانی یا صدری وغیرہ کے بٹن کے ساتھ باندھ لیتا ہے تو اس سلسلہ میں ظاہر یہ ہے کہ اس کا معاملہ بھی تسبیح کی ڈوری والا ہی ہے جس سے تسبیح کو پرویا جاتا ہے غور کیجئے۔

قارئین کرام! اس سے یہ ثابت ہوا کہ ریشم کا استعمال مرد کے لیے صرف پہننے کی صورت میں ممنوع ہے جسے عرف میں پہننا نہ کہا جائے ایسا استعمال جائز ہے جیسا کہ ریشمی ازار بند ریشمی ڈوری اور مصلیٰ وغیرہ۔ اب لحاف ریشمی چونکہ پہننے میں آتا ہے مچھر دانی نہیں لہٰذا لحاف ریشمی ناجائز اور مچھر دانی جائز ہوئی ازار بند کے بارے میں اگرچہ اختلاف مذکور ہے لیکن قاعدہ کی بات یہ ہے کہ اس کا استعمال بالتبع ہے اس سے ہم بہت سے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ اصل پہننا اور تبعاً پہننا۔ سونے کے بٹن قمیص وغیرہ میں لگانا "عالمگیری" میں جائز کہا گیا ہے جبکہ وہ زنجیر کے بغیر ہوں کیونکہ بٹن مقصود اصلی نہیں بلکہ قمیص اصل مقصود اور یہ اس کے تابع ہیں۔ ریشم کی ڈوری وغیرہ بھی اسی قاعدہ کے تحت آتے ہیں مختصر یہ کہ ابریشم خالص کا ایسا استعمال جس کو پہننا کہا جاتا ہو وہ حرام اور جو پہننے کی تعریف میں نہ آتا ہو وہ جائز ہے رہا یہ معاملہ کہ "پہننے" کی جامع اور مانع تعریف کیا ہے؟ اس بارے میں حقیقت حال یہ ہے کہ ہم احناف متقدمین ومتاخرین سے کسی ایسی تعریف کا ہمیں علم نہیں اور نہ ایسی جامع مانع تعریف کسی نے کی جو تمام جزئیات پر منطبق ہوتی ہو اور کوئی جزئی اس سے خارج نہ رہے تاکہ اس تعریف کے پیش نظر حرمت واباحت کا علم دوٹوک لگایا جا سکے بہت سی ایسی صورتیں جو بظاہر پہننے میں آتی ہیں لیکن فقہاء کرام نے انہیں پہننا نہیں فرمایا اور بہت سی صورتیں نہ پہننے کی بنتی ہیں لیکن ان کو پہننے میں شامل کیا

گیا۔ مثلاً ابریشم کا ازار بند جس نے اسے پہننے میں شامل سمجھا وہ کراہت کا قائل ہوا اور جس نے خارج سمجھا وہ جواز کا قائل ہوا لہٰذا ایسے مسائل میں وسعت اور رخصت کی صورتیں نکالنی چاہئیں۔ فقہ حنفی میں اس پر بہت سی مثالیں موجود ہیں بلکہ موجودہ دور کے ہم مسلک احناف مثلاً امام اہل سنت اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعۃ مولانا امجد علی کے مابین بعض مسائل میں اختلاف موجود ہے صاحب بہار شریعت مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ پیتل' تانبے کی چین گھڑی میں لگا کر کرتے' اچکن کے کاج میں لگانے کے بارے میں منع کا قول کرتے ہیں جیسا کہ ''بہار شریعت'' ص ١٦' ص ١١ پر ہے'' گھڑی کا ڈورا ریشم کا ہو اس کو گلے میں ڈالنا یا ریشم کی چین کاج میں ڈال کر لٹکانا بھی ممنوع ہے۔ اس کے خلاف اعلیٰ حضرت کا قول ملاحظہ ہو:

اطیب الوجیز مسئلہ

از کلکتہ دھتر ملہ نمبر ٦ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ٩ ذی القعدہ ١٣١١ھ۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سونے چاندی کے گلٹ ریشم کی چین گھڑی میں لگانا اور اس سے لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بیّنو و توجروا۔

الجواب: سونے چاندی کی چین مطلقاً منع ہے اگر چہ انگر کھے میں نہ لگائی جائے صرف کھونٹی پر لٹکائی جائے یا چین کے بکس میں ہی رکھیں اور جو چیز ممنوع ہے اس کے ساتھ نماز میں کراہت آئے گی اور وہ گلٹ میں اگر چاندی زائد یا برابر ہے تو اس کا حکم بھی چاندی کا ہے اور اگر تانبا غالب ہے تو اس میں اب ریشم کی چین میں جب کہ وہ انگر کھے میں نہ لگائی جائے کوئی حرج نہیں رہا اور جو ممنوع کے مشابہ ہے وہ مکروہ ہے اگر پہننے کے مشابہ نہ ٹھہرے تو نہ اس میں حرج اور نہ نماز میں کراہت۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اس طرف ناظر ہے کہ یہ پہننے کے مشابہ نہیں ہے مگر فقیر کو اس میں تامل ہے اور خود امام شامی بھی اس پر جزم نہیں رکھتے اسی لیے امام شامی نے آخر میں ''فتامل'' فرمایا کہ اس میں غور و فکر کرنا چاہیے تو بہتر اس سے احتراز ہی ہے۔ (اطیب الوجیز ص ١٤' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

قارئین کرام! اگر آپ غور فرمائیں تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں ایک ہی صورت جسے مولانا امجد علی مرحوم ممنوع قرار دے رہے ہیں اسی کو اعلیٰ حضرت مکروہ اور جائز میں لوٹا رہے ہیں یعنی اگر پہننے کے مشابہ قرار پائے تو مکروہ ورنہ جائز۔ امام شامی نے بھی اگر چہ ریشمی ڈورے کو گھڑی سے لگا کر قمیص وغیرہ کے کاج میں لگانے کو پہننے کے مشابہ قرار نہیں دیا لیکن اس پر خود انہیں یقین نہیں اسی لیے تامل کہہ کر غور و فکر کی دعوت دی اور اعلیٰ حضرت نے اپنی رائے علامہ شامی کے خلاف دی گویا پہننے اور نہ پہننے کے مشابہ ہونے کی وجہ سے بات بین بین رہی اس لیے اعلیٰ حضرت کے بقول اس سے احتراز ہی بہتر ہے یعنی اولیٰ یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے اور اگر کر بھی لیا جائے تو ممنوع نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہہ ہوگا لیکن صدر الشریعۃ اسے ممنوع فرما رہے ہیں یہ اختلاف ریشمی ڈوری کے پہننے یا نہ پہننے کی مشابہت کی وجہ سے ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے اسے مکروہ تحریمی یا حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جبکہ شامی نے جواز کا قول کیا ہے۔

اس موضوع کو اب موجودہ دور کے ایک اہم مسئلہ کی طرف لوٹاتے ہیں وہ یہ کہ گھڑی کا چین اگر پیتل' چاندی' سونے یا کسی اور دھات کا بنا ہوا تو یہ کیسا ہے اور اس کے ساتھ پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟ بعض علماء اسے ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور اس کے ساتھ پڑھی گئی نماز مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے واجب الاعادہ کہتے ہیں فقیر کے خیال میں احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی چین استعمال نہ کی جائے اور نہ ہی ایسی چین کے ساتھ نماز ادا کی جائے لیکن حرمت اور وجوب اعادۂ صلوٰۃ کا فتویٰ درست نہیں ہے کیونکہ یہ فتویٰ اعلیٰ حضرت کے مسلک اور تحقیق کے خلاف ہے بات وہیں آ جاتی ہے کہ اگر یہاں پہننے کی مشابہت پائی جاتی ہے تو ممنوع ورنہ جائز۔ اعلیٰ حضرت کے جواب میں لفظ ''اگر'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ گھڑی کے چین کو مشابہ لباس قرار دینے میں جزم و یقین نہیں۔ امام ابن عابدین نے بھی ایسی ہی بات کہی ہے انہوں نے اگر چہ اسے پہننے کے مشابہ قرار نہیں دیا لیکن انہیں بھی اس پر جزم و یقین نہیں لہٰذا اعلیٰ

حضرت کے نزدیک پیتل' تانبے' چاندی' سونے اور دیگر دھات سے بنی چین والی گھڑی پہننا خلاف اولیٰ ہے اور اس سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ نماز کے اعادہ کو واجب قرار دینا اعلیٰ حضرت کے مسلک کے خلاف ہے بلکہ یہ غیر محتاط طریقہ ہے یعنی حرام کہنے میں احتیاط نہیں بلکہ خلاف اولیٰ یا اباحت میں احتیاط ہے اس قاعدہ کو خود اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ وثبوت کامل کسی شئے کو حرام ومکروہ کہہ کر شریعت مطہرہ پر افتراء کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل تعین اور تیقن اور بے حاجت مبین خود مبین۔ سیدی عبدالغنی بن سید اسماعیل قدس سرہما العزیز فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالی من اثبات الحرمة والكراهية الذين لابدلهما من دليل بل فی القول بالاباحة التی هو الاصل وقد توقف النبی ﷺ مع انه هو الشارع فی تحریم الخمر او الخبائث حتی نزل علیه النص القطعی الی آخره. واثره ابن عابدین فی الاشربة.

کسی چیز کی حرمت اور کراہت کا قول کہ جن کے لیے دلیل ضروری ہے کرنا احتیاط نہیں کیونکہ بلا دلیل ایسا کہنا دراصل اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانا ہے کیونکہ یہ اختیار اسی کا ہے ہاں مباح ہونے کا قول کرنا واقعی احتیاط ہے کیونکہ اصل ہر شے میں اباحت ہی ہے حضور ﷺ نے باوجود شارع ہونے کے شراب اور خبائث کی حرمت میں توقف فرمایا یہاں تک کہ اس بارے میں نص صریح نازل ہوئی۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۷۵۔۷۶ مقدمہ ثالثہ باب الانجاس کتاب الطہارت' مطبوعہ کتب خانہ سمنانی میرٹھ انڈیا)

اعلیٰ حضرت کے اس فتویٰ کی روشنی میں اگر مذکورہ مسئلہ کو دیکھا جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ فقیر مکمل جانچ پڑتال کے بعد کہتا ہے کہ مجھے گھڑی کی پیتل' چاندی' سونے یا کسی اور دھات سے بنی چین کے بارے میں حرمت کی کوئی نص صریح نہیں ملی اور میرا خیال ہے کہ مانعین حضرات بھی اس پر حرمت کی کوئی شرعی دلیل نہ لاسکیں گے۔ اس لیے ایسی گھڑی کو پہن کر نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی کہہ کر واجب الاعادہ کا فتویٰ صادر کرنا اعلیٰ حضرت کے کلام سے مطابقت وموافقت نہیں رکھتا اور شریعت مطہرہ پر افتراء باندھنا ہے۔

اعلیٰ حضرت ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

اباحت کا قول چھوڑ کر حرمت کا قول کرنے والے شریعت سے دور ہیں

اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہرہ سے ان کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے ترفع اور تنزہ کے لیے خلاف وجدائی نہ کرے کہ یہ امور ائتلاف ومؤانست کے معارض اور مراد محبوب شارع کے مناقض ہیں ہاں ہاں ہوشیار وگوشدار۔ یہ وہ نقطہ جمیلہ وحکمت جلیلہ وکوچہ سلامت وجادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک واہل تکشف غافل وجاہل ہوئے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت اور مقصود شریعت سے دور پڑے ہیں خبردار! محکم گیر یہ چند سطروں میں علم عزیز وبالله التوفيق و عليه النصير۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۹۷۔۹۸ کتاب الطہارت ضابطہ کلیہ واجب الحفظ' مطبوعہ سمنانی)

قارئین کرام! اعلیٰ حضرت کی درج بالا عبارت کے بغور مطالعہ سے بہت سے اوہام وخدشات رفع ہو جاتے ہیں آپ نے ضابطہ واجب الحفظ کے عنوان سے جو عبارت لکھی وہ اپنے موضوع کے عین مطابق ہے۔ رسومات جاریہ کہ جن کی شریعت مطہرہ میں حرمت یا برا ہونا ثابت نہ ہو ان کے بارے میں کچھ لوگوں کا رویہ واقعی دکھ کا باعث ہے بعض رسومات ایسی ہیں کہ ان کے خلاف پر عمل کرنا صرف اولیٰ ہوتا ہے اس اولویت کے پیش نظر بعض لوگ عوام سے الگ روش اپناتے ہیں اور اس رسم کے ادا کرنے والوں کو نہ جانے کن کن الفاظ سے کوستے ہیں اور ان کی مخالفت میں کمربستہ رہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ایسا کرنا ان کے لیے ازروئے شرع شریف کہاں

تک درست ہے؟ ایسی رسوم کے خلاف عمل پیرا ہو کر خود اپنے آپ کو دین پرور اور روح اسلام پر عمل پیرا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو دین سے بے بہرہ اور مخالف شریعت کا الزام دھرتے ہیں ایسے نام نہاد پارسا اور خشک و جاہل متصوف اور شریعت کی حقیقت سے دور لوگ ایسی رسوم پر عمل کرنے والوں کو مرتکب حرام اور گنہگار کے الفاظ سے نوازتے اور ان سے نفرت برتتے ہیں بہر حال اس عبارت کو نقل کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ اس دور میں گھڑی کے ساتھ لگی چین خواہ وہ سٹیل کی ہو یا چاندی سونے وغیرہ کسی اور دھات کی اس کے بارے میں شریعت مطہرہ میں حرمت کی کوئی نص موجود نہیں اور یہ اب عام رواج پا چکی ہے اس کو زیادہ سے زیادہ ترک اولیٰ کہا جا سکتا ہے لیکن جو لوگ اعلیٰ حضرت کا نام لے کر اس کی تحریمی کراہت اور اس سے پڑھی نماز کو واجب الاعادہ کہتے ہیں ان حضرات کو اعلیٰ حضرت کی مذکورہ عبارت بار بار پڑھنی چاہیے اس سے انہیں اس مسئلہ اور اس کے علاوہ اور بہت سے اشکال کا حل مل جائے گا۔ ترک اولیٰ کو حرام کہنے والا اور اسے احتیاط کا نام دے کر دل کو خوش کرنے والا اعلیٰ حضرت کی نگاہ میں مغز حکمت اور مقصود شریعت سے بہت دور ہے احتیاط یہ نہیں بلکہ حرام کی بجائے مباح کہنے میں احتیاط ہے ترک اولیٰ کو ترک اولیٰ سمجھتے ہوئے اگر کوئی عمل پیرا ہے اور اس کام کو نہیں کرتا تو بہت بہتر ہے اس سے زیادہ سخت فتویٰ لگانا درست نہیں پھر ہم مختلف کتب فقہ وغیرہ سے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ بات استعمال کرتے وقت پہننے یا اس کے مشابہ میں اور ہے اور جو پہننے کی مشابہت بھی خالی ہو اس میں کراہت ہرگز نہیں آتی اگر مختلف دھاتوں کی بنی چین گھڑی کے ساتھ لگی ہو اور اسے کوئی شخص بازو پر باندھتا ہے تو اسے "پہننا" کہیں گے یا نہیں اگر پہننے کا شبہ ہو تو کراہت ورنہ جواز ہوگا۔ ایسے امور کہ جن میں پہننے کی مشابہت یا عدم مشابہت ہو علماء نے اس میں زیادہ سے زیادہ کراہت کا قول کیا ہے حرمت کا قول کسی نے بھی نہیں کیا ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس سے وجوب حرمت کا قول کرنا مشکل ہے کتب فقہ میں ریشمی بستر پر بیٹھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں اختلاف کیا گیا صاحب درمختار نے اسے جائز اور "عالمگیری" میں اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے حوالہ "بہار شریعت" سے لیجئے۔ ج ۱۶ ص ۵۸ لباس کے بیان میں۔

مسئلہ: ریشم کے بچھاؤنے پر بیٹھنا اور لیٹنا اور تکیہ لگانا بھی مکروہ ہے اگرچہ پہننے میں اس کی بہ نسبت زیادہ برائی ہے (عالمگیری) مگر "درمختار" میں اسے مشہور کے خلاف بتایا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔ "درمختار" کی اصل عبارت یہ ہے۔

(ویحل توسده وافتراشه) والنوم علیه وقال الشافعی والمالک حرام وهو الصحیح کما فی المواهب قلت فلیحفظ هذا لکنه خلاف مشهور.

(درمختار ج ۶ ص ۳۰۰ مطبوعہ مصر)

ریشمی کپڑے کا تکیہ بنانا اور بچھونا بنانا جائز ہے اور اس پر سونا بھی جائز ہے۔ امام شافعی اور امام مالک نے اسے حرام فرمایا ہے اور وہ صحیح ہے جیسا کہ مواہب میں ہے میں کہتا ہوں کہ اسے خوب یاد رکھو لیکن مشہور قول کے یہ خلاف ہے۔

نوٹ: مذکورہ قول کی شرح کرتے امام ابن عابدین لکھتے ہیں:

انما حل لماروی ان النبی ﷺ جاز علی مرفقة حریر وکان علی بساط ابن عباس رضی الله عنهما مرفقة حریر وروی عن انس رضی الله عنه حضر ولیمة فجلس علی وسادة حریر ولان الجلوس علی الحریر استخفاف و لیس بتعظیم مجری مجری الجلوس علی وسادة فیه تصاویر.

(منح عن السراج)

بے شک اس کا جواز وحلت اس روایت سے ثابت ہے کہ خود رسول کریم ﷺ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بستر پر تشریف فرما ہوئے جس پر ریشم کی چادر بچھائی ہوئی تھی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ (حضرت انس) ایک دعوت ولیمہ میں گئے اور وہاں آپ ریشم کے تکیہ پر بیٹھے جواز وحلت اس لیے بھی ہے کہ ریشمی کپڑے پر بیٹھنا یہ اس کپڑے کی خفت ظاہر کرتا ہے اور یہ کوئی تعظیم نہیں یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص ایسے تکیہ پر

بیٹھ جاتا ہے جس میں تصاویر ہوں۔

''شامی'' کی منقولہ عبارت میں ریشم کے بستر پر بیٹھنے میں جو ائمہ حضرات کا اختلاف ہے اس میں انہوں نے جواز کو راجح قرار دیا اور اس کے دلائل بھی ذکر فرمائے ہمارا مقصود ان عبارات کے پیش کرنے میں یہ ہے کہ مذکورہ اختلاف اجتہادی ہے' عنادی نہیں جن حضرات نے ریشمی بستر پر بیٹھنے کو پہننے کے مشابہ سمجھا وہ اس کے عدم جواز کے قائل ہوئے اور جنہیں یہ مشابہت نظر نہ آئی انہوں نے اسے جائز کہا ریشم کے ناجائز ہونے کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ حضور ﷺ نے ریشمی کپڑے مردوں کو پہننے حرام فرمادیئے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ریشم کی تعظیم و عظمت مقصود ہو اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ ریشم کے بستر پر بیٹھنا ''پہننے'' کی تعریف میں شامل نہیں کیونکہ ''پہننا'' یہ تقاضا کرتا ہے کہ کپڑا جسم کے اردگرد لپیٹا جائے' ستر کے لیے اس کو استعمال کیا جائے یہ دونوں باتیں بستر میں نہیں پائی جاتیں اور دوسری بات تعظیم و عظمت کی تھی بستر پاؤں تلے روندا جاتا ہے اس پر لیٹا جاتا ہے یہ اس کی تعظیم نہیں بلکہ تذلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اس کی مثال تصویروں والے کپڑے سے دی اگرچہ تصویر بنانا حرام ہے لیکن اسی کپڑے کو اگر عظمت کی بجائے بطور تذلیل استعمال میں لایا جائے سر اور منہ کے سامنے نہیں بلکہ پاؤں تلے رکھا جائے تو اس کے جواز میں سبھی متفق ہیں بہرصورت ہمارا مقصد اس سے یہ ہے کہ حضرات ائمہ کے اختلاف کا دارومدار ''پہننے'' کی مشابہت یا عدم مشابہت پر ہے اس کی مثالیں گزر چکی ہیں جہاں سب کے نزدیک ''پہننے'' کی مشابہت نہ ہوگی وہ بالاتفاق جائز اور جس میں بالاتفاق ہوگی وہ ناجائز اور تیسری صورت مختلف فیہ رہے گی۔ سونے کے چین والی گھڑی اگر جیب میں رکھ لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ سونا اگرچہ پہننا حرام ہے لیکن جیب میں ڈالنا حرام نہیں ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اکابر اعلیٰ حضرت اسے ناجائز اور صدر الشریعہ اسے جائز کہتے ہیں۔ ''بہار شریعت'' ج ۱۶ ص ۶۱ پر ہے ''جب جیب میں پڑی رہتی ہو تو ناجائز نہیں ان کے پہننے سے ممانعت ہے جیب میں رکھنا منع نہیں'' اور پھر دوسرا اصل یہ کہ جب کسی چیز پر حرمت کا حکم لگایا جائے تو اس پر نص کا ہونا ضروری ہے اب گھڑی کو سونے یا چاندی کی لگی چین کے ساتھ جیب میں ڈالنا اس کی حرمت منصوص نہیں علاوہ ازیں حرمت میں مقصود و غیر مقصود کا فرق بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ''شامی'' نے ریشم کی ڈوری والی تسبیح وغیرہ میں جواز کا قول اسی بنا پر کیا تھا کہ اس میں مقصود ڈوری نہیں بلکہ تسبیح ہوتی ہے تو اس طرح گھڑی اور چین میں مقصود گھڑی ہے چین تو اس کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس کے جواز میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت سے چشمہ کے بارے میں سوال ہوا کہ اگر چشمہ کا حلقہ پیتل' تانبے وغیرہ کسی دھات سے بنا ہو تو ایسا چشمہ پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جواب ملاحظہ ہو:

اگر عینک کا حلقہ یا تیلیں چاندی یا سونے کی ہوں تو ایسی عینک ناجائز ہے اور نماز اس کی اور تمام مقتدیوں کی سخت مکروہ ہے ورنہ تانبے یا دھات کی ہوں تو بہتر ہے کہ نماز پڑھنے میں اتار لیں ورنہ یہ خلاف اولیٰ اور کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۴۶)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ کو پیش نظر رکھیں اور گھڑی کے چین کے مسئلہ کا اس سے موازنہ کریں تو حل خود بخود کھل کر اور واضح طور پر آپ کے سامنے آجائے گا یعنی یہ بات واضح ہے کہ جس طرح عینک کا دائرہ اور اس کی ٹانگیں مقصود بالذات نہیں ہوتیں بلکہ مقصود بالتبع ہیں کیونکہ اصل مقصود نظر کا شیشہ ہے جسے آنکھوں کے سامنے رکھنے کے لیے شیشہ کو فریم میں لگایا جاتا ہے تو اسی طرح گھڑی اور چین کا معاملہ ہے مقصود گھڑی ہے اور اسے کلائی پر باندھنے کے لیے چین کی ضرورت پڑتی ہے چین مقصود نہیں لہٰذا جس طرح عینک کا فریم پیتل' تانبے یا اور دھات کا بنا ہو تو اسے دوران نماز استعمال کرنا خلاف اولیٰ ہوگا حرام اور مکروہ تحریمی نہیں کراہت تنزیہہ ہوگی ایسی نماز کا لوٹانا یا واجب الاعادہ ہونا ہرگز مسلم نہیں یونہی گھڑی پیتل' تانبے یا اور دھات والی چین کے

ساتھ گٹ پر باندھ کر نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہے یہ تھا مسلک اعلیٰ حضرت لیکن بعض نے اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ اور مسلک کوکماحقہ نہ سمجھنے کی بنا پر ایسی گھڑی سے پڑھی گئی نماز کو واجب الاعادہ کہہ دیا اور اسے پہننے کو حرام قرار دیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر اعلیٰ حضرت کی احکام شریعت سے ایک عبارت ہے جسے ہم من وعن نقل کر کے اس کے بارے میں تحقیقی جواب لکھیں گے جس سے معترض کو اپنے مؤقف وعقیدہ پر نظر ثانی کرنا پڑے گی اور حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے اسے معمول بنانا پڑے گا۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے سونے' چاندی' پیتل کانسہ وغیرہ کی انگوٹھی یا بٹن یا گھڑی کی زنجیر پہنی۔ مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ نہیں؟ اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا یا پڑھانا درست ہے کہ نہیں؟ بینو وتوجروا۔

جواب: چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی مرد کو پہننا جائز ہے اور دو انگوٹھیوں یا کئی نگ کی ایک انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشہ خواہ زائد چاندی کی اور سونے' کانسے' پیتل' تانبے کی مطلقاً ناجائز ہیں گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں ممنوع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۰۱ مسئلہ ۶۳' مطبوعہ ہند)

جواب اول---احکام شریعت اعلیٰ حضرت کی مرتب شدہ کتاب نہیں ہے

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ فتاویٰ اور ملفوظات کتابی صورت میں جو ہمیں دستیاب ہیں یہ خود آپ کے قلم سے لکھے یا مرتب کیے ہوئے نہیں ہیں بلکہ آپ سے وقتاً فوقتاً مختلف احباب نے جو الفاظ سنے انہیں خود یا کسی دوسرے سے جمع کروا دیا اور منسوب اعلیٰ حضرت کی طرف کر دیا جس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ ان کتب کو آپ نے اپنی زیر نگرانی لکھوا دیا حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔ مثلاً ''احکام شریعت'' اور ''ملفوظات اعلیٰ حضرت'' کو لیجیے احکام شریعت مؤلف سید شوکت علی صاحب ہیں۔ حوالہ کے لیے ۱۹۷۲ء اکتوبر' نومبر کے ''فیض رضا'' نامی رسالہ کا ص ۷ ادیکھئے ''احکام شریعت ضرور امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ کا مجموعہ ہے اس کے جامع سید شوکت علی صاحب ہیں۔ الخ اسی رسالہ کے شمارہ اگست ۱۹۹۲ء میں سید شوکت علی صاحب کو مؤلف ''احکام شریعت'' کا نام دیا گیا ہے اور ملفوظات کے مؤلف مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب ہیں۔

اشکال اور اس کا جواب

''احکام شریعت'' چونکہ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ پر مشتمل ہے اس میں کسی اور کا ایک بھی فتویٰ درج نہیں لہٰذا جس کے فتاویٰ کو جمع کیا گیا مجموعہ اسی مفتی کی تصنیف کہلائے گا اس لیے ''احکام شریعت'' کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف قرار نہ دینا درست نہیں اس کے جواب میں ہم گذارش کرتے ہیں کہ فتویٰ دو طرح سے عوام تک پہنچتا ہے ایک تحریری شکل میں اور دوسری صورت گفتگو کے انداز میں یعنی محض الفاظ بول کر سائل کے مسئلہ کا جواب دے دیا اسے تحریری طور پر نہ ضبط کیا گیا اور نہ ہی تحریر کے ذریعہ سائل کو دیا گیا ''احکام شریعت'' ایسے ہی فتاویٰ پر مشتمل کتاب ہے جسے اعلیٰ حضرت نے نہ خود قلم بند فرمایا اور نہ ہی کسی کو قلم بند کرنے کا حکم دیا بلکہ اس مجموعہ کو دیکھنے تک کی نوبت نہ پہنچی ان حالات میں ایسی تحریرات کے متعلق قانون یہ ہے کہ جب تک ان کی عبارات خود اپنے کانوں سے نہ سنی ہوں اس وقت تک محققین علماء انہیں زیر غور گردانتے ہیں ان میں غور وفکر کے بعد ہی کسی حتمی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے سنی سنائی بات کو تحقیق کیے بغیر نقل کر دینا بہر حال غلطی کا احتمال رکھتا ہے خواہ وہ باتیں کسی عالم' مجتہد' مفسر' ولی' صحابی حتیٰ کہ رسول کریم ﷺ ہی کیوں نہ ہوں یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ سے ایسی احادیث جو مذکورہ طریقہ سے مروی ہیں ان میں غور وفکر ضروری قرار دیا گیا آپ ﷺ کی احادیث کی اڑتمیں (۳۸) سے زیادہ اقسام ہیں یہ اقسام اسی لیے وجود میں آئیں کہ آپ کے الفاظ مبارکہ کو نقل کرنے

اور سننے والے کی جانچ پڑتال کرنا پڑتی ہے۔''احکام شریعت'' میں جو الفاظ اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کیے گئے وہ سب سید شوکت علی صاحب کے سنے ہوئے نہیں بلکہ کئی ایک واسطوں سے ان تک پہنچے لہٰذا انہیں غور وفکر کے بغیر کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ واقعی اعلیٰ حضرت کے الفاظ ہیں؟ جب صحابہ کرام کے سماع حدیث پر گفتگو ہوتی ہے اور جرح کی جاتی ہے تاکہ معاملہ واضح ہو سکے۔ حضور ﷺ کے سامعین صحابہ کرام جو تمام عادل پاس اور اعلیٰ حضرت کے سامعین کا کوئی علم نہیں کہ کیسے تھے ان سے پہنچنے والے الفاظ میں غور وفکر بطریقہ اولیٰ ہوگا اسی وجہ سے اگر آپ کے ملفوظات اور آپ سے منسوب کسی بات کو محققین علماء کے فتویٰ کے خلاف پائیں گے تو اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔''ملفوظات'' کے مرتب مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر فرمایا ہے اور آپ نے مرتب کرتے وقت کئی ایک جگہ لکھا'' یہ ملفوظ معتبر نہیں'' لہٰذا اشارۃً ان کی تردید بھی کر دی وجہ یہ ہے کہ قبلہ مفتی اعظم ہند نے ان ملفوظات کو اپنے کانوں سے نہ سنا تھا یعنی نہ تو اعلیٰ حضرت سے بلاواسطہ سننے کا اتفاق ہوا اور نہ ہی کسی دوسرے سے سنا لہٰذا جب ملفوظ سامنے آیا تو دیکھ کر یہی بات سامنے آئی کہ اعلیٰ حضرت سے بلاواسطہ سننے والے نے یا تو صحیح سماعت نہ کی یا اس کو من وعن یاد نہ رکھ سکا اور مرتب کو کہہ دیا کہ میں نے اعلیٰ حضرت سے یوں سنا ہے''ملفوظات'' کی چاروں جلدوں میں مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے اشارات ملتے ہیں۔ ایک عبارت'' احکام شریعت'' سے نقل کی جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مرتب سید شوکت علی صاحب نے جیسا سنا ویسا نقل کر دیا حالانکہ وہ عقل ونقل کے اعتبار سے اعلیٰ حضرت کا کلام نہیں بن سکتا۔

(ز) حضور اقدس ﷺ کا شب معراج عرش الٰہی پر مع نعلین مبارک تشریف لے جانا صحیح ہے کہ نہیں۔

(احکام شریعت حصہ ۲ ص ۸۲ مطبوعہ ہند)

(ز) یہ محض جھوٹ اور موضوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قارئین کرام! سوال بھی واضح اور جواب کے الفاظ بھی واضح۔ اس ''حکم شرعی'' کے بارے میں گزارش ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت کا انداز کلام جاننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کسی بات کو محض جھوٹ اور موضوع فرمائیں اور اس کے دلائل ذکر نہ فرمائیں ایسا نہیں ہو سکتا لہٰذا ازروئے عقل یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ جواب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں اور دوسری بات یہ کہ جب جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو عرش بریں بلکہ اس سے آگے تک لے جانے کے لیے اللہ کا پیغام لے کر حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نعلین شریف پہنے بغیر ان کے ساتھ روانہ ہو گئے کہیں جانا آنا ہو تو عادت مستمرہ یہ ہوتی ہے کہ جوتا پہن کر آیا جایا جاتا ہے تو نعلین شریف کا پہنے ہوئے تشریف لے جانا اس پر عادت دلالت کرتی ہے لیکن اس کے خلاف ننگے پاؤں جانے کے لیے کوئی نص موجود نہیں فقیر کی نظر سے ایسی کوئی نص نہیں گزری جس میں مذکور ہو کہ حضور ﷺ جب عرش عظیم پر جلوہ فرما ہونے والے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''نعلین اتارو'' کا حکم ملا ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر تشریف فرما ہوتے وقت ''**فاخلع نعلیک**'' کا حکم ملا تھا جب ایسی کوئی نص موجود نہیں تو پھر نعلین شریف کے بغیر عرش پر جانے کا انکار ہوگا یعنی آپ عرش پر گئے ہی نہیں اور یہ قول جمہور کے خلاف ہے اور اعلیٰ حضرت کے اپنے کلام کے بھی خلاف ہے۔ آپ ہی کا ایک شعر ملاحظہ ہو ۔

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود
فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام
(حدائق بخشش)

بہت سے اکابرین امت نے نظم ونثر میں حضور ﷺ کا عرش بریں پر تشریف فرما ہونا بیان فرمایا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔

حبیب خدا اشرف انبیاء
کہ عرش مجیدش بود متکاء

سورۂ القمر کی وہ آیات جن میں "قاب قوسین او ادنی" کا مضمون ہے وہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں آپ ﷺ کے معراج جسمانی آسمانی پر محققین' فقہاء اور محدثین کرام میں سے کسی کو انکار نہیں لہٰذا اتنے واضح اور اہم معاملہ کو اعلیٰ حضرت کس طرح "محض جھوٹ اور موضوع" کہہ سکتے تھے؟ صاحب روح البیان اور صاحب جواہر البحار کی عبارات اس مسئلہ پر بالکل واضح ہیں کہ آپ ﷺ بمع نعلین شریفین عرش پر تشریف فرما ہوئے

تقدم علی بساط العرش بنعلیک
یتشرف العرش بغبار نعال قدمیک

(روح البیان ج ۵ ص ۳۷۰ زیر آیت فاخلع نعلیک' مطبوعہ مصر)

علی راس هذا الکون نعل محمد
علت فجمیع الخلق تحت ظلاله
لدی الطور موسی نودی اخلع و احمد
علی العرش لم یؤذن بخلع نعاله

(جواہر البحار ج ۳ ص ۴۳۰ کلام الامام الشیخ الاجھوری المالکی' مطبوعہ مصر)

اس جہان کی چوٹی پر رسول کریم ﷺ کی نعلین بلند ہوئیں تو تمام مخلوق آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے آ گئی طور کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی گئی کہ اپنی نعلین اتار کر آؤ اور حضرت محمد ﷺ کو عرش الٰہی پر بھی نعلین شریفین کے اتارنے کی اجازت نہ دی گئی۔

بطور نمونہ یہ ایک مثال تھی۔ "احکام شریعت" کے مؤلف جناب سید شوکت علی صاحب نے مذکورہ تالیف میں کئی ایک جگہ ایسے فتاویٰ درج کر دیئے ہیں جن کا اعلیٰ حضرت کی شخصیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ وہ خود اتنے بڑے عالم نہ تھے کہ غلط و صحیح میں امتیاز کر سکتے اور نہ ہی ہر مسئلہ مندرجہ کو متبحر علماء اور محققین سے پوچھنے کی زحمت گوارا کی اس کے مقابلہ میں اعلیٰ حضرت کے ملفوظات کے جامع آپ کے ہی صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب مفتی اعظم ہند ہیں جب انہیں جمع کرتے وقت بعض مقامات میں شک پڑا کہ سننے والے نے اعلیٰ حضرت کے کلام کو صحیح نہ سمجھا یا کسی اور وجہ سے اس میں خرابی آ گئی تو مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے درج فرمانے کے بعد اس پر تنقید فرما دی کہ "جیسے سنانے والا سنا رہا ہے صحیح نہیں بلکہ صحیح اس طرح ہے"۔

ہم سر دست اس کی دو مثالیں ناظرین و قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے ملفوظات نقل کرنے میں مفتی اعظم ہند کی احتیاط کے دو عدد مسائل

مسئلہ نمبر ا --- ملفوظات اعلیٰ حضرت

ارشاد تورات مقدس سے بہت پیشتر کا ہے الخ یعنی خضر علیہ السلام کا واقعہ نزول تورات سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت ج ۳ ص ۶' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ)

مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ ملفوظ سنا تو اس کی فوراً تردید میں اس پر حاشیہ نمبر ا یوں لکھا میرے خیال میں پیشتر کی جگہ بعد ہونا چاہیے جیسا کہ "بخاری شریف" کی حدیث "انکم علی علم" اور تاریخ میں موجود ہے کہ "قام موسی خطیبا فی بنی

اســرائیـل " اور مفسرین فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے تمام تبلیغ وخطابات بعد تورات فرمائے۔ قارئین کرام! آپ نے اس سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ یہ ملفوظ معقل ونقل کے اعتبار سے درست نہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ حضرت جیسی شخصیت کا نہیں ہوسکتا۔ قبلہ مفتی اعظم نے اس کی دوطرح سے تصحیح فرمائی ایک تو یہ ہے کہ سننے والے نے اعلیٰ حضرت سے "بہت بعد" سنا ہوگا لیکن یادداشت کی کمزوری یا پھر سماعت کی کمزوری کے باعث "بہت پیشتر" لکھوایا۔ دوسرا یہ کہ مفتی اعظم نے اسے قرآن وحدیث کی رو سے صحیح نہ ہونا واضح فرمایا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی تبلیغ کا دور اعطائے تورات کے بعد ہے اور قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ آپ کا واقعہ آپ کے تبلیغی دور سے متعلق ہے جسے جاننے والا بھی سمجھ جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۲---ملفوظات اعلیٰ حضرت

عورت سے اگر کلمۂ کفر نکل جائے تو نکاح ٹوٹے گا یا نہیں؟ (ملفوظات ج ۲ ص ۹ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ)

مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس ملفوظ کو سنا تو اس پر یہ حاشیہ فرمایا۔ فتویٰ اس پر ہے کہ ارتداد زن سے عورت نکاح سے نہیں نکلتی الخ۔ یعنی ملفوظ کا فتویٰ غیر مفتیٰ بہ ہے اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ "احکام شریعت" کے مؤلف سید شوکت علی صاحب اور "ملفوظات" کے مرتب مفتی اعظم ہند ہیں سید شوکت علی صاحب نے جیسے سنا ویسے نقل کردیا کیونکہ وہ خود علم شریعت سے کما حقہ واقف نہ تھے لہٰذا ان کی تالیف میں سقم اور غلط مسائل باقی رہے جب اسے علماء نے پڑھا تو بعض مسائل کو اعلیٰ حضرت کے مسلک کے خلاف پایا ادھر مفتی اعظم نے "ملفوظات" کی سماعت کے دوران جہاں غلطی نظر آئی خواہ اس کی وجہ کوئی بھی ہو اس پر حاشیہ لکھ کر مسئلہ کی حقیقت واضح فرمادی گھڑی کی چین کا مسئلہ بھی من جملہ "احکام شریعت" کے ان مسائل میں سے ایک ہے جو مؤلف شوکت علی صاحب نے تحقیق کیے بغیر جیسا سنا ویسے نقل کردیا اس کے مقابلہ میں "اطیب الوجیز" اعلیٰ حضرت کی اپنی تصنیف ہے اور اس کا ایک ایک جملہ پوری ذمہ داری کے ساتھ تحریر کروایا گیا کتابت کے بعد نظر ثانی بھی کی گئی اور تسلی بخش ہونے پر اس کی اشاعت کی گئی اس میں گھڑی کی دھات والی چین کو پہن کر نماز پڑھنے کو زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہا گیا مکروہ تحریکی یا حرام نہیں کہا گیا کہ جس کی بنا پر اس سے پڑھی گئی نماز واجب الاعادہ ہوتی اس لیے "اطیب الوجیز" کی مستند عبارت کو چھوڑ کر "احکام شریعت" کی نامضبوط عبارت کو مسئلہ زیر بحث میں شدومد سے پیش کرنا دراصل اعلیٰ حضرت کے مسلک سے انحراف اور شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔

جواب دوم: چینل، تانبے وغیرہ دھات کی چین والی گھڑی باندھنا جائز ہے اور اس سے نماز صرف ترک اولیٰ کے زمرہ میں آتی ہے اس مسئلہ یا فتویٰ پر عملی طور پر ہمیں اپنے اکابر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب شیخ الحدیث حزب الاحناف قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں مجھے کافی عرصہ گزارنے کا اتفاق ہوا حتی کہ بوقت وصال اس فقیر نے آپ کو غسل بھی دیا اور قبر میں اتارنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی میں نے خود دیکھا کہ آپ کی گھڑی کی چین چمڑے یا پلاسٹک کی نہ تھی ایک قسم کی دھات تھی جس کے دو پتر تھے اور دو گھنڈیاں تھیں جب ان گھنڈیوں کو ملایا جاتا تو گھڑی کے کنڈے آپس میں مل جاتے اسی طرح حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی آپ کو بھی دھات کی چین استعمال کرتے دیکھا اس کی تصدیق وتائید آپ کے صاحبزادے مفتی اقتدار احمد صاحب نے اپنی تصنیف "العطایا الاحمدیہ فی الفتاوی النعیمیہ" میں فرمائی ہے۔ مزید لکھا کہ جب یہ مسئلہ غزالی دوراں قبلہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا انہوں نے فرمایا: وہ لوگ ضد کرتے ہیں حالانکہ اس میں حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے"۔

قارئین کرام! فقیر نے جو اس مسئلہ میں مختصر مگر جامع بحث لکھی۔ اگر میں اپنے موقف میں سچا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر پاؤں گا ورنہ خدا سے معافی کا خواستگار ہوں میں نے جو [illegible] فقہائے کرام کے اقوال وارشادات کی روشنی میں لکھا

ہے اس لیے یہ حق وثابت ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۹۰ - بَابُ يُكْرَهُ مِنَ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ

مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا مکروہ ہونے کا بیان

۸۵۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّيْ كُنْتُ اَلْبَسُ هٰذَا الْخَاتَمَ فَنَبَذَهٗ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا اَلْبَسُهٗ اَبَدًا فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ.

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے اور وہ حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی (اور پہنی) پھر ایک دفعہ کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں اس انگوٹھی کو پہنا کرتا تھا یہ کہہ کر آپ نے اسے اتار پھینکا اور فرمایا خدا کی قسم! میں اسے کبھی بھی نہیں پہنوں گا یہ دیکھ کر لوگوں نے بھی اپنی اپنی (سونے کی) انگوٹھیاں اتار پھینکیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّتَخَتَّمَ بِذَهَبٍ وَّلَا حَدِيْدٍ وَّلَا صُفْرٍ وَّلَا يَتَخَتَّمَ اِلَّا بِالْفِضَّةِ فَاَمَّا النِّسَاءُ فَلَا بَاْسَ بِتَخَتُّمِ الذَّهَبِ لَهُنَّ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا عمل بھی یہی ہے کہ مردوں کے لیے سونے' لوہے اور تانبے کی انگوٹھی پہننی درست نہیں ہے ہاں چاندی کی انگوٹھی پہن سکتے ہیں بہر حال عورتیں تو ان کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کا ابتداءً سونے کی انگوٹھی پہننے اور پھر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہ پہننے کا ذکر کیا اور صحابہ کرام کے لیے نہ پہننے کا ذکر کیا اور صحابہ کرام نے بھی اس کے بعد سونے کی انگوٹھی نہیں پہنی اس سے یہ ثابت ہوا کہ مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال نہ کرنے کی اجازت کا ذکر کیا اور دوسرا سونے کے علاوہ دیگر دھاتوں کے استعمال کا بھی حکم ذکر فرمایا چاندی کی انگوٹھی مرد کے لیے جائز قرار دی اور سونے' پیتل' تانبے کی انگوٹھی کو بھی مرد کے لیے ناجائز فرمایا کیا ان دھاتوں کے زیورات عورتیں پہن سکتی ہیں؟ اس بارے میں اگرچہ یہاں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ بھی ذکر نہیں فرمایا لیکن اجماع امت اس بات پر ہے کہ عورتوں کے لیے چاندی اور سونے کے علاوہ دیگر دھاتوں کے زیورات کا استعمال مردوں کی طرح جائز نہیں ہے اس مسئلہ کے بارے میں ہم حدیث پاک اور کتب فقہ سے توضیح پیش کرتے ہیں۔

عن بردہ عن النبی ﷺ الحدیث۔ حضرت بردہ رضی اللہ عنہ جناب رسول کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے تانبے کی انگوٹھی پہنے ایک شخص کو فرمایا: مجھے کیا ہوگیا کہ میں تجھ سے بتوں کی بو پاتا ہوں یہ سن کر اس نے انگوٹھی پھینک دی دوسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مجھے کیا ہوگیا کہ میں تمہیں جہنمیوں کا زیور پہنے دیکھ رہا ہوں؟ اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی اس نے اسے بھی اتار پھینکا پھر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! میں کس چیز کی بنی انگوٹھی پہنوں؟ آپ نے فرمایا چاندی کی انگوٹھی جس کا وزن پورا مثقال نہ ہو (یعنی ساڑھے چار ماشہ کی نہ ہو) اسے ترمذی' نسائی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

(مشکوۃ شریف ص ۳۷۸ باب الخاتم فصل دوم کتاب اللباس)

(پیتل کی انگوٹھی کو دیکھ کر آپ ﷺ کا بتوں کی بو آنا' فرمانا اس کی وجہ یہ تھی) اس دور میں اور اب بھی اکثر بت پیتل کے بنے ہوتے ہیں اس لیے اسلام نے پیتل کے زیورات کی ممانعت فرمادی خواہ مرد ہو یا عورت انگوٹھی' چھلہ وغیرہ بھی چونکہ زینت کی خاطر بطور زیور استعمال کیے جاتے ہیں لہٰذا یہ بھی ممنوع ہیں خیال رہے کہ سونے چاندی کا استعمال مطلقاً حرام ہے مسلمان مرد اس کا بنا زیور ہرگز استعمال نہ کرے اور نہ ہی کسی اور طرح اسے استعمال میں لائے ہاں عورتوں کے لیے ان کے زیورات پہننے کی اجازت ہے

لیکن کسی اور طرح ان کو استعمال میں لانا عورتوں کے لیے بھی جائز نہیں ہے اس لیے سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا ان سے بنی گھڑی میں وقت دیکھنا' ان سے بنی سلائی سے سرمہ لگانا حرام ہے ہاں ان کا کشتہ کھانا یا علاج کے لیے سونے کی سلائی کا استعمال جائز ہے کیونکہ یہ علاج ہے ان کے علاوہ دوسری دھاتوں کا زیور بھی حرام ہے لیکن ان کو دوسرے طریقوں سے استعمال کرنا جائز ہے لہٰذا تانبے' لوہے' پیتل وغیرہ کے برتن استعمال کرنے جائز ہیں غرض کہ ان کے استعمال میں قریب سا فرق ہے مرد کے لیے سوا چار ماشے تک کی چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔ (مرآت شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۱۳۳ باب الخاتم فصل دوم' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال میں اختلاف ائمہ

حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدہ ام سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۸) اس کی تشریح میں امام نووی رقم طراز ہیں:

حضور ﷺ نے سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت فرمائی یہ مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لیے ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ کفار بھی احکام فرعیہ کے مخاطب ہیں تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام مردوں اور عورتوں پر سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال حرام ہے البتہ داؤد ظاہری اور امام شافعی کا قول اس کے خلاف ہے ان دونوں کا قول نامقبول ہے کیونکہ ان کے اقوال نصوص صریحہ اور اجماع کے خلاف ہیں نیز امام شافعی کا یہ قول ''قول قدیم'' تھا جس سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا خلاصہ یہ کہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال ممنوع ہے ان میں کھانا' پینا' ان کا چمچہ بنانا' ان میں دھونی دینا' ان میں بول و براز کرنا غرض کہ ہر قسم کا استعمال ممنوع ہے ان کی سرمہ دانی بنانا' سرمہ دانی کی سلاخ بنانا وغیرہ سونے چاندی کی ہر چیز مردوں اور عورتوں پر استعمال کرنی حرام ہے البتہ عورتوں کے لیے سونے چاندی کے زیورات کا استعمال جائز ہے اگر کسی نے سونے چاندی کے برتن سے وضو کیا' غسل کیا تو وہ گنہگار ہوگا لیکن اس کا وضو و غسل صحیح ہے اسی طرح اگر کسی نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا تو وہ گنہگار ہوگا لیکن وہ کھانا حرام نہیں۔ امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور تمام علماء کا یہی نظریہ ہے البتہ داؤد ظاہری نے اس میں اختلاف کیا ہے سونے چاندی کے برتن بنانے اور ان کے استعمال سے پرہیز کرنے میں فقہاء شافعیہ کے دو اقوال ہیں۔ اصح یہ ہے کہ یہ بھی حرام ہے دوسرا قول کراہت کا ہے کراہت کے قول پر ان برتنوں کا بنانے والا اجرت و مزدوری کا مستحق ہوگا اور ان برتنوں کو اگر کوئی توڑ ڈالے گا تو وہ تاوان بھرے گا اور شیشہ کے عمدہ برتن بالاجماع حرام نہیں ہیں یاقوت' فیروزہ اور زمردہ کے برتنوں میں اختلاف ہے زیادہ صحیح یہ ہے کہ جائز ہیں بعض فقہاء نے اسے بھی حرام کہا ہے۔

(نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۸۷۔۱۸۸ باب تحریم استعمال اوانی الذھب کتاب اللباس' مطبوعہ نور محمد کراچی)

قارئین کرام! امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی درج شدہ عبارت کی دو باتوں میں ائمہ کرام کا اختلاف معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ سونے چاندی کے برتن بنانا اور دوسرا ان کو استعمال کرنا۔ سونے' چاندی کے برتنوں کے استعمال میں حرمت یا عدم حرمت میں اختلاف ائمہ کا کچھ مزید ذکر کر کے پھر ان برتنوں کے بنانے میں اختلاف ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں موجودہ دور کے فقیہہ ڈاکٹر ذھبہ ذہیلی اپنی مشہور تصنیف ''الفقہ الاسلامی'' میں اس مسئلہ پر اپنی تحقیق یوں قلم بند کرتے ہیں:

سونے چاندی کی چند چیزیں ضرورت اور حاجت کی بنا پر مستثنیٰ ہیں (۱) اگر کسی شخص کی ناک کٹ جائے یا اس کا دانت ٹوٹ جائے تو سونے یا چاندی کی ناک اور دانت بنوانا جائز ہے جمہور فقہاء کا یہی طریقہ ہے امام محمد بن حسن شیبانی اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف بھی یہی رائے رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ دانتوں کو سونے کی بجائے چاندی سے باندھا جائے فقہاء احناف نے یہ بھی کہا ہے کہ چاندی کی انگوٹھی میں نگینہ لگانے کے لیے سونے کی کیل ٹھونکنا جائز ہے کیونکہ یہ کیل نگینے کے تابع ہے اور

فقہاء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ مرد کے لیے سونے کے دانت لگوانا حرام ہے (۲) دوات (اسی طرح قلم وغیرہ) پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھانا جائز ہے بایں طور کہ اس سے سونے یا چاندی کو مادی طور پر الگ نہ کیا جا سکے (۳) جس برتن کو چاندی سے مزین کیا گیا ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں پینا اور وضو کرنا جائز ہے اسی طرح چاندی سے مزین کی ہوئی زین پر سوار ہونا اور چاندی سے مزین کیے ہوئے تخت پر بیٹھنا جائز ہے جس برتن کے بنانے میں سونا یا چاندی ملایا گیا ہو یا جس کرسی کے مادہ میں سونا یا چاندی لگایا گیا ہو یا قرآن کریم کو سونے یا چاندی سے بنایا گیا ہو تو یہ بھی جائز ہے اسی طرح لگام اور رکاب کا حکم ہے اور جس کپڑے میں سونے یا چاندی سے لکھا گیا ہو تو یہ سب امور جائز ہیں۔ مسجد کے نقش و نگار اور مصحف کو سونے کے پانی سے مزین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس سے تعظیم مقصود ہو اور اگر ریا کاری مقصود ہو تو پھر جائز نہیں۔

فقہاء مالکیہ نے یہ کہا ہے کہ مصحف' تلوار اور انگوٹھی کو چاندی سے مزین کرنے میں کوئی حرج نہیں اور لگام' زین اور چھری وغیرہ میں چاندی نہ لگائی جائے اور سونے کے پانی چڑھانے یا چاندی اور سونے کو ملا کر بنانے میں ان کے دو قول ہیں ایک قول میں ممنوع کہا ہے اور ایک قول میں مکروہ ہے فقہاء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ چاندی اور سونے کا پانی کسی چیز پر اس طرح چڑھانا جائز نہیں جس سے مادی طور پر سونے اور چاندی کو الگ کیا جا سکے اور اگر سونے یا چاندی کو الگ نہ کیا جا سکے تو جائز ہے اور بطور زینت کسی مادہ میں چاندی بھر کر برتن بنانا جائز نہیں ہے اور اگر اس کی ضرورت ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے اور کسی مادے میں سونا بھر کر کوئی چیز بنانا مطلقاً حرام ہے خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی ہو ضرورت کی بنا پر بنایا جائے یا زینت کی بنا پر کل مادے میں سونا بھرا جائے یا بعض میں حتیٰ کہ اس طرح سرمہ دانی بنانا جائز نہیں۔ مرد و عورت کے لیے مصحف کو چاندی سے آراستہ کرنا جائز ہے اور آلاتِ جنگ اور منطقہ وغیرہ کو مرد کے لیے چاندی سے مزین کرنا جائز ہے کیونکہ اس سے کفار جلیں گے اور یہ عمل عورتوں کے لیے جائز نہیں اور عورت کے لیے مصحف کو سونے سے مزین کرنا جائز ہے یعنی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مصحف میں لگائے جائیں۔ دیواروں اور چھتوں کو سونے کے پانی سے مزین کرنا جائز نہیں ہے خواہ سونے اور چاندی کو مادی طور پر الگ کیا جا سکے یا نہ۔ کعبہ اور دیگر مساجد کو سونے اور چاندی کے پانی سے مزین کرنا جائز نہیں ہے جس طرح کعبہ میں ریشم کے پردے لگانا جائز نہیں خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو اور قلیل مقدار میں سونے کا استعمال بغیر ضرورت کے جائز نہیں ہے مثلاً سونے کی ناک لگانا یا سونے کے دانت باندھنا جائز ہے اسی طرح قلیل مقدار میں چاندی کا استعمال بھی جائز ہے۔ فقہاء نے بیان کیا ہے کہ سونے اور چاندی کے استعمال کی حرمت کی علت فضول خرچی اور تکبر ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کی حرمت کی علت ان کا خلقۃً ثمن ہونا ہے مگر ان کے استعمال کو مباح کیا جائے پھر ان کا بازار میں زیادہ رواج ہو جائے گا جس سے اضطراب اور قلق پیدا ہوگا۔ سونے اور چاندی کے علاوہ دوسرے نفیس برتنوں کا استعمال جائز ہے جیسے یاقوت' شیشے' بلور' عقیق' زمرد' مرجان' پیتل اور شیشہ وغیرہ کے برتن کیونکہ یہ مادے سونے اور چاندی کے حکم میں نہیں اور اشیاء میں اصل اباحت ہے اور نبی ﷺ نے پیتل کے برتن سے وضو کیا ہے۔ (الفقہ الاسلامی ج ۳ ص ۵۴۴-۵۴۶ المبحث الثالث اللباس الخ' مطبوعہ بیروت)

اما الاناء المفضض فالمذهب انه لا بأس بالاكل والشرب منه ان وضع فمه على العود دون الذهب والفضة وكره ابويوسف و محمد رحمة الله عليهما ذالك و كذا الاختلاف فى المضبب من كل الاوانى وكذا الاختلاف فى الكرسى المضبب بالذهب والفضة اذا لم يجلس على موضع الذهب

سونے اور چاندی سے گل کیے ہوئے برتن میں کھانا پینا جائز ہے اگر منہ سونے اور چاندی پر نہ لگے امام ابو یوسف اور امام محمد نے اسے مکروہ کہا یونہی ہر گل کیے برتن میں ان کے مابین اختلاف ہے گل شدہ کرسی میں بھی اختلاف ہے جبکہ سونے اور چاندی لگی جگہ پر نہ بیٹھا جائے یونہی مسجد میں سونے چاندی کی گل کاری میں بھی اختلاف ہے۔ شیشے کے فریم اور قرآن کریم کی گل کاری میں بھی

والفضة وكذا الاختلاف فيما اذا جعل ذالك في المسجد وكذا الاختلاف في حلقه المرأة وكذا الاختلاف في المصحف والمفضض واما السرج المفضض فعن ابي حنيفة رحمة الله عليه انه لابأس به وكذالك الثغر المفضض واللجام المفضض والركاب المفضض وعن ابي يوسف رحمة الله عليه انه كره ذالك وعن محمد رحمة الله عليه روايتان والتمويه الذي لا يخلص منه شئي لابأس به بالاجماع.

(خلاصة الفتاوىٰ ج ۲ ص ۳۴۷ کتاب الکراهیۃ الفصل السابع)

اختلاف ہے۔ سونے چاندی سے منقش کاٹھی کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جواز کے قائل ہیں یونہی لگام' رکاب کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ کہتے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں اور سونے چاندی کا پانی چڑھانا کہ برتن سے جدا نہ ہو سکے' بالاجماع اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وفي الجوهره واما الآنية من غير الفضة والذهب فلا بأس بالاكل والشرب فيها والانتفاع بها كالحديد والصفر والنحاس والرصاص والخشب والطين. (ردالمحتار ج ۶ ص ۳۴۳ کتاب الحظر والاباحۃ)

جوہرہ میں ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات وغیرہ کے بنے برتنوں میں کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں اور ان سے نفع حاصل کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ لوہا' تانبا' پیتل' شیشہ' لکڑی اور مٹی وغیرہ۔

نوٹ: اس حوالہ میں آپ نے امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان ایک مسئلہ میں اختلاف ملاحظہ فرمایا وہ یہ کہ ایسے برتن جن پر سونے چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہے' امام صاحب اس کے استعمال کو جائز اور صاحبین مکروہ کہتے ہیں حالانکہ آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ ایسے برتنوں کا استعمال بالاجماع جائز ہے تو بظاہر ان دونوں اقوال میں تعارض نظر آتا ہے لیکن درحقیقت تعارض نہیں۔ صاحب ردالمحتار نے اس کے بارے میں تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

واختلاف في المفضض اراد به مافيه قطعة فضة فيشمل المضبب الاظهر عبارة العيني وغيره وهي وهذا الاختلاف فيما يخلص واما التمويه الذي لا يخلص فلا بأس بالاجماع لانه مستهلك فلا عبرة ببقائه لونا.

(ردالمحتار ج ۶ ص ۳۴۴ کتاب الحظر الاباحۃ' مطبوعہ مصر)

یعنی سونے چاندی کا پانی چڑھے برتن میں جو اختلاف ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا برتن جس میں چاندی یا سونے کا ٹکڑا ٹانکا لگا کر جوڑ دیا گیا ہو لہٰذا یہ مضبب کو بھی شامل ہے لیکن عینی وغیرہ کی عبارت اس اختلاف کے خاتمہ کے لیے زیادہ واضح ہے وہ یہ کہ برتن پر سونے چاندی کا پانی اس طرح چڑھانا کہ وہ اتر نہ سکے اس میں تو بالاجماع کوئی حرج نہیں کیونکہ اب اس کا وجود بالکل ختم ہو چکا ہوتا ہے صرف رنگ کے باقی رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

نوٹ: مذکورہ شرح جس متن کی ہے وہ یہ الفاظ ہیں:

والخلاف في المفضض واما المطلق فلا بأس به بالاجماع بلا فرق بين لجام و ركاب وغيرهما لان الطلاء مستهلك لا يخلص فلا عبرة للونه عيني وغيره.

اختلاف مفضض میں ہے۔ رہا مطلق سونے چاندی کا پانی چڑھانا تو اس میں بالاجماع کوئی حرج نہیں ہے اس میں لگام' رکاب وغیرہ کا کوئی فرق نہیں کیونکہ قطعی صورت میں سونا چاندی باقی نہیں رہتا اس کا رنگ ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ عینی وغیرہ۔

(ردالمحتار ج ۶ ص ۳۴۴ کتاب الحظر والاباحۃ' مطبوعہ مصر)

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا ابتداءً حرام ہے

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام اس صورت میں ہے کہ ان برتنوں میں ڈال کر کھایا جائے اگر کھانا ان میں تھا لیکن کھاتے وقت ان سے نکال کر کسی اور برتن میں ڈال لیا گیا اور کھایا تو یہ حرام نہ ہوگا ''درمختار'' میں اس کی وضاحت یوں مذکور ہے:

وکره الاكل وللشرب والادهان والتطيب من اناء ذهب وفضة للرجل والمرأة لاطلاق الحديث وكذا يكره الاكل بملعقة الفضة والذهب والاكتحال بميلها وما اشبه ذالک من الاستعمال كمكحلة ومرأة وقلم و دواة ونحوها يعني اذا استعملت ابتداءً فيما صنعت له بحسب متعارف الناس والا فلا كراهة حتى لو نقل الطعام من اناء الذهب الى موضع آخر اوصب الماء اوالدهن فى كفه لاعلى رأسه ابتداء ثم استعمله لابأس به مجتبىٰ وغيره وهو ما حرره فى الدرر فليحفظ.

(درمختار ج ۶ ص ۳۶۱)

سونے اور چاندی کے برتن میں کھانا پینا' تیل لگانا' خوشبو لگانا مرد اور عورت کے لیے مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ممانعت مطلق آئی ہے یوں ہی چاندی اور سونے کے چمچ سے کھانا اور ان سے بنی سلائی سے سرمہ ڈالنا اور ان کی مشابہ استعمال میں لانا جیسا کہ سرمہ دانی' شیشہ' قلم اور دوات وغیرہ مکروہ ہے مطلب یہ کہ یہ کراہت اس وقت ہے جب انہیں ابتداءً استعمال کیا جائے جسے متعارف سمجھا جاتا ہو ورنہ کوئی کراہت نہیں یہاں تک کہ اگر کسی نے سونے چاندی کے برتن سے کھانا کسی اور جگہ یا برتن میں منتقل کیا جائے یا پانی اور تیل ہاتھ پر ڈال کر پھر اسے استعمال کیا یوں نہیں کیا کہ تیل والی سونے چاندی کی بنی بوتل سے سیدھا سر پر تیل ڈالا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مجتبیٰ وغیرہ میں یہ مذکور ہے اور الدرر میں اسے تحریر کیا گیا ہے۔ اسے خوب یاد رکھو۔

قارئین کرام! یہ فرق نہایت ضروری تھا تاکہ بات واضح ہو جاتی سونے یا چاندی کے برتن میں کسی کھانے پینے والی چیز کو ڈالنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ چیز نجس اور حرام ہو گئی ہے' حرمت کا تعلق سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے میں ہے لہٰذا مثلاً اگر کسی نے سونے یا چاندی کی بوتل بنوائی ہے اور اس میں تیل ڈالا اب اس تیل کو استعمال کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بوتل سے براہ راست سر پر تیل ڈالا جائے یہ صورت سونے کے برتن کو استعمال کرنے کی ہے لہٰذا حرام ہے اور اگر تیل براہ راست سر پر ڈالنے کی بجائے ہتھیلی پر گرایا یا کسی دوسرے برتن میں تھوڑا سا نکال لیا پھر اس تیل کو استعمال کیا تو اس میں کراہت و گناہ نہیں۔ کیونکہ صورت مذکورہ میں سونے چاندی کے برتن کو ابتداءً استعمال نہیں کیا گیا یونہی اس کے الٹ کی صورت میں حکم ہوگا وہ یوں کہ مثلاً تیل ہی کسی اور دھات یا مٹی کے بنے برتن میں پڑا تھا اب اس سے نکال کر سونے چاندی کی بنی شیشی میں ڈال کر براہ راست سر پر لگایا جائے تو یہ مکروہ (حرام) ہوگا یونہی ایک اور مثال جو اوپر ''درمختار'' میں گزر چکی ہے وہ یہ کہ سیاہی کی دوات اگر سونے چاندی کی ہے لیکن قلم کہ جس سے لکھا جا رہا ہے وہ کسی اور چیز کا بنا ہوا ہے' سونے کی دوات سے سیاہی قلم میں بھر کر لکھتا ہے تو کوئی گناہ نہیں کیونکہ جس برتن (قلم) کو استعمال کیا جا رہا ہے وہ سونے چاندی کا نہیں اور اگر سیاہی مٹی یا شیشے کی بنی دوات میں ہے اور قلم سونے یا چاندی کا ہو اور سیاہی اس قلم میں بھر کر لکھے گا تو حرام ہوگا مختصر یہ کہ دیکھنا پڑے گا کہ عرف عام میں اگر سونے چاندی کا برتن استعمال کرنے پر اسے ''استعمال میں لانا'' ہر شخص سمجھتا ہے تو حرمت کا حکم اور اگر اسے عرف عام میں استعمال کرنا نہ کہا جائے تو پھر کراہت نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

۳۹۱- بَابُ الرَّجُلِ يَمُرُّ عَلَى مَاشِيَةِ الرَّجُلِ فَيَحْتَلِبُهَا بِغَيْرِ اِذْنِهِ

کسی کے جانور کا بغیر اجازت دودھ دھونے کا بیان

۸۵۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَحْتَلِبَنَّ اَحَدُكُمْ مَاشِيَةَ امْرِءٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تُؤْتٰى مَشْرَبَتُهُ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ فَيُنْتَقَلُ طَعَامُهُ فَاِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِيْهِمْ اَطْعِمَتُهُمْ فَلَا يَحْلِبَنَّ اَحَدٌ مَاشِيَةَ امْرِءٍ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی۔ وہ ابن عمر سے اور آپ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم میں کوئی بھی کسی دوسرے کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر ہرگز نہ دوہے کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کوئی شخص اس کا توشہ دان لے کر اس کا منہ کھول کر اس میں سے کھانا ادھر ادھر کر دے؟ اس سے انہیں پریشانی ہوگی جانوروں کے تھن ان کی خوراک ہوتے ہیں لہٰذا تم میں سے کوئی بھی کسی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ لِرَجُلٍ مَرَّ عَلٰى مَاشِيَةِ رَجُلٍ اَنْ يَحْلُبَ مِنْهَا شَيْئًا بِغَيْرِ اَمْرِ اَهْلِهَا وَكَذٰلِكَ اِنْ مَرَّ عَلٰى حَائِطٍ لَهٗ فِيْهَا نَخْلٌ اَوْ شَجَرٌ فِيْهِ ثَمَرٌ فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلَا يَأْكُلْهُ اِلَّا بِاِذْنِ اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يُضْطَرَّ اِلٰى ذٰلِكَ فَيَأْكُلُ مِنْهُ وَيَشْرَبُ وَيَغْرِمُ ذٰلِكَ لِاَهْلِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے جانور سے تھوڑا سا بھی دودھ اس کی اجازت کے بغیر دوہے یوں ہی اگر کسی کا گزر ایسی چار دیواری کے پاس سے ہوا کہ جس میں کسی کی کھجوریں یا کوئی پھلدار درخت تھا تو یہ گزرنے والے ان درختوں میں سے کوئی چیز نہ تو مالک کی اجازت کے بغیر لیں اور نہ ہی کھائیں ہاں اگر اس پر وہ مجبور ہو گیا تو اس سے کھا پی سکتا ہے بعد میں اس کے مالک کو اتنی چٹی بھرے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث پاک ذکر کی بعینہ یہ حدیث "بخاری شریف" ج ۱ ص ۳۲۹ مطبوعہ آرام باغ کراچی باب لاتحلب ماشیۃ احد بغیر اذنہ کتاب اللقطہ میں اور "مسلم شریف" ج ۲ ص ۸۰ باب تحریم حلب الماشیۃ کتاب اللقطہ مطبوعہ نور محمد کراچی میں ہے۔ دوسرے کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر دوہنا اس موضوع پر کتب احادیث میں مختلف روایات وارد ہیں۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں:

(ذكر ما يستفاد منه) قال ابو عمر يحمل هذا الحديث على مالا تطيب به النفس لقوله ﷺ لا يحل مال امرأ مسلم الاعن طيب نفس منه قال ﷺ ان دماء كم واموالكم واعراضكم عليكم حرام وانما خص اللبن بالذكر تساهل الناس في تناوله ولا فرق بين اللبن والتمر وغيرهما في ذالك وقال القرطبي ذهب الجمهور الى انه لا يحل شيء من لبن الماشية ولا [illegible] الا اذا [illegible]

(بخاری شریف و مسلم شریف میں مروی حدیث جو "موطا امام محمد" میں زیر بحث ہے اس سے مستفاد چند باتوں کا ذکر) ابوعمر نے کہا کہ یہ حدیث اس حالت پر محمول کی جائے گی کہ جس سے مالک خوش دل نہ ہوتا ہو کیونکہ حضور ﷺ کا قول مبارک ہی کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر (کھانا پینا) حلال نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر آپس میں حرام [illegible] پر اس حدیث پاک میں اس لیے کیا گیا

طيب نفس صاحبه وذهب بعضهم الى ان ذالک يحل وان لم يعلم حال صاحبه لان ذالک حق جعله الشارع له يؤيده ماروا ه ابو داؤد من حديث الحسن عن سمرة رضى الله عنه ان النبى ﷺ قال اذا اتى احدكم على ماشية فان كان فيها صاحبها فليستاذنه فان اذن له والا فليحلب ويشرب وان لم يكن فيها فليصوت ثلاثا فان اجاب فليستاذنه فان اذن له والا فليحلب ويشرب ولا يحمل رواه الترمذى ايضا وقال حديث سمرة حديث حسن غريب صحيح والعمل على هذا عنه بعض اهل العلم وبه يقول احمد و اسحاق و قال على بن المدينى سماع الحسن من سمرة صحيح وقد تكلم بعض اهل الحديث فى رواية الحسن عن سمرة وقالوا انما يحدث عن صحيفة سمرة واستدلوا ايضا بحديث ابى سعيد رواه ابن ماجه باسناد صحيح من رواية ابى نضرة منه قال قال رسول الله ﷺ اذا اتيت على راع فناده ثلاث مرات فان اجابک والا فاشرب من غير ان تفسدوا ان اتيت على حائط بستان فناده ثلاث مرات فان اجابک والافكل من غير ان تفسدوا وبما رواه الترمذى ايضا من حديث يحيى بن سليم عن عبدالله عن نافع عن ابن عمر ان النبى ﷺ سئل عن التمر المعلق فقال من اصاب منه من ذى حاجة غير متخذ خبنة فلا شئى عليه وقال هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث يحيى بن سليم و روى ايضا عن حديث عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ سئل عن التمر المعلق الى آخره نحوه والخبنة بفتح الخاء المعجمة وسكون الباء الموحدة بعدهانون قال الجوهرى هوما تحمله فى حضنک وقال ابن الاثير الخبنة معطف الازار و طرف الثوب اى لا يأخذ منه

کہ لوگ عام طور پر اس میں سستی برتتے ہیں دودھ اور کھجوروں وغیرہ میں اس سلسلہ میں کوئی فرق نہیں۔ امام قرطبی نے کہا جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کسی جانور کا دودھ اور کھجور اس وقت تک کھانا پینا حلال نہیں جب تک اس کے مالک کی خوشی معلوم نہ ہو۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ یہ حلال ہے اگرچہ مالک کی حالت کا علم نہ بھی ہو کیونکہ یہ ایسا حق ہے کہ جس کو شریعت مطہرہ نے اسے دیا ہے اس کی تائید ابوداؤد میں مروی حدیث کرتی ہے جسے حسن نے سمرہ سے روایت کیا ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی کے جانور کے پاس آئے تو اگر اس کا مالک وہاں موجود ہو تو اس سے دودھ (دوہنے اور پینے) کی اجازت طلب کرے اگر اجازت دے دے تو بہتر ورنہ دودھ نکال کر پی لے اور اگر مالک وہاں موجود نہیں تو تین دفعہ آواز دے اگر کہیں سے آواز نہ آئے تو اس سے اجازت طلب کرے اگر اجازت دے دے تو بہتر ورنہ دودھ نکالے اور پی لے ہاں اپنے ساتھ اٹھا تا نہ پھرے اسے ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور لکھا کہ یہ حدیث سمرہ حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے اور امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور علی بن مدینی نے کہا حسن کا سمرہ سے حدیث کا سماع صحیح ہے اور بعض محدثین نے حسن کی سمرہ سے مروی حدیث میں کلام بھی کیا ہے انہوں نے کہا کہ حسن دراصل سمرہ کے صحیفہ سے حدیث بیان کرتا ہے (سماع ثابت و صحیح نہیں ہے) دوسرا استدلال ان بعض حضرات کا ابوسعید کی روایت سے ہے جسے ابن ماجہ نے صحیح اسناد سے ابونضرہ کے ذریعہ روایت کیا وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو کسی چرواہے (کی بکریوں) کے پاس سے گزرے تو تین مرتبہ آواز دے اگر جواب دے تو بہتر ورنہ فساد کے بغیر تو اس کے جانوروں کا دودھ دوھ کر پی لے اور جب تو کسی باغ کی چاردیواری کے پاس سے آئے تو اس کے مالک کو تین دفعہ آواز دے اگر بول پڑے اور جواب دے تو بہتر ورنہ بغیر فساد کے اس کا پھل کھالے۔ تیسرا استدلال امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث ہے جو یحییٰ بن سلیم نے عبداللہ سے وہ نافع سے اور یہ ابن عمر سے بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ حضور ﷺ سے لٹکتی کھجوروں کے بارے

فی طرف ثوبہ یقال اخبن الرجل اذا خبا شیئا فی خبنۃ ثوبہ او سراویلہ والمراد من التمر المعلق ھو التمر علی النخل قبل ان یقطع و لیس المراد ما کانوا یعلقونہ فی المسجد فی الاقناء فی ایام التمرۃ فان ذالک ماذون فیہ واستدلوا ایضا بقضیۃ الھجرۃ وشرب ابی بکر والنبی ﷺ من غنم الرعی و قال جمھور العلماء وفقھاء والامصار منھم الائمۃ ابوحنیفۃ و مالک والشافعی واصحابھم لا یجوز لمامر ان یاکل من بستان احد و لا یشرب من لبن غنمہ الا باذن صاحبہ اللھم الا اذا کان مضطرا فحینئذ یجوز لہ ذالک قدر دفع الحاجۃ.

(عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۷۸ باب لاتحتلب ماشیۃ احداٗ کتاب اللقطۃ' مطبوعہ بیروت)

میں دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا: ان میں سے اگر حاجت مند نے کچھ کھا لیں لیکن تھیلی وغیرہ میں جمع نہ کیں تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا حدیث غریب ہے اس کا پتہ صرف یحیٰی بن سلیم کی حدیث سے ہی ہوتا ہے۔ ترمذی نے یہ روایت بھی ذکر کی جو عمرو بن شعیب اپنے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لٹکی کھجوروں کا کیا حکم ہے؟ الاثر۔ لفظ خبنۃ جو اس حدیث پاک میں آیا ہے جوہری نے اس کا معنی یہ کیا ہے جو چیز کوئی شخص چادر میں ڈال کر اٹھا لے اور ابن اثیر نے کہا اس سے مراد کپڑے کا پلہ ہے یعنی اپنے کپڑے کے کنارے میں نہ باندھے لٹکی کھجوروں سے مراد یہ ہے کہ جو کھجور کے درخت پر کاٹنے سے پہلے لٹکی ہوئی ہوں وہ کھجوریں مراد نہیں جو عرب لوگ کاٹ کر مسجد کے دروازے پر اس لیے لٹکا دیا کرتے تھے تاکہ جسے ضرورت ہو وہ کھالے انہیں تو ہر ایک کے لیے کھانے کی اجازت ہے۔ تیسرا استدلال اس واقعہ سے ہے جو ہجرت کے وقت پیش آیا وہ یہ کہ حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک چرواہے کی بکریوں کا دودھ پیا تھا۔ جمہور فقہاء اور علماء کہتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ' مالک' شافعی اور ان کے اصحاب شامل ہیں' یہ جائز نہیں (اس کی دلیل وہ جو گزر چکی) کہ کوئی شخص کسی کے باغ سے یا کسی کے جانور کا دودھ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر استعمال میں لائے ہاں اگر وہ مجبور ہو تو اس وقت بقدر ضرورت جائز ہے۔

قارئین کرام! امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے آپ نے ان حضرات کے چند دلائل ملاحظہ فرمائے جو مالک کی اجازت کے بغیر اس کے جانور کا دودھ نکال کر پینے اور باغ کے پھل وغیرہ کھانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق ان حضرات میں ہی شامل ہیں ان کی پیش کردہ احادیث کے علماء نے بہت سے جوابات دیئے ہیں جن کے پیش نظر دونوں اقسام کی احادیث میں تطبیق کی صورت نکل آتی ہے ان جوابات کی تعداد دس کے لگ بھگ ہے جنہیں علامہ عینی نے ذکر فرمایا ہم ان میں سے صرف پانچ عدد جوابات درج کر رہے ہیں جو مسئلہ کی وضاحت کے لیے کافی ہیں۔

(۱) اباحت و جواز اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب کھانے والے کو علم ہو کہ اس کے کھانے سے مالک ناراض نہیں ہوگا اور ممانعت اس وقت ہے جب ناراضگی کرے۔

(۲) بلا اجازت کھانے کی اجازت مسافروں کے لیے ہے یا مجبور لوگوں کے لیے ہے مثلاً حالت اکراہ یا سخت بھوک لگی ہے' مقیم اور غیر ضرورت مندوں کے لیے نہیں۔

(۳) اجازت مجاہدین کے لیے ہے' غیر مجاہد کے لیے ممنوع ہے۔
(٤) مذکورہ اجازت زکوٰۃ کی فرضیت سے قبل تھی بعد میں یہ منسوخ ہوگئی۔
(۵) حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے سفر میں چرواہے کی بکریوں کا دودھ پینا اس لیے تھا کہ اس چرواہے نے اپنی بکریوں کا دودھ ہر مسافر کو پینے کا اعلان کررکھا تھا۔
خلاصہ کلام یہ کہ کسی شخص کے جانور کا دودھ یا اس کے باغ کا پھل اس کے اجازت کے بغیر حاصل کرنا جائز ہے اور جن احادیث میں اس کی اجازت آئی ہے ان کی علماء نے تأویل فرمائی ہے۔

۳۹۲ - بَابُ نُزُوْلِ اَهْلِ الذِّمَّةِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ وَمَا يُكْرَهُ ذَالِكَ

ذمیوں کا مدینہ اور مکہ میں ٹھہرنا اور اس کی کراہت کا بیان

۸۵۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ضَرَبَ لِلنَّصَارٰى وَالْيَهُوْدِ وَالْمَجُوْسِ بِالْمَدِيْنَةِ اِقَامَةَ ثَلٰثِ لَيَالٍ يَسْتَوَقُوْنَ وَيَقْضُوْنَ حَوَائِجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِّنْهُمْ يُقِيْمُ بَعْدَ ذٰلِكَ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے اور وہ ابن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں' یہودیوں اور مجوسیوں کے لیے مدینہ منورہ میں تین دن ٹھہرنے کی حد مقرر فرمائی تھی وہ ان دنوں میں بازار سے خرید وفروخت کرتے اور اپنی ضروریات کو پورا کرتے ان میں سے تین دن کے بعد کوئی بھی وہاں نہ ٹھہرتا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِنَّ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ وَمَا حَوْلَهَا مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَقَدْ بَلَغَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ لَا يَبْقٰى دِيْنَانِ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ فَاَخْرَجَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَنْ لَّمْ يَكُنْ مُّسْلِمًا مِّنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ اور ان کے اردگرد کا علاقہ جو جزیرۂ عرب کہلاتا ہے (وہ اس حکم کا محل ہے) ہمیں حضور ﷺ سے یہ حدیث پاک پہنچی ہے آپ نے فرمایا کہ دو (۲) دین جزیرۂ عرب میں باقی نہیں رہ سکتے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر غیر مسلم کو جزیرۂ عرب سے اس حدیث پاک کے حکم کی وجہ سے نکال دیا۔

۸۵۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ حَكِيْمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا يَبْقَيَنَّ دِيْنَانِ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ.

امام مالک نے ہمیں اسماعیل بن حکیم سے خبر دی وہ عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی بے شک حضور ﷺ نے فرمایا: جزیرہ عرب میں دو (۲) دین ہرگز باقی نہیں رہیں گے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ قَدْ فَعَلَ ذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَخْرَجَ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کے ارشاد کو عملی طور پر کر دکھایا سو انہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے باہر نکال دیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ذکر فرمائی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ اور مجوس کو مدینہ منورہ سے نکال دیا اور آئندہ کے لیے انہیں صرف تین دن تک خرید و فروخت اور ضروریات کی خاطر یہاں رہنے کی اجازت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کام حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے تحت سرانجام

دیا جسے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا وہ یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں دو دین (اسلام و غیر اسلام) نہیں رہ سکتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ارشاد عالی کی تکمیل کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا لیکن حضور ﷺ نے کس وجہ سے یہ حکم صادر فرمایا؟ اس کی تفصیل ''مسلم شریف'' وغیرہ میں منقول ہے۔

یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کی وجہ

واقعہ یوں ہوا کہ حضور ﷺ نے غزوۂ خندق سے قبل یہود و نصاریٰ کے دو مشہور قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ سے معاہدہ کیا تھا کہ تم دونوں قبیلے اول تو کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد کرو اور اگر نہیں کر سکتے تو تمہیں غیر جانب دار رہنا ہوگا یعنی نہ ہماری مدد کرو اور نہ ان کی چنانچہ معاہدہ ہو گیا لیکن غزوۂ خندق کے موقع پر ان قبیلوں نے بدعہدی کی اور کفار کا ساتھ دیا حضور ﷺ نے اس بدعہدی کی وجہ سے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنو قریظہ کو وہیں رہنے دیا۔ ''مسلم شریف'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ بیان فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے اور فرمانے لگے اٹھو! یہودیوں کے پاس چلتے ہیں ہم آپ کے ساتھ ہو لیے جب یہودیوں کے پاس آ گئے تو رسول کریم ﷺ نے کھڑے کھڑے ان سے با آواز بلند کہا' اے یہودیو! اسلام لے آؤ تم سلامتی میں ہو جاؤ گے انہوں نے جواباً کہا' اے ابو القاسم! آپ نے تبلیغ کر دی (یعنی آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے آگے ہماری مرضی) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم اعتراف کر لو اور اسلام قبول کر لو اور سلامتی میں رہو انہوں نے کہا اے ابو القاسم! آپ نے تبلیغ کر دی ہے رسول کریم ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ فرمایا: میں یہی چاہتا ہوں (کہ تم اسلام لاؤ اور سلامتی میں ہو جاؤ) پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میں اس زمین سے تمہیں نکال باہر کرنا چاہتا ہوں لہٰذا تم میں سے جو شخص اپنا مال و متاع فروخت کرنا چاہے وہ فروخت کر دے ورنہ خوب جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودیوں نے رسول کریم ﷺ سے جنگ لڑی رسول کریم ﷺ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنو قریظہ پر احسان فرماتے ہوئے وہیں برقرار رکھا اس کے کچھ عرصہ کے بعد بنو قریظہ نے بھی آپ ﷺ سے جنگ لڑی آپ نے ان کے مردوں کو قتل کروا دیا اور ان کی عورتوں' بچوں اور ان کے مال و اسباب کو مسلمانوں میں بانٹ دیا البتہ ان میں سے بعض یہودی حضور ﷺ کے ساتھ جا ملے آپ نے انہیں امن دے دیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ رسول کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے تمام یہود کو جلاوطن کر دیا ان میں بنو قینقاع حضرت عبداللہ بن سلام کی قوم تھی اور حارثہ کے یہودی بھی تھے گویا مدینہ منورہ کا ہر ایک یہودی تھا..... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے ضرور نکالوں گا اور مسلمانوں کے سوا وہاں کسی اور کو نہیں رہنے دوں گا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۴ باب اجلاء الیہود من الحجاز کتاب الجہاد والسیر مطبوعہ آرام باغ کراچی)

''مسلم شریف'' میں ہی بنو قریظہ کے مدینہ منورہ سے نکالے جانے کا سبب مذکور ہے اوپر حوالہ میں آپ نے بنو نضیر کی جلاوطنی کا سبب ملاحظہ فرمایا یعنی بدعہدی۔ بدعہدی اگرچہ دونوں قبائل نے غزوۂ خندق کے وقت کی تھی لیکن کمال احسان سے آپ نے بنو قریظہ کو جلاوطن نہ کیا جب ان یہودیوں نے احسان فراموشی کی اور حضور ﷺ کی اعلانیہ مخالفت پر اتر آئے تو ان کی جلاوطنی کا حکم دیا گیا۔ ''مسلم شریف'' میں یہ واقعہ جس انداز سے ذکر ہوا چونکہ اس میں چند مخصوص فوائد ہیں اس لیے اس کا ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جنگ خندق میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک قریشی نے تیر مارا

جس کا نام ابن العرقہ تھا یہ تیر آپ کے ایک بازو کی رگ میں لگا (دوسری جگہ اس رگ کا نام بھی مذکور ہے اسے اکحل کہتے ہیں خون بند نہ ہوا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زندگی سے مایوس ہوکر حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی تمہاری موت کا وقت نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت بڑا کام لینا ہے) حضور ﷺ نے مسجد میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے خیمہ لگوادیا اس میں آپ کو رکھا گیا اور آپ کی عیادت ہوتی رہی جب حضور ﷺ جنگ خندق سے واپس تشریف لائے تو آپ نے ہتھیار اتار کر غسل فرمایا اس وقت آپ کی خدمت میں جناب جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حالت ان کی یہ تھی کہ اپنے سر سے دھول اور غبار جھاڑ رہے تھے اور عرض کیا آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے ہیں لیکن ہم نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے آپ ان کی طرف تشریف لے چلیں حضور ﷺ نے پوچھا کہاں چلوں؟ جبرئیل علیہ السلام نے بنوقریظہ کی طرف اشارہ کیا پھر حضور ﷺ نے ان سے جنگ لڑی حضور ﷺ کے فیصلہ پر یہ لوگ قلعہ سے باہر نکل آئے آپ نے ان کا معاملہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر چھوڑ دیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے جنگجو مردوں کو قتل کر دیا جائے' ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کرلیا جائے اور ان کے مال تقسیم کر لیے جائیں۔

جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو ساتھ لیا اور بنوقریظہ کے ساتھ جنگ کے لیے چل پڑے لڑتے لڑتے بنوقریظہ قلعہ بند ہوگئے' اندر سے شرارتیں کرتے آپ ﷺ نے ان کے باغوں کو جلانے اور جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا جب ایسا ہوا تو انہیں بہت صدمہ ہوا قلعہ کا محاصرہ جب طویل ہوگیا اور بنوقریظہ تنگ آ گئے تو انہوں نے صحابہ کرام کو یہ پیشکش کی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں گے وہ ہمیں بھی منظور ہوگا انہوں نے حضرت سعد کا نام اس لیے بطور ثالث پیش کیا کہ دور جاہلیت میں ان کے اور حضرت سعد کے تعلقات بہت اچھے تھے جب اس پیشکش کا حضور ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے اس کی منظوری دے دی۔ حضور ﷺ نے جناب سعد کو بلوایا وہ زخمی بازو کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوکر حاضر خدمت ہوئے جب بارگاہ رسالت میں باریابی کے لیے آتے دکھائی دیئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے موجود صحابہ کرام کو حکم دیا "قوموا لسیدکم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ" حضور ﷺ نے جناب سعد کو حکم وثالث مقرر کیے جانے کا بتایا تو انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا جو لوگ قلعہ پر بیٹھے ہیں وہ نیچے اتر آئیں چنانچہ وہ نیچے اتر آئے حضرت سعد نے جب ان کی عداوتوں اور رسول کریم ﷺ سے شرارتوں کا تصور کیا تو پرجوش انداز میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا ان کے مردوں کو قتل کر دو' ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لو حضور ﷺ نے اس پر فرمایا سعد! تم نے وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ کے فیصلہ کے مطابق ہے۔ "مسلم شریف" میں یہ واقعہ اختصار سے یوں مذکور ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنوقریظہ حضرت سعد کے فیصلہ کے مطابق قلعہ سے نیچے اتر آئے حضور ﷺ کے بلوانے پر حضرت سعد ایک گدھے پر سوار ہوکر آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے جب آپ مسجد کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا اپنے سردار یا اپنے افضل شخص کے لیے کھڑے ہو جاؤ' پھر فرمایا: یہ لوگ تمہارے فیصلہ پر قلعہ سے باہر آئے ہیں حضرت سعد نے فرمایا کہ ان میں سے جو جنگ لڑنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ قتل کر دیئے جائیں' ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کرلیا جائے حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق ہے بعض دفعہ کہا کہ تم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ ابن مثنی نے یہ آخری جملہ ذکر کیا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۵ باب جواز قتل من نقض عہد۔ الخ' مطبوعہ آرام باغ کراچی)

نوٹ: حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے انصار کو فرمایا "قوموا لسیدکم اپنے سردار کے لیے

کھڑے ہو جاؤ'' اس سے کسی معزز و مکرم شخصیت کی آمد پر اس کی تعظیم کرتے ہوئے کھڑے ہونے کا جواز و اثبات موجود ہے ''قیام تعظیمی'' کو عبارت میں شامل کر کے اس کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ لگانے سے شرم نہیں کرتے ان کے زعم میں قیام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' غیر اللہ کے لیے قیام کرنا حرام ہے میں چاہتا ہوں کہ ''قیام تعظیمی'' کی تحقیقی اور تفصیلی بحث ہو جائے تا کہ جواز و عدم جواز واضح ہو جائے۔

قیام تعظیم کے اثبات پر چند احادیث بمعہ توضیحات شارحین کرام

فیہ اکرام اهل الفضل وتلقیهم بالقیام لهم اذا اقبلوا هکذا احتج به جماهیر العلماء لاستحباب القیام قال القاضی ولیس هذا من القیام المنهی عنه وانما ذاک فیمن یقومون علیه وهو جالس ویمثلون قیاما طول جلوسه قلت القیام للقادم من اهل الفضل مستحب وقد جاء فیه احادیث ولم یصح فی المنهی عنه شئی صریح وقد جمعت کل ذالک مع کلام العلماء علیه فی جزء واجبت فیه عما توهم المنهی عنه. (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۹۵ باب جواز قتل من نقض العہد الخ' مطبوعہ نور محمد کراچی)

اس حدیث پاک میں اس بات کا اثبات ہے کہ جب صاحب فضل تشریف لائیں تو ان کی تعظیم بجا لانی چاہیے اور کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرنا چاہیے یونہی جمہور علماء نے اس حدیث پاک سے قیام تعظیمی پر حجت پکڑی ہے کہ یہ مستحب ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ قیام وہ نہیں جس سے منع کیا گیا ہے وہ اس شخص کے بارے میں جو بیٹھا ہوا ہو اور اس کے بیٹھنے تک لوگ کھڑے رہ کر اس کی تعظیم بجا لائیں میں کہتا ہوں کہ کسی صاحب فضیلت شخص کی آمد پر کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں اور جو قیام ممنوع ہے اس میں ایک حدیث بھی صراحتاً منع کرنے والی نہیں۔ میں نے یہ تمام گفتگو بمع علماء کرام کی اس پر جو گفتگو ہوئی اسے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے اور میں نے ممنوع قیام کے توہم کا بھی وہاں جواب ذکر کیا ہے۔

فیہ امر السلطان والحاکم باکرام السید من المسلمین و جواز اکرام اهل الفضل فی مجلس السلطان الاکبر والقیام فیه لغیره من اصحابه والزام الناس کافة للقیام الی سیدهم وقد منع ذالک قوم واحتجوا بحدیث ابی امامة رواه ابو داؤد وابن ماجه قال خرج النبی ﷺ متوکا علی عصا فقمنا له فقال لا تقوموا کما تقوم الاعاجم قال الطبری هذا حدیث ضعیف مضطرب السند فیه من لا یعرف واحتجوا ایضا بحدیث عبدالله بن بریده اخرجه الحاکم ان اباه دخل علی معاویة فاخبره ان النبی ﷺ قال من احب ان یتمثل له الرجال قیاما وجبت له النار وقال الطبری انما فیه نهی من یقام له

اس حدیث پاک میں اس کا اثبات ہے کہ بادشاہ اور حاکم کسی مسلمان سردار و پیشوا کی تعظیم کا حکم دے تو جائز ہے اور صاحب فضل کا وقت کے بادشاہ کی مجلس میں تعظیم کرنا اور بادشاہ کے علاوہ وہاں موجود دوسرے اصحاب کا اس کے لیے تعظیمی قیام اور لوگوں پر قیام تعظیمی کو لازم کر دینے کا جواز موجود ہے کچھ لوگوں نے اس سے منع کیا ہے اور حضرت ابو امامہ کی ایک روایت سے انہوں نے حجت پکڑی جسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ذکر کیا۔ ابو امامہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ عصا پر تکیہ لگائے گھر سے باہر تشریف لائے تو ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے پس آپ نے فرمایا: عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہوا کرو۔ امام طبری نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے' اس کی سند مضطرب ہے اور اس میں ایسا راوی بھی ہے جو غیر معروف ہے ان مانعین نے ایک اور حدیث جو

عن السرور بذالک لامن یقوم اکراما لہ وقال الخطابی فی حدیث الباب جواز اطلاق السید علی الحبر الفاضل وفیہ ان قیام المرؤس للرئیس الفاضل والامام العادل والمتعلم للعالم مستحب وانما یکرہ لمن کان بغیر ھذہ الصفات وعن ابی الولید بن رشد ان القیام علی اربعۃ اوجہ (الاول) محظور وھو ان یقع لمن یرید ان یقام الیہ تکبرا او تعاظما علی القائمین الیہ. (الثانی) مکروہ وھو ان یقع لمن لا یتکبر ولا یتعاظم علی القائمین ولکن یخشی ان یدخل نفسہ بسبب ذالک ما یحذروا لما فیہ من التشبہ بالجبابرۃ. (الثالث) جائز وھو ان یقع علی سبیل البر والاکرام لمن لا یرید ذالک و یؤمن معہ التشبہ بالجبابرۃ (الرابع) مندوب وھو ان یقوم لمن قدم من سفر فرحا بقدومہ یسلم علیہ او الی من تجددت لہ نعمۃ فیھنیہ بحصولھا.

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۲۲ ص ۲۵۲-۲۵۱ باب قول النبی ﷺ قوموا الی سیدکم مطبوعہ بیروت)

عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہوئی حاکم نے اسے ذکر کیا وہ یہ کہ ان کے والد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے انہیں خبر دی کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص اس بات کا خواہش مند ہو کہ لوگ اس کی خاطر کھڑے ہو جائیں اس کے لیے دوزخ کی آگ لازم ہو گئی۔ امام طبری نے کہا کہ اس حدیث پاک میں منع اس بات سے کیا گیا ہے کہ کسی کی خوشی کی خاطر قیام کیا جائے' جو کسی کی تعظیم کے پیش نظر قیام کرتا ہے اس سے منع نہیں کیا گیا۔ خطابی نے باب کے تحت مذکور حدیث کے بارے میں لکھا کہ کسی عالم فاضل کے لیے سید کا لفظ استعمال کرنا اس کا جواز اس حدیث سے ملتا ہے اور اس حدیث پاک سے یہ بھی ملتا ہے کہ صاحب فضیلت سردار کے لیے اس کے ماتحت افراد کا قیام کرنا اور عادل امام کے لیے رعایا کا قیام کرنا اور دینی استاد کے لیے طلباء کا قیام کرنا مستحب ہے۔ قیام مکروہ وہ ہے جو ان صفات والوں کے علاوہ کسی اور کا کیا جائے اور ولید بن رشد سے منقول ہے کہ قیام کی چار اقسام ہیں۔ (۱) ممنوع۔ یہ وہ قیام ہے جو اپنے لیے از راہ تکبر لوگوں کا کھڑا ہونا چاہتا ہے یا جو لوگ اس کے لیے کھڑے ہوئے ان پر اپنی بزرگی و بڑائی کی دھاک بٹھانے کے لیے قیام ہوا (۲) مکروہ یہ وہ قیام ہے جو کسی متکبر اور بزرگی کی شیخی مارنے والے کے لیے نہ ہو۔ لیکن اسے خطرہ ہو کہ لوگوں کے کھڑے ہونے کی وجہ سے مجھ میں تکبر اور شیخی آ جائے گی یہ اس لیے کہ اس میں جابر و ظالم لوگوں کی مشابہت پائی جاتی ہے (۳) جائز۔ وہ قیام جو بطریقہ احسان و اکرام ہو اور ایسے شخص کے لیے ہو جو اس کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور اپنے لیے قیام سے اسے جابروں کے ساتھ مشابہت کا بھی خطرہ نہ ہو (٤) مندوب۔ وہ قیام جو کسی کے سفر سے واپسی پر کیا جائے اسے سلام کہنے کے لیے قیام ہوا یا کسی ایسے شخص کے لیے قیام کیا گیا کہ جسے کوئی نعمت حاصل ہوئی ہو تو کھڑا ہونے والا اسے مبارک دینے کے لیے کھڑا ہو تو یہ کھڑا ہونا مندوب و مستحب ہے۔

''قوموا الی سیدکم'' کے تحت ہم نے دو عظیم شارح الحدیث کے کلام کو پیش کیا۔ امام نووی جو شافعی المذہب ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اہل فضل و کرم کے لیے ''قیام تعظیمی'' جائز ہے اس کی ممانعت میں کوئی حدیث صریح نہیں اور فرمایا میں نے اس موضوع

پر ایک رسالہ بھی لکھا جس میں مذکورہ مؤقف کی تائید اور مانعین کے اعتراضات کا جواب بھی درج کیا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری نے بھی "قیام تعظیمی" کی بھرپور تحقیق فرمائی اور مانعین کے جوابات بھی ذکر فرمائے اب ایک مالکی المذہب شارح کی تحریر دیکھئے:

فیہ مایلزم من اکبار عظیم القوم واهل الخیر من القیام لهم وحسن اللقاء وقد قام النبی ﷺ لغیر واحد ولیس من القیام المنهی عنه عند المحققین وانما المنهی عنه ان یقام علی رأس المجالس کما تفعله العجم لملوکها.

(اکمال اکمال المعلم شرح مسلم ج ۵ ص ۹۲ باب اجلاء الیهود من المدینۃ الخ مطبوعہ بیروت)

اس حدیث پاک میں اس بات کا ثبوت ہے کہ قوم کے کسی بزرگ اور صاحب خیر کی بزرگی کے پیش نظر قیام تعظیمی کیا جائے اور اس سے ملاقات خوشگوار ماحول میں ہونی چاہیے خود حضور ﷺ نے کئی ایک حضرات کے لیے قیام فرمایا محققین کے نزدیک یہ قیام وہ نہیں جس سے منع کیا گیا ہے ممنوع وہ قیام ہے جو محفل ومجلس کے کناروں پر کیا جاتا ہے جیسا کہ عجم میں رعایا اپنے بادشاہوں کے لیے قیام کرتی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح سے "قیام تعظیمی" کے جواز پر چند عبارات

قال ابن بطال فی هذا الحدیث امر للامام الاعظم باکرام الکبیر من المسلمین ومشروعیۃ اکرام اهل الفضل فی مجلس الامام الاعظم والقیام فیه لغیره من اصحابه والزام الناس کافۃ بالقیام الی الکبیر منهم.... واجاب عنه ابن قتیبه بان معناه من اراد ان یقوم الرجال علی رأسه کما یقوم بین یدی ملوک الاعاجم ولیس المراد به نهی الرجل عن القیام لاخیه اذا سلم علیه واحتج ابن بطال للجواز بما اخرجه النسائی عن طریق عائشۃ بنت طلحۃ عن عائشۃ کان رسول الله ﷺ اذا رای فاطمۃ بنته قد اقبلت رحب بها ثم قام فقبلها ثم اخذ بیدها حتی یجلسها فی مکانه. (قلت) وحدیث عائشۃ هذا اخرجه ابو داؤد والترمذی وحسنه وصححه ابن حبان والحاکم واصله فی الصحیح کما مضی فی المناقب عن عبدالله بن بریده عن معاویۃ فذکره وفیه مامن رجل یکون علی الناس فیقوم علی رأسه الرجال یحب ان یکثر عنده الخصوم فیدخل الجنۃ .. فانه سئل عن المرأۃ تبالغ فی اکرام زوجها فتتلقاه وتنزع ثیابه وتقف حتی یجلس

ابن بطال نے کہا کہ حدیث "قوموا الی سید کم" میں چار باتوں کا اثبات ہے ایک یہ کہ عظیم رہنما کسی بڑے مسلمان کے اکرام وتعظیم کا حکم دے سکتا ہے۔ دوم یہ کہ عظیم رہنما کی مجلس میں اہل فضل کا اکرام اور ان کی تعظیم بجالانا جائز ہے۔ تیسرا یہ کہ عظیم رہنما کی مجلس میں موجود ہوتے ہوئے اس کے علاوہ اس کے کسی اور دوست کے لیے قیام کرنا مشروع ہے۔ چوتھا یہ کہ عظیم رہنما عوام کو ان میں سے کسی بزرگ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا لازم کر سکتا ہے.... جن احادیث میں قیام کی کراہت آئی ہے ابن قتیبہ نے ان کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مراد وہ قیام ہے جو کوئی شخص اپنے لیے لوگوں سے اس کا تقاضا کرے یعنی وہ اس کے لیے دست بستہ کھڑے رہیں جیسا کہ عجمی بادشاہوں کے حضور لوگ کھڑے رہتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو جب سلام کرے تو یہ اس کے لیے کھڑا ہو (یہ قیام مراد نہیں کیونکہ یہ جائز ہے) ابن بطال نے قیام تعظیمی کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا جسے نسائی نے عائشہ بنت طلحہ کے واسطہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ جب بھی اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی طرف آتے دیکھتے تو انہیں خوش آمدید کہتے پھر کھڑے ہو کر ان کا بوسہ لیتے پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنی جگہ بٹھاتے میں کہتا ہوں کہ

فقال اما التلقی فلا بأس به واما القیام حتی یجلس فلا فان هذا فعل الجبابرة وقد انکره عمر بن عبدالعزیز وقال الخطابی فی حدیث الباب جواز اطلاق السید علی البحر الفاضل وفیه ان قیام المرؤس للرئیس الفاضل والامام العادل والمتعلم للعالم مستحب....وقال البیهقی القیام علی وجه البر والاکرام جائز کقیام الانصار لسعد و طلحة لکعب ولا ینبغی لمن له ان یعتقد استحقاقه لذالک حتی ان ترک القیام له حنق علیه او عاتبه اوشکاه قال ابو عبداللّٰه وضابطة ذالک ان کل امر ندب الشرع للمکلف بالمشی الیه فتأخر حتی قدم المامور لاجله فالقیام الیه یکون عوضا عن المشی الذی فات واحتج النووی ایضا بقیام طلحة لکعب بن مالک.... اخرجه ابوداؤد ان النبی ﷺ کان ۔ السا یوما فاقبل ابوه من الرضاعة فوضع له بعض ثوبه فجلس علیه ثم اقبلت امه فوضع لها شق ثوبه من الجانب الآخر ثم اقبل اخوه من الرضاعة فقام فاجلسه بین یدیه...واحتج النووی ایضا بما اخرجه مالک فی قصة عکرمة بن ابی جهل انه لما فر الی الیمن یوم الفتح و رحلت امرأته الیه حتی عادته الی مکة مسلما فلما راه النبی ﷺ وثب الیه فرحا وما علیه رداء وبقیام النبی ﷺ لما قدم جعفر علی الحبشه فقال ماادری بایهما انا اسر بقدوم جعفر او بفتح خیبر وبحدیث عائشه قدم زید بن حارثه المدینة والنبی ﷺ فی بیتی فقرع الباب فقام الیه فاعتنقه وقبله. (فتح الباری شرح البخاری ج۱۱ ص۴۱-۴۴ باب قول النبی ﷺ "قوموا الی سیدکم" کتاب الاستیذان مطبوعہ مصر قدیم)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی نے بھی ذکر کی ہے اور ابن حبان نے اسے حسن کہا اس کی تصحیح کی اور حاکم نے بھی اور اصل حدیث "صحیح بخاری" میں ہے جیسا کہ مناقب میں گزر چکا ہے۔۔۔عبداللہ بن بریدہ سے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں حدیث مذکورہ ذکر کرنے کے بعد کہا کوئی شخص جو لوگوں پر کسی طرح کا افسر ہو اس کے سرہانے لوگ کھڑے رہیں وہ اسے پسند کرتا ہو کہ اس کے پاس لوگوں کا اژدہام رہے وہ جنت میں داخل ہوگا....امام مالک رضی اللہ عنہ سے ایسی عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنے خاوند کی تعظیم بڑھ چڑھ کر کرتی ہے' اسے خوش آمدید کہتی ہے' اس کے کپڑے اتار کر رکھ دیتی ہے اور دوسرے پہننے کو دیتی ہے) اور اس کے بیٹھنے تک کھڑی رہتی ہے؟ فرمایا خوش آمدید کہنے میں کوئی حرج نہیں اور خاوند کے بیٹھنے تک کھڑے رہنا یہ درست نہیں کیونکہ یہ ظالم و جابر لوگوں کا کام ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اسے اچھا نہیں سمجھا۔ خطابی نے کہا کہ حدیث الباب میں اس بات کا جواز ملتا ہے کہ کسی عالم فاضل کے لیے سید کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے اور اس میں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام عادل اور رئیس فاضل کے لیے ماتحت کا کھڑا ہونا اور عالم کے لیے شاگرد کا کھڑا ہونا جائز اور مستحب ہے....امام بیہقی نے کہا کہ تعظیم واکرام کے پیش نظر کھڑا ہونا جائز ہے جیسا کہ انصار نے حضرت سعد کے لیے قیام کیا تھا اور جناب طلحہ نے حضرت کعب کے لیے قیام کیا تھا اور تعظیمی قیام ایسے شخص کے لیے جائز نہیں جو یہ نظریہ رکھتا ہو کہ میرے لیے کھڑا ہونا میرا حق بنتا ہے یہاں تک کہ اگر اس کے لیے قیام نہ کیا جائے وہ ناراض ہو جائے یا جھڑک پلائے یا اس کی شکایت کرے (کہ تم نے میرے لیے قیام نہیں کیا) ابوعبداللہ نے کہا کہ اس کے لیے ضابطہ یہ ہے شریعت مطہرہ نے کسی کا کوئی کام کرنا مکلف پر مستحب کیا ہو اور ابھی مکلف موجود نہیں جس کی وجہ سے کام میں تاخیر ہوگئی تو جب کام سرانجام دینے والا (مامور) آ جائے اور وہ اس کی آمد پر کھڑا ہو جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ قیام دراصل اس تاخیر کے بدلہ میں ہے جو اس سے ہوگئی تھی۔ امام نووی نے قیام تعظیمی کے جواز پر حضرت

طلحہ کا جناب کعب کے لیے قیام کرنا اس سے استدلال کیا ہے....
ابوداؤد نے حدیث ذکر کی کہ حضور ﷺ ایک دن تشریف فرما
تھے اتنے میں آپ کے رضاعی باپ آئے آپ نے ان کے لیے
اپنے کپڑے کی ایک طرف بچھائی اور وہ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ کی
رضاعی ماں تشریف لائیں تو آپ نے ان کے لیے کپڑے کا دوسرا
حصہ بچھایا (وہ بیٹھ گئیں) پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ
کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا... امام نووی نے اس
حدیث سے بھی احتجاج کیا ہے جسے امام مالک نے عکرمہ بن ابی
جہل کے قصہ میں ذکر کیا وہ یہ کہ جب عکرمہ یمن کی طرف بھاگ گیا
یہ فتح مکہ کے دن کا واقعہ ہے اور اس کی بیوی اس کی طرف گئی یہاں
تک کہ اسے مسلمان بنا کر مکہ واپس لے آئی جب حضور ﷺ
نے عکرمہ کو آتے دیکھا تو خوشی سے آپ اس کے لیے اس حال میں
کھڑے ہو گئے کہ چادر شریف بھی آپ پر نہ تھی۔ امام نووی نے
قیام تعظیمی کی دلیل اس سے بھی پیش کی ہے کہ حضور ﷺ
نے حضرت جعفر کے لیے قیام کیا جبکہ یہ حبشہ سے تشریف لائے اور
حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ میں ان دو باتوں
میں سے کس سے خوش ہوا ہوں۔ جعفر کے حبشہ سے آنے یا فتح خیبر
کی خوش خبری سے؟ اور امام نووی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے
مروی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ
مدینہ منورہ آئے اس وقت حضور ﷺ میرے گھر تشریف فرما
تھے' زید بن حارثہ نے دروازہ پر دستک دی آپ اس کی طرف
کھڑے ہوئے' اسے گلے سے لگایا اور اسے چوما۔

فتح الباری کی مذکورہ عبارت سے قیام تعظیمی پر دلائل منقولہ

حدیث (۱) حضرت سعد کے لیے حضور ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام کا تعظیماً کھڑا ہونا۔
حدیث (۲) حضور ﷺ کا اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا کی آمد پر خوش آمدید کہنا اور قیام فرمانا۔
حدیث (۳) مقدمات کا فیصلہ کرانے والوں کے ہجوم کو پسند کرنے والا جنتی ہے (فیصلہ کرانے والے کھڑے رہتے ہیں)۔
حدیث (٤) حضور ﷺ کا اپنے رضاعی والد' والدہ اور بھائی کا کھڑے ہو کر استقبال فرمانا۔
حدیث (٥) حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی حبشہ سے مسلمان ہو کر واپسی پر آپ ﷺ کا ان کے لیے قیام فرمانا۔
حدیث (٦) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ آمد اور کاشانہ صدیقہ پر دستک کے بعد حضور ﷺ کا ان کے لیے کھڑا ہونا اور معانقہ فرمانا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''قیام تعظیمی'' کے جواز واستحباب پر جن احادیث سے استدلال کیا گیا' وہ ''فتح الباری'' میں ایک جگہ جمع فرما دیں ان میں عالم فاضل شخص کے لیے قیام تعظیمی' سردار قوم کے لیے' امام عادل کے لیے' استاد ومعلم کے لیے اور خاوند کے لیے قیام تعظیمی کے استحباب کو بیان کیا گیا یہ تمام احادیث کسی کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہونے پر دلالت کرتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بات احادیث میں موجود ہے کہ حضور ﷺ کا مجلس صحابہ سے اٹھ کر تشریف لے جانا اس وقت الوداعی قیام تعظیمی کرنا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا معمول تھا۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

وعن محمد بن هلال عن ابيه ان النبی ﷺ كان اذا خرج قمنا له حتى يدخل بيته رواه البزاز و رجال البزاز ثقات. (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۴۰ باب ماجاء فی القیام' مطبوعہ لبنان' بیروت)

محمد بن ہلال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب آپ نکلتے تو ہم آپ کی خاطر کھڑے رہتے یہاں تک کہ آپ اپنے گھر داخل ہو جاتے اسے بزاز نے روایت کیا اور بزاز کی روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

قارئین کرام! ان مذکورہ احادیث نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ ''قیام تعظیمی'' جائز ہے اب اسے مطلقاً بدعت وحرام کہنا ان نصوص صریحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہوگا بلکہ شارحین حدیث نے یہاں ایک مسئلہ یہ بھی تحریر فرما دیا کہ اگر کسی کے لیے قیام تعظیمی کے ترک پر اس کی توہین نکلتی ہو تو ایسی صورت میں ''قیام تعظیمی'' لازم وواجب ہو جاتا ہے۔ یہی ابن حجر عسقلانی اس بارے میں رقم طراز ہیں۔

قیام تعظیمی کے ترک سے اگر توہین کا پہلو نکلے تو ''قیام تعظیمی'' واجب ہو جاتا ہے

فی الجملة متى صار ترك القيام يشعر بالاستهانة او يترتب عليه مفسدة امتنع والى ذالك اشار ابن عبدالسلام ونقل ابن كثير فی تفسيره عن بعض المحققين التفصيل فيه فقال المحذور ان يتخذ ويدناء كعادة الاعاجم كما دل عليه حديث انس واما ان كان القادم من سفر او الحاكم فی محل ولايته فلا بأس به (قلت) ويلتحق بذالك ماتقدم فی اجوبة ابن الحاج كالتهنية لمن حدثت له نعمته او لاعانته العاجز اولتوسع المجلس اوغير ذالك والله اعلم. (فتح الباری شرح البخاری جلد ۱۱ ص ۴۳ باب المصافحہ کتاب الاستیذان مطبوعہ مصر قدیم)

خلاصہ یہ کہ جب قیام تعظیمی کے ترک کرنے سے استہانت کا پہلو نکلتا ہو یا اس سے کسی فساد بپا ہونے کی توقع ہو تو ترک ممتنع ہوگا (یعنی قیام لازم ہو جائے گا) اس کی طرف ابن عبدالسلام نے اشارہ کیا ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بعض محققین سے نقل کیا ہے کہ اس میں تفصیل ہے لکھا ہے کہ ممنوع قیام وہ ہے جو عجمیوں کی عادت کی طرح عادت بنا لیا جائے جیسا کہ اس پر حدیث انس دلالت کرتی ہے اور اگر آنے والا سفر سے واپس آیا ہے یا اپنی ولایت میں حاکم ہے تو اس کے لیے قیام تعظیمی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے میں کہتا ہوں اس جواز میں وہ تمام صورتیں شامل ہیں جو ابن الحاج کے جوابات میں گزر چکی ہیں جیسا کہ کسی کو نئی نعمت ملنے پر مبارک بادی دینے کے لیے کھڑا ہونا یا عاجز کی مدد کرنے کے لیے کھڑا ہونا یا مجلس میں گنجائش و وسعت کے لیے کھڑا ہونا وغیرہ ذالک۔ واللہ اعلم

فقہاء احناف سے ''قیام تعظیمی'' کے جواز پر دلائل

قوله يجوز بل يندب القيام تعظيما للقادم (الخ) ای ان كان ممن يستحق التعظيم قال فی

آنے والے کے لیے تعظیماً کھڑا ہونا جائز بلکہ مندوب ہے یعنی اگر آنے والا تعظیم کا مستحق ہے تو قیام تعظیمی مندوب ہے۔ قنیہ

القنية قيام المجالس في المسجد لمن دخل عليه تعظيما و قيام قارى القرآن لمن يجئ تعظيما لايكره اذا كان ممن يستحق التعظيم وفي مشكل الاثار القيام لغيره ليس بمكروه لعينه انما المكروه محبة القيام لمن يقام له فان قام لمن لا يقام له لا يكره قال ابن وهبان اقول وفي عصرنا ينبغي ان يستحب ذالك الى القيام لما يورث تركه من العقد والبغضاء والعداوة لاسيما اذا كان في مكان اعتيد فيه القيام وما ورد من التوعد عليه في حق من يجب القيام بين يديه كما يفعله الشرك والاعاجم قلت يؤيده ما في العناية وغيرها عن الشيخ الحكيم ابي القاسم كان اذا دخل عليه غني قوم يقوم له ويعظمه ولا يقوم للفقراء وطلبة العلم فقيل له في ذالك فقال الغني يتوقع مني التعظيم فلو تركته لتضرر والفقراء والطلبة انما يطمعون في جواب السلام عليكم والكلام معهم في العلم وتمام ذالك في رسالة الشرنبلالي. (ردالمحتار ج ۶ ص ۳۸۴ باب الاستبراء کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مصر)

میں ہے مسجد میں بیٹھے حضرات کا ان کے پاس آنے والے کے لیے تعظیماً کھڑے ہو جانا اور قرآن کریم پڑھنے والے کا آنے والے کے لیے کھڑے ہو جانا ازروئے تعظیم مکروہ نہیں جبکہ وہ آنے والے مستحق تعظیم ہوں" مشکل الآثار" میں ہے کسی دوسرے کے لیے تعظیماً کھڑا ہو جانا مکروہ بعینہ نہیں ہے مکروہ یہ ہے کہ جس کے لیے لوگ کھڑے ہوتے ہوں اسے اچھا سمجھتے ہوئے کھڑے ہو جانا اور اگر کسی ایسے شخص کے لیے کوئی کھڑا ہو گیا جس کی آمد پر لوگ کھڑے نہیں ہوتے تو یہ قیام مکروہ نہیں ہے۔ ابن وہبان نے کہا میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں قیام تعظیمی ہر ایسے شخص کے لیے کرنا چاہیے کہ جس کے نہ کرنے پر کینہ بغض وعداوت پیدا ہوتی ہو خاص کر ان مقامات پر کہ جہاں قیام کی عادت پڑ چکی ہو اور جس قیام پر وعید آئی اس سے مراد وہ قیام ہے جو ایسے لوگوں کے لیے کیا جائے جو اسے پسند کرتے ہوں جیسا کہ ترک اور عجمی لوگ کرتے ہیں میں کہتا ہوں اس کی تائید اس کلام سے ہوتی ہے جو شیخ حکیم ابوالقاسم سے عنایہ وغیرہ میں منقول ہوا ان کے ہاں جب کوئی غنی آتا اس کے لیے کھڑے ہوتے اور تعظیم بجا لاتے اور فقیروں اور طالبان علم کی آمد پر قیام نہ کرتے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا کہ غنی مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتا ہے اگر میں نہ کروں تو نقصان ہوگا اور فقیر وطالب علم انہیں صرف سلام کے جواب کی امید ہوتی ہے اور چاہتے ہیں کہ علمی گفتگو ان سے کی جائے یہ مضمون مکمل طور پر رسالہ "الشرنبلالی" میں ہے۔

تجوز الخدمة لغير الله تعالى بالقيام واخذ اليدين والحناء ولا يجوز السجود الا لله تعالى كذا في الغرائب. (فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص ۳۶۹ باب ۲۸ فی ملاقات الملوک کتاب الکراہیۃ مطبوعہ مصر قدیم)

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کے لیے قیام کی صورت میں خدمت بجا لانا اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لینا اور کچھ جھک کر خدمت بجا لانا جائز ہے سجدہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے یونہی غرائب میں ہے۔

ان حوالہ جات کتب فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ کسی آنے والے قابل تعظیم کے لیے قیام تعظیمی مندوب ومستحب ہے حتیٰ کہ مسجد میں بیٹھنے والے اور قرآن کریم کی قرأت میں مصروف حضرات بھی ایسے شخص کی آمد پر قیام تعظیمی کریں تو کوئی حرج نہیں۔ حسد وکینہ وبغض کا خاتمہ اگر قیام تعظیمی سے حاصل ہو تو بھی قیام جائز بلکہ مستحب ہے جھک کر سلام کرنا اگرچہ رکوع تک کیوں نہ ہو ازروئے تعظیم جائز ہے صرف تعظیماً سجدہ ممنوع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قیام میلاد کے جواز پر دلائل

''قیام تعظیمی'' کے جواز پر جب تفصیلی اور تحقیقی گفتگو سے فراغت پائی تو خیال آیا کہ ''قیام میلاد'' کے بارے میں بھی چلتے چلتے کچھ تحریر کر دیا جائے کیونکہ قیام تعظیمی کی طرح کچھ لوگ اس پر بھی معترض ہیں اور ''بدعت سیئہ'' کہنے تک نہیں چوکتے آپ حضرات نے پڑھا کہ شارحین حدیث اور فقہاء کرام اس پر متفق ہیں کہ صاحب عظمت و قدر کی آمد پر تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے اور یہ بات بھی کے نزدیک مسلّم ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ سے بڑھ کر پوری کائنات میں کوئی دوسرا معزز و مکرم نہیں لہٰذا قیام تعظیمی کے اثبات و جواز پر دلائل بعینہ قیام میلاد کے دلائل بھی بنتے ہیں۔

اعتراض: قیام تعظیمی میں تمام دلائل کا محل وقوع یہ ہے کہ جب کوئی ذی قدر و مرتبت شخصیت آئے تو اس کی آمد پر قیام تعظیمی مستحب ہے ان دلائل کا قیام میلاد سے کوئی تعلق نہیں کیا محفل میلاد میں صاحب میلاد ﷺ تشریف لاتے ہیں جس کی وجہ سے قیام کرنا مستحب ہے جب حضور ﷺ کا محفل میلاد میں تشریف لانا اور اس کا تصور بے اصل ہے تو پھر قیام کس لیے؟ اور پھر میلاد بمعنی ولادت بھی بتاتا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت و باسعادت صرف ایک مرتبہ ہی ہوئی بار بار ولادت منانے کا کیا مطلب؟

جواب: اعتراض میں دو باتیں ایسی کہ ان پر معترض نے زور دیا اول یہ کہ قیام تعظیمی کا اثبات کسی ذی وقار کی آمد پر ہوتا ہے جبکہ حضور ﷺ کی آمد ناممکن ہے لہٰذا قیام میلاد کو قیام تعظیمی میں شامل نہیں کیا جا سکتا؟ دوسری بات یہ کہ آپ کی ولادت باسعادت صرف ایک مرتبہ ہوئی یہ بار بار ولادت منانا بدعت سیئہ کے قبیل سے ہے۔ اس سے اجتناب لازم ہے۔

ہم ان دونوں باتوں کا قدرے تفصیل سے جواب تحریر کرتے ہیں۔ پہلی بات جناب رسول کریم ﷺ کی محفل میلاد میں تشریف آوری کو ناممکن کہنا ''نری جہالت'' ہے کسی کے کہیں آنے جانے کے لیے دو باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں ایک یہ کہ وہ ذی روح ہو یعنی حیات و زندگی سے متصف ہو اور دوسری یہ بات کہ اس میں آنے جانے کی اہلیت و صلاحیت ہو کوئی رکاوٹ نہ ہو ان دونوں باتوں میں سے اول الذکر کے بارے میں عرض ہے کہ معترض کے ہم مسلک یعنی دیوبندی لوگ بھی ''حیات النبی'' کے معتقد ہیں وہ حضور ﷺ کو اب بھی زندہ مانتے ہیں چنانچہ ''الشہاب الثاقب'' میں مولوی حسین احمد مدنی نے بہت دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے اس کے علاوہ دیوبندی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جس میں جس قدر لطافت ہوتی ہے اسی قدر اس میں سرعت و تیز رفتاری ہوتی ہے جیسا کہ ''حفظ الایمان'' میں تھانوی صاحب نے لکھا ''ان **الشیطان یقطع من المشرق والمغرب فی لحظة واحدة** شیطان ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب تک کا فاصلہ طے کر لیتا ہے'' جب شیطان کے لیے یہ سرعت انتقال تسلیم کیا گیا تو سرکار دو عالم ﷺ کی حیات مبارکہ اور لطافت بے مثل اور بے مثال قوت قدسیہ کی موجودگی میں ایسی سرعت سے انکار ناممکن ہے ادھر قرآن کریم بھی اس بات پر شہادت دے رہا ہے کہ اللہ کا ولی آن واحد میں مشرق و مغرب کی سیر کر لیتا ہے بلکہ مشرق و مغرب کے باسیوں کی مدد بھی کر سکتا ہے چنانچہ سورۂ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں آپ کے ایک وزیر آصف بن برخیا کا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی۔

جس کے پاس کتاب (زبور) کا کچھ علم تھا وہ بولا کہ میں اس تخت کو آپ کی بارگاہ میں آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں پھر جب اس تخت کو ان کے سامنے رکھا دیکھا تو فرمایا یہ میرے رب کا فضل ہے۔

جب آصف بن برخیا پل جھپکنے سے کم وقت میں گیا بھی اور آیا بھی اور تخت بلقیس بھی لے آیا اور اپنی جگہ سے گم بھی نہ ہوا تو سرکار دو

عالم ﷺ کے لیے اپنے غلاموں کی محفل میں تشریف لانا ناممکن کیسے ہوگیا؟ اسے ناممکن کہنا دراصل قرآن وحدیث سے لاعلمی کی دلیل ہے ایسے مسائل کا تعلق چونکہ ''بصیرت'' سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے اہل بصیرت کے ہاں اس کے جواز و وقوع پر کوئی اختلاف نہیں چنانچہ یہی سوال جب اشرف علی تھانوی اور رشید احمد گنگوہی کے پیرومرشد جناب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے کیا گیا تو انہوں نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا اور جسے ''شمائم امدادیہ'' نامی کتاب میں درج کیا گیا جو حاجی صاحب موصوف کی زندگی کے حالات پر لکھی گئی ہم اسے حرف بحرف نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ہمارے علماء اس زمانہ میں جو کچھ قلم میں آتا ہے بے محابا فتویٰ دے دیتے ہیں علماء ظاہر کے لیے علم باطن ضروری ہے بدوں اس کے کہ کچھ کام درست نہیں ہوتا۔

فرمایا ہمارے علماء مولود شریف میں بہت تنازع کرتے ہیں تاہم علماء جواز کی طرف بھی گئے تھے جب صورت جواز کی موجود ہے تو پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں اور ہمارے واسطے اتباع حرمین کافی ہے البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیے اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے تو مضائقہ نہیں کیونکہ عالم خلق مقید بزمان ومکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجا فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔ (شمائم امدادیہ حصہ دوم ص ۵۰ مطبوعہ کتب خانہ اشرف الرشید شاہ کوٹ شیخوپورہ)

معترض کو یہی اعتراض تھا کہ حضور امام مالک نے ہمیں اسماعیل بن حکیم سے خبر دی وہ عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی بے شک حضور ﷺ نے فرمایا: جزیرہ عرب میں دو (۲) دین ہرگز باقی نہیں رہیں گے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کے ارشاد کو عملی طور پر کر دکھایا سو انہوں نے یہودیوں او ﷺ کا محفل میلاد میں آنا ناممکن ہے اس کے جواب میں حاجی صاحب موصوف کی عبارت بڑی واضح ہے پہلے انہوں نے ایسے نام نہاد مفتیوں کی خبر لی جو سوچے سمجھے بغیر فتوے جڑ دیتے ہیں ان سے مراد قرائن یہ بتلا رہے ہیں کہ ایسے ہی علماء ہیں جو محفل میلاد میں قیام کو بدعت سیئہ کہتے تھے اور پھر دوسرے انداز میں انہیں بے بصیرت کہا اور صرف عبارت ظاہری پر زور دینے والے لکھا حالانکہ علم ظاہری کے ساتھ ساتھ جب باطنی علم نہ ہو بات کی حقیقت سمجھ نہیں آتی ہاں اتنی بات ضرور لکھی کہ قیام میلاد کے وقت حضور ﷺ کی ولادت ہونے کا تصور نہیں بلکہ آپ کی تشریف آوری کا تصور کرنا چاہیے اس سے معترض کا وہ اعتراض بھی اڑ گیا کہ سنی لوگ روزانہ محفل میلاد منا کر روزانہ ولادت حضور ہونا ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ولادت صرف ایک مرتبہ ہوئی قیام میلاد اس کے پیش نظر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ اس محفل پاک میں تشریف لانے والے ہیں یہ نہیں کہ آپ کی ولادت ہو رہی ہے اور اس کی خدمت میں حاضرین کھڑے ہو گئے اس کے ساتھ ساتھ حاجی صاحب نے اندھے مفتیوں کو یہ بھی بتایا کہ عالم خلق اور عالم امر میں زمین و آسمان کا فرق ہے عالم خلق زمان ومکان سے مقید لیکن عالم امر میں ان میں سے کوئی قید و پابندی نہیں مقصد یہ کہ اس دنیا میں آنے جانے کے لیے مسافت طے کرنے کے لیے اس کے مطابق وقت اور جہاں جانا ہو وہ مخصوص مکان اور اسباب آمد و رفت کی ضرورت پڑتی ہے لیکن عالم امر میں ان باتوں کی قطعاً ضرورت نہیں میں یہ کہتا ہوں کہ جب عالم خلق میں حضور ﷺ کے غلام آن واحد میں زمان کو مکان کی قیود و حدود سے مستغنی ہو کر عجیب کام سرانجام دیتے ہیں تو اس عالم خلق میں خود آقائے دو عالم ﷺ کی عظمت و رفعت کا کیا عالم ہوگا؟ پھر عالم امر میں کوئی کمی آ گئی یا کمزوری کہ جس کی بنا پر آپ ﷺ کا محفل میلاد میں تشریف فرما ہونا ناممکن ہو؟ تسلی کے لیے حاجی صاحب موصوف نے اہل حرمین کے عمل کو کافی قرار دیا مقصد یہ کہ جب قیام میلاد اہل حرمین کے ہاں معمول ہے اور قیام کے وقت حضور ﷺ کا عالم امر سے تشریف فرما ہونا ممکن تو ان حالات میں صرف ظاہری علوم پر اکتفا کرنے والوں کو قیام میلاد پر فتویٰ بازی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کی بجائے انہیں علوم باطنیہ سیکھنے چاہئیں تاکہ حقیقت سے آشنائی ہو سکے۔ حاجی

صاحب موصوف اس مسئلہ کے بارے میں مزید باتیں بھی فرماتے ہیں وہ بھی اسی کتاب میں نقل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

مولود شریف تمام اہل حرمین کرتے ہیں اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے اور حضرت رسالت پناہ کا ذکر کیسے مذموم ہوسکتا ہے؟ البتہ جو زیادتیاں لوگوں نے اختراع کی ہیں نہ چاہئیں اور قیام کے بارے میں کچھ نہیں کہتا ہاں مجھ کو ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے۔ (شمائم امدادیہ حصہ دوم ص ۴۷ ملفوظات امام الصادقین' مطبوعہ اشرف الرشید شاہ کوٹ)

مولود شریف میں اگر بوجہ آنے نام آنحضرت ﷺ کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے؟ اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروعہ لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کیا جائے۔ ایسے امور سے منع کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے۔ جیسے قیام مولود شریف اگر بوجہ آنے نام آنحضرت ﷺ کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے؟ جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر سرور عالم و عالمیان (روحی فدا) کے اسم گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا؟ (شمائم امدادیہ حصہ دوم ص ۶۸' مطبوعہ کتب خانہ اشرف الرشید شاہ کوٹ شیخوپورہ)

قارئین کرام! حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی مذکورہ عبارت سے ''قیام میلاد'' کے بارے میں وہ سب شکوک وشبہات رفع ہو جاتے ہیں جو منکرین پیش کرتے ہیں محفل میلاد میں سرکار ابد قرار ﷺ کی تشریف آوری کا تعلق ''عالم امر'' سے ہے جو دل کے اندھوں کو نظر نہیں آسکتی اس کے لیے صاحب بصیرت ہونا ضروری ہے اور خشک مفتی اس دولت سے بے بہرہ ہیں ''قیام میلاد'' خیر کثیر کے حصول کا ذریعہ ہے' اس سے روکنا نہایت ظلم ہے اگر کچھ باتیں جاہلوں نے قیام میلاد اور محافل میلاد میں ناجائز شروع کر دی ہیں (جن کا اہل سنت ہمیشہ رد کرتے رہتے ہیں) تو ان امور کے ترک پر زور دینا چاہیے نہ یہ کہ خود قیام میلاد جیسے خیر کثیر سے محروم کرنے کے لیے فتویٰ بازی کی جائے یہی حاجی صاحب موصوف جب سرزمین ہند میں آئے اور اپنے تبحر علمی اور روحانیت وکرامت سے شہرت پائی تو علماء دیوبند بھی ان کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور فیصلہ کیا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہیے بالآخر ان کو اپنا پیشوا تسلیم کیا گیا اور ان کی بیعت کی گئی کچھ سنی حضرات نے بھی بیعت کی یہ اس دور کی بات ہے جب دیوبندیت کھل کر سامنے نہ آئی تھی اور ان کے اور اہل سنت کے درمیان اختلاف عقائد ونظریات ابھی منظر عام پر نہ آئے تھے ان اختلافات کو ظاہر وباہر کرنے والے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب نور اللہ مرقدہ ہیں پھر جب حاجی صاحب موصوف یہاں سے جا کر سرزمین مکہ میں قیام فرما ہو گئے تو وہاں انہوں نے یہ اختلافی باتیں سنیں اور معلوم ہوا کہ فلاں فلاں مسئلہ میں ہندوستان کے علماء میں اختلاف ہو چکا ہے تو انہوں نے اس وقت ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کتاب لکھی جن میں سات مشہور اختلافی مسائل کا ذکر اور ان کا صحیح جواب لکھا اور وضاحت کی کہ علماء دیوبند کا مؤقف غلط ہے ان مسائل میں سے ایک مسئلہ ''میلاد النبی'' کا بھی ہے۔ جس کے متعلق تین عدد عبارات فقیر نے ان کی پیش کیں حاجی صاحب موصوف نے مسئلہ میلاد النبی کے جواز پر بہت مضبوط دلائل دیئے جنہیں مانے بغیر چارہ نہیں ان کا انکار وہی کرے گا جس کے بخت میں بدی ہے مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اہل دیوبند جب حاجی صاحب کو غوث وقت' محدث' مفسر وغیرہ تسلیم بھی کرتے ہیں' ان کی مریدی کا دم بھی بھرتے ہیں پھر ان کے ذکر کردہ مسائل کو تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عقائد میں یہ چیز آ گئی ہے کہ ہمارے پیر ومرشد حاجی صاحب اگرچہ ولی کامل ہیں لیکن شرعی مسائل سے واقف نہیں اس بات کا پتہ بعض دیوبندی کتب سے بھی ملتا ہے کہ گنگوہی وغیرہ نے حاجی صاحب کو لکھا تھا کہ آپ شرعی مسائل میں زیادہ دخل اندازی نہ کیا کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

قیام میلاد کے بارے میں گزارشات سے فارغ ہوئے اب پھر اسی موضوع کی طرف لوٹتے ہیں بات چل رہی تھی کہ قیام تعظیمی جائز ومستحب ہے اسی مسئلہ کے تحت احناف کے بعض فتاویٰ میں تعظیماً کسی کی قدم بوسی اور رکوع تک یا اس سے بھی زیادہ جھک

کر تعظیم بجا لانے کو ناجائز لکھا ہے۔ اس بارے میں ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

اعتراض اول:

تقبيل الارض بين يدى العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضى به آثمان لانه يشبه عبادة الوثن وهل يكفران على وجه العبادة والتعظيم كفر والاعلى وجه التحية لا وصار اثما مرتكبا كبيرة.

(ردالمحتار ج ۶ ص ۳۸۳ کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مصر)

علماء اور عظیم لوگوں کے سامنے زمین چومنا (ان کی تعظیم کی خاطر) حرام ہے ایسا کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہ گار ہیں کیونکہ یہ بتوں کی پوجا کے مشابہ فعل ہے اگر یہ بہ نیت عبادت کیا تو کفر اور اگر بغرض تحیت وسلام کیا تو کافر نہیں اور مرتکب کبیرہ ہو جائے گا۔

تو معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ اور علماء کرام کے سامنے زمین بوسی حرام ہے اور بہ نیت عبادت کفر ہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ زمین بوسی تو درکنار اولیاء کرام کے مزارات کو چوما جاتا ہے اور انہیں سجدہ تک کیا جاتا ہے اور اسے ثواب سمجھا جاتا ہے؟

جواب: ہم اہل سنت کے ہاں علامہ شامی کے قول کے مطابق ہی عقیدہ و عمل ہے۔ زمین بوسی جو سجدہ کے مشابہ ہے اور سجدہ اگر تعظیمی ہو تو شریعت محمدیہ میں اس کی حرمت آئی ہے اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت مولانا احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ نے سجدہ تعظیمی کرنے کو گناہ کبیرہ لکھا ہے اور اگر سجدہ بہ نیت عبادت کسی ولی اللہ کو کیا جائے تو یہ کفر خالص ہے اس کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں سجدہ تعظیمی یا زمین بوسی اگر کوئی جاہل کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے اہل سنت کا نہ یہ عقیدہ اور نہ اس کی اجازت لہٰذا اسے ہم اہل سنت کا عقیدہ قرار دینا کسی طور درست نہیں ہے صاحب ردالمحتار نے جو کچھ لکھا وہی ہمارا مسلک ہے اسی پر ہمارا عمل ہے ہاں ہم معترض اور اس کے ہم نواؤں سے یہ دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ مولوی اشرف علی صاحب نے ''بوادر النوادر'' میں لکھا ہے ''وجد کی حالت میں کرنا جائز ہے'' (حالانکہ ہم اسے بھی جائز نہیں سمجھتے) تو موصوف کے اس قول کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟

اعتراض دوم:

وفى الزاهدى الايماء فى السلام الى قريبا لركوع كالسجود وفى المحيط انه يكره الانحناء للسلطان وغيره وظاهر كلامهم اطلاق السجود على هذا القبيل.

(ردالمحتار ج ۶ ص ۳۸۳ کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مصر)

''زاہدی'' میں لکھا ہے کہ سلام کرتے وقت رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی مانند ہی ہے اور ''محیط'' میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے لیے جھکنا مکروہ ہے اور ان حضرات کے کلام کا ظاہراً جھکنے کو سجدہ کہنا اسی قبیل سے ہے۔

عبارت مذکورہ کا ایک حصہ یہ کہ بزرگان دین کو جھک کر سلام کرنا جو رکوع تک جھک کر ہو یہ سجدہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے سجدہ تعظیمی میں آئے گا اس کا جواب یہ وضاحت اوپر ہو چکی ہے صرف فرق یہ ہے کہ یہاں رکوع تک جھکنا ہے اور اوپر زمین بوسی تھی جو سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے بلکہ سجدہ کے بعض ارکان پر مشتمل ہے۔ درمختار کی مذکورہ عبارت سے ہم ایک اور اعتراض بناتے ہیں وہ یہ کہ جب کسی کی تعظیم میں سلام کرتے وقت بقدر رکوع جھکنا ناجائز ہے تو تعظیماً کسی کے ہاتھ پاؤں چومنے کی اجازت کب ہو سکتی ہے کیونکہ ہاتھ چومنے والا جب تک جھکے گا نہیں چوم نہیں سکتا اور پاؤں چومنے والا تو بہت زیادہ سجدے کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا جب جھک کر سلام کرنا جائز نہ ہوا تو بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے کیسے درست ہو گئے؟

جواب: جہاں تک جھکنا بطور عبادت ہے اس کے ناجائز اور حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور امام شامی کا یہی مقصود ہے اور بطور تعظیم جھکنا جائز ہے۔ اعتراض اول کی عبارت ''درمختار'' میں خود علامہ موصوف نے فرمایا ''والاعلى وجه التحية لا'' اگرچہ تحیت وسلام کی

غرض سے بزرگوں کی زمین بوسی کفر نہیں'' اگر تعظیم وعبادت کا فرق پیش نظر نہ رکھا جائے تو ''درمختار'' کی عبارتوں میں باہم تناقض لازم آئے گا رہا یہ کہ سلام کرتے وقت گھٹنوں تک جھکنا اور اس پر ہاتھ پاؤں چومنے کو قیاس کر کے دونوں کا حکم ایک ثابت کرنا یہ برابری امام شامی کے مؤقف کے خلاف ہے کیونکہ معترض نے جس صفحہ سے تعظیماً رکوع تک جھکنے کی عبارت نقل کی اسی صفحہ پر حوالہ مذکورہ سے چند سطور پہلے امام شامی لکھتے ہیں:

ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال یارسول الله ﷺ ارنی شیئا ازداد به یقینا فقال اذهب الی تلک الشجرة فادعها فذهب الیها فقال ان رسول الله ﷺ یدعوک فجاء ت حتی سلمت علی النبی ﷺ فقال لها ارجعی فرجعت قال ثم اذن له فقبل رأسه ورجلیه وقال لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها وقال صحیح الاسناد من رسالة الشرنبلالی. (ردالمحتار ج ۶ ص ۳۸۳ باب الاستبراء کتاب الحظر والاباحۃ' مطبوعہ مصر)

ایک آدمی نے حضور ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کچھ دکھائیں کہ جس سے میرا ایمان مضبوط ہو جائے آپ ﷺ نے فرمایا: اس درخت کی طرف جاؤ اور اسے بلاؤ وہ شخص گیا اور (درخت کے پاس جا کر) کہنے لگا' رسول اللہ ﷺ نے تمہیں بلایا ہے (سنتے ہی) وہ حاضر خدمت ہوا اور سلام عرض کیا آپ ﷺ نے اسے پھر فرمایا کہ واپس چلا جا چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا پھر آپ ﷺ نے اسے اجازت دی اس نے آپ کا سرانور اور قدم مبارک چوم لیے اور حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی انسان کے لیے سجدہ (تعظیمی) کی اجازت وحکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اس کی اسناد صحیح ہیں رسالہ شرنبلالی سے منقول ہے۔

قارئین کرام! شامی کی مذکورہ عبارت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ کسی صاحب عظمت شخصیت کی قدم بوسی جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اپنے سرانور اور قدم ہائے مبارک چومنے کی اجازت دی اور یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے صحیح ہے۔ لہٰذا قابل استدلال ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ہاتھ پاؤں چومنا نہ سجدہ ہے اور نہ ہی مشابہ سجدہ علامہ شامی کا اس صحیح الاسناد حدیث کو پہلے ذکر کرنا اور پھر تعظیمی سجدہ کو بیان کرنا اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ معترض کا یہ کہنا کہ ہاتھ پاؤں چومتے وقت بھی رکوع تک بلکہ اس سے زیادہ تک جھکنا پڑتا ہے لہٰذا یہ بھی سلام کی طرح جائز نہیں ہونا چاہیے'' دراصل معترض علامہ شامی کے سیاق وسباق کو نہ سمجھ سکا اس میں شک نہیں کہ پاؤں چومنے کے لیے گھٹنوں سے زیادہ جھکاؤ کی ضرورت ہوتی ہے مگر جب رسول کریم ﷺ نے خود اپنے پاؤں مبارک چومنے کی اجازت مرحمت فرمائی تو معلوم ہوا کہ گھٹنوں تک جھکنا از روئے تعظیم جائز ہے۔ لہٰذا علامہ شامی نے جہاں گھٹنوں تک جھکنے کی صورت کو ناجائز بتلایا اس سے ان کی مراد بطور عبادت جھکنا لیا جائے گا ورنہ تعظیماً تو اس سے زیادہ جھکنا خود حضور ﷺ نے اپنے لیے روا رکھا تو وہ ناجائز کیونکر ہو گیا؟ ہاتھ پاؤں چومنے کا ضمناً مسئلہ آ گیا تھا جس کی اصل حدیث صحیح الاسناد ہے چلتے چلتے اس مسئلہ پر چند دلائل مزید ذکر کر دیتے ہیں کیونکہ کچھ لوگ اس میں بھی خواہ مخواہ دخل اندازی کرتے ہیں اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اور اسے ناجائز ثابت کرنے کے لیے بے کار اصول کا سہارا لیا جاتا ہے۔

بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں چومنے کے جواز پر چند دلائل

وقد جمع الحافظ ابوبکر ابن المقری جزأ فی تقبیل الید سمعناه واورد فیه احادیث کثیرة و اثارا

حافظ ابوبکر ابن مقری نے بزرگوں کے ہاتھ چومنے کے جواز پر ایک رسالہ تحریر کیا جسے ہم نے سنا اس میں انہوں نے بہت سی

فمن جيدها حديث الزراع العبدي وكان في وفد
عبد القيس قال فجعلنا نتبادر من رواحلنا نقبل
يد النبي ﷺ ورجله اخرجه ابو داؤد ومن
حديث مزيدة العصري مثله ومن حديث اسامة بن
شريك قال قمنا الى النبي فقبلنا يده وسنده قوي
ومن حديث جابر ان عمر قام الى النبي ﷺ
فقبل يده ومن حديث بريدة في قصة الاعرابي
والشجرة فقال يا رسول الله ائذن لي ان اقبل
راسك ورجليك فاذن لي واخرج البخاري في
الادب المفرد من رواية عبد الرحمن بن رزين قال
اخرج ان اسلمة بن الاكوع كفاله ضخمة كانها كف
بعير فقمنا اليه فقبلناها وعن ثابت انه قبل يد انس
واخرج ايضا ان عليا قبل يد العباس ورجله اخرجه
المقرى واخرج من طريق ابي مالك الاشجعي قال
قلت لابن ابي اوفى ناولني يدك التي بايعت بها
رسول الله ﷺ فناولنيها فقبلتها قال النووي
تقبيل يد الرجل لزهده وصلاحه او علمه او لشرفه او
صيانته او نحو ذالک من الامور الدينية لا يكره بل
يستحب. (فتح الباری شرح البخاری ج ۱۱ ص ۴۸ باب المعانقہ کتاب
الاستیذان مطبوعہ مصر قدیم مشکوۃ شریف ص ۴۰۲ باب المعانقہ مطبوعہ نور
محمد کراچی)

احادیث اور آثار جمع فرمائے ہیں بہترین احادیث میں سے ایک
زراع عبدی والی حدیث ہے یہ عبد القیس کے وفد میں شریک تھے
بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنی سواریوں سے اتر کر ایک دوسرے سے
پہلے حضور ﷺ کے ہاتھ پاؤں چومنے میں سبقت کرتے
تھے اس روایت کو ابو داؤد نے ذکر کیا ہے دوسری حدیث مزیدہ
عصری کی اسی سے ملتی جلتی ہے تیسری حدیث اسامہ بن شریک کی
ہے بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی طرف کھڑے
ہوئے پھر ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک چوم لیے اس
کی سند قوی ہے چوتھی حدیث حضرت جابر کی ہے وہ یہ کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر سرکار دو عالم ﷺ کے ید
مبارک کا بوسہ لیا پانچویں حدیث بریدہ کی ہے جو ایک اعرابی اور
درخت کے واقعہ میں مروی ہوئی اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ!
مجھے اجازت ہو تو میں آپ کا سر انور اور قدم مبارک چوم لوں؟ آپ
نے اسے اجازت دے دی چھٹی حدیث امام بخاری نے ادب
المفرد میں ذکر کی بروایت عبد الرحمن بن رزین بیان کیا کہ حضرت
سلمہ بن اکوع نے ہمیں اپنی ہتھیلی دکھائی جیسا کہ اونٹ کا پاؤں ہوتا
ہے ہم اس ہاتھ کو بوسہ دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے پھر ہم نے
اسے چوم لیا ساتویں روایت یہ کہ حضرت انس کا جناب ثابت نے
ہاتھ چوما آٹھویں روایت یہ کہ حضرت علی المرتضی نے جناب عباس
کے ہاتھ پاؤں چومے اسے مقری نے ذکر کیا ہے اور ابو مالک اشجعی
کے طریق پر روایت کیا گیا ہے کہ میں نے ابن ابی اوفی سے کہا
آپ مجھے اپنا ہاتھ تھمائیے کہ جس سے آپ نے رسول کریم
ﷺ سے بیعت کی تھی انہوں نے مجھے تھمایا تو میں نے اسے
چوم لیا (یہ نویں روایت ہے) امام نووی فرماتے ہیں کسی شخص کا
ہاتھ چومنا اس کے زہد، صلاح، علم، شرف اور پاک دامنی وغیرہ کی
وجہ سے یہ دینی امور میں سے ہے، مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔

ولا باس بتقبيل قبور والديك كذا في
الغرائب. (فتاوی عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۱ الباب السادس عشر فی زیارۃ
القبور مطبوعہ مصر)

والدین کی قبر کو چومنے میں کوئی حرج نہیں ہے یونہی غرائب
میں مذکور ہے۔

والدین کی قبر کو چومنا اس میں کوئی گناہ نہیں اصل مسئلہ چل رہا تھا کہ بزرگوں کی دست بوسی اور قدم بوسی جائز ہے یا نہیں؟ فتح

البارى سے نو عدد احادیث وروایات اس کے اثبات پر آپ نے ملاحظہ فرمائیں آخر میں ایک اور حدیث اور ایک معترضین کے ہم مسلک مفتی کا ایک فتویٰ پیش خدمت ہے۔

صفوان بن عسال سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا مجھے اس نبی کے پاس لے چلو اس نے جواب دیا کہ اسے نبی نہ کہو اگر اس نے سن لیا کہ ہم اسے نبی کہہ رہے ہیں تو وہ بہت خوش ہوں گے بہر حال وہ دونوں حضور ﷺ کے پاس آئے انہوں نے آیات بینات کے بارے میں پوچھا' آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' چوری' زنا نہ کرو' سود نہ کھاؤ اور کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ' جنگ سے مت بھاگو' تم یہودیوں کے لیے مزید ایک اور حکم ہے کہ ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو راوی بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک چوم لیے اور پاؤں پر بوسہ دیا اور کہا کہ ہم آپ کے نبی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میری اتباع کرنے سے پھر تمہیں کیا چیز روکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ میری اولاد میں ہمیشہ نبی رہے ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر ہم نے آپ کی اتباع کی تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے اسے ترمذی' ابوداؤد اور نسائی نے ذکر کیا ہے۔

(مشکوۃ شریف ص ۷ باب الکبائر وعلامات النفاق' مطبوعہ تجارت کتب خانہ کراچی)

سوال: کسی شخص کی تعظیم کو کھڑا ہو جانا اور پاؤں پکڑنا اور چومنا تعظیما درست ہے کہ نہیں؟

جواب: تعظیم دین دار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے شخص کا بھی درست ہے' حدیث سے ثابت ہے فقط رشید احمد عفی عنہ۔

(فتاوی رشیدیہ تصنیف مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۴۵۹' مطبوعہ سعید اینڈ سنز مولوی مسافر خانہ کراچی)

قارئین کرام! قدم بوسی اور دست بوسی پر اور بھی بہت سے حوالہ جات پیش کیے جا سکتے ہیں مگر اختصار کے مدنظر ہم نے چند احادیث اور آثار ذکر کیے اور مخالفین کے پیشوا اور رہنما مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ بھی درج کر دیا احادیث و آثار کے ماننے والے ان سے اپنی تسلی وتشفی کر سکتے ہیں یعنی اپنے آپ کو ''اہل حدیث'' کہلانے والے اس مسئلہ میں احادیث سے رہنمائی کر سکتے ہیں اور حنفی کہلانے والے دیوبندی اپنے بڑے کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں مختصر یہ کہ بزرگان دین کی قدم بوسی اور دست بوسی امر مستحب ہے اور از روئے تعظیم ان حضرات کے ہاتھ پاؤں چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ فاعتبروا یااولی الابصار

حضور ﷺ کے اسم گرامی سنتے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا

ہاتھ پاؤں چومنے کا مسئلہ مکمل ہوا اس کے بعد میں مناسب سمجھتا ہوں کہ نام اقدس ﷺ سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا بھی تعظیم وتوقیر کی ایک علامت ہے اور اس بارے میں بھی بعض لوگ اختلاف کرتے ہیں دیوبندی' اہل حدیث ایک طرف اور اہل سنت وجماعت دوسری طرف اول الذکر عدم جواز اور بدعت کے قائل جبکہ سنی حضرات اس کے استحباب وندب کے قائل ہیں یہ مسئلہ فی زمانہ ایسا امتیازی مسئلہ بن گیا ہے کہ عوام نہ چومنے والوں کو وہابی اور چومنے والوں کو سُنّی سمجھتے اور کہتے ہیں اس لیے اس مسئلہ پر بھی گفتگو ہو جائے تو بہتر ہے تاکہ مسئلہ کی حقیقت واضح ہو جائے۔

اذان میں ''اشهد ان محمدا رسول الله'' سننے پر انگوٹھے چومنا

مسح العينين بباطن انملتي السبابتين بعد تقبيلهما عند سماع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله مع قوله اشهد ان محمداعبده ورسوله رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا. وبمحمد عليه

دونوں شہادت کی انگلیوں کا اندرونی حصہ اذان میں لفظ ''محمد'' پر چوم کر آنکھوں پر لگانا اور ساتھ ساتھ یہ پڑھنا اشهد ان محمدا عبده و رسوله رضيت بالله رباً و بالاسلام ديناً و بمحمد عليه السلام نبياً. دیلمی نے فردوس میں ابوبکر

وبمحمد علیه السلام نبیا ذكر الديلمی فی الفردوس من حديث ابی بكر الصديق ان النبی ﷺ قال من فعل ذالک فقد حلت عليه شفاعتی. قال السخاوی لا يصح واورد الشيخ احمد الردد فی كتابه موجبات الرحمة بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام وكل مايروی فی هذا فلا يصح رفعه البتة قلت واذا ثبت رفعه الی الصديق فيكفی العمل به لقوله عليه السلام عليكم بسنتی وسنة الخلفا الراشدين.

(الموضوعات الکبیر لملا علی قاری ص ۱۰۸ حرف میم' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ مرکز علم وادب آرام باغ کراچی)

صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرتے لکھا کہ حضور ﷺ نے (جب ابوبکر صدیق کو ایسے کرتے دیکھا) فرمایا' جس نے ایسے کیا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوئی۔ امام سخاوی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے شیخ احمد نے اپنی کتاب "موجبات رحمت" میں ایک روایت لکھی جس میں بعض راوی مجہول ہیں اور انقطاع بھی ہے وہ یہ کہ خضر علیہ السلام نے ایسے کیا اور تمام اس مسئلہ میں روایات ان میں سے کسی کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ہے میں کہتا ہوں جب ایک روایت کی رفع ابوبکر صدیق تک صحیح ہے تو عمل کے لیے اس قدر کافی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اذان میں نام پاک سنا تو شہادت کی انگلیوں کو چوم کر آنکھوں پر لگایا جب حضور ﷺ نے جانا تو فرمایا: جو شخص ابوبکر صدیق کی طرح کرے گا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ سخاوی وغیرہ علماء نے اگرچہ انگوٹھے چومنے کے اثبات پر کسی حدیث کا مرفوع ہونا تسلیم نہیں کیا لیکن یہ حدیث تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک مرفوع ہے حضور ﷺ تک اس کی رفع نہ سہی ابوبکر صدیق تک رفع ہونے کی صورت میں عمل کے لیے یہ رفع کافی ہے کیونکہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ انگوٹھے چومنے اور آنکھوں پر لگانے کی حدیث قابل عمل ہے زیادہ سے زیادہ رواۃ کے مجہول اور انقطاع وعدم رفع کی بنا پر ضعیف قرار پائے گی اور محدثین کرام کے نزدیک اعمال میں ضعیف حدیث بالاتفاق مقبول ہے حضرات فقہاء کرام نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہے چند حوالہ جات اصل عبارت کے ساتھ پیش خدمت ہیں تاکہ بوقت ضرورت کتاب کی اصل عبارت آپ کے کام آسکے۔

ذكر القهستانی عن كنز العباد انه يستحب ان يقول عند سماع الاولی من الشهادتين للنبی ﷺ "صلی الله عليک يارسول الله" وعند سماع الثانية "قرة عينی بک يارسول الله" بعد وضع ابهاميه علی عينيه فانه ﷺ يكون قاعداً له فی الجنة وذكر الديلمی فی الفردوس من حديث ابی بكر الصديق رضی الله عنه مرفوعا من مسح العينين بباطن انملتی السبابتين الخ. (مراقی الفلاح المعروف طحطاوی علی نور الایضاح باب الاذان ص ۱۲۲ مطبوعہ مصر قدیم)

کنز العباد سے علامہ قہستانی نے ذکر کیا کہ اذان میں پہلی شہادت کے سنتے وقت "صلی الله عليک يا رسول الله" کہنا مستحب ہے اور دوسری شہادت کے وقت "قرت عينی بک يا رسول الله متعنی بالسمع والبصر" کہنا بعد اس کے کہ اپنے دونوں انگوٹھے دونوں آنکھوں پر رکھے ہوئے ہوں مستحب ہے ایسا کرنے والے کے لیے کل قیامت میں حضور ﷺ جنت کی طرف اس کے قائد ہوں گے اور دیلمی نے فردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع میں ذکر کیا کہ جس نے دونوں شہادت کی انگلیوں کو چوما اور آنکھوں پر لگایا اس کے لیے حضور ﷺ کی شفاعت حلال ہوگی۔

بعض نے کہا کہ انگوٹھوں کی پشت کو اپنی آنکھوں پر رگڑے [illegible] اور "صلوٰۃ مجی" میں ہے کہ آپ

(ابوبکر صدیق) نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر چوڑائی سے رکھے لمبائی سے نہیں یعنی انگوٹھے کا رخ ناک کی طرف کیا اور ''محیط'' میں وارد ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے پاس جلوہ افروز ہوئے صدیق اکبر بھی آپ کے برابر آ کر بیٹھ گئے بلال اذان کہنے کے لیے کھڑے ہوئے اذان شروع کی جب ''اشهد ان محمدا رسول الله'' پر پہنچے تو ابو بکر صدیق نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور فرمایا ''قرت عینی بک یارسول الله میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ کے نام وکلام سے ہے'' جب حضرت بلال اذان سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ نے فرمایا: اے صدیق اکبر! جوشخص تیری طرح عمل بجالائے یعنی انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے جب وہ میرا نام سنے تو اللہ تعالیٰ اس کے نئے پرانے' جان بوجھ کر اور بھول کر کیے تمام گناہ معاف کردے گا اور حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے) انہوں نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھا ہے ابن عیینہ سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ عشرہ محرم میں مسجد نبوی میں تشریف لائے نماز جمعہ استوانہ کے پاس ادا فرمائی تو ابوبکر صدیق نے (جب آپ کا اسم گرامی اذان میں سنا) اپنے دونوں انگوٹھوں کی پشت اپنی آنکھوں پر ملی اور کہا میری آنکھوں کی ٹھنڈک یارسول اللہ! آپ کے نام سے ہے جب بلال اذان سے فارغ ہوئے تو ابوبکر سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! جو وہ کلمات کہے گا جو تو نے کہے اور کہے میری ملاقات کے شوق میں تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ نئے پرانے' جان بوجھ کر' بھول کر' اعلانیہ اور چوری چھپے سب معاف کردے گا اور میں اس کی شفاعت کروں گا ''مضمرات'' میں بھی یہ حدیث اسی طرح منقول ہے اور ''قصص الانبیاء'' میں یوں مذکور ہے حضرت آدم علیہ السلام کو جب حضور ﷺ کے دیدار و ملاقات کا اشتیاق ہوا آپ جنت میں تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ تیری پشت سے آنے والے ہیں لیکن تمام نبیوں کے آخر میں آئیں گے آدم علیہ السلام نے جنت میں رہائش کے دوران آپ ﷺ سے ملاقات کا شوق کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی اور نور محمدی ﷺ آدم علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کی انگلی میں رکھ دیا وہ نور تسبیح پڑھتا تھا اس لیے اس انگلی کا نام مسبّحہ رکھا گیا جیسا کہ ''روضۃ الفائق'' میں لکھا ہے یا اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے جمال جہاں آراء کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کی صفائی شیشے کی طرح صاف رکھا تو آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھے چومے اور انہیں اپنی آنکھوں پر رکھا آدم علیہ السلام کی اولاد کے لیے حضور ﷺ کے نام اقدس پر انگوٹھے چومنے کی یہ اصل ہے جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انگوٹھے چومنے کی خبر سرکار دو عالم ﷺ کو دی تو حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان میں میرے نام کو سنا اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو بوسہ دیا اور آنکھوں پر ملا وہ کبھی نابینا نہ ہوگا۔ امام سخاوی نے ''مقاصد الحسنہ'' میں کہا یہ حدیث صحیح مرفوع نہیں ہے حدیث مرفوع وہ ہوتی ہے جو صحابی' حضور ﷺ سے ذکر کرے ''شرح یمانی'' میں ہے کہ دونوں ناخنوں کا چومنا اور آنکھوں پر رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں کوئی حدیث وارد نہیں اور جو وارد ہے وہ ضعیف ہے (اس کے جواب میں صاحب روح البیان علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں) فقیر کہتا ہے کہ علماء سے یہ بات ثابت ہے کہ ضعیف حدیث کے ساتھ عمل کا جواز ہے کیونکہ فضائل میں ضعیف حدیث معتبر ہوتی ہے اس حدیث کا ضعیف ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کے مضمون کو ترک کر دیا جائے امام قہستانی نے اس کے استحباب کا قول کہا ہے۔ امام مالکی کا کلام ہمارے لیے کافی ہے ان کی تصنیف ''قوت القلوب'' میں ہے کہ شیخ سہروردی باوجود اس کے کہ وہ بہت بڑے عارف' حافظ' عالم ہونے کے انہوں نے ''قوت القلوب'' کی تمام باتوں کو قبول کیا ہے اللہ کے لیے بڑائی ہے حق کے بیان کرنے اور لڑائی وجدال کے ترک کرنے پر۔

(روح البیان ج ۷ ص ۲۲۸-۲۲۹ سورۂ احزاب زیر آیت ان الله و ملئكة يصلون على النبی' مطبوعہ بیروت)

وكان رجلا فی بنی اسرائيل عصى الله مائة — بنی اسرائیل میں ایک شخص نے سو سال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی

سنة ثم فاخذه فالقوه فی مزبلة فاوحی الله تعالی الی موسٰی ان اخرجه وصل علیه قال یارب ان بنی اسرائیل شهدوا انه عصاک مائة سنة فاوحی الله الیه انه هکذا الا انه کان کلما نشر التوراة ونظر الی اسم محمد قبله ووضعه علی عینیه فشکرت له ذالک وغفرت له وزوجته سبعین حوراء. (تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۱۸۵ از یر آیت ما کان محمد ابا احد الایۃ' مطبوعہ بیروت)

میں گزارے جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی لاش کو اٹھا کر ایک کوڑے کے ڈھیر پر لا کر ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اسے وہاں سے نکالیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا' یارسول اللہ! بنی اسرائیل بھی گواہ ہیں کہ اس نے سو سال تیری نافرمانی کی اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ بات ٹھیک ہے مگر یہ شخص جب بھی تورات کو کھولتا اور اس کی نظر لفظ ''محمد'' پر پڑتی تو چوم لیتا اور اسے اپنی آنکھوں پر رکھ لیتا میں نے اس کی یہ ادا پسند کر لی اور اس کو معاف کر دیا اور ستر حوروں سے اس کی شادی کر دی۔

قارئین کرام! بنی اسرائیل کے مذکور آدمی کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار ابد قرار ﷺ کے نام پاک کی تعظیم اللہ تعالیٰ کو کس قدر محبوب ہے؟ سو سال تک برائیوں میں ڈوبا شخص اس پاک نام کی تعظیم اور وہ بھی چوم کر آنکھوں پر لگانے کی صورت میں دوزخ سے بچ جاتا ہے اور پیغمبر وقت کو اس کے کفن دفن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے شخص مذکورہ نے نام مصطفیٰ کی تعظیم اذان کے دوران نہیں بلکہ اس کے علاوہ کی جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان کے علاوہ بھی اگرچہ کوئی امتی اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کا نام پاک سن کر چومتا اور انگوٹھے آنکھوں کو لگاتا ہے تو اس کی بخشش کی امید قوی کی جا سکتی ہے مجھے تو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ جب بوسہ دینا علامات محبت میں ہے تو کیا رسول کریم ﷺ سے اظہار محبت نہیں کرنا چاہیے؟ حالانکہ خود حضور ﷺ نے فرمایا: جب تک ماں' باپ اور سب دنیا میں کسی شخص کو میں عزیز و محبوب نہ ہوں گا اس کا ایمان نہیں۔ حضور ﷺ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت تھی اس کی وجہ سے آپ انہیں چوم لیا کرتے تھے ہر صاحب اولاد کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے اور وہ انہیں چومتا ہے جب از روئے محبت ہمیں اپنے بچوں کو چومنا جائز اور علامت محبت سمجھا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ سرور کونین ﷺ کے نام اقدس کے چومنے پر اعتراض کیا جاتا ہے؟ اس سے لوگوں کو منع کیا جاتا ہے؟ آخر اس میں کون سی قباحت ہے یا کوئی نص و وعید اس بارے میں موجود ہے؟ یاد رہے کہ ہم اہل سنت سرکار ابد قرار ﷺ کے اسم گرامی پر انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر ملنے کو واجب و فرض نہیں کہتے بلکہ استحباب اور سنت ابوبکر صدیق سمجھتے ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے جیسا کہ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وضعف تقبیل ظفری ابهامیه مع مسبحتیه والمسح علی عینیه عند قوله "محمد رسول الله" ﷺ لانه لم یثبت فی الحدیث المرفوع لکن المحدثین اتفقوا علی ان الحدیث الضعیف یجوز العمل به فی الترغیب والترهیب. الخ. (روح البیان ج ۲ پارہ ۶ ص ۱۰۳ زیر آیت واذا نادیتم الی الصلوۃ' مطبوعہ بیروت)

دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں کے ناخن چوم کر آنکھوں پر ملنا جبکہ حضور ﷺ کا نام پاک سنا جائے یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ کسی حدیث مرفوع سے یہ بات ثابت نہیں ہے لیکن محدثین کرام نے اس بات پر اتفاق فرمایا ہے کہ ترغیب و ترہیب میں حدیث ضعیف پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔

جب حدیث ضعیف ثواب و عتاب اعمال میں بالاتفاق مقبول ہے تو انگوٹھے چومنے کے اثبات میں اگرچہ حدیث صحیح مرفوع نہیں لیکن ضعیف تو موجود ہے اور یہ کام ترغیب و ترہیب کے زمرہ میں آتا ہے لہٰذا بااتفاق محدثین یہ جائز ہوا اب اس کی مخالفت کرنا دراصل تمام محدثین کرام کی مخالفت کرنا ہے جو کسی صاحب علم کو زیب نہیں دیتا علاوہ ازیں خاتم الفقہاء علامہ ابن عابدین نے ''ردالمحتار'' میں

اس مسئلہ پر یہ فیصلہ وفتویٰ دیا ہے۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشهادة "صلی الله علیک یارسول الله" وعند الثانیه "قرت عینی بک یارسول الله" ثم یقول اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین. الخ.

(ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۵' باب الاذان' مطبوعہ مصر)

اذان میں بوقت سماع شہادۃ اولیٰ "صل اللہ علیک یارسول اللہ" پڑھنا مستحب ہے اور دوسری شہادت کے وقت "قرت عینی بک یا رسول اللہ" پڑھنا مستحب ہے اس کے بعد انگوٹھوں کے دونوں ناخن آنکھوں پر رکھتے ہوئے یہ پڑھے اللھم متعنی بالسمع والبصر (ایسے کہنے اور کرنے والے کو حضور ﷺ اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے)۔

اسی طرح "کنز العباد" میں ہے "کتاب الفردوس" میں بھی لکھا ہے اس کی مکمل بحث "بحر الرائق" کے حواشی "رملی" میں ہے۔

قارئین کرام! "ردالمحتار" ایسا مجموعہ فتاویٰ ہے کہ متاخرین علماء کا اس کے بارے میں متفقہ فیصلہ ہے کہ فقہ حنفی میں اس جیسا جامع فتاویٰ نہیں ہوسکتا اس کے حوالہ سے آپ نے پڑھا مختلف کتب کے حوالہ جات سے اسے مستحب لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مذکورہ عرصہ سے علماء وفقہاء احناف کے درمیان مستحب چلا آ رہا ہے علاوہ ازیں مفتی احمد یار خان صاحب مرحوم نے "جاء الحق" میں نام اقدس پر انگوٹھے چومنے کی تائید میں دو اور حوالہ جات بھی پیش کیے ہیں ایک حوالہ "صلوٰۃ المسعودی" ج ۲ باب میم بانگ نماز میں ہے:

روی ان النبی ﷺ قال من سمع اسمی فی الاذان ووضع ابهامیه علی عینیه فانا طالبه فی صفوف القیامة وقائده الی الجنة.

حضور ﷺ سے مروی ہے فرمایا کہ: جس نے اذان میں میرا نام سنا اور اپنے دونوں انگوٹھے اپنی آنکھوں پر رکھے میں قیامت کی صفوں میں اس کا متلاشی ہوں گا اور جنت کی طرف اسے لے جانے والا ہوں گا۔

دوسرا حوالہ "کفایۃ لطالب الربانی" "تصنیف ابن ابی زید القیروانی ہے" کے صفحہ ۱۶۹ جلد اول مطبوعہ مصر سے نقل فرمایا: عینیه لم یعم ولم یرمد ایسا کرنے والے کی آنکھیں نہ تو اندھی ہوں گی اور نہ ہی دکھیں گی' اسی کتاب "کفایۃ" کی شرح شیخ علی السعیدی العدوی نے کی وہ شرح کے ص ۱۷۷ پر رقم طراز ہیں:

لم یبین موضع تقبیل من ابهامین الا انه نقل عن الشیخ الا عالم المفسر نور الدین الخراسانی قال بعضهم لقیته وقت الاذان فلما سمع المؤذن یقول اشهد ان محمدا رسول الله قبل ابهامی نفسه ومسح بالظفرین اجفان عینیه من الماق الی ناحیة الصدغ ثم فعل ذالک عند کل تشهد مرة فسألته عن ذالک فقال کنت افعله ثم ترکته فعرضت عینای فرأیته ﷺ فی المنام فقال لما ترکت مسح عینیک عند الاذان ان اردت ان تبرء عیناک فعد فی المسح فاستیقظت ومسحت خبزت ولم

مصنف نے انگوٹھے چومنے کا مقام بیان نہیں فرمایا ہاں شیخ عالم مفسر نور الدین خراسانی سے منقول ہے بعض نے کہا کہ میں نے ان سے ملاقات کی اذان کے وقت جب مؤذن سے اشہد ان محمدا رسول اللہ کے الفاظ سنے تو اپنے انگوٹھے چومے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر ملا آنکھوں کی پلکوں سے کنپٹی تک کے حصہ پر ناخن پھیرے پھر ہر تشہد کے وقت ایک مرتبہ ایسا کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا کہنے لگے میں پہلے ایسا کرتا تھا لیکن پھر چھوڑ دیا اس کے بعد میری آنکھیں بیمار پڑ گئیں میں نے خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت کی آپ نے پوچھا تو نے اذان کے وقت اپنی آنکھوں پر انگوٹھے ملنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اگر تو

يعاد وقى مرضها الى الان.

آنکھوں کی اس بیماری سے شفاء چاہتا ہے تو اسی عمل کو دوبارہ شروع کردے میں اٹھا اور آنکھوں پر مسح کیا فوراً بیماری جاتی رہی اور اب تک اس بیماری میں گرفتار نہیں ہوا۔

قارئین کرام! عبارت بالا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر عقیدت کے ساتھ کوئی امتی حضور ﷺ کے اسم گرامی کے سنتے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر ملتا ہے تو اس کی آنکھیں اس کی برکت سے ہر بیماری سے محفوظ رہتی ہیں۔ اور اگر اس عمل کو ترک کر دیا جائے تو بیماری کا خطرہ ہے بہر حال متاخرین ومتقدمین حضرات نے اس عمل کے فوائد وثمرات بیان فرما کر اس کی ترغیب دی ''ادب المفرد'' میں امام بخاری نے لکھا کہ دوران جنگ حضرت ابن عمر کی آنکھ میں کنکر پڑ گیا ابوبکر صدیق نے فرمایا کسی اپنے محبوب ترین کا نام چوم کر آنکھوں کو لگاؤ چنانچہ انہوں نے جب حضور ﷺ کا نام گرامی چوم کر آنکھوں پر لگایا تو کنکر نکل گیا نام اقدس پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا جہاں سنت آدمؑ سنت خضرؑ سنت ابوبکر صدیق ہے وہاں اس کے بہت سے فوائد بھی علماء نے اپنے اپنے تجربہ سے تحریر فرمائے یہ عمل فرض وواجب نہیں بلکہ مستحب ہے اس کے جواز واستحباب پر تمام فقہاء ومحدثین کرام کا اجماع ہے۔

فاعتبروا يا اولى الابصار

٣٩٣- بَابُ الرَّجُلِ يُقِيْمُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ فِيْهِ وَمَايُكْرَهُ مِنْ ذَالِكَ

مجلس سے کسی کو اٹھا کر خود بیٹھنا اور اس میں کراہت کا بیان

٨٦٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ لَا يُقِيْمُ اَحَدُكُمُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَيَجْلِسُ فِيْهِ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کی نشست گاہ سے نہ اٹھائے تاکہ خود وہاں بیٹھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِىْ لِلرَّجُلِ الْمُسْلِمِ اَنْ يَصْنَعَ هٰذَا بِاَخِيْهِ وَيُقِيْمُهُ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمارا یہی مسلک ہے کہ کسی مسلمان مرد کے لیے یہ نامناسب ہے کہ مذکورہ طریقہ اپنے بھائی سے اپنائے اسے اس کی نشست گاہ سے اٹھائے پھر وہاں خود بیٹھے۔

''مسلم شریف'' میں اسی مسئلہ کے بارے میں ایک حدیث پاک مروی ہے۔ جناب نافع ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے ہاں تم اس کو کشادہ کر لو اور کھول لو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۷ باب من اتی مجلسا وجد فرصۃ الخ)

اس حدیث پاک کی تشریح میں امام نووی نے لکھا:

هذا النهى للتحريم فمن سبق الى موضع مباح فى المسجد وغيره يوم الجمعة اوغيره لصلوة اوغيرها فهو احق به ومحرم على غيره اقامة بهذا الحديث الا ان اصحابنا استثنوا منه ما اذا الف من المسجد موضعا يفتى او يقرأ القران اوغيره من العلوم الشرعية فهوا حق واذا حضرلم يكن لغيره ان

یہ نہی تحریم کے لیے ہے لہٰذا جو شخص پہلے کسی مباح جگہ آ کر بیٹھ جائے خواہ مسجد میں بیٹھے یا کہیں اور جمعہ کے دن یا کسی اور نماز کے لیے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے اور اسے وہاں سے کھڑا کر دینا اس حدیث پاک کے ارشاد سے حرام ہے مگر ہمارے اصحاب نے اس سے ایک صورت مستثنیٰ فرمائی وہ یہ کہ اگر کسی نے مسجد میں کوئی مخصوص جگہ فتویٰ کے لیے یا قرآن کریم کی قرأت کے لیے یا

یقعد فیہ. (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۱۷ باب من اتی مجلسا الخ مطبوعہ نور محمد کراچی) کسی اور علم شرعی کے لیے مقرر کر رکھی ہے تو وہ شخص اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے اس کے موجود ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو وہاں بیٹھنا درست نہیں۔

قارئین کرام! مذکورہ احادیث اور اس کی تشریح سے معلوم ہوا کہ جس جگہ ہر شخص کو بیٹھنے کی ازروئے شرع اجازت ہو وہاں اگر پہلے آ کر کوئی بیٹھ جائے تو اسے اٹھا کر خود بیٹھنا حرام ہے کیونکہ پہلے آنے اور بیٹھنے کی وجہ سے وہ شخص اس نشست گاہ کا حقدار ہو گیا اسے وہاں سے اٹھانا دراصل کسی کا حق غصب کرنا ہے۔

امام نووی نے اس عمومی صورت سے ایک صورت مستثنیٰ فرمائی وہ یہ کہ کسی نے مسجد وغیرہ میں کوئی خاص جگہ فتویٰ نویسی یا درس و تدریس کے لیے مخصوص رکھی ہے تو اس جگہ پر اس کے علاوہ دوسرے کا بیٹھنا درست نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ''مسلم شریف'' کے اس مقام و باب میں ایک روایت ہے کہ آپ مسجد میں تشریف لاتے تو کوئی شخص ان کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دیتا پھر بھی آپ وہاں تشریف نہ رکھتے حالانکہ یہاں آپ نے اسے اٹھایا نہیں وہ از خود اٹھ گیا اور اس کی ممانعت نہیں لیکن آپ پھر بھی وہاں نہ بیٹھتے اس کی وجہ آپ کا تقویٰ تھا اگر کوئی جگہ دے تو اس وقت اس کی جگہ پر بیٹھنا جائز ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۹۴- بَابُ الرُّقٰی

دم اور تعویذ کرنے کا باب

۸۶۱- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَتْنِيْ عَمْرَةُ اَنَّ اَبَابَكْرٍ دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَهِيَ تَشْتَكِيْ وَيَهُوْدِيَّةٌ تَرْقِيْهَا فَقَالَ اِرْقِيْهَا بِكِتَابِ اللّٰهِ.

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے جبکہ وہ بیمار تھیں اور ایک یہودیہ عورت انہیں دم جھاڑ کر رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اسے کہا اسے قرآن کی تلاوت کے ساتھ دم کرو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَهٰذَا نَاْخُذُ لَابَاْسَ بِالرُّقٰى بِمَا كَانَ فِي الْقُرْاٰنِ وَمَا كَانَ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاَمَّا كَانَ لَا يُعْرَفُ مِنَ الْكَلَامِ فَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّرْقٰى بِهٖ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کے ساتھ دم کرنا جائز ہے کوئی حرج نہیں مگر کسی لایعنی کلام کے ساتھ دم کرنا جائز نہیں۔

۸۶۲- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّ سُلَيْمٰنَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ بَيْتَ اُمِّ سَلَمَةَ وَفِي الْبَيْتِ صَبِيٌّ يَبْكِيْ فَذَكَرُوْا اَنَّ بِهِ الْعَيْنَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفَلَا تَسْتَرْقُوْنَ لَهٗ مِنَ الْعَيْنِ.

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ انہیں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ ام سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ وہاں ایک بچہ مسلسل رو رہا تھا۔ عرض کیا گیا کہ اسے نظر بد لگی ہے آپ نے فرمایا: تو پھر تم اسے نظر بد کا دم کیوں نہیں کرتے؟

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَا نَرٰى بِالرُّقْيَةِ بَاْسًا اِذَا كَانَتْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر اللہ کے ذکر سے دم کیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

٨٦٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ السَّلَمِيَّ اَخْبَرَهٗ اَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَخْبَرَهٗ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ اَنَّهٗ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ عُثْمَانُ وَبِيْ وَجْعٌ حَتّٰى كَادَ يُهْلِكُنِيْ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمْسَحْهُ بِيَمِيْنِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَقُلْ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ، فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِيْ فَلَمْ اَزَلْ بَعْدُ اٰمُرُ بِهٖ اَهْلِيْ وَغَيْرَهُمْ.

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے آپ کہتے ہیں کہ مجھے شدید درد ہو رہا تھا قریب تھا کہ وہ مجھے ہلاک کر دے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی درد والی جگہ پر سات مرتبہ اپنا دایاں ہاتھ پھیرو اور ہر بار یہ کہو کہ میں اللہ کی عزت اور قدرت کے ساتھ اپنی اس تکلیف کی شر سے پناہ مانگتا ہوں میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ نے میری تکلیف فوراً دور کر دی اس کے بعد میں ہمیشہ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو یہ دم بتلایا کرتا تھا۔

قارئین کرام! ان احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ رسول کریم ﷺ قرآن کریم اور ذکر الٰہی کے ساتھ دم فرمایا کرتے تھے اور آپ کے ارشاد کے مطابق سیدنا صدیق اکبر، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام بھی آیاتِ قرآنیہ کے ساتھ دم کرتے اور کرواتے تھے اور لوگوں کو دم سکھاتے تھے اگر زبان سے پڑھ کر پھونکا جائے تو اسے دم کہتے ہیں اور لکھ کر دیا جائے کہ اسے درد والی جگہ پر باندھو یا پانی میں یہ تحریر ڈال کر وہ بابرکت پانی پیو تو اسے تعویذ کہتے ہیں یہ سب جائز ہے بشرطیکہ وہ قرآنی آیات ہوں یا ذکر الٰہی ہو، شیطانی کلمات اور بیہودہ و بے معنی کلام نہ ہو ورنہ وہ جائز نہیں۔

یہاں یاد رہے کہ اس باب کی پہلی حدیث میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے اس یہودی عورت نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حکم کے بغیر ہی وہ دم کرنا شروع کر دیا ہو اور ممکن ہے وہ تورات وانجیل کی بعض آیات ہی پڑھ رہی ہو مگر چونکہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے انجیل وتورات کی ضرورت نہیں اس لیے سیدنا صدیق اکبر نے فرمایا: اگر دم کرنا ہے تو قرآن سے کرو۔

اسی مسئلہ میں غیر مقلدین کا ایک گروہ سخت انکار کرتا ہے چنانچہ اسی گروہ کے ایک شخص ڈاکٹر عثمانی نے جو کراچی سے تعلق رکھتا ہے اس موضوع پر تعویذات اور شرک کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا ہے، ہم اس پورے رسالے کا یہاں پوسٹ مارٹم کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو اس مسئلے میں کسی طرح گمراہ نہ کیا جا سکے ہم ڈاکٹر عثمانی کی ایک ایک دلیل کو لے کر اس کا رد کریں گے اللہ تعالیٰ ہماری یہ سعی اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

التمائم والشرک — تعویذات اور شرک

دلیل اول: تعویذ لٹکانا شرک ہے

عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الرقى والتمائم والتولة شرك. (ابوداؤد، مشکوٰۃ: ص۳۸۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے دم، تعویذ اور تولہ سب شرک ہیں۔ (تعویذات اور شرک ص۳)

جواب: ڈاکٹر عثمانی نے نہایت عیاری اور چالاکی سے حدیث پاک کا حوالہ دے کر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دم، تعویذ کرنا شرک ہیں لیکن حدیث پاک کو نقل کرتے وقت اسے نامکمل نقل کیا اگر مکمل حدیث نقل کر دیتا تو اسے بھی نظر آ رہا تھا کہ میرا مقصد اس حدیث سے ثابت نہ ہو سکے گا لہٰذا ہم پہلے مکمل حدیث نقل کرتے ہیں پھر اس کی تشریح میں دیوبندی، غیر مقلد اور اہل سنت کی کتب سے عبارات نقل کریں گے جس سے آپ مسئلہ کی حقیقت سے فوراً آگاہ ہو جائیں گے اور ڈاکٹر عثمانی کی بے ایمانی اور مکاری آپ پر روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہو جائے گی۔

عن عبدالله قال سمعت رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقول ان الرقی والتمائم والتولة شرک قالت قلت لم یقول ھذا والله لقد کانت عینی تقذف فکنت اختلف لی فلان الیھودی یرقینی فاذا رقانی سکنت فقال عبدالله انما ذالک عمل الشیطان کان ینجسھا بیدہ فاذا رقاھا کف عنھا انما یکفیک ان تقولی کما کان رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقول اذھب البائس رب الناس اشف انت الشافی لاشفاء الا شفاء ک شفاء لا یغادر سقما۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۶ تعلیق التمائم مکتبہ امدادیہ ملتان' مشکوۃ شریف ص ۳۸۹ کتاب الطب والرقی' مطبوعہ آرام باغ کراچی' فتح الربانی بالترتیب مسند امام احمد بن حنبل ج ۷ ص ۱۸۷' مطبوعہ قاہرہ)

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: کہ دم' تعویذ اور محبت کا تعویذ شرک ہے۔ حضرت عبداللہ کی بیوی زینب نے کہا: آپ نے یہ کیونکر فرمایا؟ خدا کی قسم! میری آنکھ میں درد ہوگیا تھا میں فلاں یہودی کے پاس دم کرانے جاتی رہی وہ جب مجھے دم کرتا تو آنکھ کو سکون مل جاتا اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود کہنے لگے یہ شیطانی عمل ہے' شیطان اپنے ہاتھ سے تمہاری آنکھ کو دکھی کرتا ہے پھر جب اس پر یہودی دم کرتا تو وہ اس سے باز آجاتا تیرے لیے وہی کلمات کہنے کافی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے وہ یہ ہیں اذھب البأس اے لوگوں کے رب! اس پریشانی اور دکھ کو دور کر اور دے' شفاء عطا فرما' تو ہی شفاء عطا فرمانے والا ہے' تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ایسی شفاء کہ جس کے بعد کوئی بیماری باقی نہ رہے۔

مندرجہ بالا حدیث پاک میں تین چیزیں بیان ہوئیں۔ ۱- دم اور تعویذ شرک ہے۔ ۲- یہودی کا دم شیطانی دم تھا۔ ۳- حضور ﷺ کے ان کلمات کو ذکر کر کے ان سے دم کرنا صحیح قرار دیا گیا۔

قارئین کرام! حدیث ایک ہی ہے اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے کانوں سنی حضور ﷺ کی بات ذکر فرما رہے ہیں کہ ''دم'' شرک ہے پھر اپنی بیوی کے جواب میں حضور ﷺ کے وہ کلمات ذکر فرما رہے ہیں جن سے آپ ﷺ دم فرمایا کرتے تھے اب ''دم کرنا'' شرک بھی ہوا اور خود حضور ﷺ کا عمل شریف بھی حدیث پاک ہے بھی صحیح جسے خود شرک بھی قرار دیں اور خود کریں بھی تو یہ دونوں باتیں باہم متناقض ہیں اور حضور ﷺ سے صدور شرک نظر آتا ہے اگر بالفرض آپ ﷺ سے ہی شرک کا صدور تسلیم کر لیا جائے تو پھر آپ کی نبوت و رسالت کہاں جائے گی؟ کیونکہ مشرک سرے سے مومن ہی نہیں ہوتا مقام نبوت و رسالت اسے کیسے دیا جا سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے کلام اقدس میں ایسا تناقض ثابت کرنا دراصل آپ کی نبوت بلکہ ایمان سے ہی انکار کرنا ہے اب ذرا عثمانی صاحب ہی بتائیں کہ اس حدیث کے ابتدائی الفاظ جو دم کو شرک بتاتے تھے وہ ذکر کر دیئے اور حدیث پاک کا آخری حصہ جس میں دم کرنے کی اجازت تھی بلکہ سنت رسول انہیں ذکر نہ کر کے منافقت کی یا نہ کی؟ اس منافقت اور مکاری کی وجہ سے براہ راست حضور ﷺ کی ذات مقدسہ پر اعتراض آیا ذرا سی بھی سوجھ بوجھ رکھنے والا اس حدیث پاک کو سن کر یہ سمجھ جاتا ہے کہ ''دم'' کی دو اقسام ہیں ایک وہ دم جو یہودی کرتا تھا اور وقتی طور پر اس سے آرام بھی آجاتا تھا یہ وہی دم ہے جسے شیطانی عمل سے تعبیر کیا گیا اور دوسرا دم وہ جو رحمانی اور نبوی ''دم'' ہو جس کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ خود حضور ﷺ سے عملی طور پر ثابت بھی ہے۔ اول الذکر دم (شیطانی عمل) چونکہ کفریہ کلمات پر مشتمل تھا لہٰذا ایسے دم کو ''شرک'' کہا گیا اور مؤخر الذکر قرآنی آیات یا احادیث مقدسہ کے الفاظ کے ساتھ کیا جاتا ہے جس میں شرک و کفر کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ایسے دم کو ''رحمانی دم'' کہیں گے اور یہ دم بہر صورت جائز ہے۔ عثمانی صاحب اپنے مذموم مقصد میں زور ڈالنے کے لیے ''مشکوۃ'' ''ابوداؤد'' اور ''مسند امام احمد بن حنبل'' کا حوالہ دیا ہے تاکہ قارئین ان تین کتب کے نام سے مرعوب ہو کر اس کی گھناؤنی سازش کے جال میں آجائیں۔

حدیث مذکور کے بارے میں عثمانی کے استدلال کے جواب کے طور پر اسی قدر کافی تھا لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اس حدیث کی شرح کرنے والی چند کتب کے حوالہ جات بھی درج کر دیئے جائیں جو حدیث پاک کا صحیح مفہوم سمجھنے میں بہت معاون ثابت ہوں گے اور عثمانی کی عیاری واضح کر دیں گے۔

اما الرقی فالمنهی عنه هو ما كان منها بغير لسان العرب فلا يدرى ما هو ولعله قد يدخله سحرا او كفرا واما اذا كان مفهوم المعنى و كان فيه ذكر الله سبحانه فانه مستحب متبرك به والله اعلم. (والتمائم) جمع التميمة وهى التعويذة التى لا يكون فيها اسم الله تعالى وآياته المتلوة والدعوات المأثورة تعلق على الصبى قال فى النهاية التمائم جمع التميمة وهى خرزات كانت العرب تعلقها على اولادهم يتقون بها العين فى زعمهم فابطلها الاسلام (والتولة) قال الخطابى يقال انه ضرب من السحر قال الاصمعى وهو الذى يحبب المرأة الى زوجها انتهى. قال القارى التولة بكسر التاء و بضم و فتح الواؤ نوع من السحر او خيط يقرأ فيه من السحر او قرطاس يكتب فيه شئى من السحر للمحبة او غيرها (شرك) اى كل واحد منها قد يفضى الى الشرك اما جليا واما خفيا قال القاضى واطلق الشرك عليها اما لان المتعارف منها فى عهده ما كان معهودا فى الجاهلية و كان مشتملا على ما يتضمن الشرك اولان اتخاذها يدل على اعتقاد تأثيرها وهو يفضى الى الشرك.

(عون المعبود ج ۱۰ ص ۲۶۷ باب تعلیق التمائم)

''دم'' میں سے وہ کہ جس سے منع کیا گیا وہ ایسا ہے جو عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں ہو جس کے مفہوم کا پتہ ہی نہ چل سکتا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس میں کفریہ کلمات یا جادو کے الفاظ شامل ہوں اور اگر ''دم'' ایسے الفاظ سے کیا جائے جن کا معنی سمجھ میں آتا ہو اور وہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک پر مشتمل ہوں تو ایسا دم کرنا مستحب ہے اور باعث برکت ہے واللہ اعلم۔ ''تمائم'' تمیمہ کی جمع ہے یہ ایسے تعویذات کو کہا جاتا ہے جن میں نہ تو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی اسم ہو اور نہ ہی ان میں قرآنی آیات ہوں اور نہ ہی ماثورہ دعاؤں میں سے کوئی دعا ہو ایسے تعویذ کو بچے کے گلے میں لٹکایا جائے۔ نہایہ میں ہے ''تمائم'' تمیمہ کی جمع ہے۔ کوڑیوں کے اس ہار کو کہتے ہیں جسے عربی لوگ اپنے بچوں کے گلے میں لٹکایا کرتے تھے تاکہ وہ نظر لگنے سے بچ جائیں یہ ان کا زعم تھا جسے اسلام نے آ کر باطل کر دیا۔ (التولہ) خطابی کا قول ہے کہ یہ جادو کے قریب ایک قسم کا تعویذ ہے۔ اصمعی کا کہنا ہے یہ ایسا تعویذ جو جبر سے میاں بیوی کے درمیان محبت قائم کرنے کے لیے دھاگہ پر دم کیا جاتا تھا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ ''تولہ'' ایک قسم کا جادو ہے یا دھاگہ کہ جس پر جادو کا منتر کیا جائے یا کاغذ کہ جس پر جادو میں سے کچھ لکھا جائے خواہ محبت کے لیے ہو یا کسی اور کام کے لیے (شرک) ہے یعنی ان میں سے ہر ایک شرک تک پہنچانے والا عمل ہے یا تو بالکل واضح شرکیہ کلمات کی وجہ سے یا شرک خفی تک پہنچانے والا ہوگا۔ قاضی عیاض نے کہا: کہ ان تینوں کو شرک کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو یہ چیزیں اس دور میں جو متعارف تھیں وہ بالکل وہی جو جاہلیت کے دور میں ہوا کرتی تھیں اور ان میں ایسے الفاظ و کلمات ہوا کرتے تھے جو شرکیہ تھے یا اس وجہ سے انہیں شرک کہا گیا کہ ان کا کاروبار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں کو ان تعویذات وغیرہ کے مؤثر ہونے کا عقیدہ بن جاتا تھا اور ایسا عقیدہ شرک تک لے جانے کا سبب بنتا ہے۔

''عون المعبود'' اگر چہ عثمانی صاحب کا ہم مسلک ہے لیکن اس کی طرح جاہل اور احادیث کے مفہوم سے ناواقف نہیں اور نہ ہی اسے شیطانی توحید کی بدہضمی ہوئی ہے جس طرح عثمانی اس کا شکار ہے۔ حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے مطلقاً ہر قسم کے تعویذ اور جھاڑ پھونک کو شرک نہیں کہا بلکہ متعدد حوالہ جات سے یہ ثابت کیا ہے کہ ایسے تعویذ اور دم شرک تک پہنچانے والے ہیں جو شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں؛ جن میں سحر اور جادو ہو ورنہ آیات واحادیث کے الفاظ پر مشتمل تعویذ اور دم کو مستحب قرار دیا ہے اور ایسے تعویذ کو متبرک کہا ہے کہاں استحباب وتبرک اور کہاں شرک وکفر؟ اسی حدیث پاک کی ایک اور شرح ملاحظہ ہو:

(الرقی) ای التی لا یفهم معناها الا التعوذ بالقرآن و نحوه فانه محمود ممدوح (التمائم) جمع تمیمة واصلها حرزات تعلقتها العرب علی رأس الولد لدفع العین ثم توسعوا فیها فسموا بها کل عوذة (التولة) کعینة ما یحبب المرأة الی الرجل من السحر ای من الشرک سماها شرکا لانها المتعارف منها فی عهد الجاهلیة کان مشتملا علی ما یتضمن الشرک اولان اتخاذ ها یدل علی اعتقادها تاثیر ها و یفضی الی الشرک ...... لان العرب کانت تعتقد تأثیرها و تقصد بها دفع المقادیر المکتوبة علیهم فطلبوا دفع الاذی من غیر الله تعالی و هکذا کان اعتقاد الجاهلیة فلا یدخل فی ذالک ما کان من اسماء الله و کلامه ولا من علقها تبرکا بالله عالما انه لا کاشف الا الله فلا بأس به وجاء عند الحاکم وابن حبان بعد قوله (والتولة شرک) قالوا یا ابا عبدالله هذه التمائم والرقی قد عرفنا فما التولة؟ قال شئی یصنعه النسآء یتحببن الی ازواجهن یعنی من سحر او قیل هی خیط یقرأ فیه من السحر او قرطاس یکتب فیه شئی منه یتحبب به النساء الی قلوب الرجال او الرجال الی قلوب النساء فاما ما تحبب به المرأة الی زوجها من کلام مباح...... یجلب یحلب حب الرجل و ذالک جائز بل مستحب.

(فتح الربانی ج ۷ اص ۱۸۶۔۱۸۷۔ باب مالا یجوز من الرقی والتمائم)

رقی (دم کرنا) یعنی ایسے کلمات کہ جن کا معنی سمجھ میں نہ آتا ہو مگر قرآن کریم اور اس جیسے کلمات سے تعویذ بنانا قابل تعریف اور لائق ستائش ہے۔ ''تمائم'' ''تمیمۃ'' کی جمع ہے اصل میں یہ وہ تعویذات تھے جو عرب اپنے بچوں کے سر پر لٹکایا کرتے تھے تاکہ نظر لگنے سے وہ محفوظ رہیں پھر اس لفظ کو وسیع تر معنی میں استعمال کیا جانے لگا اور ہر تعویذ کو تمیمۃ کہا جانے لگا ''التولۃ'' وہ جو کوئی عورت اپنے خاوند کو محبت میں گرفتار کرنے کے لیے کرتی ہے اس میں جادو یعنی شرکیہ باتیں ہوتی تھیں اسے شرک اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ دور جاہلیت میں اس قسم کے تعویذات ایسے کلمات پر مشتمل ہوتے تھے جو شرکیہ تھے یا اس لیے انہیں شرک کہا گیا کہ ان کا بنانا اور استعمال کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگ اس کے اثر انداز ہونے کے بڑے معتقد ہوتے ہیں یہی نظریہ شرک تک پہنچاتا ہے ...... کیونکہ عربی لوگ ان کی تاثیر کے معتقد تھے اور ان کے ذریعے لکھی ہوئی تقدیر کو دور کرنے کا قصد وارادہ کرتے تھے لہٰذا اس طرح وہ غیر اللہ سے اذیت دور کرنے کے طالب بن بیٹھے اسی طرح جاہلیت کے لوگوں کا عقیدہ تھا لہٰذا ان تعویذات اور جھاڑ پھونک میں وہ داخل نہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء یا اس کے کلام سے ہوں اور نہ ہی وہ کہ جس نے ان کو گلے میں لٹکایا اور اس کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے نام وکلام سے برکت حاصل کرنا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اسے دور کرنے والا اور کوئی نہیں ایسے دم اور تعویذات میں کوئی حرج وگناہ نہیں ہے۔ حاکم اور ابن حبان نے (والتولۃ شرک) کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا اے ابوعبداللہ! ہم دم اور تعویذات کے بارے میں تو جانتے ہیں لیکن ''تولۃ'' کیا چیز ہے؟ فرمایا: یہ ایک چیز ہے جسے عورتیں کرتی ہیں تاکہ اپنے خاوندوں کو اپنے اوپر فریفتہ کرسکیں یعنی جادو کی ایک قسم ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ

ایک قسم کا دھاگہ تھا جس پر جادو کیا جاتا تھا یا کاغذ کا ٹکڑا تھا جس پر جادو کے حروف لکھے جاتے تھے اور جس کے ذریعہ عورتیں اپنے مردوں کو اور مرد اپنی عورتوں کو اپنے اوپر فریفتہ کرتے تھے لیکن وہ تعویذ جسے عورتیں اللہ تعالیٰ کے کلام سے بناتی ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے خاوندوں کے دل اپنی طرف مائل کرتی ہیں تو یہ جائز بلکہ مستحب ہیں۔

قارئین کرام! "مسند امام احمد بن حنبل" کے شارح جناب عبدالرحمٰن بنی نے صاف صاف لکھا کہ دم' جھاڑ اور تعویذات وہ حرام ہیں جن میں جادو' سحر اور شرکیہ الفاظ ہوں اور دور جاہلیت میں جھاڑ پھونک اور تعویذ اسی طرح کے الفاظ پر مشتمل ہوتے تھے لیکن وہ تعویذ اور ایسا دم جھاڑ جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور کلام پر مشتمل ہوں ان کے جواز و استحباب میں کوئی اعتراض نہیں لیکن عثمانی صاحب اندھے کی لاٹھی کی طرح ہر ایک کو شرک بتا رہے ہیں اور پہلے سے اپنے ذہن کے فاسد و باطل نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے کسی قسم کی شرم و حیاء نہیں آئی اور ایسی واضح تشریحات اور اصل یعنی احادیث جواز کے ہوتے ہوئے ان سے نظر چرا کر تمام اقسام کے تعویذات اور جھاڑ پھونک کو شرک میں داخل کر دیا اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ شخص احادیث کو سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہے یا پھر بدبختی کی مہر لگ چکی ہے تاکہ لوگوں کو احادیث کا وہ مفہوم بیان کرے جو ان کا بنا ہی نہیں اپنی بدعقیدگی کو ثابت کرنے کے لیے قرآن و احادیث تک سے فریب کرنے میں ذرا سی بھی شرم محسوس نہ کی۔ لیجئے مذکورہ حدیث کی شرح ایک حنفی شارح یعنی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی بھی سن لیجئے:

(سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الرقى) اى رقية فيها اسم صنم او شيطان او كلمة كفر او غيرها مما لايجوز شرعا و منها مالم يعرف معناها (والتمائم) جمع التميمة وهى العوذة التى تعلق على الصبى اطلقه الطيبى لكن ينبغى ان يقيد بان لا يكون فيها اسماء الله تعالى و آياته المتلوة والدعوات الماثورة و قيل هى خرزات كانت للعرب تعلق على الصبى لدفع العين بزعمهم وهو باطل لم اتسعوا فيها حتى سموا بها كل عوذة ذكره بعض الشراح وهو كلام حسن و تحقيق مستحسن (والتولة) بكسر التاء و بضم و فتح الواو نوع من السحر قال الاصمعى هى ما يحبب به المرأة الى زوجها ذكره الطيبى او خيط يقرء فيه من السحر او قرطاس يكتب فيه شئى من السحر للمحبة او غيرها قيل [illegible]

(میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: کہ رقی) یعنی ایسا دم جس میں کسی بت یا شیطان کا نام ہو' کلمہ کفر وغیرہ ہو کہ جواز روئے شرع ناجائز ہو اور اسی قسم کا وہ دم کہ جس کے معنی ہی معلوم نہ ہوں۔ (التمائم) تمیمہ کی جمع ہے یہ وہ تعویذ ہوتا تھا جو بچے پر باندھا جاتا تھا۔ علامہ طیبی نے اسے مطلق رکھا لیکن ہر تعویذ نہیں بلکہ مقید اور مخصوص مراد ہونا چاہیے یعنی ایسا تعویذ کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی' آیات قرآنیہ اور ماثورہ دعائیں نہ ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے وہ تعویذات مراد ہیں جو اہل عرب بچوں کو باندھا کرتے تھے تاکہ وہ نظر بد سے بچے رہیں یہ ان کا زعم تھا اور یہ باطل ہے پھر اس لفظ کے معنی میں وسعت کی گئی حتیٰ کہ ہر قسم کے تعویذ کو (رقیہ) کہا جانے لگا۔ یہ بعض شارحین نے ذکر کیا ہے یہ اچھا کلام اور اچھی تحقیق ہے (التولہ) تاء مکسورہ اور مضمومہ کے ساتھ اور واؤ مفتوحہ کے ساتھ ایک قسم کا جادو ہے۔ اصمعی کا قول ہے کہ یہ وہ منتر ہے جو بیوی اپنے خاوند کو زیر کرنے [illegible] سے طیبی نے ذکر کیا یا دھاگہ کہ جس پر جادو

الواو فهي الداهية و هذه الاشياء كلها باطلة بابطال الشرع اياها ولذا قال (شرک) ای كل واحد منها قد يفضي الى الشرک اما جليا واما خفيا قال القاضي واطلق الشرک عليها امّا لان المتعارف منها في عهده ما كان معهودا في الجاهلية و كان مشتملا على ما يتضمن الشرک اولان اتخاذ ها يدل على اعتقاد تاثير ها وهو يفضي الى الشرک. (مرقات شرح مشکوۃ ج۸ص۳۵۹ کتاب الطب والرقیٰ' مطبوعہ امدادیہ ملتان)

کے الفاظ پڑھے گئے ہوں یا کاغذ کہ جس میں جادو کے کلمات تحریر کیے گئے ہوں جو کسی مصیبت وغیرہ کے ٹالنے کے لیے ہوں کہا گیا ہے کہ لفظ ''تولۃ'' تاء مضمومہ اور واؤ مفتوحہ کے ساتھ کوڑیوں کے ہار کو کہتے ہیں یہ تمام اعمال ازروئے شرع باطل ہیں اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا: کہ یہ شرک ہے یعنی ان میں ہر ایک عمل بعض دفعہ شرک تک پہنچا دیتا ہے یا تو واضح طور پر یا خفیہ شرک اس میں ہوتا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ان پر شرک کا اطلاق یا تو اس لیے کیا گیا کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں جو اس قسم کی باتیں موجود تھیں وہ ایسی باتوں اور ایسے کلمات پر مشتمل تھیں جو شرک کو متضمن تھیں یا اس لیے کہ ان کا کاروبار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں کو اس قسم کے جھاڑ پھونک اور تعویذات کے بارے میں مؤثر ہونے کا اعتقاد تھا اور یہ بات بھی شرک کی طرف پہنچاتی ہے۔

قارئین کرام! ''ابوداؤد'' وغیرہ کی مذکورہ حدیث کی ہم نے تین عدد تشریحات مختلف کتب سے نقل کیں جن میں سب شارحین نے ہر دم اور ہر قسم کے تعویذ کو شرک میں داخل نہیں کیا بلکہ ایسے دم اور تعویذ شرک کی طرف لے جانے والے ہیں جن میں کلمۂ کفر' جادو' کسی بت کا نام وغیرہ ایسے کلمات درج ہوں جو شرعاً باطل اور شرکیہ ہیں۔ اس کے برخلاف ایسے تعویذات اور ایسے کلمات سے دم کرنا جو اسماء الٰہیہ' آیات قرآنیہ یا ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہوں وہ قطعاً جائز اور مستحب ہیں لیکن ڈاکٹر عثمانی تمام اقسام کو شرک کہہ رہا ہے حالانکہ خود حضور ﷺ سے دم کرنا احادیث سے ثابت ہے جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے جب خود حضور ﷺ سے یہ عمل ثابت ہے تو پھر شرک کے فتویٰ کا کیا بنے گا؟ عثمانی نے ہر قسم کے دم کو شرک قرار دے کر اتنی بڑی جرأت کی جس سے اپنی آخرت برباد کر لی۔ میں ڈاکٹر عثمانی اور اس کے موجود تمام چیلوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی ایک حدیث ایسی پیش کریں جس میں اسماء الٰہیہ' آیات قرآنیہ اور ادعیہ ماثورہ سے دم کرنے کو شرک وحرام کیا گیا ہو تو میں انہیں منہ مانگا انعام دوں گا فان لم تفعلوه ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اعدت للكافرين۔ (فاعتبروا يا اولي الابصار)

ڈاکٹر عثمانی کی دوسری دلیل: رسالہ تعویذات اور شرک

عن دخين الحجري عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ اقبل اليه وهط فبايع تسعة وامسک عن واحد فقالوا يا رسول الله ﷺ بايعت تسعة وامسکت عن هذا؟ فقال ان عليه تميمة فادخل يده فقطعها فبايعه وقال من تعلق تميمة فقد اشرک.

عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک جماعت آئی نبی پاک ﷺ نے ان میں سے نو سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا لوگوں نے کہا کہ اے اللہ (عزوجل) کے رسول ﷺ! آپ نے نو سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا' ارشاد فرمایا کہ اس سے اس لیے بیعت نہیں لی کہ وہ تعویذ پہنے ہوئے ہے یہ سن کر ان صاحب نے ہاتھ اندر ڈال کر تعویذ توڑ ڈالا اب نبی ﷺ نے ان سے بھی

بیعت لے لی اور فرمایا: کہ جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

کیا یہ حدیث نہیں بتاتی کہ ہر قسم کا تعویذ ناجائز ہے؟ ورنہ نبی پاک ﷺ کم سے کم یہ تو ضرور دریافت فرما لیتے کہ یہ تعویذ جو تم نے لٹکایا ہے اس میں قرآن تو نہیں لکھا ہوا ہے' اسمائے الٰہیہ تو نہیں مطلق تعویذ دیکھ کر آپ ﷺ کا بیعت نہ کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ آج کے فن دین داری کے ماہر اپنے کاروبار کے لیے جو مختلف عذر پیش کرتے ہیں وہ سارے کے سارے عذر ہائے لنگ کے علاوہ کچھ نہیں۔ (تعویذات اور شرک ص ۲۴ مصنف ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی)

جواب: درج بالا حدیث ڈاکٹر عثمانی نے "مسند امام احمد بن حنبل" سے نقل کی ہے جس میں نو آدمیوں کی بیعت لینے اور ایک کی بیعت نہ لینے کی وجہ بھی بیان کی گئی کہ اس نے تعویذ لٹکا رکھا تھا پھر جب اس نے تعویذ توڑ ڈالا تو آپ نے اس سے بیعت لے لی پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ جس نے تمیمہ لٹکایا اس نے شرک کیا۔ اس حدیث پاک پر تبصرہ کرتے ہوئے عثمانی نے لکھا کہ حضور ﷺ کا تعویذ کے بارے میں دریافت نہ کرنا کہ اس میں کیا الفاظ ہیں؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر قسم کے تعویذ ناجائز ہیں خواہ قرآنی آیات وادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہوں۔ ہم عثمانی کی پہلی دلیل کے جواب میں یہ بات مختلف شروحات کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل دور جاہلیت میں عام طور پر دو اقسام کے تعویذات متعارف تھے ایک وہ جو جادو و سحر پر مشتمل ہوتے اور شرکیہ کلمات ان میں لکھے ہوتے تھے اور دوسری قسم کے ایسے تعویذ تھے کہ ان کی عبارت سمجھ میں نہ آتی اور غالباً یہ بھی ناجائز کلمات پر ہی مشتمل ہوتے تھے جب آپ کی بعثت مبارکہ سے قبل یہی دو اقسام متعارف تھیں تو انہی دو اقسام میں سے کسی قسم کا تعویذ اس دسویں شخص نے لٹکا رکھا ہوگا لہٰذا جب آپ ﷺ کو پہلے سے علم تھا کہ تعویذات شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوتے ہیں تو پھر دریافت کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ آپ کا دریافت نہ فرمانا اسے عثمانی نے مطلقاً تعویذ کے شرک ہونے کی دلیل بنایا حالانکہ یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ دور جاہلیت کے تعویذ شرکیہ کلمات اور جادو وغیرہ ناجائز الفاظ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے آپ نے اس سے بیعت نہ لی اور تعویذ لٹکانے کو شرک فرمایا۔ اس حدیث پاک کی شرح میں علامہ عبدالرحمٰن بنّـــی نے لکھا: کہ میں نے اس سے پہلی حدیث جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کی بیوی کا قصہ مذکور تھا میں تشریح کی ہے کہ جناب ابن مسعود نے اپنی بیوی کے گلے میں لٹکے تعویذ کو یا ڈوری کو توڑا جو یہودی سے بنوایا تھا اس میں چونکہ شرکیہ الفاظ تھے اس لیے آپ نے اسے کاٹ ڈالا یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بعد دوسری حدیث ہے اس کی تشریح میں انہوں نے لکھا: "ای قطع تمیمة و تقدم معنی تمیمة فی شرح حدیث زینب المذکور قبل هذا الحدیث تقدم یعنی الشرک فی شرح حدیث زینب المشار الیه۔" یعنی پچھلی حدیث زینب میں تعویذ کا مطلب اور شرک ہونے کا معنی بیان ہو چکا ہے وہی یہاں بھی مراد ہے مطلب یہ کہ اس دسویں آدمی نے ایسا تعویذ لٹکا رکھا تھا جو جادو اور شرکیہ الفاظ پر مشتمل تھا یا اس کے الفاظ کے معانی معلوم نہ تھے کیونکہ ایسے تعویذ ہی اس دور میں کیے جاتے تھے اور ایسے کلمات جو شرک کی طرف لے جاتے ہوں وہ لازماً اجتناب کے قابل ہیں لیکن ایسے دم اور تعویذات جو آیات قرآنیہ ادعیہ ماثورہ اور اسماء الٰہیہ پر مشتمل ہوں وہ جائز اور مستحب ہیں اور باعث برکت ہیں۔

اس لیے ڈاکٹر عثمانی کا اس حدیث پاک پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ استدلال لایعنی ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے تعویذ کے بارے میں کچھ بھی نہ پوچھا لہٰذا ہر قسم کے تعویذات شرک ہو گئے اگرچہ عثمانی کے لایعنی استدلال کا اسی قدر جواب کافی تھا لیکن ہم حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد احادیث سے ہی ثابت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بذات خود صحابہ کرام کو دم اور تعویذات سکھائے پھر صحابہ کرام سے دریافت بھی فرمایا کہ تم جو دم یا تعویذ کرتے ہو مجھے بتاؤ کہ وہ کن الفاظ سے کرتے ہو تا کہ اگر شرکیہ الفاظ اور جادو وغیرہ پر مشتمل ہوں تو ان سے منع کر دوں اور اگر آیات قرآنیہ پر مشتمل ہوں تو ان کو روا رکھوں ایک دو احادیث بطور حوالہ اس پر

پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

دم اور تعویذات کے الفاظ کی تفتیش پر پہلی حدیث

عن عبدالرحمن بن جبیر عن ابیه عن عوف بن مالک قال کنا نرقی فی الجاهلیة فقلنا یا رسول الله ﷺ کیف تری فی ذالک فقال اعرضوا علی رقاکم لاباس بالرقی مالم تکن شرکا۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۶ باب ماجاء فی الرقی)

حضرت عوف بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے پس ہم نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اپنا جھاڑ پھونک مجھے بتاؤ؟ جھاڑ پھونک میں کوئی حرج و گناہ نہیں جب تک شرک نہ ہو۔

قارئین کرام! اس حدیث میں آپ غور فرمائیں تو صاف صاف معلوم ہوگا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہر ایسے تعویذ اور جھاڑ پھونک کرنے کی اجازت عطا فرمائی جو شرکیہ الفاظ پر مشتمل نہ ہو' اس میں آپ ﷺ نے قرآنی آیات پر مشتمل ہونے والے تعویذ یا جھاڑ پھونک کی مخصوص اجازت نہ دی بلکہ جو صورت ناجائز تھی وہ ارشاد فرما دی (شرکیہ الفاظ پر مشتمل) اب اگر کسی تعویذ کے الفاظ اور جھاڑ پھونک کے کلمات مبنی بر شرک نہ ہوں تو اسے ''لاباس'' کے تحت داخل سمجھا جائے گا۔ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے صاحب عون المعبود رقمطراز ہیں:

(رقاکم) بضم الراء جمع رقیة (مالم تکن شرکاً) و هذا وجه للتوفیق بین النهی عن الرقیة والاذن فیها والحدیث فیه دلیل علی جواز الرقی والتطبب بمالا ضرر فیه ولا منع من جهة الشرع وان کان بغیر اسماء الله تعالی و کلامه لکن اذا کان مفهوما لان مالم یفهم لا یؤمن ان یکون فیه شئی من الشرک۔ (عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۴ ص ۱۳ باب تعلیق التمائم)

''رقا'' را مضمومہ کے ساتھ رقیۃ کی جمع ہے۔ ''جب تک شرک نہ ہو' یہ وجہ توفیق ہے ان احادیث کے درمیان جن میں آپ ﷺ نے تعویذات سے منع فرمایا اور ان میں کہ جن میں اس کی اجازت دی گئی۔ اور اس حدیث پاک میں یہ بھی دلیل ہے کہ ہر وہ جھاڑ پھونک اور علاج معالجہ جائز ہے جس میں کوئی ضرر نہ ہو اور شریعت کی طرف سے منع وارد نہ ہوئی ہو۔ اگرچہ وہ جھاڑ پھونک اللہ تعالیٰ کے کلام اور اسماء گرامی کے سوا سے کیا جائے لیکن اس کا معنی سمجھ میں آنا چاہیے کیونکہ ایسے الفاظ جو سمجھ میں نہ آئیں وہ شرکیہ ہونے کا احتمال رکھتے ہیں۔

قارئین کرام! ڈاکٹر عثمانی نے اپنے اسی قسم کے بے ہودہ اور فاسد عقائد پر مبنی کچھ رسائل مفت تقسیم کیے ان میں اپنے آپ کو ''وفاق المدارس'' کا فاضل اور فارغ التحصیل لکھا ہے جو دیوبندی مدارس کی مشترکہ باڈی کا نام ہے۔ جس کی سند تمام اراکین کے مدارس سے فارغ ہونے والوں کو دی جاتی ہے یعنی سند کے اعتبار سے عثمانی دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے لیکن خود دیوبندی بھی ان احادیث کا مطلب و مفہوم وہ نہیں بیان کرتے جو عثمانی نے بیان کیا۔ عبدالرحمٰن بنی بھی دیوبندی اور صاحب عون المعبود بھی اسی کا ہم خیال لیکن دونوں نے مذکورہ احادیث کی شرح کرتے ہوئے جو لکھا وہ عثمانی کے کیے پر پانی پھیر دیتا ہے۔ ان شارحین نے منع اور اجازت والی احادیث کو سامنے رکھ کر ان میں تطبیق دی اور دونوں کو اپنے اپنے مقام پر صحیح اور درست قرار دیا جس کا خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ نے جس دم یا تعویذ سے منع فرمایا اس سے مراد وہ ہے کہ جس میں شرکیہ کلمات یا جادو وغیرہ کے بے معنی الفاظ ہوں اور اگر ایسے الفاظ و کلمات نہیں تو پھر ایسے دم اور تعویذ کرنے کی اجازت عطا فرمائی اس وضاحت اور تطبیق کے ہوتے ہوئے نہ جانے عثمانی نے ہر قسم کے دم اور تعویذ کا شرک ہونا وفاق المدارس کے کس شیخ الحدیث سے پڑھا ہے؟ عثمانی صاحب قیامت تک ایسے دم اور تعویذ کا

شرک ہونا دلائل سے قطعاً ثابت نہیں کر سکتے جو اسماء الٰہیہ کلام باری تعالیٰ اور ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہوں ۔ وہ تو مر چکا ہے اس کی ذریت معنوی بھی قیامت تک ایسا نہیں کر سکتی اس لیے انہیں اپنے جھوٹے اور مکار بڑے کی پیروی کی بجائے رسول کریم ﷺ کی اطاعت و پیروی کرنی چاہیے۔

دوسری حدیث

(عن جابر) قال كان خالي يرقي من العقرب فلما نهى رسول الله ﷺ عن الرقي اتاه فقال يا رسول الله ﷺ انك نهيت عن الرقي واني ارقي من العقرب فقال من استطاع ان ينفع اخاه فليفعل (وعنه ايضاً) ان النبي ﷺ قال لاسماء بنت عميس ما شأن اجسام بني اخي ضارعة اتصيبهم حاجة؟ قالت لاولكن تسرع اليهم العين أنرقيهم؟ قال و بما ذا؟ فعرضت عليه فقال ارقيهم (و عنه ايضاً) قال لاغت رجلامنا عقرب و نحن جلوس مع النبي فقال رجل يا رسول الله ﷺ ارقيه؟ فقال من استطاع منكم ان ينفع اخاه فلينفعه (وعنه ايضاً) ان عمرو بن حزم رضي الله تعالى عنه؟ الامرأة بالمدينة لاعنتها حيّة ليرقيها فابى فاخبر بذالك رسول الله ﷺ فدعاه فقال عمرو انك تزجر عن الرقي فقال اقرأها علي فقرأها عليه فقال رسول الله ﷺ لابأس انما هي مواثيق فارق بها. (مسند امام احمد بن حنبل مع فتح الربانی ج ۱۷ص ۱۷۷۔ ۱۷۸ ابواب الرقی مطبوعہ قاہرہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے ماموں بچھوڈسے کا دم کیا کرتے تھے' جب رسول کریم ﷺ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا تو وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا ہے اور میں بچھو کے ڈسے کا دم کیا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہو اسے نفع پہنچانا چاہیے انہی سے دوسری روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اسماء بنت عمیس کو فرمایا کہ میرے بھائی کی اولاد (جعفر طیار کی اولاد) کے جسم کا کیا حال ہے کیا تم کو کوئی حاجت ہے تو اسماء بنت عمیس نے عرض کیا: نہیں کوئی حاجت نہیں لیکن ان کو نظر بہت جلد لگ جاتی ہے کیا ہم ان پر دم کرلیا کریں؟ آپ نے پوچھا کیا دم ہے؟ میں نے دم کے الفاظ آپ کو سنائے آپ نے فرمایا: ہاں ان کو دم کردیا کرو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی تیسری روایت ہے کہ ہم میں سے ایک شخص کو بچھو نے ڈس لیا ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! دم کردوں؟ آپ نے فرمایا تم میں سے جو بھی اپنے بھائی کے نفع پہنچانے کی ہمت رکھتا ہو اسے اپنے بھائی کو نفع پہنچانا چاہیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے چوتھی روایت ہے کہ عمرو ابن حزم کو مدینہ منورہ کی ایک عورت کے لیے بلایا گیا جسے سانپ نے کاٹا تھا تاکہ یہ اسے دم کریں انہوں نے انکار کردیا اس کی حضور ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ نے عمرو ابن حزم کو بلوایا' حاضر ہوئے وہ الفاظ سنائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: کوئی گناہ نہیں یہ پختہ اور مضبوط الفاظ ہیں ان سے دم کردیا کرو۔

اجاب العلماء عن هذا النهي باجوبة (احدها) كان نهي اولا ثم نسخ ذالك واذن فيها و فعلها واستقر الشرع على الاذن (الثاني) ان النهي عن

(دم اور جھاڑ پھونک سے جو حضور ﷺ نے منع فرمایا۔) علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں پہلا جواب یہ ہے کہ آپ کا منع فرمانا ابتداء میں تھا پھر اسے منسوخ کردیا گیا اور

الرقى المجهولة والتي بغير العربية مالا يعرف معناه فهذه مذمومة لاحتمال ان معناها كفر او قريب منه او مكروه واما الرقى بايات القرآن وبالاذكار المعروفة فلا نهي فيه بل هو سنة (الثالث) ان النهي لقوم كانوا يعتقدون منفعتها و تأثيرها بطبعها كما كانت الجاهلية تزعمه في اشياء كثيرة.

(فتح الربانی شرح مسند امام احمد بن حنبل ج ۱۷ ص ۱۷۷-۱۷۸)

دم کرنے کی اجازت دے دی گئی اور شریعت اس کی اجازت پر پکی ہوگئی دوسرا جواب یہ کہ منع ایسے دم سے تھا جو مجہول تھا' غیر عربی میں تھے جن کا معنی ہی معلوم نہ تھا تو ایسے دم قابل مذمت ہیں کیونکہ ان کے کلمات میں کفر کے معانی کا احتمال ہوسکتا ہے یا کفر کے قریب اور مکروہ وغیرہ کلمات پر مشتمل ہوں رہا ایسا دم جو قرآنی آیات اور اذکار معروفہ سے کیا جائے تو اس میں نہی وارد نہیں بلکہ ایسا دم سنت ہے تیسرا جواب یہ کہ نہی ان لوگوں کے لیے ہے جو دم اور تعویذات کے مستقل نفع بخش ہونے کے معتقد ہیں اور ان کی تاثیر کے قائل ہیں جیسا کہ جاہلیت میں لوگ بہت سی ایسی چیزوں کے قائل اور معتقد تھے۔

قارئین کرام! صاحب فتح الربانی نے حضور ﷺ سے مروی دونوں اقسام کی احادیث کے درمیان تطبیق کے مختلف طریقے بیان کیے جو حضرات علماء کرام نے بیان فرمائے۔ عثمانی کے علاوہ کسی دوسرے نے ان احادیث میں سے منع والی احادیث کو ناسخ محض اور جواز والی احادیث کو مطلقاً منسوخ قرار نہیں دیا بلکہ دونوں اقسام کی احادیث اپنے اپنے محل وقوع کے مطابق قابل عمل ہیں بلکہ علماء میں سے بعض نے منع والی احادیث کو منسوخ قرار دے کر جھاڑ پھونک کے جواز والی احادیث کو ناسخ قرار دے کر از روئے شرع اس کے جواز کو تاقیامت باقی رکھا بہرحال جھاڑ پھونک سے منع یا تو منسوخ کر دی گئی یا اس سے مراد ایسی جھاڑ پھونک ہے جو ایسے الفاظ و کلمات پر مشتمل ہو جن کا سرے سے معنی ہی معلوم نہ ہو یا شرکیہ کلمات پر مشتمل ہو' یا ان کلمات کو مؤثر حقیقی جاننے والوں کے لیے منع ہو اگر یہ باتیں نہ پائی جائیں تو جھاڑ پھونک جائز بلکہ سنت ہے لیکن ڈاکٹر عثمانی کے ذہن میں شیطان نے یہ بات بٹھا دی ہے کہ نہ تو حق بیان کرنا ہے اور نہ ہی سننا بلکہ باطل اور غلط مفہوم کو خود بھی اپنانا ہے اور لوگوں تک ایسے نظریات پھیلا کر میرا کام آسان کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ اس خناس نے اپنے ایک اور رسالے "وفات ختم رسل" ص ۱۱ پر لکھا کہ رسول کریم ﷺ کو ان کے وصال کے بعد حیات ماننے والے تمام دیوبندی' غیر مقلد اور اہل سنت یہ تینوں فرقے گمراہ ہیں اس پر خدا کی مار صرف یہی اور اس کے چیلے چانٹے ہی سیدھے راستہ پر رہ گئے ہیں ہاں ٹھیک ہے سیدھا جہنم کی طرف لے جانے والا راستہ ان کو نصیب ہوا یہ ان کی ازلی بدبختی کی علامت ہی کہی جاسکتی ہے۔ زیر بحث موضوع پر میں اس کی تمام موجود ذریت کو بار بار چیلنج کرتا ہوں کہ وہ سب مل کر ایک حدیث ایسی دکھا دیں جس میں صاف صاف الفاظ میں یہ بات موجود ہو کہ ہر قسم کے تعویذات اور دم شرک ہیں خواہ وہ اسماء الہیہ' کلام باری تعالیٰ یا ماثور دعاؤں کے الفاظ پر مشتمل ہوں تو فقیر راقم الحروف ایک لاکھ تک نقد انعام دینے کا اعلان کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مصداق بن کر ایسا نہ کر سکیں گے اور تاقیامت نہ کر سکیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے: فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اعدت للكافرين○ فاعتبروا يا اولي الابصار

تیسری دلیل:

عن عيسى بن حمزة قال دخلت على عبدالله بن حكيم رضي الله عنه وبه حمرة فقلت الاتعلق تميمة فقال نعوذ بالله من ذالك قال رسول الله

عیسیٰ بن حمزہ کہتے ہیں میں عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ کے پاس عیادت کے لیے گیا وہ سرخ مادہ کی بیماری میں مبتلا تھے میں نے ان سے کہا آپ حمزہ کے لیے تعویذ کیوں نہیں لٹکا لیتے؟ انہوں

ﷺ من تعلق شيئا و كل اليه.

نے کہا تعویذ سے اللہ عزوجل کی پناہ' رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس نے کوئی بھی چیز لٹکائی وہ اس چیز کے سپرد کر دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ بلاؤں سے بچنے' بیماری دور کرنے اور تکلیف اٹھانے کے لیے جوتعویذ استعمال کرے گا اس کا اور اللہ تعالیٰ سے کچھ مطلب نہ ہوگا اور اس شخص کو اس تعویذ اور بندے کے سپرد کر دے گا یہاں بھی وہی بات ہے ایک تابعی بہرحال مشرکانہ تعویذ کا مشورہ نہیں دے سکتے تھے مگر صحابی رضی اللہ عنہ مطلق تعویذ کے بارے میں نبی علیہ السلام کی حدیث بیان کر کے تعویذ سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگتے ہیں۔
(تعویذات اور شرک ص ۴ مصنف ڈاکٹر عثمانی)

جواب: ڈاکٹر عثمانی نے اس حدیث پاک سے بھی اسی طرح استدلال کیا جس طرح گزشتہ احادیث سے کیا تھا لہٰذا اس کا جواب بھی وہی بعینہ ہے جو ہم پچھلے اوراق میں لکھ چکے ہیں یعنی جب حضور ﷺ سے صریحاً تعویذ اور جھاڑ پھونک کی اجازت آ چکی تو منع والی احادیث یا تو منسوخ ہیں یا ان سے مراد ایسا دم ہے جو شرکیہ کلمات پر مشتمل ہو یا ان تعویذات کو نفع ونقصان میں حقیقی مؤثر سمجھتا ہو یہی معنی اس حدیث پاک سے مراد ہے اور شارحین نے بھی اس کی شرح میں ایسے ہی کہا ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

(قال رسول الله ﷺ من تعلق شيئا) اى من جعل شيئا معلقا على نفسه و فى النهاية من علق على نفسه شيئا من التعاويذ والتمائم واشباهها معتقدا انها تجلب نفعها او تدفع عنه ضررا (و كل اليه) بضم الواو و تخفيف كاف مكسورة اى خلى الى ذالك الشئى و ترك بينه و بينه قال المظهر وغيره اى من تمسك بشئى من المداواة واعتقد ان الشفاء منه لامن الله تعالى لم يشفه بل و كل شفاء ه الى ذالك الشئى و حينئذ لا يحصل شفاء ه لان الاشياء لا تنفع ولا تضر الا باذن الله تعالى.
(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۳۶۳ کتاب الطب والرقی' فصل ثانی' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' پاکستان)

حضور ﷺ نے فرمایا: کہ جس نے کوئی چیز لٹکائی یعنی جس نے کسی چیز کو اپنی ذات سے معلق کیا اور''نہایہ'' میں ہے جس نے اپنی ذات پر کسی چیز کو لٹکایا یعنی تعویذات لٹکائے یا جھاڑ پھونک یا ان کے مشابہ اشیاء کو اپنے ساتھ معلق کیا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ یہ اشیاء نفع کو کھینچ لائیں گی یا نقصان کو بھگادیں گی (وكل اليه) واؤ مضمومہ اور کاف مکسورہ تشدید کے بغیر (وکل) یعنی اسے اس چیز پر چھوڑ دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس آدمی اور اس پر لٹکی چیز کے معاملہ میں لاتعلق ہو جائے گا مظہر وغیرہ نے کہا کہ جس نے کوئی دوائی لی اور عقیدہ یہ ہے کہ شفاء اس دوائی کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ شفاء نہیں دے گا بلکہ اس کی شفاء اس دوائی کے حوالہ کر دی جائے گی اور اس وقت تک اسے شفاء حاصل نہ ہوگی کیونکہ اشیاء اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ نفع دے سکتی ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

قارئین کرام! ڈاکٹر عثمانی کا استدلال بھی آپ نے پڑھا اور اپنے دور کے ممتاز محدث اور فقیہہ جناب ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح بھی ملاحظہ فرمائی ایک طرف صرف عربی الفاظ کے معانی جاننے والا لیکن مفہوم ومراد حدیث سے نابلد اور دوسری طرف نابغۂ روزگار کی تحریر اس سے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس کی بات میں وزن ہے اور کون صحیح مفہوم ومراد حدیث بیان کر رہا ہے اور کون اپنے مذموم مقاصد کی خاطر حدیث پاک کو بھی توڑ موڑ کر اور اس کے اصلی وحقیقی مقصد سے دور کی باتیں کر رہا ہے؟ حدیث پاک کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو شخص تعویذ' گنڈے یا دوائی کے مستقل اور بالذات نافع یا ضار ہونے کا معتقد ہونے اور اللہ تعالیٰ سے نفع ونقصان کا قائل ومعتقد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے عقیدہ کے مطابق اپنے سے بیگانہ کر کے اسی دوا یا تعویذ گنڈے کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کا

لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ نامراد رہتا ہے۔ کون مسلمان ایسا ہے کہ جو دوائی یا تعویذ دم کے بارے میں مؤثر حقیقی ہونے کا معتقد ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نفع ونقصان سے ناامید ہے حدیث مذکور تو ایسے شخص کے بارے میں تھی لیکن عثمانی صاحب نے اسے ہر ایک کے لیے سمجھا اور شرک کا فتویٰ جڑ دیا حالانکہ عنقریب ہم ذکر کریں گے کہ جھاڑ پھونک سنت رسول ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کا معمول تھا مذکورہ حدیث ''مسند امام احمد بن حنبل'' ہی میں منقول ہے اس کی شرح میں صاحب فتح الربانی رقمطراز ہیں:

من علق علی نفسه شيئا من التعاويذ والتمائم واشباههما معتقدا انها تجلب اليه نفعا او تدفع عنه ضرا (وكل اليه) بضم الواو و تخفيف الكاف المكسورة ای وكل الله شفاء ه الی ذالك الشئ فلا يحصل شفاء ه او المراد من علق تميمة من تمائم الجاهلية يظن انها تدفع او تنفع فان ذالك حرام والحرام لا دواء فيه.

(فتح الربانی ج ۷ ص ۱۸۸ باب مالا یجوز من الرقی الخ)

جس نے تعویذات اور کوڑیوں وغیرہ کی طرح ملتی جلتی اشیاء میں سے کوئی چیز اپنے جسم پر لٹکائی اور عقیدہ یہ ہے کہ یہ چیز نفع یا نقصان بالذات اس کی طرف کھینچ لائے گی ''وکل'' واؤ مضمومہ اور کاف مکسورہ بغیر تشدید کے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی شفاء کو اسی چیز کی طرف لوٹا دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسے شفاء حاصل نہیں ہوتی یا اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے جاہلیت کے تعویذات میں سے کوئی تعویذ کسی نے اپنے اوپر باندھا اور اس کا گمان یہ ہے کہ یہ تعویذ اسے نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت و تاثیر رکھتا ہے تو ایسا کرنا حرام ہے اور حرام میں دوا نہیں ہوتی۔

قارئین کرام! حدیث مذکور کا جو مفہوم جناب ملا علی قاری نے بیان کیا اس سے ملتا جلتا صاحب فتح الربانی نے بیان کیا دونوں شارحین میں سے کسی نے بھی ڈاکٹر عثمانی کے بیان کردہ مقصد و مراد کی تائید نہیں کی تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن حکیم نے جو منع فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی اور حضور ﷺ کا ارشاد گرامی پیش کیا یہ سب کچھ ایسے شخص کے بارے میں ہے جو تعویذ کے بارے میں نافع یا ضار حقیقی ہونے کا معتقد ہو اور جھاڑ پھونک کو ہی مؤثر حقیقی سمجھتا ہو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے سے دور کر دیتا ہے اور اس سے اپنا تعلق منقطع فرما کر اسی تعویذ یا دوائی کے سپرد کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا مختصر یہ کہ اس حدیث میں ان بدعقیدہ لوگوں کی تردید ہے جو تعویذات کو ہی حقیقی مؤثر سمجھتا ہو اور اللہ تعالیٰ پر ان کا بھروسہ نہیں ہوتا۔

قارئین کرام! ڈاکٹر عثمانی کی یہی تین دلیلیں اس کی نگاہ میں بہت بڑی اور مضبوط ترین تھیں جن کے ذریعہ اس نے تعویذ دم کرنے کو مطلقاً شرک قرار دیا حالانکہ اس کی پیش کردہ احادیث میں اس کا مدعا اور اس کی مراد پوری نہیں ہوتی اب میں اس کے دلائل کے جواب دینے کے بعد چاہتا ہوں کہ جھاڑ پھونک اور تعویذات کے جواز و استحباب پھر جو احادیث آئی ہیں انہیں نقل کروں اس کے ساتھ ساتھ جس حدیث پر ڈاکٹر عثمانی کو کوئی اعتراض تھا ان کا جواب بھی انشاء اللہ ساتھ ساتھ ذکر کروں گا۔ سب سے پہلے جواز کی وہ حدیث پیش خدمت ہے جس پر ڈاکٹر عثمانی نے جرح کی۔ ملاحظہ ہو:

جھاڑ پھونک اور تعویذات کے جواز پر چند احادیث

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ قال اذا فزع احدكم فی النوم فليقل اعوذ بكلمات التامات من غضبه و عقابه و شر عباده ومن همزات الشياطين وان يحضرون فانها لن تضره و كان عبدالله بن عمرو يعلمها من

عمرو ابن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو سوتے میں ڈر لگے تو اسے یہ کلمات (اعوذ بکلمات...... یحضرون) پڑھنے چاہئیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات سے اس کے غضب و عتاب اور اس کے بندوں کے شر شیطانوں کے وسوسوں اور ان کے

بلغ من ولده ومن لم يبلغ منهم كتبها في صك ثم علقها في عنقه رواه الداؤد والترمذي وهذا لفظه. (مشکوٰۃ شریف: ص ۲۱۷ باب الاستعاذہ فصل ثانی نور محمد آرام باغ کراچی)

حاضر کیے جانے سے پناہ چاہتا ہوں تو اسے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے بچوں میں سے جو بالغ ہو جاتے ان کو یہ کلمات یاد کراتے اور نابالغوں کے لیے کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیتے تھے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور مذکورہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔

قارئین کرام! اس روایت کے آخری حصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مذکورہ کلمات کا تعویذ بنا کر چھوٹے بچوں کے گلے میں ڈالا کرتے تھے جس سے تعویذ لکھنے اور گلے میں ڈالنے کا صراحتہً ثبوت ملتا ہے۔ ڈاکٹر عثمانی نے دم اور جھاڑ پھونک کو مطلقاً شرک قرار دے کر تعویذ کے بارے میں بھی علی الاطلاق شرک ہونے کا فتویٰ جڑ دیا جب اس حدیث میں تعویذ لکھنے اور بچوں کے گلے میں ڈالنے کا ثبوت دیکھا تو بدباطنی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنے مؤقف کو غلط قرار دینے کی بجائے روایت مذکورہ پر چند وجوہ سے اعتراض کر کے اسے ناقابل عمل قرار دینے کی کوشش کی۔ ذیل میں ہم اس کی کی گئی جرح درج کر کے پھر اس کا جواب لکھیں گے۔

مذکورہ روایت پر ڈاکٹر عثمانی کی جرح

اس ایک روایت کے اندر متعدد علتیں ہیں۔

(۱) یہ پورے سرمایہ روایت میں اپنے طرز کی ایک منفرد روایت ہے اور صحیح ہونا تو دور رہا یہ حسن روایت بھی نہیں ہے۔ امام ترمذی جو تصحیح روایت میں بہت ہی فراخ دل واقع ہوئے ہیں اس روایت کو حسن بھی شمار نہیں کرتے بلکہ حسن غریب کہتے ہیں۔

(۲) دوسری علت اس روایت میں یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو ابن العاص کے متعلق یہ جملہ کہ وہ اس دعا کو نابالغ بچوں کے گلے میں لٹکایا کرتے تھے حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ راوی کی طرف سے یہ ایک مدرج جملہ ہے۔

(۳) تیسری علت عبداللہ بن عمرو ابن العاص جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کم سن بچوں کے گلے میں دعا کا تعویذ لٹکاتے تھے خود نبی کریم ﷺ سے تعویذ لٹکانے کی برائی میں صحیح حدیث روایت کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک صحابی کسی چیز کی برائی کی حدیث بھی روایت کرے اور دوسری طرف اس چیز میں مبتلا بھی ہو۔ روایت یوں ہے:

''عن عبدالله بن عمرو ابن العاص رضي الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ما ابالي ما اتيت ان انا شربت ترياقا او تعلقت تميمة او قلت الشعر من قبل نفسي. عبدالله بن عمرو ابن العاص''.

(علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ روایت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے ہے اور اسی طرح ابوداؤد کے نسخے میں ہے مشکوٰۃ میں غلطی سے عبداللہ بن عمر چھپ گیا ہے) روایت کرتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے اگر میں کہیں یہ تین باتیں کروں اس کے معنی یہ ہیں کہ اب مجھے حق ناحق کی کوئی پرواہ نہیں تین باتیں یہ ہیں تریاق استعمال کروں اس میں شراب اور سانپ کا گوشت ہوتا ہے' تعویذ لٹکاؤں' شاعری کروں۔

(٤) چوتھی علت اس روایت میں یہ ہے کہ اس کے دو راوی محمد بن اسحاق اور عمرو ابن شعیب ایسے راوی ہیں جن پر ائمہ نے شدید جرح کی ہے۔

(٥) پانچویں علت یہ ہے کہ کسی تابعی نے تمیمہ کو جائز قرار نہیں دیا یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض صحابہ بھی ان تعویذوں کو جائز سمجھتے تھے جن میں قرآن یا اسماء الہیہ یا [illegible] کی صفات لکھی ہوئی ہوتی تھیں ... اس سلسلہ میں عمر رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن عمرو ابن

العاص رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام پیش کیا جانا صریح ظلم ہے...... ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق یہ بات کہنا کہ آپ تعویذ کو جائز سمجھتی تھیں یہ صریح بہتان ہے ایسی ایک روایت بھی پورے سرمایۂ حدیث میں موجود نہیں ہے۔ آگے آ رہا ہے کہ وہ شرک کی تمام شکلوں سے بے انتہا بیزار تھیں۔ سچی بات یہ ہے کہ کسی بھی قسم کے تعویذ کا جواز نہ تو نبی پاک ﷺ سے اور خلفاء راشدین سے اور نہ دوسرے کسی صحابی سے ثابت ہے۔ رہے تابعین تو ان کے فتوے یہ ہیں کہ وہ تعویذ' دھاگے کو بہت برا جانتے تھے اور اس کے کاٹ دینے کو ثواب سمجھتے تھے۔ (تعویذات اور شرک ص۵ تا۷)

ڈاکٹر عثمانی کی جرح کا جواب

جواب سے قبل یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر عثمانی نے اس حدیث پاک کو پیش کرنے کے لیے جو موضوع لکھا وہ آپ ملاحظہ فرمائیں ''تعویذ کے بیوپاریوں کا اکلوتا سہارا'' یہ انداز گفتگو کسی دشمن دین کا ہوسکتا ہے اور رسول کریم ﷺ کی حدیث پاک اور ایک صحابی کے عمل کو کس گھٹیا طریقہ سے پیش کیا گیا چھوڑیئے اس بات کو ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ ڈاکٹر عثمانی کے موضوع کے الفاظ ''اکلوتا سہارا'' یہ بتاتے ہیں کہ تعویذ اور دم کے جواز واستحباب کے قائلین کے پاس صرف یہی ایک روایت ہے پھر اس پر جرح کر کے اسے ناقابل استدلال بنا کر یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس ایک روایت سے بھی مجوزین تعویذ و دم کا مطلب و مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ اس پر جرح کرتے ہوئے اس کے دو راوی محمد بن اسحاق اور عمرو ابن شعیب کو سخت قسم کا مجروح قرار دیا اور پورا ایک صفحہ اسماء الرجال کی کتب سے ان دونوں پر کی گئی جرح میں لکھ ڈالا اس بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ کسی واجب یا حرام یا امر و نہی کے بارے میں نہیں جس کی وجہ سے تعویذات کو مجروح قرار دیا جائے۔ تعویذات میں اللہ تعالیٰ کے فضائل' اس کے کلام کی برکات اور ماثورہ دعاؤں کے اثر انداز ہونے کی بات ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل کے کلام کے فضائل و برکات کے لیے کب ضروری ہے کہ ان کے لیے احادیث صحیحہ ہی ہوں تو فضیلت ثابت ہوگی؟ محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی قابل قبول ہوتی ہے اور اس کے علاوہ یہ بھی ایک قانون ہے کہ ایک ضعیف جب مختلف طرق واسناد سے روایت ہو تو اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے اور وہ حسن بن جاتی ہے مذکورہ روایت کی ایک سند کہ جس میں دو مجروح راوی آئے ہیں ان کی وجہ سے مجروح ہو گئی لیکن اسی روایت کے دوسرے طریقے اور دوسری سند کہ جس میں مذکورہ دونوں راوی نہ ہوں کیا وہ بھی مجروح ہو جائے گی؟ ''مسند امام احمد بن حنبل'' میں یہی روایت ایسی سند سے مروی ہے جس کے تمام رجال صحیح ہیں۔ صاحب مرقات نے اس روایت کو ذکر کیا جس میں مختلف اسناد موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

وفیہ دلیل علی ان الفزع انما ھو من الشیطان (وکان عبداللہ بن عمرو) بالواو (یعلّمھا) ای الکلمات (من بلغ من ولدہ) ای لیتعوّذبہ (ومن لم یبلغ منھم کتبھا فی صک) ای کتاب علی ما فی النھایۃ والقاموس واغرب ابن حجر لغتہ و عرفا فی تفسیر الصک بکتف من عظم (ثم علقھا) ای علق کتابھا الذی ھی فیہ (فی عنقہ) ای فی رقبۃ ولدہ و ھذا اصل فی تعلیق التعویذات التی فیھا اسماء اللہ تعالی (روی احمد ابوداؤد والترمذی و ھذا) ای

اس حدیث پاک میں اس بات کی دلیل ہے کہ رات کو ڈرنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو مذکورہ کلمات اپنی اس اولاد کو زبانی یاد کرایا کرتے تھے جو بالغ ہو چکے ہوں تا کہ وہ ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیں اور جو بچے ابھی نابالغ ہوتے ان کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کر ڈال دیا کرتے تھے۔ ابن حجر نے ''صک'' کا معنی بیان کرنے میں عجیب وغریب معنی کیا وہ یہ کہ کندھے کی ہڈی پر لکھا کرتے تھے' پھر کاغذ پر ان کلمات کو لکھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو اس کاغذ کو نابالغ بچوں کے گلے میں لٹکا دیا کرتے تھے اور یہ روایت ایسے تعویذات کے لٹکانے

المذکور (لفظه) ای لفظ الترمذی فرواه ابوداؤد بمعناه و کذا النسائی والحاکم و رواه احمد عن محمد بن یحیی بن حبان عن الولید بن الولید اخی خالد بن الولید انه قال یا رسول الله ﷺ انی اجد وحشة قال اذا اخذت مضجعک فقل فذکر مثله و فی کتاب ابن السنی ان خالد بن الولید اصابه أرق فشکا ذالک الی النبی ﷺ فامره ان یتعوذ عند منامه بکلمات الله التامات الخ و روی الطبرانی فی الاوسط قال حدث خالد بن الولید رسول الله ﷺ عن اهاویل یراها باللیل حالت بینه و بین الصلوة اللیل فقال رسول الله ﷺ یا خالد بن ولید الا اعلمک کلمات لا تقولهن ثلاث مرات حتی یذهب الله ذالک عنک قال بلی یا رسول الله ﷺ بابی انت و امی فانما شکوت هذا الیک رجاء هذا منک قال قل اعوذ بکلمات الله التامات من غضبه الخ قالت عائشة رضی الله عنها فلم البث الا لیالی حتی جاء خالد رحمه الله تعالی فقال بابی انت وامی والذی بعثک بالحق ما اتممت الکمات التی علمتنی ثلاث مرات حتی اذهب الله عنی ما کان بی انی لو دخلت علی اسد فی خسیته بلیل فی القاموس الخیس بالکسر الشجر الملتف موضع الاسر کالخیة. (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۲۳۶ باب الاستعاذہ فصل ثانی' مکتبہ امدادیہ ملتان)

میں اصل ہے جن تعویذات میں اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے ہوتے ہیں اس روایت کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور مذکورہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔ ابوداؤد نے اس کے ہم معنی الفاظ سے روایت کیا ہے یونہی نسائی اور حاکم نے بھی ملتے جلتے معانی سے روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے محمد بن یحییٰ بن حبان سے وہ ولید بن ولید سے جو خالد بن ولید کے بھائی ہیں ان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں وحشت محسوس کرتا ہوں حضور ﷺ نے فرمایا: جب تو سونے کے لیے بستر پر لیٹے تو یوں پڑھ لیا کر پھر آپ نے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔ ان کو امام احمد نے ذکر فرمایا۔ ابن السنی کی کتاب میں ہے کہ خالد بن ولید کو تکلیف ہوئی تو انہوں نے اس کی حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ سوتے وقت ان کلمات سے استعاذہ کر لیا کرو بکلمات اللہ التامات الخ۔ طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے کہ جناب خالد بن ولید نے حضور ﷺ کو ڈراؤنے خواب بتائے جو رات کو وہ دیکھا کرتے تھے اور شیطانی خیالات کی شکایت کی جو انہیں نماز پڑھنے میں آڑے آتے تھے حضور ﷺ نے فرمایا: اے خالد بن ولید! کیا میں تمہیں چند ایسے کلمات نہ بتاؤں جو تم تین مرتبہ نہ کہنے پاؤ گے کہ وہ خیالات تم سے دور ہو جائیں گے جناب خالد نے عرض کیا: حضور ضرور بتائیں آپ پر میرے ماں باپ قربان میں نے آپ سے ان خیالات کی شکایت کی ہی اس لیے تھی کہ آپ مجھے ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ طریقہ ارشاد فرمائیں گے آپ نے مزید فرمایا: پڑھو اعوذ بکلمات اللہ تعالی التامات من غضبہ الخ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ چند راتوں کے بعد حضرت خالد بن ولید حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا میں نے آپ کے بتلائے ہوئے کلمات ابھی تین مرتبہ پورے نہ پڑھے تھے کہ میری وہ تکلیف ختم ہوگئی اب اگر میں جنگل میں شیر کی کچھار کے پاس سے گزروں تو بھی مجھے کوئی خوف نہیں آتا۔

قارئین کرام! ڈاکٹر عثمانی کی جرح کا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسکت جواب دیا پہلی بات تو یہ فرمائی کہ یہ روایت اللہ تعالیٰ کے اسماء پر مشتمل تعویذات کے جائز ہونے پر اصل ہے یعنی ایسے تعویذات کے لیے یہ روایت دلیل ہے کیا اس روایت کے ضعیف ہونے کا ملا علی قاری کو علم نہ تھا اور انہیں اس کے دو راویوں محمد بن اسحاق اور عمرو بن شعیب پر جرح کا علم نہ تھا؟ جب ڈاکٹر عثمانی ایسا بے وقوف ان دونوں پر جرح نقل کر سکتا ہے تو ملا علی قاری لازماً دونوں کے بارے میں تو بہت کچھ جانتے ہوں گے تو ان مجروح راویوں کے ہوتے ہوئے آپ اس روایت کو دلیل اور اصل کہہ رہے ہیں اس سے وہی قاعدہ سامنے آتا ہے کہ حدیث ضعیف بھی فضائل میں مقبول ہوتی ہے علاوہ ازیں ملا علی قاری نے ''مسند امام احمد بن حنبل'' سے اسی روایت کو جن راویوں سے ذکر کیا ان میں وہ دونوں مجروح راوی نہیں ہیں اور یہ بھی کہ عبداللہ بن عمرو کے علاوہ جناب خالد بن ولید کا واقعہ بھی ذکر کیا جنہیں حضور ﷺ نے بعینہ وہی کلمات سکھائے جو عبداللہ بن عمرو کو ارشاد فرمائے تھے انہوں نے وہ کلمات پڑھے اور خوف جاتا رہا اور حلفاً جناب خالد بن ولید نے خوف ختم ہونے کا اقرار حضور ﷺ کے سامنے کیا جس کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت فرمایا اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے ہم بخوبی جان سکتے ہیں کہ ڈاکٹر عثمانی کو خبط ہے اور دماغ ٹھکانہ پر نہیں' شرک نے اس کی دماغی صلاحیتوں کو ماؤف کر دیا اور احادیث و روایات سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی۔ ملا علی قاری کی شرح کے بعد ہم اس کے ہم مسلک' ہم مشرب شارح ابوداؤد کی اسی روایت کی شرح کے الفاظ درج کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

(عبداللہ بن عمرو ابن العاص) یعلمھن ای الکلمات السابقة من عقل ای من تمیز بالتکلم (کتبه) ای ھذا الدعاء و فی روایة الترمذی ومن لم یبلغ منھم کتبھا فی صک ثم علقھا فی عنقه (فاعلقه علیه) قال الجزری الصک الکتاب و فیه دلیل علی جواز تعلیق التعوذ علی الصغار قال المنذری واخرجه الترمذی والنسائی و قال الترمذی حسن غریب و فی اسناده محمد بن اسحاق تقدم الکلام علیه و علی عمرو ابن شعیب انتھیٰ وقال القاری فی حرز الثمین رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی والحاکم و رواہ احمد عن محمد بن یحیی بن حبان عن الولید اخی خالد بن الولید انه قال یا رسول اللہ ﷺ انی اجد الخ. (عون المعبود: ج ۴ ص ۱۸ باب فی تعلیق التمائم کتاب الطب مطبوعہ بیروت)

جناب عبداللہ بن عمرو ابن العاص ان سابقہ کلمات کو اپنے ان بچوں کو سکھایا کرتے جو عقل و تمیز والے ہو جاتے اور اس دعا کو لکھتے۔ ترمذی کی روایت میں ہے جو بچے نابالغ ہوتے ان کے لیے کاغذ پر یہ کلمات لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیتے اس روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹے بچوں کو تعویذ باندھنا جائز ہیں۔ منذری نے کہا اس روایت کو ترمذی اور نسائی نے بیان کیا اور ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے اس روایت کی سند میں محمد بن اسحاق اور عمرو بن شعیب ہیں جن کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ انتہی۔ ملا علی قاری نے حرز ثمین میں کہا کہ اس کو ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے محمد بن یحییٰ بن حبان سے وہ ولید سے جو خالد بن ولید کے بھائی ہیں ان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ خوف آتا ہے الخ۔

قارئین کرام! یہ تو تھا جواب ڈاکٹر عثمانی کی اس جرح کا کہ روایت مذکورہ کے دو راوی سخت مجروح ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ روایت مذکورہ ایسے طرق اور اسناد سے بھی مروی ہے جس میں یہ دو راوی موجود نہیں ہیں اور موجودہ روایت کو ان دو راویوں کی وجہ سے ناقابل عمل قرار دینا یہ بھی ڈاکٹر عثمانی کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے رہا یہ کہ اس روایت کو امام ترمذی نے ''حسن غریب'' کہا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ روایت بے اصل اور من گھڑت ہو گئی جیسا کہ ڈاکٹر عثمانی نے قارئین کو یہ تاثر دینے کی مذموم کوشش کی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عثمانی صاحب یا تو محدثین کرام خصوصاً امام ترمذی کی اصطلاحات سے بالکل ناواقف ہے یا پھر فریب دہی اور دھوکہ دہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے حالانکہ حسن کو غریب کہتا ہے غریب کا لفظ تو حدیث صحیح کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ "مشکوٰۃ شریف" کے شروح میں شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ میں احادیث کی اقسام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے کم از کم ڈاکٹر عثمانی اس کا ہی مطالعہ کر لیتا تو لفظ "غریب" سے قارئین کو وہ تاثر نہ دیتا جو اس نے اپنی اس دو (۲) ورقی میں دیا ہے۔ اقسام حدیث یعنی صحیح لذاتہٗ صحیح لغیرہٖ حسن لذاتہٖ اور حسن لغیرہٖ یہ تمام معتبر ہوتی ہیں۔ ایسی احادیث کو من گھڑت نہیں کہا جا سکتا اگرچہ ان کے باہم درجات میں اختلاف ہے۔ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جگہ ص ۱ پر "غریب" کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے "غریب" کا یہ مفہوم بھی ہوتا ہے جسے صرف ایک راوی نے ہی روایت کیا ہو یا یوں کہہ لیجئے کہ جز واحد کے مترادف ہے یہ بھی لکھا ہے: انہ اشار بذالک الی اختلاف الطرق بان جاء فی بعض الطرق غریباً و فی بعضھا حسناً یعنی امام ترمذی کا کسی روایت کو "حسن غریب" کہنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس روایت کے طریقے مختلف ہیں بعض طریقوں میں غریب اور دوسرے کچھ طریقوں میں حسن آئی ہے لہٰذا امام ترمذی کی اصطلاح کے مطابق "حسن غریب" بمعنی حسن لغیرہٖ ہو سکتی ہے یا اس سے بھی مضبوط لیکن ضعیف یا من گھڑت ہونا اس کا مفہوم یہ نہیں ہے۔ بہرحال "خوئے بدرا بہانہ بسیار" کے مطابق جب ذہن میں پہلے سے ہی ایک بات طے شدہ ہو کہ ہر قسم کا تعویذ اور دم شرک ہے تو پھر جواز اور استحباب کی کوئی دلیل نظر نہ آئے گی اگر کسی نے پیش بھی کی تو اس میں تاویلات واحتمالات بلا دلیل نکال کر بتا دیا کہ ہمارا موقف درست ہے ورنہ دیکھئے صاحب عون المعبود نے صاف صاف لکھا ہے کہ علماء نے اس روایت کو گلے میں تعویذ ڈالنے کے جواز پر بطور دلیل پیش کیا ہے اور اس جواز کی اصل یہ روایت ہے یہ بھی لکھا کہ امام ترمذی نے جو اسے "غریب" کہا وہ انہی دو راویوں کی وجہ سے کہا ہے جن پر جرح کی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ روایت دیگر اسناد سے بھی مروی ہے جن میں یہ راوی نہیں آتے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی یہ روایت ذکر کی اس میں یہ دونوں راوی موجود نہیں ہیں لہٰذا امام ترمذی نے جو اسے "غریب" کہا وہ وجہ امام احمد بن حنبل کی روایت میں نہیں اس لیے اس روایت کے محض حسن ہونے میں کوئی شک نہ رہا تبھی تو علماء نے اس گلے میں تعویذ لٹکانے کے جواز پر اصل کہا ہے اب جبکہ اہل سنت دیوبندی اور غیر مقلد بھی اس روایت کو اصل قرار دے رہے ہیں تو عثمانی صاحب کا اس روایت سے پہلے یہ موضوع باندھنا "تعویذ کے بیوپاریوں کا اکلوتا سہارا" آسمان کی طرف تھوکنا ہے اور شقاوت قلبی کا آئینہ دار ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ نے ان کلمات میں صحابہ کرام کو تعلیم دی حضرات صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا اور علماء کرام نے اس روایت کو اصل قرار دیا آج تک کسی عالم دین کو اس روایت پر طنز کرنے کی جرأت نہ ہوئی یہ نصیب صرف ڈاکٹر عثمانی بدنصیب کا تھا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو "عالم" "فاضل" وغیرہ صرف دھوکہ دینے کے لیے لکھا ہو ورنہ وہ صرف ڈاکٹر ہی ہو۔

اب آیئے اگلی جرح کی طرف کہ ڈاکٹر عثمانی نے حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت اور ان کے عمل کو لیا یعنی ان سے ہی یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے تین باتوں میں ایک یہ فرمائی کہ تعویذ لٹکانے کو اگر میں روبکار لاؤں تو پھر مجھے حق و ناحق کی کوئی پرواہ نہیں دوسری طرف یہی عمرو ابن العاص اپنے بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکاتے دکھائی دے رہے ہیں گویا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کے قول و فعل میں تناقض بنایا جا رہا ہے تو اس سلسلہ میں ہم کہتے ہیں کہ اگر تعویذ لٹکانا حضور ﷺ نے بہت برا جانا جس کی وجہ سے تعویذ لٹکانا کسی کے لیے جائز نہیں تو پھر آپ کی فرمائی ہوئی تیسری چیز کا مطلب بھی یہ ہونا چاہیے کہ کسی کو شعر بھی نہیں کہنا چاہیے ورنہ وہ آزاد ہو جائے گا یعنی کافر ہو جائے گا اب ڈاکٹر عثمانی سے یا اس کے چیلوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ یا شعر کہنا بھی مطلقاً حرام ہے؟ تمہارے [illegible] نے حسان بن ثابت کو منبر پر بٹھا کر

شعر کیوں سنے؟ سننے کے بعد انہیں دعا دی اے اللہ! حسان کی جبریل کے ذریعہ مدد فرما' تاکہ کفار کے مقابلہ میں اس کے شعر انہیں خاموش کرادیں۔ ڈاکٹر عثمانی اس بارے میں کیا کہیں گے بہرحال ڈاکٹر عثمانی ایسی واہی تباہی باتوں اور تاویلوں سے اپنے چیلوں کو تو مطمئن کرسکتا ہے لیکن اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور تعویذ ودم کی ممانعت یا شرک ہونے کے بارے میں جو روایات موجود ہیں وہ ہر قسم کے تعویذ اور دم کے لیے نہیں جیسا کہ اس کی تشریح کی جاچکی ہے وہ صرف ایسے تعویذات اور جھاڑ پھونک کے بارے میں ہیں جن میں شرکیہ الفاظ یا جادو وغیرہ کے کفریہ کلمات ہوں یا کوئی ان کو مؤثر حقیقی سمجھتا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت مذکورہ کی تشریح میں ایک دو حوالہ جات پیش کر کے ہم قارئین کرام کے سامنے یہ بات لانا چاہتے ہیں کہ اس روایت کا اصل مفہوم کیا ہے اور ڈاکٹر عثمانی اسے کدھر کھینچ کر لے گیا اس کے بعد تعویذات کے جواز اور استحباب کی طرف ہم پھر انشاء اللہ لوٹیں گے۔

المراد من التميمة ما كان من تمائم الجاهلية ورقاها فان القسم الذى يختص باسماء الله تعالى وكلماته غير داخل فى جملة قال فى النهاية هى حرزات كانت العرب تعلقها على اولادهم يتقون بها الذين فى زعمهم فابطلها الاسلام و فى الحديث التمائم والرقى من الشرك و فى حديث آخر من علق تميمة فلا اتم الله له كانهم كانوا يعتقدون انها تمام الدواء والشفاء وانما جعلها شركا لانهم ارادوا بها وقع المقادير المكتوبة عليهم وطلبوا دفع الاذى من غير الله الذى هو دافعه انتهىٰ. قال السندى المراد تمائم الجاهلية مثل الحرزات واظفار السباع و عظامها واما ما يكون بالقرآن والاسماء الالهية فهو خارج من هذا الحكم بل هو جائز. (عون المعبود: ج ۴ ص ۲ باب فی التریاق بیروت)

تعویذ سے مراد ایسے تعویذات ہیں جو جاہلیت میں مروج تھے اور دم سے مراد بھی وہی دم جاہلیت ہیں تعویذات ودم کی وہ قسم جو اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی اور اس کے کلام پر مشتمل ہوں وہ ان تعویذات میں شامل نہیں ہیں "نہایہ" میں ہے کہ ان سے مراد ایسے تعویذات ہیں جو عربی لوگ اپنی اولاد کے گلے میں باندھتے تھے تاکہ وہ نظر لگنے سے بچار ہے یہ ان کا زعم (عقیدہ) تھا لہٰذا اسلام نے انہیں باطل کر دیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے تعویذات اور جھاڑ پھونک شرک ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے جس نے کسی پر تعویذ لٹکایا اللہ اس کو پورا نہ کرے گویا وہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ تعویذات ہی دواء اور شفاء (حقیقۃً دیتے) ہیں۔ اسلام نے ان تعویذوں کو اس لیے شرک قرار دیا کہ وہ لوگ ان تعویذوں سے یہ ارادہ کرتے تھے کہ لکھی ہوئی تقدیر کو ٹال دیں گے اور انہوں نے غیر اللہ سے تکلیف کا دور کرنا طلب کیا حالانکہ تکلیف دور کرنے والا صرف اللہ ہی ہے۔ انتہیٰ۔ علامہ سندی نے کہا: کہ ان تعویذات سے مراد جاہلیت کے تعویذ ہیں جو مختلف درندوں کے ناخنوں اور ہڈیوں وغیرہ سے بنائے جاتے تھے لیکن ایسے تعویذات جو قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ کے ناموں پر مشتمل ہوں وہ اس حکم (شرک) سے خارج ہیں بلکہ وہ جائز ہیں۔

ڈاکٹر عثمانی نے مذکورہ روایت کا دو کتب حدیث سے حوالہ دیا تھا ایک "ابوداؤد" اور دوسری "مشکوٰۃ شریف" "ابوداؤد" میں مذکور روایت کی شرح جو صاحب عون المعبود نے کی وہ آپ نے ملاحظہ فرمائی اب "مشکوٰۃ شریف" کی روایت کی ایک شرح پیش خدمت ہے۔

المراد من التميمة ما كان من تمائم الجاهلية

تعویذات سے مراد وہ ہیں جو جاہلیت میں ہوا کرتے تھے اور

ورقاها فان القسم الذی یختص باسماء الله تعالٰی و کلماته غیر داخل فی جملة بل هو مستحب جو البرکة عرف ذالک من اصل السنة. (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۳۶۱ کتاب الطب والرقی فصل اول' مکتبہ امدادیہ ملتان)

جھاڑ پھونک سے مراد بھی وہی ہے تعویذات اور دم کی وہ قسم جس میں خاص کر اللہ تعالیٰ کے کلام و اسماء ہوں وہ ان تمام تعویذات میں شامل نہیں (جنہیں شرک وغیرہ کہا گیا) بلکہ یہ تعویذات اور دم مستحب ہیں ان سے برکت کی امید ہوتی ہے یہ اہل سنت کی معروف و مشہور بات ہے۔

قارئین کرام! دونوں کتب کی شروعات سے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تعویذ اور دم دو اقسام کے ہیں ایک وہ جسے شرک و ناجائز کہا گیا یہ ایسے ہیں جو شرکیہ کلمات' جادو یا نامعلوم الفاظ پر مشتمل ہوں یا ان کے مؤثر حقیقی کا کوئی معتقد ہو۔ دوسری قسم ان تعویذات و دم کی ہے جو قرآنی الفاظ' اسماء الٰہیہ اور دیگر جائز الفاظ پر مشتمل ہوں یہ جائز اور مستحب ہیں اور متبرک ہیں ان دونوں اقسام میں امتیاز نہ کرنا اور ہر قسم کے تعویذات کو ''شرک'' میں داخل کرنا (جیسا کہ ڈاکٹر عثمانی نے کیا ہے) تمام محدثین و شارحین کے خلاف ہے۔ جب الفاظ قرآنی اور اسماء الٰہیہ سے جھاڑ پھونک جائز ہے تو انہیں لکھ کر گلے میں ڈالنا یا بازو پر باندھنا کس طرح ناجائز ہوگا؟ اب ہم ذرا آگے بڑھتے ہیں ڈاکٹر عثمانی نے کہا کہ تابعین میں سے تعویذات کے لٹکانے اور جھاڑ پھونک کا کوئی ایک تابعی بھی قائل نہیں چند تابعین سے ہم اس کی تردید پیش کر رہے ہیں جس سے آپ حضرات ڈاکٹر عثمانی کی جہالت اور ہٹ دھرمی پر مطلع ہو جائیں گے۔

دم اور تعویذات کا تابعین سے ثبوت

و قال مالک لابأس بتعلیق الکتاب التی فیها اسماء الله تعالٰی علی اعناق المرضی علی وجه التبرک بها اذا لم یرد معلقها بذالک ورافعة العین و عنی بذالک انه لا بأس بالتعلیق بعد نزول البلاء رجاء الفرج والبرء کالرقی التی وردت السنة بها من العین واما قبل النزول ففیه بأس و هو غریب و عند ابن المسیب یجوز تعلیق العوذة من کتاب الله فی قصبة و نحوها و توضع عند الجماع و عند الغائط ولم یقید بقبل او بعد و رخص الباقر فی العوذة تعلق علی الصبیان مطلقا و کان ابن سیرین لا یری بأسا بالشئی من القرآن یعلقه الانسان کبیرا و صغیرا مطلقا و هو الذی علیه الناس قدیما و حدیثا فی سائر الامصار لکن توجیه التعمیم بما ذکر لا یساعده قوله سبحانه (تفسیر روح المعانی ج ۵ ص ۱۳۶ زیر آیت وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنین پ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل مطبوعہ بیروت)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ ایسے تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی ہوں ان سے تبرک حاصل کرنے کی غرض ہو اور لٹکانے والا ان سے نظر دور کرنے کا ارادہ نہ کرے۔ امام مالک کی مراد یہ ہے کہ مصیبت اور پریشانی آ جانے کے بعد اسے دور کرنے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں جن کی بابت نظر لگنے کے بارے میں سنت میں آیا ہے لیکن پریشانی اور مصیبت آنے سے قبل تعویذ لٹکانے میں حرج ہے۔ امام مالک کی یہ مراد عجیب و غریب ہے۔ جناب ابن مسیب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے بانس وغیرہ کی لکڑی پر لکھ کر لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جماع اور بول و براز کے وقت اسے اتار لیا جائے۔ جناب ابن مسیب نے پریشانی اور مصیبت کے بعد یا پہلے کی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے بچوں کے گلے وغیرہ میں تعویذ لٹکانا مطلقاً جائز کہا ہے اور ابن سیرین نے کہا کہ انسان خواہ بالغ ہو یا نابالغ اگر قرآن کریم میں سے کچھ لکھ کر لٹکا لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ وہ بات ہے جس پر قدیم و جدید ہر دور کے لوگ تمام شہروں

میں عمل پیرا ہیں لیکن قرآن کریم میں سے بعض کے لکھ کر لٹکانے
کے جواز اور دوسرے کے عدم جواز کا جو ذکر کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کا یہ
قول و ننزل من القرآن ما ہو شفاالایۃ اس کا ساتھ نہیں
دیتا۔

''تفسیر روح المعانی'' کے درج بالا حوالہ سے چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) امام مالک رضی اللہ عنہ نے اسماء الٰہیہ والے لکھے گئے تعویذات مریض کے گلے میں لٹکانے کو جائز کہا ہے۔

(۲) امام مالک نے مصیبت اور نظر وغیرہ سے قبل تعویذ لٹکانے کو جواز سے مستثنیٰ کیا جسے صاحب روح المعانی نے عجیب وغریب فیصلہ قرار دیا۔

(۳) کانا' بانس وغیرہ کی لکڑی میں لکھ کر اسے گلے میں ڈالنے میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

(٤) چھوٹے بڑے ہر ایک کے لیے تعویذ لٹکانا جائز ہے۔

(٥) قدیم وجدید دور میں ہر شہر میں یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ لوگ تعویذ گلے وغیرہ میں ڈالتے چلے آ رہے ہیں۔

(٦) اہلبیت کے عظیم فرد امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی گلے میں تعویذ ڈالنے کو مطلقاً جائز کہا ہے بچے' بوڑھے کا فرق اور بیماری و مصیبت سے قبل وبعد کا فرق یہ نص قرآنی کے خلاف ہے' کیونکہ قرآن کریم کی نص ''و ننزل من القرآن ھو شفاء'' میں نہ تو بچے کی تخصیص اور بالغ کی استثناء ہے اور نہ ہی مرض ومصیبت کے نزول سے قبل یا بعد کی قید ہے بلکہ قرآن کریم مطلقاً ہر ایک کے لیے ہر وقت شفاء ہے عقل سلیم بھی اسے تسلیم نہیں کرتی کہ مذکورہ پابندیاں لگائی جائیں اگر کسی نے تعویذ لکھ کر قبل از وقت گلے میں ڈال لیا تاکہ اسے کسی کی نظر بد نہ لگے تو وہ تعویذ نظر بد کے لیے ڈھال بن جائے گا اور اس کی برکت سے نظر نہیں لگے گی' حفظ ماتقدم کے طور پر ایسا کرنے میں کیا حرج ہے؟ اگر تعویذ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ چھوٹے کو شفاء دے دیتا ہے تو بڑے کو کیوں نہیں دے سکتا؟

''روح المعانی'' میں چار جلیل القدر مجتہد اور فقیہہ تابعین کرام کا نام لیا گیا کہ وہ تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یعنی امام مالک' ابن مسیب' ابن سیرین اور امام باقر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ دوسری کتب میں ان کے علاوہ اور بھی تابعین کرام کے نام ملتے ہیں جنہیں ہم طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کر رہے کیونکہ ڈاکٹر عثمانی کا دعویٰ یہ تھا کہ تابعین میں سے ایک بھی تعویذ لٹکانے کے جواز کا قائل نہیں اس کے جواب میں اگر ایک تابعی بھی پیش کر دیا جاتا تو عثمانی کے منہ پر طمانچہ کے طور پر کافی تھا لیکن یہاں ایک حوالہ میں چار عظیم المرتبت تابعین کرام کے اسماء گرامی مجوزین کے طور پر مذکور ہیں تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر عثمانی کا دعویٰ محض فریب دینے کے لیے ہے تاکہ لوگ اس کی بات تسلیم کر لیں اور اس کی حدیث وتاریخ دانی کے قائل ہو جائیں لیکن عوام کو حقیقت حال کی کیا خبر؟ ''روح المعانی'' کے حوالہ سے آپ کو حقیقت حال کا علم ہو چکا ہوگا۔ احادیث میں تطبیق دینے کی نہ ان میں اہلیت اور نہ ہی یہ ان کے نظریہ کے موافق ہے۔ ہم عنقریب ایسی صحیح روایات لکھیں گے جو دم کے جواز کی دلیل ہیں ایسی احادیث اور ان احادیث کہ جو تعویذات کو شرک کہتی ہیں کے درمیان تضاد نظر آتا ہے آخر اس تضاد کے خاتمہ کا بھی کوئی طریقہ ہوگا۔ طریقہ وہی جسے علماء اور شارحین نے بیان فرمایا کہ ممانعت وشرک بتانے والی روایات سے مراد وہ تعویذات ہیں جو شرکیہ کلمات اور غیر شرعی طریقہ سے لکھے گئے ہوں اور جواز ایسے تعویذات ودم کا ہے جو قرآنی آیات' اسماء الٰہیہ اور ماثورہ دعاؤں میں سے کسی پر مشتمل ہوں یہی تطبیق علمائے دیوبند' غیر مقلد اور اہل سنت نے دی ہے جو ڈاکٹر عثمانی کو سمجھ نہیں آ سکتی۔ لیجیے ''تفسیر قرطبی'' کا ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں جس میں مفسرین کا

نظریہ اور تابعین سے جواز تعویذ کے ساتھ ساتھ لکھ کر لٹکانے کی بجائے گھول کر پینے کا ثبوت بھی مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

و اختلف العلماء فی النشرة وهی ان یکتب شیئا من اسماء الله او من القرآن ثم یغسله بالماء ثم یمسح به المریض اویسقیه فاجازها سعید بن المسیب قیل له الرجل یؤخذ عن امرأته ایحل عنه و ینشر قال لا بأس به وما ینفع لم ینه عنه ولم یر مجاهد ان تکتب آیات من القرآن ثم تغسل ثم یسقاه صاحب الفزع و کانت عائشة تقرأ بالمعوذتین فی اناء ثم تامر ان یصب علی المریض و قال المازری ابو عبدالله النشرة امر معروف عند اهل التعظیم و سمیت بذالک لانها تنشر عن صاحبها ای تحل ...... وسئل ابن المسیب عن التعویذ المعلق؟ قال اذا کان فی قصبة اورقعة یحرز فلا بأس به وهذا علی ان المکتوب قرآن و عن الضحاک انه لم یکن یری بأسا ان یعلق الرجل الشئی من کتاب الله اذا و ضعه عند الجماع و عند الغائط و رخص ابو جعفر محمد بن علی فی التعویذ یعلق علی الصبیان و کان ابن سیرین لا یری بأسا بالشئی من القرآن یعلقه الانسان.

(تفسیر قرطبی ج۱۰ ص ۳۱۸ تا ۳۲۰ سورۂ بنی اسرائیل ٗمطبوعہ قاہرہ)

''نشرہ'' میں علماء کا اختلاف ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام یا قرآن کریم میں سے کچھ لکھا جائے پھر اسے پانی سے دھو کر پانی میں مریض کے جسم پر ملا جائے یا اسے پلایا جائے اس کی جناب سعید بن میتب نے اجازت دی آپ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کی طرف سے پکڑا جائے یعنی کوئی جادو وغیرہ اس پر کردے تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا حلال ہے؟ فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جس سے بھی اسے نفع ہوسکتا ہے اس سے منع نہیں کیا جائے گا اور امام مجاہد کی رائے یہ کہ قرآن کریم کی کوئی آیت لکھ کر اسے دھو کر مریض کو پلانا درست ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آخری دونوں سورتیں برتن میں پڑے پانی پر تلاوت فرماتیں پھر حکم دیتیں کہ اس پانی کو مریض پر ڈال دیا جائے۔ ابوعبداللہ مازری نے کہا: ''نشرہ'' ایک جانا پہچانا کام ہے جو تعظیم والے لوگ کرتے ہیں اس کا نام نشرہ اس لیے پڑا کہ یہ مریض کی بیماری دور کردیتا ہے...... حضرت ابن میتب سے پوچھا گیا کہ تعویذ لٹکانا کیسا ہے؟ فرمایا: اگر کسی لکڑی یا کاغذ پر لکھ کر تعویذ بنایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ اس وقت کہ لکھی گئی تحریر آیات قرآنیہ پر مشتمل ہو اور ضحاک کا قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص کتاب اللہ میں سے کچھ لکھ کر اپنے گلے وغیرہ میں باندھ لے۔ جبکہ جماع اور پاخانے کے وقت اتار لے اور ابوجعفر محمد بن علی نے بچوں کے لیے تعویذ باندھنے کی رخصت دی ہے اور ابن سیرین قرآن کریم میں سے کسی آیت کے تعویذ بنانے اور ا: ۔ کسی انسان کے گلے میں لٹکانے میں کوئی گناہ نہ سمجھتے تھے۔

قارئین کرام! دم اور تعویذ ایسے کہ جن میں قرآنی آیات ٗ اسماء الہیہ وغیرہ جائز کلمات ہوں خواہ انہیں تعویذ بنا کر گلے میں لٹکایا جائے خواہ انہیں پانی میں دھو کر مریض کو شفاء کے لیے پلایا جائے دونوں طریقے جائز ہیں ناجائز وہی ہیں جو شرکیہ الفاظ ٗ جادو یا بے معنی الفاظ پر مشتمل ہوں یا پھر انہیں کوئی مؤثر حقیقی جانتا ہو۔ ڈاکٹر عثمانی نے آخر میں ''تفسیر ابن کثیر'' سے اپنے مذموم و مذعوم مقصد کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ عبارت ملاحظہ ہو:

عن عروة قال دخل حذیفة علی مریض فرأی فی عضده سیرا فقطعه او انتزعه ثم قال وما یؤمن اکثرهم بالله الا وهم مشرکون. (سورۂ یوسف ۱۰۶ ازداد

عروہ روایت کرتے ہیں کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ایک مریض کی عیادت کو گئے اور ان کے بازو پر انہوں نے ایک دھاگہ بندھا ہوا دیکھا تو اس کو کاٹ کر الگ کر دیا اور قرآن کی یہ آیت

11 ابن خاتم تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۴ مطبوعہ بیروت)

پڑھی جس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کی اکثریت اللہ کو مانتی ضرور ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو شریک بھی کرتی ہے۔

ابن کثیر نے روایت مذکورہ کے بالکل متصل آگے ایک اور روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کی جسے ڈاکٹر عثمانی نے اپنی پہلی دلیل قرار دیا وہ یہ ہے کہ ''دم اور تعویذ شرک ہیں'' ابن کثیر نے ایسی روایات جمع کر دیں جن میں ممانعت تھی اس کے بعد ابن کثیر نے بطور فیصلہ یہ نقل کیا ہے کہ زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جس کے گلے سے حضرت عبداللہ بن مسعود نے تعویذ توڑ کر پھینک دیا تھا اور فرمایا تھا: کہ آل عبداللہ شرک سے بے پرواہ ہو چکی ہے یعنی اب شرک ان کے پاس نہیں آ سکتا یعنی تم نے گلے میں جو تعویذ لٹکا رکھا ہے ممکن ہے اس میں یہودیہ نے شرکیہ الفاظ لکھے ہوں اس لیے انہوں نے دھاگہ کو توڑ پھینکا اور ساتھ ہی فرمایا: کہ میں تمہیں ایسا دم بتاتا ہوں جو تمہارے لیے کافی ہے۔ ابن کثیر کے الفاظ سنئے:

انما کان یکفیک ان تقولی کما قال النبی ﷺ اذھب البأس رب الناس اشفع وانت الشافی لاشفاء الا شفاءک شفاء لا یغادر سقما۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۴ زیر آیت مایؤمن اکثرھم باللہ الآیہ پارہ ۱۳ مطبوعہ بیروت)

تیرے لیے وہی الفاظ و کلمات کہنے کافی ہیں جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے اذھب البأس الخ ...... اے لوگوں کے پروردگار! یہ مصیبت و بیماری دور فرما دے شفاء عطا فرما کہ تو ہی شفاء عطا فرمانے والا ہے تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ایسی شفاء جو اپنے پیچھے کوئی کمزوری نہ چھوڑے۔

قارئین کرام! جناب ابن کثیر نے شروع میں ایسی روایات و واقعات نقل کیے جن میں دم اور تعویذات کی ممانعت تھی لیکن اس کے بعد فیصلہ کن بات ذکر کی کہ تعویذ اور دم وہی ممنوع وحرام ہے جو شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہو اور جن میں ایسے کلمات نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام واسماء پر مشتمل ہوں وہ ناجائز اور حرام نہیں ہیں ایسے الفاظ وآیات سے دم کرنا درست ہے اور رسول کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ مذکورہ دم جو نقل کیا گیا اسے ''رقیۃ النبی'' کہا جاتا ہے۔ امام بخاری نے ''رقیۃ النبی'' کے عنوان کے تحت ان کلمات کو ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دم خاص کر حضور ﷺ کا دم شریف ہے جو دم ''رقیۃ النبی'' کے نام سے شہرت پائے مطلق دم کو شرک کہنے والے اس دم کے بارے میں کیا حکم لگائیں گے؟ اگر ایسے بدبختوں کی بات تسلیم کر لی جائے تو پھر رسول کریم ﷺ کے متعلق بھی شرک ماننا پڑے گا جو کہ کفر ہے (معاذ اللہ) حضرات صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے دم سیکھنے اور کرنے کی درخواست کی آپ نے انہیں جھاڑ پھونک سکھائے بھی اب کرنا تو درکنار بلکہ سیکھنا سکھانا تک ثابت ہے وہ بھی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے۔ مطلقاً شرک کہنے میں یہ سب پاکیزہ شخصیات اس کی زد میں آئیں گی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دم سیکھنے اور کرنے کی اجازت مانگی انہیں اجازت دے دی گئی۔ تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ ہو:

و قد روی الامام احمد و ابوداؤد والترمذی والنسائی وصححہ من حدیث یعلیٰ ابن عطاء سمعت عمرو بن عاصم سمعت اباھریرۃ قال قال ابوبکر صدیق یا رسول اللہ ﷺ علمنی شیئا اقولہ اذا اصبحت واذا امسیت واذا اخذت مضجعی قال قل اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ رب کل شئی وملکہ اشھد ان لاالہ الا انت

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: آپ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیں میں ہر صبح وشام اور بستر پر سونے کے لیے جاتے وقت پڑھ لیا کروں آپ نے فرمایا: کہو اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! غیب وشہادۃ کے جاننے والے! ہر چیز کے پالنے والے! ہر چیز کے بادشاہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی معبود ہے میں اپنے نفس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور شیطان کے شر

اعوذ بک من شر نفسی و من شر شیطان و شرکہ رواہ ابوداؤد والنسائی و صرّحہ و زاد الامام احمد فی روایۃ لہ من حدیث لیث ابن ابی سلیم عن مجاہد عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال امرنی رسول اللہ ﷺ ان اقول و ذکر ھذہ الدعاء.

سے بھی اور اس کے شرک سے بھی اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا اور اس کی تصریح فرمائی۔ امام احمد نے کچھ زیادہ الفاظ روایت کیے جو وہ لیث ابن ابی سلیم سے وہ مجاہد سے اور وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میں یوں کہا کروں اور پھر انہوں نے مذکورہ دعا پڑھی۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۴۹ زیر آیت مذکورہ مطبوعہ بیروت)

قارئین کرام! ابن کثیر نے دو عدد روایات ذکر کیں۔ جن میں حضور ﷺ سے دم سیکھنے اور سکھانے کا واضح ذکر موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر دم شرک نہیں جیسا کہ ڈاکٹر عثمانی قرض کیے بیٹھا ہے ورنہ شرک سیکھنے کی درخواست اور اس کو قبول کرنا حضرات صحابہ کرام اور حضور ﷺ سے کونسا مسلمان اسے تسلیم کرے گا کہ ایسا ہو سکتا ہے؟ نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ جب ممانعت کی احادیث بھی واضح اور صریح ہیں اور جازت کی بھی ایسی ہی منقول ہیں تو دونوں کے درمیان تناقض اسی طرح ختم ہو سکتا ہے جس طرح حدیث کی شرح کرنے والے اور مفسرین کرام نے کیا ہے یعنی ایسے تعویذات اور جھاڑ پھونک جو شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں ممانعت ان کے بارے میں ہے کیونکہ جاہلیت کے دور میں تعویذ ایسی ہی عبارات وکلمات پر مشتمل ہوتے تھے اور جواز ان تعویذات اور دم کا ہے جو قرآنی آیات اور اسماء الٰہیہ پر مشتمل ہوں تناقض کے یوں خاتمہ سے دونوں اقسام کی احادیث معمول بہا رہیں گی ورنہ ڈاکٹر عثمانی کے نظریہ کے مطابق جواز واباحت والی روایات واحادیث کو بھی شرک میں داخل کیا جائے گا جس سے نہ رسول کریم ﷺ بچ سکیں گے اور نہ حضرات صحابہ کرام۔ (معاذ اللہ)

تانت اور دھاگے کے شرکیہ عمل ہونے پر ڈاکٹر عثمانی کا ایک اور دھوکہ اور اس کا جواب

تعویذوں کے ساتھ ساتھ تانت اور دھاگے کی وباء بھی بری طرح پھیلی ہوئی ہے کہیں باری کے بخار کا دھاگا نظر آتا ہے اور کہیں نظر بد سے بچنے والی تانت اس کے مقابلہ میں حدیث نبی ﷺ یہ بتاتی ہے کہ اللہ کے رسول نے شرک کے ان مظہرات کو جانوروں تک کے جسم سے کٹوا کر الگ کروا دیا۔

عن ابی البشیر الانصاری انہ کان مع رسول اللہ ﷺ فی بعض اسفارہ فارسل رسولا ان لا یبقین فی رقبۃ بعیر قلادۃ الا قطعت. (بخاری و مسلم)

ابوالبشیر روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ نبی پاک ﷺ نے ایک منادی کو بھیجا جو اعلان کر رہا تھا کہ کسی کے اونٹ کی گردن میں تانت کا پٹہ ہو یا کسی اور چیز کا تو اس کو کاٹ ڈالا جائے ہرگز باقی نہ چھوڑا جائے۔ (رسالہ تعویذات و شرک ص ۹)

جواب: جیسا کہ گزشتہ اعتراض اور جواب میں مختلف احادیث ممانعت اور جواز کے مابین تطبیق بیان ہوئی اس روایت کا جواب بھی وہی ہے۔ حضور ﷺ نے جہاں ممانعت فرمائی اور باندھے یا لٹکائے گئے تعویذات کو اتروا دیا وہ درحقیقت دور جاہلیت کے طریقہ کے مطابق شرکیہ الفاظ پر یا جادو پر مشتمل ہوتے تھے یا پھر انہیں مؤثر حقیقی سمجھ کر استعمال میں لایا جاتا تھا یہی معاملہ روایت مذکورہ میں بھی ہے اونٹوں کے گلے میں لٹکائے گئے یہ تانت یا تعویذ وہی ممنوع الفاظ وغیرہ پر مشتمل تھے ورنہ مطلقاً اونٹ کے گلے میں صرف قلادہ ڈالنے اور دیگر اشیاء کے استعمال کی ممانعت نہیں اس روایت کی شرح ملاحظہ ہو۔

اس روایت میں ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو نظر سے بچانے کے لیے اونٹ کے گلے میں ہار ڈالے اور جو زینت یا کسی اور غرض کے پیش نظر ایسا کرتا ہے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اونٹ کی طرح اور حیوانات یا انسانوں کے گلے میں نظر بد سے بچنے کے لیے ہار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے حاجت اور ضرورت سے پہلے ہار ڈالنے کی ممانعت کی ہے دیگر کا کہنا ہے کہ لوگ اونٹوں کے گلے میں ہار اس لیے ڈالتے تھے کہ نظر نہ لگے بعض علماء وہ بھی ہیں جو مطلقاً جواز کے قائل ہیں یعنی قبل از ضرورت یا بعد از ضرورت جب بھی چاہے ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ مرض سے قبل دوا کا تیار کرنا ہے یہاں تک قاضی عیاض کا قول ہے اور جناب ابوعبیدہ کہتے کہ تانت اونٹوں کے گلے میں اس لیے ڈالتے تھے تاکہ کہیں نظر نہ لگ جائے تو رسول اللہ ﷺ نے اتارنے کا حکم دیا تاکہ واضح ہو جائے کہ مرض کے دور کرنے میں تانت کا بذاتہ کوئی تعلق نہیں ہے بعض نے اس کے منع کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جانور کے گلے میں تانت اتنی سخت کر کے باندھی جائے کہ اس سے جانور کے گلا گھٹ کر مر جانے کا خطرہ ہو۔

قارئین کرام! علامہ نووی نے روایت مذکورہ کی تشریح میں مختلف حضرات کے مختلف اقوال ذکر کیے اور کاٹنے کی مختلف وجوہات واحتمالات بیان کیے جس طرح سب سے پہلی روایت میں خود ڈاکٹر عثمانی نے احتمالات کی بنیاد پر اسے نا قابل استدلال بنایا تھا اگرچہ وہ احتمالات فاسدہ تھے لہٰذا اس روایت کے مفہوم میں چونکہ مختلف احتمالات بیان ہوئے جن میں سے تین احتمالات یہ ہیں۔

(۱) جانور کا گلا گھٹنے کا خطرہ

(۲) تانت کا مؤثر حقیقی سمجھنا

(۳) بلا ضرورت پہلے ہی باندھ لینا بہر حال ان احتمالات قویہ کے پیش نظر اس حدیث سے تانت اور دھاگہ باندھنے کو شرک میں گھسیٹ لانا نری حماقت ہے۔ آیئے ایک اور شرح سے اس روایت کا اصل مفہوم دیکھیں۔

قال ابوعبید کانوا فی الجاهلیة یقلّدون الابل باوتار رقیهم لئلاّ تصیبها العین فامر بازالتها اعلاماً بان الاوتار لا ترد شینا و قال عبدالوهاب لان الاوتار تؤدی ابی جنایته اذ یحتنق بها العیر او شبه ذالک من حبس شجرة بذالک الوتر کما اتفق فی ناقة رسول الله ﷺ فقدت فوجدت قد حبستها شجرة و ظاهر قول مالک تخصیص ذالک بالوتر و لذالک اجازه ابن القاسم بغیر الوتر و قال بعض اصحابنا فیمن قلد بعیره شیٔا ملونا فیه خرزان کان للجمال فلا بأس. واختلف العلماء فی تقلید البعیر وغیره من الحیوان والانسان علی غیر التعوذ مخافة العین فمنهم من منعه قبل الحاجة الیه واجاز عندها و منهم من اجاز مطلقا کما یجوز التداوی قبل نزول المرض. (اکمال اکمال المعلم ج۵

ابوعبید کہتے ہیں کہ دور جاہلیت میں لوگ اونٹوں کے گلے میں جھاڑ پھونک کر کے قلادہ ڈالتے تھے تاکہ انہیں نظر نہ لگے پس انہیں ایسے ''اوتار'' اتارنے کا حکم دیا گیا کیونکہ اوتار کسی آنے والی مصیبت کو رد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اور عبدالوہاب نے کہا کہ مذکورہ ''اوتار'' بعض دفعہ ہلاکت کا سبب بن سکتے تھے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت یہ اونٹ کا گلا گھٹنے کا سبب بن جائیں یا کسی اور طریقہ سے اس کے لیے پریشانی بن جائیں وہ یوں کہ کسی درخت سے اڑ جائیں جیسا کہ حضور ﷺ کی گمشدہ اونٹنی کے ساتھ ہوا تھا وہ ایک درخت نے روک رکھی تھی۔ کیونکہ اس کے گلے کی رسی درخت سے اٹک گئی تھی۔ امام مالک کا ظاہر قول یہ ہے کہ روایت مذکورہ میں ''وتر'' کا نام لے کر خاص کر اس سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا صرف ''وتر'' یہی ناجائز ہوگا اسی لیے ابن القاسم نے وتر کے علاوہ کسی چیز کو بطور قلادہ ڈالنا جائز کہا ہے ہمارے بعض اصحاب کا قول ہے کہ اگر کسی نے اپنے اونٹ کے گلے میں رنگ دار ڈوری

(ص ۱۰۴۰ باب کراہتہ الکلب والجرس فی سفر)

خوبصورتی کے لیے باندھی تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حیوان یا انسان کے گلے میں تعویذ کے علاوہ کوئی اور چیز نظر بد سے بچانے کے لیے باندھتا ہے تو بعض نے اسے ضرورت سے قبل باندھنے سے منع کیا اور بعض نے بوقت ضرورت اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے مطلق اجازت دی جیسا کہ بیماری سے قبل دوائی کا استعمال جائز ہے۔

قارئین کرام! صاحب اکمال اکمال المعلم شرح المسلم نے بھی روایت مذکورہ میں چند احتمالات بیان کیے۔ مؤثر حقیقی ہونے کا عقیدہ وجہ ممانعت ہے اس میں کس مسلمان کو اختلاف ہوسکتا ہے؟ مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے کسی دوسری چیز کو موثر حقیقی تسلیم کرنا قطعاً درست نہیں اور اگر مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھتا ہے تو پھر ایسے تعویذات یا کوئی اور چیز استعمال کرنے کی ممانعت نہیں اسی لیے اس کی مثال دوائی دی گئی دوائی کو کوئی مسلمان حقیقی شافی نہیں سمجھتا بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاء کو جانتا ہے جس طرح کوئی اپنے پھوڑے کو نرم کرنے اور اس کا مواد بہانے کے لیے گرم پیاز اس پر باندھ دیتا ہے اس طرح پیاز' پھوڑے کو نرم کرکے اس کا گندا مواد نکالنے کا ذریعہ ہے جب یہ شرک نہیں تو پھر ''اوتار'' وغیرہ جب ان سے تجرباتی طور پر فائدہ پہنچتا ہے' استعمال میں لانا کب منع ہوگا؟ لیکن ڈاکٹر عثمانی تو اس طرف آتا ہی نہیں یا یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح شیطان یا شیطانی قوتیں گمراہی کا سبب بنتی ہیں' لوگوں کو گمراہ کرتی ہیں جس طرح عثمانی کے پمفلٹ اور چھوٹے چھوٹے رسالے گمراہ کرتے ہیں حالانکہ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے تو کیا عثمانی نے گمراہ کرکے شرک کیا؟ اور شیطانی کام کرکے شرک نہ ہوا؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ (عثمانی کو اب ناممکن ہے' کیونکہ زیر خاک چلا گیا ہے) اب تو اس کے چیلے چانٹوں کو حق سمجھنے اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ڈاکٹر عثمانی کا ایک اور دھوکہ ''نشرہ عمل شیطانی ہے''

جن اتارنے والے بیوپاری کے بارے میں زبان رسول سے نکلی ہوئی بات سن لینا مناسب ہے۔

عن جابر بن عبدالله قال سئل رسول الله ﷺ عن النشرة فقال هو من عمل الشيطان.
(رواہ ابوداؤد ج ۲ ص ۵۴۰)

جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ نشرہ (جن' بھوت اتارنے کا عمل) کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: هو من عمل الشيطان.

جن' بھوت بھگانے والے' تعویذ اور گنڈے کے بیوپاری اور دھاگے اور کڑے کے پرچارک بھی وہی لوگ ہیں جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ (تعویذات اور شرک مصنف ڈاکٹر عثمانی ص ۱۱)

جواب: ڈاکٹر عثمانی نے کس قدر بے باکی بلکہ بے حیائی سے استنباط کیا ہے رسول اللہ ﷺ سے ''نشرہ'' کی بابت پوچھا گیا جسے آپ نے شیطانی کام کہا لیکن ڈاکٹر نے نشرہ کے ساتھ تعویذ' دھاگہ اور کڑا وغیرہ کو بھی شیطانی عمل میں داخل کرکے اپنا الو سیدھا کیا ایسا کرتے ہوئے نہ اسے خدا کا خوف آیا نہ قیامت میں جواب دہی کا خیال آیا اور پھر انداز تحریر یوں کہ جیسا کہ وقت کا امام ابوحنیفہ' شافعی یا امام مالک اور احمد بن حنبل ہو۔ نت نئے ضابطے اور قاعدے مستنبط کرتا ہے ان حضرات ائمہ مجتہدین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کی بصیرت عطا فرمائی' قوت اجتہادی سے سرفراز فرمایا لیکن یہ گندے جوہڑ کا مینڈک اور ایک کنیا کی چھپکلی ان کا منصب حاصل کرنے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے نہ قرآن و حدیث کا علم نہ قوت اجتہادی لیکن پھر بھی قلم آزاد جس طرح خود مادر' پدر آزاد' دنیا بھر کے علماء کو جاہل ہی نہیں بلکہ مشرک بنانے پر تلا ہوا ہے۔ دیوبندی' سنی' غیر مقلد بھی تعویذ کرتے ہیں' جھاڑ پھونک کرتے ہیں کیا

انہیں ایسی روایات واحادیث نہیں آتی تھیں اگر وفاق المدارس کے ان استادوں کے ہی عمل کو دیکھ لیتا یا ان سے دریافت کر لیتا کہ اس روایت کا یہی مطلب ہے اور کیا آپ کا عمل بھی اسی پر ہے تو وہ یقیناً اسے سمجھاتے۔ بہر حال روایت مذکورہ میں ''نشرہ'' کو شیطانی کام کہا گیا ''نشرہ'' کیا ہے؟ اور اس کے شیطانی عمل ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ذرا اس پر بھی غور کیا ہوتا۔ اس کی تشریح میں دو حوالہ جات ذکر کر دینے ہی کافی ہیں جن سے ڈاکٹر کی علمیت آپ پر آشکارا ہو جائے گی۔

هي نوع من الرقية عن النشرة قال في النهاية النشرة بالضم ضرب من الرقية والعلاج يعالج به من كان يظن ان به مسا من الجن سميت نشرة لانه ينشره بها عنه ما خامره من الداء اي يكشف و يزال وقال الحسن النشرة من السحر وقد نشرت عنه تنشير انتهى و في فتح الودود لعله كان مشتملا على اسماء الشياطين او كان بلسان غير معلوم فلذالك جاء انه سحر سمي نشرة الانتشار الداء وانكشاف البلاء به هو ومن عمل الشيطان اي من النوع الذي كان اهل الجاهلية يعالجون به و يعتقدون فيه واما ما كان من الآيات القرآنيه واسماء والصفات الربانيه والدعوات الماثورة النبوية فلا بأس به وفي النهاية و منه الحديث فلعل طباء اصابه ثم نشره بقل اعوذ برب الناس اي رقاه. (عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۴ ص ۳ باب في النشرة' مطبوعہ بیروت لبنان)

''نشرہ'' یہ ایک قسم کا دم ہے ''نہایۃ'' میں ہے یہ ایک دم اور علاج ہے جو شخص یہ خیال رکھتا تھا کہ اسے کسی جن نے تنگ کیا ہوا ہے وہ اس سے اس کا علاج کرتا تھا اس کا نام نشرہ اس لیے پڑا کہ اس کے ذریعہ اس تکلیف کو دور کیا جاتا تھا۔ جناب حسن نے کہا: نشرہ ایک جادو کی قسم ہے۔ ''فتح الودود'' میں ہے کہ شاید یہ ایسے کلمات تھے جو شیطانی ناموں پر مشتمل تھے یا ایسی زبان تھی جو سمجھ نہیں آتی تھی اسی لیے آیا ہے کہ یہ جادو ہے اس کے ذریعہ بیماری اور مصیبت کو دور کرتے تھے یہ شیطانی اس وجہ سے ہے کہ یہ دور جاہلیت کے ان علاجوں میں سے ایک طریقہ علاج تھا جس کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہی علاج اس بیماری کی حقیقی شفاء ہے رہا وہ دم اور جھاڑ پھونک یا تعویذ جو قرآنی آیات' اسماء باری تعالیٰ' صفات پروردگار اور دعائے ماثورہ کے الفاظ پر مشتمل ہو تو ان میں کوئی گناہ نہیں ہے اور ''نہایۃ'' میں ہے کہ اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے شاید وہ تکلیف ہو پھر تکلیف والے نے اسے قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دم کیا ہو اور یوں وہ تکلیف رفع ہوگئی ہو۔

واختلف العلماء في النشرة و هي ان يكتب شيئا من اسماء الله تعالى او عن القرآن ثم يغسله بالماء ثم يمسح به المريض او يسقيه فاجازها سعيد بن المسيب ...... وقال الماذري ابوعبدالله النشرة امر معروف عند اهل التعزيم. وسميت بذالك لانها تنشر عن صاحبها اي تحل و منع الحسن و ابراهيم النخعي اخاف ان يصيبه بلاء و كانه ذهب الى انه ما محى به القرآن فهو الى ان يعقب بلاء اقرب منه الى ان يفيد شفاء قال الحسن سألت انسا فقال ذكروا عن النبي ﷺ انها من الشيطن و قد روى داؤد من حديث جابر ابن

''نشرہ'' کے مفہوم میں علماء کا اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام یا قرآن کی کوئی آیت لکھ کر اسے پانی سے دھو کر بیمار کے جسم پر وہ پانی ملا جائے یا اس کو پلایا جائے اس کو جناب سعید بن مسیب نے جائز قرار دیا ہے...... ابوعبداللہ ماذری نے کہا کہ ''نشرہ'' جھاڑ پھونک کرنے والوں میں جانا پہچانا عمل ہے اس کا نام یہ اس لیے رکھا گیا کہ اس سے بیمار کی بیماری دور ہو جاتی ہے اور حسن بصری وابراہیم نخعی نے اس سے منع کیا جناب نخعی نے کہا کہ ایسا کرنے سے مجھے اس شخص کا کسی مصیبت یا بلاء میں گرفتار ہونے کا اندیشہ ہے تو دراصل جناب نخعی اس طرف گئے کہ قرآن کریم کے الفاظ لکھ کر پھر پانی سے انہیں مٹانا یہ تو مصیبت لائے گا اور ایسا ہونا بہ نسبت مصیبت دور کرنے کے زیادہ قریب

عبد الله قال سئل رسول الله ﷺ عن النشرة فقال هي من عمل الشيطان قال ابن عبدالبر و هذه آثارا لينة ولها وجوه محتملة و قد قيل ان هذا محمول على ما اذا كانت خارجة عما في كتاب الله و سنة رسول الله عليه السلام و عن المداوة المعروفة والنشرة من جنس الطب فهي غساله شئي له فضل فهي كوضوء رسول الله ﷺ وقال ﷺ لا باس بالرقى مالم يكن فيه شرك ومن استطاع منكم ان ينفع اخاه فليفعل.

(تفسیر قرطبی ج ۱ص ۳۱۸۔۳۱۹ سورۃ بنی اسرائیل مطبوعہ قاہرہ)

ہے۔ جناب حسن نے کہا: کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا انہوں نے فرمایا: بہت سے صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے یہ بتایا کہ آپ نے نشرہ کو عمل شیطان فرمایا۔ ابن البر کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی اور حسن بصری کا استدلال بہت کمزور ہے اس روایت کی اور بھی احتمالی وجوہات ہیں۔ کہا گیا ہے کہ نشرہ کو شیطانی عمل کہنا اس پر محمول ہے کہ جب اس میں نہ تو کتاب اللہ سے اور نہ ہی سنت نبویہ سے کوئی چیز ہو اور جانے پہچانے علاج کی باتوں سے خارج ہو اور ''نشرہ'' ایک طرح کا علاج بھی ہے یہ کسی چیز کے دھوتے سے بچا ہوا پانی ہے تو اس کا حکم ایسے ہی ہوگا جیسا کہ حضور ﷺ کے وضو شریف کا بچا ہوا پانی اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ایسے جھاڑ پھونک میں کوئی گناہ نہیں جس میں شرک نہ ہو اور تم میں سے جو اپنے بھائی کا نفع اسے پہنچا سکتا ہے اسے یہ ضرور کرنا چاہیے۔

قارئین کرام! آپ نے ''تفسیر قرطبی'' کے درج بالا حوالہ کو مطالعہ فرمایا۔ لفظ ''نشرہ'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے جادو اور شیطانی کلمات کے ذریعہ کسی کی بیماری یا مصیبت کو کھول دینا (دور کر دینا) کہا ہے اگر نشرہ ایسی ہی باتوں پر مشتمل ہے تو ممنوع و حرام ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے اسماء اور قرآنی کلمات پر مشتمل ہو تو جائز اور مستحب ہے لہٰذا مطلقاً ''نشرہ'' کو شرک کا معنی پہنانا مراد حدیث نہیں لیکن یہ اسے سمجھ آئے گا جو احادیث مختلفہ کو سمجھنے اور ان میں نظر آنے والے اختلاف کے درمیان تطبیق دینے کی اہلیت رکھتا ہو اور ڈاکٹر عثمانی ان دونوں باتوں سے محروم ہے اصول فقہ کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ جن دو احادیث مختلفہ میں تطبیق ہو سکتی ہو وہاں تطبیق دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ دونوں کو ترک کر دیں تطبیق ہونے کے باوجود جو یہ راستہ اختیار نہیں کرتا وہ بے دین اور جاہل ہے۔ ''تفسیر قرطبی'' میں ان روایات کو جن میں ''نشرہ'' کی نفی یا ممانعت ہے بقول ابن عبد البر وہ روایات ضعیف ہیں کیونکہ وہ تمام محتملہ ہیں اگر اس نشرہ میں کلمات' اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ یا ادعیہ ماثورہ سے لیے گئے تو انہیں ''شیطانی فعل'' کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ پھر لفظ ''نشرہ'' ' جن' بھوت وغیرہ نکالنے کے وقت پڑھے جانے والے کلمات پر بھی بولا جاتا ہے اس میں کیا دلیل ہے کہ جن' بھوت نکالنے کے لیے صرف شرکیہ اور جادو پر مبنی کلمات ہی مفید ہوتے ہیں کلام الٰہی اور سارے اسماء الٰہیہ کارآمد نہیں ہو سکتے علاوہ ازیں ''نشرہ'' کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آیات قرآنیہ پڑھ کر یا انہیں لکھ کر تعویذ کی شکل میں مریض کے گلے میں لٹکانے یا دھو کر پلانے کو بھی نشرہ کہتے ہیں۔ امام قرطبی بحث کو سمیٹتے ہوئے ص ۳۱۹ پر رقم طراز ہیں: ''قلت قد ذكرنا النص في النشرة مرفوعاً وان ذالک لا يكون الا من كتاب الله فليعتمد عليه میں کہتا ہوں کہ ہم مرفوع نص ذکر کر چکے ہیں اور اس قسم کا نشرہ صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ہی ہو سکتا ہے لہٰذا اس پر اعتماد کرنا چاہیے''۔ امام قرطبی نے دونوں طرح کی روایات ذکر کیں جن میں نشرہ کی ممانعت اور اس کے جواز کا ذکر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ قرطبی نے جو آخری فیصلہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں ''نشرہ'' صرف کلام اللہ سے دم' جھاڑ کرنے کو کہا جاتا تھا۔ لہٰذا ''نشرہ'' کے جواز پر اعتماد کرنا چاہیے اور منع کی روایات کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے کیونکہ وہ دور جاہلیت کے جھاڑ پھونک کی ایک صورت تھی جو کبھی کی ختم ہو گئی ہے۔ لیکن ڈاکٹر عثمانی کی بے بصری کا یہ عالم ہے کہ اسے اکابرین امت کی تشریحات اور فیصلہ جات دکھائی نہیں دیتے کتاب کا نام ہی دیکھ لیجیے ''تعویذات اور

شرک''، یعنی کوئی تعویذ جائز نہیں بلکہ ہر قسم کے تعویذات شرک ہیں لیکن اپنے مذموم اور مذعوم مقصد کے حق میں اس نے جو روایات پیش کی ہیں وہ بہت سے احتمالات قویہ کی محتمل ہیں اور اثبات دم اور تعویذ کے جواز کی روایات صحیحہ کو پس پشت ڈال کر اپنے قارئین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ میرا مقصد درست ہے' اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں ہر قسم کی دھوکہ دہی اور فریب کاری سے کام لیا حتیٰ کہ احادیث مبارکہ میں بھی ہیرا پھیری کرنے سے ذرا شرم نہ آئی میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اسے صرف اپنا مدعا ثابت کرنا پیش نظر ہے نہ تو احادیث میں تطبیق کی اہلیت بلکہ جن حضرات نے تطبیق دی اسے بھی سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے اور نہ ہی اصول فقہ میں سے کسی اصل کی حقیقت اور اس کا مالہ وماعلیہ اسے معلوم ہے' چند احادیث اپنے مطلب کو خواہی نخواہی ثابت کرنے کے لیے نوٹ کر رکھی ہیں لیکن ان کے بارے میں اکابرین امت کی تشریحات سے صرف نظر کر کے خود منصب اجتہاد پر فائز ہونے کی شیطانی کوشش کی اور ان تمام اکابر کی تردید کر کے اپنا منہ کالا کر لیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

ڈاکٹر عثمانی کا ایک اور دھوکہ ''پانی پر دم کرنے کا کاروبار''

تعویذ اور گنڈے کے ساتھ ساتھ پانی پر دم کر کے اسے پلانے کا کام بھی پورے زور و شور کے ساتھ چل رہا ہے' مسجد کے باہر لوگ برتن لیے کھڑے رہتے ہیں کہ نماز ختم ہو اور وہ اپنے برتن پر دم کرائیں سب سے زیادہ ہنگامہ رمضان المبارک میں آخری تراویح کی رات کو ہوتا ہے جب قاری کے سامنے پانی کی بوتلوں اور برتنوں کی قطار لگ جاتی ہے اور یہ سب کچھ دینداری کے بھیس میں ہوتا ہے کاش انہیں کوئی بتائے کہ نبی پاک ﷺ نے جس چیز سے منع کیا ہے اس سے کسی قسم کی خیر کی امید ایمان کے خلاف ہے چہ جائیکہ ایسے عمل سے شفاء کی توقع کی جائے۔

عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ نھی عن النفخ فی الشراب رواہ الترمذی و قال حدیث حسن صحیح.

ابوسعید الخدری روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال ان النبی ﷺ نھی یتنفس فی الاناء او ینفخ فیہ رواہ الترمذی و قال حدیث حسن صحیح. (ترمذی)

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے منع فرمایا۔

یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ آج جو کام دینداری کے نام پر کیا جاتا ہے وہ حدیث نبوی کے بالکل خلاف ہے۔ (تعویذات اور شرک ص ۱۲)

جواب: ڈاکٹر عثمانی نے ''ترمذی شریف'' سے دو عدد احادیث ذکر کیں اور ان سے ثابت کیا کہ پانی پر دم کرنا دینداری کے نام پر ایک خلاف حدیث کام ہوتا ہے'' پانی پر دم کرنا'' یہ جاہل ان الفاظ میں اور'' پانی میں پھونک مارنا'' میں امتیاز کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا اور ''ترمذی شریف'' نے ان دو احادیث کو جس موضوع یا باب کے تحت ذکر کیا۔ اندھے کی اس پر بھی نظر نہ پڑی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کھانے' پینے کے باب کے تحت یہ دو احادیث لائے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے شارحین نے بھی ان سے مراد کھانے' پینے کی اشیاء پر پھونکیں مارنا لی ہیں نہ کہ پانی پر دم کرنا ان روایات کا مقصود ہے' کھانے پینے کے آداب کے تحت یہ دونوں احادیث منقول ہوئیں اور پہلی حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ڈاکٹر عثمانی نے دھوکہ دینے کی خاطر اسے مکمل ذکر نہ کیا۔ پوری حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور

النبی ﷺ نهی عن النفخ فی الشراب فقال رجل القذاة اراها فی الاناء فقال احرقها فقال فانی لا ادوی من نفس واحد قال فاین القدح اذاً عن فیک هذا حدیث حسن صحیح. (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج۳ص۸۳ باب ماجاء فی کراھیۃ النفخ فی الشراب 'مطبوعہ بیروت)

ﷺ نے پینے کی چیز میں پھونکنے سے منع فرمایا ایک شخص نے عرض کیا پانی میں اگر تنکا دیکھوں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: اسے گرادو (یعنی پانی گرا کر اس تنکا کو نکال دو اور بقیہ پی لو) اس نے پھر عرض کیا میں ایک سانس میں سیراب نہیں ہوتا فرمایا: سانس لینے کے لیے برتن کو منہ سے ہٹالیا کرو (سانس لے کر پھر پینا شروع کر دو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

قارئین کرام! پوری حدیث پاک سے آپ نے یہ جان لیا ہوگا کہ ڈاکٹر عثمانی نے اپنا غلط نظریہ ثابت کرنے کے لیے نہ تو پوری حدیث نقل کی اور نہ ہی اس کا صحیح مفہوم ومقصود بیان کیا۔ پانی میں پھونکنے سے منع کرنے پر ایک شخص نے جب حضور ﷺ سے عرض کیا کہ تنکا پڑا ہو تو کیا کروں تو آپ نے پانی گرا کر تنکا بہانے کی تعلیم ارشاد فرمائی۔ پھونک مار کر تنکا کو ادھر ادھر کرنے کی بجائے مذکورہ طریقہ ارشاد فرمانا کیا دم اور جھاڑ پھونک سے تعلق رکھتا ہے' تنکا دور کرنا اس کی خاطر پھونک مارنا ''دم کرنا'' کہلاتا ہے پھر اسی شخص نے عرض کیا میں تو ایک مرتبہ سانس لینے سے جس قدر پانی پی سکتا ہوں اس سے سیراب نہیں ہوتا مقصد یہ تھا کہ پیالہ منہ کے ساتھ لگائے ہوئے دوسرا اور تیسرا سانس لے کر پھر پینا شروع کر دوں پیاس بجھا لیا کروں؟ آپ نے فرمایا: پانی میں پھونک اور سانس ڈالنے کی بجائے پیالہ منہ سے ہٹالیا کرو سانس لے کر پھر پینا شروع کرو کیا یہ سانس بھی ''جھاڑ پھونک'' کے ضمن میں آتا ہے؟ ان احادیث کا اصل مقصد یہ ہے کہ پانی میں پھونک مارنے سے یا سانس لینے کے بجائے سانس باہر لے کر پانی کو تین مرتبہ پیا جائے یہ پھونک مارنا یا سانس لینا خود پینے والے کی پھونک اور سانس ہے جس میں نہ کچھ پڑھا جاتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو دیا جاتا ہے ڈاکٹر عثمانی اس کی ممانعت کے لیے مذاق اڑانے کے رنگ میں لکھتا ہے کہ مسجد کے دروازہ پر خاص آخری تراویح کی شب لوگ حافظ صاحب سے پڑھے گئے قرآن کریم والی زبان سے اپنے پانی پر پھونک مروا کر اسے بطور تبرک لے جاتے ہیں یہ سب کچھ اس حدیث کے خلاف ہے اور شفاء کی بجائے الٹا گناہ لے کر جاتے ہیں کہاں یہ مقصود اور کہاں مذکورہ احادیث کا مضمون؟ ان احادیث کی ایسی تشریح آج تک کسی شارح نے نہ کی اگر کسی محدث یا شارح یا فقیہ نے پانی پر دم کر کے پینے پلانے کی ممانعت ان احادیث کو بطور دلیل پیش کیا ہو تو اس کا نام بتا کر منہ مانگا انعام حاصل کریں۔ اسی حدیث کی شرح ایک غیر مقلد کی زبانی سنیے۔

قوله هذا حدیث حسن صحیح. واخرجه احمد والدارمی و محمد بن الحسن فی موطاه قوله نهی ان یتنفس لخوف بروز شیئا من ریقه فیقع فی الماء و قد یکون متغیر الفم فتعلق الرائحة بالماء لرقته و لطافته فیکون الحسن فی الادب ان یتنفس بعد ابانة الاناء عن فم وان لا یتنفس فیه او ینفخ بصیغة المجهول ایضا لا النفخ انما یکون لاحد معنیین فان کان من حرارة الشراب فلیصبر حتی یبرد وان کان من اجل قذی یبصره فلیمطه باصبع او بخلال او نحوه ولا حاجة الی النفخ فیه بحال فیه

امام ترمذی کا قول کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے امام احمد' دارمی اور محمد بن حسن نے اپنے موطا میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے منع فرمایا یہ اس لیے تاکہ پھونک کے مارنے سے پھونک مارنے والے کے تھوک کا کچھ حصہ پانی میں گر جائے گا اور کبھی منہ سے بدبو پانی میں منتقل ہو جاتی ہے کیونکہ پانی پتلا اور لطیف ہوتا ہے لہٰذا اچھا اور ادب بھرا طریقہ یہ ہے کہ سانس لینے کے لیے پینے والے برتن کو اپنے منہ سے ہٹالے پھر سانس لے کر دوبارہ پینا شروع کر دے یہ نہیں کہ برتن کو منہ سے لگا کر رکھے ہوئے وہیں سانس لے لے یا پھونک ماری جائے اسے صیغہ مجہول

ای فی الاناء الذی یشرب منہ والاناء یشمل اناء الطعام والشراب فلا ینفخ فی الاناء لیذھب ما فی الاناء من قذاۃ و نحوھا فانہ لا یخلوا لنفخ غالبا من بزاق یستقذر منہ و کذا لا ینفخ فی الاناء لتبرید الطعام الحاربل لیصبر الی ان یبرد و قال المھلب و محل ھذا الحکم اذا اکل وشرب مع غیرہ واما لواکل وحدہ او مع اھلہ او من یعلم انہ لا یتقذر شیئا مما یتناولہ فلا بأس.

(تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۱۳ باب ماجاء فی کراھیۃ النفخ)

سے پڑھا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں پھونک مارنا دو[۲] ہی وجوہات کی بنا پر ہوسکتا ہے۔ ایک یہ کہ پانی گرم ہو اور اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے پھونکیں ماری جائیں بلکہ چاہئے کہ پھونکیں مارنے کی بجائے ذرا صبر کرے تا کہ وہ خود بخود ٹھنڈا ہو جائے اور دوسری وجہ پھونکنے کی یہ ہوسکتی ہے کہ پانی میں کوئی تنکا وغیرہ پڑا ہوا ہے جو اسے دکھائی دے رہا ہے تو اسے انگلی یا چھوٹی سی لکڑی کے ذریعہ نکال سکتا ہے جس کے لیے پھونک مارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ مسئلہ اور حکم اس برتن کے لیے ہے جس سے پانی پینے کا ارادہ کیا جائے اور برتن سے مراد پینے اور کھانے کا ہر برتن مراد ہے لہٰذا کھانے پینے کے کسی برتن میں نہ پھونکا جائے تا کہ پھونک کے ذریعہ تنکا وغیرہ نکال باہر کرے کیونکہ پھونک میں غالبًا کچھ نہ کچھ تھوک ہوتا ہے جس سے پانی کے گندا ہو جانے کا خطرہ ہے یونہی کھانے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بھی برتن میں پڑے کھانے کو نہ پھونکے بلکہ اس کے خود بخود ٹھنڈا ہونے تک انتظار کرے اور مہلب کا قول ہے کہ اس حکم کا محل اور مقام یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کوئی شخص دوسروں کے ساتھ مل کر کھا پی رہا ہو اور اگر تنہا کھاتا پیتا ہے یا اپنے جانے پہچانے دوستوں کے ساتھ کھا پی رہا ہو اور وہ جانتے ہوں کہ اس کے پھونکنے سے پانی میں تھوک وغیرہ نہیں پڑے گا تو پھر پھونک مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ روایت کی تشریح کرتے ہوئے کھانے پینے کی اشیاء میں پھونک مارنے کی دو صورتیں بیان کی ہیں ایک تو پھونک مارنا اور دوسرا پانی میں سانس لینا یہ دونوں باتیں آداب اکل وشرب کے خلاف ہیں پہلی صورت میں پھونک مارنے کی ضرورت یا تو پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے یا اس میں تنکا وغیرہ پڑا ہوا نکالنے کے لیے مارنا پڑتی ہے اور پھونک مارنے میں غالب طور پر تھوک کا کچھ حصہ پانی میں مل جاتا ہے جس سے پانی طبعی طور پر پینے سے آدمی پرہیز کرتا ہے یوں وہ پانی ضائع کرنا پڑے گا لہٰذا متبادل طریقہ موجود ہوتے ہوئے پانی میں پھونکنا آداب کے خلاف اور ڈاکٹری قواعد سے نقصان دہ ہے دوسری صورت یہ کہ اگر پانی ایک سانس میں نہ پی سکے اور تین سانس سے پینا چاہے جس کا حکم حضور ﷺ نے دیا تو آپ کے ارشاد گرامی پر عمل کرنے کے لیے سانس لینے کے لیے برتن کو منہ سے ہٹا کر سانس لے یوں تین مرتبہ سانس لے کر پانی پئے اس سے یہ اشکال بھی دور ہو گیا (جیسا کہ تحفۃ الاحوذی نے بھی ذکر کیا ہے) کہ حضور ﷺ نے تین سانس سے پانی پینے کا حکم دیا اور پانی میں سانس لینے سے منع بھی فرمایا آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ سانس لیتے وقت برتن منہ سے جدا کر کے سانس لے پھر پانی پینا شروع کر دے یوں تین مرتبہ پی کر اپنی پیاس بجھا لے۔ حدیث مذکور کا مفہوم اور مراد آپ نے اس کی شرح سے پڑھا۔ امام ترمذی نے اسے ''آداب شرب الماء'' کے تحت ذکر فرمایا یعنی پانی پینے کے آداب میں سے یہ بھی ایک ادب ہے کہ پانی میں پھونک نہ ماری جائے لیکن ڈاکٹر عثمانی کے

نزدیک اس پھونک سے مراد "پانی پر دم کرنا" ہے اختراعی معنی بنایا اور پھر حدیث پاک کا مذاق بھی اڑایا اور تمام مکاتب فکر کے علماء جب پانی پر دم کر کے مختلف امراض جسمانی و روحانی کے لیے لوگوں کو دیتے ہیں تو ان کی بھی مخالفت کرتے ہوئے ذرا بھر شرم نہ آئی' پانی پر دم کرنے اور دم کیا ہوا پانی پینے اور چھڑکنے کے بارے میں ایک روایت پیش خدمت ہے۔

پانی پر دم کر کے پینا' پلانا اور چھڑکنا حدیث سے ثابت ہے

وکانت عائشة رضی الله عنها تقرأ بالمعوذتين في اناء ثم تأمر ان يصب على المريض.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرآن کریم کی آخری دونوں سورتیں پڑھ کر دم کیا گیا پانی مریض پر چھڑکنے کا حکم دیا کرتی تھیں۔

(تفسیر قرطبی ج۱۰ص۳۱۸ بنی اسرائیل: ۸۲)

قارئین کرام! ڈاکٹر عثمانی کا عنوان اور پھر اس کے تحت اس کی تشریح ایک طرف اور دوسری طرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بالتکرار ایک فعل دونوں باہم متناقض ہیں اس لیے ہم نے لکھا کہ یہ شخص احادیث سے مذاق کرنے سے بھی نہیں شرماتا۔

بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

قرآن کریم کی کسی آیت یا سورۃ کو پڑھ کر پانی پر دم کیا جائے اور وہ پانی کسی مریض کو شفاء و برکت کے لیے دے دیا جائے یا کوئی اس پانی کو اپنے ہاتھوں پر ڈال کر اپنے جسم پر مل لے دونوں طریقے احادیث مقدسہ سے ثابت ہیں خود سرکار ابد قرار ﷺ کا عمل شریف بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو پھر اسے "پانی پر دم کرنے کا روبار" کہنا ایمان سے ہاتھ دھونا ہے کیونکہ حضور ﷺ کے کسی قول و فعل کا استہزاء کفر ہے آیئے وہ روایت پڑھیں جس میں دم کیا ہوا پانی خود حضور ﷺ نے اپنے جسم اقدس پر ڈالا۔

حدثنا القعنبی عن مالک عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة زوج النبی ان رسول الله ﷺ كان اذا اشتكى يقرأ في نفسه بلمعوذات وينفث فلما اشتد وجعه كنت اقرأ عليه وامسح عليه بيده رجاء بركتها. (عون المعبود شرح ابوداؤد: ج۴ص۲۱ باب کیف الرقی' مطبوعہ بیروت لبنان)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ بیمار ہوتے تو آپ آہستہ آہستہ معوذات (سورۃ فلق اور سورۃ الناس) پڑھ کر پانی پر پھونکتے پھر جب آپ کی بیماری زیادہ ہو جاتی تو میں پڑھتی اور پانی پر دم کر کے وہ پانی برکت کی امید سے آپ کے ہاتھوں' آپ کے جسم پر پھیرتی۔

(رجاء بركتها) اى بركة يده او بركة القراة و في صحيح البخاري قال معمر فسألت الزهري كيف ينفث قال كان ينفث على يديه ثم يمسح بهما وجهه قال القسطلاني وفيه جواز الرقية لكن بشروط ان تكون بكلام الله تعالى او باسمائه و صفاته و باللسان العربي او بما يعرف معناه من غيره ان يعتقد ان الرقية غير مؤثرة بنفسها بل بتقدير الله عزوجل و قال الشافعي لا بأس ان يرقى بكتاب الله وبما يعرف من ذكر الله قال الربيع

اس کی برکت کی امید رکھتے ہوئے یعنی آپ کے دست اقدس یا قرأت کی برکت سے۔ صحیح بخاری میں ہے جناب معمر نے کہا میں نے جناب زہری سے پوچھا حضور ﷺ کے دم کرنے یا پھونک مارنے کی کیا کیفیت تھی؟ کہنے لگے آپ پڑھ کر اپنے ہاتھ پر پھونک مارتے پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرۂ اقدس پر (اور باقی جسم پر) پھیرتے۔ امام قسطلانی نے کہا: اس روایت میں دم کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن اس کے لیے چند شرطیں ہیں وہ یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ یا اس کے اسماء یا صفات یا عربی زبان میں یا ایسے الفاظ سے جس کے معنی معلوم ہوں ان سے دم کیا جائے اور یہ بھی

قلت للشافعی ایرقی اھل الکتاب المسلمین قال نعم اذ ارقوا بما یعرف من کتاب اللہ و ذکر اللہ وفی الموطا ان ابابکر قال للیھودیۃ التی کانت ترقی عائشۃ ارقیھا بکتاب اللہ.

(عون المعبود ج ۴ ص ۱۲ ما کیف الرقی 'مطبوعہ بیروت)

کہ دم کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ مؤثر حقیقی جھاڑ پھونک ہے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سپرد کرے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ کتاب اللہ سے دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ہر ایسے کلمات سے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے طور پر معروف ہوں۔ جناب ربیع کہتے ہیں: میں نے امام شافعی سے پوچھا کیا کتابی مسلمان جھاڑ پھونک کر سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں جب وہ کتاب اللہ سے ایسا کریں اور مؤطا میں منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عورت روحہ کو کہا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دم کیا کرتی تھی (تو کیا پڑھتی ہے؟) اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دم کرتی ہوں۔

قارئین کرام! ''ابوداؤد شریف'' کی مذکورہ روایت اور اس کی شرح صاحب عون المعبود نے کی اس کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کریم کی آیات پڑھ کر دم کرنا سنت نبوی اور سنت صحابہ کرام ہے۔ حضور ﷺ معوذتین پڑھ کر ہاتھ پر پھونکتے اور اسے اپنے چہرہ پر پھیر لیتے۔ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا ضرورت کے وقت معوذتین پڑھ کر حضور ﷺ کے مبارک ہاتھ پر پھونکتیں اور پھر آپ کا ہاتھ آپ کے چہرۂ اقدس پر پھیرتیں تاکہ دو طرح کی برکتیں جمع ہو جائیں ایک برکت تلاوت قرآن کے پڑھنے کی دوسری آپ کے دست اقدس کی پھر یہ بھی ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مریضوں کو دم کر کے پانی دیا کرتی تھیں اور خود بھی دم کرواتی تھیں ان تصریحات کے ہوتے ہوئے ڈاکٹر عثمانی کی علیحدہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کھڑی کرنا کون اسے درست قرار دے گا یہاں ایک بات اگر بطور سوال ذہن میں آئے کہ پچھلی گفتگو میں پانی میں پھونکنے اور سانس لینے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا اور یہاں اس کے خلاف نظر آ رہا ہے تو احادیث میں ٹکراؤ آ گیا اس سوال کا جواب یا احادیث کے مابین تطبیق بہت آسان ہے ہر شخص جانتا ہے کہ پانی میں تنکا وغیرہ یا سانس ختم ہونے کے بعد دوسری مرتبہ سانس لینے کے لیے پیالہ وغیرہ کو منہ سے نہ ہٹانا اور اس میں سانس لینا دونوں صورتوں میں سانس لینے والے اور پھونک مارنے والے نے نہ کوئی آیت پڑھی ہوتی ہے اور نہ وہ برکت کے لیے ایسا کرتا ہے لہٰذا اس صورت میں پھونک مارنے سے تھوک کا کچھ حصہ جو پانی سے ملے گا وہ بے برکت ہوگا لیکن زیر بحث میں آیات قرآنیہ جس زبان سے پڑھی گئیں اس زبان پر موجود تری بھی بابرکت ہو جائے گی اور اس بابرکت نمی والی پھونک کو پانی میں ڈالنے یا اس کے پانی میں پڑنے سے مرض کے بڑھنے کی بجائے کم ہونے کا ظن غالب ہے جس طرح بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرنے سے جانور پاک اور جان بوجھ کر بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑنے والے کا ذبیحہ مردار کہلاتا ہے بہرحال ڈاکٹر عثمانی کو ایسی بہت سی احادیث صحیحہ نظر نہ آئیں یا آئیں لیکن بے ایمانی اور منافقت کی وجہ سے وہ عوام کے سامنے نہ لائی گئیں تاکہ لوگوں کو صرف تصویر کا ایک رخ دکھا کر گمراہ کیا جائے اور اپنی شہرت کو پیش نظر رکھا جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

ایک اور دھوکہ تعویذ' گنڈے اور جھاڑ پھونک پر اجرت لینا

کہا جاتا ہے کہ ہم یہ سارے کام امت کی خیرخواہی کے جذبہ سے بے قابو ہو کر کر رہے ہیں ورنہ ہمارا ذاتی فائدہ کوئی نہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے صرف کمائی مقصود ہے اور بس اس لیے ایسی کمائی کو جائز ثابت کرنے کے لیے قرآن وحدیث کی ناروا تاویلات تک سے گریز نہیں کیا جاتا سب سے زیادہ جس روایت پر مشق ستم ہے وہ ''بخاری شریف'' میں آئی ہوئی ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی سعید الخدری ان ناسا من اصحاب النبی ﷺ اتوا علی الحی من احیاء العرب فلم یقروھم فبینماھم کذالک اذا لاغ سید ھؤلاء فقالوا ھل معکم دوآء او راق فقالوا نعم انکم لم تقرونا ولا نفعل حتی تجعلوا لنا جعلا فجعلوا لھم قطیعاً من الشاء فجعل یقرأ بام القرآن و یجمع بذاتہ و یتفل فبرأ فاتوا بالشاء فقالوا لاناخذھا حتی نسئل النبی ﷺ فسالوہ فضحک و قال ما ادراک انھا رقیۃ خذوھا و اضربوا لی بھم و فی روایۃ اقسموا واضربوا لی معکم سھما.

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۴ و فی روایۃ سلیمان بن قتۃ فبعث الینا بالشاء والنزول فاکلنا الطعام)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک عرب قبیلہ کے پاس پہنچی قبیلہ والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا اسی دوران اسی قبیلہ کے ایک سردار کو زہریلے جانور نے ڈس لیا' قبیلہ والوں نے صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کاٹے کی کوئی دوا ہے؟ یا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے کہ جو کاٹے کے منتر سے واقف ہو اور دم کر سکتا ہو؟ صحابہ کرام نے جواب دیا ہاں مگر تم لوگ وہ ہو جنہوں نے ہماری میزبانی کرنے سے انکار کر دیا ہے اس لیے ہم اس وقت تک تمہارے سردار پر دم نہ کریں گے جب تک تم ہمیں اس کی اجرت دینے کا وعدہ نہ کرو آخر کار بھیڑوں کی ایک ٹکڑی پر معاملہ طے ہوا (تمیں بکریاں) ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اپنا تھوک جمع کیا اور سردار پر تھتکار دیا' قبیلہ کا سردار بالکل اچھا ہو گیا حسب وعدہ قبیلہ والے بھیڑیں لے آئے صحابہ کرام کو تردد ہوا اور انہوں نے کہا اس وقت تک ہم ان بھیڑوں کو نہ لیں گے جب تک نبی علیہ السلام سے دریافت نہ کر لیں پھر جب نبی علیہ السلام سے انہوں نے پوچھا تو آپ ہنسے اور فرمایا: تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ ایک دم ہے۔ بھیڑوں کو لے لو اور میرا بھی حصہ رکھ لو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپس میں تقسیم کر لو اور میرا بھی حصہ رکھ لو۔

سلیمان بن قتہ کی روایت میں اتنا اضافہ ہے پھر قبیلہ والوں نے ہمارے لیے بھیڑیں بھیجیں اور ضیافت کے لیے کھانا جسے ہم نے کھایا یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ یہ ایک معمولی واقعہ تھا اور اس موقعہ پر صحابہ کرام نے ان قبیلہ والوں سے اجرت کا معاملہ صرف ان کی بے مروتی سے ناراض ہونے کی وجہ سے کیا تھا کیونکہ اس روایت کے علاوہ پورے سرمایۂ حدیث میں ایک صحیح بھی ایسی نہیں کہ جس سے معلوم ہو کہ کبھی کسی صحابی نے ایسی اجرت لی ہو۔ رہی خارجہ بن الصلت کی روایت تو خود خارجہ ضعیف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ٹھیٹھ اجرت کا معاملہ ہے بھی نہیں اگر یہ بھیڑیں اجرت پر دی گئی تھیں تو یہ صرف دم کرنے والے کی اجرت تھی ان کا تقسیم کیا جانا اور نبی ﷺ کا اپنا حصہ نکالنے کے لیے کہنا اجرت کے معاملہ میں تو بہرحال نہیں ہو سکتا اس لیے اس روایت سے اجرت کا جواز نکالنا صحیح نہیں ہے دراصل نبی علیہ السلام کا ارشاد صحابہ کرام کی تالیف قلبی کے لیے تھا کیونکہ ایسی جگہ پر جہاں کھانے پینے کی چیزیں دستیاب نہ ہو رہی ہوں ایک قبیلہ کا مہمان نوازی سے انکار کر دینا سخت خطرناک نتائج کا حامل ہو سکتا ہے ایسے غیر معمولی حالات کی وجہ سے نبی ﷺ نے یہ بات کہی تا کہ قبیلہ والوں نے جو انہیں کھلایا پلایا تھا اس پر ان کا دل نہ کڑھے ورنہ عام حالات میں قرآن پر اجرت لینے سے نبی علیہ السلام نے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے' متعدد احادیث نبوی اس پر شاہد ہیں۔

(۱) عن عبدالرحمن بن شبل الانصاری قال

عبدالرحمن بن شبل انصاری روایت کرتے ہیں کہ میں نے

سمعت من رسول الله ﷺ یقول اقرؤا القرآن ولا تغلوا فیہ. (مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۴۴۴ حدیث عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ بیروت)

رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا کہ قرآن پڑھو مگر اس کو روٹی کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ۔

(۲) عن بریرہ قال قال رسول الله ﷺ من قراء القرآن یتاکل بہ الناس جاء یوم القیامۃ و وجھہ عظیم لیس علیہ لحم. (رواہ البیہقی مشکوٰۃ ص ۱۹۳ فصل الثالث فضائل القرآن مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

بریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے قرآن پڑھ کر لوگوں سے اسے روٹی حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا' وہ قیامت کے دن اس صورت میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت نہ ہوگا۔

اس لیے امام بخاری اپنی ''صحیح بخاری'' میں قرآن کو روٹی کمانے کے گناہ کا باب باندھتے ہیں۔

باب اثم من رای بقرأۃ القرآن او تاکل بہ او فجر بہ. (بخاری شریف: ج ۲ ص ۷۵۶)

یعنی باب اس شخص کے گناہ کا جو قرأت قرآن کو ریا کاری یا روٹی کمانے کا ذریعہ بنائے یا اس کے ذریعہ فسق و فجور کرے۔

(۳) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ عبادہ بن صامت کو ان کے ایک شاگرد نے جس کو انہوں نے قرآن کی تعلیم دی تھی تحفہ کے طور پر ایک کمان دی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ آگ کا طوق ہے اگر پہننے کا ہوتا ہو تو قبول کرلو۔ (ابوداؤد ص ۴۸۵)

ان صاف اور واضح احادیث کی روشنی میں حسن بصری کا فتویٰ بھی پیش نظر رہے تو مناسب ہوگا۔ حسن بصری سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: وہ پہلوان جو رسیوں پر چلنے کا کرتب دکھاتا ہے وہ ان علماء سے اچھا ہے جو مال و دولت کی طرف جھک پڑتے ہیں کیونکہ وہ پہلوان دنیا کو دنیا کے لیے کماتا ہے اور یہ لوگ (علماء) دنیا کو دین کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۵)۔ اب قرآن کو تعویذ کی شکل میں فروخت کرنے والوں اور قرآن کی تعلیم پر لوگوں سے اجرت وصول کرنے والوں اور قرآن کی تفسیر لکھ کر بیچنے والوں کو کچھ تو خوف خدا کرنا چاہیئے سن رکھو آج جو سزا اس امت کو مل رہی ہے اسی شرک کی پاداش میں ہے اور اگر اب بھی شرک سے توبہ کر کے توحید خالص کی طرف پلٹنے کی کوشش نہ کی جائے تو مکمل بربادی یقینی ہے۔ (تعویذات اور شرک ص ۵۱)

مذکورہ دھوکہ کا جواب

ڈاکٹر عثمانی نے عنوان یہ باندھا تھا۔ تعویذ' گنڈے اور جھاڑ پھونک پر اجرت لینا' لیکن ان چیزوں پر اجرت لینے کے عدم جواز کو ثابت کرتے ہوئے کچھ اور باتیں بھی ذکر کر دیں اس لیے پہلے ہم اس کی تحریر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اور پھر اس میں اٹھائے گئے اعتراضات یا کئے گئے دھوکہ جات کا جواب پیش کریں گے۔ ڈاکٹر عثمانی کی مذکورہ عبارت سے درج ذیل چند امور سامنے آتے ہیں۔

(۱) حضور ﷺ نے دم کرنے پر لی گئی بکریوں کو صحابہ کرام کی دل جوئی کے لیے جائز قرار دیا یعنی فاتحہ کے دم سے اجرت لینا صرف ان صحابہ کرام کے لیے جائز قرار دیا گیا ان کے سوا کسی اور کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں اور دوسری روایت خارجہ بن الصلت والی خارجہ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال ہے ہی نہیں۔

(۲) اگر بکریوں کو سورۃ فاتحہ کے دم کی اجرت بنایا جائے تو یہ صرف دم کرنے والے کو ہی ملنی چاہئیں تھیں' دوسروں کی شرکت اور ان میں تقسیم کرنے کا حکم نبوی بلکہ خود حضور ﷺ کا اپنا حصہ رکھنے کے لیے ارشاد فرمانا یہ سب کچھ نہ ہوتا اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ بکریاں سورۃ فاتحہ کی اجرت نہ تھیں۔

(۳) قرآن کریم کو کھانے پینے کا ذریعہ بنانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا اور فرمایا: کہ قیامت میں ایسے شخص کے منہ پر گوشت نہ ہوگا اور حضرت حسن بصری نے فرمایا: کہ رسی پر چڑھ کر کرتب دکھا کر پیسے کمانے والا ایسے علماء سے بہتر ہے جو قرآن کو

ذریعہ معاش بناتے ہیں۔ اب ہم ان امور ثلاثہ کے بالترتیب جوابات لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

امرِ اول کا جواب

بکریوں کو صحابہ کرام کی صرف دلجوئی کے لیے حضور ﷺ کا جائز قرار دینا (اور فاتحہ کے دم کی اجرت نہ بنانا) ڈاکٹر عثمانی کا یہ کہنا بہتان ہے اور حدیث سے لاعلمی کا نتیجہ ہے اگر ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر حقیقت کا بیان کرنا ہوتا تو یہ من گھڑت نتیجہ اخذ نہ کرتا کیونکہ اسی واقعہ کو ایک اور سند سے جو ذکر کیا گیا اس میں یہ الفاظ (ترجمہ) موجود ہیں جب صحابہ کرام نے وہ بکریاں نہ کھائیں اور رسول کریم ﷺ کے پاس لے آئے اور پوچھا کہ کیا ان کا کھانا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: لوگ تو باطل سے کھاتے ہیں اور تم تو حق کھا رہے ہو مطلب یہ کہ لوگ شرکیہ کلمات اور جادو ٹونہ سے کما کر کھاتے ہیں جو ناجائز اور باطل طریقہ ہے اور تم نے تو سورۃ فاتحہ پڑھ کر اور دم کر کے یہ بکریاں لیں اس میں کیا حرج ہے یہ طریقہ حق ہے اور حق طریقہ سے کھانے میں کیا قباحت ہے؟ آپ کا یہ فرمانا کہ ''تم تو حق سے کھا رہے ہو'' اسے حضرات فقہاء کرام اور محدثین نے قرآن کریم کی اجرت لینے پر اصل اور دلیل بنایا اسی لیے قرآن کریم کی تعلیم بالاجرت پر تمام فقہاء جواز کے قائل ہیں اگرچہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس کا انکار کرتے ہیں مگر وہ بھی دم کی اجرت کے جواز پر متفق ہیں گویا چاروں امام دم کی اجرت لینے پر متفق ہیں یہ اجماعی مسئلہ ہوا اس اجماعی مسئلہ کی مخالفت اور اسے شرک و کفر میں داخل کرنا بے علمی اور علماء دشمن بلکہ احادیث نبویہ کے انکار کے مترادف ہے۔ ''بخاری شریف'' سے مذکورہ روایت ذکر کرنے کے بعد ڈاکٹر عثمانی نے دعویٰ کیا کہ سرمایۂ حدیث میں صرف یہی ایک حدیث ہے جس سے قرآن کریم پڑھنے کی اجرت بیان ہوئی ہے لیکن یہ کہہ کر پھر غالباً یاد آ گیا ہوگا کہ ایسی ہی روایت حضرت خارجہ بن الصلت رضی اللہ عنہ سے بھی ہے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے اور کوئی بہانہ نہ بنایا بلکہ جناب خارجہ کو ہی ضعیف کہہ دیا اس سے بظاہر اس کا یہ مطلب تھا کہ دونوں روایات (حضرت ابوسعید خدری اور خارجہ بن الصلت سے مروی) ایک ہی ہیں صرف راویوں کے نام الگ الگ ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے کہ قبیلہ کے لوگوں نے سردار کو آرام آ جانے پر بکریوں کا ایک قطیع (دس سے چالیس تک) اور خارجہ بن الصلت کی روایت میں ہے کہ بیمار کے وارثوں نے خارجہ بن الصلت کو سو (۱۰۰) بکریاں دیں۔ (عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۳ ص ۱۹) اور خارجہ بن الصلت نے ایک مجنوں پر دم کیا تھا جو لوہے سے جکڑا ہوا تھا اس واضح اختلاف سے معلوم ہوا کہ یہ دو مختلف واقعات ہیں ایک نہیں لہٰذا ڈاکٹر عثمانی کی یہ بڑھ لگانا کہ ذخیرہ حدیث میں صرف ایک ہی حدیث اس موضوع پر ملتی ہے اس کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے رہا یہ معاملہ کہ حضرت خارجہ بن الصلت والی روایت سے پیچھا چھڑانے کے لیے ڈاکٹر نے جناب خارجہ کو ہی ضعیف کہہ دیا تو یہ اس کی ایسی بے باکانہ اور بے ایمانہ جرأت ہے جو اسی کے حصہ میں آئی ہے جناب خارجہ بن الصلت رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے مذموم مقاصد کی خاطر ضعیف قرار دے دیا (انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خود حضور ﷺ کا ارشاد گرامی کہ ''کل صحابی عدول میرے تمام صحابہ عادل ہیں'' ایک طرف اور دوسری طرف عثمانی نے ایک صحابیٔ رسول کو ضعیف کہا اس کی کیا وقعت اور حقیقت ہو سکتی ہے؟ ایک عام آدمی بھی ان دونوں باتوں میں سے حضور ﷺ کے ارشاد گرامی پر یقین کرے گا اور آپ کے خلاف کہنے والے ڈاکٹر عثمانی پر لعنتیں بھیجے گا۔ آیئے اسماء الرجال کی کتب سے جناب خارجہ کے بارے میں دیکھ لیں۔

خارجہ بن الصلت روی عن عمہ ولہ صحبتہ و فی اسمہ اختلاف و عن عبداللہ بن مسعود و عنہ الشعبی و عبد الاعلی بن الحکم الکلبی ذکرہ ابن حبان فی الثقات قلت و قد قال ابن ابی خیثمہ اذا

خارجہ بن الصلت اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں۔ یہ صحابیٔ رسول ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے اور عبداللہ بن مسعود سے بھی روایت کرتے ہیں اور ان سے آگے روایت کرنے والوں میں جناب شعبی، عبداللہ بن کلبی ہیں ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں

روی الشعبی عن رجل و سماہ فھو ثقة یحتج بحدیثه.
(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۵ حرف الخاء مطبوعہ حیدرآباد دکن)

میں ذکر کیا میں کہتا ہوں کہ ابن ابی خثیمہ نے کہا جب امام شعبی کسی آدمی سے اس کا نام لے کر روایت کریں تو وہ ثقہ ہوتا ہے اور اس کی حدیث قابل احتجاج ہوتی ہے۔

قال المنذری واخرجه النسائی و عم خارجة بن الصلت ھو عسلاقه بن صحار بن التمیمی السلیلی وله صحبة و روایة عن رسول الله ﷺ.
(عون المعبود شرح ابوداؤد: ج ۴ ص ۱۹ باب کیف الرقی مطبوعہ بیروت)

منذری نے کہا اور اس کی نسائی نے تخریج کی خارجہ بن الصلت کے چچا کا نام عسلاقہ بن صحار بن تمیمی سلیلی ہے اور خارجہ صحابی رسول ہیں اور حضور ﷺ سے روایت حدیث بھی کی ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا دونوں حوالہ جات سے جناب خارجہ بن الصلت کا صحابی رسول کریم ﷺ ہونا ثابت ہوا اور حضور ﷺ نے بلا استثناء اپنے تمام صحابہ کو "عادل" فرمایا لیکن ڈاکٹر عثمانی ظاہری باطنی آنکھیں بند کئے ایسے شخص کو ضعیف کہنے میں ذرا نہ شرمایا جس کو بارگاہ رسالت سے عادل ہونے کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے پھر عبداللہ بن مسعود سے بھی انہوں نے حدیث بیان کی ان سے بیان کرنے والوں میں امام شعبی ایسے اکابر محدثین میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں جرح و تعدیل کرنے والے متفق ہیں کہ یہ جس شخص کا نام لے کر روایت کرتے ہیں وہ یقیناً ثقہ ہوتا ہے اسی لیے علامہ عسقلانی نے فرمایا: کہ ایسے شخص کی روایت قابل حجت و دلیل ہے تو جن کو صحابی رسول ہونے کا اعزاز حاصل ہو ان کی عدالت بارگاہ رسالت سے تصدیق شدہ ہو اور علمائے فن رجال ان کی روایت کو قابل حجت و دلیل قرار دیں ایسے بزرگ کے بارے میں فوراً منہ پھاڑ کر بکواس کرنا کہ یہ ضعیف ہیں' آسمان کی طرف تھوکنا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جواب امر دوم

ڈاکٹر عثمانی نے سورۃ فاتحہ کی اجرت نہ لینے پر یہ من گھڑت دلیل بنائی کہ اگر یہ بکریاں اجرت تھیں تو صرف دم کرنے والے کا حق بنتی ہیں' دوسروں میں تقسیم کرنے اور خود حضور ﷺ کا اپنا حصہ الگ کرنے کا کیا مطلب؟ آیئے حدیث کے شارحین سے پوچھتے ہیں کہ یہ بکریاں تالیف قلبی کے لیے تھیں یا دم کی اجرت؟

فکففنا ای امتعنا عن التصرف فیھا بنحو ذبح او بیع حتی اتینا النبی ﷺ ای لم نعلم عن النبی ﷺ شیئا فی حکم الرقیة واخذ الاجرة علیھا و فی روایة للبخاری من حدیث ابن عباس فکرھوا ذالک و قالوا اخذت علی کتاب الله اجرا حتی قدموا المدینة فقالوا یا رسول الله ﷺ اخذ علی کتاب الله اجرا فقال رسول الله ﷺ ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله بضم الراء و سکون القاف و فیه تقریر لما نعله وان الفاتحة رقیة ای اجعلوا لی معکم نصیبا والاجر بالقسمة من باب مکارم الاخلاق مالا والا فالجمیع للراقی وانما قال

پس ہم اس میں تصرف کرنے سے یعنی ذبح کرنے یا بیچنے سے رک گئے یہاں تک کہ ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن چونکہ ہمیں اس بارے میں کوئی علم نہ تھا کہ جھاڑ پھونک کے بارے میں حضور ﷺ کا کیا حکم ہے اور اس پر اجرت لینے کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟" بخاری شریف" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اسے ناپسند کیا اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے رسول کی کتاب پر اجرت لے لی ہے یہاں تک کہ وہ مدینہ منورہ واپس آئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ ہمارے ایک ساتھی نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے (کیا یہ درست کیا ہے؟) آپ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ کی کتاب پر جو تم نے اجرت لی

اضربوا لی الخ تطیبا لقلوبھم و مبالغة فی انه حلال لاشبھة فیه. (الفتح الربانی ج ۱۵ ص ۱۲۷ باب نمبر ۱ ما جاء فی الاجرۃ علی القرب مطبوعہ قاہرہ)

ہے وہ زیادہ حق رکھتی ہے (اس اجرت سے جو دوسرے جھاڑ پھونک والے لیتے ہیں) اس روایت میں اس اجرت کے لینے پر صاد فرمانا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ ایک قسم کا دم بھی ہے اور آپ کا فرمانا کہ میرا بھی اپنے ساتھ حصہ رکھنا اور اجرت میں سے مجھے بھی دینا یہ مکارم اخلاق کے ضمن میں آتا ہے ورنہ وہ تمام اجرت میں ملنے والی بکریاں صرف دم کرنے والے کے لیے ہی ہیں آپ نے جو فرمایا کہ میرا حصہ بھی نکالنا یہ ان صحابہ کرام کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے اور اس اجرت کے حلال ہونے کو بطور مبالغہ بیان کرنے کے لیے تھا یعنی وہ ایسی حلال ہے کہ اس کی حلت میں کوئی شبہ ہرگز نہیں ہے۔

فیه تصریح بانها رقیة فیستحب ان یقرأ بها علی اللدیغ والمریض و سائر اصحاب الاسقام والعاھات وفی قوله ﷺ خذوھا تصریح بجواز اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن و ھذا مذھب الشافعی و مالک و احمد و اسحاق و ابی ثور و آخرین من السلف و من بعدھم و منعها ابوحنیفه فی تعلیم القرآن و اجاز فی الرقیة جاء فی روایة عند مسلم بلفظ اقسموا و اضربوا لی بسھم معکم قال النووی فھذہ القسمة من باب المروات والتبرعات والمواسات والاصحاب و ارفاق والا فجمیع الاشیاہ ملک الراقی.

(فتح الربانی ج ۱۷ ص ۱۸۴۔۱۸۵ باب الرقیہ بالقرآن مطبوعہ قاہرہ نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲۴ مطبوعہ قاہرہ)

اس راویت میں اس بات کی تصریح ہے کہ سورۃ فاتحہ دم بھی ہے لہٰذا مستحب ہے کہ سانپ کاٹے' کسی موذی جانور کی ایذاء اور کسی مریض پر پڑھ کر اسے دم کیا جائے اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا: ''اسے لے لو'' یہ تصریح کرتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے یہ مذہب امام شافعی' مالک' احمد بن حنبل' اسحاق' ابوثور اور دوسرے سلف صالحین کا ہے اور ان کے بعد والے حضرات کا بھی یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے سے تو منع فرمایا لیکن جھاڑ پھونک پر اجرت لینے کی اجازت دی امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی جس کے لفظ یہ ہیں وہ تقسیم کرو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی نکالنا۔ امام نووی نے اس کے بارے میں کہا: کہ یہ حکم تقسیم باہمی مروت' نیکی میں شرکت اور باہمی انس ومحبت کے لیے تھا ورنہ تمام اجرت کا مالک تو وہ تھا جس نے وہ دم پڑھا اور کیا تھا۔

قارئین کرام! درج بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ جھاڑ پھونک پر اجرت لینا چاروں ائمہ مجتہدین کے ہاں جائز ہے۔ لہٰذا یہ معاملہ اجماع ائمہ کے ضمن میں آ گیا ہاں تعلیم قرآن پر اجرت لینے میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ عدم جواز کے قائل ہیں لیکن حالات و زمانہ کے تغیر وتبدل کی وجہ سے فقہائے احناف نے اب تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے کیونکہ بغیر اجرت یہ سلسلہ ختم ہوتا نظر آ رہا تھا یہاں ایک بات ذہن نشین رہے کہ تعلیم قرآن اور قرأت قرآن دو مختلف امور ہیں۔ اختلاف تعلیم قرآن کی اجرت میں تھا وہ بھی متأخرین احناف کے جائز قرار دینے سے متفق علیہ ہو گیا رہا قرأت قرآن پر اجرت لینا یعنی اس کا معاوضہ مال کو بتایا جائے تو اس کو کچھ جائز اور کچھ ناجائز کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی تلاوت وقرأت صرف ثواب کے لیے ہوتی ہے اور ثواب وعبادت پر اجرت دنیوی بالاستقلال لینا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی از خود تبرعاً وتبرکاً قاری صاحب کو پیش کر دیتا ہے جیسا کہ عام طور پر نماز تراویح

میں قرآن سنانے والے کی خدمت کی جاتی ہے' یا کسی محفل میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے حضرات کو حاضرین محفل بطور نذرانہ بغیر مقرر کیے اور بغیر مانگے دے دیتے ہیں اس کے جواز میں کوئی معترض نہیں ہے لیکن ڈاکٹر عثمانی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے جواز اجرت نہ نکلنے کا جو استدلال کیا وہ بالکل لغو اور باطل ہے اور محض اس نے پہلے سے ذہن میں بٹھائے گئے نظریہ کی کھینچ تان کر دلیل بنائی ہے ورنہ جو حقیقت ہے وہ آپ کے سامنے آ گئی ہے۔

امرِ سوم کا جواب

قرآن پڑھو اور اسے کھانے پینے کا ذریعہ نہ بناؤ' قرآن پڑھ کر مانگنے والا قیامت میں ایسا چہرہ لیے ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا۔ رسی پر کرتب دکھا کر دنیا جمع کرنے والا ان علماء سے کہیں بہتر ہے جو دین کے ذریعہ دنیا کماتے ہیں۔ یہ تین باتیں دراصل حضور ﷺ کی احادیث مختلفہ سے لی گئی ہیں جہاں تک تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا معاملہ ہے جسے کھانے پینے کا ذریعہ بتلایا گیا اس کے بارے میں کچھ حوالہ جات اور مذاہب ہم عرض کر چکے ہیں۔ اس پر مزید یہ عرض کیے دیتے ہیں کہ وہ احادیث کہ جن میں اجرت کے لینے کو ناجائز کہا گیا یہ احادیث اجرت کے جواز والی احادیث کے مقابلہ میں ضعیف اور وہ قوی ہیں۔

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو منع کہنے والی تمام احادیث قابل حجت نہیں

قلت الروایات التی تدل علی منع اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن ضعاف لا تصلح للاحتجاج ولو سلم انها لمجموعها تنتهض للاحتجاج فالاحادیث التی تدل علی الجواز اصح منها و اقوی ثم ان هذه الروایات و قائع احوال محتملة التأویل کما قال الحافظ فلا حاجة الی ما ذکره الشوکانی من وجوه الجمع هذا ما عندی والله تعالی اعلم.

(تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۶۹ باب ماجاء فی اخذ الاجر مطبوعہ بیروت)

میں کہتا ہوں کہ وہ روایات جو تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے منع ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور احتجاج کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ان تمام کا مجموعہ احتجاج کی صلاحیت رکھتا ہے تو پھر وہ احادیث جو تعلیم قرآن کی اجرت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں وہ ان تمام سے زیادہ صحیح ہیں اور زیادہ مضبوط ہیں پھر یہ روایات منع مختلف واقعات بیان کرتی ہیں جن میں تأویل کا احتمال ہے جیسا کہ حافظ عسقلانی نے کہا لہٰذا شوکانی کے قول کی یہاں کوئی ضرورت و اہمیت نہیں رہتی جو روایات کے اکٹھا کرنے کے بارے میں ہے یہ میں سمجھتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

قارئین کرام! ''تحفۃ الاحوذی'' کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ ایسی روایات و احادیث جو تعلیم القرآن کی اجرت کے بارے میں ممانعت پر مشتمل ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں اور اس بناء پر قابل حجت نہیں ہیں ان کے مقابلہ میں جواز والی احادیث اقویٰ اور مضبوط ہیں یہی بات دیگر محققین اور مفسرین کرام نے بھی کہی ہیں جن میں حضور ﷺ کی اس کی تائید میں ان حضرات نے احادیث بھی پیش فرمائیں۔ ملاحظہ ہو:

وقد استدل بعض اهل العلم بالآیات علی منع جواز اخذ الاجرة علی تعلیم کتاب الله تعالی والعلم و روی فی ذالک ایضاً احادیث لاتصح و قدصح انهم قالوا یا رسول الله ﷺ أناخذ علی تعلیم اجرا فقال ان خیر ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله تعالی و قد تظافرت اقوال العلماء علی جواز

بعض علماء نے کچھ آیات سے کتاب اللہ اور علم کی تعلیم پر اجرت لینے کے جواز کو منع ثابت کیا ہے اور اس کے بارے میں انہوں نے احادیث بھی روایت کیں جو صحیح نہیں ہیں اور روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! ﷺ کیا ہم تعلیم پر اجرت لے لیا کریں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب کی اجرت تمہاری دیگر تمام لی گئی

ذالک وان نقل عن بعضھم الکراھۃ ولا دلیل فی الآیۃ علی ما اذعاہ ھذا المذاھب کما لایخفی والمسالۃ مبینۃ فی الفروع. (روح المعانی ج ۱ ص ۲۴۵ زیر آیت ولا تشتروا بآیتی ثمنا قلیلا 'مطبوعہ بیروت)

اجرتوں سے بہتر ہے حضرات علماء کرام کے بکثرت اقوال اس کے جواز کے بارے میں موجود ہیں اگرچہ بعض میں کراہت بھی منقول ہے آیت مذکورہ میں ان کے ادعائی مذہب پر کوئی دلیل نظر نہیں آتی جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ مسئلہ فروعات میں تفصیل سے موجود ہے۔

صاحب روح المعانی نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے پر دلالت کرنے والی احادیث کو "صحیح" قرار دیا اور ممانعت والی کو غیر صحیح اور اکثر بلکہ واضح اکثریت علماء اس کے جواز کی قائل ہے جنہوں نے اس کی کراہت کا قول نقل کیا ہے ان کے پاس نہ کوئی مضبوط آیت اور نہ کوئی صحیح حدیث بطور دلیل ہے۔

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو احادیث پیش کی گئی ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح نہیں ہے پہلی حدیث جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس کی سند میں ایک راوی سعید بن طریف متروک الحدیث ہے۔ دوسری حدیث جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔اس کی سند میں ایک راوی ابو جوہم ہیں وہ غیر مجہول اور غیر معروف ہے نیز اس کی سند میں ایک راوی ابو میذم ہے جو متروک الحدیث ہے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔تیسری روایت عبادہ بن صامت سے مروی ہے اس کو امام ابوداؤد نے مغیرہ سے روایت کیا ہے اور مغیرہ مجہول ہے اس کی تمام روایات منکر ہیں اور یہ بھی روایت منکر ہے اور کمان والی حدیث میں ایک راوی منقطع ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت اجرت کے مسئلہ میں کوئی صریح حدیث نہیں ہے اس سلسلہ میں تمام روایات ضعیف ہیں۔نیز کمان والی حدیث کی تاویل بھی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے انہوں نے محض للہ تعلیم دینے کا ارادہ کیا ہو اور بعد میں اس تعلیم کے بدلہ میں کمان کا ہدیہ قبول کیا اس لیے آپ نے یہ وعید بیان کی نیز نبی پاک ﷺ سے یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے بہتر اور روئے زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر معلمین ہیں جب بھی دین بوسیدہ ہو جاتا ہے یہ اس کی تجدید کرتے ہیں ان کو عطایا دو اور ان کو اجرت پر نہ رکھو اور ان کو تنگی میں نہ ڈالو کیونکہ معلم جب بچے سے کہتا ہے کہ پڑھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور بچہ کہتا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو اللہ عزوجل جہنم سے ایک برأت بچے کے لیے لکھ دیتا ہے اور ایک برأت معلم کے لیے اور ایک اس کے ماں باپ کے لیے۔اجرت لے کر نماز پڑھانے والا کے مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔اشہب بیان کرتے ہیں کہ امام مالک سے سوال کیا گیا جو شخص اجرت لے کر رمضان میں تراویح پڑھائے اس کا کیا حکم ہے؟ امام مالک نے کہا: میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں البتہ فرض نماز پڑھانے کی اجرت لینا شدید مکروہ ہے۔امام شافعی کے اصحاب اور ابوثور نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج ہے۔

(الجامع القرآن: ج ۱ص ۳۳۵_۳۳۶ 'مطبوعہ انتشارات ایران)

"جامع القرآن" کی مذکورہ عبارت میں ان روایات پر تفصیلی جرح کی گئی جن میں تعلیم القرآن پر اجرت لینے کو ناجائز کہا گیا پھر کچھ ائمہ کے اقوال پیش کیے جن میں امام مالک اور امام شافعی ایسے ائمہ کا قول بھی منقول ہوا کہ ان کے نزدیک اجرت لینا جائز ہے۔ مختصر یہ کہ تعلیم القرآن پر اجرت کی ممانعت والی احادیث صحیح نہ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں اور جواز پر دلالت کرنے والی احادیث صحیح اور قابل حجت ہیں۔ڈاکٹر عثمانی اینڈ کمپنی کے سامنے جناب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں ان کے کمان لینے کو حضور ﷺ نے آگ کا طوق فرمایا اس کی ایک تاویل اگرچہ ذکر کی جا چکی ہے تاہم ہم اس حدیث پاک کا حقیقی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

و تکلم فیہ جماعۃ و قال الامام احمد ضعیف ..... (حضرت عبادہ بن صامت والی روایت میں موجود ایک

الحديث حدث باحاديث مناكير و كل حديث رفعه فهو منكر و قال ابوذرعه الرازى لا يحتج بحديثه (قال الخطابى) اختلف الناس فى معنى هذا الحديث و تأويله فذهب قوم من العلماء الى ظاهره فرأوا ان اخذ الاجرة والعرض على تعليم القرآن غير مباح واليه ذهب الزهرى و ابوحنيفة واسحاق بن راهويه و قالت طائفة لا بأس به مالم يشترط وهو قول الحسن البصرى وابن سيرين والشعبى و أباح ذالک آخرون و هو مذهب عطاء و مالک والشافعى و ابى ثور و تأوّلوا حديث عبادة على انه امر كان تبرع به ونوى الاحتساب فيه ولم يكن قصده وقت التعليم الى طلب عوض و نفع فحذّره النبى ﷺ البطال اجره و توعده عليه و كان سبيل عبادة فى هذا سبيل من ردّ ضالة الرجل أو استخرج له متاعا قد غرق فى بحر تبرعا و حسبة فليس له ان يأخذ عليه عرضا. ولو انه طلب لذالک اجرة قبل ان يفعله حسبة كان ذالک جائزا. (فتح الربانی: ج ۱۵ص ۱۲۵-۱۲۶ باب ماجاء فی الاجرۃ' مطبوعہ قاہرہ)

راوی مغیرہ بن سعید کے بارے میں) ایک جماعت نے اعتراض کیا ہے۔ امام احمد نے اسے ضعیف الحدیث کہا وہ منکر احادیث روایت کرتا ہے اور جس حدیث کو وہ مرفوع بیان کرتا ہے وہ منکر بھی ہوتی ہے۔ ابوذرعہ رازی نے کہا کہ اس کی احادیث سے حجت درست نہیں۔ خطابی کا قول ہے کہ علماء نے اس حدیث پاک کے معنی میں اختلاف کیا اور اس کی مختلف تاویلات کی ہیں۔ علماء کی ایک جماعت کا یہ مسلک ہے کہ حدیث کا ظاہری مفہوم ہی مراد ہے یعنی قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت اور مال و سامان لینا مباح نہیں ہے یہی مذہب زہری' ابوحنیفہ' اسحاق بن راہویہ کا ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے جب تک اجرت بطور شرط مقرر نہ کی جائے تو اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ امام حسن بصری' ابن سیرین' شعبی کا مذہب ہے اور کچھ دوسرے علماء نے بھی اسے مباح قرار دیا ہے یہی عطاء' مالک' شافعی اور ابوثور کا مذہب ہے اور حضرت عبادہ کی حدیث کی یہ تاویل کی کہ انہوں نے یہ کام نیت ثواب کے لیے شروع کیا تھا اور شروع کرتے وقت ان کا نفع اور اجرت لینے کا کوئی ارادہ نہ تھا لہٰذا جب انہوں نے کمان لی تو رسول کریم ﷺ نے اس کو باطل قرار دیا اور اس پر وعید سنائی اور حضرت عبادہ کے اس کام کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ کسی شخص کی گمشدہ چیز کوئی تلاش کر کے لوٹائے یا کسی کا دریا میں ڈوبا سامان نکال کر محض ثواب کی خاطر مالک کو دے دے لہٰذا اس عمل پر اسے اجرت لینا درست نہ ہوگا اور اگر وہ اس کام کے سرانجام دینے سے پہلے اجرت طے کر لیتے تو یہ جائز ہوتا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا کمان قبول کرنا اور حضور ﷺ کا اس پر وعید فرمانا علماء نے اس کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں پہلی بات تو یہ کہ حدیث ہی سرے سے مجروح ہے لہٰذا قابل حجت و استدلال نہیں ہے دوسرا یہ کہ قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینے میں علماء کی کثرت جواز پر متفق ہے اور عدم جواز والے حضرات میں امام ابوحنیفہ بھی شامل ہیں لیکن ان کا یہ قول زمانہ نبوی کے قرب اور ''اتقاء'' کی وجہ سے تھا جب حالات تبدیل ہوئے اور علماء حضرات نے محسوس کیا کہ اگر جواز اجرت کی اجازت نہ دی گئی تو تعلیم و تعلم کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا لہٰذا انہوں نے بھی باوجود حنفی ہونے کے اجرت تعلیم قرآن کی اجازت دے دی جس کے ثبوت کے لیے ہم عنقریب کتب مشہورہ احناف سے حوالہ جات پیش کر رہے ہیں جس سے ثابت ہوگا کہ اجرت لینا سب علماء کا متفقہ نظریہ ہے۔ صاحب فتح الربانی نے حضرت عبادہ کی روایت کی تاویل کرتے ہوئے لکھا کہ ان کی مثال ایک ایسے شخص کی طرح ہے جو کسی کی گمشدہ چیز تلاش کر کے محض ثواب کی خاطر اسے پہنچا دی' یا کسی کا ڈوبا ہوا مال و متاع نکال کر ثواب کی خاطر اسے دے دے اب دیتے

وقت اس کا اجرت مانگنا درست نہیں ہاں اگر پہلے سے طے کر لیتے تو جواز میں کوئی شک نہیں یونہی حضرت عبادہ نے تعلیم قرآن شروع کرتے وقت ثواب کی نیت کی تھی بعد میں کمان بطور اجرت لی۔ تو حضور ﷺ نے اسے اچھا نہ سمجھا یاد رہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کو تعلیم قرآن دینے کا فریضہ انجام دے رہے تھے اصحاب صفہ نے آپ کو ایک کمان دی وہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے پوچھا یہ جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: یہ جہنم کی آگ ہے مطلب یہ کہ یہ لینا جائز نہیں ہے۔ قارئین کرام! ڈاکٹر عثمانی نے جس روایت کو بڑے شد و مد سے اپنے باطل استدلال کا سہارا بنایا وہ سخت مجروح اور مؤول ہے جس کی بناء پر وہ قابل حجت و استدلال نہیں ہے۔

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی تائید میں احادیث و آثار

عن خالد الحذاء قال سألت ابا قلابة عن المعلم يعلم و يأخذ اجرا فلم يرله باساً ..... عن ابن طاؤس عن ابيه انه كان لا يرى باساً ان يعلم المعلم ولا يشارط فان اعطى شيئا اخذه عن عثمان ابن الحارث عن الشعبي قال لا يشترط المعلم وان اعطى شيئا فليقبله عن ابن جريج عن عطاء انه كان لا يرى باسا ان يأخذ الرجل ما اعطى من غير شرطه عن صدقة بن موسى عن الدمشقي عن الوضين بن عطاء قال كان بالمدينة ثلاثة معلمين يعلمون الصبيان فكان عمر ابن الخطاب يرزق كل واحد منهم خمسة عشر كل شهر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج٦ ص٢٢٠-٢٢١ باب فی اجر المعلم کتاب البیوع والاقضیہ حدیث نمبر٢٠٨٢٧-٨٢٦)

خالد حذاء سے روایت ہے کہ میں نے ابوقلابہ سے ایسے استاد کے بارے میں پوچھا جو تعلیم پر اجرت لیتا ہو انہوں نے اس میں کوئی عیب نہ بتایا۔ ابن طاؤس اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے استاد اگر پڑھانے پر اجرت لیتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور شرط نہ ٹھہرائے اس کے بغیر اگر کچھ دے دے تو لے لیا کرے۔ جناب شعبی کہتے ہیں کہ استاد اجرت لینے کی شرط پر نہ پڑھائے اور اگر خود بخود وہ دے دیں تو قبول کر لیا کرے۔ ابن جریج نے جناب عطاء سے بیان کیا کہ وہ تعلیم پر کچھ لینے میں کوئی حرج نہ سمجھتے جبکہ شرط کے بغیر ہو۔ وضین بن عطاء سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں تین استاد تھے جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ان کو ہر ماہ پندرہ درہم دیتے تھے۔

عن الوضين بن عطاء قال ثلاثة معلمون كانوا بالمدينة يعلمون الصبيان و كان عمر ابن الخطاب رضى الله عنه يرزق كل واحد منهم خمسة عشر درهما كل شهر و كذالك رواه ابوبكر بن ابى شيبة عن وكيع .... اخبرنا ابو الفتح الفقيه حدثنا عبدالرحمن الشريحى حدثنا ابو القاسم البغوى حدثنا على بن الجعد حدثنا شعبة قال سألت معاوية بن قرة عن اجر المعلم قال ارى له اجرا قال شعبة و سألت الحكم فقال لم اسمع احدا يكرهه. قال البخارى فى الترجمة و قال الحكم لم اسمع احد

جناب وضین بن عطاء کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تین استاد بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اور حضرت عمر بن خطاب ان میں سے ہر ایک کو پندرہ درہم ماہانہ دیا کرتے تھے یونہی ابوبکر بن شیبہ نے جناب وکیع سے روایت کیا ہے۔ معاویہ بن قرۃ کہتے ہیں کہ معلم کے اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شعبہ نے کہا کہ میں نے جناب حکم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اسے کسی کو بھی مکروہ کہتے ہوئے نہ سنا۔ ترجمہ میں امام بخاری نے کہا ہے حکم نے کہا کہ میں نے کسی سے بھی یہ نہیں سنا کہ وہ معلم کی اجرت کو مکروہ کہتا ہو نیز ابن سیرین استاد کی اجرت کو مکروہ سمجھتے تھے۔ شیخ نے کہا ہم سے عطاء اور ابوقلابہ دونوں نے روایت کیا کہ وہ دونوں استاد کو

اکرہ اجر المعلم قال ولم یر ابن سیرین باجر المعلم بأسا.... قال الشیخ و روینا عن عطاء و ابی قلابۃ انھما کانا لا یری بان یتعلم العلمان بالاجر بأسا...... عن ابن عباس قال لم یکن لا ناس من اساری بدر فداء فجعل رسول اللہ ﷺ فداء ھم ان یعلموا اولاد الانصار الکتابۃ. (بیہقی شریف: ج ۶ ص ۱۲۴۔۱۲۵ باب اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن مطبوعہ حیدرآباد دکن)

بچوں کی پڑھائی پر اجرت لینے کو کوئی حرج نہ جانتے۔ ابن عباس نے بھی کہا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے پاس اپنا فدیہ ادا کرنے کی ہمت و طاقت نہ تھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ ادا ہو جانا یوں بتایا کہ وہ انصار کے چھوٹے بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔

فیاکل آل ابی بکر یعنی نفسہ و من تلزمہ نفقۃ لانہ لما اشتغل بامر المسلمین احتاج الی ان یأکل ھو واھلہ من بیت المال و قال ابن التین یقال ان ابابکرا یرزق کل یوم شاۃ و کان شان الخلیفۃ ان یطعم فی حضرۃ قصعتین کل یوم غدوۃ و عشیا و روی ابن سعد بأسناد مرسل برجال ثقات قال لما استخلف ابوبکر رضی اللہ عنہ اصبح غادیا الی السوق علی رأسہ اثواب یتجربھا فلقیہ عمر ابن الخطاب و ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنھما فقالا کیف تصنع ھذا وقد ولیت امر المسلمین قال فمن این اطعم عیالی قالا نفرض لک ففرضوا لہ کل یوم شطر شاہ و فی الطبقات عن حمید بن ھلال لما ولی ابوبکر قالت الصحابۃ رضی اللہ عنھم افرضوا للخلیفۃ ما یغنیہ قالوا نعم...... و عن میمون قال لما استخلف ابوبکر رضی اللہ عنہ جعلوا لہ العین فقال زیدونی فان لی عیالا فزادوہ خمس مأتہ. (عمدۃ القاری شرح البخاری: ج ۱۱ ص ۱۸۵ باب کسب الرجل مطبوعہ بیروت)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والے خود اور جن کا ان کے ذمہ نان و نفقہ تھا بیت المال سے کھاتے تھے جبکہ آپ مسلمانوں کے معاملات کے لیے خلیفہ منتخب کیے گئے کیونکہ آپ اور آپ کے اہل و عیال اس کے محتاج تھے۔ ابن تین کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا روزانہ خرچہ ایک بکری تھی۔ (ایک بکری کی قیمت کے برابر تھا) اور خلیفہ وقت کو چاہیے بھی کہ جو انہیں ملنے آئیں اور جو موجود ہوں انہیں صبح و شام دو وقت کا کھانا دیا جائے۔ ابن سعد نے اسناد مرسلہ سے روایت کیا ہے جس کے راوی ثقہ ہیں کہا کہ جب حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ چن لیا گیا تو آپ صبح سویرے بازار گئے آپ کے سر پر کپڑوں کی گٹھڑی تھی وہ کپڑے برائے فروخت تھے اس دوران حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ملے اور ان کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے دونوں نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہیں؟ حالانکہ آپ مسلمانوں کے تمام امور کے خلیفہ بنا دیئے گئے ہیں فرمایا: میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں؟ دونوں نے کہا ہم آپ کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کروا دیتے ہیں تو ان کی وجہ سے آپ کے لیے ایک بکری کا کچھ حصہ (کی قیمت کے برابر) خرچہ کے طور پر مقرر کیا گیا۔ حمید بن ہلال سے طبقات میں روایت ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی مدینہ بنے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا ہم خلیفہ کے لیے اس قدر بیت المال سے خرچہ مقرر نہ کر دیں جو ان کے لیے کافی ہو؟ سب نے کہا ضرور ہونا چاہیے۔ میمون سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ کے لیے دو ہزار درہم سالانہ مقرر کئے گئے

آپ نے کہا: کچھ زیادہ کرو کیونکہ میرے بال بچے بھی ہیں تو پانچ صد اور بڑھا دیئے گئے۔

و فیہ فضیلۃ ابی بکر و زھدہ وورعہ غایۃ الورع و فیہ ان للعامل ان یأخذ من عرض المال الذی یعمل فیہ قدر عمالۃ اذا لم یکن فوقہ امام یقطع لہ اجرۃ معلومۃ و کل من یتولی امرا من اعمال المسلمین یعطی لہ شئی من بیت المال لانہ یحتاج الی کفایۃ و کفایۃ عیالہ لانہ ان لم یعط لہ شئی لا یرضی ان یعمل شیئا فتضیع احوال المسلمین و عن ذالک قال اصحابنا و لا بأس برزق القاضی و کان شریح رضی اللہ عنہ یاخذ علی القضاء ذکر البخاری فی باب رزق الحکام والعاملین علیھا ان کان القاضی ثم فقیرا فالافضل بل الواجب اخذ کفایۃ من بیت المال وان کان غنیا فالا فضل الامتناع رفقا بیت المال و قیل الاخذ ھو الاصح صیانۃ للقضاء عن الھوان لانہ اذا لم یأخذ یلتفت الی امور القضاء کما ینبغی لاعتمادہ علی غناہ فاذا اخذ یلزمہ حینئذ اقامۃ امور القضاء۔

(عمدۃ القاری ج ۱۱ص ۱۸۶' مطبوعہ بیروت)

اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت' زہد اور تقویٰ نظر آتا ہے اور اس میں یہ بات بھی موجود ہے کہ گورنر یا خلیفہ بیت المال سے اپنے کام اور ضرورت کے مطابق لے سکتا ہے جب کہ اس کے اوپر کوئی اور عامل نہ ہو تو اس کی مقررہ اجرت ہونی چاہیئے اور مسلمانوں کے معاملات میں کسی کو بھی اگر کوئی ذمہ داری سونپی جائے اسے بیت المال سے کچھ نہ کچھ وظیفہ دینا چاہیے کیونکہ وہ خود اور اس کے اہل و عیال اس کے ضرورت مند ہوتے ہیں اور اس لیے بھی کہ اگر اسے کچھ بھی نہ دیا جائے گا تو وہ یہ ذمہ داری قبول کرنے پر راضی نہ ہوگا یوں مسلمانوں کے اجتماعی کام اور انتظامی احوال میں خلل پڑے گا اسی لیے ہمارے اصحاب (احناف) نے کہا کہ قاضی کی تنخواہ اور وظیفہ مقرر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور قاضی شریح رضی اللہ عنہ قضاء پر وظیفہ لیا کرتے تھے۔ امام بخاری نے اس کا ذکر ''باب رزق الحکام والعاملین'' میں کیا ہے پھر اگر قاضی واقعی فقیر و ضرورت مند ہے تو افضل بلکہ واجب ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ لے اور اگر غنی ہے تو پھر افضل بچنا ہے تاکہ بیت المال پر بوجھ نہ پڑے اور کہا گیا ہے کہ غنی قاضی کا لینا زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ وہ اپنے عہدہ قضاء میں سستی و کاہلی سے بچا رہے کیونکہ جب وہ کچھ بھی نہ لے گا تو قضاء کی ذمہ داریوں کی طرف مکمل توجہ نہ دے سکے گا کیونکہ اسے اپنی غنا پر اعتماد ہوگا اور جب بیت المال سے کچھ لے گا تو اب اس کے لیے امور قضاء کو سرانجام دینے میں زیادہ توجہ ہوگی اور اسے بدل و جان ادا کرے گا۔

فلما فرغ من التاذین دعانی فاعطانی صرۃ فیھا شئی من فضۃ و قال اللھم بارک فیہ و بارک علیہ قال فقلت یا رسول اللہ ﷺ امرنی بالتاذین قال قد امرتک بہ قال فعاد کل شئی من الکراھیۃ فی القلب الی المحبۃ فقدمت علی عتاب بن اسید عامل رسول اللہ ﷺ فکنت أاذن

جب حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اذان دے کر فارغ ہوئے تو رسول کریم ﷺ نے انہیں بلایا پھر مجھے حاضر ہونے پر ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی اور دعا فرمائی اے اللہ! اس میں برکت ڈال دے اور اس پر برکت اتار دے بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ آپ نے تو مجھے اذان دینے کا حکم دیا تھا؟ فرمایا ہاں یقیناً میں نے تجھے

بمكة عن امر رسول الله ﷺ قال ابن جريج واخبرني غير واحد من اهل خبر من اهلي خبر ابن مجريز هذا عن ابي محذورة. (صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۱۵ باب ذکر الامر بالترجیع بالاذان الخ 'مطبوعہ بیروت لبنان)

اسی کا حکم دیا تھا آپ کا یہ حسن سلوک اور انعام پا کر میرے دل میں حضور ﷺ کے بارے میں جو ناپسندیدہ تصورات تھے وہ محبت والفت رسول میں تبدیل ہو گئے میں جناب عتاب بن سعید کے پاس گیا جو حضور ﷺ کی طرف سے مکہ شریف کے عامل مقرر تھے میں نے کہا کہ میں مکہ شریف میں حضور ﷺ کے حکم سے وہاں اذان دیا کروں گا۔ابن جریج نے کہا کہ مجھے میرے گھر والوں میں سے کئی اہل خبر نے ابن مجریز کی یہی حدیث ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے بتائی ہے۔

قارئین کرام! آپ نے محدثین کرام اور ناقدین علم الرجال کے اقوال اور تشریحات ملاحظہ فرمائیں جن میں ان تمام روایات پر جرح کی گئی ہے جو تعلیم القرآن پر اجرت لینے کے بارے میں ممانعت پر دلالت کرتی ہیں مجروح ہونے کی بناء پر وہ سب ضعیف ہی ٹھہریں اور اگر یہاں یہ کہا جائے کہ اصول حدیث کا ایک اصل یہ بھی ہے کہ حدیث ضعیف مختلف طرق واسناد سے اپنا ضعف ختم کر بیٹھتی ہے اور اس سے احتجاج درست ہوسکتا ہے تو اس بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ بحث فضیلت یا عدم فضیلت کی نہیں ہو رہی بلکہ جواز و عدم جواز بلکہ جواز وشرک کے درمیان ہو رہی ہے۔احادیث ممانعت ان احادیث کے مقابل نہیں پیش کی جاسکتیں جو اجرت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ وہ صحیح بھی ہیں اور اس کی تائید وتوثیق کئی ایک واقعات سے بھی ہوتی ہے رسول کریم ﷺ اس اجرت کو بہترین فرمائیں اور پھر اس کو خوشی سے اپنے لیے بھی رکھنے کا حکم دیں۔اہل علم حضرات کو اجرت کی ممانعت میں کوئی ایک بھی حدیث صحیح نہیں ملی اس کے برخلاف جواز پر بہت سا مواد موجود ہے۔ڈاکٹر عثمانی تو ایک حدیث صحیح جواز کی مانگ رہا ہے ہم نے گذشتہ اوراق میں چار عدد احادیث پیش کی ہیں۔''مصنف ابن ابی شیبہ'' کی روایت جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں تھی آپ نے مدینہ منورہ میں تین استاد تنخواہ دار مقرر کر رکھے تھے۔''بیہقی شریف'' کی روایت کے مطابق حکم' ابن سیرین اور ابوقلابہ ایسے جلیل القدر حضرات اجرت کے جواز پر فتویٰ دے رہے ہیں۔خود سرکار دو عالم ﷺ نے کتابت پر اجرت عطا فرمائی۔''ابن حبان'' کی صحیح حدیث کہ جس میں اذان پر چاندی کی تھیلی مؤذن کو خود سرکار ابد قرار ﷺ نے عطا فرمائی ان شواہد کے ہوتے ہوئے اگر حقیقت کی تلاش اور قبولیت پیش نظر ہوتو ہر قاری ڈاکٹر عثمانی کی ضد اور خودغرضی دیکھ سکے گا آج وہ تو نہیں اس کے چیلے چانٹے بھی اگر تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انہیں اپنے بڑے کی بڑی غلطی صاف نظر آ جائے گی۔گذشتہ اوراق میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم نے ان کا اس بارے میں مؤقف ذکر کیا تھا کہ وہ تعلیم قرآن کی اجرت کو جائز نہیں قرار دیتے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم نے یہ بھی ذکر کر دیا تھا کہ یہ قرب زمانہ نبوی اور اتقاء کے پیش نظر تھا پھر جب حالات نے رخ بدلا تو احناف ہی کے اکابر نے اس کی اجازت دے دی اب ہم فقہاء کرام کے چند فتاویٰ نقل کرتے ہیں۔

و بعض مشائخنا استحسنوا الاستيجار على تعليم القران اليوم لانه ظهر التواني في الامور الدينية ففي الامتناع يضيع حفظ القرآن و عليه الفتوى. (ہدایہ اخیرین :ص ۳۰۳ باب الاجارۃ الفاسدۃ 'مطبوعہ قرآن محل کراچی)

ہمارے بعض مشائخ کرام نے تعلیم قرآن پر اجرت لینا مستحسن کہا کیونکہ ان دنوں دینی امور میں انتہائی سستی اور لاپروائی آ گئی ہے لہٰذا اجرت کے منع کرنے میں قرآن کریم کا حفظ وحفاظت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور فتویٰ اسی جواز واستحسان پر ہے۔

(وبعض مشائخنا) يريد به مشائخ بلخ رحمه الله عليهم (استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن) يعني في زماننا و جوّزوا له ضرب المدة وافتوا بوجوب المسمّى و عند عدم الاستيجار او عند عدم ضرب المدة افتوا بوجوب اجر المثل لانه ظهر التواني في الامور الدينية ففي الامتناع تضيع حفظ القرآن و قالوا انما كره المتقدمون ذالک لانه كان للمعلمين عطيات من بيت المال فكانوا مستغنين عما لابد لهم من امر معاشهم و قد كان في الناس رغبة في التعليم بطريق الحسبة ولم يبق ذالک و قال ابو عبدالله الخير اخذى يجوز في زماننا الامام والمؤذن والمعلم اخذ الاجرة ذكره في الذخيره.

(عنایہ مع فتح القدیر ج ۷ ص ۱۸۰ باب الاجارۃ الفاسدۃ 'مطبوعہ مصر)

ہمارے بعض مشائخ سے مراد بلخ کے مشائخ ہیں انہوں نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو مستحسن قرار دیا یعنی ہمارے اس دور میں اوران مشائخ نے پڑھائی کے لیے مدت مقرر کرنا بھی جائز فرمایا اور فتویٰ دیا کہ اجرت مقررہ کا دینا واجب ہے اور اگر اجرت مقرر نہیں کی گئی اور نہ ہی مدت تعلیم مقرر کی گئی تو پھر بھی اجرت مثلی کے وجوب کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ اس دور میں دینی امور میں بہت سستی آ چکی ہے لہٰذا اجرت کے عدم جواز کے فتویٰ سے حفظ قرآن جیسی دولت ضائع ہونے کا خدشہ ہوگا ان مشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے متقدمین احناف نے اجرت کے مکروہ ہونے کا قول بایں وجہ کیا تھا کہ ان کے دور میں معلمین کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوتا تھا لہٰذا وہ معاشی امور میں ضروریات زندگی سے مطمئن تھے اور اس دور میں لوگوں میں بھی دینی امور کے حصول کی بہت زیادہ رغبت تھی جواب نظر نہیں آتی ابوعبداللہ خیر اخذی نے فرمایا: کہ ہمارے اس دور میں امام' مؤذن اور معلم کے لیے تنخواہ لینا جائز ہے اسے ''ذخیرہ'' میں ذکر کیا۔

(و بعض مشائخنا) هم ائمه بلخ رحمهم الله تعالى (استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني) اى الفتور والكسل (في الامور الدينية ففي الامتناع يضيع حفظ القرآن) لان المتقدمين منعوا ذالک لرغبة الناس في التعليم حسبة و مروة المتعلمين في مجازاة الاحسان بالاحسان بلا شرط و قد زال ذالک في هذا الزمان ففي الامتناع منه تضيع حفظ القرآن و قد تغير الجواب بتغير الزمان ففي ذالک اذا ضربوا مدة لذالک حتى يجيز الاب على دفع الاجر الى المعلم وان لم تضرب المدة يحسب اجر المثل و يجيز على دفعه و كذا يجيز على الخلوة الوسونه و قال الامام الخير اخذى يجوز في زماننا للامام والمؤذن والمعلم اخذ الاجر كذا في الروضة و الذخيرة. (النہایہ فی شرح الہدایہ ج ۷ ص ۹۴۲ باب الاجارۃ الفاسدۃ)

ہمارے بعض مشائخ جن کا تعلق بلخ سے ہے انہوں نے تعلیم قرآن کی اجرت لینا درست قرار دیا کیونکہ اس دور میں لوگوں میں دینی امور میں فتور اور سستی آ چکی ہے لہٰذا اسے ناجائز قرار دینے سے حفظ قرآن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے متقدمین حضرات نے اس اجرت کو اس لیے منع قرار دیا تھا کہ ان کے دور کے لوگوں میں دینی علوم کے حصول کا رجحان بہت زیادہ تھا اور پھر شاگرد اپنے اساتذہ کی بخوشی مقرر کیے بغیر خدمت بھی کیا کرتے تھے یوں احسان کے بدلہ احسان کرنے کا معمول تھا یہ بات اس دور میں ناپید ہوگئی ہے لہٰذا اب اجرت کے مقرر کرنے سے منع کرنے میں حفظ قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اور زمانے کے حالات مختلف ہونے سے جواب مسئلہ بھی مختلف ہو جاتا ہے اب اجرت لینا جائز ہے یہاں تک کہ تعلیم کا وقت مقرر کر کے اس کی اجرت مقرر کی جائے تو باپ کو اجرت دینا پڑے گی خواہ اجرت مقرر نہ بھی کی ہے اس صورت میں اجرت مثلی کی ادائیگی پر اسے مجبور کیا جائے گا یونہی اگر استاد نے سارا وقت ہی تعلیم کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔

مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام خیر اخذی نے کہا: کہ ہمارے دور میں امام موذن اور معلم کے لیے تنخواہ لینا جائز ہے "روضۃ" اور "ذخیرہ" میں یونہی مذکور ہے۔

واختلفوا فی الاستیجار علی قرأة القرآن مدة معلومة. قال بعضهم لا یجوز و قال بعضهم یجوز وهو المختار والصواب ان یقال علی تعلیم القرآن...... فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قرأة الاجزاء بالاجرة لا یجوز لان فیه الاجر بالقرأة. و اعطاء الثواب للامر والقرأة لاجل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر...... و قد رده الشیخ الرملی فی حاشیة البحر فی کتاب الوقف حیث قال اقول المفتی به جواز الاخذ استحسانا علی تعلیم القرآن لا علی القرأة المجردة کما صرح به فی التاتارخانیه حیث قال لامعنی لهذه الوصیّة ولصلة القاری بقراء ته لان هذا بمنزلة الاجرة والاجارة فی ذالک باطلة وهی بدعة ولم یفعلها احد من الخلفاء و قد ذکرنا صلة تعلیم القرآن علی استحسان یعنی للضرورة ولا ضرورة یستجار فی القراءة علی القبر و فی الزیلعی و کثیر من الکتب لو لم یفتح لهم باب التعلیم بالاجر لذهب القرآن فافتوا بجوازه وراه حسناً فتنبه کلام الرملی. (ردالمحتار المعروف الشامی: ج۶ ص۶۹ مطب تحریمہم فی عدم الجواز الخ مطبوعہ مصر)

مقررہ مدت تک قرآن کریم کی قرأت پر اجرت مقرر کرنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے ناجائز اور بعض نے جائز کہا ہے مختار میں یہی ہے ۔بہتر تھا کہ قرأت قرآن کی بجائے تعلیم قرآن کہہ کر اختلاف مذکورہ ذکر کیا جاتا ...... حاصل کلام یہ کہ ہمارے زمانہ میں جو یہ رواج چل نکلا ہے کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ اجرت پر پڑھنا' پڑھانا یہ ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں قرأۃ کی مزدوری ہوئی اور قرأۃ کا ثواب پڑھوانے والے کے لیے ہوگا اور جو قرأۃ پیسے لے کر کی گئی جب خود قاری کو اس کا ثواب نہیں ملا کیونکہ اس نے نیت ثواب سے پڑھا ہی نہیں تو پیسے دینے والے اور جس کے لیے پڑھایا گیا انہیں ثواب کہاں ملے گا...... شیخ خیر الدین رملی نے اس کا بحر کے حاشیہ میں رد فرمایا" کتاب الوقف" میں لکھا کہ میں کہتا ہوں کہ فتویٰ اس بات پر ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا امر مستحسن ہے نہ کہ قرآن کریم کی قرأۃ پر جیسا کہ تاتارخانیہ میں مذکور ہے انہوں نے وہاں کہا کہ قاری کی قرأۃ کا اجر دینا اور اس کی وصیت کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی اجرت ہے اور اجارۃ اس بات میں باطل ہوتا ہے اور یہ بدعت ہے کسی ایک خلیفہ نے ایسا نہ کیا ہم نے قرآن کریم کی تعلیم کا صلہ اور اجرت بوجہ ضرورت جائز قرار دیا ہے اور کسی قاری کو قرآن کریم پڑھنے کے لیے مزدوری اور تنخواہ پر لینے کی کوئی ضرورت نہیں" زیلعی" اور دیگر بہت سی کتب میں ہے کہ اگر قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینے کا دروازہ نہ کھولا گیا یعنی اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیا گیا تو قرآن کریم کی تعلیم ناپید ہو جائے گی لہٰذا متاخرین فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور اسے اچھا فیصلہ کہا ہے رملی کے کلام کو خوب غور سے پڑھو اور اسے سمجھو۔

وما یأخذ الفقهاء عن المدارس لیس باجرة لعدم شروط الاجارة ولا صدقة لان الغنی یأخذها بل اعانة لهم علی حبس انفسهم ا لاشتغال حتی لو لم یحضروا الدرس بسبب اشتغال و تعلیق جاز

مدارس دینیہ سے جو تنخواہ اساتذہ کرام وصول کرتے ہیں وہ نہ تو اجرت کہلا سکتی ہے کیونکہ اس میں اجارۃ کی شرائط نہیں پائی جاتیں اور نہ اسے صدقہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ امیر اساتذہ بھی اسے لیتے ہیں بلکہ یہ دراصل ان کی اس پر مدد کرنا ہے جو انہوں نے اس

اخذهم. (بحرالرائق: ج ۵ ص ۲۴۹ مطبوعہ مصر)

مصروفیت کے لیے اپنے آپ کو پابند کر رکھا ہے حتیٰ کہ اگر وہ درس میں کسی مصروفیت یا کسی عارضہ کی بناء پر حاضر نہیں ہوتے تو بھی انہیں تنخواہ لینا جائز ہے۔

قارئین کرام! فقہائے احناف کا موقف آپ نے تفصیل سے پڑھا متقدمین احناف نے تعلیم قرآن پر اجرت کو جو ناجائز بتلایا تھا اس کی اس وقت معقول وجوہات تھیں لوگ اچھے تھے دین سیکھنے کا شوق تھا' از خود خدمت کرتے تھے' بیت المال ان کا کفیل تھا جب یہ ساری باتیں ایک ایک کر کے ختم ہو گئیں تو تعلیم قرآن کو باقی رکھنے کے لیے متاخرین نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور تعلیم قرآن ہو یا قراۃ قرآن اس میں لی گئی رقم کو بطور اس کے معاوضہ کے نہیں بلکہ اپنے وقت کے خرچ کرنے کی اجرت کی نیت سے لینا چاہیے اگر مدرس اور معلم اتنا وقت کسی اور کام میں صرف کرتا تو اس کی ضروریات پورا ہونے کا طریقہ تھا لیکن تعلیم و تدریس قرآن میں صرف ہونے والے وقت میں مدرس صرف یہی نیک کام کر سکتا ہے اس لیے اس وقت کے صرف کرنے پر اسے وقت کا معاوضہ سمجھ کر دیا جائے نہ کہ تعلیم قرآن اور قراۃ قرآن کا معاوضہ سمجھ کر پھر علامہ رملی کے بقول یہ یوں بھی اجرت بنتی ہی نہیں کیونکہ شرائط اجرت اس میں موجود نہیں اور صدقہ و زکوۃ اس لیے نہیں کہ لینے والے بعض دفعہ خود صاحب نصاب ہوتے ہیں لہٰذا یہ مالی اعانت ہے جو پابندی وقت کی بناء پر دی جا رہی ہے سو اگر کسی مدرس کو کوئی مجبوری یا ضرورت پیش آ جائے اور وہ کسی دن نہ آ سکے تو اس کی مقررہ تنخواہ کی کٹوتی نہیں ہوگی معلوم ہوا کہ تمام فقہاء احناف اس پر متفق ہیں کہ تعلیم قرآن کی اجرت لینا اور دینا جائز ہے۔

حنبلی فقہاء کرام بھی تعلیم قرآن کی اجرت لینے پر جواز کے قائل ہیں

و قد قال رسول الله ﷺ "احق ما اخذتم عليه اجرا كتاب الله" حديث صحيح و ثبت ان ابا سعيد رقى رجلا بفاتحة الكتاب على جعل فبرأ واخذ اصحابه الجعل فاتوا به الى رسول الله ﷺ فاخبروه و سألوه فقال لعمرى لمن اكل برقية باطل لقد اكلت برقية حق كلوا واضربوا لى معكم سهم واذا جاز اخذ الجعل جاز اخذ الاجرة لانه فى معناه ولانه يجوز اخذ الرزق عليه من بيت المال فجاز اخذ الاجر عليه كبناء المساجد والقناطير ولان الحاجة تدعوا الى ذالك فانه يحتاج الى الاستنابة فى الحج عمن وجب عليه الحج و عجز عن فعله. (المغنی مع شرح الکبیر ج ۶ ص ۱۵۰ مسئلہ نمبر ۴۳۲۳ اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کتاب اللہ پر لیا گیا اجر تمام اجور سے زیادہ حق رکھتا ہے" یہ صحیح حدیث ہے اور ثابت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو فاتحہ پڑھ کر دم کیا جس کی آپ نے اجرت مقرر کر لی تھی وہ تندرست ہو گیا ان کے ساتھیوں نے وہ اجرت لی اور حضور ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے واقعہ سنایا اور اس اجرت لینے کا مسئلہ پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی عمر کی قسم! کچھ وہ ہیں جو باطل جھاڑ پھونک سے کماتے کھاتے ہیں تو نے تو حق جھاڑ پھونک کی اجرت لی ہے کھاؤ اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھ لینا جب معاوضہ جائز ہے تو اجرت بھی لینا جائز ہوا کیونکہ دونوں ملتی جلتی باتیں ہیں اور اس لیے بھی کہ تعلیم قرآن پر بیت المال سے وظیفہ دینا جائز ہے لہٰذا تعلیم قرآن کی اجرت بھی لینا جائز ہوئی جس طرح مسجد کی تعمیر پر اجرت لینا جائز ہے اور اس لیے بھی جائز ہے کہ حاجت اور ضرورت اس کی وجہ بنتی ہے جو شخص صاحب استطاعت ہو اور اس پر حج فرض ہو چکا ہو لیکن وہ ادائیگی حج سے عاجز آ جائے تو اس کی طرف سے حج بدل کروانا پڑتا ہے یونہی تعلیم قرآن پر بھی اجرت کا جواز بنتا ہے۔

قارئین کرام! تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز پر صاحب مغنی نے حدیث صحیح سے حضور ﷺ کا زبان اقدس سے اسے ''بہترین اجرت'' قرار دیا اور پھر اس اجرت و معاوضہ میں سے اپنے لیے بھی کچھ نکالنے کا ارشاد فرمایا اگر یہ ناجائز اور حرام ہوتی تو کیا سرکار دو عالم ﷺ اسے ''بہترین اجرت'' قرار دیتے اور حرام و ناجائز اپنے لیے نکالنے کو کہتے؟ چونکہ تعلیم قرآن ایک نیک کام ہے اور بہت سے نیک کاموں کو اجرت و معاوضہ لے کر کرنا بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ بیت المال سے قاضی اور حاکم وقت یا معلمین کی تنخواہ' مسجد بنانے والے معمار کی اجرت' حج بدل کرنے کے لیے جانے والے کو معاوضہ و اجرت دے کر حج کرانا' جب یہ کام اجرت پر کرنے جائز ہیں تو تعلیم قرآن بھی جائز ہے۔

فقہ شافعی بھی تعلیم قرآن کی اجرت لینے کو جائز قرار دیتی ہے

(فرع) یجوز ان یاخذ الاجرة علی تعلیم القرآن او سورة منه مع تعینها او قدر منه مع تعینه و تحدیده کما یجوز ان یاخذ الاجرة علی تعلیم الفقه والحدیث و نحوهما ان کان محتاجا وهو وجه فی المذهب ولا یصح الاستیجار علی القرأة علی الموتی لنصه فی الام حیث قال ان القراء ة لا تحصل له وقال الشربینی فی المغنی الاجازة للقرآن علی القبر مدة معلومة او قدرا معلوما جائزة للانتفاع بنزول الرحمة حیث القرآن و یکون المیت کالحی الحاضر سواء اعقب القرآن بالدعاء ام جعل قرأته له ام لا فتعود منفعته القرآن الی المیت فی ذالک ولان الدعاء یلحقه و هو بعدها اقرب الی الاجابة واکثر برکة ولانه اذا جعل اجرة الحاصل بقراء ة المیت فهو دعاء بحصول الاجر فینفع به فقول الشافعی رضی الله عنه ان القراء ة لا تحصل له محمول علی غیر ذالک وقد افتی الشهاب الرملی بذالک وافاده ولده شمس الدین فی نهایة المحتاج. (المجموع شرح المہذب: ج۱۵ص۳۰-۳۱ کتاب الاجارۃ' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

(مسئلہ) تعلیم القرآن یا قرآن کریم کی کوئی ایک سورۃ پڑھانے پر اجرت مقرر کرنا جائز ہے جبکہ اس کی تعیین اور حد بندی ہو (یعنی اتنا وقت پڑھاؤں گا اور اتنی آیات پڑھاؤں گا ان کا اتنا معاوضہ یا اجرت لوں گا) جیسا کہ فقہ اور حدیث کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے جبکہ ضرورت ہو اور ہمارے مذہب (شافعیہ) میں اسی کی تصریح ہے اور مردے کے لیے قرآن کریم پڑھنے والے کو اجرت پر پڑھوانا صحیح نہیں کیونکہ ''کتاب الام'' میں اس کا صاف صاف انکار موجود ہے۔ امام شافعی نے ''کتاب الام'' میں فرمایا: ''بے شک قرأۃ اسے حاصل نہیں ہوتی'' مغنی میں شربینی نے کہا ہے: قبر پر قرآن کریم پڑھنے کے لیے ایک وقت مقررہ تک اور قرآن کریم کا مقررہ حصہ تلاوت کرنا اس کی اجرت لینا جائز ہے کیونکہ قرآن کریم کی تلاوت کی وجہ سے میت پر نزول رحمت ہوگا جس سے اسے نفع حاصل ہوگا اور پھر اس تلاوت کے بعد دعا بھی ہوتی ہے اور تلاوت کے بعد دعا کرنا قبولیت کے بہت نزدیک ہوتا ہے اور اس میں بکثرت برکت ہوتی ہے اور اس لیے جائز ہے کہ جب قرأۃ پر اجرت لی گئی جو قرأۃ میت کے لیے پڑھی گئی تھی تو وہ بھی اجر و ثواب کے حصول کا ایک طریقہ ہے جس سے میت کو ضرور نفع پہنچتا ہے لہٰذا امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ''کتاب الام'' میں ارشاد ''قرأۃ اسے حاصل نہیں ہوتی'' یہ کسی اور صورت پر محمول ہے۔ علامہ شہاب رملی نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور ان کے صاحب زادے شمس الدین نے ''نہایۃ المحتاج'' میں اسے بطور افادہ ذکر کیا ہے۔

فقہ مالکی میں تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ

فان الجعل مما كان موجودا في معاملات الجاهلية واسلاما فاقر النبي ﷺ على فعله ولم يتعرض لا بطاله مع علم بذالک ولا فرق بين ما يبتدا اجازته شروعا و بين ما يقر على اجازته فان الضرورة تدعو الى ذالک اشد مما تدعوا الى الفرائض والمساقات والضرورات مستثناة من الاصول وقد مضى امر المسلمين على ذلک في سائر الامصار على قدم الاوقات والاثار. (مقدمات ابن رشد مع معرفة الكبرى: ج ٣ ص ٢٦٥ ٣ کتاب الاجارة بیروت)

معاوضہ کی وہ صورتیں جو دور جاہلیت اور اسلام میں موجود تھیں پھر حضور ﷺ نے ان کے علم ہوتے ہوئے انہیں برقرار رکھا اور کوئی ردوبدل نہ فرمایا (وہ سب صورتیں جائز ہیں) اس میں کوئی فرق و امتیاز نہیں کہ جن کی اجازت ابتداء عطا ہوئی یا جو پہلے سے چلی آ رہی تھیں ان کی اجازت کو برقرار رکھا کیونکہ ضرورت بنسبت فرائض و مساقات کے ان کی زیادہ پڑتی ہے اور ضرورتیں قوانین و اصول سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ تمام شہروں اور قدیم زمانہ سے یہ معاملہ مسلمانوں میں جاری وساری چلا آ رہا ہے۔

ابن رشد نے فقہ مالکیہ کا موقف پیش کیا اور اسے ہر دور کے مسلمانوں کا عمل قرار دے کر جواز کی تصریح کی تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا یا معاوضہ طے کرنا جائز ہے اور چاروں ائمہ کا اس جواز پر اجماع ہے اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا اور ہے لہٰذا اس گئے گزرے دور میں اسے ناجائز اور شرک کہنا دین کی خدمت نہیں بلکہ لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم سے جاہل رکھنا ہے زمانے کے تغیر و تبدل سے اور ضروریات کے پیش نظر احکام میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اب ضرورت بھی ہے اور جواز کے ویسے ہی دلائل بکثرت ہیں لہٰذا ڈاکٹر عثمانی کا اس کے خلاف لکھنا کوئی وقعت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نوٹ: ڈاکٹر عثمانی ماعلیہ نے مذکورہ رسالہ کے آخر میں "خلاصہ کلام" لکھا۔ پہلے من وعن اس کے الفاظ نقل کرتے ہیں پھر ان پر تبصرہ ہوگا۔

اب قرآن کو تعویذ کی شکل میں فروخت کرنے والوں قرآنی تعلیم پر لوگوں سے اجرت وصول کرنے والوں اور قرآن کی تفسیر لکھ کر بیچنے والوں کو کچھ تو خوف خدا کرنا چاہیے سن رکھو کہ آج جو سزا اس امت کو مل رہی ہے وہ اسی شرک کی پیدائش ہے اور اگر اب بھی ان شرک کی ساری صورتوں سے توبہ کر کے توحید خالص کی طرف پلٹنے کی کوشش نہ کی گئی تو مکمل بربادی یقینی ہے۔ ... آخر میں ہماری پکار یہ ہے کہ کوئی ایسا ہے جو شرک کو مٹانے اور توحید خالص کو پھیلانے کے لیے ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہو اور کہاں ہیں وہ لوگ جو صحابہ کرام کے نقوش قدم کی رہنمائی میں باطل کو مٹا کر حق کے قیام کے لیے ہمارے ہم سفر بنیں۔ شائع کردہ محمد حنیف مسجد توحید روڈ کیماڑی کراچی۔ (تعویذات اور شرک ص ۱۵۔۱۶)

تبصرہ: ڈاکٹر عثمانی نے اپنے کتابچہ کے آخر میں جو رونا رویا اس کے الفاظ آپ نے ملاحظہ کیے۔ قرآن کریم کا تعویذ بنا کر بیچنا شرک بتایا لیکن قرآن کی تفسیر لکھ کر بیچنے کو بھی مشرکانہ فعل قرار دیا بعید نہ تھا کہ وہ خود قرآن کریم کی کتابت طباعت اور اس کے لین دین کو شرک میں لا گھسیٹتا اور جھاڑ پھونک (دم) تو سرے سے ہی چھوڑ دیا ہو سکتا ہے کہ شاید دماغ درست ہو گیا ہو اور یہ بات سمجھ میں آ گئی ہو کہ جب دم کرنے کے جواز و اثبات پر بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں تو اس پر شرک کا فتویٰ جڑنا دور دور تک پہنچے گا چاروں ائمہ مجتہدین اور ان کے پیروتابعین اور صحابہ کرام حتیٰ کہ خود حضور ﷺ بھی اس میں آ جائیں گے بہرحال شرکیہ الفاظ پر مشتمل جھاڑ پھونک اور تعویذات کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور قرآن کریم کے الفاظ اسماء وصفات باری تعالیٰ پر مشتمل جھاڑ پھونک اور تعویذات جائز و مستحب [illegible] ہے کہ امت کو جو سزا مل رہی ہے وہ ڈاکٹر عثمانی

جیسے قرآن و حدیث کی من مانی تشریح کرنے والوں اور آقائے نامدار ﷺ کے عمل و قول کی مخالفت اور اجماع ائمہ و امت سے کٹ کر الگ ہونے والوں کی وجہ سے ہو جبکہ اس کے ہم مشرب و ہم عقیدہ علماء بھی اس مسئلہ میں اس کا ساتھ دینے کے لیے ہرگز تیار نہیں بلکہ وہ تو خود تعویذ دیتے' دم کرتے ہیں اور اس کے فوائد لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ شرک کی مشین جو عثمانی نے چلائی اس سے صرف وہ یا اس کے اندھے پیروکار ہی بچ سکیں گے وہ بھی مشکل لیکن ساری امت کو مشرک بنا دیا ہے۔ اب آخر میں ہم چند احادیث و آثار دم کرنے کے جواز پر پیش کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

دَم کرنے کے اثبات پر حدیث و آثار صحیحہ

حدثنا عمرو بن الحارث حدثنا عبدالله بن سالم عن الزبیدی محمد بن عبدالله حدثنی محمد بن مسلم حدثنی عبدالله بن کعب بن مالک عن ابیه انه قال یا رسول الله ﷺ ارأیت دواء نتداوی به ورقی نسترقی بها و اشیاء نفعلها هل ترد من قدر الله؟ قال یا کعب بل هی من قدر الله.... عمرو بن الحارث حمیصی ثقه و لیس عمرو ابن الحارث المصری.

(صحیح ابن حبان' ج ۷ ص ۲۶۳ حدیث نمبر ۶۰۶۸' ترمذی شریف' ج ۲ ص ۲۸ باب ما جاء فی الرخصۃ' مطبوعہ اردو بازار دہلی)

جناب عبداللہ بن کعب بن مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ ہم بیماریوں کی دواء کرتے ہیں اور جھاڑ پھونک بھی کرتے ہیں اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی مختلف امور کو سرانجام اور حل کرنے کے لیے کرتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو ٹال سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: کعب! بلکہ یہ بھی اللہ کی تقدیر ہی ہے روایت کے راوی عمرو ابن الحارث حمیصی ثقہ ہیں یہ عمرو بن الحارث مصری نہیں۔

ابن حبان اور ترمذی کے حوالہ سے جو روایت مذکور ہوئی اسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے حضور ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ دوائی کھانا' جھاڑ پھونک کرنا اور ان کے علاوہ تکالیف و پریشانی یا خوشی وغیرہ کے حصول کے لیے کوئی ذریعہ اختیار کرنا تقدیر کے لکھے کے خلاف تو نہیں ہے؟ یعنی ایسا کرنا تقدیر میں مداخلت تو نہیں اس کے جواب میں آپ نے جواز ارشاد فرمایا وہ یہ کہ ان تدابیر کو بروئے کار لانا بھی تو مقدر ہو چکا ہے یعنی تقدیر میں یہ بات موجود ہوگی کہ اگر فلاں شخص نے فلاں بیماری میں فلاں حکیم سے یہ دواء کھائی تو اسے آرام ہو جائے گا یا فلاں عامل سے دم کرایا تو مشکل رفع ہو جائے گی گویا یہ اسباب تقدیر کو ٹالتے نہیں بلکہ تقدیر کے مطابق اسے بروئے کار لانے کے لیے ہوتے ہیں لہٰذا جب علاج کرانا' دم کرانا وغیرہ تقدیر کے مطابق ہیں تو انہیں شرک کہنا کیونکر جائز ہو گیا؟ ہاں ڈاکٹر عثمانی کی تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ چودھویں صدی کا ایک دماغ پھر ان جائز کاموں کو شرک کہے گا لہٰذا اس کی تحریرات سے یہ بات نکلنا ہی تھی جو نکل گئی۔

(عن محمد بن الحاطب الجمعی) عن امه ام جمیل بنت المجلل رضی الله عنها قالت اقبلت بک من ارض الحبشة حتی اذا کنت من المدینة علی لیلة او لیلتین طبخت لک طبخا ففنی الحطب فخرجت اطلب فتناولت القدر فافکفات علی ذراعک فاتیت بک النبی ﷺ فقلت

محمد بن حاطب اپنی والدہ ام جمیل سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا میں تجھے حبشہ کی سرزمین سے لے کر مدینہ منورہ آ رہی تھی جب مدینہ منورہ سے ایک یا دو رات کے فاصلہ پر آن پہنچی تو میں نے تیرے لیے کچھ کھانا پکانا شروع کیا لیکن ایندھن ختم ہو گیا میں ایندھن تلاش کرنے چلی گئی پیچھے تو نے ہنڈیا کو ہاتھ مارا تو اس کا گرم گرم پانی تیرے بازو پر گرا (اور بازو جل گیا) میں

بابی و امی یا رسول الله ﷺ هذا محمد بن حاطب فتفل فی فیک و مسح علی راسک و دعالک و جعل یتفل علی یدیک و یقول اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الاشفاءک لایغادر سقما فقالت فما قمت بک من عنده حتی برأت یدک. (فتح الربانی ج ۷ اص ۱۸۲ حدیث نمبر ۱۴۳ مطبوعہ قاہرہ)

جب مدینہ منورہ پہنچی تو تجھے حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے گئی میں نے آپ سے عرض کیا۔ میرے ماں باپ! یا رسول اللہ ﷺ یہ محمد بن حاطب (میرا بیٹا ہے) آپ نے تیرے منہ میں تھتکارا اور تیرے سر پر ہاتھ پھیرا اور تیرے لیے دعا کی اور تیرے ہاتھ بازو پر تھتکارنا شروع کر دیا اور آپ یہ دم پڑھتے جاتے تھے اذهب الباس الخ۔ اے اللہ! اس کی تکلیف دور کر دے اسے شفاء عطا کر کہ تو ہی شافی ہے تیری شفاء کے بغیر کوئی شفاء نہیں ایسی شفاء عطا فرما کہ کوئی کمزوری اور خرابی باقی نہ رہے فرماتی ہیں میں آپ ﷺ کے پاس سے اس وقت تک تجھے لے کر نہ اٹھی جب تک تیرے بازو کو آرام نہ آ گیا۔

معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو اس کے مداوا کے لیے جناب رحمۃ للعالمین کے حضور حاضر ہوتے یہیں سے انہیں جسمانی اور روحانی شفاء نصیب ہوتی تھی لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر عثمانی کو ایسے واقعات والی احادیث و روایات ملنے کے باوجود اسے شرک کہنے کی کس طرح جرأت ہوئی؟ وہ تو مر گیا خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنے ان باطل نظریات سے توبہ نصیب ہوئی یا بن توبہ خاک ہو گیا اب اس کا معاملہ اس کے ساتھ لیکن اس کی تحریرات اور رسالہ جات پڑھنے والے اس کے ہم نواؤں سے میری گذارش ہے کہ حقائق سامنے آنے پر انہیں قبول کر لینا ہی بہادری اور بہتری ہوتی ہے مخالفتِ رسول میں سراسر نقصان ہے اس لیے اپنی عاقبت سنوارنا چاہتے ہو تو حق کو قبول کرو اور باطل کو ٹھکرا دو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضور ﷺ حسنین کریمین کو جناب ابراہیم علیہ السلام والا دم کیا کرتے تھے

(عن ابن عباس) ان رسول الله ﷺ کان یعوذ حسنا و حسینا یقول اعوذ بکلمات الله التامة من کل شیطان و هامة من کل عین لامة وکان یقول کان ابراهیم ابی یعوذبها اسماعیل و اسحاق. (فتح الربانی ج ۷ اص ۱۸۳ باب الفاظ الواردة فی الرقی مطبوعہ مصر ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۶۶ کتاب لطب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو ان کلمات سے دم کرتے تھے۔ "میں اللہ تعالیٰ کے کامل اور تمام کلمات کی برکت سے ہر شیطان اور ہر قسم کے دکھ درد اور ہر نقصان پہنچانے والی آنکھ کے شر سے اس کی پناہ میں دیتا ہوں اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ کلمات ہیں جو میرے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزندوں اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کو دم کیا کرتے تھے۔

نوٹ: اس حدیث کو امام ترمذی نے "حسن صحیح" کہا ہے تو معلوم ہوا کہ دم کرنا (جائز الفاظ سے) سنت ابراہیمی اور سنت محمدی ﷺ ہے اس کے جواز کو شرک اور عدم جواز کو توحید کہنا شیطانی توحید تو ہو سکتی ہے لیکن جس توحید کا پرچار حضرات انبیاء نے کیا اس سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔

عثمان بن ابی العاص کا اپنے اہل و عیال کو حضور ﷺ کا بتلایا ہوا دم کرنا

(عن عثمان بن العاص) قال اتانی رسول الله

حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

ﷺ وبی وجع قد کاد یھلکنی فقال لی رسول اللہ ﷺ امسحہ بیمینک مرات و قل اعوذ بعزۃ اللہ و قدرتہ من شرما اجد. (وفی روایۃ فی کل مسحۃ) قال ففعلت ذالک فاذھب اللہ ما کان بی فلم ازل امر بہ اھلی و غیرھم.

(فتح الربانی: ج ۱۷ص۱۸۳باب الفاظ الواردۃ فی الرقیۃ ابوداؤد: ج۲ص۱۸۷باب کیفیۃ الرقیہ)

میں ایک دفعہ سرکار ابد قرار ﷺ کے حضور حاضر ہوا مجھے اتنی تکلیف تھی کہ جس سے میں ہلاک ہو جانے کا خطرہ محسوس کرتا تھا مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنا دایاں ہاتھ بار بار پھیرو اور پڑھتے جاؤ اعوذ بعزۃ اللہ الخ۔ میں اللہ تعالیٰ کی عزت اور اس کی قدرت کے ساتھ اس بیماری کی شرارت سے پناہ چاہتا ہوں (ایک روایت میں ہے کہ ہر مرتبہ ہاتھ پھیرتے وقت) بیان کرتے ہیں کہ میں نے یونہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرا دکھ درد دور فرما دیا میں یہی دم اپنے گھر والوں اور دوسروں کو کرنے کا کہا کرتا تھا۔

نظر بد کے لیے حضور ﷺ کا دم شریف

عن عائشہ رضی اللہ عنھا ان النبی ﷺ امرھا ان تسترقی من العین (وعنھا ایضاً) قالت دخل النبی ﷺ فسمع صوت صبی یبکی فقال ما یصیبکم ھذا یبکی فھلا استرقیتم لہ من العین. (وعنھا ایضاً) قالت کنت ارقی رسول اللہ ﷺ من العین فاضع یدی علی صدر امسح البأس رب الناس بیدک الشفاء لا کاشف لہ الا انت. فتح الربانی: شرح مسند امام احمد بن حنبل: ج ۱۷ص۱۹۲ مطبوعہ قاہرہ موطا امام محمد ص۳۷۴ باب الرقی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ترمذی شریف: ج۲ص۸۸ امین کمپنی اردو بازار دہلی)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ نظر بد کا دم کیا کرو اور مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے فرماتی ہیں سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے تو ایک بچے کے رونے کی آواز آپ کو سنائی دی ارشاد فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے بچہ رو رہا ہے اسے نظر بد کا دم کیوں نہیں کرتے؟ اور سیدہ ہی بیان کرتی ہیں کہ میں جناب رسول کریم ﷺ کو نظر کا دم کیا کرتی تھی میں اپنا ہاتھ آپ کے سینہ مبارکہ پر رکھتی اور ہاتھ پھیرتی اور پڑھتی اے لوگوں کے پالنے والے! تیرے ہی پاس شفاء ہے جس کو صرف تو ہی دے سکتا ہے۔

روایت مذکورہ میں بھی روتا ہوا بچہ دیکھ کر آپ نے حاضرین کو نظر کا دم کرنے پر ابھارا لہٰذا ایسے موقعہ پر ہمیں بھی قرآنی کلمات یا معوذتین یا دعائے نبویہ میں جو یاد ہو پڑھ کر دم کر دینا چاہیے۔ دم کو شرک کہنے والے دراصل سرکار دو عالم ﷺ کے قول و فعل کے مخالف ہیں جس سے ان کی رسوائی مقدر بن چکی ہے۔

دم جبریل سے حضور ﷺ کا شفاء پانا اور پھر آپ کا وہ دم عبادہ بن صامت کو سکھانا

عن عبادہ بن الصامت قال دخلت علی رسول اللہ ﷺ اعودہ و بہ من الوجع ما یعلم اللہ تبارک و تعالی بشدتہ ثم دخلت علیہ من العشی و قد بری احسن برء فقلت لہ دخلت علیک غدوۃ و بک من الوجہ ما یعلم اللہ بشدتہ و دخلت علیک العشیۃ فقد برأت فقال یا ابن الصامت ان جبریل علیہ السلام رقانی برقیۃ برأت

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا آپ کو اس وقت اس قدر سخت تکلیف تھی جس کی شدت خدا ہی جانتا ہے میں جب شام کو دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو آپ اچھی طرح تندرست ہو چکے تھے میں نے عرض کیا حضور! صبح حاضر ہوا تھا تو آپ انتہائی سخت تکلیف میں تھے جس کی شدت خدا ہی جانتا ہے اور اب پچھلے پہر حاضر ہوا تو آپ بالکل تندرست دکھائی دے رہے

الا اعلمکها؟ قلت بلی قال بسم الله ارقیک من کل شئی یؤذیک من حسد کل حاسد و عین بسم الله یشفیک. (فتح الربانی: ج ۱۷ص ۱۷۹۔۱۸۰ مطبوعہ قاہرہ)

ہیں۔ فرمانے لگے: اے ابن صامت! جبریل علیہ السلام نے مجھے ایک قسم کا دم کیا تھا جس سے میں ٹھیک ہو گیا کیا تمہیں وہ دم بتا دوں؟ میں نے عرض کیا ضرور۔ فرمایا: کہو۔ بسم اللہ الخ اللہ کے نام سے ہر اس چیز کا آپ کا دم کرتا ہوں جو آپ کو تکلیف دیتی ہے ہر حسد کرنے والے کے حسد سے اور نظر بد سے اللہ کے نام سے وہی آپ کو شفاء دیتا ہے۔

عن عبدالعزیز قال دخلت انا و ثابت علی انس بن مالک فقال ثابت یا ابا حمزہ اشتکیت فقال انس الا ارقیک برقیۃ رسول الله ﷺ قال بلی قال اللهم رب الناس اذهب البأس اشف انت الشافی لا شافی الا انت شفاء لا یغادر سقماً۔ (صحیح بخاری ج ۲ص ۸۵۵ باب رقیۃ النبی ﷺ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ میں اور ثابت دونوں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے تو جناب ثابت بولے اے ابوحمزہ! مجھے کچھ تکلیف ہے پس حضرت انس نے کہا کیا میں تمہیں وہی دم نہ کروں جو رسول اللہ ﷺ کا دم ہے؟ عرض کی ضرور چنانچہ حضرت انس نے پڑھا اللھم رب الناس الخ اے اللہ! لوگوں کے پالنے والے! تکلیف و پریشانی کو دور کرنے والے! شفاء عطا فرما' تو ہی شفاء عطا فرمانے والا ہے' تیرے سوا کوئی شافی نہیں ہے' ایسی شفاء عطا ہو کہ اس کے بعد کوئی کمزوری اور خرابی نہ رہنے پائے۔

نوٹ: امام بخاری نے ایسی احادیث کے لیے "باب رقیۃ النبی" کے نام سے عنوان باندھا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس باب میں ان احادیث کو ذکر کیا جائے گا جن میں حضور ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے ایسے کلمات درج ہوں گے جن سے آپ دم کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دم کرنا سنت نبوی ﷺ ہے' شرک و بدعت اس کے قریب تک نہیں پھٹک سکتے۔

موت کے علاوہ ہر مرض کے لیے ایک دم

عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال من دخل علی مریض فقال اسئال الله العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک سبع مرات الاشفع مالم یحضره اجله.
(المعجم الصغیر ص ۹ باب الالف من اسم احمد' مطبوعہ ھند)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی بیمار کے پاس جائے تو یوں کہے اسئال اللہ العظیم اللہ عرش عظیم کے مالک سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفاء یاب فرمائے یہ سات مرتبہ پڑھے اگر موت نہ آئی ہو تو اسے شفاء کامل مل جائے گی۔

قارئین کرام! حضرت عبادہ بن صامت والی روایت کے مطابق انہیں خود حضور ﷺ نے فرمایا: یہ وہ دم ہے جو جبریل علیہ السلام نے مجھ پر کیا تھا اور مجھے آرام آ گیا تھا پھر وہی دم حضرت عبادہ بن صامت نے بھی آپ ﷺ سے سیکھا اس واقعہ میں دیکھنا یہ ہے کہ کیا جبریل خود دم کرنے آئے تھے یا انہیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا؟ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے بھیجنے سے حاضر ہوئے اور جن کلمات سے انہوں نے دم کیا اگر دم کرنا ہی شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ شرک کی تعلیم کے لیے یا شرک کرنے کے لیے جبریل کو بھیج رہا ہے اور پھر وہی شرکیہ بات حضور ﷺ جناب عبادہ بن صامت کو سکھلا رہے ہیں اور عبادہ بن صامت اپنے اہل و عیال اور دیگر افراد کو اس کی تعلیم دے رہے ہیں کیا یہ سب کچھ شرک پھیلایا جا رہا ہے دم کو شرک کہنے والے ان امور میں سے کسی ایک کا جواب دینے کی

ہمت تو کریں اب جو شخص دم کو مطلقاً خواہ وہ کلمات قرآنیہ یا اسماء وصفات الٰہیہ پر مشتمل ہو اسے شرک کہتا ہے اس کے بارے میں روایت بالا کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ شرک کہنے والا خود کیا ہے؟ ''طبرانی صغیر'' کی روایت میں موت کے علاوہ ہر مرض کا شافی دم مذکور ہوا یہ حدیث بھی صحیح ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دم نفع دیتا ہے' بیماری دور کرتا ہے' پریشانی حل کرتا ہے' صرف موت ہے جو ٹل نہیں سکتی موت کے سوا ہر مرض وتکلیف میں نفع بخش ہونا اس کا علم سرکار دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتایا ہوگا تبھی آپ نے اس کے بارے میں واضح اعلان فرمایا' اسے شرک کہنے والا رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے اور باغی ہے۔ دم کرنا' سکھانا اور اس کی تاثیر بامر اللہ کا نظریہ مطابق سنت ہے۔ ڈاکٹر عثمانی اور اس کے متبعین نہ جانے ایسی صریح احادیث کو جھٹلا کر دور جاہلیت کے شرکیہ الفاظ والے دم پر سب قیاس کر کے شرک کہنے میں ذرا بھی شرم وحیا محسوس نہیں کرتے یہ لوگ دراصل احادیث کے منکر ہوتے ہیں لیکن کھل کر یہ کہہ نہیں سکتے اگر قرآن ہی فقط کافی ہے تو گدھے کی حرمت قرآن سے دکھائی جائے۔ حضور ﷺ نے یہ کہہ کر فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے دو گنے علوم عطا فرمائے۔ (بحوالہ مشکوٰۃ)

تبصرہ: ڈاکٹر عثمانی کے رسالہ ''تعویذات اور شرک'' میں دو باتوں پر اس نے بڑا زور دے کر شرک ثابت کرنے کی کوشش کی تعویذ اور تعلیم قرآن کی اجرت ہم نے اس کے دلائل اور پیش کردہ احادیث پھر ان کی شروح سے صحیح مؤقف بیان کر دیا ہے جس سے حقیقت حال سمجھنے میں کوئی دقت نہیں رہ جاتی۔ اس کی کتاب اور اس کے دلائل' کذب اور بے ایمانی کا پلندہ ہیں دونوں تحریروں کا موازنہ کرنے پر آپ حق وباطل کے مابین امتیاز کر سکیں گے۔ ڈاکٹر نے اس رسالہ کے علاوہ بھی چند ایسے ہی گمراہ کن رسائل لکھے جن میں ایسے اعمال وافعال کو شرکیہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جو تمام مکاتب فکر کے علماء کا معمول ہیں ان کا رد بھی کوئی مشکل نہیں لیکن ''موطا امام محمد'' کے الرقیہ کی تشریح میں یہ موضوع آ گیا تھا اس لیے اس موقعہ کی مناسبت سے یہ چند اوراق حقیقت حال کی وضاحت اور باطل کے بطلان پر تحریر کر دیئے۔ ختم شد۔

٣٩٥- بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْفَالِ وَالْإِسْمِ الْحَسَنِ

مستحب فال اور اچھے نام کا بیان

٨٦٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلِقْحَةٍ عِنْدَهُ مَنْ يَحْلُبُ هٰذِهِ النَّاقَةَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ مَا اسْمُكَ فَقَالَ لَهُ مُرَّةُ قَالَ اِجْلِسْ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَحْلُبُ هٰذِهِ النَّاقَةَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ مَا اسْمُكَ قَالَ حَرْبٌ قَالَ اِجْلِسْ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَحْلُبُ هٰذِهِ النَّاقَةَ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ يَعِيْشُ قَالَ اُحْلُبْ.

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے خبر دی کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ اپنی اونٹنی کے بارے میں حاضرین سے فرمایا: اسے کون دوہے گا؟ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا میں' آپ ﷺ نے اس سے اس کا نام پوچھا' عرض کیا میرا نام مرۃ ہے فرمایا بیٹھ جاؤ پھر دوسری مرتبہ پوچھا اس اونٹنی کا دودھ کون نکالے گا؟ پھر ایک آدمی کھڑا ہوا آپ نے اس سے بھی پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا حرب' فرمایا تم بھی بیٹھ جاؤ پھر دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون دوہے گا؟ تیسرا شخص کھڑا ہوا آپ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا یعیش فرمایا چلو دوہو۔

حدیث بالا میں مرۃ اور حرب نام والے دو اشخاص کو آپ ﷺ نے اپنی ناقہ کا دودھ نکالنے نہ دیا۔ شارحین کرام نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان دونوں الفاظ کے معانی حضور ﷺ کو ناپسند لگے اور ناپسندیدہ نام والے سے آپ نے کام نہ لے کر

اس طرف اشارہ فرمایا کہ نام کی برائی یا اچھائی کا شخصیت کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور یہ بھی کہ برے نام بدشگونی کے حامل ہوتے ہیں لہٰذا ایسے ناموں سے اجتناب برتنا ضروری ہے۔ تیسرے نام والے یعنی یعیش نامی شخص کو آپ نے دودھ دوہنے کی اجازت مرحمت فرمائی جس سے اچھے نام اوران سے نیک شگون کا مسئلہ سامنے آتا ہے "مرۃ" کا معنی کڑوا اور "حرب" کا معنی جنگ ہے گویا جس آدمی کا نام کڑوا یا جنگ وجدل ہے اس سے مٹھاس اور صلح وصفائی کی امید رکھنا اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ کتب احادیث میں ہمیں ایسے کئی نام ملتے ہیں جن کے معانی میں برائی یا بدشگونی تھی جس کی بناء پر حضور ﷺ نے انہیں تبدیل کر کے ان کی بجائے نیک واچھے معانی والے اور نیک شگون والے نام تجویز فرمائے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

برے اور بدشگونی پر مشتمل ناموں کو حضور ﷺ نے تبدیل فرمادیا

عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله ﷺ لا تسمين غلامک يسار ولا رباحا ولا نجيحا ولا افلح فانک تقول اثم هو فلا يكون فيقول لا رواه مسلم و فی رواية له قال لا تسم غلامک رباحا ولا يسارا ولا افلح ولا نافعاً.

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے غلام کا نام یسار، رباح، نجیح اور افلح ہرگز نہ رکھو۔ کیونکہ تم کسی وقت پوچھو گے کیا وہ وہاں ہے؟ جب وہ نہیں ہوگا تو جواب ملے گا نہیں ہے (مثلاً پہلا نام لے کر مولی پوچھتا ہے یسار ہے؟ جس کا معنی یہ کہ یہاں آرام اور سہولت ہے تو جواب دینے والا جب یسار کو وہاں نہ پائے گا تو کہے گا یسار یہاں نہیں یعنی (اس گھر میں کوئی آرام وعافیت نہیں) اسے مسلم نے روایت کیا۔ ان کی ہی ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم اپنے غلام کا نام رباح، یسار، افلح اور نافع نہ رکھو۔

عن جابر قال اراد النبی ﷺ ان ينهى عن ان يسمّى بيعلى و ببركة وبافلح و بيسار و بنافع و بنحو ذالک ثم رأيته سكت بعد عنها ثم قبض ولم ينه عن ذالک رواه مسلم.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یعلی، برکت، افلح، یسار، نافع وغیرہ ان سے ملتے جلتے ناموں سے منع فرمایا میں نے اس کے بعد دیکھا کہ آپ وصال شریف تک اس بارے میں خاموش رہے اور دوبارہ منع نہیں فرمایا اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اخنى الاسماء يوم القيامة عند الله رجل يسمّى ملک الاملاک رواه البخاری و فی رواية مسلم قال اغيظ رجل على الله يوم القيامة واخبثه رجل كان يسمّى ملک الا ملاک لاملک الا الله.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین نام یہ ہے کہ کوئی "ملک الاملاک" نام رکھے اسے بخاری نے روایت کیا اور مسلم کی روایت میں ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی خبیث اور غیظ وغضب کے لائق وہ شخص ہوگا جو ملک الاملاک کہلائے گا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کون بادشاہ ہے؟

عن زينب بنت ابی سلمی قال سميت برة فقال رسول الله ﷺ لا تزكوا انفسكم الله اعلم باهل البر منكم سموها زينب رواه مسلم.

زینب بنت ابی سلمہ بیان کرتی ہیں: کہ میرا نام برہ رکھا گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے آپ کو بہت ستھرا نہ کہو خدا تم میں سے ستھروں کو خوب جانتا ہے تم اس کا نام زینب رکھو۔

عن ابن عباس قال كانت جويرية اسمها برة فحول رسول الله ﷺ اسمها جويرية و كان يكره ان يقال خرج من عند برة رواه مسلم.

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جویریہ کا پہلا نام برہ تھا جسے تبدیل کر کے حضور ﷺ نے جویریہ رکھا آپ اسے ناپسند سمجھتے تھے کہ کوئی یہ کہے کہ مجھ سے نیکی چلی گئی۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عن ابن عمر بنتا كانت لعمر يقال له عاصية فسماها رسول الله ﷺ جميلة رواه مسلم.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا' حضور ﷺ نے اس کا نام جمیلہ رکھا اسے مسلم نے روایت کیا۔

عن سهل بن سعد قال اتى بالمنذر ابن ابى اسيد الى النبى ﷺ حين ولد فوضعه على فخذه فقال ما اسمه قال فلان قال لا لكن اسمه المنذر متفق عليه. (مشکوۃ شریف باب الاسامی: ص ۴۰۷' مطبوعہ اصح المطابع نور محمد آرام باغ کراچی)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ منذر ابن ابی اسید کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں لایا گیا جب وہ پیدا ہوئے تو آپ نے اسے اپنی ران پر بٹھایا پھر پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ کہا فلاں' فرمایا: نہیں اس کا نام منذر ہے اسے بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا۔

مختصر یہ کہ حضور ﷺ نے جو نام تبدیل فرمائے کتب احادیث میں ان کا ذکر ملتا ہے جن میں سے یہ بھی ہیں۔

(۱) احرم (کاٹنے والا فسادی)

(۲) عزیز (غالب)

(۳) عطلہ (تندمزاج)

(٤) شیطان (ابلیس لعین کا اسم صفت یعنی رحمت سے دور)

(٥) الحکم (ہمیشہ رہنے والا)

(٦) غراب (کوا اور نہایت مکار)

(۷) حباب (شیطان کا ایک نام)

(۸) شہاب (آگ کا انگارا اور شیطان کو مارا جانے والا ستارہ)

بہر حال ان میں سے بعض ناموں میں خودنمائی اور بعض میں معانی کی برائی اور کچھ میں بدفالی پائی جاتی ہے ان اسباب کی وجہ سے ان کو تبدیل کر دیا گیا ان کے مقابلہ میں ایسے نام جن میں تواضع وانکساری' نیکی اور اچھائی اور نیک شگون پایا جاتا ہو ایسے نام رکھنے باعث برکت وسنت نبویہ کے مطابق ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۹٦- بَابُ الشُّرْبِ قَائِمًا

کھڑے ہو کر پانی پینے کا بیان

٨٦٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ وَسَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ كَانَا لَا يَرَيَانِ بِشُرْبِ الْاِنْسَانِ وَهُوَ قَائِمٌ بَاسًا.

ہمیں امام مالک نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے بتایا کہ سیدہ عائشہ ام المؤمنین اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما انسان کے کھڑے ہو کر کچھ پینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

٨٦٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ مُخْبِرٌ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ

ہمیں امام مالک نے بتایا' وہ کہتے ہیں: مجھے کسی بتانے والے نے بتایا کہ عمر بن خطاب' عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب رضی

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کَانُوْا یَشْرَبُوْنَ قِیَامًا۔

اللہ عنہم کھڑے ہو کر پیتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ لَانَرٰی بِالشُّرْبِ قَائِمًا بَأْسًا وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَالْعَامَّۃِ مِنْ فُقَھَائِنَا رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی ہمارا مسلک ہے' ہم کھڑے ہو کر پینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

قارئین کرام! کھڑے ہو کر پینے کے بارے میں مذکورہ بالا اقوال صحابہ وائمہ اس معنیٰ میں ہیں کہ کھڑے ہو کر پینے میں کوئی حرمت نہیں اور ایسے بھی پیا جا سکتا ہے اور سیدنا عمر فاروق' حضرت عثمان غنی اور مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو وارد ہوا کہ وہ کھڑے ہو کر پیتے تھے' تو اس کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ کھڑے ہو کر بھی پی لیتے تھے اسے ناجائز وحرام نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ کا فرمانا کہ ہم کھڑے ہو کر پینے میں کوئی حرج نہیں دیکھتے اور یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے' تو اس کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ اس میں کوئی حرمت وممانعت نہیں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ صحابہ کرام کھڑے ہو کر ہی پیتے اور اسی کو بہتر جانتے تھے نہ ہی اس کا یہ مفہوم ہے کہ بیٹھ کر پینے میں کوئی فضیلت نہیں۔

حق یہ ہے کہ پانی بیٹھ کر ہی پینا چاہیے' نبی اکرم ﷺ سے اگرچہ کھڑے ہو کر پینا بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پیا اور فرمایا: بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں' حالانکہ میں نے خود نبی اکرم ﷺ کو کھڑے ہو کر پیتے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الاشربہ باب ۱۶) مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی یہی کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی کھڑے ہو کر پیتا ہے تو اس پر حرمت کا فتویٰ نہ لگایا جائے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی کھڑے ہو کر پیا تھا' آپ یہ ہرگز نہیں کہنا چاہتے کہ کھڑے ہو کر پینے کی عادت بنائی جائے اور بیٹھ کر پینے کی کچھ فضیلت واہمیت نہ سمجھی جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں بعض اوقات کھڑے ہو کر پیا ہے تاکہ اس کا جواز معلوم ہو جائے وہاں آپ نے بیٹھ کر پینے ہی کو پسند فرمایا ہے بلکہ کھڑے ہو کر پینے کو ناپسند رکھا ہے۔

کھڑے ہو کر پینے کی کراہت پر احادیث

عن انس ان النبی ﷺ زجر عن الشرب قائما. (صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب ۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے ڈانٹا ہے۔

عن قتادۃ عن انس ان النبی ﷺ نھی ان یشرب الرجل قائما قال قتادۃ فقلنا فالا کل؟ قال ذاک اشر و اخبث. (صحیح مسلم باب ۱۳ کتاب الاشربہ)

حضرت قتادہ تابعی' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی کے کھڑے ہو کر پینے سے روکا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں ہم نے حضرت انس سے عرض کیا کہ کھڑے ہو کر کھانے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: وہ اس سے بھی بدتر و خبیث تر ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یشربن احد کم قائما فمن نسی فلیستقی. (حوالہ مذکورہ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو کر نہ پیئے اور جو بھول کر پی لے وہ قے کر دے۔

یہاں یہ یاد رہے کہ ان احادیث میں نبی اکرم ﷺ کا کھڑے ہو کر پینے سے نہی فرمانا نہی تنزیہی ہے' نہی تحریمی نہیں کیونکہ آپ نے بعض اوقات خود کھڑے ہو کر ... [illegible]

۳۹۷- بَابُ الشُّرْبِ فِیْ اٰنِیَۃِ الْفِضَّۃِ

چاندی کے برتنوں میں پینا

۸۶۷- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ زَیْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنَّ الَّذِیْ یَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَۃِ الْفِضَّۃِ اِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِہٖ نَارَ جَھَنَّمَ.

امام مالک نے ہمیں بتایا' وہ کہتے ہیں: ہمیں نافع نے خبر دی' انہیں زید بن عبد اللہ بن عمر نے خبر دی اور انہیں عبد اللہ بن عبدالرحمان بن ابی بکر نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر کے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں نارِ جہنم انڈیلتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ یُکْرَہُ الشُّرْبُ فِیْ اٰنِیَۃِ الْفِضَّۃِ وَالذَّھَبِ وَلَا نَرٰی بِذٰلِکَ بَاْسًا فِی الْاِنَاءِ الْمُفَضَّضِ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَالْعَامَّۃِ مِنْ فُقَھَائِنَا رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی ہمارا مسلک ہے کہ چاندی اور سونے کے برتن میں پینا مکروہ (تحریمی ہے)۔ البتہ چاندی کے پان چڑھے برتن میں پینے میں ہم کوئی حرج نہیں دیکھتے اور امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے۔

قارئین کرام! چاندی کے برتن ہوں یا سونے کے ان میں کھانا پینا تمام ائمہ کے نزدیک حرام ہے' مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی۔ اس پر حدیث میں کثیر وعیدات وارد ہوئی ہیں۔

سیم وزر کے برتنوں میں خورد ونوش کی حرمت پر احادیث

متن میں مذکور حدیث' حدیث مشہور ہے۔ اسے بخاری' مسلم' طبرانی' احمد اور قریباً تمام کتب صحاح ستہ نے ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں بھی اس بارے میں احادیث وارد ہیں مثلاً:

عن ابن ابی لیلی قال خرجنا مع حذیفۃ وذکر النبی ﷺ قال لا تشربوا فی انیۃ الذھب والفضۃ ولا تلبسوا الحریر والدیباج فانھا لھم فی الدنیا ولکم فی الاخرۃ. (صحیح بخاری' کتاب الاشربہ باب ۲۷)

ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ ایک بار ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر پہ نکلے' نبی ﷺ کا ذکر ہوا تو انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چاندی اور سونے کے برتن میں مت کھاؤ اور ریشم و دیباج مت پہنو کہ یہ کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں۔

عن ابن ابی لیلی قال کان حذیفۃ بالمدائن فاستسقی فاتاہ دھقان بقدح فضۃ فرماہ بہ فقال انی لم ارمہ بہ الا انی نھیتہ فلم ینتہ وان النبی ﷺ نھانا عن الحریر والدیباج والشرب فی انیۃ الذھب والفضۃ وقال ھن لھم فی الدنیا وھن لکم فی الاخرۃ. (حوالہ مذکورہ)

ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں موجود تھے' آپ نے پینے کو پانی مانگا' ایک دیہاتی چاندی کے پیالہ میں پانی لے آیا' آپ نے اسے دور پھینک دیا۔ اور فرمایا: میں نے اس لیے پھینکا ہے کہ میں نے اسے منع کیا مگر یہ باز نہ آیا جبکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ریشم و دیباج پہننے اور چاندی سونے کے برتن میں پینے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا کہ یہ چیزیں کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں۔

یاد رہے سونا چاندی کے چمچے سے کھانا' اس کی سلائی یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا' سنہری و نقرئی قلم سے لکھنا یا ایسے لوٹے سے وضو کرنا یا ایسی کرسی پہ بیٹھنا سب ممنوع ہے۔

۳۹۸- بَابُ الشُّرْبِ وَالْاَكْلِ بِالْيَمِيْنِ

دائیں ہاتھ سے کھانا پینا

۸۶۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَاْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَاْكُلُ بِشِمَالِهٖ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهٖ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن شہاب نے بتلایا' انہیں ابوبکر بن عبید اللہ نے بتلایا اور انہیں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور پئے تو دائیں ہاتھ سے پئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّاْكُلَ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبَ بِشِمَالِهٖ اِلَّا مِنْ عِلَّةٍ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا مسلک ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے نہ پئے سوا اس کے کہ اسے کوئی علت ہو۔

شیطان کا بائیں ہاتھ سے کھانا اور پینا دو معنی رکھتا ہے ایک یہ کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانے پینے پر اپنے ساتھیوں کو اکساتا ہے دوسرا یہ کہ واقعتاً وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے اور یہی معنی درست تر ہے۔ کیونکہ شیطان جنات میں سے ہے اور جنات کھاتے پیتے ہیں وہ ہڈیاں اور گوبر وغیرہ کھاتے ہیں تو ممکن ہے وہ بائیں ہاتھ سے کھاتے ہوں اور جب حدیث کو حقیقت پر محمول کیا جاتا ہے تو مجازی معنی مراد لینے کی کیا ضرورت ہے؟

۳۹۹- بَابُ الرَّجُلِ يَشْرَبُ ثُمَّ يُنَاوِلُ مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ

ایک شخص کچھ پی کر باقی ماندہ اپنے دائیں طرف بیٹھنے والے کو دے

۸۶۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيْبَ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ اَعْرَابِيٌّ وَعَنْ يَسَارِهٖ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَشَرِبَ ثُمَّ اَعْطَى الْاَعْرَابِيَّ ثُمَّ قَالَ الْاَيْمَنُ فَالْاَيْمَنُ.

ہمیں امام مالک نے بتایا' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن شہاب نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ لایا گیا جو پانی سے ملا ہوا تھا' آپ کے دائیں طرف ایک دیہاتی بیٹھا تھا اور بائیں طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' آپ نے دودھ پی کر باقی ماندہ اعرابی کو دے دیا اور فرمایا جو اس کے بعد دائیں طرف والے ہیں' انہیں کے بعد دیگرے دیا جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی ہمارا مسلک ہے۔

۸۷۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهٖ اَشْيَاخٌ فَقَالَ لِلْغُلَامِ اَتَاْذَنُ لِيْ فِيْ اَنْ اُعْطِيَهٗ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اُوْثِرُ بِنَصِيْبِيْ مِنْكَ اَحَدًا' قَالَ فَتَلَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ يَدِهٖ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں: انہیں ابو حازم نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث لی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مشروب لایا گیا' آپ نے اس میں سے پیا' آپ کے دائیں طرف ایک چھوٹا بچہ بیٹھا تھا اور بائیں طرف بزرگ لوگ' آپ نے بچے سے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ یہ بچا ہوا (پہلے) انہیں دوں؟ اس نے کہا: نہیں' بخدا میں آپ کا

بچا ہوا کسی کو نہیں دوں گا' خود ہی پیوں گا' رسول اللہ ﷺ نے پیالہ اسے تھما دیا۔

آداب محفل کے متعلق سنت نبوی یہ ہے کہ جب کوئی شخص پانی یا کوئی مشروب پی لے اور کچھ بچ جائے اور دوسرے اہل مجلس بھی اس مشروب کے حصول میں متمنی ہوں تو اسے اپنا بچا ہوا مشروب اپنی دائیں طرف والے آدمی کو پہلے دینا چاہیے' اگر اس سے بھی بچ جائے تو وہ اپنی دائیں طرف والے کو دے اسی طرح آگے آگے دینا چاہیے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: " الایمن فالایمن کہ دائیں طرف والوں کو یکے بعد دیگرے دیا جائے "۔ اور اگر کسی امیر مجلس کے سامنے لوگ بیٹھے ہوں' کوئی دائیں بائیں نہ ہو تو پھر ان میں سے علم وفضل اور سن رسیدگی کے اعتبار سے بڑے شخص کو پہلے دیا جائے پھر اس کے بعد والوں کو۔

اسی طرح جب امیر مجلس کوئی چیز بانٹنے لگے تو دائیں طرف والوں کو پہلے دے اور اگر لوگ سامنے ہوں تو بڑے شخص سے ابتداء کرے۔

٤٠٠- بَابُ فَضْلِ اِجَابَةِ الدَّعْوَةِ
دعوت قبول کرنے کی فضیلت

٨٧١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى وَلِيْمَةٍ فَلْيَأْتِهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں نافع نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو ولیمہ پر بلایا جائے تو وہ ضرور جائے۔

٨٧٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِيْنُ وَمَنْ لَّمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.

ہمیں امام مالک نے بتایا وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن شہاب نے بتایا' انہیں اعرج نے' ابو ہریرہ رضی اللہ سے نقل کیا کہ سب سے برا کھانا ولیمہ کا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جاتا اور مساکین کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور جو شخص دعوت پر نہ آئے اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

قارئین کرام! ان دونوں روایات میں دعوت کے قبول کرنے پر زور دیا گیا ہے' ظاہری الفاظ اس کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں تاہم اکثر علماء کے نزدیک یہ سنتِ مؤکدہ کے حکم میں ہے مگر اس کے لیے شرط ہے کہ دعوت دینے والے کا مقصد اچھا ہو اور اگر مقصد واہ واہ کروانا یا نمائشِ دولت ہو جیسا کہ آج کل عموماً شادی بیاہوں پر ہوتا ہے یا مجلسِ دعوت میں لہو ولعب اور غیر اسلامی خرافات ہوں تو ایسی دعوتوں میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ولیمہ کو سب سے برا کھانا قرار دیا کہ اس میں غریبوں کو چھوڑ کر امیروں کو بلایا جاتا ہے یہ اس لیے فرمایا کہ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت کا یہی دستور تھا۔ افسوس! آج مسلمانوں میں دورِ جاہلیت کا طریقہ پورے زور سے عود کر آیا ہے۔

٨٧٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِنَّ خَيَّاطًا دَعٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى طَعَامٍ صَنَعَهٗ قَالَ اَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى ذٰلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

ہمیں امام مالک نے بتایا' وہ کہتے ہیں: ہمیں اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے بتایا: جو کہتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ فرماتے تھے کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی۔ حضرت انس کہتے تھے: میں آپ کے پاس اس کھانے پر گیا۔ صاحب خانہ نے رسول اللہ ﷺ کے

ﷺ خُبْزًا مِّنْ شَعِيْرٍ وَّمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ قَالَ أَنَسٌ فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوْلِ الْقَصْعَةِ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مُنْذُ يَوْمَئِذٍ.

٨٧٤- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا إِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ضَعِيْفًا أَعْرِفُ فِيْهِ الْجُوْعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَتْ نَعَمْ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِّنْ شَعِيْرٍ ثُمَّ أَخَذَتْ خِمَارًا لَّهَا ثُمَّ لَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِيْ وَرَدَّتْنِيْ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِيْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَهَبْتُ بِهٖ فَوَجَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَرْسَلَكَ أَبُوْ طَلْحَةَ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ فَقَالَ بِطَعَامٍ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِمَنْ مَّعَهُ قُوْمُوْا قَالَ فَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ ثُمَّ رَجَعْتُ إِلٰى أَبِيْ طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مِنَ الطَّعَامِ مَا نُطْعِمُهُمْ كَيْفَ نَصْنَعُ فَقَالَتِ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ فَانْطَلَقَ أَبُوْ طَلْحَةَ حَتّٰى لَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَأَقْبَلَ هُوَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى دَخَلَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلُمِّيْ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَجَاءَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ قَالَ فَأَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً لَّهَا فَأَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقُوْلَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ

سامنے جَو کی روٹی اور شوربا رکھا جس میں کدو تھا۔ حضرت انس کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ تھالی میں سے کدو تلاش کرتے تھے تو اس دن سے میں کدو پسند کرنے لگا۔

ہمیں امام مالک نے بتایا وہ کہتے ہیں: ہمیں اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے بتایا' وہ کہتے: میں نے انس بن مالک سے سنا' جو کہتے تھے کہ (ان کے سوتیلے باپ) ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا (جو حضرت انس کی سگی والدہ تھیں) کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز کمزور سی سنی ہے جس میں بھوک کا اثر ہے' کیا تمہارے پاس کچھ (کھانے کو) ہے؟ اس نے کہا: ہاں! پھر اس نے جَو کی روٹی کے کچھ ٹکڑے نکالے' پھر اپنا دوپٹہ لے کر اس کے ایک حصہ میں وہ ٹکڑے لپیٹے اور انہیں میری (حضرت انس کی) بغل میں ٹھونس دیا اور دوپٹہ کا باقی حصہ میرے اوپر لپیٹ دیا اور مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا' میں گیا میں نے آپ کو مسجد میں بیٹھا پایا' آپ کے ساتھ بہت سے لوگ تھے' میں ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا' نبی ﷺ نے مجھے فرمایا: کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: کیا کھانے کے لیے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام ساتھیوں سے فرمایا: اٹھو (ابوطلحہ کے گھر چلتے ہیں)۔ حضرت انس کہتے ہیں: میں ان کے آگے آگے دوڑا اور جا کر ابوطلحہ (اپنے سوتیلے باپ) کو خبر دی' وہ کہنے لگے: اے ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو لوگوں کو لے کر ادھر آ رہے ہیں (جب کہ ہم نے تو روٹی آپ کے پاس بھیجی تھی) اور ہمارے پاس تو اتنے لوگوں کو کھلانے کے لیے کچھ نہیں۔ اب کیا کریں؟ وہ کہنے لگیں: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ کہتے ہیں: ابوطلحہ نے آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا پھر دونوں اندر آئے' آپ نے فرمایا: اے ام سلیم! تمہارے پاس جو کچھ کھانے میں ہے لے آؤ' انہوں نے روٹی کے وہی حصے حاضر کر دیئے' نبی ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان کے (مزید) ٹکڑے کر دو' ادھر ام سلیم نے ایک ڈبے کو صاف کر کے اس میں سے کوئی چیز نکالی جو بطور سالن آپ کے آگے رکھ دی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کھانے پر جو کچھ چاہا پڑھا (اس کھانے پر

قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ حَتّٰى اَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوْا وَهُمْ سَبْعُوْنَ اَوْ ثَمَانُوْنَ رَجُلًا.

قرآن خوانی کا جواز معلوم ہوتا ہے) پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو اندر آنے دو' تو وہ آئے اور سیر ہو کر چلے گئے۔ آپ نے فرمایا: دس مزید اندر لے آؤ' تو وہ آئے اور سیر ہو کر چل دیئے۔ پھر دس اور اندر بلوائے گئے وہ سیر ہو کر چلتے بنے' پھر دس اور کو اندر بلوایا گیا انہوں نے بھی پیٹ بھر کر کھایا اور رخصت ہو گئے۔ اس طرح سب سیر ہو کر کھا گئے اور وہ ستر یا اسی افراد تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يَنْبَغِيْ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّجِيْبَ الدَّعْوَةَ الْعَامَّةَ وَلَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا لِعِلَّةٍ فَاَمَّا الدَّعْوَةُ الْخَاصَّةُ فَاِنْ شَاءَ اَجَابَ وَاِنْ شَاءَ لَمْ يُجِبْ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی ہمارا مسلک ہے' آدمی کو چاہیے کہ دعوت عام کو ضرور قبول کرے' سوا اس کے کہ اسے کوئی مجبوری ہو' رہی خصوصی دعوت تو چاہے قبول کرے چاہے نہ کرے۔

یاد رہے ولیمہ اور دیگر بڑی دعوتوں میں متعدد افراد کو بلایا جاتا ہے ان کا انعقاد کسی ایک شخص کے آنے پر موقوف نہیں ہوتا۔ ایسی تقاریب اگر غیر شرعی امور سے پاک ہوں تو ان میں ضرور جانا چاہیے۔ رہی ایسی خصوصی دعوت جو اسی آدمی کے آنے پر موقوف ہو' اس کا مقصد اسی آدمی کو بلا کر اسے خوش کرنا یا اس سے مفاد لینا ہے تو اس کی مرضی ہے اگر فارغ ہو اور بہتر سمجھے تو دعوت قبول کر لے نہ سمجھے تو نہ کرے۔

۸۷۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافٍ لِلثَّلٰثَةِ وَطَعَامُ الثَّلٰثَةِ كَافٍ لِلْاَرْبَعَةِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو الزناد نے بتایا' انہیں اعرج نے بتایا' انہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کا کھانا تین کو کافی ہوتا ہے اور تین کا کھانا چار کو۔

اس حدیث میں یہ ترغیب ہے کہ اکٹھے ہو کر کھانا چاہیے کہ اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر دو آدمیوں کا کھانا ہو تو انہیں ساتھ میں کسی محتاج شخص کو ملا لینا چاہیے کہ دو کا کھانا تین کو کافی ہو جائے گا۔

۴۰۱- بَابُ فَضْلِ الْمَدِيْنَةِ

مدینہ طیبہ کی فضیلت

۸۷۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ اَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْاِسْلَامِ ثُمَّ اَصَابَهٗ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَجَاءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى فَخَرَجَ الْاَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ كَالْكِيْرِ تَنْفِيْ خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طِيْبَهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں ہمیں محمد بن منکدر نے بتایا کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام پر بیعت کی' پھر اسے مدینہ طیبہ میں بخار آ گیا' وہ نبی ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا: مجھے میری بیعت واپس کر دیجئے' آپ نے انکار فرمایا: وہ پھر آیا اور بیعت واپس کرنے کا مطالبہ کرنے لگا' آپ نے انکار فرمایا' اس نے ایک بار پھر یہی مطالبہ کیا' آپ نے پھر انکار فرمایا تو وہ مدینہ طیبہ چھوڑ کر چلا گیا' نبی ﷺ نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو اپنے اندر سے خبیث کو دور کر دیتا اور اچھے کو نکھار دیتا ہے۔

قارئین کرام! اس حدیث کے مطابق اس دیہاتی کا مطالبہ کرنا کہ میری بیعت واپس کر دی جائے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے

ہجرت پر پابند نہ رکھا جائے' یہ معنیٰ نہیں کہ وہ مرتد ہونا چاہتا تھا۔ ورنہ اس کی سزا قتل اس پر نافذ کی جاتی اور حدیث کے آخر میں نبی اکرم کا ارشاد کہ مدینہ بھٹی ہے جو خبیث کو نکال دیتی ہے۔ یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ کوئی منافق و بدعقیدہ شخص ہمیشہ مدینہ طیبہ میں نہیں رہ سکتا' کئی تو فوراً نکل جاتے ہیں' کئی دیر بعد اور کئی کو مرنے کے بعد فرشتے سرزمین مدینہ طیبہ سے نکال کر دوسرے علاقوں میں قبرستانوں میں لے جاتے ہیں اور بدلے میں وہاں سے عشاق و صالحین کو مدینہ طیبہ میں لے آتے ہیں۔ جذب القلوب میں اس کی تحقیق فرمائی گئی ہے اور کئی لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

مدینہ طیبہ کے کچھ فضائل احادیث سے

عن علی قال ما کتبنا عن رسول الله ﷺ الا القران وما فی هذه الصحیفة قال قال رسول الله ﷺ المدینة حرام ما بین عائر الی ثور فمن احدث حدثا او اوی محدثا فعلیه لعنة الله.

(سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب ۹۵)

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ہم نے قرآن کے سوا کچھ نہیں لکھا یا یہ حدیث لکھوائی کہ آپ نے فرمایا: مدینہ طیبہ مقام عائر سے ثور تک قابل احترام ہے' جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ان الایمان لیأرز الی المدینة کما تأرز الحیة الی جحرها. (ابن ماجہ کتاب المناسک باب ۱۰۴)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ایمان مدینہ کی طرف یوں لوٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ میں لوٹ آتا ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من استطاع منکم ان یموت بالمدینة فلیفعل فانی اشهد لمن مات بها. (حوالہ مذکورہ)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تم میں سے مدینہ میں مر سکے اسے ایسا کرنا چاہیے کیونکہ جو مدینہ طیبہ میں مرے میں اس کی گواہی دوں گا۔

مدینہ طیبہ میں مر سکنے سے یہ مراد ہے کہ جس شخص کو مدینہ طیبہ میں رہنے کے اسباب میسر ہوں' اسے وہاں رہنا چاہیے تاکہ اس کی موت وہاں آ سکے کیونکہ عموماً انسان وہیں مرتا ہے جہاں رہتا ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من اراد اهل المدینة بسوء اذا به الله کما یذوب الملح فی الماء. (حوالہ مذکورہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اہل مدینہ کو برائی دینا چاہے اللہ اسے یوں پگھلا دے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔

۴۰۲- بَابُ اِقْتِنَاءِ الْكَلْبِ

کتا پالنے کی برائی

۸۷۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ اَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ اَبِيْ زُهَيْرٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِّنْ شَنُوْءَةٍ وَهُوَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُحَدِّثُ اُنَاسًا مَّعَهُ وَهُوَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا لَا يُغْنِيْ بِهٖ زَرْعًا وَلَا ضَرْعًا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ قَالَ قُلْتُ اَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

امام مالک نے ہمیں بتایا' وہ کہتے ہیں: ہمیں یزید بن خصیفہ نے بتایا' انہیں سفیان بن ابی زہیر نے خبر دی جو قبیلۂ شنوءۃ سے صحابی رسول ﷺ تھے' اور دروازۂ مسجد نبوی کے پاس بیٹھ کر لوگوں کو درس دے رہے تھے' انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس نے کتا پالا اور اس سے کھیتی یا جانوروں کی حفاظت بھی نہیں لیتا' اس کے عمل سے ہر روز ایک قیراط (یعنی ایک بڑا حصہ) ضائع ہو جاتا ہے۔ راوی کہتا ہے:

ﷺ قَالَ اِیْ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ وَرَبِّ ھٰذَا الْمَسْجِدِ.

میں نے سفیان سے کہا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کہتے سنا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں مجھے کعبہ اور اس مسجد کے رب کی قسم!

قَالَ مُحَمَّدٌ یُکْرَہُ اِقْتِنَاءُ الْکَلْبِ لِغَیْرِ مَنْفَعَۃٍ فَاَمَّا کَلْبُ الزَّرْعِ اَوِ الضَّرْعِ اَوِ الصَّیْدِ اَوِ الْحَرْسِ فَلَا بَاْسَ بِہٖ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی منفعت (بہتر مقصد) کے بغیر کتا پالنا مکروہ (تحریمی) ہے' جبکہ کھیت یا جانوروں کی حفاظت' شکار اور گھر کی حفاظت کے کتے میں کوئی حرج نہیں۔

۸۷۸- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ مَیْسَرَۃَ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ النَّخْعِیِّ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِاَھْلِ الْبَیْتِ الْقَاصِیْ فِی الْکَلْبِ یَتَّخِذُوْنَہٗ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' انہیں عبد الملک بن مبشرہ نے ابراہیم نخعی کے واسطہ سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گھر والوں کو جو بستی سے دور رہتے تھے' کتا رکھنے کی اجازت عطا فرمائی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ فَھٰذَا لِلْحَرْسِ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ کتا حفاظت کے لیے رکھا گیا تھا۔ گویا حفاظت کے لیے کتا رکھا جا سکتا ہے۔

۸۷۹- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ دِیْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اقْتَنٰی کَلْبًا اِلَّا کَلْبَ مَاشِیَۃٍ اَوْ ضَارِیًا نَقَصَ مِنْ عَمَلِہٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطَانِ

امام مالک نے ہمیں بتایا' وہ کہتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن دینار نے بتایا کہ عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں: جس نے کتا پالا سوا جانوروں کی حفاظت اور شکار کے مقصد کے تو اس کے عمل سے روزانہ دو قیراط (یعنی بڑی مقداریں) ضائع ہو جاتی ہیں۔

پچھلی حدیث میں ایک قیراط عمل کا ضیاع بتایا گیا تھا' اس حدیث میں دو قیراط بتائے گئے ہیں۔ ایک قیراط کے ضیاع سے مراد مجموعی طور پر عظیم نقصان ہے اور دو قیراط کا ضیاع بایں معنیٰ ہے کہ کتا پالنے والے کے فرائض بھی ضائع ہوں گے اور نوافل بھی یا یہ کہ دن کے اعمال بھی ضائع ہوں گے اور رات کے بھی۔

یاد رہے حفاظت اور شکار کے کتے کے سوا محض شوقیہ طور پر کتا پالنا اور اسے ساتھ ساتھ رکھنا جیسا کہ بعض بدعمل لوگوں کا طریقہ ہے۔ تمام فقہاء کے نزدیک بالاجماع ناجائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتے کا لعاب نجس ہے اور اسے ہر چیز پر منہ مارنے کی عادت ہے اس طرح وہ ہر چیز کو لعاب لگا کر اسے ناپاک کرتا رہتا ہے۔ البتہ شکار اور حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز ہے اور ایسے کتے آدمی کی رہائش سے عموماً دور رکھے جاتے ہیں۔ شکاری کتے کی جنگل میں ضرورت پڑتی ہے اور جانوروں یا گھر کی حفاظت کا کتا بھی رہائش سے باہر ہوتا ہے اور جو لوگ شوقیہ کتا پالتے ہیں وہ ہر وقت اسے ساتھ ساتھ رکھتے اور اس سے پیار کرتے رہتے ہیں' اس کے بوسے لیتے اور اسے بوسے دیتے ہیں۔ لفظ اقتناء کا معنیٰ ہی کسی چیز کو لازم پکڑ لینا ہے۔ یہ اصل میں غیر اسلامی تہذیب ہے۔ دورِ حاضر میں ہم انگریزوں کو دیکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر کے پاس ہمہ وقت ایک کتا ساتھ ہوتا ہے' حتیٰ کہ انگریز عورتیں' مرد انہیں اپنے ساتھ بستروں میں بھی سلا لیتے ہیں۔ افسوس! کہ مسلمان بھی ان کے پیچھے چل پڑے' یہ خسارۂ عظمیٰ ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ تماثیل. (صحیح بخاری' کتاب بدأ الخلق باب: ۷)

فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا ہو یا تصویریں ہوں۔

٤٠٣- بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْكَذِبِ وَسُوْءِ الظَّنِّ وَالتَّجَسُّسِ وَالنَّمِيْمَةِ

جھوٹ بدگمانی تجسس اور غیبت کی برائی

٨٨٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَاَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَكْذِبُ اِمْرَاَتِىْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا خَيْرَ فِى الْكِذْبِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعِدُهَا وَاَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا جُنَاحَ عَلَيْكَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں صفوان بن سلیم نے عطاء بن یسار کے واسطہ سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا: کہ یا رسول اللہ! میں اپنی بیوی سے جھوٹ بول لیتا ہوں' آپ نے فرمایا: جھوٹ میں کوئی بھلائی نہیں' اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اسے وعدہ دیتا ہوں (کہ میں تجھے فلاں فلاں چیزیں لا کر دوں گا) آپ نے فرمایا: اس میں تجھ پر کوئی حرج نہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا خَيْرَ فِى الْكَذِبِ فِىْ جِدٍّ وَّلَا هَزْلٍ فَاِنْ وَسِعَ الْكِذْبُ فِىْ شَىْءٍ فَفِىْ خَصْلَةٍ وَّاحِدَةٍ اَنْ تَرْفَعَ عَنْ نَفْسِكَ اَوْ عَنْ اَخِيْكَ مَظْلِمَةً فَهٰذَا نَرْجُوْ اَنْ لَّا يَكُوْنَ بِهٖ بَاْسٌ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی ہمارا مسلک ہے کہ جھوٹ میں کوئی چیز نہیں' خواہ وہ سنجیدگی میں ہو یا مذاق میں البتہ اگر کسی چیز میں جھوٹ کی گنجائش ہے تو وہ صرف ایک ہے کہ تم خود کو یا اپنے مسلم بھائی کو ظلم سے بچانا چاہو۔ اس میں ہمیں امید ہے کہ کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

مذکورہ حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو اپنی بیوی سے جھوٹ بولنے (مثلاً یہ کہ میں نے تمہارے لیے یہ خریدا ہے' وہ تیار کیا ہے وغیرہ) کی اجازت نہیں دی' البتہ آئندہ کے لیے وعدہ کرنے کی اجازت دی ہے (مثلاً یہ کہ میں تجھے فلاں چیز لا کر دوں گا) کیونکہ وعدہ تو مستقبل کے لیے ہے' اس میں تکمیل کی گنجائش اور امکان ہے یا عدم تکمیل کی صورت میں مفسدات بھی کی جا سکتی ہے مگر بیوی سے جھوٹ بولنا جائز نہیں' کیونکہ اس کا تعلق ماضی سے ہے۔

آگے امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مذاق میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ مثلاً ایک نوجوان اپنے والد سے آ کر کہتا ہے کہ آج میں امتحان میں فیل ہو گیا ہوں والد پریشان ہو جاتا ہے' پھر وہ کہتا ہے کہ ابا جان مبارک ہو میں امتحان میں کامیاب ہوا ہوں' ایسا کرنا بھی جائز نہیں کہ جھوٹ بہر حال جھوٹ ہے۔ چھوٹے جھوٹ سے بڑے جھوٹ کا حوصلہ ملتا ہے۔

البتہ ظلم کے مقابلہ میں جھوٹ بولنا جائز ہے' مثلاً ایک شخص کسی کو قتل کرنے کے لیے ڈھونڈ رہا ہے' اسے کوئی کہتا ہے کہ تمہارا مطلوب شخص یہاں نہیں ہے' حالانکہ وہ وہیں تھا یہ جائز ہے کیونکہ مقصد کسی کی جان بچانا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ جس نے دو بھائیوں میں صلح کے لیے جھوٹ بولا اسے اس کا کوئی گناہ نہیں۔ (بخاری کتاب الصلح باب ۲)

٨٧٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوالزناد نے بتایا انہیں اعرج نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کہ یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے' کسی کا عیب نہ ڈھونڈو' ایک دوسرے پر بڑائی نہ کرو' باہمی حسد نہ برتو' بغض نہ رکھو' ایک دوسرے کے خلاف تدبیر نہ کرو

اور اللہ کے بندے بن جاؤ جو باہم بھائی بھائی ہوں۔

۸۸۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ قَالَ مِنْ شَرِّ النَّاسِ ذُو الْوَجْهَيْنِ يَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوالزناد نے خبر دی' انہیں اعرج نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب انسانوں سے بدتر دو چہروں والا شخص ہے جو کچھ لوگوں کے پاس ایک چہرہ لے کر جاتا ہے اور دوسروں کے پاس دوسرا چہرہ لے کر۔

قارئین کرام! پہلی حدیث میں ایاکم و الظن میں ظن سے مطلق قیاس مراد نہیں' بلکہ کسی مسلمان بھائی کے بارے میں بدگمانی مراد ہے۔ یعنی اس کے بارے میں بلا دلیل بُری بات ذہن میں بٹھالینا اور اسے سچی حقیقت سمجھ لینا اور دوسروں تک پہنچانا یہ سب امور حرام ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اسے بڑا جھوٹ قرار دیا کیونکہ جب کسی کے بارے میں بدگمانی ذہن میں بیٹھ جاتی ہے تو انسان اس کے متعلق ہر وقت بُرا سوچتا اور بُری باتیں کہتا ہے اور بدگمانی ہمارے ذہنوں میں اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ ہم دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہیں اور جب کوئی ایسی بات مل جاتی ہے تو اسے لپک کر سنبھال لیتے ہیں۔ اس لیے فرمایا گیا: "**لا تجسسوا** کہ عیب تلاش نہ کرو"۔ اور اس میں ہمارا مقصد دوسروں کو گرا کر خود کو ان سے بدتر ثابت کرنا ہوتا ہے' اس لیے فرمایا گیا کہ ایک دوسرے پر بڑائی نہ کرو' باہمی حسد و بغض نہ رکھو اور باہم مسلمان بھائی بھائی بن جاؤ' افسوس! آج یہ سبق ہم بھول گئے ہیں اسی لیے دشمن ہم پر غالب آ گیا ہے۔

اور آخری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دو چہروں والے شخص کی مذمت فرمائی ہے جس کا چہرہ ایک مجلس میں اور ہوتا ہے اور دوسری مجلس میں اور وہ ایک شخص کے سامنے اس کی تعریف اور پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرتا ہے۔ افسوس! یہ مرض آج ہم مسلمانوں میں سے غالب اکثریت میں پایا جاتا ہے' پھر ہم پر اللہ کا غضب نہ آئے تو کیا آئے۔ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ پر اپنا فضل فرمائے۔

۴۰۴- بَابُ الْاِسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَالصَّدَقَةِ

لوگوں سے مانگنے اور مالِ صدقہ سے بچنا

۸۸۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ اَنَّ نَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰى اَنْفَدَ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَا يَكُنْ عِنْدِیْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ مَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا اُعْطِیَ اَحَدٌ عَطَاءً هُوَ خَيْرٌ وَّاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ.

امام مالک نے ہمیں بتایا' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن شہاب نے بتایا: انہیں عطاء بن یزید لیثی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بتایا کہ کچھ انصاری صحابہ نے (اپنی حاجت کے باعث) رسول اللہ ﷺ سے مانگا' آپ نے انہیں دیا' انہوں نے پھر مانگا آپ نے دیا' انہوں نے تیسری بار مانگا' آپ نے دیا حتیٰ کہ آپ کے پاس (بظاہر) جو تھا وہ ختم ہو گیا' آپ نے فرمایا: میرے پاس جو کچھ ہو وہ میں تم سے کبھی دور نہ رکھوں گا' یاد رکھو جو مانگنے سے بچنا چاہے اللہ اسے بچا لیتا ہے' جو بے نیازی چاہے اللہ اسے بے نیاز کر دیتا ہے' جو صبر کرنا سیکھے اللہ اسے صبر دے دیتا ہے اور کسی کو صبر سے بہتر اور وسیع تر چیز نہیں دی گئی۔

٨٨٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِنْ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا قَدِمَ سَاَلَهٗ اَبْعِرَةً مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى عُرِفَ الْغَضَبُ فِیْ وَجْهِهٖ وَكَانَ مِمَّا يُعْرَفُ بِهِ الْغَضَبُ فِیْ وَجْهِهٖ اَنْ تَحْمَرَّ عَيْنَاهُ ثُمَّ قَالَ الرَّجُلُ يَسْاَلُنِیْ مَالَا يَصْلَحُ لِیْ وَلَا لَهٗ فَاِنْ مَنَعْتُهٗ كَرِهْتُ الْمَنْعَ وَاِنْ اَعْطَيْتُهٗ اَعْطَيْتُهٗ مَالَا يَصْلَحُ لِیْ وَلَا لَهٗ فَقَالَ الرَّجُلُ لَا اَسْاَلُكَ مِنْهَا شَيْئًا اَبَدًا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابی بکر نے خبر دی' وہ کہتے ہیں: انہیں ان کے والد نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی عبدالاشہل کے ایک شخص کو مالِ زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کیا۔ جب وہ مال لے کر آیا تو آپ سے زکوٰۃ کے چند اونٹ مانگنے لگا (حالانکہ وہ غنی تھا) رسول اللہ ﷺ غصہ میں آ گئے' آپ کے چہرۂ مبارک پر غصہ نمودار ہو گیا' ایسے میں آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں' پھر آپ نے فرمایا: ایک آدمی مجھ سے ایسی چیز مانگتا ہے جو اس کے لیے حلال ہے نہ میرے لیے (اسے لینا جائز نہیں اور مجھے دینا جائز نہیں) اگر میں اسے نہ دوں تو یہ مجھے اچھا نہیں لگتا اور اگر دوں تو ایسے چیز دوں گا جو اس کے لیے بھی حلال نہیں اور میرے لیے بھی' یہ سن کر وہ شخص عرض کرنے لگا: آج کے بعد میں آپ سے زکوٰۃ کی کوئی چیز کبھی نہیں مانگوں گا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَنْبَغِیْ اَنْ يُّعْطٰى مِنَ الصَّدَقَةِ غَنِيًّا وَاِنَّمَا نَرٰى اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ ذٰلِكَ لِاَنَّ الرَّجُلَ كَانَ غَنِيًّا وَلَوْ كَانَ فَقِيْرًا لَاَعْطَاهُ مِنْهَا.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مالِ زکوٰۃ سے کسی مال دار کو نہیں دینا چاہیے اور ہم یہی سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس شخص کو اس کے مال دار ہونے کی وجہ سے یہ ارشاد فرمایا: اگر وہ فقیر ہوتا تو آپ اسے ضرور عطا فرما دیتے۔

قارئین کرام! مذکورہ دو روایات' پہلی کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجت مند کو مانگنے کی اجازت ہے جیسا کہ ان انصار نے مانگا لیکن اگر حاجت مند شخص صبر سے کام لے اور لوگوں سے مانگنے کی بجائے اللہ سے فریاد کرے تو اللہ اسے بے نیاز کر دے گا اور اسے مانگنے کی حاجت نہیں رہے گی۔

جب کہ دوسری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مال دار شخص کو لوگوں سے مانگنا حرام ہے جس کے پاس اتنا ہے کہ گزر اوقات کر سکے وہ نہ مانگے اور ایسے شخص کو دینا بھی گناہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس کی عملی تعلیم ارشاد فرمائی ہے۔ آج یہ بڑا مسئلہ بن گیا ہے' ہر جگہ مانگنے والوں سے واسطہ پڑتا ہے پیشہ ور بھکاری بسوں' ٹرینوں (صرف ہوائی جہاز رہ گئے ہیں) میں مانگتے پھرتے ہیں' مسجدوں' درگاہوں اور دیگر PUBLIC PLACES پر ان کا ہجوم ہے اب تو حرمین شریفین میں بھی ان کی بہتات ہو گئی ہے۔ صبح سے شام تک مانگ مانگ کر اپنی جھولیاں بھر لے جاتے اور اگلے دن پھر آ بیٹھتے ہیں' ایسے لوگوں کو دینا تعلیم نبوی کے خلاف ہے' ہاں! جسے آپ اپنے محلہ' برادری اور معاشرہ میں سب واقعی حاجت مند دیکھتے ہیں اور وہ خاموش بیٹھا ہے اس کی دل کھول کر مدد کریں۔

٤٠٥- بَابُ الرَّجُلِ يَكْتُبُ اِلَى الرَّجُلِ يَبْدَاُ بِهٖ

خط میں مکتوب الیہ کا نام پہلے لکھنے کا بیان

٨٨٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن

عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّہٗ کَتَبَ اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَبْدِ الْمَلِکِ یُبَایِعُہٗ فَکَتَبَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَمَّا بَعْدُ لِعَبْدِ اللّٰہِ عَبْدِ الْمَلِکِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ، سَلَامٌ عَلَیْکَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْکَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاُقِرُّ لَکَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ عَلٰی سُنَّۃِ اللّٰہِ وَسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْمَا اسْتَطَعْتُ۔

دینار نے خبر دی کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے امیر المؤمنین حضرت عبد الملک کو خط کے ذریعے اپنی بیعت پیش کی اور یوں لکھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد! یہ خط اللہ کے بندے امیر المؤمنین عبد الملک کے لیے عبد اللہ بن عمر کی طرف سے ہے، تم پر سلام ہو میں تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد کہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں الٰہی اور سنت رسول ﷺ کے تحت اپنی طاقت کے مطابق تمہاری اطاعت کا عہد کرتا ہوں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَأْسَ اِذَا کَتَبَ الرَّجُلُ اِلٰی صَاحِبِہٖ اَنْ یَّبْدَاَ بِصَاحِبِہٖ قَبْلَ نَفْسِہٖ۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص اپنے ساتھی کو خط لکھے اور اس میں اپنے ساتھی کا نام اپنے نام سے قبل لکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۸۸۶- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ خَارِجَۃَ بْنِ زَیْدٍ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّہٗ کَتَبَ اِلٰی مُعَاوِیَۃَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لِعَبْدِ اللّٰہِ مُعَاوِیَۃَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَلَا بَأْسَ بِاَنْ یَّبْدَاَ الرَّجُلُ بِصَاحِبِہٖ قَبْلَ نَفْسِہٖ فِی الْکِتَابِ۔

عبد الرحمٰن بن ابی الزناد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ آگے خارجہ بن زید سے روایت کرتے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یوں خط لکھا: اللہ کے بندے امیر المؤمنین معاویہ کی طرف زید بن ثابت کی طرف سے۔ اس خط سے بھی معلوم ہوا کہ خط میں مکتوب الیہ کا نام اپنے نام سے پہلے لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قارئین کرام! انبیاء کا طریقہ یہی ہے کہ وہ خط میں اپنا نام پہلے اور مکتوب الیہ کا بعد میں لکھتے تھے جیسے سلیمان علیہ السلام نے یوں لکھا: انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو خط لکھتے ہوئے یہ طریقہ اپنایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی النجاشی، الی کسری وغیر ذالک۔ لہٰذا طریقۂ مسنونہ یہی ہے کہ خط لکھنے والا پہلے اپنا نام لکھے پھر مکتوب الیہ کا، تاہم اس ترتیب کا بدلنا بھی جائز ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اموی خلیفہ عبد الملک کے شر سے بچنے کے لیے خط میں اس کا نام پہلے لکھایا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے احترام میں ان کا نام پہلے لکھا۔

۴۰۶- بَابُ الْاِسْتِیْذَانِ

گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت طلب کرنا

۸۸۷- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا صَفْوَانُ بْنُ سُلَیْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ سَاَلَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَسْتَاْذِنُ عَلٰی اُمِّیْ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ الرَّجُلُ اِنِّیْ مَعَھَا فِی الْبَیْتِ قَالَ اِسْتَاْذِنْ عَلَیْھَا قَالَ اِنِّیْ اَخْدِمُھَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاھَا عُرْیَانَۃً؟ قَالَ لَا، قَالَ فَاسْتَاْذِنْ عَلَیْھَا۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی، وہ کہتے ہیں: ہمیں صفوان بن سلیم نے عطاء بن یسار کی روایت سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی والدہ سے اجازت لے کر اس کے پاس حاضر ہوں؟ فرمایا: ہاں! کہنے لگا: میں ہر وقت گھر میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں، آپ نے فرمایا: پھر بھی اجازت لو، کہنے لگا: ہر وقت اس کی خدمت میں ہوتا ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ اپنی والدہ کو برہنہ دیکھو؟ کہنے لگا نہیں، آپ

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ الْاِسْتِيْذَانُ حَسَنٌ وَيَنْبَغِيْ اَنْ يَّسْتَاذِنَ الرَّجُلُ عَلٰى كُلِّ مَنْ يَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّظْرُ اِلٰى عَوْرَتِهٖ وَنَحْوِهَا.

نے فرمایا: تو پھر اس سے اجازت لے کر ہی اس کے پاس جاؤ۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی ہمارا مسلک ہے کہ اجازت لینا ہی اچھا ہے اور آدمی کو چاہیے کہ ہر اس انسان کے پاس اجازت لے کر جائے جس کی جائے ستر کو وہ دیکھ نہیں سکتا (یعنی بیوی اور لونڈی کے سوا ہر انسان)۔

قارئین کرام! مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد اور والدین کے درمیان بھی اہتمام پردہ لازم ہے۔ اگر ماں یا جوان بیٹی الگ کمرہ میں رہتی ہے تو بیٹے یا والد پر ضروری ہے کہ اس کمرہ میں جانے سے قبل اجازت لے۔ ممکن ہے وہ بے پردہ ہو' یہی حکم اللہ نے قرآن میں یوں ذکر فرمایا:

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (النور:۵۹)

جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ اجازت لے کر تمہارے پاس آئیں جیسا کہ ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے ہیں۔

یعنی جیسے بچوں کے والدین اور ان کے بڑے بھائی اجازت لے کر اندر آتے ہیں' بچے بھی بالغ ہونے کے بعد اجازت ہی سے اندر آئیں۔ یہ اسلامی تعلیم انتہائی گہری حکمت پر مبنی ہے' خود ہم اپنے گھروں میں اس تعلیم سے صرف نظر کرنے کی وجہ سے بسا اوقات پریشانی سے دوچار ہوتے ہیں' مثلاً بیٹی اپنے کمرے میں بیٹھی ہے' باپ نے اچانک دروازہ کھول دیا' دروازہ کھٹکھٹایا نہ سلام کہا۔ ممکن ہے وہ بیٹی کو نامناسب حالت میں دیکھے اور بعد میں روئے۔

۴۰۷- بَابُ التَّصَاوِيْرِ وَالْجَرَسِ وَمَا يُكْرَهُ مِنْهَا

تصویریں بنانے اور گھنگھرو کی آواز کی کراہت

۸۸۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْجَرَّاحِ مَوْلٰى اُمِّ حَبِيْبَةَ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلْعِيْرُ الَّتِيْ فِيْهَا جَرَسٌ لَا تَصْحَبُهَا الْمَلَائِكَةُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں سالم بن عبداللہ نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے غلام جراح نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ قافلہ جس میں گھنگھرو کی آواز ہو' فرشتے اس کے ساتھ نہیں چلتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَاِنَّمَا رُوِيَ ذٰلِكَ فِي الْحَرْبِ لِاَنَّهٗ يُنْذَرُ بِهِ الْعَدُوُّ

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جانوروں کی گردنوں میں گھنگھرو ڈالنے کا جواز جنگ میں مروی ہے کیونکہ اس کے ذریعے دشمن کو ڈرایا جاتا ہے۔

گھنٹی اور گھنگھرو وغیرہ کی آواز شرعاً ناپسندیدہ ہے اسے شیطانی آواز قرار دیا گیا ہے' اس پر کثیر احادیث مروی ہیں۔

گھنگھرو کی آواز کی برائی احادیث سے

عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال الجرس مزامیر الشیطان. (صحیح مسلم کتاب اللباس' باب ۲۷)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھنگھرو شیطان کا ساز ہے۔

علی بن سہل کہتے ہیں کہ ایک بچی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئی' اس کے پاؤں میں گھنگھرو تھے' آپ نے وہ اتروا

کر پھینک دیئے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا' آپ نے فرمایا: ''ان مع کل جرس شیطانا کہ ہر گھنگھرو کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے''۔(ابوداؤد کتاب الخاتم' باب ۶)

نبانہ کنیز عبدالرحمان کہتی ہیں کہ سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بچی لائی گئی جس کے پاؤں میں گھنگھروؤں کی پائل چھن چھن کر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس لانے سے قبل اس کے پاؤں سے یہ پائل اتار دو ورنہ اسے میرے پاس مت لاؤ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا' آپ نے فرمایا:

لا تدخل الملئکۃ بیتا فیھا جرس. (حوالہ مذکورہ) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں گھنگھرو کی آواز ہو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تصحب الملئکۃ رفقۃ فیھا کلب ولا جرس. (صحیح مسلم کتاب اللباس' باب ۲۸) فرشتے اس جماعت کے ساتھ نہیں بیٹھتے جن میں کتا ہو یا گھنگھرو کی آواز ہو۔

ان احادیث کی روشنی میں معلوم ہوا چھوٹی بچی کے پاؤں میں گھنگھرو وغیرہ نہیں ڈالنا چاہیے اور نہ ہی جانور کے گلے میں گھنگھرو ڈالے جائیں' البتہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مجاہدین اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کی گردنوں یا پاؤں میں گھنگھرو ڈالیں جن کی جھنکار سے لشکر کفار پر رعب پڑے تو یہ جائز ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے مجاہد کو سیاہ خضاب لگانے کی اجازت دی گئی۔

۸۸۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى اَبِيْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيِّ يَعُوْدُهٗ فَوَجَدَ عِنْدَهٗ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ فَدَعَا اَبُوْ طَلْحَةَ اِنْسَانًا يَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهٗ فَقَالَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ لِمَ تَنْزِعُهٗ؟ قَالَ لِاَنَّ فِيْهِ تَصَاوِيْرَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْهَا مَا قَدْ عَلِمْتَ قَالَ سَهْلٌ اَوَلَمْ يَقُلْ اِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِيْ ثَوْبٍ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنَّهٗ اَطْيَبُ لِنَفْسِيْ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں ہمیں ابونضر غلام عمر بن عبد اللہ بن عبید اللہ نے خبر دی' انہیں عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے بتایا کہ وہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس عیادت کرنے گئے' وہاں سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بھی تھے' ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی بلوایا تا کہ وہ ان کے نیچے سے چٹائی کھینچ کر نکال لے' سہل بن حنیف نے کہا: اسے آپ کیوں نکلوا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: اس میں تصاویر ہیں اور آپ کو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد معلوم ہی ہے' حضرت سہل نے کہا: مگر آپ نے یہ بھی تو فرمایا تھا کہ کپڑے میں بنی ہوئی تصویر جائز ہے۔ انہوں نے کہا: ہاں فرمایا تو تھا مگر مجھے یہ زیادہ اچھا لگتا ہے (کہ چٹائی بغیر تصویر ہو)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَا كَانَ فِيْهِ مِنْ تَصَاوِيْرَ مِنْ بُسَاطٍ يُبْسَطُ اَوْ فِرَاشٍ يُفْرَشُ اَوْ وِسَادَةٍ فَلَا بَاْسَ بِذٰلِكَ اِنَّمَا يُكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ فِي السِّتْرِ وَمَا يُنْصَبُ نَصْبًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا مسلک ہے کہ جو بچھونا (سونے کے لیے) بچھایا جائے یا بیٹھنے کے لیے چٹائی پھیلائی جائے یا تکیہ رکھا جائے تو اس میں تصاویر کا ہونا کچھ حرج نہیں رکھتا' البتہ پردے میں اور لٹکائی جانے والی چیز میں تصویر کا ہونا مکروہ (تحریمی) ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

مذکورہ حدیث کا خلاصہ وہی ہے جو امام محمد رحمہ اللہ نے اخذ کیا کہ دو اصحاب رسول ﷺ ابوطلحہ انصاری اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کے مطابق اگر چٹائی میں تصویر ہو جس پر بیٹھا یا لیٹا جائے اور تصویر پاؤں تلے روندی جارہی ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں تصویر کی تذلیل و تحقیر ہے اور اگر تصویر پردے میں لٹک رہی ہو یا اسے اونچی جگہ سجا کر رکھا گیا ہو تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں تصویر کی تکریم و تشریف ہے۔

مگر یاد رکھنا چاہیے کہ چٹائی میں تصویر بنانے والے کو اپنی جگہ گناہ ضرور ہو گا اور اس کی حرمت بہر حال قائم ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے ذی روح کی تصویر مراد ہے' درخت' پہاڑ یا مکان جیسی بے روح چیزوں کی تصویر مطلقاً جائز ہے۔ اور پردے میں لٹکنے والی تصویر کا اگر سر کاٹ دیا جائے اور اس کا چہرہ غائب ہو جائے تو پھر وہ بھی جائز ہے کہ تصویر کا مرکزی مقام چہرہ ہی ہے وہ نہ ہو تو تصویر بے کار اور شرعی حرمت سے خارج ہے۔

کیمرے کی تصویر بھی حرام ہے

آج بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیمرے کی بنوائی ہوئی تصویر تو محض عکس ہے تصویر تو وہ حرام ہے جو ہاتھ سے بنائی جائے' مگر یہ غلط نظریہ ہے' کیا کیمرے کی تصویر ہاتھ سے نہیں بنائی جاتی؟ کیا کیمرہ پاؤں سے چلایا جاتا ہے؟ کیمرہ کی تصویر بھی ہاتھ ہی سے بنتی ہے' فرق صرف اتنا ہے کہ دورِ رسالت میں تصویر بنانے کے لیے ہاتھ میں قلم اٹھایا جاتا تھا' اب قلم کی جگہ کیمرہ ہاتھ میں آ گیا ہے' مقصد اور معنیٰ تو ایک ہے جیسے دورِ رسالت میں جہاد کے لیے ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی اب تلوار کی جگہ بندوق آ گئی ہے بلکہ معنیٰ و مقصد وہی ہے جو لوگ قلم اور کیمرہ کی تصویر میں فرق کرتے ہیں کیا ان کے نزدیک بندوق سے جہاد حرام ہے؟ اگر بندوق کا حکم تلوار والا ہی ہے تو کیمرہ کا حکم قلم والا کیوں نہیں ہے؟

البتہ پاسپورٹ اور دیگر سفری اور شناختی ضرورت کے لیے بنوانا دورِ حاضر میں فقہاء و علماء و مفتیان نے جائز قرار دیا ہے کہ یہ ایک ضرورت ہے۔ آج شناختی کارڈ کے بغیر کوئی شخص کسی ملک کا باشندہ تصور نہیں کیا جا سکتا' شناخت کے لیے تصویر عالمی سطح پر لازم ہو گئی ہے۔ اگر پاسپورٹ یا شناختی کارڈ بنوانا ناجائز قرار دیا جائے تو عظیم مصائب کھڑے ہو جائیں گے۔

٤٠٨- بَابُ اللَّعِبِ بِالنَّرْدِ

شطرنج سے کھیلنے کا حکم

٨٩٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُوْسَى بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' انہیں موسیٰ بن میسرہ نے خبر دی' انہیں سعید بن ابی ہند نے خبر دی کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نرد کے ساتھ کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَاخَيْرَ بِاللَّعِبِ كُلِّهَا مِنَ النَّرْدِ وَالشِّطْرَنْجِ وَ غَيْرِ ذَالِكَ.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی بھی کھیل میں خیر نہیں' نرد ہو' شطرنج ہو یا کوئی اور۔

قارئین کرام! نرد ایک عجمی کھیل ہے جسے نردشیر بھی کہتے ہیں یہ ایک ایرانی بادشاہ اردشیر بن بابک نے ایجاد کیا تھا تو اسی کے نام سے اسے منسوب کیا گیا۔ البتہ بعد میں اردشیر سے نردشیر بولا جانے لگا' یہ کاغذ پر چند خانے بنائے جاتے ہیں اور ان پر چند مہرے رکھے جاتے ہیں کسی کی شکل بادشاہ والی ہے' کسی کی وزیر والی' کسی کی گھوڑے اور کسی کی بیل والی وغیرہ یہ جوئے ہی کی ایک قسم ہے' کھیلنے والے مال لگاتے ہیں۔ چونکہ اسلام نے جوا حرام کیا تو جس کھیل میں بھی جوا پایا جائے وہ حرام ہے' شطرنج بھی نردشیر ہی کی طرح

ہے صرف اس کے کھیلنے میں طریقہ مختلف ہے۔اس کا حکم بھی نردشیر والا ہی ہے۔

نردشیر اور شطرنج کی برائی پر احادیث

عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ان النبی ﷺ قال من لعب بالنرد شیر فکانما صبغ یده فی لحم خنزیر و دمه. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۰ کتاب الشعر)

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو نردشیر سے کھیلتا ہے گویا وہ اپنے ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون سے رنگین کرتا ہے۔

خنزیر کے خون سے ہاتھ رنگنے کی مثال اس لیے دی گئی کہ خنزیر کھانا حرام ہے اور جوئے کی کمائی کھانے والا اسی طرح ہے' جیسے اس نے خنزیر کا گوشت کھایا اور اس کا خون پیا۔دونوں کی حرمت ایک جیسی ہے۔

اس حدیث کے تحت امام نووی فرماتے ہیں: یہ نردشیر کھیلنے کی تشبیہ خنزیر کے خون اور گوشت سے ہاتھ آلودہ کرنا اس صورت میں ہے جب اس کے ذریعے مال کمایا جائے کہ ایسا مال کھانا خنزیر کھانے کی طرح ہے۔(شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۲۴۰)

عن ابی عبد الرحمن الخطمی قال قال رسول اللہ ﷺ مثل الذی یلعب بالنرد ثم یقوم یصلی مثل الذی یتوضا بالقیح و دم الخنزیر ثم یقوم فیصلی. (مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۷۰)

ابوعبدالرحمان خطمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو نرد سے کھیلتا اور اس کے بعد اٹھ کر نماز پڑھتا ہے' یوں ہے جیسے کوئی قیح اور خونِ خنزیر سے وضو کرے اور اٹھ کر نماز پڑھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصحاب شاہ جہنم میں سے ہیں جو کہتے ہیں کہ میں نے شاہ کو مار ڈالا اور شطرنج کھیلنے والے آواز لگاتے ہیں کہ میں نے شاہ کو مار دیا (بادشاہ کی شکل والے مہرے کو مار دیا)۔(دیلمی)

لیکن اگر نردشیر اور شطرنج وغیرہ میں جوا نہ ہو صرف تفریح طبع کے لیے کھیلا جائے تو پھر اس کی حرمت پر اتفاق نہیں بعض اسے حرام سمجھتے ہیں اور بعض مکروہ' گویا ہر صورت میں ایسے کھیل شرعاً ناپسندیدہ ہیں کیونکہ ان سے باہم جھگڑا' گالی گلوچ' نماز سے غفلت اور دیگر مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔اسی لیے حدیث میں ہر لہو ولعب کو ممنوع ٹھہرایا گیا ہے اور حدیث میں ہے کہ صرف تین کاموں میں کھیل کھیلنا چاہیے' گھڑ سواری' تیر اندازی اور بیوی سے ملاعبت۔(نسائی کتاب الخیل باب:۸)

۴۰۹- بَابُ النَّظَرِ اِلَى اللَّعِبِ
کھیل دیکھنا

۸۹۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو النَّضْرِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ مَنْ سَمِعَ عَائِشَةَ تَقُوْلُ سَمِعْتُ صَوْتَ اُنَاسٍ يَلْعَبُوْنَ مِنَ الْحَبَشِ وَغَيْرِهِمْ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ قَالَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتُحِبِّيْنَ اَنْ تَرٰى لَعِبَهُمْ قَالَتْ قُلْتُ نَعَمْ قَالَتْ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءُوْا وَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ النَّاسِ فَوَضَعَ كَفَّهٗ عَلَى الْبَابِ وَمَدَّ يَدَهٗ وَوَضَعْتُ ذَقَنِيْ عَلٰى يَدِهٖ فَجَعَلُوْا يَلْعَبُوْنَ وَاَنَا اَنْظُرُ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ حَسْبُكِ قَالَتْ وَاَسْكُتُ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں ہمیں ابونضر نے بتایا کہ اسے ایک شخص نے بتایا جس نے سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے سنا تھا' آپ فرماتی ہیں: میں نے ایک بار لوگوں کی آوازیں سنیں' عاشوراء کے دن حبشی اور دوسرے لوگ کھیل رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم ان کا کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے کہا: ہاں! نبی ﷺ نے انہیں بلوایا' وہ آ گئے آپ لوگوں میں کھڑے ہو گئے اور اپنا ہاتھ دروازے پر رکھ لیا اور بازو پھیلا دیا' میں نے اپنی ٹھوڑی آپ کے بازو پر رکھ دی' وہ لوگ کھیلنے لگے اور میں دیکھتی رہی' رسول اللہ ﷺ

لِیْ حَسْبُکِ؟ قُلْتُ نَعَمْ فَاَشَارَ اِلَیْهِمْ فَانْصَرَفُوْا.

مجھے فرماتے تھے: بس؟ میں دو تین بار تو خاموش رہی پھر جب آپ نے مجھے فرمایا کہ بس؟ میں نے کہا: ہاں! بس' آپ نے انہیں اشارہ کیا کہ چلے جاؤ تو وہ چلے گئے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کھیلنے والے چھوٹے حبشی لڑکے تھے اور بخاری کے مطابق وہ مسجد کے صحن میں چھوٹے چھوٹے تنکوں سے کھیل رہے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا انہیں نبی ﷺ کے پیچھے چھپ کر یوں دیکھ رہی تھیں کہ آپ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا کھیل کھیلنے اور دیکھنے میں حرج نہیں جس میں کوئی خلاف شرع حرکت نہ ہو اور نہ ہی کسی مکروہ امر کے شامل ہونے کا احتمال ہو۔

٤١٠- بَابُ الْمَرْأَةِ تَصِلُ شَعْرَهَا بِشَعْرِ غَيْرِهَا

عورت کا اپنے بالوں میں دوسرے انسان کے بال لگانا

٨٩٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِيْ سُفْيَانَ عَامَ حَجَّ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ يَا اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَيْنَ عُلَمَاءُ كُمْ وَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِنْ شَعْرٍ كَانَتْ فِيْ يَدِ حَرَسِيٍّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذَا وَيَقُوْلُ اِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ حِيْنَ اتَّخَذَ هٰذِهٖ نِسَاءُهُمْ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن شہاب نے خبر دی' انہیں حمید بن عبد الرحمان نے بتایا کہ اس نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا' جب وہ حج پر آئے تھے وہ کہہ رہے تھے: اے اہلِ مدینہ! تمہارے علماء کدھر ہیں؟ پھر انہوں نے اپنے محافظ کے ہاتھ سے بالوں کا ایک گچھا لے کر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا' آپ اس طرح کے بال لگانے سے منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے: بنو اسرائیل کی عورتوں نے جب یہ بال اپنے بالوں میں لگانے شروع کیے تو وہ ہلاک ہو گئیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يُكْرَهُ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَصِلَ شَعْرًا اِلٰى شَعْرِهَا اَوْ تَتَّخِذَ قُصَّةَ شَعْرٍ وَلَا بَاْسَ بِالْوَصْلِ فِي الرَّاْسِ اِذَا كَانَ صُوْفًا فَاَمَّا الشَّعْرُ مِنْ شُعُوْرِ النَّاسِ فَلَا يَنْبَغِيْ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عورت کے لیے مکروہ ہے کہ اپنے بالوں میں کوئی دوسرے بال لگائے' بالوں کا گچھا بڑھائے۔ تاہم اون کے دھاگے بالوں سے لگانے میں حرج نہیں (یعنی پراندہ) البتہ بالوں میں انسانی بالوں کا اضافہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء رحمہم اللہ کا قول ہے۔

یاد رہے بالوں میں انسانی بال لگوا کر انہیں زیادہ اور دراز تر ظاہر کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے' اس فعل کی مرتکب عورتوں پر اللہ لعنت فرماتا ہے' حدیث میں ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال لعن النبی ﷺ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة. (صحیح بخاری کتاب اللباس باب ٨٥)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالوں میں بال لگانے اور لگوانے والی اور چہرہ گودنے اور گدوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔

اسی جگہ بخاری میں دوسری حدیث یہ ہے کہ بالوں میں بال لگانے اور لگوانے والی دونوں عورتوں پہ خود اللہ لعنت فرماتا ہے۔

اس لعنت کا سبب یہی ہے کہ اللہ کو جھوٹ پسند نہیں اور بالوں میں بال لگوانا جھوٹے اور مصنوعی حسن کا مظاہرہ ہے۔ البتہ بالوں کو اکٹھا رکھنے کے لیے ان میں دھاگوں کا پراندہ لگانا جائز ہے' اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ مقصد صرف بالوں کی حفاظت ہے۔

٤١١- بَابُ الشَّفَاعَةِ

شفاعت کا بیان

٨٩٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ فَاُرِيْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ اَخْتَبِئَ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' وہ کہتے ہیں ہمیں ابن شہاب نے خبر دی' انہیں ابوسلمہ بن عبد الرحمان نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حدیث بتائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو ایک خاص دعا دی گئی (کہ اسے مانگ لے) اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا روزِ قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھ لوں۔

روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ کو خصوصی مقام شفاعت دیا جائے گا جس کے ذریعے آپ اپنی امت کے اہل کبائر کی شفاعت فرما کر انہیں جنت بھیجیں گے۔ روزِ قیامت ہر نبی اوّلاً شفاعت سے انکار کر دے گا اور کہے گا: ''اذھبوا الی غیری' مجھے چھوڑ دو کسی اور کے پاس چلے جاؤ''۔ آخر سب لوگ درِرسول ﷺ پر حاضر ہوں گے۔ آپ فرمائیں گے: ''انا لھا انا لھا کہ شفاعت کے لیے تو میں ہی ہوں'' تب آپ بارگاہِ رب العزت میں سر رکھ کر گریہ زاری فرمائیں گے۔ آخر دریائے رحمت جوش میں آئے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد! (ﷺ) آپ شفاعت فرماتے جائیں' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ مانگتے جائیں آپ کے ہر سوال کو پورا کیا جائے گا' تب آپ ہر اس شخص کو جہنم سے نکال لائیں گے جس نے لا الٰہ الا اللہ یعنی کلمہ شریف پڑھا تھا۔

٤١٢- بَابُ الطِّيْبِ لِلرَّجُلِ

مردوں کے لیے خوشبو لگانا

٨٩٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَتَطَيَّبُ بِالْمِسْكِ الْمُفَتَّتِ الْيَابِسِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ یحییٰ بن سعید نے ہم سے روایت کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خشک کستوری گھس کر خوشبو لگاتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَاْسَ بِالْمِسْكِ لِلْحَيِّ وَلِلْمَيِّتِ اَنْ يَتَطَيَّبَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں اس پر ہمارا عمل ہے زندوں یا مردوں کو مشک لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

مذکورہ باب میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا خوشبو لگانے کے بارے میں عمل ذکر کیا گیا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمل کو اپنا مسلک قرار دیا لیکن ساتھ اضافہ فرما دیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمل سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ خوشبو لگانا صرف زندوں کے لیے جائز ہے' مردوں کے لیے خوشبو لگانا ناجائز ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ زندوں اور مردوں کو خوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے علماء وفقہاء کا یہی قول ہے۔

قارئین کرام! یاد رہے خوشبو لگانا صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی عمل نہیں بلکہ سُنتِ رسول ہے اور ایسی پیاری سُنت ہے کہ باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے پورے جسم کو معطر بنا دیا تھا اس کے باوجود آپ پھر بھی خوشبو لگاتے تھے حالانکہ اگر آپ خوشبو نہ لگاتے تو آپ کی ذاتی خوشبو کائنات کی خوشبو سے اعلیٰ و بالا تھی لیکن خوشبو اس لیے لگائی تا کہ اُمت کے لیے سُنت بن

جائے۔اب میں آپ کا جسم معطر ہونے پر اور آپ کے خوشبو لگانے پر چند روایات نقل کرتا ہوں۔ملاحظہ فرمائیں۔

وکان ﷺ طیب الریح دائما وان لم یمس طیبا کما جاء فی الاخبار الصحاح وکان مع ذلک یحب استعمال الطیب استکثارا للروائح الحسنۃ لانہ کان یناجی الملائکۃ و تشریعا لامتہ وسیأتی فی باب الخلق قول انس ماشممت عنبرا قط ولا مسکا ولاشیئا اطیب من عرق رسول اللہ ﷺ وذکر البخاری فی تاریخہ الکبیر عن جابر رضی اللہ عنہ لم یکن النبی ﷺ یمر فی طریق فیتبعہ احد الاعرف انہ سلکہ من طیبہ علیہ السلام وذکر اسحاق بن راھویۃ ان تلک کانت رائحۃ بلا طیب قالوا وکان رسول اللہ ﷺ یصافح المصافح فیظل یومہ یجد ریحھا وکان یضع یدہ علی راس الصبی فیعرف من بین الصبیان بطیب الرائحۃ وفی صحیح مسلم انہ نام عند ام سلیم فعرق فسلت عرقہ فی قارورتھا فاستیقظ فقال ماھذا الذی تصنعین یا ام سلیم فقالت ھذا عرقک نجعلہ لطیبنا وھو اطیب الطیب وروی ابو یعلی والطبرانی ان النبی ﷺ سلت من عرقہ لمن استعان بہ علی تجھیز ابنتہ وجعلہ فی قارورۃ وقال مرھا فتطیب بہ فکانت اذا تطیبت بہ شم اھل المدینۃ ذلک الطیب فسموا بیت المطیبین قلت ویفھم من قولہ الاعرف انہ سلکہ ومن قولہ فیعرف من بین الصبیان ومن قول ام سلیم ھو اطیب الطیب ومن قولہ شم اھل المدینہ ذالک المطیب ان طیبہ علیہ السلام لایشبہ طیب فتنبہ لذلک۔

(شرح الشمائل المحمدیہ مصنفہ محمد بن قاسم جسوس باب ماجاء فی تعطر رسول اللہ ﷺ ج ۲ ص ۷ مطبوعہ بیروت)

نبی پاک ﷺ سے ہمیشہ خوشبو مہکتی تھی اگر چہ وہ خوشبو نہ لگاتے جیسا کہ صحیح روایت میں آ چکا ہے اور باوجود اس کے (آپ کی ذات سے خوشبو مہکتی تھی) آپ خوشبو لگانے کو پسند فرماتے اچھی خوشبو کی زیادتی کے لیے کیونکہ آپ ملائکہ سے سرگوشی فرماتے اور امت کے لیے احکام شریعہ بیان فرماتے۔عنقریب باب خلق میں قول انس بن مالک آئے گا میں نے قطعی طور پر عنبر اور مشک اور کوئی شے نہیں سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کے پسینے سے زیادہ خوشبو والا ہو اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی پاک ﷺ کسی راستے نہیں گزرتے تھے کہ آپ کو کوئی تلاش کرنے والا تلاش کرتا مگر وہ آپ کی خوشبو کی وجہ سے جان جاتا کہ نبی علیہ السلام اس راستے سے چل دیئے۔اسحٰق بن راھویہ نے ذکر کیا کہ نبی پاک ﷺ کی یہ خوشبو جو تھی بغیر کسی خوشبو لگانے کے تھی اور نبی پاک ﷺ کسی آدمی سے مصافحہ فرماتے تو وہ آدمی آپ کی خوشبو کو پورا دن پاتا اور جس بچے کے سر پر آپ ﷺ ہاتھ پھیر دیتے وہ بچوں میں سے پہچانا جاتا' آپ کی خوشبو کی وجہ سے۔ابو یعلی طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے پسینہ شریف کو اس آدمی کے لیے اُتارا کہ جس نے اپنی بیٹی کے لیے آپ سے مدد طلب کی۔نبی پاک ﷺ نے اپنے پسینے کو ایک شیشی میں ڈال دیا اور فرمایا: اس آدمی کو کہ تو اپنی بیٹی کو حکم دے کہ وہ اس خوشبو کو لگائے تو جب وہ بیٹی اس خوشبو کو لگاتی تو تمام اہل مدینہ اس خوشبو کو سونگھتے اسی وجہ سے اس کے گھر کا نام بیت المطیبین پڑ گیا یعنی خوشبو والوں کا گھر۔میں کہتا ہوں کہ آپ جس راستے پر سے گزر جاتے پہچانے جاتے اور جس بچے کے سر پہ آپ ہاتھ رکھتے وہ بچوں میں پہچانا جاتا اور جب وہ لڑکی خوشبو لگاتی تو پورا مدینہ اسے سونگھتا۔ان تمام باتوں سے سمجھا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی خوشبو کی مثل کوئی خوشبو نہ تھی۔اس میں تو غور و فکر کر تجھے بھی سمجھ آئے گا کہ نبی علیہ السلام کی خوشبو کی مثل کائنات کی کوئی خوشبو نہ تھی

یاد رہے کہ نبی علیہ السلام کی خوشبو کے متعلق کثیر کتب احادیث میں ذکر کیا جاتا ہے۔
میں نے شرح الشمائل المحمدیہ کی صرف ایک عبارت نقل کی ہے جس سے آپ کی ذاتی خوشبو کا اثبات واضح طور پر پایا جاتا ہے۔
اب اس کے بعد بطور تائید شفاء شریف مصنفہ قاضی عیاض کی ایک عبارت نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ثابت بن انس قال ماشممت عنبرا قط ولامسكا ولاشيئا اطيب من ريح رسول الله ﷺ وعن جابر بن سمرة انه ﷺ مسح خده قال فوجدت يده بردا وريحا كانما اخرجها من جوفة عطار قال غيره مسها بطيب اولم يمسها يصافح المصافح فيظل يومه يجد ريحها ويضع يده على راس الصبى فيعرف من بين الصبيان بريحها ونام رسول الله ﷺ فى دار انس فعرق فجاءت امه بقارورة تجمع فيها عرقة فسألها رسول الله ﷺ عن ذالك فقالت نجعله فى طيبنا فهو من اطيب الطيب وذكر البخارى فى تاريخه الكبير عن جابر لم يكن النبى ﷺ يمر فى طريق فيتبعه احد الاعرف انه سلكه من طيبه وذكر اسحاق بن راهوية ان تلك كانت رائحته بلاطيب ﷺ وروى المزنى والحربى عن جابر اردفنى النبى ﷺ خلفه فالتقمت خاتم النبوة بفمى فكان ينم على مسكا وقد حكى بعض المعتنيين باخباره وشمائله ﷺ انه كان اذا اراد ان يتغوط انشقت الارض فابتلعت غائطه وبوله وفاحت لذالك رائحة طيبة ﷺ واسند محمد بن سعد كاتب الواقدى فى هذا خبرا عن عائشة رضى الله عنها انها قالت للنبى ﷺ انك تاتى الخلاء فلا نرى منك شيئا من الاذى فقال يا عائشة او ماعلمت ان الارض تبتلع مايخرج من الانبياء فلا يرى منه شىء.....و منه حديث على رضى الله عنه غسلت النبى ﷺ فذهبت انظر مايكون من الميت فلم اجد شيئا فقلت طبت حيا و ميتا قال وسطعت

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی عنبر اور کستوری وغیرہ کو حضور ﷺ کی خوشبو سے زیادہ اچھا نہیں پایا۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے رخسار کو مس کیا تو میں نے آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اور خوشبو کو پایا گویا کہ ابھی آپ نے عطار کے ڈبے سے نکالا ہے اس کے غیر نے کہا کہ آپ ﷺ خوشبو لگائیں نہ لگائیں آپ جس سے بھی مصافحہ کرتے وہ کئی دن تک آپ کی خوشبو کو پاتا تھا اور آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ایک بچے کے سر پر رکھا تو وہ خوشبو کی وجہ سے دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں نیند فرمائی تو آپ کو پسینہ آ گیا پس ان کی ماں ایک شیشی لائی اور اس میں آپ کے پسینے کو جمع کرنے لگی تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا کیا کر رہی ہے؟ تو اس نے کہا کہ وہ خوشبو کو جمع کر رہی ہے جو سب سے اچھی خوشبو ہے۔ اور امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کسی گلی یا راستہ سے نہیں گزرتے تھے مگر یہ کہ آپ سے پیچھے آنے والا آپ کی خوشبو کی وجہ سے آپ کو پہچان لیتا تھا۔ اسحٰق بن راہویہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ خوشبو بغیر خوشبو کے لگانے سے تھی۔ مزنی اور حربی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا میں نے آپ کی مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا پس وہ خوشبو کو کھینچنے لگی پس وہ اور بعض معتبر لوگوں نے آپ کے اقوال، صفات کی اخبار اور اسماء کے ساتھ اس بات کو ذکر کیا ہے کہ جب آپ پیشاب کرنے کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی پھر آپ کا فضلہ مبارک اور بول مبارک اس کے اندر چلا جاتا اور اس سے بھینی بھینی خوشبو آتی۔ محمد بن سعد کاتب واقدی نے اسناد کے ساتھ اس خبر کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت

منه ريح طيبة لم نجد مثلها قط.

(شفاء شریف مصنف قاضی عیاض ج اص ۶۱ فصل وما نظافته جسمه وطيب ريحه و عرقه مطبوعہ مصر)

عائشہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ بے شک بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں لیکن ہم اس سے اذی میں سے کوئی چیز نہیں پاتے۔ پس آپ نے فرمایا: اے عائشہ! رضی اللہ عنہا کیا تو نہیں جانتی کہ انبیاء کے جسم سے جو کچھ باہر آتا ہے اسے زمین کھا جاتی ہے پس اس میں کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس سلسلہ سے متعلق ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو غسل دیا اور انتظار کیا کہ کوئی چیز میت سے باہر آئے لیکن میں نے کسی چیز کو نہ پایا پس میں نے عرض کیا آپ زندہ ہونے کی حالت میں اور وصال فرمانے کی حالت میں بھی خوشبو بکھیرنے والے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں پاکیزہ خوشبو جو ہر طرف پھیل گئی ہم نے اس جیسی خوشبو کبھی نہیں پائی۔

قارئین کرام! یہ تو تھے نبی علیہ السلام کی خوشبو کے فضائل ومناقب۔ اب خوشبو کے چند احکام نقل کرتے ہیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ ثلث لاترد الوسائد والدهن والطيب واللبن..... عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ طيب الرجال ما ظهر ريحه وخفي لونه وطيب النساء ماظهر لونه وخفي ريحه..... عن ابى عثمان النهدى قال قال رسول الله ﷺ اذا اعطى احدكم الريحان فلا يرده فانه خرج من الجنة.

(شمائل ترمذی شریف (ترمذی کے آخر میں مختصر طبع کی گئی ہے) ج ۲ص ۱۵ باب التعطر وکیفیۃ الکلام مطبوعہ امین کمپنی اردو بازار دہلی ہند)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ تین چیزوں کو رد نہ کیا جائے' تیل' خوشبو اور دودھ ......حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو ظاہر ہو اور اس کا رنگ خفی یعنی ہلکا ہو' اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور خوشبو مخفی ہو......ابو عثمان النہدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو خوشبو عطا کی جائے وہ اس کو رد نہ کرے کیونکہ یہ خوشبو جنت سے آئی ہے۔

قارئین کرام! شمائل ترمذی کی مذکورہ روایت سے ثابت ہوا کہ خوشبو جنت سے آئی ہے اسی لیے اسے رد نہیں کرنا چاہیے اس حکم میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں لہٰذا دونوں کے لیے خوشبو لگانا اچھا ہے۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ مرد وہ خوشبو لگائے کہ جس کا رنگ خفی ہو اور خوشبو ظاہر ہو' کیونکہ مرد کی خوشبو کے لیے ظاہر ہونے میں کوئی خطرہ نہیں ہے بخلاف عورت کے کہ اس کی خوشبو کے ظاہر ہونے میں فتنہ ہے اسی لیے اس کا رنگ تو ظاہر ہو کیونکہ وہ گھر میں رہے گی لیکن خوشبو اس کی ظاہر نہیں ہونی چاہیے جو گھر سے باہر نکلے تاکہ کسی فتنے کا باعث نہ ہو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۴۱۳- بَابُ الدُّعَاءِ

دعائے ہلاکت کے بیان میں

۸۹۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَعٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى الَّذِيْنَ قَتَلُوْا اَصْحَابَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ ثَلٰثِيْنَ غَدَاةٍ يَدْعُوْ عَلٰى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنَسٌ نَزَلَ فِي الَّذِيْنَ قُتِلُوْا بِبِئْرِ مَعُوْنَةَ قُرْاٰنٌ قَرَاْنَاهُ حَتّٰى نُسِخَ بَلِّغُوْا قَوْمَنَا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا وَرَضِيَ عَنَّا وَرَضِيْنَا عَنْهُ.

صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس دن تک لوگوں پر بددعا فرمائی جنہوں نے اصحاب بئر معونہ کو قتل کیا تھا قبیلہ رعل' ذکوان' اور عصیہ' ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی۔ انس نے کہا وہ لوگ جو بئر معونہ میں قتل ہوئے تھے ان لوگوں کے حق میں قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی جس کو ہم نے پڑھا پھر منسوخ ہوگئی' ہماری قوم کو پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہوئے۔

مذکورہ بات میں بئر معونہ پر شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قاتلوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلاکتِ دعا کا ذکر کیا گیا جس کے اصل واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ صفر ۴ھ کے درمیان بئر معونہ سے جو کہ مکہ معظمہ اور عسفان اور علاقہ ہذیل کے درمیان ہے' کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے کہ ہم لوگ مسلمان ہو چکے ہیں' ہمیں علم سکھانے کے لیے کچھ علماء دیئے جائیں' اس علاقہ میں رعل' ذکوان' عصیہ اور بنی لحیان قبیلے آباد تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر قاری بھیجے جن کا امیر منذر ابن عمرو کو بنایا جب یہ حضرات بئر معونہ پر پہنچے تو مذکورہ قبائل نے بدعہدی کی اور عامر بن طفیل کی سرکردگی میں ان سب کو شہید کر دیا گیا صرف کعب بن زید نجاری بچے وہ بھی آخری سانسوں میں' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی آپ کو سخت صدقہ ہوا اور آپ نے ان قبیلوں پر ایک ماہ تک بددعا فرمائی اس طرح کہ فجر کی نماز کی جماعت میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھا کر قنوتِ نازلہ پڑھتے تھے تب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور قنوتِ نازلہ منسوخ فرمائی گئی (بخاری و مسلم وغیرہ و تفسیر کبیر و خازن و بیضاوی و روح المعانی و تفسیر صاوی وغیرہ) مگر ان روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ بئر معونہ کا واقعہ جنگِ احد سے صرف چار ماہ بعد ہوا ابھی جنگِ احد کے زخم ہرے تھے کہ بئر معونہ والوں نے یہ چرکے اور لگا دیئے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے کفارِ احد اور قبائل بئر معونہ سب پر ہی بددعا فرمائی' کفارِ احد پر احد کے واقعات کی بناء پر اور ان قبیلوں سے بئر معونہ کے واقعات کی بناء پر غرضیکہ یہ تمام واقعات ہی اس آیت کے شانِ نزول کا باعث ہیں۔ یہ تو تھا واقعہ بئر معونہ کا خلاصہ' اب میں قدرے تفصیل کے ساتھ دلائل نبوت سے نقل کرتا ہوں اور صرف ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

بعض اہل علم نے کہا کہ ابوالبراء عامر بن مالک بن جعفر مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ پس نبی علیہ السلام نے اس پر اسلام پیش کیا اور اس کی طرف دعوت دی پس اس نے نہ اسلام قبول کیا اور نہ اس کا انکار کیا اور کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے نجد کی طرف بھیج دیں اور وہ ان کو اسلام کی دعوت دیں تو مجھے امید ہے کہ وہ دعوت قبول کر لیں گے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اہل نجد سے ڈرتا ہوں۔ ابوالبراء نے کہا میں ان کے لیے ضامن ہوں' آپ بھیجیں ان کو تاکہ وہ لوگوں کو آپ کے حکم کی طرف بلائیں۔ منذر بن عمرو کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تاکہ وہ آپ کے پسندیدہ چالیس صحابہ کرام کے درمیان شہید ہو۔ اور ان چالیس میں سے حارث بن صمہ' حرام بن ملحان' بنی عدی کے بھائی اور عروہ بن اسماء بن صلت سلمی اور نافع ابن ورقاء خزاعی اور ابوبکر صدیق کے غلام عامر بن فہیرہ یہ لوگ پسندیدہ مسلمانوں میں سے ان میں موجود تھے یہ چل پڑے یہاں تک کہ بئر معونہ پر اترے اور بئر معونہ بنی عامر اور جراء بن سلیم دونوں شہروں کے قریب ہے لیکن جراء بن سلیم زیادہ قریب ہے جب یہ صحابہ کرام بئر معونہ پر اترے انہوں نے حرام بن ملحان کو حضور کا خط دے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کی طرف بھیجا جب حرام بن ملحان' عامر بن طفیل کی طرف پہنچا تو عامر بن طفیل نے خط کو نہ دیکھا اور حرام بن ملحان پر حملہ کر کے اس کو شہید کر دیا پھر اس نے ان

صحابہ رضی اللہ عنہم پر مدد کے لیے بنی عامر کو بلایا تو انہوں نے اس کی بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ابو البراء کے عہد کو نہیں توڑا جائے گا اور حمایت اٹھائی ہوئی ہے پھر عامر بن طفیل نے بنو سلیم' عصیہ' رعل' ذکوان' قارہ کو پکارا انہوں نے عامر بن طفیل کی پکار کو قبول کیا یہاں تک کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھیرے میں لے لیا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو دیکھا تو انہوں نے بھی تلواریں نکال لیں اور لڑائی شروع کر دی یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے سوائے کعب بن زید کے۔ اس کو بھی کفار نے اس حال میں چھوڑا کہ اس میں زندگی کی ایک رمق باقی تھی۔ لیکن وہ بچ نکلا حتیٰ کہ وہ خندق کے روز شہید ہوا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی ج ۳ ص ۳۳۸ باب غزوۂ بئر معونہ مطبوعہ بیروت' سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۹۸ صدیث بئر معونہ' طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ مصر)

قارئین کرام! یہ ہے بئر معونہ کا اصل واقعہ اور بعض روایات میں ستر قراء کا بھی ذکر آیا ہے کہ آپ نے ستر قاریوں کو بھیجا اور ان کے شہید ہونے کے بعد ایک ماہ تک ان کے لیے بددعا کی اس بددعا کو قنوتِ نازلہ کہتے ہیں یہ دعائے قنوت کے علاوہ ہے' دعائے قنوت میں وتروں میں پڑھے جانے پر تقریباً اتفاق ہے لیکن اس قنوتِ نازلہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ بعض ظاہریہ یعنی غیر مقلدین کے نزدیک ہر فرض نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنا مستحسن ہے چاہے کوئی مصیبت نازل ہوئی یا نہ جب کہ غیر مقلدین کے امام ابن حزم نے اپنی مشہور کتاب المحلی میں قنوتِ نازلہ کے بارے میں اپنا مسلک یوں نقل کیا۔

مسألة والقنوت فعل حسن وهو بعد الرفع من الركوع في اخر ركعة من كل صلوة فرض' الصبح وغير الصبح وفي الوتر فمن تركه فلا شيء عليه في ذلك وهو ان يقول بعد قوله ربنا ولك الحمد.

قنوت' فعل حسن ہے ہر فرض نماز کی آخری رکعت کے رکوع کے بعد اس کو پڑھا جائے' صبح' غیر صبح اور وتر کا اس میں کوئی فرق نہیں' جس نے اس کو چھوڑ دیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(المحلی مصنفہ ابن حزم ج ۴ ص ۱۳۸ مسئلہ نمبر ۴۵۹ مطبوعہ قاہرہ مصر)

مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک ہر فرض نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنا واجب نہیں' مستحب ہے۔ دوسرا ہر فرض نماز کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھنا مستحب ہے۔ بعض غیر مقلدین ہر نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد اب بھی قنوت پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فجر کی نماز میں صحابہ کرام ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے اگرچہ مسلک ان کا یہی ہے کہ ہر فرض نماز میں قنوت پڑھنی چاہیے لیکن فجر اور مغرب میں خصوصیت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ قنوتِ نازلہ کا پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے لہٰذا اب کسی نماز میں بھی قنوتِ نازلہ کا پڑھنا جائز نہیں۔ نہ ہی خوف اور نہ ہی عدم خوف میں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قنوتِ نازلہ کو ایک ماہ تک پڑھا ہے پھر اس کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قنوتِ نازلہ پڑھنے پر لیس لک من الامر شیء فرما کر منع کر دیا۔ اب ہم قنوتِ نازلہ کے نہ پڑھنے پر چند احادیث ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

قنوتِ نازلہ کا پڑھنا معمولِ صحابہ نہیں ہے

عن الزهري قال كان يقول من اين اخذ الناس القنوت؟ وتعجب ويقول انما قنت رسول الله ﷺ اياما ثم ترك ذلك.....عن الزهري قال قبض رسول الله ﷺ وابو بكر وعمر وهم لا يقنتون.....عن علقمة والاسود انهما قالا صلى بنا عمر زمانا لم يقنت.....عن الاسود بن يزيد و.....

زہری سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ قنوت کو لوگوں نے کہاں سے پکڑ لیا اور اس پر تعجب کرتے اور فرماتے کہ نبی پاک ﷺ نے کچھ دن قنوت پڑھی پھر اس کو چھوڑ دیا۔ زہری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ دنیا سے تشریف لے گئے اس حال میں کہ وہ قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ علقمہ اور اسود سے روایت

عمرو بن میمون الدودی قالا صلینا خلف عمر بن الخطاب الفجر فلم یقنت....عن علقمة بن قیس ان ابن مسعود کان لا یقنت فی صلوة الفجر.....عن یحیی بن عثمان التیمی قال سمعت عمرو بن میمون یقول صلیت خلف عمر الفجر فلم یقنت فیها.....عن نافع ان ابن عمر کان لا یقنت فی الفجر.....عن ابی الشعثاء قال سألت ابن عمر عن القنوت فی الفجر فقال ما شعرت ان احدا یفعله.

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۰۵-۱۰۷' باب القنوت' مطبوعہ بیروت)

ہے کہ یہ دونوں فرماتے تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک زمانہ تک نمازیں پڑھائیں لیکن قنوت نہیں پڑھی۔ اسود بن یزید اور عمرو بن میمون سے روایت ہے وہ دونوں کہتے ہیں ہم نے فجر کی نماز عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی انہوں نے قنوت نہیں پڑھی۔ علقمہ ابن قیس سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ یحیٰی بن عثمان تیمی کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن میمون سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے عمر فاروق کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے قنوت نہیں پڑھی۔ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ ابی شعثاء سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز فجر میں قنوت کے بارے میں سوال کیا تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں کسی ایک کو بھی نہیں جانتا جو قنوت پڑھتا ہو۔

عن ابی مالک عن ابیه قال قلت له صلیت خلف رسول الله ﷺ وابی بکر و عمرو عثمان ا‌ن کانوا یقنتون فقال لا یا بنی هی محدثة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۸' کتاب الصلوات' باب من کان لایقنت فی الفجر' مطبوعہ کراچی' پاکستان)

ابو مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے کہا کہ اپنے باپ کے لیے تو نے رسول اللہ ﷺ' ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں کیا وہ قنوت پڑھتے تھے؟ اے میرے بیٹے! کہا: نہیں پڑھتے تھے' یہ ایک نئی ایجاد ہے۔

مذکورہ روایت سے ثابت ہوا کہ نبی پاک ﷺ' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ قنوت نہیں پڑھتے تھے بلکہ امام زہری نے اس بات پر تعجب کیا کہ جم لوگوں نے نمازوں میں قنوت پڑھنا شروع کر دیا اور دوامی عمل بنالیا ہے' یہ عمل انہوں نے کہاں سے اخذ کیا ہے؟ نبی پاک ﷺ نے تو چند دن قنوت پڑھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ ان لوگوں کا دائمی عمل کہاں سے ماخوذ ہے؟ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت بڑے مجتہد' عبداللہ بن عمر' عمر فاروق اور عبد اللہ بن مسعود میں سے کوئی بھی قنوت کو نہیں پڑھتا تھا بلکہ عبد اللہ بن عمر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ میں تو کسی ایک صحابی کو بھی نہیں جانتا جس نے فرض نمازوں میں قنوت پڑھنے پر دوام اختیار کیا ہو۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ کی امام مالک والی روایت نے بالکل واضح کر دیا کہ جب ابو مالک نے اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ' ابو بکر صدیق' عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم میں سے کوئی قنوت پڑھتا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ کوئی نہیں پڑھتا۔ اب لوگوں نے اسے عمل بنا ڈالا' یعنی قنوت نازلہ سرکار دو عالم ﷺ نے کچھ ایام پڑھی ضرور ہے لیکن اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا تو آپ نے قنوت پڑھنا چھوڑ دیا۔ گویا کہ قنوت پڑھنے کا احادیث میں جو ذکر آیا ہے' وہ چند دن آپ نے پڑھی پھر اس کا عمل منسوخ ہو گیا۔ اب میں چند روایات قنوتِ نازلہ کے پڑھنے کے منسوخ ہونے پر پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

قنوتِ نازلہ کے منسوخ ہونے پر چند احادیث وآثار

عن عبد الله قال لم يقنت النبی ﷺ الاشهرا لم يقنت قبله ولا بعده..... عن ابن مسعود قال قنت رسول الله ﷺ شهرا يدعوا على عصية و ذكوان فلما ظهر عليهم ترک القنوت..... قال ابو جعفر لهذا ابن مسعود رضی الله عنه يخبر ان قنوت رسول الله ﷺ الذی كان انما كان من اجل من كان يدعو عليه وانه قد كان ترک ذلک فصار القنوت منسوخا فلم يكن هو من بعد رسول الله ﷺ يقنت ثم قد اخبرهم ان الله عزوجل نسخ ذلک حين انزل على رسول الله ليس لک من الامر شیء او يتوب عليهم او يعذبهم فانهم ظالمون يصار ذلک عند ابن عمر رضی الله عنهما منسوخا ايضا فلم يكن هو يقنت بعد رسول الله ﷺ وكان ينكر على من كان يقنت كما.... عن ابی مجلز قال صليت خلف ابن عمر رضی الله عنه الصبح فلم يقنت فقلت الكبر يمنعک فقال ما احفظه عن احد من اصحابی.....فوجه ما روی عن ابن عمر رضی الله عنه فی هذا الباب انه رای رسول الله ﷺ اذا رفع راسه من الركعة الاخرة قنت حتی انزل الله تعالی ليس لک من الامر شیء او يتوب عليهم او يعذبهم فانهم ظلمون فترک لذالک القنوت الذی كان يقنته وساله ابو مجلز فقال الكبر يمنعک من القنوت فقال ما احفظه من احد من اصحابی يعنی من اصحاب رسول الله ﷺ ای انهم لم يفعلوه بعد ترک رسول الله ﷺ اياه .....فقد ثبت بما روينا عنه نسخ قنوت رسول الله ﷺ بعد الركوع ونفی القنوت قبل الركوع اصلا ان رسول الله ﷺ لم يكن يفعله ولا خلفاء ه من بعده.

عبداللہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ قنوت پڑھی نہ اس سے پہلے پڑھی اور نہ اس کے بعد۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ایک ماہ قنوت پڑھی عصیہ اور ذکوان پر بددعا کی۔ لہٰذا جب آپ ان پر غالب آ گئے تو آپ نے قنوت کو چھوڑ دیا۔ ابو جعفر نے کہا کہ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی قنوت وہ ہے جو ہم پڑھتے ہیں اس لیے کہ آپ نے ان پر بددعا کی تو جب آپ نے ہی اس کو ترک کر دیا تو قنوت منسوخ ہو گئی اس لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے بعد قنوت نہیں پڑھی۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خبر دی کہ قنوتِ نازلہ اس وقت منسوخ ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے لیس لک من الامر شیء کو نازل فرمایا یعنی آپ کیلیے کسی امر میں اختیار نہیں یا تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں (تو قنوتِ نازلہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک منسوخ ہو گئی اس لیے انہوں نے آپ کے بعد قنوت نہیں پڑھی اگر کوئی قنوت پڑھتا تو آپ اس پر بھی انکار فرماتے۔ ابی مجلز سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہ پڑھی تو میں نے کہا کہ آپ کو قنوت پڑھنے سے کس نے منع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں قنوتِ نازلہ کے پڑھنے کو کسی صحابی سے یاد نہیں پاتا۔ اس روایت کی وجہ جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی باب میں آئی ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے آخری رکعت کے رکوع سے سر اٹھایا تو قنوت پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ آپ کے لیے کسی چیز میں اختیار نہیں یا تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں اس آیت کی وجہ سے آپ نے قنوت پڑھنا چھوڑ دیا۔ سوال کیا ابو مجلز نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ آپ کو قنوت پڑھنے سے کبر نے منع کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں کسی صحابی کے بارے میں یاد نہیں رکھتا کہ بے شک انہوں نے قنوت کو

(شرح معانی الآثار ج اص ۲۴۵-۲۴۶' باب القنوت فی صلوۃ الفجر وغیرہا' مطبوعہ بیروت' لبنان)

نہیں کیا نبی علیہ السلام کے چھوڑنے کے بعد۔ جو ہم نے روایت کیا ہے اس سے رکوع کے بعد رسول اللہ ﷺ کا قنوت پڑھنا منسوخ ثابت ہوا اور قبل رکوع تو قنوتِ نازلہ کی نفی اصل ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ نے اور آپ کے خلفاء نے آپ کے بعد قنوت نہیں پڑھی۔

خلاصۂ کلام

طحاوی کی مذکورہ عبارات نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قنوتِ نازلہ کو صرف چند روز پڑھا ہے' نہ اس سے پہلے پڑھا ہے نہ اس کے بعد پڑھا۔ پہلے نہ پڑھنا تو واضح ہی ہے کیونکہ بدعہدی سے پہلے بددعا کرنا بے معنیٰ ہے اور اس واقعہ کے بعد بھی صرف چند روز پڑھنے کے بعد نہ آپ نے قنوتِ نازلہ پڑھی اور نہ خلفائے راشدین نے پڑھی۔ قنوت کے پڑھنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ نبی علیہ السلام نے قنوتِ نازلہ کو پڑھا۔ تو جب کثیر احادیث میں آ چکا ہے کہ **لیس لک من الامر شیء** کے نازل ہونے پر آپ نے قنوتِ نازلہ کے پڑھنے کو چھوڑ دیا۔ اس کا واضح معنی یہی ہے کہ قنوتِ نازلہ کا پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

اعتراض اوّل: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے قبضے میں کوئی چیز نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی اختیار دیا ہے۔ نبی علیہ السلام کو مختار کہنا یہ ''**لیس لک من الامر شیء** یعنی آپ کو کسی معاملے میں کوئی اختیار نہیں'' کے خلاف ہے۔ لہٰذا جو آپ کو مختار مانے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے مذکورہ واقعہ بئر معونہ میں کفار کے لیے ایک ماہ تک بددعا کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول نہیں کیا۔

جواب: جن علماء نے یہ اعتراض کیا ہے ان کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کے سینے عشقِ رسول ﷺ سے خالی ہیں کیونکہ نبی پاک کی حدیث ہے کہ **یعمی ویصم** یعنی محبّ محبوب کا نقص سننے سے بہرا اور دیکھنے سے اندھا ہوتا ہے۔ یعنی محبّ کو محبوب کا کوئی نقص نظر نہیں آتا اور جس کو محبوب میں نقائص نظر آئیں وہ محبّ درحقیقت محبّ نہیں ہوتا اور یہ جو معترض کی عبارت ہے یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہمارے اور نبی کے مجبور ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ ان کا کہنا حدیثِ قدسیہ کے خلاف ہے' نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بندہ نوافل پڑھتے ہوئے جب اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کان' آنکھ' ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہے یعنی اس بندے کی آنکھ' کان' ہاتھ وغیرہ میں نور جلالی آ جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا' سنتا اور دیکھتا ہے۔ اور حدیث میں یہ بھی موجود ہے کہ ایسا مقبول بندہ جب مجھ سے کوئی چیز مانگے تو میں اسے ضرور عطاء کرتا ہوں۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ جب کامل اولیاء کی یہ حالت ہے کہ وہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں تو وہ انہیں عطاء کرتا ہے اور نبی علیہ السلام کا مقام تو وراء الوراء ہے۔ ان سے تو اللہ تعالیٰ نے عہد کیا ہے کہ **ولسوف یعطیک ربک فترضی** تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب کوئی ولی کوئی چیز مانگے وہ عطاء کر دے لیکن جب اس کا محبوب مانگے تو وہ عطاء نہ کرے۔ لہٰذا مذکورہ آیت کا معنی جو معترض نے سمجھا ہے وہ نہیں ہے اور جو معنی اس نے مختار کا سمجھا ہے وہ مختار کا معنی بھی نہیں ہے۔ ہمارا عقیدہ اہل سنت و جماعت حنفی بریلوی کا یہ ہے کہ ہر شے کا مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ' ہر چیز کا موجد اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات اپنے محبوبوں کو عطا فرمائی ہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں جیسے **سمیع** و **بصیر** اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں لیکن اس نے بندے کو بھی **سمیع** و **بصیر** بنایا۔ تو ہم نبی علیہ السلام کو بالذات نفع ونقصان دینے والا نہیں سمجھتے نہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے امت کو عطاء بھی کرتے

ہیں اور بخشش بھی فرماتے ہیں۔ لہٰذا لیس لک من الامر شیء، میں اختیار ذاتی کی نفی پائی جاتی ہے نہ عطائی کی۔ ورنہ اس حدیث قدسی کا کیا معنی ہوگا کہ مقبول بندہ جب مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں تو یہاں پر نفی کی حکمت یہ ہے کہ اے میرے حبیب! میں ستار بھی ہوں' غفار بھی ہوں' جبار بھی ہوں اور قہار بھی ہوں اور آپ صرف رحمۃ للعالمین ہیں۔ لہٰذا آپ کی شانِ رحمۃ للعالمین میں فرق نہ آئے۔ لہٰذا آپ ان کے حق میں بددعا نہیں فرمائیں یا تو وہ توبہ کرلیں گے یا ان پر عذاب آ جائے گا۔ لہٰذا لیس لک الخ میں مطلق ملکیت کی نفی نہیں کہ آپ کے قبضے میں کوئی چیز نہیں بلکہ موافق شان ہونے کی نفی ہے۔ یعنی جو بددعا آپ کی شان کے خلاف ہے۔ یعنی ان کا توبہ کرنا یا ان پر عذاب آنا' آپ کی مخلوق یا آپ کی ذاتی مخلوق نہیں ہے۔ لہٰذا یہ آیت نبی علیہ السلام کی رحمت کے ثبوت کے لیے ہے نہ کہ نفی اختیارات کے لیے۔ اسی آیت کی تفسیر میں امام احمد بن محمد صاوی مالکی نے لکھا ہے۔ ''فنفی ذلک من حیث الایجاد والاعلام یعنی نبی علیہ السلام نفع ونقصان کے خلق ایجاد کے مالک نہیں ہیں'' اور چونکہ جنگ احد اور غزوۂ بئر معونہ میں صرف چند ماہ کا فرق ہے۔ لہٰذا ان دونوں جنگوں کے کافروں کے لیے نبی علیہ السلام کی مذکورہ دعا نقل کی جاتی ہے اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جیسے خالد بن ولید وغیرہ جو بعد میں ایمان لے آئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اے حبیب! ان کے حق میں بددعا نہ کریں کہ ان میں یا ان کی نسلوں میں کچھ لوگ ایمان لانے والے ہیں۔ لہٰذا اس بات میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے بددعا کرنے سے منع فرمایا اور دوسرا آپ کی شان رحمۃ للعالمین پر دھبہ نہ لگے جائے اور مجھے حیرت ہے کہ اس قسم کی بات سے یہ نبی علیہ السلام کے نقائص تیار کرتے ہیں اور اگر ان میں آپ کے فضائل مضمر ہوں ان کو ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ یہ لوگ اگر غور کریں تو اسی میدانِ احد میں جو بئر معونہ کے واقعہ سے چند ماہ قبل پیش آیا جس میں آپ کو شدید تکلیف پہنچی' آپ کا چہرہ زخمی ہوا اور آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے' آپ کے دانت مبارک میں کسر یعنی چوٹ واقع ہوئی۔ اسی وقت صحابہ کرام نے کہا کہ آپ بددعا فرمائیں تو آپ نے بددعا نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ میں رحمت بن کر آیا ہوں' عذاب بن کر نہیں۔ اور صحابہ کرام کا یہ ایمان تھا اگر آپ ان کے حق میں بددعا کرتے وہ تباہ ہو جاتے۔ اسی لیے اس آیتِ کریمہ کے تحت حضرت عمر فاروق کا قول تفسیر قرطبی میں مذکور ہے اس میں واضح طور پر پایا جاتا ہے کہ اگر آپ بددعا فرماتے تو پورے کافر تباہ و برباد ہو جاتے۔

ماقاله عمر له في بعض كلامه بابي انت وامي يارسول الله لقد دعا نوح على قومه فقال رب لا تذر على الارض من الكافرين ديارا الاية ولو دعوت علينا مثلها لهلكنا من عند آخرنا. فقد وطى ظهرك وادمى وجهك وكسرت رباعيتك فابيت ان تقول الاخيرا فقلت رب اغفر لقومي فانهم لايعلمون.

(تفسیر قرطبی مصنفہ محمد بن احمد انصاری قرطبی ج ۴ ص ۲۰۰ زیر آیت لیس لک من الامر شیء۔ آل عمران ۱۲۸' مطبوعہ مصر)

حضرت عمر فاروق نے نبی علیہ السلام کے لیے جو اپنے بعض کلام میں عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ! نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی اور فرمایا اے میرے رب! روئے زمین پر کوئی کافر مت چھوڑ۔ اگر آپ ہم پر بھی اسی قسم کی دعا کرتے تو ہم سب ہلاک ہوتے باوجود اس بات کے کہ آپ کی پشت مبارک کو روندا گیا اور آپ کے چہرے کو زخمی کیا گیا اور آپ کے سامنے والے چار دانتوں کو توڑا گیا تو آپ نے انکار کیا کہ آپ بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں کہیں گے اور آپ نے (بددعا کے بدلے میں) یہ دعا کی۔ اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے وہ مجھے نہیں جانتے۔

یہاں پر یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ احد میں تو آپ نے بددعا نہیں فرمائی تو بئر معونہ کے موقع پر بددعا کیوں فرمائی؟ اس خدشے کا جواب یہ ہے کہ بعد میں رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اذیت دینے کا معاملہ تھا لہٰذا آپ نے صفتِ رحمۃ للعالمین کے مطابق

معاف فرمادیا کہ جس کے صدقے بہت سے کفار بڑے جلیل القدر صحابی بن گئے جیسا کہ خالد بن ولید ہیں اور بئر معونہ میں آپ کی ذات کی اذیت کا معاملہ نہیں تھا بلکہ صحابہ کرام کی اذیت کا معاملہ تھا لہٰذا آپ نے ان کے حق میں بددعا فرمائی۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے بددعا کرنے سے روک دیا جس کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ بددعا کرتے رہے تو وہ ہلاک ہوجاتے۔ بلکہ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ آپ نے اس وقت بددعا چھوڑ دی جب کہ ازلی بدبخت مغلوب ہوگئے۔ جیسا کہ ابھی قریب میں طحاوی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزرا ہے کہ "قنت رسول اللہ ﷺ شھرا یدعو علی العصیة ولذکوان فلما ظھر علیھم ترک القنوت" یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے عصیہ اور ذکوان پر ایک ماہ تک بددعا فرمائی جب آپ ان پر غالب آ گئے تو آپ نے قنوت کو چھوڑ دیا"۔ (طحاوی ج ا ص ۲۴۵ باب القنوت فی صلاۃ الفجر)

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ کہ جن کو ایمان نصیب نہیں ہوتا تھا اور گستاخ ہی رہنا تھا وہ ہلاک ہوگئے اور جن کی قسمت میں ایمان تھا وہ بچ گئے۔ لہٰذا جب ہلاک ہونے والے ہلاک ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب! اب آپ اس دعا کو چھوڑ دیں اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جب اتنے احتمالات موجود ہیں تو پھر ان کے باجود رسول اللہ ﷺ کو اپنے جیسا مجبور اور بے اختیار سمجھنا اور لوگوں کو اس کا قائل کرنا یہ کس قدر گندی ضمیر اور ازلی بدبختی کا اظہار ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی بدنصیب کا یہ عقیدہ ہوجائے کہ نبی علیہ السلام ہماری طرح بے اختیار اور بے بس ہیں اور ہمارے جیسے ہیں تو وہ گمراہ بددین بلکہ بعض مفسرین نے ایسے آدمی کو کافر کہا ہے۔ جیسا کہ اسی آیت کے تحت تفسیر صاوی میں یوں مذکور ہے۔

قولہ لیس لک من الامر شیء ای لاتملک لھم نفعا فتصلحھم ولا ضرا فتھلکم فنفی ذلک من حیث الایجاد والاعلام واما من حیث الدلالة والشفاعة فھو الدلیل الشفیع المشفع جعل اللہ مفاتیح خزائنہ بیدہ فمن زعم ان النبی کاحاد الناس لایملک شیئا اصلا ولا نفع بہ لا ظاھرا ولا باطنا فھو کافر خاسر الدنیا والاخرة واستدلالہ بھذہ الایة ضلال مبین.

(تفسیر صاوی مصنف احمد بن محمد صاوی ج ا ص ۱۶۷ زیر آیت لیس لک من الامر شیء آل عمران: ۱۶۸ مطبوعہ مصر)

قولہ لیس لک من الامر شیء یعنی آپ ان کے نفع کے مالک نہیں ہیں تاکہ آپ ان کی اصلاح کریں اور نہ ہی ضرر کے مالک ہیں تاکہ آپ ان کو ہلاک کردیں جو نفی پائی جاتی ہے وہ ایجاد اور اعلام کے اعتبار سے ہے (کیونکہ کسی چیز کا پیدا کرنا اور اس کو ختم کردینا اللہ کی شان کے لائق ہے) لہٰذا دلالت اور شفاعت کی رو سے وہ دلیل ہے اس بات کی کہ آپ شفیع بھی ہیں اور مشفع بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں نبی علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دی ہیں اور جو آدمی گمان کرتا ہے کہ نبی ﷺ ہماری مثل کسی چیز کے بالکل مالک نہیں نہ نفع کے نہ ضرر کے نہ ظاہر کے نہ باطن کے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی کافر ہے دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑنے والا ہے۔ اور اس کا استدلال (نبی علیہ السلام کے بے اختیار ہونے پر) اس آیتِ کریمہ کے ساتھ کھلی گمراہی ہے۔

حاصل کلام یہ نکلا کہ مذکورہ واقعہ کو دیکھ کر نبی پاک ﷺ کو بے اختیار کہنا اور اپنے جیسا سمجھنا یہ بہت برا عقیدہ ہے جو دنیا و آخرت میں ذلت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید اور احادیثِ نبوی کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض دوم: بعض علمائے دیوبند اور اہلِ حدیث مذکورہ واقعہ سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اگر علم غیب ہوتا تو آپ ان صحابہ کرام کو بئر معونہ کی طرف نہ بھیجتے اور جب آپ نے بھیجا ہے اور وہ جا کر شہید ہوگئے تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو

علم غیب نہ تھا؟

جواب اوّل: پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کا علم تدریجی ہے نہ کہ یک بارگی۔ قرآن مجید کے نزول کے ختم ہونے پر آپ کا علم مکمل ہو گیا۔ لہٰذا علم غیب کا کوئی اعتراض کرنا ہو تو ان دیوبند اور اہل حدیثوں کو قرآن مجید کے نزول کے بعد کا کوئی واقعہ پیش کرنا چاہیے۔

جواب دوم: اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے کلام میں جب لفظ ظن جو کہ بظاہر تردد کا معنی دیتا ہو اس سے مراد علم یقینی ہوتا ہے اور بئر معونہ کے واقعہ میں جب ابو البراء نے نبی پاک ﷺ سے یہ التجا کی کہ آپ ہمارے ساتھ مبلغین کو بھیجیں تو مجھے امید ہے کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں گے۔ کیونکہ یہ دعوت اہل نجد کے لیے دی جارہی تھی اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا انی اخشی علیھم اھل نجد (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۳۳۹ باب غزوۂ بئر معونہ) یعنی نبی پاک ﷺ نے فرمایا: مجھے ان صحابہ کرام کے بارے میں نجدیوں سے خوف ہے تو آپ کا یہ فرمانا کہ مجھے نجدیوں سے خوف ہے کیونکہ یہ نبی کی کلام ہے اس لیے یہ یقین کا معنی دیتا ہے کہ نجدی لوگ غداری اور بدعہدی کریں گے' ان صحابہ کرام کو شہید کریں گے۔ لہٰذا آپ کا ان کو بھیجنا جو ہے تو اس میں علم غیب کی نفی نہیں پائی جاتی بلکہ آپ کو علم تو تھا لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی مخالفت نہیں کی اور یہ قانونی ہے کہ تقدیر مبرم کا جونکہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما چکا ہے۔ ''لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون'' کہ وہ ایک ساعت بھی تقدیر سے آگے پیچھے نہیں ہوں گے اس لیے تقدیر مبرم کی مخالفت کی۔ نبی و ولی سے جائز نہیں اور نہ وہ کرتے ہیں جیسا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ جبرائیل علیہ السلام نے نبی علیہ السلام کو سنا دیا۔ آپ نے حضرت امام حسین کو گود میں بٹھا کر دعا کی ''اللھم اعط الحسین صبراً و اجراً'' اے الٰہی! بوقت مصیبت میرے اس نواسے کو صبر کی توفیق عطاء فرمانا اور پھر اس پر اجر عطاء فرمانا''۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو کوفہ کی طرف نہ جانے کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایسے واقعات انبیاء کے لیے کمی علم پر بطور استدلال پیش نہیں کیے جاسکتے اور پھر میں نے دلائل النبوۃ کے حوالہ سے اور اسی طرح سیرت ابن ہشام میں بھی یہی عبارت پائی جاتی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان کہ مجھے صحابۂ کرام کے بارے میں نجدیوں کا خوف ہے۔ یہ بطور اشتباہ و تردد نہیں تھا بلکہ علم و یقین کے ساتھ تھا کہ یہ نجدی بدعہدی کریں گے اور صحابۂ کرام کو شہید کریں گے اور حقیقت یہ ہے کہ نجدیوں کے بارے میں مجھے کوئی خیر نہیں ملی۔ شام کے لیے آپ نے دعا فرمائی' یمن کے بارے میں دعائے خیر فرمائی لیکن جب نجد کے بارے میں دعا کرنے کا سوال کیا گیا تو آپ نے دعائے خیر نہیں فرمائی اور تین دفعہ شام و یمن کے لیے دعا فرمائی۔ جب تیسری بار کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نجد سے شیطان کا سینگ پیدا ہوگا۔ اور امام شافعی نے اپنی مشہور کتاب رد المحتار میں لکھا ہے کہ وہ شیطان کا سینگ ہمارے زمانے میں محمد بن عبد الوہاب نجدی پیدا ہوا ہے۔ تو خلاصۂ جواب یہ ہے کہ عدم قدرت' عدم علم کو مستلزم نہیں ہوتی جیسا کہ پھانسی چڑھنے والا جانتا ہے کہ مجھے پھانسی دی جارہی ہے لیکن علم کے باوجود بچنے پر قادر نہیں ہے۔ اسی طرح انبیاء و اولیاء کے لیے تقدیر مبرم قطعی کی مخالفت کی قدرت نہیں لیکن اس عدم قدرت سے عدم علم کا ثابت کرنا جہالت ہے۔

جواب سوم: نبی پاک ﷺ نے باوجود علم کے کہ صحابہ کرام مبلغین شہید ہو جائیں گے پھر بھی ان کو تبلیغ کے لیے بھیج دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ کل یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں یہ نہ کہہ سکیں۔ ہم نے تو نبی علیہ السلام سے مبلغ مانگے لیکن آپ نے ہمیں ہدایت دینے کے لیے مبلغ نہیں دیئے۔ باوجود اس بات کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو فرمایا: ''یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک اے میرے رسول! جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دو''۔ تو نبی علیہ السلام نے باوجود اس بات کے کہ آپ کو صحابہ کرام کی شہادت کا علم تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے فریضۂ تبلیغ کو پورا کیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٤١٤- بَابُ رَدِّ السَّلَامِ

٨٩٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ جَعْفَرَ الْقَارِيُّ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَكَانَ يُسَلَّمَ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَيَقُوْلُ مِثْلَ مَا يُقَالُ لَهُ.

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا لَا بَأْسَ بِهٖ وَاِنْ زَادَ الرَّحْمَةَ وَالْبَرَكَةَ فَهُوَ اَفْضَلُ.

٨٩٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ كَانَ يَاْتِيْ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَيَغْدُوْ مَعَهٗ اِلَى السُّوْقِ قَالَ وَاِذَا غَدَوْنَا اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَلٰى سَقَّاطٍ وَّلَا صَاحِبِ بَيْعٍ وَّلَا مِسْكِيْنٍ وَّلَا اَحَدٍ اِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ بْنُ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَجِئْتُ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِيْ اِلَى السُّوْقِ قَالَ فَقُلْتُ مَا تَصْنَعُ فِي السُّوْقِ وَلَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَلَا تَسْاَلُ عَنِ السِّلَعِ وَلَا تُسَاوِمُ بِهَا وَلَا تَجْلِسُ فِيْ مَجْلِسِ السُّوْقِ اِجْلِسْ بِنَا هٰهُنَا نَتَحَدَّثُ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَا اَبَا بَطْنٍ وَّكَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْ لِاَجْلِ السَّلَامِ نُسَلِّمُ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَا.

٨٩٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْيَهُوْدَ اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَحَدُهُمْ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُوْلُوْا عَلَيْكَ.

٨٩٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ وَهْبُ بْنُ كَيْسَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ يَمَانِيٌّ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ثُمَّ زَادَ شَيْئًا مَعَ ذٰلِكَ اَيْضًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَنْ هٰذَا وَهُوَ يَوْمَئِذٍ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُهٗ قَالُوْا هٰذَا الْيَمَانِيُّ الَّذِيْ يَغْشَاكَ فَعَرَّفُوْهُ اِيَّاهُ حَتّٰى عَرَفَهٗ قَالَ

سلام کا جواب دینے کا بیان

امام مالک نے ہمیں خبر دی' ہم سے روایت کیا ابوجعفر قاری نے کہ میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ تھا جب انہیں السلام علیکم کہا جاتا تو وہ بھی اسی طرح جواب دیتے تھے وہ کہتے تھے جب انہیں کہا جاتا تھا۔

امام محمد کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں لیکن رحمۃ اور برکتہ کے الفاظ کا اضافہ کر دیں تو زیادہ بہتر ہے۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے کہ طفیل بن ابی کعب نے انہیں خبر دی کہ عبداللہ بن عمر میرے پاس آتے تھے اور ان کے ساتھ بازار جاتے تھے۔ جب ہم بازار جاتے تھے تو عبداللہ بن عمر ردی سامان فروخت کرنے والے' عام تاجر' مسکین یا کسی شخص کے بھی قریب سے گزرتے تو انہیں سلام کرتے۔ طفیل بن ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں ایک دن عبداللہ بن عمر کے پاس آیا وہ مجھے بازار لے چلے میں نے کہا آپ بازار میں کیا کرتے ہیں؟ نہ کسی دکان پر ٹھہرتے ہیں' نہ سامان کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' نہ تول بھاؤ کرتے ہیں اور نہ بازار میں کہیں بیٹھتے ہیں۔ آیئے ہم دونوں یہیں بیٹھیں اور باتیں کریں۔ عبداللہ بن عمر نے فرمایا: اے بڑے پیٹ والے! (راویٔ حدیث کا پیٹ بڑا تھا) ہم تو صرف سلام کرنے جاتے ہیں جس سے ملتے ہیں سلام کرتے ہیں۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی' ہم سے روایت کیا عبداللہ بن دینار نے عبداللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرتا ہے وہ السام علیکم (تم پر ہلاکت ہو) کہتا ہے تم علیک (تجھ پر ہو) کہہ دیا کرو۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ابونعیم وھب بن کیسان نے محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت کیا ہے کہ ہم عبداللہ بن عباس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' ان کے پاس ایک یمنی آدمی آیا تو اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا اور اس میں کچھ اور بھی اضافہ کیا' ابن عباس نے پوچھا یہ کون ہے؟ ان دنوں ان کی بینائی جاتی رہی تھی' لوگوں نے بتلایا وہ یمنی ہے جو آپ کے پاس آیا کرتا تھا اس کا نام و نشان بتلایا یہاں تک کہ انہوں نے پہچان لیا تو عبداللہ بن عباس

ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ السَّلَامَ انْتَهٰى إِلَى الْبَرَكَةِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ إِذَا قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ فَلْيَكْفُفْ فَإِنَّ إِتِّبَاعَ السُّنَّةِ أَفْضَلُ.

نے فرمایا: سلام "وبرکاتہ" پر ختم ہو جاتا ہے۔

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے۔ جب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو رُک جائے اس لیے کہ سنت کی پیروی کرنا افضل ہے۔

مذکورہ باب میں سلام اور اس کا جواب دینے کے بارے میں چند روایات امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سلام دینا ایک اتنا افضل عمل ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بازار میں کوئی کام نہیں ہوتا تھا اور پھر بھی جاتے تو جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ بازار میں جاتے ہیں نہ تو آپ کسی سے سودا خریدتے ہیں اور نہ ہی کسی کے پاس بیٹھتے ہیں تو پھر وہاں جانے کا کیا فائدہ ہے؟ آپ نے فرمایا میں صرف سلام کرنے کے لیے جاتا ہوں جس کا معنی یہ ہے کہ بازار میں عام لوگ مل جاتے ہیں اس لیے سلام کرنے کا موقع مل جاتا ہے جو گھر بیٹھ کر نہیں ملتا۔ دوسرا اس باب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا کہ یہودی جب تم سے ملاقات کرتے ہیں تو وہ بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہتے ہیں سام کا معنی موت ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا تم ان کے جواب میں علیکم کہہ دیا کرو۔ یعنی موت تم پر۔ تو اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں کہ تم نے السام علیکم کیوں کہا؟ کیونکہ اس میں جھگڑا کی صورت پیدا ہو جائے گی وہ کہے گا نہیں میں نے السلام علیکم کہا ہے اسی لیے ان کو مختصر جواب دینا بہتر ہے کہ علیکم۔ اس باب میں تیسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ سلام اور جواب میں تین جملوں سے زائد کہنا خلاف سنت ہے۔ (۱) اسلام علیکم (۲) ورحمۃ اللہ (۳) وبرکاتہ۔ یہ تین جملے سلام کہنے والے اور جواب دینے والے کے لیے سنت ہیں۔ ان میں سے اگر ایک کلمہ السلام علیکم کہے تو دس نیکیاں ملیں گی۔ اگر اس نے ورحمۃ اللہ کو ساتھ ملا دیا تو بیس نیکیاں ملیں گی۔ اگر وبرکاتہ بھی ساتھ ملا دیا تو تیس نیکیاں ملیں گی۔ یعنی ہر کلمہ کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اگر سلام دینے والے نے صرف السلام علیکم کہا اور جواب دینے والے نے وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ کہا تو سلام دینے والے کو دس نیکیاں اور جواب دینے والے کو تیس نیکیاں ملیں گی۔

سلام لینے دینے کے آداب اور ان کے احکامات وثوابات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سلام کرنے کو یوں بیان فرمایا: "فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً" (النور: ٦١) جب تم کسی کے گھر میں داخل ہوتو اپنے اوپر سلام کرو اچھی دُعا اللہ کی طرف سے برکت والی پاکیزہ" اور قرآن مجید کے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا" یعنی جب تمہیں کسی لفظ کے ساتھ سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر (لفظ کے ساتھ اس کو) سلام کرو یا اسی لفظ کے ساتھ جواب دو"۔ تو قرآن مجید کی ان دو آیات نے واضح کر دیا کہ ایک تو تم اپنے گھروں میں جب داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو السلام علیکم کہا کرو اور دوسرا حکم یہ فرمایا کہ جب تمہیں کسی لفظ کے ساتھ سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دو۔ اب اس کے بعد ہم سلام کے آداب و احکامات اور ثوابات کے بارے میں چند احادیث مختلف کتب حدیث سے نقل کرتے ہیں کہ جن سے سلام کا ہر پہلو قارئین کے سامنے آ جائے گا۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنهما ان رجلا سال رسول اللہ ﷺ ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ ...... وعن ابی هریرة رضی اللہ

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی علیہ السلام سے سوال کیا کہ بہترین اسلام کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ تو کھانا کھلائے اور تو سلام کرے ہر شخص پر جسے تو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اس کو بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے...... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لاتدخلون الجنۃ حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا ادلکم علی شیء اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی و ابن ماجہ ...... وتقدم فی روایۃ جیدۃ للطبرانی قال قلت یارسول اللہ دلنی علی عمل یدخلنی الجنۃ؟ قال ان من موجبات المغفرۃ بذل السلام وحسن الکلام ...... وعن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ افشوا السلام کی تعلو رواہ الطبرانی باسناد حسن ...... وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یسلم الراکب علی الماشی والماشی علی القاعد والماشیان ایھما بدأ فھو افضل رواہ البزاز وابن حبان فی صحیحہ ...... وعن عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال السلام علیکم فرد علیہ ثم جلس فقال النبی ﷺ عشر، ثم جاء آخر فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرد فجلس فقال عشرون ثم جاء آخر فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فرد فجلس فقال ثلاثون رواہ ابوداؤد والترمذی و حسنہ والنسائی والبیھقی وحسنہ ایضا رواہ ابو داؤد ایضا من طریق ابی مرحوم واسمہ عبدالرحیم بن میمون عن سھل بن معاذ عن ابیہ مرفوعا بنحوہ عن سھیل بن معاذ عن ابیہ عن رسول اللہ ﷺ انہ قال حق علی من قام علی جماعۃ ان یسلم علیھم وحق علی من قام من المجلس ان یسلم فقام رجل ورسول اللہ ﷺ یتکلم فلم یسلم فقال رسول اللہ ﷺ ما اسرع ما نسی. (الترغیب الترہیب مصنف امام زکی الدین ج ۳ ص ۴۲۴-۴۲۹- الترغیب فی افشاء السلام مطبوعہ بیروت لبنان)

ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے اور تم ایمان نہیں لاؤ گے جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرو گے کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اس کو کرلو تو تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو وہ یہ ہے کہ تم آپس میں السلام علیکم کو پھیلا دو۔ اس کو مسلم' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ طبرانی کی جید روایت میں پہلے گزر چکا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے' آپ نے فرمایا: بخشش کے اسباب میں سے کثرت کے ساتھ سلام کہنا اور اچھی کلام کرنا...... ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ تم السلام علیکم کو عام کرو تا کہ درجاتِ اعلیٰ حاصل کرو...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: سوار پیدل کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے اگر دونوں ہی پیدل چلنے والے ہوں تو جو پہلے سلام کہے وہی افضل ہے...... عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی پاک ﷺ کے پاس حاضر ہوا اس نے کہا السلام علیکم آپ نے اس کے سلام کا وعلیکم السلام سے جواب دیا پھر وہ بیٹھ گیا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: تیرے لیے دس نیکیاں ہیں پھر دوسرا آدمی آیا تو اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو آپ نے اس کا جواب فرمایا اور وہ بیٹھ گیا' آپ نے فرمایا تیرے لیے بیس نیکیاں ہیں پھر ایک اور آدمی آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو آپ نے اس کا جواب دیا وہ بیٹھ گیا' آپ نے فرمایا تیرے لیے تیس نیکیاں ہیں اس کو روایت کیا ابوداؤد نے اور ترمذی نے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا۔ روایت کیا ہے اس کو نسائی اور بیہقی نے اور بیہقی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا۔ سہل بن معاذ اپنے باپ سے وہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا جو آدمی کسی مجلس میں جائے تو وہ سلام کہے اور اس طرح اس آدمی پر لازم ہے کہ جو مجلس سے اُٹھے تو وہ بھی سلام کہے تو ایک آدمی مجلس سے اُٹھا تو اس نے سلام کہا کہ آپ کلام فرمارہے تھے' سلام کا جواب نہ دیا۔

يسلم الصغير على الكبير والمار على القاعد والقليل على الكثير ...... السلام قبل الكلام ولاتدعوا احدا الى الطعام حتى يسلم ...... اذا مر رجال بقول فسلم رجل من الذين مروا على الجلوس ورد من هؤلاء واحد اجزأ عن هؤلاء وعن هؤلاء ...... يسلم الصغير على الكبير ويسلم الواحد على الاثنين ويسلم القليل على الكثير ويسلم الراكب على الماشي ويسلم المار على القائم ويسلم القائم على القاعد ...... ترك السلام على الضرير خيانة ...... ليس منامن تشبه بغيرنا لا تشبه باليهود ولا النصارى فان تسليم اليهود الاشارة بالاصابع وتسليم النصارى الاشارة بالاكف ...... من اشراط الساعة ان يمر الرجل في المسجد لايصلي فيه ركعتين وان لا يسلم الرجل الاعلى من يعرف وان يرد الصبي الشيخ. (کنزالعمال مصنف علامہ علاؤ الدین علی ہندی ج ۹ ص ۱۲۲۔ ۱۲۹ الاحکام والآداب حدیث نمبر ۲۵۲۸۹۔ ۲۵۳۳۵ مطبوعہ حلب)

چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور گزرنے والا بیٹھنے والے پر اور تھوڑے زیادہ پر سلام کریں...... کلام سے پہلے سلام کہنا چاہیے اور طعام کی طرف کی دعوت نہ دے یہاں تک کہ سلام کرے اس کو ...... جب لوگ کسی قوم کے پاس سے گزریں تو ان لوگوں سے ایک آدمی سلام دے جو بیٹھنے والوں پر گزر رہے ہیں اور بیٹھنے والوں میں سے ایک جواب دے دے تو وہ سب کے لیے کافی ہے...... چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور ایک دو پر سلام کرے' چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر سلام کرے اور سوار چلنے والے کو سلام دے اور گزرنے والا کھڑے ہونے والے کو سلام دے اور کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے پر سلام دے...... نابینا کو سلام نہ دینا خیانت ہے...... جس آدمی نے ہمارے غیر کے ساتھ تشبہ قائم کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ کی مشابہت نہ کرو کیونکہ یہودیوں کا سلام انگلیوں کے اشارے سے ہے اور نصاریٰ کا سلام ہاتھ کی ہتھیلی کے اشارے سے ہے...... قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بات ہے کہ آدمی مسجد سے گزرے گا لیکن مسجد میں دو رکعت نہیں پڑھے گا اور سلام نہیں کہے گا مگر اس آدمی کو جس کو وہ پہچانتا ہو اور نہ ہی بچہ بوڑھے کو سلام کا جواب دے گا۔

عن علي بن ابي طالب قال دخلت المسجد فاذا انا بالنبي ﷺ في عصبة من اصحابه فقلت السلام عليكم فقال وعليكم السلام ورحمة الله عشرون لي وعشر لك قال فدخلت الثانية فقلت السلام عليكم ورحمة الله فقال وعليك السلام ورحمة الله وبركاته ثلاثون لي وعشرون لك فدخلت الثالثة فقلت السلام عليكم ورحمة الله وبركاته فقال وعليك السلام ورحمة الله وبركاته ثلاثون لي وثلاثون لك انا وانت ياعلي في السلام سواء انه ياعلي مامن رجل مر على مجلس فسلم عليهم الاكتب الله له عشر حسنات ومحي عنه عشر سيئات ورفع له عشر درجات' رواه البزاز......

عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ اعجز

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے نبی پاک ﷺ کو صحابہ کی جماعت میں پایا' لہٰذا میں نے کہا: السلام علیکم تو نبی پاک ﷺ نے جواب میں فرمایا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ اور فرمایا: بیس نیکیاں میرے لیے اور دس نیکیاں تیرے لیے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں دوسری مرتبہ حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے فرمایا تیس نیکیاں میرے لیے اور بیس نیکیاں تیرے لیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تیسری مرتبہ حاضر ہوا میں نے عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے جواباً فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور آپ نے فرمایا تیس نیکیاں تیرے لیے اور تیس نیکیاں میرے لیے۔ پھر آپ نے فرمایا اے علی میں اور تم دونوں سلام اور جواب میں برابر ہیں

الناس من عجز فی الدعاء وابخل الناس من بخل بالسلام' رواہ الطبرانی فی الاوسط ...... عن عبداللہ یعنی ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لاتقوم الساعۃ حتی یکون السلام علی المعرفۃ وان ھذا عرفنی من بینکم فیسلم علی رواہ الطبرانی فی حدیث طویل تقدم فی امارات الساعۃ ...... عن سلمان قال جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فقال السلام علیک یارسول اللہ قال وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم جاء آخر فقال اسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ قال وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم جاء اخر فقال اسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال لہ رسول اللہ ﷺ وعلیک فقال الرجل یارسول اللہ اتاک فلان و فلان فحییتھما بافضل مما حییتنی فقال رسول اللہ ﷺ انک لن اولم تدع شیأ قال اللہ عزوجل (واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا اوردوھا) فرددت علیک التحیۃ رواہ الطبرانی ...... عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ یسلم الراکب علی الماشی والماشی علی القاعد والماشیان ایھما بدافھوافضل رواہ البزاز ورجالہ رجال الصحیح۔

(مجمع الزوائد مصنفہ علامہ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی ج ۸ ص ۳۰۔ ۳۶' باب اجرالسلام' مطبوعہ بیروت' لبنان)

اس کے بعد آپ نے فرمایا اے علی! کوئی آدمی کسی مجلس سے نہیں گزرتا مگر کہتا ہے السلام علیکم تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دیتا ہے' دس گناہ معاف کردیتا ہے اور دس درجات بلند کردیتا ہے۔ اس کو بزاز نے روایت کیا...... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: سب سے عاجز وہ آدمی ہے جو دعا میں عاجز ہو اور سب لوگوں سے زیادہ بخیل وہ آدمی ہے جو سلام دینے میں بخل کرے (یا جواب دینے میں بخل کرے) اس کو اوسط میں طبرانی نے روایت کیا...... عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ سے سُنا آپ فرمارہے تھے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ جاننے والوں کو سلام کہا جائے گا اور یوں کہا جائے گا کہ فلاں آدمی مجھے جانتا ہے اس لیے اس نے تم میں سے خاص مجھے سلام کیا۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے ایک طویل حدیث میں جس میں علاماتِ قیامت کا ذکر ہے ...... سلمان سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا السلام علیک تو آپ نے فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے عرض کیا السلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر تیسرا آدمی آیا اس نے کہا السلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو آپ نے جواب میں فرمایا وعلیک (یعنی جو تم نے مجھ سے کہا ہے وہی تجھ پر لوٹے) اس آدمی نے عرض کیا کہ فلاں فلاں آپ کے پاس آیا تو آپ نے ان دونوں کو ایسا جواب دیا جو بہت افضل ہے اس جواب سے جو آپ نے مجھ کو دیا۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تو نے ہماری زیادتی کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے اچھے لفظوں میں اس کا جواب دو یا کم از کم اسی کے لفظوں کو لوٹا دو۔ تو میں نے تیرے لفظوں کو تجھ پر رَد کردیا اس کو طبرانی نے روایت کیا...... جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ سوار پیدل کو سلام کہے اور پیدل' بیٹھنے والے کو سلام کرے اور دونوں چلنے والوں میں سے جو پہلے سلام کرے وہ افضل ہے۔ اس کو بزاز نے روایت کیا اور اس اسناد

کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

سلام کے بارے میں مذکورہ تین کتب کے حوالہ جات کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) بہترین سلام اس آدمی کا ہے جو کھانا بھی کھلائے اور سلام بھی دے اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو (۲) جنت میں ایمان کے بغیر کوئی نہیں جائے گا اور ایمان محبت سے پیدا ہوتا ہے اور محبت سلام سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جنت میں داخل ہونے کا بہترین سبب جو ہے وہ کثرتِ سلام ہے (۳) سلام کے آداب میں یہ چیز ہے کہ سوار پیدل کو پیدل بیٹھنے والے کو اور بڑا چھوٹے کو چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے (٤) نبی علیہ السلام نے سلام دینے کی عظمتِ شان بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ سب سے زیادہ بخیل وہ آدمی ہے جو سلام دینے میں بخل کرے (۵) شرعی قانون یہ ہے کہ کلام کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہیے اور کسی کو دعوت نہیں دینی چاہیے جب تک کہ سلام نہ کرے (٦) سلام لینا اور دینا سنتِ مؤکدہ ہے لیکن سنتِ مؤکدہ کفایہ ہے۔ یعنی گزرنے والی جماعت میں سے کوئی ایک سلام دے دے یا بیٹھنے والوں میں سے کوئی ایک سلام دے دے تو سب کے لیے کافی ہوگا (۷) سلام دینے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جس کو سلام دے وہ اسے دیکھ ہی رہا ہو۔ چاہے دیکھے یا نہ دیکھے اس گزرنے والے پر سلام دینا سنتِ مؤکدہ ہے اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی نابینے کو سلام نہیں دیتا کہ وہ اسے دیکھ نہیں رہا فرمایا: یہ خیانت ہے (۸) جب کوئی مسلمان مسلمان کو سلام دے تو اس میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرے کیونکہ یہودی ہاتھ کی انگلیوں سے سلام کرتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور عیسائی ہاتھ کی ہتھیلی کے اشارے سے سلام کرتے ہیں تو نبی پاک ﷺ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ اس میں ایک تو تکبر پایا جاتا ہے اور دوسرا یہ خلافِ سنت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس زمانہ میں ماڈرن آدمی تو کجا ہمارے عام آدمیوں نے بھی سلام دینے کا وہی وطیرہ بنالیا ہے کہ جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ فقیر کے خیال میں یہ بات آرہی ہے کہ مجبوری کے وقت اگر اس طرح سلام دیا جائے تو شاید اس میں گنجائش نکل آئے۔ کیونکہ اس زمانے میں جدید قسم کی سواری آچکی ہے کہ جس میں ملاقات کے وقت السلام علیکم کا کہنا اور دوسرے کو سن کر وعلیکم السلام کہنا مشکل ہے۔ اگر کوئی آدمی منہ سے سلام کو کہہ بھی دے دوسرا آدمی اس کے سلام کو نہ تو سنے گا اور نہ جواب دے گا' جیسے دو ریل گاڑیاں یا بسیں آمنے سامنے تیزی سے گزر رہی ہیں اس وقت سلام کہنے والے کا سلام کہنا اور دوسرے کا سننا مشکل ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں ہاتھ کے اشارے کے بغیر دوسرے کو سلام کا پتہ نہیں چل سکتا۔ اس لیے ایسی مجبوری کے وقت اگر ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا جائے تو شاید اس میں گنجائش نکل آئے۔ واللہ اعلم بالصواب (۹) سلام کے تین ہی کلمے ہیں اس سے زیادہ کسی کلمے کا اضافہ کرنا یہ خلافِ سنت ہے۔ جیسے کوئی کہنے والا کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ نے اس آدمی کو جس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا تھا تو آپ نے اسی کی مثل جواب دیا تو اس نے آگے سے عرض کیا کہ جس نے ایک کلمہ یا دو دو کلمے سلام کے کہے تو ان کو تو آپ نے زیادتی کے ساتھ جواب دیا لیکن میں نے تین کلمات سے جواب دیا تو آپ نے بھی جواب میں تین کلمے فرمادیئے زیادتی نہیں فرمائی' آپ نے فرمایا: تو نے زیادتی کے لیے گنجائش ہی نہیں چھوڑی کیونکہ سلام کے تین ہی کلمات ہیں تم نے ان سب کو کہہ دیا' اب میرے لیے زیادتی کی گنجائش نہ رہی کہ میں تجھے زائد کلمہ سے سلام کا جواب دیتا۔

قارئین کرام! یہ تو تھے سلام اور جواب سلام کے آداب و احکام اور اس کے عنداللہ مراتب۔ اب اس کے بعد میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس سے ملحقہ چند مسئلے ایسے ہیں جن میں بعض لوگ بے علمی کی وجہ سے ان کو ناجائز سمجھتے ہیں حالانکہ وہ حق اور حدیث سے ثابت ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ (۱) سلام لینے دینے والے کا آپس میں مصافحہ کرنا (۲) ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت معانقہ کرنا یعنی ایک دوسرے کو گلے لگانا (۳) سلام [illegible] کے لیے کھڑے ہو جانا۔

سلام کے وقت آپس میں مصافحہ کرنے کے جواز پر چند احادیث

سلام کے بعد مصافحہ کرنے کے جواز پر چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابی الھذیل الربعی قال لقیت ابا داؤد الربعی فسلمت علیه فاخذ بیدی وقال تدری لم اخذت بیدک؟ فقلت ارجوان لا تکون اخذت بھا الا لمودة فی الله عزوجل قال اجل ان ذاک کذلک ولکن اخذت بیدک کما اخذ بیدی البراء بن عازب وقال لی کما قلت لک فقلت له کما قلت لی؟ فقال رجل ولکن اخذ بیدی رسول الله ﷺ وقال مامن مومنین یلتقیان فیأخذ کل واحد منھما بید اخیه لایأخذ الالمودة فی الله تعالی فتفترق ایدیھما حتی یغفرلھما.

(کنز العمال مصنفہ علامہ علاؤ الدین علی ہندی ج ۹ ص ۲۲۱'۲۲۲۔ باب المصافحۃ وتقبیل الید' حدیث نمبر ۲۵۷۴۸'مطبوعہ حلب)

ابو ہذیل ربعی سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوداؤد ربعی سے ملاقات کی' میں نے ان پر سلام کیا انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ تو جانتا ہے کہ میں نے تیرا ہاتھ کیوں پکڑا ہے؟ میں نے کہا میں تو یہی اُمید رکھتا ہوں کہ آپ نے جو میرا ہاتھ پکڑا ہے خالص اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے' آپ نے فرمایا ہاں! اسی طرح ہے' لیکن میں نے تیرا ہاتھ اس طرح پکڑا ہے کہ جیسے براء بن عازب نے میرا ہاتھ پکڑا' انہوں نے مجھے اسی طرح کہا جس طرح میں نے تمہیں کہا اور میں نے اس کو کہا جیسے تو نے مجھے کہا۔ پس اس نے کہا اسی طرح ہے۔ لیکن میرا ہاتھ نبی پاک ﷺ نے پکڑا اور فرمایا: دو مؤمنوں میں سے نہیں ملاقات کرتے لیکن ہر ایک ان میں سے ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور وہ خالص اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے ہاتھ پکڑتا ہے' ان کے ہاتھ جدا نہیں ہوتے یہاں تک کہ ان دونوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

عن البراء رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الاغفر لھما قبل ان لو یتفرقا...... قال النبی ﷺ ان المسلمین اذالتقیا وتصافحا وضحک کل منھما فی وجه صاحبه لا یفعلان ذلک الاالله لم یتفرقا حتی یغفرلھما ...... وروی عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا التقی الرجلان المسلمان فلم احدھما علی صاحبه فان احبھما الی الله احسنھما بشر الصاحبه فاذا تصافحا نزلت علیھما مائة رحمة وللبادی منھما تسعون وللمصافح عشرة ...... وعن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال من تمام التحیة الاخذ بالید ...... وعن قتادة قال قلت لانس بن مالک رضی الله عنه أکانت المصافحة فی اصحاب رسول الله ﷺ ؟قال نعم ...... وعن ایوب بن بشیر

براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: نہیں ہیں دو مسلمان کہ ملاقات کریں پس مصافحہ کریں مگر ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں...... (براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ) نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں اور مصافحہ کریں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھ کر ہنسے اور ان کا یہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو' ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں...... عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ: جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں ان میں سے ایک دوسرے پر سلام کہے' ان دونوں میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو اپنے ساتھی کو خوش کرے۔ جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان دونوں میں سے سلام میں پہل کرنے والے کے لیے نوے نیکیاں اور جس نے مصافحہ کیا اس

العدوی عن رجل من عنزة قال قلت لابی ذر حیث سیر الی الشام انی ارید ان اسالک عن حدیث من حدیث رسول الله ﷺ قال اذن اخبرک به الاان یکون شرا قلت انه لیس بشر هل کان رسول الله ﷺ یصافحکم اذا لقیتموه؟ قال مالقیته قط الاصافحنی.

(الترغیب والترہیب مصنفہ حافظ ذکی الدین المنذری ج ۳ ص ۴۳۱-۴۳۳' باب الترغیب فی المصافحہ' مطبوعہ بیروت' لبنان)

کے لیے دس نیکیاں...... عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ سلام کے مکمل ہونے میں مصافحہ کرنا شامل ہے۔ قتادہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے انس بن مالک سے کہا کہ نبی پاک ﷺ صحابہ کرام سے مصافحہ کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! اس کو بخاری اور ترمذی نے روایت کیا۔ ایوب بن بشیر عدوی عنزہ قبیلہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے ابوذر غفاری سے کہا جبکہ وہ شام کی طرف جارہے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں ایک حدیث کے بارے میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔ تو ابوذر غفاری نے کہا ہاں میں اس کی خبر آپ کو دوں گا۔ مگر یہ کہ شر کا جواب نہیں دوں گا' میں نے کہا شر کی بات نہیں' کیا رسول اللہ ﷺ مصافحہ کرتے جب تم آپ سے ملاقات کرتے؟ ابوذر غفاری نے کہا میں نے آپ سے کبھی ملاقات نہیں کی مگر نبی علیہ السلام نے مجھ سے مصافحہ کیا۔

مامن مسلمین التقیا فأخذ احدهما بیدصاحبه الاکان حقاعلی الله عزوجل ان یحضردعاء هما ولایفرق بین ایدیهما حتی یغفرلهما ومامن قوم اجتمعوا یذکرون الله عزوجل لایریدون بذلک الاوجهه الانادا هم مناد من السماء ان قوموا مغفورا لکم قدبدلت سیأتکم بحسنات...... تقبیل المسلم ید اخیه المصافحة.

(کنزالعمال مصنفہ علاؤ الدین علی ہندی ج ۹ ص ۱۳۲-۱۳۳' باب المصافحہ والمعانقہ من الاکمال۔ حدیث نمبر ۲۵۳۶۱' ۲۵۳۶۷' مطبوعہ حلب)

جب دو مسلمان بھائی آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے کہ ان دونوں کی دعا کو قبول کرے گا اور ان دونوں کے ہاتھ آپس میں جدا نہیں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دے گا۔ کوئی قوم نہیں جو آپس میں مل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور ان کا یہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو آسمان سے منادی کرنے والا کہتا ہے کہ تم اُٹھو اس حال میں کہ تمہارے گناہ معاف ہو چکے ہیں اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا گیا ہے۔ مسلمان کا مسلمان بھائی کا ہاتھ چومنا مصافحہ ہے۔

مامن عبدین متحابین فی الله یستقبل احدهما صاحبه فیصافحه ویصلیان علی النبی ﷺ الا لم یتفرقا حتی یغفرلهما ذنوبهما ماتقدم منهما وما تأخر. (کنزالعمال ج ۹ ص ۱۳۵' باب المصافحہ والمعانقہ من الاکمال حدیث نمبر ۲۵۳۶۹' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۷۵' باب فیمن سلم علی من یحبہ للہ' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۰۳ حدیث نمبر ۶۹' مطبوعہ بیروت)

نہیں ہیں کوئی دو مسلمان جو اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہوں جب آپس میں ملاقات کریں تو مصافحہ کریں اور نبی پاک ﷺ پر درود پڑھیں مگر آپس میں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ ان دونوں کے پہلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

مذکورہ احادیث کا خلاصہ چند امور ہیں

قارئین کرام! مصافحہ کے جواز پر تین عدد کتب احادیث سے جو روایات پیش کی گئیں ان کا خلاصہ چند امور ہیں۔ (۱) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مصافحہ کرنے کو گناہوں کی بخشش کے لیے سند جانتے تھے اس لیے براء بن عازب نے اپنے مصافحہ کرنے والے کو اس کا ہاتھ پکڑ کر بخشش کی پیش گوئی فرمائی (۲) جب کوئی مسلمان آپس میں مصافحہ کریں اور اللہ کا ذکر کریں ان کے لیے آسمان سے منادی ہوتی ہے کہ تمہارے گناہ معاف کر دیئے گئے اور تمہارے گناہوں کی نیکیاں بنادی گئیں (۳) ملاقات کے وقت جب کوئی آدمی اپنے سے بڑی عزت والے کا ہاتھ چوم لیتا ہے تو یہ مصافحہ میں شمار ہے۔ لہٰذا ہاتھ چومنے والے کو وہی ثواب ملے گا جو مصافحہ کرنے والے کو ملتا ہے (٤) جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کر کے ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں اور ان کا ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھ کر ہنسنا خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو ان دونوں کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (۵) مصافحہ کرتے وقت ان دونوں میں سے جو اپنے دوست کو زیادہ خوش کرے اس کو نوے نیکیاں ملتی ہیں جبکہ دوسرے کو دس ملتی ہیں (٦) سلام مصافحہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

سلام کے بعد آپس میں معانقہ (یعنی گلے ملنا) کرنے کے جواز کے اثبات پر چند احادیث

وعنه کان اصحاب النبی ﷺ اذا تلاقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحیح.

(مجمع الزوائد مصنف نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی ج ۸ ص ۳٦ باب المصافحۃ والسلام ونحوذلک مطبوعہ بیروت لبنان الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۳۳ حدیث نمبر ۵ الترغیب فی المصافحۃ مطبوعہ بیروت)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کے صحابہ کرام جب آپس میں ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے یعنی ایک دوسرے سے گلے ملتے۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

عن عائشة قالت قدم زید بن حارثة المدینة ورسول اللہ ﷺ فی بیتی فاتاہ فقرع الباب فقام الیه رسول اللہ ﷺ عریانا یجر ثوبه واللہ مارأیته عریانا قبله ولا بعده فاعتنقه وقبله رواه الترمذی.... عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنزة انه قال قالت لابی ذر هل کان رسول اللہ ﷺ یصافحکم اذالقیتموه قال مالقیته قط الا صافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اهلی فلما جئت اخبرت فاتیته وهو علی سریر فالتزمنی فکانت تلک اجود واجود.....وعن الشعبی ان النبی ﷺ تلقی جعفر بن ابی طالب فالتزمه و قبل مابین عینیه ..... وعن جعفر بن ابی طالب فی قصة رجوعه من الارض الحبشة قال فخرجنا حتی اتینا المدینة

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ (ایک غزوہ سے) واپس مدینہ میں آئے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۔ انہوں نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی پاک ﷺ صرف تہبند شریف باندھے ہوئے چادر شریف کو کھینچتے ہوئے اس کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو برہنہ نہیں دیکھا نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد' نبی پاک ﷺ نے زید بن حارثہ کو گلے لگایا اور ان کو بوسہ دیا...... ایوب بن بشیر عنزہ قبیلہ کے ایک آدمی سے روایت کرتا ہے اس آدمی نے کہا کہ میں نے ابو ذر غفاری سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ آپ سے مصافحہ کرتے ہیں جب آپ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہیں کی مگر آپ نے مجھ سے

فتلقانی رسول اللہ ﷺ فاعتنقنی ثم قال ما ادری انا بفتح خیبر فرح ام بقدوم جعفر و وافق ذلک فتح خیبر رواہ فی الشرح السنۃ.

(مشکوٰۃ المصابیح مصنف ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی ص ۴۰۳ فصل الثانی باب المصافحۃ والمعانقۃ مطبوعہ کتبہ للمصطفائی کشمیری بازار لاہور)

معانقہ کیا ایک دن رسول اللہ ﷺ نے میری طرف آدمی بھیجا جب کہ میں اس وقت گھر میں موجود نہیں تھا جب میں گھر آیا مجھے آپ کے بلانے کی خبر ملی تو میں حضور ﷺ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ تشریف فرما تھے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے گلے لگایا یہ آپ کے گلے لگانا تمام چیزوں سے میرے لیے اجود اور احسن تھا...... شعبی سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جعفر بن ابی طالب کی ملاقات کی تو آپ نے ان کو گلے لگایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان میں بوسہ دیا۔ جعفر بن ابی طالب سے روایت ہے کہ ان کے حبشہ سے لوٹنے کے واقعہ میں انہوں نے کہا کہ ہم حبشہ سے نکلے یہاں تک کہ مدینہ پہنچے تو حضور ﷺ مجھے ملے اور مجھے گلے لگایا پھر آپ نے فرمایا: کہ مجھے معلوم نہیں کہ مجھے آج خیبر کے فتح ہونے کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے کی زیادہ خوشی ہے۔ کیونکہ جعفر طیار کا آنا خیبر فتح ہونے کے وقت ہی پیش آیا۔

وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فجئت فاخبرت انہ ارسل الی فاتیتہ وھو علی سریرہ فالتزمنی فکانت تلک اجود واجود (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۳ حدیث نمبر ۱۳ باب المصافحۃ والمعانقۃ مطبوعہ بیروت)

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے میری طرف ایک آدمی بھیجا اور میں گھر میں نہیں تھا جب میں گھر آیا تو مجھے آپ کے بلانے کی خبر ملی تو میں حضور ﷺ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ چارپائی پر تشریف فرما رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے گلے لگایا آپ کا گلے لگانا تمام چیزوں سے میرے لیے اجود اور احسن تھا۔

معانقہ کرنے کے بارے میں مذکورہ احادیث کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) صحابہ کرام کا طریقہ عمل یہ تھا کہ جب بھی سفر سے آتے تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے یعنی گلے ملتے اور صحابہ کا عمل امت کے لیے حجت ہے۔ اس لیے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستاروں کی مثل ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے" لہٰذا ملاقات کے وقت معانقہ کرنا صحابہ کی اقتضاء ہے اور یہ وہ اقتضاء ہے جو کہ حقیقت میں ہدایت ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو یہ عمل پسند ہے (۲) معانقہ کرنا محبت کی علامت ہے اور مسلمانوں کا آپس میں محبت کرنا عین ایمان ہے۔ حضور ﷺ نے زید بن حارثہ سے معانقہ فرمایا اور حضور ﷺ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا جس میں معاذ اللہ بناوٹ کا کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ یہ معانقہ خالص اللہ کی محبت کے لیے تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ معانقہ سنت رسول ہے اور سنت میں محبوبانہ سنت ہے (۳) اور خوشی میں معانقہ کے لیے ضروری نہیں کہ گلے میں قمیص بھی ہو بلکہ سینہ اگر برہنہ بھی ہو تو پھر بھی معانقہ جائز ہے بلکہ سنت رسول ہے۔ کیونکہ جب آپ نے زید بن حارثہ سے معانقہ فرمایا ...... انہیں تھا اور بلکہ نبی پاک ﷺ

نے سوائے تہبند کے کوئی کپڑا نہ پہننے کی صورت میں زید بن حارثہ سے معانقہ بھی کیا اور ان کو بوسہ بھی دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے معانقہ کرنا عینِ محبت ہے اسی طرح چومنا بھی عینِ محبت ہے۔ لہٰذا اب میں ہاتھ پاؤں چومنے کا مسئلہ زیر بحث لاتا ہوں۔

ہاتھ پاؤں چومنے کے جواز پر چند احادیث و آثار

وعن ابن عمر قال بعثنا رسول الله ﷺ فی سریة فحاص الناس حیصة واتینا المدینة فاختفینا بها وقلنا هلکنا ثم اتینا رسول الله ﷺ فقلنا یارسول الله نحن الفرار دون قال بل انتم العکارون وانا فئتکم رواه الترمذی وفی روایة ابی داؤد نحوه و قال لابل انتم العکارون قال فدنونا فقبلنا یده. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۴۳ باب القتال فی الجہاد فصل دوم اصح المطابع آرام باغ کراچی)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک جہاد (غزوۂ احد) میں بھیجا تو سب لوگ شکست خوردہ ہو کر بھاگ گئے اور ہم مدینہ طیبہ میں (اسی شرمندگی کی وجہ سے) چھپتے ہوئے آئے ہم نے کہا ہم ہلاک ہو گئے پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو ہم نے کہا کہ ہم بھاگنے والے ہیں آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ تم پلٹنے والے ہو اور میں تمہارے لیے پناہ گاہ ہوں۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ابو داؤد میں بھی یہ روایت اسی طرح ہے اور فرمایا نہیں بلکہ تم لوٹنے والے ہو تو عبداللہ بن عمر نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو گئے اور ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

عن کعب بن مالک انه لما نزل عذره اتی النبی ﷺ فاخذ بیده فقبلها رواه الطبرانی...... وعن یحیی بن الحارث الزماری قال لقیت واثلة بن الاسقع فقلت بایعت بیدک هذه رسول الله ﷺ فقال نعم قلت أعطنی یدک اقبلها فاعطانیها فقبلتها رواه الطبرانی...... وعن عبدالرحمن بن رذین عن سلمة بن الاکوع قال بایعت النبی ﷺ بیدی هذه فقبلناها فلم ینکر ذالک قلت فی الصحیح منه البیعة ' رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله ثقات وعن ابن عمر انه قبل ید النبی ﷺ رواه ابویعلی.

(مجمع الزوائد مصنفہ نورالدین علی بن ابو بکر ہیثمی ج ۸ ص ۴۲ باب قبلۃ الید مطبوعہ بیروت لبنان)

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب ان کا عذر قبول ہوا تو حضور ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہوئے انہوں نے نبی پاک ﷺ کے ہاتھ کو پکڑا اور بوسہ دیا۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا...... یحییٰ بن حارث زماری سے روایت ہے اس نے کہا کہ میں نے واثلہ بن اسقع سے ملاقات کی تو میں نے کہا (واثلہ ابن اسقع کو) تو نے اس ہاتھ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہے؟ میں نے عرض کی ہاں! میں نے کہا تم اپنے ہاتھ کو نکالو کہ میں اس کو بوسہ دوں۔ لہٰذا انہوں نے ہاتھ کو نکالا اور بوسہ دیا...... عبدالرحمٰن بن رذین' سلمہ بن اقوع سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کی اس ہاتھ سے بیعت کی تو ہم نے سلمہ بن اقوع کے ہاتھوں کو چوما اور کسی نے بھی اس کو برا نہ جانا اور نہ ہی انکار کیا۔ میں کہتا ہوں صحیح میں اس سے روایت ہے کہ طبرانی نے اس کو اوسط میں ذکر کیا اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی پاک کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا۔

عن صفوان بن عسال قال قال يهودي لصاحبه اذهب بنا الى هذا النبي فقال له صاحبه لا تقل نبي انه لو سمعك لكان له اربع اعين فاتيا رسول الله ﷺ فسألاه عن آيات بينات فقال رسول الله ﷺ لا تشركوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ولا تمشوا ببرئ الى ذي سلطان ليقتله ولا تسحروا ولا تاكلوا الربوا ولا تقذفوا محصنة ولا تولوا للفرار يوم الزحف وعليكم خاصة اليهود ان لا تعتدوا في السبت قال فقبلا يديه ورجليه وقال نشهد انك نبي قال فما يمنعكم ان تتبعوني قالا ان داؤد عليه السلام دعا ربه ان لا يزال من ذريته نبي وانا نخاف ان تبعناك ان يقتلنا اليهود رواه الترمذي وابو داؤد والنسائي.

(مشکوٰۃ المصابیح مصنفہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی ص ۱۸ الفصل الثانی باب الکبائر وعلامات النفاق مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

صفوان بن عسال سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا اس نبی کے پاس ہمارے ساتھ چل اس کے ساتھی نے کہا: اس کو نبی نہ کہو اگر اس نے تیری بات کو سن لیا تو اس کو چار آنکھیں لگ جائیں گی (معاذ اللہ) لہٰذا وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ تو انہوں نے واضح آیات کے بارے میں سوالات کیے تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' نہ چوری کرو نہ زنا کرو اور اس نفس کو قتل کرو کہ جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ ہی کسی بری آدمی کو بادشاہ کے پاس کھینچ کر لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کردے اور نہ جادو کرو اور نہ سود کھاؤ اور نہ ہی پاک دامن پر تہمت لگاؤ اور نہ ہی جنگ سے بھاگو اور تم یہود پر خاص حکم یہ ہے کہ تم ہفتے کے دن زیادتی نہ کرو۔ راوی کہتا ہے ان دونوں نے نبی علیہ السلام کے دونوں پاؤں مبارک کو چوما اور انہوں نے کہا کہ ہم شہادت دیتے ہیں اس بات کی کہ آپ نبی ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: میری اتباع کرنے سے تمہیں کونسی چیز روکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دُعا کی کہ ہمیشہ ہمیشہ میری اولاد میں نبی رہے اور ہمیں خوف ہے اگر ہم نے آپ کی اتباع کی تو یہود ہمیں قتل کردیں گے۔ اس کو روایت کیا ترمذی' ابوداؤد اور نسائی نے۔

عن زارع وكان في وفد عبد القيس قال لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله ﷺ ورجله رواه ابو داؤد.

(مشکوٰۃ المصابیح مصنفہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی ص ۴۰۲ فصل الثانی باب المصافحہ والمعانقہ مطبوعہ مصطفائی لاہور)

زارع سے روایت ہے جو وفد عبدالقیس میں تھا کہ جب ہم آئے مدینہ شریف کو تو ہم ایک دوسرے کے مقابلے میں سواریوں کو دوڑانے لگے تا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ شریف اور پاؤں مبارک کو چومیں۔

مذکورہ تین عدد کتب کی روایات کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) جنگ احد میں بھاگنے والے صحابہ کرام کی دلجوئی فرماتے ہوئے کہا کہ تم بھاگنے والے نہیں بلکہ تم لوٹنے والے ہو۔ ان کلمات کو سن کر ان بھاگنے والوں نے آپ کے ہاتھ چومے اور حضور ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ اگر ہاتھ چومنے خلافِ شرع ہوتے تو حضور ﷺ منع فرما دیتے (۲) جن لوگوں کے ہاتھ رسول اللہ کے ہاتھوں سے لگ گئے باوجود بہت سی دفعہ غسل کرنے اور وضو کرنے کے ان ہاتھوں میں جو برکت آئی تو تابعین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ چومے (۳) یہود نے جب آپ سے سوالات کیے اور آپ کے جوابات کو پایا تو انہوں نے [illegible] پاؤں کو چوما اور شہادت دی کہ آپ سچے نبی

ہیں تو نبی پاک ﷺ نے ان کے فعل کو دیکھ کر خاموشی اختیار کی جو کہ حدیث تقریری کا مرتبہ رکھتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہاتھوں کو چومنا حدیثِ تقریری سے بھی ثابت ہے (٤) وفد عبدالقیس میں حضرت زارع رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ جب ہم مدینہ شریف کے قریب پہنچے تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں جلدی جا کر چومنے کے لیے سواری ایک دوسرے سے آگے بڑھاتے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا نبی علیہ السلام کی قدم بوسی کے لیے دوڑنا عادت مستمرہ تھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے صحابہ کا یہ عمل امت کے لیے کم از کم درجہ استحباب ضرور رکھتا ہے۔ اب تو اس زمانے میں ہاتھ پاؤں چومنا اہل سنت و جماعت کا شعار بن چکا ہے۔
اب ہم ہاتھ پاؤں چومنے پر فقہاء کے چند اقوال پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

فقہاء اور شارحین کی نظر میں ہاتھ پاؤں چومنے کا جواز

ان التقبيل على سبيل البر بلا شهوة جائز بالاجماع...... ان رجلا اتى النبى ﷺ فقال يارسول الله أرنى شيأ ازداد به يقينا فقال اذهب الى تلك الشجرة فادعها فذهب اليها فقال ان رسول الله ﷺ يدعوك فجاء ت حتى سلمت على النبى ﷺ فقال لها ارجعى فرجعت قال ثم اذن له فقبل رأسه ورجليه.

(ردالمختار المعروف شامی مصنفہ زین العابدین شامی ج ٦ ص ٣٨٣ باب الاستبراء وغیرہ۔ کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مصر)

ہاتھ پاؤں کا بلاشہوت چومنا نیکی کے طریقے پر بالاجماع جائز ہے...... ایک آدمی نبی پاک ﷺ کے پاس حاضر ہوا عرض کی یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیں جس کی وجہ سے میرے یقین میں اضافہ ہو جائے' آپ نے فرمایا: اس درخت کے پاس جاؤ اور اس کو میری طرف بلا لیں' وہ اس کی طرف گیا اور اس نے جا کر درخت کو کہا کہ تجھے رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں لہٰذا وہ درخت آیا اور آپ پر سلام کیا آپ نے اس کو کہا کہ تم واپس لوٹ جاؤ پس وہ درخت واپس لوٹ گیا (اس نے آپ سے اذن طلب کیا ہاتھ پاؤں چومنے کے لیے) آپ نے اس کو اجازت دے دی۔ لہٰذا اس آدمی نے آپ کے سر مبارک اور آپ کے پاؤں مبارک کو چوما۔

ان قبل يد عالم او سلطان عادل لعلمه وعدله لابأس به هكذا ذكره فى فتاوى اهل سمرقند وان قبل يد غير العالم وغير السلطان العادل ان اراد به تعظيم المسلم واكرامه فلابأس به ...... تقبيل يدالعالم والسلطان العادل جائز ولا رخصة فى تقبيل يدغيرهما. (فتاوی عالمگیریہ ج ۵ ص ٣٦٩ الباب الثامن والعشرون' کتاب الکراھیۃ' مطبوعہ مصر)

اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دے اس کے علم اور عدل کی وجہ سے تو اس میں کوئی حرج نہیں اسی طرح مذکور ہوا فتاوی اہل سمرقند میں۔ اور اگر غیر عالم کے ہاتھ کو بوسہ دے یا غیر عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دے تعظیم وتکریم کے ارادہ سے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز ہے اور ان دونوں کے غیر کے ہاتھ کو بوسہ دینے کی اجازت نہیں ہے۔

استنبط بعضهم من مشروعية تقبيل الاركان جواز تقبيل كمل من يستحق التعظيم من آدمى وغيره فاما تقبيل يدالآدمى فياتى فى كتاب الأدب واما غيره فنقل عن الامام احمدانه سئل عن تقبيل لخبر النبى ﷺ وتقبيل قبره فلم يربه بأسا......

(حجر اسود کے چومنے سے) بعض علماء نے خانہ کعبہ کے ارکان کی تقبیل سے ہر اس آدمی کی تقبیل کو مستنبط کیا جو تعظیم کا مستحق ہے چاہے آدمی ہو یا غیر آدمی۔ آدمی کے ہاتھ کو چومنا اس کا ذکر کتاب الآداب میں آیا ہے اور آدمی کے ہاتھ کے علاوہ جو ہے اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل سے نقل کیا گیا کہ آپ سے منبر

ونقل عن ابن ابی الصیف الیمانی احد علماء مکة من الشافعیة جواز تقبیل المصحف واجزاء الحدیث و قبور الصالحین وباللہ التوفیق.

(فتح الباری مصنفہ امام ابن حجر عسقلانی ج ۳ ص ۴۷۲ باب تقبیل الحجر کتاب الحج مطبوعہ مصر)

رسول ﷺ اور آپ کی قبر کی تقبیل کا سوال کیا گیا تو انہوں نے اس میں کوئی خوف نہیں سمجھا۔ ابن ابی الصیف یمانی جو اہل مکہ میں سے ایک امام ہیں اور شافعی مسلک رکھتے ہیں' قرآن مجید' احادیث اور قبور صالحین کے چومنے کا جواز نقل کیا گیا ہے۔

مذکورہ فقہی عبارات کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) ہاتھ چومنے میں اگر شہوت کا خطرہ نہ ہوتو بالاجماع جائز ہے۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ کے سر مبارک اور پاؤں مبارک کو چوما جس نے آپ سے معجزہ طلب کیا تھا (۲) عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں کسی قسم کی قباحت نہیں لہٰذا اساتذہ کرام' والدین اور مرشد کے ہاتھ چومنے میں بھی کوئی قباحت نہیں کیونکہ یہ اس عزت کے مستحق ہیں کہ ان کے ہاتھوں کو چوما جائے (۳) امام ابن حجر نے حجر اسود کے چومنے پر مختلف فقہاء کی آراء کو نقل کیا ہے کہ جب حجر اسود کا چومنا جائز ہے تو اس سے نکلتا ہے کہ ہر وہ چیز جو تعظیم کی مستحق ہے چاہے وہ آدمی ہو یا غیر اس کا چومنا جائز ہے۔ اس لیے جب امام احمد بن حنبل سے منبر رسول اور قبر رسول چومنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جائز قرار دیا اسی طرح علمائے مکہ نے قرآن مجید' احادیث نبوی اور قبور صالحین کو چومنا جائز کہا..... ہاتھ پاؤں چومنے کے بارے میں دیوبندی اور اہل حدیث عوام تو کیا ان کے علماء بھی اس پر شرک و بدعت کے فتوے دیتے ہیں۔ بلکہ یہ بات اہل سنت بریلوی کے درمیان اور علمائے دیوبند و اہل حدیث کے درمیان مابہ الامتیاز بنی ہوئی ہے کہ دیوبندی وہ ہوتا ہے جو ہاتھ پاؤں چومنے کو شرک و بدعت قرار دیتا ہے اور بریلوی وہ ہوتا ہے جو ہاتھ پاؤں چومنے کو جائز سمجھتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اگر شرعی قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں غور وفکر کریں تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ انہیں یہ فعل شرک نظر نہیں آئے گا ورنہ اس کی زد میں ان کے اکابر بھی آ جائیں گے۔ اہلحدیثوں کے امام وحید الزمان غیر مقلد نے اپنی مشہور کتاب "ہدیۃ المہدی" میں یوں لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

واما التقبیل فلا یختص بالکعبة ولا بالحجر بل الصحابة کانوا یقبلون یدالنبی ورجله وکانت فاطمة تقبل النبی و قبل النبی زید بن حارثة وعثمان بن مظعون وابوبکر قبل النبی بعد مامات وکان عثمان یقبل المصحف ونقل علی القاری فی رسالته المورد الروی ان العزبن جماعة وغیرہ تمسک فی تقبیل القبر ومسه بقول احمد لاباس به.

(ہدیۃ المہدی مصنفہ وحید الزمان اہل حدیث ص ۵۴ فصل شدو تجھل اخوانہ الخ مطبوعہ لاہور پریس دہلی)

چومنا کعبے اور حجر اسود کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی پاک ﷺ کے ہاتھ پاؤں چومتے رہے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو چوما۔ نبی پاک ﷺ نے زید بن حارثہ اور عثمان بن مظعون کو چوما' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی پاک ﷺ کی وفات شریف کے بعد آپ کی پیشانی مبارک کو چوما اور عثمان غنی قرآن مجید کو چومتے تھے اور ملا علی قاری نے اپنے رسالہ مورد الروی میں نقل کیا کہ عزبن جماعہ اور اس کے غیر نے تمسک پکڑا ہے قبر کو چومنے میں اور اس کو مس کرنے میں احمد بن حنبل کے قول کی وجہ سے انہوں نے فرمایا اس میں کوئی خوف نہیں۔

یاد رہے اہل حدیث کے امام وحید الزمان نے مسئلہ کی حقیقت کو حدیث کی روشنی میں پیش کیا۔ کعبے اور حجر اسود کو جب چومنا جائز ہے تو وہ ان کی عظمت کی وجہ سے ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ عظمت و شان دیتا ہے ان کے چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔ عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد رسول اللہ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور نبی علیہ السلام کے وصال کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ مولوی وحید الزمان نے واضح الفاظ میں ہاتھ پاؤں چومنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ شریعت مصطفیٰ میں صحابہ کا عمل اعلیٰ درجے کی حجت ہے۔ اس لیے وحید الزمان اس کا انکار نہ کرسکا بلکہ اس کا اقرار کرتے ہوئے وہی دلائل لایا جو ہاتھ پاؤں چومنے پر علمائے بریلوی لاتے ہیں اور فقہائے کرام نے تو اس سے بڑھ کر ان بزرگوں کی قبر کو بوسہ دینا بھی جائز لکھا ہے۔ جیسا کہ ایک صحابی کے خواب کا واقعہ جو حدیث میں مذکور ہے۔ اس کو خواب آئی کہ میں نے دروازہ کی چوکھٹ اور دروازے کے بالائی حصہ کی لکڑی کو چوما ہے تو نبی علیہ السلام نے اس کی تعبیر بیان فرماتے ہوئے اسے کہا کہ تم جاؤ ماں کے قدم چومو اور باپ کا سر چوما۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ دونوں فوت ہو چکے ہیں تو نبی علیہ السلام نے فرمایا جا ماں کی قبر کو پاؤں کی طرف سے چوم اور باپ کی قبر کو سر کی طرف سے چوم۔ تو اس روایت نے واضح کر دیا کہ ماں باپ کے قدموں کو بھی چومنا جائز ہے اور ان کی قبروں کو بھی چومنا جائز ہے۔ دیوبندی علماء کے امام مولوی رشید احمد گنگوھی نے ایک سوال کے جواب میں ہاتھ پاؤں چومنے کو تو جائز قرار دیا لیکن اپنا خدشہ ظاہر کیا کہ عوام اس سے فتنہ میں پڑ جائیں گے اس لیے نہیں کرنا چاہیے۔ یہ مولوی رشید احمد گنگوھی کے اپنے دل اور اپنے عقیدہ کی بات ہے ورنہ قانون شرعی یہی ہے کہ ہاتھ پاؤں چومنے جائز ہیں تو پھر اس میں کیا حرج ہے؟ اب مولوی رشید احمد گنگوھی کی اصل عبارت پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بزرگوں کے قدموں کو بوسہ دینے کا حکم اور بوسہ دینا بزرگانِ اہل سنت کے قدم کو اگرچہ درست ہے مگر اس کا کرنا اولیٰ نہیں کہ عوام اس سے فتنہ میں پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کو ترک کرنا چاہیے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۱۴۶ ' کتاب البدعات ' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز مقابل مولوی مسافر خانہ ' کراچی)

قارئین کرام! بوسہ دینے سے کونسا فتنہ ہے جس میں عوام پڑ جائیں گے؟ یہ فتنہ اندرونی بیماری کی وجہ سے نظر آتا ہے ورنہ بوسے دینے کو کسی نے سجدہ نہیں قرار دیا کیونکہ اگر بوسہ دینے میں سجدہ کرنے کا حکم پایا جاتا تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہاتھ پاؤں چومنے سے منع کر دیتے بلکہ آپ نے ہاتھ پاؤں چومنے کا اذن دیا۔ تو پھر صحابہ کرام نے آپ کے ہاتھ پاؤں کو چوما۔ جبکہ ابھی مجمع الزوائد کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ معجزہ طلب کرنے والے صحابی نے جب دیکھا کہ درخت حضور ﷺ کے بُلانے سے آیا اور پھر واپس جانے کا حکم پا کر واپس چلا گیا تو اس نے آپ سے اذن طلب کیا کہ وہ آپ کے سرِ مبارک اور پاؤں مبارک کو بوسہ دے۔ آپ نے اذن دیا اور اس نے آپ کے سرِ مبارک اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ اگر پاؤں کو بوسہ دینا سجدہ ہوتا تو حضور اس کی کبھی اجازت نہ دیتے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے واضح الفاظ میں فرمادیا جبکہ کسی صحابی نے عرض کیا کہ حضور جیسے دوسرے بادشاہوں کو لوگ سجدہ کرتے ہیں' آپ تو شہنشاہوں کے شہنشاہ ہیں ہم بھی آپ کو سجدہ کریں تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرتی۔ اس حدیث نے واضح کر دیا کہ علمائے کرام' صوفیائے عظام' والدین اور پیر و مرشد کے ہاتھ پاؤں چومنے جائز ہیں اور یہ سجدہ نہیں کہلاتے۔ کیونکہ ان کا ثبوت حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا اور اس چومنے کو سجدہ قرار دینا اور پھر اس پر کفر و شرک کے فتوے لگانا یہ بہت بڑی زیادتی اور مداخلت فی الدین ہے یا پھر اپنی جہالت کا اظہار ہے۔

اعتراض

تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام...... وفی الزاھدی الایماء فی السلام الی

علماء اور عظماء کے سامنے زمین کو چومنا حرام ہے ---- اور زاہدی میں مذکور ہے کہ سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا یہ

قریب الرکوع کالسجود وفی المحیط انہ یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ وظاھر کلامھم اطلاق السجود علی ھذا التقبیل. (درمختار مع ردالمحتار ج۶ ص۳۸۳ کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبوعہ مصر)

سجدے کی شکل ہی ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے لیے جھکنا مکروہ ہے اور ان کی ظاہری کلام اس قسم کی تقبیل کو سجدہ قرار دیتی ہے۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا' سجدہ کرنا شرک ہے۔ لہٰذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے لہٰذا بزرگوں کے سامنے زمین کو چومنے والے اور ان کے پاؤں چومنے والے مشرک ہیں۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ کتب فقہ میں کتاب الصلوٰۃ میں سجدہ کی بحث آتی ہے اور وہاں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی سجدہ کی نیت کے بغیر زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی سے چارپائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں اس کو سجدہ نہیں کہتے۔ یاد رہے سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔ سجدۂ تعظیم اور سجدۂ عبادت۔ سجدۂ تعظیم تو یہ ہے کہ کسی کی ملاقات کے وقت اس کے سامنے سجدہ کرنا اور سجدۂ عبادت یہ ہے کہ کسی کو خدا سمجھ کر یا خدا جیسا سمجھ کر سجدہ کرے تو یہ سجدہ غیر کی عبادت کہلائے گا اور یہ شرک ہے اور اس عقیدے کے ساتھ سجدہ کرنے والا مشرک ہے۔ یہ سجدہ کسی دین میں جائز نہیں ہوا کیونکہ ہر نبی توحید لے کر آیا ہے شرک لے کر نہیں آیا' ہاں سجدۂ تعظیم نبی علیہ السلام سے پہلے دوسرے انبیاء کے دین میں جائز رہا۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا تو یہ سجدۂ تعظیم شریعت محمدیہ میں آ کر حرام ہو گیا۔ اب کوئی کسی کو سجدۂ تعظیم بھی کرے تو وہ مجرم ہے' گنہگار ہے۔ بلکہ بعض نے اسے مرتکب کبیرہ بھی لکھا ہے۔ لیکن اس کو مشرک یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح کتب فقہ میں لکھا ہے۔ اس تمہید کے بعد ہم اصل اعتراض کا جواب پیش کرتے ہیں۔ معترض نے اس عبارت کا خلاصہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ علماء کے سامنے زمین چومنے والا' رکوع کے قریب تک جھکنے والا مشرک ہے۔ یہ اس کا کہنا فقہائے امت کے فیصلے کے خلاف جرأت ہے۔ کیونکہ پاؤں چومنا کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی اس کو جائز کہا ہے۔ پھر یہ شرک کیسے ہو گیا اور تمہارے اس فیصلے کی زد میں رشید احمد گنگوہی بھی آتا ہے تو کیا تم اس کو بھی کافر کہو گے اور شامی یا درمختار کی جو عبارت معترض نے پیش کی ہے۔ اگر وہی عبارت پوری نقل کرتا اور اس پر غور کرتا تو یہ اعتراض نہ کرتا کیونکہ درمختار میں اسی جگہ موجود ہے "ان کان علی وجہ العبادۃ کفر وان کان علی وجہ التحیۃ لا ۔ (یعنی علماء اور عظماء کے سامنے زمین کو چومنا) اگر بطریق عبادت ہے تو کفر ہے اور اگر بطریق تحیہ ہے تو کفر نہیں ہے" اور شامی کی یہ عبارت فقہاء کی ظاہری کلام ایسے چومنے کو سجدہ کہتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی آدمی کسی کامل کے سامنے زمین پر سر بسجود ہو اور اس طرح کا سر بسجود ہونا یہ سجدہ ہی کہلاتا ہے' زمین کا چومنا نہیں کہلاتا یا پھر وہ چومنے کے ساتھ وہ زمین پر پیشانی کو بھی رکھتا ہے۔ اس طرح یہ سجدہ کہلاتا ہے۔ بہرصورت اگر زمین کو چومنے کو سجدہ قرار دیا جائے تو یہ سجدۂ تحیہ ہی ہو گا' سجدۂ عبادت نہیں کہا جائے گا اور ایسا کرنے والے کو مشرک نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یاد رہے کسی مزار کے سامنے یا کسی ذی عزت کے سامنے زمین کو چومنا اور پاؤں کے چومنے میں فرق ہے۔ پاؤں چومنے میں کسی کو بھی عبادت کا وہم نہیں ہوتا اس کو ہر ایک تعظیم ہی کہتا ہے۔ بخلاف اس آدمی کے جو زمین کو چومتا ہے تو اس کی شکل و ہیئت سجدہ کے قریب ہو جاتی ہے اس لیے یہ فعل ناجائز ہے اور عقائد اہل سنت کے خلاف ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار

قیام تعظیمی کے جواز پر چند روایات' شارحین اور فقہاء کے چند اقوال

وعن محمد بن ھلال عن ابیہ ان النبی ﷺ کان اذا خرج الیہ من الیہ ... (جب) رسول کریم ﷺ ...

محمد بن ہلال اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک ... جب مجلس سے اٹھتے تو ہم آپ کے لیے

رواہ البزاز ورجال البزاز ثقات. (مجمع الزوائد مصنف نور الدین ھیثمی ج ۸ ص ۴۰ باب ماجاء فی القیام مطبوعہ بیروت لبنان)

کھڑے ہوتے۔ یہاں تک کہ آپ اپنے گھر میں داخل ہو جاتے۔ اس کو بزاز نے روایت کیا اور بزاز کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

عن عائشة قالت ما رأيت احدا كان اشبه سمتا وهديا ودلا وفي رواية حديثا وكلاما برسول الله ﷺ من فاطمة كانت اذا دخلت عليه قام اليها فاخذ بيدها فقبلها واجلسها في مجلسه وكان اذا دخل عليها قامت اليه فاخذت بيده فقبلته واجلسته في مجلسها رواه ابوداؤد.

(مشکوٰۃ شریف مصنفہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی ص ۴۰۲ فصل الثانی باب المصافحہ والمعانقہ مطبوعہ مصطفائی لاہور)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ مشابہ ہیئت نہ سیرت اور صورت میں اور ایک روایت ہے کہ کلام و گفتگو میں رسول اللہ ﷺ سے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس تشریف لاتیں آپ اُن کے لیے کھڑے ہو جاتے' ان کا ہاتھ پکڑتے پس اسے بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر انہیں بٹھا دیتے۔ جب حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں' آپ کے ہاتھ مبارک کو پکڑتیں اور بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر انہیں بٹھا دیتیں۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔

قارئین کرام! ان دو حدیثوں میں واضح الفاظ میں قیام تعظیمی کا ذکر پایا گیا ہے۔ مجمع الزوائد کی روایت جس کو بزاز نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اس میں واضح الفاظ میں موجود ہے کہ نبی پاک ﷺ جب مجلس سے اُٹھتے تو صحابہ کرام بھی تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ جب تک نبی علیہ السلام اپنے گھر میں داخل نہ ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے رہتے اور اگر یہ قیام تعظیمی عبادت ہوتا جیسے کہ علماء دیوبند اور اہلحدیث کہتے ہیں تو حضور علیہ السلام صحابہ کرام کو منع فرما دیتے بلکہ حرمت کا حکم فرماتے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ قیام تعظیمی سنتِ رسول و سنتِ صحابہ ہے کیونکہ خود' حضور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر کھڑے ہوتے رہے اور حضرت فاطمہ بھی حضور کی آمد پر کھڑی ہوتی رہیں اور یہ ایک قسم کی نص ہے جواز تعظیمی کے لیے۔

عن ابی سعيد الخدری قال لما نزلت بنو قريظة على حكم سعد بعث رسول الله ﷺ اليه وكان قريبا منه فجاء على حمار فلما من المسجد قال رسول الله ﷺ للانصار قوموا الى سيدكم متفق عليه.

(مشکوٰۃ المصابیح مصنفہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی ص ۴۰۳' باب القیام فصل اوّل مطبوعہ مصطفائی کشمیری بازار لاہور۔ پاکستان)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ کی طرف حکم بھیجا اور سعد کے اس حکم پر جب بنو قریظہ اترے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قریب ہی تھے۔ پس وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جب مسجد کے قریب پہنچے تو حضور ﷺ نے انصار کے لیے فرمایا: کہ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

قارئین کرام! اس حدیث میں قیام تعظیمی کے لیے امرِ رسول موجود ہے۔ آپ نے انصار کو فرمایا کہ تم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ بعض لوگوں نے اس میں بہت تاویلیں کی ہیں کہ یہ قیام حضرت سعد کی مدد کے لیے تھا کیونکہ وہ بیمار تھے لیکن محدثین نے اس قیام کو قیام تعظیمی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب ''اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ'' میں اس حدیث کے نیچے لکھتے ہیں۔

اجماع کردہ اند جماہیر علماء باین حدیث براکرام اھل فضل از علم یا صلاح یاشرف بقیام

اکابر علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اس حدیث سے اہل فضل کے اکرام پر اور امام محی السنۃ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ

وامام محی السنة محی الدین نووی رحمة الله علیه گفته که این قیام مر اهل فضل را وقت قدوم آوردن ایشان مستحب است واحادیث دریں باب ورود یافته ودرنهیے ازاں صریحا چیزے صحیح نشده ودرمطالب المؤمنین از قنیه نقل کرده که مکروه نیست قیام جالس از برائے کسیکه درآمده است برونے بجهت تعظیم و قیام مکروه بعینه نیست.

(اشعۃ اللمعات ج۴ص۳۰' مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی'
کتاب الآداب باب القیام فصل اوّل' مطبع نول کشور' لکھنؤ)

نے فرمایا کہ یہ قیام خاص کر اہل فضل کے لیے جب وہ تشریف لائیں تو مستحب ہے اور اس بارے میں بہت سی احادیث بھی آ چکی ہیں اور اس سے نہی کے بارے میں کوئی صحیح اور صریح حدیث نہیں آئی۔ مطالب المؤمنین کتاب میں قنیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اہل فضل کی تعظیم کے لیے کسی بیٹھنے والے کو قیامِ تعظیمی کرنا مکروہ نہیں ہے۔ یعنی اس کی ذات میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

تو اس حدیث کی شرح سے جو شیخ نے کی ہے' یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ قیامِ تعظیمی میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں۔ اسی لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے محفل میلاد میں قیام کے بارے میں اپنا عقیدہ نقل کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ میرے اعمال میں سے سب سے پُر اُمید عمل قیامِ میلاد ہے۔

اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں۔ میرے تمام اعمال میں فسادِ نیت موجود رہتی ہے۔ البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی وانکساری' محبت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک ﷺ پر درود وسلام بھیجتا رہا ہوں۔ اے اللہ! وہ کونسا مقام ہے جہاں میلاد مبارک سے زیادہ تیری خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ اس لیے اے ارحم الراحمین! مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بیکار نہیں جائے گا۔ بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہو گا اور جو کوئی درود وسلام پڑھے اور اس کے ذریعے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی۔

(اخبار الاخیار مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مترجم مولانا سبحانی محمود صاحب ص۶۲۴' مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' بندر روڈ کراچی)

شیخ کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامِ تعظیمی جائز اور حق ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ذات محتاجِ تعارف نہیں ہے' خطۂ ہند کے علماء کی اسناد آپ ہی تک پہنچتی ہیں۔ موافقین ومخالفین سب کے نزدیک شیخ کی شخصیت مسلمہ ہے' جب انہوں نے نبی علیہ السلام کی محبت کے پیش نظر میلادِ مصطفیٰ میں قیام کو اپنا بہترین عمل قرار دیا اور اس عمل کی وجہ سے ان کی پر اُمیدی نگاہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے اس عمل کو ضائع نہیں کرے گا اور اس عمل کے صدقے جو بھی میں نے دعا کی اللہ تعالیٰ اس کو بھی رد نہیں فرمائے گا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ قیامِ تعظیمی کے جواز میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ بلکہ کلام شیخ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک ایسا عمل ہے جو مردود نہیں ہو گا اور میلاد النبی ﷺ کی مجلس میں آپ کی آمد کے ذکر کے وقت تعظیماً کھڑے ہو جانا یہ ایک ایسا عمل ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوھی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے پیر ومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عمل کو محبوب سمجھا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

قیام مولد شریف اگر بوجہ آنے نام آنحضرت کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے؟ جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اس سردار علم وعالمیاں (روحی فداہ) کے اسم گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہے؟

(شمائم امدادیہ مصنفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حصہ دوم ص ۶۸ مطبوعہ کتب خانہ شرف الرشید' شاہ کوٹ شیخوپورہ۔ پاکستان)

فرمایا کہ مولد شریف تمامی اہلِ حرمین کرتے ہیں اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے اور حضرت رسالت پناہ کا ذکر ایسے مزموم ہوسکتا ہے۔ البتہ جو زیادتیاں لوگوں نے اختراع کی ہیں نہ چاہیں اور قیام کے بارے میں میں کچھ نہیں کہتا ہاں مجھ کو ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے۔ (شمائم امدادیہ مصنفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حصہ دوم ص ۷۶ مطبوعہ کتب خانہ شرف الرشید شاہ کوٹ شیخوپورہ۔ پاکستان)

مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا ہے کہ ان کے زمانہ میں ہی قیام تعظیمی پر علمائے دیوبند نے اعتراض کرنے شروع کردیئے تھے جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو پہنچے انہوں نے اس کے رد میں فرمایا کہ کچھ لوگ قیام میلاد شریف سے منع کرتے ہیں جو کہ حضور ﷺ کے نام مبارک آنے پر قیام کیا جاتا ہے۔ حاجی صاحب فرماتے ہیں اگر کوئی آدمی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں جبکہ یہ عام مسلمانوں کا طریقہ ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے اسمِ گرامی کی تعظیم کے لیے اگر کوئی کھڑا ہوجاتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب کہ حرمین شریفین میں میلاد کیا جاتا ہے۔ ان کا عمل ہمارے لیے حجت اور دلیل ہے اور اپنے لیے فرماتے ہیں کہ مجھے تو اس قیام میں ایک کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ حاجی صاحب نے اپنی کتاب ہفت مسئلہ میں کہا ہے کہ مجھے تو قیامِ میلاد میں ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔ نامعلوم لوگ کیوں انکار کرتے ہیں اور اسی شمائم امدادیہ کے ص ۵۰ پر یوں لکھتے ہیں۔

ہمارے علماء اس زمانہ میں جو کچھ قلم میں آتا ہے بے محابا فتویٰ دے دیتے ہیں علمائے ظاہر کے لیے علم باطن بہت ضروری ہے۔ بدوں اس کہ کوئی کام درست نہیں ہوتا۔ فرمایا ہمارے علماء مولد شریف میں بہت تنازعہ کرتے ہیں تاہم علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ جب صورت جواز کی موجود ہے پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں اور ہمارے واسطے اتباع حرمین کافی ہے۔ البتہ وقتِ قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیے (یعنی اسی کھڑے رسول اللہ پیدا ہورہے ہیں) اگر احتمال تشریف آوری کیا جائے مضائقہ نہیں کیونکہ عالمِ خلق مقید بزمان ومکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات کا بعید نہیں ہے۔

حاجی صاحب نے اس آخری عبارت میں مسئلے کو بالکل واضح کردیا کہ نبی پاک ﷺ کے لیے یہ تصور کرنا کہ وہ محفلِ میلاد میں تشریف لارہے ہیں ہم ان کے لیے کھڑے ہوجائیں تو ایسا تصور کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ عالم امر کا ہے اور عالم امر میں قرب وبعد کا کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ ساری کائنات میں بیک وقت موجود ہوسکتے ہیں۔ حاجی صاحب نے ان علماء پر تنقید کی یعنی رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی کے متعلق ان کی قلم میں جو کچھ آتا ہے بے محابا لکھتے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ علماء ظاہر میں سے ہیں اور علمائے ظاہر مسائل کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ علوم ظاہریہ کے ساتھ علم باطن بھی ہو۔ اگر ان علماء کو علم باطنی ہوتا تو اس مسئلے کو عالم امر سے شمار کرتے پھر قرب وبعد کی بناء پر کسی قسم کا تنازعہ نہ کرتے۔ اب قیامِ تعظیمی پر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تائید میں چند ایک فقہی عبارات پیش کی جاتی ہیں کہ جن سے مسئلہ کی حقیقت خوب عیاں ہوگی اور قیامِ تعظیمی کی شرعی حیثیت بھی سامنے آجائے گی۔

قرآن پڑھنے والے کے لیے عالم دین کے آنے پر قرآن چھوڑ کر اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے

وفي الوهبانية يجوز بل يندب القيام تعظيما للقادم كما يجوز القيام واو للقارى بين يدى العالم وسيجئ نظماً (قوله يجوز بل يندب القيام تعظيما للقادم الخ) اى ان كان ممن يستحق التعظيم قال في القنية قيام الجالس في المسجد لمن دخل

وہبانیہ میں ہے کہ قیامِ تعظیمی جائز ہے بلکہ مستحب ہے جیسا کہ قرآن پڑھنے والے کے لیے عالم کے آنے پر تعظیماً کھڑا ہونا جائز ہے۔ اتنی عبارت درمختار کی ہے۔ اب اس کی توضیح کے لیے ابن العابدین اس کی وضاحت کے لیے فرماتے ہیں صاحب درمختار کا (یہ قول یجوز بل یندب القیام للقادم یعنی آنے والے کے

علیہ تعظیما. وقیام قاری القرآن لمن یجیٔ تعظیما لایکرہ اذا کان ممن یستحق التعظیم وفی مشکل الآثار القیام لغیرہ لیس بمکروہ لعینہ انما المکروہ محبۃ القیام لمن یقام لہ. فان کان لمن لایقام لہ لایکرہ. قال ابن وھبان اقول وفی عصرنا ینبغی ان یستحب ذلک ای القیام لما یورث ترکہ من الحقد والبغضاء والعداوۃ لاسیما اذا کان فی مکان اعتید فیہ القیام وما ورد من التوعد علیہ فی حق من یحب القیام بین یدیہ کما یفعلہ الترک والاعاجم اھ۔ (رد المحتار مع درمختار ج ۶ ص ۳۸۴ مصنفہ زین العابدین شامی کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبوعہ مصر)

لیے قیام تعظیمی کرنا مستحب ہے) فرماتے ہیں قیام تعظیمی اس آدمی کے لیے مستحب ہے جو تعظیم کا مستحق ہو اور قنیہ میں ہے کہ مسجد میں بیٹھنے والا آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جائے تو جائز ہے اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کوئی قاری قرآن پڑھ رہا ہو تو وہ آدمی آ جائے جو تعظیم کا مستحق ہے تو قرآن پڑھنے والے کے لیے اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ضروری ہے اور مشکل الآثار طحاوی میں ہے کہ غیر کے لیے قیام مکروہ بعینہٖ نہیں ہے' مکروہ وہ قیام ہے کہ جس کے لیے قیام کیا گیا ہے وہ اپنے لیے قیام کو پسند کرے اور اگر اس آدمی کے لیے قیام کیا گیا ہے جس کے لیے قیام نہیں کیا جاتا (یعنی ایسا دُنیادار چوہدری یا بادشاہ جو اپنے لیے لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہے) وہ ایسا نہیں ہے۔ تو اس کے لیے قیام تعظیمی بالکل جائز ہے۔

درمختار اور رد المحتار کی دونوں عبارتوں نے مسئلہ کو اُلجھن میں نہیں رہنے دیا بلکہ واضح کر دیا کہ قیام تعظیمی مستحب ہے اور اس آدمی کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے شرعی شان عطاء فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی قرآن پڑھنے والا قرآن پڑھ رہا ہے' اوپر سے عالم دین یا وہ آدمی جو مستحق تعظیم ہے آ گیا تو قاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن بند کر کے اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جائے۔

وقال بعض العلماء فی الحدیث اکرام اھل الفضل من علم او صلاح او شرف بالقیام لھم اذا قبلوا ھکذا احتج بالحدیث جماھیر العلماء وقال القاضی عیاض القیام المنھی تمثلھم قیام طول جلوسہ وقال النووی ھذا القیام للقادم من اھل الفضل مستحب وقد جاءت احادیث ولم یصح فی النھی عنہ شیٔ صریح وقد جمعت کل ذلک مع کلام العلماء علیہ فی جزء وأجبت فیہ عما یوھم النھی عنہ اھ وتعقبہ ابن الحاج المالکی فی مدخلہ وردعلیہ ردا بلیغا۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ مصنفہ ملا علی قاری ج ۹ ص ۸۳ باب القیام کتاب الآداب فصل اوّل مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔ پاکستان)

بعض علماء نے کہا کہ قیام جائز ہے (ان لوگوں کے لیے جو قیام کے مستحق ہیں) جب کہ وہ تشریف لائیں اور انہوں نے یہ حکم اس حدیث سے نکالا ہے کہ جس میں اہل فضل کے اکرام کا ذکر ہے وہ اہل فضل چاہے علم کی وجہ سے ہوں' اصلاح کی وجہ سے ہوں یا شرف کی وجہ سے ہوں۔ اسی حدیث اکرام اہل فضل سے جمہور نے قیام تعظیمی کے لیے حجت پکڑی ہے اور قاضی عیاض نے کہا جس قیام سے منع کیا گیا ہے وہ وہ ہے کہ بیٹھنے والا بیٹھا رہے اور دوسرے لوگ اس کے بیٹھنے تک کھڑے رہیں (چاہے مدت دراز تک بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں یہ قیام منع ہے) امام نووی نے فرمایا کہ اہل فضل کے آنے کے وقت ان کے لیے قیام تعظیمی کرنا مستحب ہے اور حدیث میں بھی ذکر آ چکا ہے اور قیام تعظیمی کے منع کرنے پر کوئی صحیح اور صریح حدیث موجود نہیں ہے اور امام نووی نے فرمایا کہ میں نے ایک پوری کتاب قیام تعظیمی کے بارے میں لکھی ہے۔ اس کتاب میں قیام تعظیمی کے جواز پر دلائل اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب دیئے ہیں اور جہاں جہاں علماء کو [illegible] میں نے ان تمام اوھام کا جواب دیا

ہے۔ قیام تعظیمی کے بارے میں ابن الحاج مالکی نے اپنی کتاب
مدخل میں عدم جواز پر جو دلائل پیش کیے ہیں میں نے ان کا رَدِّ بلیغ
کیا ہے۔

تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مذکورہ عبارت میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ قیام تعظیمی کا اثبات احادیثِ صریحہ سے ثابت ہے لیکن اس کے مقابلے میں کوئی صحیح اور صریح حدیث نہیں ہے اور جن لوگوں نے قیام تعظیمی کے خلاف اوھام پیدا کیے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں میں نے پوری جلد ان کے رَد میں لکھی ہے اور ہمارے بعض فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ قیام تعظیمی کے وقت اتنا انحناء نہیں چاہیے جو رکوع کے قریب تک ہو۔ یہ بھی متفق علیہ نہیں ہے کیونکہ ہم اس کو تعظیم میں ہی شمار کریں گے اور سجدۂ تعظیمی بھی نہیں کہیں گے اور نہ ہی اس کو ہم حرام سمجھتے ہیں کیونکہ بعض علماء نے اس کے جواب کا صراحتاً فتویٰ دیا ہے۔ جیسا کہ عالمگیری میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

تجوز الخدمة لغير الله تعالى بالقيام واخذ اليدين والانحناء ولايجوز السجود الا لله تعالى كذافي الغرائب. (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۹' کتاب الکراھیۃ' الباب الثامن والعشرون' مطبوعہ مصر)

جائز ہے خدام کہئے کہ وہ غیر اللہ کے لیے قیام کریں اور جھک کر ہاتھ پکڑیں اور سجدہ جائز نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے جیسا کہ غرائب میں موجود ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی اگرچہ حرام ہے لیکن کفر اور شرک نہیں ہے اور قیام تعظیمی جائز ہے لیکن دُنیاداروں کے لیے قیام کرنا جائز نہیں ہے اور قیام تعظیمی اُمت مسلمہ کے اجماع سے ثابت ہے اور اس پر اعتراضات کرنا جہالت اور بے علمی ہے۔

تنبیہ

یاد رہے عام لوگ فعل حرام کے مرتکب کو کافر اور مشرک کہہ دیتے ہیں یہ دین سے جہالت اور قوانین شرعی سے ناواقفی کی بناء پر ہے اور میں تو یہاں تک سمجھتا ہوں کہ جہلاء تو کیا علماء میں سے بھی ایسے ہیں جو فعل حرام کے مرتکب کو کافر اور مشرک قرار دیتے ہیں۔ مولوی احسان الٰہی ظہیر اہلِ حدیث کے مقتدا کہ جن کی بم دھما کہ میں موت واقع ہوئی اس واقعہ سے چند ماہ قبل اتفاقاً میں مکتبہ قدوسیہ اُردو بازار لاہور میں گیا کہ جس کے مالک مولوی عبدالخالق بھی موجود تھے تو مولوی احسان الٰہی ظہیر آ گیا اور اُس نے کھلے لفظوں میں مجھے سُنا کر کہا کہ میں نے کتاب "البریلویت" جس طرح بریلویوں کے رَد میں لکھی ہے اسی طرح مرزائیوں اور شیعوں کے بارے میں الگ کتاب لکھی ہے تو میں سنتا رہا اور صبر کے ساتھ تردد کرتا رہا دوسرے روز پھر میں مکتبہ قدوسیہ میں گیا تو پھر مولوی احسان الٰہی ظہیر آ گیا پھر اس نے مجھے طنزاً کہا کہ مولوی احمد رضا بریلوی جو تمہارے اعلیٰ حضرت ہیں اس نے فتاویٰ رضویہ کی دسویں جلد میں لکھا ہے کہ جو مولوی اشرف علی تھانوی کی کتابوں کا مطالعہ کرے وہ کافر ہے۔ تو پھر مجبوراً میں بول اُٹھا کہ کتاب دکھاؤ اور اعلیٰ حضرت کی عبارت نکالو کہ آپ نے لکھا ہے کہ جو مولوی اشرف علی تھانوی کی کتب کا مطالعہ کرے وہ کافر ہے۔ تو کہنے لگا کہ اب فتاویٰ رضویہ کی دسویں جلد میرے پاس نہیں ہے لیکن میں نے اس عبارت کو اپنی کتاب ''البریلویت'' میں نقل کیا ہے۔ اگر تم کہو تو وہ کتاب موجود ہے تو میں اس کتاب سے آپ کو عبارت پڑھ کر سُنا دیتا ہوں' میں نے مولوی احسان الٰہی ظہیر کو کہا کہ اپنی ہی کتاب ''البریلویت'' نکالو اور اس سے عبارت پڑھ کر سناؤ جب اس نے عبارت پڑھی تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ مولوی اشرف علی تھانوی کی کتابوں کا مطالعہ کرنا حرام ہے کیونکہ اس کی بعض عبارات گمراہ کُن ہیں۔ جب یہ عبارت مولوی احسان الٰہی ظہیر نے پڑھ کر سُنائی تو میں نے اس کو کہا کہ تم نے ایسے عبارت پڑھ کر سُنا دی ہے جیسے تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہے جو چاہو کہہ دو۔ آپ کو میرے ساتھ گفتگو کے وقت کچھ اتنا تو خیال ہونا چاہیے تھا میں

اس آدمی سے گفتگو کر رہا ہوں جس نے تیس سال تک علوم دینیہ اور حدیث پڑھائی ہے اور تم نے دکھانا تو یہ تھا کہ مولانا احمد رضا بریلوی نے یہ لکھا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کی کتب کا مطالعہ کرنے والا کافر ہے۔ لیکن جو تم نے دکھایا ہے وہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کی کتابوں کا مطالعہ کرنا حرام ہے تو کیا تمہارے نزدیک حرام اور کفر میں کوئی فرق نہیں ہے؟ تو آگے سے جواب دیا کہ حرام کا مرتکب کیا مؤمن ہوتا ہے؟ مجھے اس کی بات سے کچھ غصہ آیا جب کہ اس کو اپنی غلطی کا علم ہو چکا ہے پھر یہ خواہ مخواہ ٹانگ اڑا رہا ہے تو پھر میں نے کہہ دیا کہ کیا مٹی کھانا حرام ہے یا نہیں؟ اور بچوں کے لواطت کرنا حرام ہے یا نہیں؟ اور یہ بالاجماع فعل حرام ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تم اپنی کتابوں سے نکال کر دکھاؤ کہ مٹی کھانے والا اور بچوں کے ساتھ لواطت کرنے والا کافر ہے تو اس پر مولوی عبدالخالق نے جب دیکھا کہ احسان الٰہی کی پریشانی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ جواب سے عاجز ہو کر ذلت کے کنارے آ کھڑا ہوا ہے۔ کہنے لگا: تم دونوں میرے مہمان ہو تم جھگڑا نہ کرو اور بات ہی ختم کر دو۔ بلکہ مولوی عبدالخالق نے پھر مولوی احسان الٰہی ظہیر کو میرا تعارف کرایا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس نے شیعوں کے خلاف جتنی تحریر کی ہے اس کی کسی زمانہ میں بھی نظیر نہیں ملتی۔ علوم دینیہ میں ان کو اچھی مہارت ہے۔ خصوصاً شیعوں کے رد میں تو انہوں نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اس پر مولوی احسان الٰہی کچھ شرمندہ بھی ہوا اور شیعوں کے رد میں اور مرزائیوں کے رد میں جو کتابیں لکھی تھیں ان کا ایک ایک نسخہ مجھے پیش کیا۔ بہر حال مجھے یہ واقعہ سنانا مقصود نہیں ہے بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ عوام تو کیا بعض علماء بھی احتیاط سے کام نہیں لیتے اور بلا غور و فکر اور بلا روک ٹوک مرتکب حرام کو کافر کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی دیو بندیوں کے پیر و مرشد شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی عبارت پیش کر چکا ہوں کہ آپ فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے ہمارے علماء کی قلم میں جو آتا ہے بے محابا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ اس عبارت سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا بھی اسی طرف اشارہ تھا کہ اعمال مستحبہ کو پہلے حرمت کے ڈھانچے میں بعض علماء ڈال لیتے ہیں اور پھر اس پر کفر و شرک کا حکم لگا دیتے ہیں ان کی اس غلطی کا اصل یہ ہے کہ یہ علم باطنی سے نابلد ہیں۔ اس لیے ایسے فتوے دیتے ہیں۔

تو قارئین کرام! کیونکہ سلام کے باب میں مذکورہ چند بحثیں میں ضروری سمجھتا تھا جن کو میں نے واضح کر دیا ہے اللہ تعالیٰ قارئین کو فقیر کی اس تحریر کو پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو مجھے اطلاع کریں اور اگر صحیح نظر آئے تو میرے حق میں دعائے بخشش فرما دیں اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر میرے رب نے چاہا تو میری تصانیف کے صدقے ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صدقے ' اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میری بخشش فرما دے گا۔ آمین ثم آمین۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٤١٥- بَابُ الدُّعَاءِ

دُعا کا بیان

٩٠٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِیْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِیْنَارٍ وَقَالَ رَاٰنِی ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَدْعُوْ فَاُشِیْرُ بِاَصَابِعِیْ اِصْبَعٍ مِنْ کُلِّ یَدٍ فَنَهَانِیْ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا عبداللہ بن دینار نے کہ عبداللہ بن عمر نے مجھے دعا کرتے ہوئے دیکھا اور میں اپنے دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا تو آپ نے مجھے منع فرمایا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ نَاْخُذُ یَنْبَغِیْ اَنْ یُّشِیْرَ بِاِصْبَعٍ وَّاحِدَةٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

امام محمد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر کے قول پر ہمارا عمل ہے۔ صرف ایک انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

٩٠١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ یَقُوْلُ اِنَّ الرَّجُلَ لَیُرْفَعُ بِدُعَاءِ وَلَدِهٖ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا یحییٰ بن سعید نے کہ انہوں نے سعید بن المسیب سے سُنا کہ فوت ہونے کے بعد

وَلَدِہٖ مِنْ بَعْدِہٖ وَقَالَ بِیَدِہٖ فَرَفَعَھَا اِلَی السَّمَاءِ.

بیٹے کی دُعا سے باپ کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اس بلندی کے اظہار کے لیے آپ نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

مذکورہ باب میں دو اثر نقل کیے گئے ہیں۔ پہلا اثر تو یہ ہے کہ عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں دعا مانگ رہا تھا اور دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے اس سے منع فرمایا۔ یہاں دعا سے مراد تشہد ہے اور اشارے سے مراد اشھد ان لا الہ الا اللہ پر انگشت کو اٹھانا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قدرے اس کی وضاحت کر دی کہ توحید کے لیے ایک انگشت سے اشارہ کر' تمام انگشتوں کو اٹھانا بے فائدہ ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس اثر کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا لہٰذا ترتیب دینے والوں سے شاید لغزش ہوئی ہو۔ کیونکہ دعا کا معنی تشہد لینا اور تشہد میں انگلیوں کو اٹھانا یہ ایک بعید تاویل ہے۔ ہاں البتہ دوسری حدیث کا ترجمۃ الباب سے واضح تعلق ہے کہ سعید بن المسیب کا فرمانا کہ بیٹے کی دعا سے باپ کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اس بلندیٔ درجات کے اشارے کے لیے آسمان کی طرف انگشت کو اُٹھایا کیونکہ اس میں دعا کا صراحۃً ذکر ہے۔ اس لیے اس کا ترجمۃ الباب سے واضح تعلق ہے۔ اس جگہ اس اثر کے ساتھ دو عظیم مسئلے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دونوں کو فقیر ترتیب وار بیان کرے گا۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بیٹے کی دعا سے باپ کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ بیٹے کا کام ماں باپ کے لیے صرف دعا کرنا ہی نہیں بلکہ اس کے حقوق میں والدین کے لیے زندگی میں خدمت کرنا ہے اور مرنے کے بعد ایصالِ ثواب' صدقات وغیرہ دعا سے کرنا ہے تو خلاصۃً دو مسئلے یہ ہوئے۔ (۱) زندگی میں والدین کی خدمت کرنا اور اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم حاصل کرنا (۲) مرنے کے بعد ایصالِ ثواب کرنا۔

والدین کی خدمت کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال رضا الرب تبارک و تعالی فی رضاء الوالد وسخط الرب تبارک وتعالی فی سخط الوالد رواہ البزاز.. ... وعن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ من سرہ ان یمد لہ فی عمرہ ویزاد فی رزقہ فلیبر والدیہ ولیصل رحمہ...... وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ طاعۃ اللہ طاعۃ الوالد ومعصیۃ اللہ معصیۃ الوالد رواہ الطبرانی فی الاوسط...... وعن معاذ بن انس ان رسول اللہ ﷺ قال من بر والدیہ طوبی لہ زاداللہ فی عمرہ رواہ ابو یعلی والطبرانی...... وعن عائشۃ قالت اتی رسول اللہ ﷺ رجل ومعہ شیخ فقال لہ یا فلان من ھذا معک قال ابی قال فلا تمش امامہ ولا تجلس قبلہ ولاتدعہ باسمہ ولاتستب لہ رواہ الطبرانی فی

ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے...... انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کا رزق وسیع ہو اسے چاہیے کہ وہ والدین کے ساتھ نیکی کرے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے...... ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ کی اطاعت والد کی اطاعت ہے اور اللہ کی نافرمانی والد کی نافرمانی ہے (یعنی والد کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت ہے اور والد کی نافرمانی میں اللہ کی نافرمانی ہے)...... معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے والدین کے لیے نیکی کی' مبارک ہے اس کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر میں زیادتی کر دی۔ اس کو روایت کیا ابو یعلیٰ اور طبرانی نے' ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام

الاوسط......وعن انس قال اتی رجل رسول اللہ ﷺ فقال انی اشتھی الجھاد ولا اقدر علیہ قال ھل بقی من والدیک احد قال امی قال اللہ فی برھا فاذا فعلت ذلک کان لک اجر حاج ومعتمر ومجاھد فاذا رضیت عنک امک فاتق وبرھا. رواہ ابو یعلی والطبرانی فی الصغیر والاوسط ورجالھما رجال الصحیح......وعن معاویۃ بن جاھمۃ عن ابیہ قال اتیت رسول اللہ ﷺ استشیرہ فی الجھاد فقال النبی ﷺ الک والدان قال نعم قال الزمھما فان الجنۃ تحت اقدامھما رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات......وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ بروا آباءکم تبرکم ابناؤکم وعفو تعف نساؤکم' رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح.

(مجمع الزوائد مصنف نورالدین ہیثمی ج ۸ ص ۱۳۶-۱۳۸' کتاب البر والصلۃ' باب ماجاء فی البر وحق الوالدین' مطبوعہ بیروت)

کی خدمت میں ایک آدمی اس حال میں آیا کہ اس کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی بھی تھا' آپ نے فرمایا: یافلاں! یہ بوڑھا آدمی کون ہے؟ اس نے کہا میرا والد ہے' نبی علیہ السلام نے اس کو فرمایا نہ تو اپنے باپ کے آگے چل' نہ اس کے آگے بیٹھ اور نہ ہی اس کا نام لے کر پکار اور نہ ہی اس سے بدکلامی کر' روایت کیا اس کو طبرانی نے اوسط میں......انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ! میں جہاد کا شوق رکھتا ہوں لیکن اس کے لیے ساز وسامان کی قدرت نہیں رکھتا' آپ نے فرمایا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا' ہاں! ماں زندہ ہے' آپ نے فرمایا: جہاد اس کے ساتھ نیکی کرنے میں ہے' جب تم نے یہ کرلیا تو تیرے لیے حج اور عمرہ اور جہاد کا ثواب ہے اور جب تیری ماں تجھ سے راضی ہوجائے اس کے بعد نافرمانی سے بچ اور نیکی کر۔ روایت کیا اس کو ابویعلیٰ نے اور طبرانی نے اوسط اور صغیر میں ان دونوں کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ معاویہ بن جاہمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ والد نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے جہاد کے بارے میں آپ سے مشورہ طلب کیا' آپ نے فرمایا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ عرض کی: ہاں! یارسول اللہ ﷺ!۔ آپ نے فرمایا ان کی خدمت کو لازم پکڑ' ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے اور اس کے رجال ثقہ ہیں......ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اپنے والدین سے نیکی کرو تو تمہاری اولاد تم سے نیکی کرے گی' بدکاری سے بچو تمہاری عورتیں بدکاری سے بچی رہیں گی۔

وعن عبداللہ بن ابی اوفی قال کنا عند النبی ﷺ فاتاہ آت فقال شاب یجود بنفسہ قیل لہ قل لا الہ الا اللہ فلم یستطیع فقال کان یصلی فقال نعم فنھض رسول اللہ ﷺ ونھضنا معہ فدخل علی الشاب فقال لہ قل لا الہ الا اللہ فقال لہ استطیع قال لم قال کان یعق والدیہ فقال النبی ﷺ احیۃ

عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک آنے والا آیا اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ایک نوجوان وقت نزع میں ہے اور اس کے لیے کہا گیا کہ تو پڑھ لا الہ الا اللہ تو وہ نہ پڑھ سکا۔ نبی پاک ﷺ نے پوچھا نمازی تھا؟ جواب دیا ہاں نمازی تھا' نبی پاک ﷺ کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھ

والدتہ قالوا نعم قال ادعوھا فدعوھا فجاء ت فقال ھذا ابنک فقالت نعم فقال لھا أرأیت لو احججت نار ضخمۃ فقیل لک ان شفعت لہ فلینا عنہ والاحرقناہ بھذا النار ألست تشفعین لہ قالت یارسول اللہ اذا اشفع قال فأشھد اللہ واشھدینی انک قد رضیت عنہ فقالت اللھم انی اشھدک رسولک انی قد رضیت عن ابنی فقال لہ رسول اللہ ﷺ یاغلام قل لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان محمدا عبدہ ورسولہ فقالھا فقال رسول اللہ ﷺ الحمد للہ الذی انقذہ لی من النار. رواہ الطبرانی.

(مجمع الزوائد ج۸ ص۱۴۸ 'کتاب البر والصلۃ' باب ماجاء فی العقوق' مطبوعہ بیروت۔ لبنان' الترغیب والترہیب ج۳ ص۳۳۱' مصنفہ حافظ زکی الدین منذری' الترغیب من عقوق الوالدین حدیث نمبر۱۶۳' مطبوعہ بیروت)

کھڑے ہوئے پس اس جوان پر داخل ہوئے اور فرمایا: کہ پڑھ لا الہ الا اللہ اس نے جواب دیا کہ مجھے طاقت نہیں میں پڑھوں' آپ نے فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ ماں باپ کی نافرمانی کرتا تھا' نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اس کی والدہ زندہ ہے' لوگوں نے عرض کی حضور زندہ ہے' فرمایا اس کو بُلاؤ لوگوں نے اس کو بلایا تو وہ آ گئی' نبی علیہ السلام نے اس سے فرمایا: کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ اس نے عرض کی حضور میرا بیٹا ہے' کیا تیرا خیال ہے کہ بہت بڑی آگ بھڑکاؤں اور تیرے لیے کہا جائے کہ تو اس کی شفاعت کر دے تو ہم اس کو بری کر دیں گے ورنہ ہم اس کو آگ میں جلا دیں گے' تو کیا اس وقت تو شفاعت کرے گی۔ اس نے عرض کی ہاں شفاعت کروں گی۔ حضور نے فرمایا اللہ کو گواہ بنا کہ تو اس سے راضی ہو گئی' اس نے عرض کی: اے اللہ! میں تجھے اور تیرے رسول کو گواہ بناتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہو گئی۔ نبی پاک ﷺ نے اس کے بیٹے کو فرمایا کہ پڑھ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ تو پھر اس لڑکے نے کلمہ پڑھا' پھر نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اس نوجوان کو میری وجہ سے آگ سے نکالا۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

مجمع الزوائد کی مذکورہ چند احادیث کا خلاصہ چند امور ہیں۔ (۱) ماں باپ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے اور ماں باپ کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے (۲) جس آدمی کی آرزو ہو کہ اس کی عمر اور رزق میں برکت ہو اس کو چاہیے کہ والدین کے ساتھ نیکی کرے اور صلۂ رحمی کرے (۳) والد کے آگے چلنا نہیں چاہیے' نہ ہی اس کے بیٹھنے سے پہلے بیٹھنا چاہیے اور نہ ہی اس کو نام لے کر بُلانا چاہیے اور نہ ہی اس سے بدکلامی کرنی چاہیے (٤) جو آدمی جہاد کا شوق رکھتا ہو' اس کے والدین میں کوئی ایک زندہ ہو اس کو جہاد پر نہیں جانا چاہیے بلکہ والدین کی خدمت کرنی چاہیے تو اللہ اس کو حج' عمرہ اور جہاد کا ثواب عطاء فرمائے گا (۵) رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ تو جہاد میں نہ جا' والدین کے قدم پکڑ لے کیونکہ ان کے قدموں میں جنت ہے۔ یہاں تک وہ حدیثیں منقول ہوئیں کہ جن میں والدین کے ساتھ اچھے سلوک کرنے والے کے فضائل اور انعامات ذکر کیے گئے۔ اب ہم وہ احادیث لاتے ہیں کہ جن میں والدین کے نافرمان کی سزا اور عتاب کا ذکر ہے۔

والدین کے نافرمان کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سزا

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما عن النبی ﷺ قال الکبائر الاشراک

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ کبیرہ گناہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا'

بالله، وعقوق الوالدين، وقتل النفس، واليمين الغموس، رواه البخاري......وعن عمرو بن مرة الجهني رضي الله عنه قال جاء رجل الى النبي ﷺ فقال يارسول الله ﷺ شهدت ان لا اله الا الله وانك رسول الله وصليت الخمس واديت الزكاة مالي وصمت رمضان فقال النبي ﷺ من مات على هذا كان مع النبيين والصديقين والشهداء يوم القيامة هكذا ونصب اصبعيه مالم يعق والديه رواه احمد والطبراني باسنادين احدهما صحيح رواه ابن خزيمة وابن حبان في صحيحهما باختصار..... وعن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال اوصاني رسول الله ﷺ بعشر كلمات قال لاتشرك بالله شيأ وان قتلت وحرقت ولاتعقن والديك وان أمراك ان تخرج من اهلك ومالك الحديث رواه احمد وغيره وتقدم في ترك الصلوة بتمامه. وروى عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال خرج علينا رسول الله ﷺ ونحن مجتمعون فقال يا معشر المسلمين اتقوا الله وصلوا ارحامكم فانه ليس من ثواب اسرع من صلة الرحم واياكم والبغي فانه ليس من عقوبة اسرع من عقوبة البغي واياكم وعقوق الوالدين فان ريح الجنة توجد من مسيرة الف عام، والله لا يجدها عاق. وعن ابي بكرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال كل الذنوب يؤخر الله منها ماشاء الى يوم القيامة الاعقوق الوالدين فان الله يعجله لصاحبه في الحياة قبل الممات، رواه الحاكم والاصبهاني كلاهما من طريق بكار بن عبدالعزيز وقال الحاكم، صحيح الاسناد..... وعن العوام بن حوشب رضي الله عنه قال نزلت مرة حيا والى جانب ذالك الحي مقبرة

والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو قتل کرنا اور زمانہ گزشتہ پر جھوٹی قسم کھانا ہیں..... حضرت عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، عرض کی یارسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں، اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں، تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو آدمی ان اعمال پر مر جائے وہ قیامت میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کو کھڑا کیا کہ جب تک والدین کی نافرمانی نہ کرے۔ اس کو روایت کیا احمد اور طبرانی نے دو اسنادوں کے ساتھ، ایک ان دونوں کی صحیح ہے اس کو ابن خزیمہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اختصار کے ساتھ۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے مجھے دس کلموں کی وصیت فرمائی۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اگر چہ تو شہید کیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے اور تو والدین کی نافرمانی نہ کر اگر چہ وہ تجھے حکم دیں کہ تو اپنے اہل وعیال سے نکل جا..... اور روایت کی گئی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ ہم سب جمع تھے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور صلہ رحمی کرو، صلہ رحمی سے زیادہ اور کوئی ثواب نہیں ہے اور تم اس کی بغاوت سے بچو کیونکہ جنت کی ہوا ایک ہزار سال کے سفر سے سونگھی جاتی ہے اللہ کی قسم! اس ہوا کو ماں باپ کا نافرمان نہیں پائے گا۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ قیامت تک مؤخر کر دیتے ہیں جتنا کہ وہ چاہیں لیکن والدین کی نافرمانی کی سزا کو مؤخر نہیں کرتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ماں باپ کے گستاخ کو موت سے پہلے حیاتِ دنیوی میں ہی سزا دیتا ہے..... عوام بن حوشب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک قبیلہ میں اترا۔ اس کو ایک جانب میں قبرستان تھا تو جب عصر کے بعد کا وقت آیا اس قبرستان سے ایک قبر پھٹی اور اس سے ایک آدمی نکلا جس کے سر گدھے کے سر کی مثل تھا اور جسم اس کا انسان کے جسم کے مثل

فلما کان بعد العصر انشق منها قبر فخرج رجل راسه رأس الحمار وجسده جسد انسان فنهق ثلاث نهقات ثم انطبق علیه القبر فاذا عجوز تغزل شعرا او صوفا فقالت امراۃ تری تلک العجوز قلت مالها' قالت تلک ام ھذا قلت وما کان قصته قال کان یشرب الخمر فاذا راح تقول له امه یابنی اتق اللہ لی متی تشرب ھذہ الخمر فیقول لھا انما انت تنھقین کما ینھق الحمار قالت فمات بعد العصر قالت فھو ینشق عنه القبر بعد العصر کل یوم فینھق ثلاث نھقات ثم ینطبق علیه القبر' رواہ الاصبھانی وغیرہ وقال الاصبھانی حدث به ابو العباس الاصم اولا بنیشابور بمشھد من الحفاظ فلم ینکروہ.

(الترغیب والترہیب مصنفہ حافظ زکی الدین منذری ج ۳ ص ۳۲۶۔ ۳۳۳ حدیث نمبر ۳۔ ۱۷ الترہیب من عقوق الوالدین' مطبوعہ بیروت)

تھا اور اس نے تین ہینگیں لگائیں پھر اس پر قبر بند ہوگئی تو اچانک ایک بوڑھی عورت صوف یا بالوں کا دھاگہ کات رہی تھی تو ایک عورت نے مجھے کہا کہ اس بوڑھی کو جانتا ہے' میں نے کہا اس کے لیے کیا واقعہ ہے؟ اس عورت نے کہا کہ یہ قبر میں گدھے کی شکل میں نظر آنے والا اس کا بیٹا ہے' میں نے کہا اس کا کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا یہ شراب پیتا تھا تو جب شراب کے نشے سے فارغ ہوتا تو اس کی ماں اسے کہتی کہ تو اللہ سے ڈر' کب تک شراب پیتا رہے گا۔ ماں کے لیے کہتا کہ تو ہینگتی ہے جیسے گدھا ہینگتا ہے اس لیے اس کی قبر روزانہ عصر کے بعد پھٹتی ہے یہ گدھے کی شکل میں سر نکال کر تین ہینگیں مارتا ہے اور پھر اس پر قبر بند ہو جاتی ہے۔ اس کو روایت کیا صبہانی وغیرہ نے اور صبہانی نے کہا کہ اس کو بیان کیا ابو العباس اصم نے نیشاپور کے ایک مجمع میں جب وہاں حفاظ بھی موجود تھے کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔

والدین کے نافرمان کے متعلق احادیث کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ والدین کی نافرمانی کرنا ہے (۲) تمام اسلامی ارکان ادا کرنے والے کے متعلق نبی علیہ السلام نے فرمایا: اس کو قیامت میں انبیاء' صدیقین اور شہداء کے ساتھ اجر ہوگا بشرطیکہ اس نے والدین کی نافرمانی نہ کی ہو (۳) اگرچہ قتل یا جل جانے کا خوف ہو تو اس صورت میں بھی والدین کی نافرمانی نہ کرو (٤) ایک ہزار سال کے سفر سے جنت کی خوشبو سونگھی جائے گی لیکن والدین کے نافرمان کو یہ خوشبو نصیب نہ ہوگی (٥) ہر جرم کی سزا کو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو قیامت تک مؤخر کر دے مگر والدین کے نافرمان کی سزا اللہ مرنے سے پہلے اس کو دے گا (٦) ماں باپ کے نافرمان کو مرنے کے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوگا (٧) والدین کے نافرمان کو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو گدھے کی صورت میں بنا دے اور ماں کی نصیحت کو ہینگ سے تشبیہ دینے والے کو قبر میں گدھے کی صورت میں برآمد کر کے ہینگنے والا بنا دے جس سے لوگ عبرت حاصل کریں۔

یاد رہے کہ والدین کے حقوق میں ہم نے جو چند احادیث ذکر کیں کچھ تو فرمانبرداری کی رفعتِ شان کے لیے ہیں اور کچھ نافرمان کی عقوبت اور سزا میں ہیں اور جو عزت وشان کے متعلق ہیں ان میں ایک حدیث یہ بھی گزری ہے کہ والدین کی فرمانبرداری کی وجہ سے عمر میں درازی اور رزق میں فراخی دی جاتی ہے۔ اس حدیث پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے۔

اعتراض: قرآن مجید کی نص قطعی یہ کہہ رہی ہے کہ" **ولکل امة اجل فاذا جاء اجلھم لایستاخرون ساعة ولا یستقدمون** (اعراف: ۳۴) ہر امت کے لیے ایک مدت مقرر ہے تو جب اس کا وعدہ آ جاتا ہے تو ایک ساعت کے لیے نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں"۔ جس کا واضح معنی یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے موت کا وقت مقرر ہے نہ انسان اُن سے آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ یعنی وقتِ مقررہ پر فرشتہ آ کر اُن کی جان قبض کر لے گا' اور مذکورہ حدیث کہ والدین کی خدمت کی وجہ سے عمر لمبی ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث قرآن پاک کی اس آیت کے خلاف ہے۔ اس لیے ناقابلِ عمل ہے۔

جواب: تقدیر کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) مبرم (۲) شبہی بالمبرم (۳) معلق

مبرم تو وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور اس کے ساتھ لوح محفوظ میں کوئی شرط لگی ہوتی ہے اور نہ ہی اللہ کے علم میں وہ شرط سے معلق ہے جیسے فلاں فلاں وقت میں مر جائے گا۔ یونہی لوح محفوظ میں لکھا ہے اور اللہ کے علم میں بھی یہی ہے۔ یہی وہ تقدیر مبرم ہے جس کا ذکر ولکل امۃ اجل الخ میں مذکور ہے اور دوسری قسم شبہی بالمبرم وہ ہے کہ لوح محفوظ میں بغیر کسی شرط کے لکھا ہوا کہ فلاں وقت میں فلاں مر جائے گا لہٰذا فرشتوں کی نظر میں وہ تقدیر مبرم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اگر اس نے فلاں نیک کام کیا یا میرے فلاں بندے نے دعا کی تو میں اس کی موت کو ٹال کر زندگی میں درازی عطاء فرما دوں گا۔ اس کے کثیر واقعات موجود ہیں لیکن میں ایک بطور استشہاد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات سے پیش کرتا ہوں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ تشریف فرما تھے جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک صحابی کھڑا ہوا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ اس صحابی کا کل انتقال ہو جائے گا کیونکہ لوح محفوظ میں یونہی لکھا ہے۔ نبی علیہ السلام نے اس صحابی سے پوچھا کہ تیری کوئی خواہش ہے جس کو پورا کیا جائے' عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ایک تو شادی کا مجھے شوق ہے اور دوسرا حلوہ کھانے کا شوق ہے' نبی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ایک صحابی نے اپنی بیٹی کا عقد کر دیا' فوراً الوداعی ہوئی اور حلوے کا انتظام کیا گیا' صبح کو جب دیکھا کہ وہ صحابی خوش باش اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو نبی علیہ السلام نے جبرائیل سے پوچھا کہ جس کے وصال کی تم نے خبر دی تھی وہ تو اب زندہ ہے' جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! لوح محفوظ میں کل یہی لکھا تھا کہ اس کی آج موت واقع ہو جائے گی لیکن اب لوح محفوظ میں یہ شرط بھی لکھی جا چکی ہے کہ اگر اس نے حلوہ صدقہ کر دیا تو اس کی موت کو مؤخر کر دیا جائے گا۔ لہٰذا اب اس سے پوچھو کہ وہ حلوہ کس نے کھایا ہے اور اس کی چارپائی کے نیچے بھی دیکھو کیا چیز پڑی ہوئی ہے؟ جب اس کو بلا کر پوچھا کہ حلوہ کس نے کھایا؟ تو اس نے عرض کی حضور ہم کھانے کے لیے تیار ہوئے اتنے میں ایک مسکین نے سوال کیا' ہم دونوں نے باہم مشورہ کر کے حلوہ اس کو دے دیا اور خود ویسے ہی رات گزاری اور جب اس کی چارپائی کے نیچے دیکھا تو وہاں ایک سانپ بڑا سا مرا ہوا تھا' جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ سانپ اس کی موت تھا لیکن اس نے جو حلوہ صدقہ کیا تو وہ حلوہ سانپ کے منہ موت بن کر چلا گیا' سانپ مر گیا اور یہ بچ گیا۔ تو تاریخ شبہی بالمبرم کا خلاصہ ہوا کہ شبہی بالمبرم کی شکل مبرم سے ملتی جلتی ہے' فرشتوں کے علم میں وہ مبرم ہے' اللہ تعالیٰ کے علم میں معلق ہے یہی وہ تقدیر ہے جو والدین کی خدمت کرنے سے ٹل جاتی ہے' تقدیر کا ٹل جانا فرشتے کے علم کے مطابق ہے اور اس کے متعلق وہ مشہور شعر ہے کہ

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
اگر ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اور اس کی کثیر مثالیں احادیث میں بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ ابلیس کو جب اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ عالیہ سے نکالا اور اس پر وعیدیں نازل فرمائیں تو اس معلون نے عرض کی کہ تو میری زندگی قیامت تک کے لیے دراز کر دے تا کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کر لیا اور اس کی زندگی میں اضافہ کر دیا اور اس طرح جب آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی روحوں کو دیکھا تو ایک روح سے پیار ہوا' عرض کیا اس کا کیا نام ہے؟ فرمایا' داؤد۔ عرض کہ یا رسول اللہ! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' آپ نے عرض کی یا اللہ! میری عمر تو نے ہزار سال لکھی ہے تو میری اس ہزار سال میں سے چالیس سال میرے اس بیٹے کو دے دے۔ لہٰذا آدم علیہ السلام کی عمر جب نو سو ساٹھ سال ہوئی تو عزرائیل جان قبض کرنے کے لیے آئے' آپ نے فرمایا ابھی میرے چالیس سال باقی ہیں۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ آپ وہ چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کو دے چکے ہیں اور اسی طرح حضور علیہ السلام نے انس بن مالک اور سعد بن معاذ کی عمر اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے [illegible] شبہی بالمبرم کی ہیں اور معلق وہ ہوتی ہیں

جن میں لوح محفوظ میں اس کے ساتھ شرط لکھی ہوتی ہے کہ فلاں کام فلاں وقت پر ہو جائے گا اگر یہ عارضہ پیش نہ آیا۔ بہر صورت حدیث مذکورہ اور قرآن مجید کی آیت کریمہ میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں جس تقدیر کا ذکر ہے وہ تقدیر مبرم ہے۔ وہ نہ کسی کی دعا سے ٹلتی ہے اور نہ کسی صدقہ و دعا سے ٹلتی ہے اور جس تقدیر کا حدیث میں ذکر ہے کہ وہ ٹل جاتی ہے یا تو وہ معلق ہوگی یا وہ شبیہ بالمبرم ہوگی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

حدیث کے دوسرے حصہ کی وضاحت

وہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ بچے کی دعا سے والدین کے درجات بلند ہوتے ہیں اور دوسری جگہ حدیث میں آتا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین اعمال کے۔ صدقہ جاریہ اور ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جائے اور صالح اولاد جو کہ والدین کے لیے دعا کرے۔

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان مما يلحق المؤمن عمله وحسناته بعد موته علما علمه ونشره وولدا صالحا تركه او مصحفا ورثه او مسجدا بناه او بيتا لابن السبيل بناه او نهرا اجراه او صدقة اخرجها من ماله فی صحته وحياته تلحقه من بعد موته رواه ابن ماجة باسناد حسن......وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا مات ابن آدم انقطع عمله الامن ثلث صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله رواه مسلم وغيره.

(الترغیب والترہیب مصنفہ حافظ ذکی الدین منذری ج ا ص۹۹' کتاب العلم حدیث ۲۴' ۲۵' مطبوعہ بیروت' لبنان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: کہ بے شک مومن کو اس کی موت کے بعد اس کے اعمال اور اس کی نیکیوں میں سے ملتے رہتے ہیں وہ علم جس کی اس نے تعلیم دی اور اس کو پھیلایا اور صالح بچہ جو اس نے چھوڑا یا قرآن مجید کا نسخہ جو اس نے وراثت میں چھوڑا یا وہ مسجد جس کو اس نے بنایا یا وہ گھر جو اس نے مسافروں کے لیے بنایا' جو نہر اس نے جاری کی یا وہ صدقہ جو اس نے صحت اور حیات کی حالت میں اپنے مال سے نکالا' یہ اس کو موت کے بعد بھی ملتے رہتے ہیں' اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا حسن اسناد کے ساتھ ـــــ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' مگر تین اعمال' صدقہ جاریہ' یا وہ علم جس کے ساتھ نفع اٹھایا جاتا ہے یا نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔ روایت کیا اس کو مسلم وغیرہ نے۔

قارئین کرام! مذکورہ دو عدد احادیث سے یہ واضح ہوا کہ مرنے کے بعد اعمال تو منقطع ہو جاتے ہیں مگر چند چیزیں ایسی ہیں جو اس کو پہنچتی رہتی ہیں۔ ایک حدیث میں صرف تین کا ذکر آیا ہے' صدقہ جاریہ' مثلاً جس نے کنواں لگا دیا' یا مسجد بنا دی یا مدرسہ بنا دیا' دوسرا ایسا علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچے' تیسرا صالح بیٹا جو اس کے لیے دعا کرے اور دوسری حدیث میں تین چیزوں سے زائد کا ذکر ہے۔ لیکن وہ زائد چیزیں ان تین میں ہی داخل ہیں کیونکہ وہ سب چیزیں صدقہ جاریہ ہیں۔ ہر صورت میں ان دو احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والے کو کوئی شخص اگر ایصال ثواب کرے اسے پہنچتا ہے اور ایصال ثواب کرنے والا اجر عظیم کا مستحق بن جاتا ہے۔ اب بعض لوگ اس زمانہ میں ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں' کسی کے لیے بخشش کی دعا مانگنا' کسی کے لیے صدقہ و خیرات کرنا ناجائز ہے۔ مرنے والے کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے خود کیا ہو' پیچھے سے نہ بھیجے جانے والے اعمال کا ثواب اسے نہیں ملے گا اور اس ایصال ثواب کے مسئلہ پر میں قریب ہی بحث کر چکا ہوں۔ جس کے دوبارہ ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ البتہ قرآن مجید و

احادیثِ نبوی سے میں ایصالِ ثواب کے اثبات پر چند قرآنی آیات اور احادیث پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (ابراہیم: ۴۰۔۴۱)

اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنادے اور میری اولاد کو اے پروردگار ہماری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار! مجھے میرے والدین اور تمام مومنین کو قیامت کے دن بخشش دے۔

مذکورہ آیت میں جو دعا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام نے مانگی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کے مومن ہونے پر اجماع امت ہے اور وہ دُنیا سے تشریف لے جاچکی تھیں جب آپ نے اس کے لیے دعا مانگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرے ہوئے کے لیے دعا مانگنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الحشر: ۱۰)

اور وہ لوگ جو ان کے (یعنی مہاجرین وانصار کے) بعد آئے درآں حالیکہ وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان کی حالت میں ہم سے پہلے گزر گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے پھوٹ نہ ڈال' اے ہمارے پروردگار! بے شک تو مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اس آیت نے ثابت کیا کہ مرنے والوں کے متعلق یہ حکم ہے کہ ان کے لیے دعائے بخشش کریں اور ان مومنوں کے لیے جو دُنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں ان کے بارے میں کھوٹ پیدا نہ کریں۔

اعلم ان قوله (والذین جاء ومن بعدهم) عطف ایضا علی المهاجرین وهم الذین هجروا من بعد وقیل التابعون باحسان وهم الذین یجیئون بعدالمهاجرین والانصار الی یوم القیامة وذکر تعالی انهم یدعون لأنفسهم ولمن سبقهم بالایمان وهو قوله تعالی (یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا) ای غشا وحداوبغضا واعلم ان هذه الآیات قد استوعبت جمیع المومنین لانهم اماالمهاجرون اوالانصار ان یذکر السابقین وهم المهاجرون والانصار بالدعاء والرحمة فمن لم یکن کذلک بل ذکرهم بسوء کان خارجامن جملة اقسام المؤمنین بحسب نص هذه الآیة.

تو جان کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا قول: کہ وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔ یہ عطف ہے مہاجرین پر اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہجرت کی ان کے بعد' کہا گیا ہے کہ وہ احسان کے ساتھ تابعداری کرنے والے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آتے رہیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کیا کہ وہ اپنے نفسوں کے لیے اور جن لوگوں نے ایمان کے ساتھ ان سے سبقت کی دعا کرتے ہیں اور وہ تو اللہ تعالیٰ کا ہے کہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہماری بخشش فرما اور ان بھائیوں کی جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے گزر گئے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہمارے دلوں میں کھوٹ یعنی بغض وحسد پیدا نہ فرما۔ بے شک یہ آیات تمام مومنوں کو گھیرنے والی ہیں۔ کیونکہ یا تو وہ مہاجرین ہوں گے یا انصار یا وہ لوگ جو ان کے بعد آئے اور واضح کردیا اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی شان کو جو مہاجرین وانصار کے بعد آئیں گے اور

(تفسیر کبیر مصنفہ علامہ فخر الدین رازی ج ۲۹ ص ۲۸۸ آیت نمبر ۱۰' زیر آیت والذین جاء و من بعدھم......الخ' مطبوعہ مصر)

وہ سابقین یعنی مہاجرین و انصار کا ذکر کریں گے دُعا اور رحمت کے ساتھ۔ لہٰذا وہ آدمی جو اس طرح نہیں کرتا بلکہ ان کا ذکر برائی کے ساتھ کرتا ہے تو وہ نص قرآن کے ساتھ جملہ اقسام مؤمنین سے خارج ہے۔

بطور اختصار میں نے دو آیتِ کریمہ ایصالِ ثواب کے اثبات کے لیے نقل کیں۔ کیونکہ بیان قریب میں' میں ایصالِ ثواب کی بحث تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں اب اس بحث کا اعادہ میں مناسب نہیں سمجھتا۔ البتہ چند احادیث ایصالِ ثواب کے بارے میں پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن عباس ان سعد بن عبادة توفیت امه وھو غائب عنھا فقال یارسول الله ﷺ ان امی توفیت وانا غائب عنھا أینفعھا شیٔ ان تصدقت به عنھا قال نعم قال فانی اشھدک ان حائطی المخراف صدقة علیھا. (صحیح بخاری مصنفہ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ج ۱ ص ۳۸۶' کتاب الجنایۃ باب اذ قال ارضی او بُستانی صدقۃ اللہ الخ' مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ فوت ہو گئیں اور وہ موجود نہ تھے۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! میں غائب تھا اور میری والدہ فوت ہو گئیں اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے پھلوں والا باغ اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

عن عائشة ان رجلا قال للنبی ﷺ ان امی افتلتت نفسھا واظنھا لوتکلمت تصدقت فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا قال نعم. (بخاری شریف مصنفہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ج ۱ ص ۱۸۶' کتاب الجنائز باب موت یوم الاثنین' مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہو گئیں اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کچھ بات کر سکتیں تو صدقہ کرتیں اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر دوں تو کیا ان کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

عن سعد بن عبادة انه قال یا رسول الله ﷺ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحضر بیرا وقال ھذہ لام سعد. (ابوداؤد شریف مصنفہ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ج ۱ ص ۲۳۶' کتاب الزکوٰۃ' باب فی فضل سقی الماء' مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی)

حضرت سعد بن عبادہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! سعد کی والدہ فوت ہو گئیں۔ پس کس چیز کا صدقہ کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی کا' انہوں نے کنواں کھودا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔

عن جابر بن عبدالله قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین فلما وجھھما قال انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض وعلی ملة ابراھیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی و محیای ومماتی لله رب العالمین' لاشریک له وبذالک

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے دن نبی ﷺ نے دو سینگوں والے سرمئی خصی مینڈھے ذبح کیے۔ جب آپ نے ان کو قبلہ کے رُخ کرایا تو آپ نے یہ دعا پڑھی انی وجھت وجھی للذی......الخ اس کے بعد آپ نے ذبح کیا۔

امرت وانا اول المسلمین اللھم منک ولک عن محمد وامتہ بسم اللہ واللہ اکبر ثم ذبح.

(ابوداؤد شریف مصنفہ ابوداؤد سلیمان بن اشعث ج ۲ ص ۳۰' کتاب الضحایا' باب ما یستحب من الضحایا' مطبوعہ ایچ۔ایم سعید کمپنی' کراچی۔ پاکستان)

قال اخبرنی اسید بن علی بن عبید عن ابیہ انہ سمع ابا اسید یحدث القوم قال کنا عندالنبی ﷺ فقال رجل یارسول اللہ ھل بقی من برابوی شیء بعد موتھما ابرھما قال نعم خصال اربع الدعاء لھما والاستغفار لھما وانفاذ عھدھما اکرام صدیقھما وصلۃ الرحم التی رحم لک من قبلھما...... عن ابی ھریرۃ قال ترفع للمیت بعد موتہ درجتہ فیقول ای رب ای شیء ھذہ فیقال ولدک استغفرلک...... عن خالد بن یزید عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر مراعرابی فی سفر فکان ابوالاعرابی صدیقا بعمر رضی اللہ عنہ فقال ابن عمر الست ابن فلاں قال بلی فامر لہ ابن عمر بحمار کان یستعقب ونزع عمامتہ عن رأسہ فاعطاہ فقال بعض من معہ امایکفیہ درھمان فقال قال النبی ﷺ احفظ ودابیک لاتقطعہ فیطفی اللہ نورک. (الادب المفرد مصنفہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ص ۹' باب برالوالدین بعد موتھما' مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

مجھے خبر دی اسید بن علی بن عبید نے اپنے باپ سے انہوں نے سنا ابا اُسید سے وہ بیان کرتے تھے قوم کو ہم نبی پاک ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا یارسول اللہ! ماں باپ کے مرنے کے بعد بھی اُن سے نیکی ہوسکتی ہے کہ میں نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا' ہاں! چار چیزیں' اُن دونوں کے لیے دُعا' اُن دونوں کے لیے استغفار' اُن دونوں کے عہدوں کو پورا کرنا' اُن دونوں کے دوستوں کی عزت کرنا اور جو بھی اُن دونوں کی طرف سے تیرے ساتھ رحم ملتا ہو اس سے ملانا...... ابوہریرہ سے روایت ہے کہ مرنے کے بعد میت کے لیے درجہ بلند ہوتا ہے وہ کہتا ہے اے اللہ! یہ درجہ کیسے ملا؟ جواب دیا جاتا ہے کہ تیرے بیٹے نے تیرے حق میں استغفار کی ہے۔۔۔۔۔ خالد بن یزید' عبداللہ بن دینار سے اور وہ عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں' ایک اعرابی سفر میں گزرا اس اعرابی کا والد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔ ابن عمر نے کہا کیا تو فلاں کا بیٹا نہیں ہے؟ اس نے کہا: ہاں! اس کے لیے ابن عمر نے حکم دیا کہ وہ گدھے پر آپ کے پیچھے سوار ہو جائے' آپ نے اپنے سر کا عمامہ اُتار کر اس کو عطاء کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ اس کو دو درہم کافی نہیں تھے' ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے باپ کے دوست کو یاد رکھ اور اس سے قطع تعلق نہ کر ورنہ اللہ تعالیٰ تیرے نور کو بجھا دے گا۔

وعن انس ان سعدا اتی النبی ﷺ فقال یارسول اللہ ﷺ ان امی توفیت ولم توص افینفعھا ان اتصدق علیھا قال نعم وعلیک بالماء رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح ...... وعن سھل بن عبادۃ قال جئت رسول اللہ ﷺ فقلت توفیت امی ولم توص ولم تصدق

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت سعد نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا یارسول اللہ! ﷺ میری ماں فوت ہوگئی اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع پہنچے گا؟ فرمایا: ہاں! اور تیرے لیے لازم ہے کہ تو پانی کا صدقہ کرے اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔۔۔۔۔ سہل بن عبادہ

فهل يقبل ان تصدقت عنها فهل ينفعها ذالک قال نعم ولو بكراع شاة محترق...... وعن انس بن مالک قال سمعت رسول الله ﷺ يقول مامن اهل بيت يموت منهم ميت فيتصدقون عنه بعد موته الاهداها له جبرائيل عليه السلام على طبق من نور ثم يقف على شفير القبر العميق هذه هدية اهداها اليک اهلک فاقبلها فيدخل عليه فيفرح بها ويستبشر ويحزن جيرانه الذين لايهدى اليهم شئ. (مجمع الزوائد مصنفہ حافظ نورالدین ہیثمی' ج ۳ ص ۱۳۸-۱۳۹' باب الصدقۃ علی المیت' مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ میری ماں فوت ہوگئی اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی اور نہ اس نے صدقہ کیا' اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو قبول کیا جائے گا اور اس کو نفع ہوگا؟ فرمایا: ہاں! اگرچہ تو بکری کی جلی ہوئی کھری ہی صدقہ کرے..... حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سُنا آپ فرمارہے تھے کوئی بھی اہل بیت نہیں ان میں سے کوئی مرجائے پس وہ اس کی موت کے بعد صدقہ کریں تو اس صدقہ کو جبرائیل علیہ السلام نور کے طبق میں رکھ کر مُردہ کو پیش کرتے ہیں اور پھر گہری قبر کے کنارے کھڑے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ہدیہ ہے جو تیرے گھر والوں نے بھیجا ہے' لہٰذا اس کو قبول کر۔ لہٰذا وہ صدقہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو وہ اس کے ساتھ خوش ہوتا ہے اور خوشی مناتا ہے اور اس کے پڑوسی غمگین ہوتے ہیں کہ جن کو کوئی ہدیہ نہیں پہنچتا۔

(ويستفادمنه)ان الصدقة عن الميت تجوز وانه ينتفع بها وروى احمد عن عبدالله بن عمرو العاص بن وائل نذر في الجاهلية ان ينحر مائة بدنة وان هشام ابن العاص نحر عنه خمسين وان عمر اسأل رسول الله ﷺ عن ذلک فقال آما ابوک فلواقر بالتوحيد فصمت وتصدقت عنه نفعه ذلک...... وعن انس رضي الله عنه انه قال سالت رسول الله ﷺ فقلت انا لندعولموتانا ونتصدق عنهم ونحج فهل يصل ذلک اليهم فقال انه ليصل اليهم يفرحون به كما يفرح احدكم بالهدية. (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری مصنفہ بدرالدین عینی' ج ۸ ص ۲۳۳' باب موت النجأۃ البغتۃ' مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

(ماں کے مرنے کے بعد ایصال ثواب کا سوال کرنے والی حدیث سے) مستفاد ہوتا ہے کہ صدقہ میت کی طرف سے جائز ہے اور میت اس کے ساتھ نفع اٹھاتی ہے اور روایت کی احمد نے عبداللہ بن عمرو سے عاص بن وائل نے جاہلیت کے زمانہ میں نذر مانی کہ وہ سو اونٹ ذبح کرے گا۔ عاص کے بیٹے ہشام نے (عاص بن وائل کے مرنے کے بعد) پچاس اونٹ ذبح کیے اور دوسرے بیٹے عمرو نے نبی پاک ﷺ سے سوال کیا (کیا میں اپنے والد عاص بن وائل کی طرف سے پچاس اونٹ ذبح کروں تو اس کو فائدہ ہوگا؟) آپ نے فرمایا: تیرے باپ نے اگرچہ توحید کا اقرار کیا تھا تو اس کی طرف سے روزے رکھ اور صدقہ دے اس کو نفع پہنچے گا..... انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لیے دعا مانگتے ہیں' صدقہ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں کیا یہ ان کو پہنچتا ہے؟ آپ نے فرمایا ان کو پہنچتے ہیں اور وہ ان ہدیات سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تم ہدیات سے خوش ہوتے ہو۔

ایصال ثواب کے جواز پر گیارہ عدد احادیث کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) بعض صحابہ اور صحابیات نے عرض کی کہ ہمارے والدین جو فوت ہو چکے ہیں ان کے لیے صدقہ کریں تو اُن کو پہنچے گا؟ آپ

نے فرمایا: ہاں پہنچے گا (۲) نبی پاک ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے بکرا دیا اور اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ بکرے کو سامنے رکھتے ہوئے دعا فرمائی اللهم تقبل من محمد و آل محمد و من امة محمد تو گویا بکرے پر آپ کا دعا فرمانا اس سے سامنے طعام رکھ کر دعا مانگنے کا جواز واضح طور پر معلوم ہوتا ہے (۳) نبی پاک ﷺ نے اپنے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ میرے لیے ایصال ثواب کریں جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ساری زندگی عمل کیا (٤) والدین کے فوت ہو جانے کے بعد والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ والدین کے دوستوں سے پیار کیا جائے اور ان کے لیے استغفار کی جائے (۵) لڑکے کی دعا سے اس کے والدین کے درجے بڑھتے ہیں (٦) والد کو خوش کرنے کے لیے والد کے دوست کے بیٹے سے احسان کرنا' والد کی خوشنودی میں داخل ہے (۷) اور مرنے والے کو جبکہ اس کے گھر والے ہدیہ بھیجتے ہیں تو وہ ہدیہ جب قبر میں پہنچتا ہے تو قبر والے کے پڑوسی غمگین ہوتے ہیں کہ کاش کوئی ہمارا بھی ایصال ثواب کرنے والا ہوتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ احادیث و آثار اس قدر ایصال ثواب پر موجود ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کوئی ہدیہ' صدقہ میت کو پیش کرتا ہے تو وہ میت خوش ہوتا ہے اور خوشی مناتا ہے اور واضح نصوص سے ثابت ہوا کہ ہم جس چیز کو بھی میت کے لیے ایصال ثواب کرتے ہیں وہ اس کو ضرور پہنچتا ہے لیکن کچھ لوگ ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہدیہ اور صدقہ کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ لیکن علمائے اہل حدیث اور علمائے دیوبند سے بعض منصف الدماغ علماء نے بھی ایصال ثواب کے پہنچنے کا اقرار کیا ہے۔ جیسا کہ اہل حدیث کے امام نواب صدیق حسن خان بھوپالی اپنی کتاب "المسلک الوہاج" میں یوں لکھتے ہیں۔

بعض علمائے اہل حدیث نے ایصال ثواب کو دلائل سے ثابت کیا ہے

زندہ انسان نماز' روزہ' تلاوت قرآن' حج اور دیگر عبادات کا جو ثواب میت کو ہدیہ کرتا ہے وہ میت کو پہنچتا ہے اور زندہ انسان کا اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے یہ عمل نیکی' احسان' اور صلۂ رحمی کے قبیل سے ہے اور تمام مخلوقات میں جس کو نیکی اور احسان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ میت ہے جو تحت الثریٰ میں رہین ہے اور نیک اعمال کرنے سے عاجز ہے اور پھر اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے عبادات کا ہدیہ پیش کرتا ہے اور ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے۔ سو جو شخص میت کے لیے ایک دن کے روزے یا قرآن مجید کے ایک پارے کی تلاوت کا ہدیہ پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس روزوں اور دس پاروں کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی عبادات کو دوسروں کے لیے ہدیہ پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ انسان ان عبادات کا ذخیرہ کرے' یہی وجہ ہے کہ جس صحابی نے کہا تھا کہ میں اپنی دعا کا تمام وقت آپ پر صلاۃ پڑھنے میں صرف کروں گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے لیے کافی ہے' یہ وہ صحابی ہیں جو بعد کے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ پھر اس قول کا کیا جواز ہے کہ سلف صالحین نے فوت شدہ لوگوں کے لیے ایصال ثواب نہیں کیا۔ کیونکہ اس قسم کے ایصال ثواب کے لیے لوگوں کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہم مان بھی لیں کہ سلف صالحین نے ایصال ثواب نہیں کیا تھا اس سے ایصال ثواب میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مستحب ہے' واجب نہیں اور ہمارے لیے ایصال ثواب کے جواز کے لیے موجود ہے خواہ ہم سے پہلے کسی نے ایصال ثواب کیا ہو یا نہ ہو۔ شیخ ابن قیم نے ایصال ثواب کے دلائل میں سے دعائے استغفار اور جنازے کو پیش کیا ہے اور ان تمام کاموں کو سلف صالحین نے کیا ہے اور نبی پاک ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے اذان کے بعد فضیلت' وسیلہ اور بلند درجہ کی دعا کی جائے اور آپ پر صلوٰۃ پڑھی جائے اور یہ قیامت تک شروع ہے اور ہم نے اپنے مشائخ اور قرابت داروں کو دعا' تلاوت قرآن اور صدقات کا ثواب پہنچایا اور ہم نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے ہمارا اس پر شکریہ ادا کیا اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ ان تک ہمارا نفع پہنچتا ہے۔ عبدالحق نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر سورۂ بقرہ پڑھی جائے۔ امام احمد پہلے ایصال ثواب کا انکار کرتے تھے جب انہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما

کے اس قول کا علم ہوا تو انہوں نے انکار سے رجوع کر لیا۔ امام ابن ابی شیبہ نے حجاج بن دینار سے مرفوعاً روایت کیا کہ تم اپنی نمازوں کے ساتھ ماں باپ کی طرف سے نماز پڑھو اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے روزے رکھو اور اپنے صدقہ کے ساتھ ان کی طرف سے صدقہ کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں پر یٰس پڑھو اس کا ایک احتمال یہ ہے کہ انسان کی موت کے وقت پڑھو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کی قبر پر پڑھو علامہ سیوطی نے کہا جمہور نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور شیخ ابن قیم نے کئی دلائل سے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے۔ عبدالواحد مقدسی نے کہا یہ احادیث مرفوعہ اور صالحین کی خواب میں بشارتیں ایصال ثواب کے جواز پر اور میت کو اس سے نفع پہنچنے پر دلالت کرتی ہیں۔ شیخ نے کہا ہر چند کہ صرف صالحین کی بشارات دلیل نہیں بن سکتیں لیکن بکثرت بشارات اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: کہ تمہارے خوابوں سے اس کی موافقت ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں ہے۔ (مسلک الوہاج ج ۲ ص ۵۵ مصنفہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپالی طبع الاولیٰ)

بعض علمائے دیوبند نے ایصال ثواب کو دلائل سے ثابت کیا ہے

شبیر احمد عثمانی نے تو وہ سب احادیث نقل کی ہیں جو ہم نے ایصال ثواب کے جواز پر پیش کی ہیں ان کے نزدیک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایصال ثواب تواتر سے ثابت ہے۔

(فتح الملہم شرح مسلم مصنفہ شبیر احمد عثمانی ج ۳ ص ۳۹ باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ مطبوعہ مکتبہ الرشیدیہ کراچی)

باب مایستحب لمن توفی فجأۃ ان یتصدقوا عنہ وقضاء النزور عن المیت یعنی ان اداء الدیون والتصدق وغیرھا کلھا معتبر عن المیت۔

جو آدمی اچانک مرجائے اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے اور اسی طرح میت کی طرف سے اس کی نذر کو پورا کرنا بھی مستحب ہے یعنی دیون کا ادا کرنا اور صدقہ وغیرہ کا ادا کرنا میت کی طرف سے معتبر ہے۔

(فیض الباری شرح بخاری مصنفہ انور شاہ کشمیری ج ۳ ص ۴۱۳ کتاب الوصایا مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل سورت ہند)

الحاصل: قرآن وحدیث کی رُو سے ایصال ثواب کے حق میں ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اور جن لوگوں کو اختلاف ہے ان کے بعض اکابرین نے بھی اتنے دلائل سے ایصال ثواب کے جواز کو ثابت کیا ہے کہ گویا یہ ایصال ثواب کا جواز اجماع صحابہ اور تواتر سے ثابت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٤١٦- بَابُ الرَّجُلِ يَهْجُرُ اَخَاهُ

مسلمان بھائی سے بول چال بند کرنے کا بیان

٩٠٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءَ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا وَخَيْرُهُمُ الَّذِيْ يَبْدَءُ بِالسَّلَامِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب زہری نے عطاء بن یزید سے انہوں نے رسول پاک کے صحابی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک ملاقات کر لیں (بول چال بند کر لیں) اور رات میں اسی طرح ہیں کہ ایک دوسرے سے منہ پھیر لیں ان سے بہتر وہ آدمی ہے جو سلام کے ساتھ ابتدا کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِي الْهِجْرَةُ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ.

اور امام محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان تین دن سے زیادہ ترکِ ملاقات (بول،

چال بند کرنا) جائز نہیں۔

مذکورہ باب میں ایک اثر حضرت ابوایوب انصاری کی طرف سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو مسلمان بھائی سے ناراضگی اور جدائی تین دن سے زائد رکھنی جائز نہیں کہ جب وہ آپس میں ملاقات کریں تو ان میں ایک ادھر منہ کرے اور دوسرا ادھر منہ کرے۔ ان دونوں میں سے بہترین وہ آدمی ہے جو سلام کہے۔ اس حدیث سے مسلمان سے مطلقاً جدائی کا حکم معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ حکم مطلق نہیں ہے یہ اس ناراضگی کا حکم ہے جو صرف دنیاوی معاملات سے پیدا ہو اور اگر عذر شرعی کی وجہ سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ بھی کلام نہیں کرتا تو یہ جائز ہے جس پر کثیر شہادتیں موجود ہیں۔ مسلم شریف میں تو اسی حدیث کا عنوان اور ترجمۃ الباب یوں نقل کیا ہے۔ ''باب تحریم الهجر فوق ثلثة ایام بلا عذر شرعی یعنی تین دن سے زیادہ جدائی حرام ہے جبکہ عذر شرعی کے بغیر ہو''۔ اگر عذر شرعی کی وجہ سے ناراضگی اور جدائی تین دن سے زیادہ بھی ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ اس ناراضگی کا مقصود یہ ہے کہ جو مسلمان بھائی خلاف شرع حرکت پر جما ہوا ہے اس کو اس جدائی سے عبرت معلوم ہو اور وہ توبہ کرے۔ جیسا کہ مسلم شریف کی شرح میں علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ دشتانی ابی مالکی نے اکمال اکمال المعلم میں اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔

والمراد بالهجر فيما يقع بين الناس من عيب او موجدة او تقصير في حقوق العشرة والصحبة دون ما كان في جانب الدين فان هجرة اهل البدع دائمة مالم تظهر التوبة. كعب بن مالك واصحابه حين تخلفوا عن غزوة تبوك امر بهجرهم خمسين ليلة وهجر ﷺ نساءه شهرا او هجرت عائشة ابن الزبير مدة ومات جماعة من الصحابة مهاجرين الآخرين منهم. (اکمال اکمال المعلم ص ۱۶' باب تحریم التحاسد والتباغض والتدابر' مطبوعہ بیروت)

اور جدائی سے مراد وہ جدائی ہے جو لوگوں کے درمیان کسی عیب یا غصہ یا تقصیر کی وجہ سے ہو جو کہ معاشرے کے حقوق میں سے ہے۔ سوائے اس کے جو جانب شرع سے ہو۔ کیونکہ جدائی اہل بدعت سے ہمیشہ ہمیشہ ہونی چاہیے جب تک ان کی توبہ ظاہر نہ ہو۔ کعب بن مالک اور ان کے ساتھی جب غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تو نبی پاک ﷺ نے ان سے جدائی کا پچاس راتوں کے لیے حکم دیا اور خود نبی پاک ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لیے جدائی اختیار کی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جدائی اختیار کی یہاں تک کہ انہوں نے توبہ کی اور ایک جماعت صحابہ کی ایک دوسرے سے جدائی میں ہی ان کا وصال ہو گیا۔

تو یہ مذکورہ واقعات جو ہیں ان میں جدائی شرعی امور کی وجہ سے تھی جیسا کہ کعب بن مالک سے جدائی عتاب کی وجہ سے تھی کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرے کیونکہ اس سے دوسرے صحابہ کرام کے لیے بھی ایک قسم کی تنبیہ ہو گئی کہ ایسے جرم کی معافی سخت ہے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جدائی واقع صحاح میں جبکہ بخاری میں بھی موجود ہے اور اس کی وجہ شرعی عذر ہی تھا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت حضور ﷺ نے ام عبداللہ رکھی تھی۔ لہٰذا مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن زبیر کو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا اور ان کی غلطی حقوق والدین کے قبیلے سے بنتی تھی اس لیے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اس سے مہاجرت فرمائی۔ تاکہ آئندہ کے لیے اسے ایسی غلطی کرنے کی جرأت نہ ہو اور یہی مائی صاحبہ کی عبداللہ بن زبیر سے مہاجرت جو ہے اس کا ذکر صحاح اور غیر صحاح میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے لیکن اختصار کے مدنظر میں اس واقعہ کا خلاصہ بخاری شریف سے پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ عوف بن طفیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر دی گئی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو بیع کی تھی یا کسی کو کوئی عطیہ دیا تھا اس کے متعلق عبداللہ بن زبیر نے یہ کہا کہ '' باخدا حضرت عائشہ رک جائیں ورنہ میں ان کو تصرف کرنے سے روک دوں گا''۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کیا واقعی اس نے یہ کہا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! انہوں نے یہ کہا ہے' حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ کے لیے میری یہ نذر ہے کہ میں ابن الزبیر سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ جب ترک تعلق کی مدت طویل ہوگئی تو حضرت ابن الزبیر نے اپنے متعلق سفارش کرائی' حضرت عائشہ نے فرمایا: نہیں' میں ان کے متعلق کوئی سفارش قبول نہیں کروں گی اور پنی نذر باطل نہیں کروں گی جب یہ ترک تعلق بہت طویل ہوگیا تو حضرت ابن الزبیر نے حضرت مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث (یہ دونوں بنو زہرہ سے تھے) رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم دونوں مجھے حضرت عائشہ کے پاس لے چلو کیونکہ ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مجھ سے قطع تعلق کرنے کی نذر مانیں' حضرت مسور اور حضرت عبدالرحمٰن اپنی اپنی چادروں میں لپٹے ہوئے گئے اور حضرت عائشہ سے آنے کی اجازت طلب کی اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کیا ہم آ سکتے ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا آ جاؤ انہوں نے پوچھا کیا ہم سب آ جائیں' حضرت عائشہ نے فرمایا ہاں تم سب آ جاؤ حضرت عائشہ کو یہ علم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ ابن الزبیر بھی ہیں جب یہ سب داخل ہو گئے تو حضرت ابن الزبیر حجاب کے اندر چلے گئے اور حضرت عائشہ سے لپٹ گئے اور رونے لگے (حضرت ابن الزبیر حضرت عائشہ کے بھانجے تھے) حضرت ابن الزبیر حضرت عائشہ کو قسم دینے لگے اور کہنے لگے کہ آپ جانتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ترک تعلق سے منع فرمایا ہے اور یہ کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی سے ترک تعلق کرنا جائز نہیں ہے۔ جب انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت اصرار کیا اور حرج کا بیان کیا تو حضرت عائشہ رونے لگی اور اپنی نذر کا ذکر کیا اور کہا میں نذر مان چکی ہوں اور نذر کا معاملہ بہت سنگین ہے۔ وہ دونوں پھر اصرار کرنے لگے حتیٰ کہ حضرت عائشہ نے بات کر لی اور اپنی نذر کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کر دیئے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ اپنی نذر کو یاد کر کے روتی تھیں حتیٰ کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔

(بخاری شریف مصنفہ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' کتاب الادب' باب الہجر ج ۲ ص ۸۹۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

یاد رہے اصل حدیث میں جو ذکر ہے وہ مسلمانوں کا آپس میں دوری اختیار کرنا ہے جس سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور تین دن سے زیادہ ناراضگی اور قطع کلامی سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا۔ لیکن اس میں بھی ایک بحث ہے کیا تین دن تک قطع کلامی جائز ہے یا نہیں' اگر جائز ہے تو کیوں؟

تین دن تک آپس میں جدائی کے جواز کی وجہ

قولہ ﷺ (لایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال) قال العلماء فی ھذا الحدیث وتحریم الھجر بین المسلمین اکثر من ثلث لیال واباحتھا فی الثلاث الاول بعض الحدیث والثانی بمفھومہ قالوا وانما عفی عنھا فی الثلث لان لآدمی مجھول علی الغضب وسور الخلق ونحو ذلک فعفی عن الھجرۃ فی الثلاثۃ لیذھب ذلک العارض وقیل ان الحدیث لایقتضی اباحۃ الھجرۃ فی الثلاثۃ

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ جدا رہے' علماء نے کہا اس حدیث میں تین دن سے زیادہ کی ہجرۃ کو حرام قرار دیا ہے تو تین دن میں ہجرت کی اباحت پائی جاتی ہے مفہوم مخالف کے ساتھ اس لیے انہوں نے کہہ دیا کہ تین دن تک انسان کی ہجرت اپنے بھائی سے جائز ہے کیونکہ انسان پر غصے کا غلبہ اور بد خلقی وغیرہ طاری رہتی ہے اس لیے تین دن کی ہجرۃ کو معاف کر دیا یہاں تک کہ چلا جائے وہ عارضہ اور ایک مذہب یہ ہے کہ ہجرۃ کی اباحت

هـذا على مذهب من يقول لا يحتج بالمفهوم......ان السلام يقطع الهجرة ويرفع الاثم فيها ويزيله وقال احمد وابن القاسم المالكى ان كان يوذيه لم يقطع السلام هجرته قال اصحابنا ولو كاتبه اوراسله عند غيبة عنه هل يزول اثم الهجرة فيه وجهان احدهما لايزول لانه لم يكلمه واصحهما يزول لزوال الوحشة والله اعلم. (نووی مع مسلم ج ۲ ص ۳۱۶ باب تحریم الهجر فوق ثلاث ایام بلا عذر شرعی مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

اس حدیث سے نہیں نکلتی' لیکن یہ وہ کہتا ہے جو مفہوم مخالف کا قائل نہیں (ہجرت کو ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے) کہ السلام علیکم کہنا ہجرت کو ختم کر دیتا ہے' گناہ کو اٹھا دیتا ہے اور زائل کر دیتا ہے احمد اور ابن قاسم مالکی نے کہا کہ اگر وہ تکلیف دیتا رہے تو السلام علیکم ہجرت کو ختم نہیں کرتا۔ ہمارے اصحاب نے کہا اگر کوئی خط لکھ دے یا آدمی کو بھیج دے اس کے ناموجود ہونے کے وقت کیا ہجرت کا گناہ زائل ہو جائے گا؟ اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہجرت ختم نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے اس سے کلام نہیں کی۔ اصح قول یہ ہے کہ خط یا بندہ بھیجنے سے ہجرۃ اٹھ جاتی ہے کیونکہ اس سے وحشت ختم ہو جاتی ہے۔

صلہ رحمی اور قطع رحمی کرنے والوں کے ثواب وعتاب کے متعلق چند احادیث

حدثنا كليب بن منفعة قال قال جدى يارسول الله من ابر قال امك واباك واختك واخاك ومولاك الذى يلى ذاك حق واجب ورحم موصولة......عن ابى ايوب الانصارى ان اعرابيا عرض للنبى ﷺ فى مسيره فقال اخبرنى مايقربنى من الجنة ويباعدنى من النار قال تعبد الله ولا تشرك به شيأ وتقيم الصلوة وتوتى الزكوة وتصل الرحم...... عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال خلق الله عزوجل الخلق فلما فرغ منه قالت الرحم فقال مه قالت هذا مقام العائذ من بك من القطيعة قال الاترضين ان اصل من وصلك واقطع من قطعك قالت بلى يارب قال فذلك لك ثم قال ابو هريرة اقرؤا ان شئتم فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا فى الارض وتقطعوا ارحامكم...... عن ابى هريرة قال اتى رجل النبى ﷺ فقال يارسول الله ان لى قرابة اصلهم ويقطعون واحسن اليهم ويسيئون الى ويجهلون على واحلم عنهم قال لئن كان كما تقول كانما تسفهم المل ولايزال معك من الله ظهير عليهم

کلیب بن منفعہ نے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے دادا نے عرض کی یارسول اللہ! میں کس سے نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنے ماں' باپ' بہن' بھائی اور اپنے اس مولیٰ سے جو اس کا والی ہے۔ حق واجب ہے اور رحم کا ملانا ضروری ہے......ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں یہ عرض کی کہ مجھے ایسی بات کی خبر دیجئے جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے' نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو اللہ کی عبادت اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرا' نماز قائم کر' زکوٰۃ ادا کر اور صلہ رحمی کر......ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا جب اس سے فارغ ہوا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ اس نے عرض کی میں تیرے نام کے ساتھ قطعیت رحم سے پناہ مانگتا ہوں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ جو تجھ سے وصلت کرے اور میں اس سے وصلت کروں' جو تجھ سے قطع کرے میں اس سے قطع کروں' رحم نے کہا ہاں یا اللہ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی تیرے لیے فیصلہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا (جو اس حدیث کی تصدیق قرآن سے کرنا چاہتا ہے) اس کو پڑھنا چاہیے پس عنقریب تم پھر جاؤ اس طرح کہ تم زمین میں فساد کرو اور اپنے ارحام کو قطع کرو...... ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس

مادمت علی ذلک......عن عبدالرحمن بن عوف انه
سمع رسول اللہ ﷺ یقول قال اللہ جل وعز انا
الرحمن وانا خلقت الرحم واشققت لها من اسمی
فمن وصلها وصله ومن قطعها بتته......عن عائشة
رضی اللہ عنها ان النبی ﷺ قال الرحم شجنة
من اللہ من وصلها وصله اللہ ومن قطعها قطعه
اللہ......اخبرنی انس بن مالک ان رسول اللہ
ﷺ قال من احب ان یبسط له فی رزقه وان
ینسأله فی اثره فلیصل رحمه......عن ابن عمر قال
من اتقی ربه ووصل رحمه نسیء فی اجله وثری ماله
واحبه اهله......عبید اللہ بن موسی قال اخبرنا
سلیمان ابو آدم قال سمعت عبداللہ بن ابی اوفی
یقول عن النبی ﷺ قال ان الرحمة لا تنزل
علی قوم فیهم قاطع رحم......ان جبیر بن مطعم
اخبره انه سمع رسول اللہ ﷺ یقول لایدخل
الجنة قاطع رحم......محمد بن عبدالجبار قال
سمعت محمد بن کعب انه سمع ابا هریرة یحدث
عن رسول اللہ ﷺ قال ان الرحم شجنة من
الرحمن تقول یارب انی ظلمت یارب انی قطعت
انی انی فیجیبها الا ترضین ان اقطع من قطعک
وأصل من وصلک......عن ابی بکرة قال قال
رسول اللہ ﷺ مامن ذنب احری ان یعجل اللہ
لصاحبه العقوبة فی الدنیا مع مایدخرله فی الآخرة
من قطیعة الرحم والبغی.

(الادب المفرد مصنفہ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ص ۱۰-۱۳
مطبوعہ بیروت۔لبنان)

حاضر ہوا اس نے عرض کی یارسول اللہ! میرے قریبی رشتہ دار ایسے
ہیں کہ میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ قطع رحمی کرتے ہیں' میں
ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں' وہ لڑائی کرتے ہیں' وہ جہالت کے
ساتھ میرے ساتھ پیش آتے ہیں اور میں ان سے بردباری
کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اگر ایسا ہی ہے جیسے تو کہتا ہے تو پھر ان کو
ان کی بے وقوفی نے پریشان کیا ہے اور تیرے ساتھ ہمیشہ اللہ کی مدد
رہے گی جب تک کہ تو اس پر قائم رہے......عبدالرحمٰن بن عوف سے
روایت ہے انہوں نے نبی پاک ﷺ سے سنا آپ فرماتے
تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں رحمان ہوں اور میں نے رحم کو پیدا اور
میں نے مشتق کیا اس رحم کو اپنے نام سے' جو اس سے وصلت کرے گا
میں اس سے وصلت کروں گا اور جس نے اس کو قطع کیا میں اس سے
قطع کروں گا......سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے
کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ رحم اللہ تعالیٰ کے نام کا ایک حصہ
ہے۔جس نے اس سے وصل کیا اللہ تعالیٰ اس سے وصل کرے گا'
جس نے اس کو قطع کیا اللہ اس کو قطع کرے گا......(ابن شہاب سے
روایت ہے) کہ مجھے انس بن مالک نے خبر دی کہ نبی پاک
ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے رزق
کو وسیع کیا جائے اور اس کی عمر کو دراز کیا جائے اسے صلہ رحمی کرنی
چاہیے......ابن عمر سے روایت ہے کہ جو آدمی اپنے رب سے ڈرا اور
اس نے صلہ رحمی کی اس کی زندگی دراز کی جائے گی اور اس کے مال
میں برکت دی جائے گی اور اس کے اہل اس سے پیار کریں
گے......عبیداللہ بن موسیٰ نے ہم سے حدیث بیان کی کہ ہمیں خبر دی
سلیمان ابوآدم نے اس نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے
سنا وہ نبی کریم علیہ السلام سے روایت کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی
رحمت ہمیشہ ہمیشہ اس قوم پر نہیں رہتی کہ جس میں قاطع رحم
ہوں......(ابن شہاب سے روایت ہے) کہ ہمیں خبر دی جبیر بن
مطعم نے انہوں نے سنا نبی پاک ﷺ سے آپ فرماتے
تھے: کہ جس نے قطع رحمی کی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا......خبر دی
مجھے محمد بن عبدالجبار نے اس نے کہا میں نے سنا محمد بن کعب کو اور
انہوں نے سنا ابوہریرہ سے' ابوہریرہ حضور ﷺ کی حدیث

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لايحل الهجر فوق ثلاثة ايام فان التقيا فسلم احدهما على الآخر فرد السلام اشتركا في الاجر وان ابى الآخر ان يرد السلام برئ هذا من الاثم وباء به الاخر وقد حسيت ان ماتا وهما متهاجران لايجتمعان في الجنة رواه الطبراني في الاوسط عن شيخه مقدام بن داؤد وهو ضعيف وقال ابن دقيق العيد في الامام انه وثق.

(مجمع الزوائد مصنفہ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی ج ۸ ص ۶۷' باب ماجاء فی الہجران' کتاب الادب' مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

عن عطاء بن عبد الله خراساني قال رسول الله ﷺ تصافحوا يذهب الغل وتهادوا اتحابوا وتذهب الشحناء...... عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال يفتح ابواب الجنة يوم الاثنين والخميس فيغفر لكل عبد مسلم لا يشرك بالله شيأ الارجل كانت بينه وبين اخيه شحناء فيقال انظروا هذين حتى يصلحا انظروا هذين حتى يصلحا...... عن ابي هريرة انه قال يعرض اعمال العباد كل جمعة مرتين يوم الاثنين ويوم الخميس فيغفر لكل عبد مؤمن الاعبدا كانت بينه وبين اخيه شحناء فيقال اتركوا هذين حتى يفيأ او اركوا هذين حتى يفيأ. (مؤطا امام مالک ص ۷۰۶۔ ۷۰۷' باب ماجاء فی المہاجرۃ')

بیان کرتے ہیں کہ رحم لفظ رحمان کا حصہ ہے اور یہ رحم کہتا ہے یااللہ! مجھ پر ظلم کیا جائے گا' مجھے کاٹا جائے گا' یااللہ! میرا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ کیا تو اس سے راضی نہیں کہ جو تجھے قطع کردے میں اسے قطع کردوں اور جو تجھ سے وصل کرے میں اس سے وصل کروں...... ابوبکرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی ایسا گناہ نہیں کہ جس سے لائق ہو اس کے مجرموں کو دُنیا میں جلدی سزا دی جائے باوجود اس بات کے کہ ذخیرہ بنایا جائے اس کے لیے آخرت میں' وہ قطع رحمی اور بغاوت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین دن سے زیادہ ترک تعلق جائز نہیں اگر دونوں کی ملاقات ہوئی اور ایک نے دوسرے کو سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا تو دونوں اجر میں شریک ہوں گے۔ اگر دوسرے نے سلام کا جواب دینے سے انکار کردیا تو پہلا گناہ سے بری ہوگیا' دوسرا گنہگار ہوگا اور میرا گمان ہے کہ اگر دونوں ترک تعلق کی حالت میں مرگئے تو وہ جنت میں جمع نہیں ہوں گے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے اپنے شیخ مقدام بن داؤد سے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے اور ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ اس کی توثیق کی گئی ہے۔

عطاء بن عبداللہ خراسانی سے روایت ہے اُس نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے سے مصافحہ کرو' دلوں کے کھوٹ کو نکال دے گا' ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو اور ایک دوسرے سے محبت کرو عداوت کو دُور کرے گا...... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: پیر اور جمعرات کے روز جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں سوائے مشرک کے ہر مسلمان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں' سوائے ایسے آدمی کے' کہ اس کے اور اس کے مسلمان بھائی کے درمیان دشمنی ہو۔ لہٰذا کہا جاتا ہے کہ یہاں تک دیکھو کہ یہ دونوں صلح کرلیں اور یہاں تک دیکھو کہ یہ دونوں صلح کرلیں...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتے میں تمام بندوں کے اعمال دو دفعہ پیش کئے جاتے ہیں یعنی پیر اور جمعرات کے دن' تمام مومن بندوں کے گناہ بخش دیئے

کتاب الجامع' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی - پاکستان)

جاتے ہیں مگر ایسا بندہ کہ اس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان دشمنی ہو' لہٰذا کہا جاتا ہے کہ ان کو چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ آپس میں صلح کے ساتھ رجوع کریں۔

قارئین کرام! قطع تعلق کرنے والوں اور چھوڑنے والوں کے متعلق سولہ ۱۶ عدد احادیث و آثار پیش کیے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلہ رحمی میں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی برکت رکھی ہے' اس کے صدقہ اللہ تعالیٰ بندوں کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے اور صلہ رحمی کا یہاں تک حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ لوگ جن سے صلح رحمی کرنی ہے اگر چہ وہ تیرے ساتھ برا سلوک کریں تو پھر بھی ان کے ساتھ صلہ رحمی کر۔ اللہ تعالیٰ تیری مدد کرتا رہے گا اور پریشانی میں وہی مبتلا ہوتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ رحم کی یہ شان ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں کھڑے ہو کر عرض کی کہ لوگ مجھے قطع کریں گے اور مجھ پر ظلم کریں گے' اللہ تعالیٰ نے رحم سے عہد کیا کہ تو رحم ہے اور میں رحیم ہوں۔ میں نے تجھے اپنے نام سے نکالا ہے اس لیے جو تجھ سے تعلق جوڑے گا میں اس سے تعلق جوڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ وعمانوالہ نے رحم کی یہ شان بنائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوسرے جرم کرنے والے کی عقوبت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک تاخیر رکھی ہے لیکن قطع رحمی کرنے والے کی سزا اسے دنیا میں ہی مل جائے گی۔ تعلق جوڑنے والے کے رزق میں اللہ تعالیٰ برکت فرماتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلقی رکھنا اور صرف دُنیاوی باتوں کی وجہ سے جن میں ان کا کوئی تعلق نہ ہو اس سے بچنا چاہیے۔ اگر وہ زیادتی بھی کرلیں تو درگزر کرنے میں اجر عظیم ہے اور دین کی وجہ سے اگر ناراضگی کی جائے تو یہ جائز ہے جبکہ ہم نے اس کی دو تین مثالیں پہلے پیش کی ہیں۔ قریبی رشتہ داروں سے قطع تعلق دین کی بناء پر تین دن تو کجا ساری زندگی کے لیے لاتعلقی بھی جائز ہے۔ لہٰذا دین کی وجہ سے قطع تعلقی کا ثبوت قرآن اور مفسرین کی کلام اور احادیث سے پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

دین کی وجہ سے قطع تعلقی کرنا قرآن مجید اور اس کی تفسیرات سے پیش کیا جاتا ہے

وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم ایت اللہ یکفر بھا ویستھزا بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم. (النساء:۱۴۰)

اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب کو نازل کیا تو جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان سے استہزا کیا جا رہا ہے تو ان کے پاس نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی ان کی مثل ہو جاؤ گے۔

اسی آیت کے تحت تفسیر کبیر میں یوں لکھا ہے:

قال اھل العلم ھذا یدل علی ان من رضی بالکفر فھو کافر ومن رضی بمنکر یراہ وخالط اھلہ وان لم یباشر کان فی الاثم بمنزلۃ المباشر بدلیل انہ تعالی ذکر لفظ المثل ھھنا. ھذا اذا کان الجالس راضیا بذلک الجلوس فاما اذا کان ساخطا لقومھم وانما جلس علی سبیل التقیہ والخوف فالامر لیس کذلک ولھذا الدقیقۃ قلنا

اہل علم نے کہا کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور جو شخص کسی کی برائی کو دیکھ کر راضی ہو اور برائی کرنے والے کے ساتھ مل جل کر رہے تو وہ بھی برائی کرنے والے کے گناہ میں برابر کا شریک ہوگا' خواہ اس نے برائی کا ارتکاب نہ کیا ہو' اس کی دلیل یہ ہے۔ یہاں پر لفظ مثل کا ذکر کیا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کوئی شخص ظالموں اور فاسقوں کے ساتھ حالت غم اور فسق میں بیٹھنے پر راضی ہو۔ لیکن وہ اگر ظلم اور فسق

بان المنافقين الذين كانوا يجالسون اليهود و كانوا يطعنون في القرآن والرسول كانوا كافرين مثل اولئك اليهود والمسلمون الذين كانوا بالمدينة كانوا بمكة يجالسون الكفار الذين كانوا يطعنون في القرآن فانهم كانو باقين على الايمان والفرق ان المنافقين كانوا يجالسون اليهود مع الاختيار والمسلمين كانوا يجالسون الكفار عندالضرورة.

(التفسیر الکبیر مصنفہ امام فخر الدین رازی ج۱۱ص۸۱' زیر آیت النساء:۱۴۰' مطبوعہ مصر)

پر ناراض ہو اور کسی اضطرار اور مجبوری کی بناء پر خوف سے بیٹھا ہو' اس کا یہ حکم نہیں ہے۔ اسی شکل کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ وہ منافقین جو یہود کے ساتھ بیٹھتے ہیں اس حال میں کہ یہود قرآن اور رسول میں طعنہ زنی کرتے ہیں تو یہ منافقین یہود کی مثل کافر ہیں اور وہ مسلمان جو مدینہ میں رہتے ہیں جب یہ مکہ میں جاتے ہیں تو ان کفار کے ساتھ بیٹھتے ہیں جو قرآن میں طعنہ زنی کرتی ہیں تو وہ مسلمان اپنے ایمان پر باقی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ منافق یہود کے پاس جب بیٹھتے ہیں تو اپنے اختیار کے ساتھ اور مسلمان کافروں کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو مجبوری کی وجہ سے۔

اور اسی آیت کے تحت تفسیر قرطبی میں یوں لکھا ہے:

وينبغي ان ينكر عليهم اذا تكلموا بالمعصية وعملوا بها؟ فان لم يقدر على النكير عليهم فينبغي ان يقوم عنهم حتى لا يكون من اهل هذه الآية. وقد روى عن عمر بن عبدالعزيز رضى الله عنه انه اخذ قوما يشربون الخمر فقيل له عن احد الحاضرين انه صائم فحمل عليه الادب وقرأ هذا الآية انكم اذا مثلهم اى ان الرضا بالمعصية معصية ولهذا يؤاخذ الفاعل والراضى بعقوبة المعاصى حتى يهلكو باجمعهم.

(تفسیر قرطبی ج۵ ص۴۱۸ زیر آیت ۱۴۰' سورۃ نساء' مطبوعہ مصر)

لائق یہ ہے کہ ان کا انکار کرے اُن پر جب وہ کلام کریں یا امر کریں معصیت پر۔ اگر نہ قادر ہوں ان پر انکار کرنے کے ساتھ تو لائق یہ ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے تا کہ وہ اس آیت کریمہ کے اہل سے نہ بن جائے' عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے پکڑا ایسی قوم کو جو شراب پی رہے تھے انہیں شراب پینے والوں میں سے ایک کے متعلق کہا گیا کہ وہ روزہ دار ہے۔ آپ نے اس کو بھی ان پر معمول کیا اور یہ آیت پڑھی انکم اذا مثلهم' معصیت کے ساتھ رضا معصیت ہی ہے' اس لیے پکڑے جائیں گے کرنے والے اور راضی ہونے والے گناہوں کی سزا میں یہاں تک کہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

واستدل بعضهم بالآية على تحريم مجالسة الفساق والمبتدعين من اى جنس كانوا' واليه ذهب ابن مسعود وابراهيم وابووائل وبه قال عمر بن عبدالعزيز وروى عنه هشام بن عروة انه ضرب رجلا صائما كان قاعدا مع قوم يشربون الخمر فقيل له فى ذلك فتلا آلاية.

(روح المعانی مصنفہ سید محمود آلوسی ج۵ ص۱۷۴' زیر آیت نمبر ۱۴۰' سورۃ نساء' مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ فاسقوں اور ہر قسم کے بدعتیوں (یعنی جو لوگ مداخلت فی الدین کرتے ہیں) کی مجلس میں بیٹھنا حرام ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' ابراہیم نخعی' ابو وائل اور عمر بن عبدالعزیز کا یہی مسلک ہے اور ہشام بن عروہ نے روایت کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک روزہ دار کو دیکھا کہ وہ شراب پینے والوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ انہوں نے اس کو بھی سزا دی۔ جب ان کو یہ بتایا گیا کہ یہ روزہ دار ہے انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی: انكم اذا مثلهم.

قارئین کرام! مذکورہ آیت کے تحت تین مفسرین کی کلام نقل کی ہے کہ جس سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترک تعلق بددینوں سے جائز ہے بلکہ جب تک وہ توبہ نہ کریں ان کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک تعلق جائز ہے۔ اسی لیے یہ آیت کریمہ ذکر

کی کہ یہ قرآن و صاحب قرآن کا مذاق اُڑاتے ہیں' یہ کافر لوگ ہیں۔ لہٰذا ان کی مجلس میں بیٹھنا رضائے کفر ہے اور رضائے کفر خود کفر ہے۔ ہاں اگر جان کا خوف ہو پھر ان کی مجلس میں بیٹھنے والے پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں ہوگا۔ حضرت مولانا عمر بن عبدالعزیز نے اس لیے ایک روزے دار کو سزا دی کہ وہ شراب پینے والوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جب ان سے یہ کہا گیا کہ یہ روزہ دار ہے تو آپ نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی انکم اذا مثلھم اور یہی وجہ ہے کہ فساق اور مبتدعین کی مجلس میں بیٹھنا حرام ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ (الانعام: ٦٨)

جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو جو ہماری آیات میں نقص نکالنے میں لگے ہوئے ہیں آپ ان سے اعراض کیجئے۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں' اے مخاطب! اگر تجھے شیطان بھلا دے (کہ تو ان کی مجلس میں بیٹھ جائے) تو یاد آنے کے بعد ظالموں کی قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔

قال ابن العربی وھذا دلیل علی ان المجالسة اھل الکبائر لاتحل قال ابن خویز منداد من خاض فی آیات اللہ ترک مجالسة وھجر مومنا کان او کافرا' قال وکذلک منع اصحابنا الدخول الی ارض العدو ودخول کنائسھم والبیع. ومجالسة الکفار واھل البدع والا تعتقد مودتھم ولایسمع کلامھم ولامناظرتھم وقد قال بعض اھل البدع لابی عمران النخعی' اسمع منی کلمة فاعرض عنه وقال. ولا نصف کلمة ومثله عن ایوب السختیانی وقال الفضیل بن عیاض من احب صاحب بدعة احبط اللہ عمله واخرج نور الاسلام من قلبه ومن زوج کریمته من مبتدع فقد قطع رحمھا ومن جلس مع صاحب بدعة لم یعط الحکمة واذاعلم اللہ عزوجل من رجل انه مبغض بصاحب بدعة رجوت ان یغفر اللہ له وروی ابوعبداللہ الحاکم عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ ﷺ من وقر صاحب بدعة فقد أعان علی ھدم الاسلام فبطل بھذا کله قول من زعم ان مجالستھم جائزة واذ صانوا اسماعھم. (تفسیر قرطبی مصنفہ علامہ ابوعبداللہ محمد بن انصاری ج۷ص۱۳ زیرِ آیت نمبر ۶۸' سورۂ انعام)

علامہ ابن العربی نے کہا اسی آیت میں یہ دلیل ہے کہ اہل کبائر کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کرے اور ان کا مذاق اڑائے اس کی مجلس کو چھوڑنا واجب ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا وہ کافر اور ہمارے اصحاب نے دشمن کے ملک اور ان کی عبادت گاہوں اور کفار اور اہل بدعت کی مجالس میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔ ان سے دوستی رکھی جائے نہ ان سے کلام کیا جائے نہ ان سے بحث کی جائے۔ فضیل بن عیاض نے کہا جو کسی بدعتی سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کے دل سے ایمان کے نور کو نکال دیتا ہے اور جس شخص نے کسی بدعتی سے اپنی لڑکی کی شادی کی اس نے قطع رحم کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو منہدم کرنے پر معاونت کی (مستدرک للحاکم) اس حدیث سے ان لوگوں کا یہ قول باطل ہوگیا کہ اگر انسان خود کو ان کے شر سے محفوظ رکھے تو پھر ان کی مجلس میں بیٹھنا منع ہے۔

یاد رہے اس آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب حضور ﷺ کو ہے لیکن درحقیقت یہ خطاب مسلمان امت کو ہے اور جو لوگ

اس آیت کریمہ سے نبی پاک ﷺ کو مخاطب بناتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو جب شیطان بھلا دے اور آپ ان کی مجلس میں بیٹھ جائیں' ان کو یاد آنے کے بعد نہیں بیٹھنا چاہیے یہ صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ الفاظ میں خطاب آپ کو ہی ہے لیکن خطاب دراصل امت کو ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے اس کو واضح کیا ہے۔ امام رازی نے یوں لکھا ہے۔

قیل انه خطاب للنبی ﷺ والمراد غیره وقیل الخطاب لغیره ای اذا رأیت ایها السامع الذین یخوضون فی آیاتنا. (تفسیر کبیر مصنفہ امام فخر الدین رازی ج ۱۳ ص ۲۴-۲۵' زیر آیت نمبر ۶۸' سورۂ انعام' مطبوعہ مصر)

کہا گیا ہے کہ واذا رأیت میں خطاب نبی پاک ﷺ سے ہے اور مراد آپ کے غیر ہیں اور کہا گیا ہے کہ خطاب بھی آپ کے غیر کے لیے ہے یعنی اے سامع! جب تو دیکھے ان لوگوں کو جو ہماری آیات میں مشغول ہیں یعنی طعنہ زنی میں مشغول ہیں۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ○ (ھود: ۱۱۳)

اور نہ جھکو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا پس مس کرے گی تم کو آگ اور تمہارے لیے اللہ کے علاوہ کوئی ولی نہیں ہے اور نہ تم مدد کیے جاؤ گے۔

وانها دالة على هجران اهل الكفر والمعاصی من اهل البدع وغیرهم فان صحبتهم كفر او معصية' اذا الصحبة لاتكون الاعن مودة...... وصحبة الظالم على التقية مستثناة من النهی مجال الاضطرار. (تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۱۰۸' زیر آیت نمبر ۱۱۳' سورۂ ھود' مطبوعہ مصر)

(ظالموں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تمہیں دوزخ کا عذاب ہوگا) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل کفر' اہل معصیت اور اہل بدعت سے قطع تعلق کرنا واجب ہے کیونکہ ان کی صحبت یا کفر ہے یا معصیت ہے اور صحبت محبت سے خالی نہیں ہوتی البتہ اگر کسی اضطرار کی وجہ سے ظالموں کے ساتھ بیٹھنا پڑے تو وہ مستثنیٰ ہے۔

(ولا تركنوا الى الذين ظلموا) والركون هو السكون الى الشئ والميل اليه بالمحبة ونقيضه النفور عنه..... قال المحققون الركون منهی عنه هو الرضا بما عليه الظلمه من الظلم وتحسين تلك الطريقه وتزيينها عندهم وعندغيرهم وشاركتهم فی شیء من تلك الابواب فاما مداخلتهم لدفع ضرر او اجتلاب منفعة عاجلة فغير داخل فی الركون ومعنى قوله (فتمسكم النار) ای انكم ان ركنتم اليهم فهذه عاقبة الركون ثم قال (ومالكم من دون الله من اولياء) ای ليس لكم اولياء يخلصونكم من عذاب الله ثم قال (ثم لاتنصرون) والمراد لاتجدون من ينصركم من تلك الواقعة واعلم ان الله تعالى حكم بان من ركن الى الظلمة لابد وان تمسه النار واذا كان كذلك فكيف يكون حال الظالم فی

''نہ جھکو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا'' اور رکون کا معنیٰ کسی شے کی طرف سکون یا اس کی طرف محبت کے ساتھ میلان ہے اس کی نقیض ہے کسی شے سے نفرت کرنا۔ محققین کے نزدیک ممانعت اس چیز میں ہے کہ ظالموں کے ظلم پر راضی ہو اور ان کے طریقہ کار کی تزئین و تحسین کرے اور دوسرے علماء کے نزدیک کسی معاہدہ میں بھی ظالموں کے ساتھ شریک ہونا منع ہے۔ البتہ دفع ضرر یا کسی فوری منفعت کے حصول کے لیے ظالموں سے ملنا جلنا ظلم نہیں ہے تو معنیٰ فتمسکم النار کا یہ ہے کہ اگر تم ان کی طرف جھکے تو جھکنے کا انجام یہی ہے (جہنم) اور تمہارے لیے اللہ کے علاوہ کوئی مددگار نہیں یعنی تمہارے لیے کوئی ایسا مددگار نہیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلا سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثم لا تنصرون مراد اس واقعہ سے یہ ہے کہ تم انہیں اپنے لیے مددگار نہیں پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ جو ظالموں کی طرف جھکے اس کو آگ ضرور مس کرے گی تو جب جھکنے والے کا یہ انجام ہے تو

نفسہ۔ (تفسیر کبیر مصنفہ علامہ فخر الدین رازی ج ۱۸ص ۷۱-۷۲' زیر آیت نمبر ۱۱۳' سورۃ ہود' مطبوعہ مصر)

پھر ظالم کا انجام کیا ہوگا؟

مذکورہ تین آیات اور مفسرین کے اقوال کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) کفر پر راضی ہوتے والا کافر ہے اور کفار کی مجلس میں کہ جہاں قرآن و نبی کی توہین ہو رہی ہو رضا مندی کے ساتھ بیٹھنے والا کافر ہے اور مجبوراً بیٹھنے والا اس حکم سے مستثنیٰ ہے (۲) جب کوئی کسی بُری مجلس میں بیٹھے اور وہاں کوئی خلاف شرع بات ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا انکار کرے اور ان کا رَد کرے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو وہاں سے اٹھ کر چلا جائے اس لیے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس روزہ دار کو کوڑے مارے جو شرابیوں کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا (۳) اور حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں جو صاحب بدعت (جو دین میں مداخلت کرنے والا ہے) سے پیار و محبت کرنے والے کے تمام اعمال ضائع کر دے گا اور فوراً ایمان اس کے سینے سے نکال دے گا اور صاحب بدعت کی عزت و توقیر کرنے والا ایسے ہے جیسے کہ وہ اسلام کو نیست و نابود کرنے والا ہے (٤) صاحب قرطبی کا فیصلہ یہ ہے کہ اس بدعت کی صحبت کفر ہے کیونکہ اکثر صحبت محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

تو قارئین کرام! مذکورہ چند امور کا خلاصہ یہ ہے کہ بدد ینوں سے ترک تعلق کرنا ضروری ہے اور بلکہ جب تک ان کی توبہ ثابت نہ ہو ان کے پاس بیٹھنے سے ایمان کا خطرہ ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا جو احادیث میں آیا ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی کو مسلمان بھائی سے قطع تعلقی جائز نہیں۔ اس سے مراد وہ قطع تعلقی ہے جس کے تعلق ہمارے نفسیات سے ہے۔ لہٰذا یہ حکم عام نہیں ہے۔ یہ معنی لیا جائے کہ مسلمان ہو' کافر' بد دین ہو' اس سے بھی قطع تعلقی تین دن سے زیادہ جائز نہیں۔ بددینوں سے قطع تعلقی تا دم آخر بھی ضروری ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ وہ مداخلت فی الدین میں مصروف ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ بددینوں سے قطع تعلقی کے جواز پر چند احادیث پیش کروں تا کہ واضح ہو جائے کہ بددینوں سے قطع تعلقی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

بددینوں سے قطع تعلقی کے جواز پر چند احادیث

اخبرنی مسلم بن یسار انه سمع ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ يكون فی آخر الزمان دجالون كذابون ياتونكم من الاحاديث بمالم تسمعوا انتم ولا ابائكم فاياكم واياهم لايضلونكم ولا يفتنونكم.

(مسلم شریف ج ۱ص ۱۰۔ باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع' مطبوعہ اصح المطابع آرام باغ کراچی۔ پاکستان)

مجھے خبر دی مسلم بن یسار نے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا' وہ کہہ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے۔ جو تم سے ایسی احادیث بیان کریں گے جو نہ تو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے' سو تم ان سے دُور رہو' وہ تم سے دُور رہیں تا کہ وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقعد على مائدة ليشرب عليها الخمر.

(دارمی ج ۲ص ۳۷' باب النہی عن القعود علی مائدۃ یدار علیہا الخمر کتاب الاشربہ مطبوعہ مدینہ منورہ (حجاز))

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ ان مجوس هذه الامة المكذبون باقدار الله ان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم وان لقيتموهم فلا تسلموا عليهم.
(سنن ابن ماجہ ص ۱۰' باب فی القدر' مطبوعہ نور محمد کارخانہ آرام باغ کراچی)

ﷺ نے فرمایا: کہ تقدیر الٰہی کا انکار کرنے والے اس امت کے مجوس ہیں' اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو' اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں نہ جاؤ اور اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو ان کو سلام نہ کرو۔

عن حماد بن زيد عن ايوب قال قال ابو قلابة لاتجالسوا اهل الاهواء ولاتجادلوهم' فانی لا آمن ان يغمسوكم فی ضلالتهم' اويلبسوا عليكم ماكنتم تعرفون. (دارمی ج ۱ ص ۹۰ باب اجتناب اهل الاهواء والبدع والخصومۃ' مطبوعہ مدینہ منورہ (حجاز))

حماد بن زید ایوب سے روایت کرتے ہیں ایوب کہتے ہیں کہ ابو قلابہ نے کہا بدمذہب لوگوں کے پاس مت بیٹھو اور نہ ان سے بحث کرو کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں مبتلا کریں گے یا تم پر تمہارے مسلک کو مشتبہ کر دیں گے۔

عن هشام عن الحسن و ابن سيرين انهما قالا لا تجالسوا اصحاب الاهواء ولاتجادلوهم ولا تسمعوا منهم. (دارمی ج ۱ ص ۹۱' باب اجتناب اهل الهواء والبدع والخصومۃ مطبوعہ مدینہ منورہ (حجاز))

ہشام' ابن حسن اور ابن سیرین سے روایت کرتا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ بدمذہب لوگوں کے پاس مت بیٹھو اور اُن سے بحث کرو اور نہ اُن سے احادیث سنو۔

عن نافع عن ابن عمر انه جاءه رجل فقال ان فلانا يقرء عليك السلام قال بلغنی انه قد احدث فان كان احدث فلا تقرأ عليه السلام. (دارمی ج ۱ ص ۹۰-۹۱' باب اجتناب اهل الاهواء والبدع والخصومۃ' مطبوعہ مدینہ منورہ (حجاز))

نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان کے پاس آ کر کہا کہ فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے' حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ شخص بدعتی ہے (دین میں مداخلت کرنے والا ہے) اگر وہ واقعی بدعتی ہے تو اس کو میرا اسلام نہ کہنا۔

قارئین کرام! مذکورہ چھ احادیث نقل کی ہیں کہ جن میں صراحتاً اس بات کا ذکر ہے کہ بددینوں سے قطع تعلق رکھو ورنہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے اور تمہارے مسلک کو تم پر مشتبہ کر دیں گے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی پاک ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کو مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی رکھنا جائز نہیں وہ مشروط اور مقید ہے۔ مطلق نہیں' جو بھی مسلمان ہو چاہے وہ گمراہ اور کبیرہ گناہ کرنے کا عادی ہو اس سے بھی قطع تعلقی جائز نہیں بلکہ اس کے ساتھ قطع تعلقی ضروری ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لے۔

فاعتبروا يا اولی الابصار

٤١٧- بَابُ الْخُصُوْمَةِ فِي الدِّيْنِ وَالرَّجُلِ يَشْهَدُ عَلَى الرَّجُلِ بِالْكُفْرِ

دین میں جھگڑا کرنے اور کسی کو کافر کہنے کے بیان میں

٩٠٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيْزِ قَالَ مَنْ جَعَلَ دِيْنَهُ غَرَضًا لِلْخُصُوْمَاتِ اَكْثَرَ التَّنَقُّلَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا جو شخص دین کو جھگڑوں کا نشانہ بنا لے وہ کبھی کسی دین میں جا پڑتا ہے کبھی کسی دین میں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَايَنْبَغِي الْخُصُوْمَاتُ فِي الدِّيْنِ.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ دین میں جھگڑنا مناسب نہیں۔

٩٠٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَيُّمَا امْرِءٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' ہم سے روایت کیا عبداللہ بن دینار نے عبداللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی کو کافر کہا ان میں سے ایک کافر ہو گیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ اَنْ يَّشْهَدَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ بِذَنْبٍ اَذْنَبَهٗ بِكُفْرٍ وَّاِنْ عَظُمَ جُرْمُهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو کافر کہہ دے خواہ اس نے بڑا گناہ کیا ہوگا' یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

مذکورہ باب میں عمر بن عبدالعزیز کا ایک اثر اور دوسری نبی پاک ﷺ کی حدیث نقل کی گئی ہے۔ پہلا اثر جو عمر بن عبدالعزیز کا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین میں جھگڑنے والے کو دین میں استقامت نصیب نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ لوگوں سے جھگڑے گا جس کی بات ذہن میں بیٹھ جائے گی اس کا مسلک اختیار کر لے گا۔ اسی طرح دین میں وہ تبدیلی کرتا رہے گا۔ اس لیے مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث آئی ہے کہ جس میں دین میں جھگڑنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

عن ابی امامة قال قال رسول الله ﷺ ماضل قوم بعد هدی کانوا علیه الا اولوا الجدل ثم قرأ رسول الله ﷺ هذه الآیة ماضربوه لک الاجدلا بل هم قوم خصمون. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ باب الاعتصام بالسنۃ فصل دوم مطبوعہ اصح المطابع' کراچی)

حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کوئی قوم ہدایت پر رہنے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر اس میں جھگڑے پیدا ہو گئے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ وہ لوگ آپ کے لیے مثال نہیں بیان کرتے مگر جھگڑنے کے لیے بلکہ وہ قوم جھگڑالو ہے۔

تو مشکوٰۃ کی اس حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ ہدایت کے بعد گمراہی کا سبب دین میں جھگڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ سچے دین سے بھٹک جاتے ہیں پھر وہ باطل دین کو پھیلانے کے لیے تعصب' عناد اور جھگڑوں سے کام لیتے ہیں کیونکہ رب کی طرف سے ان کی مدد نہیں ہوتی۔ جیسے اس زمانہ میں کھلے طریقے سے یہ طریقہ کار ہمارے سامنے آ رہا ہے جو کہ بے دینوں کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے وہ قرآن و حدیث کو زبردستی اپنے موافق کرنا چاہتے ہیں' خود ان کے موافق نہیں ہوتے اور جو آیہ کریمہ نبی کریم علیہ السلام نے پڑھی۔ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ۔ یہ اسی بات پر استدلال ہے کہ یہ لوگ حق سمجھنے کے لیے آپ سے گفتگو نہیں کرتے بلکہ دین میں جھگڑنے کے لیے باتیں کرتے ہیں تو یہی ان کی گمراہی کا سبب ہے۔

نوٹ: کیونکہ میں نے یہ حدیث خصومت فی الدین کے بارے میں نقل کی ہے مگر میں یہ سمجھتا ہوں اگرچہ میرا مقصود تو پورا ہے لیکن اس حدیث کا پس منظر ایسا ہے جس کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اس لیے میں اس آیت کریمہ کا پس منظر پیش کرتا ہوں۔ غور فرمائیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے کفار اور ان کے بتوں کی تردید کرتے ہوئے یہ آیتِ کریمہ پڑھی "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ (الانبیاء: ۹۹) جس کی عبادت کرتے ہو اللہ کے علاوہ سب جہنم کا ایندھن ہیں' تم اس میں داخل ہونے والے ہو"۔ جب مشرکین نے یہ آیت سنی تو انہوں نے اس پر اعتراض کر دیا کہ اگر ہم اور جس کی ہم عبادت کرتے ہیں یہ سب دوزخ کا ایندھن ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو اہل کتاب خدا مانتے ہیں اور ان کی بات مانتے ہیں تو پھر کیا عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام بھی تمہارے قول کے مطابق دوزخ کا ایندھن ہوں گے؟ یہ اعتراض اگرچہ حقیقت میں بے علمی کی بناء پر تھا کیونکہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ میں غیر ذوی العقول کے لیے آیا ہے تو آپ نے تو یہی فرمایا تھا کہ تم اور جس کی تم

عبادت کرتے ہو غیر ذوی العقول وبُت ہیں۔ یہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنی بے سمجھی اور جہالت کی بناء پر اعتراض کر دیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے کن کو دوزخ کا ایندھن فرمایا ہے۔

اعتراض: کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ ما کا اگرچہ زیادہ استعمال غیر ذوی العقول کے لیے ہے مگر ذوی العقول میں بھی اس کا استعمال پایا جاتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے "لہ مافی السموت وما فی الارض اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے"۔ زمین و آسمان میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول بھی پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا ماضربوہ لک الا جدلا اس آیت کریمہ میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کے لیے وہ مثال بیان نہیں کرتے مگر جھگڑنے کے لیے۔ اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے بلکہ مرقات شرح مشکوٰۃ ج اول ص ۲۵۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان میں یوں مذکور ہے کہ کفار نے کہا ہمارے خدا فرشتے یعنی الملئکۃ خیر ام عیسی یریدون ان الملائکۃ خیر من عیسی یعنی انہوں نے نبی پاک ﷺ سے سوال کیا کہ جس کی ہم عبادت کرتے ہیں وہ فرشتے ہیں اور جس کی اہل کتاب عبادت کرتے ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو اب ثابت ہوا کہ ما ذوی العقول کے لیے استعمال ہوا ہے اور ان کے اعتراض کا خلاصہ یہی ہے کہ اگر بت جہنم کا ایندھن ہیں تو معاذ اللہ فرشتے اور عیسیٰ السلام بھی انہیں کے ساتھ ہیں۔

جواب: مرقات شرح مشکوٰۃ میں ان دونوں سوالوں کا بالترتیب یوں جواب دیا گیا ہے۔

واہ الجواب عن ھذہ الشبھۃ فاولا ان ماللغیر ذوی العقول فالاشکال نشاء عن الجھل بالقواعد العربیۃ وثانیا ان عیسی والملائکۃ خصوا عن ھذا بقولہ تعالی ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۲۵۳ مصنف ملا علی قاری۔ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اس شبہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ ما غیر ذوی العقول کے لیے ہے لہٰذا قواعد عربیہ سے جہالت کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوا (جو ملائکہ اور عیسیٰ علیہ السلام سے اعتراض کیا جاتا ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ اس عموم میں (انکم وماتعبدون من دون اللہ میں) داخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حکم سے خاص کر لیا ہے اس آیت کے ساتھ "بے شک وہ لوگ کہ جن کے لیے ہماری طرف سے سبقت کر چکی ہے بھلائی یعنی جنت وہ دوزخ سے دور ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ فرشتے عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام سب جنتی ہیں اس لیے اگر کوئی ان کی عبادت کرے بھی تو اس کا عذاب ان پر ہوگا ان کی ذات اس سے بری ہوگی۔ کیونکہ یہ اس بات سے راضی نہیں کہ کوئی ہماری عبادت کرے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے جو آدمی مر جائے اور وہ زندگی میں ماتم پر خوش ہوا کرتا تھا تو جب لوگ اس کا ماتم کریں گے تو اس کا عذاب اس کو دیا جائے گا اور اگر وہ خود زندگی میں ماتم کو برا جانتا تھا اور لوگوں کو منع کرتا تھا لیکن اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کا ماتم کریں تو اس ماتم کرنے کا عذاب اور گناہ اس میت کو نہیں ہوگا بلکہ ماتم کرنے والوں پر ہوگا اسی طرح فرشتے اور عیسیٰ علیہ السلام اس پر راضی نہیں کہ ان کی کوئی عبادت کرے لہٰذا ان کی عبادت کرنے کا عذاب ان عبادت کرنے والوں پر ہوگا اور ان کی ذات اس سے بری ہوگی اور کفار جو شیطانوں کی بات کرتے ہیں وہ شیطان اس بات سے خوش ہیں کہ ہماری عبادت کی جائے لہٰذا وہ بتوں کی طرح جہنم کا ایندھن ہیں۔ تو خلاصہ کلام یہ نکلا کہ مذکورہ حدیث نے واضح کر دیا کہ دین میں جھگڑا کرنا کہ جس کی بنیاد باطل ہو یہ کفر ہے اور کفار نے اس قسم کا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا رسول اللہ! ان کی نیت حق سمجھنے کی نہیں ہے بلکہ آپ سے صرف جھگڑنے کی ہے اور یہ جھگڑنے کے لیے فرشتوں یا عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کی مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ اسی لیے احادیث میں کثیر جگہ

علماء کی اقسام بیان کی گئی ہیں کہ جن کی علم سیکھنے میں مختلف نیتیں تھیں۔

علماء کی اقسام اور ان کے احکام

عن ابی وائل عن عبداللہ قال من طلب العلم لاربع دخل النار او نحو ھذہ الکلمۃ لیباھی بہ العلماء اولیماری بہ السفھاء اولیصرف وجوہ الناس الیہ اولیأخذ بہ من الامراء۔
(داری ج۱ص۸۶ باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ' مطبوعہ مدینہ منورہ)

ابو وائل حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے علم کو چار چیزوں کے لیے حاصل کیا وہ جہنمی ہے یا اسی قسم کا کوئی اور کلمہ ۱- کہ وہ علم کے ساتھ علماء کے ساتھ مقابلہ کرے ۲- کہ وہ اس علم کے ساتھ جہلاء سے جھگڑا کرے ۳- یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرے ۴- یا امراء سے کچھ مالی مراعات حاصل کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس علم کے فضائل آئے ہیں وہ علم ان چار قسموں میں نہیں ہے بلکہ اس کی بھی کچھ اقسام ہیں۔

عن سفیان قال کان یقال العلماء ثلاثۃ' عالم باللہ یخشی اللہ لیس بعالم بامر اللہ و عالم باللہ عالم بامر اللہ یخشی اللہ فذاک العالم الکامل وعالم بامر اللہ لیس بعالم باللہ لایخشی اللہ فذالک العالم الفاجر۔ (داری ج۱ص۸۶ باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ' مطبوعہ مدینہ منورہ)

سفیان سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ علماء کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ۱- اللہ کو جاننے والا' اللہ سے ڈرنے والا ہو لیکن اللہ کے امر کو نہ جاننے والا ہو' ۲- اللہ اور اس کے امر کو جاننے والا ہو اور اللہ سے ڈرنے والا ہو یہ کامل عالم ہے' ۳- اللہ کے امر کو جاننے والا ہو' نہ اللہ کو جاننے والا ہو اور نہ اللہ سے ڈرنے والا ہو تو یہ فاجر عالم ہے۔

یعنی جس آدمی کے پاس یہ علم ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک' ازلی ابدی صفات کا مالک ہے اور اس عقیدے کے ساتھ ساتھ وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو احکام نازل فرمائے ہیں ان سے پورا واقف نہیں ہے۔ تو یہ عالم بھی متقی علماء میں شمار ہے۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو جاننے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی کلام کو بھی جانتا ہے اور اس سے ڈرتا بھی ہے تو یہ انتہاء درجے کا متقی عالم ہے اور وہ عالم جو اللہ کے امر کو جانتا ہے اور نہ تو وہ خدا سے ڈرتا ہے اور نہ ہی خدا کی شان کو وہ سمجھتا ہے یہ فاسق عالم ہے اس لیے اس کے ساتھ ہی متصل ایک حدیث یوں منقول ہے۔

حدثنا ھشام عن الحسن قال العلم علمان فعلم فی القلب فذالک العلم النافع وعلم علی اللسان فذالک حجۃ اللہ علی ابن آدم۔
(داری ج۱ص۸۶ باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ' مطبوعہ مدینہ منورہ)

ہشام حسن سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم تو وہ ہے جو سینے میں ہے یہ علم نافع ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو صرف زبان تک محدود ہے (اس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں) یہ ابن آدم کے لیے ایسا علم ہے کہ جس پر اللہ کی محبت قائم ہے۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں فیصلہ ہے کہ دنیا میں سب سے بہترین وہ آدمی ہے جو متقی عالم ہے اور سب سے شریر آدمی وہ ہے جو شریر عالم ہے۔

عن الاحوص بن حکیم عن ابیہ قال سأل رجل النبی ﷺ عن الشر فقال لا تسئلونی عن الشر واسألونی عن الخیر یقولھا ثلاثا ثم قال الا ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء۔

احوص بن حکیم اپنے باپ سے روایت کرتا ہے انہوں نے کہا کہ ایک آدمی نے نبی علیہ السلام سے شر کے بارے میں سوال کیا' آپ نے فرمایا: تم مجھ سے شر کے بارے میں سوال نہ کیا کرو' خیر کے بارے میں سوال کیا کرو' یہ کلمہ آپ نے تین بار فرمایا پھر فرمایا'

(دارمی ج اص ۸۷ باب التوبیخ لمن طلب العلم لغیر اللہ مطبوعہ مدینہ منورہ) تمام شریروں سے زیادہ بڑا شریر شریر علماء ہیں' بہترین لوگوں میں بہترین لوگ علمائے خیر ہیں۔

تو حاصل کلام یہ نکلا کہ جو علم مقابلے' جھگڑے' ناموری یا حصول مال کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں یہ سب جہنم کے سبب ہیں۔ علم وہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کا خوف پایا جائے اور اس علم کے ذریعے وہ اس کی مخلوق کو راہ ہدایت دکھائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خوف کا تعلق دل سے ہے اس لیے کہا گیا ہے کہ علم فی القلب نافع اور علم فی اللسان نقصان ہے اور دنیا میں اچھے لوگ بھی ہیں برے لوگ بھی ہیں لیکن اچھوں میں سے اچھا وہی عالم ہے جو متقی و پرہیز گار ہو اور اوامر و نواہی کو جاننے والا ہو اور بروں سے برا عالم وہ ہے جو مذکورہ چار چیزوں کے حصول کے لیے علم سیکھتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مذکورہ باب کی دوسری حدیث کی توضیح

حدیث میں یہ آیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے دینی بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک طرف حکم کفر ضرور لوٹتا ہے۔ یعنی جب کوئی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس نے واقعی کفریہ قول کہا ہے یا کسی شرعی ضروریات کا انکار کیا ہے۔ تو پھر کہنے والا مسلمان کہلائے گا اور جس کو کافر کیا گیا ہے وہ واقعی کافر ہے اور اگر جس کو کافر کہا گیا ہے نہ تو اس نے کوئی کلمہ کفریہ کہا ہو اور نہ ہی اس کے عقائد میں کوئی خرابی ہے اور نہ ہی اس نے ضروریات دین کا انکار کیا ہے۔ یعنی اس سے کوئی چیز ایسی صادر نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر اسے کافر کہا جائے تو اس صورت میں وہ کہنے والا خود کافر ہو جائے گا اور یہی حدیث کا معنی ہے کہ جب کسی نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں ایک کافر ضرور ہو جائے گا۔ مگر یاد رہے اگر کوئی کسی کو برا بھلا کہنا چاہتا ہے لیکن بغیر ارادے کے کافر کہہ دیا تو یہ گناہ کبیرہ تو ہو سکتا ہے کفر نہیں اور اس لیے بعض نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ ایسے فعل کو تغلیظاً کفر قرار دیا گیا ہے۔ بہر صورت یہ مسئلہ انتہائی خطرناک ہے اور مسلمانوں کو اس سے احتیاط برتنی چاہیے۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی چند عبارات اس امر پر بہت ہی کارآمد ہیں جو قابل نوٹ ہیں۔ ۱۔ لزوم کفر کفر نہیں ہے' التزام کفر' کفر ہے۔ یعنی کسی کے کلام سے کفر لازم آتا ہے لیکن وہ کفر کا التزام نہیں کرتا اس کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے بشرطیکہ صریح کلام نہ ہو۔ کیونکہ وہ بحکم التزام ہوتی ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کا طریقہ یہ تھا جب کسی کی عبارت سے کفر کا لزوم سمجھتے تو اس سے خط و کتابت کرتے۔ اگر وہ التزام نہ کرتا تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے یزید کے بارے میں خاموشی اختیار کی اور اسی طرح مولوی اسماعیل دہلوی صاحب تقویۃ الایمان پر آپ نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ حالانکہ یہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ گستاخ رسول کافر ہے اور تقویۃ الایمان کی عبارات بہت ہی گستاخانہ عبارات ہیں۔ تو کفر کا حکم نہ لگانے کی وجہ یہی ہے کہ ایک تو مشہور تھا کہ مولوی اسماعیل آخر میں توبہ کر گیا۔ دوسرا اعلیٰ حضرت نے اس کا زمانہ نہیں پایا تاکہ التزام کہا جا سکتا۔ اس لیے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس عبارت میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال ایمان کا ہو اس کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ لیکن یہ حکم اس کلام کا ہے جس میں احتمالات پائے جاتے ہوں اور جو کلام صریح ہے اس میں دوسرا احتمال ہی نہیں۔ جیسا کہ کوئی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو میں وحدہ لاشریک نہیں مانتا یا یہ کہ میں محمد رسول اللہ کو اللہ کا سچا رسول نہیں سمجھتا۔ اس میں کوئی سے احتمالات نکالو گے' یا اسی طرح کسی نبی کو کوئی سب کرتا ہے تو اس کے کافر ہونے میں کیا شک ہے؟ اور ابن تیمیہ نے "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" کے بہت سے مقامات پر لکھا ہے کہ نبی کی ذات میں نقص نکالنے والا کافر ہے بلکہ اگر کسی نے آدم علیہ السلام کے بارے میں یہیں کہہ دیا کہ ان کا رنگ کالا ہے' وہ کافر ہے' جو انبیاء میں سے کسی نبی کی قمیص کو میلا کہے وہ کافر ہے اور الشہاب الثاقب میں مولوی حسین احمد [illegible] رسول اللہ ﷺ ہوں اگر چہ کافر

والے کی نیت نہ ہو' پھر بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ مولوی حسن احمد ٹانڈوی' کی کلام کا مفہوم یہ ہے کہ کہنے والا کوئی ایسی کلام کہتا ہو جس میں حضور کی توہین کا وہم پڑتا ہو۔ اگرچہ صراحتاً توہین نہ پائی جاتی ہو اور کہنے والے کی نیت نہ ہو' پھر بھی کافر ہو جاتا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن پر امت کا اتفاق ہے۔ بہرصورت کسی کو کافر ومشرک کہنا یہ بہت بڑی بات ہے اور پھر فروعی مسائل میں اختلاف کی بناء پر کسی کو کافر کہنا تو اور زیادہ قبیح ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ کی ذات پر ہزاروں رحمتیں نازل ہوں' انہوں نے جو احتیاط سے کام لیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ اگرچہ بعض لوگ ان کو متشدد سمجھتے ہوئے دجال اور کافر کہتے ہیں جیسا کہ الشہاب الثاقب اور الہند میں بہت سے مقامات پر اعلیٰ حضرت کو غلیظ گالیاں دی گئیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ باوجود اس بات کہ' کہ اہل سنت و جماعت حنفی بریلوی کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو **وما کان ومایکون** کا علم عطاء فرمایا ہے۔ لیکن اس کلی علم غیب کے مسئلہ کے بارے میں جو احادیث ملتی ہیں ان کی اسناد میں ضعف ہے۔ اسی لیے اگر عالم دین بنظر تحقیق علم کلی کا انکار کرتا ہے تو میں اس کو ضال اور مضل بھی نہیں کہتا۔ آپ کا یہ فرمان آپ کی کتاب خالص الاعتقاد میں موجود ہے۔ ہاں مطلق علم غیب جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے وہ قطعیات سے ثابت ہے' اس کا منکر کافر ہے۔ لیکن دوسری طرف میں دیکھتا ہوں تو اصول وفروع تو درکنار معمولی باتوں پر شرک ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے جو حضور ﷺ کی جالی شریف کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر درود وسلام پڑھتا ہے کہتے ہیں یہ مشرک ہو گیا بلکہ یہاں تک لکھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی جالی شریف اور قبر شریف کی چاردیواری یہ بتوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور دیکھا گیا ہے کہ حرمین شریفین میں اگر کوئی کھڑے ہو کر سلام پڑھتا' پڑھاتا ہے یعنی حرم مکہ اور حرم مسجد نبوی میں اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے کہ یہ مشرکانہ افعال یہاں کیوں کیے جارہے ہیں؟ اب تو کافر و مشرک کا لفظ عام ہو گیا کہ وہ اذان سے پہلے درود پڑھے' میلاد کرے' ختم پڑھے' پڑھائے' مزاروں پر جائے' یارسول اللہ کہے' گیارھویں دے' ان افعال کے کرنے والوں کو کافر ومشرک کہا جاتا ہے اور الشہاب الثاقب میں مولوی حسین احمد مدنی نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ وہابیہ یہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی نیت سے سفر کرنا زنا کرنے کے برابر ہے (معاذ اللہ) اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہابیہ کہتے ہیں کہ زندگی میں ہم پر رسول اللہ کا احسان تھا اب کوئی احسان نہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہابیہ کہتے ہیں کہ ہمیں لاٹھی سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ حضور ﷺ میں نہیں۔ ہم اپنی لاٹھی سے کتے کو ہانک سکتے ہیں اور یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ' استغفر اللہ۔ میرا مقصد دیوبندی علماء اور اہل حدیث علماء پر کیچڑ اچھالنا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ کسی کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ مشرک کا لفظ ایسے ہی نہیں لگانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص خالص الاعتقاد سُنّی ہے تو کہنے والا اس کو خود کافر ہو جاتا ہے اور پھر فروعی مسائل میں انتہاء درجے کی احتیاط چاہیے جیسے نور وبشر کا مسئلہ' حاضر وناظر کا مسئلہ' مختار کل ہونے کا مسئلہ وغیرہ۔ یہ فروعی مسائل ہیں ان کے منکر کو اہل سنت کافر نہیں کہتے البتہ جو کچھ بھی اعلیٰ حضرت نے بعض لوگوں پر کفر کے فتوے لگائے ہیں ان کا تعلق توہینِ رسول سے تھا۔ چونکہ تعظیم رسول اصول دین سے ہے اس لیے آپ کی ادنیٰ سی توہین وگستاخی کرنے والا کافر ہے اور پھر توہینِ رسالت پر کفر کا فتویٰ ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی نے اپنی مشہور کتاب ''اشد العذاب'' کے صفحہ ۱۳ پر یوں لکھا ہے۔

اگر علمائے دیوبند کی عبارات واقعی مولانا احمد رضا خان کے نزدیک گستاخانہ تھیں تو اگر وہ ان پر کفر کا حکم نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے۔ (اشد العذاب مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی ص ۱۳)

پھر علماء جو حقائق کو سمجھتے ہیں ان کے درمیان اتنا اختلاف نہیں جتنا جہلاء نے بنا لیا ہے اور وہ آئے دن ایک دوسرے کو کافر' مشرک کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا فرمائے اور مسلمان کو کافر' مشرک اور بدعتی کہنے سے بچائے۔ آمین

فاعتبروا یا اولی الابصار

٤١٨- بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ اَكْلِ الثَّوْمِ

لہسن کھانے کی کراہت کا بیان

٩٠٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ وَفِي رِوَايَةٍ الْخَبِيْثَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا يُؤْذِيْنَا بِرِيْحِ الثَّوْمِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب زہری نے سعید بن المسیب سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اس درخت سے کھایا (اور ایک دوسری روایت میں درخت کی جگہ لفظ) خبیثہ ہے وہ ہماری مسجد میں داخل نہ ہو۔ لہسن کی بُو سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِنَّمَا يُكْرَهُ ذٰلِكَ لِرِيْحِهٖ فَاِذَا اَمَتَّهٗ طَبْخًا فَلَا بَاْسَ بِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں لہسن بو کی وجہ سے مکروہ ہے۔ جب پکا کر اس کی بوختم کردی جائے تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

مذکورہ باب میں صرف ایک ہی روایت ہے جس میں تھوم کھا کر مسجد میں آنے سے منع کیا گیا ہے اور حالانکہ یہ مسئلہ صرف تھوم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جسے کھانے کے بعد منہ سے بدبو آئے اسے کھا کر مسجد میں جانا منع ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف میں ایک حدیث کا عنوان اور ترجمۃ الباب یوں ہے۔ باب "نهي من اكل ثوما او بصلا او كراثا اونحوها مماله رائحة كريهة من حضور المسجد حتى يذهب ذالك الريح واخراجه من المسجد" یعنی منع کیا گیا ہے اُس آدمی کو جس نے تھوم یا بصل یا گندنا (ایک قسم کا ساگ) یا اسی کی مثل جو چیز بدبودار ہے کھالیا تو وہ مسجد میں حاضر نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ بوختم نہ ہو جائے"۔

عن جابر بن عبدالله عن النبي ﷺ قال من اكل من هذه البقلة الثوم وقال مرة من اكل البصل والثوم والكراث فلا يقربن مسجدنا فان الملائكة يتاذى مما يتاذى منه بنو ادم.

(مسلم شریف ج ۱ ص ۲۰۹۔ باب نہی من اکل ثوما او بصلا)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس لہسن کو کھائے (ایک مرتبہ لہسن اور پیاز دونوں کا ذکر فرمایا) وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے ایذا پہنچتی ہے جن سے انسانوں کو ایذا پہنچتی ہے۔

مسلم شریف کی مذکورہ حدیث نے اصل مقصود کو واضح کر دیا کہ مسجد میں داخل ہونے سے منع جو ہے یہ تھوم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر بدبودار چیز کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا جس طرح تمہیں ان چیزوں سے ایذا پہنچتی ہے فرشتوں کو بھی اسی طرح ایذا پہنچتی ہے۔ اسی حدیث کی وجہ سے علماء نے مٹی کے تیل کو مسجد میں جلانے سے منع فرما دیا۔ یعنی پہلے زمانہ میں دیوں میں سرسوں کا تیل ڈالا جاتا تھا اور اس کو جلا کر مسجد میں روشنی کی جاتی اور جب زمین سے مٹی کا تیل نکلا اور لوگوں کے لیے سہولت پیدا ہوگئی تو اس وقت کے لوگوں نے مٹی کے تیل سے مسجد میں دیئے جلانے شروع کر دیئے جس پر وقت کے علماء نے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ مٹی کے تیل میں بدبو ہے۔ اسی طرح یاد رہے کہ کئی نسواریں ایسی بدبودار ہیں کہ کوئی کھا کر جماعت میں شامل ہو جائے تو اس کے دائیں بائیں والے نمازی اس کی بدبو سے تنگ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا نسوار کھانے والے مسلمانوں کو چاہیے کہ نسوار کھانے کے بعد جب تک منہ سے بدبو نہ جائے یا کوئی ایسی چیز نہ کھائی جائے جس سے بدبو ختم ہو جائے' مسجد میں نہیں جانا چاہیے اور حقہ اور سگریٹ تو ایسی بدبودار چیزیں ہیں کہ درمیانی مسجد میں حقہ پی کر صف کے ایک کنارے میں کھڑا ہو جائے تو پوری صف اس کی بدبو سے تنگ آ جاتی ہے۔ لہٰذا اس میں دو طرح کی تکلیف پائی گئی۔ ایک تو فرشتوں کو تکلیف ہوئی اور دوسرا نمازیوں کو تکلیف ہوئی۔ تو ان سب فعلوں سے اجتناب کیا جائے [illegible] خیال کرنا چاہیے کہ جیسے مجھے بدبو نہیں

آتی دوسرے بھی کسی کو بدبو نہیں آتی اور فقیر کا اپنا تو یہ حال ہے کہ جس کمرے میں کوئی حقہ پی لے یا سگریٹ پی لے اس میں مجھے نیند نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ مسجد کے ادب واحترام کی توفیق عطاء فرمائے۔

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا اور اپنی ذات کے لیے سوال کرنا منع ہے

میں نے مناسب سمجھا کہ مسجد کے احترام کی بحث شروع ہے ایک دو ضروری مسائل جو اس دور میں درپیش ہیں ان کو بھی واضح کر دینا چاہیے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اب اس دور میں اس قدر رواج پڑ چکا ہے کہ کسی کی بکری بھی گم ہو جائے تو وہ مسجد میں اعلان کرواتا ہے اور ایرا وغیرہ اعلان یا شادی کے اعلان تو تمام مساجد میں کیے جاتے ہیں خصوصاً جب کسی کا بچہ گم ہو جائے تو اس کی تلاش کا طریقہ یہ تعین کیا گیا ہے کہ مسجد میں اعلان کر دیا جائے اور کچھ علماء تو ایسے ہیں کہ مسجد کے مسائل کو نہیں جانتے اور کچھ ایسے علماء بھی ہیں جو ان مسائل کے جانتے ہوئے بھی ایسا کرتے ہیں اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسجد چھوڑنی پڑے گی۔ یاد رہے گم شدہ چیز کے اعلان کو مسجد میں کرنے سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

عن ابی عبداللہ مولی شداد بن الھاد انہ سمع ابا ھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا.

(مسلم شریف ج ۱ ص ۲۱۰' باب نہی من اکل ثوما او بصلا)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص باآواز بلند کسی شخص کو مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرتے ہوئے سنے تو کہے: اللہ کرے تیری چیز نہ ملے کیونکہ مساجد اس کے لیے نہیں بنائی گئیں۔

عن سلیمان بن بریدہ عن ابیہ ان رجلا نشد فی المسجد فقال من دعی الی الجمل الاحمر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا وجدت انما بنیت المساجد لما بنیت لہ. (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۱۰' باب نہی من اکل ثوما او بصلا)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مسجد میں اعلان کر کے کہا' سرخ اونٹ کون لے گیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے نہ ملے' مساجد صرف انہیں کاموں کے لیے ہیں جن کے لیے بنائی گئی ہیں۔

مذکورہ دو عدد احادیث سے ثابت ہوا کہ گمشدہ چیز کے لیے مسجد میں اعلان کرنا منع ہے بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا کی ہے کہ خدا تجھے تیری چیز واپس نہ لوٹائے۔ کیونکہ مسجد کی عظمت وشان کے لائق نہیں کہ اس میں سوائے عبادت کے دوسرے کام کیے جائیں۔ ہاں اس کے اعلان کے جواز کی ایک صورت یہ بن سکتی ہے کہ مسجد کے ساتھ مسجد سے خارج کسی جگہ مخزن یعنی اذان کی جگہ بنائی جائے تو اس میں اس قسم کا اعلان کرنا جائز ہے۔ یاد رہے کہ فقہ احناف میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے بلکہ مسجد سے الگ جگہ مقرر کی جائے کہ جس کو واقف نے وقف کرتے ہوئے اپنی نیت میں مسجد سے خارج کر دیا ہو' چاہے وہ مسجد کے درمیان ہی کیوں نہ ہو تو وہ مسجد نہیں کہلائے گی۔ جیسا کہ بادشاہی مسجد جو لاہور میں ہے کیونکہ وہ بہت طویل وعریض ہے اس لیے اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کے مشورے سے اس کے صحن میں چھوٹے چھوٹے رخنے تھوکنے کے لیے بنا دیئے تاکہ نمازیوں کو باہر نکل کے تھوکنے کی تکلیف نہ ہو۔ تو جب مسجد میں اذان کہنا منع ہے گمشدہ چیزوں کا اعلان کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ سے ایک سوال کیا گیا کہ جب مسجد میں اذان کہنا جائز نہیں اور جمعہ کے دن اذان ثانی کو خطیب کے سامنے کہنا سنت ہے۔ اگر اس مسجد کے باہر خطیب کے سامنے اذان کہنے کی کوئی جگہ نہیں بلکہ دائیں یا بائیں جگہ ہے۔ لیکن دائیں یا بائیں اذان دینے کی صورت میں خطیب کے سامنے اذان دینے کی سنت پر عمل نہیں ہوگا اور اگر مسجد میں اذان کہتے ہیں تو خطیب کے سامنے اذان دینے والی سنت تو پوری ہو جائے گی مگر دوسری حدیث کی مخالفت پائی جائے گی کیونکہ آپ نے مسجد میں اذان دینے سے منع فرمایا ہے تو

اس کا جواب اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ میں یوں دیا ہے:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب یہاں دو سنتیں ہیں ایک محاذات خطیب دوسری اذان کا مسجد سے باہر ہونا۔ جب ان میں تعارض ہو اور جمع ناممکن ہو تو ارجح کو اختیار کیا جائے۔ کما ھو الضابطۃ المستمرۃ المحرمۃ یہاں ارجح واقویٰ سنت ثانیہ بوجوہ اوّلاً مسجد میں اذان سے نہی ہے قاضی وخلاصہ وخزانۃ المفتین وفتح القدیر وبحر الرائق وبرجندی وعالمگیری میں ہے لا یؤذن فی المسجد نیز فتح القدیر ونظم وطحاوی علی المراقی وغیرہا میں مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی تصریح ہے اور ہر مکروہ منہی عنہ ہے..... ثانیاً محاذات خطیب ایک مصلحت ہے اور مسجد کے اندر اذان کہنا مفسدت اور جلب مصلحت سے سلب مفسدت اہم ہے اشباہ میں ہے درء المفاسد اولی من جلب المصالح۔

(فتاویٰ رضویہ مصنفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ج ۳ ص ۵۰۷-۵۱۰ باب الجمعہ مطبوعہ برکاتی پبلشر کھارادر کراچی)

فتاویٰ رضویہ کی مذکورہ عبارت کیونکہ قدرے دقیق ہے اس لیے میں اس کی وضاحت کر دیتا ہوں۔ آپ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اب یہاں پر دو سنتیں ہیں اور دونوں پر عمل نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ دونوں سنتیں آپس میں معارض ہو گئیں۔ تو قانون یہ ہے کہ جب دو احادیث آپس میں ٹکرا جائیں تو قانون یہ ہے کہ جو راجح ہو اس پر عمل کیا جائے۔ خطیب کے محاذات میں اذان دینا بھی سنت ہے لیکن اس سنت سے وہ سنت اقویٰ اور ارجح ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے راجح ہونے کی دو وجہیں بیان کیں۔ ایک تو یہ ہے کہ فقہاء نے جیسے قاضی خان' خلاصۃ الفتاویٰ' خزانۃ المفتین وفتح القدیر' بحر الرائق' برجندی اور عالمگیری ان تمام نے لکھا ہے کہ مسجد میں اذان دینا منع ہے۔ بلکہ فتح القدیر' مراقی الفلاح میں یہاں تک لکھا ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اور مکروہ وہ ہوتا ہے جس سے روکا جائے اور دوسری دلیل وجہ ترجیح کی اعلیٰ حضرت نے یہ فرمائی کہ خطیب کے سامنے اذان ثانی کہنا یہ ایک مصلحت ہے اور مسجد میں اذان دینا مفسدت ہے۔ یعنی مسجد کی عظمت وشان کے خلاف ہے تو یہاں دو چیزیں پائی گئیں ایک ہے جلب مصلحت یعنی مصلحت کو کھینچنا۔ یعنی خطیب کے سامنے اذان دینے میں مصلحت کا کھینچنا پایا جاتا ہے اور مسجد سے باہر اذان دینا یہ سلب مفسدت ہے۔ یعنی فساد کا سلب کرنا ہے اور یہ بات مسلمہ ہے کہ جب مصلحت سے سلب مفسدت اہم اور راجح ہے۔ اس لیے الاشباہ النظائر میں لکھا ہے کہ فاسق کا درء ا یعنی مفسدت کو دفع کرنا اولیٰ ہوتا ہے جب مصالحت سے یعنی مصالح کو حاصل کرنے سے۔ تو حاصل کلام یہ ہوا کہ جہاں مسجد کے باہر خطیب کے سامنے اذان دینے کی کوئی صورت نہ بنے تو پھر مسجد میں خطیب کے سامنے اذان نہیں دینی چاہیے۔ بلکہ مسجد کے باہر اذان دے اگرچہ خطیب کے سامنے نہ ہو سکے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد میں اعلانات تو کجا اذان نہیں دینی چاہیے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

٤١٩- بَابُ الرُّؤْيَا

خواب کا بیان

٩٠٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا قَتَادَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الرُّؤْيَا مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمُ الشَّيْءَ يَكْرَهُهٗ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اِذَا اسْتَيْقَظَ وَلْيَتَعَوَّذْ مِنْ شَرِّهَا فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ میں نے ابو سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوقتادہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ اچھی خواب اللہ پاک کی طرف سے ہے اور بری خواب شیطان کی طرف سے' جب کوئی شخص بری خواب دیکھے تو جب بیدار ہو وہ بائیں طرف تین بار تھوک دے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے' اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گا۔

مذکورہ باب میں ایک حدیث ذکر کی گئی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھی خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بری خواب شیطان کی طرف سے اور فرمایا کہ جب کسی آدمی کو بری خواب آئے تو اسے چاہیے کہ وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر تین دفعہ بائیں طرف تھوکے۔ تو ان شاءاللہ وہ خواب اس کو نقصان نہیں دے گا۔

خوابوں کے بارے میں چند اہم اور ضروری باتیں

کسی کو جو بھی خواب آئے اس کو صحیح خواب ہی نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ بسا اوقات پریشان کن خواب بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور میں اب مناسب سمجھتا ہوں کہ کامل التعبیر مصنفہ امام محمد ابن سیرین جو کہ خوابوں کے امام ہیں ان کی کتاب سے چند ضروری باتیں لکھوں کہ جن کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ خوابوں کی تعبیر میں چھ آدمی ایسے ہیں جن کو تعبیر کا امام مانا جاتا ہے۔ (۱) دانیال علیہ السلام (۲) حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ (۳) امام محمد بن سیرین (٤) حضرت امام جابر مغربی رحمۃ اللہ علیہ (۵) حضرت امام ابراہیم کرمانی رحمۃ اللہ علیہ (٦) حضرت امام اسمٰعیل بن اشعث رحمۃ اللہ علیہ اور پھر ان سب میں محمد بن سیرین کو تعبیروں کے معاملے میں ایک خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے خوابوں کی تعبیر پر ایک مکمل کتاب لکھی جس کا نام کامل التعبیر ہے۔ اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو تعبیروں کے معاملہ میں بہت بڑی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اور پھر یاد رہے اگر چہ علم تعبیر کے لیے کافی علوم میں دسترس ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی کچھ خصوصی انعام کے طور پر کسی کو منتخب کرلیا جاتا ہے کہ وہ کلام کے کنایات اور اشارات سے خواب کی ایسی تعبیر بیان کرتا ہے کہ جس سے اس کا مفہوم نکلتا ہو اور بسا اوقات کئی خوابیں ایسی انسان معلوم کرتا ہے کہ یہ میرے حق میں بہت ہی بُری ہیں لیکن جب صحیح معبر کے سامنے اس خواب کو بیان کیا جاتا ہے تو وہ اسے دین و دُنیا کی دولت قرار دیتا ہے۔

واقعہ زبیدہ

جیسے ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کا مشہور واقعہ ہے کہ اس کو خواب آئی کہ میرے ساتھ تمام جانور' کتے' بلے' سور' انسان زنا کرتے ہیں' تو اس خواب نے ان کو پریشان کر دیا اور وہ زمانہ تھا محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا' تو اس نے اپنی لونڈی کو محمد بن سیرین کے پاس بھیجا اور اس کو تاکید کی کہ میری خواب کا میری طرف سے ذکر نہ کرنا اپنی طرف سے ذکر کرنا۔ جب لونڈی نے اپنی خواب کو محمد بن سیرین کے سامنے ذکر کیا تو امام محمد بن سیرین نے اس کو دیکھ کر کہا کہ تیرا منہ اس قابل نہیں کہ تجھے یہ خواب آئے۔ چلی جاؤ' تمہیں یہ خواب نہیں آئی۔ لونڈی نے آ کر زبیدہ خاتون کو محمد بن سیرین کا جواب سنایا تو آپ نے فرمایا کہ اب اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں کہ تو میرا نام لے کر کہے کہ یہ خواب زبیدہ کو آئی ہے۔ تو جب لونڈی نے جا کر محمد بن سیرین کے پاس جا کر کہا کہ یہ خواب زبیدہ خاتون کو آئی ہے تو اب آپ بیان فرمائیں کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ تو امام محمد بن سیرین نے کہا کہ ہاں زبیدہ کو یہ خواب آسکتی ہے اور اسے میری طرف سے مبارک باد کہو اور اسے کہو کہ تیرے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ ایک نہر جاری کرائے گا جس سے کتے' بلے اور انسان سب فائدہ اٹھائیں گے۔ امام محمد بن سیرین کی یہ خواب ایسی سچی نکلی کہ زبیدہ خاتون نے وہ نہر زمین دوز نکالی اور اسے مکہ شریف پہنچایا اور اب بھی حاجی حضرات عرفات کے میدان میں اس نہر سے کافی تعداد میں پانی پیتے ہیں۔ ۶۸ء میں تو عرفات میں پانی نہر زبیدہ کا ہی ملتا تھا اب حکومت نے اور بھی انتظامات کر لیے ہیں اور مکہ شریف میں اب بھی نہر زبیدہ کا پانی استعمال کیا جاتا ہے۔

واقعہ امام ابوحنیفہ

امام ابوحنیفہ کو خواب آئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جسم پاک کو نوچتے ہیں' اس خواب سے آپ پریشان ہوئے۔ لہٰذا آپ نے کسی شاگرد کو امام محمد بن سیرین کے پاس بھیجا کہ اُن سے پوچھو کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ محمد بن سیرین نے آپ کی خواب سُن کر آپ

کو مبارک باد کہی اور فرمایا تمہاری خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے قرآن و حدیث کا علم اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ اس سے لاکھوں مسائل نکالیں گے اور نبی پاک ﷺ کے جسم کو نوچنے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نبی پاک کی حدیث سے لاکھوں مسائل استنباط فرمائیں گے۔

اس واقعہ نے اس بات کی تصدیق کردی کہ اگرچہ تعبیر الرؤیا کے لیے کافی علوم کی ضرورت ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ محمد بن سیرین اگرچہ امام ابوحنیفہ کا مقابلہ نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک بھی امام ابوحنیفہ کی فقہ مسلمہ تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے جب خواب کا مسئلہ درپیش آیا تو انہوں نے محمد بن سیرین کی طرف رجوع فرمایا اور ان کی تعبیر ایسی سچی نکلی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط کا کام جس قدر ابوحنیفہ سے لیا ہے اس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہر آدمی کو اپنا خواب نہیں سنانا چاہیے بلکہ اس کو سنانا چاہیے کہ جو اس کا مخلص دوست اور محب ہو اور دوسرا صاحب علم ہو اور تعبیر بتانے والے کو چاہیے کہ جس قدر ہو سکے خواب کی تعبیر اچھی بتائے کیونکہ تعبیر بیان کرنے میں معبر کی زبان سے جو نکلتا ہے اکثر اسی طرح ہو جاتا ہے۔ اب وہ چند باتیں جن کا میں نے پہلے تذکرہ کیا ہے۔ ان کو من وعن مترجم کامل التعبیر سے نقل کرتا ہوں تاکہ ہر خواب دیکھنے والے کو اس سے فائدہ حاصل ہو۔

اچھے اور بُرے خواب

گو خواب کی پیدائش و رؤیت دونوں امور منجانب اللہ سرزد ہوتے ہیں تاہم علماء نے لکھا ہے کہ اچھا خواب حضرت احدیت کی طرف سے بشارت ہوتی ہے تاکہ بندہ اپنے مولا کریم کے ساتھ حسن میں راسخ الاعتقاد ہو جائے اور یہ بشارت مزید شکر امتنان کا باعث ہو۔ جھوٹا اور مکروہ خواب شیطانی القاء سے ہوتا ہے اس القاء سے شیطان کی غرض مومن کو ملول و محزون کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

الرؤيا الصالحة من الله والحلم من شيطان فاذا راى احدكم ما يحب فلا يحدث به الامن تحب واذا راى ما يكره فليتعوذ بالله من شرها ومن شر شيطان وليقل ثلاثة ولا يحدث بها احدا فانها لن تضره. (رواہ البخاری و مسلم)

اچھا خواب اللہ کی طرف سے اور برا شیطان کی جانب سے ہے۔ جب کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو اُسے صرف اُس شخص سے بیان کرے جس سے محبت و اعتقاد ہے اور جب مکروہ خواب دیکھے تو حق تعالیٰ سے اُس خواب کی شر اور شیطان کے فتنے سے پناہ مانگے اور یہ بھی مناسب ہے کہ بقصد دفاع شیطان تین بار تھتکار دے اور ایسا خواب کسی سے بیان نہ کرے اس حالت میں بُرا خواب کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔

مکروہ خواب کے بعد کروٹ بدلنے کی ضرورت

ایک حدیث صحیح میں برا خواب دیکھنے کے بعد کروٹ بدلنے کا حکم بھی وارد ہے کیونکہ اس کو تغیر حال میں بہت بڑا اثر و دخل ہے۔

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ اذا راى احدكم الرؤيا يكرهها فليبصق عن يساره ثلاثا ويستعذ بالله من شيطان ثلاثا وليتحول عن جنبه الذى كان عليه. (رواہ مسلم)

بقول جابر حضرت خیر البشر ﷺ نے فرمایا: کہ جب کوئی شخص مکروہ خواب دیکھے تو تین مرتبہ بائیں طرف تف کرے شیطان سے اللہ کی پناہ چاہے اور اس کروٹ کو بدل ڈالے جس پر خواب دیکھنے کے وقت سوتا تھا۔

شیطانی تصرف

احادیثِ متذکرہ صدر سے معلوم ہوا کہ بہت سے خواب شیطانی القاء سے ہوتے ہیں چنانچہ متوحش قسم کے جملہ خواب مثلاً یہ دیکھنا کہ سر کٹ گیا یا کسی کو قتل کر دیا گیا اُسی قبیل سے ہے۔ احتلام بھی شیطانی اثر سے ہوتا ہے اور اس سے جنودِ ابلیس کی یہ غرض ہوتی ہے کہ مومن کو غسل وطہارت کی زحمت میں ڈالیں یا حاجت غسل کے ذریعے سے نماز صبح کے بروقت پڑھنے میں خلل انداز ہو لیکن یاد رہے کہ شیطان متوحش خواب دکھا کر مومن کو ہر طرح سے پریشان کر سکتا ہے مگر یہ بات اس کی قدرت سے باہر ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی وضع وہیئت اختیار کر کے کسی مومن کو خواب میں دھوکا دے۔ ارشادِ نبوی ہے:

من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطن لایتمثل فی صورتی. (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ)

جس نے خواب میں مجھے دیکھا اُس نے فی الواقع مجھ کو ہی دیکھا اور اس کا یہ خواب سچا ہے کیونکہ شیطان کی یہ مجال نہیں کہ کسی کے خواب میں میری شکل میں ظاہر ہو۔

بعض محققین نے فرمایا ہے کہ شیطان خواب میں حق تعالیٰ کی حیثیت سے ظاہر ہو کر افترا پردازی کر سکتا ہے اور دیکھنے والا دھوکہ کھا سکتا ہے کہ یہ واقعی باری تعالیٰ ہے۔ لیکن سرکارِ مدینہ سرورِ قلب وسینہ ﷺ کی شکل کبھی اختیار نہیں کر سکتا کیونکہ حضور ﷺ مظہر ہدایت اور شیطان مظہر ضلالت ہے اور ہدایت وضلالت میں ضد ہے اور اللہ تعالیٰ تمام صفات اضلال اور تمام صفات متضادہ کا جامع ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مخلوق کا دعویٰ الوہیت صریح البطلان ہے اس لیے کسی طرح اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ بخلاف دعویٰ نبوت کے ہزاروں لاکھوں تہی دستان قسمت خود ساختہ نبیوں کی خانہ ساز نبوت پر ایمان لا کر راہِ حق سے بھٹک جاتے ہیں اسی بناپر جناب سرور کونین ﷺ کی شکل اختیار کر کے اسے لوگوں کو دھوکہ دینے کی قدرت ہی نہیں دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مدعی الوہیت سے خوارق عادت کا صدور ممکن ہے لیکن اگر کوئی دعویٰ نبوت کرے تو اس کی اعجاز نمائی کی قدرت سلب کر لی جاتی ہے تا کہ خدائی کمزور مخلوق وخلاق کی وجہ سے اس کے دام تزویر میں نہ پھنس سکے۔

خواب کی اقسام

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں ایک تو حدیث نفس (دلی خیالات کا انعکاس) دوسرے تخویف شیطان' تیسرے مبشراتِ خداوندی۔ اس تقسیم سے ظاہر ہے خواب کی تمام اقسام صحیح' قابل تعبیر اور درخورِ التفات نہیں ہوتے بلکہ تعبیر اور اعتبار کے لائق وہی قسم ہوتے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے مبشارات واعلام ہو۔ حدیث نفس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ایک کام یا حرفہ کرتا ہے وہ خواب میں وہی چیزیں دیکھے گا عموماً جن میں سارا دن منہمک رہتا ہے یا کوئی عاشق محروم الوصال جو ہر وقت اپنے محبوب کی یاد اور خیال میں مستغرق رہتا ہے وہ خواب میں بھی عموماً اسی کو ہی دیکھتا ہے۔ سچا خواب اس لیے دکھایا جاتا ہے تا کہ بندہ محفوظ رہے اور طلبِ حق اور محبت الٰہی میں اور زیادہ سرگرم کار ہو ایسا خواب قابل تعبیر ہے اور اسی پر بڑے بڑے اہم نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

خواب پر صدق مقال کا اثر

اکل حلال اور صدق مقال کو سچے خواب میں بڑا دخل ہے اس لیے جو حضرات بڑے متوحش قسم کے خواب دیکھنے کے عادی ہوں انہیں اپنی دینی حالت کا جائزہ لینا چاہیے خصوصاً حرام یا مشتبہ غذا' غیبت اور کذب بیانی سے قطعاً اجتناب لازم ہے اسی معنی میں ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے کہ جو شخص سب سے زیادہ راست گو ہے اس کا خواب بھی سب سے زیادہ سچا ہے۔

برا خواب بیان کرنے کی ممانعت

جب کوئی شخص مکروہ' ناپسندیدہ خواب دیکھے تو چاہیے کہ حق تعالیٰ سے اس خواب کے شر اور ابلیسی فتنہ سے پناہ مانگے اور ایسا خواب کسی سے بیان نہ کرے' اس صورت میں اس پر کوئی برا اثر مرتب نہیں ہوگا۔ حضور حبیب خدا ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الرؤیا علی رجل طائر مالم یحدث بھا فاذا حدث بھا وقعت.

(رواہ ترمذی عن ابی رزین العقیلی واخرجہ ابوداؤد فی معناہ)

جب تک خواب بیان نہ کردیا جائے اس وقت تک پرندے کے پاؤں پر معلق رہتا ہے (اسے قیام وثبات نہیں ہوتا) اور جب بیان کردیا جائے تو اسی طرح واقع ہوگیا۔

برا خواب بیان کرنے کی اس لیے ممانعت کی گئی ہے کہ مبادا کوئی معبر بحسب ظاہر کوئی بری تعبیر دے دے اور عام طور پر مشاہدہ میں آیا ہے کہ جیسی کوئی تعبیر دیتا ہے بتقدیر الٰہی ویسا ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ہر چند کے تمام واقعات وحوادث قضاء وقدر سے وابستہ ہیں تاہم کتمانِ خواب سقوطِ تاثیر میں اس لیے متاثر ہے کہ دعا اور صدقہ کی طرح اس قسم کے اسباب بھی قضاء وقدر ہی سے متعلق ہیں۔

خواب کس سے بیان کیا جائے؟

تعبیر کے لیے اپنا خواب کسی دوست صالح یا عالم باعمل یا صاحب دل رائے کے سوا کسی سے بیان نہ کیا جائے کیونکہ یہ لوگ خواب حتی الامکان نیکی پر محمول کر کے اس کی اچھی تعبیر دیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لا تحدث رؤیاک الا حبیبا او لبیبا رواہ ترمذی وفی روایۃ ابی داؤد لاتقصھا الاعلی واد او ذی رای.

اپنا خواب دوست یا کسی عالم کے سوا کسی سے نہ کہو اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اپنا خواب کسی دوست یا ذی رائے کے سوا کسی سے نہ کہو۔

خوابوں کا بیان احادیث سے

عن ابی سلمۃ قال کنت اری الرؤیا اعری منھا غیرانی لاازمل حتی لقیت ابا قتادۃ فذکرت ذلک لہ فقال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان فاذا حلم احدکم حلما یکرھہ فلینفث عن یسارہ ثلاثا ولیتعوذ باللہ من شرھا فانھا لن تضرہ. (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۰۔ کتاب الرؤیا' مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ ہند)

ابوسلمہ کہتے ہیں کہ بخار دیکھنے سے میری بخار کی سی کیفیت ہوجاتی تھی البتہ میں چادر نہیں اوڑھتا تھا حتیٰ کہ میری ابوقتادہ سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا' انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ رؤیا (اچھا خواب) اللہ کی طرف سے ہے اور حلم (برا خواب) شیطان کی طرف سے ہے۔ پس تم میں سے جب کوئی ناگوار خواب دیکھے تو وہ بائیں جانب تین بار تھوک دے اور اس خواب کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا۔

ابا قتادۃ یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان فاذا رای احدکم شیا یکرھہ فلینفث عن یسارہ ثلاث مرات ولیتعوذ باللہ من شرھا فانھا لن تضرہ فقال ان کنت

حضرت ابوقتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا خواب اللہ کی جانب سے ہے اور بُرا خواب شیطان کی جانب سے ہے۔ جب تم میں سے کوئی شخص ناگوار خواب دیکھے تو بائیں جانب تین بار تھوک دے اور اس خواب کے شر سے اللہ کی پناہ

لأرى الرؤيا اثقل على من جبل فما هوا الا ان سمعت بهذا الحديث فما اباليها...... عن ابی سلمة قال ان كنت لارى الرؤيا تمرضنی قال فلقيت ابا قتاده فقال وانا قلت لأرى الرويا فتمرضنی حتى سمعت رسول الله ﷺ يقول الرويا الصالحة من الله فاذا راى احدكم مايحب فلا يحدث بها الامن يحب وان راى مايكره فليتفل عن يساره ثلاثا وليتعوذ بالله من شرالشيطان وشرها ولايحدث بها احدا فانها لن تضره......عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال اذا اقترب الزمان لم تكد رؤيا المسلم تكذب واصدقكم رؤيا اصدقكم حديثا ورؤيا المسلم جزء من خمس واربعين جزء من النبوة والرؤيا ثلاثة فرؤيا الصالحة بشرى من الله ورؤيا تحزين من الشيطان ورؤيا هما يحدث المرء نفسه فان راى احدكم مايكره فليقم فليصل ولايحدث بها الناس قال واحب القيد واكره الغل والقيد ثبات فی الدين.

(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۱' کتاب الرؤیا' مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ۔ دہلی)

مانگے پھر اس کو اس خواب سے ضرر نہیں ہوگا۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں بعض اوقات ایسے خواب دیکھا کرتا تھا جو مجھ پر پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوتے تھے اس حدیث کو سننے کے بعد پھر مجھے کسی بُرے خواب کی پرواہ نہیں رہی۔۔۔۔۔ ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات میں ایسے خواب دیکھتا تھا کہ میں اس سے بیمار پڑ جاتا تھا حتیٰ کہ میری حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے کہا کہ میں بھی بعض اوقات خواب دیکھ کر بیمار پڑ جاتا تھا حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سُنا: کہ اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے' جب تم میں سے کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ خواب صرف اس شخص سے بیان کرے جو اس سے محبت کرتا ہو اور اگر کوئی بُرا خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے اور تین بار شیطان اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور وہ خواب کسی سے بیان نہ کرے پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا۔۔۔۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب زمانہ (قیامت کے) قریب ہو جائے گا تو کسی مسلمان کا خواب جھوٹا نہ ہوگا جو شخص زیادہ سچا ہوگا اس کا خواب بھی زیادہ سچا ہوگا۔ مسلمان کا خواب نبوت کے اجزاء میں سے پینتالیسواں (۱/۴۵) حصہ ہے اور خواب کی تین قسمیں ہیں۔ ایک صالح خواب ہے جو اللہ کی طرف سے بشارت ہے' دوسرا غمگین کرنے والا خواب ہوتا ہے جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے' تیسرا وہ خواب جو انسان کی خواب اور خیالات کا عکس ہوتا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور لوگوں سے وہ خواب بیان نہ کرے۔ آپ نے فرمایا میں خواب میں بیڑیاں دیکھنا پسند کرتا ہوں' اور طوق دیکھنا ناپسند کرتا ہوں بیڑیوں سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ يراها اوترى له وفی حدث ابن مسهر الرؤيا الصالحة جزء من ستة واربعين جزء من النبوة...... عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشيطان لا يتمثل بی.

(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۲' کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ ہند)

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کا خواب خواہ وہ خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی اور دیکھے اور ابن مسہر کی روایت میں ہے صالح خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔۔۔۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے

کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

عن جابر عن رسول اللہ ﷺ انہ قال لاعرابی جاءہ فقال انی حلمت ان راسی قطع فانا اتبعہ فزجرہ النبی ﷺ وقال لاتخبر بتلعب الشیطان بک فی المنام.

(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۳ کتاب الرؤیا مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرا سر کٹ گیا ہے اور میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں' نبی ﷺ نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا: کہ شیطان خواب میں تمہارے ساتھ چھیڑ خوانی کرتا ہے وہ کسی کو نہ بتلایا کرو۔

عن عائشۃ ان النبی ﷺ قال لایبقی بعدی من النبوۃ الا المبشرات قالوا یارسول اللہ ما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ یراھا العبد وتری لہ ..... وعن عبادہ بن الصامت ان رسول اللہ ﷺ قال رؤیا المؤمن کلام یکلم بہ العبد ربہ فی المنام' رواہ الطبرانی.

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۲-۱۷۳ کتاب التعبیر' باب الرؤیا الصالحۃ مطبوعہ بیروت۔لبنان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے بعد نبوت باقی نہیں رہے گی مگر مبشرات' صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا: نیک خواب جنہیں بندہ دیکھتا ہے اور تو اس کے لیے دیکھتی ہے..... حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کا خواب وہ کلام ہے جو وہ نیند میں اپنے رب سے کرتا ہے۔اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

وعن علی عن النبی ﷺ انہ قال من کذب فی الرؤیا متعمدا کلف عقد شعیرۃ یوم القیامۃ. (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۳ کتاب التعبیر' باب فیمن کذب فی حلمہ مطبوعہ بیروت)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: جس نے خواب کے بارے میں عمداً جھوٹ بولا وہ قیامت کے دن جو کی گانٹھ کھولنے کی تکلیف دیا جائے گا۔

عن انس قال کان رسول اللہ ﷺ تعجبہ الرؤیا الحسنۃ وربما قال ھل رأی احدکم رؤیا قال فاذا رأی الرجل رؤیا سأل عنہ فان کان لیس بہ باس کان اعجب لرؤیاہ قال فجاءت امراۃ فقالت یارسول اللہ ﷺ رأیت کانی دخلت الجنۃ سمعت فیھا وجبۃ ارتجبت لھا الجنۃ فنظرت فاذا قد جیء بفلان و فلان حتی عدت اثنی عشر رجلا وقد بعث رسول اللہ ﷺ سریۃ قبل ذلک فجیء بھم علیھم ثیاب طلس تشخب اوداجھم فقیل اذھبوا بھم الی ارض السدح او قال نھر السدح فغمسوا فخرجوا منہ وجوھھم کالقمر لیلۃ البدر ثم آتوا بکراسی من ذھب فقعدوا علیھا واتی بصحفۃ

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اچھے خواب کو پسند فرماتے تھے اور بسا اوقات آپ فرماتے کہ تم میں کسی نے خواب دیکھا ہے؟ پس جب کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو آپ اس سے پوچھتے' پس اگر اس میں کوئی حرج نہ ہوتا تو آپ اس خواب کو پسند فرماتے۔راوی کہتا ہے کہ ایک عورت آئی اس نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ میں نے دیکھا گویا کہ میں جنت میں داخل ہوگئی ہوں میں نے اس میں ایک آواز سنی جس سے جنت گونج اٹھی۔پس میں نے دیکھا تو اچانک فلاں' فلاں کو لایا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے بارہ مرد گنے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے پہلے سریہ کے لیے بھیج چکے تھے ان کو لایا گیا' ان کو ریشم کے کپڑے پہنائے گئے اور ان کی رگیں خون سے بہہ رہی تھیں' کہا گیا ان کو وسیع زمین میں یا بہت بڑی نہر کی طرف' انہوں نے وہاں

او كلمة نحروها فيها بسرة فاكلوا منها من فاكهة ما ارادوا واكلت معهم فجاء البشير من تلك السرية فقال يارسول الله كان من امرنا كذا وكذا واصيب فلان وفلان حتى عدالاثنى عشر الذين عدتهم المرأة قال رسول الله ﷺ على بالمرأة فجاءت فقال قصي على هذا رؤياك فقصت فقال هو كما قالت لرسول الله ﷺ رواه احمد ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۵۔۱۷۶ کتاب التعبیر باب مایدل علی صدق الرؤیا مطبوعہ بیروت)

غوطہ لگایا اس سے نکلے اس حال میں کہ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے تھے' پھر ان کے لیے سونے کی کرسیاں لائی گئیں تو وہ اس پر بیٹھ گئے' ان کے لیے ایک بڑا پیالہ لایا گیا یا اسی طرح کا کوئی اور کلمہ کہا' اس میں کھجوریں تھیں انہوں نے کھجوروں کا میوہ کھایا۔ جتنا انہوں نے ارادہ کیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ کھایا اس لشکر کی طرف سے ایک خوشخبری لانے والا آیا اور اس نے کہا یارسول اللہ! ہمارا جنگ کا معاملہ ایسے ایسے ہوا' فلاں فلاں آدمی شہید ہوگئے یہاں تک کہ اس نے وہ بارہ مرد گنے جن کا ذکر اس عورت نے کیا تھا' نبی علیہ السلام نے فرمایا عورت کو میرے پاس لاؤ تو وہ آ گئی' آپ نے فرمایا اس آنے والے کو اپنی خواب کا واقعہ سنا تو جب اس عورت نے واقعہ سنایا تو اس آنے والے نے کہا کہ واقعہ اسی طرح ہے' جس طرح اس عورت نے حضور ﷺ کو سنایا۔ اس کو روایت کیا احمد نے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

مذکورہ گیارہ عدد احادیث کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) بسا اوقات پریشان کن خواب کی وجہ سے بخار وغیرہ کوئی بھی تکلیف ہوسکتی ہے (۲) اکثر پریشان کن خوابیں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں لہٰذا فوراً تین بار بائیں طرف تھوکے اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے اور اس پریشان کن خواب کے بارے میں کچھ نہ سوچے' کوئی نقصان نہیں ہوگا (۳) نیک آدمی کی خوابیں اکثر اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ بدعمل لوگوں کی خوابیں اکثر پریشان کن اور بے تعلق ہوتی ہیں اور پھر کچھ خوابیں ایسی بھی آتی ہیں کہ جن کا کبھی زندگی میں واسطہ بھی نہیں پڑھا' یہ سب شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں (٤) قرب قیامت میں امام مہدی کا زمانہ ہوگا۔ مال کی فراوانی اور دلوں میں ایمان اور نور ہوگا' سب آدمی سچے اور عادل ہوں گے' اس زمانے کے لوگوں میں سے کسی کی خواب بھی جھوٹی نہیں ہوگی (٥) بری خواب کسی سے بیان نہیں کرنی چاہیے بلکہ وہی عمل کرنا چاہیے بائیں طرف تھوک کر لاحول ولا قوۃ پڑھے اور اگر ہو سکے تو کچھ نوافل پڑھے (٦) نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ بیڑیاں (ہاتھ کڑیاں) دیکھنا اچھا ہے اور گلے میں طوق کا دیکھنا برا ہے کیونکہ بیڑیوں سے مراد اسلام میں ثابت قدمی ہے اور طوق سے مراد بددینی کا پھندہ ہے (۷) مسلمان اپنے متعلق خود کوئی خواب دیکھے یا اس کے متعلق کوئی اور دیکھے اور خواب اچھی ہو تو اس کے لیے بہت بہتر ہے کیونکہ اچھی خواب نبوت کی چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے (۸) نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو آدمی مجھے خواب میں دیکھے یہ گمان نہ کرے کہ شیطانی خواب ہے کیونکہ میری شکل شیطان نہیں بن سکتا۔ (بعض عبارات ایسی بھی ملی ہیں کہ شیطان اللہ تعالیٰ کی شان کے متعلق ایسے نقشے بناتا ہے کہ خواب دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ رب تعالیٰ میرے ساتھ محو گفتگو ہے) حالانکہ وہ شیطانی خواب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی شکل اس لیے نہیں بن سکتا کہ جب بری خواب آئے تو شیطان انسان کے ساتھ کھیلتا ہے۔ ایسی خواب کسی کے سامنے ذکر نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے اس آدمی کو ڈانٹا کہ جس نے عرض کی کہ میں نے خواب دیکھی کہ میرا سر کٹ گیا ہے اور میں اس کے پیچھے چل رہا تھا (۹) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے خواب کی تعبیر بیان کرنے کا نبی پاک ﷺ سے اذن طلب کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے اذن سے اس کے

خواب کی تعبیر بیان کی جس کا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ تعبیر صحیح ہے اور کچھ تعبیر میں خطا ہے تو ابوبکر صدیق کے قسم دینے کے باوجود نبی پاک ﷺ نے آپ کی خواب میں خطا اور ثواب کو ذکر نہیں فرمایا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس تعبیر میں کئی ایک چیزیں قابل غور ہیں۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس انداز سے تعبیر بیان کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وہ قوت قدسیہ اور علوم ظاہریہ عطاء فرمائے تھے جس کی وجہ سے تمام صحابہ کرام اور حضور ﷺ کی موجودگی میں ایسی تعبیر بیان کی جس کے ایک ایک لفظ سے بھی انسان دنگ ہوجاتا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے ابر کے ٹکڑے سے اسلام مراد لیا اور اس سے ٹپکنے والے گھی اور شہد سے قرآن مجید اور اس کی حلاوت مراد لی۔ یہ تعبیر آپ نے اس لیے کی کہ اہل جنت اور بنواسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک نعمت ابر ہے۔ اسی طرح اسلام بھی دنیا و آخرت میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابر سے اسلام کی تعبیر کی کہ جس طرح ابر اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے اسی طرح اسلام بھی ایک رحمت ہے اور شہد کی تعبیر قرآن مجید سے اس لیے کی کہ شہد کے بارے میں قرآن مجید میں ہے' شفاء للناس اور قرآن مجید کے بارے میں بھی خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں وضاحت فرمائی: کہ "وننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمة للمؤمنين (الاسراء:۸۲) یعنی ہم نے قرآن مجید کو نازل فرمایا جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے" دوسری جگہ قرآن مجید میں آیا ہے "قد جاء تكم موعظة من ربكم وشفاء لما في الصدور (یونس:۵۷) یعنی تمہارے پاس اللہ کی کتاب آئی وعظ بن کر اور دلوں کی شفاء بن کر"۔ یہ جو میں نے خواب کی توضیح لکھی ہے یہ فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۶' کتاب التعبیر' باب من لم یری الرؤیا۔ تو آپ نے دیکھا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کس قدر علم اور قوت قدسی عطاء فرمائی ہے اور کس قدر قرآن مجید میں درس عطا فرمایا ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خواب کے بارے میں جو فرمایا کہ اس میں کچھ خطا اور کچھ صواب ہے تو اس کے متعلق بھی فتح الباری میں اسی مقام پر محدثین کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ نبی پاک علیہ السلام نے جو فرمایا کہ خطا ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کی موجودگی میں ان کی تعبیر بیان نہیں کرنی چاہیے تھی لیکن آپ نے جو تعبیر بیان فرمائی ہے اس میں کوئی خطا نہیں جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

قال ابن هبيرة انما كان الخطاء لكونه اقسم ليعبرنها بحضرة النبي ﷺ ولو كان الخطاء في التعبير لم يقره عليه.

ابن ہبیرہ نے کہا کہ خطا اس بات میں ہے کہ آپ نے نبی علیہ السلام کی موجودگی میں تعبیر بیان فرمائی' اگر تعبیر میں خطا ہوتی تو نبی علیہ السلام خطا پر ٹھہرنے دیتے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۶' کتاب التعبیر' باب من لم یری الرؤیا مطبوعہ مصر)

اور بعض نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے جو فرمایا اس میں کچھ خطا ہے تو اس سے مراد یہ ہے:

ويحتمل ان يكون خطاؤه في ترك تعيين [illegible] المذكورين فلو ابر قسمه للزم ان يعينهم ثم يؤمر بذلك اذلو عينهم لكان نصا على خلافتهم وقد سبقت مشية الله ان الخلافة تكون على هذا الوجه فترك تعيينهم خشية ان يقع في ذلك مفسدة وقيل هو علم غيب فجاز ان يختص به ويخفيه عن غيره وقيل المراد لقوله اخطأت

احتمال ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خطا مذکورہ افراد کی تعیین کے ترک میں اور اگر نبی پاک ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قسم سے بری کر دیتے تو لازم آتا کہ آپ ان خلفاء کی تعیین فرماتے (یعنی ابوبکر صدیق بعد عمر فاروق و عثمان غنی و علی علیہم الرضوان) حالانکہ اس کی آپ کو اجازت نہیں دی گئی اگر آپ ان کی تعیین فرماتے تو پھر ان کی خلافت پر نص ہوجاتی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ازلی پر سبقت کرچکی ہے کہ خلافت جو ہے وہ معین نہیں

واصبت ان تعبیر الرؤیا مرجعه الظن والظن یخطئ ویصیب.

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۶۷ کتاب التعبیر 'باب من لم یری الرؤیا' مطبوعہ مصر)

ہوگی تو نبی پاک ﷺ نے اس خوف سے ان کی تعیین نہیں فرمائی تا کہ اس میں فساد واقع نہ ہو۔ ایک یہ احتمال بھی ہے کہ یہ بات علم غیب کی ہے اور جائز ہے کہ آپ کی خصوصیات سے ہو اور غیر سے مخفی رکھنا ضروری ہو اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا تو نے خطا بھی کی (تو آپ نے اس لیے یوں فرمایا) کیونکہ خواب کی تعبیر کا مرجع ظن ہے اور ظن جو ہے کہ یہ خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے۔

تو نبی پاک ﷺ نے جو ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ تو نے خطا بھی کی اور صواب بھی پایا' اس کے چند احتمال ہم نے ذکر کیے جن میں سے ہر ایک کافی وشافی ہے۔

اشکال: مسلم شریف کی مذکورہ احادیث میں ایک حدیث یہ بھی گزری ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ مسلمان کی اچھی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ یعنی چھیالیس اجزاء میں سے ایک جُز اچھے خواب ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہر نیک مسلمان میں پایا جاتا ہے کیونکہ اکثر وبیشتر نیک لوگوں کے خواب اچھے ہوتے ہیں۔ للہذا نبوت تقسیم ہو رہی ہے کہ جس کا ایک حصہ نیک امتیوں میں پایا جاتا ہے اور یہ خلاف شرع بلکہ یہ عقیدۂ کفر کے قریب ہے۔

جواب اوّل: اس مذکورہ اشکال کے محققین نے کافی جوابات دیئے ہیں لیکن میں اختصار کے پیش نظر صرف تین جوابات پر اکتفا کرتا ہوں۔ جواب اوّل یہ ہے کہ جس کو شارح مسلم علامہ ابی مالکی نے یوں نقل کیا ہے۔

نبی پاک ﷺ کو مختلف طریقوں سے علم عطا کیا گیا اور حصول علم کے طریقوں میں سے ایک طریقہ سچے خواب دکھانا ہے اور باقی طریقوں کے مقابلہ میں خواب چھیالیسواں حصہ ہے۔ یعنی آپ کو چھیالیس طریقوں سے علم عطا کیا گیا جن میں سے ایک طریقہ سچے خواب دکھانا تھا اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ باقی پینتالیس طریقے بھی علماء کو معلوم ہو جائیں کیونکہ علماء کے لیے ہر چیز کا اجمالی یا تفصیلی علم لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علماء کے علم کے لیے ایک حد مقرر کی ہے۔ سو بعض چیزوں کا انہیں بالکل علم نہیں ہوتا اور بعض چیزوں کا صرف اجمالی علم ہوتا ہے اور تفصیلی علم نہیں ہوتا۔

(اکمال اکمال المعلم مصنف محمد بن خلفۃ ابی مالکی ج ۶ ص ۳۷ کتاب الرؤیا 'مطبوعہ مکتبہ علمیہ بیروت)

جواب ثانی

ویحتمل عندی وجه آخر وهو ان ثمرة الرؤیا انما هو الاخبار بالغیب تبسیرا انذارا والاخبار بالغیب احد فوائد النبوة ولیس بلازم لها ولا مقصود فیها او یجوز ان یبعث نبی تشریع الاحکام فقط ولا یکون ذلک قد حافی نبوته وهذا الجزء وهو الاخبار بالغیب فی جنب فوائدها المقصودة یسیر فبین ﷺ نسبة ما اطلعه الله علیه من فوائدها بذلک القدر لانه یعلم من حقائق نبوته ما لا نعلمه

حضرت امام ابی رحمۃ اللہ علیہ اپنی طرف سے جواب فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ خوابوں کا ثمرہ وہ اخبار بالغیب ہے۔ خوشخبری کے لیے یا ڈرانے کے لیے اور غیب کی خبریں دینا نبوت کے فوائد میں سے ایک فائدہ ہے۔ لیکن یہ اس کے لیے لازم نہیں ہے۔ کیونکہ جائز ہے کہ ایک نبی کو فقط احکام تشریعہ کے لیے بھیجا جائے اور یہ نبی کی شان نبوت میں اعتراض کی بات نہیں ہے اور یہ اخبار بالغیب جو ہیں یہ نبوت کے فوائد مقصد کے لیے ایک جانب تھوڑا سا حصہ ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے ان اخبار بالغیب کو نسبت دی ان

نحن و الجزء من النبوة وهو الاخبار بالغيب فى جنب فوائدها المقصودة اذا وقع من النبى لايقع الاحقا بخلاف الرؤيا من غيره فانها قدتكون من الشيطان اومن حديث النفس۔ (اکمال اکمال المعلم معنونہ بن خلفہ ابی مالکی ج۶ ص۲۷ کتاب الرؤیا مطبوعہ مکتبہ علمیہ۔ لبنان)

علوم کے مقابلہ میں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان پر مطلع فرمایا کہ جو حقائق نبوت سے ہیں کہ جن کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور پھر اخبار بالغیب جو نبوت کے فوائد مقصودہ کی ایک جانب میں واقع ہیں اگرچہ یہ فوائد نبوت کے حقائق سے نہیں پھر بھی جب نبی کی خواب میں کذب کا احتمال نہیں تو یہ نبوت کے ساتھ ایسی مختص ہیں کہ ان جیسی خوابیں غیر کو نہیں آ سکتیں کیونکہ ولی غوث اور صحابہ وغیرہ کی خوابیں جو ہیں ان میں کذب کا بھی احتمال ہے اور نفس شیطان کا بھی ان میں دخل ہو سکتا ہے (لہٰذا مومن کی خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے تو یہ بطور مجاز ہے)۔

جواب ثالث: وہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ پر متعدد طریقوں سے وحی نازل ہوتی کبھی آپ بلا واسطہ اللہ کا کلام سنتے۔ بعض مرتبہ پردے کی اوٹ سے اللہ کا کلام سنتے کبھی فرشتہ کے واسطہ سے سنتے' کبھی آپ کے قلب میں کسی معنیٰ کا القاء کر دیا جاتا۔ کبھی آپ کے پاس فرشتہ اپنی اصل صورت میں آتا' کبھی وہ کسی معروف آدمی کی شکل میں آتا' کبھی اجنبی شخص کی شکل میں آتا' کبھی جبرائیل' کبھی اسرافیل اور کبھی کوئی اور فرشتہ آتا۔ کبھی جنتوں کی آواز کی شکل میں وحی آتی' کبھی گھنٹی کی آواز کی شکل میں وحی آتی اور کبھی آپ کو خواب دکھایا جاتا۔ غرض نزولِ وحی کے متعدد طریقے تھے اور خواب دکھایا جانا ان میں سے چھیالیسواں طریقہ تھا۔ یعنی نزولِ وحی کے پینتالیس دیگر طریقے تھے اور ایک طریقہ سچے خواب دکھانے کا تھا۔ (اکمال اکمال المعلم ج۶ ص۵ کتاب الرؤیا مطبوعہ مکتبہ علمیہ۔ لبنان)

مذکورہ تین جوابوں کا خلاصہ

تئیس سال تک نبی علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی جس سے پہلے چھ ماہ آپ کو سچی خوابیں آئیں۔ اس طرح خوابیں چھیالیسواں حصہ بن گئیں نزولِ قرآن کا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خوابیں وہ سچی خوابیں ہیں کہ جن کی مثل کسی کی خوابیں نہیں ہو سکتیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ان خوابوں کو چھیالیسوں حصہ نبوت کا قرار دیا گیا تو وہ تعداد کے اعتبار سے ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خوابوں کا سچا ہونا جو ہے یہ صفت اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے نیک بندوں کو عطا فرماتا ہے تو یہ عطائی وصف ہے لہٰذا اس کو نبوت کی جز قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جس کا معنیٰ یہ لیا جائے کہ نبوت کی ایک جزو اللہ کے نیک بندوں میں پائی جاتی ہے اور دوسرا اس کو چھیالیسواں حصہ اس لیے قرار دیا گیا کہ خواب میں غیب کی خبریں پائی جاتی ہیں اور غیب کی خبروں کا پایا جانا نبی پاک ﷺ کے کمالات کا ایک حصہ ہے۔ اس لیے یہ بھی عطائی طور پر نیک امتیوں کو حاصل ہے اور اس کے علاوہ چھیالیسویں حصے سے مراد یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کو جو علم حاصل ہوا ہے اُن طریقوں میں سے ایک سچی خوابوں کا طریقہ بھی ہے۔ بہر صورت اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کو یہ صفت عطاء فرمائی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سمیع' بصیر' اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت تقسیم ہو کر بعض بندوں میں داخل ہو گئی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نوٹ: مومن کی خواب کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بعض روایات میں پینتالیسواں حصہ' بعض میں سترواں حصہ' بعض میں پچاسواں حصہ' بعض میں چوالیسواں حصہ' بعض میں بیالیسواں حصہ' بعض میں پچیسواں حصہ' بعض میں چھبیسواں حصہ اور بعض میں ستائیسواں حصہ مذکور ہے اور محدثین نے ہر ایک کی تاویلیں بیان کی ہیں۔ علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں سب روایات میں تاویل کی رُو سے اقویٰ چھیالیسویں حصے والی روایت [illegible] من المحدثين من ستة اربعين

یعنی محدثین میں سے جو محققین ہیں ان کے نزدیک چھیالیسویں حصے والی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے'' اور قاضی عیاض نے یہ کہا ہے کہ ان چھیالیس اجزاء سے نبوت کی چھیالیس صفات مراد ہیں اور سچا خواب دیکھنا ان صفات میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ میانہ روی' آہستگی اور اطمینان سے کام کرنا اور اچھا راستہ اختیار کرنا نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ حلیمی کے قول کے مطابق نقل کیا ہے کہ نبوت کے چھیالیس اجزاء سے مراد نبوت کے چھیالیس خصائص ہیں اور سچا خواب ان خصائص میں سے ایک ہے اور ان خصائص کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرنا (۲) الہام بلا کلام یعنی حواس اور استدلال کے واسطہ کے بغیر اپنے دل میں کسی چیز کے علم کا حاصل ہونا (۳) فرشتہ کو دیکھ کر اور اس سے ہم کلام ہو کر وحی کا حاصل ہونا (٤) فرشتہ کا آپ کے دل میں وحی القاء کرنا (۵) عقل کا کامل ہونا کہ اس کو کوئی عارضہ لاحق نہ ہو (٦) قوت حس کا کمال حتیٰ کہ طویل سورت کو سنتے ہی یاد کر لینا بایں طور کہ اس کا کوئی حرف بھی بھولنے نہ پائے (۷) اجتہادی خطا سے محفوظ رہنا (۸) عقل وفہم کی غیر معمولی ذکاوت جس کی وجہ سے انہیں استنباط مسائل کی مہارت ہوتی ہے (۹) غیر معمولی قوت بصارت جس کی وجہ سے زمین کے کونے میں کھڑے ہو کر دوسرے کونے کی اشیاء دیکھ لیتے ہیں (۱۰) غیر معمولی قوت سامعہ جس کی وجہ سے وہ دُور دراز کی ان آوازوں کو سُن لیتے ہیں جن کو دوسرے نہیں سُن سکتے (۱۱) غیر معمولی قوت شامہ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسافت بعیدہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لی (۱۲) غیر معمولی جسمانی قوت حتیٰ کہ وہ ایک رات میں تیس راتوں کی مسافت طے کر لیتے ہیں (۱۳) آسمان کی طرف عروج کرنا (۱٤) گھنٹی کی آواز کی طرح وحی کا نزول (۱۵) بکریوں کا آپ سے بات کرنا (۱٦) درختوں کا آپ سے بات کرنا (۱۷) ستون کا آپ سے بات کرنا (۱۸) پتھروں کا آپ سے بات کرنا (۱۹) بھیڑیا کا آپ سے بات کرنا (۲۰) اونٹ کا آپ سے کلام کرنا (۲۱) متکلم کو دیکھے بغیر اس کا کلام سننا (۲۲) جنات کا مشاہدہ کرنا (۲۳) اشیائے غیبیہ کو متمثل کرنا جیسا کہ معراج کے موقع پر بیت المقدس کی مثال آپ کے سامنے حاضر کی گئی (۲٤) کسی حادثہ کے اسرار کو جان لینا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے اونٹنی کے بیٹھنے کی وجہ جان لی (۲۵) کسی کے نام سے کسی چیز پر استدلال کرنا کیونکہ جب سہیل بن عمرو آیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے معاملہ سہل کر دیا (۲٦) کسی آسمانی چیز کو دیکھ کر زمین کے وقوعہ پر استدلال کرنا' جیسا کہ آپ نے فرمایا یہ بادل بنو کعب کی امداد کے لیے برس رہا ہے (۲۷) پس پشت دیکھنا (۲۸) مرنے والے کے متعلق کسی چیز کی خبر دینا جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں وہ حالتِ جنابت میں شہید ہوئے (۲۹) کسی چیز سے مستقبل کی فتح پر استدلال کرنا جیسا کہ یوم خندق میں ہوا (۳۰) دنیا میں دوزخ اور جنت کو دیکھنا (۳۱) فراستِ کاملہ (۳۲) درخت کا آپ کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ آپ کے حکم سے ایک درخت اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا آیا اور پھر واپس چلا گیا (۳۳) ہرن کا آپ سے شکایت کرنا (۳٤) خواب کی ایسی تعبیر بیان کرنا جس میں خطا کا احتمال نہ ہو (۳۵) اندازے سے بتا دینا اس درخت پر اتنے وسق کھجور ہوگی (جیسا کہ جنگ تبوک کے موقع پر آپ نے اس طرح اندازہ لگایا جو بالکل صحیح نکلا) (۳٦) احکام کی ہدایت دینا' (یعنی آسمانوں سے جو احکام نازل ہوئے) نبی علیہ السلام نے امت کو پہنچائے (۳۷) دین ودنیا کی سیاست کی ہدایت دینا (یعنی آپ نے دین کے حقائق بھی بیان کئے اور ان کے فوائد بھی بیان کیے اور دنیا کے معاملات میں بھی جو بھی آپ نے بتایا صحیح نکلا) اور جو راہ دکھایا اس پر چل کر صحابہ کرام نے کثیر فتوحات حاصل کیں (۳۸) عالم کی ہیئت اور ترکیب کی ہدایت دینا (۳۹) طبی اعتبار سے اصلاح بدن کی ہدایت دینا (٤۰) عبادت کے طریقوں کی ہدایت دینا (٤۱) مفید صنعتوں کی ہدایت دینا (٤۲) آئندہ واقعات پر آپ کا مطلع ہونا (٤۳) گزرے ہوئے زمانے کے واقعات کی خبر دینا جن پر مطلع ہونے کا کوئی معروف ذریعہ نہ تھا (٤٤) لوگوں کے دلوں کی باتوں اور پوشیدہ امور پر مطلع ہونا (٤۵) استدلال

کے طریقوں کی تعلیم دینا (٤٦) حسنِ معاشرت کے طریقوں پر مطلع ہونا۔

تنبیہ: قارئین کرام! علامہ حلیمی نے جن چھیالیس خصائص کا ذکر کیا ہے میرے خیال میں اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور انہوں نے چھیالیس ذکر کرنے کے ساتھ سچی خوابوں کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی کا تذکرہ ہو رہا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے آپ ﷺ کے تمام خصائص کا ذکر نہیں کیا آپ کے خصائص تو بے شمار ہیں جن پر احادیث صحیحہ اور قرآن شاہد ہے۔ جیسے گیارہ بیویاں کرنا آپ کا خاصہ ہے۔ اُمتی کے لیے جائز نہیں اور کسی چیز حرام کو حلال قرار دینا اور حلال کو حرام قرار دینا۔ جیسا کہ حدیث میں موجود ہے حرم مکہ کے بارے میں جب آپ نے حرام کاموں کا ذکر فرمایا یعنی شکار کرنا حرام ہے درخت کاٹنا حرام ہے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کر دی: الا الاذخر یارسول اللہ! یعنی یارسول اللہ! ﷺ آپ مکہ کی چیزوں کو کاٹنا حرام قرار دے رہے ہیں آپ اذخر بوٹی کے کاٹنے کو حرام قرار نہ دیں یہ گھروں میں کام آتی ہے لوہاروں اور سناروں کے کام آتی ہے تو آپ نے فرمایا: الا الاذخر یعنی درخت وغیرہ سب کا کاٹنا حرام ہے مگر اذخر بوٹی کا کاٹنا حرام نہیں ہے یعنی آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کر دی کہ اسے حرام قرار نہ دیں آپ نے اسے حرام قرار نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حلت و حرمت کا اختیار اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے اور اسی طرح ایک اور واقعہ حدیث مشہور میں مذکور ہے کہ ایک سائل نے عرض کی: هلکت یارسول اللہ! یارسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا' آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ عرض کی حضور نفس نے مجبور کیا تو میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا آپ نے اس کے متعلق قرآنی حکم سنا دیا کہ ١- غلام آزاد کرو ٢- یا ساٹھ روزے رکھو ٣- یا ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔ تو اس نے عرض کی یارسول اللہ! غلام میرے پاس نہیں' ساٹھ روزے رکھنا میرے لیے مشکل ہیں' میں غریب آدمی ہوں ساٹھ مسکینوں کو کھانا بھی نہیں کھلا سکتا۔ کچھ دیر کے بعد ایک آدمی کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا' وہ کھڑا ہو گیا' آپ نے فرمایا: کھجوروں کا ٹوکرا لے لو اور مدینہ شریف کے کناروں کے درمیان جو غریب ہیں ان میں تقسیم کر دو تو تمہارا گناہ معاف۔ اس نے عرض کی کہ مدینے کے دونوں کناروں کے درمیان مجھ سے زیادہ کوئی غریب نہیں' آپ نے فرمایا: ٹوکرا اٹھا لو تم کھاؤ' تمہاری اولاد کھائے اور تمہاری بیوی کھائے تمہارا گناہ معاف۔ یہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ قانونِ خداوندی تو یہی ہے کہ جب کوئی جان بوجھ کر روزہ توڑے اس کا کفارہ دینا ضروری ہے اور جب تک کفارہ ادا نہ کرے اس پر بیوی حرام ہے تو نبی پاک ﷺ نے ایسا کرنے کرنے والے کے لیے بغیر دیئے کسی ایک چیز کے اس کے لیے بیوی حلال قرار دی۔ بلکہ ایک ٹوکرا کھجوروں کا بھی ساتھ دے دیا۔ یہ حضور ﷺ کا خاصہ ہے' کسی اور کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ بھی ایسا کر سکے۔ بلکہ اب اگر کوئی یہ فتویٰ دے دے کہ ساٹھ روزوں کی جگہ اُنسٹھ روزے رکھ لے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور احادیث میں ایک تیسرا واقعہ آپ کے خصائص سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی قربانی کرنا چاہے وہ نماز عید پڑھ کر کرے۔ اگر عید سے پہلے قربانی کرے گا تو اس کی قربانی نہیں ہوگی بلکہ کھانے کا گوشت ہی ہوگا۔ غالباً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے مہمانوں کی وجہ سے نماز عید سے پہلے قربانی کر ڈالی' اب کیا ہونا چاہیے؟ اور اب میرے پاس دوسری قربانی کا انتظام بھی نہیں ہے البتہ میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے کہ جس کی عمر چھ ماہ ہے۔ حالانکہ قانون شرعی یہ ہے کہ بکرا جب تک سال کا نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں لیکن تیرے لیے میں جائز قرار دیتا ہوں اور یہ کسی کے لیے جائز نہیں۔ تو مذکورہ تین واقعات نے ثابت کر دیا کہ نبی علیہ السلام کے خصائص بے شمار ہیں۔ علامہ حلیمی نے چھیالیس خصائص کا ذکر کرتے ہوئے نبوت کے چھیالیس حصوں کا ذکر کر دیا۔

علامہ حلیمی نے جو آپ کے چھیالیس خصائص ذکر کیے ہیں وہ عقائد اہل سنت کی پُرزور تائید ہے

نبی پاک ﷺ کے خصائص میں سے ایک چیز ذکر کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو یہ قوت عطا فرمائی کہ آپ مذہن

کے ایک کونے پر کھڑے ہوکر پوری زمین کے کونوں کو دیکھ لیتے ہیں اور یہی اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ نبی پاک ﷺ ساری کائنات کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح ہاتھ کی ہتھیلی ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے جو کہ صحاح میں بھی مذکور ہے کہ جب پروردگار عالم نے معراج کی رات میرے دوشانوں کے درمیان اپنا دستِ قدرت جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے رکھا تو میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی لہٰذا ''فتجلّٰی لی کل شیء یعنی میرے لیے ہر چیز روشن ہوگئی'' اور میں ہر چیز کو ایسے دیکھنے لگا جیسے ہاتھ کی ہتھیلی ہے۔ تو یہی ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خدا کی خدائی میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو چکا ہے وہ سب نبی پاک ﷺ کے علم میں ہے' اسی کا نام وما کان ومایکون ہے اور ان خصائص میں علامہ حلیمی نے ایک خاصہ آپ کا یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ دور دراز کی آوازیں سُن لیتے تھے اور حدیث میں موجود ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آسمان کے دروازے بند ہونے کی میں آواز سُنتا ہوں اور لوح محفوظ پر جو قلم چلتا ہے میں اس کی بھی آواز سُنتا ہوں۔ نبی علیہ السلام کی ذات تو وراء الوریٰ ہے۔ حدیث میں یہاں تک موجود ہے کہ مرغ جو پہلی اذان کہتا ہے تو یہ بیت المعمور کے فرشتے کی اذان سُن کر کہتا ہے اور مشہور روایت کے مطابق زمین سے لے کر آسمان تک پانچ سو سال کا راستہ ہے اور پانچ سو سال کا راستہ اس کی موٹائی ہے تو اس طرح بیت المعمور ہزار سال کی مسافت سے زمین سے دُور ہوا اور پوری زمین کی اتنی مسافت نہیں ہے تو جب مرغ کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے کہ وہ ہزار سال کے سفر کی دُوری سے فرشتے کی آواز سُن لیتا ہے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا لیکن جب ہم محبت سے رسول اللہ ﷺ کی ذات پر درود پڑھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور ہماری آواز کو سُنتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے ایسا نہیں ہوسکتا۔ اب تو جدید سائنس کا زمانہ ہے۔ ریڈیو ٹی۔ وی پر ایک جگہ بیٹھ کر سب مقامات کی آوازیں سُن سکتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے لیے یہ نہیں مانتے؟ وہ کہتے ہیں کہ دور دراز کی آوازوں کو ایک آلہ کے واسطے سے سُنتے ہیں بغیر اس آلہ کے نہیں سُن سکتے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا اگر یہ اسی آلہ جات کی یہ قوت اور طاقت ہے کہ جس کے واسطے سے تم مشرق و مغرب کی آوازیں سُنتے ہو تو کیا آلۂ نبوت کی بھی کوئی طاقت وقوت ہے اور پھر حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ میری قبر پر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو پوری کائنات کے درود شریف سُن کر مجھ تک پہنچائے گا اور بڑی تفصیل کے ساتھ بتائے گا کہ فلاں بن فلاں نے یہ درود شریف پڑھا ہے تو کسی کو اس پر اعتراض نہیں بلکہ یوں کہیں کہ نبی علیہ السلام تو نہیں سُنتے' فرشتہ آپ کو پہنچاتا ہے تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر کسی کا پوری کائنات کی آوازیں سُننے کا عقیدہ رکھنا شرک ہے یا نہیں ہے۔ جب کہ شرک نہیں ہے تو حضور ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے سب کائنات سے زیادہ قوت سامعہ عطا فرمائی ہے۔ اس لیے علامہ حلیمی نے اس کو حضور کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کہنا کہ جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی کریم علیہ السلام کو یارسول اللہ کہا جائے اور رسول اللہ کو حاضر ناظر جان کر یہ کہے یعنی حضور میری آواز سُن رہے ہیں یہ کُفر ہے جب کہ فتاویٰ رشیدیہ ص ٦٦ میں لکھا ہوا ہے۔ ان خصائص میں سے علامہ حلیمی نے ایک خلاصہ یہ لکھا ہے کہ لوگوں کی دلوں کی باتوں اور پوشیدہ امور پر مطلع ہونا اور کثیر تعداد میں ایسے واقعات حدیث میں مذکور ہیں نبی پاک ﷺ نے لوگوں کی دلوں کی باتوں کا ظاہر فرمایا۔ جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں آپ کے چچا عباس نے جب عرض کی جو آپ قیدیوں کے رہا کرنے کے لیے لگا رہے ہیں وہ میں ادا نہیں کرسکتا کیونکہ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا جب تم مکے نکلے تو میری چچی سے کیا مشورہ کیا تھا' کیا تم نے یہ بات نہیں کہی تھی کہ میں جنگ پر جارہا ہوں اور اگر میری موت واقع ہوجائے تو یہ پونجی میں چھوڑ کر جارہا ہوں جس میں درہم و دینار اور سونا چاندی موجود ہے' اسے تم اپنے صرف میں لے آؤ۔ اسی طرح حبیب یمنی نے جب عرض کی کہ میرے دل میں ایک بات ہے اگر وہ پوری ہوجائے تو میں آپ کی تصدیق کروں گا' آپ نے فرمایا: تیری مرضی اگر تو چاہے تو' تو بیان کر ورنہ میں بیان کردیتا ہوں۔ اس نے عرض کیا: آپ ہی بیان فرمادیں'

آپ نے فرمایا: تیری ایک بیٹی ہے جو سر سے گنجی ہے' آنکھوں سے اندھی' زبان سے گونگی اور ٹانگوں سے اپاہج ہے وہ صحیح ہو جائے۔ حبیب عجمی نے عرض کی کہ یہ بات بالکل صحیح ہے نیکی میرے دل میں آ گئی' آپ نے سر کو نیچا کیا اور ایک منٹ کے بعد سر کو اٹھایا اور فرمایا تیری بیٹی صحیح ہو گئی ہے۔

نبی علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت شریف کو چھوڑ کر دوسری صورتوں میں دیکھنے کی تحقیق

نبی علیہ السلام نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل نہیں بن سکتا اور دوسری حدیث میں یوں ہے جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔ لہٰذا اس میں شک نہیں کرنا چاہیے۔ علماء کا اس میں اگرچہ اختلاف ہے کہ نبی پاک ﷺ کو کسی دوسری شکل میں دیکھنا کہ جیسے کوئی آدمی نبی علیہ السلام کو خواب میں سفید ریش دیکھے یا جو رنگ شریف آپ کا حدیث پاک میں مذکور ہے اس کے خلاف کسی دوسرے رنگ میں آپ کو دیکھے یا جو لباس آپ کا معمول شریف تھا اس کے خلاف لباس کو دیکھے تو بعض کہتے ہیں کہ اس نے نبی پاک ﷺ کو ہی دیکھا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا۔ اس میں شیطان کو بھی دخل نہیں ہے لیکن قوت متخیلہ نے اپنی طرف سے ایک صورت گھڑ لی ہے کہ جس کو دیکھنے والا دیکھ رہا ہے تو گویا کہ اس نے نبی علیہ السلام کی زیارت نہیں کی۔ اسی لیے فتح الباری میں یوں مذکور ہے۔

عن ایوب قال کان یعنی محمد بن سیرین اذاقص علیه رجل انه رای النبی ﷺ قال صف لی الذی رأیته فان وصف له صفة لایعرفها قال لم تره وسنده صحیح ووجدت له مایؤیده فاخرج الحاکم من طریق عاصم بن کلیب حدثنی ابی قال قلت لابن عباس رایت النبی ﷺ فی المنام قال صفه لی قال ذکرت الحسن بن علی فشبهته به قال قد رأیته وسنده جید. (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۸۴ کتاب الرؤیا باب من رای النبی ﷺ فی المنام مطبوعہ مصر)

ایوب سے روایت ہے کہ امام محمد بن سیرین کے سامنے جب کوئی شخص یہ بیان کرتا کہ اس نے نبی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے تو آپ اس سے کہتے کہ مجھے آپ کی صفات بیان کرو۔ اگر وہ شخص آپ کی کوئی ایسی صفت بیان کرتا جو محمد بن سیرین کے علم میں نہ ہوتی تو آپ فرما دیتے کہ تو نے نبی پاک ﷺ کو نہیں دیکھا۔ اس حدیث کی سند مضبوط اور صحیح ہے۔ اس کی تائید میں حاکم کی ایک یہ روایت ہے کہ جس کو عاصم بن کلیب نے اپنے باپ سے روایت کیا اور ان کے باپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں نے نبی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے' ابن عباس نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام کی صفت بیان کرو' میں نے عرض کی آپ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے مشابہ تھے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم نے واقع ہی حضور ﷺ کو دیکھا ہے اور اس حدیث کی سند بھی جید ہے۔

قارئین کرام! محمد بن سیرین اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول جس کا یہاں ذکر ہوا کہ اگر کوئی نبی علیہ السلام کی زیارت کا خواب میں ذکر کرتے تو اگر وہ آپ کی صورت کے مطابق ذکر کرتا تو فرماتے صحیح ہے ورنہ کہہ دیتے کہ تم نے حضور ﷺ کو نہیں دیکھا۔ اس کا دارومدار وہی حدیث ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے دیکھا۔ لیکن اس حدیث کی تاویل میں ایک لفظ کا اضافہ فرما دیا: جس نے مجھے خواب میں میری صورت میں دیکھا اس نے مجھے دیکھا۔ یعنی جس نے مجھے میری صورت میں نہیں دیکھا اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ لیکن دوسرے سلف صالحین نے نہ تو یہ تاویل کی ہے کہ جس نے میری صورت میں مجھے دیکھا اس نے مجھے دیکھا بلکہ اس کو مطلق رکھا جس [illegible] مجھ کو دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا جس کا معنی یہ ہے

کہ اس نے جس صورت میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔ ان حضرات میں عبداللہ بن عباس اور محمد بن سیرین کے مقابلہ میں اگرچہ وہ حدیث ضعیف حدیث ہی ہے کیونکہ وہ حدیث کے اطلاق کو قائم رکھتی ہے۔ اس لیے انہوں نے نبی علیہ السلام کی حدیث کے الفاظ کو اپنی حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اس ضعیف حدیث کے ساتھ اس کی تائید پیش کی۔ ''فتح الباری'' میں یوں منقول ہے:

ویعارضه ما اخرجه ابن ابی عاصم من وجه آخر عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من رأنی فی المنام فقد رأنی فانی اری فی کل صورة وفی سنده صالح مولی التوامة وهو ضعيف.

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۳' کتاب الرؤیا باب من رای النبی ﷺ فی المنام' مطبوعہ مصر)

ابن ابی عاصم نے مذکورہ حدیث کی ایک دوسری تخریج کی جو کہ پہلے کے خلاف ہے جو ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ میں ہر صورت میں نظر آتا ہوں' اس حدیث کی سند میں صالح نامی جو راوی ہے وہ ضعیف ہے۔

تو اب یہ حدیث پہلی کے خلاف ہے کیونکہ اس کا معنی یہ نکلتا ہے کہ جس صورت میں نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھنے والا دیکھتا ہے وہ آپ کو ہی دیکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں نبی ﷺ کے واضح الفاظ موجود ہیں کہ میں ہر صورت میں نظر آتا ہوں۔ لیکن بعض اکابرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ممکن ہے۔ جیسا کہ ابن حجر نے قاضی ابن مبارک بن عربی کا قول یوں نقل کیا ہے:

قال القاضی ابوبکر بن العربی رؤية النبی ﷺ بصفة المعلومة ادراک علی الحقيقة ورؤيته علی غير صفته ادراک للمثال فان الصواب ان الانبياء لا تغيرهم الارض ويكون ادراک الذات الكريمة حقيقة وادراک الصفات ادراک المثل قال وشذ بعض القدرية فقال الرؤيا لاحقيقة لها اصلا وشذ بعض الصالحين فزعم انها تقع بعينی الرأس حقيقة. (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۳' کتاب الرؤیا' باب من رأی النبی ﷺ فی المنام' مطبوعہ مصر)

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا کہ نبی پاک ﷺ کو صفت معروفہ معلومہ کے ساتھ دیکھنا یہ حقیقت اور ادراک ہے اور آپ کی صفت معروفہ کے علاوہ دوسری صفات میں آپ کو دیکھنا یہ مثل کا ادراک ہے۔ کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی تبدیل نہیں کرتی۔ اس لیے ذات کریمہ کا ادراک حقیقت کا ادراک ہوگا اور صفات کا ادراک مثل کا ادراک ہوگا اور قدریہ نے اس میں بہت کمی کی اور یہاں تک کہہ دیا (جب کوئی آدمی نبی ﷺ کو صفت معروفہ پر نہ دیکھے) تو حقیقت میں وہ خواب ہی نہیں ہے اور بعض صالحین نے اس میں زیادتی کی ہے' انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ جو آدمی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہے وہ اپنے سر کی آنکھوں سے حضور کو دیکھتا ہے۔

یاد رہے قاضی ابوبکر وغیرہ وہ حضرات جو حدیث کے اطلاق کو قائم رکھتے ہیں وہ مذکورہ سوالوں کی تاویل کرتے ہیں یعنی ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کو سفید ریش دیکھتا ہے اور دوسرا آپ کو سیاہ ریش دیکھتا ہے' وہ کہتے ہیں کہ ان صفات کا اطلاق جو ہے یہ حقیقت کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان میں تطبیق ممکن ہے کہ جس نے آپ کو سیاہ بالوں میں دیکھا اس نے آپ کی زیارت اس زمانے کی' کی ہے جب آپ نے دعویٰ نبوت فرمایا اور جس آدمی نے آپ کو سفید ریش دیکھا تو اس نے گویا آپ کو اس زمانے کی عمر میں دیکھا جو صلح حدیبیہ کے وقت میں تھی۔ جبکہ آپ ﷺ پر بڑھاپا طاری ہو چکا تھا۔ اس لیے ان حضرات نے خواب میں صورت معروفہ کے علاوہ دوسری صورت میں دیکھنے والے کا یہ جواب بھی دیا ہے کہ خواب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو قابل تاویل نہیں۔ جیسے کہ خواب

دیکھنے والے نے رسول اللہ ﷺ کو صورت معروفہ پر دیکھا اور اگر اس نے غیر معروفہ میں دیکھا تو یہ دوسری قسم ہے اس میں تاویل کی ضرورت ہے۔ بہرصورت ان دونوں نے آپ کو ہی دیکھا ہے۔ فتح الباری میں یوں منقول ہے:

بل الصحیح انہ یراہ حقیقۃ سواء کانت علی صفۃ المعروفۃ او غیرھا انتھی ولم یظھرلی من کلام القاضی ما ینافی ذلک بل ظاھر قولہ انہ یراہ حقیقۃ فی الحالین لکن فی الاولی تکون الرؤیا مما لایحتاج الی تعبیر والثانیۃ مما یحتاج الی التعبیر. (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۷۲ کتاب الرؤیا باب من رای النبی ﷺ فی المنام مطبوعہ مصر)

بلکہ صحیح یہی ہے اس نے حقیقتاً آپ کو ہی دیکھا ہے چاہے صفت معروفہ پر دیکھا ہو یا اس کے غیر پر دیکھا ہو (اور امام نووی فرماتے ہیں) کہ قاضی کی کلام سے مجھے کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جو اس کے منافی ہو بلکہ ظاہر یہی ہے کہ دونوں حالتوں میں اس نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا ہے لیکن پہلی صورت کے لیے تعبیر کی محتاجی نہیں ہے اور دوسری میں تعبیر کی محتاجی پڑے گی۔

اور امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے "عمدۃ القاری" میں یوں لکھا ہے:

وجاء ما یدل علی بقاء جسمہ علیہ السلام وان الانبیاء لاتغیر ھم الارض وتکون الصفات المخیلۃ اثرھا وثمرتھا اختلاف الدلالات فقد ذکر انہ اذا رآہ شیخا فھو عام سلم واذا رآہ شابا فھو عام جدب وان رأہ حسن الھیئۃ حسن الاقوال والافعال مقبلا علی الرائی کان خیرا لہ وان رآہ علی خلاف ذلک کان شرا لہ ولایلحق النبی علیہ الصلوۃ والسلام من ذلک شیء...... قولہ (فقد رانی) ای فقد رانی مثالی بالحقیقۃ لان المرئی فی المنام مثال وقولہ فان الشیطان لایتمثل بی یدل علی ذلک ویقرب منہ ما قالہ الغزالی فانہ قال لیس معناہ انہ رای جسمی وبدنی بل رأی مثالا صار ذلک المثال آلۃ یتادی بھا المعنی الذی فی نفسی الیہ بل البدن فی الیقظۃ ایضالیس الا آلۃ النفس فالحق ان مایراہ مثال حقیقۃ روحہ المقدسۃ التی ھی محل النبوۃ فما رآہ من الشکل لیس ھو روح النبی ﷺ ولا شخصہ بل ھو مثال لہ علی التحقیق. (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۵۵ کتاب الرؤیا باب اثم من کذب علی النبی ﷺ مطبوعہ بیروت)

احادیث میں ہے کہ نبی پاک کا جسم مبارک باقی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارک کو زمین متغیر نہیں کرتی اور خواب میں مختلف صفات نظر آتی ہیں اُن کی دلالات مختلف ہوتی ہیں۔ کیونکہ مذکور ہے اگر آپ کو بڑھاپے میں دیکھا جائے تو صلح کا سال ہے اگر آپ کو جوانی میں دیکھا جائے تو قحط سالی کی طرف اشارہ ہے اور ان احوال کا کوئی اثر نبی ﷺ کی طرف متوجہ نہیں ہوگا (ترجمہ:) اور حدیث کا لفظ فقد رانی یہ معنی رکھتا ہے گویا کہ اُس نے میری مثال حقیقیہ کو دیکھا کیونکہ خواب میں جو چیز دیکھی جاتی ہے وہ مثال ہوتی ہے اور آپ کا قول کہ شیطان میری شکل نہیں بن سکتا' یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر اور اسی کے قریب ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نبی پاک ﷺ کا فرمان کہ اُس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے' کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس نے میرے جسم اور میرے بدن کو دیکھا ہے بلکہ اُس نے ایک مثال کو دیکھا اور وہ مثال اُس معنی تک پہنچانے کا ذریعہ ہے جو میری روح میں ہے بلکہ بیداری میں بھی بدن صرف روح کا آلہ ہوتا ہے۔ اس لیے حق یہ ہے کہ خواب دیکھنے والا آپ کی روح مقدسہ کی مثال کو دیکھتا ہے جو کہ محل نبوت ہے اور اُس کو جو شکل نظر آتی ہے وہ نہ آپ کی روح ہے نہ آپ کا شخص ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ صرف وہ آپ کی مثال ہے۔

قارئین کرام! امام بدرالدین عینی حنفی کی کلام کا مفہوم یہ ہے کہ [illegible] اور دوسرے انبیاء کے جسم کو جب مٹی نہیں

کھاتی تو پھر اصل میں تو کوئی فرق نہیں ہوتا البتہ صفات میں فرق نظر آئے گا کہ بڑھاپے کی عمر میں دیکھا یا جوانی کی عمر میں دیکھنا۔ تو یہ ایسی چیزیں ہیں جو قابل تاویل ہیں تو معنی یہی نکلا کہ جس نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا اُس نے آپ کو ہی دیکھا اور امام غزالی نے بھی اس کی تائید فرمائی لیکن ایک دوسرے انداز سے وہ اس طرح کوئی دیکھنے والا نبی علیہ السلام کے جسم اور بدن کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ ایک مثال کو دیکھتا ہے اور وہ مثال معنی مقصودی تک پہنچا دیتی ہے اور وہ معنی جو پہلے وہ میری روح میں ہے بلکہ بیداری میں بھی بدن صرف روح کا آلہ ہوتا ہے۔ یعنی بدن میں عمل کرنے والا روح ہی ہے اس لیے اصل روح ہی ہے اور روح کی کوئی شکل معین نہیں ہے کیونکہ وہ ادراک میں آنے والی چیز نہیں ہے تو گویا کہ دیکھنے والا رسول اللہ کے جسم کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی مثال کو دیکھتا ہے۔ یہ اُس روایت کی تائید ہے جس میں آیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں ہر صورت میں نظر آتا ہوں اس کا معنی یہی ہے کہ ایک شے کی کثیر مثالیں ہوسکتیں ہیں۔ لہٰذا حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جس نے خواب میں آپ ﷺ کو دیکھا اُس نے آپ ﷺ کو ہی دیکھا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نبی پاک ﷺ کا فرمان: کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب وہ مجھے بیداری میں دیکھے گا' کی توجیہات

وقال ابن بطال قوله فسیرانی فی الیقظة یرید تصدیق تلک الرؤیا فی الیقظة وصحها وخروجها علی الحق ولیس المرآد انه یره فی الاخره لانه مسیراه یوم القیامة فی الیقظة فتراته جمیع امة من راه فی النوم ولم یره منهم وقال ابن القین المراد من آمن به فی حیاته ولم یره لکونه حینئذ غائباً عند فیکون بهذا مبشر الکل من آمن به ولم یره انه لابدان یراه فی الیقظة قبل موته قاله القزاز وقال المازری ان کان المحفوظ فکانما رانی فی الیقظة فمعناه ظاهر وان کان المحفوظ فسیرانی فی الیقظة احتمل ان یکون أراداهل عصره ممن لم یهاجر الیه فانه اذا رأه فی المنام جعل ذالک علامة علی انه یراه بعد ذالک فی الیقظة واوحی الله بذالک الیه ﷺ وقال القاضی وقیل معناه یری تاویل تلک الرؤیا فی الیقظة وصحتها وقیل معنی الرؤیة فی الیقظة انه سیراه فی الآخره وتعقب بانه فی الآخرة یره جمیع امة من راه فی المنام ومن لم یراه یعنی فلا یبقی مخصوص رؤیته فی المنام مزیة...... وحملة ابن ابی جمره علی محمل آخر

ابن بطال نے کہا آپ کا فرمان فسیرانی فی الیقظة سے مراد کہ اس خواب کی تصدیق بیداری میں ہے اور اس کی صحت اور ظاہر ہونا حق پر ہے اور حدیث کی مراد یہ نہیں کہ وہ قیامت میں آپ کی زیارت کرے گا۔ کیونکہ قیامت میں ہر ایک آپ کو دیکھے گا چاہے اس نے خواب میں آپ کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ ابن قین نے کہا فسیرانی فی الیقظة سے مراد وہ آدمی ہے کہ جو آپ پر ایمان لایا اور اس نے آپ کو نہیں دیکھا اس لیے کہ وہ غائب تھا یہ حدیث ہر اس آدمی کے لیے جو آپ کے ساتھ ایمان لایا اور آپ کو نہیں دیکھا اس کے لیے خوشخبری دینے والی ہے کہ وہ مرنے سے پہلے بیداری کی حالت میں آپ کو دیکھے گا۔ اس کو قزاز اور مازری نے کہا اگر یہ محفوظ ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا تو اس کا معنی واضح ہے اور اگر محفوظ ہے فسیرانی فی الیقظة احتمل اس بات کا مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کے زمانے میں موجود تھے کہ جنہوں نے آپ کی طرف ہجرت نہ کی ایسا آدمی جب آپ کو خواب میں دیکھے تو یہ آپ کو خواب میں دیکھنا اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ عنقریب بیداری میں آپ کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے وحی کی اس چیز کی آپ کی طرف۔ قاضی نے کہا معنی حدیث کا یہ ہے عنقریب اس خواب کی تعبیر اور اس کی صحت بیداری میں دیکھے گا اور کہا گیا ہے کہ بیداری

فذكر عن ابى عباس اوغيره انه رأى النبى ﷺ فى النوم فبقى بعدأن استيقظ متفكرا فى هذا الحديث فدخل على بعض امهات المؤمنين ولعلها خالته ميمونة فاخرجت له المراة التى كانت للنبى ﷺ فنظر فيها فرأى صورة النبى ﷺ ولم يره صورت نفسه ونقل عن جماعة من الصالحين أنهم راؤ النبى ﷺ بعد ذالک فى اليقظة وسالوه عن اشياء كانوا منها متخوفين فأرشدهم الى طريق تفريجها فجاء الأمر كذلك. (فتح الباری ج ۱۲ص ۳۴۴' کتاب الرؤیا باب من رای النبی ﷺ عنہا فی المنام)

میں دیکھنے کا معنی یہ ہے کہ وہ آخرت میں آپ کو دیکھے گا؛ اور پھر اس کا تعاقب کیا کہ آخرت میں تمام آپ کی امت آپ کو دیکھے گی چاہے کسی نے خواب میں آپ کو دیکھا ہو یا نہ؛ تو خواب میں دیکھنے کے لیے کوئی خصوصیت باقی نہ رہی؛ زیادتی میں ابن ابی جمرہ نے حمل کیا اس نے اس حدیث کو ایک اور معنی پر لہٰذا اس نے ابن عباس وغیرہ سے نقل کیا کہ جس آدمی نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا تو اس کے بعد وہ آپ کو بیداری میں دیکھنے کے لیے اس حدیث کی وجہ سے متفکر رہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کسی ایک امہات المؤمنین کے پاس تشریف لائے؛ شاید وہ آپ کی خالہ میمونہ بنت حارث تھیں؛ اس نے ابن عباس کے لیے وہ آئینہ نکالا جو نبی پاک ﷺ کا آئینہ تھا؛ ابن عباس نے جب اس آئینے کو دیکھا تو انہوں نے اس میں نبی پاک ﷺ کی صورت کو دیکھا اور اپنی صورت کو نہ دیکھا۔ سلف صالحین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا تو پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کو حالت بیداری میں بھی دیکھا اور حالت بیداری میں انہوں نے ایسی چیزوں کا آپ سے سوال کیا کہ جن سے وہ ڈرتے تھے کہ نبی پاک ﷺ نے ان کو خوشی کے راستے کی ہدایت فرمائی۔ اسی طرح ہوا کہ جس طرح آپ نے فرمایا۔

قال العلماء ان كان الواقع فى نفس الامر فكانها رأنى فهو كقوله ﷺ فقد رأنى او فقد راى الحق كما سبق تفسيره وان كان فسيرانى فى اليقظة اقوال احدها المراد به اهل عصره ومعناه ان من رآه فى النوم ولم يكن هاجر يوفقه الله تعالى لهجره ورؤيته ﷺ فى اليقظة عيانا والثانى معناه انه يرى تصديق تلك الرؤيا فى اليقظة فى الدار الآخرة لانه يراه فى الآخرة جميع امته من رآه فى الدنيا ومن لم يره والثالث يراه فى الآخرة رؤية خاصة فى القرب منه وحصول شفاعته ونحوذلک والله اعلم.

علماء نے کہا اگر نفس الامر میں ایسے ہی واقع ہو تو گویا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا جیسا کہ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے: جس نے مجھے دیکھا یا اس نے دیکھا حق کو جیسے کہ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ اس حدیث (عنقریب وہ مجھے دیکھے گا) میں چند اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کے ہم زمان ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ جس آدمی نے آپ کو خواب میں دیکھا (مکہ وغیرہ میں) اور اس نے ہجرت نہ کی کہ توفیق دے اللہ تعالیٰ اس کو ہجرت کے لیے اور آپ کو دیکھنے کے لیے بیداری میں واضح طور پر؛ دوسرا قول یہ ہے کہ دیکھے وہ اپنے خواب کی تصدیق بیداری میں دار آخرت میں۔ کیونکہ آپ کو دیکھے گی قیامت میں آپ کی تمام امت چاہے اس نے دُنیا میں آپ کو دیکھا ہو یا نہ ہو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ

(نووی مع مسلم ج ۲ ص ۲۴۳ کتاب الرؤیا' مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ۔دہلی) آخرت میں رؤیت خاصہ ہوگی حضور کے قرب کی وجہ سے اور حصولِ شفاعت کے لیے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں۔

قارئین کرام! فتح الباری اور نووی شرح مسلم کی عبارات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا۔ اس میں چند اقوال ہیں۔(۱) بیداری میں اس خواب کی تصدیق دیکھے گا وہ حق پر ظاہر ہوگی (۲) وہ آپ کو عنقریب دیکھے گا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت میں آپ کو دیکھے گا۔ لیکن ابن حجر نے اس کو رد کردیا ہے کیونکہ قیامت میں تو ساری امت آپ کو دیکھے گی چاہے دُنیا میں کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ لہٰذا خواب میں دیکھنے کی کوئی خصوصیت باقی نہ رہی۔ اس لیے یہ احتمال باطل ہے لیکن امام نووی نے اس کا رد نہیں کیا بلکہ اس کی تاویل کی ہے کہ جس نے دُنیا میں حضور ﷺ کی زیارت کی قیامت میں وہ دوسرے لوگوں کی طرح زیارت نہیں کرے گا بلکہ قرب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرے گا جس کی وجہ سے وہ دوسری امتوں سے ممتاز ہوگا (۳) جس نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا عنقریب وہ آپ کو بیداری کی حالت میں دیکھے گا۔ اس کا ایک مشاہدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں مذکور ہے۔ انہوں نے خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کی اس کے بعد انہوں نے اپنی خالہ میمونہ بنت حارث ام المؤمنین سے یہ ذکر کیا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے اب بیداری میں کرنا چاہتا ہوں تو ام المؤمنین میمونہ بنت حارث نے حضور ﷺ کا آئینہ دکھایا تو اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بجائے اپنی صورت کے حضور ﷺ کی صورت مبارکہ دیکھی۔ لیکن یاد رہے مذکور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کے کثیر شواہد موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

خواب میں دیکھنے والے کے بیداری میں دیکھنے کے چند شواہد

اور کثیر ان اولیاء سے یہ مشہور ہے کہ جن کا مرتبہ مقام مجتہدین سے یقیناً کم ہے انہوں نے بہت سی دفعہ حضور ﷺ کی زیارت کی' ان کے ہم عصر شیوخ نے ان کی اس ملاقات کی تصدیق کی جیسے شیخ عبدالرحیم قناوی اور شیخ ابومدین مغربی اور شیخ ابوسعود ابن ابی العشائر' شیخ ابراہیم دسوقی' شیخ ابوالحسن شاذی' شیخ ابوالعباس مرسی' شیخ ابراہیم متبولی' شیخ جلال الدین سیوطی' شیخ احمد الزواوی البحری اور ایک جماعت جس کا ہم (امام شعرانی) نے ذکر کیا کتاب طبقات الاولیا میں اور میں نے ایک ورقہ شیخ جلال الدین سیوطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا۔ آپ کے اصحاب میں سے کسی کے ہاتھ میں اور وہ شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں جو لکھا ہوا تھا ایک شخص کے لیے کہ جس نے آپ سے سوال کیا تھا سفارش کا بادشاہ کے لیے تو اس میں شیخ جلال الدین سیوطی نے (اس آدمی کو فرمایا کہ جو آپ کے واسطے سے بادشاہ کو ملنا چاہتا تھا) آپ نے فرمایا اے میرے بھائی! میں نے آج تک بیداری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے۔ پچہتر دفعہ اور اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا خوف نہ ہوتا کہ آپ مجھے فرمائیں گے کہ تو بادشاہوں کے پاس جاتا ہے تو میں بادشاہ کے پاس تیری شفاعت کرتا اور میں ایک ایسا آدمی جو حضور ﷺ کی حدیث کا خادم ہوں جن احادیث کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ ان کی تصحیح کرتا ہوں تو میرا یہ نفع اے سائل! تیرے اس نفع سے بہت اچھا ہے جو تو بادشاہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ابوالحسن شاذلی اور ان کے شاگرد ابوالعباس مرسی وغیرہما اور وہ کہتے تھے اگر ہم سے حضور ﷺ کی زیارت ایک پل کے لیے بھی جدا ہو جائے تو ''ماعددنا انفسنا من جملة المسلين یعنی ہم اپنے نفسوں کو جملہ مسلمین سے شمار نہیں کرتے'' تو جب یہ قول اولیاء اللہ کا ہے تو مجتہدین کا مقام تو ان سے کہیں بڑا ہے۔

(المیزان الکبریٰ مصنفہ عبدالوہاب بن احمد انصاری المعروف شعرانی ج ۱ ص ۴۴' فصل فی بیان استحالۃ خروج شی من اقوال المجتہدین' مطبوعہ بیروت)

قارئین کرام! شہنشاہ ولایت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مذکورہ عبارت میں اس بات کو واضح کر دیا کہ مجتہدین

کا مقام اولیاء اللہ سے بہت بلند ہوتا ہے اور اولیاء اللہ کی یہ شان ہے کہ بیداری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک جماعت کے نام امام شعرانی نے لیے اور پھر اس پر ایک واقعہ بھی ذکر کیا۔ جس میں ان لوگوں کی رسول اللہ ﷺ سے بیداری کی حالت میں ملاقات کا ذکر ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں امام جلیل الدین کا لکھا ہوا ایک خط عبدالقادر شاذلی کے پاس میں نے دیکھا کہ جس میں ذکر تھا کہ ایک آدمی نے امام سیوطی سے سفارش طلب کی بادشاہ کے لیے امام سیوطی نے اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ میں تیری سفارش تو کر دوں گا لیکن مجھے خوف ہے کہ نبی علیہ السلام مجھ پر حجت نہ پکڑیں کہ تو بادشاہوں کے پاس کیوں جاتا ہے اور میں نے بیداری کی حالت میں حضور ﷺ کی پچھتر دفعہ زیارت کی ہے تو ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کے پاس میرا شفاعت کرنا اس نعمت عظمیٰ کے لیے مضر ثابت ہو۔ بہر صورت اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ آپ کی امت کے بعض اولیاء بیداری کی حالت میں آپ کی زیارت کرتے ہیں بلکہ بعض ابوالحسن شاذلی جیسے اولیاء اللہ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر ایک پل کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ ہم سے مخفی ہو جائیں ہم اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتے تو امام شعرانی مذکورہ صورتحال کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب بیداری کی حالت میں حضور ﷺ کے مشاہدہ کا ان اولیاء کے لیے یہ مرتبہ و مقام ہے تو پھر مجتہدین کی شان تو ان اولیاء اللہ سے کہیں وراء الوراء ہے تو پھر ان کی بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا کیا عالم ہوگا؟ تو حاصل یہ نکلا کہ بیداری کی حالت میں بہت سے اولیاء اللہ رسول اللہ کو دیکھتے ہیں اور آپ سے مشکل اور پریشان مسائل کو حل بھی کراتے ہیں جیسا کہ ابھی قریب میں گزر چکا ہے اور بیداری کی حالت میں نبی علیہ السلام کی زیارت کرنا یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کا انکار کرنے والے جو ہیں ان کے شیوخ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے یعنی علمائے دیوبند اور ان کے ماننے والے اس کا انکار کرتے ہیں لیکن انہیں کے شیخ انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی اس مسئلہ کی اپنی طرف سے یوں تصدیق کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ویمکن عندی رؤیتہ ﷺ یقظۃ لمن رزقہ اللہ سبحانہ کما نقل عن السیوطی رحمۃ اللہ تعالی (وکان زاھدا متشددا فی الکلام علی بعض معاصریہ ممن لہ شان) انہ راہ ﷺ اثنین وعشرین مرۃ وسالہ عن احادیث ثم صححہا بعد تصحیحہ ﷺ وکتب الیہ الشاذلی یستشفع بہ ببعض حاجتہ الی سلطان الوقت وکان یوقرہ فابی السیوطی رحمہ اللہ تعالی ان یشفع لہ وقال انی لا افعل وذلک لان فیہ ضرر نفسی و ضرر الامۃ لانی زرتہ ﷺ غیر مرۃ ولا اعرف فی نفسی امرا غیر انی لا اذھب الی باب الملوک ولو فعلت امکن ان احرم من زیارتہ المبارکۃ فالا ارضی بضررک الیسیر من ضرر الامۃ الکثیر والشعرانی رحمۃ اللہ تعالی ایضا کتب انہ رآہ ﷺ وقرأ علیہ البخاری فی ثمانیۃ رفقۃ معہ ثم سماھم

میرے نزدیک نبی پاک ﷺ کا دیکھنا بیداری کی حالت میں ممکن ہے اس آدمی کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت عظمیٰ کا رزق دیا ہوا ہے۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے (وہ زبردست زہد و تقویٰ کے مالک تھے یہ علم کلام میں اپنے ہم عصروں پر سختی کرنے والے تھے) امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کی بیداری کی حالت میں ایسی زیارت کی ہے کہ جس میں نبی پاک ﷺ سے احادیث کا ذکر کیا اور نبی ﷺ کی تصحیح کے بعد ان احادیث کو صحیح قرار دیا اور شاذلی نے ایک دفعہ اپنی بعض حاجات کی بادشاہ کی طرف آپ سے سفارش طلب کی حالانکہ امام سیوطی ان کی بڑی عزت کرتے تھے اس کے باوجود آپ نے انکار کر دیا اس بات سے کہ وہ بادشاہ کے پاس ان کی سفارش کریں اور فرمایا کہ میں تمہاری سفارش نہیں کروں گا کیونکہ اس میں میرا بھی نقصان ہے اور امت کا بھی نقصان ہے کیونکہ میں کثیر دفعہ حضور ﷺ کی زیارت کر چکا ہوں اور میرے اس مرتبہ و مقام کا علم سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ میں بادشاہوں کے دروازوں

وکان واحدمنھم حنفیا وکتب الدعا الذی قرأہ عندختمہ' فالرؤیۃ یقظۃ متحققۃ وانکارھا جھل.

(فیض الباری مصنفہ مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی ج ۱ ص ۲۰۴' کتاب العلم' مطبوعہ مکتبہ حجازی' قاہرہ)

پر نہیں جاتا اگر میں نے ایسا کرلیا تو ممکن ہے کہ اس زیارت مبارکہ سے میں محروم ہو جاؤں۔ لہٰذا میں امت کے کثیر نقصان کو چھوڑ کر تیرے چھوٹے نقصان کو پسند کرتا ہوں اور امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے کہ اس نے بیداری کی حالت میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور اپنے آٹھ رفقاء کے ساتھ ان پر بخاری پڑھی۔ امام شعرانی نے ان آٹھ طلباء کا نام لیا اور نام لیا کہ ان میں سے ایک حنفی ہے۔ امام شعرانی نے اُس دعا کو بھی لکھا جس کو انہوں نے بخاری شریف کے ختم پر پڑھا۔ (مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتا ہے) کہ بیداری میں حضور ﷺ کی ملاقات محققہ ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔

حضور کی بیداری میں ملاقات پر ایک واقعہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تفسیر ''روح المعانی'' میں یوں ذکر فرمایا۔

وقیل یجوز ان یکون عیسی علیہ السلام قد تلقی من نبینا علیہ الصلوۃ احکام شریعتہ المخالفۃ مما کان علیہ ھو من الشریعتیہ حال اجتماعہ معہ وفاتہ فی الارض لعلمہ أنہ سینزل ویحتاج الی ذالک واجماعتہ معہ کذالک جاء فی الأخبار. اخرج ابن عدی عن انس بنیانحن مع رسول اللہ ﷺ اذ رأینا بردا ویدا فقلنا یارسول اللہ ﷺ ماھذا البرد الذی رأیناوالید؟ قال قد رایتموہ قالوا نعم قال عیسی ابن مریم سلم علی وفی روایۃ ابن عساکر عنہ کنت اطوف مع النبی ﷺ حول الکعبۃ اذ رأیتہ صافع شیأ ولم أراہ قلنا یارسول اللہ ﷺ صافحت شیأ ولا نراہ قال' ذالک اخی عیسی ابن مریم انتظرنا' حتی تفی طوافہ فسلمت علیہ.

(تفسیر روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۳۹ زیر آیت خاتم النبی ﷺ' مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

کہا گیا ہے جائز ہے یہ بات کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی پاک ﷺ سے آپ کی شریعت کے احکام سیکھتے ہوں جو کہ خلاف ہیں عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے' جب وہ آپ کے پاس جمع ہوتے ہوں۔ نبی علیہ السلام کے وصال سے پہلے پہلے زمین میں اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ وہ عنقریب حضور کی امت میں داخل ہوں گے اور شریعت مصطفیٰ ﷺ کی انہیں ضرورت پڑے گی۔ اس لیے وہ نبی پاک ﷺ کے پاس آتے رہے جیسے کہ احادیث میں آیا ہے ابن عدیٰ نے انس ابن مالک سے روایت کی کہ انس ابن مالک کہتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ کے پاس حاضر تھے تو ہم نے اچانک ایک چادر اور ہاتھ دیکھا' ہم نے عرض کی یارسول اللہ! یہ چادر اور ہاتھ کیسا ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے اُس ہاتھ اور چادر کو دیکھا ہے؟ عرض کی: ہاں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ عیسیٰ علیہ السلام تھے جنہوں نے مجھ پر سلام کیا۔ اور ابن عساکر کی ایک روایت انس بن مالک سے ہی ہے کہ میں خانہ کعبہ کا طواف رسول اللہ کے ساتھ کررہا تھا تو میں نے اچانک رسول اللہ کو دیکھا کہ جب کہ آپ نے کسی سے مصافحہ کیا جس سے آپ نے مصافحہ کیا ہم نے اسے دیکھا نہیں۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ آپ نے مصافحہ کیا کسی شے سے اور ہم نے اُسے دیکھا نہیں؟ آپ نے فرمایا وہ میرے بھائی عیسیٰ ابن مریم ہیں اور میں نے اُن کی انتظار کی یہاں تک کہ

انہوں نے اپنے طواف کو پورا کرلیا تو میں نے ان پر سلام کیا۔

وقال الامام ابو محمد بن ابی جمرہ فی تعلیقہ علی الاحادیث التی انتقاھا من صحیح البخاری. ھذا الحدیث یدل علی ان من یراہ ﷺ فی النوم فسیراہ فی الیقظۃ وھل ھذا علی عمومہ فی حیاتہ' وبعد مماتہ علیہ السلام اوھذا کان فی حیاتہ وھل ذالک لکل من راہ مطلقا او خاص بمن فیہ الاھلیۃ والاتباع لسنتہ علیہ صلوۃ السلام اللفظ یعطی العموم ومن یدعی الخصوص فیہ بغیر مخصص منہ ﷺ فمعف' واطال الکلام فی ذالک ثم قال' وقد ذکر عن السلف والخلف وھلم جرا ممن کانوا راوہ ﷺ فی النوم وکان ممن یصدقون بعد الحدیث فراوہ بعد ذالک فی الیقظۃ وسالوہ عن اشیاء کانوا عنھا متشوشین فاخبرھم بتفریجھا ونصر لھم علی وجوہ التی منھا یکون فرجھا فجاء الامر کذالک بلا زیادۃ ولا نقص انتھی المراد منہ ثم ان رؤیتہ ﷺ یقظۃ عنہ القائلین بھا کثرما تقع بالقلب ثم یرقی الحال الی ان یری بالبصر (تفسیر روح المعانی پ۲۲ ص۳۶ زیرآیت ماکان محمد ابا احد مطبوعہ بیروت۔لبنان)

امام ابو محمد بن ابو جمرہ نے صحیح بخاری کی منتخب احادیث پر تعلیق میں یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے نبی پاک ﷺ کی نیند میں زیارت کی تو عنقریب آپ کی بیداری میں بھی زیارت کرے گا تو کیا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے؟ اپنی حیاتی میں اور اپنے وصال کے بعد یعنی اُن لوگوں کے لیے جو آپ کی حیات میں موجود تھے اور آپ کے وصال کے بعد موجود ہیں یا صرف اُن کے لیے حدیث ہے جو آپ کی حیاتی میں موجود تھے اور پھر کیا یہ حدیث ہر آدمی کے لیے مطلق ہے یا خاص؟ اُن لوگوں کے لیے کہ جن میں اہمیت ہے اور سنت نبی پاک کی اتباع کرنے والے ہیں۔ الفاظ چاہتے ہیں ہم اُن کو اور جو خصوصیت کا دعویٰ کرتا ہے بغیر مخصص کے نبی پاک ﷺ کی طرف سے اُن پر افسوس ہے اور امام ابو محمد ابو جمرہ نے اس پر بہت لمبی کلام فرمائی پھر فرمایا کہ سلف اور خلف کی طرف سے تمام علماء جن کو خواب میں نبی پاک کی زیارت ہوئی وہ سب یہ کہتے ہیں کہ خواب میں زیارت کرنے کے بعد اُن کو بیداری میں بھی زیارت ہوئی اور جن امور میں متوشش تھے انہوں نے اُن امور کے متعلق نبی پاک ﷺ سے سوال کیا اور آپ نے اُن کو خبر دے کر اُن کی تشویش دور کی اور اُن کے لیے ایسی وجوہ کی تصریح کی جن سے وہ امور بالکل کشادہ ہو جائیں جن میں اُن کو تردد تھا۔ تو آیا امور اسی طرح ہوئے کسی زیادتی اور نقصان کے انتہائی مراد اس سے یہی ہے پھر نبی پاک ﷺ کو بیداری میں دیکھنا ان لوگوں کے نزدیک جو اس کے قائل ہیں اکثر ہیں اس سے جو قلب کے ساتھ دیکھتے ہیں اور پھر حال میں وہ اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ دیکھنے لگے ہیں آنکھوں سے۔

قال الشیخ عبدالقادر الکیلانی قدس سرہ. رایت رسول اللہ ﷺ قبل الظھر فقال لی. یا بنی لم لا تتکلم؟ قلت یا ابتاہ انا رجل اعجم کیف اتکلم علی فصحاء بغداد. افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ سبعا وقال تکلم علی الناس وادع الی سبیل

شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ظہر سے پہلے دیکھا آپ نے مجھے فرمایا اے میرے بیٹے! تو واعظ کیوں نہیں کرتا؟ میں نے عرض کی اے میرے باپ! میں عجمی آدمی ہوں کہ کیسے وعظ کروں بغداد کے فصیح لوگوں کو؟ آپ نے فرمایا منہ کھول تو میں نے منہ کھول دیا تو آپ نے اس میں

ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ فصلیت الظھر وجلست وحضرنی خلق کثیر فارتج علی فرأیت علیا کرم اللہ تعالی وجھہ قائما بازائی فی المجلس فقال لی یا بنی لم لا تتکلم؟ قلت یاأبتاہ قدارتج علی فقال. افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ ستا فقلت لم لا تکملھا سبعا قال آدبا مع رسول اللہ ﷺ ثم تواری عنی. (روح المعانی پارہ نمبر۲۲' آیت ماکان محمد اباأحد)

سات دفعہ تھوکا اور فرمایا لوگوں کو وعظ سنا ان کو حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ عزوجل کے راستے کی طرف بلا تو میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور وعظ کے لیے بیٹھا تو بے شمار لوگ میرے پاس جمع ہو گئے۔ جس کی وجہ سے میں کانپ اٹھا تو میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ مجلس میں میرے سامنے کھڑے ہیں' آپ نے مجھے فرمایا۔ اے میرے بیٹے! تو وعظ کیوں نہیں کرتا؟ میں نے عرض کی: اے میرے باپ! مجھ پر رعب پڑ گیا' آپ نے فرمایا منہ کھول' لہٰذا میں نے منہ کھولا۔ آپ نے اس میں چھ دفعہ تھوکا میں نے عرض کی: حضور آپ نے سات دفعہ پورا کیوں نہ تھوکا؟ آپ نے فرمایا کہ رسول ﷺ کے ساتھ ادب کی وجہ سے اور اس کے بعد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے چھپ گئے۔

قال رجل للشیخ أبی العباس المرسی یا سیدی صافحنی بکفک ھذہ فانک لقیت رجالا وبلادافقال واللہ ماصافحت بکفی ھذہ الا رسول اللہ ﷺ قال وقال الشیخ لوحجب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ماعددت نفسی من المسلمین ومثل ھذہ التقول کثیر من کتب القوم جراہ. (روح المعانی پارہ نمبر۲۲ زیر آیت ماکان محمد اباأحد)

ایک آدمی نے شیخ ابوالعباس المرسی سے عرض کی اے میرے سردار! اپنے ہاتھ کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیجیے کیوں کہ آپ نے بہت سے کاملوں کی ملاقات کی ہے اور بہت سے شہر پھرے ہیں۔ شیخ نے کہا اللہ کی قسم! اس ہاتھ کے ساتھ میں نے کسی سے مصافحہ نہیں کیا جب سے لے کر میں نے نبی پاک ﷺ سے مصافحہ کیا' شیخ نے کہا ایک آن کے لیے اگر مجھ سے نبی پاک ﷺ پوشیدہ ہو جائیں تو میں اپنی جان کو مسلمانوں سے شمار نہیں کرتا' قوم کی کتابوں میں اس قسم کی عبارات کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

روح المعانی کی مذکورہ تین عبارات کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) بیداری کی حالت میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرنا عین ممکن بلکہ متحقق ہے جیسے کہ شیخ عباس مرسی نے حالت بیداری میں نبی پاک ﷺ سے مصافحہ کیا اور جس ہاتھ سے آپ کے ساتھ مصافحہ کیا اس ہاتھ کے ساتھ پھر دوسرے سے مصافحہ نہیں کیا (۲) کثیر تعداد میں ایسے لوگ پائے گئے جب انہوں نے خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کی تو پھر بیداری کی حالت میں بھی آپ کی زیارت کی یہ اس حدیث کی تصدیق ہوگئی جس میں آپ نے فرمایا: کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب وہ مجھے بیداری کی حالت میں بھی دیکھے گا (۳) بیداری کی حالت میں بعض اولیاء اللہ نے نبی پاک ﷺ سے فیض حاصل کیا جیسا کہ غوث پاک رضی اللہ عنہ نے بیداری کی حالت میں نبی پاک علیہ السلام کا سات دفعہ تھوک شریف اپنے منہ میں لیا اور نگل گئے اور اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چھ دفعہ تھوک حاصل کیا اور نگل گئے (٤) انبیاء کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی اس لیے وہ حج کے لیے بھی جاتے ہیں اور طواف بھی کرتے ہیں جیسا کہ طواف کی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مصافحہ فرمایا اور بعض صحابہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی چادر کو دیکھ بھی لیا۔

تنبیہ

بیداری کی حالت میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرنے والے کو صحابی بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ صحابی ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ حیات ظاہری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرلے یا آپ کے ساتھ رہے۔

ومن "صحب" النبی ﷺ او راٰہ من المسلمین فھو من "اصحابہ" جو آدمی آپ کے ساتھ رہا یا کسی نے آپ کو دیکھا مسلمانوں میں سے وہ صحابی ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۲۹۲ لفظ صحب 'مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ہند)

یعنی نبی پاک ﷺ کے ساتھ رہا چاہے آپ کو نہیں دیکھا بشرطیکہ مسلمان ہو وہ صحابی ہے۔ جیسے عبد اللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نابینے صحابی تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے نبی پاک ﷺ کی زیارت نہیں کی۔ لیکن ایمان کی حالت میں آپ کے پاس بیٹھنا اٹھنا رہا۔ لہٰذا وہ جلیل القدر صحابی ہیں اور اگر رؤیت صحابیت کے لیے معیار ٹھہرایا جاتا اور پھر جس آدمی نے آپ کے وصال کے بعد دفن ہونے کے بعد ایمان لانے کی حالت میں دیکھا وہ صحابی ہوتا حالانکہ وہ صحابی نہیں ہے کیونکہ اس نے حیات ظاہری میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نہیں کی بلکہ آپ کے وصال کے بعد اس نے زیارت کی ہے اس لیے وہ صحابی نہیں ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے کہ وہ صحابی نہیں ہے۔

والمراد رؤیۃ فی حال حیاتہ (الی قولہ) وبقولنا فی حال حیاتہ خرج من اجتمع بعد موتہ ولو قبل دفنہ ولو شاھدہ فلا یقال لہ صحابی کخویلد بن خالد الھذلی فانہ حضر الصلوۃ علیہ وراٰہ مسجی وشاھد دفنہ ﷺ وخرج بہ ایضا الاولیاء الذین اجتمعوا بہ بعد موتہ فلا یقال لھم صحابۃ.

(حاشیہ لقط الدرر مصنفہ علامہ عبد اللہ بن حسین خاطر السمین' مطبوعہ مصطفیٰ البابی)

صحابی کی تعریف میں آپ کو دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ آپ کو آپ کی حیات میں دیکھا جائے اور اس قید سے وہ لوگ خارج ہو گئے جو آپ کے وصال کے بعد آپ کے ساتھ مجتمع ہوئے' خواہ دفن سے پہلے اگرچہ انہوں نے آپ کا مشاہدہ کیا ہو' جیسے خویلد بن خالد ھذلی وہ آپ کی نماز جنازہ پر حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کو کفن میں لپٹا ہوا دیکھا اور وہ نبی ﷺ کے دفن کے موقع پر حاضر ہوئے' سو وہ اس قید سے خارج ہو گئے۔ اسی طرح اس قید سے اولیاء اللہ بھی خارج ہو گئے جو نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے ساتھ مجتمع ہوئے اس لیے ان کو صحابہ نہیں کہا جائے گا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ خویلد بن خالد ہذلی کو اس لیے صحابی نہیں کہا گیا کہ اس نے حالتِ ظاہری نبی پاک ﷺ میں آپ کی زیارت نہیں کی۔ فاعتبروا یااولی الابصار

۴۲۰- بَابُ جَامِعِ الْحَدِیْثِ

مختلف مسائل کی جامع حدیث

۹۰۷۔ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ یَحْیٰی عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیَی بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَیْعَتَیْنِ وَعَنْ لِبْسَتَیْنِ وَعَنْ صَلَاتَیْنِ وَعَنْ صَوْمِ یَوْمَیْنِ فَاَمَّا ...

امام مالک نے ہمیں خبر دی' ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے محمد رضی اللہ عنہ بن یحییٰ رضی اللہ عنہ بن حبان سے انہوں نے عبد الرحمٰن اعرج رضی اللہ عنہ سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع کیا دو قسم کی خرید و فروخت سے' دو قسم کے لباس سے' دو نمازوں سے اور دو روزوں سے' دو قسم کی ... منابذہ وملامسہ سے' دو ممنوع لباس اشتمال

وَاَمَّا اللِّبْسَتَانِ فَاشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ وَالْاِحْتِبَاءُ بِثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ وَاَمَّا الصَّلَاتَانِ فَالصَّلٰوةُ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَالصَّلٰوةُ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ وَاَمَّا الصِّيَامَانِ فَصِيَامُ يَوْمِ الْاَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ۔

الصما اور احتباء ہیں۔ ایک ایسا کپڑا جس سے شرمگاہ کھل جائے دو نمازوں سے مراد ایک ہے عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک دوسری نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک' دو ممنوع روزے عید قربان اور عید الفطر کے ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۹۰۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ مُخْبِرٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ وَهُوَ يُوْصِيْ رَجُلًا لَا تَعْتَرِضْ فِيْمَا لَا يَعْنِيْكَ وَاعْتَزِلْ عَدُوَّكَ وَاحْذَرْ خَلِيْلَكَ الْاَمِيْنَ اِلَّا مَنْ خَشِيَ اللّٰهَ وَلَا تَصْحَبْ فَاجِرًا كَيْ تَتَعَلَّمَ مِنْ فُجُوْرِهٖ وَلَا تُفْشِ اِلَيْهِ سِرَّكَ وَاسْتَشِرْ فِيْ اَمْرِكَ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے ایک بیان کرنے والے نے بیان کیا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک شخص کو وصیت فرما رہے تھے کہ اس کام سے لگاؤ نہ رکھو جس میں تمہارا کوئی مقصد نہ ہو' اپنے دشمن سے دور رہو' اپنے دوست سے ڈرو۔ مگر یہ کہ وہ امین ہو اور امین صرف وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور تاجر (بدکار) کی صحبت میں نہ بیٹھنا' ایسا نہ ہو کہ اس سے تم بری باتیں سیکھ لو اور اس پر اپنا راز ظاہر نہ کرنا' اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ لو جو اللہ بزرگ و برتر سے ڈرتے ہیں۔

۹۰۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزُّبَيْرِ الْمَكِّيُّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى اَنْ يَّاْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ وَيَمْشِيْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ اَوْ يَحْتَبِيَ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابوالزبیر رضی اللہ عنہ کی نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا بائیں ہاتھ سے کھانے سے' ایک جوتی پہن کر چلنے سے' سر پاؤں تک ایک کپڑا لپیٹ لینے سے اور ایک کپڑا لپیٹ کر سرین کے بل اس طرح بیٹھنے سے کہ شرمگاہ کھل جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ يُكْرَهُ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّاْكُلَ بِشِمَالِهٖ وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ وَاشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ اَنْ يَّشْتَمِلَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ فَيَشْتَمِلُ بِهٖ فَيَكْشِفُ عَوْرَتَهٗ مِنَ النَّاحِيَةِ الَّتِيْ تُرْفَعُ مِنْ ثَوْبِهٖ وَكَذٰلِكَ الْاِحْتِبَاءُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بائیں ہاتھ سے کھانا اور اشتمال الصماء مکروہ ہے اور اشتمال الصماء یہ ہے کہ ایک کپڑا پورے جسم پر اس طرح لپیٹ لے کہ کپڑا کسی طرف سے اٹھائے تو شرمگاہ کھل جائے اسی طرح ایک کپڑے میں احتباء ہے۔

مذکورہ باب میں تین عدد روایات مروی ہیں جن میں سے پہلی کی وضاحت کی جاتی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے دو قسم کی بیع اور دو قسم کا لباس اور دو قسم کی نمازوں سے منع فرمایا۔ دو بیعوں سے مراد ایک بیع منابذہ اور دوسری ملامسہ بیع۔ منابذہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور دوسرا آدمی پہلے کی طرف کپڑے کو پھینک دے' یہ زمانۂ جاہلیت میں بیع جاری تھی کہ جب دونوں نے ایک دوسرے کی طرف اپنا کپڑا پھینک دیا تو یہ بیع ہو گئی چاہے وہ اس پر راضی نہ ہوں اور اس میں یہ بھی شرط نہیں تھی۔ دونوں کی طرف سے جو کپڑا پھینکا گیا ہے انہوں نے اس کو دیکھا بھی نہیں یعنی اس میں نظر نہیں کی کہ یہ کون سا کپڑا ہے اور کتنے گز ہے؟ اور دوسری قسم کی بیع ملامست ہے اور بیع ملامست یہ ہے کہ ایک آدمی لپیٹے ہوئے کپڑے کو ہاتھ سے مس کرے یا اندھیرے میں ہاتھ

لگادے تو یہ بیع منعقد ہو جاتی چاہے وہ اس سے راضی ہو یا نہ ہو۔ تو ان دو قسم کی بیعوں سے نبی پاک ﷺ نے منع فرمایا کہ یہ ایک قسم کا جوا ہے اور دو قسم کے لباسوں سے آپ نے منع فرمایا ایک یہ ہے کہ اشتمال الصماء کہ ایک آدمی اپنے پورے جسم کو ایک چادر میں لپیٹ لے کہ کوئی عضو اس سے باہر نہ رہے اس کی دو خرابی ہیں ایک تو یہ چادر میں ایسا پھنسا ہوا ہے کہ جلدی سے چادر سے نکل نہیں سکتا کسی قسم کی اس کو ٹھوکر لگ جائے تو یہ گر پڑے گا دوسرا یہ ہے کہ جہاں کہیں سے کپڑا اٹھ جائے تو یہ ننگا ہو جائے گا۔ الشتمال احتباء اور اس کی صورت یہ ہے کہ انسان سرین پر بیٹھ جائے اور اپنے گھٹنوں کو کھڑا کرے اور اوپر سے چادر لپیٹ لے تو اس میں بھی انسان کے فرج کے نکل جانے کا خطرہ ہے اور تیسرا دو نمازوں سے منع کیا گیا۔ ایک تو یہ ہے کہ نماز عصر کے بعد کوئی نفل نہ پڑھا جائے۔ دوسرا یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد کوئی نفل نہ پڑھا جائے اور یہ جو کچھ مذکور ہوا ہے امام محمد فرماتے ہیں یہ تمام احناف کا قول ہے بمع امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور مذکورہ باب میں دوسری حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی چند نصیحات کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ترجمہ سے ہی واضح ہیں اُس میں کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ تیسری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ سے نہ لینا چاہیے نہ دینا چاہیے نہ کھانا چاہیے نہ پینا چاہیے۔ اس کے اثبات ہر چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن انس قال نهى رسول الله ﷺ ان ياكل الرجل بشماله اويشرب بشماله. رواه احمد والطبرانى فى الاوسط وفيه عبيد الله او عبد الله بن دقهان روى عن روح بن هشام بن حسان ولم يضعفه احد وبقية رجاله رجال الصحيح عن عائشة عن النبى ﷺ انه قال من اكل معه الشيطان ومن شرب بشماله شرب معه الشيطان. رواه احمد والطبرانى فى الاوسط وفى اسناداحمد رشدين بن سعد وهو ضعيف وقدوثق فى الآخر ابن لهية وحديثه حسن وعن عبدالله بن ابى طلحه رضى الله عنه ان النبى ﷺ قال اذا اكل احدكم فلا ياكل بشماله واذا شرب فلا يشرب بشماله اذا اخذ فلا ياخذ بشماله او اعطى فلا يعطى بشماله رواه احمد وهو مرسل رجاله رجال الصحيح وعن حفصة رضى الله عنها زوج النبى ﷺ قالت كان رسول الله ﷺ اذا اوى الى فراشه اضطجع على يده اليمنى وكانت يمينه لاكله وشرابه ووضوئه وثيابه واخذه وعطائه وكان يجعل شماله لما سوى ذالك قلت روى ابو داؤد طرفامن اوله رواه احمد ورجاله ثقات وعن عبدالله بن

حضرت انس ابن مالک سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ کوئی آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے یا بائیں ہاتھ سے پئے۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے اوسط میں اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی نے بائیں ہاتھ سے کھایا اس کے ساتھ شیطان نے کھایا اور جس آدمی نے بائیں ہاتھ سے پیا اس کے ساتھ شیطان نے پیا۔ اس کو روایت کیا احمد نے اور طبرانی نے اوسط میں۔ عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی کھائے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے یا پئے تو بائیں ہاتھ سے نہ پئے اور جب پکڑے تو بائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور جب کسی کو عطاء کرے تو بائیں ہاتھ سے نہ کرے اس کو روایت کیا احمد نے اور یہ روایت مرسل ہے اور اس کے راوی ہیں۔ حضرت سیدہ حفصہ ام المؤمنین سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر کی طرف تشریف لاتے تو آپ اپنے دائیں ہاتھ پر لیٹتے اور آپ کا دایاں ہاتھ کھانے پینے، وضو کرنے، کپڑے پہننے اور عطا کرنے کے لیے تھا اور آپ نے اپنے بائیں ہاتھ کو اس کے علاوہ دوسری چیزوں کے لیے بنا رکھا تھا۔ میں کہتا ہوں اس حدیث کا کچھ پہلا حصہ ابو داؤد نے روایت کیا اور اس کو روایت کیا احمد نے اور اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ عبداللہ ابن

محمد بن عبداللہ بن زید عن امراۃ منهم قالت داخل علی رسول اللہ ﷺ وانا اکل بشمالی وکنت امراۃ عسرا فضرب یدی فسقطت اللقمۃ فقال لا تاکلی بشمالک وقد جعل اللہ لک یمینا اوقال قد اطلق اللہ تبارک وتعالی یمینک قال فتحولت شمالی یمینا فما اکل بما بعد رواہ احمد وطبرانی ورجال احمد ثقات. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج۵ ص۲۵ باب الاکل بالیمین مطبوعہ البیروت۔ لبنان)

محمد ابن عبداللہ ابن زید روایت کرتا ہے کہ ایک عورت سے جو ان میں سے تھی۔ اس عورت نے کہا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میں بائیں ہاتھ سے کھا رہی تھی اور میں ایک تنگ دست عورت تھی' نبی پاک ﷺ نے اپنا ہاتھ مارا تو لقمہ زمین پر گر گیا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اپنے بائیں کے ساتھ نہ کھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے داہنا ہاتھ بنایا یا یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے داہنے ہاتھ کا ذکر فرمایا۔ راوی کہتا ہے کہ اس نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں کی طرف پھیر لیا اور بائیں ہاتھ کے ساتھ پھر نہ کھایا اس کو روایت کیا احمد اور طبرانی نے اور احمد کے راوی سب ثقہ ہیں۔

قارئین کرام! مذکورہ جتنی احادیث گزری ہیں ان میں کھانے پینے' عطا کرنے اور پکڑنے کے بارے میں جو ذکر آیا ہے یہ سب کام دائیں ہاتھ سے کرنے چاہیں ان سب روایات میں امر ندب کے لیے آیا ہے نہ کہ کراہیت کے لیے۔ لہٰذا لوگوں کو ان چیزوں کی طرف رغبت دینی چاہیے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل ہو سکے اور اگر کسی وقت غفلت سے ایسا ہو جائے کہ وہ سنت پر عمل نہ کر سکے تو اس میں معافی کی گنجائش ہے اس کو قیامت میں گرفت نہ ہوگی ہاں وہ آدمی جو ان سنتوں کی تخفیف کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اس کے لیے سخت گرفت ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار

۴۲۱- بَابُ الزُّهْدِ وَالتَّوَاضُعِ

زہد اور تواضع کے بیان میں

۹۱۰- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِیْنَارٍ اَنَّ بْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یَاْتِیْ قُبَاءَ رَاکِبًا وَمَاشِیًا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی ہم سے روایت کیا عبداللہ بن دینار نے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ قباء کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر آتے تھے۔

مذکورہ روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ پیدل اور سوار ہو کر قباء تشریف لے جاتے تھے۔ یہ یاد رہے نبی پاک ﷺ کا معمول شریف یہ تھا کہ آپ ہفتے کے روز مسجد قباء تشریف لے جاتے اور دو رکعت نفل پڑھتے اور فرماتے کہ جو آدمی مسجد قباء میں تشریف لائے گا اس کو اللہ تعالیٰ کامل عمرہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔ بلکہ یوں بھی آتا ہے کہ مسجد قباء کی طرف جانا ایسے ہے جیسے بیت المقدس کی طرف جانا۔

وعن اسید بن ظهیر الانصاری رضی اللہ عنه وکان من اصحاب النبی ﷺ یحدث عن النبی ﷺ انه قال صلاۃ فی مسجد قباء کعمرۃ رواہ الترمذی و ابن ماجه والبیهقی وقال الترمذی حدیث حسن غریب......وعن سهل ابن حنیف رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ من تطهر فی بیته ثم اتی مسجد قباء فصلی فیه صلاۃ کان له

اسید بن ظہیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تھے وہ نبی پاک ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کہ مسجد قباء میں نماز پڑھنا مثل عمرے کے ہے۔ اس کو ترمذی' ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے گھر میں وضو کیا پھر وہ مسجد قباء میں آیا اس میں

کاجر عمرة رواه احمد والنسائی وابن ماجه واللفظ له والحاكم وقال صحيح الاسناد......عن ابی امامة بن سهل عن ابيه عن النبی ﷺ بمعناه: وزاد ومن خرج على طهر لايريد الا مسجدی هذا يريد مسجد المدينة ليصلی فيه كانت بمنزلة حجة وروى الطبرانی فی الكبير عنه قال قال رسول الله ﷺ من توضا فاحسن الوضوء ثم دخل مسجد قباء فيركع فيه اربع ركعات كان ذالك عدل رقبة..... وعن ابن عمر رضی الله عنهما قال: كان النبی ﷺ يزور قباء اوياتی قباء راكبا وماشيا زادفی روايته: فيصلی فيه ركعتين رواه البخاری والمسلم...... وعن عامر بن سعد وعائشة بنت سعد سمعا اباهما رضی الله عنه يقول لان اصلی فی مسجد قباء احب الی من ان اصلی فی مسجد بيت المقدس رواه الحاكم وقال: اسناده صحيح على شرطهما. (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۸ ما جاء فی فضل مسجد قباء مطبوعہ بیروت۔لبنان)

اس نے نماز پڑھی اس کے لیے عمرے کی مثل اجر ہے۔اس کو احمد' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور حاکم نے کہا یہ صحیح الاسناد ہے۔ ابوامامہ بن سہل اپنے باپ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس معنی کے ساتھ لیکن وہ اس میں یوں زیادتی کرتے ہیں کہ جو آدمی وضو کی حالت میں نکلا اور اس کا ارادہ سوائے میری مسجد کے نہیں ہے یعنی ارادہ کرتے ہیں مسجد نبوی کا تاکہ نماز پڑھے تو یہ بمنزلہ حج ہے۔روایت کیا طبرانی نے کبیر میں سہل بن حنیف سے انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس نے اچھا وضو کیا پھر مسجد قباء میں تشریف لایا اور وہاں اس نے چار رکعتیں نماز پڑھی تو اس کو غلام آزاد کرنے کے برابر اجر ملے گا......ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ زیارت کرتے قباء کی یا آتے قباء کو سوار ہو کر یا پیدل ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ آپ اس میں دو رکعت نفل پڑھتے۔اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا...... عامر بن سعد اور عائشہ بن سعد ان دونوں نے اپنے باپ رضی اللہ عنہ سے سُنا کہ وہ فرماتے تھے کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں نماز پڑھوں مسجد بیت المقدس میں۔اس کو حاکم نے روایت کیا اور شیخین کی شرائط پر یہ صحیح ہے۔

قارئین کرام! یہ چند احادیث مسجد قباء میں نماز پڑھنے کے بارے میں ذکر کی گئیں اور جو کہ مؤطا امام محمد نے ذکر کیا کہ نبی پاک ﷺ پیدل اور سوار ہو کر مسجد قباء کو تشریف لاتے تھے۔لیکن مؤطا کی حدیث میں اجمال ہے کیونکہ اس میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ آپ مسجد قباء میں آ کر نفل پڑھتے یا نہیں اور دوسرا یہ بیان کیا گیا کہ آپ کے آنے جانے کا مسجد قباء میں کون سے روز زیادہ معمول تھا اور پھر اس بات کی بھی وضاحت نہیں کی گئی کہ جو مسجد قباء میں آتا ہے' نوافل پڑھتا ہے اسے کیا اجر ملتا ہے؟ تو ان احادیث نے واضح کر دیا کہ نبی پاک ﷺ کا اکثر معمول ہفتے کے روز مسجد قباء میں تشریف لانے کا تھا اور جو آدمی آ کر دو رکعت نفل مسجد قباء میں پڑھے تو اسے عمرے کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے چار رکعت نفل پڑھے اسے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور بلکہ یہاں تک مسجد قباء میں تشریف لانے کا ثواب آپ نے ذکر کیا کہ ایک صحابی کہتا ہے کہ میں بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ مسجد قباء میں نماز پڑھوں۔تو یہ مسجد قباء کے فضائل ہیں اس کے علاوہ بھی مسجد قباء کے فضائل کثیر ہیں جن کو اختصار کی وجہ سے نقل نہیں کیا گیا۔بہر حال جو لوگ مدینہ طیبہ جائیں تو انہیں چاہیے کہ کم از کم ایک دفعہ ہفتہ کے روز مسجد قباء میں پہنچ کر دو رکعت یا چار رکعت نفل پڑھیں تاکہ سنتِ رسول پر عمل ہو۔

۹۱۱۔ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا إِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثَ الْأَرْبَعَةَ قَالَ أَنَسٌ رَأَيْتُ [illegible]

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے کہ انس بن مالک نے ان سے یہ چار باتیں [illegible] (۱) دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے

عَنْهُ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ رَقَعَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ بِرِقَاعٍ ثَلٰثٍ لَبَّدَ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ وَقَالَ اَنَسٌ وَقَدْ رَاَيْتُ عُمَرَ يُطْرَحُ لَهُ صَاعُ تَمْرٍ فَيَاْكُلُهُ حَتّٰى يَاْكُلَ حَشَفَهُ قَالَ اَنَسٌ وَسَمِعْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمًا وَخَرَجْتُ مَعَهُ حَتّٰى دَخَلَ حَائِطًا فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ وَبَيْنِيْ وَبَيْنَهُ جِدَارٌ وَهُوَ فِيْ جَوْفِ الْحَائِطِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ بَخٍ بَخٍ وَاللّٰهِ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ لَتَتَّقِيَنَّ اللّٰهَ اَوْ لَيُعَذِّبَنَّكَ قَالَ اَنَسٌ وَسَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَجُلٌ فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ثُمَّ سَاَلَ عُمَرُ الرَّجُلَ كَيْفَ اَنْتَ قَالَ الرَّجُلُ اَحْمَدُ اللّٰهَ اِلَيْكَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هٰذِهٖ اَرَدْتُ مِنْكَ.

میں نے دیکھا کہ ان کے کرتے میں مونڈھوں کے درمیان ایک دوسرے کے اوپر تلے تین پیوند لگے ہوئے تھے (۲) انس نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے سامنے ایک صاع کھجوریں رکھ دی جاتیں تو وہ کھاتے یہاں تک کہ جو ردی ہوتیں وہ بھی کھا لیتے (۳) انس کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا یہاں تک کہ وہ ایک باغ کے اندر داخل ہو گئے' وہ باغ کے اندر تھے میرے اور ان کے درمیان دیوار حائل تھی میں نے سُنا کہ (اپنے آپ کو مخاطب کر کے) کہہ رہے تھے: اے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب! بخدا' اے خطاب کے بیٹے! اللہ سے ڈر ورنہ وہ تجھے عذاب میں مبتلا کر دے گا (٤) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دے کر دریافت فرمایا کہ تیرا کیا حال ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں آپ کے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھ سے یہی چاہتا تھا۔

۹۱۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَبْعَثُ اِلَيْنَا بِاَحْظَائِنَا مِنَ الْاَكَارِعِ وَالرُّؤُوْسِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ہشام بن عروہ نے اپنے والد عروہ بن زبیر سے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (کوئی جانور ذبح کرتے) تو ہم لوگوں کا حصہ سری پائے بھیج دیتے تھے۔

۹۱۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهُ سَمِعَ الْقَاسِمَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَسْلَمَ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَهُوَ يُرِيْدُ الشَّامَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنَ الشَّامِ اَنَاخَ عُمَرُ وَذَهَبَ لِحَاجَتِهٖ. قَالَ اَسْلَمُ فَطَرَحْتُ فَرْوَتِيْ بَيْنَ شِقَّيْ رَحْلِيْ فَلَمَّا فَرَغَ عُمَرُ عَمَدَ اِلٰى بَعِيْرِيْ فَرَكِبَهُ عَلَى الْفَرْوِ وَرَكِبَ اَسْلَمُ بَعِيْرَهُ فَخَرَجَا يَسِيْرَانِ حَتّٰى لَقِيَهُمَا اَهْلُ الْاَرْضِ يَتَلَقَّوْنَ عُمَرَ قَالَ اَسْلَمُ فَلَمَّا دَنَوْا مِنَّا اَشَرْتُ لَهُمْ اِلٰى عُمَرَ فَجَعَلُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ بَيْنَهُمْ قَالَ عُمَرُ تَطْمَحُ اَبْصَارُهُمْ اِلٰى مَرَاكِبَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُمْ يُرِيْدُ مَرَاكِبَ الْعَجَمِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ میں نے قاسم سے سُنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اسلم سے سُنا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا' ان کا ارادہ شام کا تھا ہم شام کے قریب پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سواری کو بٹھایا اور رفع حاجت کے لیے چلے گئے۔ اسلم کا بیان ہے کہ میں نے اپنی گودڑی اتار کر اپنے کجاوہ میں رکھ لی' جب آپ فارغ ہو کر آئے تو میرے اونٹ کی طرف رُخ کیا اور اس پر سوار ہو کر میری گودڑی پر بیٹھ گئے' اسلم ان کے اونٹ پر سوار ہوئے پھر دونوں روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ہمیں اُس سرزمین کے لوگ آ ملے جو آپ کے استقبال کے لیے آئے تھے' جب وہ ہمارے قریب آ گئے تو میں نے انہیں

اشارے سے بتایا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ نہیں وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ لوگ ان سواروں کے انتظار میں ہیں جن کا آخرت میں حصہ نہیں۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد عجمی لوگ تھے۔ (استقبال کرنے والوں کا خیال تھا کہ اسلام خلافت کا سربراہ فاروق اعظم دنیا کے بادشاہوں کی طرح شان وشوکت کا مالک ہوگا)۔

٩١٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَاكُلُ خُبْزًا مَفْتُوْتًا بِسَمْنٍ فَدَعَا رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَجَعَلَ يَاكُلُ وَيَتَّبِعُ بِاللُّقْمَةِ وَضَرَ الصَّحْفَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ كَاَنَّكَ مُقْفِرٌ قَالَ وَاللّٰهِ مَا رَاَيْتُ سَمْنًا وَّلَا رَاَيْتُ اَكْلًا بِهٖ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا اٰكُلُ السَّمْنَ حَتّٰى يَحْيَى النَّاسُ مِنْ اَوَّلِ مَا اُحْيُوْا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روٹی گھی میں کوٹ کر کھا رہے تھے آپ نے ایک دیہاتی کو کھانے کے لیے بلایا تو وہ لقمہ کے ساتھ پیالے کا میل بھی کھانے لگا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تو بھوکا ہے؟ اس نے کہا بخدا! ایک طویل مدت سے گھی نہیں دیکھا نہ گھی کھانے والے کو دیکھا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی گھی نہ کھاؤں گا جب تک لوگ ایسے ہی آسودہ حال نہ ہو جائیں جیسے پہلے تھے۔

مذکورہ باب میں سے چار روایات نقل کی ہیں جو کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زہد وتقویٰ اور پرہیز گاری کے متعلق ہیں کہ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمانہ خلافت میں اس قسم کی سادگی کو اپنے لیے لازم پکڑا کہ جس کی وجہ سے پوری حکومت میں کسی کو مجال نہیں تھی کہ وہ زیادہ عیش وعشرت کے ساتھ اور فخر وتکبر کے ساتھ زندگی گزارے۔ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آیا بھی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا اور انہیں خوف خدا کی تلقین کی اور کثیر روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ کی قمیص اور چادر پر کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے بلکہ اس طرح بھی پایا گیا کہ ایک ہی جگہ ایک پیوند کے اوپر اور پیوند لگے ہوئے تھے اور کھانے میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے سامنے کھجوریں رکھی جاتیں تو آپ چن کر کھجوریں نہ کھاتے بلکہ اچھی کھجوروں کے ساتھ ردی کھجوروں کو بھی کھا جاتے اور جب تنہائی کا مقام آتا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ باوجود اس قناعت اور صبر کے پھر بھی اللہ سے خوف زدہ رہتے جس کی شہادت انس بن مالک یوں دیتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ باغ کے اندر تھے اور میں باغ کے باہر تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شاید اس باغ میں سے لے کر چند کھجوریں کھائی ہوں یا ویسے ہی ان کو خیال آیا اور رو کر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: اے خطاب کے بیٹے! اللہ سے ڈر ورنہ وہ تجھے عذاب دے گا۔ عارضی عقل اور علم سمجھتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ عجز وانکساری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر اہم اور مرتبہ رکھتی ہے کہ جس کا ہر آدمی اندازہ نہیں لگا سکتا باوجود اس بات کے کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں دعا مانگی: "اللھم ایدہ الاسلام بعمر بن الخطاب یعنی اے اللہ! عمر کے ساتھ اسلام کو مضبوط فرما" اور یوں بھی فرمایا کہ "عمر فی الجنۃ یعنی عمر رضی اللہ عنہ جنتی ہے"۔ اور یوں بھی فرمایا کہ "ان اللہ ینطق علی لسان العمر اللہ تعالیٰ عمر کی زبان پر کلام فرماتا ہے"۔ جس ذات قدسیہ کی یہ شان اور مرتبہ ہے اس کے باوجود وہ اللہ کے خوف سے روتے ہوئے اپنے نفس سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے عمر! تو اللہ تعالیٰ سے ڈر ورنہ وہ تجھے عذاب دے گا۔ یہ تقویٰ اور خدا خوفی کی انتہا ہے اور موطا میں اسی جگہ ذکر کر دیا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ عمر فاروق

رضی اللہ عنہ جب کبھی ہمیں مذبوحہ گوشت کا حصہ بھیجتے تو سری پائے کا بھیجتے۔اس سے اندازہ کیجئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گوشت میں سے اپنے لیے کونسا حصہ اختیار فرماتے تھے یعنی گوشت میں سے سب سے ہلکا اور بے قیمت گوشت اپنے لیے رکھتے جو امہات المؤمنین کو عطا فرماتے ہیں۔

اور امام محمد نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سفر کا ایک واقعہ نقل فرمایا جو دوسری کتابوں میں کچھ مختلف الفاظ اور بسط کے ساتھ مذکور ہے یعنی جب بیت المقدس کے لوگوں نے مطالبہ کیا کہ اے صحابیو! ہمارے اور آپ کے درمیان کافی عرصے سے جنگ ہو رہی ہے اور ہم نے اپنی کتب میں تمہارے خلیفہ دوم کی ایک صفت پڑھی ہے اگر وہ صفت اس میں پائی جائے ہم بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈال دیں گے۔لیکن تم اپنے خلیفہ کو یہاں بلاؤ۔لہٰذا ان صحابیوں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط بھیجا کہ تمہارے آنے کے بغیر بیت المقدس کا فیصلہ نہیں ہوتا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تیاری فرمائی جبکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد شدہ غلام بنام اسلم کو ساتھ لیا اور ہر ایک کے پاس سواری تھی تو جب بیت المقدس کے قریب پہنچے آپ کا غلام اسلم کہتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور قضائے حاجت کے لیے چلے گئے اور میں نے بھی اپنی گدڑی اٹھا کر اپنے اونٹ کے کجاوے پر رکھ دی تو جب عمر فاروق تشریف لائے تو آپ قصداً میرے اونٹ پر چڑھ کر میری گدڑی پر بیٹھ گئے جس کی وجہ سے نمایاں طور پر نظر آنے لگا کہ گدڑی پر بیٹھنے والا غلام ہے اور دوسرا آقا ہے۔تو جب بیت المقدس کے لوگ ملاقات کے لیے نکلے تو اسلم کو امیر المؤمنین سمجھ کر اس کی طرف جھکے اسلم نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ میں امیر المؤمنین نہیں ہوں امیر المؤمنین وہ ہیں تو عام لوگوں نے آپس میں چہ میگوئیاں کرنا شروع کر دیں کہ اس امیر المؤمنین کی سواری کا کیا حال ہے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا: یہ ایسے شہنشاد کا انتظار کر رہے ہیں جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔یعنی ان کے ذہنوں میں جو شہنشاہ کی سواری کا اور اس کے زیب وزینت کا نقشہ بیٹھا ہوا ہے وہ ایسے شہنشاہ ہیں جن کا قیامت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔لیکن ان کے صاحب عالم لوگ تھے جنہوں نے اپنی کتاب میں خلیفہ ثانی کی سادگی کا ذکر پڑھا ہوا تھا وہ فوراً جھک گئے اور ہتھیار ڈال دیئے اور اس جگہ مؤطا میں یہ بھی مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گھی میں روٹی کو کوٹ کر کھایا تو ایک بدوی جو پاس ہی تھا جس کو آپ نے کھانے میں شریک کر لیا لیکن اس نے پیالے کو اس طرح صاف کیا کہ جیسے پیالے میں گھی لگا ہی نہیں تھا تو جب آپ نے اس کی تکلیف کا یہ عالم دیکھا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دل کے ساتھ عہد کر لیا کہ اے عمر! تو نے اس وقت تک گھی نہیں کھانا جب تک کہ لوگ بھی گھی کھانا شروع کر دیں۔یہ تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وہ سادگی ہے جس کو امام محمد رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤطا میں نقل فرمایا۔اب میں چند روایات دوسری کتابوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زہد و تقویٰ کے بارے میں نقل کرتا ہوں۔ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلام اور ہجرت میں تو ہم پر مقدم نہیں تھے لیکن وہ ہم سب سے زیادہ دُنیا میں زاہد اور آخرت میں راغب تھے۔ثابت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا انہیں ایک برتن میں شہد پیش کیا گیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس برتن کو ہاتھ پر رکھ کر کہنے لگے میں اس کو پی لوں گا تو پینے کے بعد اس کی حلاوت تو ختم ہو جائے گی اور اس کا مؤاخذہ باقی رہ جائے گا۔یہ کہہ کر وہ شہد کسی اور شخص کو دے دیا۔ابن ملائکہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا۔تو غلام نے آ کر کہا عتبہ ابی فرقد ملاقات کے لیے آئے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا عتبہ کس کام سے آئے ہیں؟ ان کو بلاؤ' عتبہ آئے تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے روٹی اور زیتون کا تیل رکھا ہوا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آؤ عتبہ کھانا کھاؤ' وہ کھانے لگے تو وہ سخت روٹی تھی جو اس کے حلق سے نہیں اترتی تھی۔انہوں نے کہا امیر المؤمنین! کیا آپ کے ہاں میدے کی نرم روٹیاں نہیں ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم پر افسوس ہے کہ تمام مسلمان اس قسم

کا کھانا کھا سکتے ہیں' اس نے کہا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم پر افسوس ہے کہ اے عتبہ! کیا میں اچھی اور لذیذ چیزیں دُنیا میں ہی خرچ کرلوں۔ ابو عثمان نے کہا میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مار رہے تھے' ان کے جسم پر پیوند لگا ہوا لباس تھا جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۳ ص ۶۰-۶۲ باب العین والمیم مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

ثابت سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا تو آپ کو برتن میں شہد پیش کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس برتن کو اپنے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: میں اس شہد کو پی لوں گا اس کی حلاوت تو گزر جائے گی لیکن اس کا حساب باقی رہے گا' آپ نے یہ کلمہ تین دفعہ فرمایا اس کے بعد آپ نے وہ شہد کسی آدمی کو دے دیا' اس نے پی لیا۔

(کنز العمال جلد ۱۲ ص ۶۳۲ حدیث نمبر ۳۵۹۵۲)

قارئین کرام! اس روایت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ اور فراست کا اندازہ کریں۔ اس میں کیا شک ہے کہ جب شہد کو پیا جائے تو پینے کے وقت لذت آتی رہے گی اور جب حلق سے نیچا اتر جائے گا تو وہ لذت ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس کا حساب و کتاب تو ختم نہیں ہوگا۔ اس میں کس قدر تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور پھر فراستِ علمی کا بھی کیا مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ عزوجل ہمیں بھی سیرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں بصرہ کی جامع مسجد کی ایک مجلس میں حاضر ہوا' وہاں کچھ صحابۂ رسول ﷺ بھی موجود تھے جو کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زہد و تقویٰ کا ذکر فرما رہے تھے اور اسلام میں ان کی فتوحات اور حسن سیرت پر تذکرہ فرما رہے تھے۔ جب میں ان صحابہ کرام کے قریب ہوا ان صحابہ کرام کے ساتھ احنف بن قیس تمیمی بھی بیٹھے ہوئے تھے' تو میں نے اس سے سنا وہ بیان کر رہے تھے' ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک چھوٹے لشکر میں عراق کی طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عراق کو فتح کیا اور فارس کے ایک شہر کو فتح کیا۔ تو ہم نے فارس اور خراسان سے سفید کپڑا پایا۔ جس کو ہم نے پہنا اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے ہم سے چہرہ پھیر لیا اور ہم سے کلام نہ فرمائی۔ یہ بات صحابہ کرام پر بڑی گراں گزری وہ عبداللہ بن عمر کے پاس آئے جب کہ وہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ تو ہم نے اس ناراضگی کی شکایت کی جو ہم نے امیر المومنین سے پائی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المومنین نے تم پر ایسا لباس دیکھا ہے کہ جیسا انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ان کے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ لہٰذا ہم اپنے گھروں میں آئے اور اسی قسم کا لباس پہنا کہ جیسا ہم پہلے پہنتے تھے تو جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے آپ کھڑے ہوئے اور ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ سلام لیا اور ہر ایک ایک سے معانقہ فرمایا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا گویا کہ آپ نے ہماری پہلی حالت دیکھی نہیں۔ ہم نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاں مال غنیمت پیش کیا تو آپ نے ہمارے درمیان برابری کے ساتھ تقسیم فرمایا' اس مال غنیمت میں ایک قسم کا کھانا بھی آیا تھا جس کو آپ پر پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو چکھا اس میں آپ نے خوشبو کو پایا جو اس کے کھانے میں آ رہی تھی تو آپ ہم پر متوجہ ہو کر فرمانے لگے اے مہاجرین و انصار کی جماعت! تم میں سے بیٹے نے باپ کو قتل کیا' بھائی نے بھائی کو قتل کیا اس رسول اللہ کے زمانہ میں (کہ کفار باپ اور بیٹے کو جو مد مقابل ہوئے قتل کیا)۔ لہٰذا آپ نے حکم دیا کہ اس طعام کو اُٹھایا جائے ان لوگوں کی اولاد کی طرف جو شہید ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے مہاجرین و انصار سے' اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھ کر چل پڑے اور صحابہ کرام بھی آپ کے پیچھے چل پڑے تو مہاجرین و انصار جو آپ کے پیچھے چل رہے تھے آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ تمہارا کیا خیال ہے اس امیر المومنین کے زہد و تقویٰ کے متعلق؟ جب سے اللہ تعالیٰ نے عمر فاروق کے ہاتھ پر قیصر و کسریٰ کے شہروں کو اور مشرق و مغرب کے دونوں کناروں کے درمیان فتح عطا فرمائی [illegible] تو ہمارے اور عرب و عجم کے

وفود عمر فاروق کے پاس آتے ہیں تو وہ آپ پر اس جبہ کو دیکھتے ہیں کہ جس کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارہ پیوند لگائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اکرتم اصحاب رسول اللہ ﷺ سوال کرو کیونکہ تم بڑے لوگ ہو کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قیام فرمایا اور حضور ﷺ کا مشاہدہ فرمایا اور وہ اوّل مہاجرین و انصار سے ہیں وہ سب مل کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کا یہ جزیہ تبدیل کروائیں اور اس کی جگہ خوبصورت اور نرم جبہ پہنائیں جس کو دیکھ کر مخالفوں کو آپ کی ہیبت نظر آئے اور دوسرا صبح کے طعام میں ایک بڑا ٹرے پیش کیا جائے کہ جس میں حضرت عمر بھی کھائیں اور مہاجرین و انصار میں سے جو موجود ہو وہ بھی کھائیں ان سب نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ یہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے وہ پورا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ تم کو سب لوگوں سے زیادہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آنے جانے کی جرأت ہے دوسرا عمر فاروق کے وہ سسر بھی لگتے ہیں تیسرا ان کی بیٹی رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ ہیں نیز علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے چچا زاد بھائی ہیں۔ یہ چیزیں سب اس بات کا سبب ہیں کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بات کی جائے۔ لہٰذا ان سب نے علی رضی اللہ عنہ سے بات کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن ان کو مشورہ دیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس چلے جاؤ ان کو یہ قوت حاصل ہے اس لیے کہ امہات المؤمنین ہیں۔ احنف بن قیس نے کہا ان سب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کی جبکہ وہ دونوں اکٹھی بیٹھی تھیں تو سیدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین نے فرمایا میں امیر المؤمنین سے بات کرتی ہوں۔ لیکن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میرا خیال ہے کہ وہ تمہاری بات نہیں مانیں گے بلکہ تجھ پر کوئی دلیل اور بحث پیش کریں گے۔ لہٰذا دونوں امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئیں تو آپ نے اُن دونوں کو قریب کیا سیدہ عائشہ ام المؤمنین نے فرمایا اے ام المؤمنین! کہ مجھے اجازت ہے کہ آپ سے بات کروں' حضرت عمر فاروق نے فرمایا ام المؤمنین فرمایئے' نبی پاک ﷺ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی جنت کی طرف تشریف لے گئے نہ انہوں نے دُنیا کا ارادہ کیا اور نہ ہی اس کو رد کیا اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے نقش قدم پر چلے' رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرتے کذابین کو قتل کرتے ہوئے اور بے راہ لوگوں کے دلائل کو توڑتے ہوئے بعد عدل کرنے اس کی رعیت میں اور برابر تقسیم کرنے میں اور اللہ تعالیٰ عزوجل کی زمین میں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُس کو انہی رحمت اور رضا کے لیے قبض کر لیا اور اُن کو اپنے نبی ﷺ کے ساتھ درجۂ اولیٰ میں ملا دیا نہ ارادہ کیا انہوں نے دُنیا کا اور نہ رد کیا اس کا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر قیصر و کسریٰ اور اُن کے شہروں کے خزانے فتح کیے۔ اُن کا مال آپ کی طرف پہنچ گیا اور قریب ہے کہ مشرق و مغرب کے دونوں کنارے تیرے ہاتھ میں آئیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے زیادتی کی امید رکھتیں ہیں اور اسلام کی تائید کی امید رکھتی ہیں۔ عجمی بادشاہوں کے قاصد آپ کے پاس آئیں گے' عرب کے وفود آپ کے پاس حاضر ہوں گے اور آپ کے اوپر یہ جبہ جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں اگر اس کو آپ کسی نرم کپڑے کے ساتھ بدل دیں کہ جس میں دیکھنے والوں کے لیے ہیبت ہو اور آپ پر صبح کے وقت اور شام کے وقت ایک بڑا طباق (برتن) پیش کیا جائے جس سے آپ بھی کھائیں اور مہاجر و انصار آپ کے پاس ہوں وہ کھائیں' اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور روئے بھی بہت زیادہ۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے عائشہ ام المؤمنین! میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ تم جانتی ہو اس بات کو کہ نبی پاک ﷺ نے اس دن یا پانچ دن یا تین دن ہی پیٹ بھر کر گندم کی روٹی کھائی ہو یا صرف دو وقت کا کھانا ہی پیٹ بھر کے کھایا ہو۔ یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ سیدہ عائشہ ام المؤمنین نے فرمایا نہیں' حضرت عمر فاروق دوبارہ حضرت عائشہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آپ جانتیں ہیں کہ آپ کے پاس ایسے دستر خوان پر کھانا لگایا گیا ہو جو زمین سے ایک (ہاتھ) بالشت اونچا ہو۔ نبی پاک ﷺ کھانے کے لیے حکم دیتے تو آپ کھانے کو زمین پر رکھنے اور دستر خوان کو زمین سے اٹھا دیتے اُن دونوں نے کہا آپ نے

سچ کہا' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دونوں کو فرمایا کہ تم دونوں زوجہ رسول ﷺ ہو اور امہات المؤمنین ہو اور تمہارا مومنوں پر حق ہے اور خاص کر مجھ پر حق ہے لیکن تم میرے پاس اس لیے آئی ہوتا کہ تم دونوں مجھے دنیا کی رغبت دو اور میں خوب جانتا ہوں نبی پاک ﷺ نے (صوفی) جبہ پہنا۔ بسا اوقات اُس نے آپ کی جلد مبارک کو کھردرا ہونے کی وجہ سے چھیل دیا' کیا دونوں اس بات کو جانتی ہو؟ انہوں نے کہا ہم جانتی ہیں۔ کیا تم دونوں اس بات کو جانتی ہو کہ نبی پاک ﷺ اپنے گھر میں بالوں کے بنے ہوئے کمبل۔ ایک طرف کمبل کے سو جاتے۔ اے عائشہ ام المؤمنین! تیرے گھر میں وہ دن کو چٹائی اور رات کو بھی بچھونا ہوتا اور ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے تو ہم چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو پر دیکھتے' اے حفصہ رضی اللہ عنہا! تو نے یہ بات مجھے بیان کی کہ تو نے آپ کی چٹائی کو ایک رات دوہرا کر دیا تو نبی پاک ﷺ نے اُس پر نیند فرمائی تو آپ بیدار نہ ہوئے یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ نے اذان فرمائی۔ تو آپ نے مجھے فرمایا کہ اے حفصہ رضی اللہ عنہا! کہ تو نے بچھونے کو آج رات دوہرا کیوں کیا یہاں تک کہ میری نیند صبح تک پہنچ گئی اور میرے لیے دُنیا سے کیا تعلق اور میرے لیے کیا ہے کہ تو نے نرم بچھونے کی وجہ سے مجھے مشغول کر دیا؟ اے حفصہ رضی اللہ عنہا! کیا تو جانتی ہے اس بات کو کہ نبی پاک ﷺ کے پچھلے اور پہلے ترکِ اولی افعال معاف کر دیے گئے' رات کو بھوکے سوئے اور صبح کو اٹھے کہ آپ سجدہ میں تھے اور ہمیشہ رکوع اور سجدہ کرتے رہے' دن اور رات کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زاری کرتے ہوئے روتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت اور رضا کی طرف بلا لیا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ اچھی چیز کو نہیں کھائے گا نہ نرم چیز کو پہنے گا اور اُس کے لیے وہی طریقہ پسند ہے جو نبی پاک ﷺ اور حضرت ابوبکر کو ہے اور میں دستر خوان پر سوائے زیتون کے اور نمک کے دو قسم کے سالن جمع نہیں کروں گا اور میں نہیں کھاؤں گا گوشت کو مگر ایک مہینے میں ایک دفعہ یہاں تک کہ گزر رہے اتنا وقت جو گزر رہے کم ہے۔ تو یہ دونوں امہات المؤمنین حضرت عمر فاروق سے پوری گفتگو کرنے کے بعد صحابہ کرام سے آ کر ملیں انہوں نے پوری گفتگو آ کر سنائی جو امیر المؤمنین سے ہوئیں لہٰذا عمر فاروق ہمیشہ اسی حال پر رہے یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے۔ (کنز العمال ج ۱۲ ص ۶۳۱ حدیث نمبر ۳۵۹۵۹)

قارئین کرام! اس لمبی چوڑی روایت میں حضرت عمر فاروق کے بلند پایہ تقویٰ اور مجسمہ سنتِ رسول ہونے پر کافی دلائل موجود ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا ہرگز پسند نہیں تھی اور نہ ہی دنیا کی شو آپ کو پسند تھی۔ پورے صحابہ کرام بمعہ امہات المؤمنین سب کی یہ آرزو رہی کہ عمر فاروق اچھا لباس پہنیں' اچھا کھانا کھائیں اور لوگوں کے سامنے جب آئیں تو اچھے لباس کی وجہ سے دبدبہ نظر آئے' رعب نظر آئے لیکن حضرت عمر فاروق کی ایک ہی دلیل تھی کہ چاہے آسودگی کا زمانہ آ چکا ہے کہ میں لباس بھی وہی پہنوں گا جو نبی پاک ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق نے پہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ حضرت عمر فاروق کی ذات پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے اسلام کے حقائق کو ہمارے سامنے پیش کیا اور پھر انہیں عملی جامہ پہنایا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۴۲۲- بَابُ الْحُبِّ فِي اللهِ

اللہ کے لیے محبت

۹۱۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَتٰى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَتٰى السَّاعَةُ قَالَ وَمَا اَعْدَدْتَّ لَهَا قَالَ لَا شَيْءَ وَاللهِ اِنِّيْ لَقَلِيْلُ الصِّيَامِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنِّيْ لَاُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انس بن مالک سے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اُس نے کہا اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اُس نے عرض کی: کچھ بھی نہیں مگر میں تھوڑے روزوں اور تھوڑی نمازوں والا ہوں لیکن اللہ

اور اُس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تو (قیامت کے دن) اُس کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت رکھتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں ایک چیز واضح طور پر پائی جاتی ہے اگر کسی انسان کے اعمال ناقص بھی ہوں گے بشرطیکہ اُس کو اللہ اور رسول سے محبت ہو تو انشاء اللہ اُس کو آپ کی معیت میں جنت نصیب ہوگی۔ کیونکہ آپ کا یہ جملہ عام ہے کہ جس کے ساتھ تجھے پیار ہے تو قیامت کے دن اُسی کے ساتھ ہوگا اس میں اُس دیہاتی کی کوئی تخصیص نہ رہی بلکہ فرمانے نبی ﷺ کا مفہوم یہ ہے کہ جس کو مجھ سے پیار ہے قیامت میں وہ میرے ساتھ ہوگا۔ اس کی تائید دوسری جگہ حدیث میں یوں آتی ہے۔

وعن انس رضی الله عنه ان رجلاً سأل رسول الله ﷺ متى الساعة؟ قال وما اعددت لها؟ قال لاشیء الا انی احب الله ورسوله قال انت مع من احببت قال انس فما فرحنا بشیء فرحنا بقول النبی ﷺ أنت مع من أحببت قال انس فانا احب النبی ﷺ وابا بکر رضی الله تعالی عنه وعمر رضی الله تعالی عنه وارجوان اکون معهم یحیی اباهم. رواه البخاری و مسلم.

(الترغیب والترہیب جلد۴ ص۲۴ حدیث نمبر۳۲ مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اُس نے عرض کی کچھ بھی نہیں مگر میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تو قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تمہیں محبت ہے' انس ابن مالک نے کہا ہمیں کبھی چیز کی کبھی بھی اتنی خوشی نہ ہوئی کہ جتنی خوشی ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی ہوئی کہ تو کل قیامت کو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تجھے محبت ہے۔ انس بن مالک نے کہا میں نبی پاک ﷺ اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق سے محبت رکھتا ہوں اور اُن کے ساتھ محبت کی وجہ سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ میں کل قیامت کو انہیں کے ساتھ ہوں گا۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

تو معلوم ہوا کہ بخاری و مسلم کی متفق حدیث نے یہ بات ثابت کر دی کہ یہ حدیث اُسی اعرابی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے جس کو کسی سے دُنیا میں پیار ہوگا قیامت میں وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔ اسی مفہوم کو لے کر انس بن مالک نے فرمایا کہ آپ کے اس جملے سے ہمیں اتنی خوشی ہوئی جتنی کبھی خوشی نہیں ہوئی۔ کیونکہ جب اعرابی کو آپ کی معیت کا یہ انعام صرف آپ کے ساتھ محبت کامل رہا ہے تو پھر مجھے رسول اللہ ﷺ' ابوبکر صدیق اور عمر فاروق سے پیار ہے۔ لہٰذا میں بھی اس پیار کی وجہ سے قیامت میں اُن کے ساتھ ہوں گا اور اُس حدیث سے ایک اور بات بڑے اعلیٰ درجے کی معلوم ہوئی کہ اعمال جو ہیں یہ فرع ہیں اور محبت رسول تمام اعمال کی اصل اور جان ہے۔ یعنی محبت رسول کے بغیر اعمال بے کار ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ جس کو اپنے والدین' بہن' بھائی اور بیوی سے زیادہ میں محبوب نہ ہوں وہ مسلمان نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ماں باپ' اولاد سے زیادہ پیار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان کے لیے شرط ہے اور اس طرح اعمال کے لیے محبتِ رسول اصل ہے اور اصل کے بغیر فرع کا تصور ہی نہیں پایا جاتا اور اُس کی تائید اور وضاحت امام ملا علی قاری نے اپنی مشہور کتاب ''مرقات شرح مشکوٰۃ'' میں یوں فرمائی ہے۔

قال ما اعددت لها الا انی احب الله ورسوله اس اعرابی نے کہا میں نے قیامت کے لیے کوئی تیاری نہیں

ولم یذکر غیرہ من العبادات القبیۃ والبدنیہ والمالیۃ لانھا کلھا فروع للمحبۃ مترتبۃ علیھا ولان المحبۃ ھی اعلی منازل السائرین واعلی مقامات الطائرین فانھا باعثہ لمحبۃ اللہ اونتیجۃ لھا قال تعالی یحبھم ویحبونہ وقال ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ فکان من المعلوم الواضح عندھم ان المحبۃ المجردۃ من غیر المتابعہ لیس لھا کثیر فائدۃ ولا کبیر عائدۃ (قال انت مع من احببت) ای ملحق بمن غلب محبۃ علی محبۃ غیرہ من النفس والاھل والمال ومدخل فی زمرتہ. (امرقات ج۹ص۲۵۰باب الحب فی اللہ ومن اللہ فصل اول مکتبہ امدادیہ ملتان۔مغربی پاکستان)

کی مگر میں اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہوں اور اُس نے اس کے علاوہ عبادات قلبیہ اور بدنیہ اور مالیہ کا کوئی ذکر نہ کیا۔ کیونکہ یہ سب کے سب محبت کے لیے فرع ہیں اور محبت رسول ﷺ پر ہی مرتب ہیں۔ کیونکہ طاہرین کے مقامات اور اس شرعی سفر کے چلنے والوں کے منازل کا اعلیٰ درجہ محبت ہی ہے کیونکہ وہ اللہ کی محبت کا سبب اور اس کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اُن سے محبت کرتا اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں اور فرمایا یہ ہے: اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو تم میری اتباع فرماؤ اللہ تم سے محبت کرے گا اور اُن کے نزدیک یہ واضح طور پر معلوم ہے کہ سوائے اتباع کے خالی محبت زیادہ فائدہ مند نہیں ہے اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت کرتا ہے یعنی مل جائے اُس آدمی سے کہ جس کے ساتھ اُسے محبت دوسروں سے زیادہ ہے۔ یعنی جان سے اہل سے مال سے اور وہ اُس کی جماعت میں داخل ہو جائے گا۔

قارئین کرام: ملا علی قاری نے اس حدیث کی ایسی جامع معنیٰ وضاحت کی ہے کہ جس کو سمجھنے کے بعد ولایت کے منازل اور اعلیٰ درجات کا اصل اور جز معلوم ہو جاتی ہے یعنی نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس شخص کو فرمایا جس نے اپنی زبان سے کہا کہ میں نے قیامت کی کوئی تیاری نہیں کی۔ دوسری جگہ آتا ہے کہ میں قلیل عبادت ہوں اور سائل کے اس قول کو سننے کے باوجود نبی پاک نے فرمایا: کہ قیامت میں تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تمہیں پیار ہے۔ امام ملا علی قاری فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تمام عبادات بدنیہ قلبیہ مالیہ سب کے لیے محبت رسول اصل ہے باقی سب اعمال اس کی فرع ہیں اور اس حدیث کا اصل واقعہ اور پھر اس کے حقائق امام غزالی نے اپنی مشہور کتاب ''احیاء العلوم الدین'' میں یوں لکھے ہیں۔

وقد قال اعرابی للنبی ﷺ یارسول اللہ الرجل یحب القوم ولما یلحق بھم فقال النبی ﷺ المرء مع من احب وقام اعرابی الی رسول اللہ ﷺ وھو یخطب فقال یا رسول اللہ متی الساعۃ فقال ماعددت لھا قال ما اعددت لھا من کثیر صلوۃ ولاصیام الا انی احب اللہ ورسولہ فقال ﷺ انت مع من احببت قال انس فما فرح المسلمون بعد اسلام مھم کفرحھم یومئذ اشارۃ الی ان اکبر بغیتھم کانت حب اللہ ورسولہ قال انس فنحن نحب رسول اللہ وابابکر وعمر ولا نعمل مثل

ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر نبی پاک ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ ایک آدمی قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے اعمال نہیں کرتا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ پیار کرتا ہے۔ نبی پاک ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو وہ اعرابی کھڑا ہو گیا عرض کی یارسول اللہ! ﷺ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کی میں نے اس کے لیے نہ تو زیادہ نمازیں اور نہ زیادہ روزے اختیار کیے ہیں مگر میں اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا اسی کے ساتھ ہوگا جسے تو پیار کرتا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جتنے اس

عملهم ونرجوان نكون معهم وقال ابو موسى. قلت يارسول الله الرجل يحب لمصلين ولا يصلي ويحب الصوام ولا يصوم حتى عد اشياء فقال النبي ﷺ هو مع من احب وقال رجل لعمر بن عبدالعزيز انه كان يقال ان استطعت ان تكون عالما فكن عالما فان لم تستطع ان تكون عالمافكن متعلما فان لم تستطع ان تكون متعلما فأجهم فان لم تستطع فلا تبغضهم فقال سبحان الله لقد جعل الله لنا مخرجا. (احیاء العلوم ج ۳ ص ۷۱ ایبان الدواء الذی ینفی مرض الجسد عن القلب' مطبوعہ دمشق درویشیہ)

روز مسلمان خوش ہوئے اسلام لانے کے بعد اتنا کبھی خوش نہ ہوئے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ سے محبت رکھتے اور عمر' ابوبکر صدیق سے محبت رکھتے ہیں اور ان جیسے عمل نہیں کرتے۔ لیکن اس کے باوجود ہم امید رکھتے ہیں کہ انہیں کے ساتھ ہوں گے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! ﷺ ایک آدمی نمازیوں سے محبت رکھتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا اور ایک روزہ داروں سے محبت رکھتا ہے لیکن روزہ نہیں رکھتا حتیٰ کہ انہوں نے کئی چیزیں اس قسم کی مثال کے طور پر پیش کیں تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ ایک آدمی نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا اسے کہا جاتا ہے کہ اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ عالم بن جائے تو عالم بن جا۔ اگر تو عالم کی طاقت نہیں رکھتا تو طالب علم بن جا اور اگر تو طالب علم بننے کی توفیق نہیں رکھتا تو ان سے پیار کر اور اگر تو ان سے پیار نہیں کرسکتا تو ان سے بغض نہ کر۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کتنی سہولت پیدا کردی۔

مذکورہ روایت جو احیاء العلوم سے میں نے پیش کی ہے اس کی شرح اتحاف السادۃ المتقین مصنفہ علامہ سید بن محمد حسینی از بیدی) نے لکھا ہے ج ۸ ص ۳۷ پر "قال العلائی والحديث مشهور او متواتر لكثرة طرقه یعنی علامہ علائی نے فرمایا یہ بات مشہور ہے یا متواتر کیونکہ یہ کثیر ترک سے روایت کی گئی ہے" لہٰذا معلوم ہوا المرء مع من احب حدیث مشہور یا متواتر ہے۔ جبکہ یہ حدیث اس شان کی حدیث ہے تو پھر اس سے چند چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔

مذکورہ حدیث سے چند چیزیں ثابت ہوئیں

(۱) جس قوم سے کوئی محبت رکھتا ہے وہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا اگر چہ ان جیسے اعمال نہ ہوں (۲) تمام اعمال کی جان محبت رسول ﷺ ہے بلکہ صحابہ کرام کا سب سے بڑا مطلوب اور مقصود اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے (۳) اعمال اگر چہ کم بھی ہوں لیکن آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ صحابی نے عرض کردی تھی نماز روزے میرے زیادہ نہیں ہیں لیکن مجھے آپ اور آپ کے اللہ سے محبت ہے' تو آپ نے فرمادیا کہ تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تو محبت رکھتا ہے (۴) مفہوم مخالف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز روزے کثیر ہونے کے باوجود اس کے رسول کی معیت ضروری نہیں ہے جبکہ اللہ کے رسول سے محبت نہ ہو' ہاں اس آدمی کو معیت ضرور نصیب ہوگی جس کسی میں بھی محبت رسول ہے اگر چہ اعمال کم ہی ہوں (۵) یہ حدیث اس اعرابی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے کہ جو بھی رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے وہ قیامت میں آپ کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ حدیث اس اعرابی کے ساتھ ہی خاص ہوتی تو پھر صحابی اپنے لیے خوشی نہ مناتے کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔ بلکہ انس بن مالک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ' ابوبکر صدیق' عمر فاروق

سے پیار ہے اگرچہ ہمارے اعمال ان جیسے نہیں پھر بھی ہم رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ہوں گے' کیونکہ حدیث کے الفاظ "المرء مع من احب عام ہیں جو کسی سے محبت رکھتا ہے وہ اس کے ساتھ ہوگا" (٦) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا سوال ہے کہ یارسول اللہ! ﷺ اگر کوئی نمازیوں سے پیار کرتا ہے لیکن نماز نہیں پڑھتا' روزے داروں سے پیار کرتا ہے لیکن روزہ نہیں رکھتا وغیرہ وغیرہ کافی سوال کیا' آپ نے ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب فرمایا ھو مع من احب (۷) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واقعہ کی تائید میں ایک واقعہ نقل کیا کہ عمر ابن عبدالعزیز سے ایک آدمی نے کہا کہ اسے کہا گیا ہے کہ اگر تو عالم بن سکتا ہے تو عالم بن نہیں تو متعلم بن اگر متعلم بھی نہیں بن سکتا تو پھر ان سے پیار کر اور اگر پیار بھی نہیں کر سکتا تو ان سے بغض نہ رکھ' تو عمر ابن عبدالعزیز نے اس آدمی کی یہ کلام سن کر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ان لوگوں کے ساتھ معیت میں توسیع فرمادی ہے کہ نہیں ان کے ساتھ دور کا واقعہ بھی ہو یعنی ان سے اگر محبت نہیں تو کم از کم ان سے بغض نہ رکھ اس زمانہ میں بدنصیبی تو یہ ہے بعض لوگ نہ تو خود مقبولوں سے ہیں اور نہ ان سے پیار ہے کاش کہ ان سے بغض ہی نہ ہوتا لیکن ہمارے مشاہدے میں ہے جب کاملوں کا ذکر کیا جائے تو بعض لوگوں کے دل میں جلن پیدا ہو جاتی ہے پھر وہ ان میں نقص نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ یہ تو مذکورہ حدیث سے لفظی بلفظی طور پر یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کی شرح میں اور کثیر فوائد مذکور ہیں۔ اختصار کے پیش نظر انہیں پر اکتفا کرتا ہوں اور میں بھی یقین رکھتا ہوں کہ مجھے محبوب رب العالمین ﷺ سے پیار ہے اور ابوبکر صدیق' عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پیار ہے اور میں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دفاع میں ۲ اعدد ضخیم جلدیں لکھی ہیں اس لیے میں پرامید ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ جیسا بھی بدعمل اور سیاہ کار ہوں قیامت میں ان کے ساتھ ہی رہوں گا۔ آمین ثم آمین۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٤٢٣- بَابُ فَضْلِ الْمَعْرُوْفِ وَالصَّدَقَةِ

اچھی بات کہنے اور صدقہ دینے کی فضیلت

٩١٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ بِالطَّوَّافِ الَّذِیْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ قَالُوْا فَمَا الْمِسْكِيْنُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الَّذِیْ مَا عِنْدَهُ مَا يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْاَلُ النَّاسَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابوالزناد نے اعرج سے انہوں نے ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسکین غریب وہ نہیں جو گھر گھر پھرتا ہو اور اس کو کہیں سے ایک لقمہ دو لقمے یا کہیں سے ایک کھجور اور کہیں سے دو کھجوریں مل جائیں' لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! پھر غریب کون ہے؟ فرمایا: جس کے پاس وہ نہیں جو اس سے بے نیاز کر دے اور نہ ہی لوگ اسے جانتے ہوں کہ صدقہ دے اور نہ ہی لوگوں سے صدقہ مانگنے جاتا ہو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا اَحَقُّ بِالْعَطِيَّةِ وَاَيُّهُمَا اَعْطَيْتَهُ زَكَاتَكَ اَجْزَاَكَ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

امام محمد فرماتے ہیں ایسا شخص دیئے جانے کا زیادہ مستحق ہے' ان میں سے کسی آدمی کو اگر تم زکوٰۃ دو تو جائز ہے یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے اکثر فقہاء کا قول ہے۔

٩١٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ مُعَاذِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا زید بن اسلم

بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيْدِ عَنْ مَعَاذٍ عَنْ جَدَّتِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَانِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ لَا تُحَقِّرَنَّ اِحْدٰيكُنَّ لِجَارَتِهَا وَلَوْ كُرَاعُ شَاةٍ مُحْرَقٍ.

نے معاذ بن سعید بن معاذ سے اس نے اپنی دادی سے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے مسلمان عورتو! تم میں کوئی اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے خواہ بکری کا ایک جلا ہوا کھر ہی تحفہ میں دے (اسے بصد خوشی قبول کر لے)۔

۹۱۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْ بُجَيْدِ الْاَنْصَارِيِّ ثُمَّ الْحَارِثِيِّ عَنْ جَدَّتِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ رُدُّوا الْمِسْكِيْنَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی' ہم سے روایت کیا زید بن اسلم نے ابو بجید انصاری حارثی سے انہوں نے اپنی دادی سے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہ مسکین غریب کو دو خواہ بکری کا ایک جلا ہوا کھر ہی نہ ہو۔

۹۱۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا سُمَيٌّ عَنْ اَبِيْ صَالِحِ السَّمَّانِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيْقٍ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَاْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبُ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلَ الَّذِيْ بَلَغَ بِيْ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَاَ خُفَّهٗ ثُمَّ اَمْسَكَ الْخُفَّ بِفِيْهِ حَتّٰى رَقِيَ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَاَجْرًا قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا سمی نے ابی صالح سمان سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہ ایک آدمی کسی راستہ سے گزر رہا تھا اس کو پیاس لگی اس نے ایک کنواں دیکھا تو اس میں اتر کر پانی پیا پھر باہر نکلا تو دیکھا ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کے مارے کیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے (دل میں) کہا اس کتے کو ویسی ہی پیاس لگی جیسے مجھے لگی تھی چنانچہ وہ کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھر لیا اور موزے کو اپنے منہ سے پکڑ کر کنویں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا' اللہ تعالیٰ نے اس کی (اس نیکی کی) قدر کی اور اسے بخش دیا' لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ﷺ ہمارے جانور ہیں (ان کو بھی پانی پلانے کا) اجر ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس جاندار میں ثواب ہے جس کا جگر تر ہے۔

مذکورہ عبارت میں چار عدد احادیث صدقے کی فضیلت کے بارے میں ذکر کی گئیں۔ جن کا خلاصہ چند امور ہیں۔ (۱) مسکین وہ نہیں ہے جو ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوروں کے لیے در بدر پھرتا رہے بلکہ مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ وہ اپنی رات گزار سکے اور دوسرا لوگ اسے مانگنے والا نہ سمجھے تاکہ اس کو کچھ عطا کرے اور نہ ہی وہ مانگنے کا عادی ہے (اس سے معلوم ہوا جو لوگ مانگنے کے عادی اگر یہ سوال کریں تو ان کو نہیں دینا چاہیے بلکہ اس کو دینا زیادہ ثواب ہے جو سفید پوش ہونے کے ساتھ ساتھ مسکین ہو) (۲) کوئی حقیر چیز بھی صدقہ نفلی کے طور پر کسی کو پیش کرنے لینے والا اگرچہ امیر ہی ہو اس امیر کو اس غریب کی حقیر چیز کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ برکت سمجھ کر اسے لے لینا چاہیے (۳) جب کوئی مانگنے والا آئے تو اس کو خالی نہیں جانے دینا چاہیے اگرچہ جلی ہوئی سری ہی کیوں نہ دے بلکہ یہاں تک آتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مسکین کو ایک انگور کا دانا دیا لیکن خالی نہیں بھیجا (٤) ہر زندہ چیز چاہے انسان ہو یا حیوان ہو اس کی بھوک پیاس کو دیکھ کر اس کی بھوک پیاس کو دور کرنا یہ ایسا صدقہ ہے کہ جس کے طفیل ممکن ہے اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف کر دے۔ جیسا کہ مذکورہ باب میں پیاسے کتے کا واقعہ مذکور ہے۔ جب کسی نے دیکھا کہ کنویں کے کنارے پر ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے کیچڑ کو چاٹ رہا ہے اس نے کنویں میں پہنچ کر اپنے موزہ کو پانی سے بھر کر اور منہ سے پکڑ کر

پانی کو نکالا اور اس کتے کو پلایا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کے سب گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ اس لیے یاد رہے کسی حیوان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے' بلاوجہ مارنا نہیں چاہیے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر جانور جو جگر رکھتا ہے اس پر احسان کرنے سے اجر ملتا ہے۔

سب سے افضل کون سا صدقہ ہے؟

سب سے افضل صدقہ وہ ہے کہ جس کو تم خود پسند کرو جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ○ (آل عمران: ۹۲)

یعنی ہرگز نیکی کو تم نہیں پاؤ گے یہاں تک کہ تم اس چیز کو خرچ کرو جس کو تم خود پسند کرتے ہو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو کوئی خود پسند نہیں کرتا اس کو صدقہ کرنے میں بھی کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہے جیسے کہ ہمارے زمانہ میں صدقے کے بکرے کا یہ رواج پڑ گیا ہے کہ بکرا کالا ہونا چاہیے اور جت دار ہونا چاہیے حالانکہ اس کا گوشت بالکل بے کار ہوتا ہے اور اس کی کھال میں کیڑے ہوتے ہیں جس کو کوئی قصائی اپنی دوکان پر فروخت نہیں کرتا کیونکہ اسے علم ہے کہ اگر میں نے ایسا کیا تو آئندہ گوشت لینے والا میری دوکان پر نہیں آئے گا' لیکن لوگ سستا سمجھ کرلے آتے ہیں اور اپنی نذر پوری کر لیتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ عزوجل نیت کو جانتا ہے' صدقہ سے بلائیں ٹل جاتی ہیں' لیکن صدقہ وہ دیا جائے جس میں مسکین کا بھلا ہو' اگر اس جیسے کالے بکرے خریدنے کی بجائے آٹا' گھی' دال سبزی وغیرہ نے کر کسی مسکین کو دی جائے تو اس میں مسکین کا بھلا ہے۔ بہر صورت خدا کے راستے میں اچھی چیز دینی چاہیے۔ اس لیے صحابہ کرام نے جب یہ آیت کریمہ سنی لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ' اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنا صدقہ پیش کرتے ہوئے یہ عرض کی۔

انس ابن مالک کہتے ہیں کہ ابوطلحہ مدینہ میں انصاریوں میں زیادہ مال دار تھے' ان کے پاس سب سے زیادہ کھجور کے درخت تھے' جنہیں تمام باغوں میں سے ایک باغ زیادہ پسند تھا جسے بیرحاء کہا جاتا تھا یہ باغ مسجد نبوی ﷺ کے سامنے تھا' آپ اسی میں آیا جایا کرتے تھے اور وہاں کا پانی جو بہت اچھا تھا پیا کرتے تھے' جب آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ اتری تو ابوطلحہ نبی علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگے' یا رسول اللہ! ﷺ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جب تک نیک نہ ہو گے جب تک اپنا پسندیدہ مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے' مجھے اپنے مالوں میں بیرحاء زیادہ پسند ہے۔ اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ سے اس کی بہتر جزا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے پاس میرا وہ ذخیرہ ہے' آپ نے فرمایا بہت اچھا یہ مال تو بڑا اجر لانے والا ہے' یہ بڑا نفع لانے والا ہے' تم نے اس باغ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے میں نے سنا لیا' میرے خیال میں تم اس مال کو اپنے عزیزوں میں بانٹ دو' ابوطلحہ نے کہا یا رسول اللہ! میں بانٹ دوں گا چنانچہ ابوطلحہ نے اسے اپنے عزیزوں اور چچازاد بھائیوں میں بانٹ دیا۔

(موطا امام مالک ص ۳۴۷ باب الترغیب فی الصدقۃ' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ' کراچی)

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی حدیث میں پایا جاتا ہے کہ جس کو امام حافظ نورالدین ہیثمی نے اپنی مشہور کتاب "مجمع الزوائد" میں یوں نقل کیا ہے۔

وعن عبد الله ابن مسعود قال لما نزلت (من ذا الذی یقرض الله قرضا حسنا) قال ابو الدحداح یا رسول الله ان الله یرید منا القرض قال نعم یا ابا الدحداح قال فانی قد اقرضت ربی حائطی حائطا

عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب آیت نازل ہوئی "کون ہے وہ جو اللہ کو قرض حسنہ دیتا ہے" ابودحداح نے کہا یا رسول اللہ! ﷺ بے شک اللہ ارادہ کرتا ہے ہم سے قرض لینے کا۔ آپ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے' ابودحداح!

فیہ ستمائة نخلة ثم جاء یمشی حتی اتی الحائط وفیہ ام الدحداح فی عیالها فناداها یا ام الدحداح قالت لبیک قال اخرجی فانی قد اقرضت ربی حائطا فیہ ستمائة نخلة رواہ البزار. (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۳ باب الصدقۃ بافضل ما تجد مطبوعہ بیروت لبنان)

تو اس نے کہا میں نے اپنے رب کو ایسا باغ قرض میں دیا کہ جس میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں (اس دینے کا وعدہ کرنے کے بعد) اپنے باغ میں آیا اور اس میں دحداح کی ماں بمع عیال کے موجود تھی اس نے آواز دی اے ام دحداح! تو اس نے جواب دیا لبیک یعنی حاضر ہوں ابودحداح نے کہا باغ سے باہر آ جا کیونکہ میں نے یہ باغ اللہ کے قرض حسنہ میں دیا ہے جس میں چھ سو درخت ہیں۔ اس کو بزار نے روایت کیا۔

قارئین کرام! اس کا ظاہری معنی مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو قرض مانگنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کون ہے جو اپنا مال میرے پاس جمع کرائے کہ جس کا بدلہ میں اس کو قیامت میں اس سے کئی گنا زیادہ عطا کروں گا' لہٰذا دونوں مذکورہ آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اچھی چیز دینی چاہیے کیونکہ ان دو صحابہ نے وہی چیز اللہ کے راستے میں پیش کی جو ان کو سب مالوں سے زیادہ پسند تھی۔

سب سے زیادہ ثواب کس کو صدقہ دینے میں ہے؟

سب سے زیادہ ثواب صدقے کا ان لوگوں کو دینے میں ہے جو کہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ ایک تو صدقے کا ثواب ملے گا اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب ملے گا اور بلکہ اس سے بھی زیادہ اس قریبی رشتہ دار کو صدقہ دینے کا زیادہ ثواب ہے جو اس کے ساتھ دشمنی رکھتا ہو۔

وعن حکیم بن حزام ان رجلا سال رسول اللہ ﷺ عن الصدقات ایها افضل قال علی ذی الرحم الکاشح رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن وعن ابی طلحة ان رسول اللہ ﷺ قال الصدقة علی المسکین وصدقة علی ذی رحم صدقة وصلة رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط.

حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا صدقات کے بارے میں کہ ان میں افضل کون ہے؟ فرمایا: دشمن ذی الرحم پر۔ اس کو روایت کیا احمد نے طبرانی نے کبیر میں اور اسناد اس کی اچھی ہے۔ ابوطلحہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور قریبی رشتے دار پر صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے کبیر میں اور اوسط میں۔

وعن ام کلثوم بنت عقبہ ان النبی ﷺ قال افضل الصدقة الصدقة علی ذی الرحم الکاشح رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح.

ام کلثوم بنت عقبہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ فرمایا: سب سے افضل صدقہ وہ صدقہ ہے جو دل میں دشمنی رکھنے والے ذی الرحم پر۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے کبیر میں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

وعن ابی امامة ان رسول اللہ ﷺ قال ان الصدقة علی ذی قرابة یضعف اجرها مرتین... رواہ الطبرانی فی الکبیر.

ابوامامہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: قریبی رشتہ دار پر صدقہ اس کا اجر دگنا ہوتا ہے۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے کبیر میں۔

وعن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ والذی بعثنی بالحق لا یعذب اللہ یوم القیامة من

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے حق کے

رحم اليتيم ولان له في الكلام ورحم يتمه وضعفه ولم يتطاول على جاره بفضل ما اتاه الله.

ساتھ بھیجا ہے اللہ قیامت کے دن عذاب نہیں دے گا اس آدمی کو جس نے یتیم کے ساتھ صلہ رحمی کی اور نرمی کی اس کے ساتھ کلام میں اور اس کی یتیمی اور کمزوری پر رحم کیا پڑوسی کے جو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دی ہے اس پر دست درازی نہ کی۔

وقال يا امة محمد والذي بعثني بالحق لا يقبل الله صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الى صلته ويصرفها الى غيرهم والذي نفسي بيده لا ينظر الله اليه يوم القيامة رواه الطبراني في الاوسط. (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۶ باب الصدقۃ علی الاقارب وصدقۃ المرأۃ علی زوجہا مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

اور فرمایا اے محمد ﷺ کی امت! اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کا صدقہ قبول نہیں کرتا جس کے قریبی رشتہ دار محتاج ہوں اور وہ صدقہ ان کو چھوڑ کر غیروں کو دے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت کے دن اس آدمی کی طرف نظر کرم نہیں فرمائے گا۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔

عن عمرو بن معاذ الاشهلي الانصاري عن جدته انها قالت قال رسول الله ﷺ يا نساء المومنات لا تحقرن احداكن لجارتها ولو كراع شاة محرق مالك انه بلغه عن عائشة زوج النبي ﷺ ان مسكينا سالها وهي صائمة وليس في بيتها الا رغيف فقالت لمولاة لها اعطيها اياه فقالت ليس عليك ما تفطرين عليه فقالت اعطيها اياه قالت ففعلت قالت فلما امسينا اهدى لنا اهل بيت او انسان ما كان يهدى لنا شاة او كتفها فدعتني عائشة فقالت كلي من هذا هذا خير من قرصك.

(موطا امام مالک ص ۲۳۲ باب الترغیب فی الصدقۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔ پاکستان)

عمرو بن معاذ اشہلی انصاری اپنی دادی سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اے مومن عورتو! تم میں سے کوئی ایک اپنی ہمسائی کو بُرا نہ جانے اگرچہ وہ بکری کا جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ بھیجے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو خبر پہنچی ہے زوجۂ نبی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ایک مسکین نے مجھ سے سوال کیا اس حال میں کہ وہ روزہ دار تھی اور گھر میں بجز ایک روٹی کے اور کچھ نہ تھا' آپ نے اپنی لونڈی سے کہا کہ یہ روٹی فقیر کو دے دو' وہ کہنے لگی آپ کے روزہ افطار کرنے کے لیے کچھ نہیں رہے گا' آپ نے فرمایا دے دو' لونڈی نے روٹی فقیر کو دے دی' شام کا وقت آیا تو کسی گھر والے یا کسی آدمی سے بکری یا بکری کے پکے ہوئے بازو کا گوشت آیا' آپ نے لونڈی کو بلا کر کہا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔

ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے جب کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اس روٹی کے سوا کچھ نہ تھا تو پھر بھی آپ نے وہ روٹی راہِ خدا میں دے دی تو کیا ایسی حالت میں جب اپنی جان خطرے میں ہو پھر بھی اس کا صدقہ کرنا افضل ہے؟ اس کا جواب امام ابوالولید باجی نے اپنی مشہور کتاب "المنتقیٰ شرح موطا امام مالک" میں یوں دیا ہے:

قوله ان عائشة رضي الله عنها امرتها ان تعطي للسائل رغيفا ليس عندها غيره وهي صائمة على معنى الايثار على نفسها والتوكل على الله عزوجل ولعله قد كان ذلك في عام الرمادة لما رأت بالسائل من جهد خافت عليه واحبت فيه

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ سائل کو روٹی دے دو باوجود اس بات کے کہ ان کے پاس کوئی دوسری روٹی نہ تھی حالانکہ آپ روزہ دار تھیں تو آپ نے اپنے نفس پر قربانی کی اور اللہ پر توکل کیا شاید کہ یہ تنگ دستی کا سال ہو تو ام المؤمنین نے اس جہت سے اس سائل کو دیکھا کہ ان کو

نفسها قوة على الصبر والله اعلم واحكم.

(المنتقی شرح موطا امام مالک ج ۷ ص ۳۲۱' باب الترغیب فی الصدقۃ' مطبوعہ قاہرہ)

اس کی موت کا خطرہ معلوم ہوا اور اپنے نفس میں صبر کی قوت کو محسوس کیا۔ واللہ اعلم

تو خلاصۂ جواب یہ ہے کہ سائل کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ مائی صاحبہ کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ یہ ایسے نہیں ہے بلکہ اس کا الٹ ہے کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اس مسکین کی تکلیف کو دیکھا اور اس کی جان کا خطرہ محسوس کیا لیکن اس کے مقابلہ میں جب اپنے نفس کو دیکھا تو محسوس کیا کہ میرے نفس میں صبر کی قوت ہے۔ لہٰذا آپ نے روٹی کو صدقہ دے دیا۔ لہٰذا قانون شرعی کے مطابق مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو روٹی کا صدقہ کر دینا واجب تھا۔ کیونکہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ اندازہ ہو گیا کہ اگر میں نے روٹی نہ کھائی تو صبر کر سکوں گی' اگر سائل نے روٹی نہ کھائی تو وہ صبر نہ کر سکے گا۔ لہٰذا آپ نے جو فیصلہ فرمایا یہ عالمانہ' فقیہانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ذات پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے۔

عن يحيى بن سعيد عن ابى الحباب سعيد بن يسار ان رسول الله ﷺ قال من تصدق بصدقة من كسب طيب ولا يقبل الله الاطيبا كان انما يضعها فى كف الرحمن يربيها له كما يربى احدكم فلوه او فصيله حتى يكون مثل الجبل.

(موطا امام مالک ص ۷۳۳۔۷۳۴' باب الترغیب فی الصدقۃ' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔ پاکستان)

سعید بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حلال مال سے صدقہ دے اللہ تعالیٰ حلال طیب ہی کو قبول فرماتا ہے تو وہ صدقہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی اس طرح پرورش کرتا ہے جیسے تم اپنے بچھڑے یا اونٹ کے بچے کو پالتے ہو یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

نوٹ: اس حدیث میں نبی پاک ﷺ نے اس صدقہ کی فضیلت کو بیان کیا ہے جو حلال طیب ہے کیونکہ جو صدقہ حلال نہیں اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں فرماتا۔ اب رہی یہ بات اگر کوئی آدمی حلال مال کا صدقہ نہیں کرتا بلکہ حرام مال کا صدقہ کرتا ہے۔ اگرچہ اس کو صدقے کا ثواب نہیں ملتا لیکن اس صدقہ دینے میں وہ گنہگار ہے یا نہیں؟ جس طرح آج کل بعض لوگ سود لے کر آ جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس لیے وصول کیا ہے کہ بنک میں چھوڑ دینے سے بہتر یہ ہے کہ اس رقم کو مساکین پر تقسیم کیا جائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان لوگوں کا اس سود کی رقم کو مسکینوں پر تقسیم کرنے سے ان کو ثواب ملے گا۔

قوله ﷺ من تصدق بصدقة من كسب طيب يريد حلالا ولا يقبل الله الا الحلال يريد والله اعلم من تصدق بصدقة من الحرام فانه غير ماجور عليها بل هو ماثوم فيه حين لم يرده الى مستحقه.

(المنتقی شرح موطا امام مالک ج ۷ ص ۳۱۹' باب الترغیب فی الصدقۃ' مطبوعہ قاہرہ)

نبی پاک ﷺ کا فرمان: حلال صدقہ کو قبول کرتا ہے تو اس سے یہ نکلتا ہے کہ جس نے حرام مال کا صدقہ کیا تو اس کو صدقہ دینے پر اجر نہیں ملے گا' بلکہ وہ گنہگار ہو گا کیونکہ اس نے اس کو نہیں دیا جو اس کا مستحق تھا۔

اور فقیر کا خیال یہ ہے کہ حرام مال کے صدقہ کرنے کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ ثواب سمجھ کر دے گا یا گناہ سمجھ کر' یہ بات تو واضح ہے کہ گناہ سمجھ کر کوئی شخص صدقہ نہیں دیتا کیونکہ جب اسے علم ہو کہ میرے دینے میں مجھ پر گناہ ہے تو وہ کیوں صدقہ کرے گا؟ اب صرف دوسری صورت رہ جاتی ہے حرام مال کو اس نیت سے صدقہ کرے کہ اس کو ثواب ملے گا تو وہ بہت بڑا جرم ہے۔ جس کو فقہاء نے اپنی

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب کوئی زنا کرتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کرتا ہے وہ حرام کا مرتکب ہے لیکن اگر بسم اللہ پڑھ کر زنا کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح جب یہ کسی کا ہے تو اس پر حرام ہے اور حرام کا صدقہ دے کر ثواب کی امید رکھنا یہ بہت بڑا جرم ہے۔ اس لیے اس صورت میں گنہگار ہوگا جیسا کہ امام ابوالولید باجی نے فرمایا ہے کہ "ہل ھو مالوم فیہ بلکہ وہ اس میں گنہگار ہوگا" کہ اس نے کسی کا مال پکڑا کسی کو دے دیا ہے۔

مالک قال بلغنی ان مسکینا استطعم عائشۃ زوج النبی ﷺ وبین یدیھا عنب فقالت لانسان خذ حبۃ فاعطہ ایاہ فجعل ینظر الیھا ویعجب فقالت عائشۃ اتعجب کم تری فی ھذہ الحبۃ من مثقال ذرۃ. (موطا امام مالک ص ۲۳۳، باب الترغیب فی الصدقۃ، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔ پاکستان)

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک مسکین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سے طعام مانگا تو آپ کے سامنے انگور پڑے ہوئے تھے تو آپ نے ایک آدمی کو فرمایا کہ انگور کے ان دانوں میں سے ایک دانہ اس آدمی کو دے دے تو وہ آدمی آپ کی طرف دیکھنے لگا اور تعجب کرنے لگا کہ (یعنی سائل نے تو طعام کا سوال کیا اور مائی صاحبہ نے اسے ایک دانہ عطا کرنے کا حکم دیا تو یہ ایک دانہ طعام کی جگہ کیا کرے گا؟) تو مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اسے جواباً فرمایا اس ایک دانہ میں وزن ہے کتنے وزنی ہے دانوں کا یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ نے فرمایا "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ یعنی جو آدمی ایک ذرہ برابر بھی عمل کرے گا تو قیامت میں اس کو پائے گا"۔

اور دوسری جگہ پروردگار عالم نے فرمایا:

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ.

یعنی مثال ان لوگوں کی جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں مثل اس دانے کے ہے جس نے اُگایا سات بالیوں کو ہر بالی میں سو دانے ہیں۔

تو گویا کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اس آدمی کو جواب دیتے ہوئے فرمایا جس نے آپ کے ایک دانہ کے صدقہ کو قلیل جانا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ایسے ہے جیسے ایک دانہ بویا جاتا ہے اس سے سات بالیاں اگتی ہے اور ہر بالی میں سو دانے ہوتے ہیں۔ گویا کہ میں نے جو ایک دانہ دیا ہے وہ سات سو دانے کے برابر ہے لہٰذا اسے قلیل اور تھوڑا نہیں سمجھنا چاہیے۔ اب ہم چند احادیث "مجمع الزوائد" سے صدقہ کی فضیلت میں نقل کرتے ہیں جس سے آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہر مشکل کا حل صدقہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابی ذر قال قلت یا رسول اللہ ما تقول فی الصلوۃ قال تمام العمل قلت یا رسول اللہ اسالک عن افضل الصدقۃ قال الصدقۃ شیء عجب قلت یا رسول اللہ ترکت افضل عمل فی نفسی او خیرہ قال ما ھو قلت الصوم قال خیر ولیس ھناک قال قال یا رسول اللہ وای الصدقۃ فذکر کلمۃ قلت فان

ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ نماز کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مسلمان کے لیے عمل تمام ہے' ابوذر غفاری کہتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ صدقہ کی فضیلت کے بارے میں سوال کرتا ہوں' آپ نے فرمایا صدقہ بڑی اچھی چیز ہے' میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نے اپنے نفس میں ایسے

لم اقدر افعل قال بفضل طعامک قلت فان لم افعل قال بشق تمرة قلت فان لم افعل قال بکلمة طیبة قلت فان لم افعل قال دع الناس من الشر فانها صدقة تصدق بها علی نفسک قلت فان لم افعل قال تریدان لا تدع فیک من الخیر شیئا.

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰۹' باب فضل الصدقۃ' مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

عمل کو چھوڑ دیا ہے جو افضل اور اس سے بہتر ہے' آپ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی روزہ' آپ نے فرمایا روزہ اچھا عمل ہے لیکن صدقہ کی جگہ نہیں پہنچتا' اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں کون سا صدقہ کروں؟ تو آپ نے ایک کلمے کا ذکر فرمایا (غالباً کلمے کے ذکر سے مراد روٹی کا صدقہ کرنا) میں نے عرض کیا اگر میں اس کے کرنے پر قادر نہ ہوں؟ آپ نے فرمایا اپنا بچا ہوا طعام صدقہ کر دو' عرض کیا میں اگر ایسا بھی نہ کر سکوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ کھجور کا نصف حصہ صدقہ کر دے' میں نے عرض کیا اگر ایسا بھی نہ کر سکوں؟ آپ نے فرمایا پھر اپنے شر سے لوگوں کو بچا کہ یہ بھی ایک ایسا صدقہ ہے کہ تو اپنے نفس پر اس کا صدقہ کر' میں نے عرض کیا اگر ایسا بھی نہ کر سکوں تو؟ آپ نے فرمایا کہ تو ارادہ کرتا ہے کہ اپنے میں کسی قسم کی بھلائی نہ چھوڑے۔

یاد رہے اس حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ روزے سے صدقہ افضل ہے یعنی روزہ صدقہ کی جگہ میں نہیں پہنچتا تو اس سے مراد روزہ نفل ہے نہ کہ فرض' فرضی روزہ کو چھوڑ کر صدقہ کرنا منع ہے بلکہ گناہ ہے۔ اور نبی پاک ﷺ نے اس حدیث میں صدقہ کے درجات بیان فرما دیئے سب سے کم درجہ کا صدقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھے اگر یہ بھی نہ کر سکے تو پھر سمجھئے کہ اس کی ذات میں بھلائی کی کوئی چیز نہیں اور اپنے شر سے لوگوں کو بچانا' اس کو بھی نبی علیہ السلام نے صدقہ قرار دیا۔

عن رافع بن خدیج قال قال رسول الله ﷺ الصدقة تسد سبعین بابا من السوء رواه الطبرانی فی الکبیر. (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰۹)

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ صدقہ ستر برائی کے بابوں کو بند کر دیتا ہے۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے۔

عن ابی هریرة عن رسول الله ﷺ ان نفرا مروا علی عیسی بن مریم علیه السلام فقال یموت احدا هولاء الیوم ان شاء الله فمضوا ثم رجعوا علیه بالعشی ولهم حزم الحطب فقال ضعوا فقال للذی قال یموت الیوم حل حطبک فحله فاذا فیه حیة سوداء فقال ما عملت الیوم قال ما عملت شیئا قال انظر ما عملت قال ما عملت شیئا الا انه کان نعی فی یدی فلقة من خبز فمر بی مسکین فسالنی فاعطیته بعضها فقال بها دفع عنک. رواه الطبرانی فی الاوسط. (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰۹۔۱۱۰)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر گذرے آپ نے فرمایا: کہ اس میں سے ایک مر جائے گا اگر اللہ نے چاہا وہ چلے گئے' پھر لوٹے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف رات کے وقت اور ان کے پاس لکڑیوں کا ایک گٹھا تھا تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کو رکھ لو تو آپ نے اس آدمی کو فرمایا جس کو آج کے دن موت کی خبر دی تھی کہ تو اپنے گھر والوں کے گٹھے کو کھول' تو اس نے کھولا تو اس میں سیاہ رنگ کا سانپ تھا آپ نے فرمایا آج کے دن تو نے کیا عمل کیا؟ عرض کیا میں نے کوئی عمل نہیں کیا' آپ نے فرمایا غور کر' آج کے دن تو نے کیا عمل کیا؟ اس نے کہا میں نے کوئی عمل نہیں کیا لیکن یہ عمل کیا کہ میرے ہاتھ میں روٹی کا ایک حصہ تھا' میرے پاس سے ایک مسکین گزرا میں

نے روٹی کا بعض اس کو دے دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مصیبت دور ہو گئی ہے اسی وجہ سے تجھ سے۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔

یاد رہے کہ اس میں دو چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ صدقہ بہت سی بلاؤں کو ٹال دیتا ہے' دوسرا یہ ہے کہ تقدیر مبرم کے علاوہ شبہی بالمبرم اور معلق دونوں قسم کی تقدیروں کو ٹال دیتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوح محفوظ میں ہی دیکھا کہ اس آدمی کی موت آج واقع ہو جائے گی بلکہ جو چیز اس کی موت تھی وہ بھی دکھا دی کہ یہ کالا سانپ اس کی موت تھا۔ لیکن اس کے صدقہ نے اس کی موت کو ٹال دیا یہی تقدیر شبہی بالمبرم ہے' یہی وہ تقدیر ہے جس کے متعلق علامہ اقبال نے لکھا:

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
اگر ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اور یہ مسئلہ ابھی ماقبل قریب میں تفصیل سے گزر چکا ہے اس لیے دوبارہ اس کی بحث کی ضرورت نہیں' یعنی تقدیر کے مسئلہ پر۔

عن عبد الله بن جعفر قال وسمعت رسول الله ﷺ يقول الصدقة تطفي غضب الرب رواه الطبراني في الاوسط في حديث طويل ياتي في المناقب ان شاء الله. (مجمع الزوائد ج۳ ص۱۱۰)

عبد اللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے اوسط میں' ایک لمبی حدیث میں جو مناقب میں ان شاء اللہ آئے گی۔

عن عمرو بن عوف قال قال رسول الله ﷺ ان صدقة المسلم تزيد في العمر وتمنع ميتة السوء ويذهب الله بها الكبر والفقر والفخر' رواه الطبراني في الكبير. (مجمع الزوائد ج۳ ص۱۱۰)

عمرو بن عوف سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ بے شک صدقہ مومن کی عمر میں زیادتی کرتا ہے اور بری موت کو روکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کبر' فقر اور فخر کو لے جاتا ہے۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ خير ابواب البر الصدقة رواه الطبراني في الكبير. (مجمع الزوائد ج۳ ص۱۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کہ نیکی کے بہترین بابوں میں سے ایک صدقہ ہے۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں ذکر کیا۔

وعن ابن عباس رفعه قال ما نقص صدقة من مال وما مد عبد يده بصدقة الا القيت في يد الله قبل ان تقع في يد السائل ولا فتح عبد باب مسألة له عنها غنى الا فتح الله عليه باب فقر' رواه الطبراني في الكبير. (مجمع الزوائد ج۳ ص۱۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور کوئی آدمی صدقہ کیے ہاتھ کو لمبا نہیں کرتا مگر وہ فقیر کے ہاتھ میں واقع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جاتا ہے اور کوئی غنی آدمی اپنے لیے سوال کا دروازہ نہیں کھولتا مگر اللہ اس کے لیے تنگ دستی کا دروازہ کھول دیتا ہے' اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔

وعن عقبة بن عامر قال قال رسول الله ﷺ ان الصدقة لتطفي عن اهلها حر القبور وانما يستظل المومن يوم القيامة في ظل صدقته رواه الطبراني في الكبير. (مجمع الزوائد ج۳ ص۱۱۰)

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ بے شک صدقہ اپنے دینے والوں سے قبروں کی حرارت کو ٹھنڈا کرتا ہے اور قیامت کے دن مومن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔

وعن ابی برزۃ الاسلمی قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد لیتصدق بالکسرۃ تربو عند اللہ عزوجل حتی تکون مثل احد' رواہ الطبرانی.

(مجمع الزوائد ج۳ ص۱۱۰)

ابو برزہ اسلمی سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: کہ بے شک بندہ ایک ٹکڑے کا صدقہ دیتا ہے' اللہ عزوجل اسے بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ احد کی مثل ہوتا ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

ورِوی عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما قال خطبنا رسول اللہ ﷺ فقال یا ایھا الناس توبوا الی اللہ قبل ان تموتوا وبادروا بالاعمال الصالحۃ قبل ان تشغلوا وصلوا الذی بینکم وبین ربکم بکثرۃ ذکرکم لہ وکثرۃ الصدقۃ فی السر والعلانیۃ ترزقوا وتنصروا وتجبروا رواہ ابن ماجہ. (الترغیب والترہیب ج۲ ص۵' حدیث ۹ فی الصدقۃ والحث علیہا' مطبوعہ بیروت)

جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خطبہ دیا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا: اے لوگو! توبہ کرو اللہ کی طرف اس سے پہلے کہ تمہیں موت آئے' اچھے اعمال کی طرف جلدی کرو اس سے پہلے کہ مشغول ہو جاؤ اور اپنے رب کے درمیان وہ رابطہ پیدا کرو جو اللہ کا زیادہ ذکر کرنے سے اور کثرت کے ساتھ پوشیدہ صدقہ دینے سے اور اعلانیہ صدقہ دینے سے۔ لہٰذا تم رزق دیئے جاؤ گے اور مدد کیے جاؤ گے اور گناہوں کی معافی کی جائے گی۔ اس کو روایت کیا ابن ماجہ نے۔

وروی عن عائشۃ صدیقہ رضی اللہ عنہا انھم ذبحوا شاۃ فقال النبی ﷺ ما بقی منھا؟ قالت ما بقی منھا الا کتفھا قال بقی کلھا غیر کتفھا رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح ومعناہ انھم تصدقوا بھا الا کتفھا.

(الترغیب والترہیب ج۲ ص۶' حدیث:۱۰' مطبوعہ بیروت)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے ایک بکری ذبح کی تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اس کے گوشت سے کیا بچا؟ عرض کی کچھ نہیں بچا سوائے کندھے کے' آپ نے فرمایا سب کچھ بچ گیا سوائے کندھے کے' اس کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے' معنی یہ ہے سوائے کندھے کے انہوں نے سب صدقہ کر دیا۔

اس حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ مائی صاحبہ تو یہ فرما رہی ہیں کہ صرف کندھا بچا ہے باقی کچھ نہیں' تو آپ اس کے جواب میں بالکل برعکس فرما رہے ہیں کہ سب کچھ بچ گیا سوائے کندھے کے' تو ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں' معنی یہ ہے جو تم نے گھر میں رکھ لیا وہ ختم ہو گیا اور جو اللہ کی راہ میں دے دیا باقی رہا یعنی وہ تمہاری آخرت کے لیے ذخیرہ بن گیا۔

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یقول العبد مالی مالی وانما لہ من مالہ ثلاث ما اکل فافنی اولبس فابلی او اعطی فاقتنی ما سوی ذلک فھو ذاھب وتارکہ للناس رواہ مسلم.

(الترغیب والترہیب ج۲ ص۶' حدیث:۱۱' مطبوعہ بیروت)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے کہا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال اس کے لیے تین مال ہیں ایک تو وہ ہے جو اس نے کھایا تو فنا ہو گیا دوسرا پہنا اور پرانا کر دیا تیسرا اعطا کیا اس کو جمع کیا' اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب لوگوں کے لیے ہے' یہ سب چھوڑ کر جانے والا ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ایکم مال وارثہ احب الیہ من مالہ قالوا یا رسول اللہ ما منا احد الا مالہ احب الیہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کے مال کے ساتھ زیادہ محبت رکھے؟ تو

قال فان ماله ما قدم ومال وارثه ما اخر رواه البخاری والنسائی.

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۷ حدیث: ۱۲ مطبوعہ بیروت)

عرض کی یارسول اللہ! ﷺ ہم میں سے تو کوئی نہیں جو اپنے مال کو زیادہ محبوب نہ رکھے آپ نے فرمایا: اس کا مال وہ ہے جو آگے بھیج دیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ وارثوں کا ہے۔ اس کو روایت کیا بخاری اور نسائی نے۔

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ بينا رجل فی فلاة من الارض فسمع صوتا فی سحابة اسق حديقه فلان فتنحى ذلك السحاب فافرغ ماء ه فی حرة فاذا شرجة من تلك الشراج قد استوعبت ذلك الماء كلة فتتبع الماء فاذا رجل قائم فی حديقة يحول الماء بسحاته فقال له يا عبد الله ما اسمك؟ قال فلان للاسم الذی سمع فی السحابة فقال له يا عبد الله لم سالتنی عن اسمی قال سمعت فی السحاب الذی هذا ماء ه يقول اسق حديقة فلان لا سمك فما تضع فيها قال اما اذ قلت هذا فانی انظر الی ما يخرج منها فاتصدق بثلثه واكل انا وعيالی ثلثة وارد ثلثه رواه مسلم. (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۷ حدیث: ۱۳ فی الصدقۃ والحث علیہا مطبوعہ بیروت)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی چٹیل میدان میں تھا اس نے بادل سے آواز سنی کہ تو فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلا' بادل مقام حرہ کی طرف ہٹ کر خوب برسا تو ایک نالی ان نالیوں میں سے پانی سے بھر کر چلی وہ اس پانی کے پیچھے چل پڑا تو اچانک ایک آدمی باغ میں کھڑا ہوا ہے جو پانی کو کسی کے ساتھ پھیر رہا ہے تو اس آدمی نے اس باغ والے آدمی سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ تو اس نے وہی نام لیا جو اس بادل نے لیا تھا اس باغ والے آدمی نے کہا تو نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ تو اس نے کہا میں نے اس بادل سے یہ نام سنا جس کا یہ پانی ہے میں نے بادل سے سنا کہ جس کے پانی ہے وہ کہہ رہا تھا کہ تو فلاں نام آدمی کے باغ کو پانی دے تو' تو کیا کام کرتا ہے اس باغ میں (کہ جس کی وجہ سے اللہ کی طرف سے بادل کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ تیرے باغ کو پانی دے) اس باغ والے نے کہا جب تو نے یہ بات سنا دی ہے تو میں تمہیں سناتا ہوں جو اس باغ سے نکلتا ہے میں اس کا اندازہ کر لیتا ہوں تو تیسرا حصہ صدقہ کر دیتا ہوں میں اور میرا اعیال تیسرا حصہ کھا لیتے ہیں اور تیسرا حصہ جو ہے اس کو دوبارہ میں باغ پر صرف کر دیتا ہوں۔

وعن معاذ بن جبل قال كنت مع النبی ﷺ فی سفر فذكر الحديث الی ان قال فيه ثم قال يعنی النبی ﷺ الا ادلك علی ابواب الخير؟ قلت بلی يا رسول الله ﷺ قال الصوم جنة والصدقة تطفی الخطيئة كما يطفی الماء النار رواه الترمذی وقال حديث حسن صحيح.

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۱ حدیث: ۳۰)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نبی پاک ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا تو آپ نے ایک حدیث سنائی یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں میں خیر کے دروازے نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کی ہاں یارسول اللہ!' آپ نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے' صدقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کو روایت کیا ترمذی نے اور کہا حدیث حسن صحیح ہے۔

مذکورہ بیس عدد احادیث وآثار جو فضائل صدقہ میں پیش کیے ہیں ان سے چند امور ثابت ہوئے (۱) نوافل سے صدقہ نفلی افضل ہے (۲) صدقہ برائی کے ستر دروازوں کو بند کرتا ہے (۳) تقدیر معلق اور شبہی بالمبرم دونوں قسم کی تقدیریں صدقہ سے ٹل سکتی ہیں

(٤) صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے (٥) صدقہ عمر میں زیادتی اور بُری موت سے محفوظ رکھتا ہے (٦) صدقہ سے کبھی مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے (٧) اور صدقہ قبروں کی گرمی کو ختم کر دیتا ہے (٨) جو صدقہ مقبول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں احد پہاڑ کی مثل ہوگا اگرچہ کسی نے روٹی کا ایک ٹکڑا ہی دیا ہو (٩) اخلاص کے ساتھ صدقہ دینا رزق کو بڑھاتا ہے اور اس کے سبب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے (١٠) جو مال انسان اپنے لیے رکھ دیتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے جو اللہ کی راہ میں دیتا ہے وہ باقی رہتا ہے (١١) مال کے تین حصے ہیں کچھ کھالیا' فنا ہو گیا اور کچھ پہنا تو پرانا ہو گیا اور کچھ اللہ کے راستے میں دیا تو وہ اس نے جمع کیا (١٢) مال کے مصرف دو ہیں یا تو خود خرچ کرے گا یا اس کے مرنے کے بعد وارث لے جائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی زندگی میں خود صرف کرے تا کہ آخر میں کام آئے (١٣) بعض لوگوں نے مال کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے لیے مقرر کیا۔ اس کے باغ کے لیے پانی کا انتظام خود پروردگارِ عالم نے اپنے ذمہ لیا۔ صدقہ کے بارے میں کثیر احادیث عجیب وغریب وارد ہیں لیکن اختصار کے طور پر میں نے چند احادیث پر اکتفا کیا ہے۔

٤٢٤- بَابُ حَقِّ الْجَارِ

پڑوسی کے حق کا بیان

٩٢٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنِي اَبُوْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ عَمْرَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ تَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ لَيُوَرِّثَنَّهٗ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ مجھے خبر دی ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے کہ عمرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے بیان کیا کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ہمیشہ مجھے پڑوسی کے حقوق کی وصیت کرتے تھے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید پڑوسی وارث بنا دیئے جائیں گے۔

پڑوسی کے حقوق بہت زیادہ ہیں اور اگر نظر دقیق سے دیکھا جائے تو بُرے پڑوسی سے بڑھ کر خدا کی خدائی میں کوئی بلا نہیں ہے۔ کیونکہ جس کا بُرا پڑوسی ہو نہ اس کی جان کی حفاظت ہے' نہ اس کے مال کی حفاظت ہے اور نہ اس کی عزت کی حفاظت ہے' ہر وقت جان و مال وعزت کا خطرہ ہے اور اس تھوڑی سی زندگی میں فقیر نے کثیر لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ بُرے پڑوسی کی وجہ سے اپنا ذاتی مکان چھوڑ کر دربدر دھکے کھا رہے ہیں اور جو بُرے لوگ ہیں اللہ نے ان کی رسی کو ڈھیلا کیا ہوا ہے تا کہ جو چاہیں سو کریں اور اپنے انجام کو پہنچ جائیں اور قرآن مجید میں آیا ہے:

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

پس ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

بُرے پڑوسی جو ظالم ہیں وہ اپنے ہمسائے کو تنگ کر کے خوش ہوتے ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہ اگر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میں اپنے ہمسایہ کو تنگ کر سکتا ہوں اور میں اس کی پسلیاں توڑ سکتا ہوں' کوئی مجھے پوچھنے والا نہیں ہے تو شیخ سعدی نے بڑے اچھے انداز میں اس کا جواب یوں دیا ہے:

مکن بر ضعیفان بے چارہ زور　　میندیش آخر ز تنگیٔ گور

یعنی بے چارے غریب لوگوں پر زور مت لگا اور بے خوف نہ ہو' قبر کی تنگی سے' یعنی اگر تو اس مسکین کی پسلیاں توڑ سکتا ہے تو پھر قبر بھی تیری پسلیاں توڑ سکتی ہے۔

ستم کش گر آ ہے برآرد زدل　　سوزاو شعلہ در آب وگل

یعنی اگر مظلوم دل سے آہ نکالتا ہے تو وہ کیچڑ اور پانی کو بھی جلا دیتی ہے یعنی کیچڑ اور پانی وہ چیزیں ہیں جن کو آگ نہیں جلاتی لیکن مظلوم کی آہ اس کیچڑ اور پانی کو بھی جلا دیتی ہے اس لیے بُرے پڑوسی کی وعید اور بُرائی میں احادیث آئی ہیں اور نیک پڑوسی کے بارے میں بھی احادیث آئی ہیں۔

پڑوسی کے حقوق کے بارے میں چند احادیث

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال جاء رجل الی رسول الله ﷺ يشكو جاره فقال له اذهب فاصبر فاتاه مرتين او ثلاثا فقال اذهب فاطرح متاعك فی الطريق ففعل ' فجعل الناس يمرون و يسئلونه فيخبرهم خبر جاره فجعلوا يلعنونه فعل الله به وفعل وبعضهم يدعو عليه ' فجاء اليه جاره فقال ارجع فانك لن ترى منى شيئا تكرهه ' رواه ابوداؤد واللفظ له وابن حبان فی صحيحه والحاكم وقال صحيح علی شرط مسلم.

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۵۶ الترہیب من اذی الجار مطبوعہ بیروت)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس نے اپنے پڑوسی کی شکایت کی' آپ نے فرمایا: جا صبر کر اس کے بعد پھر وہ دو تین دفعہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر کا سامان نکال کر راستے میں ڈال دے' تو اس نے ایسے کر دیا تو اس کے سامان کے پاس لوگ گزرنے شروع ہوئے وہ اس سے معاملہ پوچھتے تو وہ اسے اپنے پڑوسی کی خبر دیتا' تو لوگ اس پر لعنت کرتے' تو اللہ نے بھی اس کو لعنتی بنا دیا اور بعض اس پر بددعا کرتے تو وہ تنگ کرنے والا پڑوسی اس کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا کہ سامان واپس لے چلو اور تو ہرگز میری طرف سے آئندہ کوئی ناجائز چیز نہیں دیکھے گا' اس کو روایت کیا ابوداؤد نے ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا اور کہا یہ شرط مسلم پر صحیح ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رجل يا رسول الله ان فلانة تكثر من صلاتها وصدقتها وصيامها غير انها تؤذی جيرانها بلسانها قال هی فی النار قال يا رسول الله فان فلانة يذكر من قلة صيامها وصلوتها وانها تصدق بالاثوار من الاقط ولا تؤذی جيرانها قال هی فی الجنة رواه احمد والبزار وابن حبان فی صحيحه والحاكم وقال صحيح الاسناد ورواه ابو بكر بن ابی شيبة باسناد صحيح ايضا. (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۵۶)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! ﷺ فلاں آدمی نماز روزے اور صدقے تو بہت زیادہ دیتا ہے لیکن پڑوسی کو زبان سے تکلیف دیتا ہے' فرمایا: وہ جہنمی ہے عرض کی یا رسول اللہ! فلاں آدمی نماز روزے تو کم ہی پڑھتا ہے لیکن وہ پنیروں کے ٹکڑوں کا صدقہ کرتا ہے اور پڑوسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ اس کو روایت کیا احمد نے' بزار نے' ابن حبان نے صحیح میں' اور حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس کو روایت کیا ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ۔

قالوا يا رسول الله فلانة تصوم النهار وتقوم الليل وتؤذی جيرانها قال هی فی النار قالوا يا رسول الله فلانة تصلی المكتوبات وتصدق بالاثوار من الاقط ولا تؤذی جيرانها قال هی فی

صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ فلاں آدمی دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو نفل پڑھتا ہے اور پڑوسی کو تکلیف دیتا ہے' آپ نے فرمایا: وہ جہنمی ہے' صحابہ کرام نے عرض کی کہ فلاں آدمی فرض نماز پڑھتا ہے اور پنیر کے ٹکڑوں کا صدقہ کرتا ہے اور اپنے

الجنة. (الترغیب والترہیب ج ۳ص ۳۵۶)

پڑوسی کو تکلیف نہیں دیتا' فرمایا وہ جنتی ہے۔

وروی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال من اغلق بابه دون جاره مخافة علی اهله وماله فلیس ذلک بمومن ولیس بمومن من لم یامن جاره بوائقه اتدری ما حق الجار؟ اذا استعانک اعنته واذا استقرضک اقرضته واذ افتقر عدت علیه واذا مرض عدته واذا اصابه خیر هنأته واذا اصابته مصیبة عزیته واذا مات اتبعت جنازته ولا تستطیل علیه بالبنیان فتحجب عنه الریح الا باذنه ولا تؤذه لقبتار ریح قدرک الا ان تغرف له منها وان اشتریت فاکهة فاهدله فان لم تفعل فادخلها سرا ولا یخرج بها ولدک لیغیظ بها ولده رواه الخرائطی من مکارم الاخلاق.

(الترغیب والترہیب ج ۳ص ۳۵۶)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں اور وہ روایت کرتے ہیں نبی علیہ السلام سے' آپ نے فرمایا: جس آدمی نے اپنا دروازہ پڑوسی کے سامنے بند کر دیا اپنے اہل اور مال کا خوف کھاتے ہوئے تو وہ مومن کامل نہیں ہے اور نہ وہ مومن کامل ہے کہ جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو' نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ جب وہ تجھ سے مدد مانگے تو' تو اس کی مدد کر اور جب وہ تجھ سے قرض مانگے تو اسے قرض دے اور جب وہ بھوکا ہو تو اس کی مدد کر' جب مریض ہو تو اس کی عیادت کر اور جب اس کو کوئی اچھی شے ملے تو اس کو مبارک باد بھیج اور جب اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی دلجوئی کر اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازہ میں شامل ہو اور اپنے مکان کو اتنا بلند نہ بنا کہ پڑوسی سے ہوا رک جائے مگر وہ اجازت دے تو پھر جائز ہے اور اپنے پڑوسی کو اپنی ہنڈیا کی خوشبو کے ساتھ تکلیف نہ دے مگر یہ کہ اس سے بھی کچھ اس کو دے دے۔ اور اگر تو پھل کو خریدے تو پڑوسی کو بھی بطور ہدیہ بھیج اور اگر ایسا تو نہ کر سکے تو پوشیدہ طور پر پھل کو لے کر اپنے گھر میں داخل ہو اور تیرا بچہ بھی پھل کو لے کر باہر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کا بچہ اسے دیکھ کر پریشان نہ ہو۔ اس کو روایت کیا خرائطی نے مکارم اخلاق سے۔

وعن ابن عباس رضی الله عنهما انه قال قال رسول الله ﷺ لیس المومن الذی یشبع وجاره جائع رواه الطبرانی وابو یعلی ورواته ثقات.

(الترغیب والترہیب ج ۳ص ۳۵۸' حدیث: ۲۵' مطبوعہ بیروت)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ وہ آدمی مومن نہیں ہے جو اپنا پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

عن رجل من الانصار قال خرجت مع اهل الی النبی ﷺ واذا به قائم واذا رجل مقبل علیه فظننت ان لهما حاجة فجلست فوالله لقد قام رسول الله ﷺ حتی جعلت ارثی له من طول القیام ثم انصرف فقمت الیه فقلت یا رسول الله ﷺ لقد قام بک هذا الرجل حتی جعلت ارثی لک من طول القیام قال اتدری من هذا قلت لا قال جبریل

انصار کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ نبی پاک ﷺ کے پاس گیا تو وہاں آپ کے پاس ایک آدمی کھڑا تھا جو کہ آپ کی طرف متوجہ تھا مجھے یہ خیال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور دوسرا آدمی ان کو آپس میں کام ہے لہٰذا میں بیٹھ گیا تو اللہ کی قسم اللہ کے رسول نے اپنا لمبا قیام کیا یہاں تک کہ حضور ﷺ کے طول قیام سے رحم آنے لگا' پھر جب رسول اللہ ﷺ اس سے فارغ ہوئے تو انہوں نے عرض کی

ﷺ ما زال یوصی بالجار حتی ظننت انه سیورثه اما انک لو سلمت علیه لرد علیک السلام. رواه احمد ورجاله رجال الصحیح.
(مجمع الزوائد ج۸ ص۱۶۴ باب حق الجار مطبوعہ بیروت)

یا رسول اللہ ﷺ آپ کے اتنے لمبے قیام کی وجہ سے رحم آنے لگا آپ نے فرمایا تجھے معلوم ہے کہ یہ آدمی کون تھا؟ میں نے عرض کی حضور مجھے علم نہیں اور آپ نے فرمایا یہ جبریل تھے جو پڑوسی کے حقوق کے بارے میں بار بار تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے تو آپ نے فرمایا اگر تو سلام کہتا جبریل کو تو وہ تیرے سلام کا جواب دیتے۔ اس کو احمد نے روایت کیا اس سند کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں۔

وعن معاویة بن حیدة قال قلت یا رسول الله ﷺ ما حق جاری قال ان مرض عدته وان مات شیعته وان استقرضک اقرضته وان اعوز سترته وان اصابه خیر هنأته وان اصابته مصیبة عزیته ولا ترفع بناءک فوق بناته فتسد علیه الریح ولا تؤذن بریح قدرک الا ان تغرف له منها.
(مجمع الزوائد ج۸ ص۱۶۰ باب حق الجار مطبوعہ بیروت)

معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر مریض ہو جائے اس کی عیادت کر اور اگر مر جائے اس کے جنازے میں شریک ہو اگر تجھ سے قرض مانگے تو اسے قرض دے اگر برہنہ ہو تو اس کا ستر ڈھانپ اور اس کو کوئی اچھائی ملے تو اس کو مبارک باد دے اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے اس کی عیادت کر اور اس کی دیواروں سے اپنی دیواروں کو بلند نہ کر تا کہ اس کی ہوا کو روکے اور اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے بھی پڑوسی کو تکلیف نہ دے ورنہ اس کو بھی اس ہنڈیا سے کچھ دے دے۔

وعن جابر قال قال رسول الله ﷺ اذا طبخ احدکم قدرا فلیکثر مرقها لیناول جاره منها.
(مجمع الزوائد ج۸ ص۱۶۵ باب حق الجار مطبوعہ بیروت)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی ہنڈیا کو پکائے تو اس میں شوربہ کو زیادہ کرے تا کہ اس میں سے اپنے پڑوسی کو دے سکے۔

وجملة حق الجار ان یبداه بالسلام ولا یطیل معه الکلام ولا یکثر عن حاله السوال ویعوده فی المرض ویعزیه فی المصیبة ویقوم معه فی العزاء ویهنئه فی الفرح یظهر الشرکة فی السرور معه ویصفح عن زلاته ولا یطلع من السطح الی عوراته ولا یضایقه فی وقع الجذع علی جداره ولا فی مصب الماء فی میزابه ولا فی مطرح التراب فی فنائه ولا یضیق طریقه الی الدار ولا یتبعه النظر فیما یحمله الی داره ویستر ما ینکشف له من عوراته وینعشه من صرعته اذ نابته نائبة ولا یغفل عن ملاحظة داره عند غیبة ولا یسمع علیه کلاما

پڑوسی کے حقوق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کو پہلے سلام کہے اور اس سے زیادہ لمبی کلام نہ کرے اور زیادہ اس کا حال نہ پوچھے: مریض ہو تو اس کی عیادت کرے مصیبت میں ہو تو اس کی دلجوئی کرے اور اس کے غم میں شریک ہو جب اس کی خوشی کا کوئی وقت ہو تو اسے مبارکباد کہے اور اس کی خوشی میں اس کا شریک ہو اور اس کی کوتاہی سے درگزر کرے اور چھت سے اس کی عورت کی طرف نہ جھانکے اگر وہ اس کی دیوار پر ستون رکھنا چاہے تو اس کو اجازت دے دے تنگ نہ کرے اور اس کا پانی اگر اس کے پرنالے میں آ جائے تو تنگ نہ کرے اگر پڑوسی کی مٹی اڑ کر اس کے صحن میں آ جائے تو تنگ نہ ہو اور پڑوسی کے راستے کو تنگ نہ کرے جو اس کے گھر کی طرف آتا ہو اور جو چیز اٹھا کر اپنے گھر کی طرف لائے تو

ویغض بصرہ عن حرمته ولا یدیم النظر الی خدمته ویتلطف بولدہ فی کلمته ویرشدہ الی ما یجعله من امر دینه و دنیاہ هذا الی جملة الحقوق التی ذکرناها لعامة المسلمین وقد قال صلی اللہ علیه وسلم اتدرون ما حق الجار ان استعان بک اعنته وان استنصرک نصرته وان استقرضک اقرضته وان افتقر عدت علیه وان مرض عدته وان مات تبعت جنازته وان اصابه خیر هنأته وان اصابته مصیبة عزیته ولا تستعل علیه بالبناء فتحجب عنه الریح الا باذنه ولا تؤذہ بقتار قدرتک الا ان تغرف له منها ثم قال اتدرون ما حق الجار والذی نفسی بیدہ لا یبلغ حق الجار الامن رحمه اللہ هکذا رواہ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ عن النبی ﷺ.

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۹۰ باب حقوق الجوار مطبوعہ دمشق)

اس کو دیکھنے کی کوشش نہ کرے اور اس کی عورت سے کوئی چیز کھل جائے تو اس پر پردہ ڈالے جب کسی حادثہ میں گر پڑے تو اس کو اٹھائے اور اس کی لونڈی کی طرف نگاہ نہ جمائے اور اس کے بچے کے ساتھ نرمی سے کلام کرے اور دین و دنیا کے معاملے میں جس چیز کو وہ نہ جانتا ہو اسے ہدایت دے یہ جملہ حقوق ہیں جن کو ہم نے عام مسلمانوں کے لیے ذکر کیا ہے' نبی پاک ﷺ نے فرمایا کیا پڑوسی کے حقوق کو تم جانتے ہو؟ اگر وہ تجھ سے مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرو' اگر تم سے وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو' اگر وہ محتاج ہو جائے تو اس کا خیال کرے' اگر مریض ہو تو اس کی عیادت کرے' اگر مر جائے تو اس کا جنازہ اٹھائے اگر اس کو کوئی اچھائی پہنچے تو اس کو مبارکباد کہے اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے' اس کی تعزیت کرے اور اس کی دیوار سے اپنی دیوار کو زیادہ بلند نہ کرے کہ جس کی وجہ سے اس کی ہوا رک جائے ہاں اگر وہ اذن دے تو پھر دیوار کو بلند کر لے اور اس کو اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے تکلیف نہ دے مگر یہ کہ کچھ تھوڑا سا سالن اس میں سے اس کو بھی دے' پھر فرمایا کیا تم پڑوسی کے حقوق کو جانتے ہو؟ (خود ہی نبی پاک ﷺ نے فرمایا:) اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی پڑوسی کے حقوق کو پورا نہیں کر سکتا مگر اللہ کی رحمت سے۔ اسی طرح روایت کیا شعیب نے اپنے باپ اور دادا سے۔

جس طرح کہ حدیث میں آیا کہ اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی پڑوسی کے حقوق ادا نہیں کر سکتا اور لوگ اس کو معمولی شرع سمجھتے ہیں اس لیے میں نے اس کو تفصیل حدیث کے ساتھ اور بمع اصل عربی اور ترجمہ کے ذکر کیا تھا کہ پڑھنے والے اس مسئلے کی اہمیت جانیں اور اس پر عمل کریں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۴۲۵- بَابُ اِکْتِتَابِ الْعِلْمِ

علم کو قلم بند کرنا

۹۲۱- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ کَتَبَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنِ انْظُرْ مَا کَانَ مِنْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَوْ سُنَّتِهٖ اَوْ حَدِیْثِ عُمَرَ اَوْ نَحْوِ هٰذَا فَاکْتُبْهُ لِیْ فَاِنِّیْ قَدْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذِهَابَ الْعُلَمَاءِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی حدیث یا سنت دیکھو یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کی حدیث ہو تو میرے لیے لکھ لیا کرو' مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے گزر جانے کا ڈر ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَلَا نَرٰی بِکِتَابَةِ الْعِلْمِ بَاْسًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ.

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ ہمارا عمل ہے' ہم علم کی کتابت میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

علم دین کی بڑی شان ہے اور علم دین کو حاصل کرنے والا طالب علم اس کی بھی بڑی شان ہے اور جو عالم دین ہے اس کی شان تو کیا ہی کہنا ہے لیکن یاد رہے جیسے علم متقی لوگوں کے لیے ایک بہت بڑی عظمت اور بلند شان عطا فرماتا ہے اسی طرح بد دین لوگوں کے لیے علم بہت بڑا عذاب اور خدا کا غضب ہے اس لیے حدیث میں آتا ہے نا اہل آدمی کے سامنے علم دین لکھنا ایسا ہے جیسے کہ خنزیر کے گلے میں سونے جواہر اور موتیوں کا ہار ڈالا جائے' اللہ تعالیٰ ہمیں وہ علم دین عطا فرمائے جس میں اس کی رضا اور حبیب ﷺ کی رضا ہو جو ہمارے لیے بخشش کا سبب بنے (اب میں پہلے علم دین کی شان تحریر کرتا ہوں)۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم وان طالب العلم يستغفر له كل شيء حتى الحيتان في البحر. طلب العلم افضل عند الله من الصلوة والصيام والحج والجهاد في سبيل الله تعالى. طلب العلم ساعة خير من قيام ليلة وطلب العلم يوما خير من صيام ثلاثة اشهر.

(کنز العمال ج ۱۵ ص ۱۳۱' کتاب العلم مطبوعہ حلب)

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے' طالب علم کے لیے ہر شے بخشش طلب کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی' علم دین کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز' حج اور جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔ ایک گھڑی دین طلب کرنا پوری رات کی کھڑے ہو کر عبادت کرنے سے افضل ہے اور ایک دن علم کا طلب کرنا تین ماہ کے روزوں سے افضل ہے۔

العلم خليل المومن والعقل دليله والعمل قيمه والحلم وزير والبصر امير جنوده والرفق والده واللين اخوه. العلم خير من العبادة وملاك الدين الورع العالم من يعمل بالعلم وان كان قليلا.

(کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۳۳' کتاب العلم مطبوعہ حلب)

مؤمن کا دوست علم ہے اور دلیل اس کی عقل ہے اور عمل اس کا نگہبان ہے' بردباری اس کا وزیر ہے' آنکھ اس کے لشکر کی امیر ہے اور رفاقت اس کا والد ہے' اور نرمی اس کا بھائی ہے۔ علم' عبادت سے افضل ہے' دین کی باشاہی تقویٰ ہے' عالم وہ ہے جو علم کے ساتھ عمل کرے اگرچہ تھوڑا سا ہی عمل کرے۔

یاد رہے مذکورہ دونوں حدیثوں کی وضاحت یوں ہے کہ سچا دوست وہ ہے جو قبر و حشر تک تیرے ساتھ جائے' وہ علم دین ہے اس لیے وہ مؤمن کا بہترین دوست ہے اس کے اس مرتبہ اور شان کو اور اس کے استعمال کو جاننے کے لیے عقل کا ہونا ضروری ہے اور یہ علم جب تک نفس اور شیطان کے شر سے نہ بچے یہ انسان کے لیے عذاب ہے۔ لہٰذا اس کا نگہبان عمل ہے علم کو کھلانے کے لیے اور لوگوں تک پہنچانے کے لیے بردباری ضروری ہے۔ کیونکہ تنگ دل آدمی علمی گہرائی میں قاصر رہتا ہے اور علم کے لشکر یعنی جن ذرائع سے علم حاصل کیا جاتا ہے ان سب ذرائع کا امیر آنکھ ہے اور علم کے ساتھ ہر وقت رفاقت رکھنا یہ وہ صفت ہے جو بمنزل والد کے ہے یعنی اس کی نگہبانی اس کے ساتھ نگہبانی اور مہربانی ہوگی جو والد کی بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے' اور علم دین کے ساتھ نرمی کرنا یہ بھائی ہونے کا کام ملتا ہے جیسے بھائی کا بھائی مددگار ہوتا ہے اس طرح نرمی بھی علم کے لیے بھائی کی طرح مددگار ہوتی ہے۔

العلم والمال يستران كل عيب والجهل والفقر يكشفان كل عيب... العالم سلطان الله في الارض فمن وقع فيه فقد هلك... العالم والعلم والعمل في الجنة فاذا لم يعمل العالم بما يعلم كان العلم والعمل في الجنة وكان العالم في النار.

(کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۳۴' کتاب العلم مطبوعہ حلب)

علم اور مال ہر عیب کو چھپا لیتے ہیں رنگ دستی اور جہالت ہر عیب کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ زمین میں اللہ کی طرف سے عالم بادشاہ ہے اور اس میں کوئی خرابی واقع ہوگی تو ہلاکت ہوگی۔ عالم' علم اور عمل جنت میں جائیں گے اگر عالم جس چیز کو وہ جانتا ہے اس کے ساتھ وہ عمل نہ کرے تو وہ علم و عمل تو جنت میں جائیں گے' عالم دوزخ میں جائے گا۔

یادر ہے مذکورہ تین احادیث کی وضاحت یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو علم دیتا ہے تو وہ اس کے عیبوں کو چھپا دیتا ہے بلکہ ذاتوں تک چھپا دیتا ہے' عالم دین چاہے کتنی بھی حقیر قوم کا ہو بڑے بڑے امراء اور وزراء اس کو جھک کر سلام کرتے ہیں اور اس کا ادب کرتے ہیں' اللہ کی زمین میں حقیقی بادشاہی عالم دین کی ہے اور جب عالم میں بددینی آ جائے تو ایسے سمجھئے کہ زمین تباہ ہوگئی اس لیے آتا ہے "موت العالم موت العالم یعنی عالم کی موت پورے جہاں کی موت ہے" جو نیک آدمی صاحب علم ہے وہ خود بھی جنت میں جائے گا اور اس کا عمل بھی جنت میں جائے گا اور اس کا علم بھی جنت میں جائے گا اور جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو علم تو بُرا نہیں علم تو نور ہے وہ تو جنت میں جائے گا اور اصل امر بھی جنت میں جائے گا لیکن اس کی بدعملی کی وجہ سے یہ دوزخ میں جائے گا۔

اتبعوا العلماء فانهم سرج الدنيا ومصابيح الاخرة .....اذا اجتمع العالم والعابد على الصراط قيل للعابد ادخل الجنة وتنعم بعبادتك وقيل للعالم قف هنا واشفع لمن احببت فانك لا تشفع لاحد الا شفعت فقام مقام الانبياء.

(کنز العمال ج ۱۵ ص ۱۳۵-۱۳۶' باب کتاب العلم مطبوعہ حلب)

علماء کی اتباع کرو دنیا میں یہ دیئے ہیں اور آخرت میں یہ لالٹینیں ہیں۔ عالم اور عابد جب پل صراط پر جمع ہوں گے تو عابد کو کہا جائے گا جنت میں داخل ہو اور اپنی عبادت کے صدقے اللہ کی نعمتیں کھاؤ اور عالم کو کہا جائے گا کہ تو یہاں صراط پر ہی ٹھہر کہ تو شفاعت کر اس آدمی کی جس سے تو محبت کرتا تھا اور تو کسی کی شفاعت نہیں کرے گا مگر تیری شفاعت قبول ہوگی اور عالم دین انبیاء کے مقام میں کھڑا ہوگا۔

یادر ہے ان دو مذکورہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علم دین بڑی نعمت ہے دنیا اور آخرت میں' یہ چراغ اور لالٹین کا کام دیتی ہے اور پھر عالم دین اس کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر شان عطا فرمائی ہے جب ایک ولی اور ایک عالم پل صراط پر جمع ہوں گے اور ولی کو کہا جائے گا کہ جاؤ تم جنت میں اور نعمتیں کھاؤ لیکن عالم کی یہ شان ہوگی کہ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام پل صراط پر کھڑے ہو کر اپنی امتوں کو پار لگائیں گے اسی طرح عالم دین کو اجازت ہوگی جو جو آدمی تجھے پسند ہے اس کی تو سفارش کر تو تیری سفارش کو رد نہیں کیا جائے گا لہٰذا ان سب لوگوں کو اپنے ساتھ لے جا جو تجھ سے پیار کرتے تھے۔

اذا جاء الموت لطالب العلم وهو على هذه الحالة مات وهو شهيد.....فان طلب العلم فريضة على كل مسلم ان الملائكة تضع اجنحتها لطالب العلم رضى بما يطلب.....من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له طريقا الى الجنة..... من طلب العلم كان كفارة لما مضى.....من علم اية من كتاب الله او بابا من علم انمى الله اجره الى يوم القيامة.....من يرد الله به يفقهه فى الدين.....وزن حبر العلماء بدم الشهداء فرجح عليه.....يوزن يوم القيامة مداد العلماء ودم الشهداء فيرجح عليهم مداد العلماء على دم الشهداء....تعلموا العلم وتعلموا للعلم الوقار.....

جب طالب علم کو موت آئے اس حال میں کہ وہ طالب علم ہے تو اس کی موت شہادت ہے۔ علم کا طلب کرنا فرض ہے ہر مسلمان پر فرشتے اپنے پَر بچھاتے ہیں طالب علم کے قدموں کے نیچے جب تک علم حاصل کرتا ہے۔ جب کوئی آدمی نکلا علم طلب کرنے کے لیے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان بنا دیتا ہے۔ جس آدمی نے علم طلب کیا اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ جس آدمی نے کتاب اللہ سے ایک آیت سیکھی یا ایک باب علم کا پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو قیامت میں بڑھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ قیامت میں شہداء کے خون کو علماء کی سیاہی کے ساتھ وزن کیا جائے گا تو سیاہی کا وزن بھاری ہوگا۔ قیامت میں علماء کی سیاہی کا وزن کیا جائے گا اور شہداء کے خون کا وزن کیا جائے گا تو علماء کی

تعلموا ما شئتم ان تعملوا فلن ينفعكم الله بالعلم حتى تعملوا بما تعلمون..... تعلموا من العلم ما شئتم فوالله لا تؤجروا بجمع العلم حتى تعملوا..... عالم ينتفع به خير من الف عابد..... طلب العلم طالب الرحمة طالب العلم ركن الاسلام ويعطى اجره مع النبيين.

(کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۳۷-۱۴۳ باب کتاب العلم مطبوعہ حلب)

سیاہی شہیدوں کے خون پر غالب آئے گی۔ علم کو سیکھو اور علم کو وقار کے لیے سیکھو۔ سیکھو جو تم چاہتے ہو اس طرح کہ عمل کرو جس کو تم جانتے ہو۔ سیکھو اس سے جو تم چاہو لیکن اللہ کی قسم تمہیں علم جمع کرنے سے اجر نہیں ملے گا یہاں تک کہ تم عمل کرو۔ ہزار عابد سے زیادہ نفع حاصل کیا جاتا ہے عالم سے۔ علم کا طالب رحمت کا طالب ہے اور علم کا طالب اسلام کا رکن ہے اس کو انبیاء کے ساتھ اجر دیا جائے گا۔

یاد رہے انبیاء کے ساتھ اجر ملنے کا یہ معنی نہیں کہ ان کا مقام انبیاء والا ہوگا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کو جیسے تبلیغ دین کا اجر ملے گا اسی طرح علماء دین کو بھی تبلیغ دین کا بھی اجر ملے گا۔

کنز العمال کی مذکورہ چند احادیث کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) ہر مسلمان پر علم دین کا سیکھنا فرض ہے یعنی ضروریات دین کا جاننا فرض ہے جیسے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور پورے علوم دینیہ کا پڑھنا فرض کفایہ ہے پورے گھر والوں سے یا پورے قبیلہ سے ایک عالم بن جاتا ہے تو تمام کی طرف سے یہ فرض ادا ہو گیا (۲) دین کا طالب علم یعنی قرآن' حدیث اور فقہ پڑھنے والے کی یہ شان ہے کہ اللہ کی تمام مخلوقات اس کے لیے بخشش طلب کرتی ہیں' یہاں تک کہ مچھلیاں سمندر کی تہ میں اس کے لیے بخشش طلب کرتی ہیں (۳) طالب علم' طالب علمی کے زمانہ میں اگر مر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے شہید کا درجہ عطا فرماتا ہے (٤) قیامت کو وہ عالم بہت زیادہ حسرت میں ہوگا کہ جس کے علم کو سن کر لوگوں نے نفع اٹھایا لیکن اس نے خود کوئی نفع نہ اٹھایا یعنی علم پر عمل نہ کیا اور دوسرا وہ آدمی بھی حسرت کھائے گا جس کے لیے علم حاصل کرنا ممکن تھا لیکن اس نے حاصل نہ کیا (۵) طالب علم جب تک طالب علم رہتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے آگے پر بچھاتے ہیں (٦) اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین میں فقاہت عطا فرماتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دین میں فقاہت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور ایسے فقیہ دین سے متعلق طعن و تشنیع کرنا آخرت کی خرابی ہے جیسے کہ بعض لوگ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر طرح طرح کے بہتانات اور طنز کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عباس سے نماز وتر کے بارے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں یعنی تیسری رکعت کو پہلی دو رکعتوں سے جدا کر کے پڑھتے ہیں تو آپ نے اس سائل کو جواب دیتے ہوئے فرمایا "دع فانه فقيهة چھوڑ (ان پر اعتراض نہ کر) وہ فقیہ ہیں"۔ (۷) حدیث لکھنے والے عالم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے بھاری ہوتی ہے (۸) جس عالم کے علم سے نفع اٹھایا جائے تو وہ ایک ہزار ولی سے افضل ہے۔

فضل العالم على العابد كفضلي على ادناكم ان الله عزوجل وملئكة واهل السموات والارضين حتى النملة في حجرها وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير..... ان الله تعالى لا ينزع العلم منكم بعد ما اعطاكموه انتزاعا ولكن يقبض العلماء ويبقى الجهال فيسالون فيفتون فيضلون ويضلون.

(کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۳۵ باب کتاب العلم مطبوعہ حلب)

(فرمان نبی ﷺ) ولی پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ' اس کے تمام فرشتے' تمام زمینوں اور آسمانوں کے رہنے والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلی پانی میں علم دین پڑھانے والے معلم کے لیے رحمت بھیجتی ہیں۔ (قریب قیامت میں علم کو اٹھایا جائے گا) اللہ تعالیٰ نے تم کو جو علم دیا ہوا ہے اس کو تم سے کھینچے گا نہیں بلکہ علماء کو اٹھا لے گا اور جاہل لوگ باقی رہ جائیں گے' ان سے

فتویٰ طلب کیے جائیں گے' وہ بے دریغ سوائے علم کے فتویٰ دیں گے' خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

یادرہے مذکورہ دونوں احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ولی پر عالم کی فضیلت جو بیان کی گئی اور نبی پاک ﷺ نے اس کی جو تشبیہ دی ہے کہ عالم' عابد پر اس طرح افضل ہے کہ جس طرح میں تم میں سے ادنیٰ پر افضل ہوں' اس حدیث میں حقیقی فضیلت کا ذکر نہیں ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ کی فضیلت غیروں پر وہ ایسی ہے کہ جس کی مخالفت میں بطور مثال بھی کوئی فرد نہیں پایا جا سکتا چاہے کتنا بھی کوئی نیک امتی ہو وہ نبی کے درجے کو نہیں پا سکتا' بخلاف عالم کی فضیلت تو عابد پر ہے اس میں مخالفت ممکن ہے کہ بعض عابد ایسے ہوں جو کہ عالموں سے افضل ہوں اور یقینی بات ہے کہ عالم بے عمل ہے تو عابد اس سے کہیں اچھا ہے۔ ولی پر عالم کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ متقی اور پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ علم دین پر عمل بھی کرتا ہے اور اسے آگے پڑھتا پڑھاتا بھی ہے اور دوسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قرب قیامت میں علم اٹھ جائے گا اس کی وضاحت خود نبی ﷺ نے فرمائی ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ علماء رات کو علم کے ساتھ سوئیں گے اور صبح اٹھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کے سینوں سے علم نکال لے گا بلکہ قرب قیامت میں علم کے اٹھ جانے کا معنی یہ ہے کہ علماء دنیا سے چلے جائیں گے' جاہل لوگ رہ جائیں گے' وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے' خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کر دیں گے' یادرہے کہ ابھی وہ زمانہ مکمل تو نہیں آیا مگر اس زمانے کے آثار شروع ہو چکے ہیں اس طرح کہ ہم دیکھتے ہیں کہ روپے میں پندرہ آنے پہلے علماء کو باعمل' فقیہی اور پرہیزگار خود علم پر عمل کرتے اور لوگوں کو علم پر عمل کراتے تھے' اب روپے میں سے بارہ آنے وہ علماء ہیں جنہوں نے دین کو صرف کمائی کا ذریعہ بنا لیا ہے اور وہ خود نہ دین پر عمل کرتے ہیں نہ کراتے ہیں اور حقیقت میں وہ علم کو جانتے نہیں لیکن لوگ ان کو اپنا بہت بڑا خطیب سمجھتے ہیں' ان سے مسائل پوچھتے ہیں اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیتے ہیں' خود گمراہ ہیں لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس کی وضاحت دوسری جگہ احادیث میں یوں آئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وعن حزام بن حکیم بن حزام عن ابیه عن النبی ﷺ قال انکم قد اصبحتم فی زمان کثیر فقهاؤه قلیل خطباء ه کثیر معطوه قلیل سواله العمل فیه خیر من العلم وسیاتی زمان قلیل فقهاء ه خطباء ه وکثیر سواله قلیل معطوه العلم فیه خیر من العمل' رواه الطبرانی۔ وعن ابی ذر ان النبی ﷺ قال انکم فی زمان علماء ه کثیر خطباء ه قلیل من ترک فیه عشیر ما یعلم هوی وسیاتی علی الناس زمان یقل علماء ه ویکثر خطباء ه من تمسک فیه بعشر ما یعلم نجا رواه احمد. (مجمع الزوائد ج اص ۱۲۷' باب فی فضل العلماء ومجالستهم کے متصل بعد والی فصل میں موجود ہے)

حزام بن حکیم بن حزام اپنے باپ سے اور وہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں فقہاء کثیر اور خطباء قلیل' دینے والے زیادہ اور سوال کرنے والے کم ہیں۔ اس زمانہ میں عمل' علم سے بہتر ہے' عنقریب ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں فقہاء قلیل اور خطباء کثیر' سوال کرنے والے زیادہ' عطا کرنے والے کم' اس میں علم' عمل سے بہتر ہوگا۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جس کے علماء کثیر' اس کے خطباء قلیل' اس زمانہ میں جو آدمی جانتا ہے اس کے دسویں حصہ پر عمل نہ کیا تو وہ گمراہ ہو جائے گا اور عنقریب لوگوں پر زمانہ آئے گا کہ اس کے علماء قلیل اور خطباء کثیر ہوں گے' اس زمانے میں جس آدمی نے علم کے دسویں حصے کے برابر بھی عمل کر لیا وہ نجات پا جائے گا۔

قارئین کرام! یہ حدیث نبی پاک ﷺ کی بہت بڑی پیشگوئی اور علم غیب کی دلیل ہے کہ جس کا کوئی انسان بھی انکار نہیں

کرسکتا کیونکہ مشاہدہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا صحابیو! تمہارا وہ زمانہ ہے کہ جس میں علماء اور فقہاء بہت زیادہ ہیں یعنی قرآن وحدیث کے جاننے والے اور قرآن وحدیث سے مسائل استنباط کرنے والے بہت زیادہ ہیں اور خطیب حضرات وہ صحابہ کرام جو بغیر فقاہت کے اور بغیر علم کے فقط حدیث سنانے والے وہ کم ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں علم کی کثرت ہے اس لیے علم کے دسویں حصے پر عمل نہ کرنے والا گمراہ ہو جائے گا۔ اور ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں فقہاء اور علماء بہت کم ہوں گے یعنی قرآن وحدیث کے جاننے والے بہت کم ہوں گے اور خطباء حضرات جو فقط احادیث کا نام جانتے ہیں وہ ایسی ایسی من گھڑت بات پیش کریں گے جس سے نبی علیہ السلام کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوگا لیکن لچھے دار تقریریں اشعار سے مزین اس طرح تقریر سجائیں گے کہ سامعین حضرات ان کو علماء پر ترجیح دیں گے۔ اور یہ خطباء حضرات بغیر علم کے فتوی دیں گے خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

قارئین کرام! آپ دیکھ لیں کہ اس زمانہ میں آپ کی حدیث من وعن پوری ہو رہی ہے۔ اب جلسے ہوتے ہیں تو بڑے بڑے علماء کو بھی اگر دعوت دی جائے بشرطیکہ وہ خطیب نہ ہوں تو کوئی بھی ان کی تقریر سننے کو تیار نہیں ہوتا۔ لیکن اگر جاہل خطباء کا نام آ جائے تو پھر لوگ ہزاروں کی تعداد میں بڑی دور دور سے ان کی تقریر سننے کے لیے جمع ہوتے ہیں کہ جب وہ شعر و اشعار سے موسیقی کا رنگ جماتے ہیں تو پھر لوگ عش عش کرتے ہوئے نعرے لگاتے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جو آج سے پہلے چودہ سو سال نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں بیان فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم دین عطا فرمائے اور اس پر عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے تاکہ نبی ﷺ کی ان حدیثوں کے ہم بھی مستحق بن جائیں جو حقی علماء کی شان میں فرمائی گئی ہیں۔ (آمین ثم آمین)

٤٣٦- بَابُ الْخِضَابِ

رنگنے کے بیان میں

٩٢٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْاَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوْثَ كَانَ جَلِيْسًا لَنَا وَكَانَ اَبْيَضَ اللِّحْيَةِ وَالرَّاْسِ فَغَدَا عَلَيْهِمْ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَدْ حَمَّرَهَا فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ هٰذَا اَحْسَنُ فَقَالَ اِنَّ اُمِّيْ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ اَرْسَلَتْ اِلَيَّ الْبَارِحَةَ جَارِيَتَهَا نُخَيْلَةَ فَاَقْسَمَتْ عَلَيَّ لَاَصْبُغَنَّ فَاَخْبَرَتْنِيْ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَصْبُغُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ ہم سے روایت کیا محمد بن ابراہیم نے سلمہ بن عبدالرحمٰن سے کہ عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث ہمارے ساتھ بیٹھے تھے' ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے' ایک دن صبح آئے تو ان کے بال سرخ تھے تو لوگوں نے ان سے کہا یہ اچھا ہے' وہ بولے میری ماں حضور ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کل رات اپنی کنیز نخیلہ کے ہاتھ مجھے قسم دے کر کہلا بھیجا کہ میں بالوں میں ضرور خضاب لگاؤں' انہوں نے مجھے خبر دی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خضاب لگاتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا نَرٰى بِالْخِضَابِ بِالْوَسْمَةِ وَالْحِنَّاءِ وَالصُّفْرَةِ بَاْسًا وَاِنْ تَرَكَهٗ اَبْيَضَ فَلَا بَاْسَ بِذٰلِكَ كُلُّ ذٰلِكَ حَسَنٌ.

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں ہمارے نزدیک وسمہ' مہندی اور زرد رنگ سے خضاب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر بالوں کو سفید ہی چھوڑ دے' تمام صورتیں بہتر ہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ علیہ نے خضاب کے باب میں صرف ایک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر پیش کیا جس میں عبدالرحمٰن بن اسود کے بارے میں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک پیغام پہنچا کہ جس میں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسود کو قسم دی کہ وہ سفید بالوں کو ضرور رنگیں اور یہ بھی فرمایا کہ میرے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بالوں کو رنگتے تھے۔ اکثر روایات میں یہی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرخ رنگ [illegible] آیا ہے کہ آپ مہندی اور وسمہ کو ملا کر

خضاب لگاتے تھے اس اثر کو نقل کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں بالوں کو رنگا جائے چاہے وسمہ سے ہو مہندی سے ہو یا پیلا ہو تو ان میں کسی میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور اگر کوئی بالکل سفید رکھے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے یہ سب قسم کا خضاب بہتر ہی ہے۔ تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ احناف کے نزدیک نبی پاک ﷺ کا یہ فرمان ہے ''بالحناء و الکتم یعنی تم اپنے سفید بالوں کو بدلو مہندی اور وسمہ کے ساتھ'' تو یہ امر وجوبی نہیں بلکہ امر استحبابی ہے اسی لیے امام محمد رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر رنگ میں ڈاڑھی کے لیے جائز ہے چاہے ڈاڑھی کو رنگے یا نہ رنگے دونوں طرح جائز ہے تو جب رنگے تو جس رنگ میں بھی رنگے جائز ہے چاہے سرخ رنگ میں رنگے پیلے میں رنگے یا سیاہ میں رنگے۔ لیکن بعض احادیث میں واضح آیا ہے کہ یہود کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنے بالوں کو سفید رکھتے ہیں تم اپنے بالوں کو پیلے اور سرخ رنگ سے بدلو اور یہ بدلنا مستحب ہے اور سیاہ رنگ سے بدلنا حرام ہے جیسا کہ مسلم شریف میں یوں موجود ہے۔

بالوں کو رنگنے کے بارے میں چند احادیث

عن جابر بن عبد الله قال اتی بابی قحافة یوم فتح مکة و راسه ولحیته کالثغامة بیاضا فقال رسول الله ﷺ غیروا هذا بشیء و اجتنبوا السواد.

(مسلم شریف ج ۲ ص ۱۹۹' باب استحباب خضاب الشیب بصفرۃ وحمرۃ وتحریمۃ بالسواد' مطبوعہ نور محمد آرام باغ' کراچی)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا گیا ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال ثغامہ (سفید پھولوں) کی طرح سفید تھے نبی ﷺ نے فرمایا: ان کو کسی چیز سے تبدیل کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔

عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال ان الیهود والنصاری لا یصبغون فخالفوهم.

(مسلم شریف ج ۲ ص ۱۹۹' مطبوعہ نور محمد آرام باغ' کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے (یعنی بال نہیں رنگتے) سو تم ان کی مخالفت کرو۔

تو قارئین کرام! مسلم شریف کی ان دو حدیثوں نے واضح کر دیا کہ نبی پاک کا یہ فرمان ہے کہ ڈاڑھی کو رنگو لیکن سیاہ رنگ سے بچو اور دوسرا فرمایا کہ یہود و نصاریٰ بالوں کو سفید رکھتے ہیں اور رنگتے نہیں لہٰذا ان کی مخالفت کرو تو ان دو حدیثوں کو جمع کیا جائے تو خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ سفید بالوں سے رنگنا افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو کیونکہ وہ نہیں رنگتے مگر تم اپنی ڈاڑھیوں کو رنگو لیکن رنگو تو سہی مگر سیاہ رنگ نہ رنگو' سب سے پہلے میں وہ احادیث نقل کرتا ہوں جس میں رنگنے کا حکم آیا ہے اور وہ کثیر تعداد میں ہیں لیکن میں ان میں سے چند کو نقل کرتا ہوں۔

عن ابی هریرة یبلغ به النبی ﷺ قال الیهود والنصاری لا یصبغون فخالفوهم..... عن ثابت بن عبید عن ابی جعفر الانصاری قال رایت ابابکر لکان راسه ولحیة کانها جمر الغضی..... حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن اسماعیل قال رایت انساد یخضب بالحناء..... اخبرنا اسماعیل قال رایت انس بن مالک وعبد الله بن ابی اوفی وخضابهما احمر..... قال حدثنا عثمان بن حکم قال

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ان کو نبی علیہ السلام سے یہ خبر پہنچی کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: یہود و نصاریٰ ڈاڑھی کو نہیں رنگتے تم ان کی مخالفت کرو۔ ثابت بن عبید ابو جعفر انصاری سے روایت کرتا ہے' ابو جعفر انصاری کہتا ہے کہ میں نے ابو بکر صدیق کو دیکھا کہ ان کا سر اور ڈاڑھی شریف سرخ انبارہ کی طرح تھے۔ اسماعیل سے روایت ہے اس نے کہا میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ وہ مہندی کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے۔ خبر دی ہمیں اسماعیل نے کہ میں نے دیکھا انس بن مالک کو اور عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ کو کہ ان کا خضاب

رایت عند ال ابی عبیدۃ بن عبد اللہ بن زمعۃ شعرات من شعر رسول اللہ ﷺ مصبوغا بالحناء. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۲۵۔۳۲۷ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی۔ پاکستان)

سرخ تھا۔ حدیث بیان کی عثمان بن حکم نے اس نے کہا میں نے دیکھا ال ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال وہ مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔

یاد رہے یہ بطور اختصار میں نے مصنف ابن ابی شیبہ سے صرف بالوں کو رنگنے میں چند احادیث بیان کی ہیں' باقی دوسری کتب میں بھی کثیر تعداد میں بالوں کو رنگنے کی احادیث موجود ہیں اور اس کے مقابلے میں بالوں کو رنگ نہ رنگنے کی احادیث موجود ہیں کہ جن میں سفید رنگ بلکہ سفید بالوں کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے۔ اب میں سفید بالوں کے رکھنے میں جو احادیثیں آئی ہیں وہ ذکر کرتا ہوں؛ ملاحظہ فرمائیں۔

سفید بال رکھنے پر چند احادیث

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تنتفوا الشیب ما من مسلم یشیب شیبۃ فی الاسلام قال عن سفیان الا کانت لہ نورا یوم القیامۃ وقال فی حدیث یحیی الا کتب اللہ بہا حسنۃ وحط عنہ بہا خطیئۃ.

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۲ باب فی نتف الشیب کتاب الرجل)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفید بالوں کو نہ اکھاڑو' جس شخص کے بال بھی اسلام میں سفید ہوں گے وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور بن جائیں گے۔ یحییٰ کی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ ان بالوں کے عوض میں ایک نیکی لکھ دے گا اور ایک بُرائی مٹا دے گا۔

عن فضالۃ بن عبید ان رسول اللہ ﷺ قال من شاب شیبۃ فی الاسلام کانت لہ نورا یوم القیامۃ فقال لہ رجل عند ذلک فان رجالا ینتفون الشیب فقال رسول اللہ ﷺ من شاء فلینتف نورہ رواہ البزار والطبرانی وفیہ ابن لہیعۃ وحدیثہ حسن وفیہ ضعف وبقیۃ رجالہ ثقات. (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۸ باب ماجاء فی الشیب والخضاب مطبوعہ بیروت)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے بال اسلام میں سفید ہوئے وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور بن جائیں گے۔ اس وقت ایک شخص نے کہا کچھ لوگ سفید بال اکھاڑتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چاہے اپنے نور کی نفی کرے۔ اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ہے اس کی روایت حسن تاہم اس میں کچھ ضعف ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

بال سفید رکھنے اور رنگنے کے بارے میں اختلاف روایات کی توجیہات

بالوں کو رنگنے اور نہ رنگنے کے بارے میں جتنی روایات آئی ہیں ان کے بارے میں علمائے کرام کا فیصلہ ہے کہ ان میں امر وجوبی نہیں ہے' اختلاف صرف استحباب میں ہے۔ اس لیے امام ابن حجر نے فتح الباری میں' امام بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں اور امام یحییٰ بن شرف نے اپنی شرح نووی میں اس کی توجیہات نقل کی ہیں اسی لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کی ان کی عربی عبارات چونکہ بہت لمبی چوڑی ہیں' ان کے تراجم پر ہی اکتفا کیا جائے اور صرف ان عبارات کے ترجمے ہی نقل کیے جائیں۔ اختلاف حدیث کی توجیہات سامنے آ جائیں گی۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ [illegible] سے بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور سیاہ

رنگ سے رنگنا حرام ہے۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مختار قول یہ ہے کہ حرام ہے کیونکہ نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔ یہی ہمارا مذہب ہے۔ قاضی نے کہا صحابہ و تابعین میں سے متقدمین اور متاخرین کے بالوں کے رنگنے میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا رنگنے کو ترک کرنا افضل ہے اور انہوں نے نبی پاک ﷺ سے بالوں کے نہ رنگنے کے سلسلہ میں ایک حدیث روایت کی ہے اور یہ کہ آپ نے خود سفید بالوں کو متغیر نہیں کیا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت ابی اور دوسروں سے مروی ہے اور دوسرے گروہ نے کہا کہ بالوں کا رنگنا افضل ہے۔ صحابہ اور تابعین کی جماعت اور بعد کے فقہاء ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے اور ایک جماعت نے مہندی اور کتم (سیاہ) سے رنگا ہے۔ اور بعض نے زعفران کے ساتھ رنگا ہے' ایک جماعت نے زیادہ رنگ کے ساتھ رنگا ہے اور حضرت عثمان' حضرت حسن بن علی اور حضرت حسین بن علی اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم' ابن سیرین' ابی بردہ اور فقہائے تابعین سے یہی مروی ہے۔ قاضی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ سے سفید بالوں کو متغیر کرنے اور اس کے منع کرنے دونوں کے متعلق احادیث صحیحہ موجود ہیں' اس میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں ہے۔ حضرت ابو قحافہ کی طرح جس شخص کے سارے بال سفید ہو جائیں اس کو رنگنے کا حکم دیا ہے اور جس کے کچھ کالے اور سفید ہوں اس کو نہ رنگنے کا حکم دیا ہے اور متقدمین کا اس میں اختلاف رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ احادیث میں رنگنے کا حکم اور رنگنے کی ممانعت وجوب کے لیے نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس پر عمل کرنے والے دوسرے پر اعتراض نہیں کرتے اور ان حکموں میں سے ایک ناسخ اور دوسرے کو منسوخ کہنا صحیح نہیں ہے۔ قاضی نے کہا کہ یہ دونوں فعل عرف اور عادت پر بھی موقوف ہیں' جس علاقہ میں رنگنے کا دستور ہو اس علاقہ میں رنگنے کو ترک کرنا مکروہ ہے اور یہ خوبصورتی پر بھی موقوف ہے اگر کسی شخص کو سفید ڈاڑھی اچھی لگتی ہو تو اس کا رنگنا خلافِ اولیٰ ہے اگر کسی کو رنگی ہوئی ڈاڑھی اچھی لگتی ہو تو اس کا نہ رنگنا خلافِ اولیٰ ہے۔ یہ قاضی عیاض مالکی کی تقریر ہے اور زیادہ صحیح اور احادیث کے مطابق وہی تقریر ہے جس کو ہم نے پہلے اپنے مذہب کے بیان میں ذکر کر دیا تھا۔

(نووی شرح مسلم بمعہ مسلم ج ۲ ص ۱۹۹' باب استحباب خضاب الشیب بصفرۃ وحمرۃ وتحریمہ بالسواد' مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ' دہلی)

امام احمد نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انصار کے بعض بوڑھوں سے گذر ہوا جن کی ڈاڑھیاں سفید تھیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! سرخ یا زرد رنگ میں بال رنگو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو اور امام طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عجمیوں کی مخالفت میں بالوں کو رنگنے کا حکم دیتے تھے۔ بعض نے اس حدیث سے سیاہ خضاب پر استدلال کیا ہے' بعض علماء نے جہاد کے موقعہ پر سیاہ خضاب کی اجازت دی ہے اور بعض علماء نے مطلقاً سیاہ خضاب کی اجازت دی ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ ہے۔ اور علامہ نووی نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ سلف صالحین سے حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عقبہ ابن عامر' حضرت حسن بن علی' حضرت حسین بن علی' حضرت جریح رضی اللہ عنہم اور متعدد صحابہ نے سیاہ خضاب کی اجازت دی ہے اور ابو عاصم نے کتاب الخضاب میں اسی کو مختار قرار دیا ہے۔ علامہ طبری نے یہ تطبیق دی ہے کہ جنہوں نے بالوں کو رنگا ان پر سفید بال اچھے نہیں لگتے تھے اور جنہوں نے بالوں کو نہیں رنگا ان پر سفید بال اچھے لگتے تھے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا بھی یہی محمل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے بال سفید پھولوں کی طرح سفید دیکھے تو فرمایا ان کو متغیر کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔ جس شخص کے بال حضرت ابو قحافہ کے بالوں کی طرح ہوں اس کے لیے رنگنا مستحب ہے اور جس کے بال اس طرح نہ ہوں اس کے لیے رنگنا مستحب نہیں لیکن رنگنا مطلقاً اولیٰ ہے کیونکہ اس میں اس حکم پر عمل ہے جس میں اہل کتاب کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ بعض احادیث

میں جس شخص کے بال سفید ہو گئے وہ اس کے لیے نور ہوں گے اور بعض احادیث میں سفید بالوں کو اکھاڑنے سے منع فرمایا' طحاوی کا رجحان یہ ہے کہ یہ احادیث رنگنے کی احادیث سے منسوخ ہیں کیونکہ جب تک نبی پاک ﷺ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا آپ اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے اور جب کوئی حکم نازل ہو جاتا تو آپ ان کی مخالفت کرتے اور ان کی مخالفت پر برانگیختہ کرتے تھے اور علامہ ابن طبری نے یہ کہا ہے کہ آپ نے سفید بال اکھاڑنے سے منع کیا ہے' رنگنے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ بال اکھاڑنے میں خلقت کو بالکل بدلنا ہے اس کے برخلاف رنگنے میں دیکھنے میں خلقت میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوتی۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۹۲-۲۹۳' باب الخضاب)

نووی شرح مسلم اور فتح الباری کی عبارات کا خلاصہ چند امور ہیں

(۱) مذہب شافعی میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ سیاہ خضاب حرام ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ تنزیہہ ہے اور مختار قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے (۲) متقدمین ومتاخرین میں بالوں کے رنگنے میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے نہ رنگنے کو افضل کہا یعنی سفید بالوں کا رکھنا افضل ہے اور بعضوں نے رنگنے کو افضل کہا ہے کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے بالفعل بالوں کو رنگا ہے (۳) رنگنے کے رنگ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ زرد اور سرخ رنگ سے بالوں کو رنگا جائے اور بعض کہتے ہیں کہ مہندی و وسمہ ملا کر لگانے سے بدلا جائے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگنے کو بھی جائز قرار دیا ہے (۴) بعض نے بالوں کو سیاہ رنگ میں رنگنے کے جواز پر اختلاف کیا ہے بعض مطلقاً جائز سمجھتے ہیں جیسے حضرت عثمان' حضرت حسن بن علی اور حضرت حسین بن علی' عقبہ بن عامر' محمد بن سیرین' ابو بردہ اسلمی اور فقہاء تابعین میں سے بعض کا یہی قول ہے کہ مطلقاً سفید بالوں کو سیاہ خضاب سے بدلنا جائز ہے اور بعض حضرات نے سیاہ خضاب سے رنگنے کو بعض مخصوص مواقع کے ساتھ مقید کیا ہے جیسا کہ جہاد کے موقع پر۔

اس اختلاف کی تطبیق بھی انہیں مذکورہ دو عبارات میں مختلف طریقوں سے دی گئی ہے

(۱) جس آدمی کی پوری ڈاڑھی سفید ہو اس کے لیے رنگنا افضل ہے جیسا کہ ابو قحافہ کی ڈاڑھی کو رنگنے کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ پوری پھولوں کی طرح سفید تھی اور جس کے پورے بال سفید نہ ہوں اس کے لیے نہ رنگنا افضل ہے (۲) رنگنے اور نہ رنگنے کے افضل ہونے کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے' جس علاقہ میں رنگنے کا دستور ہو وہاں رنگنا افضل ہے اور جہاں رنگنے کا دستور نہ ہو وہاں نہ رنگنا افضل ہے (۳) جس آدمی کے لیے رنگنے میں خوبصورتی پیدا ہو اس کے رنگنا افضل ہے اور جس کے لیے رنگنا بدصورتی کا باعث ہو اس کے لیے نہ رنگنا افضل ہے اور اس کی تائید میں فتح الباری اور عمدۃ القاری میں بعض صحابہ کا قول کہ ہم اس وقت اپنی ڈاڑھی کو رنگتے تھے سیاہ خضاب کے ساتھ کہ جس وقت تک ہمارا چہرہ اس کے قابل رہتا کہ سیاہ خضاب لگانے سے نوجوان معلوم ہوں اور جب دانت گر جاتے اور چہرہ گوشت کو چھوڑ جاتا اس وقت ہم سیاہ خضاب کا لگانا چھوڑ دیتے (۴) سیاہ خضاب لگانے میں حلت وحرمت کا اختلاف ہے اس لیے اس کو چھوڑ کر سفید بال رکھنے اور زرد اور سرخ رنگ میں رنگنے سے افضل یہی ہے کہ بالوں کو رنگا جائے کیونکہ اس کی تائید اس حدیث سے ملتی ہے جو آپ نے فرمایا: اہل کتب کی مخالفت کرو کیونکہ وہ ڈاڑھیوں کو سفید رکھتے ہیں لہٰذا تم اس کو رنگو۔ تو خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ سفید بالوں کو رنگنا افضل ہے لیکن زرد رنگ اور سرخ رنگ میں اور سیاہ رنگ میں صحابہ کرام کا مختلف عمل ہے بعض اس کو جائز سمجھتے ہیں اور بعض جائز نہیں سمجھتے اور اب میں چند احادیث نقل کرتا ہوں جن میں سیاہ خضاب سے رنگنے کی ممانعت آئی ہے۔

سیاہ خضاب سے سفید بالوں کو رنگنے کی ممانعت پر چند احادیث و آثار

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ یکون قوم لیخضبون فی اخر الزمان بالسوداء کحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة.

(ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۲۲ ' باب ما جاء فی خضاب السواد' کتاب الترجل' مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایک قوم کبوتر کے پوٹوں کی طرح سیاہ بالوں کے ساتھ اپنے بالوں کو رنگے گی وہ (میدان حشر میں) جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے۔

عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال یکون فی اخر الزمان قوم یسودون اشعارهم لا ینظر الله الیهم رواه الطبرانی فی الاوسط واسناده جید.

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۱' باب ما جاء فی الشیب والخضاب' مطبوعہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: آخر زمانہ میں ان کی طرف ایک قوم ہوگی جو اپنے بالوں کو سیاہ رنگ کے ساتھ رنگے گی' اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔

عن لیث عن عامر رفعه قال قال رسول الله ﷺ ان الله لا ینظر الی من یخضب بالسواد یوم القیامة. عن مجاهد قال رای النبی ﷺ رجلا اسود الشعر قد راه بالامس ابیض الشعر قال من انت قال انا فلان قال بل انت شیطان. اخبرنا راشد ابو محمد الحمانی عن رجل عن الزهری قال مکتوب فی التوراة ملعون من غیرها بالسواد یعنی اللحیة. (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۴۱' ذکر ما قال رسول اللہ واصحابہ فی تغییر الشیب' وکراہیۃ الخضاب بالسواد' مطبوعہ بیروت)

لیث' عامر سے روایت کرتے ہیں عامر اسے مرفوع کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت نہیں فرمائے گا جس نے سیاہ رنگ کے ساتھ ڈاڑھی کو رنگا۔ مجاہد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو سیاہ بالوں والا تھا' تحقیق آپ نے اسے ایک دن پہلے سفید بالوں والا دیکھا تھا' آپ نے فرمایا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں فلاں ہوں' آپ نے فرمایا تو شیطان ہے۔ ہمیں راشد ابو محمد حمانی نے ایک آدمی سے خبر دی وہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص نے اپنی ڈاڑھی کو سیاہ رنگ کے ساتھ رنگا وہ ملعون ہے۔

وعن ابی الدردا قال قال رسول الله ﷺ من خضب باسواد سوء الله وجهه یوم القیامة رواه طبرانی وفیه الوضین بن عطاء وثقه احمد وابن معین وابن حبان وضعفه من هو وانهم فی المنزلة وبقیة رجاله ثقات. وعن عبد الله بن عمر رضی الله تعالی عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول الصفرة خضاب المومنین والحمراة خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر.

ابو دردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس نے ڈاڑھی کو سیاہ رنگ سے رنگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے کو سیاہ کر دے گا۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔ وضین بن عطا اس کی سند میں ایک راوی ہے امام احمد بن حنبل نے اور ابن معین نے اور ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا اور اس آدمی نے جوان سے درجے میں کم ہے اس نے اس کو یعنی وضین بن عطا کو ضعیف کہا ہے اور باقی اس کے راوی ثقہ ہیں۔ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۲ باب ما جاء فی الطیب والخضاب مطبوعہ بیروت)

رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے: پیلا خضاب مومن کا ہے اور سرخ خضاب مسلمان کا ہے اور سیاہ خضاب کافر کا ہے۔

واما اول من صبغ لحية بالسواد ففرعون موسى عليه السلام وله حكاية ذكرناها في تاريخنا. (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۱ باب الخضاب مطبوعہ بیروت)

جس آدمی نے سب سے پہلے سیاہی سے رنگا وہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون تھا اس کے لیے حکایت ہے جس کا ہم نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

قال حدثنا ابو اسامة عن عبد الملك قال سئل عطا عن الخضاب بالوسمة فقال هو مما احدث الناس قد رايت نفرا من اصحاب رسول الله ﷺ فما رايت احدا منهم يختضب بالوسمة. زيد بن عبد الرحمن قال سالت ابا هريرة ما ترى في الخضاب بالوسمة؟ فقال يجد المختضب بها ريح الجنة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۵۱ من کرہ الخضاب بالسواد مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

عبد الملک سے روایت ہے اس نے کہا حضرت عطا سے سوال کیا گیا سیاہ خضاب کے بارے میں انہوں نے فرمایا یہ لوگوں نے بدعت نکال لیا ہے اور میں نے کچھ صحابہ کرام کو دیکھا تو میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ پایا جو سیاہ خضاب لگاتا ہو۔ زید بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ سے سوال کیا کہ سیاہ خضاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا سیاہ خضاب لگانے والا جنت کی بو نہیں پائے گا۔

عن معمر ان رجلا سال فرقد السبخي عن الصباغ بالسواد. قال بلغنا انه يشعل في راسه والحية نار يعني يوم القيامة. (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۱۵۶ باب صبغ الشعر مکتب اسلامی مطبوعہ بیروت)

معمر سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے فرقد سبخی سے سیاہ خضاب کے بارے میں سوال کیا انہوں نے فرمایا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ سیاہ خضاب لگانے والے کے سر اور ڈاڑھی پر آگ شعلے مارے گی۔

مذکورہ ۹ عدد احادیث میں سیاہ خضاب لگانے پر چند سخت وعیدات

(۱) سیاہ خضاب لگانے والے قیامت میں جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے (۲) سیاہ خضاب لگانے والے کی طرف قیامت میں اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا (۳) نبی پاک ﷺ نے فرمایا: سیاہ خضاب لگانے والا شیطان ہے (٤) سیاہ خضاب لگانے والا ملعون ہے (٥) سیاہ خضاب لگانے والے کا قیامت میں اللہ تعالیٰ چہرہ سیاہ کر دے گا (٦) سیاہ خضاب کافر کا خضاب ہے (۷) سیاہ خضاب سب سے پہلے فرعون نے لگایا (۸) حضرت عطا نے فرمایا: سیاہ خضاب لگانا بدعت ہے جو میں نے کسی صحابی کو لگاتے ہوئے نہیں دیکھا (۹) سیاہ خضاب لگانے والے کے سر اور ڈاڑھی میں قیامت کے دن آگ شعلے مارے گی۔

سیاہ خضاب لگانے کے جواز پر چند احادیث و آثار

ذكر ابن ابي العاصم باسانيد ان حسنا وحسينا رضي الله تعالى عنه كانا يختضبان به اي بالسواد وكذلك ابن شهاب وقال احبه الينا احلكم وكذلك شرجيل بن السمط وقال عنبسة بن سعيد انما شعرك بمنزلة ثوبك فاصبغه باي لون شئة

ابن عاصم نے کئی سندوں کے ساتھ ذکر کیا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سیاہ خضاب لگاتے تھے اور اسی طرح ابن شہاب سیاہ خضاب لگاتے تھے اور فرماتے تھے ہمارے لیے سب سے زیادہ محبوب خضاب سخت سیاہ خضاب ہے۔ اسی طرح شرجیل بن السمط نے بھی کہا عنبسہ بن سعید کو کہ تیرے بال بمنزل تیرے کپڑوں کے

واحبه الينا احبكم و كان اسماعيل بن ابی عبد الله يخضب بالسواد وعن عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه انه كان يامر بالخضاب بالسواد ويقول هو تسكين للزوجه واهيب للعدو وعن ابن ابی مليكة ان عثمان كان يخضب به وعن عقبة بن عامر والحسن والحسين انهم كانوا يختضبون به ومن التابعين علی ابن عبد الله بن عباس رضی الله عنه وعن عروة بن الزبير وابن سيرين وابو دردا.

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۱ باب الخضاب مطبوعہ بیروت)

ہیں جس رنگ سے تو چاہے رنگ لے لیکن ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محبوب سیاہ خضاب ہے۔ اسماعیل بن ابی عبد اللہ سیاہ خضاب لگاتے تھے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاہ خضاب لگانے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے اس میں دو فائدے ہیں ایک تو اس میں بیوی کو تسکین حاصل ہوتی ہے اور دوسرا دشمن پر رعب ہوتا ہے۔ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ عقبہ بن عامر اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم یہ سب سیاہ خضاب لگاتے تھے اور تابعین میں علی بن عبد اللہ بن عباس اور عروہ ابن زبیر اور محمد بن سیرین اور ابو درداء سب سیاہ خضاب لگاتے تھے۔

وعن عامر بن سعد ان سعدا كان يخضب بالسواد رواه طبرانی وفيه سليم بن مسلم ولم اعرفه ' وبقية رجاله ورجال الصحيح وقد رواه من طريق اخر وفيه رشد بن سعد وهو ضعيف وفيه توثيق وعن عبد الله بن عمرو رضی الله عنه ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه رای عمرو بن العاص وقد سود شيبه فهو مثل جناح الغراب فقال ما هذا يا ابا عبد الله فقال يا امير المومنين احب ان يری فی بقية فلم ينهه عن ذالک ولم يعبه عليه رواه طبرانی وفيه راو لم يسم قال سعد بن ابی مريم حدثنی من اوثق به و عبد الرحمن ابن ابی الزناد وبقية رجاله ثقات. وعن ابی عشانة انه رای عقبه بن عامر يخضب باسواد ويقول نسود اعلاها وتابی اصولها قال وكان شاعرا رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحيح فلا ابا عشانة وهو ثقة. وعن محمد بن علی انه رای الحسن بن علی رضی الله تعالی عنهما مخضوبا بالسواد علی فرس ذنوب رواه الطبرانی ورجال الصحيح خلا محمد بن اسماعيل بن رجاء وهو ثقة وعن سليم قال رايت جرير بن عبد الله يخضب راسه ولحيته بالسواد رواه

عامر بن سعد سے روایت ہے کہ سعد سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے اس میں سلیم بن مسلم ایسا راوی ہے کہ جس کو میں نہیں پہچانتا باقی تمام صحیح کے راوی ہیں اور اس نے اس روایت کو ایک دوسری سند کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے جس میں رشد بن سعد راوی ہے جو کہ ضعیف ہے لیکن اس کی توثیق کی گئی ہے۔ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عمرو بن العاص کو دیکھا کہ انہوں نے کوے کے پروں کی طرح سیاہ خضاب لگایا ہوا تھا' عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کیسا خضاب ہے؟ اے ابو عبد اللہ! انہوں نے عرض کی اے امیر المومنین! کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں اس بات سے کہ مجھ میں دیکھا جائے بقایا میری زندگی میں سیاہ خضاب' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہ ہی ان کو منع فرمایا اور نہ ہی ان پر کوئی عیب لگایا۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا' اس میں ایک راوی ایسا ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ سعد بن ابی مریم نے کہا مجھے یہ حدیث بیان کی اس آدمی نے جو اس سے زیادہ مضبوط ہے اور عبد الرحمٰن بن ابی زناد نے اور اس روایت کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ ابی عشانہ سے روایت ہے انہوں نے عقبہ بن عامر کو سیاہ خضاب لگاتے ہوئے دیکھا' عقبہ بن عامر کہتے ہیں ہم بالوں کا اوپر والا حصہ سیاہ کر لیتے لیکن ان کی جڑیں سفید رہتی۔ راوی نے کہا وہ شاعر بھی تھے روایت کیا اس کو طبرانی نے' اس کے تمام راوی صحیح راوی ہیں سوائے ابا عشانہ کے

الطبراني.

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۲ باب ماجاء في الشيب والخضاب مطبوعہ بیروت)

اور وہ بھی ثقہ ہے۔ محمد بن علی سے روایت ہے انہوں نے حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا سیاہ خضاب لگائے ہوئے جب کہ آپ اپنے گھوڑے پر سوار تھے جس کے دم کے بال زیادہ تھے۔ روایت کیا اس کو طبرانی نے اور اس کے سب راوی صحیح راوی ہیں سوا محمد بن اسماعیل بن رجا کے اور وہ ثقہ ہے۔ سلیم سے روایت ہے اس نے کہا میں نے جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو سیاہ خضاب سے رنگا ہوا تھا۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے۔

محمد قال اخبرنا ابوحنيفة عن حماد قال سالت ابراهيم عن الخضاب بالوسمة قال بقلة طية ولم ير بذلك باسا قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابي حنيفة رحمة الله تعالى. محمد قال اخبرنا ابو حنيفة قال حدثنا محمد بن قيس قال اتي براس حسين بن علي رضي الله عنهما فنظرت الى لحيته وراسه قد فضلت من الوسمة.

(کتاب الآثار ص ۱۹۸ مصنفہ امام محمد باب الخضاب بالحناء والوسمة مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

امام محمد فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت حماد سے خبر دی کہ انہوں نے ابراہیم نخعی سے سیاہ خضاب کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ وہ ایک پاکیزہ بوٹی ہے وہ اس میں کوئی خوف نہیں سمجھتے۔ امام محمد فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ ہمیں خبر دی امام ابوحنیفہ نے انہوں نے فرمایا کہ ہمیں حدیث سنائی محمد بن قیس نے' محمد بن قیس کہتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک لایا گیا تو میں نے آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک کی طرف غور سے دیکھا تو زیادہ وسمہ لگا ہوا تھا۔

عن معمر عن الزهري قال امر النبي ﷺ بالاصباغ فاحلكها احب الينا يعني اسودها. عن معمر عن الزهري قال كان الحسين بن علي يختضب بالسواد قال معمر رايت الزهري يختضب بالسواد. (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۱۵۳-۱۵۴ باب صباغ الشعر مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

حضرت معمر' زہری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی علیہ السلام نے رنگنے کا حکم فرمایا اور ہمیں زیادہ پسندیدہ رنگ سیاہ رنگ لگتا ہے۔ معمر حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام سیاہ خضاب لگاتے تھے معمر نے کہا میں نے زہری کو دیکھا وہ سیاہ خضاب لگاتے تھے۔

عن قيس مولى خباب قال دخلت على الحسن والحسين وهما يختضبان بالسواد. عن عمرو بن عثمان قال رايت موسى بن طلحة يختضب بالوسمة. عن عبد الله بن عبد الرحمان ابن وهب قال رايت نافع بن جبير يختضب بالسواد. عن ابن عون قال كانوا يسالون محمدا عن الخضاب بالسواد فقال لا اعلم به باسا. عن [illegible]

قیس مولیٰ خباب سے روایت ہے کہ میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا اس حال میں کہ وہ دونوں سیاہ خضاب لگائے ہوئے تھے۔ عمرو بن عثمان سے روایت ہے کہ میں نے موسیٰ بن طلحہ کو دیکھا وہ سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن وہب سے روایت ہے کہ میں نے نافع بن جبیر کو دیکھا وہ سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ ابن عون سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ [illegible] سے سوال کرتے تھے اور انہوں نے

سعد بن ابراهيم عن ابی سلمة انه كان يخضب بالسواد. عن سفيان عن حماد عن ابراهيم قال لا باس بالوسمة انما هی بقلة. عن اسرائيل عن عبد الاعلى قال سالت ابن الحنفية عن الخضاب بالوسمة فقال هی خضابنا اهل البيت. حدثنا ابو عشانة المعافری قال رايت عقبة بن عامر يخضب بالسواد ويقول ونسود اعلاها وتابى اصولها. عن عبد الاعلى ان ابی الحنفية قال كان يختضب بالوسمة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۴۸۔ ۲۵۰ من رخص فی الخضاب بالسواد' مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی۔ پاکستان)

فرمایا کہ میں اس میں کوئی خوف نہیں سمجھتا۔ سعد بن ابراہیم ابوسلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوسلمہ سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ سفیان حماد سے اور وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں ابراہیم فرماتے تھے کہ سیاہ خضاب میں کوئی خوف نہیں اس لیے کہ وہ ایک قسم کی بوٹی ہے۔ اسرائیل' عبدالاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے ابن حنیفہ سے سیاہ خضاب کے بارے میں سوال کیا' انہوں نے فرمایا سیاہ خضاب اہل بیت کا خضاب ہے۔ ابوعشانہ معافری نے حدیث بیان کی کہ میں نے دیکھا عقبہ بن عامر کو وہ سیاہ خضاب لگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم اوپر کے حصے کو خضاب لگاتے ہیں جب اس کی جڑیں سفید ہوتی ہیں۔ عبدالاعلیٰ' ابن حنفیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سیاہ خضاب لگاتے تھے۔

حدثنا يوسف عن ابيه عن ابی حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال سئل عن الخضاب الوسمة فقال بقلة طيبة. وقال ابو حنيفة رايت موسى بن طلحة مخضوب اللحية بالوسمة. (کتاب لآ ثار امام یوسف ص ۲۳۳' باب فی الخضاب والاخذ من اللحیۃ والشارب' مطبوعہ بیروت)

ہمیں امام یوسف نے حدیث بیان کی اپنے باپ سے انہوں نے امام ابوحنیفہ سے انہوں نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے کہ سیاہ خضاب کے بارے میں سوال کیا گیا' انہوں نے فرمایا کہ ایک پاکیزہ بوٹی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ بن طلحہ کو دیکھا وہ سیاہ خضاب کے ساتھ ڈاڑھی کو رنگے ہوئے تھے۔

حدثنا حنيفة بن خياط قال وكانت وفاة ابی محمد عبد الله بن عمرو بن العاص وامه ريطة بنت منبه بن الحجاج بن عامر بن حذيفة بن سعد بن سهم سنة خمس وستين وكان يخضب بالسواد.

(المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۲۶' ذکر عبداللہ بن عمرو بن العاص' مطبوعہ بیروت)

حدیث بیان کی ہمیں حنیفہ بن خیاط نے' انہوں نے کہا ابومحمد عبداللہ بن عمرو بن العاص اور اس کی ماں ریطہ بنت منبہ بن الحجاج بن عامر بن حذیفہ بن سعد بن سہم کا وصال ہوا سن ۶۵ ہجری میں اور وہ سیاہ خضاب لگاتے تھے۔

عن ابی عبد الله رضی الله عنه قال جاء رجل الى النبی ﷺ فنظر الشيب فی لحيته فقال النبی ﷺ نور من شاب شيبة فی الاسلام كانت له نورا يوم القيامة قال فخضب الرجل بالحناء ثم جاء الى النبی ﷺ فلما راى الخطاب قال نور واسلام فخضب الرجل بالسواد فقال النبی ﷺ نور واسلام وايمان ومحبة الى نسائكم ورهبة فی قلوب عدوكم. عن ابی جعفر رضی الله

ابوعبداللہ امام جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک آدمی نبی علیہ السلام کے پاس آیا تو حضور نے اس کی سفید ڈاڑھی کو دیکھا اور فرمایا کہ نور اس آدمی کا جو اسلام میں بڑھاپے کو پہنچا' ہوگا نور اس کے لیے قیامت کے دن بھی۔ امام جعفر فرماتے ہیں: ایک دن مہندی کے ساتھ ڈاڑھی کو رنگ کر آیا نبی علیہ السلام کے پاس' جب نبی علیہ السلام نے اس رنگ کو دیکھا تو فرمایا: کہ یہ نور ہے' اسلام ہے۔ ایک آدمی نے ڈاڑھی کو سیاہ خضاب سے رنگا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نور ہے' اسلام ہے' ایمان ہے'

عنهما قال دخل قوم علی علی بن الحسین رضی الله عنهما فرأوه مختضبا بالسواد فسالوه عن ذلک فمدیده الی لحیته ثم قال امر رسول الله ﷺ صحابه فی غزوة غزاها ان یختضبوا بالسواد لیقودا به علی المشرکین. عن ابی جعفر رضی الله عنه قال النساء یحبین ان یرین الرجل فی مثل ما یحب الرجل ان یری فیه النساء من الزینة.

(مکارم اخلاق ص ۸۲' الفصل الثانی فی الخضاب بالسواد' مطبوعہ مصر' مع حاشیہ الوسیلۃ العظمی فی شمائل المصطفی)

عورتوں کے لیے محبت ہے اور کافروں کے دلوں میں رعب ہے۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک قوم امام زین العابدین کے پاس حاضر ہوئی انہوں نے دیکھا کہ امام زین العابدین سیاہ خضاب لگائے ہوئے تھے تو لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے اپنے ہاتھ کو اپنی ڈاڑھی کی طرف بڑھایا پھر فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو ایک غزوہ میں حکم دیا کہ سیاہ خضاب لگاؤ تاکہ مشرکین پر غلبہ حاصل ہو۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ جس طرح مرد عورت کو زینت سے بھرپور دیکھنا پسند کرتا ہے اسی طرح عورتیں اپنے مردوں کو دیکھنا پسند کرتی ہیں۔

مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعین سے کثیر صحابہ اور فقہاء نے سیاہ خضاب اپنی ڈاڑھی پر لگایا' اور بطور اختصار میں صحابہ کرام اور تابعین کا ذکر مناسب سمجھتا ہوتا کہ ذہن میں یہ تصور آ جائے کہ کون کون سی شخصیات نے سیاہ خضاب لگایا ہے۔

سیاہ خضاب لگانے والے صحابہ کرام اور تابعین کرام کے اسمائے گرامی

(۱) امام حسن علیہ السلام (۲) امام حسین علیہ السلام (۳) ابن شہاب زہری (٤) شرجیل بن سمط (٥) عنبسہ بن سعید (٦) اسماعیل بن ابی عبداللہ (۷) عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۸) عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۹) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (۱۰) علی ابن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۱۱) عروہ بن زبیر (۱۲) محمد ابن سیرین (۱۳) ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاہ خضاب لگانے کا حکم دیا (١٤) امام مالک کہ جنہوں نے فرمایا کہ سیاہ خضاب لگانے کے بارے میں مجھے کہیں نہی نظر نہیں آئی (١٥) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (١٦) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' یہ صحابی رسول ﷺ ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں بقیہ زندگی میں بھی اپنی ڈاڑھی پر سیاہ خضاب کو دیکھنا چاہتا ہوں (۱۷) جریر ابن عبداللہ (۱۸) اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ سیاہ خضاب لگانے میں کوئی خوف نہیں' کیونکہ یہ پاکیزہ بوٹی ہے' (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۳۹) (۱۹) امام محمد نے فرمایا سیاہ خضاب لگانے میں کوئی خوف نہیں (۲۰) امام ابوحنیفہ (۲۱) حضرت حماد (۲۲) موسیٰ ابن طلحہ (۲۳) نافع بن جبیر (۲٤) ابوسلمہ (۲٥) محمد ابن حنفیہ اور انہوں نے فرمایا سیاہ خضاب اہل بیت کا خضاب ہے۔

قارئین کرام! یہ وہ صحابہ کرام اور تابعین کرام حضرات ہیں کہ جن کے اسمائے گرامی کتب احادیث میں مذکور ہیں اور جن کے نام مذکور نہیں وہ بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض نے یہاں تک سیاہ خضاب کے لگانے کو بغیر کسی جھجک کے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ سیاہ خضاب لگانے میں کوئی خوف نہیں اور بعض نے کہہ دیا وسمہ اور کتم پاکیزہ بوٹی ہے اس کے خضاب سے حرمت لازم نہیں آتی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو صاف خضاب لگانے کا امر دیتے تھے۔

اشکال

سیاہ خضاب لگانے پر وعیدات کی کثیر احادیث آپ نے پڑھ لی' اور جن کو جمع کیا جائے تو حاصل یہی نکلتا ہے کہ سیاہ خضاب لگانا حرام ہے' جیسے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ سیاہ خضاب لگانا حرام ہے' لیکن اس کے

باوجود کثیر صحابہ کرام اور مجتہدین عظام نے سیاہ خضاب لگانے کو جائز قرار دیا جیسے کہ امام محمد' امام ابوحنیفہ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابراہیم نخعی' تو اب یہ اشکال پیدا ہوا کہ اتنی صریح اور صاف حدیثیں سیاہ خضاب کو حرام قرار دے رہی ہیں اس کے باوجود صحابہ کرام اور تابعین حضرات نے ان احادیث کی مخالفت کی تو انہوں نے مخالفت کیوں کی ہے؟

جواب اشکال

یہ بات ممکن نہیں کہ بغیر کسی تاویل کے انہوں نے سیاہ خضاب لگایا ہو' ورنہ قانون یہ ہے کہ احادیث اور آثار میں جب تعارض آ جائے تو آثار کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے لیکن پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی ایک صحابی کا عمل نہیں بلکہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام نے سیاہ خضاب لگایا ہے تو اس میں کسی خطا کا یا شک کا احتمال نہیں' بلکہ یقینی طور پر ان صحابہ کرام کے پاس کوئی ایسی تاویل ضرور موجود ہے کہ جس کی بناء پر وہ سیاہ خضاب لگاتے تھے' اگرچہ مجھے صراحتاً ان کی طرف سے کوئی تاویل نظر نہیں آتی مگر ایک ان کی تاویل میں مجھے حدیث ملی ہے شاید اسی کی بناء پر بعض صحابہ کرام نے سیاہ خضاب لگانے کو جائز قرار دیا ہے' حدیث میں یوں آیا ہے:

عن الزهری قال امر النبی ﷺ بالاصباغ فاحلكها احب الينا يعنى اسودها. (مصنف عبدالرزاق ص ۱۵۴' حدیث: ۲۰۱۷۶' صباغ وتحف الشعر' مطبوعہ بیروت)

امام زہری سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے ڈاڑھیوں کو رنگنے کا حکم دیا تو بہت زیادہ سیاہ رنگ ہمیں زیادہ پسند ہے۔

تو قارئین کرام! امام زہری نے سیاہ رنگ لگانے کی یہ توجیہ نکالی' نبی پاک ﷺ نے صرف رنگنے کا حکم دیا آگے عام ہے' جس رنگ سے چاہے رنگ لے تو امام زہری نے فرمایا ہمیں سب رنگوں سے زیادہ محبوب سیاہ رنگ ہے اس لیے ہم سیاہ رنگ سے اپنی ڈاڑھیوں کو رنگتے ہیں۔

عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ غيروا الشيب ولا تشبهوا باليهود. عن الزبير قال قال رسول الله ﷺ غيروا الشيب ولا تشبهوا باهل الكتاب.

(شرح مشکل الآثار ج ۹ ص ۲۹۸-۲۹۹' حدیث: ۳۶۷۸' ۳۶۸۰)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: سفید بالوں کو بدلو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: سفید بالوں کو بدلو اور اہل کتاب سے مشابہت نہ رکھو۔

قارئین کرام! یہ دو حدیثیں ایسی ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سیاہ خضاب لگانے کے لیے ان سے جواز نکالا ہو کیونکہ پہلی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف رنگنے کا حکم دیا اور رنگنے میں سب رنگ آ جاتے ہیں اس لیے امام زہری تابعی نے کہہ دیا کہ ہمیں سب رنگوں سے زیادہ پسند سیاہ رنگ ہے اس لیے ہم اپنی ڈاڑھیوں کو سیاہ خضاب سے رنگتے ہیں اس کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے کہ تم سفید بالوں کو بدلو اور یہود کی مشابہت نہ کرو یا اہل کتاب کی مشابہت نہ کرو تو ان دونوں حدیثوں میں سیاہ رنگ کی ممانعت نہیں آئی' ہو سکتا ہے صحابہ کرام اور تابعین کرام نے ان ہی حدیثوں سے سیاہ رنگ لگانے کے جواز کو اخذ کیا ہو اس لیے ائمہ اربعہ میں اختلاف ہے کہ سیاہ خضاب لگانا حرام ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل نے تو اس کو مکروہ فرمایا اور امام مالک نے اس کو خلاف اولیٰ کہا اور امام شافعی نے مکروہ تحریمی کہا اور فقہاء احناف میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ لیکن حرمت بعینہٖ کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور خصوصاً مذہب احناف میں ائمہ ثلاثہ سے مطلقاً جواز ملتا ہے۔ جیسا کہ کتاب

الآثار میں موجود ہے۔

محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد قال سالت ابراهیم عن الخضاب بالوسمة 'قال بقلة طیبة ولم یر بذلک باسا قال محمد وبه ناخذ 'وهو قول ابی حنیفه رحمه الله تعالٰی.

(کتاب الآثار مصنفہ امام محمد رحمہ اللہ علیہ ص ۱۹۸ حدیث: ۹۰۳' مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی۔ پاکستان)

امام محمد نے فرمایا کہ خبر دی ابو حنیفہ نے حضرت حماد سے حضرت حماد نے کہا میں نے سوال کیا ابراہیم نخعی سے سیاہ خضاب لگانے کے بارے میں' انہوں نے فرمایا کہ اچھی سبزی ہے اور وہ سیاہ خضاب لگانے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی برا جانتے تھے۔ امام محمد نے فرمایا اسی کے ساتھ ہمارا عمل ہے اور یہ ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

قال حدثنا یوسف عن ابیه عن ابی حنیفه عن حماد عن ابراهیم قال سئل عن خضاب الوسمة فقال بقلة طیبة. (کتاب الآثار' مصنفہ امام قاضی ابو یوسف ص ۲۳۳' حدیث ۱۰۳۵' باب ۳۸)

حدیث بیان کی قاضی امام ابو یوسف نے اپنے باپ' انہوں نے امام ابوحنیفہ' انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے کہ ان سے سوال کیا گیا سیاہ خضاب لگانے کے بارے میں' تو انہوں نے فرمایا: دیا ایک پاکیزہ سبزی ہے۔

نوٹ: اس حدیث کے حاشیہ پر یوں لکھا ہوا ہے کہ اس روایت کو امام محمد نے اپنی کتاب آثار میں حماد سے روایت کیا اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابراہیم نخعی سے سیاہ خضاب لگانے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا پاکیزہ سبزی ہے اور وہ سیاہ خضاب لگانے میں کوئی خوف نہیں سمجھتے تھے۔ امام محمد فرماتے ہیں اس کے ساتھ ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

تو قارئین کرام! جب ائمہ ثلاثہ احناف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سیاہ خضاب لگانے میں کوئی خوف نہیں اور کثیر تعداد میں صحابہ کرام نے بھی سیاہ خضاب لگایا باوجود اس بات کے کہ سیاہ خضاب لگانے کی ممانعت پر سخت وعیدات آئی ہیں اور وہ احادیث بھی سند کے اعتبار سے صحیح ہیں' جب بعض صحابہ کا سیاہ خضاب لگانا' ائمہ احناف کا سیاہ خضاب کو جائز قرار دینا یہ سوائے اس کے نہیں ہو سکتا کہ ان کے پاس سیاہ خضاب لگانے پر کچھ توجیہات ہیں جن کا صراحتاً تو ذکر مجھے نہیں ملا مگر فقیر نے مصنف عبدالرزاق اور مشکل الآثار کی جوابی احادیث نقل کی ہیں وہ ان کے جواز کے لیے توجیح بن سکتی ہیں اگر ان توجیہات کو نظر انداز کیا جائے تو پھر بعض صحابہ' ائمہ احناف وغیرہ پر الزام عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے صریح اور صحیح حدیثوں کی مخالفت کرتے ہوئے ایک حرام چیز کو کیسے درست قرار دے دیا؟ اور یہ ممکن نہیں کہ ائمہ اعلام کو نبی اور وعیدات والی احادیث یاد نہ ہوں' پکی بات ہے کہ ائمہ اعلام سے یہ احادیث مخفی نہیں تھیں اس کے باوجود حرمت کے خلاف جو انہوں نے جواز کا فتوٰی دیا تو بغیر توجیہات کے نہیں دیا اور وہ توجیہات فقیر نے مصنف عبدالرزاق اور شرح الآثار سے نقل کی ہیں اب کوئی الزام ان صحابہ پر جو سیاہ خضاب لگاتے تھے نہ رہا' اور نہ ہی ائمہ اعلام پر کوئی اعتراض رہا اس لیے یہاں خضاب کو قطعی اور حرام بعینہٖ کسی نے نہ کہا البتہ اس قانون کے اعتبار سے کہ جب دو حدیث صحیحہ میں تعارض آ جائے تو ان میں پہلے تطبیق دینے کی کوشش کرنا ضروری ہے تو اس لیے اب احادیث صحیحہ جو سیاہ خضاب کی وعیدات پر آ چکی ہیں اور ان کے مقابلے میں صحابہ کرام کا عمل اور ائمہ احناف وغیرہ کا فتوٰی کے درمیان یوں ہی ہو سکتا ہے کہ سیاہ خضاب لگانے کی وعیدات والی حدیث سے مکروہ سمجھا جائے اور بعض صحابہ کے عمل اور ائمہ اعلام کے فیصلے سے حرمت کی نفی کی جائے تو اب دونوں میں تطبیق ہو سکتی ہے یعنی سیاہ خضاب لگانا حرام تو نہیں تا کہ بعض صحابہ اور ائمہ اعلام پر یہ الزام عائد نہ ہو کہ انہوں نے حرمت والی احادیث سے جواز کا فتوٰی دیا ہے اور مکروہ اس لیے کہا جائے کہ وعیدات والی احادیث بے معنی نہ ہو جائیں' فقیر نے یہ توجیح ذکر کی ہے اس کو امام طحاوی نے اپنی مشہور کتاب شرح مشکل الآثار میں یوں نقل کیا ہے۔

ففي هذا الحديث ما قد دل على ان نفس الخضاب بالسواد انما كره خوفا مما قد ذكرناه من التشبه بالمذمومين لالانه في نفسه حرام والله عزوجل فساله التوفيق.

(شرح مشکل الآثار ص۳۱۶' ج۹ص۵۷۸' باب بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ فی تصفیر اللحیۃ من کراھیۃ ومن اباحۃ'مطبوعہ بیروت)

اس حدیث میں وہ چیز جو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ نفس خضاب مکروہ ہے تو وہ صرف اس خوف سے ہے کہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے بُرے لوگوں کی مشابہت کی وجہ سے نہ یہ کہ سیاہ خضاب فی نفسہٖ حرام ہے۔

قارئین کرام! امام طحاوی کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم خضاب کو مکروہ اس خوف سے کہتے ہیں تا کہ سیاہ خضاب پر وہ احادیث کہ جن میں سخت قسم کی وعیدات آ چکی ہیں ان کی مخالفت لازم نہ آئے ورنہ خضاب بنفسہٖ حرام نہیں ہے تا کہ بعض صحابہ اور ائمہ اعلام پر ان احادیث کی مخالفت کا الزام عائد نہ ہو تو خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے لیکن اس کو حرام نہیں کہا جا سکتا اور میں نے شرح موطا امام محمد صرف اس غرض سے لکھی ہے کہ مسلک احناف کی تائید از احادیث اور منکرین اور معترضین کے لیے' لہٰذا فقیر کے ذہن میں احادیث و آثار کی روشنی میں یہی نظر آتا ہے جو میں نے تحریر کر دیا۔ اور فقہاء احناف کی عبارات نقل کرنے میں طوالت کے خوف سے صرف درمختار اور ردالمختار کی عبارات نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

يستحب للرجل خضاب شعره ولحية ولو في غير حرب في الاصح والاصح انه عليه الصلوة والسلام لم يفعله ويكره بالسواد وقيل لا مجمع الفتاوى. (درمختار مع ردالمختار ج۶ ص۴۲۲' کتاب الحظر والاباحۃ کی بحث کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

آدمی کے لیے مستحب ہے اپنے بالوں اور ڈاڑھی کو رنگنا اگر حالت جنگ میں نہ ہوں صحیح قول یہی ہے اور نبی پاک ﷺ سے اصح قول یہ ہے کہ آپ نے خضاب نہیں لگایا اور سیاہ خضاب لگانا مکروہ اور کہا گیا ہے کہ مکروہ نہیں ہے جیسا کہ مجمع الفتاویٰ میں ہے۔

اب اس کے تحت ہم صرف ردالمختار کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

غیر حالت جنگ میں سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے' اور جنگ میں سیاہ خضاب لگانا بالاتفاق مستحسن ہے تا کہ دشمن پر رعب طاری ہو اور اپنے آپ کو ازواج کے لیے مزین کرنا مکروہ ہے کہ عام مشائخ کا یہی مختار ہے اور بعض نے اس کو بلا کراہت جائز کہا ہے۔ امام یوسف سے منقول ہے کہ جس طرح مجھے بیوی کی زینت اچھی لگتی ہے اسی طرح بیوی کو بھی میری زینت اچھی لگتی ہے۔

(ردالمختار ج۶ ص۴۲۲' مصنفہ امام ابن عابدین حنفی' کتاب الحظر والاباحۃ' مطبوعہ مصر)

تو قارئین کرام! درمختار اور ردالمختار کی عبارتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ احناف کے نزدیک سیاہ خضاب لگانا حالت جنگ کے بغیر مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں' اور امام یوسف کا یہ خیال ہے جیسے مرد چاہتا ہے میری بیوی بیرنی جوانی سی کی حالت میں نظر آئے اسی طرح بیوی بھی چاہتی ہے کہ مرد مجھے جوان ہی نظر آئے' اور امام ابن عابدین کا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ عورت کے لیے سیاہ خضاب سے تزیین کرنا مکروہ ہے۔

دو اہم مسئلے

(۱) سفید بال رکھنے افضل اور اعلیٰ ہیں یا ان کو رنگنا افضل و اعلیٰ ہے؟

(۲) سیاہ رنگ کے علاوہ کس رنگ سے ڈاڑھی کو رنگنا افضل ہے؟

توضیح مسئلۂ اول: سفید بالوں سے رنگنا افضل ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ کی عادت کریمہ اس کی تائید کرتی ہے کیونکہ آپ کا

طریقۂ کار یہ تھا جب کسی چیز کے بارے میں حکم لازم نہ ہوتا تو آپ یہود و نصاریٰ کے مطابق عمل کرتے رہتے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے۔ اور ان کی کتاب کے مطابق عمل کرنے کو آپ پسند فرماتے اور پھر اس کے بارے میں جب کوئی دوسرا حکم نازل ہو جاتا تو آپ اس پہلے عمل سے صحابہ کو روک دیتے کیونکہ یہود و نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے تھے بلکہ سفید بال رکھتے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی سفید بالوں کی شان بیان فرمائی کہ سفید بال اللہ تعالیٰ کا نور ہیں وغیرہ وغیرہ اور بعد میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''غیروا الشیب سفید بالوں کو بدلو'' اور ساتھ ہی فرمادیا اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو لہٰذا اس کے بعد صحابہ کرام نے اپنی ڈاڑھیوں کو رنگنا شروع کر دیا' لہٰذا معلوم ہوا سفید بالوں سے یہ افضل ہے کہ وہ اپنی ڈاڑھی کو سیاہ رنگ کے علاوہ کسی دوسرے رنگ سے رنگ لے تا کہ حضور ﷺ کے حکم یعنی سفید بالوں کو بدلو اس پر بھی عمل ہو جائے اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا جو امر ہے اس پر بھی عمل پایا جائے۔

اس کے علاوہ اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں خضاب لگانے والی حدیثیں کہ جن میں سفید بالوں کو نور وغیرہ کہا گیا ہے۔ ان روایات کے لیے وہ روایات جو رنگنے کے بارے میں آئی ہیں وہ ناسخ ہیں اور جن کا خیال ہے کہ ناسخ نہیں ہیں بلکہ دونوں برابر ہیں سفید بال رکھو یا ان کو رنگ لو یہ دونوں طریقے جائز ہیں لیکن سیاہ رنگ سے بچو۔ تو جن لوگوں نے کہا ہے رنگنے والی حدیثیں ناسخ ہیں ان روایات کے لیے جن میں سفید بالوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے کیونکہ سفید بالوں کی تعریف کا تعلق ابتدائے زمانۂ نبوت سے ہے اور رنگنے والی احادیث کا حکم بعد میں آیا جب کہ آپ نے فرمادیا کہ تم ڈاڑھیوں کو رنگو اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو اور دوسری بعض روایات پہلی روایات کے لیے ناسخ بن گئیں' اسی کو ترجیح دی' امام طحاوی نے کہا دوسری قسم کی روایات پہلی روایات کے لیے ناسخ ہیں۔

وجنح الى النسخ الطحاوى وتمسك بالحديث الاٰفي قريبا انه كان ﷺ يحب موافقه اهل الكتاب فيما لم ينزل عليه ثم صاريخالفهم ويحث على مخالفتهم كما سياتي تقريره في باب الفرق.

اور امام طحاوی کا رجحان یہ ہے کہ یہ احادیث رنگنے کی احادیث سے منسوخ ہیں کیونکہ جب نبی پاک ﷺ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا تو آپ اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے اور جب کوئی حکم نازل ہو جاتا تو آپ ان کی مخالفت کرتے اور ان کی مخالفت پر برانگیختہ کرتے تھے۔

توضیح مسئلہ ثانی: یہ بات تو تقریباً مسلم ہے کہ رنگنا نہ رنگنے سے افضل ہے اور سیاہ رنگ سے منع کیا گیا ہے لہٰذا سیاہ رنگ کے علاوہ وہ کون سا رنگ ہے کہ جس کو پسندیدہ رنگ کہا گیا ہو وہ مہندی اور وسمے کو ملا کر خضاب کرنا ہے اور اس کے مختار ہونے پر چند احادیث و آثار ملاحظہ فرمائیں۔

رنگنا نہ رنگنے سے افضل ہے اور افضل رنگ مہندی اور وسمہ ملا کر رنگنا ہے' اس پر چند احادیث

وعن انس رضى الله تعالى عنه ان النبى ﷺ قال غيروا الشيب وان احسن ما غيرتم به الشيب الحناء والكتم رواه البزار وفيه سعيد بن بشير وهو ثقه.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: سفید بالوں کو بدلو اور بہتر ہے کہ جس کے ساتھ تم سفید بالوں کو رنگو' مہندی اور کتم ہے اس کو بزار نے ذکر کیا۔ اس میں ایک راوی سعید بن بشیر ہے جو کہ ثقہ ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۰' باب ماجاء فی الشیب والخضاب' مطبوعہ بیروت)

ف: کتم اور وسمہ کا معنیٰ ایک ہی ہے یعنی ایک بوٹی ہے جس کو رگڑا جائے تو اس سے سیاہ رنگ نکلتا ہے اور اس کو جب مہندی کے ساتھ ملایا جائے تو براؤن رنگ یعنی سیاہ رنگ بمائل سرخی معلوم ہوتا ہے۔

عن ابی ذران رسول اللہ ﷺ ان احسن ما غیرتم بالشیاب الحناء والکتم وفی روایۃ انہ افضل. (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۰ باب الخضاب مطبوعہ بیروت)

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کہ بہترین وہ چیز کہ جس کے ساتھ تم سفید بالوں کو بدلو وہ حناء اور کتم ہے اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ افضل وہ چیز کہ جس کے ساتھ تم بالوں کو رنگو وہ حنا اور کتم ہے (یعنی مہندی اور وسمہ کو ملا کو لگاؤ)۔

عن ابی الاسود الدئلی عن ابی ذر قال رسول اللہ ﷺ ان احسن ما غیرتم بہ الشیب الحناء والکتم. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۴۴ حدیث نمبر: ۵۰۵۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ابو اسود دائلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بہترین وہ چیز جس کے ساتھ تم سفید بالوں کو بدلو وہ حنا اور کتم ہے۔

عن الاشعث عن الحسن قال قال النبی ﷺ افضل ما غیرتم بہ الشیب الحنا والکتم. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۴۵)

حضرت اشعث حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ فرمایا: افضل وہ چیز کہ جس کے ساتھ تم سفید بالوں کو رنگو وہ حنا (یعنی مہندی) اور کتم (یعنی وسمہ ہے)۔

عن ابی الاسود عن ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان احسن ما غیرتم بہ الشیب الحنا والکتم.

(کتاب الآثار مصنفہ امام یوسف ص ۲۳۴ مطبوعہ بیروت کتاب الآثار مصنفہ امام محمد ص ۱۹۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ابو اسود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ فرمایا: بہترین وہ چیز جس کے ساتھ تم سفید بالوں کو بدلو وہ حنا اور کتم ہے۔

عن مولی النبی ﷺ انہ قال علیکم بسید الخضاب فانہ یزید فی الجماع ویطیب البشرۃ وقال رسول اللہ ﷺ افضل ما غیرتم بہ الشیب الحنا والکتم.

(مکارم اخلاق ص ۴۸ الفصل الثالث والخضاب الحنا والکتم مطبوعہ مصر)

نبی پاک ﷺ کے غلام سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ تم پر لازم ہے کہ تم سید الخضاب (یعنی سب سے بہترین خضاب) کے ساتھ بالوں کو رنگو وہ جماع میں زیادتی کا فائدہ دیتا ہے اور چمڑے کو خوبصورت بناتا ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: افضل وہ چیز جس کے ساتھ تم بالوں کو رنگو وہ حنا اور کتم ہے۔

واصحاب السنن وصححۃ الترمذی عن حدیث ابی ذر رفعہ ان احسن ما غیرتم بہ الشیب الحنا والکتم. (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۹۲ باب الخضاب مطبوعہ مصر)

اصحاب سنن اور اس کو صحیح ترمذی نے حدیث ابوذر سے اور اس کو مرفوع بیان کیا کہ بہترین وہ چیز کہ جس کے ساتھ تم سفید بالوں کو رنگو وہ حنا اور کتم ہیں۔

تو قارئین کرام! مذکورہ احادیث نے ثابت کر دیا کہ سفید بالوں کو رنگنا نہ رنگنے سے افضل ہے اور پھر سب رنگوں سے افضل رنگ جو ہے تو وہ مہندی اور وسمہ کے ساتھ رنگنا ہے۔ اب ایک مسئلہ باقی رہا کیا رسول اللہ ﷺ نے خود خضاب لگایا ہے کہ نہیں؟ تو اس کی مندرجہ ذیل حقیقت پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے خضاب لگانے کی تحقیق

رسول اللہ ﷺ کے رنگنے کی احادیث کثیر تعداد میں منقول ہیں اور نہ رنگنے کی ایک روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے اور پھر انس بن مالک سے ہی دوسری روایت یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کو رنگا ہوا دیکھا اس لیے حق یہی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے سیاہ خضاب کے علاوہ مہندی' زعفران وغیرہ سے رنگا ہے۔ اب نبی پاک ﷺ کے بالوں کو رنگنے پر چند احادیث۔

رسول اللہ ﷺ کے رنگنے پر چند احادیث

عن عبید بن جریج انه قال لعبد الله بن عمر یا ابا عبد الرحمن رایتک تصبغ بالصفرة فقال انی رایت رسول الله ﷺ یصبغ بها فانا احب ان اصبغ بها.
(شرح مشکل الآثار ج۹ ص۳۱۰' باب ۵۷۸' مطبوعہ بیروت)

عبید بن جریج سے روایت ہے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو پیلے رنگ کا خضاب کرتا ہے' عبداللہ ابن عمر نے کہا میں نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا کہ وہ اسی رنگ سے (ڈاڑھی شریف) کو رنگتے تھے اور مجھے یہی رنگ پسند ہے کہ میں اس سے رنگوں۔

عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یلبس النعال السبتیة ویصفر لحیته بالورس والزعفران' وکان ابن عمر یفعل ذلک. (شرح مشکل الآثار ج۹ ص۳۱۱ حدیث ۳۶۹۳' باب ۵۷۸' مطبوعہ بیروت' بخاری شریف ج۲ ص۸۷۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ بغیر بالوں کے چمڑے کی جوتی پہنتے تھے اور اپنی ڈاڑھی شریف کو سرخ اور زرد رنگ سے رنگتے تھے۔

عن ابن موھب ان ام سلمة ارته شعر النبی ﷺ احمر. (بخاری شریف ج۲ ص۸۷۵' باب ما ذکر فی الشیب' مطبوعہ نور محمد' کراچی)

ابن موہب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو نبی پاک ﷺ کا سرخ بال دکھایا۔

عن ابی رمثة قال اتیت رسول الله ﷺ مع ابن لی فقال ابنک هذا فقلت نعم اشهد به قال لا یجنی علیک ولا تجنی علیه ورایت الشیب احمر. (شمائل ترمذی ص۴' باب الترجل والشیب' مطبوعہ امین کمپنی' اردو بازار' دہلی۔ ہند)

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوا آپ نے فرمایا: یہ تمہارا بیٹا ہے؟ میں نے کہا جی میں اس کی گواہی دیتا ہوں' آپ نے فرمایا یہ تم پر ظلم نہیں کرے گا' تم اس پر ظلم نہیں کرو گے' میں نے دیکھا آپ کے سفید بال سرخ تھے۔

عن عثمان بن موھب قال سئل ابو هریرة هل خضب رسول الله ﷺ قال نعم.
(شمائل ترمذی ص۵' باب الترجل والشیب' مطبوعہ امین کمپنی' اردو بازار' دہلی)

عثمان بن موہب کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کیا رسول اللہ ﷺ نے خضاب لگایا؟ انہوں نے کہا ہاں!

عن یزید قال قلت لابی جعفر هل خضب النبی ﷺ قال قومس شیئا من الحنا والکتم.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ ص۲۴۶' حدیث ۵۰۶۰' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی)

یزید کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر سے پوچھا نبی ﷺ نے خضاب لگایا تھا؟ انہوں نے کہا نبی ﷺ نے مہندی اور وسمہ کو لگایا تھا۔

وعن ابن عباس قال كان رسول الله ﷺ اذا اراد ان يختضب اخذ شيئا من دهن وزعفران فرشه بيده ثم يمرسه على لحية رواه الطبراني وفيه ابو توبة بشير بن عبد الله ذكره ابن ابى حاتم ولم يجرحه وبقية رجاله رجال الصحيح.

(مجمع الزوائد ج۵ ص۱۶۲ 'باب ماجاء فی الریحان والطیب' مطبوعہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب خضاب لگانے کا ارادہ کرتے تو کچھ مہندی لے کر اس پر زعفران چھڑکتے پھر اس کو اپنی ڈاڑھی پر ملتے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس میں ابوتوبہ بشیر بن عبد اللہ ہے اس کو ابن ابی حاتم نے ذکر کیا اور اس پر جرح نہیں کی اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

عن عثمان بن عبد الله بن موهب القرشى قال دخلنا على ام سلمة زوج النبى ﷺ فاخرجت الينا من شعر رسول الله ﷺ فاذا هو احمر مصبوغ بالحناء والكتم. (دلائل النبوۃ ج۱ ص۲۳۹۔۲۳۵ 'باب ذکر شیب النبی ﷺ وماورد فی خضابہ' مطبوعہ بیروت)

عثمان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ہمارے لیے نبی ﷺ کا ایک بال نکالا وہ سرخ رنگ کا تھا اس پر مہندی اور کتم سے خضاب لگا ہوا تھا۔

اعتراض

عن محمد بن سيرين قال سالت انسا اخضب النبى ﷺ لم يبلغ الشيب الا قليلا.

(بخاری شریف ج۲ ص۸۷۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا' کیا نبی ﷺ نے خضاب لگایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے بہت کم بال سفید ہونے کو پہنچے تھے۔

قارئین کرام! مذکورہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خضاب نہیں لگایا کیونکہ بقول انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ' نبی پاک ﷺ کے اتنے بال سفید ہی نہیں ہوئے تھے کہ انہیں رنگنے کی نوبت پہنچے' لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی پاک ﷺ نے اپنی ڈاڑھی شریف کو نہیں رنگا۔

جواب اوّل: نبی پاک ﷺ نے رنگنے کے بارے میں تو آپ نے کثیر تعداد میں حدیثیں پڑھ لیں جو کہ مختلف راویوں سے منقول ہیں اور دوسری طرف انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خضاب لگانے کی نفی فرماتے ہیں حالانکہ انہی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رنگنے کی حدیث بھی مروی ہے جیسا کہ شمائل ترمذی میں واضح الفاظ میں یہ حدیث موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن انس قال رايت شعر رسول الله ﷺ مخضوبا. (شمائل ترمذی ص۴ 'باب فی ماجاء فی شب رسول اللہ ﷺ' مطبوعہ سعید ایچ ایم کمپنی' کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کو رنگا ہوا دیکھا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ روایات کو جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنی ڈاڑھی شریف کو رنگا ہے اگرچہ صحابہ کرام کے عمل میں اختلاف پایا جاتا ہے' بعض جلیل القدر صحابہ نے اپنی ڈاڑھیوں کو سفید رکھا جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ اور اسامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام نے اپنی ڈاڑھیوں کو سفید رکھا لیکن کثیر جماعت صحابہ کرام کہ جس میں ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان غنی رضی اللہ عنہم شامل ہیں انہوں نے اپنی ڈاڑھیوں کو رنگا ہے۔

جواب دوم: اور علم اصول میں یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ جب روایات میں اختلاف پایا جائے بعض کسی چیز کو ثابت کریں اور بعض اس کی نفی کریں تو ثبوت والی روایات کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ نفی کرنے والا راوی اصل رجال کے اعتبار سے نفی کر رہا ہے اور ثبوت کرنے

والا ایک وصف زائد کی حکایت کر رہا ہے لہٰذا اس کی روایت کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ واضح بات ہے مثبت کسی چیز کو اصل پر زائد ثابت کرتا ہے جیسا کہ امام طحاوی نے اپنی مشہور کتاب "شرح مشکل الآثار" میں اس کو یوں بیان کیا ہے۔

قال ابو جعفر فکان فیما روینا عن ابی رمثۃ من ھذا ما یخالف ما رویناہ فیہ عن انس بن مالک ومن اثبت شیئا کان اولی ممن نفاہ.

(شرح مشکل الآثار ج۹ ص۳۰۵ حدیث:۳۶۸۹ مطبوعہ بیروت)

ابو جعفر طحاوی نے کہا وہ روایات جو ہم نے ابو رمثہ سے روایت کی ہیں وہ اس کے خلاف ہے جو ہم نے انس بن مالک سے روایت کی ہے (اور قانون یہ ہے) وہ روایت جو کسی چیز کو ثابت کرے وہ اولیٰ ہوتی ہے جو نفی کرے۔

تو قارئین کرام! انس بن مالک کی وہ روایات جو خضاب کی نفی کرتی ہیں اس پر ترجیح دی جائے گی اس روایت کو کہ جو خضاب رسول اللہ ﷺ ثابت کرتی ہے۔

جواب سوم: تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات آپ نے خضاب لگایا اور بعض اوقات خضاب نہیں لگایا' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک حال دیکھ کر اس کی روایت کی اور دوسرے صحابہ نے دوسرے حال کی روایت بلکہ امام ترمذی نے خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی خضاب لگانے کی روایت بیان کی ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: مختار یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بعض اوقات میں بالوں کو رنگا اور اکثر اوقات میں رنگنے کو ترک کر دیا سو ہر شخص نے اپنے مشاہدہ کے مطابق بیان کیا اور یہ تاویل متعین ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالوں کو زرد رنگ کے ساتھ رنگنے کی جو روایت ہے اس کو ترک کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی تاویل ممکن ہے۔ (نووی شرح مسلم مع مسلم ج۲ ص۲۵۹ باب الشیب ﷺ کتاب الفضائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ نبی ﷺ کو خضاب لگانے کی احتیاج نہیں تھی اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو زرد رنگ کا خضاب لگاتے ہوئے دیکھا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بعض اوقات اپنے سفید بالوں پر خضاب لگایا اور اکثر اوقات خضاب نہیں لگایا' لہٰذا ہر شخص نے اپنے مشاہدہ کے مطابق روایت کیا اور ہر ایک اپنے قول میں صادق ہے۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج۸ ص۳۰۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔ باب الترجل فصل دوم)

تو قارئین کرام! اس چیز سے جواب کا خلاصہ بھی یہی نکلتا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ڈاڑھی مبارک کو رنگا ہے مگر ہمیشہ نہیں رنگا' اس لیے اختلاف پیدا ہو گیا۔ جس نے آپ کی ڈاڑھی شریف میں سفید بالوں کو دیکھا اس نے کہہ دیا رسول اللہ ﷺ نے اپنی ڈاڑھی کو رنگا نہیں ہے اور جس نے رنگنے کی حالت میں آپ کو دیکھا اس نے کہہ دیا کہ آپ نے ڈاڑھی شریف کو رنگا ہے۔

٤٢٧ - بَابُ الْوَصِيِّ يَسْتَقْرِضُ مِنْ مَالِ الْيَتِيْمِ

یتیم کے مال سے وصی کے قرض لینے کا بیان

۹۰۳- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُوْلُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَ لَهُ إِنَّ لِيْ يَتِيْمًا وَلَهُ إِبِلٌ فَأَشْرَبُ مِنْ لَبَنِ إِبِلِهٖ قَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنْ كُنْتَ تَبْغِيْ ضَالَّةَ إِبِلِهٖ وَتَهْنَأُ جَرْبَاهَا وَتَلِيْطُ حَوْضَهَا وَتَسْقِيْهَا يَوْمَ وِرْدِهَا فَاشْرَبْ غَيْرَ مُضِرٍّ بِـ[illegible]

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ میں نے قاسم بن محمد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور ان سے کہا میرے پاس ایک یتیم لڑکا ہے' اس کا ایک اونٹ ہے سو میں اس کے اونٹ سے دودھ پیتا ہوں تو ابن عباس نے اس سے کہا اگر تم اس کے گمشدہ اونٹ کو [illegible] علاج کرتے ہو اور اس کا حوض

حَلْبٍ.

درست کر کے پانی کے دن پانی پلاتے ہو تو تم اس طرح پیو کہ اونٹ کی نسل کو نقصان نہ پہنچے اور اونٹنی زیادہ دودھ دینے کے باعث ضائع نہ ہو جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ بَلَغَنَا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ذَكَرَ وَالِيَ الْيَتِيْمِ فَقَالَ اِنِ اسْتَغْنٰى اِسْتَعَفَّ وَاِنِ افْتَقَرَ اَكَلَ بِالْمَعْرُوْفِ قَرْضًا بَلَغَنَا عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَسَّرَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ قَالَ قَرْضًا.

امام محمد کہتے ہیں ہم کو معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یتیم کے متولی کا ذکر کیا اور فرمایا اگر وہ مال دار ہے تو بچتا رہے اور اگر غریب ہے تو معروف طریقہ سے (شریعت کے قاعدے کے مطابق) قرض لے کر کھائے' سعید بن جبیر سے ہم تک پہنچا ہے کہ یہ آپ نے اس آیت کی تفسیر کی **ومن کان غنیا فلیستعفف** الخ۔

٩٢٤- اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتٰى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَوْصِنِيْ اِلٰى يَتِيْمٍ فَقَالَ لَا تَشْتَرِيَنَّ مِنْ مَّالِهٖ شَيْئًا وَلَا تَسْتَقْرِضْ مِنْ مَّالِهٖ شَيْئًا.

سفیان ثوری نے ہمیں خبر دی ابو اسحٰق رضی اللہ عنہ سے انہوں نے صلہ بن زفر سے کہ ایک شخص عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہ مجھے یتیم کے بارے میں وصیت فرمایئے' انہوں نے فرمایا اس کے مال میں سے کچھ خرید و نہ اس کے مال میں سے کچھ قرض لو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَالْاِسْتِعْفَافُ عَنْ مَّالِهٖ عِنْدَنَا اَفْضَلُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد کہتے ہیں ہمارے نزدیک اس کے مال سے بچنا افضل ہے' یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے اکثر فقہاء کا قول ہے۔

اس باب میں امام محمد نے اس مسئلہ کا ذکر کیا کہ مال یتیم کا جس آدمی کو وصی بنایا جائے (یعنی مرنے کے وقت جو کسی آدمی کو وصیت کر جاتا ہے کہ تو میرے مال و اولاد کی حفاظت کرنا) کیا اس وصی کے لیے مال یتیم سے بوقتِ ضرورت قرض لینا جائز ہے؟ اور اس میں اختلاف ہے وہ وصی جو غریب ہو وہ یتیم اور اس کے مال کی حفاظت کرنے کے معاوضہ میں مال یتیم سے کھا پی سکتا ہے یا کپڑے لے سکتا ہے یا نہیں؟ بعض احادیث میں اس کی زیادت منقول ہے جب کہ درمیانہ کھانا کھائے اور درمیانہ ہی کپڑا پہنے تو اتنا مال یتیم سے لے سکتا ہے بعض نے کہا کہ اگر وصی غنی ہو تو اس کو پرورش کا معاوضہ نہیں لینا چاہیے بلکہ اس معاوضے سے بچنا چاہیے اور اگر غریب ہو تو اس کے مال سے جو بھی کھائے پیئے وہ قرض سمجھ کر کھائے پیئے وہ بطور قرض کھائے پیئے اور جب بھی اس کو فرصت مل جائے تو وہ قرضہ واپس کر دے اور یہی قول ہے عمر فاروق اور یہی سعید ابن جبیر کا اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی تقریباً یہی فتویٰ ہے کہ مال یتیم سے نہ کھائے پیئے اور نہ ہی اس کی چیز کو اپنے لیے خریدے اور نہ ہی اس کے مال سے قرض لے۔ امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں مال یتیم سے بچنا افضل ہے جس کا یہ معنیٰ نکلتا ہے کہ وصی محتاج ہو تو اس کو یتیم کے مال سے ضرورت کے مطابق ہلکے درجے کا کھانا پہننا جائز ہے۔ اور یہ اس کا کھانا پینا اور پہننا بلا قضا ہو گا یعنی یتیموں کو یہ واپس نہیں کرنا ہو گا اصل میں اس باب کی دونوں روایات جو ہیں ان کا ایک واقعہ سے تعلق ہے جیسا کہ پہلی روایت میں اس کا ذکر آ چکا ہے کہ ایک آدمی نے ابن عباس سے پوچھا کہ میرے پاس ایک یتیم ہے جس کی ایک اونٹنی ہے تو کیا میں اس کے دودھ سے پی سکتا ہوں؟ تو ابن عباس نے فرمایا اگر تو اس اونٹنی کی خدمت کرتا ہے یعنی گم جائے تو اس کو تلاش کرتا ہے' اگر اس کو خارش پڑ جائے تو اس کا علاج کرتا ہے اور جس دن پانی کی باری ہو اس دن تو اس کو پانی کی گھاٹ پر لے جاتا ہے تو اس صورت میں تیرے لیے دودھ پینا جائز ہے لیکن اس کی دو شرطیں ہیں پہلی

شرط یہ ہے کہ تیرے دودھ پینے سے اونٹنی کے بچے کی ہلاکت واقع نہ ہو یعنی تو اس کا سارا ہی دودھ نکال لے اور بچے کے لیے کچھ نہ چھوڑے تو یہ نسل کی ہلاکت ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ تو خود اونٹنی کو ہلاک نہ کر دے یعنی تو اس زور سے اس کا دودھ کھینچے کہ اس کے پستان خشک ہو جائیں اور اس جگہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا فیصلہ فرمایا تو وہ فیصلہ حقیقت میں قرآنی ایک آیت کا مفہوم تھا' وہ آیتِ کریمہ یوں ہے:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ. اور جس کو حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے اور جو حاجت مند ہو وہ بقدر مناسب کھائے۔

اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول خازن وغیرہ نے یوں لکھا ہے کہ حضرت رفاعہ کا انتقال ہو گیا' ان کا فرزند ثابت بن رفاعہ جو ابھی بچہ تھا چنانچہ یہ بچہ اور رفاعہ کا متروکہ مال رفاعہ کے بھائی کو سپرد ہوئے' ثابت کے یہ چچا حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ مجھے ثابت یتیم اور اس کے مال کا متولی بنایا گیا ہے' فرمایا جائے کہ میں بحق خدمت اس مال میں سے کچھ کھا سکتا ہوں یا نہیں اور یہ مال اس بچہ کو کب اور کس طرح حوالے کروں؟ ان کے جواب میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی جس میں ان تینوں سوالوں کے جوابات دیے گئے۔

اس آیتِ کریمہ کے شانِ نزول کے بیان کرنے کے بعد اب اس میں اختلاف ہے کہ کیا جو وصی حاجت مند ہو وہ اتنا ہی اس سے لے کہ جس میں اسراف نہ پایا جائے یعنی عام کپڑے پہنے اور عام کھانا کھائے تو کیا ایسی صورت میں اس وصی کو جو اس نے معمولی طریقے سے کھایا ہے وہ بطور قرض استعمال ہوگا یا اس کی خدمت کے صلہ میں اس کے لیے جائز ہوگا؟ تو اس بارے میں بعض کا خیال یہ ہے کہ اس کو بطور قرض لینا چاہیے تو جب توفیق ملے وہ واپس کر دے لیکن بعض کے نزدیک اسی مذکورہ آیتِ کریمہ سے انہوں نے بالمعروف سے یہ اخذ کیا کہ اگر معروف طریقے سے کھائے یعنی بلا کسی زیادتی کے تو یہ اس کے لیے کھانا بلا معاوضہ جائز ہے جیسا کہ اس کی تفسیر' تفسیر مظہری میں یوں موجود ہے۔

عمرو ابن شعیب وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ میں فقیر آدمی ہوں اور ایک یتیم کی پرورش بھی میرے ذمے لگ چکی ہے تو کیا میں اس کے مال سے کھا سکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: سوائے فضول خرچی کے اور مال کو ختم کرنے کے اور اپنے لیے مال کو جمع کرنے کے تیرے لیے جائز ہے (یعنی نہ تیرا ارادہ یہ ہو کہ تو اس کے مال کو اس کے بالغ ہونے سے پہلے ختم کر دے اور نہ ہی تیرا یہ ارادہ ہو کہ یتیم کا مال کھاتا رہوں اور اپنا مال جمع کرتا رہوں اور نہ ہی تو بطور فضول خرچی اس کا مال کھائے بلکہ بقدر ضرورت کھائے تو یہ جائز ہے) اس کو روایت کیا ثعلبی نے اور مراد وصی کے کھانے سے اس کے امر کی اجرت ہے وہ اسی کے مطابق ہوگی کہ جتنا وصی نے یتیم کا کام کیا ہے اور یہی قول ہے سیدہ عائشہ صدیقہ کا اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔ کہا عطاء اور عکرمہ نے کہ اپنی انگلیوں کے پوروں سے کھائے (یعنی تھوڑا کھائے) اور نہ اسراف کرے اور نہ اس سے کپڑے پہنے اور امام نخعی نے فرمایا نہ مال یتیم سے حلے پہنے اور نہ ہی ریشم کا لباس پہنے اس کے لیے صرف اتنا جائز ہے جس سے وہ اپنی بھوک کو ختم کر سکے اور اپنی عورت کو چھپا سکے اور ان تمام احوال میں قضا نہیں ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے کہا یتیم کی کھجوروں سے پھل کھائے اور اس کے جانوروں سے دودھ پیے معروف طریقے سے اور یتیم کے مال سے خادم ہو یا سواری ہو ان سے معروف طریقے سے خدمت لے اور اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے مال سے کسی چیز کو کھائے اور بغوی نے روایت کیا اپنی سند کے ساتھ قاسم ابن محمد سے کہ ایک آدمی ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس یتیم کا مال ہے تو کیا میں اس کی اونٹنی سے دودھ پی لیا کروں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو اس کی اونٹنی گمشدہ کی تلاش

کرتا ہے اور اونٹ کو خارش پڑ جائے تو اس کا علاج کرتا ہو اور اس کے حوض کو درست کرتا ہو اور پانی پینے کی باری پر تو اسے پانی پلاتا ہو تو تجھے پینے کی اجازت ہے سوائے اس بات کے کہ اس کی نسل کو نقصان پہنچے (کہ اتنا دودھ نکال لے کہ اس اونٹنی کا جو بچہ ہے وہ بھی پیٹ بھر کر نہ پی سکے) اور سوائے اس کے کہ دودھ دوہنے کی وجہ سے اس کی اپنی ہلاکت نہ واقعہ ہو (یعنی اتنا دودھ نکالے کہ جس سے اس کے پستان خشک نہ ہو جائیں) شعبی نے کہا کہ سوائے حالتِ اضطرار کے مال یتیم سے نہ کھائے اور اضطرار کی حالت میں مردار کھانا جائز ہے اسی طرح مال یتیم کو بھی کھانا جائز ہے۔ قوم نے کہا بالمعروف سے مراد قرض ہے یعنی مال یتیم سے بوقت ضرورت قرض حاصل کرے اور جب اس کے حالات کچھ درست ہوں تو وہ اس کو واپس کر دیں یہی قول مجاہد اور سعید ابن جبیر کا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا بیت المال سے لینے کو میں اپنے لیے مال یتیم پر محمول کرتا ہوں یعنی اگر میں مستغنی ہوتا ہوں تو میں اس سے بچتا ہوں لیکن اگر میں محتاج ہوں تو میں معروف طریقے سے کھاتا ہوں اور جب میرے حالات درست ہوتے ہیں تو اس کو واپس کرتا ہوں۔

تو قارئین کرام! احتیاط تو اسی میں ہے کہ حضرت عمر فاروق کے قول پر عمل کیا جائے اگرچہ از روئے حدیث ضرورت کے مطابق محتاج وصی کو مال یتیم سے کھانا پینا جائز ہے جب کہ وہ اس کی پوری خدمت کرتا ہو۔

٤٢٨- بَابُ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ

مرد کی شرمگاہ کو مرد کے دیکھنے کا بیان

٩٢٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرٍ يَقُوْلُ بَيْنَمَا اَنَا اَغْتَسِلُ وَيَتِيْمٌ كَانَ فِيْ حَجْرِ اَبِيْ يَصُبُّ اَحَدُنَا عَلٰى صَاحِبِهٖ اِذَا طَلَعَ عَلَيْنَا عَامِرٌ وَنَحْنُ كَذٰلِكَ فَقَالَ يَنْظُرُ بَعْضُكُمْ اِلٰى عَوْرَةِ بَعْضٍ وَاللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ لَاَحْسِبُكُمْ خَيْرًا اِنَّمَا قُلْتُ قَوْمٌ وُلِدُوْا فِي الْاِسْلَامِ لَمْ يُوْلَدُوْا فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْجَاهِلِيَّةِ وَاللّٰهِ لَاَظُنُّكُمْ الْخَلْفَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ میں نے عبداللہ بن عامر کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ میں اور ایک یتیم لڑکا جو میرے والد کی پرورش میں تھا اور ہم دونوں غسل کر رہے تھے اور ایک دوسرے پر پانی ڈال رہے تھے تو عامر ہمارے پاس سے گزرے اور ہم اس حال میں تھے تو عامر نے کہا تم ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھ رہے ہو بخدا میں تمہیں اپنی ذات سے بہتر سمجھتا تھا میں کہتا تھا تم اسلام میں پیدا ہوئے ہو دورِ جاہلیت میں پیدا نہیں ہوئے ہو بخدا میں تمہیں ناخلف سمجھوں گا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَنْبَغِيْ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى عَوْرَةِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ اِلَّا مِنْ ضَرُوْرَةٍ لِمُدَاوَاةٍ وَنَحْوِهٖ.

امام محمد کہتے ہیں کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی شرمگاہ کو دیکھے مگر یہ کہ علاج وغیرہ کی ضرورت ہو۔

مذکورہ باب میں ایک اثر نقل کیا گیا ہے کہ جس میں عبداللہ بن عامر اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں میں اور ایک یتیم جو میرے باپ عامر ابن ربیعہ کی پرورش میں تھا ہم دونوں برہنہ حالت میں ہنسی مذاق سے ایک دوسرے پر پانی ڈال رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن عامر فرماتے ہیں کہ اسی حالت میں میرا والد ابن ربیعہ آ گیا اور اس نے کہا کہ تم دونوں نے اسلام میں پرورش پائی نہ کہ زمانہ جاہلیت میں اس کے باوجود جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو تم کر رہے ہو یعنی ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام ہے باوجود اس بات کہ تمہاری پرورش اسلام میں ہے اور تم معذور نہیں سمجھے جا سکتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن عامر اور یتیم وہ دونوں یا تو بالغ تھے یا قریب البلوغ تھے جس کی وجہ سے حضرت عامر نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور دوسرا عامر ابن ربیعہ کی کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں تم کو اپنے سے زیادہ متقی سمجھتا تھا لیکن تم نے ناخلفوں والا کام کیا ہے یعنی کہ نااہلوں والا کام

کیا۔ تو حضرت عامر کا یہ فرمانا میں تم دونوں کو اپنے سے زیادہ بہتر اور متقی سمجھتا تھا یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ ان پر احکام شرعیہ لازم ہو چکے ہوں' اب اس کی تائید اور توضیح میں مسلم شریف کی ایک حدیث نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابی سعید الخدری عن ابیه ان رسول الله ﷺ قال لا ینظر الرجل الی عورة الرجل ولا المراة الی عورة المراة ولا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المراة الی المراة فی الثوب الواحد. (مسلم شریف ج ا ص ۱۵۴ باب تحریم النظر الی عورت النساء' کتاب الحیض)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرد کسی کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھے اور نہ مرد برہنہ ہو کر ایک کپڑے میں لیٹیں نہ دو عورتیں برہنہ ہو کر ایک کپڑے میں لیٹیں۔

اس کے تحت نووی شرح مسلم کا خلاصہ درج کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نووی شرح مسلم کی عبارت سے بطور خلاصہ چند امور درج ذیل ملاحظہ فرمائیں

(۱) مرد کے لیے ستر عورت ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے اور عورت کے لیے چہرہ ہاتھ اور پاؤں کے سوا سارا بدن ستر عورت ہے (۲) مرد مرد کی اور عورت' عورت کی شرمگاہ نہ دیکھے تو جب عورت کو عورت کی شرمگاہ دیکھنی منع ہے تو پھر مرد کو عورت کی شرمگاہ دیکھنی بطریق اولیٰ منع اور حرام ہے (۳) عورت کے محارم (یعنی جس سے ہمیشہ نکاح حرام ہوتا ہے) جیسے باپ' بیٹا' بھائی' ماموں' چچا وغیرہ ان کے لیے وہ اجزاء کہ جن کے گھر میں کام کرتے ہوئے عادتاً کھل جانا پایا جاتا ہے وہ محارم پر بغیر شہوت کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اجنبی کے لیے تو ان اجزاء کا دیکھنا بھی منع ہے ہاں ان اجزاء کا کسی ضرورت کے لیے دیکھنا جائز ہے جیسے کہ بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر کا ان اجزاء کا دیکھنا جائز ہے (٤) مرد کو اپنی شرمگاہ دیکھنا یا عورت کو اپنی شرمگاہ دیکھنا مکروہ ہے' خاوند بیوی کو بھی ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا مکروہ ہے اور مرد کے لیے بیوی کی شرمگاہ کا داخلی حصہ دیکھنا مکروہ تحریمی ہے (٥) برہنہ حالت میں مرد کو مرد کے پاس ایک چادر میں لیٹنا حرام ہے اس طرح عورت کو عورت کے پاس جب کہ وہ دونوں برہنہ ہوں ایک چادر میں لیٹنا حرام ہے (٦) خوبصورت لڑکے کو شہوت سے دیکھنا اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ عورت کو دیکھنا حرام ہے جیسے اجنبی عورت سے اجتناب ضروری ہے اسی طرح ان بچوں سے بھی اجتناب ضروری ہے کہ جن کو ابھی تک ڈاڑھی نہیں آئی بلکہ عورتوں سے خوبصورت بچوں سے اجتناب زیادہ ضروری ہے کیونکہ اجنبیہ عورت کو شہوت سے دیکھنے کے بعد حلت کی صورت موجود ہے کہ وہ اس اجنبیہ سے نکاح کر لے تب وہ حرمت ختم ہو جائے گی لیکن اگر کسی نے بچے کو شہوت سے دیکھا اور شہوت زنا کی حد کے قریب پہنچ گئی تو اب مرد کا بچے سے شہوت کے پورے کرنے کی حلت کی کوئی صورت نہیں ہے۔ نوٹ: ستر کے احکام کی تفصیل عنقریب باب تفسیر میں آ رہی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

٤٢٩- بَابُ النَّفْخِ فِی الشُّرْبِ
پانی میں سانس لینے کا بیان

٩٢٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَيُّوْبُ بْنُ حَبِيْبٍ مَوْلٰی سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِي الْمُثَنَّى الْجُهَنِيِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَدَخَلَ اَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ عَلٰى مَرْوَانَ فَقَالَ لَهٗ مَرْوَانُ سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ نَهٰى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ایوب بن حبیب نے ابوالمثنی جہنی سے کہ میں ایک دن مروان کے پاس تھا تو حضرت ابوسعید خدری مروان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے مروان نے ان سے کہا میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پانی میں سانس لینے سے منع فرمایا؟ انہوں نے کہا ہاں! رسول اللہ ﷺ سے

اَرْوٰی مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدٍ قَالَ فَابِنِ الْقَدَحَ عَنْ فِیْکَ ثُمَّ تَنَفَّسْ قَالَ فَاِنِّیْ اَرَی الْقَذَاۃَ فِیْهِ قَالَ فَاَهْرِقْهَا.

ایک شخص نے کہا کہ ہم ایک سانس سے سیراب نہیں ہوتے تو آپ نے فرمایا: اپنے منہ سے برتن جدا کرو پھر سانس لو اس نے کہا کہ میں اس میں تنکے یا گرد دیکھتا ہوں آپ نے فرمایا اسے گرا دو۔

مذکورہ باب میں پانی پیتے وقت اس میں سانس لینے کے بارے میں ایک حدیث بیان کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے نبی پاک ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ ایک سانس میں' میں سیراب نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایافابن القدح (یعنی جدا کر پیالے کو منہ سے لفظ ابن ' ابان یبین سے ہے جو کہ بنونت سے بمعنی جدائی کے ہے) لہٰذا ایک سانس میں پانی پینا ضروری نہیں اگر تو سیراب نہیں ہوتا ایک سانس سے تو' تو کئی سانس سے پانی پی لے لیکن پانی پینے کے دوران اگر سانس لینا ضروری سمجھے تو پیالے سے منہ جدا کر کے سانس لے لو اور پھر پینا شروع کرو' اس صحابی نے پھر دوبارہ عرض کی اگر میں باہر سانس لوں تو بسا اوقات پانی میں کوئی تنکا ہوتا ہے تو وہ جدا رہتا ہے اور اگر پیالے سے باہر منہ نکال کر دوبارہ پینا شروع کریں گے تو وہ سامنے آ جائے گا' آپ نے فرمایا اگر ایسی صورت ہو تو پیالے سے پانی کو گرا دو اور نیا پانی لے کر پی لو۔ بہرصورت پیالے میں سانس لینا منع ہے' بلکہ سنت یہ ہے پانی پینے کے دوران تین دفعہ پیالے سے باہر سانس لے تا کہ ایسا نہ ہو' کوئی چیز ناک سے نکل کر پانی میں گر جائے اور دوسرا نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم ایک سانس کے ساتھ اونٹ کی طرح پانی نہ پیو بلکہ دو یا تین سانس میں پیو اور بسم اللہ پڑھ کر پیو جیسا کہ ترمذی میں موجود ہے۔

اس اور موطا کی مذکورہ حدیث کی تائید میں کثیر کتب میں مختلف احادیث سے تائید پائی جاتی ہے مسلم شریف میں اس کی تائید میں ایک دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ نهی ان یتنفس فی الاناء. عن انس رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ کان یتنفس فی الاناء ثلاثا. عن انس قال کان رسول الله ﷺ یتنفس فی الشراب ثلاثا ویقول انه اروی وابرا وامرا قال انس فانا اتنفس فی الشراب ثلاثا. (مسلم شریف ج۲ص۱۷۷' باب کتاب الاشربہ' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ برتن میں تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ پینے میں تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور فرماتے تھے اس سے خوب سیری ہوتی ہے' پیاس بجھتی ہے اور کھانا ہضم ہوتا ہے' حضرت انس نے کہا میں پینے میں تین مرتبہ سانس لیتا ہوں۔

تو قارئین کرام! مذکورہ تین عدد احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) نبی پاک ﷺ برتن میں سانس لینے سے منع فرماتے تھے (۲) نبی پاک ﷺ پانی پیتے وقت برتن سے باہر تین دفعہ سانس لیتے تھے (۳) آپ فرماتے تھے کہ تین دفعہ سانس لینے سے پیاس بھی بجھ جاتی ہے اور سیری بھی خوب ہو جاتی ہے اور کھانا بھی ہضم ہو جاتا ہے اور صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا باقی رہا تین دفعہ پانی پینے میں سیرابی یہ تو واضح ہے لیکن جو آپ نے فرمایا کھانا ہضم ہوتا ہے یہ نورانیتِ مصطفیٰ ﷺ کا فیصلہ ہے جس پر ہر شخص کو ایمان لانا چاہیے اور یہی عمل کرنا چاہیے۔

۴۳۰- بَابُ مَا یُکْرَهُ مِنْ مُصَافَحَةِ النِّسَاءِ

عورتوں سے مصافحہ کرنے کی کراہیت کا بیان

۹۲۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ اَنَّهَا قَالَتْ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِيْ نِسْوَةٍ نُبَايِعُهُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نُبَايِعُكَ عَلٰى اَنْ لَّا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا نَسْرِقَ وَلَا نَزْنِيْ وَلَا نَقْتُلَ اَوْلَادَنَا وَلَا نَاْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَّفْتَرِيْهِ بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَاَرْجُلِنَا وَلَا نَعْصِيَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَاَطَقْتُنَّ قُلْنَا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِاَنْفُسِنَا هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنِّيْ لَا اُصَافِحُ النِّسَاءَ اِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَاَةٍ كَقَوْلِيْ لِامْرَاَةٍ وَّاحِدَةٍ اَوْ مِثْلُ قَوْلِيْ لِامْرَاَةٍ وَّاحِدَةٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا منکدر نے امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان بہت سی عورتوں کے ساتھ حاضر ہوئی جو آپ سے بیعت کرنے کے لیے آئی تھیں' ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ﷺ ہم آپ سے بیعت کرتی ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا نہ کریں گی' اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی' اپنی طرف سے کسی پر بہتان نہ باندھیں گی' معروف (احکام شرع) میں نافرمانی نہ کریں گی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس قدر تمہارے اندر استطاعت اور قدرت ہو' ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہم پر خود ہم سے زیادہ شفیق ہیں (اپنا ہاتھ لائیں) یا رسول اللہ! ﷺ تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں' میرا سو عورتوں سے کہہ دینا ایک عورت کو کہہ دینے کے مانند ہے یا یوں فرمایا: ایک عورت کو کہہ دینے کے مثل ہے۔

مذکورہ باب میں اجنبی عورتوں سے مصافحہ کرنے کے بیان میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ عورتیں مل کر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنے کے لیے آئیں۔ تو آپ نے ان پر وہی شرائط پیش کیں کہ جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے یعنی ہم شرک نہیں کریں گی' اسی طرح چوری اور زنا نہیں کریں گی' اولاد کو قتل نہ کریں گی' اور کسی پر بہتان نہ باندھیں گی' اور اللہ اور اس کے رسول کے کسی فرمان کی نافرمانی نہیں کریں گی تو انہوں نے ان شرائط کو قبول کر لیا اس کے بعد آپ نے فرمایا: ان شرائط پر جس قدر تم میں استطاعت اور قدرت ہو پورا پورا عمل کرو تو اس پر انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول سے بڑھ کر ہم پر کوئی مہربانی اور شفقت کرنے والا نہیں ہے لہٰذا آپ کی کرم نوازی ہو گی تو ہم ضرور عمل کریں گی۔ اس کے بعد عورتوں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کریں مگر نبی پاک ﷺ نے اس سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا تو میرا ایک عورت کو کہنا ایسا ہے جیسے سو عورت کو کہنا ہے یعنی میرے حکم کے وجوب میں کوئی فرق نہیں آتا چاہے ایک عورت کو کہوں یا ہزار عورتوں کو کہوں وجوب سب پر ثابت ہو جاتا ہے۔ اب میں موطا امام محمد کی مذکورہ حدیث کی مختلف کتب حدیث اور مختلف روایات سے تائید پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يبايع الناس بالكلام بهذه الاية (ان لا يشركن بالله شيا) وما مست يد رسول الله ﷺ يد امراة قط الا يد امراة يملكها. عن ابراهيم قال كان رسول الله ﷺ يصافح النساء وعلى يده ثوب.

سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ لوگوں سے بیعت کرتے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے اور کسی عورت کو ہاتھ سے مس نہ فرماتے مگر اس عورت سے جو آپ کے ملک میں ہوتی۔ ابراہیم سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کسی عورت سے مصافحہ فرماتے تو آپ

(مصنف عبد الرزاق ج ٦ ص ٧۔٩ حدیث: ٩٨٢٥، ٩٨٣٢، باب بیعت النساء مطبوعہ بیروت) کے ہاتھ پر کپڑا ہوتا۔

و کان رسول الله ﷺ اذا اقررن بذلک من قولهن قال لهن رسول الله ﷺ انطلقن فقد بایعتکن ولا والله مامست ید رسول الله ﷺ ید امراۃ قط غیر انه بایعهن بالکلام قالت عائشة والله ما اخذ رسول الله ﷺ علی النساء قط الا بما امر الله عزوجل، وما مست کف رسول الله ﷺ کف امراۃ قط وکان یقول لهن اذا اخذ علیهن قد بایعتکن کلاما وروی ان علیه الصلوۃ والسلام بایع النساء وبین یدیه وایدهن ثوب، وکان یشرط علیهن. وروی عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ کان اذا بایع النساء دعا بقدح من ماء فغمس یده فیه ثم امر النساء فغمس ایدیهن فیه. (تفسیر قرطبی)

نبی پاک ﷺ جب عورتیں مذکورہ آیت میں شرائط کا اقرار کر لیتی تو آپ ان کو فرماتے: تم جاؤ میں نے تمہاری بیعت لے لی اور اللہ تعالیٰ کی قسم رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ شریف نے کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں فرمایا سوائے اس کے کہ آپ نے ان کی بیعت کی زبانی کلامی، سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم نبی پاک ﷺ نے عورتوں سے بیعت کے وقت کوئی شرط ان پر نہیں لگائی مگر وہی شرائط جو قرآن میں مذکور ہیں اور جب آپ ان سے ان شرائط کا عہد لے لیتے تو آپ فرما دیتے میں نے تمہاری بیعت لے لی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ منگواتے اور اس میں اپنا ہاتھ شریف ڈبو دیتے اور پھر آپ عورتوں کو حکم دیتے تو وہ بھی اپنے ہاتھ اس پیالے میں ڈبو دیتیں (تو اس طرح ان کی بیعت مکمل ہو جاتی)۔

ابن ابی حاتم مقاتل سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے صفا پہاڑی پر مردوں کی بیعت لی اور رسول اللہ ﷺ سے کچھ نیچے کھڑے ہو کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عورتوں کی بیعت لی اور ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ عورتوں کی بیعت بھی خود نبی ﷺ نے لی۔ ابن مردویہ عامر ابن شعیب سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جب عورتوں کی بیعت لی تو ایک پانی کا پیالہ منگوایا اس میں اپنا ہاتھ ڈبویا اور پھر عورتوں کا ہاتھ ڈبوایا اور یہ بیعت میں مصافحہ کا بدل تھا۔ (تفسیر روح المعانی ج ٢٨ ص ٨١، الممتحنہ: ١٢، مطبوعہ بیروت)

(یایها النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک) پیر کے روز فتح مکہ کے دن صفاء پہاڑی پر نبی پاک ﷺ نے مردوں کی بیعت لی، تو جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عمر فاروق آپ کے نیچے کھڑے ہوئے تھے وہ آپ کے حکم سے عورتوں سے بیعت لے رہے تھے، رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ شریف نے کسی اجنبیہ عورت کے ہاتھ کو قطعاً مس نہیں کیا۔ اسماء بنت یزید بن سکن نے کہا کہ میں ان عورتوں میں شامل تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ بیعت کی تو میں نے کہا یا رسول اللہ! ﷺ ہاتھ نکالیے تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا اور میں ان پر وہی عہد لیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا ہے۔ (تفسیر بحر المحیط، الممتحنہ: ١٢، پ ٢٨ مطبوعہ بیروت)

خلاصہ: مذکورہ حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے عورتوں کی تین طریقوں سے بیعت لی ہے (١) زبانی کلامی عورتوں سے عہد لیا اور عہد لینے کے بعد فرما دیا کہ میں نے تم سے بیعت لے لی ہے (٢) نبی پاک ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک پر کپڑا ڈال لیا تو عورتوں سے مصافحہ کیا اور اس طرح آپ نے ان سے بیعت لی (٣) پانی میں اپنا ہاتھ ڈبو دیا اور پھر عورتوں کو کہا کہ تم

بھی اس میں ہاتھ ڈبو دو تو اس طرح سے بیعت ہوئی لیکن فقیر کا خیال یہ ہے کہ بیعت دو طرح سے ہوئی ہے' ہاتھ پر کپڑا ڈال کر عورتوں سے بیعت لینا مصافحہ کی صورت میں یہ صحیح نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۴۳۱- بَابُ فَضَائِلِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے فضائل کا بیان

۹۲۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ لَقَدْ جَمَعَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبَوَيْهِ يَوْمَ اُحُدٍ۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ انہوں نے سعد بن وقاص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احد کے دن میرے ماں باپ دونوں کو جمع کیا (یعنی فرمایا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں)۔

نوٹ: مذکورہ باب میں مختلف صحابہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ہر روایت کی الگ الگ شرح پیش کروں۔

سعد ابن ابی وقاص کی شان

مذکورہ باب کی پہلی روایت میں یہ مذکور ہے کہ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن اپنے ماں باپ کو میرے لیے جمع کیا یعنی فرمایا: کہ میرے ماں باپ قربان ہوں تم پر اے سعد ابن ابی وقاص تیر اندازی کر! اور حافظ ابن کثیر نے اپنی مشہور کتاب ''البدایۃ والنہایۃ'' میں اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے:

عن سعید بن المسیب یقول سمعت سعد بن ابی وقاص یقول قل لی رسول اللہ ﷺ کنانتہ یوم احد قال ارم فداک ابی وامی واخرجہ البخاری عن عبد اللہ بن محمد عن مروان وفی صحیح البخاری من حدیث عبد اللہ بن شداد عن علی بن ابی طالب قال ما سمعت النبی ﷺ جمع ابویہ لاحد الا لسعد بن مالک فانی سمعتہ یقول یوم احد یا سعد ارم فداک ابی وامی قال محمد بن اسحاق حدثنی صالح بن کیسان عن بعض آل سعد عن سعد بن ابی وقاص انہ رمی یوم احد دون الرسول اللہ ﷺ قال سعد فلقد رایت رسول اللہ ﷺ لینا وبنی النبل ویقول ارم فداک ابی وامی حتی انہ لینا ولنی السہم لیس لہ نصل فارمی بہ وثبت فی الصحیحین عن ابن ابی وقاص قال رایت یوم احد عن یمین النبی ﷺ وعن یسارہ رجلین علیہما ثیاب بیض یقاتلان اشد القتال ما

سعید ابن میتب کہتے ہیں کہ میں نے سعد ابن ابی وقاص سے سنا وہ فرماتے تھے کہ احد کے دن نبی پاک ﷺ نے تیروں کا تھیلا مجھے پکڑا دیا' صحیح بخاری میں عبد اللہ ابن شداد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ نے سوائے سعد ابن ابی وقاص کے کسی کے لیے اپنے ماں باپ کو جمع کیا ہو' حضرت علی فرماتے ہیں عہد کے روز میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: سعد تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں تیر اندازی کر' صالح بن کیسان' سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کی آل میں سے کسی سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سعد ابن ابی وقاص تیر اندازی کر رہے تھے تو سعد کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ مجھے تیر پکڑاتے اور فرماتے تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں اے سعد! تیر اندازی کر۔ یہاں تک کہ آپ نے وہ تیر بھی مجھے پکڑا دیا جس کے ساتھ بھالا نہیں تھا' لہٰذا میں نے اس کو بھی تیر اندازی میں پھینک دیا اور بخاری و مسلم میں سعد ابن ابی وقاص سے [illegible] فرماتے ہیں میں

رایتھا قبل ذلک ولا بعدہ. یعنی جبرائیل ومیکائیل علیھما السلام.

(البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۲۷ غزوۂ احد ۳ھ مطبوعہ بیروت)

نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے دائیں بائیں دو آدمیوں کو سخت لڑائی کرتے دیکھا کہ جیسا میں نے کسی کو لڑتے نہیں دیکھا اس حال میں کہ وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے یعنی وہ جبرائیل اور میکائیل تھے۔

مذکورہ روایت میں سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا تیرانداز بنایا ہوا تھا کہ جس کی مثال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ علی المرتضیٰ جیسے مجتہد اور ثقہ راوی فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کے لیے میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے والدین جمع کرتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے سعد ابن ابی وقاص کے اور آپ بار بار فرماتے تھے میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں اے سعد ابن ابی وقاص! تیراندازی کر اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود سعد ابن ابی وقاص کو تیر پکڑاتے اور سعد ابن ابی وقاص آگے تیراندازی کرتے اور اپنا ترکش دان خالی کر دیا یہاں تک کہ وہ تیر بھی پکڑا دیا جو بھالے کے بغیر تھا۔ تو حاصل کلام یہ نکلا کہ سعد ابن ابی وقاص وہ صحابی ہیں جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماں باپ کو جمع کیا اور ۱۹۶۸ء میں میں نے حضرت ابوایوب انصاری کے مکان میں تین چیزوں کی زیارت کی ایک تو دور عثمانی کا قرآن مجید دوسرا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لکڑی کا تالا تیسرا سعد ابن ابی وقاص کی وہ کمان کہ جس کے ساتھ آپ تیراندازی کرتے تھے۔

اسامہ بن زید کی شان

۹۲۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْثًا فَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعِنَ النَّاسُ فِيْ اِمْرَتِهٖ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ اِنْ تَطْعَنُوْا فِيْ اِمْرَتِهٖ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِيْ اِمْرَةِ اَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لِلْاِمْرَةِ وَاِنْ كَانَ لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ مِنْ بَعْدِهٖ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ نے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اس کا سردار اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا لوگوں نے ان کی سرداری پر اعتراض کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس کی سرداری پر اعتراض کرتے ہو تو تم نے اس سے قبل اس کے والد کی سربراہی پر اعتراض کیا تھا بخدا وہ سرداری کے لائق تھا اور اس کے بعد (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بعد) اسامہ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہما ان صحابہ کرام میں سے ہیں کہ جن کو نبی علیہ السلام نے اپنے لشکر کا امیر بنایا کہ جن میں بڑے بڑے صحابہ کرام داخل تھے جیسے عمر فاروق ابوبکر صدیق عبیدہ ابن جراح سعد ابن ابی وقاص اس جنگ میں شامل تھے تو بعض لوگوں نے عربی عصبیت کی وجہ سے اسامہ ابن زید کی سرداری کو اچھا نہ سمجھا اس لیے کہ وہ غلام تھے حالانکہ اس سے پہلے ان کے والد ماجد زید بن حارثہ کو بھی جب نبی پاک ﷺ نے سپہ سالار بنایا تو بعض لوگوں نے خوشی سے قبول نہ کیا حالانکہ کتب تاریخ اور بعض احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ نبی علیہ السلام کو ان دونوں باپ بیٹے سے بہت ہی پیار تھا اس لیے جب لوگوں نے اسامہ ابن زید کی سرداری پر خوشی کا اظہار نہ کیا تو نبی پاک ﷺ ناراض ہو کر نکلے حالانکہ اس دن بدھ کا دن تھا اور حضور ﷺ کی بیماری شریف کا آغاز تھا کہ جس سے آپ دنیا سے تشریف لے گئے آپ سر مبارک پر پٹی باندھے ہوئے نکلے اور فرمانے لگے اگر تم نے اسامہ کی

سرداری پر اعتراض کیا ہے تو اس سے پہلے تم نے اس کے باپ کی سرداری پر بھی اعتراض کیا حالانکہ وہ بھی سرداری کے قابل تھا اور یہ اسامہ بھی سرداری کے قابل ہے اور مجھے عام لوگوں میں سے یہ دونوں زیادہ پسند ہیں۔ اس کی تائید کتب شیعہ سے بھی ملتی ہے کہ آپ کے مناقب میں سے ایک منقبت کا ذکر مناقب ابن شہر آشوب میں لکھا ہے کہ مال غنیمت آیا' عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بغیر حساب کے اسامہ کی جھولی بھر دی اور عبد اللہ ابن عمر نے جب سوال کیا کہ ہم غازی ہیں' ہم سے زیادہ اس کو حصہ ملا تو حضرت عمر فاروق نے فرمایا نہ تو اسامہ جیسا ہے اور نہ ہی تیرا باپ اسامہ کے باپ جیسا ہے' اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام میں اسامہ اور اس کے والد کی بہت بڑی شان تھی۔

شان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۹۳۰. اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِی النَّضْرِ مَوْلٰی عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْمَرٍ عَنْ عُبَیْدٍ یَعْنِی ابْنَ حُنَیْنٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنَّ عَبْدًا خَیَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بَیْنَ اَنْ یُّؤْتِیَهٗ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْیَا مَا شَاءَ وَبَیْنَ مَا عِنْدَهٗ فَاخْتَارَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَهٗ فَبَکٰی اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَدَیْنَاکَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَقَالَ فَعَجِبْنَا لَهٗ وَقَالَ النَّاسُ اُنْظُرُوْا اِلٰی هٰذَا الشَّیْخِ یُخْبِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِخَبَرِ عَبْدٍ خَیَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَهُوَ یَقُوْلُ فَدَیْنَاکَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ الْمُخَیَّرَ وَکَانَ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَعْلَمَنَا بِهٖ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْ بَکْرٍ وَّلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا وَّلٰکِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ وَلَا یُبْقَیَنَّ فِی الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ اِلَّا خَوْخَةَ اَبِیْ بَکْرٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ عمر بن عبد اللہ بن معمر کے آزاد کردہ غلام ابو النضر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے عبید رضی اللہ عنہ یعنی ابن حنین سے انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ دنیا کی زیب و زینت کو اختیار کر لے یا وہ جو اللہ کے پاس ہے بندہ نے وہ اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہے یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں' راوی کہتے ہیں ہم کو اس پر تعجب ہوا' لوگ کہنے لگے اس بوڑھے کو دیکھو رسول اللہ ﷺ ایک بندہ کی خبر دے رہے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے اسے اختیار دیا اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں (حالانکہ) جسے اختیار دیا گیا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بات کو ہم سے زیادہ جانتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر مال و دولت اور رفاقت کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں' اگر میں کسی کو خلیل منتخب کرتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن اخوت اسلام کی اخوت ہے اور مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کی کھڑکی کھلی نہ رہے (تمام دوسری کھڑکیاں جو مسجد میں کھلتی ہیں بند کر دی جائیں)۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ جب آیہ کریمہ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" الی اخرہ آیت نازل ہوئی کہ جس کا معنی تھا "آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا" اور میں نے اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا تو یہ آیہ کریمہ سن کر ابوبکر صدیق رونے لگے اور یہاں موطا امام محمد میں صدیق اکبر کے رونے کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام نے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ دنیا میں رہنا چاہے تو رہے اگر میرے پاس آنا چاہے تو آ جائے اس بندے نے اللہ کے پاس جانے کو اختیار کیا' اس پر ابوبکر صدیق رونے لگے اور فرمانے لگے ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیونکہ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راز دان رسول ﷺ تھے اور صحابہ کرام میں بہت بڑے عالم تھے انہوں نے فوراً اس بات کو پہچان لیا اس مختار بندہ سے مراد نبی پاک ﷺ کی ذات کریمہ ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو اختیار کر لیا۔ لہٰذا آپ رونے لگے جو صحابہ کرام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ دیکھو اس شیخ کو کیا ہوا کہ یہ رونے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی رونے والی بات نہیں کی آپ نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے اور اس نے اللہ کو اختیار کر لیا تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ لیکن بعد میں صحابہ کرام نے خود اقرار کیا کہ واقع ہم میں سب سے زیادہ عالم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور رسول اللہ ﷺ کے راز دان تھے اس لیے جو انہوں نے سمجھا وہ ہماری سمجھ میں نہ آیا اور ایسے ہی ہوا کہ جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے سمجھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں ایک دوسری فضیلت بیان کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا کیونکہ خلت اب نہیں ہو سکتی البتہ اسلام کا بھائی چارہ ہو سکتا ہے خلیل کی نفی اس لیے فرمائی کہ خلیل کا معنیٰ یہ ہے کہ خلیل کے بغیر اس کے دل میں غیر کے لیے گنجائش نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اسی لیے فرمایا کہ ان کے دل میں اپنے سوا کسی کی گنجائش نہ چھوڑی۔

وقیل الخلیل من لایسع قلبہ بغیر خلیلہ ومعنی الحدیث ان حب اللہ تعالی لم یبقی فی قلب موضعا لغیرہ.

(نووی بمع مسلم ج ۲ ص ۲۷۳' باب فضائل ابوبکر صدیق)

کہا گیا ہے خلیل وہ ہوتا ہے کہ جس کے دل میں خلیل کے علاوہ غیر کے لیے دل میں کسی کے لیے جگہ نہ ہو تو معنیٰ حدیث کا یہ ہوا کہ اللہ کی محبت نے اس کے دل میں نہ چھوڑی ہو اس کے دل میں کسی غیر کے لیے جگہ۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ کا کوئی خلیل نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے' اور تیسرا اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا کہ مسجد نبوی میں بہت سے صحابہ کرام کے دروازے کھلتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا سب صحابہ کرام کے دروازے بند کر دیئے جائیں اور اپنے گھروں کے دروازے دوسری طرف نکالیں سوائے ابوبکر صدیق کے' کہ آپ کے دروازے کو بند نہ کیا جائے اگرچہ بعض کتب میں یہ بھی آیا ہے سوائے حضرت علی کے سب دروازے بند کیے گئے لیکن حق یہ ہے کہ صدیق اکبر کے سوائے سب کے دروازے بند کر دیئے گئے' اور اس کی دلیل طبقات ابن سعد میں یوں مذکور ہے۔

قال العباس ابن عبد المطلب یا رسول اللہ مالک فتحت ابواب رجال فی المسجد وما بالک سددت ابواب رجال فی المسجد؟ فقال رسول اللہ ﷺ یا عباس ما فتحت عن امری ولا سددت عن امری. (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۲۸' ذکر سد الابواب غیر باب ابی بکر رضی اللہ عنہ' مطبوعہ بیروت)

حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ اس کی کیا وجہ ہے کہ مسجد میں بعض لوگوں کے دروازوں کو آپ نے کھول دیا اور اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے مسجد میں بعض لوگوں کے دروازوں کو بند کر دیا؟ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ میں نے اپنے حکم سے کسی کے دروازے کو بند کیا ہے اور نہ ہی کسی کے دروازے کو کھولا ہے۔

اس حدیث نے مسئلے کو واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق کے دروازے کو مسجد میں کھلا رکھا اور دوسروں کے دروازے کو بند کر دیا تو اس پر جب حضرت عباس نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمادیا میں تو مامون من اللہ ہوں نہ میں کسی کے دروازے کو خود بند کرتا ہوں اور نہ ہی کسی کے دروازے کو کھولتا ہوں بلکہ جو حکم مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے اس پر میں عمل کرتا ہوں۔ اس حدیث میں خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کیونکہ آپ کو اس بات کا علم تھا کہ میرے بعد میری امت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائے گی تو اگر ان کا دروازہ مسجد میں سے بند کر دیا گیا تو ان کو جماعت کرانے اور عدالت لگانے

کے لیے آنے جانے میں تکلیف ہوگی تو اس لیے آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازے کو کھلا رکھا باقی سب صحابہ کے دروازوں کو بند کر دیا۔

ثابت ابن قیس کی شان

۹۳۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ ثَابِتَ بْنَ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ اَكُوْنَ قَدْ هَلَكْتُ قَالَ لِمَ قَالَ نَهَانَا اللّٰهُ اَنْ نُحِبَّ اَنْ نُحْمَدَ بِمَا لَمْ نَفْعَلْ وَاَنَا امْرُءٌ اُحِبُّ الْحَمْدَ وَنَهَانَا عَنِ الْخُيَلَاءِ وَاَنَا امْرُءٌ اُحِبُّ الْجَمَالَ وَنَهَانَا اللّٰهُ اَنْ نَرْفَعَ اَصْوَاتَنَا فَوْقَ صَوْتِكَ وَاَنَا رَجُلٌ جَهِيْرُ الصَّوْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا ثَابِتُ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَعِيْشَ حَمِيْدًا وَتُقْتَلَ شَهِيْدًا وَتَدْخُلَ الْجَنَّةَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب زہری نے اسمٰعیل بن محمد بن ثابت انصاری سے کہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے ڈر ہے میں ہلاک نہ ہو جاؤں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ ہم اس کام پر تعریف کو پسند نہ کریں جو ہم نے نہ کیا ہو اور میں ایک ایسا انسان ہوں جسے تعریف پسند ہے اور اللہ نے ہمیں فخر کرنے سے روکا ہے اور مجھے حسن پسند ہے اور اللہ پاک نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ آپ کی مبارک آواز سے اپنی آواز بلند نہ کریں اور میں ایک ایسا آدمی ہوں جس کی آواز بلند ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ثابت! کیا تو پسند نہیں کرتا کہ تو اس طرح زندہ رہے کہ تیری تعریف ہو' اور تو قتل کیا جائے تو شہادت کا درجہ پائے اور جنت میں داخل ہو (اور ایسا ہی ہوا)۔

مذکورہ روایت میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی شان بیان کی گئی ہے کہ وہ ایسے آدمی تھے کہ وہ جہیر الصوت یعنی بلند آواز تھے ان کا اصل واقعہ ابھی تفاسیر سے پیش کروں گا۔ لیکن موطا امام محمد کی عبارت کی وضاحت یوں ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے اپنی ہلاکت کا ذکر کیا' نبی پاک ﷺ نے پوچھا تیری ہلاکت کس وجہ سے ہے؟ عرض کی: میرے میں کچھ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کی وجہ سے مجھے دوزخ کا ڈر ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا کہ جو تم نے عمل نہ کیا ہو اس پر تعریف کو پسند نہ کرو حالانکہ میں ایک ایسا آدمی ہوں جس کو تعریف پسند ہے دوسرا اللہ تعالیٰ نے تکبر سے منع فرمایا حالانکہ مجھے جمال پسند ہے' تیسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم اپنی آواز کو نبی علیہ السلام کی آواز پر بلند نہ کرو' اور میری آواز قدرتی ہی بلند ہے اس لیے میں ان تین چیزوں کی وجہ سے اپنے پر خوف کرتا ہوں کہ میں جہنمی نہ ہو جاؤں' ان تمام چیزوں کے جواب میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ تو اس طرح زندگی گزارے کہ تیری تعریف ہو اور تو قتل کیا جائے شہادت کی موت' تو نبی پاک ﷺ کے اس جواب میں اس کے تمام خدشات کا رفع ہو جاتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے جنتی قرار دے دیا تو اب جہنمی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اب رہا اس کی باتیں' اس کا تخیل کہ وہ کام جو میں نے نہیں کیا اس پر میری تعریف کی جائے اگرچہ یہ چیز منع ہے لیکن ثابت ابن قیس کا خوش ہونا وہ اس لیے نہیں تھا کہ کام تو کوئی کرے اور خوشی یہ منائے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ایک مسلمان اچھے کام کرے اور دوسرا اس پر خوشی منائے تو اس پر کوئی قباحت نہیں اور دوسرا انہوں نے فرمایا مجھے جمال پسند ہے تو اس کا حکم خود قرآن نے دیا ہے خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی اپنے آپ کو سنوارنا یہ منع نہیں ہے بلکہ صرف تکبر یعنی اگر کوئی اپنے آپ کو خوبصورت بناتا ہے تو [illegible] نہیں [illegible] جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: "اللّٰه جميل يحب

الجمال کہ اللہ خود خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے'' لہٰذا مطلقاً جمال منع نہیں ہے اور تیسری چیز جو انہوں نے عرض کی کہ میں جہیر الصوت ہوں اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر آواز بلند کرنے کو منع فرمایا ہے اور میری آواز آپ کی آواز پر بلند ہوتی رہتی ہے تو آپ نے فرمایا اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے پہلے جو تم نے اپنی آواز کو میری آواز پر بلند کیا وہ تو ویسے ہی معاف ہے اور آئندہ کے لیے جو منافقت کی وجہ سے میری آواز پر آواز بلند کرے گا وہ کافر اور جہنمی ہے کیونکہ اس نے اپنی آواز کو نبی علیہ السلام کی آواز پر توہین کے لیے بلند کیا اور نبی علیہ السلام کی توہین کفر ہے۔ اب میں یایھا الذین امنوا لا ترفعوا کا شان نزول تفاسیر سے نقل کرتا ہوں۔

"یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم" کا شان نزول اور اس کا حکم

وروی البخاری و مسلم عن انس رضی اللہ عنہما لما نزلت ھذہ الایۃ جلس ثابت بن قیس فی بیتہ وقال انا من اھل النار واحتبس فسال النبی ﷺ سعد بن معاذ فقال یا ابا عمرو ما شان ثابت اشتکی؟ قال سعد انہ جاری وما علمت لہ بشکوی فاتاہ سعد فقال انزلت ھذہ الایۃ ولقد علمتم انی ارفعکم صوتا علی رسول اللہ ﷺ فانا من اھل النار فذکر ذلک سعد للنبی ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ بل ھو من اھل الجنۃ وفی روایۃ انہ لما نزلت دخل بیتہ واغلق علیہ بابہ وطفق یبکی فافتقدہ رسول اللہ ﷺ فقال ما شان ثابت؟ قالوا یا رسول اللہ ﷺ ما ندری ما شانہ غیر انہ اغلق باب بیتہ فھو یبکی فیہ فارسل رسول اللہ ﷺ الیہ فسالہ ما شانک؟ قال یا رسول اللہ انزل اللہ علیک ھذہ الایۃ وانا شدید الصوت فاخاف ان اکون قد حبط عملی فقال ﷺ لست منھم بل تعیش بخیر وتموت بخیر والظاھر ان ذلک منہ رضی اللہ عنہ کان من غلبۃ الخوف علیہ والا فلا حرمۃ قبل النھی، وھو ایضا اجل من ان یکون ممن کان یقصد الاستھانۃ والایذ لرسول اللہ ﷺ برفع الصوت وھم المنافقون الذین نزلت فیھم الایۃ علی ما روی عن الحسن وانما کان الرفع منہ طبیعۃ لما انہ کان فی اذنہ صمم وعادۃ کثیر ممن بہ ذلک رفع الصوت والظاھر انہ

بخاری اور مسلم نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو ثابت ابن قیس اپنے گھر میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا میں جہنمیوں سے ہوں یہ کہہ کر بند ہو گیا' نبی پاک ﷺ نے سعد بن معاذ سے پوچھا اے ابو عمرو! ثابت کا کیا مسئلہ ہے؟ سعد نے فرمایا کہ میں اس کا پڑوسی ہوں لیکن میں اس کے حاضر ہونے کی وجہ نہیں جانتا' تو سعد بن معاذ اس کے پاس پہنچے (تو پوچھا تو مسجد میں کیوں نہیں آتا؟) اور ثابت ابن قیس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آیۃ کریمہ نازل ہو چکی ہے یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم اور تم سب میں سے میں ہی بلند آواز تھا رسول اللہ ﷺ کی ذات پر' اس لیے میں اہل جہنم سے ہوں اور سعد ابن معاذ نے اس کی ساری کلام سن کر نبی پاک ﷺ کو اطلاع دی' نبی علیہ السلام نے فرمایا ثابت ابن قیس جنتی ہے اور ایک روایت میں آتا ہے یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی تو ثابت ابن قیس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور رونا شروع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے جب اس کو گم پایا تو آپ نے فرمایا ثابت کا کیا مسئلہ ہے؟ تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ اس کے مسئلے کو ہم نہیں جانتے سوائے اس کے کہ اس نے اپنا دروازہ بند کیا ہوا ہے اور روتا رہتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی کو بھیج کر بلا لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تیرا کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ کیا آپ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے؟ (کہ تم اپنی آوازوں کو نبی علیہ السلام کی آواز پر بلند نہ کرو) تو آپ کو معلوم ہے کہ میں شدید الصوت یعنی سخت آواز ہوں اور مجھے خوف ہے اس بات کا کہ عمل ضبط کر لیے گئے' نبی پاک ﷺ نے فرمایا تم

بعد نزولها ترک هذه العادة ' فقد اخرج الطبرانی والحاکم و صححة ان عاصم بن عدی ابن العجلان اخبر النبی ﷺ بحاله فارسله الیه فلما جاء قال ما یبکیک یا ثابت؟ فقال اناصیت واتخوف ان تکون هذه الایة نزلت فی فقال له علیه الصلوة والسلام اما ترضی ان تعیش حمیدا وتقتل شهیدا وتدخل الجنة؟ قال رضیت ولا ارفع صوتی ابدا صوت رسول الله ﷺ واستدل العلماء بالایة علی المنع من رفع الصوت عند قبره الشریف ﷺ وعند قراة حدیثه علیه الصلوة والسلام لان حرمته میتا کحرمته حیا. وذکر ابو حیان کراهة الرفع ایضا بحضرة العالم وغیر بعید حرمته بقصد الایذء والاستهانة لمن یحرم ایذاؤه والاستهانة به مطلقا لکن للحرمة مراتب متفاوتة کما لا یخفی. (روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۳۷ زیر آیت یا ایها الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم 'سورۃ الحجرات' مطبوعہ بیروت)

لوگوں میں سے نہیں ہے (کہ جو میری توہین کے لیے اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں) بلکہ تو اچھی زندگی گزارے گا اور اچھی موت سے مرے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ثابت بن قیس کا یہ فعل اللہ کے خوف اور غلبہ سے تھا اور نہ نہی سے پہلے حرمت نہیں ہوتی اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ اللہ کے رسول کی توہین اور ایذا کے ارادے سے اپنی آواز کو بلند کرے جیسے منافق لوگ کرتے ہیں' یہ منافقوں کے حق میں آیت نازل ہوئی ہے۔ حسن سے روایت ہے کہ ثابت ابن قیس بلند آواز اس لیے تھے کہ ان میں بہرہ پن آ چکی تھی (اس لیے ان کی بلند آوازی تھی نہ کہ توہین کی نیت سے) اور بہرے لوگوں کی طبعی طور پر آواز بلند ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ثابت ابن قیس نے اس آیہ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد اپنی عادت کو ترک کر دیا۔ اور طبرانی نے روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اس لیے کہ عاصم بن عدی بن العجلان نے نبی پاک ﷺ کو خبر دی ثابت ابن قیس کے حال کی تو نبی پاک ﷺ نے اس کی طرف آدمی بھیج کر منگوالیا تو جب آیا تو آپ نے فرمایا: اے ثابت! کس چیز نے تجھے دکھ دیا کہ تو روتا ہے؟ اس نے عرض کی حضور میں بلند آواز ہوں اور مجھے خوف ہے کہ یہ آیہ کریمہ میرے حق میں نازل ہوئی ہے' نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو زندگی اچھی گزارے اور شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جائے اس نے کہا میں راضی ہوا اور میں کبھی بھی اپنی آواز کو رسول اللہ ﷺ کی آواز پر بلند نہیں کروں گا۔ علماء کرام نے اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے اس بات پر کہ اب نبی پاک ﷺ کی قبر شریف کے پاس بھی بلند آواز سے نہیں بولنا چاہیے اور نہ ہی آپ کی حدیث پڑھتے وقت' کیونکہ نبی پاک ﷺ کی حرمت حیات و ممات میں برابر ہے' ابو حیان نے بلند آوازی کو مکروہ کہا نبی علیہ السلام کے پاس اور حرمت جو ہے تو وہ ایذا اور توہین کی نیت سے ہے لیکن حرمت کے مختلف مراتب ہیں جیسے کہ مخفی نہیں۔

وعن ابن عباس نزلت فی ثابت بن قیس بن شماس وکان فی اذنه وقر وکان جهیر الصوت' وحدیثه فی انقطاعه فی بیته ایاما بسبب ذلک

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی اس کے کانوں میں بوجھ تھا اور وہ اونچا بولتا تھا' اسی سبب سے اس کے کئی دنوں تک گھر میں

مشھور وانہ قال یا رسول اللہ لما انزلت خفت ان یحبط عملی ' فقال لہ رسول اللہ ﷺ انک من اھل الجنۃ وقال لہ مرۃ اما ترضی ان تعیش حمیدا وتموت شھیدا فعاش کذلک ' ثم قتل بالیمامۃ رضی اللہ تعالی عنہ یوم مسیلمۃ.

(تفسیر بحر المحیط ' مصنفہ ابو حیان' ج۹ص۵۰۸' زیر آیت یا ایھا الذین امنوالاترفعوا'سورۃ الحجرات'مطبوعہ بیروت)

بیٹھے رہنے کی حدیث مشہور ہے۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب یہ آیت نازل ہوئی تو مجھے ڈر ہوا کہ میرے اعمال ضائع ہو جائیں گے' نبی ﷺ نے اسے فرمایا: تو جنتی ہے اور ایک بار اسے یہ فرمایا: کیا تو نہیں چاہتا تو قابلِ ستائش زندگی گذارے اور شہادت کی موت پائے' چنانچہ وہ ایسی ہی زندگی گذار کر مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ میں میدانِ یمامہ میں شہید ہوا۔

ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے چند امور واضح ہوئے (۱) نبی کی ذات کی توہین کرنا تو کجا نبی علیہ السلام کی آواز پر آواز کو توہین کی نیت سے بلند کرنا کفر ہے (۲) اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کو اپنی امت کے حال سے آگاہ فرمایا ہے کیونکہ جب ثابت ابن قیس نے کہا کہ میں اہل جہنم سے ہوں تو آپ نے فرمایا تو اہل جنت سے ہے (۳) نبی علیہ السلام کو اپنی امت کے افراد کی موت کی حیثیت کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دیا ہے یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے زید ابن ثابت کو کہا تیری زندگی بھی اچھی گزرے گی اور جب تمہاری موت آئے گی تو موت شہادت ہوگی (۴) جیسے نبی پاک ﷺ کی زندگی میں آپ کی آواز پر آواز کو بلند کرنا حرام تھا اور توہین کی نیت سے کرنے والا کافر تھا اسی طرح نبی پاک ﷺ کی قبر شریف کے پاس بھی آواز کو بلند کرنا حرام اور کفر ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ کے وصال شریف کے بعد آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا اور نبی علیہ السلام اپنی زندگی میں حیات ظاہری کے ساتھ زندہ ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۴۳۲- بَابُ صِفَةِ النَّبِيِّ ﷺ

نبی پاک ﷺ کے حلیہ مبارک کا بیان

۹۳۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا رَبِيْعَةُ بْنُ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلَيْسَ بِالْاٰدَمِ وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ عَلٰى رَاْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَلٰى رَاْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو بہت دراز قد تھے نہ پست قامت' نہ چونے کی طرح سفید رنگ تھا نہ بالکل گندمی رنگ' نہ آپ کے بال گھنگھر و دار تھے نہ بالکل سیدھے کھڑے تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس برس کی عمر میں مبعوث فرمایا (نبوت کا اعلان کیا) آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں دس سال رہے' اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر میں آپ کو اٹھا لیا اور آپ کے مبارک سر اور ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

چند مسائل کی وضاحت: مسئلہ اوّل: نبی علیہ السلام کی عمر شریف کتنی ہوئی؟

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی عمر شریف کتنی ہوئی ہے؟ مذکورہ باب میں ایک روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی جس میں انہوں نے یہ بیان فرمایا کہ نبی علیہ السلام کا قد شریف نہ زیادہ دراز تھا نہ زیادہ چھوٹا تھا' اور نہ ہی چونے کی طرح سفید تھا اور نہ ہی بالکل گندمی تھا' اور نہ ہی زیادہ گھنگھر و دار بال تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے تھے بلکہ جب کنگھی شریف پھیرتے تو وہ خم دار ہو کر گردن شریف پر پیچ کر کنڈل مارتے جو عمامہ شریف کے نیچے سے انتہائی خوبصورت معلوم ہوتے دوسرا نبی کریم ﷺ کی عمر شریف کا

ذکر فرمایا کہ چالیس سال پر آپ نے اعلان نبوت فرمایا اور چالیس سال کے بعد دس سال تک آپ مکہ شریف میں رہے اس کے بعد مدینہ شریف تشریف لائے اور دس سال ہی مدینہ شریف میں رہے اس حساب سے نبی علیہ السلام کی عمر شریف ساٹھ سال بنتی ہے۔ یاد رہے نبی علیہ السلام کی عمر شریف کے بارے میں تین روایات ہیں ساٹھ سال' تریسٹھ سال اور پینسٹھ سال مدنی زندگی میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ دس سال ہی ہے' بعثت کے بعد مکی زندگی میں اختلاف ہے' بعض نے دس سال لکھے' بعض نے تیرہ اور بعض نے پندرہ لہٰذا ان مختلف روایات کی وجہ سے ساٹھ' تریسٹھ اور پینسٹھ سال آپ کی عمر شریف بنتی ہے لیکن یاد رہے ساٹھ سال اور پینسٹھ سال کی دونوں روایات زیادہ مشہور نہیں ہیں اس لیے صحیح اور ثقہ روایات یہی ہے کہ آپ نے بعثت کے بعد مکہ شریف میں تیرہ سال گزارے اس کے بعد مدینہ شریف میں دس سال گزارے' لہٰذا اس حساب سے آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی اور یہی جمہور کا قول ہے اور ساٹھ سال اور پینسٹھ سال والی بہت کم روایات ہیں اور تریسٹھ سال والی روایات بہت زیادہ اور کثیر تعداد میں بہت صحیح اور قوی ہیں' تریسٹھ سال والی روایات درج ذیل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة ان رسول الله ﷺ توفى وهو ابن ثلاث وستين سنة. عن جرير انه سمع معاوية يقول مات رسول الله ﷺ وهو ابن ثلاث وستين ومات ابو بكر وهو ابن ثلاث و ستين وعمر وهو ابن ثلاث وستين وانا اليوم ابن ثلاث وستين.

(شرح مشکل الآثار ص ۲۰۷ ج ۵' حدیث: ۱۹۴۸۔۱۹۵۰' مطبوعہ بیروت)

ابن شہاب زہری عروہ سے اور وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین سے روایت کرتے ہیں کہ مائی صاحب فرماتے ہیں نبی پاک ﷺ کا وصال ہوا اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ جریر سے روایت ہے کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا عمر تریسٹھ سال' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا عمر تریسٹھ سال' عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا عمر تریسٹھ سال اور امیر معاویہ فرماتے ہیں آج کے دن میری عمر بھی تریسٹھ سال ہے۔

نوٹ: مذکورہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں پہلی حدیث کے متعلق حاشیہ پر لکھا ہے "حديث صحيح اسناده على شرط البخاری یعنی یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا اسناد شرط بخاری کے مطابق ہے" اور دوسری حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے "اسناد صحيح على شرط مسلم رجال ثقاة رجال الشيخين یعنی اس حدیث کا اسناد صحیح ہے مسلم کی شرط پر اور اس کے تمام راوی مسلم و بخاری کے ہیں اور سب کے سب ثقہ ہیں"۔

اخبرنا محمد بن عمرو حدثنی سليمان بن بلال عن عتبة بن مسلم عن على ابن حسين قالوا جميعا توفى رسول الله ﷺ وهو بن ثلاث وستين سنة. (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۰۹' باب ذکر سن رسول اللہ ﷺ یوم قبض' مطبوعہ بیروت)

محمد بن عمرو نے ہمیں خبر دی اور حدیث بیان کی سلیمان بن بلال نے عتبہ بن مسلم سے علی ابن حسین سے یعنی امام زین العابدین سے اور ان تمام نے کہا کہ نبی پاک ﷺ کا وصال شریف تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

عن عائشة زوج النبی ﷺ ان رسول الله ﷺ توفى وهو بن ثلاث وستين سنة' قال ابن شهاب واخبرنا بن المسيب بذلك۔ رواه البخاری فی الصحيح عن يحيى بن بكير واخرجه مسلم من

سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی اور ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ ہمیں ابن المسیب نے بھی یہی خبر دی ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے صحیح میں یحییٰ ابن بکیر سے اور امام

وجه اخر عن الليث. عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ مكث بمكة ثلاث عشرة وتوفي وهو ابن ثلاث وستين. (دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۲۳۸ ج ۷، باب ما جاء فی مبلغ سن رسول اللہ ﷺ یوم توفی' مطبوعہ بیروت)

مسلم نے اس کو ایک اور سند سے بھی نقل کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ (بعثت کے بعد) تیرہ سال مکہ میں ٹھہرے اور آپ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

فقال جرير قبض رسول الله ﷺ وهو ابن ثلاث وستين سنة وقتل عمر وهو ابن ثلاث وستين سنة. عن انس بن مالك رضى الله عنه قال توفى رسول الله ﷺ وهو ابن ثلاث وستين سنة.

(شرح مشکل الآثار ج ۵ ص ۲۰۹' حدیث نمبر ۱۹۵۲۔ ۱۹۵۳' مطبوعہ بیروت)

جریر نے کہا نبی پاک ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی اور حضرت عمر شہید ہوئے تو آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کا وصال ہوا تو ان کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔

تریسٹھ سال کی ترجیح اور توثیق ملاحظہ فرمائیں۔

وروایة الجماعة عن ابن عباس فی ثلاث وستین اصح فهم اوثق واكثر وروايتهم توافق الرواية الصحيحة عن عروة عن عائشة واحدى الروايتين عن انس ' والرواية الصحيحة عن معاوية وهو قول سعيد بن المسيب وعامر الشعبي وابي جعفر محمد بن على رضى الله عنه.

(دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۴۱' باب ما جاء فی مبلغ سن رسول اللہ ﷺ یوم توفی' مطبوعہ بیروت)

ابن عباس سے ایک جماعت نے روایت کی ہے تریسٹھ سال کی جو کہ سب سے صحیح ہے وہ بہت زیادہ مضبوط اور کثرت سے واقع ہوئی ہے اور اس جماعت کی روایت جو انہوں نے ابن عباس سے کی ہے یہ روایت صحیحہ کے موافق ہے جب کہ عروہ' حضرت عائشہ صدیقہ اور انس ابن مالک رضی اللہ عنہم کی روایتوں سے ایک روایت اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت جو کہ سعید ابن المسیب کا قول ہے اور وہ قول سعید ابن المسیب' عامر شعبی اور ابو جعفر محمد بن علی یعنی امام باقر کی روایت کے موافق ہے۔

حاصل کلام یہ نکلا کہ سب سے زیادہ صحیح مضبوط ترین روایت وہی ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی تریسٹھ سالہ عمر ثابت کرتی ہے لہٰذا یہی معتبر اور اسی کو صحیح سمجھنا چاہیے۔

مسئلہ دوم: نبی علیہ السلام کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی؟

عام مشہور یہ ہے کہ ولادت با سعادت بارہ ربیع الاوّل کو ہوئی ہے اس کے علاوہ بھی ولادت کی تاریخیں دو ربیع الاوّل اور نو بھی کتب میں پائی جاتی ہیں لیکن ہمارا مسلک اور ہمارا معمول یہی ہے کہ ولادت النبی ﷺ پیر کے روز ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوئی یہی صحیح ہے۔

اعتراض: بعض لوگ کہتے ہیں کہ کتب احادیث میں نو کی ہی روایتیں آتی ہیں' بارہ ربیع الاوّل کو ولادت با سعادت کے متعلق کوئی حدیث نہیں ملتی اس لیے بارہ ربیع الاوّل کی ولادت کو خوشی منانا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ بارہ ربیع الاوّل کے ولادت با سعادت کے متعلق بھی روایات آئی ہیں لیکن یہ کہنا کہ بارہ ربیع الاوّل کے دن ولادت با سعادت کے متعلق کوئی روایت نہیں آئی یہ بہت بڑا جھوٹ اور بہتان ہے اور یہ صرف اس لیے گھڑا گیا ہے کہ اہل سنت والجماعت ۱۲ ربیع الاوّل کو ولادتِ با سعادت کی خوشی منا نہ سکیں۔

بارہ ربیع الاوّل کے دن نبی پاک ﷺ کی ولادت باسعادت کے متعلق چند روایات

روایت اوّل

وقیل لثنتی عشرة خلت منه نص علیه ابن اسحاق ورواه ابن ابی شیبة فی مصنفه عن عفان عن سعید بن میناء عن جابر وابن عباس انهما قالا ولد رسول الله ﷺ عام الفیل یوم الاثنین الثامن عشر من شهر ربیع الاول وفیه بعث وفیه عرج به الی السماء وفیه هاجر وفیه مات وهذا هو المشهور عند الجمهور. (البدایہ والنہایہ ج۲ ص۲۶۰ باب مولد رسول اللہ ﷺ مطبوعہ بیروت)

اور کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت شریف بارہ ربیع الاوّل کو ہوئی جس پر ابن اسحاق نے نص قائم کی اور اس کو ابن ابی شیبہ نے بھی اپنی مصنف میں ذکر کیا عفان سے اور انہوں نے سعید بن مینا سے انہوں نے جابر اور ابن عباس سے حضرت جابر اور عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں نبی پاک ﷺ کی ولادت عام فیل (یعنی ابرہہ کے مکہ پر چڑھائی کرنے کے سال) پیر کے دن اٹھارہ ربیع الاوّل کے دن اور آپ کی ولادت شریف پیر کے دن ہوئی اور پیر کے دن ہی معراج ہوئی اور پیر کے دن ہی آپ نے ہجرت فرمائی اور پیر کے دن ہی آپ کا وصال ہوا۔

نوٹ: البدایہ کی عبارت میں الثامن عشر کا لفظ ہے یہ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہے جیسے کہ اس کی اصل پر لکھا گیا ہے اصل میں لفظ الثانی کاتب نے غلطی سے الثامن لکھ دیا لہٰذا حدیث کا معنی یہ ہوا کہ جابر ابن عبداللہ اور ابن عباس دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت بارہ ربیع الاوّل پیر کے دن ہوئی۔

روایت دوم

قال ابن اسحاق، ولد رسول الله ﷺ یوم الاثنین لاثنتی عشرة لیلة مضت من ربیع الاول وكان مولده بالدار التی تعرف بدار ابن یوسف. (الکامل فی التاریخ ج۱ ص۴۵۸ باب ذکر مولد رسول اللہ ﷺ مطبوعہ بیروت)

ابن اسحاق نے کہا پیر کے دن بارہ ربیع الاوّل کو رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے اور آپ کی ولادت باسعادت اس حویلی میں ہوئی جو ابن یوسف کے نام سے مشہور ہے۔

روایت سوم

عن محمد بن اسحق المطلبی، قال ولد رسول الله ﷺ یوم الاثنین لاثنتی عشرة لیلة خلت من شهر ربیع الاول عام الفیل. (سیرت النبویہ المعروف سیرت ابن ہشام ج۱ ص۱۷۱ باب ولادۃ رسول اللہ ﷺ مطبوعہ مکۃ المکرمہ)

محمد بن اسحٰق مطلبی سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ بارہ ربیع الاوّل پیر کے روز عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

روایت چہارم

ثم ولد رسول الله ﷺ عام الفیل لاثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول. (ابن خلدون ج۲

پھر پیدا ہوئے رسول اللہ ﷺ بارہ ربیع الاوّل کو سن فیل میں۔

ص ۴۰۷' باب المولد الکریم و بدء الوحی' مطبوعہ بیروت)

روایت پنجم

عن ابی جعفر محمد بن علی قال ولد رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین لعشر لیال خلون من شھر ربیع الاول وکان قدوم اصحاب الفیل قبل ذلک للنصف من المحرم' فبین الفیل وبین مولد رسول اللہ ﷺ خمس وخمسون لیلۃ.

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۰۔۱۰۱' باب ذکر مولد رسول اللہ ﷺ' مطبوعہ بیروت)

امام باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کی ولادت با سعادت بارہ ربیع الاوّل کو ہوئی اور ہاتھیوں کا لشکر لے کر ابرہہ نصف محرم کو مکہ شریف پہنچا لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی ولادت با سعادت اور ابرہہ کے لشکر لانے کے درمیان پچپن راتوں کا فاصلہ ہے۔

روایت ششم

(وقیل) ولد (لاثنی عشر)من ربیع الاول (وعلیہ عمل اھل مکۃ)قدیما وحدیثا فی (زیادتھم موضع مولدہ فی ھذا الوقت) فتحصل فی تعیین الیوم سبعۃ اقوال (والمشھور انہ) ﷺ (ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع)الاول وھو القول الثلث فی کلام المصنف (وھو قول) محمد (بن اسحق بن یسار امام المغازی (و) قول (غیرہ) قال ابن کثیر وھو المشھور عند الجمھور وبالغ ابن الجوزی وابن الجزار فنقلا فیہ الاجماع وھو الذی علیہ العمل. (شرح زرقانی' المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۳۲' ذکر تزوج عبد اللہ آمنۃ' مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

پیدا ہوئے نبی پاک ﷺ بارہ ربیع الاوّل شریف کو اسی پر عمل ہے پرانے اور نئے اہل مکہ کا اس بات میں کہ وہ زیارت کرتے ہیں اس وقت نبی پاک ﷺ کی جائے ولادت کی یعنی بارہ ربیع الاوّل کو۔ لہٰذا تاریخ ولادت کے بارے میں سات قول ہیں' سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ نبی پاک پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے' مصنف کی کلام میں یہ تیسرا قول ہے اور یہ قول محمد بن اسحٰق بن یسار' امام المغازی کا اور اس کے علاوہ دوسرے علماء کا' ابن کثیر نے کہا جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے' اور ابن جوزی اور ابن جزار نے یہاں تک پہنچایا کہ انہوں نے اس میں اجماع کو نقل کیا اور وہ وہی ہے کہ جس پر لوگوں کا عمل ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی ولادت با سعادت کا ذکر بارہ ربیع الاوّل کو کسی حدیث میں نہیں ملتا یہ ان کی کم علمی ہے یا وہ حسد' بغض اور بدعقیدگی کی وجہ سے اس پر زور دیتے ہیں تا کہ بارہ ربیع الاول کو آپ کی ولادت با سعادت کی خوشی منائی نہ جا سکے ورنہ آپ نے دیکھ لیا کہ میں نے بطور اختصار چھ عدد روایات پر اختصار کیا ورنہ کثیر کتب احادیث بارہ ربیع الاوّل کا ولادت با سعادت کے لیے ذکر ملتا ہے اور آپ نے آخر میں امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بھی پڑھ لی کہ جس میں انہوں نے اپنا مشاہدہ بھی پیش کیا اور جمہور کا فتویٰ بھی نقل کیا۔ اہل مکہ نئے پرانے یعنی مکہ مکرمہ قرون اولی سے لے کر آج تک اہل مکہ بارہ ربیع الاول کو اپنے گھروں سے نکلتے اس مقام مبارک کی زیارت کے لیے کہ جہاں رسول اللہ ﷺ کی ولادت شریف ہوئی تھی۔ اور امام جوزی اور امام ابن جزار نے بارہ ربیع الاول نبی علیہ السلام کی ولادت با سعادت پر امت کا اجماع نقل کیا اسی پر آج اس زمانے میں امر جاری اور ساری ہے اور میں کہتا ہوں جب قرون اولیٰ سے لے کر آج تک مکہ مکرمہ میں بارہ ربیع الاول کو ہی نبی علیہ السلام کی ولادت با سعادت کی خوشی منائی جا رہی ہے کیا اتنے دراز عرصہ میں مکہ شریف میں علماء حقانی اور ربانی نہ آئے' ضرور آئے لیکن کسی نے بھی اس

عمل کو غلط قرار دے کر بند کرنے کا حکم نہ دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزیں ہمیشہ ہمیشہ سے لے کر اہل مکہ کا معمول رہیں ایک تو بارہ ربیع الاول کو ہی ولادت باسعادت کا دن سمجھتے رہے' دوسرا ولادت باسعادت کی خوشی مناتے رہے' اس نجدی دور سے پہلے بالکل قریب زمانہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شمائم امدادیہ" میں نقل کیا کہ اہل حرمین شریفین کا یہ عمل ہے کہ نبی پاک ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں محفل میلاد مناتے ہیں تو جب ولادت باسعادت کا ذکر کرتے ہوئے عین ولادت باسعادت کی گھڑی کا ذکر آتا ہے تو سب محفل والے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس قیام میں بڑا سرور اور لذت معلوم ہوتی ہے نامعلوم لوگ اس کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ بہر صورت یہ بات ثابت ہوئی کہ نبی پاک ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول پیر کے روز ہوئی اور یہی اہل اسلام کا ہمیشہ سے عقیدہ رہا اور اسی تاریخ کو وہ مولد النبی ﷺ کی زیارت کرتے رہے اور خوشیاں مناتے رہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مسئلہ سوم: نبی پاک ﷺ کا وصال شریف ربیع الاوّل کی کس تاریخ کو ہوا؟

بعض لوگ جو کہ میلاد النبی ﷺ کی خوشی کے منکر ہیں وہ اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کا وصال شریف بارہ ربیع الاول کو ہوا ہے لہٰذا جو لوگ بارہ ربیع الاول کو نبی علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی خوشی مناتے ہیں وہ معاذ اللہ نبی پاک ﷺ کے وصال کی خوشی مناتے ہیں۔ جو کہ حب رسول کے خلاف ہے بلکہ یہ بغض رسول ہے تو اس قسم کے دھوکے دے کر نبی پاک ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی سے لوگوں کو روکنے کی ہمیشہ کوشش کرتے ہیں لیکن ان کی سب اس قسم کی کوششوں کے باوجود پوری دنیا میں اور خصوصاً ملک پاکستان میں بارہ ربیع الاول کو ہی ولادت باسعادت کی خوشی منائی جاتی ہے۔ پاکستان میں تو بارہ ربیع الاول کو پاکستان کے ہر شہر کو اہل شہر دلہن کی طرح شہر کو بناتے ہیں' جلوس نکالتے ہیں' دیگیں پکاتے ہیں' محافل مناتے ہیں کہ جن میں نعت خوانی اور تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور بلکہ اس وقت تو ملک پاکستان میں حکومت کی طرف سے بارہ ربیع الاول شریف کو ولادت باسعادت کی خوشی منائی جاتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو ہی آپ کی ولادت ہے اور بارہ ربیع الاول کو ہی آپ کا وصال ہے اس لیے بارہ ربیع الاول کو سوگ اور غم منانا چاہیے۔ ان سے فقیر سوال کرتا ہے کہ تم بتاؤ سوگ اور غم منانا زیادہ سے زیادہ کتنے روز کے لیے شرح میں مذکور ہے تو وہ تین دن یا زیادہ سے زیادہ چار ماہ دس دن اس عورت کے لیے ہے کہ جس کا خاوند مر جائے اس سے زیادہ سوگ اور غم منانے کا شرح میں ثبوت نہیں ملتا۔ تو اب ان سوگ منانے کے دعوی داروں سے میں پوچھتا ہوں کہ تم چودہ سو سال کے بعد کس سوگ اور غم منانے کا لوگوں کو تاثر دیتے ہو اور لوگوں کو خوشی منانے سے روکتے ہو اور اب میں ان سے پوچھتا ہوں کہ غمی کی حد تو شرح نے مقرر کی اب خوشی کی حد تم شرح سے بیان کرو اور تم اس کی حد کبھی نہ بیان کر سکو گے کیونکہ قرآن مجید میں نص صریح ہے' اعلان فرمایا۔ "قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا یعنی اے محبوب! ﷺ آپ فرما دیں اللہ کے فضل اور رحمت ملنے کے وقت تم خوشیاں مناؤ" اور اب میں ان سے پوچھتا ہوں کہ مسلمان کے لیے سب سے بڑا اللہ کا فضل اور رحمت کون ہے تو وہ رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے تو جب چھوٹا فضل اور رحمت ملنے پر خوشی منانے کا حکم دیا گیا تو سب سے بڑے فضل اور رحمت ملنے پر خوشی منانے کا بطریق اولیٰ حکم دیا گیا لہٰذا قرآن کی اس آیت سے ثابت کر دیا قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک اللہ کا بہت بڑا فضل اور رحمت ہے لہٰذا آیت نازل ہونے سے لے کر قیامت تک مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی ذات مبارک جو آپ کو اللہ کے فضل اور رحمت سے ملی ہے اس کی ہمیشہ ہمیشہ خوشی مناتے رہو لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے لیے بارہ ربیع الاول کو غم منانا ان لوگوں کا کام ہے کہ جن کا قانونِ شریعت سے کوئی تعلق نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خوشی نہیں ہے اسی

طرح آپ ﷺ کے وصال شریف کی بھی ان کو غمی نہیں ہے اور صرف یہ غمی کا جو نام لیتے ہیں تو اس لیے کہ بارہ ربیع الاول کو لوگ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خوشی نہ منائیں۔

اور یاد رہے یہ جو کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا وصال مبارک بارہ ربیع الاول کو ہوا یہ بھی متفق علیہ نہیں ہے اگرچہ بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ آپ کا وصال شریف بارہ ربیع الاول کو ہے لیکن محققین نے اس کو تسلیم نہیں کیا بلکہ وہ کہتے ہیں آپ کا وصال شریف دو ربیع الاوّل کو ہوا ہے اب رہی یہ بات کہ دو ربیع الاوّل کی کوئی روایت دکھائیں تو پھر مانتے ہیں۔

دو ربیع الاوّل کو آپ کے وصال شریف پر چند روایات

روایت اوّل

عن محمد بن قیس ان رسول الله ﷺ اشتکی یوم الاربعاء لاحدی عشرة لیلة بقیت من صفر سنة احدی عشرة فاشتکی ثلاث عشرة لیلة ' وتوفی ﷺ یوم الاثنین للیلتین مضتامن شهر ربیع الاول سنة احدی عشرة. (طبقات ابن سعد ج۲ ص۲۷۲' باب ذکر کم مرض رسول الله ﷺ الذی توفی فیہ' مطبوعہ بیروت)

محمد ابن قیس سے روایت ہے کہ بدھ کے روز انیس صفر کو رسول اللہ ﷺ کی بیماری کا آغاز ہوا' سن ہجری ۱۱ھ میں' لہٰذا آپ تیرہ دن بیمار رہے اس کے بعد پیر کے روز دو ربیع الاول ۱۱ھ کو آپ کا وصال شریف ہوا۔

روایت دوم

توفی رسول الله ﷺ وهو فی صدر عائشة وذلک یوم الاثنین حین زاغت الشمس لاثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول هکذا ذکر بعضهم وقال السهیل لا یصح ان یکون وفاته یوم الاثنین الا فی ثالث عشرة او رابع عشرة لاجماع المسلمین علی ان وقفة عرفة کانت یوم الجمعة وهو تاسع ذی الحجة وکان المحرم اما بالجمعة واما بالسبت فان کان السبت فیکون اول صفر اما الاحد اوالاثنین فعلی هذا لا یکون الثانی عشر من شهر ربیع الاول بوجه وقال الکلبی انه توفی فی الثانی من شهر ربیع الاول. (سیرۃ الحلبیہ ج۳ ص۴۷۳' باب یذکر فیه مرة مرضه' وما وقع فیه وفاته ﷺ التی هی مصیبة الاولین والاخرین من المسلمین' مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

نبی ﷺ کا وصال شریف ہوا اس حال میں کہ آپ کا سر مبارک سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے سینے پر تھا پیر کے روز سورج ڈھلنے کے وقت بارہ ربیع الاول کو آپ کا وصال شریف ہوا جیسے کہ بعض نے ذکر کیا اور امام سہیل کہتا ہے (بارہ ربیع الاول کو وصال شریف کا قول) صحیح نہیں ہے اس طرح کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ وفات شریف آپ کی پیر کے روز ہو مگر تیرہ یا چودہ ہوسکتی ہے اس لیے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے اس بات پر کہ نبی علیہ السلام کا وقوف عرفہ نو ذوالحج جمعہ کے روز ہوا تو اس حساب سے یکم محرم یا جمعہ کو یا ہفتہ کو ہوگا اگر ہو ہفتہ تو پہلی صفر کی یا اتوار کو ہوگی یا پیر کو اس حساب کے اعتبار سے نبی پاک ﷺ کا وصال شریف بارہ ربیع الاوّل کو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ امام کلبی نے فرمایا نبی پاک ﷺ کا وصال شریف دو ربیع الاوّل کو ہوا۔

روایت سوم

حدثنا الصقعب بن زهیر عن فقهاء اهل

حدیث بیان کی ہمیں صقعب بن زہیر نے فقہاء اہل حجاز

الحجاز قالوا قبض رسول الله ﷺ نصف النهار یوم الاثنین للیلتین مضتا من شہر ربیع الاول.

(تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۷ ثم دخلت سنۃ احدی عشرۃ ذکر الاحداث التی کانت فیہا مطبوعہ بیروت ۔ لبنان)

سے انہوں نے کہا نبی پاک ﷺ کا وصال شریف دو ربیع الاول کو بارہ بجے کے قریب ہوا۔

روایت چہارم

اختلف اهل العلم فی الیوم الذی توفی فیه بعض اتفاقهم علی انه یوم الاثنین فی شهر ربیع الاول فذکر الواقدی وجمهور الناس انه الثانی عشر قال ابو الربیع بن سالم وهذا لایصح وقد جری فیه علی العلماء من الغلط ما علینا بیانه وقد تقدمه السهیلی الی بیانه بان حجة الوداع کانت وقفها یوم الجمعة فلا یستقیم ان یکون یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول سوا متمت الاشهر کلها او نقصت کلها اواتم بعضها ونقص بعضها وقال الطبری یوم الاثنین للیلتین مضتا من شهر ربیع الاول (شرح شمائل محمدیہ ج ۲ ص ۳۱۲ باب ما جاء فی وفاۃ رسول اللہ ﷺ مطبوعہ بیروت)

اہل علم نے اس دن کے بارے میں اختلاف کیا کہ جس میں آپ کا وصال ہوا بعض اس کے کہ انہوں نے اتفاق کیا اس بات پر کہ نبی پاک ﷺ کا وصال شریف پیر کے روز ربیع الاول میں ہوا برابر ہے (نو ذوالحج سے لے کر ربیع الاول تک) سب مہینے تیس کے شمار کریں یا انتیس کے شمار کریں یا بعض انتیس کے اور بعض تیس کے شمار کریں تو کسی طرح بھی بارہ ربیع الاول کو پیر کے دن نبی پاک ﷺ کا وصال شریف ثابت نہیں ہو سکتا (بلکہ تیرہ ربیع الاول یا چودہ ربیع الاول بروز پیر کو بن سکتا ہے کہ جس کا کوئی قائل نہیں) لہٰذا طبری نے کہا آپ کا وصال شریف دو ربیع الاول پیر کے دن بن سکتا ہے۔

یاد رہے کہ تاریخ طبری اور شرح شمائل محمدیہ اور سیرۃ الحلبیہ کی عبارت اگر سمجھ میں آ جائے تو پھر اٹل فیصلہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کا وصال شریف پیر کے روز دو ربیع الاول کو ہی بن سکتا ہے' پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو نہیں بن سکتا کیونکہ مذکورہ کتب میں حضرت امام ابوالربیع بن سالم نے شرح شمائل محمدیہ میں اور امام صعقب بن زبیر جو اہل حجاز کے امام ہیں انہوں نے امام سہیل سے سیرۃ حلبیہ میں ان سب نے متفق علیہ یہ بات کہی کہ پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو نبی پاک ﷺ کا وصال شریف نہیں بن سکتا۔ اور جن علماء نے لکھا ہے پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو نبی پاک ﷺ کا وصال شریف ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ ابوالربیع بن سالم نے تو یہاں تک کہہ دیا ان علماء سے غلطی ہوئی اور ہمارا فریضہ بنتا ہے کہ ہم اس کو بیان کریں پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو نبی علیہ السلام کے وصال ہونے کا قول یہ اجماع کے خلاف ہے کیونکہ دو چیزوں پر اجماع ہے کہ جس کی کسی نے مخالفت نہیں کی ایک تو یہ ہے کہ جمعہ کے روز نو ذوالحج کو نبی علیہ السلام نے حجۃ الوداع کیا ہے یعنی سب سلف وخلف کا اس پر اعتقاد ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا نو ذوالحج جمعہ کا دن تھا دوسرا اس بات پر اجماع ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو پیر کا روز تھا یعنی اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ نبی پاک ﷺ کا وصال بروز پیر کے علاوہ کسی اور دن میں ہوا ہو۔ ان دو عدد اجماع کو سامنے رکھ کر دونوں کی تنقیح کر لو اور بار بار حساب لگا لو تو پیر کے روز بارہ ربیع الاول ہرگز نہیں بن سکتا چاہے ذوالحج' محرم' صفر ان تینوں مہینوں کو تیس دن کے بنا لو یا تینوں کو ہی انتیس کے مہینے شمار کر لو یا بعض کو انتیس اور بعض کو تیس کے بنا لو تو پیر کے دن ربیع الاول کی بارہ تاریخ ہرگز نہیں بن سکتی۔ امام سہیل نے فرمایا تیرہ' چودہ ربیع الاول تو بن سکتی ہے مگر بارہ ربیع الاول پیر کے روز ہرگز نہیں بن سکتی بہرصورت ائمہ کا یہ دعویٰ

ہے کہ بارہ ربیع الاول کو پیر کا دن ہرگز نہیں بنتا حالانکہ پیر کے دن نبی علیہ السلام کے وصال پر اجماع ہے اس کی مخالفت اجماع کی مخالفت ہے جو کہ صرف روایت پرستی پر موقوف ہے حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے دو ربیع الاول کو پیر کے دن نبی پاک ﷺ کا وصال ہوا ہو کیونکہ ذوالحج، محرم اور صفر تینوں کو اگر انتیس کے مہینے شمار کیے جائیں تو ربیع الاول کی دو تاریخ کو پیر کا دن آتا ہے اور اس کا آسان حساب ہے ذی الحج کی انتیس تاریخ جمعرات کو ہوگی اور یکم محرم جمعہ کا دن ہوگا اور اسی طرح محرم کی انتیس تاریخ جمعہ کا دن ہوگا اور ہفتہ کو یکم صفر ہوگی اور انتیس صفر کو ہفتہ ہوگا اور اتوار کو یکم ربیع الاول کی ہوگی اور پیر کے دن دو ربیع الاول ہوگی۔ یہی حق اور تحقیق کے مطابق ہے اس لیے مذکورہ ائمہ نے دو ربیع الاول پیر کے روز نبی پاک ﷺ کا وصال شریف نقل کیا ہے اور بارہ ربیع الاول کو نبی پاک ﷺ کے وصال شریف کا انکار کیا ہے اور کہا ہے جن علماء نے بارہ ربیع الاول کو نبی علیہ السلام کا وصال لکھا ہے یہ ان سے غلطی ہوئی ہے جس کا ازالہ ہم نے کیا ہے۔

تو قارئین کرام! جو لوگ منکر میلاد مصطفیٰ ﷺ ہیں وہ اسی روایت کو لے کر کہتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو نبی علیہ السلام کا وصال ہے لہٰذا بارہ ربیع الاول کو میلاد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی منانا منع ہے لیکن یہ ان کا اعتراض ان کی زبان تک محدود ہے کہ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اب ہم نے علماء محققین کی جو تحقیق پیش کی ہے یہ پورا زور لگا کر اس کی تردید کریں تو نہیں کرسکیں گے تو لہٰذا جب ربیع الاول کی دو تاریخ کو نبی علیہ السلام کا وصال مبارک محقق اور تصدیق شدہ ہے اب تو ان لوگوں کے لیے یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ بارہ ربیع الاول کو نبی ﷺ کے وصال کا دن ہے لہٰذا اس دن خوشی نہیں منانی چاہیے تو جب ان کا اعتراض ختم ہوگیا تو اب ان کو بارہ ربیع الاول کو میلاد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی منانی چاہیے جیسا کہ میں نے نبی پاک ﷺ کے میلاد پاک کو بارہ ربیع الاول کو کئی روایات سے ثابت کیا ہے اور پھر امام زرقانی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ قدیم زمانے سے لے کر اہل مکہ بارہ ربیع الاول کو ہی اس بقعۂ مبارکہ کی زیارت کے لیے نکلتے ہیں کہ جس بقعۂ مبارکہ میں نبی علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی اور کثیر کتب میں یہ ملتا ہے کہ مولد النبی ﷺ کا مقام اہل حرمین کے نزدیک بہت ہی عرفہ اور اعلیٰ اور معظم رہا بلکہ ایک روایت میں، میں نے پڑھا جس کا نام خیزران تھا اس نے اس جگہ مسجد بنوائی تھی تاکہ جگہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے، کوئی ایسا زمانہ نہ آجائے کہ کچھ بددین لوگ اس کو گرادیں اور اس یادگار کو ضائع کردیں لیکن بدنصیبی سے ان نجدیوں کا دور آیا تو انہوں نے پہلے تمام آثار کو مٹا کر ایک لائبریری بنادی جس میں کس وناکس جوتیاں پہنے ہوئے بے ادبی کے ساتھ پھرتا نظر آتا ہے اور میں نے ۱۹۷۰ء میں اس لائبریری میں داخل ہوکر یاد مصطفیٰ ﷺ میں آنسو بہائے اور اب کئی سالوں سے جب بھی گیا ہوں تو لائبریری کو بند ہی پایا ہے نامعلوم وہ کس وقت کھلتی ہوگی مگر اکثر اوقات بند رہتی ہے مگر اکثر عاشق لوگ جاتے اس لائبریری کی دیواروں سے چمٹ کر رو کر واپس آجاتے ہیں بہرصورت بات لمبی ہوگئی مقصود یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی ولادت باسعادت ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی ہے اب ان علماء کو جو منکر میلاد ہیں بارہ ربیع الاول کو نبی پاک علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی خوشی منانی چاہیے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۴۳۳- بَابُ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنْ ذٰلِكَ

نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر حاضری کا بیان

۹۳۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَوْ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ جَاءَ قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ فَصَلّٰى عَلَيْهِ وَدَعَا ثُمَّ انْصَرَفَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا عبداللہ بن دینار نے کہ عبداللہ بن عمر جب سفر کا ارادہ کرتے یا سفر سے واپس آتے تو نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے قریب درود پڑھتے، دعا کرتے پھر واپس ہوتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰكَذَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّفْعَلَهُ اِذَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ يَأْتِيْ قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ.

امام محمد کہتے ہیں کہ جب کوئی مدینہ منورہ آئے تو اسے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہونا چاہیے۔

نبی پاک ﷺ کی قبر مبارک کے متعلق امام محمد نے ایک روایت نقل کی کہ عبد اللہ ابن عمر جب بھی سفر کا ارادہ کرتے تو رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری دیتے اور جب سفر سے آتے تو پھر بھی آپ کی قبر انور کی حاضری دیتے اور پھر گھر آتے اور احناف کے امام' امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو عبد اللہ ابن عمر نے عمل کیا' یہی ہمیں بھی کرنا چاہیے۔ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپسی فرماتے تو ان کی یہی نیت ہوتی کہ میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوں گا اور پھر گھر جاؤں گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا سنتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔

نبی علیہ السلام کی قبر مبارک کے متعلق چند مسائل ہیں۔

نبی علیہ السلام کی قبر شریف اور روضہ شریف کے متعلق چند معلومات

مسئلہ اوّل: نبی علیہ السلام کی قبر شریف میں لحد موجود ہے یا نہیں؟

نبی علیہ السلام کی قبر شریف بنانے کے وقت اختلاف ہوا بعض کہنے لگے اس میں لحد ہونی چاہیے' بعض کہتے تھے اس میں لحد نہیں ہونی چاہیے' مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام میں سے جو جلیل القدر صحابہ قبر نکالتے تھے ایک حضرت ابوطلحہ اور دوسرے عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہما تھے تو یہ بات طے پائی ان دونوں کی طرف آدمی بھیج دیتے ہیں جو پہلے آ جائے وہ اپنے طریقے پر عمل کرے' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ قبر میں لحد تیار کرتے تھے اور عبیدہ ابن الجراح لحد نہیں بناتے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی طرف آدمی بھیج دیئے لیکن حضرت ابوطلحہ' عبیدہ ابن جراح سے پہلے پہنچ گئے لہٰذا انہوں نے نبی علیہ السلام کی قبر شریف میں لحد کو تیار کیا اس لیے فقہاء کرام کا یہی فتویٰ ہے اگر قبر کو کوئی خطرہ نہ ہو تو لحد والی قبر بنانا افضل ہے۔

عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس قال لما ارادوا ان يحفروا لرسول الله ﷺ كان بالمدينة رجلان ابو عبيدة بن الجراح يفرح حفر اهل مكة وكان ابو طلحة الانصارى هو الذى يحفر لاهل المدينة وكان يلحد فدعا العباس رجلين فقال لاحدهما اذهب الى ابى عبيدة وقال للاخر اذهب الى ابى طلحة اللهم خر لرسولك فوجد صاحب ابى طلحة ابا طلحة فجاء به فالحد له. (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۹۸' ذکر حفر قبر رسول اللہ ﷺ' مطبوعہ بیروت)

داؤد ابن حصین حضرت عکرمہ سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب صحابہ نے نبی پاک ﷺ کی قبر کھودنے کا ارادہ کیا تو مدینہ طیبہ میں دو آدمی قبر کھودتے تھے۔ حضرت عبیدہ ابن جراح اہل مکہ کی قبریں بغیر لحد کے بناتے تھے' حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کی قبریں کھودتے اور لحد بناتے تھے' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو بلایا ایک کو کہا تو عبیدہ ابن جراح کی طرف جا اور دوسرے کو کہا کہ تو ابوطلحہ کی طرف جا (جب وہ دونوں چلے گئے) تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اپنے رسول کے لیے جیسی تو قبر پسند کرتا ہے اسی قسم کے بنانے والے کو پسند فرما تو جو آدمی ابوطلحہ کی طرف گیا تھا اس نے ابوطلحہ کو پا لیا تو وہ اس کو لے کر آ گیا' لہٰذا ابوطلحہ نے نبی پاک ﷺ کی قبر تیار فرمائی اور اس میں لحد بنائی۔

لحد والی قبر بنانے کے متعلق فرمان رسول ﷺ

عن جرير بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال الحدوا ولا تشقوا فان اللحد لنا والشق لغيرنا. عن عامر بن سعد (بن ابی وقاص عن سعد حين حضرته الوفاة قال) الحدوا لی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا كما صنع برسول الله ﷺ انفرد باخراجه مسلم. (الوفا باحوال المصطفیٰ' فی ذکر لحدہ ج ۲ ص ۷۹۸' مطبوعہ المکتبہ نوریہ رضویہ' لائل پور' پاکستان)

جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا قبروں میں لحد بناؤ اور چیرویں قبر نہ بناؤ کیونکہ لحد ہمارے لیے ہیں اور چیرویں ہمارے غیر کے لیے ہے۔ عامر بن سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ سعد ابن ابی وقاص کا جب نزع کا وقت آیا تو انہوں نے فرمایا میری قبر میں لحد بناؤ لہٰذا انہوں نے لحد بنائی دوسری وصیت فرمائی میری قبر پر کچی اینٹیں کھڑی کر دینا جیسے رسول اللہ ﷺ کی قبر پر کچی اینٹیں کھڑی کی گئیں۔

قارئین کرام! یہ بات مسلمہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی قبر شریف کو اونچا کیا گیا اور اسی لیے صحابہ کرام نے بھی وصیت کی کہ میری قبر کو بھی اونچا کیا جائے جیسے نبی پاک ﷺ کی قبر کو اونچا کیا گیا۔ نامعلوم نجدیوں نے کہاں سے یہ عمل فرض اور واجب سمجھا ہے زیادہ سے زیادہ وہی حدیث ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی قبروں کو مٹا دینے کے لیے کہا تو وہ حکم تو مشرکین کی قبروں کے لیے ہے نہ کہ مسلمانوں کی قبروں کے لیے اور اب ہم جب جنت البقیع میں جاتے ہیں تو یہ تمیز بھی نہیں کر سکتے کہ امہات المؤمنین میں سے یہ کس ماں کی قبر ہے؟ یا کس صحابی کی قبر ہے اور نجدی حکومت آنے سے پہلے جنت البقیع کے پرانے نقشے اٹھا کر دیکھو تو اس میں قبہ جات اور نمبروں کے مناظر نظر آتے ہیں لیکن سب ان کو مٹا کر ان امہات المؤمنین کی قبروں کے لیے ایک چھوٹا سا تھڑا بنایا ہوا ہے۔ جس میں تین قبروں سے زیادہ چوتھی قبر کی گنجائش نہیں اور کس قدر قوی عمل ہے اس قسم کے نفوس قدسیہ کی قبروں تک کو مٹا دیا گیا ہے از صریح حدیث میں آتا ہے عثمان ابن مظعون کی قبر تیار ہونے کے بعد نبی پاک ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے ایک بہت بڑا پتھر ان کے سر کے پاس گاڑ دیا اور فرمادیا کہ یہ میرے بھائی کی یادگار رہے گی' صحابہ کرام فرماتے ہیں ہم جوانی کے عالم میں چھلانگ لگاتے تو عثمان ابن مظعون کے سر کے پاس گاڑے ہوئے پتھر کے اوپر سے کوئی بھی چھلانگ نہ لگا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے اور جلیل القدر صحابہ کرام عبدالرحمٰن بن عوف' سعد ابن ابی وقاص' عثمان ابن مظعون جیسے صحابہ کرام کی قبروں کو پہلی شکل پر تعمیر کریں۔

مسئلہ دوم: رسول اللہ ﷺ کی قبر کی شکل مسنم تھی

یعنی رسول اللہ ﷺ قبر شریف کی شکل ایسی تھی جیسی اونٹ کی کوہان ہوتی ہے یعنی جو لوگ اپنی قبروں کو چورس سطح پر بناتے ہیں اور ایک تھڑا سا بنا دیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے جیسا کہ طبقات ابن سعد میں اس کے متعلق روایت یوں موجود ہے:

حفص بن عمر بن سعد قال كان قبر النبی ﷺ وابی بكر و عمر مسنمة عليها نقل. (طبقات ابن سعد' ذکر تسنیم قبر رسول اللہ ﷺ' مطبوعہ بیروت)

حفص بن عمر بن سعد سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں نبی پاک ﷺ عمر' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی قبریں کوہان کی طرح تھیں اور ان پر لکھا ہوا تھا (یعنی ان کے نام لکھے ہوئے تھے)۔

مسئلہ سوم: نشانی کے لیے قبر پر لکھنا جائز ہے

فان ائمة المسلمين من المشرق الی

مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کا عمل ہے کہ قبروں پر لکھے

المغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل اخذ به الخلف عن السلف ويتقوى بما اخرجه ابو داود باسناد جيد ان رسول الله ﷺ حمل حجرا فوضعها عند راس عثمان بن مظعون وقال اتعلم بها قبر اخي.

ہیں اور یہ ایسا عمل ہے کہ خلف نے سلف سے پکڑا ہے اور اس کی تقویت ابوداؤد کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس کی سند مضبوط ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ایک پتھر کو اٹھا کر عثمان ابن مظعون کی قبر کے سر کے پاس رکھ دیا آپ نے فرمایا: کیا اس کے ساتھ میرے بھائی کی قبر پہچانی جائے گی یعنی پہچانی جائے گی۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۳۸' باب مطلب فی دفن المیت' مطبوعہ مصر)

اس سے ثابت ہوا کہ قبروں کے سر کے پاس تختی لکھ کر لگانا یا کوئی بھاری پتھر رکھنا تا کہ اس آنے والے کی قبر پہچانی جا سکے' جائز ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مسئلہ چہارم

قبروں پر پانی کا چھڑکاؤ کرنا اور کنکر ڈالنا یہ سنت صحابہ ہے اگر چہ اب بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔

محمد بن عمرو بن حزم ان النبی ﷺ رش علی قبره الماء. عن جابر بن عبد الله قال رش علی قبر النبی ﷺ بالماء. (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۰۶' ذکر رش الماء علی قبر رسول اللہ ﷺ' مطبوعہ بیروت)

محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کی قبر شریف پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا۔ جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا۔

عن عمرو بن عثمان قال سمعت القاسم بن محمد يقول اطلعت وانا صغير على القبور فرايت عليها حصباء حمراء. (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۰۷' ذکر تسنیم قبر رسول اللہ ﷺ' مطبوعہ بیروت)

عمرو بن عثمان سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں میں نے قاسم ابن محمد سے سنا وہ کہتے تھے میں نے (تینوں قبور) کی زیارت کی باوجود اس بات کے کہ میں چھوٹا تھا تو میں نے ان قبروں پر سرخ قسم کے کنکر پڑے ہوئے دیکھے۔

یاد رہے مشکوۃ شریف میں بھی حدیث ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی نبی علیہ السلام کی قبر پر پانی کی مشک کو لے کر چھنکاؤ کیا اور قبر شریف پر کنکر ڈالے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے قبروں پر پانی کا چھنکاؤ کرنا' قبروں پر کنکر ڈالنا یہ سنتِ صحابہ ہے لہٰذا اس کو بدعت کہنے والے احادیث سے ناواقف ہیں۔

مسئلہ پنجم

قبر شریف کے اردگرد حجرہ شریف کی تبدیلی اور اس پر گنبد خضری کی تعمیر کی تاریخ اور اصل واقعہ یہ ہے:۔

حجرۂ مبارک کے بیان میں جو قبور شریف پر مشتمل ہے

پہلے پہل یہ حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر مبارک میں شامل تھا' یہ کھجور کی شاخوں سے بنا ہوا تھا اور یہ حضرت سید عالم ﷺ کے دوسرے حجروں کی مانند تھا جس طرح معلوم ہو چکا ہے۔ سرور عالم ﷺ کو بحکم الٰہی جل شانہٗ اسی میں دفن کیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں رہتی تھیں' ان کے گھر اور قبر شریف کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔ آخر سبب جرأت اور لوگوں کے بے تحاشا آنے جانے اور اس جگہ سے خاک پاک اٹھا کر لے جانے سے بی بی صاحبہ نے مکان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور درمیان میں ایک دیوار کھینچوائی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دفن ہونے کی مدت تک عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا جس طرح بھی ہو سکتا' آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر پر جاتی تھیں اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں دفن ہوئے پھر وہ بغیر مکمل پردہ اور کمال حجاب کے قبور شریف کی زیارت کو نہ آتیں' جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی توسیع کی' حجرہ شریف کو کچی اینٹوں سے بنوایا اور وہ حجرہ زمانہ عمارت ولید بن عبد الملک تک ظاہر رہا' عمر بن عبد العزیز نے ولید کے حکم سے اس کو گرا دیا اور منقش پتھروں سے پھر بنایا اور اس کے باہر ایک خطیرہ دوسرا بنایا اور ان دونوں خطیروں میں سے کسی ایک میں دروازہ نہ رکھا' بعض کہتے ہیں کہ سمت شمال میں ایک دروازہ تھا لیکن مسدود اور پہلا قول محقق ہے' عروہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے عمر بن عبد العزیز سے کہا کہ حجرہ شریف کو اپنی حالت پر چھوڑ کر اس کے گرد عمارت بنوائی جائے تو بہتر ہے' عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ امیر المؤمنین نے بھی مجھے اسی طرح حکم دیا ہے مجھے سوائے امتثال کے چارہ نہیں' محمد بن عبد العزیز سے روایت کرتے ہیں کہ حجرہ مبارک کی بنیاد کھودتے وقت ایک قدم ظاہر ہوا اور تحقیق کے بعد معلوم ہوا یہ قدم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا جو تنگی جگہ کی وجہ سے حجرۂ شریف کی بنیاد میں آ گیا کیونکہ اصح قول سے ثابت ہے کہ قبور شریفہ کی وضع اس طریق پر ہے کہ پیر مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا محاذی سینہ پاک جناب سرور کائنات ﷺ اور سر مبارک حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کا محاذی سینہ مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے اس شکل صفت روضہ مطہرہ حضرت رسول اللہ ﷺ ہے۔ پس اس طرح سے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک دیوار حجرۂ شریفہ کی بنیاد میں آ جائیں تو امر تعجب نہیں ہے اور عمر بن عبد العزیز کی تعمیر کے بعد سے آج تک قبور شریف میں کوئی حجرہ داخلا نہیں بنایا گیا سوائے اس کے کہ مشہور ہے کہ ۵۴۸ھ میں حجرہ شریف سے ایک آواز سنی گئی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید کچھ عمارت گر پڑی ہے۔ اس وقت مشائخ صوفیہ میں سے ایک بزرگ تھے جو طہارت' نظافت و مجاہدت' ریاضت میں موصوف تھے انہوں نے چند اور مزید خاص برائے حاضری زیادہ طہارت نظافت اور ریاضت کی' انہیں رسیوں سے باندھ کر کھڑکی کی طرف سے جو چھت کی ایک طرف سے تھی' کے ذریعہ اندر بھیجا گیا تو معلوم ہوا کہ کچھ خاک چھت سے گری تھی انہوں نے اس کو اپنی محاسن سے جاروب آستانہ ملک آشیانہ کیا اسی طرح ان ہی ایام میں کسی مصلحت کے پیش نظر جو طہارت مکان مقدس سے تعلق رکھتی تھی ایک خوجہ کو جو حجرہ شریفہ کی خدمت پر مقرر تھا' متولی عمارت کے ساتھ اندر اتارا گیا انہوں نے مکان قدس کی تنظیف (صفائی) کی۔ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی جو ایک ماثر جمیلہ محامد جریلہ کے مالک ہیں جن کی مدینہ طیبہ میں خیرات مبرأت کی دھوم ہے اور مسجد شریف کے خطیبوں کی زبانوں پر جن کی تعریفیں جاری تھیں حضور علیہ السلام کی ہمسائیگی مشرقی شباک کو جس کو آج کل باب جبرائیل کہتے ہیں اس کی غربی جانب ایک چھوٹی رباط جس کو رباط عجم کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس نے ایک صندل کی جالی روضہ شریف کے گرد کھینچی ان ہی دنوں میں ابن ابی الہیجار شریف نے جو ملوک مصر کے وزراء سے تھا جس کا نام مسجد فتح کی طرف بعض مساجد پر لکھا ہے' نے ایک غلاف سفید دیبائے کا بنوا کر بھیجا جس کے اوپر سرخ ریشمی پھول بنے تھے اور اس پر سورت یٰسین لکھی تھی' حجرہ شریف پر ڈالنے کے لیے بھیجی اس کے بعد اس نے خلیفہ مستغنی باللہ سے اجازت لے کر حجرہ شریفہ پر پہنایا' اس وقت سے بادشاہوں کی عادت بن گئی کہ ابتدائے جلوس میں ایک غلاف حجرہ مبارک کے واسطے بھیجتے رہے ہیں چنانچہ اب تک سلاطین روم کا یہی طریقہ ہے۔ ۶۷۸ھ میں قلاوون صالحی کی سلطنت میں قبہ سبز جو خطیرہ شریفہ کے اوپر ہے مسجد شریف کی چھت سے بھی زیادہ بلند ہے جس کی طرز اب بھی موجود ہے تانبے کی جالیوں سمیت بنایا اور اس سے پہلے قبہ شریف مسجد کی چھت سے آدھے قد آدم سے زیادہ اونچا نہ تھا۔ (جذب القلوب ص ۱۷۷۔۱۸۱' حجرہ شریف کا بیان' مطبوعہ نوری کتب خانہ' بازار داتا صاحب' لاہور)

٤٣٤- بَابُ فَضْلِ الْحَيَاءِ
حیا کا بیان

٩٣٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ
امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ابن شہاب

حُسَيْنٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ.

زہری نے علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے وہ اس روایت کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰكَذَا يَنْبَغِي لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ أَنْ يَكُونَ تَارِكًا لِمَا لَا يَعْنِيهِ.

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں اسی طرح ہر مسلمان کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ ہر لایعنی (غیر مفید) بات کو ترک کر دے۔

٩٣٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا سَلْمَةُ بْنُ صَفْوَانَ الزُّرَقِيُّ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ طَلْحَةَ الرُّكَانِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ.

امام مالک نے ہمیں ہم سے روایت کیا کہ سلمہ بن صفوان زرقی نے یزید بن طلحہ رکانی سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر دین کا کوئی خاص خلق ہوتا ہے' اسلام کا خلق حیا ہے۔

٩٣٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُخْبِرٌ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ایک روایت کرنے والے نے سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ اپنے بھائی کو تعلیم دے رہا تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اس لیے کہ حیا اسلام کا حصہ ہے۔

امام محمد نے اس باب میں تین روایات نقل کیں پہلی کا معنیٰ یہ ہے کہ جس شخص میں حیا ہوتی ہے فضول باتوں سے اس کو حیا آتی ہے' امام محمد اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہر مسلمان کو چاہیے جس بات سے غرض نہ ہو وہ نہ کرے اور دوسری روایت میں ہر دین میں خلق رہا ہے لیکن اسلام کا خلق حیا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے جو چیز خلاف اسلام ہے اس سے حیا کرنی چاہیے اور تیسری روایت میں یہ بتایا کہ ایک آدمی اپنے بھائی کو یہ کہہ رہا تھا زیادہ حیا نہیں کرنی چاہیے تو یہ جملے رسول اللہ ﷺ نے سن لیے آپ نے اس نصیحت کرنے والے کو کہا اس کو چھوڑ دے' کیونکہ حیا ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور مسلم شریف میں حیا کے بارے میں یوں مذکور ہے۔

عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال الايمان بضع وسبعون شعبة والحياء شعبة من الايمان.

(مسلم شریف ج ا ص ۴۷' بیان عدد شعب الایمان وفضلہا' مطبوعہ نور محمد آرام باغ' کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

مسلم شریف کی مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ ایمان کے کئی شعبے ہیں یعنی ایمان کی کئی شاخیں ہیں جن میں سے ایک شاخ حیا بھی ہے لیکن کیونکہ امام شافعی ایمان کو مرکب جانتے ہیں اس لیے وہ کہتے ہیں ایمان کے کئی حصے ہیں ان حصوں میں سے ایک حصہ حیا ہے اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے مرکب نہیں اور مذکورہ حدیث کا امام ابوحنیفہ یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں ایمان سے مراد کامل ایمان ہے یاد رہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نفس ایمان بسیط ہے اور ایمان کامل مرکب ہے اور یہاں بات ایمان کامل کی ہو رہی ہے ایمان کامل تب ہوتا ہے کہ جب ایمان کے تمام شعبے پائے جائیں اور ان شعبوں میں سے ایک شعبہ حیا بھی ہے تو لہٰذا یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے مسلک کے خلاف نہیں یہ بن وعن اسی طرح کا مسئلہ ہے کہ جیسے کہا جاتا ہے تمام انبیاء بمع ہمارے

نبی پاک ﷺ کے نفس رسالت میں برابر ہیں اگر ان میں فرق ہے تو وہ مراتب کے اعتبار سے ہے۔ حیا کی یہ تعریف عام کتابوں سے ملتی ہے لیکن حیا کے مکمل احکام کہ جس میں بے شمار فوائد ہیں ان کو امام سید بن قاسم جسوس نے اپنی مشہور کتاب "شرح شمائل محمدیہ" میں یوں نقل کیا ہے' بمع عربی کے نقل کرتا ہوں۔

الحیاء وھو فی اللغۃ تغیر وانکساری یعتری الانسان من ترک او فعل ما یعاب علیہ وفی الشرع خلق یبعث علی اجتناب القبیح ویحض علی ارتکاب الحسن ومجانبۃ التقصیر فی الحق وھو من جملۃ الخلق الحسن فافردہ بالترجمۃ للتنبیہ علی عظم شانہ لان بہ میلاک الامر کلہ فی حسن معاملۃ الحق ومعاشرۃ الخلق ومن ثم قال ﷺ الحیا کلہ خیر وھو اقسام منھا حیاء الکرم کاستحیائہ ﷺ ممن طول القیام فی ولیمۃ زینب حتی نزل ولا مستانسین لحدیث الایۃ وحیا المحب من محبوبہ حتی اذا خطر بقلبہ ھاج الحیاء منہ فیجعل من غیر ان یدری ما سببہ وحیا العبود یہ ان یشھد تقصیرہ فیھا فیزداد خوفہ وخجلہ وحیاء المرء من نفسہ بان تشرفع ھمتہ فیستحیی من رضا نفسہ بالنقص فیجد نفسہ مستحیا من نفسہ حتی کان لہ نفسین تستحی احداھا من الاخری وھذا اکمل انواع الحیاء اذا لمستحیی من نفسہ اجدر بالاستحیا ممن غیرہ ولا شک ان من رای المنۃ وایقن بالتقصیر حقیق ان تصدر منہ الحالۃ التی ھی ثمرتھا او ھی الحیا من اللہ حق الحیا وقد دل الحسن البصری علی رجل لم یرقط جالسا مع الناس فقال لہ یا عبد اللہ ما یمنعک من مجالسۃ الناس فقال امر شغلنی عن الحسن وعن الناس فقال لہ الحسن وما ذلک اشغل یرحمک اللہ فقال انی اصبح وامسی بین ذنب ونعمۃ فرایت ان اشغل نفسی بالاستغفار ولذنبی وبالشکر علی نعم ربی فقال لہ الحسن یا عبد اللہ انت افقہ عندی من الحسن فالزم ما انت علیہ۔

حیا لغت میں تبدیلی اور انکساری جو انسان کو عارض ہوتی ہے' جس آدمی نے چھوڑ دیا یا کیا اس کام کو کہ جس پر عیب لگایا جاتا ہے شرح میں ایک ایسی عادت ہے جو بُری باتوں سے بچنے پر ابھارتی ہے اور اچھی باتوں کے کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے اور حق میں تقصیر سے بچاتی ہے یہ جملہ اچھے خلق سے ہے' مصنف نے اس کو علیحدہ عنوان سے ذکر کیا تنبیہ کرتے ہوئے اس بات پر کہ اس کی بہت بڑی شان ہے حق کے تمام اچھے معاملے اسی سے قائم ہوتے ہیں اور مخلوقات کا معاشرہ بھی اسی سے درست ہوتا ہے اسی لیے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: حیاء کی جتنی قسمیں ہیں سب کی سب اچھی ہیں' حیاء کی اقسام میں سے ایک حیاء کرم ہے جیسے کہ نبی پاک ﷺ نے اس آدمی سے حیاء کیا جس نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کے طعام کو کھا کر بہت لمبا اسی جگہ قیام کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیۃ کریمہ نازل فرمادی دعوت کھانے کے بعد باتوں میں مشغول نہ ہوں۔ اور ان اقسام میں سے محبّ کا محبوب سے حیاء ہے جب کوئی بات محبّ کے دل میں کھٹکتی ہے (محبوب کے بارے میں) تو فوراً اس سے حیاء اٹھتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا میرے اس شرمندہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اور ان اقسام میں سے حیاء عبودیت ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کا خوف اور ندامت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ حیاء کی اقسام میں سے ایک قسم یہ ہے حیاء آدمی کا اپنے نفس سے اس طرح کہ توجہ کرتا ہے اپنی ہمت کی طرف اور جن احکام کو نفس نے توڑا ہے اس نفس کی رضا سے حیاء کرتا ہے تو وہ آدمی پاتا ہے اپنے نفس کو کیونکہ وہ اپنے نفس سے حیاء کرنے والا ہے یہاں تک کہ ایک آدمی کے لیے دو نفس ہو گئے ایک نفس دوسرے نفس سے حیا کرتا ہے' حیاء کی سب اقسام میں سے سب سے اعلیٰ درجے کا یہ حیاء ہے۔ کیونکہ حیا کرنا اپنے نفس سے یہ غیر کے نفس سے حیا کرنا بہت اچھا ہے۔ اس بات میں شک نہیں جو آدمی احسان کو دیکھتا ہے (یعنی کسی نے اس پر احسان کیا ہے) اور یقین رکھتا ہے تقصیر کے ساتھ تو لائق ہے کہ صادر

(شرح شمائل محمد یہ ج ۲ ص ۱۹۳-۱۹۴ باب ما جاء فی حیاء رسول الله ﷺ مطبوعہ بیروت)

ہو اس سے وہ حالت کہ اس کا ثمرہ حیاء ہے۔ وہ حیاء حقیقت میں اللہ سے حیاء ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا گیا کہ ایسا آدمی ہے اس کو لوگوں کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھا ہوا نہیں دیکھا گیا (تو خواجہ حسن بصری خود چل کر اس کے پاس گئے) آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندے! تمہیں کس چیز نے منع کیا ہے کہ تو لوگوں کی مجالس میں نہ بیٹھ؟ اس نے کہا مجھے ایک امر نے مشغول کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے میں لوگوں کے پاس نہیں بیٹھتا تو خواجہ حسن بصری فرمانے لگے تجھے کس چیز نے منع کیا کہ اس آدمی کی مجلس میں تو نہ جائے کہ جس کو خواجہ حسن بصری کہا جاتا ہے اور تو اس کے پاس جا کر بیٹھے اس نے کہا مجھے ایک امر نے مشغول کیا ہے جس کی وجہ میں خواجہ حسن بصری کی مجلس میں نہیں جاتا۔ تو خواجہ حسن بصری نے کہا اللہ تم پر رحم کرے کہ وہ کون سا عمل ہے جس نے تجھے منع کیا ہے اس نے جواب دیا میں صبح کرتا ہوں پھر شام کرتا ہوں نعمتوں اور گناہوں کے درمیان تو میں اپنے نفس کو مشغول کر لیتا ہوں اپنے گناہوں کے استغفار کے لیے اور اپنے رب کی نعمتوں کے شکریہ کے لیے (خواجہ حسن بصری چلّو بھر کر روئے) اور فرمایا اے اللہ کے بندے! میرے نزدیک تو خواجہ حسن بصری سے بہت زیادہ فقیہ ہے تو اس امر کو لازم پکڑ جس پر تو ہے۔

قال المناوی واستشکل بان الحیاء قد یفرط بصاحبه حتی یمنعه من القیام بحقوق الله تعالی ومعلوم ان هذا لاخیر فیه واجاب ابن الصلاح بان هذا لیس بحیاء حقیقة وانما هو خور ومهانة اھ والخوران یستحیی من کل شیء وهو مذموم لانه یودی الی ترک الواجب وعدم الامر بالمعروف والنهی عن المنکر ویمنع من کثیر من الخیر کما قال ﷺ نعم النساء نساء الانصار لم یمنعهن الحیاء ان یتفقهن فی الدین وهذا الحدیث یقتضی ان ذلک حیاء حقیقة. (شرح شمائل محمد یہ ج ۲ ص ۱۹۵ باب ما جاء فی حیاء رسول الله ﷺ مطبوعہ بیروت)

مناوی نے کہا یہاں پر اشکال ہے بسا اوقات حیاء بڑھ جاتا ہے جو صاحب حیاء کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے قیام سے بھی روک دیتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ اس میں کوئی اچھائی نہیں اس کا جواب ابن صلاح نے یوں دیا کہ حقیقۃً یہ حیا نہیں ہے بلکہ یہ ذلت اور خواری ہے اور ہر شے سے حیا کرنا یہ بُرا ہے کہ یہ پہنچا دیتا ہے واجب کے ترک کرنے تک اور روک دیتا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اور خیر کثیر سے روک دیتا ہے جیسے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: انصار کی عورتیں بہترین عورتیں ہیں کہ دین سیکھنے میں ان کو حیاء منع نہیں کرتا۔ تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حقیقت میں حیاء یہی ہے (یعنی حق کی بات سے نہ شرمانا یہ حیا ہے)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حیا سے مراد ہر اس فعل سے بچنا ہے جس پر عیب لگایا جائے یعنی بُری بات سے اس کو حیا آنا چاہیے یہ تو لغوی

معنی ہے حیاء کا شرعی معنی یہ ہے کہ انسان کی عادت میں جو چیز آ جائے کہ بُری باتوں سے اجتناب کرے اور اچھی چیزوں کو اپنائے اور امام خواجہ حسن بصری کا واقعہ اس بات پر واضح دلالت کرتا ہے کہ گناہوں سے استغفار اور نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا یہ بھی حیا ہے کیونکہ گناہوں سے اس وقت استغفار کرے گا جب اسے حیاء آئے گی بُرے کاموں سے اور اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا بھی حیا ہے کہ اسے شرم آئی کہ جس کی نعمتیں میں کھاتا ہوں اس کا شکریہ کیوں نہ ادا کروں اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا: کہ حیا ایک ایسی عظیم الشان چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے تمام معاملے اچھے ہو جاتے ہیں اور مخلوقات کا معاشرہ بھی اچھا ہو جاتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

٤٣٥- بَابُ حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ

شوہر کا بیوی پر حق کا بیان

٩٣٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنِيْ بَشِيْرُ بْنُ يَسَارٍ اَنَّ حُصَيْنَ بْنَ مُحْصِنٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَمَّةً لَّهٗ اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَّهَا زَعَمَتْ اَنَّهٗ قَالَ لَهَا اَذَاتُ زَوْجٍ اَنْتِ فَقَالَتْ نَعَمْ فَزَعَمَتْ اَنَّهٗ قَالَ لَهَا كَيْفَ اَنْتِ لَهٗ فَقَالَتْ مَا اٰلُوْهُ اِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ قَالَ فَانْظُرِيْ اَيْنَ اَنْتِ مِنْهُ فَاِنَّمَا هُوَ جَنَّتُكِ اَوْ نَارُكِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا یحییٰ بن سعید نے کہ مجھے خبر دی بشیر بن یسار نے حصین بن محصن سے' ان کی پھوپھی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں انہوں نے خیال کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا ہے کیا تم شادی شدہ ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! پھر خیال کیا کہ حضور ﷺ دریافت کرتے ہیں خاوند سے کیا سلوک کرتی ہو؟ عرض کیا جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے اس میں کوتاہی نہیں کرتی سوائے اس کے جو کچھ نہ کر سکوں' حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا خیال کس طرف ہے؟ دیکھو اطاعت کی صورت میں وہ تیری جنت ہے نافرمانی کی صورت میں تیرا جہنم ہے۔

مذکورہ باب میں امام محمد نے ایک حدیث نقل کی جس کا خلاصہ یہ ہے حصین بن محصن کی پھوپھی اس حدیث کو بیان کرتی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تو حضور ﷺ نے کہا تو شادی شدہ ہے؟ تو اس نے کہا ہاں! تو اس کے دل میں خود ہی یہ بات پیدا ہوئی رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ وہ شادی شدہ عورت سے پوچھتے ہیں کہ تیرا خاوند کے ساتھ کیسا سلوک ہے؟ تو اس نے خود ہی عرض کر دیا کہ جو کچھ میں اس کی خدمت کر سکتی ہوں اس کی کوتاہی نہیں کرتی اور جو نہیں کر سکتی ہوں وہ نہیں کرتی تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: خاوند کی اطاعت کے لیے تیرے لیے جنت اور نافرمانی کی صورت میں تیرے لیے جہنم ہے تو اس حدیث میں کیونکہ اس بات کا ذکر ہے خاوند کی اتباع کرنے والی عورت جنتی اور نافرمانی کرنے والی دوزخی ہے اس مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کا عنوان دیا ''مرد کا بیوی پر حق''۔ اب میں چاہتا ہوں اس حدیث کے چند متعلقات ذکر کروں کیونکہ اس کے متعلقات میں سے ہے کہ شرع شریف میں بیوی کا خاوند پر کیا حق ہے اس لیے میں پہلے وہ حقوق بیان کرتا ہوں کہ مرد کے حقوق عورت پر کیا ہیں اور میں چاہتا ہوں مرد کے حقوق عورت پر جو ہیں یہ احادیث سے پیش کروں تا کہ تمام کے لیے حجت ثابت ہوں۔

بیوی پر خاوند کے حقوق کے بارے میں چند احادیث

حدثنا ابن ابی عمر قال نا مروان عن یزید یعنی ابن کیسان عن ابی حازم عن ابی هریرة رضی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری

الله عنه قال قال رسول الله ﷺ والذی نفسی بیدہ ما من رجل یدعو امراته الی فراشها فتابی علیه الا کان الذی فی السماء ساخطا علیها حتی یرضی عنها. (صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۴۶۴ باب تحریم امتناعہا عن فراش زوجہا مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

جان ہے جس شخص کی بیوی اپنے شوہر کے بلانے پر انکار کر دیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ اریت النار فاذا اکثر اهلها النساء یکفرن قیل ایکفرن بالله قال یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان لواحسنت الی احدهن الدهر ثم رات منک شیئا قالت ما رایت منک خیرا قط. (بخاری شریف ج ۱ ص ۹ باب کفران العشیر مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے جہنم کی آگ دکھائی گئی جہنم میں ان عورتوں کی تعداد زیادہ تھی جو ناشکری کرتی ہیں' پوچھا گیا' کیا اللہ تعالیٰ عزوجل کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا خاوند کی نافرمانی کرتی ہیں اور اس کے احسانات کا شکر ادا نہیں کرتیں اگر تم ساری عمران کے ساتھ احسان کرتے رہو اور صرف ایک دن وہ تم سے ناپسندیدہ چیز دیکھیں تو کہتی ہیں مجھے تم سے کبھی بھلائی نہیں پہنچی۔

عن ابن عباس رضی الله عنه ان امراة من خثعم اتت رسول الله ﷺ فقالت یا رسول الله اخبرنی ما حق الزوج علی الزوجة فانی امراة ایم فان استطعت والا جلست ایما قال فان حق الزوج علی زوجته ان سالها نفسها ومن حق الزوج علی الزوجة ان سالها نفسها وهی علی ظهر بعیران لا تمنعه نفسها ومن حق الزوج علی زوجة ان لا تصوم تطوعا الا باذنه فان فعلت جاعت وعطشت ولا یقبل منها ولا تخرج من بیتها الا باذنه فان فعلت لعنتها ملائکة السماء وملائکة الرحمة وملائکة العذاب حتی ترجع الحدیث رواه البزار فیه حسین بن قیس وهو ضعیف وقد وثقه حصین بن نمیر وبقیة رجاله ثقات. (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۰۶-۳۰۷ باب حق الزوج علی المراۃ' مطبوعہ نور محمد آرام باغ' کراچی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت خثعم قبیلہ کی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اس نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ مجھے اس بات کی خبر دیجئے خاوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں میں بیوہ عورت ہوں اگر طاقت رکھوں تو نکاح کر لوں ورنہ بیوہ ہی رہوں؟ فرمایا: بیوی پر خاوند کا حق یہ ہے جب خاوند اسے ہم بستری کے لیے بلائے تو وہ فوراً آ جائے خواہ اس وقت وہ سفر کے لیے اونٹ کی پشت پر ہی کیوں نہ ہو اور بیوی پر خاوند کا حق یہ ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھے اور اگر وہ رکھے گی تو قبول نہیں ہوں گے سوائے بھوک اور پیاس سے کچھ نہیں ہوگا' گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نہ نکلے اگر نکلی تو آسمان کے فرشتے' رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے سب اس پر لعنت کریں گے کہ جب تک وہ لوٹ کر خاوند کے پاس دوبارہ نہ آئی۔ اس کو بزار نے روایت کیا ہے اس حدیث کی سند میں حصین ابن نمیر کی ثقاہت میں اختلاف ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

جس عورت کو اس کا خاوند ہم بستری کے لیے بلائے وہ انکار کر دے تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہیں ہوگا جب تک کہ خاوند اس پر راضی نہ ہو دوسرا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ اکثر عورتیں جہنم میں جائیں گی صرف اس بات پر کہ وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور عورت کی عادت میں یہ بات ہے کہ ساری زندگی خاوند اس پر احسانات کرے اور ایک دن نہ کرے تو وہ کہہ دیتی ہے کہ مجھے تم سے کبھی بھلائی نہیں ملی یہ وہ چیزیں ہیں جس کو اس زمانے میں عورتوں نے ان باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے بلکہ ان کی انتہائی آرزو یہ ہوتی

ہے کہ خاوند ہمارا غلام رہے اور جو ہم کہیں وہی کرے ان احادیث سے عورتوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے خاوند کی فرمانبرداری میں جنت ہے اس کی مخالفت میں دوزخ ہے اور اسی لیے نبی پاک ﷺ نے فرمایا نہ تو عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نکلنا چاہیے اور نہ ہی کسی شخص کو اندر داخل ہونے دے کہ جس کو خاوند ناپسند کرے یہاں تک کہ اگر نفلی روزے خاوند کی اجازت کے بغیر رکھے تو قبول نہیں ہوں گے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ حق الزوج علی زوجته لو کانت به قرحة فلسها او انتشر منخراه صدیدا او دما ثم ابتلعته ما ادت حقه رواه البزار ورجاله رجال الصحیح.

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خاوند کا حق بیوی پر یہ ہے کہ اگر خاوند کے چھالا ہو اور بیوی اس کو چاٹ لے یا اس کے نتھنوں سے خون یا پیپ بہہ رہا ہو اور وہ اس کو نگل لے پھر بھی خاوند کا حق ادا نہیں ہوا۔

عن تمیم الداری عن النبی ﷺ قال حق الزوج علی الزوجة ان لا تهجر فراشه وان تبر قسمه وان تطیع امره وان لا تخرج الا باذنه وان لا تدخل علیه من یکره رواه الطبرانی.

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۴' باب حق الزوج المرأة' مطبوعہ بیروت)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خاوند کا بیوی پر حق یہ ہے کہ بیوی خاوند کے بستر کو نہ چھوڑے' خاوند کی قسم پوری کرے' اس کا حکم مانے' اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے اور جس کو خاوند ناپسند کرتا ہو اس کو گھر میں نہ آنے دے۔

ہم نے بطور اختصار چار عدد روایات خاوند کے بیوی پر حقوق کے بیان میں نقل کیں اور آخری دو عدد روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ خاوند کے جسم پر پھوڑا نکل آئے اور اس میں پیپ پڑ جائے اور عورت اس پیپ کو اپنی زبان سے صاف کرے تو تب بھی خاوند کا حق ادا نہیں ہوتا اور عورت پر لازم ہے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے اور نہ کسی آدمی کو اندر آنے دے کہ جس کو خاوند پسند نہیں کرتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

خاوند پر بیوی کے حقوق کے بارے میں چند احادیث

عن عائشة قالت کانت امراة عثمان بن مظعون تختضب وتطیب فترکته فدخلت علی فقلت لها امشهد ام مغیب فقالت مشهد کمغیب فقلت لها مالک فقالت عثمان لا یرید الدنیا ولا یرید النساء قالت عائشة فدخل علی رسول الله ﷺ فاخبرته بذلک فلقی عثمان فقال یا عثمان اتؤمن بما نؤمن به قال نعم یا رسول الله قال فأسوة مالک بنا واسانید احمد رجالها ثقات الا ان طریق ان اخشاکم اسندها احمد ووصلها البزار برجال ثقات. (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۰۱' باب حق المرأة علی الزوج' مطبوعہ بیروت' لبنان)

سیدہ عائشہ ام المؤمنین سے روایت ہے کہ عثمان بن مظعون کی بیوی ہاتھوں کو رنگتی اور خوشبو لگاتی تھی پھر اس نے چھوڑ دیا تو میرے پاس آئی تو میں نے اس کو کہا کیا تیرا خاوند گھر میں موجود ہے یا کہیں گیا ہوا ہے؟ اس نے کہا موجود تو گھر میں ہے لیکن غائب کی طرح ہی ہے تو میں نے اس کو کہا کیا بات کہی تو نے اس نے کہا عثمان نہ دنیا کا ارادہ رکھتا ہے نہ عورتوں کا' سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے تو میں نے ان کو اس واقعہ کی خبر دی لہذا نبی پاک ﷺ عثمان ابن مظعون سے ملے' فرمایا: اے عثمان! کیا تو اس چیز کے ساتھ ایمان رکھتا ہے جس کے ساتھ ہم ایمان رکھتے ہیں' اس نے عرض کی ہاں یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کیا تیرے لیے ہماری سیرت نہیں

ہے؟ امام احمد بن حنبل نے اس روایت کو کئی اسناد سے ذکر کیا ہے اور سب کے راوی ثقہ ہیں مگر اسناد کہ جس میں تم میں سب سے زیادہ ڈرنے والا۔ اس کو احمد نے مسند میں بیان کیا اور اس کو مرفوع کیا بزار نے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

وعن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اكمل المومنين ايمانا احسنهم خلقا وخيارهم لنسائهم رواه احمد. وعن ابی كبشة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول خياركم خيركم لاهله. وعن عبد الرحمن بن عوف قال قال رسول الله ﷺ خيركم خيركم لاهله وانا خيركم لاهلی رواه البزار. (مجمع الزوائد ج۴ ص۳۰۳ باب حق المرأة علی الزوج مطبوعہ بیروت)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ فرمایا نبی پاک ﷺ نے تمام مؤمنوں میں ایمان کی رو سے مومنوں میں سب سے کامل الایمان آدمی وہ ہے جو ان سے خلق میں اچھا ہو اور اپنی عورتوں کے لیے پسندیدہ ہو۔ ابی کبشہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: تم میں سے پسندیدہ آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو۔ عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے انہوں نے کہا فرمایا: نبی پاک ﷺ نے تم سے بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک رکھتا ہوں۔

عن سليمان بن عمرو بن الاحوص حدثنی ابی انه شهد حجة الوداع مع رسول الله ﷺ فحمد الله واثنى عليه وذكر وعظ ثم قال استوصوا بالنساء خيرا فانهن عندكم عوان ليس تملكون منهن شيئا غير ذلك الا ان ياتين بفاحشة مبينة فان فعلن فاهجروهن في المضاجع واضربوهن ضربا غير مبرح فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا ان لكم من نسائكم عليكم حقا ولنسائكم عليكم حقا فلما حقكم على نسائكم فلا يوطئن فرشكم من تكرهون ولا ياذن في بيوتكم لمن تكرهون الا وحقهن عليكم ان تحسنوا اليهن في كسوتهن وطعامهن. (ابن ماجہ ص۱۳۴ باب حق المرأة علی الزوج مطبوعہ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا پاکستان)

سلیمان بن عمرو بن احوص کہتے ہیں مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے' رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور وعظ و نصیحت کی پھر فرمایا عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو' وہ تمہارے ہاتھوں میں مقید ہیں تم سوا اس کے اور کسی بات کا حق نہیں رکھتے البتہ اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں تو انہیں ان کی خواب گاہوں میں علیحدہ کرو' اور ان کو معمولی طور پر مار بھی سکتے ہو پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر الزام تراشی مت کرو' عورتوں کا تم پر اور تمہارا عورتوں پر حق ہے' عورتوں کا تم پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ان کو نہ آنے دیں جن کو تم پسند کرتے ہو اور سنو! تمہاری بیویوں کا تم پر حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھا کھانا اور اچھے کپڑے مہیا کرو۔

قارئین کرام! پروردگار عالم نے اس آیۂ کریمہ میں ایک معاشرے کی درستگی کے لیے حکم فرمایا پہلی بات تو یہ فرمائی کہ عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو کہ وہ تمہارے ہاتھوں میں قیدی ہیں اس حکم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے مرد کو عورت سے قوی بنایا اور پھر اس کو مرد کے ہاتھ میں مقید فرما دیا کہ اس کی اجازت کے بغیر وہ گھر سے بھی نہیں نکل سکتی اس لیے اللہ تعالیٰ کے حبیب نے فرما دیا اگر تمہیں شریعت نے بہت سے اختیارات دیئے ہیں تو اس کا یہ معنی نہیں کہ جس طرح تم چاہو ان پر ظلم

کرتے رہو اور ان کی کوئی بات نہ سنو بلکہ حدیث میں آتا ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بیوی کے سامنے اس کے میکے کا برا ذکر نہ کرو کہ اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور دوسرا فرمایا گا ہے بگا ہے اس کے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ ملاقات کراتے رہو اور پھر اس سے بڑھ کر جو گھریلو معاملات میں معاشرے سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے جب زوج خود بے احتیاطی سے ہر ایک کو اپنے گھر میں کھلی چھٹی دے دیتا ہے تو اس سے پھر کئی شبہات پیدا ہوتے ہیں لہٰذا اس پر سختی سے عمل کرو اور ہر کس و ناکس کو اپنے گھر میں داخل نہ ہونے دو اور اس کے باوجود بھی اگر تمہیں اپنی بیوی پر کوئی شک گزرے تو اس کا یہ علاج نہیں کہ اس کو طلاق دے کر گھر سے نکال دے بلکہ حدیث میں تو یہاں تک گنجائش دی گئی کہ اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کر دیں تو پھر بھی طلاق نہ دو تو اس کی اصلاح یوں کرو ان کو اپنے بستروں کے پاس نہ آنے دو اگر اس سے بھی باز نہ آئیں پھر ان کو ہلکی پھلکی سزا دو اگر اس پر وہ سمجھ جائیں تو پھر نہ تو ان پر الزام تراشی دو اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو۔ جیسے کہ سورۃ النساء آیت نمبر ۳۴ میں اس مسئلے کو پروردگار عالم نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ جن عورتوں سے تم کو خوف ہو تا فرمانی کا "**فعظوهن** تو ان کو وعظ و نصیحت کرو" اللہ کا خوف دلاؤ اگر اس سے وہ باز نہ آئیں "**واهجروهن فی المضاجع** تو ان کو اپنے بستر کے قریب نہ آنے دو" اگر اس سے بھی باز نہ آئیں تو "**واضربوهن** ان کو مارو" تفسیر مظہری میں اس کی تفسیر میں یوں لکھا ہے "**ضربا غیر شاق** یعنی ان کو شدید نہ مارو اور نہ منہ پر مارو"" **فان اطعتکم** اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں" "**فلا تبغوا علیهن سبیلا** تو پھر ان کے خلاف کسی قسم کی تکلیف دینے کا ارادہ نہ کرو"" **ان الله کان علیا کبیرا** بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات بہت ہی بلند و بالا ہے" تفسیر مظہری نے اس جملے کے ماتحت لکھا ہے "**فلا تظلموا من تحت ایدیکم واتقوا الله العلی الکبیر فانه اقدر علیکم منکم علی من تحت ایدیکم** اپنے نیچے والوں پر ظلم نہ کرو اس اللہ سے ڈرو کہ جو علی کبیر ہے اور وہ اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے تم پر کہ جو تم قدرت رکھتے ہو اپنے ماتحت پر" یعنی مطلب یہ ہے اگر تم نے ان پر بلاوجہ ظلم کیا' مارا پیٹا' ذلیل کیا اور یہ سمجھا کہ ہم ان کی پسلیاں توڑ دیں' ہمارا کوئی پوچھنے والا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تو پسلیاں توڑ دے تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں تو پھر میں بھی تمہیں نیست و نابود کر دوں مجھے بھی کوئی پوچھنے والا نہیں ہے' اس کی ترجمانی میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے: ۔

مکن بر ضعیفاں بے چارہ زور بیندیش آخر ز تنگئ گور

"یعنی بے چارے مسکینوں' غریبوں پر زور نہ لگا اور قبر کی تنگی سے بے خوف نہ ہو جا" یعنی جیسے تو مسکین غریب کی پسلیاں توڑ سکتا ہے تو پھر قبر کی تنگی تیری پسلیاں بھی توڑ سکتی ہے۔ یاد رہے جیسے تم میں روح ہے ہر دکھ سکھ کا تمہیں احساس ہوتا اسی طرح عورت کو بھی ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرآیت نمبر ۲۲۱ میں فرمایا "**ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة** اور عورتوں کے مردوں پر وہی حقوق ہیں جو دستور کے مطابق مردوں کے عورتوں پر ہیں البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے" تو اس آیتِ کریمہ نے واضح کر دیا مرد کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے سب میرے ہی عورت پر حقوق ہیں عورت کا کوئی حق میرے ذمے نہیں ہے۔

فقیر کی نظر سے حدیث کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک واقعہ گزرا کہ ایک آدمی کی بیوی اس سے لڑ پڑی تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دروازے پر شکایت لے کر آیا تو جب دروازے کے پاس کھڑا تھا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی حضرت عمر فاروق کے ساتھ جھگڑ رہی تھی تو اس نے سمجھا میں نے جو دروازے کو دستک دی ہے اس کا میرے لیے کوئی فائدہ نہیں لہٰذا وہ واپس چل پڑا اور جب چند قدم چلا تو پیچھے سے حضرت عمر بھی گھر سے نکلے اور اس کو آواز دی اور بلا کر کہا کہ تم نے میرے دروازے کو دستک دی اور پھر بغیر بات کیے واپس جا رہے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے عرض کی میں اپنی بیوی کی شکایت لے کر آیا تھا کہ وہ مجھ

سے جھگڑتی ہے تو آپ کے دروازے پر بھی مجھے یہی آواز آئی کہ تمہاری بیوی تم سے جھگڑ رہی ہے اس لیے میں واپس جا رہا تھا' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو بڑی حکمت علیہ سے جواب دیا کہ میرے بھائی سنو! میری اولاد کی وہ پرورش کرتی ہے' مجھے کھانا پکا کر دیتی ہے' کپڑے دھو کر دیتی ہے' میرے مہمان آ جائیں تو ان کی عزت کرتی ہے' انہیں خوش کرتی ہے اور مجھے نفس و شیطان سے محفوظ رکھتی ہے اس لیے جب اتنے اس کے مجھ پر احسانات ہیں تو اگر وہ کسی وقت میں میرے سے جھگڑا کر لے تو اسے حق حاصل ہے' جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ وعظ سنا تو اپنے ارادے سے توبہ کر کے اپنے معاشرے کو درست کر لیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

خاوند کی اتباع کرنے میں بیوی کو کیا ثواب اور مرتبہ ملتا ہے؟

عن انس قال اتت النساء رسول الله ﷺ فقلن یا رسول الله ﷺ ذهب الرجال بالفضل بالجهاد فی سبیل الله فمالنا عمل ندرک به عمل الجهاد فی سبیل الله فقال مهنة احداكن فی بیتها تدرک عمل المجاهدین فی سبیل الله رواه ابو یعلی والبزار. (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۰۴' باب ثواب المرأۃ علی طاعتها لزوجها وقیامها علی ماله وحملها ووضعها' مطبوعہ بیروت)

انس ابن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس عورتیں تشریف لائیں تو عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ جہاد فی سبیل اللہ میں مرد فضیلت لے جاتے ہیں تو ہمارے لیے کون سا عمل ہے کہ ہم اس مرتبے کو حاصل کریں' آپ نے فرمایا تم میں سے کسی ایک کا اپنے گھر میں محنت کرنا (یعنی بال بچوں کو پالنا' نمازیں پابندی سے پڑھنا' خاوند کی اتباع کرنا وغیرہ) تو مجاہدین فی سبیل اللہ کے مرتبہ کو پالیں گی' اس کو ابو یعلیٰ اور بزار نے روایت کیا۔

عن انس ان سلامة حاضنة ابراهيم بن النبی ﷺ قالت یا رسول الله ﷺ تبشر الرجال بکل خیر ولا تبشر النساء قال قال اصو یحابنک دسنک لهذا قالت اجل هن امرنی قال افما ترضی احداکن انها اذا کانت حاملا من زوجها وهو عنها راض ان لها مثل اجر الصائم القائم فی سبیل الله فاذا اصبها الطلق لم یعلم اهل السماء واهل الارض ما احفی لها من قرة اعین فاذا وضعت لم یخرج منها جرعة من لبنها ولم یمص مصة الا کان لها بکل جرعة وبکل مصة حسنة فان اسهرها لیلة کان لها مثل اجر سبعین رقبة تعتقهن فی سبیل الله سلامة یعنی لمن اعنی بهذا المستنعمات الصالحات المطیعات اللاتی لایکفرن العشیر رواه الطبرانی فی الاوسط.

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۰۴-۳۰۵' باب ثواب المرأۃ علی طاعتها

انس ابن مالک سے روایت ہے سیدہ سلامہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کو پالنے والی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ آپ ہر خیر اور خوشخبری مردوں کو ہی سناتے ہیں' عورتوں کو نہیں سناتے' نبی پاک ﷺ نے فرمایا: تیری سہیلیاں تمہیں میری باتیں نہیں سناتیں' اس نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! وہ مجھے کئی باتوں کا حکم دیتی ہیں' نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایک اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ وہ اپنے خاوند سے حاملہ ہو اس حال میں کہ وہ اس سے راضی ہو اس کے لیے ثواب ہے روزہ دار مجاہد کا اور جب اس کے پیٹ میں خون کا لوتھڑا بن جائے کہ جس کو زمین و آسمان کے رہنے والے نہیں جانتے کہ اس کے پیٹ میں اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کون سی چیز چھپی ہوئی ہے اور جب اس نے جنا تو اس کا بچہ اس سے گھونٹ دودھ کا یا پستان سے چوسنی نہیں لے گا مگر اس کے لیے ہر گھونٹ اور ہر چوسنی کے بدلے ایک نیکی ملے گی اگر اس بچے نے عورت کو پوری رات بیدار رکھا تو اسے اتنا ثواب ملے گا کہ گویا

لزوجها وقیامها علی مالہ وحملہا ووضعہا' مطبوعہ بیروت)

اس نے صحیح سالم ستر غلام آزاد کیے لیکن یہ اس عورت کے لیے نعمتیں ہیں جو پاک دامنہ ہیں اور خاوند کی مطیع ہیں اور خاوند کے لیے کفرانِ نعمت نہیں کرتیں۔

وعن سعید بن جبیر عن ابن عمر احسبه رفعه قال المرأة فی حملها الی وضعها الی قضائها کالمرابط فی سبیل الله فان ماتت فیما بین ذلک فلها اجر شهید رواه الطبرانی وفیه قیس بن الربیع وثقه شعبه والثوری. (مجمع الزوائد ج۴ص۳۰۵' باب ثواب المرأۃ علی طاعتہا الزوجہا وقیامہا علی مالہ وحملہا ووضعہا' مطبوعہ بیروت)

سعید ابن جبیر ابن عمر سے روایت کرتے ہیں میں گمان کرتا ہوں کہ انہوں نے حدیث کو مرفوع کیا' ابن عمر نے فرمایا عورت حمل کے زمانے سے لے کر وضع حمل تک ایسے ہے جیسے کہ اس نے جہاد کے لیے اپنے گھر میں گھوڑا باندھا ہے اگر وہ عورت اس عرصہ کے درمیان مرگئی اس کے لیے شہید کا اجر ہے' اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

وعن ابن عباس قال جاء ت امرأة الی النبی ﷺ فقالت یا رسول الله انا وافدة النساء الیک هذا الجهاد کتبه الله علی الرجال فان یصیبوا اجروا وان قتلوا کانوا احیاء عند ربهم یرزقون ونحن معشر النساء نقوم علیهم فمالنا من ذلک قال فقال رسول الله ﷺ ابلغی من لقیت من النساء ان طاعة الزوج و اعترافا بحقه یعدل ذلک وقلیل منکن من یفعله.

(مجمع الزوائد ج۴ص۳۰۵' باب ثواب المرأۃ علی طاعتہا لزوجہا وقیامہا علی الہ وحملہا ووضعہا' مطبوعہ بیروت' لبنان)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ میں ایک عورتوں کا وفد لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں اس لیے جہاد کو اللہ تعالیٰ نے مردوں پر فرض کیا اگر وہ زخمی ہو جاتے ہیں تو ان کو نمازیوں کا اجر ملتا ہے اگر شہید ہو جاتے ہیں تو اللہ کے نزدیک زندہ ہو کر پاکیزہ رزق کھاتے ہیں اور ہم عورتوں کی جماعت ان پر کھڑی رہتی ہیں (ان کو پانی پلانے وغیرہ کے لیے) تو ہمارے لیے کیا ثواب ہے؟ نبی پاک ﷺ نے اس عورت کو فرمایا: عورتوں میں سے جو عورت تم کو ملے اس کو میرا پیغام پہنچا دے کہ زوج کی اطاعت کرنا اور اس کے حق کا اعتراف کرنا یہ مردوں کے برابر ہے (یعنی غازی اور شہید ہونے میں)۔

وقد ورد فی تعظیم حق الزوج علیها اخبار کثیرة قال ﷺ ایما امراة ماتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة وکان رجل قد خرج الی سفر وعهد الی امراة ان لا تنزل من العلو الی السفل وکان ابوها فی الاسفل فمرض فارسلت المراة الی رسول الله ﷺ ساذن فی النزول الی ابیها فقال اطیعی زوجک فمات فاستامرته فقال اطیعی زوجک فدفن ابوها فارسل رسول الله ﷺ الیها یخبرها ان الله قد غفر لابیها بطاعتها لزوجها.

(احیاء العلوم ج۲ص۵۲' باب القسم الثانی من ہذا الباب النظر فی

(امام غزالی فرماتے ہیں) خاوند کی تعظیم کے حق میں بہت روایات آئی ہیں (ان میں سے ایک یہ ہے) جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس پر راضی ہے وہ جنتی ہے۔ ایک آدمی سفر کے لیے نکلا اور اس نے اپنی بیوی سے عہد لیا کہ تو اپنی اوپر والی منزل سے نیچے والی منزل میں نہیں جائے گی حالانکہ نیچے والی منزل میں اس کا باپ رہتا تھا تو اس کا باپ بیمار ہو گیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں نیچے جا کر والد کی عیادت کرلوں تو نبی پاک ﷺ نے جواب فرمایا کہ تو اپنے خاوند کے عہد کی اطاعت کر اور اس کا باپ مر گیا پھر اس عورت نے نبی پاک ﷺ کی طرف آدمی بھیج کر

حقوق الزوج علیہا 'مطبوعہ دمشق)

اجازت طلب کی آپ نے پھر فرمایا کہ اپنے خاوند کے عہد کی اتباع کر اس کے بعد اس کے باپ کو دفن کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی طرف ایک آدمی بھیجا کہ اس کو خبر دے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو بخش دیا اس وجہ سے کہ تو نے اپنے خاوند کی اطاعت کی ہے۔

مذکورہ احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو عورت اپنے گھر میں بیٹھ کر نماز روزہ یعنی اللہ کے احکامات کی پابندی کرے اور اپنے زوج کی اتباع کرے اس کو اللہ تعالیٰ جہاد کا مرتبہ عطا فرماتا ہے اور حدیث کا جو واقعہ امام غزالی نے ذکر کیا وہ بہت ہی نصیحت آموز ہے کہ زوج کا اتنا بڑا مقام ہے کہ اس سے عہد کرنے کے بعد عورت نے نیچے والی منزل میں رہنے والے والد پر انتہائی تکلیف بھی آئی اور وہ فوت ہوا لیکن وہ اپنے خاوند سے عہد کر چکی تھی میں اپنی منزل سے نیچے نہیں اتروں گی تو نبی علیہ السلام نے اس عہد کو قائم رکھا اور عورت کے اس سوال کو ہر دفعہ مسترد فرمایا اور اس کے عوض میں اس کے والد کو اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت عطا فرمائی بہر حال اس زمانے کی مائیں' بہنیں' بیٹیوں سے میں عرض کروں گا کہ مذکورہ احادیث کو پڑھیں تو اللہ کے رسول کی طرف سے جنت کو ضرور پائیں گی۔ لیکن افسوس اس وقت اس معاشرے میں ان حقوق میں ایک فیصد بھی نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری مائیں بہنیں اور بیٹیوں کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٤٣٦- بَابُ حَقِّ الضِّيَافَةِ

مہمان نوازی کا بیان

٩٣٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا سَعِيْدُ الْمَقْبُرِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ وَّالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ فَمَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَّلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِيْ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحْرِجَهٗ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا سعید مقبری نے ابی شریح کعبی سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی خاطر مدارات ایک رات دن کرے اور مہمان داری تین دن ہے' اس کے بعد صدقہ اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ میزبان کے پاس اتنے دن ٹھہرے کہ اسے تکلیف ہو۔

مذکورہ باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مہمان نوازی کے بارے میں ایک حدیث لائے جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ مہمان نوازی تین دن ہے اس کے بعد عطیہ ہے جو ایک دن رات کا خرچ بن سکے اس کے بعد اگر کوئی مہمان کی خدمت کرے یعنی روٹی وغیرہ کا اہتمام کرے تو اچھا ہے اگر نہ کرے تو گنہگار نہیں ہے لیکن مہمان کو زیادہ سے زیادہ مہمان نواز کے پاس تین دن تک ٹھہرنا چاہیے اور اس کے بعد اس کو تنگ نہیں کرنا چاہیے اور بعض شارحین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مہمان نواز مہمان کی پہلے دن اچھی طرح سے تواضع کرے اور دوسرے اور تیسرے دن عام گھر میں جو پکتا ہے وہی مہمان کو دے اور اس کے بعد اگر اس نے آگے سفر پر جانا ہو اتنا خرچہ اسے دے دے جو ایک دن اور ایک رات اس کے لیے کافی ہو سکے اسی کو جائزہ کہتے ہیں یہ تفصیل مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ٨ مکتبہ امدادیہ ملتان سے نقل کی ہے۔

عن عقبة بن عامر قال قلت للنبی ﷺ انک تبعثنا فننزل بقوم لا یقرونا فما تری فقال لنا ان نزلتم بقوم فامروا لکم بما ینبغی للضیف فاقبلوا

حضرت عقبہ ابن عامر سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا ہم کو بھیجتے ہیں تو ہم ایسی قوم پر اترتے ہیں جو ہماری مہمان نوازی نہیں کرتی تو حضور کیا حکم دیتے ہیں؟ تب ہم

فان لم یفعلوا فخذوا من ھم حق الضیف الذی ینبغی لھم متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص۳۶۸' باب الضیافۃ الفصل الاول' مطبوعہ اصح المطابع آرام باغ' کراچی)

سے فرمایا کہ اگر تم کسی قوم پر اترو پھر وہ تمہارے لیے وہ جو مہمانوں کے لیے مناسب ہے تو قبول کرلو اگر نہ کریں تو ان سے مہمان کا وہ حق لو جو مہمانوں کو مناسب ہے۔ اس کو بخاری و مسلم نے ذکر کیا۔

اس حدیث میں بظاہر جو حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے صحابہ کو فرمایا جب تمہارا کسی قوم پر گزر ہو وہ تمہاری مہمان نوازی کریں تو فبہا اگر وہ مہمان نوازی نہ کریں تو پھر ان سے اتنا پکڑ لو کہ جس سے تمہارا گزر ہو جائے اس حدیث کی تفصیل میں محدثین کو اختلاف ہے اور انہوں نے اس کو جائز نہیں سمجھا کہ زبردستی کسی سے مہمان نوازی کا معاوضہ لیا جائے کیونکہ اس میں شر اور فساد کا خطرہ ہے اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تین تاویلیں کی ہیں کہ جن کو امام ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں یوں ذکر کیا ہے۔

قال ابن مالک امرہ ﷺ یاخذ حق الضیف عند عدم ادائہ وھو فی اھل الذمۃ المشروطۃ علیھم ضیافۃ المار علیھم من المسلمین اوفی المضطرین من اھل المخمصۃ والا فیمتنع اخذ مال الغیر الا نفسہ. وثالثھا ان ھذا کان فی اول الاسلام وکانت المواساۃ واجبۃ فلما اشیع الاسلام نسخ ذلک. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۸ص۲۰۳' باب الضیافۃ فصل الاول' مکتبہ امدادیہ ملتان' پاکستان)

ابن مالک نے کہا کہ عقبہ بن عامر کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مہمانی کا حق پکڑ لو جب کہ وہ ادا نہ کریں (اس کی تین تاویلیں ہیں) یہ حدیث اہل ذمہ کے حق میں ہے کہ جن سے شرط لگائی ہوئی تھی کہ جب مسلمان تمہارے پاس سے گزریں تو تم پر ان کی مہمان نوازی لازم ہوگی' دوسرا ان لوگوں کے حق میں ہے کہ جو بھوک کی وجہ سے اضطرار میں ہوں (یعنی اگر کھانے کو نہ ملے تو ان کو موت کا خطرہ ہے) ورنہ مال غیر کو اس کی خوشی کے بغیر پکڑنا جائز ہے' تیسرا یہ حدیث اوّل اسلام میں تھی جب کہ برابری کا حکم واجب تھا' جب اسلام پھیل گیا تو اس حدیث کا حکم منسوخ ہو گیا۔

بہرصورت اس حدیث کا اب عمل مطلقاً جاری نہیں ہے بلکہ فی زمانہ صرف اس صورت میں پایا جا سکتا ہے جب کوئی انسان اضطرار کی حالت میں ہو اور مہمان نواز کھانا نہ دے تو زبردستی اس سے اتنا لے سکتا ہے کہ جس سے اس کی جان بچ سکے۔ یاد رہے مہمان نوازی کی شان میں کثیر احادیث آئی ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا باعث طوالت ہے اور میں صرف ایک حدیث جس میں ایک روحانی کیفیت ہے وہ مشکوٰۃ شریف سے نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وعن انس او غیرہ ان رسول اللہ ﷺ استاذن علی سعد بن عبادۃ فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ فقال سعد وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ولم یسمع النبی ﷺ حتی سلم ثلثا ورد علیہ سعد ثلثا ولم یسمعہ فرجع النبی ﷺ فاتبعہ سعد فقال یا رسول اللہ بابی انت وامی ما سلمت تسلیمۃ الا وھی باذنی ولقد رددت علیک ولم اسمعک احببت ان استکثر من سلامک ومن البرکۃ ثم دخلوا البیت فقرب لہ زبیبا فاکل نبی اللہ ﷺ فلما فرغ قال اکل طعامکم الابرار

حضرت انس ابن مالک وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن عبادہ کے ہاں اجازت چاہی تو فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو حضرت سعد نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور نبی ﷺ کو نہ سنایا حتیٰ کہ حضور نے تین بار سلام کیا اور حضور کو سعد نے جواب دیا سنایا نہیں تب نبی ﷺ واپس ہو گئے تو جناب سعد حضور کے پیچھے گئے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا حضور نے کوئی سلام نہ کیا مگر وہ میرے کان میں پہنچا اور میں نے حضور کا جواب دیا آپ کو نہ سنایا میں نے چاہا کہ آپ کا سلام اور برکت زیادہ حاصل کرلوں پھر وہ سب گھر میں آئے' حضور ﷺ کی خدمت میں کشمش

وصلت علیکم الملائکۃ وافطر عنکم الصائمون رواہ فی شرح السنۃ. (شرح مشکوٰۃ شریف ص۳۶۹'باب الضیافۃ الفصل دوم'مطبوعہ اصح المطابع آرام باغ' کراچی)

پیش کی نبی ﷺ نے کھالی پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا: تمہارا کھانا نیکوں نے کھایا' تم پر فرشتوں نے دعائے رحمت کی اور تمہارے پاس روزہ داروں نے افطاری کی۔اس کو شرح السنۃ میں روایت کیا۔

مذکورہ حدیث میں اگرچہ مہمان نوازی کا ذکر ہے لیکن سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل جو ہے اس کو دیکھا جائے تو اس سے کئی عظیم الشان نعمتوں کا پایا جانا نکلتا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کا تین کلمات سے سلام کرنا اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یعنی تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور برکتیں اور نعمتیں نازل ہوں اب اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جس کے حق میں رسول اللہ ﷺ یہ الفاظ کہہ دیں تو وہ سلامتی میں آ گیا اور برکتوں کی بھی اس پر بارش ہوگئی یہ کلمات بار بار سننے کے لیے سعد ابن عبادہ نے آہستہ جواب دیا دوسرا یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ واپس لوٹے تو سعد ابن عبادہ نے دوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پورا ذکر کر دیا کہ میں نے تین دفعہ آپ کا سلام سنا جواب بھی دیا اور آپ کو نہیں سنایا' نبی علیہ السلام نے نہ تو ان کو ڈانٹا اور نہ ہی ناراض ہوئے بلکہ واپس لوٹ کر ان کے گھر میں داخل ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ کے اس فعل شریف نے اس بات کی تصدیق کردی کہ ایسے امر عظیم کے حاصل کرنے کے لیے ایسا حیلہ کرنا جائز ہے اسی حدیث کے ساتھ امام ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ امام طیبی کے قول کو نقل کرتے ہیں کہ ایسا حیلہ کرنا یہ جائز ہے لیکن یاد رہے کوئی بدنصیب یہ اعتراض نہ کردے۔اگر نبی پاک ﷺ کو علم غائب ہوتا کہ آپ اس کی آواز کو سنتے پھر واپس کیوں لوٹتے؟ اس کا جواب یہ ہے حدیث کے الفاظ لم یسمعہ یعنی سعد نے نبی علیہ السلام کو سنایا نہیں 'اس کی نفی نہیں کہ آپ نے سنا نہیں آپ نے سنا ضرور ہے لیکن واپس اس لیے لوٹے کہ احکام شرح کا تعلق ظاہر سے ہے باطن سے نہیں اور پھر نبی پاک ﷺ نے ناراضگی تو کجا اس قدر عظیم الشان انعام فرمایا آپ نے فرمایا تیرے کھانے کو ابرار نے کھایا اور تجھ پر فرشتوں نے رحمت بھیجی اور تمہارے پاس روزے داروں نے روزہ افطار کیا اس سے ثابت ہوا جس گھر میں اللہ کا رسول چلا جائے وہاں اللہ کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عقیدت کے اس قسم کے اتنے کثیر واقعات موجود ہیں کہ ان کو جمع کیا جائے تو کئی دفتر بن جائیں۔ایک صحابی نے پانی سے روزہ رکھا ہوا تھا اور نبی علیہ السلام نے بچا ہوا پانی یعنی خود پانی پی کر بچا ہوا پانی اس کو دیا تو اس نے روزہ توڑ دیا اور پانی پی لیا اس کا معنی یہ ہی نکلتا ہے کہ روزے کی قضا تو ہو جائے گی مگر اس نعمت عظیمہ کی قضا نہیں ہوگی۔اور مرا ۃ شرح مشکوٰۃ میں نضر بن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی میراث کی تقسیم کا واقعہ یوں نقل کیا۔

جس پیالہ سے نبی علیہ السلام نے پانی پیا اس کی قیمت آٹھ لاکھ دینار پڑی

وجاء فی روایۃ عن انس رضی اللہ عنہ انہ قال لقد سقیت رسول اللہ ﷺ من ھذا القدح اکثر من کذا وکذا وعن البخاری انہ راٰہ بالبصرۃ وشرب منہ قال ابن حجر رحمہ اللہ فاشتری ھذا القدح من میراث النضر بن انس بثمانمائۃ الف. (مراۃ شرح مشکوٰۃ ج۸ص۲۲۶ باب النقیع والانبذۃ' الفصل الاوّل' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' (مغربی پاکستان)

ایک روایت میں انس ابن مالک سے آیا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے اس پیالہ سے بے شمار دفعہ رسول اللہ ﷺ کو پانی پلایا۔حضرت امام بخاری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے اس کی بصرہ میں زیارت کی اور اس سے پانی پیا' امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نضر ابن انس کی میراث میں یہ پیالہ آٹھ لاکھ کا فروخت ہوا۔

۴۳۷- بَابُ تَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ

چھینک کا جواب دینے کے بیان میں

۹۳۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِنْ عَطَسَ فَشَمِّتْهُ ثُمَّ اِنْ عَطَسَ فَشَمِّتْهُ ثُمَّ اِنْ عَطَسَ فَشَمِّتْهُ ثُمَّ اِنْ عَطَسَ فَقُلْ لَهٗ اِنَّكَ مَضْنُوْكٌ قَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ لَا اَدْرِیْ بَعْدَ الثَّالِثَةِ اَوِ الرَّابِعَةِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا عبداللہ بن ابوبکر بن عمرو ابن حزم نے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے جب کسی کو چھینک آئے تو اس کا جواب دے (یعنی الحمدللہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہے) پھر چھینک آئے تو جواب دے پھر اگر چھینک آئے تو کہہ دے تمہیں زکام ہے۔ عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ آپ نے تیسری مرتبہ کے بعد فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَشَمِّتْهُ ثُمَّ اِنْ عَطَسَ فَشَمِّتْهُ فَاِنْ لَمْ تُشَمِّتْهُ حَتّٰى يَعْطِسَ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا اَجْزَاكَ اَنْ تُشَمِّتَهٗ مَرَّةً وَّاحِدَةً.

امام محمد کہتے ہیں جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کا جواب دے پھر چھینک آئے تو جواب دے اگر دو یا تین مرتبہ چھینک آئے تو اس کا جواب نہ دینا بھی جائز ہے بشرطیکہ ایک مرتبہ دے چکا ہو۔

چھینک کا جواب دینے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ باب میں ایک حدیث لائے اگر کسی نے چھینک لی تو سننے والے پر تشمیت ضروری ہے (یعنی یرحمک اللہ کہنا ضروری ہے) یہ چھینک کا جواب ہوتا ہے اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی چھینک لے تو تین دفعہ سننے والا جواب دے اگر چوتھی دفعہ چھینک لے تو جواب نہ دے کیونکہ یہ زکام ہے۔ عبداللہ ابن ابی بکر کہتے ہیں کہ مجھے اس بات میں شک ہے تین دفعہ جواب دینے کے بعد یا چوتھی دفعہ جواب دینے کے بعد چھینک کا جواب دینے سے منع کیا گیا۔ بہر صورت مشہور ہے کہ تین دفعہ چھینک کا جواب دے لے تو پھر چوتھی دفعہ چھینک کا جواب دینا ضروری نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایک گنجائش نکالی کہ کسی نے تین دفعہ چھینک لی تو سننے والے نے کسی ایک کا جواب دے دیا تو یہ سب کا جواب شمار کیا جائے گا اب چھینک کے بارے میں کتب احادیث سے چند روایتیں نقل کی جاتی ہیں تاکہ چھینک کا مسئلہ پوری طرح واضح ہو جائے۔

عن ابن عمر قال كان رسول الله ﷺ اذا عطس احمر وجهه وخفض صوته رواه الطبرانی فی الاوسط...... وعن عبدالله يعنی ابن مسعود قال كان رسول الله ﷺ يعلمنا اذا عطس احدنا ان نشمته. رواه الطبرانی واسناده جيد. وعن عائشة قالت عطس رجل عند رسول الله ﷺ وقال مااقول يارسول الله قال قل الحمد لله قالوا ما نقول له يارسول الله قال قولوا يرحمك الله قال مااقول لهم يارسول الله قال قل لهم يهديكم الله ويصلح بالكم رواه احمد وابويعلی وفيه ابومعشر نجيح وهو لين الحديث وبقية رجاله ثقات وعن عبدالله بن

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ جب چھینک لیتے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا اور چھینک کے وقت اپنی آواز آہستہ نکالتے۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا...... عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے نبی پاک ﷺ ہم کو سکھلاتے جب ہمارا کوئی ایک چھینک لے ہم اس کی تشمیت کریں (یعنی چھینک کا جواب یرحمک اللہ دیں) اس کو طبرانی نے جید اسناد کے ساتھ روایت کیا۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس چھینک لی اس نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ مجھے اب کیا کہنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تو کہہ الحمدللہ۔ پاس بیٹھنے والوں نے کہا ہم اس کے لیے کیا کہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا تم کہو

مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ یعلمنا اذا عطس احدکم فلیقل الحمدللہ رب العالمین فاذا قال ذلک فلیقل من عندہ یرحمک اللہ فاذا قال ذلک فلیقل یغفر اللہ لی ولکم رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط. (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۶۔۵۷ باب فی العطاس وما یقول العاطس وما یقال لہ مطبوعہ بیروت)

یرحمک اللہ اس چھینک لینے والے نے عرض کی ان کے جواب میں میں کیا کہوں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا تو ان کے لیے کہو۔ یھدیکم اللہ ویصلح بالکم اور اس کو امام احمد بن حنبل اور ابویعلی نے بھی روایت کیا۔ اس روایت کی اسناد میں ایک راوی ابومعشر نجیح ہے وہ حدیث میں تھوڑا سا نرم ہے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ ہمیں سکھلاتے جب تم میں سے کوئی چھینک لے تو اس چھینک لینے والے کو کہنا چاہیے الحمدللہ رب العالمین جب وہ یہ کہہ لے تو وہ لوگ جو اس کے پاس ہیں تو وہ کہیں یرحمک اللہ ان لوگوں کے جواب دینے کے بعد چھینک لینے والا کہے۔ یغفر اللہ لی ولکم (یعنی میرے لیے اور تمہارے لیے اللہ بخشش فرمائے) طبرانی نے اسے کبیر اور اوسط میں ذکر کیا۔

عن انس بن مالک قال عطس عندالنبی ﷺ رجلان فشمت احدھما ولم یشمت الأخر فقال الذی لم یشمۃ عطس فلان فشمۃ و عطست انا فلم تشمتنی قال ان ھذا حمداللہ وانک لم تحمد اللہ. (مسلم شریف ج ۲ ص ۴۱۳ باب تشمیت العاطس وکراہیۃ التثاؤب' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب آرام باغ' کراچی)

انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کے پاس دو آدمیوں نے چھینک لی تو آپ نے ان میں سے ایک کو جواب دیا (یرحمک اللہ) اور دوسرے کو جواب نہ دیا' جس کو جواب نہیں دیا اس نے کہا فلاں نے چھینک لی تو آپ نے اس کو جواب دیا اور میں نے چھینک لی آپ نے مجھے جواب نہیں فرمایا' نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اس نے چھینک لینے کے بعد الحمدللہ کہا اور تو نے نہیں کہا۔

مذکورہ چند حدیثوں سے درج ذیل مسائل معلوم ہوئے (۱) جب بھی چھینک لے تو آواز کو پست رکھنا سنت رسول ﷺ ہے (۲) نبی پاک ﷺ نے خود سکھلایا کہ چھینک لینے والا پہلے الحمدللہ رب العالمین کہے اور سننے والا یرحمک اللہ کہے اور اس کے جواب میں چھینک لینے والا یھدیکم اللہ کہے (۳) چھینک لینے والا اگر الحمدللہ رب العالمین نہ کہے تو سننے والے پر ضروری نہیں کہ جواب دے بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اللہ کے نام کو بھلا دیا اس لیے میں نے بھی تمہیں بھلا دیا۔ یعنی ایک چھینک لینے والے کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ تو نے چھینک لینے کے بعد الحمدللہ رب العالمین نہ کہا تو اس لیے میں نے یرحمک اللہ نہیں فرمایا تو دوسرے نے کیونکہ چھینک لینے کے بعد الحمدللہ رب العالمین کہا تو میں نے اس کا جواب دیا۔

عن عبدالرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی قال حدثنی ابی انھم کانوا غزاۃ فی البحر زمن معاویہ فانضم مرکبنا الی مرکب ابی ایوب الانصاری فلما حضر غداؤنا ارسلنا الیہ فاتانافقال

عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی سے روایت ہے انہوں نے کہا مجھے حدیث بیان کی میرے باپ نے کہ وہ بحری جہاز پر گئے ہوئے تھے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (یعنی جنگ قسطنطنیہ) تو حضرت ایوب انصاری کی سواری میرے باپ کی

دعوتمونی وانا صائم فلم یکن لی بدمن ان اجیبکم لانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان للمسلم علی اخیہ ست خصال واجبۃ ان ترک منھا شیئا فقد ترک حقا واجبا لاخیہ علیہ یسلم علیہ اذا لقیہ ویجیبہ اذا دعاہ یشمتہ اذا عطس ویعودہ اذا مرض ویحضرہ اذا مات وینصحہ اذا استنصحہ.

(الادب المفرد ص ۳۴۱ باب تشمیت العاطس مطبوعہ بیروت)

سواری سے ملی ہوئی تھی جب صبح کے کھانے کا وقت آیا تو ہم نے ایوب انصاری کی طرف آدمی بھیجا تو وہ ہمارے پاس تشریف لے آئے آپ نے فرمایا تم نے مجھے دعوت دی حالانکہ میں روزہ دار ہوں تو میرے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ میں تمہاری دعوت کو قبول کروں کیونکہ میں نے نبی پاک ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: مسلمان کے لیے اپنے بھائی پر چھ چیزیں واجب ہیں جب ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑ دیا تو اس نے اپنے بھائی کے حق واجب کو چھوڑ دیا (۱) جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو اسے سلام کہے (۲) جب کوئی دعوت کرے تو اس کو قبول کرو (۳) جب کوئی چھینک لے (اور چھینک والا الحمدللہ رب العالمین کہے) تو سننے والا یرحمک اللہ کہے (٤) اور جب کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے (٥) جب کوئی مسلمان مر جائے تو اس کے پاس حاضر ہو جائے (٦) جب کوئی مسلمان نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت دے۔

چھینک لینے والے کے جواب دینے کے فوائد

عن علی رضی اللہ عنہ قال من قال عند عطسۃ سمعھا الحمدللہ رب العالمین علی کل حال ما کان لم یجد وجع الضرس ولا اذن ابدا.

(الادب المفرد ص ۳۴۵ باب من سمع العطسۃ یقول الحمدللہ مطبوعہ بیروت)

علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس آدمی نے چھینک لینے والے سے سنا کہ اس نے کہا تمام تعریفیں رب العالمین کے لیے ہر حال میں اور اس نے اس کا جواب دیا تو نہ پائے گا داڑھ کی درد کو اور نہ کان کی درد کو ہمیشہ کے لیے۔

عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ من بادر لعاطس بالحمد عوفی من وجع الحاصرۃ ولم یشتک ضرسہ ابدا. (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷ ذ باب فیمن بادر العاطس بالحمد مطبوعہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: چھینک لینے والے نے الحمد للہ کے ساتھ جلدی کی اس کو کمر کی درد سے معافی مل گئی اور اس کے دانت کو درد نہیں ہوگی کبھی بھی۔

عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا عطس العاطس فشمۃ ولو من خلف سبعۃ ابحر ومن شمت عاطسا ذھب عند ذات الجنب ووجع الضرس والاذنین رواہ الطبرانی فی الاوسط.

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۸ باب الحث علی تشمیت العاطس مطبوعہ بیروت)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب کوئی آدمی چھینک لے تو اس کا جواب ضرور دے اگرچہ تو سات دریاؤں کے پیچھے ہو اور جس آدمی نے چھینک مارنے والے کو جواب دیا اللہ تعالیٰ اس سے نمونیا کی درد کو دور کر دے گا اور دانت اور کانوں کی درد کو بھی دور کر دے گا۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔

یاد رہے مذکورہ احادیث سے ہر صورت وہ فائدہ پہنچے گا جو کہ احادیث میں مذکور ہے بشرطیکہ عمل کرنے والا یقین سے کرے اور

ایسے محکم یقین سے کرے کہ جو نبی پاک ﷺ نے فرمایا یہ حق ہے اور مجھے ضرور فائدہ پہنچے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٤٣٨- بَابُ الْفِرَارِ مِنَ الطَّاعُوْنِ

طاعون سے بھاگنے کے بیان میں

٩٤٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ اَنَّ عَامِرَ بْنَ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اُسَامَةَ ابْنَ زَيْدٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ هٰذَا الطَّاعُوْنَ رِجْزٌ اُرْسِلَ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَوْ اُرْسِلَ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ شَكَّ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ فِيْ اَيِّهِمَا قَالَ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِ وَاِنْ وَقَعَ فِيْ اَرْضٍ فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ نے کہ عامر بن وقاص رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اسے بتلایا کہ طاعون ایک عذاب ہے جو تم سے پہلی امت پر بھیجا گیا یا بنی اسرائیل پر ابن منکدر کو شبہ ہوا کہ ان دونوں میں سے آپ نے کیا فرمایا تھا۔ جب تم کسی جگہ کے متعلق سنو کہ وہاں طاعون پھیلی ہوئی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر کسی جگہ پھیل جائے تو وہاں سے بھاگ نہ نکلو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا حَدِيْثٌ مَعْرُوْفٌ قَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ فَلَا بَاْسَ اِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ اَنْ لَّا يَدْخُلَهَا اِجْتِنَابًا لَهٗ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ ایک مشہور حدیث ہے جو ایک سے زیادہ راویوں نے بیان کی ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی جگہ طاعون ہو تو پرہیز کی خاطر وہاں نہ جائے۔

مذکورہ باب میں امام محمد ایک حدیث لائے طاعون کے بارے میں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس مقام پر کوئی رہتا ہو وہاں طاعون کی بیماری اگر پھیل جائے تو وہاں سے بھاگنا نہیں چاہیے اور اگر کوئی ایسی جگہ پر رہتا ہے کہ وہاں طاعون کی بیماری نہیں پھیلی ہوئی تو اس کو وہاں نہیں جانا چاہیے جہاں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے۔ یہ طاعون کی بیماری پہلی امتوں میں بھی آئی اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی ملک شام میں بھی آئی اور اس خطہ پنجاب میں بھی چودھویں ہجری کی ابتداء میں زبردست آئی اور لوگ ہر وقت قبریں ہی کھودتے رہتے' اس بیماری کی علامت یہ ہے کہ اکثر طور پر بغل کے نیچے پھوڑا نکلتا تو جس آدمی کے نکل آتا وہ تین دن سے زائد زندہ نہ رہتا کیونکہ میرے والد ماجد کے زمانہ میں آئی وہ قبر نکالنا جانتے تھے اور وہ فرماتے تھے کہ مجھے قبروں کو کھودنے سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ نبی پاک ﷺ نے اس بیماری کو اللہ تعالیٰ کا عذاب قرار دیا۔ مسلم شریف میں یوں آیا۔

عن حبيب قال كنا بالمدينة فبلغنى ان الطاعون قد وقع بالكوفة فقال لى عطاء ابن يسار وغيره ان رسول الله ﷺ قال اذا كنت بارض فوقع بها فلا تخرج منها واذا بلغك انه بارض فلا تدخلها قال قلت عمن قالوا عن عامر بن سعد يحدث به قال فاتيته فقالوا غائب قال فلقيت اخاه ابراهيم بن سعد فسالته قال شهدت اسامة يحدث سعد قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان هذا الوجع رجز او عذاب اوبقية عذاب عذب به اناس من قبلكم فاذا كان بارض وانتم بها [illegible] منها واذا بلغكم انه بارض [illegible]

حبیب بیان کرتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے تو ہم کو یہ خبر پہنچی کہ طاعون کوفہ میں پھیلا ہوا ہے۔ عطاء بن یسار اور دوسرے لوگوں نے مجھ سے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں طاعون آ جائے تو تم اس علاقہ سے نہ نکلو اور جب تم کو یہ خبر پہنچے کہ کسی علاقے میں طاعون پھیل گیا ہے تو تم اس علاقہ میں مت داخل ہونا۔ میں نے کہا تم نے یہ کس سے سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا عامر بن سعد اس حدیث کو بیان کرتے تھے میں ان کے پاس گیا لوگوں نے کہا وہ موجود نہیں ہیں میں ان کے بھائی ابراہیم بن سعد سے ملا اور ان کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا جس [illegible] حضرت سعد کو یہ حدیث بیان کی تھی تو اس [illegible] اسامہ نے کہا میں نے رسول اللہ

قال حبيب فقلت لابراهيم انت سمعت اسامة يحدث سعداوهو لاينكر قال نعم.

(مسلم شریف ج ۲ص ۲۲۸ باب الطاعون مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے یہ درد ایک عذاب ہے یا عذاب کا بقیہ ہے جس کے ساتھ تم سے پہلے لوگوں کو عذاب دیا گیا سو اگر تمہارے علاقہ میں طاعون آ جائے تو وہاں سے نہ نکلو اور اگر تم کو یہ خبر پہنچے کہ کسی علاقہ میں طاعون آ گیا ہے تو وہاں نہ جاؤ۔ حبیب کہتے ہیں میں نے ابراہیم سے کہا کیا تم نے خود سنا ہے کہ حضرت اسامہ حضرت سعد کو یہ حدیث بیان کر رہے تھے اور انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں!

يحيى بن يحيى التميمى قال قرأت على مالك عن ابن شهاب عن عبدالحميد بن عبدالرحمن بن زيد بن الخطاب عن عبدالله بن عبد الله بن الحارث بن نوفل عن عبدالله بن عباس ان عمر بن الخطاب خرج الى الشام حتى اذاكان بسرغ لقيه اهل الاجناد ابوعبيدة بن الجراح واصحابه فاخبروه ان الوبآء قد وقع بالشام قال ابن عباس فقال عمرادع لى المهاجرين الاولين فدعوتهم فاستشارهم واخبرهم ان الوبآء قد وقع بالشام فاختلفوا فقال بعضهم قد خرجت لامرولانرى ان ترجع عنه وقال بعضهم معك بقية الناس واصحاب رسول الله ﷺ ولانرى ان تقدمهم على هذا الوباء فقال ارتفعوا عنى ثم قال ادع لى الانصار فدعوتهم له فاستشارهم فسلكوا سبيل المهاجرين واختلفوا كاختلافهم فقال ارتفعوا عنى ثم قال ادع لى من كان ههنا من مشيخة قريش من مهاجرة الفتح فدعوتهم سلم يخلف عليه رجلان فقالوا نرى ان ترجع بالناس ولا تقدمهم على هذا الوباء فنادى عمر فى الناس انى مصبح على ظهر فاصبحوا عليه فقال ابوعبيدة بن الجراح افرارمن قدر الله فقال عمر لو غيرك قالها يا ابا عبيده وكان عمر يكره خلافه نعم نفر من قدرالله الى قدرالله ارأيت لوكانت لك ابل مهبطت واديا له عدوتان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے جب سرغ پر پہنچے تو اجناد کے لوگوں میں سے حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور ان کے اصحاب نے آپ سے ملاقات کی اور یہ بتایا کہ شام میں وباء پھیل گئی ہے۔ حضرت ابن عباس نے بتایا کہ عمر نے فرمایا مہاجرین اولین کو بلاؤ میں نے ان کو بلایا آپ نے ان سے مشورہ کیا اور ان کو یہ بتلایا کہ شام میں وبا پھیل گئی ہے' اس مسئلہ میں ان کا اختلاف ہوا' بعض نے کہا آپ ایک کام کے لیے آئے ہیں اور ہمارے خیال میں اب آپ کا واپس جانا درست نہیں۔ بعض نے کہا آپ کے پاس بعض متقدمین اور اصحاب رسول ﷺ موجود ہیں اور ہمارے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ ان کو وبائی علاقہ میں لے جائیں۔ حضرت عمر نے کہا اچھا اب آپ جائیں۔ پھر فرمایا میرے لیے انصار کو بلاؤ' میں نے انصار کو بلایا پھر آپ نے ان سے مشورہ کیا' انہوں نے بھی مہاجرین کی طرح اپنی رائے کا اظہار کیا اور اسی طرح مختلف آراء بیان کیں' حضرت عمر نے کہا آپ لوگ بھی تشریف لے جائیں پھر فرمایا' قریش کے ان بزرگوں کو بلاؤ جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے ان میں سے دو شخصوں نے بھی اختلاف رائے نہیں کیا اور سب نے یہ کہا کہ ہماری رائے میں آپ واپس لوٹ جائیں اور لوگوں کو وبائی علاقہ میں نہ لے جائیں بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کرا دیا کہ میں صبح کو سوار ہو جاؤں گا سو لوگ بھی سوار ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے کہا کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر نے کہا کاش یہ بات آپ کے سوا کسی اور نے کہی ہوتی اور حضرت عمر ان

احداهما خصبة والاخرى جذبة اليس ان رعيت الخصبة رعيتها بقدر الله وان رعيت الجذبة رعيتها بقدر الله قال فجاء عبدالرحمن بن عوف وكان متغيبا في بعض حاجته فقال ان عندى من هذا علما سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا عليه واذا وقع بارض وانتم بهافلا تخرجوا ضرارا منه قال فحمدالله عمر بن الخطاب ثم انصرف.

(مسلم شریف ج ۲ص ۲۲۹ باب الطاعون مطبوعہ نورمحمد آرام باغ کراچی)

سے اختلاف کرنا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ہاں ہم اللہ تعالیٰ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جارہے ہیں مجھے یہ بتلاؤ اگر آپ کے پاس اونٹ ہوں اور تم کسی ایسی وادی میں جاؤ جس کے دو کنارے ہوں ایک سرسبز وشاداب اور دوسرا بنجر اور ویران ہو اب اگر تم سرسبز کنارے پر اپنے اونٹ چراؤ تو وہ بھی اللہ کی تقدیر ہے اور اگر خشک کنارے پر چراؤ تو وہ بھی اللہ کی تقدیر ہے۔ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے جو پہلے کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا مجھے اس مسئلہ کا علم ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب تم کسی علاقہ میں وباء کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تمہارے علاقہ میں وباء پھیل جائے تو اس وباء سے بچنے کے لیے وہاں سے نہ نکلو۔ حضرت ابن عباس نے بیان کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس لوٹ گئے۔

طاعون سے اور کافروں کے نیزوں سے موت شہادت واقع ہوتی ہے

عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لاتفنى امتى الا بالطعن والطاعون قلت يارسول الله هذا لطعن قد عرفناه فما الطاعون قال غدة كغدة البعير المقيم بها كالشهيد والفارمنها كالفارمن الزحف رواه احمد. عند ابى يعلى ايضا ان النبى ﷺ قال وخزة تصيب امتى من اعدائهم الجن غدة كغدة الابل من اقام عليها كان مرابطا ومن اصيب به كان شهيدا ومن فرمنه كالفارمن الزحف رواه الطبرانى فى الاوسط بنحوه الاانه قال والصابر عليه كالمجاهد فى سبيل الله ولها عند البزار قلت يارسول الله هذالطعن قدعرفناه فماالطاعون قال يشبه الرمل يخرج فى الآباط والمراق وفيه تزكية اعمالهم وهو لكل مسلم شهادة ورجال احمد ثقات وبقية الاسانيد حسان. (مجمع الزوائد ج ۲ص ۳۱۴۔۳۱۵ ج ۲ باب فی الطاعون والشاث فيه والفارمنه مطبوعه بيروت)

حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: میری امت فنا نہیں ہوگی مگر تیروں اور طاعون سے' میں نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ تیروں کو تو ہم جانتے ہیں طاعون کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک پھوڑا ہے جو اونٹ کے پھوڑے کی طرح ہے اور اس میں ثابت قدم رہنے والا شہید کی مثل ہے اور اس سے بھاگنے والا جنگ سے بھاگنے والے کی مثل ہے۔ اس کو احمد نے روایت کیا۔ ابویعلیٰ کے نزدیک بھی یوں آیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ سینے کی درد جو میری امت کو ان کے دشمن جنوں کی طرف سے پہنچے گی وہ ایک پھوڑا ہے اونٹ کے پھوڑے کی مثل جو اس میں ثابت قدم رہا وہ ایسا ہے جیسے کسی نے جہاد کے لیے گھوڑے کو باندھا ہوا اور جو آدمی اس سے مر جائے شہید ہے' جو اس سے بھاگ جائے وہ جنگ سے بھاگنے والے کی مثل ہے۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے اوسط میں اسی کی مثل مگر اتنا زیادہ کیا وہ لوگ جو اس پر صبر کرنے والے ہیں وہ لوگ جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے کی نسبت ہیں اور اس کے لیے بزار کے پاس بھی روایت ہے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ!

ﷺ یہ نیزے ان کو تو ہم پہچانتے ہیں طاعون کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: پھوڑے کی شکل ہے جو بغل وغیرہ کے نیچے نکلتا ہے اور اس میں ان کے اعمال تزکیہ ہے اور وہ ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔ اور احمد کے سب راوی ثقہ اور باقی سندیں بھی حسن ہیں۔

عن ابی عسیب مولی رسول اللہ ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ اتانی جبرائیل علیه السلام بالحمی والطاعون فامسکت الحمی بالمدینة وارسلت الطاعون الی الشام فالطاعون شهادة لامتی ورحمة لهم ورص علی الکافر رواه احمد والطبرانی فی الکبیر ورجال احمد ثقات وعن ابی بکر الصدیق قال کنت مع النبی ﷺ فی الغار فقال اللهم طعنا وطاعونا قلت یارسول اللہ ﷺ انی اعلم انک قد سألت منایا امتک فهذا الطعن قد عرفناه فما الطاعون قال ذرب کالرمل ان طالت بک حیاه ستراه. (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۱۰-۳۱۱ باب فی الطاعون وما تحصل به الشهادة' مطبوعہ بیروت)

ابی عسیب رسول اللہ ﷺ کے غلام سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی پاک ﷺ نے فرمایا بخار اور طاعون کو جبرائیل علیہ السلام میرے پاس لے کر آئے۔ بخار کو تو مدینہ طیبہ میں روک دیا گیا اور طاعون کو شام کی طرف بھیج دیا گیا اور طاعون میری امت کے لیے شہادت اور رحمت ہے اور کافروں پر عذاب ہے۔ اس کو روایت کیا احمد اور طبرانی نے کبیر میں اور احمد کے سب رجال ثقہ ہیں۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں غار ثور میں نبی پاک ﷺ کے ساتھ تھا تو آپ نے دعا مانگی۔ اے اللہ! ہمیں نیزوں اور طاعون کی موت عطا فرما' میں نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ میں جانتا ہوں کہ آپ نے اپنی امت کی موت کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔ تو نیزے کی موت کو ہم جانتے ہیں' طاعون کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ایک سرخ رنگ کا پھوڑا ہے اگر تیری زندگی لمبی ہوئی تو' تو اس کو دیکھ لے گا۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ فناه امتی فی الطعن والطاعون قلنا قد عرفنا الطعن فما الطاعون؟ قال وخذ اعوانکم من الجبن وفی کل شهادة. (مجمع البحرین ج ۲ ص ۳۶۲ باب فی الطاعون' مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض حکومت سعودی۔ حدیث ۱۱۹۷)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: میری امت کی فنا نیزوں اور طاعون میں ہے' ہم نے عرض کی یارسول اللہ! نیزوں کو تو ہم جانتے ہیں طاعون کیا چیز ہے؟ فرمایا تمہارے دشمنوں کا بزدلی سے نیزہ مارنا (جو دوسری طرف نہ نکلے) ہر ایک میں شہادت ہے۔

مذکورہ احادیث سے چند امور ثابت ہوئے

(۱) جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہو وہاں نہیں جانا چاہیے اور اگر طاعون آ جائے کہ جہاں وہ رہتا ہے اسے وہاں سے بھاگنا نہیں چاہیے۔

(۲) شام میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی کہ پیچھے سے حضرت عمر فاروق تشریف لے گئے' مہاجرین اور انصار نے اس میں اختلاف کیا کہ وہاں جانا چاہیے یا نہیں۔ یہاں تک کہ عبیدہ ابن جراح سے عمر فاروق کا مکالمہ بھی ہوا کہ آپ تقدیر کو دیکھ کر واپس لوٹ رہے ہیں۔ بہرصورت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہہ دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جہاں طاعون کی بیماری پھیلی ہو وہاں نہ جانا چاہیے اور اس پر فیصلہ ہو گیا۔ لہٰذا عمر فاروق واپس لوٹ آئے اور صحابہ کرام

بھی آپ کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔

(۳) بخار اور طاعون کو جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے تو بخار کو مدینہ طیبہ روک لیا گیا اور طاعون کو شام کی طرف بھیج دیا گیا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے لیے بخار کو اختیار کیا کیونکہ مدینہ طیبہ میں اکثر مسلمان تھے تا کہ وہ بخار کا ثواب حاصل کریں اور اس وقت شام میں مسلمان کم تھے اس لیے طاعون سے اگر چہ موت شہادت نصیب ہے لیکن کفار کے لیے عذاب ہے اس لیے اس کو شام کی طرف بھیج دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بخار اور طاعون جیسی چیزوں میں بھی اختیار دیا ہے۔

(٤) نبی علیہ السلام نے فرمایا: میری امت کا خاتمہ دو چیزوں میں ہے طاعون اور جنگ (یعنی میری امت کے لیے دونوں شہادتیں ہیں)۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٤٣٩- بَابُ الْغِيْبَةِ وَ الْبُهْتَانِ

غیبت اور بہتان کے بیان میں

٩٤١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ عَبْدِاللهِ بْنِ صِيَادٍ اَنَّ الْمُطَّلِبَ بْنَ عَبْدِاللهِ بْنِ حَطَّابِ بْنِ حَنْطَبٍ الْمَخْزُوْمِيَّ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَا الْغِيْبَةُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ تَذْكُرَ مِنَ الْمَرْءِ مَا يَكْرَهُ اَنْ يَسْمَعَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَاِنْ كَانَ حَقًّا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا قُلْتَ بَاطِلًا فَذٰلِكَ الْبُهْتَانُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا ولید بن عبداللہ بن صیاد رضی اللہ عنہ نے کہ انہیں خبر دی مطلب بن عبداللہ بن خطاب بن حطب مخزومی نے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا غیبت کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم کسی شخص کے متعلق ایسی بات کہو کہ وہ سن لے تو اسے ناگوار ہو۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ﷺ خواہ وہ سچی بات ہو؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تم نے جھوٹ کہا تو وہ بہتان ہے (جو بجائے خود ایک بہت بڑا گناہ ہے)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَذْكُرَ لِاَخِيْهِ الْمُسْلِمِ الزَّلَّةَ تَكُوْنُ مِنْهُ مِمَّا يَكْرَهُ فَاَمَّا صَاحِبُ الْهَوٰى الْمُتَعَالِنُ بِهَوَاهُ الْمُتَعَرِّفُ بِهٖ وَالْفَاسِقُ الْمُتَعَالِنُ بِفِسْقِهٖ فَلَا بَاْسَ اَنْ تَذْكُرَ هٰذَيْنِ بِفِعْلِهِمَا فَاِذَا ذَكَرْتَ مِنَ الْمُسْلِمِ مَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ الْبُهْتَانُ وَهُوَ الْكَذِبُ.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے مناسب نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی ایسی لغزشوں کو بیان کرے جو اسے ناگوار ہوں لیکن خواہشات کا بندہ جو اپنی خواہشات کے باعث مشہور ہو اور وہ بدکار جو علانیہ بدی کرتا ہوں تو ان دونوں کے افعال بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر کسی مسلمان کے بارے میں ایسی بات بیان کرو جو اس میں نہیں تو یہ بہتان اور جھوٹ ہے۔

مذکورہ باب میں غیبت کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی کہ جس حدیث کے الفاظ میں غیبت کی تعریف بھی پائی جاتی ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ نے غیبت کا بیان فرمایا کہ غیبت وہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اگر وہ اس کو سنے تو اسے ناگوار گزرے یعنی کسی کی پشت کے پیچھے کوئی ایسی بات کہنا کہ اگر اس کو پتا چل جائے تو اسے دکھ ہو اگر چہ وہ سچی ہی کیوں نہ ہو جیسے کوئی آدمی چھپ کر کوئی برا کام کرتا ہے اور دوسرا آدمی اس کو جانتا ہے وہ اس کی پشت کے پیچھے اس کے حقیقی عیب کا کسی کے سامنے ذکر کرتا ہے جو حقیقت میں سچا ہے لیکن اس کو نبی پاک ﷺ نے غیبت قرار دیا۔ اگر وہ اس میں عیب نہیں جو یہ اس کی پشت کے پیچھے ذکر کر رہا ہے تو یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ چند چیزوں کو مستثنیٰ

قرار دیتے ہیں ایک تو وہ آدمی جو اعلانیہ بدکاری کرتا ہے اس کی پشت کے پیچھے اس کی بدکاری کا ذکر کرنا یہ گناہ اور غیبت نہیں ہے تو جب اعلانیہ گناہ کرتا ہے اب پوشیدہ رہنے کی صورت باقی نہ رہی اب تو اس کے ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ رہا۔ سوائے اس کے کہ اس نیت سے ذکر کرے کہ وہ اعلان بدکاری کرنے والا شاید اس فعل سے باز آ جائے اور اسی طرح جو اپنی خواہشات میں مشہور ہو تو وہ شریعت کا پاس نہیں رکھتا' اپنی من مانی کرتا ہے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس کی گمراہی سے بچ جائیں گے۔ لہٰذا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ دو قسم کی غیبت جائز ہے۔ تو یہ تعریف جو غیبت کی حدیث میں آئی ہے یہی تعریف لغات عرب میں پائی جاتی ہے۔

غیبت کی اقسام

اعلم ان حد الغيبة ان تذكر اخاك بما يكرهه لو بلغه سواء ذكرته بنقص في بدنه او نسبه او في خلقه او في فعله او في قوله او دينه او في دنياه حتى في ثوبه به وداره ودابته اما البدن فكذكرك العمش والحول والقرع والقصر والطول والسواد والصفرة وجميع مايتصور ان يوصف به مما يكرهه كيفما كان واما النسب فبأن تقول ابوه نبطي او هندي او فاسق او خسيس او اسكاف او زبال اوشئي مما يكرهه كيفما كان واما الخلق فبأن تقول هو سيئ الخلق بخيل مكبر مراء الشديد الغضب جبان عاجز ضعيف القلب متهور وما يجرى مجراه واما في افعاله المتعلقه بالدين فكقولك هو سارق او كذاب او شارب خمر او خائن اوظالم او متهاون بالصلوة او الزكوة اولا يحسن الركوع او السجود اولايحترز من النجاسات اوليس بار الوالديه اولا يضع الزكوة موضعها اولايحسن قسمتها اولا يحرس صومه عن الرفث والغيبة والتعرض لاعراض الناس واما فعله المتعلق بالدنيا فكقولك انه قليل الادب متهاون بالناس اولايرى لأحد على نفسه حقا اويرى لنفسه الحق على الناس اوانه كثير الكلام كثير الاكل نؤم ينام في غير وقت النوم ويجلس في غير موضعه واما في ثوبه فكقولك انه واسع الكم طويل الذيل وسخ الثياب. (احیاء العلوم

غیبت کی تعریف یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر کرے ایسی چیز کے ساتھ اگر وہ اس کو پہنچ جائے تو وہ اس کو ناپسند کرے عام اس سے کہ تو ذکر کرے نقص کا بدن میں' نسب میں' خلق میں' فعل میں' قول میں' دین میں اور اس کی دنیا میں حتیٰ کہ اس کے کپڑے میں اور اس کے گھر میں اور اس کی سواری میں اور اس کے بدن کی غیبت یہ ہے کہ تو اس کے نابینا ہونے' بھینگا ہونے' گنجا ہونے' چھوٹا لمبا' کالا پیلا ہونے کا اس کی عدم موجودگی میں ذکر کرے' اس کے علاوہ جو متصور ہو سکے اس کو ایسی وصف سے ذکر کیا جائے کہ جو اس کو ناپسند ہو اور نسب میں غیبت یہ ہے کہ تو اس کو یدوی یا کاشتکار کہے' فاسق یا ذلیل کہے اور موچی یا جولاہا کہے یا ایسی قسم کا کوئی لفظ کہے جو اس کو ناپسند ہو اور خلق میں غیبت یہ ہے کہ تو کہے برے خلق والا' بخیل' متکبر' شدید الغضب' بزدل' عاجز' ضعیف القلب اور شجاعت رکھنے والا کہ آگ میں چھلانگ لگا دے اور اس کے فعل میں غیبت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جو دین سے تعلق رکھتی ہے جیسے تو کہے چور' جھوٹا شراب خور' خیانتی' ظالم' نماز اور زکوٰۃ میں سختی کرنے والا اور رکوع وسجود اچھا نہیں کرتا' نجاسات سے نہیں بچتا' ماں باپ سے بھلا نہیں کرتا' مستحقین کو زکوٰۃ نہیں دیتا یا اس کی اچھی تقسیم نہیں کرتا یا روزہ کی حالت میں جماع سے پرہیز نہیں کرتا اور غیبت کا معنی یہ بھی ہے لوگوں کی عزت میں ہاتھ ڈالے اور غیبت ان فعلوں میں جو دنیا سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کہ تو کہے ادب کم کرنے والا اور لوگوں کی توہین کرنے والا یا کسی کا اپنے نفس پر حق نہیں سمجھتا اور سب لوگوں پر اپنا ہی حق سمجھتا ہے یا وہ کثیر الکلام یعنی باتونی ہے' بہت کھانے والا' بہت زیادہ بے وقت سونے والا اور اپنی لائق جگہ کو چھوڑ

ج ۳ ص ۱۲۵ اباب بیان معنی الغیبۃ وحدودھا' مطبوعہ دمشق درویشیہ)

کرے محل جگہ پر بیٹھنے والا اور کپڑے میں غیبت یہ ہے کہ تو کہے کشادہ آستین اور لمبے دامن والا ہے اور اس کے کپڑے میلے ہیں۔

غیبت کے بارے میں فرمانِ خداوندی

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ (الحجرات: ۱۱-۱۲)

اے ایمان والو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے بعید نہیں کہ وہ (ان مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا (مذاق اڑایا کریں) ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو' ایمان کے بعد فاسق کہلانا کتنا برا نام ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی ظلم کرنے والے ہیں' اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور (کسی کے عیبوں کی) جستجو نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے انتہائی کراہت محسوس کرتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کو بہت قبول کرنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

یاد رہے غیبت کے بارے میں ہم نے آیتِ کریمہ نقل کی اب میں چاہتا ہوں کہ اس آیتِ کریمہ کے متعلق وہ تفسیر نقل کروں جو مستند مفسرین نے لکھی ہے۔

عن انس بن مالک عن رسول اللہ ﷺ قال لما خرج بی مررت بقوم لھم اظفار من نحاس یخمشون وجوھھم ولحومھم قلت من ھولاء فقال ھولاء الذین یاکلون لحوم الناس ویقعون فی اعراضھم رواہ البغوی قال میمون بینما انا نائم اذا انا بجیفۃ زنجی و قائل یقول کل قلت یا عبد اللہ ولم اکل قال بما اغتبت عبد فلان قلت واللہ ما ذکرت فیہ خیرا ولا شرا قال لکنک اسمعت ورضیت وکان میمون لا یغتاب احدا ولا یدع احدا ان یغتاب عندہ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قلت للنبی ﷺ حسبک من صفیۃ کذا و کذا یعنی قصیرۃ فقال لقد قلت کلمۃ لو مزج بھا البحر لمزجتہ رواہ احمد والترمذی وابوداود عن ابی

انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب انہیں معراج پر لے جایا گیا تو میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا کہ جن کے ناخن تانبے کے تھے وہ اپنے چہروں اور گوشت کو خراش رہے تھے' میں نے جبرائیل سے کہا یہ کون کون ہیں؟ جبرائیل نے عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو کھاتے ہیں لوگوں کے گوشت کو اور ان کی عزتوں میں واقع ہوتے ہیں۔ اس کو بغوی نے روایت کیا' امام میمون کہتے ہیں کہ میں سو رہا تھا تو میں ایک حبشی مردار کے پاس پہنچا کہنے والے نے کہا کھا! میں نے کہا: اے اللہ کے بندے! میں کیسے کھاؤں اس نے کہا بوجہ اس کے جو تو نے فلاں بندے کی غیبت کی ہے' میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم نہ میں نے اس کی کوئی خیر بیان کی اور نہ میں نے اس کی برائی بیان کی اس نے کہا ٹھیک ہے تو نے کوئی برائی بیان نہیں کی لیکن تو نے اس کی برائی سنی اور خوشی ہوئی' میمون نے اس کے بعد کسی کی غیبت نہیں کی اور نہ ہی

سعید و جابر قالا قال رسول الله ﷺ الغیبة اشد من الزنا قالوا یا رسول الله و کیف الغیبة اشد من الزنا قال ان الرجل یزنی فیتوب الله فیغفرله وان صاحب الغیبة لا یغفر له صاحبه فائدہ فی کفارة الغیبة عن انس رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال ان من کفارة لغیبت ان یستغفرلمن اغتبه تقول اللهم اغفرلنا وله رواه البیهقی. (تفسیر مظہری ج۹ص۵۵۔۵۶ تفسیر حجرات مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۔ہند)

کسی غیبت کرنے والے کو چھوڑا' سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے میں نے نبی پاک ﷺ سے کہا کہ آپ کے لیے صفیہ کا چھوٹا کافی ہے (یعنی اس کے عیوب میں یہ ایک عیب ہی کافی ہے) تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ کہا ہے اگر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو تمام پانی کا ذائقہ بدل جائے۔اس کو روایت کیا احمد نے ترمذی میں اور ابوداؤد نے ابوسعید اور جابر سے ان دونوں نے کہا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ غیبت زنا سے سخت ترین ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ زنا سے غیبت کیسے بدتر ہے؟ آپ نے فرمایا ایک آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے اس کے مقابلے میں غیبت کرنے والا جو ہے اس کا گناہ نہیں بخشا جائے گا یہاں تک کہ وہ آدمی نہ بخشے کہ جس کی اس نے غیبت کی ہے (اس جگہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ایک فائدے کا ذکر کرتے ہیں) غیبت کے کفارے کے بارے میں انس ابن مالک سے روایت ہے کہ نبی پاک نے فرمایا کہ غیبت کرنے والا استغفار کرے اس آدمی کے لیے جس کی اس نے غیبت کی' یوں کہے: اے اللہ! ہمارے اور اس کے گناہ معاف کر دے۔بیہقی نے اس کو روایت کیا۔

منع کیا اللہ جل شانہٗ نے غیبت سے اور غیب یہ ہے کہ تو پس پشت کسی آدمی کا عیب بیان کرے جو عیب اس میں موجود ہے اور اگر تو وہ عیب بیان کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ بہتان ہے۔اس کا معنیٰ صحیح مسلم میں ثابت ہے ابو ہریرہ کی روایت سے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کا پس پشت ذکر کرے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو آپ سے عرض کی گئی آپ کیا حکم فرماتے ہیں کہ اگر وہ اس میں واقع ہی موجود ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے تو آپ نے فرمایا اگر وہ نہ ہو جو تو نے ذکر کیا ہے تو یہ بہتان ہے۔اغتنا بہ اغتبابا یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی کسی کی عزت میں واقع ہو جاتا ہے۔شعبہ نے کہا میں نے اس کا ذکر ابواسحاق کے لیے کیا تو اس نے اس کی تصدیق کر دی۔پس پشت کسی عیب کا ذکر کرنا غیبت ہے۔حضرت حسن بصری نے کہا غیبت کی تین قسمیں ہیں اور ان تینوں کا قرآن مجید میں ذکر ہے (۱) غیبت: اپنے بھائی کے متعلق تم وہ عیب بیان کرو جو اس میں ہے (۲) افک: اپنے بھائی کے متعلق تم سنی سنائی بات بیان کرو (۳) بہتان: اپنے بھائی کے متعلق تم وہ عیب بیان کرو جو اس میں نہیں۔شعبہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے معاویہ بن قرۃ نے بیان کیا کہ اگر تمہارے پاس سے کوئی ہاتھ کٹا شخص گزرے اور تم کہو کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے تو یہ بھی غیبت ہے' شعبہ نے کہا میں نے اس کا ابواسحاق کے سامنے ذکر کیا ہے تو اس نے اس کی تصدیق کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور چار مرتبہ اپنے

زنا کرنے کا اقرار کیا نبی علیہ السلام نے ان کو رجم کر دیا پھر دو صحابہ کو نبی ﷺ نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا ایک نے دوسرے سے کہا اس شخص کو دیکھو اللہ نے اس کا پردہ رکھا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو نہیں چھوڑا حتیٰ کہ اسے کتے کی طرح سنگسار کر دیا گیا آپ کچھ دیر خاموش چلتے رہے پھر آپ کا ایک مردہ گدھے کے پاس سے گزر ہوا آپ نے فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ ان دونوں نے کہا ہم یہاں ہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا چلو اس مردار گدھے کو کھاؤ انہوں نے کہا یا نبی اللہ! اس کو کون کھائے گا؟ فرمایا تم جو ابھی ابھی اپنے بھائی کی عزت خراب کر رہے تھے وہ اس مردار گدھے کو کھانے سے زیادہ بُری بات تھی اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ اس وقت جنت کی نہروں میں ڈبکیاں لگا رہے ہیں' کیا تمہارا کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے' اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے کو مردار کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جب مردار کا گوشت کھایا جائے تو اس کو اپنے گوشت کے کھائے جانے کا علم نہیں ہوتا اسی طرح زندہ آدمی کو پتا نہیں چلتا کہ اس کے پس پشت کون اس کی غیبت کر رہا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے غیبت کی یہ مثال اس لیے بیان کی ہے کہ جس مردار کا گوشت گھناؤنا اور حرام ہے اسی طرح غیبت دین میں حرام ہے اور دل اس سے گھن کھاتے ہیں' قتادہ نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم مردار بھائی کا گوشت کھانے کو بُرا جانتے ہو اور اس سے اجتناب کرتے ہو اسی طرح غیبت کو بھی بُرا جانو اور اس سے اجتناب کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتا رہا وہ روزہ دار نہیں ہے سو جو شخص کسی مسلمان کی تنقیص کرے یا اس کی ہتک عزت کرے وہ گویا اس زندہ آدمی کا گوشت کھا رہا ہے اور جو شخص غیبت کرے وہ اس مردہ آدمی کا گوشت کھا رہا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی جتنا کسی مسلمان آدمی کا گوشت کھائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اتنی ہی جہنم کی آگ کھلائے گا اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے اے وہ لوگو! جو زبان سے مسلمان ہوئے ہو اور جس کا دل مؤمن نہیں ہوا مسلمان کی غیبت نہ کرو' ابو قلابہ رقاشی نے کہا ابو عاصم کہتے ہیں جب سے مجھے علم ہوا کہ غیب کا اس قدر گناہ ہے اس کے بعد میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ میمون سیاہ کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے ان کے سامنے اگر کوئی شخص کسی کی غیبت کرتا تو وہ اس کو منع فرماتے تھے اگر وہ رک جاتا تو فبہا ورنہ وہاں سے اٹھ کر چلے جاتے تھے' ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک شخص اٹھا اس کے اٹھنے میں کچھ لنگ تھا' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ﷺ یہ شخص اٹھنے سے کس قدر عاجز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا اور اس کی غیبت کی' سفیان ثوری سے روایت ہے انہوں نے کہا ادنیٰ غیبت یہ ہے کہ تو کہے کہ فلاں آدمی کے بال (حبشیوں کی طرح) گھنگھرالے ہیں اور جس کے متعلق کہہ رہا ہے وہ اس بات کو پسند نہ کرے تو یہ غیبت ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں کے ذکر سے اجتناب کرو کیونکہ یہ بیماری ہے اور اللہ کا ذکر کرو کیونکہ اس میں شفاء ہے' علی ابن حسین رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سنا وہ دوسرے کی غیبت کر رہا تھا آپ نے فرمایا یہ لوگوں کے کتوں کا گوشت ہے۔ عمر بن عبید سے کسی نے کہا فلاں شخص آپ کی اس قدر برائی بیان کرتا ہے کہ ہمیں آپ پر رحم آتا ہے انہوں نے کہا قابل رحم تو وہ شخص ہے۔ ایک شخص نے حسن بصری سے کہا مجھے معلوم ہے کہ آپ میری غیبت کرتے ہیں' حسن بصری نے کہا میرے نزدیک تم اتنے رتبہ کے نہیں ہو کہ میں اپنی نیکیوں پر تمہیں حاکم بنا دوں' ایک قوم کا نظریہ یہ ہے کہ غیبت کا تعلق صرف امور دینیہ سے ہے (مثلاً فلاں شخص بے نماز ہے) اور امور خلقیہ (مثلاً فلاں شخص بھینگا ہے) اور کسبیہ (مثلاً فلاں شخص موچی ہے) بیان کرنے میں غیبت نہیں ہے اور انہوں نے کہا یہ اس کے ساتھ اللہ کا فعل ہے' ایک قوم نے اس کے برعکس یہ کہا کہ غیبت کا تعلق صرف خلق (جسمانی عیوب) خُلق (فطری عیوب مثلاً بخل اور بزدلی) اور حسب (پیشہ کے عیوب مثلاً جلاہا اور موچی) سے ہے اور جسمانی عیوب کا بیان کرنا زیادہ سخت گناہ ہے کیونکہ صنعت کی مذمت کرنا صانع کی مذمت کے مترادف ہے یہ تمام نظریات مردود ہیں (اور ہر قسم کی غیبت کرنا گناہ اور حرام ہے) جسمانی بناوٹ کی

غیبت کے حرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ کہا کہ وہ کوتاہ قد ہیں تو آپ نے فرمایا تم نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو تمام پانی کا ذائقہ بدل جائے۔ اس کی حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے' اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس وصف کو بطور عیب بیان کیا جائے وہ غیبت ہے اور دوسرے نظریہ کے ابطال پر دلیل یہ ہے کہ تمام صحابہ اور تابعین کے نزدیک بدترین غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی دینی وصف کی مذمت کی جائے کیونکہ دین میں عیب نکالنا سب سے بڑا عیب ہے اور ہر مؤمن بدنی عیب کی بہ نسبت دینی عیب کو زیادہ ناپسند کرتا ہے' اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں اور یہ حدیث دین اور دنیا دونوں کو شامل ہے اور نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے: جس شخص نے اپنے بھائی کے مال یا اس کی عزت میں کوئی زیادتی کی ہو وہ اس کو معاف کرالے۔ یہ حدیث ہر قسم کی عزت کو شامل ہے اور جو شخص دینی اوصاف میں غیبت کو جائز کہتا ہے وہ ان احادیث سے معارضہ کرتا ہے۔ (تفسیر قرطبی سورۃ الحجرات پارہ ۲۶' ص ۳۳۴ ۔ ۳۳۷' مطبوعہ قاہرہ)

غیبت کرنے اور سننے والے کے متعلق چند احادیث

عن انس ان النبی ﷺ امر الناس ان یصوموا یوما ولا یفطرن احد حتی اذن له فصام الناس فلما امسوا جعل الرجل یجئی الی رسول الله ﷺ ظلت منذ الیوم صائما فاذن لی فلا فطر فیاذن له حتی جاء رجل فقال یا رسول الله ان فتاتین من اهلک ظلتا منذ الیوم صائمتین فاذن لهما فلتفطر افاعرض عنه فقال رسول الله ﷺ ما صامتا وکیف صام من ظل یاکل لحوم الناس اذهب فمرها ان کانتا صائمتین ان یستقیما ففعلتا فقاء ت کل واحدة منها علقة علقته فاتی النبی ﷺ فاخبره فقال النبی ﷺ لو ماتتا او بقیا فیهما لا کلتهما النار. (شعب الایمان ج ۵ ص ۳۰۱' باب فی تحریم اعراض الناس الرابع والاربعون من شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک دن روزہ رکھیں اور جب تک میں اجازت نہ دوں اس وقت تک کوئی روزہ افطار نہ کرے' لوگوں نے روزہ رکھا جب شام ہوئی تو ایک شخص نبی علیہ السلام کے پاس آیا اور فرمایا میں سارا دن روزہ سے رہا ہوں آپ مجھے افطار کی اجازت دیں آپ نے اس کو افطار کی اجازت دی پھر ایک شخص آیا اور اس نے کہا آپ کے گھر کی دو کنیزیں روزے سے ہیں آپ انہیں افطار کی اجازت دیں' آپ نے اس شخص سے اعراض کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کا روزہ نہیں ہے' ان لوگوں کا روزہ کیسے ہو سکتا ہے جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتے رہے ہوں جاؤ انہیں جا کر کہو اگر وہ روزہ دار ہیں تو قے کریں انہوں نے قے کی تو ہر ایک سے جما ہوا خون نکلا پھر اس نے جا کر نبی ﷺ کو خبر دی' نبی ﷺ نے فرمایا: اگر وہ مر جاتیں یا وہ جما ہوا خون ان میں باقی رہ جاتا تو ان دونوں کو دوزخ کی آگ کھا جاتی۔

عن جابر بن عبد الله قال کنا مع النبی ﷺ فارتفعت ریح منتنة فقال رسول الله ﷺ اتدرون ما هذه الریح هذه ریح الذین یغتابون المومنین رواه احمد ورجاله ثقات وعن ابن عمر قال نهی رسول الله ﷺ عن الغیبة وعن الاستماع الی الغیبة وعن الاستماع الی الغیبة.وعن

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو ایک سخت بدبو دار ہوا اٹھی' نبی پاک ﷺ نے فرمایا کیا تم اس ہوا کو جانتے ہو یہ ہوا ان لوگوں کی ہے جو مؤمنوں کی غیبت کرتے ہیں۔ اس کو روایت کیا احمد نے اور اس کے راوی ثقہ ہیں' ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے غیبت کرنے اور سننے سے منع فرمایا۔ حضرت

على انه كان يقول القائل الفاحشة والذى يسمع فى الاثم سوا رواه ابو يعلى ورجاله رجال الصحيح غير حسان بن كريب وهو ثقة. (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۱' باب ما جاء فی الغیبۃ والنمیمۃ' مطبوعہ بیروت)

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے حیائی کی باتیں کرنے والا' سننے والا دونوں برابر ہیں۔ اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے حسان بن کریب کے۔

عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ من اكل لحم اخيه فى الدنيا قرب اليه يوم القيامة فيقال له كله حيا كما اكلته ميتا فياكله ويكلح ويصيح رواه الطبرانى فى الاوسط. وعن ابن عباس قال ليلة اسرى بنبى الله ﷺ ونظر فى النار فاذا قوم ياكلون الجيف قال من هولاء يا جبرئيل قال هولاء الذين ياكلون لحوم الناس. وعن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لاصحابه تدرون ازنى الزنا عند الله قالوا الله ورسوله اعلم قال فان ازنى الزنا عند الله استحلال عرض امرى' مسلم ثم قراء (والذين يوذون المومنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا) رواه ابو يعلى ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۲' باب ما جاء فی الغیبۃ والنمیمۃ ' مطبوعہ بیروت)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا دنیا میں' اس کا بھائی قیامت میں اس کے سامنے لایا جائے گا' کہا جائے گا کھا اس زندہ کا گوشت جیسے کہ تو نے دنیا میں مردہ کا گوشت کھایا اور تیوری چڑھاتے ہوئے چیخیں مارتے ہوئے کھائے گا۔ اس کو روایت کیا طبرانی نے اوسط میں۔ ابن عباس سے روایت ہے معراج کی رات نبی پاک ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا وہ جہنم میں مردار کھا رہی تھی آپ نے فرمایا جبرئیل یہ کون قوم ہے؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں لوگوں کا گوشت کھاتے تھے (یعنی لوگوں کی غیبت کرتے تھے اور غیبت کرنا اپنے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے)۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا: کہ تم جانتے ہو سب سے بڑا زنا کرنے والا کون ہے اللہ کے نزدیک؟ تو صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے' آپ نے فرمایا سب سے بڑا زانی اللہ کے نزدیک کسی مسلمان کی عزت میں دخل اندازی کرنے والا ہے (یعنی غیبت کرنے والا ہے) اس کے بعد آپ نے پڑھا وہ لوگ جو مؤمن مردوں اور عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں بلا وجہ روایت کیا اس کو ابو یعلیٰ نے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

عن خالد الربيعى قال كنت فى مجلس لنا فذكروا رجلا فنالوا منه فهيتهم فكفوا قال ثم عادوا فى ذكره فكانى يعنى وافقتهم قال فقمنا من ذلك المجلس فنمت فاتانى فى المنام اسود جسيم على كفه طبق من خلاب فيه بضعة من لحم خنزير خضراء فقال كل فابيت عليه فقال كل فابيت عليه فاحسب انه انتهرنى واكرهنى عليه قال فجعلت

خالد ربعی سے روایت ہے اس نے کہا میں اپنی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا تو لوگوں نے ایک آدمی کی غیبت شروع کی میں نے ان کو منع کیا وہ رک گئے پھر دوبارہ انہوں نے اس کی غیبت شروع کی ان سب میں زیادہ میں ہی دینی مسائل کو جاننے والا تھا تو وہ کہتا ہے کہ اس مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے تو میں سو گیا' خواب میں میرے پاس ایک بہت بڑے جسم والا سیاہ آدمی آیا کہ جس کے ہاتھ میں ایک کچھڑ کا ضباخ تھا کہ جس میں سبز رنگ کے خنزیر کا کچھ گوشت پڑا

الـو كهـا وانا اعلم انه لحم خنزير فانتهت فمازلت اجد ريـحها في فحوا من شهرين. (شعب الایمان ج۵ص۲۹۹' باب فی تحریم اعراض الناس' حدیث:۶۷۱۳' مطبوعہ بیروت)

ہوا تھا اس آدمی نے کہا تو اس کو کھا میں نے انکار کیا اس نے پھر کہا میں نے انکار کیا میں نے گمان کیا وہ مجھے ڈانٹ رہا ہے اور مجھے مجبور کرتا ہے اس پر کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے اس سے ایک لوتھڑا کھا لیا اور میں جانتا تھا کہ یہ خنزیر کا گوشت ہے' پس میں رک گیا تو میں دو ماہ تک خنزیر کی بو کو اپنے منہ میں پاتا رہا۔

قارئین کرام! یہ چند احادیث جو میں نے ذکر کی ہیں ان میں غیبت کرنے والے اور سننے والے کے متعلق ایک ہی حکم بیان کیا گیا ہے اور جو شدید وعیدیں اس میں موجود ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

غیبت سننے کی صورتیں اور ان کا حکم

اعلم ان الغيبة كما يحرم على المغتاب ذكرها يـحرم على السامع استماعها و اقرارها فيجب على مـن سـمـع انسانا يبتدى بغيبة محرمة ان ينهاه ان لم يـخف ضـررا ظـاهـرا فـان خافه وجب عليه الانكار بقلبه ومفارقة ذلك المجلس ان تمكن من مفارقته فـان قـدر عـلـى الانـكـار بلسانه او على قطع الغيبة بـكـلام اخر لزمه ذلك فان لم يفعل عصى فان قال بلسانه اسكت وهو يشتهي بقلبه استمراره فقال ابو حـامـد الغزالي ذلك نفاق لا يخرجه عن الاثم ولا بـد مـن كـراهتـه بـقـلـبـه ومتى اضطر الى المقام في ذلك الـمـجلس الذى فيه الغيبة وعجز عن الانكار او انـكـر فـلـم يقبل منه وثم يمكنه المفارقة بطريق حـرم عـلـيـه الاستماع والاصغاء للغيبة بل طريقه ان يـذكـر الـلـه تعالى بلسانه وقلبه او بقلبه او يفكر في امـر اخر يشتغل عن استماعها ولا بضره بعد ذلك الـسـمـاع من غيـر استـمـاع واصغاء في هذه الحالة الـمـذكورة فان تمكن بعد ذلك من المفارقة وهم مستـمـرون فـي الغيبة ونحوها وجب عليه المفارقة قـال الـلـه تعالى واذا رايت الذين يخوضون في اياتنا فـاعـرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره واما يـنـزغنـك الشيطان فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم

جس طرح متکلم پر غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح سامع پر غیبت سننا اور اس کو برقرار رکھنا حرام ہے اس لیے جب کوئی شخص یہ سنے کہ کوئی آدمی غیبت کرنے کی ابتدا کر رہا ہے تو اس کو غیبت کرنے سے منع کرے بشرطیکہ اس میں کسی ظاہر نقصان کا خدشہ نہ ہو اور اگر اس کو کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ غیبت کو دل سے بُرا جانے اور اگر اس وقت اس کو مجلس سے اٹھنے میں کوئی ضرر نہ ہو تو اس مجلس سے اٹھ کر چلا جائے اور اگر اس کو غیبت سے منع کرنے پر قدرت ہو تو منع کرے یا اس شخص کی بات کاٹ کر اور بات شروع کرے اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو گنہگار ہوگا۔ اور اگر اس نے بظاہر زبان سے کہا چپ ہو جاؤ اور اس کا دل اس بات کو سننے کے لیے مشتاق تھا اور سلسلۂ کلام جاری رکھنا چاہتا تھا تو امام ابوحامد غزالی نے یہ کہا ہے یہ نفاق ہے اور زبانی روکنے سے اس کا گناہ ساقط نہیں ہوگا اس لیے زبان سے منع کرنے کے علاوہ دل سے بھی غیبت کو بُرا جاننا ضروری ہے اگر کوئی ایسی مجلس ہو کہ وہاں غیبت کو منع کرنے سے یا اس مجلس سے اٹھ کر چلے جانے سے اس کو ضرر کا اندیشہ ہو تو کان لگا کر توجہ سے غیبت نہ سنے بلکہ اس طرف سے توجہ ہٹا کر امور آخرت کی طرف ذہن کو متوجہ کرے اور چپکے چپکے زبان اور دل سے اللہ کا ذکر شروع کر دے اس طریقہ پر عمل کرنے کے باوجود اگر کوئی بات اس کے کان میں پڑ جائے تو پھر اس سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

الظالمین. (الاذکار ص ۴۸۰ـ۴۸۱' مصنفہ امام نووی' باب مبہمات تعلق بحد الغیبۃ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

قارئین کرام! امام نووی کی مذکورہ کلام میں سننے والے کے اختیارات کے مطابق اس کے گنہگار ہونے کا فیصلہ کیا گیا ہے یعنی اگر روکنے کی طاقت ہے اس کے باوجود وہ نہیں روکتا تو وہ گنہگار ہے اور اگر زبانی یا ہاتھ سے نہیں روک سکتا تو کم از کم اس کی غیبت کو دل سے بُرا جانے اور اس کی مجلس سے اٹھ کر چلا جائے تو پھر وہ گنہگار نہیں ہوگا اور اگر زبانی کلامی تو روکتا ہے لیکن دل سے غیبت کو پسند کرتا ہے وہ پورا گنہگار ہے ہاں اگر اس کو روکنے کی صورت میں یا محفل سے اٹھ کر جانے کی وجہ سے اس کو نقصان کا خطرہ ہو تو پھر بھی اس آدمی کے لیے ضروری ہے کہ غیبت کی طرف کان نہ لگائے بلکہ درود شریف پڑھتا رہے یا کوئی اور ورد وظیفہ کرتا رہے اس طرح پھر بھی اگر اس کے کان میں کوئی غیبت کا لفظ پڑ جاتا ہے تو اس سے وہ گنہگار نہیں ہوگا اور نہ ہی قیامت میں اس سے مؤاخذہ ہوگا۔ بہرصورت امام نووی کے نزدیک غیبت کرنا حرام ہے اور جس قدر ہو سکے اس سے بچے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

غیبت سے روکنے والے کا اجر اللہ تعالیٰ کے نزدیک

عن ابی الدرداء عن النبی ﷺ قال من رد عن عرض اخیہ رد اللہ عن وجھہ النار یوم القیامۃ. (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۵' مع طرف الشذی باب ماجاء فی الذب عن المسلم' سعید اینڈ کمپنی کراچی)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت سے تہمت کو دور کیا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے آگ کو دور کر دے گا۔

عن جابر بن عبد اللہ وابی طلحۃ بن سھل انصاری یقولان قال رسول اللہ ﷺ ما من امریء یخذل امرا مسلما فی موضع ینتھک فیہ حرمتہ وینتقص فیہ من اعرضہ الاخذ لہ فی موطن یحب فیہ نصرتہ وما من امریٔ ینصر مسلما فی موضع ینتقص فیہ من عرضہ ینتھک فیہ من حرمتہ الا نصرہ اللہ فی موطن یحب نصرتہ. (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۳۱۳' باب ذی الوجہین والغیبۃ' مطبوعہ سعید کمپنی ادب منزل' کراچی)

حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس جگہ پر کسی مسلمان شخص کی بے عزتی اور آبروریزی کی جارہی ہو وہاں جو شخص اس مسلمان کو رسوا کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ رسوا کر دے گا جہاں وہ اپنی عزت کا خواہش مند ہوگا اور جس جگہ پر کسی مسلمان کی بے عزتی اور توہین کی جارہی ہو وہاں پر جو شخص اس مسلمان کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کی اس جگہ مدد کرے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا۔

لہٰذا مذکورہ دو احادیث نے ثابت کر دیا جو غیبت کرنے والے کو روکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرماتا ہے اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو غیبت سے روکے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

غیبت کرنے کے بعد اس سے توبہ کرنے یا کفارہ دینے کی کیا صورت ہے؟

اعلم ان کل من ارتکب معصیۃ لزمہ المبادرۃ الی التوبۃ منھا والتوبۃ من حقوق اللہ تعالی یشترط فیھا ثلاثۃ اشیاء ان یقلع عن المعصیۃ فی الحال وان یندم علی فعلھا' وان یعزم الا یعود الیھا والتوبۃ من

جب کوئی شخص کوئی گناہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ فوراً اس گناہ سے توبہ کر لے یہ توبہ اللہ کے حقوق سے ہے اور اس کی تین شرطیں ہیں (۱) علی الفور گناہ کو ترک کر دے (۲) اس گناہ پر نادم ہو (۳) آئندہ کے لیے اس گناہ کو بالکل ترک کرنے کا عزم کرے۔

حقوق الادميين يشترط فيها هذه الثلاثة ورابع وهو رد الظلامة الى صاحبها او طلب عفوه عنها ولا براء منها فيجب على المغتاب التوبة بهذه الامور الاربعة لا الغيبة حق آدمي ولا بدمن استحلاله من اغتابه وهل يكفيه ان يقول قد اغتبتک فاجعلني في حل ام لابد ان يبين ما اغتابه به؟ فيه وجهان لا صحاب الشافعي رحمهم الله احدهما يشترط بيانه فان ابراه من غير بيانه لم يصح لو ابراه عن مال مجهول. والثاني لا يشترط لان هذا ممايستامح فيه فلا يشترط علمه بخلاف المال والاول اظهر لان الانسان قد يسمع بالعفو عن غيبة دون غيبة فان كان صاحب الغيبة ميتا او غائبا فقد تعزر تحصيل البراءة منها لكن قال العلماء ينبغي ان يكثر الاستغفار له والدعاء ويكثر من الحسنات.

(الاذکار مصنفہ امام نووی ص ۴۸۹-۴۹۰' باب کفارة الغيبة والتوبة منه' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

یہاں ایک اور شرط کا بھی ذکر ضروری ہے اور وہ ہے بہ قدر امکان تلافی اور تدارک اور جو توبہ بندوں کے حقوق سے ہے اس میں ان مذکور الصدر تین شرطوں کے علاوہ چوتھی شرط یہ ہے کہ حق دار کو اس کا حق واپس کر دے یا اس سے وہ حق معاف کرائے اور اپنے آپ کو اس حق سے بری کرا لے اس لیے غیبت سے توبہ کرنے والے پر یہ چار شرطیں پوری کرنا ضروری ہیں اس صورت میں آیا اس کے لیے یہ کافی ہے کہ میں نے تمہاری غیبت کی تھی تم مجھے معاف کر دو' یا اس شخص کو یہ بھی بتائے کہ اس نے کیا غیبت کی تھی' فقہاء شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں اور اگر جس کی غیبت کی ہے وہ مردہ ہو یا غائب تو اس سے معاف کرانا متعذر ہے اب وہ اس کے لیے دعا اور استغفار کرے اور جس شخص سے غیبت کرنے والا غیبت کرنے پر معافی مانگے اس شخص کے لیے اس کو معاف کر دینا مستحب ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس والله يحب المحسنين. اور غصہ پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

اعلم انه ينبغي لمن سمع غيبة مسلم ان يردها ويزجر قائلها فان لم يتزجر بالكلام زجره بيده فان لم يستطع باليد ولا باللسان ' فاروق ذلک المجلس فان سمع غيبة شيخه او غيره ممن له عليه حق او كان من اهل الفضل والصلاح كان الاغناء بما ذكرناه اكثر. (الاذکار ص ۴۸۶' مصنفہ امام نووی' باب امر من سمع غیبۃ شیخہ اوصاحبہ اوغیرہما بردھا اوابطالھا' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

جان لو کہ اس آدمی کے لائق ہے جو کسی مسلمان کی غیبت سنے اس کو رد کر دے اور غیبت کرنے والے کو ڈانٹ پلائے اور اگر نہ ڈانٹے کلام کے ساتھ تو ہاتھ کے ساتھ اس کو ڈانٹے اگر ہاتھ کے ساتھ طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی زبان سے تو وہ اس مجلس سے اٹھ جائے اور وہ غیبت سنے اپنے شیخ یعنی پیر استاد وغیرہ کی ان لوگوں سے کہ ان کا اس پر حق ہے (ماں' باپ' ساس' سسر وغیرہ) یا اس کی غیبت سنے جو اہل فضل اور اصلاح ہیں یعنی علماء' اولیاء' صوفیاء تو ایسی صورت میں وہ غیبت کو روکنے میں پہلے سے زیادہ کوشش کرے۔

قارئین کرام! یہ وہ صورتیں ہیں کہ جن میں غیبت سننے والے کو غیبت نہ سننے کے مختلف احکام بیان کیے گئے ہیں ان میں سے اگر کوئی بھی نہ پایا جائے تو پھر غیبت سننے اور کرنے والے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

غیبت کرنے کے جواز کی چند صورتیں احادیث سے پیش کی جاتی ہیں

صورت اوّل: مسئلہ پوچھنے کے ضمن میں غیبت

عن عائشة ان هند بنت عتبه قالت یا رسول الله ان ابا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت وهو لا یعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف.

(بخاری شریف ج ا ص ۳۳۲۔۳۳۳' باب قصاص المظلوم' مطبوعہ نور محمد آرام باغ' کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ حضرت ابوسفیان بخیل آدمی ہیں وہ خرچ کے لیے مجھے اتنی رقم نہیں دیتے جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو الا یہ کہ میں ان کی لاعلمی میں کچھ رقم لے لوں؟ آپ نے فرمایا اتنی رقم لے لیا کرو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔

صورت دوم: کسی کی اصلاح کے لیے اس کی غیبت جائز ہے

عن ابی الدرداء قال کنت جالسا عند النبی ﷺ اذا قبل ابو بکر اخذا بطرف ثوبه حتی ابدی عن رکبتیه فقال النبی ﷺ واما صاحبکم فقد غامر فسلم فقال انما کان بینی و بین ابن الخطاب شیء فاسرعت الیه ثم ندمت فسالته ان یغفرلی فابی علی ذلک فاقبلت الیک فقال یغفر الله لک یا ابا بکر ثلثا ثم ان عمر ندم فاتی منزل ابی بکر فسال اثم ابا بکر قالوا لافاتی النبی ﷺ فجعل وجه النبی ﷺ یتمعر حتی اشفق ابو بکر فجثا علی رکبتیه فقال یا رسول الله والله انا کنت اظلم مرتین فقال النبی ﷺ ان الله بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدق و واسانی بنفسه وماله فهل انتم تارکوا لی صاحبی مرتین فما اوذی بعدها. (صحیح بخاری شریف ج ا ص ۵۱۷' باب فضائل صحابہ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی پاک ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر اپنی چادر کا پلو اٹھائے ہوئے آئے حتیٰ کہ ان کے گھٹنے ظاہر ہوئے' نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارا صاحب غصہ میں بھرا ہوا ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلام کر کے عرض کیا میرے اور عمر بن الخطاب کے درمیان کچھ رنجش ہو گئی میں نے جلد میں کچھ کہا سنا پھر میں نادم ہوا اور میں نے عمر سے کہا مجھے معاف کر دیں' عمر نے اس کا انکار کیا' پھر میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ نے تین بار فرمایا اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے پھر حضرت عمر نادم ہوئے اور حضرت ابوبکر کے گھر گئے اور پوچھا کہ یہاں ابوبکر ہیں؟ گھر والوں نے کہا نہیں پھر وہ نبی ﷺ کے پاس گئے نبی ﷺ کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا' حضرت ابوبکر ڈر گئے اور انہوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دوبارہ کہا یا رسول اللہ! ﷺ زیادتی میری ہی تھی' نبی پاک ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا تو تم لوگوں نے میری تکذیب کی اور ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنے مال اور جان سے میری غم خواری کی آپ نے دوبارہ فرمایا تو کیا تم میری خاطر میرے صاحب کو (ایذاء رسانی سے) چھوڑ دو گے اس کے بعد حضرت ابوبکر کو ایذا نہیں دی گئی۔

صورت سوم: کسی کے فائدہ کے لیے غیبت جائز ہے

عن فاطمة بنت قیس ان ابا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب فارسل الیها وکیله بشعیر فسخطته فقال والله مالک علینا من شیء فجاءت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ذلک له فقال لیس لک علیه نفقة فامرها ان تعتد فی بیت ام شریک ثم قال تلک امراة یغشاها اصحابی اعتدی عند ابن ام مکتوم فانه رجل اعمی تضعین ثیابک فاذا حللت فاذنینی قالت فلما حللت ذکرت له ان معاویة بن ابی سفیان وابا جهم خطبانی فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اما ابو جهم فلا یضع عصاه عن عاتقه واما معاویة فصعلوک لا مال له انکحی اسامة بن زید فکرهته ثم قال انکحی اسامة فنکحته فجعل الله فیه خیرا واغتبطت. (مسلم شریف ص۴۸۲۔۴۸۳' باب المطلقۃ البائن لانفقۃ' مطبوعہ نور محمد' کراچی)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوعمرو بن حفص نے ان کو طلاق مغلظہ دے دی در آں حالیکہ وہ اس وقت غائب تھے' حضرت ابوعمرو نے اپنے وکیل کے ہاتھ حضرت فاطمہ کے لیے کچھ جو بھیجے حضرت فاطمہ بنت قیس اس پر ناراض ہوئیں اس وکیل نے کہا بہ خدا آپ کا ہم پر کوئی حق نہیں ہے' حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تمہارا نفقہ اس پر واجب نہیں ہے اس کو ام شریک کے گھر مدت گذارنے کا حکم دیا پھر فرمایا اس عورت کے ہاں میرے اصحاب جمع رہتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے ہاں عدت گذارو وہ ایک نابینا آدمی ہے تم اپنے (فالتو) کپڑے اتار سکتی ہو جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے بتا دینا' حضرت فاطمہ بنت قیس نے کہا جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ سے ذکر کیا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابوجہم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہے ابوجہم تو وہ اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے' رہے معاویہ تو وہ مفلس شخص ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو میں نے حضرت اسامہ کو ناپسند کیا آپ نے فرمایا اسامہ سے نکاح کر لو میں نے حضرت اسامہ سے نکاح کر لیا اور پھر مجھ پر رشک کیا جاتا تھا۔

مذکورہ تین روایات میں غیبت کرنے کا ثبوت ملتا ہے پہلی روایت میں تو ہندہ نے ابوسفیان کا گلہ کیا اور اس کو بطور مسئلہ پوچھنے کے نبی علیہ السلام سے ذکر کیا تو آپ نے فرمادیا کہ جتنے میں تیرا گزارہ ہو سکے تو اس کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر لے سکتی ہے کیونکہ وہ بخیل ہونے کی وجہ سے تمہیں پورا خرچہ نہیں دیتا تو یہاں غیبت تو پائی گئی مگر بطور فتویٰ اور جواز کے۔ دوسری حدیث میں بھی غیبت کا جواز ملتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام سے عمر فاروق کی عدم موجودگی میں عرض کیا کہ میں نے عمر فاروق سے معافی مانگی اور اس نے مجھے معافی نہیں دی اور حضرت ابوبکر صدیق کی یہ غیبت حقیقت میں حضرت عمر کی اصلاح کے لیے تھی ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں کی' پہلی وجہ ہے کہ آپ بار بار نبی علیہ السلام سے عرض کرتے رہے عمر کی زیادتی نہیں میری زیادتی ہے۔ تیسری حدیث میں نبی علیہ السلام کی کلام میں بظاہر غیبت پائی جاتی ہے کہ آپ نے ابن ام مکتوم اور امیر معاویہ اور ابوجہم کے خلاف ان کی عدم موجودگی میں فاطمہ بنت قیس کو کہا یہ حقیقت میں فاطمہ بنت قیس کے فائدہ کے لیے تھا اور آپ کا مقصود ان صحابہ کے عیوب بیان کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ فاطمہ بنت قیس کے لیے وہ فائدہ جس کو آپ نور نبوت سے جانتے تھے اس کا مشورہ دیا کہ جس پر حدیث کے آخری الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ حضرت اسامہ کے ساتھ میری جو زندگی گزری اس پر لوگ رشک کھاتے تھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٤٤٠- بَابُ النَّوَادِرِ

نادر امور کا بیان

٩٤٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزُّبَيْرِ الْمَكِّيُّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَغْلِقُوا الْبَابَ وَ اَوْكُوا السِّقَاءَ وَاكْفُؤُا الْاِنَاءَ اَوْ خَمِّرُوْا الْاِنَاءَ وَاَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غَلْقًا وَلَا يَحِلُّ وِكَاءً وَلَا يَكْشِفُ اِنَاءً وَاِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تَضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بُيُوْتَهُمْ.

امام مالک نے ہمیں ابوزبیر مکی سے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (سوتے وقت) دروازہ بند کرلیا کرو' مشکیزہ کا منہ (رسی وغیرہ سے) باندھ دیا کرو' برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو' چراغ بجھا دیا کرو کیونکہ شیطان بند دروازہ نہیں کھولتا' مشکیزہ کے منہ پر بندھی گرہ نہیں کھولتا' برتن کو نہیں کھولتا اور بے شک چوہے (چراغ جلتے رہنے کی صورت میں) لوگوں کے گھروں کو بھسم کر دیتے ہیں۔

حدیث بالا میں سرکار دو عالم ﷺ نے رات سونے کے وقت چار باتوں کا حکم دیا ہے اور ان پر عمل کرنے کی صورت میں شیطان کی شرارت سے محفوظ رہنے کی خوشخبری سنائی چونکہ ان چیزوں کا تعلق "علم نبوت" سے ہے لہٰذا ایک مومن کو یہ ماننی چاہئیں شیاطین کی تخلیق قرآنی آیات کے مطابق آگ سے ہے اور ان کی سرعت رفتار اور قوت پر ثقہ روایات ناطق ہیں' ان کی یہ طاقت و پھرتی عام انسانوں کے اعتبار سے ہے ورنہ وہ مسلمان جو روحانی قوتوں کے مالک ہیں ان کے سامنے یہ بے بس ہوتے ہیں حضور ﷺ نور نبوت ہے چونکہ رات سونے کے بعد ان شیاطین کی شرارتوں سے کما حقہ آگاہ تھے اس لیے آپ نے اس سے بچنے کی حفاظتی تدابیر ذکر فرما دیں۔ انہی باتوں کی وضاحت "مسلم شریف" کی احادیث سے ملاحظہ ہو:

عن جابر عن رسول الله ﷺ انه قال غطوا الاناء و اوكوا السقاء واغلقوا الباب واطفؤا السراج فان الشيطان لا يحل سقاء ولا يفتح بابا ولا يكشف اناء فان لم يجد احدكم الا ان يعرض على انائه عودا و يذكر اسم الله فليفعل فان الغويسقة تضرم على اهل البيت بيتهم ولم يذكر قتيبة في حديثه واغلقوا الباب. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۷۰ باب استحباب تخمیر الاناء الخ' مطبوعہ آرام باغ کراچی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (رات سوتے وقت) برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو' مشکیزوں کے منہ بند کر دیا کرو' دروازہ بند کر دیا کرو اور چراغ بجھا دیا کرو' بے شک شیطان مشکیزہ کی گرہ نہیں کھولتا' دروازہ نہیں کھولتا' برتنوں سے کپڑا نہیں ہٹاتا سو اگر تم میں سے کوئی اور کچھ نہ سہی برتنوں پر صرف لکڑی رکھ کر اللہ کا نام لے لے تو یہی کر لیا کرے کیونکہ چوہے گھر والوں کا گھر (چراغ جلتے رہنے کی صورت میں) جلا کر راکھ کر دیں گے۔ حدیث قتیبہ میں (اغلقوا الباب) نہیں آیا ہے۔

جابر بن عبدالله يقول قال رسول الله ﷺ اذا كان جنح الليل او امسيتم فكفوا صبيانكم فان الشيطان ينتشر حينئذ فاذا ذهب ساعة من الليل فخلوهم واغلقوا الابواب واذكروا اسم الله فان الشيطان لا يفتح بابا مغلقا و اوكوا قربكم واذكروا اسم الله و خمروا آنيتكم واذكروا اسم الله و لو ان تعرضوا عليها شيئا واطفؤا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب رات کا اندھیرا چھائے' یا شام کا وقت ہو جائے تو تم اپنے بچوں کو باہر نہ نکلنے دیا کرو کیونکہ اس وقت شیطان ادھر ادھر بکھر جاتے ہیں۔ اور جب رات کا ایک پہر ہو جائے تو اب بچوں کو باہر جانے کی اجازت دے سکتے ہو اور سوتے وقت دروازوں کو بند کر لیا کرو۔ اور اللہ کا نام لیا کرو بے شک شیطان بند دروازہ نہیں کھولتا اور اپنی مشکوں کا منہ بند کر لیا کرو اور

مصابیحکم.
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۷۰ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ہند)

اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو اور اپنے برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو۔ اگرچہ تم برتنوں پر کوئی چیز ہی رکھ دو اور چراغوں کو بجھا دیا کرو۔

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ لا ترسلوا مواشيكم و صبيانكم اذا غابت الشمس حتى تذهب فحمة العشاء فان الشياطين تنبعث اذا غابت الشمس حتى تذهب فحمة العشاء.
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۷۱ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ہند)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب سورج غروب ہو تو اپنے مویشی اور بچوں کو باہر نہ پھرنے دو یہاں تک کہ عشاء کا اندھیرا ختم نہ ہو جائے کیونکہ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی شیاطین ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں حتیٰ کہ عشاء کی سیاہی ختم ہو جائے۔

عن جابر بن عبدالله قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اغطوا الاناء و اوكوا السقاء فان في السنة ليلة ينزل فيها و باء لا يمر باناء ليس عليه غطاء او سقاء ليس عليه وكاء الا نزل فيه من ذالک الوباء. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۷۱ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول کریم ﷺ کو فرماتے سنا: (رات کے وقت) برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو مشکیزوں کے منہ بند کر دیا کرو کیونکہ سال میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں بیماریاں اترتی ہیں جب وہ کسی ایسے برتن پر سے گزرتی ہیں جن کو ڈھانپا نہیں گیا ہوتا ان بیماریوں میں سے کچھ بیماریاں ان برتنوں میں رہ جاتی ہیں اسی طرح جس مشکیزہ کا منہ بند نہیں ہوتا اس میں بھی بیماریاں ڈیرا جما لیتی ہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے برتن ڈھانکنے کے فوائد بیان کرتے ہوئے مذکورہ دو عدد فوائد (یعنی شیطان سے بچاؤ اور بیماریوں سے حفاظت) کے علاوہ کچھ اور فوائد کا ذکر فرمایا' فرماتے ہیں: تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ڈھکے ہوئے برتن نجاست و غلاظت سے بچ جاتے ہیں چوتھا یہ کہ ان میں کیڑے مکوڑے داخل نہیں ہوتے' کھلا رہنے کی صورت میں ممکن ہے کہ رات کو کتا' بلی وغیرہ اس برتن میں پیشاب کر دے اور اسے ناپاک کر دے یونہی کوئی زہریلا کیڑا اس میں آ جائے اور برتن میں پانی ہونے کی صورت میں رات اٹھ کر یا صبح جب اہل خانہ میں سے کوئی پانی پیئے تو اس زہریلے کیڑے کے زہر سے وہ مصیبت میں گرفتار ہو جائے اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے ارشادات عالیہ پر عمل پیرا ہو کر خطرات سے بچیں۔

٩٤٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ يَاْكُلُ فِىْ مِعًى وَ الْكَافِرُ يَاْكُلُ فِىْ سَبْعَةِ اَمْعَاءَ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں ابو زناد سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں: کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان ایک انتڑی میں کھاتا ہے اور کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے۔

ایک انتڑی اور سات انتڑیوں میں کھانے کے بارے میں علماء کرام نے کافی گفتگو فرمائی ہے اکثر محدثین و شارحین کرام نے یہاں حقیقی مفہوم مراد نہیں لیا انہوں نے اس اور اس جیسی دیگر احادیث کو ''موؤلہ'' کہا ہے مطلب یہ کہ حدیث پاک کے بظاہر الفاظ کے مطابق کافر کی کھانے کی انتڑیاں سات اور مومن کی صرف ایک ہو یہ بات نہیں چونکہ یہ حدیث کتب صحاح میں موجود ہے اور ''مشکوٰۃ شریف'' و ''موطا امام مالک'' میں بھی ہے اس لیے اس کی تشریح و توضیح میں جو باتیں بڑے فقہاء اور جید علماء نے لکھیں ان میں سے چند عبارات ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

اعلم انه ليس للكافر زيادة امعاء بالنسبة الى المؤمن فلا بد من تأويل الحديث فقال القاضى اراد به ان المؤمن يقل حرصه و شرهه على الطعام و يبارك له فى مأكله و مشربه فيشبع من قليل والكافر يكون كثير الحرص شديد الشره لا مطمع البصره الا الى المطاعم و المشارب كالانعام فمثل ما بينهما من تفاوت فى الشره بما بين من يأكل فى معى واحد وبين من يا كل فى سبعة امعاء و هذا باعتبار الاعم والاغلب و قال النووى فيه وجوه احدها انه قيل فى رجل بعينه...... و ثانيها ان المؤمن سيمى الله تعالى عند طعامه فلا يشركه فيه الشيطان والكافر لا يسميه فيشركه الشيطان...... واختار السيوطى فى معناه ان المومن يبارك له فى طعامه ببركة التسمية حتى تقع النسبة بينه و بين الكافر كنسبة من يأكل فى سبعة امعاء...... او المراد ان المؤمن لا يأكل الا من جهة واحدة و هى مجرد الحلال والكافر ياكل من جهات مختلفة مشوبة و هم سبع الغارة والغصب والسرقة والبيع الفاسد والربوا والخيانة والحلال و قيل هذا عبارة عن كثرة الاكل و قلته اى خلق المؤمن قلة الاكل و خلق الكافر كثرت الاكل يعنى ان المراد بالسبعة التكثير . (مرقات شرح مشکوۃ ج ۸ ص ۱۶۶-۱۶۷ کتب الاطعمہ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان)

جاننا چاہیے کہ کافر میں مومن کی بہ نسبت انتڑیاں زیادہ نہیں ہوتیں لہٰذا اس حدیث کی تاویل ضروری ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: کہ اس سے یہ مراد ہے کہ مومن کھانے پینے کی حرص اور خواہش کم رکھتا ہے اس کی اشیائے خوردنی اور نوشیدنی میں برکت ڈال دی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ تھوڑی مقدار سے ہی سیر ہو جاتا ہے لیکن کافر چونکہ حرص و خواہش زیادہ رکھتا ہے' ان کا مطمع نظر صرف کھانے پینے کی اشیاء ہی ہوتی ہیں جیسا کہ چار پائے تو ان دونوں کی حرص و خواہش کے فرق کو انتڑی اور سات انتڑیوں کی مثال دے کر بتایا گیا اور یہ غالب اور عام اعتبار کے پیش نظر ہے۔ امام نووی نے کہا: کہ اس حدیث پاک کی کئی تاویلات ہیں ایک یہ کہ آپ ﷺ نے یہ کسی مخصوص کافر کے لیے کہا...... دوسری تاویل یہ کہ مومن جب کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان شرکت نہیں کرتا اور کافر چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نہیں کھاتا اس لیے شیطان اس کا ہمنوا بن جاتا ہے۔ علامہ السیوطی نے اس حدیث کا یہ معنی پسند فرمایا کہ مومن کے کھانے میں بسم اللہ کی وجہ سے برکت آ جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے متبرک کھانے کی نسبت کافر کے کھانے کے ساتھ ایسی ہو جاتی ہے جیسا کہ ایک انتڑی اور سات انتڑیوں سے کھانے والے کے درمیان ہوتی ہے یا اس حدیث پاک سے یہ مراد ہے کہ مسلمان صرف ایک جہت سے یعنی حلال طریقہ سے ہی کھاتا ہے اور کافر مختلف طریقوں سے خوراک حاصل کرتا اور کھاتا ہے وہ سات طریقے ہیں لوٹ مار' غصب' چوری' بیع فاسد' سود' خیانت اور حلال' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک انتڑی سے مراد تھوڑا کھانا اور سات سے مراد زیادہ کھانا ہے یعنی مؤمن کا خلق اور عبادت یہ ہے کہ وہ کم کھاتا ہے اور کافر کی عادت بسیار خوری ہوتی ہے یعنی سات انتڑیوں سے مراد" بکثرت کھانا" ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ حدیث کی مختلف تاویلات آپ نے ملاحظہ فرمائیں صاحب المنتقی ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت مختلف احتمالات ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان زیادہ کھانے کا عادی ہو تو کیا بسیار خوری کی بناء پر اسے ایمان سے خارج قرار دینا جائز ہے؟ فرماتے ہیں:

وقد روى سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار سفیان بن عیینہ نے حضرت عمرو بن دینار سے روایت کیا

قال کان ابو نهیک رجلا اکولا فقال له عبدالله بن عمرو ان رسول الله ﷺ قال ان الکافر یاکل فی سبعة امعاء قال فانا اؤمن بالله و رسوله ﷺ فمنع ابونهیک ان تکون کثرة الاکل تنافی الایمان وان کان خلقاً من اخلاق اهل الکفر کالبخل والجبن والضجر واعتقد انّ هذا انما قاله رسول الله ﷺ لرجل بعینه.

(المنتقی ج ۷ ص ۲۳۵ ماجاء فی معنی الکافر' مطبوعہ قاہرہ)

ہے کہ جناب ابونہیک رضی اللہ عنہ بسیار خور تھے ایک مرتبہ انہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جناب رسول کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے کہ کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے (یعنی بسیار خور ہوتا ہے) تو ابونہیک رضی اللہ عنہ نے اس بات سے انکار فرمایا کہ بسیار خوری' ایمان کے منافی عمل ہے اگرچہ یہ کافروں کی عادات و اخلاق میں سے ہے جیسا کہ بخل' ڈرپوکی' ڈانٹ ڈپٹ اور ان کا یہ نظریہ تھا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ایک خاص شخص کے لیے تھا۔

مختصر یہ کہ کم کھانا ہر اعتبار سے مفید اور بسیار خوری نقصان دہ ہے' بسیار خوری بہت سی بیماریوں کا سبب بنتی ہے اس سے سستی اور کاہلی جنم لیتی ہے اور عبادات کی ادائیگی میں خلل انداز ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کے اولیاء وعلماء کرام کم کھانے کے عادی تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

٩٤٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ يَرْفَعُهٗ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ السَّاعِيْ عَلَى الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالَّذِيْ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ كَالَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ.

امام مالک نے ہمیں صفوان بن سلیم سے خبر دی وہ اس کو حضور ﷺ تک رفع کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا فی سبیل اللہ مجاہد کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن کا روزہ رکھے اور ہر رات کو قیام کرے۔

''ارملۃ'' جس کی جمع ارامل آتی ہے ارمل کا لغوی معنی ریگستان آیا ہے چونکہ ریگستان ہر قسم کے باغات اور سبزیوں سے خالی ہوتا ہے اس لیے اس کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے ''بیوہ'' کو بھی ارمل کہتے ہیں کیونکہ اس کا خاوند بھی نہیں ہوتا اور کنوارے یا رنڈوے کو ارمل کہتے ہیں یہ حدیث پاک صحیحین میں بھی موجود ہے ''مشکوۃ شریف'' میں بھی اسے درج کیا گیا ہے بیوہ اور مسکین کے لیے اخراجات مہیا کرنا اور ان کی دیکھ بھال کرنا جہاد فی سبیل اللہ کا سا درجہ رکھتا ہے اور متواتر روزے اور قیام اللیل جیسا ثواب پاتا ہے ان دونوں کی مماثلت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیئے:

(وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الساعی علی الارمله) بفتح المیم التی لازوج لها قیل سواء کانت غنیة او فقیرة و فیه بعد وان کان ظاهر اطلاق الحدیث یعمهما (والمسکین) و فی معناه الفقیر بل بالاولی عند بعضهم (کالساعی فی سبیل الله) ای ثواب القائم بأمرهما واصلاح شأنهما و الانفاق علیهما کثواب الغازی فی جهاده فان المال شقیق الروح و فی بزله مخالفة النفس و مطالبة رضا الرب قال النووی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ارملہ کے لیے ساعی اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا فی سبیل اللہ مجاہد کی طرح ہے ''ارملہ'' میم کی فتح کے ساتھ وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو کہا گیا ہے کہ یہ عورت خواہ غنی ہو یا فقیر لیکن اسے عام مفہوم سے دوری نہیں ہے اگرچہ حدیث کا ظاہری اطلاق ان دونوں قسم کی بیواؤں پر ہوتا ہے اور مسکین کے معنی میں فقیر بھی شامل ہے بلکہ بعض نے تو فقیر کی شمولیت اولیٰ قرار دی ہے ان کی خاطر دوڑ دھوپ کرنے والا ثواب کے اعتبار سے اس شخص کی طرح ہے جو فی سبیل سعی کرنے والا ہو یعنی ان کے

المراد بالساعي الكاسب لهما العامل لمؤنتهما.
(مرقات شرح مشکوۃ ج ۹ ص ۲۱۲ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق'
مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا' ان کے حالات کو سنوارنے والا اور ان پر خرچ کرنے والا فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کا ثواب پائے گا کیونکہ مال و دولت دل ونفس کو اچھا لگتا ہے اور اس کے خرچ کرنے میں نفس کی مخالفت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے (اور یہی باتیں مجاہد فی سبیل اللہ میں ہوتی ہیں) امام نووی نے کہا: کہ ساعی سے مراد ان دونوں کے لیے کسب کرنے والا اور ان کی مشقت کو اٹھانے والا ہے۔

قارئین کرام! حدیث مذکور سے بیواؤں' مساکین اور فقراء کی دیکھ بھال کرنا' ان کی ضروریات مہیا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنا کس قدر اجر عظیم اور ثواب جزیل کا کام ہے؟ میدان جنگ میں مجاہد کا جہاد کرنا اور ان کے لیے دوڑ دھوپ کرنا ثواب میں برابر قرار دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

٩٤٥- اَخْبَرَنَا مَـالِكٌ اَخْبَرَنِیْ ثَوْرُ بْنُ زَيْدِنِ الدَّيْلِيُّ عَنْ اَبِی الْغَيْثِ مَوْلٰی اَبِیْ مُطِيْعٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِثْلَ ذَالِكَ.

امام مالک نے ہمیں ثور بن زید دیلی سے وہ ابوالغیث سے جو ابومطیع کے آزاد کردہ غلام تھے اور وہ حضرت ابوہریرہ سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے پچھلی حدیث جیسی ہی حدیث روایت کرتے ہیں۔

چونکہ یہ حدیث پاک اور اس سے متصل تیسری حدیث ایک ہی مضمون رکھتی ہیں صرف سند میں اختلاف کی وجہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر فرمایا لہٰذا اس کی شرح کی ضرورت نہیں۔

٩٤٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ صَعْصَعَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ يَسَارٍ اَبَا الْحُبَابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ.

امام مالک نے ہمیں محمد بن عبداللہ بن صعصعہ سے خبر دی کہ انہوں نے ابوالحباب سعید بن یسار سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ سے سنا فرمایا: کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔

اس حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو خیر و بھلائی عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بندہ کسی پریشانی اور مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتا ہے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے چنانچہ بموجب حدیث پاک اس تکلیف کی وجہ سے اس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں یعنی اولیاء کرام میں شامل فرما دیتا ہے اگر اعمال صالحہ سے وہ کوشش کرکے اس مرتبہ کو حاصل کرنا چاہتا تو نہ حاصل کر سکتا۔ ایسا ہی مضمون حدیث پاک کے ان الفاظ میں بھی ہے'' اذا حب الله عبداً ابتلاء ه يبلاته لادعى له جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے کسی ابتلاء و آزمائش سے دوچار کر دیتا ہے تاکہ وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کرے'' اس کی تفصیل و تشریح میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:

مالک عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار ان رسول الله ﷺ قال اذا مرض العبد بعث الله

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو

تعالی الیہ ملکین فقال انظرما ذا یقول لعوادہ فانہ هو اذا جاءہ حمد الله و الثنی علیه رفعا بذالک الی الله وهو اعلم فیقول لعبدی علی ان انا توفیته ان ادخله الجنة و ان انا شفیته ان ابدله لحما خیرا من لحمه و دما خیرا من دمه و ان اکفر عنه سیاته...... مالک عن یزید بن خصیفة عن عروة بن الزبیر انه قال سمعت عائشة زوج النبی تقول قال رسول الله ﷺ لا یصیب المومن من مصیبة حتی الشوکة الاقص بها او کفر بها من خطایا لا یدری یزید ایهما قال عروة ...... مالک عن محمد بن عبدالله بن ابی صعصعة انه قال سمعت ابا الحباب سعید بن یسار یقول سمعت اباهریرة یقول قال رسول الله ﷺ من یرد الله به خیرا یصیب منه..... مالک عن یحیی بن سعید ان رجلا جاءه الموت فی زمان رسول الله ﷺ فقال رجل هنیئا له مات ولم یبتل بمرض فقال رسول الله ﷺ و یحک وما یدریک لو ان الله ابتلاہ بمرض یکفر به من سیاته. (مؤطا امام مالک:ص۷۰۴ باب ماجاء فی اجر المریض کتاب الجامع مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)

فرشتے بھیجتا ہے اور انہیں فرماتا ہے جاؤ جا کر دیکھو کہ وہ بندہ اپنی عیادت کرنے والوں کو کیا کہتا ہے؟ جب وہ آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے تو وہ دونوں فرشتے یہ خبر لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند ہو جاتے ہیں وہ خوب جانتا ہے پھر وہ فرماتا ہے میرے بندے کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ اگر اسے اس مرض میں فوت کر دوں تو اسے جنت میں داخل کروں گا اور اگر اسے شفاء دوں تو اسے گوشت کے بدلہ بہتر گوشت اور خون کے بدلہ بہتر خون تبدیل کر کے دوں گا اور یہ کہ اس کی خطائیں معاف کر دوں گا...... عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا فرماتی تھیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کسی مؤمن کو کوئی مصیبت نہیں چھوتی حتیٰ کہ کانٹا چبھنے کی تکلیف مگر میں اس کا بدلہ دیتا ہوں یا اس کی خطائیں معاف کر دیتا ہوں۔ راوی یزید نہیں جانتے کہ حضرت عروہ نے ان دونوں میں سے کیا کہا؟...... جناب سعید بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے مصیبت میں گرفتار کرتا ہے...... یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص کو موت آئی تو ایک شخص نے کہا اس مرنے والے کو خوشخبری ہو کہ مر گیا اور کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوا یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: تجھے ہلاکت ہو تجھے کیا خبر اگر اللہ تعالیٰ اسے کسی بیماری میں مبتلا کرتا تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف کر دیتا۔

قارئین کرام! ''مؤطا امام مالک'' سے ذکر کردہ احادیث سے آپ نے بخوبی جان لیا کہ بیماری مؤمن کے لیے نعمت ہے اس سے گناہوں کی معافی ملتی ہے جنت عطا ہوتی ہے اور درجات بلند ہوتے ہیں لیکن ان تمام فوائد کا حصول ایسے بیمار کے لیے ہے جو بیماری کے دوران بے صبری کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے اور ذکر خدا میں رہتا ہے یوں تو ہر وقت ہر آدمی کے ساتھ اچھے برے اعمال لکھنے کے لیے کراماً کاتبین مقرر ہیں لیکن صابر وشاکر مریض کی عیادت کرتے وقت اس کی زبان سے جو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء نکلتی ہے اس کی سماعت کے لیے مخصوص دو فرشتے ان کے علاوہ آتے ہیں اور وہ واپس اللہ تعالیٰ کے حضور جا کر اس مریض صابر وشاکر کے عیادت کرنے والوں کے سامنے کہے گئے کلمات عرض کرتے ہیں لہٰذا بندہ مؤمن کو بیماری کے دوران نازیبا اور بے صبری کے الفاظ زبان پر نہیں لانے چاہئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اچانک موت جسے عام طور پر اچھا کہا جاتا ہے اچھی نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے اسے اچھا نہیں فرمایا اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ بیمار آدمی بیماری کے دوران جس قدر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور جس خلوص سے یاد کرتا

ہے وہ صحت کے دنوں میں میسر نہیں ہوتی پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے بیمار کی بیماری کی وجہ سے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے اور جنت کا پروانہ بھی عطا کر دیتا ہے فقیر نے دونوں قسم کے مریض دیکھے کچھ وہ جو بیماری کے دوران ہر طرح سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں کچھ وہ جو بے صبری اور شکایت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ میری والدہ مرحومہ کا معمول تھا کہ روزانہ ایک ہزار نفل کھڑے ہو کر ادا کرتی تھیں جو کچھ پاس ہوتا وہ غرباء و مساکین پر صرف کر دیتیں آخری وقت جب آیا میں ان کے پاس موجود تھا فرمانے لگیں پیسے طالب علموں میں تقسیم کر دو چنانچہ میں یہ حکم بجا لایا انہوں نے میرے سامنے نماز کے لیے ہاتھ اٹھائے اور سینہ پر باندھے پھر اسی وقت ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ایسے لوگ بظاہر غریب و مسکین ہوتے ہیں لیکن آخرت کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ فقیر اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا خاتمہ بالخیر فرمائے ہمارا بھی آخری وقت ایمان کے ساتھ آئے اور ان احادیث مقدسہ کے صدقے ہمارے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرمائے۔ اور ہم سے وہ سلوک فرمائے جو اس کی شایان شان ہے نہ وہ کہ جس کے ہم مستحق ہیں۔ یا ارحم الرحمین یا ارحم الرحمین یا ارحم الرحمین. ارحم علینا بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

۹۴۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ وَحَمْزَةَ ابْنَيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الشُّؤْمَ فِي الْمَرْاَةِ وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں ابن شہاب سے وہ عبداللہ بن عمر کے دو صاحبزادوں سالم اور حمزہ سے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بدفالی اور بدشگونی عورت' مکان اور گھوڑے میں ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِنَّمَا بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْمَرْاَةِ وَالْفَرَسِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے ہمیں یہ حدیث پہنچی آپ نے فرمایا: اگر بدشگونی اور بدفالی ہوتی تو عورت' مکان اور گھوڑے میں ہوتی۔

حدیث پاک میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تین اشیاء میں بدشگونی اور نحوست ہے اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ کے ارشاد عالیہ کے مطابق ان میں نحوست اور بدشگونی نہیں ہے لہٰذا اس حدیث سے یہی مراد لی جانی چاہیے جب ان تین چیزوں میں نحوست نہیں تو معلوم ہوا کہ کسی چیز میں بھی نحوست نہیں ہے۔ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

عن سعد بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال لا ھامۃ ولا عدوی ولا طیرۃ وان تکن الطیرۃ فی شیء ففی الدار والفرس والمرأۃ رواہ ابو داؤد. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۲ باب الفال والطیر فصل اول مطبوعہ نور محمد کراچی)

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا: نہ الو میں کوئی بدشگونی نہ مرض میں تعدیہ اور نہ کسی چیز میں بدشگونی ہے اگر نحوست و بدشگونی کی گنجائش ہوتی تو مکان' گھوڑے اور عورت میں ہوتی۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

صاحب مرقات ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کے تحت لکھا: اس حدیث پاک میں لفظ طیرہ سے مراد نحوست ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی چیز منحوس ہوتی تو یہ تین چیزیں ہوتیں لیکن ان میں تو ہے نہیں لہٰذا کسی چیز میں بھی نحوست نہیں دوسرا معنی یا احتمال یہ کہ طیرہ کا معنی ناپسندیدگی کیا جائے تو اس معنی کے پیش نظر مراد کلام یہ ہوگی کہ مذکورہ تین اشیاء کبھی دل کو ناپسند لگتی ہیں ان کی نحوست یہ ہے کہ یہ عورت بانجھ ہو' خاوند کی نافرمان ہو' گھر میں ہر وقت دھینگا مشتی رہنا اور گھوڑے کا سرکش اور بے فائدہ ہونے اس کی نحوست ہے اسی طرح مکان کا مسجد سے دور ہونا ایسا کہ اذان تک کی آواز سنائی نہ دے سکے اور ایک نحوست یہ کہ گھر میں ذکر اللہ

نہ ہوتا ہو گھر عورت اور گھوڑے میں یہ نحوستیں ہو سکتی ہیں۔ انہیں ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا گویا ان تین اشیاء میں نحوست مشروط ہوئی یعنی اگر کسی چیز میں ہوتی تو ان میں سے کسی ایک میں ہوتی جب ان میں یقینی نہیں تو ایک مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیئے کہ کسی چیز میں نحوست نہیں مختلف اشیاء میں بدشگونی اور انہیں منحوس قرار دینا من گھڑت نظریہ ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

٩٤٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِالسُّوْقِ عِنْدَ دَارِ خَالِدِ بْنِ عُقْبَةَ فَجَاءَ رَجُلٌ يُرِيْدُ اَنْ يُّنَاجِيَهٗ وَ لَيْسَ مَعَهٗ اَحَدٌ غَيْرِيْ وَ غَيْرُ الرَّجُلِ الَّذِيْ يُرِيْدُ اَنْ يُّنَاجِيَهٗ فَدَعَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَجُلًا اٰخَرَ حَتّٰى كُنَّا اَرْبَعَةً قَالَ فَقَالَ لِيْ وَ لِلرَّجُلِ الَّذِيْ اِسْتَرْخِيَا شَيْئًا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَتَنَاجٰى اِثْنَانِ دُوْنَ وَاحِدٍ.

ہمیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن دینار سے خبر دی انہوں نے کہا: کہ میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ بازار میں خالد بن عقبہ کے گھر کے قریب تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے میرے کان میں کچھ کہنا چاہا اور وہاں میرے ساتھ اس سرگوشی کرنے والے اور میری اپنی ذات کے علاوہ اور کوئی نہ تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک اور شخص کو بلایا حتیٰ کہ ہم چار ہو گئے پھر آپ (عبداللہ بن عمر) نے مجھے اور چوتھے شخص کو فرمایا: کہ تم دونوں دور ہٹ جاؤ کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ دو آدمی ایک شخص کو تنہا چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔

حدیث مذکور میں یہ بات بیان کی گئی کہ جب کسی جگہ تین آدمی ہوں تو ان میں دو آپس میں سرگوشی کریں اور تیسرے کو اکیلا کھڑا رہنے دیں ایسا کرنا درست نہیں اس مسئلہ کی تائید میں دیگر کتب حدیث میں بھی احادیث وارد ہیں۔ امام مسلم رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں اس موضوع پر تین عدد احادیث ذکر فرمائیں۔

عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا كان ثلاثة فلا يتناجى اثنان دون واحد...... عن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ اذا كنتم ثلاثة فلا يتناجى اثنان دون الاخر حتى تختلطوا بالناس من اجل ان يحزنه ..... عن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ اذا كنتم ثلاثة فلا يتناجى اثنان دون صاحبيهما فان ذالک يحزنه.

(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۱۹ باب تحریم مناجات الاثنین دون الثالث الخ، مطبوعہ نور محمد کراچی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تین آدمی ہوں تو ان میں دو سرگوشی نہ کریں تیسرے کو چھوڑ کر...... عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم تین آدمی ہو تو ان میں سے ایک کو الگ کر کے دو آدمی باہم سرگوشی نہ کریں یہاں تک کہ لوگوں میں گھل مل جاؤ کیونکہ ایسا کرنے سے اس تیسرے کو رنج ہوگا...... عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم تین آدمی ہو تو اپنے تیسرے ساتھی کو الگ کر کے دونوں باہم سرگوشی نہ کرو کیونکہ ایسا کرنے سے اسے رنج ہوگا۔

عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں اور ابن عمر جناب خالد بن عقبہ کے گھر کے قریب کھڑے تھے جو بازار میں تھا اتنے میں ان کے پاس ایک شخص نے اس سے سرگوشی کرنا چاہی ابن عمر کے ساتھ، میرے اور اس سرگوشی کے خواہش مند کے علاوہ کوئی اور نہ تھا ابن عمر نے ایک اور چوتھے شخص کو بلایا پھر مجھے اور چوتھے کو فرمایا تم ذرا ہٹ جاؤ (ہم سرگوشی کر لیں) کیونکہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ دو شخص تیسرے کو تنہا چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے اس تیسرے کو رنج پہنچتا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما

سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تین آدمی ہوں تو ان میں سے دو ایک کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔

(مؤطا امام مالک: ص ۷۴۲ باب ما جاء فی مناجات اثنین دون واحد مطبوعہ نور محمد کراچی)

مذکورہ مسئلہ میں حضرات ائمہ کرام کے مابین اختلاف ہے جسے امام نووی نے ان الفاظ سے بیان فرمایا:

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے شخص کی موجودگی میں دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا ممنوع ہے یہ ممانعت تحریمی ہے لہٰذا ایک شخص کو تنہا چھوڑ کر باقی جماعت کا سرگوشی کرنا مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر وہ شخص اس کی اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابن عمر' امام مالک' فقہاء شافعیہ اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ یہ ممانعت ہر زمانہ میں اور سفر وحضر ہر حالت میں عام ہے لیکن بعض علماء نے فرمایا کہ ممانعت صرف سفر میں ہے حضر و اقامت میں منع نہیں کیونکہ سفر میں سرگوشی میں شریک نہ ہونے والے کے رنجیدہ ہونے کا احتمال موجود ہے بعض علماء نے اس مضمون کی احادیث کو منسوخ کہا ہے اور کہا کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب اسلام پھیل گیا اور لوگ مامون ہو گئے تو یہ ممانعت ساقط ہو گئی کیونکہ مسلمانوں کی موجودگی میں منافق آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کو رنج ہو اور جب چار آدمی ہوں اور دو کو چھوڑ کر دوسرے دو آپس میں سرگوشی کریں تو حرج نہیں ہے۔

(نووی مع شرح مسلم: ج ۲ ص ۲۱۹ باب تحریم مناجات الاثنین الخ' مطبوعہ رشیدیہ دہلی ہند)

۹۴۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِةِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَاِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْنِيْ مَاهِيَ؟ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ فَقَالُوْا حَدِّثْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَاهِيَ قَالَ النَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَحَدَّثْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بِالَّذِيْ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ لَاَنْ تَكُوْنَ قُلْتَهَا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ لِيْ كَذَا وَكَذَا.

ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دیتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: کہ درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثال ہے پس تم مجھے بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے جنگلی درختوں میں سے کسی کو ایسا ہونے والا تلاش کرنا شروع کیا اور میرے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ درخت کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے شرم کے مارے نہ بتایا موجود حاضرین نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہی بتا دیجیے کہ وہ کونسا درخت ہے؟ فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے جناب عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعد میں اپنے والد گرامی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا دلی خیال عرض کیا پس انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر تو اسے اسی وقت کہہ دیتا تو میرے نزدیک یہ بھاری خزانے سے زیادہ محبوب ہوتا۔

اس حدیث پاک میں ''مسلم کی مثل'' درخت کے بارے میں حضور ﷺ کا استفسار ہے ایک اور روایت میں مطلقاً انسان کی مثال کا ذکر ہے کہ کوئی ایسا درخت بتاؤ جو انسان کی طرح ہے جس طرح انسان کا سر کاٹ کر تن سے جدا کر دیا جائے تو وہ مر جاتا ہے اسی طرح وہ درخت بھی ہے اگر اس کا اوپر کا حصہ کاٹ ڈالا جائے تو مردہ ہو جاتا ہے باتیں دونوں درست ہیں وہ اس طرح کہ کھجور کے درخت کا اوپر والا حصہ جہاں شاخیں نکلی ہوتی ہیں اگر اسے کاٹ ڈالا جائے تو ایک سوکھا ہوا تنا باقی نظر آئے گا جس میں کوئی ہریالی یا زندگی نظر نہیں آئے گی اور مسلمان کی مثال یوں کہ مسلمان کا دین کسی وقت اور کسی حالت میں اس سے جدا نہیں ہوتا اسی

طرح کہ جس طرح کھجور کے درخت کی ٹہنیوں کی ہریالی کسی موسم میں ختم نہیں ہوتی بہار ہو یا خزاں' سردی ہو یا گرمی وہ ہر وقت سرسبز رہتی ہیں اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ استاد و مرشد اپنے شاگردوں اور مریدین کا جب چاہے امتحان لے سکتا ہے آپ ﷺ کے اس سوال مخاطبین میں حضرت عمر' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اور دیگر اجلہ صحابہ کرام موجود تھے لیکن کسی نے جواب نہ دیا پھر ان حضرات نے حضور ﷺ سے عرض کیا حضور ﷺ آپ ہی ارشاد فرمائیں تو آپ نے ''کھجور کا درخت'' فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بقول اگرچہ ان کے ذہن میں یہی جواب آیا تھا لیکن شرم کے باعث اظہار نہ کر سکے وہ یہ کہ جب اتنے عظیم اور بزرگ صحابہ کرام تشریف فرما ہیں اور وہ جواب نہیں دے پا رہے ہیں تو میں کم سن ان کے درمیان کیسے بولوں؟ لیکن جواب درست تھا اور اگر عرض کر دیتے تو حضور ﷺ کی بارگاہ عالیہ سے نہ جانے کیا انعام پاتے؟ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے یہ بات اپنے والد گرامی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتائی تو آپ نے اس پر افسوس کیا اور فرمایا: کہ اگر تم شرماتے نہ اور عرض کر دیتے تو تمہارا باپ ہونے کے ناطہ سے میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا اور میرے لیے بہت بڑے خزانے یا سرخ اونٹوں کے غلہ ملنے سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی یا فقیر کہتا ہے کہ اس جواب کو سن کر بارگاہ رسالت سے ایسا انعام و اکرام تمہیں ملتا کہ جس سے ہم باپ بیٹا دونوں کی دنیا و آخرت روشن ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ ہمیں ایسا ذہن اور ایسی بصیرت عطا فرمائے جس سے اس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نوازا اور حضور ﷺ کے کلام مبارک کو سمجھنے کی ایسی ہی توفیق عطا فرمائے اور پھر اسی فیض نبوی کو دوسروں تک پہنچانے کی سعادت بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

۹۵۰- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ دِیْنَارٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ غِفَارُ غَفَرَ اللّٰہُ لَھَا وَاَسْلَمُ سَالَمَھَا اللّٰہُ وَ عُصَیَّۃُ عَصَتِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ۔

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے اور وہ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: قبیلہ بنی غفار کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور بنی اسلم کو سلامتی عطا فرمائی اور بنو عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

اس حدیث مبارک میں عرب کے تین مشہور قبائل کا ذکر ہے اور قبیلے بنو غفار اور بنو اسلم کے لیے خوش خبری اور نیک دعا اور قبیلہ بنو عصیہ کی نافرمانی کو بیان کیا گیا اول الذکر دونوں قبائل مشرف با سلام ہوئے اور تیسرا قبیلہ دشمن اسلام تھا پہلا قبیلہ بنو غفار کے لیے آپ ﷺ کا ''غفر اللہ لھا'' فرمانا ایک تو ان کے نام کی مناسبت سے ہے ''غفار'' غفر سے بنا ہے جس کا معنی بخشش ہے اور حضور ﷺ نے اس نام کی نیک شگونی کی بناء پر ان کی مغفرت کی بشارت دی یا یوں بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض شارحین نے بھی لکھا ہے کہ قبیلہ بنو غفار حجاج کرام کی چوریاں کرتا تھا جو گناہ کبیرہ ہے ایک طرف ان کا یہ گناہ اور دوسری طرف ان کا نام ''غفار'' دونوں میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی لیکن حضور ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ''جوامع الکلم'' بنایا تھا یعنی مختصر لیکن مطالب و مفہوم سے بھرا ہوا جامع مانع کلام آپ کی خصوصیت تھی اس کا نمونہ آپ کے اس کلام 'غفر اللہ لھا'' میں بھی ہے وہ یوں کہ ان کے نام سے آپ ﷺ نے ان کے گناہوں کی مغفرت طلب کی لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ اے اللہ! بنو غفار نے جب اپنا نام غفار تیرے نام پر رکھا ہے تو اس نام کی برکت سے انہیں مغفرت عطا فرما' آپ کی دعا کی برکت سے یہ قبیلہ مشرف با سلام ہوا اور اسلام سابقہ گناہوں کی مغفرت بن جاتا ہے اسی قبیلہ سے مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں' بنو اسلم کے بارے میں شارحین نے لکھا کہ اس قبیلہ نے بغیر جنگ و جدال اسلام قبول کیا جب اسلام قبول کرنے میں انہوں نے شور شرابہ اور دنگا فساد کی بجائے سلامتی کی راہ اپنائی تو اس بناء پر ان کے لیے حضور ﷺ نے ''سالمھا اللہ'' ارشاد فرمایا: یعنی اے اللہ! قبیلہ بنی اسلم کو

ان کے نام کی طرح سلامتی میں رکھنا تیسرا قبیلہ بنوعصیہ تھا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے بھیجے ہوئے ستر (۷۰) قراءِ کرام کو شہید کر دیا تھا یہ واقعہ تفصیلاً اسی مؤطا میں گزر چکا ہے یہاں صرف ان کے لیے کہے گئے کلمات کے ضمن میں بطور اختصار کچھ عرض کرتا ہے "عصیۃ" عصیان سے ماخوذ ہے جس کا معنی نافرمان ہے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو بزعم خویش دھوکہ دے کر ستر صحابہ کو شہید کر دیا اس دھوکے کا اصل و بانی عامر بن طفیل نامی شخص ہے اس نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ میں بھی کچھ مبلغین بھیجے جائیں ہو سکتا ہے کہ دیگر قبائل (لحیان' ذکوان' زعل) وغیرہ کے ساتھ یہ قبیلہ بھی مسلمان ہو جائے اس واقعہ کے ضمن میں ابتدائی گفتگو کے دوران حضرات صحابہ کرام کی جانثاری اور بارگاہِ رسالت کے ادب کا ایک عظیم واقعہ کتب احادیث و سیرت میں موجود ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے:

عن سهل بن سعد ان عامر بن الطفيل قدم على النبى ﷺ المدينة فراجع النبى ﷺ وارتفع صوته و ثابت بن قيس قائم بسيفه على النبى ﷺ فقال يا عامر غض من صوتك النبى ﷺ فقال امّا انت و ذاك فقال ثابت اما والله اكرمه لولا ان يكره رسول الله ﷺ لضربت بهذا السيف رأسك. (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۲۵ باب غزوۃ بئر معونہ کتاب المغازی' مطبوعہ بیروت)

سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ عامر بن طفیل مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور آپ سے گفتگو کی' دوران گفتگو اونچی آواز سے بولنے لگا' حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تلوار لیے سرکار دو عالم کے پاس کھڑے تھے کہنے لگے اوئے عامر! نبی پاک ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے میں آواز کو پست رکھو اس نے کہا اے ثابت! تو اور تیری یہ جرأت؟ (سردار قوم کے ہوتے ہوئے مجھے سمجھا رہا ہے اور خود تیری کوئی حیثیت نہیں) اس پر جناب ثابت رضی اللہ عنہ بولے خدا کی قسم! تو میرے آقا ﷺ کی عزت و اکرام بجا لا اگر حضور ناپسند نہ فرماتے تو میں تیری اس تلوار سے گردن اڑا دیتا۔

مختصر یہ کہ اس واقعہ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے ادب و احترام کے مقابلہ میں کسی بڑے سے بڑے جابر حاکم کی پرواہ تک نہ کرتے اور گستاخ و بے ادب کا سر قلم کرنے پر تیار ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی جانثاری اور محبت رسول سے سرشار فرمائے۔ آمین

۹۵۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ كُنَّا حِيْنَ نُبَايِعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ.

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے اور وہ حضرت ابن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی بیعت مبارکہ کرتے وقت یوں کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کی ہر بات خوش دلی سے سن کر اس پر خوشی سے عمل کریں گے تو آپ ﷺ فرماتے: اس میں جو تمہاری استطاعت میں ہو۔

سمع اور طاعت پر بیعت کرنے کا مطلب یہ کہ یا رسول اللہ! ﷺ آپ کے تمام ارشادات عالیہ کو ہم بخوشی قبول کریں گے اور ان پر عمل کریں گے جب بوقت بیعت صحابہ کرام ان الفاظ کو ذکر کرتے تو سرکار دو عالم ﷺ فرماتے: "فیما استطعتم" یعنی تم پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہاری طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالیں گے۔ امت محمدیہ کے امتیازات اور خاصہ جات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں آسان شریعت عطا ہوئی گذشتہ امتوں پر بعض ایسے احکام بھی نافذ تھے جو انتہائی مشکل تھے مثلاً جسم پر یا کپڑے پر نجاست لگ جاتی تو اتنے حصہ کو کاٹنے کا حکم تھا' توبہ کے لیے اپنی جان دینا پڑتی' نماز صرف مسجد میں ہی ادا ہو سکتی تھی لیکن

امت محمد یہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کے صدقہ بہت نرم احکام دیئے' نجاست کو پانی سے دھوئیں تو طہارت حاصل ہو جاتی ہے' صدق دل سے توبہ کریں تو گناہ دھل جاتے ہیں' نماز کے وقت جہاں چاہیں پاک جگہ پر نماز ادا کر لیں۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے تکلیف شرعی کے بارے میں "لا یکلف الله نفساً الا وسعها "فرمادیا اگر ان آسان احکام کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے تو بارگاہ عالیہ میں یوں دعا کرنی چاہیے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (البقرہ:۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہر شخص کے لیے وہی جو اس نے کسب کیا اور ہر شخص پر اسی چیز کا بوجھ جو اس نے اپنے اوپر لادی۔ اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں تو ہمارا مواخذہ نہ فرمانا یا ہم خطا کر بیٹھیں اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا اے ہمارے پروردگار! اور ہم کو ہماری طاقت سے زائد کے اٹھوانے کا نہ فرمانا اور ہم سے درگزر فرما' اور ہماری مغفرت فرما' اور ہم پر رحم کر! تو ہی ہمارا مولیٰ ہے پس کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی امت پر کس قدر مہربان ہے؟ اول تو اسے ایسے احکام ہی عطا نہیں فرمائے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہوں اور پھر مزید جو احکام ہمیں دیئے گئے ان میں ہم سے کوتاہی' غلطی اور نسیان کے پیش نظر معافی کا خود ہی طریقہ بھی بتا دیا وہ علیم بذات الصدور ذات جانتی تھی کہ ان نرم احکام میں بھی میرے محبوب کے امتی سستی برتیں گے لہٰذا اس نے دوسری کمال مہربانی یہ فرمائی کہ نرم احکام کی ادائیگی میں کوتاہی کی وجہ سے جو نافرمانی سرزد ہوتی ہے اس کی معافی کا طریقہ بھی خود ارشاد فرما دیا اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے ہم پر کس قدر مہربان ہے ایک شخص زندگی بھر نافرمان رہتا ہے لیکن موت سے پہلے اگر سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال کی تمام برائیاں مٹا دی جاتی ہیں۔

۹۵۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَصْحَابِ الْحِجْرِ لَا تَدْخُلُوْا عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ الْمُعَذَّبِيْنَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِثْلُ مَا اَصَابَهُمْ.

ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن دینار سے اور انہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ رسول کریم ﷺ نے "اصحاب الحجر" کے متعلق فرمایا: اس عذاب کردہ قوم پر روتے ہوئے داخل ہوا کرو اگر تم رو نہیں سکتے تو ان پر داخل نہ ہوا کرو (ایسا نہ ہو کہ) تمہیں بھی وہی آفت آن گھیرے جس نے انہیں گھیرا تھا۔

"اصحاب الحجر" سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جسے ثمود بھی کہا گیا ہے "حجر" ایک جگہ یا ایک علاقہ کا نام ہے جو شام اور حجاج کے درمیان واقع ہے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا لیکن اس نے آپ کو جھٹلا دیا "ولقد كذب اصحاب الحجر المرسلين "اصحاب حجر نے صالح علیہ السلام کی تکذیب کر کے گویا تمام پیغمبروں کو جھٹلایا سورۃ حجر پ ۱۴ آیت نمبر ۸۰ کے تحت تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہمارا گذر غزوۂ تبوک کے موقع پر اس مقام سے ہوا جسے "حجر" کہا جاتا تھا ہم وہاں اترے وہاں کے کنوؤں سے لوگوں نے پانی بھرا اور اس کے ساتھ آٹا گوندھا حضور ﷺ نے اس پانی کو انڈیل دینے کا حکم دیا اور آٹے کے بارے میں فرمایا: کہ اس پانی سے گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دو اور فرمایا

کہ پانی اس کنوئیں سے لو جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پیتی تھی حضرت عمر مزید فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ جب تم ظالموں کے مکانوں میں داخل ہو تو روتے ہوئے داخل ہونا ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی ان جیسا عذاب دیکھنا پڑے۔ امام قرطبی اس مقام پر یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے آثار ونشانات کو ناپسند کرنا چاہیے اور نیک وصالح بندوں کے آثار کو متبرک جاننا چاہیے۔ امام قرطبی کے الفاظ یہ ہیں:

فیہ دلیل علی التبرک باثار الانبیاء والصالحین وان تقادمت اعصارھم و خفیت اثارھم .

(قرطبی ج ۱۱ ص ۴۷ پ ۱۴ آیت ۸۰)

اس میں انبیاء کرام اور صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنے کی دلیل ملتی ہے اگرچہ ان کا زمانہ بہت پہلے کا ہوا اور ان کے آثار نظر نہ آتے ہوں۔

قوم ثمود یا اصحاب الحجر پر عذاب کیوں آیا؟ اس کی تفصیل جاننا ہو تو سورۃ ھود کے چھٹے رکوع کی تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اگر کسی ایسی قوم کی تباہ و برباد بستی سے گزرنے کا اتفاق ہو جس پر اللہ کا عذاب آیا تھا تو گزرنے والے کو روتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہوئے گزرنا چاہیے اور اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اگر بے اعتنائی برتی گئی تو ممکن ہے کہ گزرنے والا عذاب خداوندی کا نشانہ بن جائے۔ ابن جریر نے لکھا ہے:

عن ابن شھاب و ھو یذکر الحجر مساکن ثمود قال قال سالم بن عبداللہ ان عبداللہ بن عمر قال مررنا مع النبی ﷺ علی الحجر فقال لنا رسول اللہ ﷺ لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسھم الا ان تکونوا باکین حذرا ان یصیبکم مثل ما اصابھم ثم زجر فاسرع حتی خلفھا...... عن عبداللہ ان رسول اللہ ﷺ قال و ھو بالحجر ھؤلاء قوم صالح اھلکھم اللہ الا رجلا کان فی حرم اللہ منعہ حرم اللہ من عذاب اللہ قیل یا رسول اللہ ﷺ من ھو قال ابو رغال. (تفسیر ابن جریر ج ۱۴ ص ۳۴ سورۃ الحجر پ ۱۴ ص ۸۰ مطبوعہ بیروت)

ابن شہاب سے روایت ہے وہ قوم ثمود کے مکانات حجر کا ذکر کر رہے تھے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے سالم نے اپنے والد سے بیان کیا کہ حضور ﷺ کی معیت میں ہمارا گزر مقام حجر سے ہوا تو آپ نے ہمیں فرمایا: جن لوگوں نے اپنی ذات پر ظلم کیا ان کے مکانوں میں داخل نہ ہونا مگر روتے ہوئے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں تمہیں بھی ان جیسا عذاب آن نہ پکڑے پھر آپ نے اپنی سواری کو تیز کیا یہاں تک کہ وہ جگہ بہت پیچھے رہ گئی...... عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ مقام حجر پر حضور ﷺ نے فرمایا: یہ صالح علیہ السلام کی قوم (کے مکانات) ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا صرف ایک شخص بچا جو اللہ تعالیٰ کے حرم میں تھا حرم نے اسے عذاب الٰہی سے بچائے رکھا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا: ابو رغال۔

مؤطا میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''اصحاب الحجر'' کی بستی پر گزرنے والے صحابہ کرام کو حضور ﷺ نے جو ارشاد فرمایا اس کا تذکرہ کیا اس قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹ دی تھیں حالانکہ انہیں پہلے سے آپ نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم نے اس ''ناقۃ اللہ'' کو تنگ کیا تو اللہ کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ امام قرطبی نے اس حدیث پاک سے یہ استدلال فرمایا کہ صالحین کے مقامات سے برکت حاصل کرنا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے مقام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو اس قوم کے کنوؤں سے لیا گیا پانی گرا دینے کا حکم دیا اور اس سے گوندھا گیا آٹا اونٹوں کو کھلانے کا ارشاد فرمایا اور فرمایا: اگر پانی استعمال کرنا چاہتے ہو تو اس کنوئیں کا استعمال کرو جس سے صالح علیہ السلام کو دی گئی اونٹنی پیا کرتی تھی تو معلوم ہوا کہ اگر اونٹنی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہونے کی وجہ سے اس کے پانی پینے والے کنوئیں میں برکت آ جاتی ہے تو جس برگزیدہ آدمی کا تعلق اللہ تعالیٰ

سے ہو جائے اس کے آثار سے برکت حاصل کرنا بطریقہ اولیٰ جائز ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٩٥٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ عَنْ اَبِىْ مُحَيْرِيْزٍ قَالَ اَدْرَكْتُ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُوْنَ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ الْمَعْلُوْمَةِ الْمَعْرُوْفَةِ اَنْ تَرَى الرَّجُلَ يَدْخُلُ الْبَيْتَ لَا يَشُكُّ مَنْ رَاٰهُ اَنْ يَدْخُلَهٗ لِسُوْءٍ غَيْرَ اَنَّ الْجُدُرَ تُوَارِيْهِ.

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معمر سے خبر دی وہ ابومحریز سے روایت کرتے ہیں فرمایا: میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ کرام کو یہ فرماتے سنا کہ قیامت کے بارے میں مشہور و معلوم علامت یہ ہے کہ تم کسی شخص کو گھر میں داخل ہوتے دیکھو اس کے بارے میں دیکھنے والا یہ شک نہ کرتا ہو کہ وہ کسی برے ارادے سے داخل ہوا سوائے اس کے دیواریں اس کو چھپا رہی ہیں (اس قدر بے اعتبار ہو جائے)۔

مذکورہ روایت کے مفہوم میں دو احتمال ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ قیامت کے قریب بے حیائی اور بے شرمی اتنی عام ہو جائے گی جسے صحابہ کرام بخوبی جانتے تھے وہ یہ کہ ایک شخص جب کسی دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہوگا اور اس داخل ہونے والے کی نیت برائی کی ہوگی لیکن اسے دیکھنے والا برا نہ سمجھے گا نہ ہی برائی کا شک کرے گا صرف اس قدر احساس ہوگا کہ دیوار کے پردے میں وہ چلا گیا یعنی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہے اس بے حیائی کا یورپی ممالک میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے میرے احباب نے وہاں کی بے حیائی کے بہت سے واقعات مجھے سنائے خود میرے صاحبزادے مولوی محمد طیب نے بتایا کہ مانچسٹر میں ایک بزرگ آدمی ہمیں اپنے گھر لے گیا وہاں ہم نے اس کے گھر میں ایک نوجوان لڑکی کو ادھر ادھر پھرتے دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ یہ میرے بیٹے کی دوست ہے اور بہت اچھی دوست ہے۔ حدیث پاک میں اس عام بے حیائی کی نشاندہی کی گئی ہے دوسرا احتمال یہ کہ جب کوئی کسی شخص کو گھر میں داخل ہوتے دیکھے گا تو اس کے بارے میں وہ برائی کا شک نہ کرے گا بلکہ یقیناً وہ جانتا ہوگا کہ یہ شخص برائی کے ارادے سے داخل ہوا ہے یعنی قرب قیامت اس قدر بے اعتباری بڑھ جائے گی کہ باہم ایک دوسرے پر اعتبار اٹھ جائے گا مختصر یہ کہ قرب قیامت دین داری اور شرم و حیا برائے نام رہیں گی ان کی جگہ بے دینی' بے غیرتی اور عیاشی نے گھر کو لیا ہوگا اللہ تعالیٰ بطفیل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

٩٥٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَمِّىْ اَبُوْ سُهَيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبِىْ يَقُوْلُ مَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِّمَّا كَانَ النَّاسُ عَلَيْهِ اِلَّا النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں اپنے چچا ابوسہیل سے خبر دی فرمایا کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ نماز کی اذان کے بغیر مجھے گذشتہ مسلمانوں کی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی۔

ابوسہیل کے والد جناب مالک بن عامر نے روتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے جن باتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں معمول بہ پایا آج ان باتوں میں وہ کیفیت و حالت باقی نہ رہی لوگوں نے ان میں کمی بیشی کر دی ہے اور صرف اذان ایسی چیز ہے جو آج بھی وہی ہے جو دور رسالت میں تھی۔ افسوس بھرے یہ کلمات اور رو رو کر بیان کی گئی یہ گفتگو ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی ہے جنہوں نے زمانۂ رسالت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال و افعال دیکھے وہ ان کے خلوص و استقامت سے بخوبی واقف تھے وہ ان کے اہتمام و نیک نیتی کے عینی شاہد ہیں پھر دور رسالت کے بعد کے حالات میں کچھ فرق محسوس کیا حالانکہ اس دور کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین زمانہ قرار دیا فرمایا: ''خير القرون قرنی ثم الذين يلونهم سب سے بہتر زمانہ میرا اور پھر اس کے بعد بہتر میرے بعد والوں کا'' جب اس دور میں اور دور رسالت میں فرق آ چکا تھا تو اب چودہ صدیاں گزرنے کے بعد کیا حال ہوگا؟ بہرحال اس گئے گزرے دور میں بھی ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ سرکار دو عالم کی کامل اتباع بجا لائیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں

شریعت مطہرہ پر خلوص واستقامت کے ساتھ قائم رکھے۔ آمین

۹۵۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِیْ مُخْبِرٌ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنِّیْ اُنَسّٰی لِاَسُنَّ.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں خبر دی کہ مجھے ایک بتانے والے نے بتایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے بھلایا جاتا ہے تا کہ میں (تمہارے لیے) سنت قائم کروں۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور خصوصاً سرکار دو عالم ﷺ کی بھول عام انسانوں کی بھول چوک سے ممتاز ہوتی ہے۔ ہمارا بھولنا غفلت کی بناء پر اور شیطان کی طرف سے ہوتا ہے لیکن حضرات انبیاء کرام کا نسیان من جانب خدا ہوتا ہے ان کا بھولنا بے شمار حکمتوں کا حامل ہوتا ہے اور ان کی بھول سے امت کے لیے کوئی ضابطہ یا قانون وجود میں آتا ہے۔ صاحب نسیم الریاض نے یہ حدیث مندرجہ ذیل الفاظ سے نقل فرمائی ہے۔

بان نسیانه ﷺ لیس کنسیان غیره لما یترتب علیه من الفوائد الجلیلة و تسویة بهم فی الحدیث باعتبار ظاهر الحال والیه اشار بقوله (و هذه الحالة) ما یعرض له ﷺ من النسیان یسن. (نسیم الریاض ج ۴ ص ۱۵۵ فصل ہذا الحکم ما تکون المخالفۃ فیہ من الاعمال عن قصد' مطبوعہ بیروت)

حضور ﷺ کا نسیان دوسرے لوگوں کے نسیان کے مانند نہیں ہے اس لیے کہ آپ کی بھول پر بہت سے عظیم فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ اور ظاہری حالت کے اعتبار سے لوگوں کی گفتگو وغیرہ میں مماثلت کی بنا پر نسیان واقع ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ ہے مصنف کے اس قول کا یعنی حضور ﷺ کو جو نسیان عارض ہوتا ہے وہ اس لیے تا کہ امت کے لیے کسی بات کو مسنون قرار دیا جا سکے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''شرح شفاء'' میں اس کی تشریح یوں فرمائی۔

قال تعالی فلا تنسی الا ما شاء الله انساک ایاه (او انسی) بصیغة المفعول مشددا و یجوز مخففا ای ینسینی الله تعالی (لاسن) بفتح الهمزة وضم السین و تشدید النون ای لابیّن لکم ما یفعله احد منکم نسیانا لتانسوا بی و تقتدوا بفعلی (بل قد روی لست انسی) ای حقیقة (ولکن انسی) لصیغة المجهول کمامر (لاسن) و هذا نظیر قوله تعالی و ما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی ایاء الی مقام الجمع. (شرح شفاء' ملا علی قاری مع نسیم الریاض ج ۴ ص ۱۵۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ﷺ بھولتے نہیں مگر جو اللہ چاہے وہ آپ کو بھلا دیتا ہے۔ میں بھلایا جاتا ہوں۔ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ بھول میں ڈال دیتا ہے تا کہ میں تمہارے لیے یہ صاف صاف واضح کر دوں کہ حالت نسیان میں جو تم سے کوئی بات سرزد ہو اس کا کیا حکم ہے تا کہ تم مجھ سے موافقت و موانست کرو اور حالت نسیان میں میرے فعل کی اقتداء کرو بلکہ مروی ہے کہ میں بھولتا نہیں ہوں یعنی حقیقتاً بھول کا مجھ سے وقوع نہیں ہوتا لیکن بھول میں ڈالا جاتا ہوں تا کہ میری سنت بن جائے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اے محبوب! جب آپ نے کنکریاں ماریں تو آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے ماریں۔ مختلف روایات کا اجماع اور ان میں تطبیق اسی مفہوم ومطلب کے مطابق ہو سکتی ہے۔

پیغمبر کے نسیان اور سہو کی حقیقت

حضرات انبیاء کرام کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ امور تبلیغیہ اور اعتقادیہ میں انبیاء کرام نسیان سے محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ ان امور میں بھی نسیان تسلیم کر لی جائے تو ثابت ہوگا کہ آپ ﷺ پر جو وحی آتی۔ قرآن کریم اتر انسیان کی

وجہ سے اس کے بیان میں اور اس کے حفظ میں اعتبار نہ رہا اور بھول کر آپ نے وحی غلط بیان کر دی حالانکہ یہ عقیدہ بلکہ اس کا احتمال رکھنا بھی کفر ہے' ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لہٰذا نسیان کا مقام و محل امور دنیوی اور اعمال ہیں وہ بھی اس لیے تا کہ امت کے لیے عمل کا راستہ بن جائے۔ امام نووی فرماتے ہیں:

و اما السهو فی الاقوال البلاغية فاجمعوا علی منعه كما اجمعوا علی امتناع تعمده و اما السهو فی الاقوال الدنيوية و فيما ليس سبيله البلاغ من الكلام الذی لا يتعلق بالاحكام ولا اخبار القيامة وما يتعلق بها ولا يضاف الی الوحی فجوزه قوم اذلا مفسدة فيه قال القاضی رحمه الله تعالی والحق الذی لاشک فيه ترجيح قول من منع ذالک علی الانبياء فی كل خبر من الاخبار لما لو يجوز عليهم خلف فی خبر لا عمدا ولا سهوا لافی صحة ولا فی مرض ولا رضا ولا غضبا. (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱۲ باب النہی انشد والضالۃ فی المسجد و ما یقولہ من سمع اناشد' مطبوعہ نور محمد کراچی)

امور و اقوال تبلیغیہ میں حضور ﷺ کے سہو کے ممنوع ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے جیسا کہ آپ سے جان بوجھ کر سہو کے ممنوع ہونے پر اجماع ہے رہا دنیوی باتوں اور ایسے امور میں جن کا تبلیغ سے کوئی تعلق نہیں احکام شرعیہ اور اخبار قیامت کے قبیلہ سے نہیں اور نہ ہی ان متعلقات میں سے ہیں اور نہ ہی وحی کی طرف ان کی نسبت و اضافت ہوتی ہے ایسے امور میں سہو کو بعض لوگوں نے جائز سمجھا کیونکہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: حق ایسا کہ جس میں شک کی گنجائش نہ رہے وہ یہ ہے اس مسئلہ میں ترجیح ان حضرات کے قول کو ہے جو ہر قسم کی خبر میں سہو کو منع جانتے ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء کرام کی خبر میں مخالفت کا ہونا ہرگز جائز نہیں خواہ وہ عمداً ہو یا سہواً' خواہ حالت صحت میں ہو یا دورانِ بیماری اور خواہ غصہ کی حالت میں ہو یا ہنسی خوشی کے وقت۔

خلاصہ یہ کہ حضرات انبیاء کرام سے نسیان و سہو کی نفی کرنا ہی قول راجح ہے بالخصوص ان امور میں جو تبلیغ و وحی' احکام شرعیہ' اخبارِ قیامت اور ان کے متعلقات کی اخبار ہیں ان میں نسیان و سہو بالاتفاق والاجماع ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی نظریہ پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین

۹۵۶- اَخْبَرَنَا مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِیُّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ تَمِیْمٍ عَنْ عَمِّهٖ عُتْبَةَ اَنَّهٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَلْقِیًا فِی الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدٰی یَدَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی.

مالک بن انس نے ہمیں ابن شہاب زہری سے اور وہ عبادہ بن تمیم سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے چچا عتبہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جناب رسالتمآب ﷺ کو مسجد میں پشت پر اس طرح لیٹے دیکھا کہ آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔

۹۵۷- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ وَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا کَانَا یَفْعَلَانِ ذٰلِکَ.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں ابن شہاب سے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح (جس طرح مسجد میں حضور ﷺ کا آرام فرمانا گزرا) کیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا نَرٰی بِهٰذَا بَأْسًا وَ هُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی

قول ہے۔

اس حدیث پاک میں جناب عتبہ نے حضور ﷺ کا مسجد شریف میں آرام فرمانے کی جس کیفیت کا ذکر کیا ہے اس میں ایک ہاتھ دوسرے پر رکھنے کا ذکر ہے۔ "صحیح مسلم" میں انہی سے ایک روایت میں ہاتھ کی بجائے ایک پاؤں کا دوسرے پر رکھنا مذکور ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:

عن عبادة بن تميم عن عمه انه رأى رسول الله ﷺ مستلقيا فى المسجد واضعا احدى رجليه على الاخرى. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۸ باب النہی الشمال الصماء الخ مطبوعہ نور محمد کراچی)

عبادہ بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کو مسجد میں اپنے پاؤں پر پاؤں رکھے چت لیٹے ہوئے دیکھا۔

صحیح مسلم میں ہی اس سے قبل ایک حدیث پاک سیدنا عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے چت لیٹ کر پاؤں پر پاؤں رکھنے سے منع فرمایا ہے بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض دکھائی دیتا ہے کیونکہ آپ نے منع بھی فرمایا اور خود ایسا لیٹنا آپ سے مروی بھی ہے۔ اس تعارض کو امام نووی نے دور فرمایا۔ فرماتے ہیں:

قال العلماء احاديث النبى ﷺ النهى عن الاستلقاء رافعا احدى رجليه على الاخرى محمولة على حالة تظهر فيها العورة او شئى منها واما فعله ﷺ فكان على وجه لا يظهر منها شئى و هذا لا بأس به ولا كراهية فيه على هذه الصفت. (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹۸ باب النہی عن الشمال مطبوعہ نور محمد)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ چت لیٹ کر ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھنے سے حضور ﷺ نے جو منع فرمایا وہ اس حالت پر محمول ہے جب ایسا لیٹنے میں شرم گاہ سے کپڑا اٹھ جانے کی وجہ سے وہ ظاہر ہو یا شرم گاہ کا کچھ حصہ دکھائی دیتا ہو حضور ﷺ کا خود اس طرح لیٹنا اس طریقے سے تھا کہ شرم گاہ بالکل محفوظ تھی اگر کوئی اس طرح احتیاط سے لیٹتا ہے تو اس میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ کراہیت۔

صاحب فتح الباری ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ بعض حضرات نے اس حدیث کو منسوخ کیا اور دیگر کچھ حضرات نے اس فعل کو رسول کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص کیا لیکن تخصیص کی بات بھی درست نہیں کیونکہ سیدنا عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کا اس طرح کرنا روایات میں موجود ہے (جیسا کہ مؤطا کی حدیث میں بھی ہے) اور اسے منسوخ قرار دینے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ کراہت ایسے لیٹنے میں ہے جس میں چت لیٹتے وقت پاؤں پر پاؤں رکھنے کی صورت میں بے پردگی ہوتی ہو اگر کوئی شخص احتیاط کرتا ہے اور برہنہ نہیں ہوتا تو اس کی اجازت ہے اسی کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مؤقف بیان کرتے ہوئے فرمایا: چت لیٹ کر پاؤں پر پاؤں رکھنے میں کوئی حرج نہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

(فتح الباری: ج ۱ ص ۵۶۳ باب مطبوعہ دار النشر الکتب الاسلامیہ شیش محل لاہور)

۹۵۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ قِيْلَ لِعَائِشَةَ لَوْ دُفِنْتِ مَعَهُمْ قَالَ فَالَتْ اِنِّيْ اِذًا لَاَنَا الْمُبْتَدِئَةُ بِعَمَلِيْ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں یحیٰ بن سعید سے خبر دی بیان کرتے ہیں: کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا گیا کیا اچھا ہوتا کہ آپ وصیت کر دیں کہ مجھے حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے یحیٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا

اگر ایسی وصیت کرتی ہوں تو اس کام میں میں پہل کرنے والی ہوں گی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حجرہ مبارکہ میں دفنانے کی وصیت کرنے کے بارے میں کہنے والے کو ارشاد فرمایا: کہ اس وصیت کرنے کی وجہ سے میں ابتداء کرنے والی بن جاؤں گی آپ نے ایسا جواب کیوں دیا؟ تفصیل اس کی یہ ہے کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالمہ فاضلہ تھیں اور شریعت مطہرہ کے خلاف کبھی قدم اٹھانا پسند نہ فرماتیں خوف خدا اس قدر رہوتا کہ بار ہا آپ کی زبان اقدس سے یہ کلمات نکلے:

یا لیتنی کنت شجرا یالیتنی حجرا یالیتنی کنت مدرا۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۴ ذکر سیدہ عائشہ)
اے کاش! میں درخت ہوتی' اے کاش! میں پتھر ہوتی' اے کاش! میں مٹی کا ڈھیلا ہوتی۔

آپ کے یہ الفاظ انتہائی انکساری و تواضع کا مظہر ہیں اور قبر وحشر ونشر کے خوف کا پتہ دیتے ہیں ورنہ یہی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ جب منافقین نے واقعہ افک میں آپ پر تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت کے ساتھ ساتھ آپ کے جنتی ہونے کی بشارت پہلے دے دی تھی:

اولئک مبرؤن مما یقولون لھم مغفرۃ و اجر کریم۔
وہ لوگ (یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ) ان کی باتوں سے بری ہیں ان کے لیے بخشش اور اجر کریم ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ اگر میں وصیت کروں تو یہ نئی بات ہوگی۔ کیونکہ امہات المؤمنین میں سے کسی نے ایسی وصیت نہیں کی۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ آپ کے آخری وقت حضرت حسان اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ملاقات کی اجازت طلب کی جس پر آپ نے فرمایا: حسان بہت بڑا شاعر ہے ہوسکتا ہے کہ وہ میری شان میں کوئی شعر کہہ دے اور عبداللہ بہت بڑے حافظ الحدیث ہیں ممکن ہے کہ وہ میری فضیلت و بزرگی کے بارے میں کوئی حدیث پڑھ سنائیں جس کی وجہ سے آخری وقت مجھ میں خود پسندی کا معاملہ نظر آئے میں نہیں چاہتی کہ آخری لمحات میں بھی میں اپنی تعریف سنوں میں خاموشی سے رخصت ہونا چاہتی ہوں اس لیے میری وصیت یہ ہے کہ" فادفنونی مع ازواجات النبی ﷺ . مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ ہی دفنایا جائے"۔

(طبقات ابن سعد: ج ۸ ص ۷۵ ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا' مطبوعہ بیروت)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موت سے کچھ لمحات پہلے تشریف لائے اور آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اے نبی کریم ﷺ کی زوجہ تمہیں خوشخبری ہو کہ حضور ﷺ نے تمہارے سوا کسی کنواری سے شادی نہیں کی (اور تہمت لگنے پر) تمہارا عذر آسمانوں سے نازل ہوا۔ اس کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیر مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوئے تو فرمانے لگیں: (اے بیٹا! عبداللہ بن زبیر) ابن عباس نے میری تعریف کی لیکن میں آج کے دن کسی سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتی' میں چاہتی ہوں کہ میں بھولی بسری ہوتی۔

یاد رہے کہ" تاریخ حبیب اللہ" کے حوالہ سے بعض شیعہ یہ کہتے ہیں کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو امیر معاویہ نے گڑھا کھود کر اس میں گرا کر مروایا تھا اور اوپر سے اسے بند کر دیا تھا آپ وہیں انتقال کر گئیں یہ بہت بڑا الزام واتہام ہے۔ اس کا تفصیلی رد ہم نے" تحفہ جعفریہ" ج ۴ میں کر دیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا' نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور قبر میں عبداللہ بن زبیر' عروہ بن زبیر' عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن یعنی آپ کے بھتیجوں نے اتارا۔ عثمان بن ابی عتیق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جس رات مائی صاحبہ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا تو عید کی طرح روشنی

تھی آپ کے جنازے میں اس قدر لوگ آئے کہ مدینہ منورہ کی تاریخ میں اس سے قبل اتنے آدمی کسی اور کی نماز جنازہ میں جمع نہ ہوئے رمضان شریف کی سترہ تاریخ آپ نے وصال فرمایا لہٰذا شیعوں کا آپ کے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکورہ بات کہنا بہت بڑا اتہام والزام ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۹۵۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ قَالَ قَالَ سَلَمَةُ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَا شَانُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ لَمْ يُدْفَنْ مَعَهُمْ فَسَكَتَ ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ قَالَ اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَوْمَئِذٍ مُتَشَاغِلِيْنَ

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں خبر دی کہ سلمہ نے حضرت عبداللہ کو کہا کہ حضرت عثمان بن عفان کو حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق کے ساتھ حجرہ مقدسہ میں کیوں دفن نہ کیا گیا؟ حضرت عبد اللہ بن عبداللہ یہ سن کر خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا سلمہ نے پھر یہی کہا۔ تو انہوں نے فرمایا: کہ اس دن لوگ فتنہ میں پڑے ہوئے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت جن حالات میں ہوئی اس کی تفصیل فقیر نے ''تحفہ جعفریہ'' ج ۴ میں لکھی ہے یہاں بالاختصار اس کا ذکر کیا جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ باغیوں کا مدینہ منورہ پر غلبہ تھا لیکن ان کے غلبہ کی صرف اور صرف یہی ایک وجہ تھی کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ یہ نہ چاہتے تھے کہ رسول کریم ﷺ کا شہر خون کی ندی بن جائے ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے باغیوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی اجازت طلب کی تھی لیکن آپ نے اجازت نہ دی اگر آپ صحابہ کرام کو باغیوں کی سرکوبی کی اجازت دے دیتے تو باغی قطعاً غلبہ نہ پا سکتے اس بارے میں دو حوالہ جات ایک شیعہ کتاب اور دوسرا سنی کتاب سے پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ باغی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے درپے ہیں تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں اور کچھ غلاموں کو اسلحہ دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہرہ دینے کے لیے بھیجا تا کہ ان کی مدد کی جائے اور باغیوں کو روکا جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے جناب عبداللہ اور حضرت طلحہ نے اپنے بیٹے محمد کو اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے صحابہ کرام نے اپنے اپنے فرزندان کو اسی مقصد کی خاطر حضرت عثمان کا پہرہ دینے کے لیے متعین فرمایا۔ باغی سبائیوں نے تیراندازی شروع کر دی اس سے لوگ ادھر ادھر بکھر گئے۔ حضرت امام حسن زخمی ہوئے' قنبر کا سر پھٹ گیا' محمد بن طلحہ اور کچھ لوگ بھی زخمی ہو گئے (اس سے لوگوں نے اندازہ لگایا کہ کہیں بنی امیہ اور بنی ہاشم میں تعصب پیدا نہ ہو جائے) اس لیے انہوں نے مذکورہ اشخاص کو دروازے پر متعین رکھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید ہو گئے تو لوگوں نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا ادھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے' آپ بہت غمزدہ اور پریشان تھے اپنے دونوں بیٹوں کو پوچھا تم دونوں جب دروازے پر مامور تھے تو پھر تمہاری موجودگی میں حضرت عثمان شہید کیونکر ہو گئے؟ امام حسن کے منہ پر طمانچہ مارا' حسین کے سینے پر زور سے ہاتھ مارا ادھر محمد بن طلحہ کو برا بھلا کہا گیا' اور عبداللہ بن زبیر کو بھی ملامت کی گئی۔ (مروج الذہب)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاں تقریباً سات سو انصار و مہاجرین موجود رہے یعنی ۳۵ھ میں ذوالقعدہ کی آخری تاریخوں سے لے کر ذوالحجہ آٹھ بروز جمعۃ المبارک تک ان حضرات میں حضرت عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن زبیر' حسن' حسین' مروان' ابوہریرہ اور ان کے بہت سے غلام تھے (رضی اللہ عنہم) اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کو اپنے دفاع کی اجازت دیتے تو یہ سبائی بلوائیوں کا اچھی طرح دفاع کر سکتے تھے لیکن حضرت عثمان نے انہیں اپنے حق کی قسم دلا کر فرمایا: کہ تم نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھانا اور یہ کہ ہر شخص اپنے گھر چلا جائے اس وقت آپ کے ہاں اکابر صحابہ اور ان کے فرزندان کا اجتماع تھا آپ نے اپنے غلاموں سے بھی فرما دیا کہ تم

میں سے جو اپنی تلوار نیام میں ڈال لے گا اور باغیوں سے لڑائی کرنے سے باز رہے گا وہ آزاد ہے۔ حضرت عثمان غنی کے اس فرمان کی وجہ اور سبب اصلی یہ تھا کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا جس سے انہیں اپنی موت کے قریب ہونے کی نشان دہی ملتی تھی لہٰذا انہوں نے تمام معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کو اولیٰ سمجھا تا کہ جو وعدہ دیا گیا وہ مل جائے اور اس کے ساتھ ساتھ رسول کریم ﷺ کی ملاقات سے بھی بہرہ مند ہوا جائے۔ حضرت عثمان کے پاس جناب کثیر بن الصلت آئے عرض کیا اے امیر المومنین! باہر کھلے میدان میں تشریف لائیں تا کہ لوگ آپ کے نورانی چہرہ کی زیارت سے مشرف ہوں آپ نے اگر میری درخواست قبول فرما لی اور سر عام دیدار کرا دیا تو باہر کھڑے تمام باغی لوٹ جائیں گے یہ سن کر حضرت عثمان مسکرا دیئے فرمایا: اے ابن الصلت! میں نے گذشتہ رات سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت کی آپ کے پاس ابوبکر اور عمر بیٹھے تھے آپ نے مجھے ارشاد فرمایا: عثمان واپس چلے جاؤ کل تمہاری افطاری ہمارے پاس ہوگی پھر عثمان غنی نے ابن الصلت سے فرمایا: خدا عز وجل کی قسم! میں کل غروب آفتاب سے قبل ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا (شہید ہو جاؤں گا)۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۸۱ ذکر حضرت امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ)

٩٦٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ وُقِيَ شَرَّ اثْنَيْنِ وَلَجَ الْجَنَّةَ وَاَعَادَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ مَنْ وُقِيَ شَرَّ اثْنَيْنِ وَلَجَ الْجَنَّةَ مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں زید بن اسلم سے وہ عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو دو چیزوں کی شرارت سے محفوظ رہا وہ جنت میں گیا آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی کہ جو شخص دو چیزوں کی شرارت سے محفوظ رہا وہ جنت میں گیا ایک چیز وہ جو آدمی کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (زبان) اور دوسری وہ جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (شرم گاہ)۔

زبان و شرم گاہ کی حفاظت کے متعلق اس حدیث پاک کی تفصیل و تشریح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں:

قال سهل بن سعد الساعدی قال رسول الله ﷺ من يتكفل لی بما بين لحييه ورجليه اتكفل له بالجنة. و قال رسول الله ﷺ من وقى شر قبقبه و ذبذبة و تعلقه فقد وقى الشر كله القبقب هو البطن والذبذب الفرج واللقلق اللسان فهذه الشهوات الثلاث بها يهلك اكثر الخلق و كذالك اشتغلنا بذكر آفات اللسان لما فرغنا من ذكر آفة الشهوتين البطن والفرج و قد سئل رسول الله ﷺ عن اكثر ما يدخل الناس الجنة فقال تقوى الله و حسن الخلق و سئل عن اكثر ما يدخل النار فقال الاجو فان الفم والفرج فيحتمل ان يكون المراد بالفم افات اللسان لانه محله و يحتمل ان يكون المراد به البطن لانه منفذه فقد قال معاذ بن

جناب سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ سے اس چیز کی نگہداشت کی ذمہ داری اٹھاتا ہے جو دونوں جبڑوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (زبان اور شرم گاہ) میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبقب' ذبذب اور تعلق کی شرارت سے محفوظ رہا وہ ہر قسم کی شرارت سے بچ گیا۔ قبقب سے مراد پیٹ' ذبذب سے مراد شرم گاہ اور تعلق سے زبان ہے یہ تین شہوات ہیں کہ جن کی وجہ سے اکثر لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں ہم بھی اسی لیے زبان کی آفات بیان کرنے لگے ہیں جبکہ ہم پیٹ اور شرم گاہ کی آفات لکھنے سے فارغ ہو گئے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ جنت میں داخل کرانے والی سب سے بڑی بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اچھا اخلاق اور آپ سے پوچھا گیا کہ دوزخ میں داخل

جبل قلت یا رسول الله اتوأخذ بما نقول فقال ثکلتک امک یا ابن جبل و هل یکب الناس فی النار علی مناخرهم الاحصائد السنتهم و قال عبدالله الثقفی قلت یا رسول الله حدثنی بامر اعتصم به فقال قل ربی الله ثم استقم قلت یا رسول الله ما اخوف ما تخاف علی فاخذ بلسانه فقال هذا و روی ان معاذا قال یا رسول الله ﷺ ای الاعمال افضل فاخرج رسول الله ﷺ لسانه ثم وضع علیه اصبعه و قال انس بن مالک قال رسول الله ﷺ لا یستقیم ایمان العبد حتی یستقیم قلبه ولا یستقیم قلبه حتی یستقیم لسانه ولا یدخل الجنة رجل لا یامن جاره بوائقه و قال ﷺ من سره ان یسلم فلیلزم الصمت و عن سعید بن جبیر مرفوعا الی رسول الله ﷺ انه قال اذا اصبح ابن ادم اصبحت الاعضاء کلها تذکر اللسان ای تقول اتق الله فینا فانک ان استقمت استقمنا وان اعوجت اعوجنا وروی ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه رأی ابا بکر الصدیق رضی الله عنه و هو یمد لسانه بیده فقال له ما تصنع یا خلیفة رسول الله ﷺ قال هذا اوردنی الموارد ان رسول الله ﷺ قال لیس شئی من الجسد الا یشکو الی الله اللسان علی حدته. و عن ابن مسعود انه کان علی الصفا یلبیّ و یقول یا لسان قل خیرا تغنم واسکت عن شر تسلم من قبل ان تندم فقیل له یا ابا عبدالرحمن اهذا شئی تقوله او شئی سمعته فقال لا بل سمعت رسول الله ﷺ یقول ان اکثر خطایا ابن آدم فی لسانه و قال ابن عمر قال رسول الله ﷺ من کف لسانه ستر الله عورته و من ملک غضبه و قاه الله عذابه ومن اعتذر الی الله قبل الله عذره.

گرانے والی سب سے بڑی بات کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اندر سے خالی دو چیزیں یعنی منہ اور شرمگاہ آپ ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں منہ سے مراد ہو سکتا ہے کہ زبان کی آفات ہوں کیونکہ ''منہ'' زبان کا محل ہے اور اس سے پیٹ بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ منہ اور پیٹ کی طرف جانے والی غذا کا سوراخ ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم انہی باتوں سے پکڑے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں تجھے گم پائے اے ابن جبل! دوزخ کی آگ میں ناک کے بل گرانے والی زبان کی لگائی ضربیں ہی تو ہیں اور عبداللہ ثقفی نے کہا: کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! ﷺ مجھے ایسی بات بتائیے کہ میں اس کو مضبوطی سے پکڑ لوں؟ آپ نے فرمایا: یہ کہو کہ میرا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ڈٹ جاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ میرے بارے میں زیادہ خوف کس چیز کا کھاتے ہیں؟ آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: اس سے اور مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کون سا عمل سب سے بہتر و افضل ہے؟ تو حضور ﷺ نے اپنی زبان نکال کر اس پر ہاتھ کی انگلی رکھی (فرمایا: اس کی حفاظت) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا: آدمی کا ایمان اس وقت تک مستقیم نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل مستقیم نہ ہو اور دل کی استقامت زبان کی استقامت کے بغیر ناممکن ہے اور جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو اور حضور ﷺ نے فرمایا: جو سلامتی میں بخوشی رہنا پسند کرتا ہے اسے خاموش رہنا چاہیے۔ سعید بن جبیر سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب آدمی صبح کے وقت بیدار ہوتا ہے تو تمام اعضاء زبان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں یعنی اسے کہتے ہیں کہ ہم پر خدا کا خوف کھانا کیونکہ اگر تو سیدھی رہی تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے زبان کو

(احیاء العلوم: ج ۳ ص ۹۳-۹۴ باب عظیم خطر اللسان' کتاب آفات اللسان مطبوعہ دمشق)

کھینچ رہے ہیں ان سے پوچھا گیا اے خلیفہ رسول! یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمانے لگے یہ ہے وہ کہ جس نے مجھے مختلف مصیبتوں میں ڈالا ہے حضور ﷺ نے فرمایا: جسم کی ہر شئے زبان کی تیزی کی اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت کرتی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ صفا پر تلبیہ میں مشغول تھے اور کہہ رہے تھے اے زبان! اچھی بات کر غنیمت پائے گی' شرارت سے چپ رہ سلامتی پائے گی قبل اس کے تجھے ندامت کا سامنا کرنا پڑے۔ ان سے پوچھا گیا اے ابوعبدالرحمٰن! کیا یہ باتیں تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو یا ان کو کسی ن رکھا ہے؟ فرمایا: جس نے زبان کو قابو میں رکھا اللہ اس کی شرم گاہ کو محفوظ رکھے گا اور جس نے اپنے غصہ پر قابو پالیا اللہ تعالیٰ اسے اپنے عذاب سے بچائے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی کوتاہی اور عذر کو پیش کیا اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرمائے گا۔

۹۶۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَقُوْلُ لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَتَقْسُوْ قُلُوْبُكُمْ فَاِنَّ الْقَلْبَ الْقَاسِيَ بَعِيْدٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ وَلَا تَنْظُرُوْا فِيْ ذُنُوْبِ النَّاسِ كَاَنَّكُمْ اَرْبَابٌ وَانْظُرُوْا فِيْهَا كَاَنَّكُمْ عَبِيْدٌ فَاِنَّمَا النَّاسُ مُبْتَلِيٌّ وَمُعَافٍ فَارْحَمُوْا اَهْلَ الْبَلَاءِ وَاحْمَدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى عَلَى الْعَافِيَةِ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں خبر دی کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کیا کرو۔ کہیں تمہارے دل نہ سخت ہو جائیں سخت دل یقیناً اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن تمہیں علم نہیں ہے اور دیکھو لوگوں کے گناہوں میں یوں نہ دیکھا کرو کہ گویا تم ان کے مالک ہو بے شک لوگ گنہگار بھی ہیں اور معاف کر دیئے گئے بھی ہیں لہٰذا مصائب اور گناہوں میں گرفتار لوگوں پر ترس کھاؤ اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر بجالاؤ۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصیحت آمیز گفتگو میں سے چند باتیں اس روایت میں مذکور ہوئیں کثرت کلام سے دل سخت ہوتے ہیں لہٰذا اگر بکثرت گفتگو کرنی ہو تو اللہ کے ذکر کی کرو۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ لوگوں کے گناہوں کو اس طرح نہ دیکھو کہ ان کی سزا کا تمہیں اختیار ہے بلکہ اپنے گناہوں کو مدنظر رکھ کر ایک مجرم کی طرح دیکھو' گناہ گار پر ترس کھاؤ اور صحت و عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اسی حدیث پاک کی تشریح میں امام ابوالولید باجی فرماتے ہیں:

قول عيسى بن مريم عليه السلام لا تكثروا الكلام بغير ذكر الله فتقسوا قلوبكم يريد والله اعلم ان كثرة الكلام بغير ذكر الله عز و جل تكونى لغو وان كان منه المباح فقد يكون منه المحظور فالغالب عليه ما تقسوبه القلوب و قوله فان القلب

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا ارشاد ''اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کرو کہ کہیں تمہارے دل سخت نہ ہو جائیں'' آپ کی اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر اکثر لغو گفتگو ہوتی ہے اگرچہ اس میں کچھ باتیں مباح بھی ہوتی ہیں لیکن ممنوع بھی لازماً ہوتی ہیں لہٰذا غالب گفتگو ایسی ہوتی ہے جو سخت دلی کا باعث

القاسي بعيد من الله يريد من رحمة الله و قوله لا تنظروا في عيوب الناس كانكم ارباب يريد ان العبد لا ينظر في ذنوب غيره لانه لا يثيب على حسنها ولا يعاقب على سيئها وانما ينظر فيها ربه الذي امره و نهاه فيثيبه على حسنهما ويعاقبه على سيئها واما العبد فانّه ينظر في عيوب نفسه ليصلح منها ما فسد و يتوب منها ما فرط.

(المنتقی ج ۷ ص ۳۱۱ ما یکرہ من الکلام بغیر ذکر اللہ مطبوعہ قاہرہ)

بنتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول "سخت دل اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا ہے اور آپ کا قول "لوگوں کے عیب نہ دیکھو ایسے کہ تم اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہو" اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ بندہ کسی دوسرے کے گناہوں کی طرف نہیں دیکھتا اور نہ ہی کسی کی نیکی پر اسے ثواب دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کی برائی پر اسے عذاب میں ڈال سکتا ہے اس کے گناہوں کی طرف اس کا رب ہی دیکھتا ہے جس نے اسے امر و نہی کا حکم دیا ہے لہٰذا وہی نیکی پر ثواب اور بدی پر عذاب دیتا ہے رہا بندہ تو اسے عیب دیکھ کر خود ان میں سے برے اعمال کو چھوڑنا اور اچھے اعمال کی مزید اصلاح کرنا چاہیے اور زیادتی پر توبہ کرنی چاہیے۔

حدثني مالک ان بلغه انه عائشة زوج النبي ﷺ كانت ترسل الى بعض اهلها عبد العتمة فتقول الا تريحون الكتاب.

(مؤطا امام مالک ص ۷۳۱ باب ما یکرہ من الکلام کتاب الجامع' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رات کے وقت اپنے بعض اہل خانہ کی طرف کسی کو روانہ فرماتیں وہ جا کر انہیں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا یہ پیغام دیتا کیوں تم نے فرشتوں کو خوش کر کے نہیں بھیجا؟

خلاصۂ کلام یہ کہ باتونی آدمی کی زیادہ باتیں لغو فضول ہوتی ہیں اور وہ ایسی باتیں بھی کہہ ڈالتا ہے جو ممنوع ہوتی ہیں اور کچھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں لہٰذا ایسی باتوں سے قساوت قلبی کا بہت زیادہ امکان ہوتا ہے لہٰذا زیادہ گفتگو سے اجتناب کرنا چاہیے اور دوسرے کے گناہوں کو دیکھنے کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیے اور اپنی اصلاح کی طرف ہر وقت متوجہ ہونا چاہیے۔

٩٦٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنِيْ سُمَيٌّ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرٍ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ نَوْمَهٗ وَطَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ فَاِذَاقَضٰى اَحَدُكُمْ نَهْمَتَهٗ مِنْ وَجْهِهٖ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں سمی مولیٰ ابی بکر سے خبر دی وہ ابو صالح سمان سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ (ایک قسم کا عذاب ہے) تم میں سے کسی کی نیند روک دیتا ہے' اس کا کھانا پینا روک دیتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص اپنا مقصد حاصل کر لے جو سفر کی وجہ بنا تو اسے جلد اپنے اہل و عیال میں واپس آ جانا چاہیے۔

صاحب المنتقی سفر کے عذاب ہونے اور اس کے بارے میں چند باتیں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و التألم فيه لشدة الحر و البرد و المطر قال الله عز و جل ان كان بكم اذى من مطر و منع ما يمنع من النوم و الطعام و الشراب على وجه المعتاد و هذا

سفر میں تکلیف' گرمی' سردی اور بارش کی وجہ سے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف و اذیت میں ہو اور سفر کا نیند اور کھانے پینے سے روکنا اس طرح ہے کہ عام عادت کے

یقتضی ان استجاوتہ واصلاحہ لیس بمحظور لان ذالک ھو الذی یمنع منہ السفر واما وجودہ فلا یمنعہ السفر لانہ لابد منہ واللہ اعلم.
(المنتقی: ج ۷ص ۳۰۵ مایؤمر بہ العمل فی السفر 'مطبوعہ القاہرہ)

مطابق حالت سفر میں یہ کام نہیں ہو سکتے۔ یہ کیفیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دوران سفر کھانے' پینے اور سونے کا عمدہ بندوبست کرنا ممنوع نہیں کیونکہ سفر جس نیند اور کھانے پینے سے منع کرتا ہے وہ بطور عادت یہ کام تھے رہا ان تکالیف کا ہونا تو ان کی وجہ سے سفر ممنوع نہیں کیونکہ بعض دفعہ سفر لازمی ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ سفر میں بعض دفعہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بعض دفعہ سفر باعث تسکین جسم و جان بھی ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص حج وعمرہ کے لیے یا صالحین وعلماء کی زیارت کے لیے سفر کرتا ہے خصوصاً سرکار ابد قرار ﷺ کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کی غرض سے سفر کرتا ہے تو ایسے سفر میں روحانی تسکین واطمینان قلبی میسر ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص میری زیارت کی غرض سے سفر کرتا ہے کہ اسے اس کے سوا اور کوئی غرض نہیں ہوتی تو اس کے لیے میری شفاعت لازم ہو جاتی ہے یہ حدیث صحیح ہے اس کی مزید گفتگو باب زیارت میں ''وفاء الوفاء'' کے حوالہ سے گذر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سفر حرمین شریفین کا مسافر بنائے اور بار بار بنائے۔ آمین

۹۶۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّ اَحَدًا اَقْوٰى عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ مِنِّيْ لَكَانَ اَنْ اُقَدَّمَ فَيُضْرَبُ عُنُقِيْ اَهْوَنُ عَلَيَّ فَمَنْ وَلِيَ هٰذَا الْاَمْرَ بَعْدِيْ فَلْيَعْلَمْ اَنْ سَيُرُدُّهٗ عَنْهُ الْقَرِيْبُ وَالْبَعِيْدُ وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَاُقَاتِلُ النَّاسَ عَنْ نَفْسِيْ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے وہ سالم بن عبداللہ سے خبر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں جانتا کہ کوئی اور شخص اس امر خلافت کے معاملہ میں مجھ سے زیادہ قوی ہے پھر اس کے ہوتے ہوئے مجھے آگے کیا جاتا تو میرے لیے یہ آسان ہوتا کہ کوئی میری گردن اڑا دیتا (اور خلافت کا بوجھ میری گردن پر نہ ڈالا جاتا) لہٰذا تم میں سے جسے میرے بعد یہ (خلافت کی) ذمہ داری سونپی جائے اسے جان لینا چاہیے کہ اسے دور ونزدیک کے الزامات واعتراضات دور کرنا پڑیں گے خدا کی قسم! اگر میں ہوتا تو اپنے اوپر الزامات کو دور کرنے کے لیے میں لوگوں سے لڑائی کرتا۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نامزدگی سے ہوئی تھی آپ نے خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد مذکورہ بات فرمائی کہ اگر مجھ سے خلافت کا بوجھ اٹھانے میں کوئی دوسرا زیادہ مضبوط اور اہل ہوتا تو میں خلافت قبول کرنے پر اپنی موت کو ترجیح دیتا آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب مبنی بر حقیقت تھا اسی میں رسول کریم ﷺ اور اللہ رب العزت کی خوشنودی تھی اگر ابوبکر صدیق کو کوئی دوسرا مجھ سے بہتر ملتا تو کبھی میری خلافت کا اعلان نہ کرتے اور بات بھی حقیقتاً یہی ہے جن حالات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار خلافت اٹھایا ان کا مقابلہ کرنا صرف عمر بن خطاب کے بس کی بات تھی لہٰذا میں نے اپنے انتخاب کو من جانب اللہ سمجھ کر قبول کر لیا اب میں ان لوگوں کو وصیت کرتا ہوں جو میرے بعد منصب خلافت سنبھالیں گے کہ وہ اپنے اوپر ڈالی گئی ذمہ داریوں کو باحسن طریقہ سرانجام دیں اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور اپنے اوپر لگائے گئے اعتراضات کا نہایت صبر وتحمل سے جواب دیں۔ مؤطا کی عبارت میں ''اپنے دور ونزدیک کے الزام دور کریں'' کا مطلب یہ کہ وہ لوگ جوان کے قریبی ہوں یا قرابت دار نہ ہوں' اور وہ لوگ جوان کے شہر

کے ہوں یا باہر کسی آبادی سے تعلق رکھتے ہوں سب کے شکوک وشبہات کو دور کرنا آپ کا یہ فرمانا کہ "میں لوگوں سے اس وقت تک جہاد کرتا جب تک میں اپنے نفس کو بری الذمہ نہ کر لیتا" اس سے مراد لڑائی اور جنگ وجدال نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ میں لوگوں کے اپنے اوپر کئے گئے اعتراضات جن کا تعلق میری دنیا و آخرت سے ہوگا ان کا بھرپور جواب دوں گا۔

مذکورہ روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ جو شخص خلافت کا مستحق نہ ہو اسے خلافت قبول کرنے سے انکار کر دینا چاہیے اور اگر غیر مستحق ہوتے ہوئے اسے قبول کر لیتا ہے تو یہ خودکشی سے بھی بڑا جرم ہے۔ دوسرا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو خلافت و امارت عطا فرمائے تو اسے نہایت بردبار اور مہربان ہونا چاہیے' جائز اور ناجائز باتوں کی چھان بین کر کے فیصلہ کرے' جس شخص میں اہلیت اور بردباری دونوں باتیں نہ ہوں اسے ہرگز خلافت و امارت طلب نہیں کرنی چاہیے۔

٩٦٤- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنِیْ مُخْبِرٌ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّاسُ وَرَقًا لَا شَوْکَ فِیْہِ وَھُمُ الْیَوْمَ شَوْکٌ لَا وَرَقَ فِیْہِ اِنْ تَرَکْتَھُمْ لَمْ یَتْرُکُوْکَ وَاِنْ نَقَدْتَّھُمْ نَقَدُوْکَ۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک خبر دینے والے سے خبر دی اور وہ ابوالدرداء سے بیان کرتے ہیں فرمایا: لوگ پتہ (کی مانند) تھے کہ جس میں کوئی کانٹا نہ تھا اور وہ اس دور میں ایسا کانٹا ہیں جس میں کوئی پتہ نہیں ہے اگر تو انہیں چھوڑے گا تو وہ تجھے نہیں چھوڑیں گے اور اگر تو انہیں کھرا کرنا چاہے (ان سے درستی کرے) تو وہ تجھے کھرا کریں گے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول کریم ﷺ ہیں آپ نے جو زمانہ دیکھا وہ واقعی تمام زمانوں سے بہتر تھا اسے خود حضور ﷺ نے "خیر القرون" فرمایا ہے ان کے قول سے مراد وہ حضرات ہیں جو اس آیت کے مصداق تھے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

مہاجرین وانصار میں سے سب سے پہلے اسلام لانے والے اور وہ لوگ جو ان احسان کے ساتھ ان کے متبع ہوئے اللہ تعالیٰ ان سے راضی وہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور اللہ نے ان کے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن میں نہریں جاری ہیں' ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت عظیم کامیابی ہے۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کی مثال کانٹوں سے دی کہ ان کے ساتھ کوئی پتہ نہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں کوتاہیاں آ گئی تھیں اور یہ بھی ان حضرات کے مقابلہ میں کہ جو حضور ﷺ کے دور اقدس میں تھے اور اگر ان حضرات کی ہم اپنے دور کے مسلمانوں کے ساتھ نسبت کریں تو وہ ہزاروں درجے ہم سے بہتر تھے۔ جب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ فرق محسوس کرتے ہیں تو ہم ذرا خیال کریں کہ ان حضرات اور ہم میں کس قدر فرق آ چکا ہوگا اور ہم کس زمرے میں شمار ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان پاک نفوس کی سی زندگی ہمیں بھی گزارنا نصیب فرمائے۔ آمین

٩٦٥- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ اَنَّہٗ سَمِعَ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ یَقُوْلُ کَانَ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوَّلَ النَّاسِ ضَیَّفَ الضَّیْفَ وَاَوَّلَ النَّاسِ اِخْتَتَنَ وَاَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ شَارِبَہٗ وَاَوَّلَ النَّاسِ رَاَی الشَّیْبَ فَقَالَ یَا رَبِّ مَا ھٰذَا فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَارٌ

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے مہمان نوازی اختیار فرمائی آپ نے ہی سب سے پہلے ختنہ کرایا' آپ نے ہی سب سے پہلے مونچھیں کاٹیں اور آپ نے ہی سب سے پہلے

يَا اِبْرَاهِيْمُ قَالَ يَا رَبِّ زِدْنِيْ وَقَارًا.

بڑھاپا (سفید بال) دیکھے پوچھا یا اللہ! یہ (سفید بال اور بڑھاپا) کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! یہ عزت و وقار ہے عرض کی اے پروردگار! میرے وقار میں اضافہ فرمادے۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اوّلیات کہ جن کا ذکر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کیا ان کی کچھ تفصیل دیگر احادیث میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً:

و كان قد وسع عليه في المال والخدم و هو اول من اضاف الضيف و اول من ثرو الثريد. واول من رأى الشيب...... عن سلمان قال سأل ابراهيم ربه خيرا فاصبح ثلثا راسه ابيض فقال ما هذا؟ فقيل له عبرة في الدنيا ونور في الاخرة...... عن عكرمة قال كان ابراهيم خليل الرحمن ﷺ يكنى ابا الاضياف...... عن ابي هريرة قال واختتن ابراهيم بالقدوم و هو ابن عشرين و مأته سنة ثم عاش بعد ذالک ثمانين سنة. (طبقات ابن سعد: ج ا ص ۴۷ ذکر ابراہیم خلیل الرحمٰن' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مال وغلاموں کی وسعت عطا فرمائی تھی اور آپ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی ابتداء فرمائی' اور جنہوں نے سب سے پہلے پتلا حلوہ تیار کیا اور جنہوں نے سب سے پہلے سفید بال دیکھے...... سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے بھلائی مانگی تو آپ کے سرانور کے دوتہائی بال سفید ہو گئے عرض کی باری تعالیٰ! یہ کیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ دنیا میں عبرت اور آخرت کا نور ہے...... حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کنیت ''ابوالاضیاف'' تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک سوبیس (۱۲۰) سال کی عمر شریف ہونے پر تیشہ سے اپنا ختنہ کیا پھر اس کے بعد اسی (۸۰) برس زندہ رہے۔

حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث پاک کی شرح میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت سی باتوں سے آزمایا جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ''وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ اور یاد کرو جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں سے آزمائش میں ڈالا'' ان آزمائشی باتوں میں سے ایک ختنہ بھی تھا آپ کی عمر ایک سوبیس برس کی تھی کہ ختنہ کا حکم دیا گیا آپ نے فوراً تیشہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کر دکھایا یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص بالغ ہونے کے بعد مسلمان ہوتا ہے اور اس کا ختنہ ابھی نہیں ہوا تو اس سنت ابراہیمی کے مطابق وہ کیا کرے؟ ختنہ چونکہ سنت مؤکدہ ہے' فرض نہیں لہٰذا اگر وہ شخص خود ختنہ کرنا جانتا ہو تو کر لے اور اگر نہیں جانتا تو پھر ایک اور صورت ہے وہ یہ کہ کسی ایسی عورت سے شادی کر لے جو ختنہ کرنا جانتی ہو۔ وہ اپنے خاوند کا ختنہ کرے کیونکہ بیوی اپنے خاوند کی شرمگاہ کو بوقت ضرورت دیکھ سکتی ہے اور اگر بیوی ختنہ کرنا نہیں جانتی اور خود بھی نہیں کر سکتا تو اب اسی طرح بغیر ختنہ کے رہے کیونکہ اگر کسی اور سے ختنہ کراتا ہے تو لازماً اس کو شرمگاہ دکھانا پڑے گی اور ستر شرمگاہ فرض ہے اور ختنہ سنت ہے لہٰذا سنت کے حصول کی خاطر فرض کا ترک کرنا اس کی اجازت نہیں ہے' ابراہیم علیہ السلام کا یہ امتحان تھا جس میں آپ کامیاب ہوئے۔

٩٦٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُهٗ عَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن مسیب سے سنا وہ کسی سے حدیث بیان کر رہے تھے کہ کہنے والے نے کہا کہ رسول کریم

يَهْبِطُ مِنْ ثَنِيَّةِ هَرْشَىٰ مَاشِيًا عَلَيْهِ ثَوْبٌ أَسْوَدُ.

ﷺ نے فرمایا: میں گویا اب بھی موسیٰ علیہ السلام کو ہرشہ کی چوٹی سے اترتے دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے سیاہ کپڑے زیب تن کر رکھے ہیں۔

حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مقام ''ہرشہ'' سے سیاہ کپڑوں میں ملبوس دیکھا اس حدیث پاک کو ''مشکوۃ شریف'' میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔

عن ابن عباس قال سرنا مع رسول الله ﷺ بين مكة والمدينة فمررنا بواد فقال اى واد هذا فقالوا وادى الازرق قال كانى انظر الى موسى فذكر من لونه و شعره شيئا واضعا اصبعيه فى اذنيه له جوار الى الله بالتلبيه مارا بهذا الوادى قال ثم سرنا حتى اتينا على ثنية فقال اى ثنيّة هذه قالوا هرشى او كفت. (مشکوۃ شریف: ص ۵۰۱ باب بدأ الخلق و ذکر الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام' مطبوعہ نور محمد کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر پر تھے پس ہمارا گذر ایک وادی سے ہوا آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے جواب دیا وادیٔ ارزق ہے' آپ نے فرمایا: میں گویا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں یہ کہہ کر آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رنگ اور ان کے بالوں کا کچھ تذکرہ فرمایا آپ نے اس وقت اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال رکھی تھیں آپ کو اللہ تعالیٰ کا تلبیہ کے ذریعہ قرب حاصل تھا اس وادی سے گذرتے وقت بھی ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ہم پھر آگے چل دیئے حتیٰ کہ ہم ایک ٹیلے پر پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون سا ٹیلا ہے؟ حاضرین نے کہا اس کو ''ہرشی'' کہتے ہیں یا ''کفت'' اس کا نام ہے۔

قارئین کرام! اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے بعد از وفات جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں اور اس کی بارگاہ کے مقبول بندے دنیا سے پردہ کرنے کے بعد مبارک مقامات اور بابرکت محافل میں تشریف لاتے ہیں اور اس کے مخصوص بندے وہ کچھ دیکھ سکتے ہیں جو عام آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور بعد از وفات نیک اعمال کا صدور مقربان بارگاہ الٰہی سے واقع اور ثابت ہے اگرچہ وہ مکلف نہیں رہتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تلبیہ کہتے اور وہاں سے گزرتے آپ ﷺ نے دیکھا اور یہ سفر آپ ﷺ کا سفر حج تھا اور آپ نے حج صرف ایک مرتبہ ہی کیا لہٰذا آپ کے حج میں حضرات انبیاء کرام نے بھی شرکت فرمائی یہ واقعہ اس کی دلیل ہے؟ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کو بالخصوص اس کا علم ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا میں کون کیا کام سرانجام دے رہا ہے کیونکہ اگر موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا علم نہ ہوتا کہ آج اس وقت حضور ﷺ فلاں مقام پر تشریف فرما ہیں تو اس وقت وہ وہاں دکھائی نہ دیتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو وہ کمال عطا فرمایا کہ آپ نور نبوت اور علم لدنی سے ہر چیز کی حقیقت و اصلیت کو جانتے ہیں تبھی تو آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہچانا' ان کے بال و رنگ کا بیان فرمانا اور ان کے کپڑوں تک کے رنگ کو بیان فرما دیا اور کانوں میں انگلیاں ڈالے تلبیہ کہتے سب کچھ جان لیا مزید تفصیل درکار ہو تو اسی حدیث مشکوۃ کے تحت ''اشعۃ اللمعات'' میں دیکھ سکتے ہیں۔

٩٦٧- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الْأَنْصَارَ لِيَقْطَعَ لَهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ فَقَالُوْا لَا وَاللّٰهِ إِلَّا أَنْ تُقْطَعَ

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے انصار کو بلوایا تا کہ بحرین

لِاِخْوَانِنَا مِنْ قُرَيْشٍ مِثْلَهَا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا فَقَالَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي اُثْرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ.

کی زمین ان میں تقسیم فرمائیں' حاضر ہونے کے بعد انصار نے عرض کیا نہیں خدا کی قسم! نہیں لیں گے مگر اس وقت کہ ہمارے قریشی بھائیوں کو بھی عطا کی جائے انہوں نے یہ عرض دو یا تین مرتبہ کی پس آپ ﷺ نے فرمایا: تم بہت جلد میرے وصال کے بعد دنیوی ساز و سامان کی فراوانی دیکھو گے لہٰذا صبر کرو یہاں تک کہ تم مجھ سے آن ملو۔

حضور ﷺ کا انصار کو بحرین کی زمین تقسیم کرنے اور انہیں عطا کرنے کے لیے بلانا اپنے مقام پر لیکن اس حدیث میں انصار صحابہ کرام کے ایثار کی عظیم مثال موجود ہے۔ انصار مدینہ کے ایثار کی بہت سی مثالیں احادیث مقدسہ میں وارد ہیں خود لفظ ''انصار'' ہی ان کے لیے بہت بڑا تمغہ تھا جو اللہ رب العزت اور رسول کریم ﷺ کی طرف سے انہیں مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کی بدولت عطا ہوا اس سے بعد والی حدیث میں بھی آ رہا ہے کہ ان کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ جس کے پاس دو مکان تھے ایک مکان اپنے مہاجر مسلمان بھائی کو مفت میں دے دیا' جس کے پاس دو بیویاں تھیں ان میں سے ایک کو طلاق دے کر عدت گذارنے پر اپنے کنوارے یا رنڈوے مہاجر مسلمان کے عقد میں ہمیشہ کے لیے دے دی یہ ایثار آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی نے نہ کیا' اپنی بستی چہیتی بیوی کو کوئی مرد کب گوارا کر سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے کسی دوسرے کو دے دے بلکہ شریعت میں تین طلاقیں پانے والی عورت جب خاوند پر حرام ہو جاتی ہے تو اسے بھی غیر مرد کے ساتھ حلالہ کی غرض سے شادی کرنا نہایت تکلیف دہ عمل ہے جس کے علاوہ کوئی حلت کی دوسری وجہ نہیں تھی لیکن حضور ختمی مرتبت ﷺ کے حکم کی تعمیل اور فرمان عالی شان کی پذیرائی کا یہ عالم کہ انصار کی مالی قربانیاں بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ان اولین مہاجرین و انصار کی مثال رہتی دنیا پیش نہیں کر پائے گی۔ قرآن کریم کی نص قطعی ان کے بارے میں اعلان کر رہی ہے ''وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الاية۔ مہاجرین اور انصار میں سب سے پہل کرنے والے'' اور ان کے پیرو کہ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یعنی وہ قطعی جنتی ہیں۔ زیر نظر حدیث پاک جہاں عظیم الشان ایثار پر مشتمل ہے وہیں حضور ﷺ کا آئندہ کی خوشخبری دینا بطور اعجاز بھی مذکور ہے جن انصار نے تین دفعہ ایثار کی پیش کش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد مہاجرین کو وافر مقدار میں مال و دولت حاصل ہو گا یعنی خلافت اور قضاء ان کو ملے گی اس وقت اے انصار! تم خاموش رہنا اور معاملات چلتے رہنے دینا ہم دیکھتے ہیں کہ سرکار ابد قرار ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب مسئلہ خلافت پیش آیا تو ثقیفہ بنی ساعدہ میں موجود حضرات کے سامنے جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ کی حدیث پاک کہ ''خلافت مہاجرین میں ہے'' پڑھ کر سنائی اور فرمایا: کہ لوگو! تمہارے سامنے یہ دو حضرات تشریف فرما ہیں۔ عبیدہ ابن جراح اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما ان میں سے جسے چاہو خلیفہ بنا لو تو حضرت عمر بولے: جب حضور ﷺ نے اپنی حیات مقدسہ میں ابوبکر آپ کو اپنے مصلیٰ پر امامت کے لیے کھڑا فرما دیا اس کے بعد کسی اور مہاجر کو زیب نہیں دیتا کہ وہ آپ کی موجودگی میں خلیفہ بنے' آپ ہاتھ بڑھائیں میں بیعت کرتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکمت بھرے اور جرأت مندانہ اقدام پر مسئلہ خلافت بحسن و خوبی طے پا گیا مختصر یہ کہ اس حدیث پاک میں ایک طرف تو انصار کے عظیم الشان ایثار کی بات ہے اور دوسری طرف مہاجرین کے لیے بطور اعجاز حضور ﷺ کی پیش گوئی کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایثار انصار اور استقامت مہاجرین سے سرفراز فرمائے۔ آمین

٩٦٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ بْنَ اَبِىْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى الدُّنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ.

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی کہ مجھے محمد بن ابراہیم تیمی نے کہا: میں نے علقمہ بن ابی وقاص سے انہوں نے عمر بن خطاب سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: اعمال (کا ثواب وعذاب) نیت پر ہے ہر شخص کے لیے ویسا ہی ثمرہ ہے جیسی اس نے نیت کی لہٰذا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی ہوگی اور جس کا گھر بار چھوڑنا دنیا یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے نیت کی۔

یہ حدیث صریح اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر آدمی کا عمل اس کی نیت کے مطابق پھل دے گا لیکن یاد رہے کہ یہ حدیث پاک مؤوّلہ ہے کیونکہ کسی کام کا ہونا یا نہ ہونا نیت پر موقوف نہیں بلکہ بہت سے کام ہم روزانہ کرتے اور دیکھتے ہیں جو ہوتے ہیں لیکن نیت کچھ اور ہوتی ہے لہٰذا اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ نیت پر اعمال کا دار و مدار ہے یہی وجہ ہے کہ شارحین کرام نے اس کا مفہوم اور مراد بیان کرنے کے لیے "**انما ثواب الاعمال بالنیات**" ذکر فرمایا یہ تاویل ہے بھی درست کیونکہ بطور مثال ایک شخص کسی جانور کو شکار کرنے کے لیے گولی چلاتا ہے یا تیر پھینکتا ہے اس کی نیت شکار کرنے کی ہے لیکن اتفاق سے وہ گولی کسی انسان کے جسم میں پیوست ہو جاتی ہے اب گولی نے تو اپنا کام کر دکھایا اور انسان زخمی بھی ہو گیا۔ "فعل" کا وجود ہو گیا لیکن اس فعل کے کرنے کی فاعل کی نیت نہ تھی لہٰذا یہاں "ثواب وعذاب" کو مقدر ماننا پڑے گا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے تحت بحث کی کہ کیا نیک و بد نیت دونوں پر سزا و جزا ہے؟ یعنی صرف نیت کی تھی (خواہ اچھی یا بری) لیکن اس کے مطابق عمل کرنے کا موقع نہ ملا یا موقعہ تو ملا لیکن کر نہ سکا۔ فرماتے ہیں:

نعم ذكروا فى جانب الجنة ان دخولها بالايمان و درجاتها بالاعمال و خلودها بالنية...... واختلفوا فى نية السيئة والحق انه لا عقاب عليها الا ان يضم اليها عزم او تصميم اى عزم على الفعل بالفعل او تصميم على انه سيفعل و فيه ان النية لا تكون الا مع العزيمة...... والجمهور على ان الحديث فى الخطرة دون العزم وان المؤاخذة فى العزم ثابتة واليه قال الشيخ ابومنصور و شمس الائمة حلوانى والدليل عليه قوله تعالى ان الذين يحبون ان تشيع الفاحشة الاية. (مرقات شرح مشکوٰۃ: ج ا ص ۳۳ کتاب الایمان حدیث اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ہاں علماء نے جنت کے بارے میں ذکر فرمایا: کہ اس میں دخول کا سبب ایمان اور درجات کا حصول اعمال کے ساتھ اور اس میں ہمیشگی کا سبب نیت ہے اور علماء نے برائی کی نیت میں اختلاف فرمایا حق یہ ہے کہ جب تک برائی کی نیت کے ساتھ عزم و تصمیم نہ ہو تو کوئی عقاب نہیں یعنی برے کام کی نیت کر کے اس کام کو لازماً کرنے کا ارادہ کر لینا یا عنقریب اس کام کو سرانجام دینے کا پختہ ارادہ باندھ لینا اس صورت میں گرفت ہوگی اور اس میں بھی یہ بات ذہن نشین رہے کہ نیت بغیر پختہ ارادہ کے نہیں ہوتی اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مذکورہ حدیث پاک خطرات دل کے بارے میں ہے نہ کہ یقینی اور پختہ نیت کے متعلق اور مؤاخذہ اس نیت میں ثابت اور متحقق ہے جو پختہ اور عزم کے ساتھ ہو اسی کی طرف شیخ ابو منصور اور شمس الائمہ حلوانی نے میلان فرمایا اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول

ہے الذين يحبون ان تشيع الفاحشة الاية بے شک وہ لوگ جو ایمان داروں میں بے حیائی پھیلانے سے محبت رکھتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے (اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ جو لوگ بے حیائی پھیلانے کا عزم رکھتے ہوں اگرچہ اسے عملی طور پر ابھی نہ کر پائے ہوں تب بھی وہ گرفتار عذاب ہوں گے)۔

قارئین کرام! از یر بحث حدیث مبارک سے ہمیں چند باتیں اشارۃً معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ رضائے حبیب ﷺ کی نیت کرنا شرک نہیں کیونکہ ہجرت الی اللہ والی الرسول دونوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ جیسی نیت ویسی مراد اگر ان دونوں میں سے ایک (ہجرت الی اللہ) اچھا اور جائز ارادہ ہوتا تو دوسرے (ہجرت الی الرسول) کو اس کے ساتھ ذکر نہ کیا جاتا تو معلوم ہوا کہ ''ہجرت الی رسولہ'' میں رضائے الٰہی اور رضائے محبوب الٰہی دونوں موجود ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنا اس کا عملی اظہار ''ہجرت الی رسولہ'' سے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کہیں کسی مکان یا کسی جگہ میں مقید نہیں وہ بے کیف اور بے جہت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کا تحقق اسی صورت میں ہوسکتا ہے اور یہی حال ان تمام صفات باری تعالیٰ اور ذات باری تعالیٰ کے سلسلہ میں ہے جن کے اثبات کے لیے کسی بے کیف مکان وزمان کا ہونا ضروری ہو اعلیٰحضرت عظیم المرتبت فاضل بریلوی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ نے اسے کس خوبی سے بیان فرمایا:

وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

یہی مراد و مفہوم ان آیات مقدسہ کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجز اطاعت رسول کریم ﷺ ممکن نہیں اتباع رسول کریم ہی اطاعت خدا ہے کیونکہ اتباع کے لیے کوئی عملی نمونہ سامنے ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا عمل خود اس کی ذات کی طرح ہمارے فہم و ادراک سے باہر ہے فرماتا ہے:

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار و هو اللطيف الخبير. اس دنیا میں کسی کی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی اور وہ سب تمام کی ابصار کو بخوبی جانتا ہے وہ نہایت لطف فرمانے والا اور باخبر ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا: ''من يطع الرسول فقد اطاع الله. جس نے رسول کریم ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی'' اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے محبوب ﷺ کو کسی کام میں ملانا مطلقاً ناجائز اور حرام نہیں ہے یہ عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے اور جو بدعقیدہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کو اس کے ساتھ ملانا اور یہ کہنا کہ فلاں کام میں اللہ کی اور اس کے رسول کی رضا ہوئی تو یہ کام ہو جائے گا۔ شرک ہے یا بدعت ہے۔ وہ قرآن سے بے خبر ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں ارشاد فرمایا: ''انہیں اللہ اور اس کے رسول نے غنی کر دیا'' یعنی منافقوں کو یہ ناپسند لگتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان مسلمانوں کو ان کا محتاج نہیں رہنے دیا۔

(۳) اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں رہنا اگرچہ نہایت مبارک ہے لیکن جب محبوب خدا ﷺ وہاں سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اسی مکہ میں رہنے والے مسلمانوں پر وہاں سے ہجرت کر جانا فرض

قرار دے دیا تمام جانتے ہیں کہ جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ حجر اسود مقام ابراہیم صفا و مروہ زمزم وغیرہ متبرک و معظم اشیاء وہاں موجود تھیں لیکن ان کے ہونے کے باوجود وہاں سے جانب مدینہ ہجرت کرنا لازم کر دیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان تمام اشیاء کی برکت و عظمت اپنی جگہ مسلم لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی عظمت و برکت کا مقابلہ کہاں کر سکتی ہیں؟ نیز اس حدیث پاک کے آخر میں جو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ دنیا اور بیوی کی خاطر ہجرت کرنے والے کو یہی کچھ حاصل ہوگا اس کے تحت صاحب مرقات نے لکھا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا جس کا نام ام قیس تھا اس عورت نے اپنے ساتھ نکاح کرنے کی ایک شرط باندھی وہ یہ کہ میں حضور ﷺ کی طرف ہجرت کرنے والی ہوں اگر تو بھی ہجرت کا ارادہ کرتا ہے تو پھر مجھے تمہارے ساتھ شادی کرنا منظور ہے چنانچہ اس صحابی نے اس شرط پر یعنی ہجرت کر کے اس عورت کے ساتھ شادی کر لی حضور ﷺ کے مذکورہ فرمان کے مطابق چونکہ یہ ہجرت "الی اللہ والی رسولہ" نہ تھی محض شادی کے لیے تھی تو شادی کر کے بیوی مل گئی جس کی خاطر ہجرت کی تھی لیکن اس ہجرت کا ثواب و اجر نہ ملا بلکہ اس شخص کا نام "مہاجر ام قیس" پڑ گیا تھا۔ حوالہ کے لیے "مرقات شرح مشکوٰۃ" باب الایمان ص ۴۴ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ یہ چند مسائل تھے جو اشارۃً اس حدیث پاک سے حاصل ہوئے اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

٤٤١ - بَابُ الْفَارَةِ تَقَعُ فِي السَّمَنِ

گھی (وغیرہ) میں چوہے کے گر جانے کا بیان

٩٦٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنْ فَارَةٍ وَقَعَتْ فِي سَمَنٍ فَمَاتَتْ قَالَ خُذُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا مِنَ السَّمَنِ فَاطْرَحُوْهُ.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں ابن شہاب سے خبر دی وہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اور وہ عبداللہ بن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے ایسے چوہے کے بارے میں دریافت کیا گیا جو گھی میں گر کر مر جائے آپ نے فرمایا: چوہے اور اس کے ارد گرد کا گھی علیحدہ کر کے پھینک دو (باقی استعمال کر سکتے ہو)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اِذَا كَانَ السَّمَنُ جَامِدًا اُخِذَتِ الْفَارَةُ وَمَا حَوْلَهَا مِنَ السَّمَنِ فَرُمِيَ بِهٖ وَ اُكِلَ مَا سِوٰى ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ ذَائِبًا لَا يُؤْكَلُ مِنْهُ شَيْئٌ وَاسْتُصْبِحَ بِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارا عمل یہ ہے کہ جب گھی جما ہوا ہو تو چوہا اور اس کے ارد گرد والا گھی نکال کر پھینک دیا جائے اور اس کے سوا دوسرا گھی (جو بچا ہوا ہے) کھایا جا سکتا ہے اور اگر گھی پگھلا ہوا ہو تو اس میں قطعاً نہ کھایا جائے اس سے چراغ وغیرہ جلا سکتے ہو یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

حدیث پاک میں گھی کے اندر مرنے والے چوہے کی بابت دریافت کرنے کی بات ہے اس میں اگرچہ گھی کی تفصیل مذکور نہیں لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں جو موقف بیان کیا وہ عقلاً درست ہے جمے ہوئے گھی میں گر کر مرنے والا چوہا اس صورت میں چوہا اور اس کے ارد گرد والا گھی نکال کر بقیہ گھی قابل استعمال ہے اور پاک ہے اور اگر گھی پگھلا ہوا ہے تو وہ سارا نجس ہو گیا اس کا استعمال کرنا جائز نہیں بلکہ چراغ وغیرہ میں ڈال کر روشنی حاصل کرنا درست ہے اس استعمال کے بارے میں بعض فقہاء نے اختلاف

فرمایا کہ یہ ناپاک گھی مسجد کے چراغ میں ڈال کر وہاں جلانا صحیح نہیں یہ متقدمین فقہاء کا موقف تھا لیکن متاخرین فقہاء احناف نے اس نجس گھی کے پاک کرنے کے دو طریقے ذکر فرمائے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) جتنا ناپاک گھی ہے اتنا ہی پاک گھی لیا جائے پھر دونوں کو اکٹھا کسی تیسرے برتن میں اس طرح ڈالا جائے کہ دونوں کی دھار بیک وقت اکٹھی تیسرے برتن میں گریں وہ باہم جدا نہ ہوں اس طرح دونوں دھاریں ختم ہو جائیں اس طرح نجس گھی بھی پاک ہو جائے گا۔

(۲) نجس گھی کے برابر وزن میں پانی لے کر اس میں ڈال دیا جائے پھر پانی ملے گھی کو چولہے پر چڑھا کر آگ دی جائے حتیٰ کہ پانی جل جائے یہ عمل تین مرتبہ کرنے سے گھی پاک ہو جائے گا۔

٤٤٢- بَابُ دِبَاغِ الْمَيْتَةِ

مردار کی (کھال کی) دباغت کا بیان

٩٧٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْ وَعْلَةَ الْمِصْرِيِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں زید بن اسلم نے ابو وعلہ مصری سے اور وہ عبداللہ بن عباس سے حدیث سناتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب (مردار کے) چمڑے کی دباغت کر لی جائے تو وہ پاک ہو گیا۔

٩٧١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُسَيْطٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ اَنْ يُسْتَمْتَعَ بِجُلُوْدِ الْمَيْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں زید بن عبداللہ بن قسیط سے اور وہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان سے اور وہ اپنی والدہ سے اور وہ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خبر دیتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ مردار کی کھال سے دباغت کے بعد نفع اٹھانا جائز ہے۔

٩٧٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ كَانَ اَعْطَاهَا مَوْلًى لِمَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ مَيْتَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلَّا انْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهَا مَيْتَةٌ قَالَ اِنَّمَا حُرِّمَ اَكْلُهَا.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں ابن شہاب سے اور وہ عبید اللہ بن عبداللہ سے بیان کرتے ہیں فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کا گزر ایک مری ہوئی بکری کے پاس سے ہوا جو آپ نے اپنی زوجہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام کو عطا فرمائی تھی دیکھ کر آپ نے فرمایا: تم نے اس کے چمڑے سے نفع کیوں نہ اٹھایا؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ یہ تو مردار ہے فرمایا: اس کا گوشت کھانا حرام کیا گیا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اِذَا دُبِغَ اِهَابُ الْمَيْتَةِ فَقَدْ طَهُرَ وَهُوَ ذَكَاتُهٗ وَلَا بَاْسَ بِالْاِنْتِفَاعِ بِهٖ وَلَا بَاْسَ بِبَيْعِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارا مسلک یہ ہے کہ جب مردار کی کھال کی دباغت کر لی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے اور یہی اس کی پاکیزگی ہے اس سے نفع اٹھانے اور اس کے لین دین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام رحمہم اللہ کا ہے۔

حلال جانوروں کے چمڑے اور کھالیں بالاتفاق پاک ہیں ان میں کسی کا اختلاف نہیں' مردار جانور کا چمڑا ماسوا خنزیر کے دباغت

سے پاک ہو جاتا ہے' دباغت دراصل چمڑے کی بدبو ختم کرنا ہے اس کے لیے خواہ کوئی سا طریقہ اختیار کیا جائے دھوپ میں خشک کرنے' مٹی' ریت وغیرہ ڈال کر تعفن ختم کرنا کیکر یا کسی اور درخت کی چھال پتوں سے بدبو ختم کرنا یا کیمیکل سے ہر طرح دباغت حاصل ہو جاتی ہے جب دباغت کے ذریعہ اس کی طہارت ہو گئی تو اسے استعمال میں لانا جائز ہو جاتا ہے لیکن دباغت سے صرف چمڑہ پاک ہوگا' مردار کا گوشت اس طریقہ سے پاک و حلال نہیں ہو سکتا' دباغت شدہ چمڑے سے انتفاع اور اس کی طہارت پر چند احادیث ملاحظہ ہوں:

حدثنا یحیی بن یحیی وابوبکر بن ابی شیبة وعمرو الناقد و ابن ابی عمر جمیعا عن ابی عیینة قال یحیی ان سفیان بن عیینة عن الزهری عن عبدالله بن عبدالله بن عباس قال تصدق علی مولاة میمونة بشاة فماتت فمر بها رسول الله ﷺ فقال هلا اخذتم اهابها فدبغتموهم فانتفعتم به فقالوا انها میتة فقال انما حرم اکلها قال ابوبکر و ابن ابی عمر فی عمر فی حدیثهما عن میمونة...... ثنا یحیی بن یحیی قال ان سلیمان بن بلال عن زید بن اسلم ان عبدالرحمن بن وعلة اخبره عن عبدالله بن عباس قال سمعت رسول الله ﷺ یقول اذا دبغ الاهاب فقد طهر...... ان اباالخیر حدثه قال رأیت علی بن وعلة السبائی فردا فمسته فقال مالک تمسه قد سألت عبدالله بن عباس قلت انا نکون بالمغرب و معنا البربر والمجوس تولی بالکبش قد ذبحوه و نحن لا ناکل ذبائحهم و یأتوننا بالسقاء یجعلون فیه الودک فقال ابن عباس قد سألنا رسول الله ﷺ عن ذالک فقال دباغه طهور...... ابن وعلة السبائی قال سألت عبدالله بن عباس قلت انا نکون بالمغرب فیاتینا المجوس بالاسقیة فیها الماء والودک فقال اشرف فقلت ارای تراه فقال ابن عباس سمعت رسول الله ﷺ یقول دباغة طهور.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۸ طہارۃ جلود المیتۃ الخ' مطبوعہ نور محمد کراچی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو کسی نے صدقہ میں بکری دی وہ مرگئی پھر حضور ﷺ کا اس مری ہوئی بکری کے پاس سے گزر ہوا تو فرمایا: تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتاری اور اس کو دباغت کرنے کے بعد اس سے نفع اٹھاتے؟ حاضرین نے عرض کیا یہ تو مردار ہے' فرمایا: حرام اس کا گوشت کھانا ہے...... عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا فرمایا: جب چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے...... ابوالخیر کہتے ہیں کہ میں نے علی بن وعلہ سبائی کو ایک پوستین پہنے دیکھا میں نے اسے ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہ پوچھنے لگے کیوں ٹٹول رہے ہو؟ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں پوچھا میں نے کہا تھا کہ ہم مغرب کے کسی ملک میں تھے ہمارے ساتھ بربر قوم اور آتش پرست چند آدمی تھے انہوں نے بکری ذبح کی ہم تو ان کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے لیکن وہ ہمارے پاس مشکیزہ لائے جس میں وہ چربی ڈالتے تھے یہ سن کر حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہم نے اس مسئلہ کے بارے میں حضور ﷺ سے دریافت کر رکھا ہے آپ نے فرمایا: چمڑے کی دباغت اس کی طہارت ہے...... ابن وعلہ سبائی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ میں اور میرے ساتھی کسی مغربی علاقہ میں تھے تو ہمارے پاس آگ پرست مشکیزے لائے جن میں پانی اور چربی ڈالتے تھے (اس کا کیا حکم ہے؟) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پانی پی لیا کرو میں نے عرض کیا کیا یہ بات آپ اپنی رائے سے ارشاد فرما رہے ہیں؟ فرمانے لگے میں نے حضور ﷺ سے سن رکھا ہے کہ دباغت سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔

مردار کے چمڑے کو دباغت سے پاک کرنے میں اختلاف مذاہب

اختلف العلماء فی دباغ جلود المیتة و طهارتها بالدباغ علی سبعة مذاهب احدها مذهب لشافعی انه یطهر بالدباغ جمیع جلود المیتة الا الکلب والخنزیر والمتولد من احدهما و یطهر بالدباغ ظاهر الجلا و باطنه و یجوز استعماله فی الاشیاء المائعة والیابسته ولا فرق بین ماکول اللحم وغیره و روی هذا المذهب عن علی بن ابی طالب و عبدالله بن مسعود رضی الله عنهما وغیره والمذهب الثانی لا یطهر شئی من الجلود بالدباغ و روی هذا عن عمر بن الخطاب وابنه عبدالله و عائشة رضی الله عنهم و هواشهر الروایتین عن احمد واحدی الروایتین عن مالک والمذهب الثالث یطهر بالدباغ جلد ماکول اللحم ولا یطهر غیره وهو مذهب الاوزاعی وابن المبارک وابی ثور و اسحاق بن راهویه والمذهب الرابع تطهر جلود جمیع المشیات الا الخنزیر وهو مذهب ابی حنیفة والمذهب الخامس یطهر الجمیع الا انه یطهر ظاهره دون باطنه و یستعمل فی الیابسات دون المائعات و یصلی علیه لافیه هذا مذهب مالک المشهور فی حکایة اصحابه عنه والمذهب السادس یطهر الجمیع والکلب والخنزیر ظاهرا و باطنا وهو مذهب داؤد واهل الظاهر و علی عن ابی یوسف والمذهب السابع انه ینتفع بجلود المیتة وان لم تدبغ و یجوز استعمالها فی المائعات والیابسات و هو مذهب الزهری. (نووی شرح مسلم ج ا ص ۱۵۸۔۱۵۹ باب طہارۃ جلود المیتہ' مطبوعہ نور محمد کراچی)

علماء کرام نے مردار کے چمڑے کی دباغت اور اس کے ذریعہ اس کی طہارت میں اختلاف فرمایا ہے اس میں سات مذہب ہیں اول امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ خنزیر اور کتے کے سوا تمام مردار جانوروں کے چمڑے دباغت سے پاک ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ کتے اور خنزیر سے پیدا ہونے والے جانور کے چمڑے بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتے دباغت سے جو چمڑا پاک ہوتا ہے اس کا ظاہر اور باطن بھی پاک ہو جاتا ہے اور اس کا استعمال تر اور خشک تمام اشیاء میں جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس مسئلہ میں یہ کوئی فرق نہیں کہ چمڑا اس جانور کا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے یا کسی حرام جانور کا ہو یہ مذہب حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے دوسرا مذہب یہ ہے کہ دباغت سے کوئی چمڑا پاک نہیں ہوتا یہ مذہب حضرت عمر بن خطاب اور ان کے صاحبزادے عبداللہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ امام احمد سے دو (۲) روایتوں میں سے مشہور تر یہی روایت ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے تیسرا مذہب یہ ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے چمڑے دباغت سے پاک ہو جاتے ہیں اور جن کا نہیں کھایا جاتا وہ پاک نہیں ہوتے۔ یہ امام اوزاعی' ابن مبارک' ابوثور اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے۔ چوتھا مذہب یہ ہے کہ خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کا چمڑا دباغت کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ پانچواں مذہب یہ ہے کہ دباغت سے تمام چمڑے پاک تو ہو جاتے ہیں مگر صرف ظاہر سے باطن سے نہیں اور ان چمڑوں کا خشک اشیاء میں استعمال جائز ہے' تر میں جائز نہیں ایسے چمڑے پر مصلیٰ بنا کر نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن ان کو پہن کر نماز جائز نہیں یہ امام مالک کا ان کے اصحاب کی روایت کے مطابق مشہور مذہب ہے۔ چھٹا مذہب یہ ہے کہ خنزیر اور کتے سمیت تمام جانوروں کے چمڑے ظاہراً و باطناً پاک ہو جاتے ہیں یہ مذہب داؤد ظاہری اور دوسرے اہل ظواہر کا ہے اور امام ابو یوسف سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے۔ ساتواں مذہب یہ ہے کہ

دباغت کے بغیر بھی چمڑے کا استعمال میں لانا اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے خواہ مائع چیزوں میں استعمال کیا جائے خواہ خشک میں یہ امام زہری کا مذہب ہے۔

نوٹ: امام نووی نے یہاں ''شرح مسلم'' میں صرف مسئلہ زیر بحث میں مذاہب کا ذکر فرمایا کسی کی دلیل نہیں تحریر فرمائی اور لکھا کہ میں نے ان مذاہب کے دلائل اپنی کتاب ''شرح المہذب'' میں ذکر کئے ہیں جسے شوق ہو وہ اس کا مطالعہ کر لے۔

٤٤٣ - بَابُ كَسْبِ الْحَجَّامِ

پچھنے لگانے پر اجرت کا بیان

٩٧٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ الطَّوِيْلُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَمَ اَبُوْطَيْبَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَعْطَاهُ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ وَاَمَرَ اَهْلَهُ اَنْ يُّخَفِّفُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ.

ہمیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ مجھے حمید الطویل نے انس بن مالک سے یہ بات سنائی کہ ابوطیبہ نے رسول اللہ ﷺ کو پچھنے لگائے تو آپ نے اسے ایک صاع کھجوریں عطا فرمائیں اور اس کے مالک کو حکم دیا کہ اس کے خراج میں کمی کر دی جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَاْسَ اَنْ يُّعْطَى الْحَجَّامُ اَجْرًا عَلٰى حَجَامَتِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہی مسلک ہے کہ پچھنے لگانے کو اس کے عمل کی مزدوری دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

٩٧٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ الْمَمْلُوْكُ وَ مَالُهٗ لِسَيِّدِهٖ لَا يَصْلَحُ لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يُّنْفِقَ مِنْ مَّالِهٖ شَيْئًا بِغَيْرِ اِذْنِ سَيِّدِهٖ اِلَّا اَنْ يَّاْكُلَ اَوْ يَكْتَسِىَ اَوْ يُنْفِقَ بِالْمَعْرُوْفِ.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں جناب نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر سے بیان کرتے ہیں فرمایا: کہ غلام اور اس کا مال اس کے سید کا ہوتا ہے' غلام کے لیے درست نہیں کہ وہ اپنے مولیٰ کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے ہاں وہ خود کھا سکتا ہے' پہن سکتا ہے یا معروف طریقہ پر خرچ کر سکتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهٰذَا نَاْخُذُ وَ هُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنَّهٗ يُرَخِّصُ لَهٗ فِى الطَّعَامِ الَّذِىْ يُؤْكَلُ اَنْ يُّطْعِمَ مِنْهُ وَ فِىْ عَارِيَةِ الدَّابَّةِ وَ نَحْوِهَا فَاَمَّا هِبَةُ دِرْهَمٍ اَوْ دِيْنَارٍ اَوْ كِسْوَةٍ فَلَا وَ هُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہمارا مسلک اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے مگر وہ غلام کو اس بات کی بھی رخصت دیتے ہیں کہ وہ اس کھانے میں سے جو اس کا ہو کسی اور کو کھلا سکتا ہے اور گھوڑا (وغیرہ جانور) ادھار دے لیکن درہم و دینار کا کسی پر ہبہ کرنا یا لباس کا ہبہ اس کی اجازت نہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

٩٧٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَتْ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ تِسْعُ صِحَافٍ يَّبْعَثُ بِهَا اِلَى اَزْوَاجِ النَّبِىِّ اِذَا كَانَتِ الطُّرْفَةُ اَوِ الْفَاكِهَةُ اَوِ الْقَسْمُ وَ كَانَ يَبْعَثُ بِاٰخِرِهِنَّ صَحْفَةً اِلٰى حَفْصَةَ فَاِنْ كَانَ قِلَّةٌ اَوْ نُقْصَانٌ كَانَ بِهَا

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں زید بن اسلم سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں نو (۹) تھالیاں تھیں جب گوشت' پھل یا کوئی تحفہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کی طرف بھیجنا ہوتا تو ان میں ڈال کر بھیجتے اور سب سے آخری تھالی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھیجتے (جو ان کی

٩٧٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ يَعْنِيْ فِتْنَةَ عُثْمَانَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ اَهْلِ بَدْرٍ اَحَدٌ ثُمَّ وَقَعَتْ فِتْنَةُ الْحَرَّةِ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ اَصْحَابِ الْحُدَيْبِيَّةِ اَحَدٌ فَاِنْ وَقَعَتِ الثَّالِثَةُ لَمْ يَبْقَ بِالنَّاسِ طِبَاخٌ.

صاحبزادی ہیں) تا کہ کمی بیشی ان کے حصہ میں آئے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت والا فتنہ ہوا تو بدری صحابہ کرام میں سے کوئی نہ رہا اور جب فتنہ حرہ ہوا تو حدیبیہ میں شرکت کرنے والوں سے کوئی نہ بچا اور اگر تیسرا فتنہ بپا ہوا تو لوگوں میں کوئی عقل مند نہ رہے گا۔

٩٧٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ فَالْاَمِيْرُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَ هُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ وَامْرَاَةُ الرَّجُلِ رَاعِيَةٌ عَلٰى مَالِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهَا وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُ وَ عَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَ هُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّهُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں اور وہ رسول کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک نگران ونگہبان ہے اور اسے اپنے زیر نگران (لوگوں اور اشیاء) کے بارے میں پوچھا جائے گا حاکم وقت اپنی رعایا کا محافظ ہے اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا اور گھر کا مرد اپنے اہل وعیال کا نگران و محافظ ہے اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا' بیوی اپنے خاوند کے مال اور اس کی اولاد کی محافظ ہے اس سے ان کی بابت باز پرس ہوگی غلام اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا لہٰذا تم میں سے ہر ایک محافظ ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

٩٧٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْغَادِرَ يَقُوْمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُنْصَبُ لَهٗ لِوَاءٌ فَيُقَالُ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانٍ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ہمیں عبداللہ بن دینار نے حضرت ابن عمر سے بیان کیا کہا: کہ جناب رسول کریم نے فرمایا: دھوکہ باز کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کا دھوکہ ہے۔

٩٧٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْخَيْلُ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

امام مالک نے ہمیں نافع سے وہ ابن عمر سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں تا قیامت بھلائی ہے۔

٩٨٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ رَاٰهُ يَبُوْلُ قَائِمًا.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمر کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ وَالْبَوْلُ جَالِسًا اَفْضَلُ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں اور بیٹھ کر پیشاب کرنا افضل ہے۔

۹۸۱- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِهِمْ فَمَا نَهَیْتُکُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں ابوالزناد سے وہ اعرج سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تم مجھے چھوڑ دیا کرو جب میں تمہیں کچھ نہ کہوں بے شک تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کرام سے سوالات پوچھنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے لہٰذا میں تمہیں جس سے منع کروں اس سے کنارہ کش رہا کرو۔

۹۸۲- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رَاَیْتُ ابْنَ اَبِیْ قُحَافَةَ نَزَعَ ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَیْنِ وَفِیْ نَزْعِهٖ ضُعْفٌ وَاللّٰهُ یَغْفِرُ لَهٗ ثُمَّ قَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِیًّا مِنَ النَّاسِ یَنْزِعُ نَزْعَهٗ حَتّٰی ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابوالزناد نے اعرج سے اور انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق) کو (خواب میں) ایک یا دو ڈول کھینچتے دیکھا ان میں کچھ کمزوری تھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے پھر عمر بن خطاب کھڑے ہوئے اور ڈول کھینچنے لگے تو میں نے ان جیسا زور سے کھینچنے والا نہ پایا یہاں تک کہ لوگوں نے جانوروں کے پانی پینے والے حوض کو پانی سے بھر لیا۔

ان دس عدد احادیث میں مختلف مسائل مذکور ہوئے ترتیب کے ساتھ ان کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

حدیث اول: پچھنے لگوانے اور اس کی اجرت کے بارے میں ہے: جس کے آخر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں باتوں کو جائز کہا ہے اس سلسلہ میں مؤطا امام مالک سے چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عن انس بن مالک انه قال احتجم رسول الله ﷺ حجمه ابو طيبه فامر له بصاع عن تمر وامر اهله ان يخففوا عنه من خراجه......مالک انه بلغه ان رسول الله ﷺ قال ان كان دواء يبلغ الداء فان الحجامة تبلغه...... مالک عن ابن شهاب عن ابی محيصه الانصاری احد بنی حارثه انه استاذن رسول الله ﷺ فی اجارة الحجامة فنهی عنها فلم يزل يسأله و يستأذنه حتی قال اعلفه ناضحک او اطعمه يعنی رقيقک. (مؤطا امام مالک: ص ۷۴۸ باب ما جاء فی الحجامة والاجرة 'مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے ابوطیبہ سے پچھنے لگوانے کے بعد اسے ایک صاع کھجوریں دینے کا حکم دیا اور اس کے مالک کو فرمایا: کہ اس کے خراج میں کمی کر دو۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: اگر دوا بیماری کا مکمل علاج ہوتی تو سنگھی لگوانا حقیقی علاج ہوتا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ جناب ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے وہ بنو حارثہ کے ایک فرد جناب ابن محیصہ انصاری سے بیان کرتے ہیں کہ ابن محیصہ نے حضور ﷺ سے پچھنے یا سنگھی لگوانے کی اجرت لینے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اس سے منع کر دیا وہ تکرار سے آپ سے اجازت طلب کرتے رہے یہاں تک آخر آپ نے فرمایا کہ اس کی مزدوری اپنے اونٹوں اور اپنے غلاموں پر صرف کرنا (ان کے ایک غلام تھے جو ابوطیبہ نامی حجام تھے یاد رہے کہ ''حجام'' سے

مراد بال کاٹنے والا نہیں جو ہمارے ہاں معروف ہے بلکہ اس سے مراد مخصوص شخص ہے جو استرے وغیرہ تیز دھار والے اوزار سے جسم کے کسی حصہ میں پڑے ریشہ کو نکالنے کے لیے اس سے اس جگہ پر ہلکے ہلکے زخم لگاتا ہے پھر ایک سینگ کو اس جگہ پر چپکا دیتا ہے تا کہ ریشہ جمع ہو جائے)۔

بہر حال اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ سنگھی لگوانا جائز ہے لیکن مزدوری سے بچنا چاہیے چونکہ مؤطا امام محمد والی حدیث میں حضور ﷺ کا حجام کو ایک صاع کھجوریں عطا فرمانا مذکور ہے اور امام مالک کی مؤطا میں اس کی اجازت مشکل سے دی اور وہ بھی کہ لی گئی مزدوری غلاموں وغیرہ کو کھلا دی جائے اس لیے بعض علماء نے مزدوری لینا مکروہ تنزیہہ کہا ہے۔ تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی اگر کوئی حکیم حاذق وطبیب ماہر یہ کہتا ہے کہ اس مرض کا علاج سنگھی لگوانا ہے تو یہ علاج اور دواء دوسرے علاجات اور دواؤں سے بہت بہتر ہے۔

حدیث دوم: غلام کا اپنے مولیٰ کے مال میں تصرف: ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بقول کپڑا پہننے کھانا کھانے اور معروف طریقہ سے غلام کو اپنے مولیٰ کے مال میں تصرف کرنے کی اجازت ہے اس پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ غلام کو جو کھانا وغیرہ دیا جائے تا کہ خود کھائے تو وہ اپنی خوراک اگر کسی دوسرے کو دینا چاہے یا مالک کا جانور ادھار کسی کو دینا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن نقدی (درہم ودینار) اور کپڑے نہیں دے سکتا لیکن غلام کا کسی کو جانور ادھار دینا اس شرط پر جائز ہے کہ ایسا کرنے سے مولیٰ راضی ہو ورنہ ناراضگی کی صورت میں جائز نہیں۔

حدیث سوم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ازواج مطہرات کو تحائف وغیرہ ارسال کرنا: سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کے وقت سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد نو (۹) تھی کھجور، جو وغیرہ کا تحفہ بارگاہ رسالت کے اہل وعیال کو بھیجتے وقت حضرت فاروق اعظم کا سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو سب سے آخر میں بھیجنا اس کی وجہ خود آپ نے بیان فرمائی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن خطاب کی صاحبزادی ہیں کمی بیشی اگر ہو تو اپنی بیٹی کے حصہ میں ہو دیگر ازواج مطہرات میں برابر تحفہ ارسال کرنا ضروری سمجھتے تھے اس کے علاوہ اس واقعہ میں ایثار کی عمدہ مثال ملتی ہے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا اور دوسروں کو بڑھیا وعمدہ اشیاء دینا اور خود نقصان برداشت کرنا تمام صحابہ کرام کا یہ معمول تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قرآنی آیت "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" پر عمل کیا اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ مفسرین نے ذکر کیا کہ آپ نے ایک عمدہ اور بہت بڑا باغ سرکار دو عالم ﷺ کو دے دیا اور ساتھ ہی کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد مجھے یہ باغ بہت پسند ہے جب اللہ تعالیٰ بندے کو اپنی پسندیدہ چیز کا فی سبیل اللہ خرچ کرنا حصول اجر جزیل کا ذریعہ فرماتا ہے تو میں نے یہ پسندیدہ باغ اس کی راہ میں دے دیا آپ نے اسے قبول فرمایا اور ان کے مساکین وغریب رشتہ داروں زید بن ثابت اور حسان ابن ثابت کو عطا فرما دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقے وخیرات کے وقت سب سے پہلے اپنے قرابت داروں کو دیکھنا چاہیے اگر ان میں کوئی مستحق ہے تو اسے دینا دوہرے اجر کا سبب ہوگا ایک صلہ رحمی اور دوسرا انفاق فی سبیل اللہ۔

حدیث چہارم: قوم میں فتنہ کی وجہ سے رحمت و برکت کا اٹھ جانا: صحابہ کرام میں سب سے پہلا فتنہ شہادت عثمان غنی تھا اس کے رونما ہونے کے وقت اہل برکت ورحمت حضرات یعنی اصحاب بدر دنیا سے تشریف لے گئے دوسرا واقعہ "حرہ" کہ اہل مدینہ نے جب یزید کے شرابی وفاسق وفاجر ہونے پر اس کی بیعت توڑ دی تو یزید نے اہل مدینہ کی طرف ایک بڑا لشکر بھیجا اہل مدینہ نے ابن

ہنڈلہ کی کمان میں اس لشکر کا مقابلہ کیا' بہت سے مسلمانوں کی شہادت ہوئی یزید کو فتح ہوئی اس نے تین دن کے لیے اپنی فوج کو ہر کام کرنے کی کھلی چھٹی دے دی جس کی تفصیل ''جذب القلوب'' میں شیخ عبدالحق نے تحریر فرمائی ہے وہاں دیکھی جا سکتی ہے اس فتنہ کے وقت وہ صحابہ کرام دنیا سے رخصت ہو گئے تھے جن کی بیعت کو اللہ تعالیٰ نے ''بیعت رضوان'' کہا ہے مقام حدیبیہ پر بیعت کا یہ واقعہ ہوا تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ. جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی ہے'' حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا وجود اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا سبب ہوتا ہے اور جہاں فتنے وفساد ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے اور اس کے غضب کا اظہار ہوتا ہے سب سے بڑا ''قتل ناحق'' ہے مذکورہ دونوں واقعات بھی اسی کی دو اہم مثالیں ہیں۔

حدیث پنجم: **ہر ایک نگران بھی ہے اور جوابدہ بھی:** مرد اپنے گھر کا نگران ہے' اولاد اور دیگر زیر تربیت افراد کی اچھی تربیت' اچھے اخلاق اور دینی علوم سے آگاہی دلانا اس کی ذمہ داری ہے۔ قیامت کو باپ سے سوال ہوگا کہ تجھے اولاد دی تھی تو نے ان کی بہتر تربیت کیوں نہ کی؟ ان کو برے اخلاق و بری مجالس سے بچانے کی کیوں کوشش نہ کی؟ اس طرح خاوند سے اس کی بیوی کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ تو نے اس کی عفت وحرمت کو قائم کیوں نہ رکھا' اس کی غیرت وحیاء کا کیا انتظام کیا؟ عورت کو پوچھا جائے گا تو نے خاوند کی عدم موجودگی میں اس کے مال کی خیانت کیوں روا رکھی؟ اولاد کی پرورش میں کوتاہی کیوں برتی؟ مختصر یہ کہ یہ حدیث پاک ہر ایک مرد اور عورت کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس اور کل قیامت کو ان کی باز پرس کا سبق دیتی ہے بلکہ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کا نگران نہ بھی ہو تب بھی وہ اپنے اعضاء اور اعمال کا نگران تو لازماً ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسؤلا بے شک کان' آنکھ اور قلب ودماغ کے بارے میں ہر ایک کی بابت باز پرس ہوگی'' ہر ایک عضو سے جو کام عادۃً متعلق ہے ایک صاحب اختیار کو اپنے اختیار سے اس عضو کو غلط کاموں میں لگانے کی باز پرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اپنی نگرانی کو بااحسن طریقہ سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حدیث ششم: **غدر کا انجام:** ''غدر'' بدعہدی کو کہتے ہیں اور یہ اس قدر سنگین گناہ ہے کہ بدعہد کے لیے کل قیامت کو بدعہدی کا جھنڈا گاڑا جائے گا' بدعہد کو میدان حشر میں سب دیکھیں گے اور اس کے جھنڈے سے سبھی کو معلوم ہوگا اور ایک دوسرے کو کہیں گے دیکھو وہ بدعہد آ رہا ہے اللہ تعالیٰ ستار وغفار ہے کہ وہ کسی کی پردہ دری نہیں بلکہ پردہ پوشی فرماتا ہے لیکن ''بدعہد'' کی پردہ دری سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو بدعہدی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

حدیث ہفتم: **گھوڑے کی پیشانی میں تا قیامت بھلائی:** اس حدیث پاک میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے اول یہ کہ گھوڑا آلۂ جہاد ہے جب جہاد فی سبیل اللہ اللہ رب العزت کو بہت محبوب ہے تو اس کے آلات بھی محبوب ہیں۔ قرآن کریم میں سورۃ ''العادیات'' کی ابتداء میں مجاہدین کے گھوڑوں کی مختلف کیفیات قسم کے انداز میں ذکر ہوئیں ''قسم ہے صبح کے وقت تباہی مچانے والے گھوڑوں کی' ان کی قسم جو اپنے قدموں سے دھول اڑاتے ہیں' ان کی قسم جو دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں'' دوسرا یہ معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک جاری وساری رہے گا یہی اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے' مرزائی وغیرہ جہاد کو منسوخ کہنے والے بے عقل ہیں۔

حدیث ہشتم: **کھڑے ہو کر پیشاب کرنا:** اس مسئلہ کی تفصیل پہلے تحریر ہو چکی ہے کہ یہ حالت عذر میں ہوا۔ شارحین کرام نے اس کی مختلف وجوہات تحریر فرمائیں بعض کا کہنا ہے کہ جس جگہ پیشاب کیا گیا وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی نجاست کپڑوں کو لگ جانے کا خطرہ تھا بعض نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں میں تکلیف ہو' جس کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتے تھے بعض نے لکھا کہ ایسا تکلیف یا بیماری کی وجہ سے ہوا اور یہ بھی آیا ہے کہ آپ کا یہ فعل ''نفس جواز'' کے لیے ہو یعنی کھڑے ہو کر بول کرنا گناہ کبیرہ نہیں

بہرحال ایک آدھ موقعہ کے سوا اس کا ثبوت نہیں ملتا حضرات صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی ایک سے اس طرح پیشاب کرنا بکثرت ثابت نہیں اور جہاں اثبات ہے وہاں کسی ضرورت یا مجبوری کی بناء پر ہوا اس لیے سنت یہی ہے کہ پیشاب بیٹھ کر کیا جائے۔

حدیث نہم: بے جا سوالات: حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: جس کام کا میں حکم نہ دوں اس کے بارے میں سوال نہ کیا کرو۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ تمہیں جو اللہ کے رسول دیں وہ لے لیا کرو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ" ۔حضور ﷺ کا ارشاد گرامی اس آیت کریمہ کے مضمون پر مشتمل ہے۔ اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع سے زیادہ سوالات کرنا اچھی بات نہیں کیونکہ جب سوال کیا جائے گا تو اس کے جواب دیئے جانے کی صورت میں وہ جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم بن جائے گا پھر اس پر عمل کرنا لازم ہو جائے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے حج کی فرضیت کے بعد پوچھا کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا تین مرتبہ اس شخص کے پوچھنے کے بعد آپ نے فرمایا: اگر میں اسے ہر سال کے لیے فرض کہہ دیتا تو پھر ہر سال صاحب استطاعت مسلمان پر حج فرض ہو جاتا لہٰذا حضور ﷺ نے جس کام یا مسئلہ کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی وہ دراصل مباح ہے۔ اسی لیے علمائے اصول کا ایک قانون ہے کہ اشیاء میں اصل "اباحت" ہے۔ کسی شئے کو حرام و ناجائز قرار دینے یا کہنے کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت پڑتی ہے اس قانون کے مطابق گیارہویں شریف' قل خوانی' تیجہ' چالیسواں اور عرس وجلوس وغیرہ کے بارے میں شارع خاموش ہیں لہٰذا یہ اپنے اصل کے مطابق "مباح" ہیں انہیں جو حرام و ناجائز کہے وہ اس پر دلیل پیش کرے اباحت کے لیے اصل قانون ہی دلیل ہے علاوہ ازیں حضور ﷺ کا دور مقدس نزول قرآن کا دور تھا اگر کسی کام کی حرمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے حرام کر دیتا اور فرض و لازم ہوتا تو اس کا لزوم مذکور ہوتا۔ زیادہ سوالات کرنا پہلی امتوں کا وطیرہ تھا جس کی بناء پر ان میں بکثرت اختلاف ہوا اور آخر وہ سب ہلاک ہو گئے۔

حدیث دہم: ابوبکر و عمر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا خواب: اس حدیث پاک میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے ایک یہ کہ رسول کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے ان کے بعد خلافت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کریں گے دوسری بات یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جس قدر فتوحات ہوں گی' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اتنی نہ ہوئی ہوں گی' دور فاروقی میں فتوحات کی کثرت اور مسلمانوں کی قوت وشجاعت کا یہ عالم ہوگا کہ کسی ملک کے حکمران کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ سر اٹھائے اور مقابلہ کی دعوت دے' ان کے دور میں غریب و مہاجر مسلمان حتی کہ غربت و مسکنت دور ہو گئی۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے اور یہ حقیقت دراصل رسول کریم ﷺ کی دعا کا نتیجہ ہے جو آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے فرمائی تھی' اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب اے اللہ! عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے ذریعہ اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرما" ۔حضرت ابوبکر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے انفرادی اور اجتماعی فضائل قرآن و حدیث اور معتبر کتب شیعہ کے حوالہ جات سے ہم نے اپنی دوسری تصنیف "تحفہ جعفریہ" جلد اول میں ذکر کر دیئے ہیں وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔

٤٤٤- بَابُ التَّفْسِيْرِ

تفسیر کا بیان

٩٨٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا دَاؤُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ عَنْ اَبِيْ يَرْبُوْعٍ الْمَخْزُوْمِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں ابوداؤد بن حصین سے اور وہ ابویربوع مخزومی سے بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت زید بن

يَقُوْلُ الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الظُّهْرِ.

ثابت رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے۔

٩٨٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَمْرِو بْنِ رَافِعٍ اَنَّهٗ قَالَ كُنْتُ اَكْتُبُ مُصْحَفًا لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ اِذَا بَلَغْتَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ فَاٰذِنِّيْ فَلَمَّا بَلَغْتُهَا اٰذَنْتُهَا فَقَالَتْ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں زید بن اسلم سے وہ عمرو بن رافع سے بیان کرتے ہیں فرمایا کہ میں سیدہ حفصہ زوجۂ مطہرہ رسول کریم ﷺ کے لیے قرآن کریم لکھتا تھا ایک مرتبہ فرمانے لگیں: جب تم اس (حافظوا علی الصلوات) آیت پر پہنچو تو مجھے بتا دینا پھر جب لکھتے لکھتے میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے انہیں اطلاع کر دی پس انہوں نے فرمایا: (یوں لکھو) حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی والصلوۃ العصر و قوموا للہ قانتین۔

٩٨٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْ يُوْنُسَ مَوْلٰى عَائِشَةَ قَالَ اَمَرَتْنِيْ اَنْ اَكْتُبَ لَهَا مُصْحَفًا قَالَتْ اِذَا بَلَغْتَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ فَاٰذِنِّيْ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى فَلَمَّا بَلَغْتُهَا اٰذَنْتُهَا وَاَمْلَتْ عَلَيَّ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ سَمِعْتُهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں زید بن اسلم سے وہ قعقاع بن حکیم سے اور وہ ابو یونس سے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لیے قرآن لکھنے کا حکم دیا اور فرمایا: جب تو اس آیت (حافظوا علی الصلوات) پر پہنچے تو مجھے بتانا (مجھ سے انہوں نے یہ آیت یوں لکھوائی) حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی وصلوۃ العصر و قوموا للہ قانتین اور فرمایا: کہ میں نے حضور ﷺ سے ایسے ہی یہ آیت سنی ہے۔

ان تین عدد احادیث میں آیت حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ الایۃ کے بارے میں گفتگو ذکر کی گئی ہے۔ پہلی روایت کے مطابق ''صلوٰۃ وسطیٰ'' سے مراد نماز ظہر اور دوسری دونوں روایات میں اس سے مراد نماز عصر مذکور ہوا۔ ''موطا امام محمد'' میں ''صلوٰۃ وسطیٰ'' سے مراد نماز ظہر ہے اس بارے میں ایک روایت اور ''نماز عصر'' ہے اس بارے میں صرف دو عدد روایت مروی ہیں۔ تفاسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت مفسرین کرام نے اور بھی احادیث ذکر فرمائیں جن کے راوی ''موطا امام محمد'' کے رواۃ کے علاوہ ہیں ان میں سے چند احادیث پیش خدمت ہیں:

عن علی قال الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر...... عن ابی اسحاق قال حدثنی من سمع ابن عباس وھو یقول حافظوا علی الصلوات ، الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر...... عن ابی ھریرۃ حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی الا و ھی العصر الا وھی العصر...... عن سالم بن عبداللہ عن عبداللہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من فاتتہ صلوۃ العصر فکانما وتر اھلہ ومالہ فکان ابن عمر یری الصلوۃ العصر فضیلۃ للذی قال رسول اللہ ﷺ فیھا انھا الصلوۃ الوسطی...... عن ابی سعید الخدری قال الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر...... قال حدثنی عبداللہ بن رافع مولی ام سلمۃ قال امرتنی ام سلمۃ ان اکتب لھا مصحفا و

قالت اذا انتهیت الی آیۃ الصلوۃ فاعلمنی فاعلمتها فاملت علی حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر...... عن عمار قال حدثنا ابن ابی جعفر عن ابیہ قال کان الحسن یقول الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر...... عن سعید بن جبیر قال الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر...... عن عبداللہ قال شغل المشرکون رسول اللہ ﷺ صلوۃ العصر حتی اصفرت او احمرت فقال شغلونا عن الصلوۃ الوسطی ملاء اللہ اجور فهم و قبورهم ناراً......
عن البراء بن عازب قال نزلت هذه الایۃ حافظوا علی الصلوات وصلوۃ العصر قال فقرأتها علی عهد رسول اللہ ﷺ ماشاء اللہ ان نقرأها ثم ان اللہ نسخها فانزل حافظوا الصلوات والصلوۃ الوسطی و قوموا للہ قانتین قال فقال رجل کان مع شقیق فهی صلوۃ العصر قال قد حدثتک کیف نزلت و کیف لنسخها اللہ واللہ اعلم.

(تفسیر ابن جریر: ج ۲ ص ۳۴۲۔۳۴۴ سورۃ بقرۃ' مطبوعہ بیروت)

حضرت علی' ابن عباس' ابو ہریرہ' عبداللہ' ابوسعید خدری' عبداللہ بن رافع مولیٰ ام سلمہ' ابوسعید خدری' حسن' سعید بن جبیر' براء بن عازب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ صلوٰۃِ وسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے۔ (بالاختصار)

''صلوٰۃِ وسطیٰ'' سے مراد بعض روایات میں نمازِ فجر' ظہر اور مغرب بھی آیا ہے۔ اس پر چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عن ابی العالیۃ قال صلیت خلف عبداللہ بن قیس بالبصرۃ صلوۃ الغداۃ فقلت لرجل من اصحاب رسول اللہ ﷺ ایتهن الصلوۃ الوسطی؟ قال هذه الصلوۃ.

ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں عبداللہ بن قیس کے پیچھے نمازِ صبح ادا کی بعد میں میں نے ایک صحابی سے پوچھا صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ کہنے لگے: یہی جو تم نے ابھی پڑھی ہے۔

عن ابی العالیۃ انہ صلی مع اصحاب النبی ﷺ صلوۃ الغداۃ فلما فرغوا قال قلت لهم ایتهن الصلوۃ الوسطی؟ قال التی قد صلّیتها.

ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی' فراغت پر میں نے ان سے پوچھا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ یہی جو تم نے ابھی پڑھی ہے۔

عن زمرۃ یعنی ابن سعید قال کنا جلوسا عند زید بن ثابت فارسلوا الی اسامۃ فسألوه عن الصلوۃ الوسطی فقال هی الظهر.

ابن سعید زمرہ کہتے ہیں کہ ہم چند آدمی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے تو لوگوں نے حضرت اسامہ کی طرف کسی کو بھیجا کہ جا کر دریافت کر آئے صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ انہوں نے فرمایا: وہ ظہر ہے۔

عن زید بن ثابت قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی الظهر بالهاجرۃ ولم یکن یصلی صلوۃ اشد علی اصحاب رسول اللہ ﷺ منها فنزلت (حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی و قوموا للہ قانتین.) و قال ان قبلها صلواتین و بعد صلوتها.

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ ظہر کی نماز سخت گرمی میں ادا فرمایا کرتے صحابہ کرام کو تمام نمازوں میں سے یہ نماز بہت سخت محسوس ہوتی تھی پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی حافظوا علی الصلوات الآیۃ اور کہا کہ اس نماز سے پہلے دو نمازیں ہیں اور بعد میں بھی دو ہیں۔

و قال الاخرون بل الصلوة الوسطى صلوة المغرب ذكر من قال ذالك.

(تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۳۴۹ مطبوعہ بیروت)

کچھ دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ صلوٰۃِ وسطیٰ نماز مغرب ہے۔

عن اسحاق بن ابی فروة عن رجل عن قميصة بن ذويب قال الصلوة الوسطى صلوة المغرب الا ترى انها ليست باقلها ولا اكثرها ولا تقصر فى السفر وان رسول الله ﷺ لم يؤخرها عن وقتها ولم يعجلها.

(تفسیر ابن جریر: ج ۲ ص ۳۴۹ مطبوعہ بیروت)

قمیصہ بن ذویب بیان کرتے ہیں: کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" نماز مغرب ہے کیا تم نہیں جانتے کہ یہ نماز نہ تو قلیل رکعت والی ہے اور نہ ہی کثیر والی اور سفر میں اس کی قصر بھی نہیں ہوتی اور رسول کریم ﷺ نے اسے اس کے وقت سے نہ پہلے اور نہ بعد ادا کیا۔

"صلوٰۃ وسطیٰ" سے مراد نماز عشاء بھی بعض کے قول میں مذکور ہے۔

وقيل انها العشاء الاخرة اختاره على بن احمد الواحدى فى تفسيره المشهور و قيل هى واحدة من الخمس لا بعينها وابهمت فيهن كما ابهمت ليلة القدر فى الحول او الشهر او العشر.

(تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۹۴ مطبوعہ بیروت)

کہا گیا ہے کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" نماز عشاء ہے یہ علی بن واحدی کا اپنی مشہور تفسیر میں قول مختار ہے اور کہا گیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ پانچ نمازوں میں سے کوئی ایک غیر معین نماز ہے ان پانچ نمازوں میں اسے پوشیدہ رکھا گیا جس طرح لیلۃ القدر سال مہینہ یا رمضان کے آخری دس دنوں میں پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ "صلوٰۃِ وسطیٰ" اگرچہ پانچ نمازوں میں سے ہر ایک ہو سکتی ہے لیکن "نماز عصر" کے بارے میں روایات بکثرت ملتی ہیں اسے ہی اکثر فقہاء کرام نے راجح بھی قرار دیا ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

٩٨٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَمَارَةُ بْنُ صِيَادٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ فِى الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ قَوْلُ الْعَبْدِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں عمارہ بن صیاد سے بتایا کہ انہوں نے حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے سنا فرمایا: کہ "الباقيات الصالحات" سے مراد بندۂ خدا کے یہ کلمات ہیں سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم.

اسی کی مثل دیگر روایات میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے سورۃ کہف کے رکوع ۱۶ کے تحت لکھا:

عن ابن عباس الباقيات الصالحات سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر. و هكذا سئل امير المؤمنين عثمان بن عفان عن الباقيات الصالحات ما هى فقال هى لا اله الا الله و سبحان الله والحمد لله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم. رواه الامام احمد.

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ الباقيات الصالحات یہ کلمات ہیں سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر یونہی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے الباقيات الصالحات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس سے مراد یہ کلمات ہیں لا اله الا الله و سبحان الله والحمد لله و الله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم......

قیل ما ھی یا رسول اللہ ﷺ قال الملۃ قیل و ما ھی یا رسول اللہ ﷺ؟ قال التکبیر والتھلیل والتسبیح والحمد للہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ و ھکذا. رواہ احمد من حدیث.

(تفسیر ابن کثیر: ج ۳ ص ۸۵-۸۶ سورۃ کہف مطبوعہ بیروت)

پوچھا گیا یا رسول اللہ! ﷺ الباقیات الصالحات کیا ہے؟ فرمایا: ملت' پوچھا گیا ملت کیا ہے؟ فرمایا: تکبیر' تہلیل' تسبیح اور الحمد للہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ.

۹۸۷- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِھَابٍ وَسُئِلَ عَنِ الْمُحْصَنَاتِ مِنَ النِّسَاءِ قَالَ سَمِعْتُ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ یَقُوْلُ ھُنَّ ذَوَاتُ الْاَزْوَاجِ وَیَرْجِعُ ذٰلِکَ اِلٰی اَنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ الزِّنٰی.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں ابن شہاب سے خبر دی ان سے پوچھا گیا کہ ''محصنات من النساء'' سے کیا مراد ہے؟ کہنے لگے میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ ''محصنات من النساء'' سے مراد خاوندوں والی عورتیں ہیں اس کا مآل ونتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا حرام کر دیا ہے۔

جنگ حنین میں بہت سی کافرہ عورتیں گرفتار ہوئیں پھر انہیں صحابہ کرام میں تقسیم کیا گیا تو حضرات صحابہ کرام نے ان کے شادی شدہ ہونے کی وجہ سے ان سے وطی کرنے کو پسند نہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل فرما کر بتلایا کہ مسلمان شادی شدہ عورت سے وطی کرنا ناجائز ہے لیکن یہ کافرہ عورتیں جو تمہارے پاس آئی ہیں وہ حلال ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

(وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ) ای و حرم علیکم من الاجنبیات المحصنات و ھن المزوجات الا ما ملکت ایمانکم یعنی الا ما ملکتموھن بالسبی فانہ یحل لکم و طؤھن اذا استبرأ تموھن. (تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۴۷۳ سورۃ النساء پارہ ۵ آیت اول' مطبوعہ بیروت)

تم پر اجنبی شادی شدہ عورتیں حرام کر دی گئی ہیں مگر وہ کہ جن کے تم مالک ہو گئے اس طرح کہ وہ تمہاری قید میں آ گئیں ان سے استبراء کے بعد وطی کرنا حلال ہے۔

خلاصہ یہ کہ جن عورتوں کا کسی سے نکاح ہو چکا ہو وہ اس کی زوجیت میں ہوں ان سے اب کوئی دوسرا شخص شادی نہیں کر سکتا کیونکہ ''وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ الایۃ'' حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھَاتُکُمْ کے تحت حرمت میں داخل ہے لہٰذا جس طرح کسی کی ماں' بہن' بیٹی وغیرہ اس پر حرام ہیں اسی طرح شادی شدہ عورت بھی حرام ہے مگر وہ شادی شدہ عورتیں جو قیدی بن جانے کے بعد مسلمانوں میں تقسیم کی جائیں اور ان کو مسلمانوں کی لونڈیاں بنا دیا جائے ان کے کافر خاوند کے ہوتے ہوئے نکاح باقی نہیں رہتا لہٰذا جن مسلمانوں کی وہ لونڈیاں بنیں ان کے لیے ان کے رحم کی صفائی یا خالی ہونے کے علم کے بعد وطی کرنا حلال ہے۔

۹۸۸- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ اَبَاہُ اَخْبَرَہٗ عَنْ عَمْرَۃَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّھَا قَالَتْ مَا رَاَیْتُ مِثْلَ مَا رَغِبَتْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ عَنْہُ مِنْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں محمد بن ابی بکر عمرو بن حزم سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ عمرہ بنت عبد الرحمن نے حضور ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا انہوں نے فرمایا: کہ میں نے اس امت کو اس آیت سے زیادہ اعراض کرتے کسی اور حکم میں نہیں پایا اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ

بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ.

باہم جھگڑ پڑیں تو تم ان میں صلح کرا دو پس اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی و بغاوت کرتا ہے تو زیادتی کرنے والے سے مقابلہ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی طرف پلٹے اگر وہ پلٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کرا دو۔

(وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما) فسماهم مومنين مع الاقتتال و بهذا استدل البخاری وغيره على انه لا يخرج عن الايمان بالمعصية وان عظمت لا كما يقوله الخوارج و من تابعهم من المعتزلة و نحوهم و هكذا ثبت فی صحيح البخاری من حديث حسن عن ابی بكرة رضی الله عنه قال ان رسول الله ﷺ خطب يوما ومعه على المنبر الحسن بن علی رضی الله عنهما فجعل ينظر اليه مرة والى الناس اخرى و يقول ان ابنی هذا سيد و لعل الله تعالى ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين فكان كما قال رسول الله ﷺ اصلح الله تعالى به بين اهل الشام واهل العراق بعد الحرب الطويلة. (تفسیر ابن کثیر: ج ۴ ص ۲۱۱ سورۃ الحجرات آیت نمبر ۹ مطبوعہ بیروت)

(اگر مؤمنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو) اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کو لڑائی کرنے کے باوجود مسلمان کہا ہے اس سے امام بخاری وغیرہ نے اس بات پر استدلال کیا کہ معصیت کی وجہ سے کوئی شخص ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا اگرچہ وہ کتنی بڑی ہی کیوں نہ ہو ایسا نہیں جیسا کہ خارجی اور ان کے پیرو معتزلی وغیرہ کہتے ہیں اور یونہی صحیح بخاری میں حدیث حسن سے ثابت ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے ایک دن خطاب فرمایا اور آپ کے ساتھ منبر پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی تھے آپ ﷺ بھی ان کی طرف اور کبھی حاضرین کی طرف دیکھتے اور فرماتے بے شک میرا یہ بیٹا سید ہے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے مسلمانوں کے دو بہت بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے تو جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا: بعد میں ویسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے شامی اور عراقی لوگوں کے درمیان لمبی لڑائی کے بعد صلح کرائی۔

مذکورہ حوالہ سے معلوم ہوا کہ مؤمن اگرچہ کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے لیکن وہ پھر بھی مؤمن ہی رہتا ہے ہاں فسق و فجور کا اثبات ہونا اور بات ہے اس عقیدہ کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام کے باہم اختلاف اور ان میں لڑی گئی جنگ جمل، صفین وغیرہ کے پیش نظر کسی فریق کو کافر کہنا درست نہیں بلکہ ایسا کہنے والے کا اپنا ایمان خطرہ میں پڑ جانے کا احتمال ہے کیونکہ ان حضرات کا قطعی جنتی ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو "کل کی باتوں کا علم" عطا فرما دیا تھا اور آپ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو فرمایا کہ اس کے سبب سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح ہو گی یہ دو جماعتیں یا تو حضرت علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ کے درمیان جنگ صفین میں متقابل مراد ہیں یا سیدہ عائشہ اور علی المرتضیٰ کے درمیان جنگ جمل میں دونوں طرف کے حضرات مراد ہیں۔ اس کی تائید شیعہ صحاح اربعہ میں بھی موجود ہے "فروع کافی" "کتاب الروضہ" ج ۸ ص ۱۸۰ پر یہ الفاظ مذکور ہیں۔ انما جاء تاويل هذه الاية يوم البصرة و هم اهل حذو الاية۔ اس آیت (وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ) کی تاویل اور خارجی مفہوم بصرہ کے دن رونما ہوا اس واقعہ میں موجود لوگ ہی اس آیت کے مصداق ہیں۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں حق پر کون تھا؟ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق پر تھے اگرچہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کا حق پر ہونا قطعیات سے چونکہ ثابت نہیں لہٰذا دونوں گروہوں کو حق پر سمجھنا چاہیے ان میں باہم لڑائی

خوشنودیٔ پروردگار کی خاطر تھی۔ امام قرطبی نے ان دونوں جنگوں کے بارے میں لکھا:

یہ جائز نہیں کہ کسی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لیے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد خدا کی خوشنودی تھی یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے زبان بند رکھیں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے سے ہی کیا کریں کیونکہ صحابیت بہت بڑی محترم چیز ہے اور حضور ﷺ نے بھی ان کو برا کہنے سے منع فرمادیا ہے اور ان کے بارے میں یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے اور ان سے راضی ہے علاوہ ازیں متعدد اسناد سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے جناب طلحہ کے بارے میں فرمایا: ''ان طلحة شهيد يمشى على وجه الارض یقیناً طلحہ زمین پر چلتا پھرتا شہید ہے'' اب اگر حضرت طلحہ کا حضرت علی کے خلاف جنگ کے لیے نکلنا بہت بڑا گناہ تھا تو وہ اس جنگ میں قتل کیے جانے کی وجہ سے شہید نہ ہوتے' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جا سکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا کیونکہ شہادت اسی وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں قتل کیا گیا ہو لہٰذا ان حضرات کے بارے میں ان کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس کی دوسری دلیل وہ احادیث صحیح و مشہور ہیں جو خود حضرت علی المرتضیٰ سے مروی ہیں جن میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان قاتل الزبير فى النار زبیر کا قاتل دوزخی ہے'' جب بات یہ ہے تو ثابت ہو گیا کہ طلحہ اور زبیر اس جنگ کی وجہ سے نافرمان نہیں ہوئے اگر ایسا ہوتا تو حضور ﷺ ان کے بارے میں مذکورہ ارشادات نہ فرماتے ان کے علاوہ وہ صحابہ کرام جو ان جنگوں میں شریک نہ ہوئے اور کنارہ کش رہے انہیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان کا طرز عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اجتہاد میں اس رائے پر قائم رکھا جب حقیقت حال یہ ہے تو پھر ان حضرات پر لعن طعن کرنا' ان سے برأت کا اظہار کرنا اور انہیں فاسق و فاجر کہنا اور ان کے فضائل' کمالات و مجاہدات اور ان کے عظیم دینی کارناموں کو کالعدم قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس خون کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے جو صحابہ کرام کے مابین اختلاف میں گرایا گیا؟ انہوں نے جواباً یہ آیت کریمہ پڑھی:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی اس کے کام وہ جو اس نے کمایا اور اسے نقصان اس کا جو اس نے اٹھایا' اور ان کے اعمال کی بابت تم سے نہیں پوچھا جائے گا۔

کسی اور بزرگ سے یہی سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایسے خون سے میرے ہاتھ آلودہ نہیں فرمائے تو اب میں اپنی زبان کو اس سے کیوں آلودہ کروں (مطلب یہ تھا کہ میں ایک طرف کے شرکاء کو یقینی طور پر خطا کار کہہ کر خود خطا کار نہیں ہونا چاہتا) علامہ ابن فورک فرماتے ہیں: ہمارے بعض حضرات نے صحابہ کرام کے مابین باہم لڑائیوں کے بارے میں فرمایا: ان کی مثال ایسے ہے جیسے کہ حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے مابین پیش آنے والے واقعات ہیں وہ حضرات ان اختلافات کے باوجود ولائت و نبوت کے حدود سے خارج نہیں ہوئے یہی معاملہ ان صحابہ کرام کا بھی ہے اور حضرت محاسبی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے مابین خونریزی کے متعلق ہمارا کچھ کہنا مشکل ہے کیونکہ اس بارے میں خود صحابہ کرام کے درمیان اختلاف تھا حسن بصری کو صحابہ کرام کے باہم قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: وہ ایسی لڑائیاں تھیں جن میں صحابہ کرام خود موجود تھے اور ہم غائب وہ مکمل حالات کو جانتے تھے اور ہم بے خبر ہیں جس معاملہ پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہے ہم اس کی پیروی کرتے ہیں اور جہاں اختلاف وہاں سکوت کرتے ہیں۔

حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرام نے جن کاموں میں دخل دیا وہ اس کے بارے میں ہم سے زیادہ باخبر تھے لہٰذا ہمارا کام یہی ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور خدا کی خوشنودی ان کے پیش نظر تھی لہٰذا دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔

(تفسیر قرطبی: ج۱۶ص۳۲۱-۳۲۲ زیر آیت وان طائفتان من المؤمنین پارہ ۲۶)

مذکورہ طویل حوالہ سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے درمیان اختلافات میں کسی ایک طرف کے حضرات کو یقینی غلط کہنا درست نہیں ہاں ان سے خطائے اجتہادی کا وقوع ہونا قابل تسلیم ہے۔ موطا کی زیر بحث حدیث پاک کا آخری حصہ کہ جس میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول مذکور ہے کہ "اس آیت سے زیادہ اعراض کسی اور آیت میں ہوتے میں نے نہیں دیکھا" اس سے مراد یہ نہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے مفہوم سے بکثرت اعراض کیا لہٰذا جنگ جمل اور جنگ صفین کو اس اعراض کی مثال بنا کر پیش کیا جائے بلکہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اختلاف کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان میں صلح کرا دینے کا حکم دیا اور بغاوت وسرکشی پر اترنے والے گروہ کے خلاف لڑنے کا حکم دیا گیا یہ دونوں باتیں (صلح اور باغی گروہ کی سرکوبی) بظاہر آسان اور معمولی لگتی ہیں لیکن ضرورت پڑنے پر ان سے اعراض برتا جاتا ہے اس کا مشاہدہ ہر ایک کو ہے کہ حقدار کی طرفداری اور ظالم و باغی کو حق قبول کرنے کے لیے اس پر ہر ممکن دباؤ ڈالنا ناپید ہوتا جا رہا ہے ظالم کی سرکوبی تو دور کی بات ہے ہم دو جماعتوں کو نہیں بلکہ دو آدمیوں کو لڑتے دیکھ کر وہاں سے بھاگ جانے میں بہتری سمجھتے ہیں اور اپنے بچاؤ کی فکر کرتے ہیں۔

۹۸۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ الزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ قَالَ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا نُسِخَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ بِالَّتِيْ بَعْدَهَا ثُمَّ قَرَاَ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ.

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے اور وہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول "الزانی لا ینکح الایۃ" کے بارے میں سنا فرمایا کہ یہ آیت بعد والی آیت سے منسوخ کر دی گئی ہے پھر یہ آیت پڑھی وانکحوا الایامی منکم۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا لَا بَاْسَ بِتَزَوُّجِ الْمَرْاَةِ وَاِنْ كَانَتْ قَدْ فَجَرَتْ وَاَنْ يَتَزَوَّجَهَا مَنْ لَّمْ يَفْجُرْ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمارا یہی مسلک ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اگرچہ فاجرہ ہو اور وہ کسی غیر فاجر مرد سے شادی کر لے۔

مذکورہ حدیث میں قرآن کریم کی سورۃ النور کی آیت کریمہ کے بارے میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا قول ذکر ہوا یعنی زانی کا نکاح صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے ہوتا ہے اسی طرح زانیہ کا نکاح زانی یا مشرک سے ہوتا ہے حضرت سعید بن مسیب اسے بعد والی آیت کے ساتھ منسوخ ہونا بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے میں سے بیواؤں کا نکاح کر دو اور نیک غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کرو مطلب یہ کہ اگر کوئی غیر زانی کسی زانیہ سے یا زانیہ کسی غیر زانی سے نکاح کریں تو درست ہے یعنی زنا اگرچہ گناہ کبیرہ ہے اور کوئی مسلمان مرد یا عورت کبیرہ کے مرتکب کو اپنا جیون ساتھی بنانا پسند نہیں کرتا برخلاف اپنے ہم خیال وہم پیشہ سے نکاح کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں لیکن قانون شرعی یہ ہے کہ ناپسندیدگی کے ہوتے ہوئے اگر کوئی صالح مرد بدکار عورت سے شادی کر لیتا ہے یا نیک عورت کی بدکار مرد سے شادی کر دی جاتی ہے تو یہ نکاح شرعاً درست ہوگا اگر یہ معنی ومفہوم نہ لیا جائے بلکہ

آیت کریمہ کا معنی جو ظاہراً ہے لیا جائے یعنی زانیہ عورت کا نکاح صرف زانی مرد یا مشرک سے ہوسکتا ہے اسی طرح زانی مرد کا نکاح صرف زانیہ یا مشرکہ عورت سے ہوسکتا ہے اس کے علاوہ کسی اور سے ان کا نکاح جائز نہیں تو اس ظاہری مفہوم کے اعتبار سے یہ آیت منسوخ ہوگی۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۲ص ۱۶۹ از یر آیت الزانیہ لا ینکحھا الا زان' مطبوعہ قاہرہ)

وقاله ابن عمر قال دخلت الزانية في ايامى المسلمين. (تفسیر قرطبی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ "زانیہ" مسلمانوں کی بیوہ عورتوں میں شامل ہے۔

(یعنی زانیہ بیوہ بھی ہوسکتی ہے اور بیواؤں کے نکاح کے لیے کوئی شرط نہیں رکھی گئی لہٰذا معلوم ہوا کہ "الزانية لا ينكحها" اپنے بعد والی آیت "وانكحوا الايامى" سے منسوخ ہو چکی ہے)۔

قارئین کرام! آیت کریمہ "الزانى لا ينكح الا زانية او مشركة الاية" کی مختلف تفاسیر دیکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں زانی مرد یا عورت سے مراد وہ لوگ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور ان کا یہ پیشہ بن گیا ہو لیکن ان میں سے اگر کوئی مرد یا عورت خانہ داری اور اولاد کے حصول کی خاطر کسی پاکدامن مرد یا عورت سے شادی کر لیتا ہے تو ایسی شادی کی اس آیت سے نفی لازم نہیں آتی یہ نکاح شرعاً درست ہوگا جمہور فقہاء' امت امام اعظم ابوحنیفہ اور شافعی رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات کا یہی مسلک ہے اور حضرات صحابہ کرام سے بھی ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مؤقف بیان ہوا رہا اس آیت کریمہ کا آخری حصہ جس میں فرمایا گیا: "حرم ذالک علی المومنين یہ مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا" اس کی تفسیر میں بعض حضرات نے "ذالک" کا اشارہ زنا کی طرف کیا ہے یعنی مؤمنوں پر زنا حرام کر دیا گیا ہے اس اعتبار کے پیش نظر آیت کریمہ کے اس حصہ پر کوئی اعتراض نہیں رہتا لیکن "ذالک" سے زنا مراد لینا سیاق آیت کے اعتبار سے بہت بعید ہے دیگر مفسرین کرام نے اس کا اشارہ "نکاح زانی وزانیہ" قرار دیا ہے اس صورت میں یہ حکم نکلے گا کہ زانی مرد کے نکاح میں کوئی نیک عورت اور مسلمان عورت نہیں آسکتی وہ نکاح کرنا چاہے تو زانیہ سے یا مشرکہ سے کرسکتا ہے اسی طرح زانیہ عورت کسی مسلمان مرد یا نیک شخص سے نکاح نہیں کرسکتی اس مسئلہ میں مشرکہ عورت سے کسی مسلمان کا نکاح یا مشرک مرد کے ساتھ کسی مسلمان خاتون کی شادی کی حرمت قرآن کریم کی دوسری آیات سے ثابت ہے اور یہ تمام امت کا اجماعی مسئلہ ہے باقی رہا کہ زانی مرد مسلم سے کسی پاکدامن مسلم عورت کا نکاح یا زانیہ مسلمان عورت سے کسی پاکدامن مسلم مرد کی شادی جائز ہے یا ناجائز؟ تو اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر نیک مرد زانیہ عورت سے شادی کرنے کے بعد اسے بدکاری سے نہیں روکتا بلکہ اس فعل سے راضی ہے تو یہ دیوث ہوگا اور ایسی بے حیائی اور دیوثیت شرعاً حرام ہے اسی طرح اگر کوئی پاکدامن عورت کسی زانی سے نکاح کرتی ہے پھر نکاح کے بعد اس کی اس بری عادت پر راضی ہو یہ بھی حرام ہے یعنی ان کا یہ طریقہ اور رضامندی شرعاً گناہ ہے لیکن اس سے ان کے نکاح کو باطل نہیں کیا جاسکتا۔

شیخ طنطاوی اس بارے میں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(الزانى لا ينكح الا زانية او مشركة) لتقارب الاشكال وائتلاف الاخلاق (والزانية لا ينكحها الا زان او مشرك وحرم ذالك على المومنين) فهو مكروه كراهة تنزيهة لما يلزم فيه من التشبه بالفساق والتعرض لتهمة والسبب بسوء المقالة والطعن في النسب وغير ذالك ويجوز ان

زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ عورت سے نکاح کرتا ہے کیونکہ ان کی باہم شکلیں ملتی جلتی ہیں اور ان کے اخلاق ایک جیسے ہوتے ہیں اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد اور یہ مؤمنوں پر حرام کر دیا گیا ہے لہٰذا یہ مکروہ تنزیہہ ہوا کیونکہ اس میں فاسق لوگوں سے تشبیہ پائی جاتی ہے اور تہمت وارد ہوتی ہے اور بری باتوں کا سبب بنتی ہے اور نسب میں طعن ہوتا ہے اور یہ بھی درست

یراد بالتحریم انصراف النفس عن ذالک فان الزناۃ یاتلفون والصلحاء کذالک فھذا تحریم یرجع للطبع والعادۃ والشرع لا یمنع زواجھن و قیل انّ نکاحھن کان محرما: ثم نسخ بقولہ تعالی "وانکحوا الایامی منکم" و لذالک قال ﷺ کماسئل فی نکاح المسافحات و قال اولہ سفاح و آخرہ نکاح والحرام لا یحرم الحلال.

(تفسیر طنطاوی تصنیف شیخ طنطاوی جوہری ج ۱۲ ص ۵ زیر آیت الزانی لاینکح الا آیہ سورۃ النور مطبوعہ مصر)

ہے کہ یہاں تحریم سے مراد "دل کا اس سے پھرنا" ہو کیونکہ زانی لوگ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور نیک نیک کو چاہتے ہیں لہٰذا یہ تحریم طبیعت اور عادت کی طرف لوٹے گی اور شریعت ان عورتوں سے نکاح کو منع نہیں کرتی اور کہا گیا ہے کہ زانیہ عورتوں سے نکاح حرام تھا پھر "انکحوا الایامی منکم" آیت سے منسوخ کر دیا گیا اسی لیے جب حضور ﷺ سے بدکار عورتوں کے نکاح کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اس کی ابتداء بدکاری اور انتہاء نکاح ہے اور حرام کسی حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔

علامہ طنطاوی نے بڑی خوبی کے ساتھ تفسیر میں آیت کریمہ پر پڑنے والے اعتراضات کا جواب دیا مثلاً جمہور کا مسلک ہے کہ بدکار عورت کی شادی نیک آدمی سے جائز ہے حالانکہ آیت مذکورہ اس کی اجازت نہیں دیتی تو اسی طرح ایک اعتراض یہ تھا کہ جمہور جب اجازت دیتے ہیں تو "حرم ذالک علی المؤمنین" کا کیا مفہوم ہوگا؟ ان دونوں کا جواب دیا کہ یہاں حرمت سے مراد یا تو مکروہ تنزیہہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ بدکار عورت سے نکاح مکروہ تنزیہہ ہے اور دوسرا یہ کہ بدکار عورت سے مراد وہ جو بدکاری کی عادی ہو تو دونوں کو ملا کر مفہوم یہ ہوا کہ بدکاری کی عادی عورت سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہہ ہے پھر علامہ موصوف نے اس مفہوم کی تائید میں ایک حدیث پاک بھی ذکر کی۔ بدکار عورت کے نکاح کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کی ابتداء بدکاری پر اور انتہاء نکاح ہے بدکاری نکاح کو حرام نہیں کرتی۔ علامہ طنطاوی نے جو کچھ لکھا صاحب روح المعانی نے بھی اس آیت کے شان نزول میں جو لکھا وہ ایک سا مفہوم رکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اس آیت کے شان نزول میں وہ آیت نقل کی گئی ہے جسے ابوداؤد اور ترمذی نے بھی نقل کیا ہے ترمذی نے اسے حسن اور حاکم نے اسے صحیح کہا' بیہقی اور ابن منذر وغیرہ نے عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ مرثد نامی ایک شخص کا طریقہ تھا کہ مشرکین مکہ کے پاس جو مسلمان قیدی ہوتے رات کی تاریکی میں انہیں کفار کی قید سے نکال لاتے اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں گئے اور ایک مکان کے سایہ میں سمٹے بیٹھے تھے تا کہ کوئی دیکھ نہ پائے اتفاقاً عناق نامی عورت ادھر نکلی اس سے مرثد کے دور جاہلیت میں برے تعلقات رہے تھے اس نے متحرک سایہ دیکھا تو قریب آئی اور انہیں پہچان لیا پوچھا مرثد ہو کہا ہاں وہ بہت خوش ہوئی خوش آمدید کہتی ہوئی آگے بڑھی اور کہنے لگی رات ہمارے ہاں گزاریئے مرثد کہتے ہیں میں نے اسے کہا اللہ تعالی نے زنا حرام کر دیا ہے لہٰذا میں تمہارے ہاں رات گزارنے کی ہمت نہیں کر سکتا اس پر عناق نے شور مچا دیا کہ لوگو! یہ ہے وہ شخص جو چوری چھپے قیدی لے جاتا رہا اسے پکڑ لو میں وہاں سے بھاگ نکلا آٹھ آدمی میرے تعاقب میں تھے' میں ایک غار میں چھپ گیا وہ غار کے دہانے تک آ گئے لیکن اللہ تعالی نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا وہ واپس ہو گئے میں پھر اپنے مقصد کی خاطر مکہ آیا اور جس شخص کو رہا کرانے کی غرض سے آیا تھا اسے کسی نہ کسی طرح رہا کرانے میں کامیاب ہو گیا اسے لے کر جب مدینہ منورہ پہنچا تو سرکار دو عالم ﷺ کو تمام واقعہ عرض کر دیا پھر عرض کیا اگر حضور ﷺ آپ اجازت دیں تو عناق سے شادی کر لوں؟ حضور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی کچھ ہی دیر بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی آپ نے مجھے بلایا اور حکم الٰہی پڑھ کر سنایا (زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرے اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک سے شادی رچائے اور یہ مؤمنوں پر حرام کر دیا گیا ہے)

لہٰذا تو نکاح نہ کر۔ (روح المعانی: ج ۱۸ ص ۸۵ مطبوعہ بیروت)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ عادی زانیہ سے شادی کرنا ناپسندیدہ ہے اسی لیے حضور ﷺ نے جناب مرثد کو عناق نامی زانیہ سے شادی کرنے سے روک دیا۔ یہاں بعض مفسرین نے ایک شعر بھی لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے

''شیروں کو ایسی جگہ سے پانی پینا مناسب نہیں جہاں سے کتے پانی پیتے ہوں''

حاصل کلام یہ کہ زانیہ سے نیک مرد کا نکاح جائز ہے۔ حرام نہیں بلکہ مکروہ تنزیہہ ہے اور اگر حرام کو آیت مذکورہ میں حرمت پر ہی محمول کیا جائے یعنی زانیہ سے نکاح حرام ہے تو پھر یہ حکم بعد والی آیت کے حکم سے منسوخ ہو جائے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۹۹۰- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَکْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ قَالَ اَنْ تَقُوْلَ لِلْمَرْاَةِ وَهِیَ فِیْ عِدَّتِهَا مِنْ وَفَاةِ زَوْجِهَا اِنَّکِ عَلَیَّ کَرِیْمَةٌ وَاِنِّیْ فِیْکِ لَرَاغِبٌ وَاَنَّ اللّٰهَ سَآئِقٌ اِلَیْکِ رِزْقًا وَ نَحْوَ هٰذَا مِنَ الْقَوْلِ.

ہمیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول ''لا جناح علیکم الایة'' کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی عورت کو جو اپنے خاوند کے فوت ہونے کی عدت گزار رہی ہو کہے تو میرے نزدیک بڑی محترم ہے میں تجھ میں رغبت رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ تیری طرف رزق بھیجنے والا ہے یا اس قسم کی گفتگو (صریح پیغام نکاح نہ ہو تو ایسی باتوں میں کوئی حرج نہیں)۔

آیت مذکورہ کا ترجمہ یہ ہے: وہ تم پر عورتوں سے تعریضاً واشارتاً پیغام نکاح دینے میں کوئی حرج نہیں یا تم ان سے نکاح کرنے کا معاملہ دل میں چھپائے رکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں عورت کی عدت کے دوران اس سے تعریضاً نکاح کی گفتگو کرنے کی اجازت عطا فرمائی اشارتاً یا کنایۃً اسے اس کی اطلاع کرنا جائز ہے۔ صاحب تفسیر بحرالمحیط ابوحیان اندلسی نے چند ایسے الفاظ تحریر کیے جو اس ضمن میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بارے میں تعریض کے طریقہ پر نکاح کا پیغام دینے میں گناہ کی نفی فرمائی یعنی جائز قرار دیا اس کا طریقہ ہے کہ مرد معتدہ کو کہتا ہے ''انک لجمیلة تو بہت خوبصورت ہے'' ''انک لصالحة تو بہت نیک ہے'' ''ان من عزمی ان اتزوج میرا شادی کرنے کا پختہ ارادہ ہے'' ''انی فیک راغب میں تیری خواہش کرتا ہوں'' ایسے دیگر الفاظ جن میں کنایۃً یا اشارۃً نکاح کی بات ہو۔ (تفسیر بحرالمحیط: ج ۲ ص ۵۲۰ مطبوعہ بیروت)

سکینہ بنت حنظلہ بیوہ ہوئیں ان کے پاس امام باقر رضی اللہ عنہ تشریف لائے ابھی یہ عدت گزار رہی تھیں آپ نے فرمایا: تو جانتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میری قرابت ہے اور میرے دادا علی المرتضیٰ کا حق بھی تجھے معلوم ہے جو اسلام میں پہلے تھے سکینہ بولی! اللہ آپ کو بخشے آپ دوران عدت مجھے نکاح کا پیغام دے رہے ہیں حالانکہ لوگ آپ سے دین حاصل کرتے ہیں؟ امام باقر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے تمہیں اس قرابت کی خبر دی ہے جو مجھے رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہے خود حضور ﷺ ام المومنین ام سلمٰی کے پاس تشریف لائے جب وہ اپنی عدت گزار رہی تھیں آپ نے ان کے سامنے اپنا مقام و مرتبہ بیان فرمایا۔ (تفسیر طنطاوی: ج ۱ ص ۲۱۶ مطبوعہ مصر)

نوٹ: یہی واقعہ طبری نے بھی اپنی تفسیر میں ذکر کیا لیکن وہاں حضور ﷺ کے الفاظ یہ نقل کیے گئے '' لقد علمت انی رسول اللہ تو بخوبی جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں'' اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہوں تو میری قوم میں میرے مقام و مرتبہ کو بھی

جانتی ہے اس خطبہ (پیغام نکاح) کی تخریج "دار قطنی" نے کی۔ ان حوالہ جات و واقعات سے معلوم ہوا کہ عورت کی عدت کے دوران اسے اشارۃً کنایۃً پیغام نکاح دینے میں کوئی حرج نہیں ہاں صریح پیغام دینے سے اجتناب کیا جانا ضروری ہے۔ اشارتاً پیغام کے جواز پر امام باقر رضی اللہ عنہ اور خود حضور ﷺ کا واقعہ شاہد ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۹۹۱- اَخْبَرَ نَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ دُلُوْكُ الشَّمْسِ مَيْلُهَا.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں بتایا کہ ہمیں جناب نافع نے ابن عمر سے بتایا کہ "دلوک الشمس" کا معنی سورج ڈھلنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے "دلوک الشمس" کا معنی سورج ڈھلنا بیان کیا گیا۔ بعض نے اس کا معنی سورج غروب ہونا بھی کیا ہے لیکن یہ مرجوح ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ نماز قائم کرو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک" آیت کریمہ کے مذکورہ حصہ میں چار نمازیں آتی ہیں جو سورج ڈھلنے سے رات پڑنے تک ہیں یعنی ظہر' عصر' مغرب اور عشاء اور پانچویں نماز' نماز صبح کا ذکر اس کے ساتھ والے الفاظ "و قرآن الفجر" میں ہے قرآن پڑھنا سے مراد نماز فجر میں قرآن پڑھنا ہے۔ ابن کثیر نے ان الفاظ کی تشریح اور پانچ نمازوں کی فرضیت ان الفاظ میں ذکر کی ہے۔

عن الشعبی عن ابن عباس دلوكها زوالها و رواه نافع عن ابن عمر و رواه مالک فی تفسيره عن الزهری عن ابن عمر و قاله ابوبرزه الاسلمی و هو رواية ايضا عن ابن مسعود و مجاهد و به قال الحسن والضحاک و ابو جعفر الباقر و قتاده واختاره ابن جرير و مما استشهد عليه ما رواه عن ابن حميد عن الحكم بن بشير حدثنا عمرو بن قيس عن ابن ابی ليلى عن رجل عن جابر بن عبدالله قال دعوت رسول الله ﷺ ومن شاء من اصحابه فطعموا عندی ثم خرجوا حين زالت الشمس فخرج النبی ﷺ فقال اخرج يا ابابكر فهذا حين دلكت الشمس ثم رواه عن سهل من بكار عن ابی عوانة عن الاسود ابن قيس عن نبيح العنزی عن جابر عن رسول الله ﷺ نحوه فعلى هذا تكون هذه الاية دخل فيها اوقات الصلوة الخمس فمن قوله (لدلوک الشمس الى غسق الليل) وهو ظلامه وقيل غروب الشمس اخذ منه الظهر والعصر والمغرب والعشاء و قوله ...

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جناب شعبی بیان کرتے ہیں کہ دلوک الشمس سے مراد زوال شمس ہے۔ اسے ابو نافع نے ابن عمر سے اور امام مالک نے اپنی تفسیر میں زہری سے روایت کیا۔ ابو برزہ اسلمی نے بھی یہی قول کیا ہے۔ اور ابن مسعود سے بھی روایت ہے۔ مجاہد' حسن بصری' ضحاک' ابو جعفر باقر اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے اسے ہی مختار قرار دیا اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن حمید نے حکم بن بشیر سے روایت کیا' کہا کہ میں عمرو بن قیس نے ابن ابی لیلیٰ سے وہ ایک شخص سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی دعوت کی اور اس کی جسے حضور ﷺ نے کہا ان حضرات نے میرے ہاں کھانا کھایا پھر زوال شمس کے وقت باہر تشریف لائے پس حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ابو بکر! باہر آؤ یہ وقت سورج ڈھلنے کا ہے پھر یہی روایت بواسطہ سہل بن بکار عن ابی عوانہ عن الاسود ابن قیس عن نبیح العنزی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ذکر ہوئی اس تفسیر کے مطابق آیت مذکورہ میں پانچوں نمازوں کے اوقات شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لدلوک الشمس الی غسق اللیل" یعنی زوال سے لے کر اندھیرا چھانے تک یا غروب شمس تک اس آیت

قرآن الفجر) یعنی صلوۃ الفجر وقد بینت السنۃ عن رسول اللہ ﷺ تواترمن افعالہ و اقوالہ تفاصیل ھذہ الاوقات علی ما علیہ اھل الاسلام الیوم مما تلقوہ خلفا عن سلف و قرنا بعد قرن کما ھو مقرر فی موضعہ وللہ الحمد. (تفسیر ابن کثیر: ج ۳ ص ۵۳ زیر آیت اقم الصلوۃ لدلوک الشمس' مطبوعہ بیروت)

کریمہ سے ظہر' عصر' مغرب اور عشاء ماخوذ ہوئیں اور "قرآن الفجر" یعنی نماز فجر پانچویں ہوئی اور حضور ﷺ کی احادیث و عمل شریف نے ان اوقات خمسہ کی تفاصیل بیان کیں جن پر آج بھی اہل اسلام قائم ہیں اور یہ اوقات بمعہ تفاصیل ہم لوگوں نے اپنے سے پہلے بزرگوں سے حاصل کئے جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تقریر و تحقیق ہے اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

معلوم ہوا کہ "دلوک الشمس" سے مراد سورج کا ڈھلنا ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے اگرچہ ایک آدھا قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد غروب آفتاب ہے لیکن یہ دوسرا قول راجح نہیں' راجح پہلا قول ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۹۹۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا دَاوُدُ ابْنُ الْحُصَيْنِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ يَقُوْلُ دُلُوْكُ الشَّمْسِ مَيْلُهَا وَ غَسَقُ اللَّيْلِ اِجْتِمَاعُ اللَّيْلِ وَ ظُلْمَتُهٗ.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں داؤد ابن حصین سے اور وہ ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ دلوک الشمس کا معنی سورج کا ڈھلنا ہے اور غسق اللیل کا معنی رات کا چھاجانا اور اس کا اندھیرا کرنا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ دُلُوْكُهَا غُرُوْبُهَا وَ كُلٌّ حَسَنٌ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول ابن عمر اور ابن عباس کا ہے اور عبداللہ بن مسعود نے دلوک الشمس کا معنی غروب آفتاب کیا ہے اور ہر ایک معنی اچھا ہے۔

اس حدیث میں پچھلی حدیث کا مضمون مذکور ہے جس کی تفصیل و تحقیق گزر چکی ہے۔ صرف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "دلوک الشمس" کا معنی غروب آفتاب جو حضرت عبداللہ بن مسعود نے کیا ہے اس کا تذکرہ کر کے دونوں معانی کو درست کہا لیکن ترجیح ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو نہیں۔

۹۹۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّمَا اَجَلُكُمْ فِيْمَا خَلَا مِنَ الْاُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ وَاِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَ مَثَلُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى كَرَجُلٍ اِسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِيْ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ قَالَ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِيْ مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلَى الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰى عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِيْ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ قَالَ فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَ

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے بتایا: کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے رسول کریم ﷺ سے خبر دی آپ نے فرمایا: تمہاری عمر پہلی امتوں کے مقابلہ میں اس قدر ہے جس قدر نماز عصر سے غروب آفتاب تک ہے اور تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایک ایسے آدمی کی سی ہے جس نے مزدوری پر مزدوروں کو رکھا اس نے کہا کہ تم میں سے دوپہر تک ایک قیراط کے بدلہ میں کون مزدوری کرے گا؟ یہود نے یہ مزدوری کی پھر کہا کہ دوپہر سے عصر تک ایک قیراط پر کون مزدوری کرے گا؟ تو نصاریٰ نے ایک قیراط پر مزدوری قبول کی پھر کہا کہ تم میں سے کون نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو قیراط پر مزدوری کرے گا؟ آگاہ رہو کہ تم ہی (امت محمدیہ) وہ لوگ ہو جنہوں نے دو قیراط کے بدلہ میں نماز عصر سے غروب آفتاب تک مزدوری قبول کی تھی آپ

النَّصَارٰی وَ قَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ عَمَلًا وَّاَقَلُّ عَطَاءً قَالَ هَلْ ظَلَمْتُکُمْ مِنْ حَقِّکُمْ شَیْئًا قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنَّهٗ فَضْلِیْ اُعْطِیْهِ مَنْ شِئْتُ۔

نے فرمایا: اس پر یہود و نصاریٰ کو بہت غصہ آیا اور کہنے لگے ہم نے کام زیادہ کیا اور مزدوری تھوڑی ملی؟ اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تمہارا حق مارا ہے؟ کہنے لگے نہیں اللہ نے فرمایا: یہ میرا فضل ہے ہم جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا الْحَدِیْثُ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ تَاخِیْرَ الْعَصْرِ اَفْضَلُ مِنْ تَعْجِیْلِهَا اَلَا تَرٰی اَنَّهٗ جَعَلَ مَا بَیْنَ الظُّهْرِ اِلَی الْعَصْرِ اَکْثَرُ مِمَّا بَیْنَ الْعَصْرِ اِلَی الْمَغْرِبِ فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ وَمَنْ عَجَّلَ الْعَصْرَ کَانَ مَا بَیْنَ الظُّهْرِ اِلَی الْعَصْرِ اَقَلُّ مِمَّا بَیْنَ الْعَصْرِ اِلَی الْمَغْرِبِ فَهٰذَا یَدُلُّ عَلٰی تَاخِیْرِ الْعَصْرِ وَ تَاخِیْرُ الْعَصْرِ اَفْضَلُ مِنْ تَعْجِیْلِهَا مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَیْضَاءَ نَقِیَّةً لَمْ تُخَالِطْهَا صُفْرَةٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عصر کو جلدی ادا کرنے سے اسے ٹھہر کر ادا کرنا افضل ہے کیا تم نے نہ دیکھا کہ حضور نے وہ وقت جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک ہے وہ ظہر اور عصر کے درمیانے وقت سے کم قرار دیا ہے اور جو شخص نماز عصر جلدی پڑھ لیتا ہے (ایک سایہ مثلی ہونے پر) تو اس کی نماز عصر کے ادا کرنے سے غروب آفتاب کا وقت بہ نسبت ظہر تا عصر زیادہ ہو جائے گا لہٰذا یہ حدیث پاک اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز عصر دیر سے ادا کرنا جلدی ادا کرنے سے افضل ہے تاخیر اس وقت جب تک سورج بالکل اپنی آب و تاب پر سپید رنگ کی روشنی بکھیرتا ہو اس کی روشنی میں پیلا رنگ نہ آئے یہی قول امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

مذکورہ حدیث پاک میں دو باتیں بیان ہوئیں ایک امت محمد یہ ﷺ کی پہلی امتوں کے ساتھ مثال اور دوسری بات نماز عصر کا وقت ہے۔ شارحین کرام کے پہلی بات کے متعلق بہت سے اقوال ہیں بعض حضرات نے اس کے ظاہری مفہوم کو ہی مراد تسلیم کیا اور لکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی رسالت تک کا زمانہ اور پھر حضور ﷺ کے دور اقدس سے قیامت تک کا وقت اس تمام زمانہ کو ایک دن سمجھ لیا جائے تو پہلی امتوں کا تمام زمانہ اس میں سے اتنا ہوگا جس قدر نماز عصر تک ہوتا ہے اور حضور ﷺ سے قیامت تک کا وقت اس کے مقابلہ میں اتنا جس قدر نماز عصر سے غروب آفتاب کا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی اسی طرح کی ایک اور حدیث پاک ہے "میں اور قیامت اس طرح مل کر آئے ہیں جس طرح دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں" اس حدیث پاک کے بارے میں بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں: کہ ہمارے حساب سے ہوسکتا ہے کہ اس امت کی عمر انیس (۱۹) صدیاں ہوں بہر حال یہ کوئی یقینی اندازہ نہیں ہاں یہ ضرور کہنا درست ہے کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قیامت تک کے عرصہ کا یقینی علم اللہ تعالیٰ کو تو ہے ہی اور سیاق و سباق آیت قرآنی کا یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم نبی علیہ السلام کو بھی بتا دیا ہے کیونکہ آیت کے آخر میں علیم خبیر فرمایا ہے کہ جس کا معنیٰ ہے کہ وہ قیامت کو جاننے والا اور خبر دینے والا ہے لیکن اس کے اظہار کی اجازت نہ دی ہو لہٰذا اس پر عمل کرتے ہوئے آپ نے دوٹوک انداز میں اس کی مقدار بیان نہ فرمائی ہو۔ اس حدیث مؤطا میں حضور ﷺ نے یہود و نصاریٰ کی مزدوری اور اپنی امت کی مزدوری کا بھی ذکر فرمایا ان کی اجرت کم اور محنت زیادہ' ہماری اجرت زیادہ اور محنت کم اس مضمون کی حدیث "بخاری شریف" میں اختلاف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن شهاب عن سالم بن عبدالله عن ابيه انه اخبره انه سمع رسول الله ﷺ يقول انما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا بے شک تمہاری بقا

بقاء کم فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلوة العصر الی غروب الشمس اوتی اهل التوراة التوراة فعملوا حتی اذا انتصف النهار عجزوا فاعطوا قیراطاً ثم قیراطاً اوتی اهل الانجیل الانجیل فعملوا الی صلوة العصر ثم عجزوا فاعطوا قیراطاً قیراطاً ثم اوتینا القرآن فعملنا الی غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیراطین فقال اهل الکتابین ای ربنا اعطیت هولاء قیراطین قیراطین واعطینا قیراطاً قیراطاً و نحن کنا اکثر عملا قال الله عز و جل هل ظلمتکم من اجرکم من شئی قالوا لا قال وهو فضلی اوتیه من اشاء عن ابی موسی عن النبی ﷺ قال مثل المسلمین والیهود والنصاری کمثل رجل استاجر قوما یعملون له عملا الی اللیل فعملوا الی نصف النهار فقالوا لا حاجة لنا الی اجرک فاستاجر آخرین فقال اکملوا بقیة یومکم ولکم الذی شرطت فعملوا حتی اذا کان حین صلاة العصر قالوا لک ما عملنا فاستاجر قوما فعملوا بقیة یومهم حتی غابت الشمس فاستکملوا اجر الفریقین۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۷۹ باب من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

(عمر) پہلی امتوں کے اعتبار سے اس قدر ہے جس قدر وقت نماز عصر سے غروب آفتاب تک ہوتا ہے' تورات والوں کو تورات دی گئی انہوں نے دوپہر تک کام کیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں ایک قیراط دیا گیا پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی انہوں نے دوپہر سے نماز عصر تک عمل کیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا پھر ہمیں قرآن کریم دیا گیا تو ہم نے سورج غروب ہونے تک عمل کیا پس ہمیں دو دو قیراط دیئے گئے یہود و نصاریٰ نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں کو تو نے دو دو قیراط عطا فرمائے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا حالانکہ ہم عمل میں ان سے زیادہ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہارے اجر میں سے تھوڑا سا بھی رکھا؟ کہنے لگے نہیں فرمایا: وہ میرا فضل ہے میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔ حضرت ابوموسیٰ (اشعری) سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے رات تک کے لیے مزدوروں کو مزدوری پر لگایا پس انہوں نے آدھے دن تک کام کیا پھر کہنے لگے ہمیں تمہارے اجر کی کوئی ضرورت نہیں اس نے پھر دو اور آدمیوں کو مزدوری کرنے کو کہا اور حکم دیا کہ سورج غروب ہونے تک ان کا کام مکمل کرو تو انہوں نے دونوں فریقوں کا کام مکمل کر دیا یعنی دونوں کی مزدوری انہوں نے حاصل کر لی۔

نوٹ: ''موطا امام محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی روایت میں نماز عصر کے وقت کی مفصل بحث گزر چکی ہے۔ صاحبین کا مسلک و مؤقف یہ ہے کہ سایہ اصلی کے سوا ایک مثل سایہ بڑھنے پر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے لیکن احناف کے نزدیک نہ اس پر فتویٰ ہے اور نہ ہی کسی حنفی کا اس پر عمل ہے بلکہ فتویٰ اس پر ہے کہ سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ جب دوگنا ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جو گفتگو فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عمل خود اپنے قول پر نہ تھا بلکہ ان کا معمول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مطابق تھا اگرچہ ان کا مشہور مسلک وہی ہے جو اوپر لکھا گیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث کے آخر میں لکھا: ''یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز عصر تاخیر سے (دو مثل سایہ کے بعد) ادا کرنا جلد پڑھنے (ایک سایہ کے بعد) سے افضل ہے کیونکہ ظہر اور عصر کے درمیان وقفہ زیادہ ہونا چاہیے اور عصر و مغرب کے درمیان وقفہ اس سے کم ہونا چاہیے تاکہ محنت زیادہ اور کم کا مکمل بنے اور فرمایا: کہ تاخیر سے عصر ادا کرنا یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے'' آپ کی یہ گفتگو بتاتی ہے کہ نماز عصر کا وقت نماز ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہیے اور یہ اسی وقت متحقق ہوگا جب عصر دو مثل سایہ بڑھنے کے بعد ادا کی جائے اور پھر خاص کر جب ظہر کی نماز موسم گرما میں ٹھنڈی کر کے پڑھی جائے تو وقت اور کم ہو جائے گا حالانکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ گرما کی ظہر کو ٹھنڈا کر

کے پڑھنے کے خود قائل ہیں۔ فرماتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال ابردوا بالظهر عن فيح جهنم.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: ظہر کو جہنم کے سانس سے ٹھنڈا کر کے ادا کرو۔

قال محمد تؤخر الظهر فی الصيف حتی تبردها و تصلی فی الشتاء حين نزول الشمس و هو قول ابی حنيفة رحمة الله عليه.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ گرمیوں میں ظہر کو ٹھہر کر ادا کیا جائے حتیٰ کہ (تپش کم ہو کر ہوا پکھ) ٹھنڈی ہو جائے اور سردیوں میں زوال شمس کے بعد پڑھ لی جائے یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار: ص ۴۱ باب مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ اشرف منزل کراچی)

قارئین کرام اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ ظہر کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا وہی مسلک ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے یعنی گرمیوں میں ظہر اس وقت ادا کی جائے جب دوپہر کی تپش ہلکی ہو جائے اور یہ حالت ایک آدھ گھنٹے میں ختم نہیں ہوتی اگر سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل سایہ بڑھنے تک ظہر کا وقت ہوتا تو گرمیوں میں ٹھنڈا کر کے ادا کرنے کا حکم ناقابل عمل ہو جاتا کیونکہ اس وقت تک سورج کی تمازت اور زمین کی تپش میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اس لیے اگر کوئی شخص نماز ظہر کو ذرا ٹھنڈک ہو جانے پر ادا کرنا چاہتا ہے تو اسے لازماً ایک مثل سایہ بڑھنے کے بعد ادا کرنا ہوگی اور ایک مثل سایہ بڑھنے کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک وموقف وہی ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

"موطا امام محمد" کی شرح عرصہ تقریباً دو سال میں پایہ تکمیل تک پہنچی آخری سطور بروز جمعرات ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ صلوٰۃ الضحیٰ پڑھنے کے بعد تحریر ہوئیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محبوب رحمۃ للعالمین ﷺ کے صدقے اسے مقبول ومنظور فرمائے اور اس کے طفیل میرے سابقہ گناہ معاف فرمائے آئندہ بھی محفوظ و مامون رکھے اور صحت کاملہ عطا فرمائے رکھے تاکہ میں اپنی ایک اور نیک دیرینہ تمنا یعنی قرآن کریم کی تفصیلاً تفسیر لکھنے کی سعادت حاصل کر سکوں۔ قرآن کریم کی مفصل تفسیر کا اجمالی خاکہ ذہن میں اس طرح کا ہے سب سے پہلے قرآن کریم کا ترجمہ کنز الایمان جسے جو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے کیا اس کی تخریج کی جائے اور آپ کے ترجمہ کے وہ تمام مقام کہ جن پر بدمذہبوں نے کفر وشرک اور بدعت کے فتوے لگائے ان کا مکمل محاسبہ کروں اور یہ بتاؤں کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے ترجمہ میں کن کن تفاسیر واحادیث آثار اور اقوال ائمہ سے استفادہ فرمایا ہے؟ اس کے بعد نفس آیت قرآنیہ کے مطالب ومفاہیم تفصیل سے قارئین کرام کے سامنے رکھوں اور اس کے بعد شیعوں نے جن جن آیات کی تفسیر میں عقائد اہل سنت کو باطل ثابت کیا ہے ان سب کے دندان شکن جواب دوں بلکہ جن لوگوں نے بھی عقائد اہل سنت کو قرآنی آیات سے باطل ثابت کرنے کی کوشش کی ان سب پر دلائل کے ساتھ ثابت کروں کہ مسلک اہل سنت والجماعت ہی حق ہے اور یہی جماعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجی وجنتی ہے۔

ایسی جامع ومانع تفسیر مذکورانداز کی تفسیر کا کثیر علماء اہلسنت نے مطالبہ کیا ہے اور کہا کہ یہ کام ضرور کرو ایک یادگار ہوگی اور بخشش کا ذریعہ بنے گی خصوصاً اپنے بیٹے رضاء المصطفیٰ نے بہت اصرار سے التجا کی کہ آپ اب صرف تفسیر لکھیں دارالعلوم اور دیگر مصروفیات کا بوجھ ہم خود اٹھائیں گے میرا بیٹا چونکہ نہایت فرمانبردار ہے اور ساتھ ہی اس کا یہ اصرار کسی دنیوی کام کے لیے نہیں بلکہ امت مسلمہ کی خیر خواہی کے لیے ہے لہٰذا فقیر [illegible] اللہ تعالیٰ مجھے اپنے حبیب ﷺ کے

طفیل صحت بھی عطا فرمائے رکھے اور اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کی ہمت و توفیق بھی عطا فرمائے (آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ)۔

وآخرنا دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی حبیبہ رحمۃ للعالمین و علی اصحابہ الراضین المرضیین وعلی آلہ الطیبین الطاھرین من ھذا الیوم الی یوم الدین.

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

جمعرات بعد صلوٰۃ الضحیٰ

نوٹ: ہم بہت ہی دکھ اور حسرت کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ یہ کتاب مکمل کرنے کے بعد والد گرامی شیخ الحدیث محقق اسلام علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی بیماری اور عارضۂ قلب شدت اختیار کر گیا آپ اس عارضے میں بھی تفسیر قرآن لکھنے کے لیے مواد جمع کر رہے تھے اور کسی روز اس کا آغاز کرنا چاہتے تھے کہ اچانک داعیٔ اجل آ پہنچا اور آپ ۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء/ ۲۸ صفر ۱۴۱۷ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے چونکہ تفسیر قرآن کے لیے آپ تیاری کر چکے تھے اس لیے اس حدیث نبوی کے مطابق کہ جو شخص کسی نیک کام کا عزم کر لے پھر اسے نہ کر سکے تو خدا اسے اجر سے محروم نہیں رکھتا یقیناً والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ روز حشر مفسرین قرآن کے زمرے میں اٹھائے جائیں گے۔

محمد طیب غفرلہ

ابن محقق اسلام علامہ محمد علی رحمہ اللہ